مظہریہ دارالمطالعہ جنہان سومرو (سندھ)
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

شیخ القرآن والحدیث حضرۃ مولانا علامہ ابو الزاہد

محدثِ عرب و عجم آبروئے دیوبند امامِ اہل السنّۃ والجماعۃ

محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ

تلمیذِ رشید شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ خلیفہ مجاز امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ اکابرین کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں اور ان کی تحقیقات کو اپنا امام بنائیں اسی میں راہ نجات ہے۔توحید وسنت کو اپنائیں اور شرک وبدعت سے سخت نفرت کریں۔ہمارے یہاں سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ ہر جدید فکر رکھنے والا ان بزرگوں سے ملاقات کرنے کے بعد ان کی شخصیت کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے۔ کلا و حاشا

ایں خیال است ومحال است وجنوں

یہ حضرات دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے خالص اور سچے دیوبندی تھے اور سچی دینی سیاست اور قیادت کے قائل تھے، حضرت شیخ کی ذات بابرکات نہایت واضح اور کھلی زندگی پر مبنی ہے اتنی بڑی شخصیات کی زندگی کی طرز اپنانے کی بجائے ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ [حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم]

مجلس مشاورت

- مولانا فضل الرحمن دھرم کوٹی (خانقاہ)
- مولانا نور محمد تونسوی (ترنڈہ محمد پناہ)
- مولانا مفتی محمد شاہد مسعود (سرگودہا)
- مولانا منیر احمد منور (کہروڑپکا)
- مولانا قاری عبد الرحمن ضیاء (سرگودہا)
- مولانا عبد الجبار الحنفی السلفی (لاہور)
- محترم جناب اشتیاق احمد (جھنگ)
- مولانا جمیل الرحمن عباسی (بہاولپور)
- مولانا ندیم الرشید (بہاولپور)

khadim.khan4@yahoo.com

0334-4612774
0312 4612774
0332-8354133
0334-4678327

نام کتاب......................مجلّہ ''صفدر'' امام اہل سنت نمبر

بیاد..................................امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

نظر ثانی..........................شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ

مرتب..............................خادم اہل سنت سرفراز حسن خان حمزہ

صفحات.................................. 1048

طبع اول..........................رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

طبع دوم...........................ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ

ناشر...................................

ملنے کے پتے

☆......مظہر یہ دارالمطالعہ، حق چار یار اکیڈمی، مدرسہ ومحلّہ حیات النبی، گجرات۔حمزہ احسانی

0334-4612774

☆ مکتبہ صفدریہ، نزد گھنٹہ گھر چوک گوجرانوالہ 0300-7463292

محمد مغیرہ 0333-8250280

☆......مکتبہ الحسن، اردو بازار لاہور 0300-4339699

☆......ادارہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆......مکتبہ سراجیہ چوک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا۔محمد بلال ڈیروی 0333-9810455

☆......ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

محمد حنیف 0333-8165702--0321-6432659

☆......حافظ عبدالوحید حنفی، مدنی جامع مسجد، نیا محلّہ، نزد بھون روڈ چکوال

0543-551357

انتساب

داداجان رحمہ اللہ کے

اولوالعزم استاد

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

اور عظیم المرتبت شیخ

امام الموحدین رئیس المفسرین

حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ

کے نام

ایک نظر اِدھر بھی

مجلّہ ''صفدر'' کا دوسرا شمارہ حاضر خدمت ہے، یہ بھی خاص نمبر ہے۔ جو محدث عرب وعجم، آبروئے دیوبند، امام اہل سنت، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا علامہ محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے سوانح اور تذکرہ پر مشتمل ہے۔ یعنی ''امام اہل سنت نمبر'' ہے۔

اکثر مضامین اس میں وہی ہیں جو اس سے قبل مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کے ''امام اہل سنت نمبر'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ بہت سے مضامین نئے بھی ہیں۔ ترتیب وغیرہ وہی ہے جو ''المصطفیٰ'' میں تھی۔ مضامین میں جہاں مجلّہ ''المصطفیٰ'' کا نام تھا، اسے اسی طرح برقرار رکھا گیا ہے۔

حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد ان کی یاد میں مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاول پور، اور ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ نے مفصل...... ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ، ماہنامہ ''مدینۃ العلم'' فیصل آباد، ہفت روزہ ''وزارت'' لاہور نے مختصر خصوصی نمبرز شائع کیے...... مجلّہ ''صفدر'' بھی اس سعادت کے حصول اور ان عشاقان امام اہل سنت میں اپنا نام لکھوانے کے لیے اپنے قارئین کی خدمت میں امام اہل سنت کے حالات پیش کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ عید قربان کے موقع پر مدرسہ میں تعطیلات ہوئیں تو اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ٹھانی۔ بعجلت تام جو کچھ ہو سکا، آپ کے سامنے ہے۔ خداوند کائنات قبول فرمائے۔ آمین......

مجلّہ ''صفدر'' کا پہلا شمارہ ''شیخ المشائخ نمبر'' تھا اور دوسرا ''امام اہل سنت نمبر'' ہے۔ اگلا شمارہ کب اور کونسا ہوگا؟ اس کا ابھی راقم کو بھی صحیح اندازہ نہیں۔ البتہ ارادہ ہے کہ مدرسہ کی آئندہ تعطیلات میں ''مکتوبات وملفوظات امام اہل سنت نمبر'' قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں دعا کی خصوصی درخواست ہے۔

پہلے بھی عرض کیا تھا کہ بندہ کی تعلیم سے فراغت تک اس مجلّہ کو مستقل چلانا مشکل ہے، اس لیے فی الحال اس کی سالانہ ممبر شپ کے لیے رابطہ نہ فرمایا جائے۔ البتہ دعاؤں میں فراموش بھی نہ کیا جائے۔ شکریہ

والسلام......حمزہ احسانی

۹ ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ بمطابق 16 نومبر 2010

فہرست ابواب، فہرست مضامین، انتساب
کلمات تبریک، اظہارِ تشکر، پہلی زیارت
پیش لفظ، اداریہ، عرضِ خادم

قائد اہل سنت **مولانا قاضی مظہر حسین** نور اللہ مرقدہ

کی تالیفات

رد مودودیت

[۱]صحابہ کرام اور مودودی
[۲]علمی محاسبہ بجواب علمی جائزہ
[۳]مودودی مذہب
[۴]مودودی جماعت کے عقائد ونظریات پر ایک تنقیدی نظر
[۵]مولانا سید گل بادشاہ رحمہ اللہ کا فتویٰ اور مودودی جماعت
[۶] کیا عورت صدر مملکت بن سکتی ہے؟
[۷]مودودی صاحب کے نام کھلی چٹھی
[۸] جماعت اسلامی شیعہ انقلاب چاہتی ہے۔
[۹]عقیدہ عصمت انبیاء اور مودودی
[۱۰]جوابی مکتوب (بنام قاضی حسین احمد صاحب)

رد رافضیت

[۱۱]مقدمہ آفتاب ہدایت
[۱۲]**بشارت الدارین بالصبر علیٰ شهادت الحسين**
[۱۳]ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟
[۱۴]سنی مذہب حق ہے۔
[۱۵]تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر
[۱۶]سنی تحریک طلبہ کا سنی مؤقف
[۱۷]دینی مدارس کے سنی، شیعہ طلبہ کا اتحادی فتنہ
[۱۸]صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پاکستان
[۱۹]سواد اعظم کے ملکی وملی حقوق کے لیے اہم سنی مطالبات
[۲۰]عقیدہ خلافت راشدہ اور امامت
[۲۱]سنی عرضداشت
[۲۲]سنی، شیعہ متفقہ ترجمہ قرآن کا عظیم فتنہ
[۲۳]ایک غیر منصفانہ فیصلہ (سرکاری نصاب میں شیعہ دینیات کے فیصلے پر احتجاج)
[۲۴]یادگارِ حسین رضی اللہ عنہ
[۲۵]ایک خطرناک سازش (شیعہ کا خود ساختہ کلمہ کی کتب میں منظوری پر احتجاج)
[۲۶]**مقدمه المطرقة الكرامه علىٰ مرأة الامامه**
[۲۷]مقدمہ برتحفہ خلافت
[۲۸]عظمت صحابہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ

معاصرین ومشائخ کے نام مکاتیب

[۲۹]مکتوب مرغوب (بنام سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ)
[۳۰]احتجاجی مکتوب (بنام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ)
[۳۱]اصلاحی مکتوب (بنام مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ)

رد مرزائیت

[۳۲]مقدمہ برتازیانۂ عبرت
[۳۳]قادیانی دجل کا جواب
[۳۴]**كشف التلبيس**
[۳۵]اعجاز الحق بجواب اظہار الحق

رد خارجیت

[۳۶]خارجی فتنہ (حصہ اول) [مشاجرات صحابہ]
[۳۷]خارجی فتنہ (حصہ دوم) [فسق یزید]
[۳۸]کشف خارجیت
[۳۹]دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

متفرق موضوعات

[۴۰]اکابر دارالعلوم کا اجمالی تعارف (مقدمہ المہند علی المفند)
[۴۱]خدام اہل سنت کا شرعی منشور
[۴۲]تحفظ اسلام پارٹی کا انتخابی مؤقف
[۴۳]حضرت لاہوری فتنوں کے تعاقب میں
[۴۴]خدام اہل سنت کی دعوت

فہرست ابواب

[6]باب ششم...735......تا......894

''**تحریری خدمات**''......اندازِ تحقیق وتصنیف، قلمی جہاد، تحریری خدمات، اکابرین کا خراج تحسین۔

❁......❁......❁......❁......❁

[7]باب ھفتم......895......تا......960

''**منتخب مکاتیب**''و''**مضامین**''......اعزہ واقارب، احباب، تلامذہ، مریدین اور معتقدین کو لکھے گئے خطوط میں سے چند منتخب خطوط اور چند نایاب قیمتی مضامین۔

❁......❁......❁......❁......❁

[8]باب ھشتم...961......تا......1014

''**اخبار وجرائد کا خراج تحسین**''......مختلف ماہناموں، روزناموں اور ہفت روزوں کا خراج عقیدت۔

❁......❁......❁......❁......❁

[8]باب نھم........1015......تا......1034

''**منظوم خراج عقیدت**''......شعراء کرام کا نذرانۂ عقیدت۔

❁......❁......❁......❁......❁

[10]باب د ھم....1035......تا......1048

''**آئینۂ تحاریر**''......چند یادگار تحاریر کے عکس۔

❁......❁......❁......❁......❁

فہرست مضامین

باب 1 آغاز سُخن

باب 2 سوانح

......باب 3 ''اباجی''......

باب 4 ''تأثرات''......

......باب 5 ''مقالات ومضامین''......

......باب 6''تحریری خدمات''......

......باب 7 ''منتخب مکاتیب''......

......''منتخب مضامین''......

......باب 8 ''رسا ئل وجرائد کا خراج تحسین''......

......باب 9 ''منظوم خراج عقیدت''......

......باب 10 ''آئینۂ تحاریر''......

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم العالیہ(۱)

کلمات تبریک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

اس خبر سے دلی مسرت ہوئی کہ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور کا ترجمان مجلّہ ''المصطفیٰ'' امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ کی علمی وتحقیقی خدمات کوخراج تحسین پیش کرنے اوران کی حیات مستعار کے علم وتقویٰ پرمبنی حالات وواقعات منظرعام پرلانے کے لیے خصوصی اشاعت ''امام اہل سنت نمبر'' شائع کررہاہےامید ہے کہ اس سے حضرت کی زندگی کے مختلف گوشوں کواجاگر کرنے اور مسلمانان عالم کواس سے راہنمائی حاصل کرنے میں مدد ملے گی،اللہ تبارک وتعالیٰ قبولیت سےنوازیں اور جملہ اہل اسلام کے لیےاسے نافع بنائیں۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ سے پہلا تعارف اس وقت ہواجب بندہ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ میں زیرتعلیم تھا،حضرت کی کتاب ''راہ سنت'' پڑھی،بہت ہی پسند آئی،ختم، قل چالیسویں اوردیگر بدعات سے خوب واقفیت ہوئی جوان سے بچنے کا سبب بنی،بندہ کا دل حضرت کی عقیدت سے لبریز ہوگیا،اللہ تعالیٰ نے ان سے دین اسلام کی اشاعت وحفاظت کابہت بڑاکام لیا،آج پوری دنیامیں ان کافیض جاری وساری ہے،اللہ تعالیٰ تاقیام قیامت اسے جاری رکھےاورہم سب کوان کے فیوضات میں سے حصہ نصیب فرمائے۔

آپکی دیگر بے پناہ خوبیوں کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے آپ کو مسلکی پختگی جیسی عظیم خوبی سے بھی نوازا تھا، آپ مسلک کے بارہ میں کسی قسم کی کوئی لچک روا رکھنے کے قائل نہ تھے، چنانچہ جب رحیم یار خان تشریف لائے تو وہاں کے ایک مولانا صاحب جو کہ مماتی ہیں انہوں نے بھی حضرت سے اپنے مدرسہ کے لیے ٹائم لے لیا، جب حضرت کو ان کے عقیدے کا علم ہوا تو فرمایا کہ اگر وہ توبہ کریں اور مسلک حقہ کا اعلان کر کے عقیدہ حیات النبی پر دستخط کر دیں تو ان کے پاس جانے کو تیار ہوں، ورنہ نہیں، ان صاحب نے ایسا نہیں کیا تو حضرت رحمہ اللہ بھی ان کے پاس نہیں گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور ان کی اولاد، تلامذہ، مریدین، متعلقین سمیت ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اپنے اکابرین کے حالات وواقعات منظر عام پر لانا قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے راہنمائی اور سبق حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اکابرین اہل السنۃ والجماعۃ کی سوانح کا مطالعہ کر کے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں اور ان کے ذریعے اپنی زندگی سنواریں۔

میں اس عظیم خدمت پر مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی انتظامیہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت ان کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اور ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور

خلیفہ مجاز: حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ (ہڑپہ، چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال)

خلیفہ مجاز: حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ (راولپنڈی)

شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ(۱)

اظہارِ تشکر

5 مئی 2009 رات کو دو بجے فون کی گھنٹی بجی، جب فون سنا تو یہ روح فرسا خبر کانوں میں پہنچی کہ امام اہل سنت کا انتقال پر ملال ہو گیا ہے، سرفراز حسن حمزہ اور انس کو اطلاع دیدو! (حضرت رحمہ اللہ کے مذکورہ دونوں پوتے دار العلوم مدنیہ بہاولپور میں زیر تعلیم ہیں۔)

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے غم آگین سانحہ سے صرف نصرۃ العلوم کے اساتذہ وطلباء اور حضرت کے اعزہ واقرباء ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ اس صدمہ سے نڈھال ہوگئی، بلا مبالغہ حضرت کے خدام وشاگردوں و متعلقین کی دنیا اندھیر ہوگئی، اس سانحہ کے بعد ادارہ المصطفیٰ (دوماہی، مجلّہ) کے منتظمین نے حضرت کی حیات وخدمات پر اشاعت خاص کا اہتمام کیا، امام اہل سنت کی عبقری وہمہ گیریت وجامعیت رکھنے والی شخصیت نہ کسی تعارف کی محتاج ہے اور نہ ہی یہ خاص اشاعت اس مقصد کو پورا کرسکتی ہے اس اشاعت کا اصل مقصد تو صرف اتنا ہے کہ حضرت کے سانحۂ ارتحال کے بعد ملت اسلامیہ کے قلوب جس غم واندوہ میں ڈوب کر پژمردہ نظر آنے لگے وہ حضرت کے دینی علمی کارناموں سے روشنی حاصل کر کے کچھ سکون حاصل کرسکیں، حضرت رحمہ اللہ کا بنیادی مشن اہل حق کا دفاع، بدعات کی تردید اور اہل باطل کا تعاقب تھا جس میں مسلسل اپنے آپ کو وقف کیے رکھا، علو ہمت، حوصلہ، راہِ عزیمت پر چلنا، ان کے رگ وپے میں بسا ہوا تھا اور آخری دم تک یہ بلند ہمتی برقرار رہی، انہیں قدرت نے طوفانی ہواؤں میں ''چراغِ حق'' جلانے کی صفت عطا کی تھی، مسلمانوں کے کسی بھی عقیدہ حقہ کے خلاف جب بھی کبھی باطل کا طوفان اٹھا، حضرت نے اس کا قلع قمع کیا اور جب تک طوفانوں کا رخ موڑ کر مسلمانوں کو اہل باطل کے پھیلائے ہوئے گمراہیوں کے جال سے محفوظ نہیں کرلیا اس وقت تک چین کی سانس نہ لی۔

حضرت امام اہل سنت مرحوم آج ہم میں نہیں لیکن ان کا مشن اور ان کے اہداف ہمارے سامنے ہیں جنہیں پورا کرکے ہم حضرت کی روح کو تسکین پہنچا سکتے ہیں اور یہی ہماری طرف سے حضرت کے لیے

سب سے بڑا خراج عقیدت ہے۔

اس اشاعت میں بتوفیق خداوندی اس قدر واقعات وحالات آ گئے ہیں کہ ہمیں گمان بھی نہیں تھا، اس کے باوجود ہم اس خوش فہمی میں تو ہرگز نہیں کہ ہم نے حق ادا کر دیا ہے مگر ہم اسے اپنی زندگی کا ایک اہم باب ضرور تصور کرتے ہیں، اور اس کے لیے ہم اپنے پروردگار کے بے پایاں شکر گزار ہیں۔

اس اشاعت کی ذمہ داری کو جس طرح عزیزم سرفراز حسن حمزہ سلمہ نے نبھایا اور نہایت عرق ریزی اور شبانہ روز محنت کرنے کے بعد اس دستاویز کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے اور جن مخلصین، محبین نے اس سلسلہ میں دامے، درمے، قلمے، سخنے معاونت فرمائی ہے ادارہ ان سب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے۔

آخر میں اپنی گزارشات کو حضرت مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری شہید مدظلہ کی دعا پر ختم کرتا ہوں (جو انہوں نے بینات شہید نمبر ۱۴۲۰ھ میں فرمائی ہے۔)

''یااللہ! ادارہ المصطفیٰ آپ کے ایک مقبول بندے کا یہ تذکرہ آپ کی بارگاہ عالی میں پیش کر رہا ہے، اے کریم! آپ ان کے ظاہر، باطن اور ان کے مبداء مآل سے پوری طرح واقف ہیں، یااللہ! تیرے عاجز بندوں نے ان کو اچھا جان کر اچھائی کے ساتھ ذکر کیا ہے، اے مالک الملک! ہمیں تو اب یہ بھی یاد نہیں کہ ان میں سے کس نے ان کا تذکرہ کس نیت اور کس جذبہ سے لکھا ہے؟ یااللہ! کسی بات کو نقل کرنے میں فروگذاشت یا کسی جذبہ کے اظہار میں افراط وتفریط ہوئی ہو تو اپنے لطف بے پایاں سے اسے معاف فرما دے اور اپنے ستر جمیل سے عیوب کی ستاری فرما!''

فاطر السموات والارض، انت ولی فی الدنیا والآخرۃ، توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین''

عطاء الرحمٰن

دار العلوم مدنیہ بہاولپور

۴ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

(۱) ابن مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا محمد شریف بہاولپوری رحمہ اللہ

مدیر: دار العلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور

رکن مجلس عاملہ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان۔

مسئول: وفاق المدارس العربیہ، بہاولپور، بہاولنگر

شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ(۱)

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلی علی رسوله الكريم

امابعد۔ یہ دین آخری دین ہے جس کی حفاظت کے لیے اللہ جل شانہ نے قدسی جماعت پیدا فرمائی جنہوں نے قرآن کے نور عدالت کے اعلیٰ معیار اور حفظ و اتقان کے کمال سے دین کے اصلی روپ کو نکھار کر امت کے سامنے پیش فرمایا اور باطل کے ریشہ دوانیوں اور لٹیروں کی دست اندازی کو روکا۔ مکتب نبوت سے براہ راست فیضان یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی یہی شان تھی جن کی برکت سے ہم تک دین صحیح شکل میں پہنچا۔ اعلم الامۃ جناب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس جماعت کے سرخیل تھے جو بشہادت قرآن کریم اتقیٰ تھے اور حفظ و اتقان کا کمال یہ تھا اونٹوں اور گھوڑوں کی نسلیں تک یاد تھیں اور فرمان نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام رُبّ مبلّغ اوعی من السامع امت کے آئندہ محافظین طبقہ اور حاملین دین کے حفظ و اتقان کے کمال کی گواہی ہے۔ محدثین کرام اور حفاظ الحدیث کے واقعات پڑھ دیکھ کر حیرانگی اور تعجب ہوتا ہے آسمان سے بڑھ کر اتنا بے پناہ حافظہ سے اللہ جل شانہ نے انہیں نوازا۔

ذالک فضل الله یوتیه من یشاء

دنیا کے ہر عجوبہ میں یہ چیز ہے کہ وہ (ایک) وقت بسوئے زوال ہوتا ہے اور اس سے اصلیت، چمک مہک ختم ہوجاتی ہے لیکن اس دین کا کمال ہے کہ بڑھتا جارہا ہے میدان علمی کی وسعتیں آسمان کو پہنچ رہی ہیں، تحقیقات کا دائرہ وسیع ہے، اور کتب تحریرات، ملفوظات اور مکتوبات اقوال آراء کی وسعت سے دامن کون ومکاں تنگ ہوتا جارہا ہے، اس دین میں دو ایسی خصوصیتیں ہیں جو کہیں بھی نظر نہیں آئیں گی ایک یہ کہ قول کے ساتھ اس کی شخصیت اور اس کی زندگی ہوتی ہے، یعنی یہ دین صرف اقوال کا مجموعہ نہیں بلکہ قول عمل کی ہم آہنگی سے عبارت ہے۔ لقد كانت لكم اسوة حسنة فی ابراهيم والذين معه اور لقد كان لكم فی

رسول الله اسوة حسنة یہی اس دین کی جھلک ہے اور دوسری چیز ہے سند جس سے دین کا اصلی صورت میں نکھار اور بقا ہے۔ لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں احب بیتاً خالیاً وسنداً عالیاً حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے تجدیدی کارناموں پر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے عمارت استوار فرمائی اور علماء دیوبند کثر اللہ سوادہم نے بکھرے موتیوں کا انمول خزانہ امت کے لیے محفوظ کر کے پیش فرمایا فللہ الحمد والمنة علی ذالك، پوری دنیا کے ایوانوں سے قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں آنے لگیں، مرجھائی ہوئی دینی رونق بحال ہوئی، گری پڑی امت کے چہرے پر مسکراہٹ آئی، عقیدہ عمل کے خزاں میں بہار آئی، ایوان باطل میں لرزہ آیا، خزاں ان کا مقدر بنی، فلسفہ یونان سے لوگ نکل کر بسوئے فرقان آئے، درس کی رونقیں بحال ہوئیں، روضہ اطہر علی صاحبها الصلوٰة والتسلیمات کے سایہ میں شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت سید مدنی نور اللہ مرقدہ نے چودہ سال عربوں کو قرآن وحدیث کا درس پڑھایا پھر وہ زمانہ آیا کہ فیضِ مدنیؒ ہندوپاک پر چھا گیا کہ آج تاریخ دین حضرت مدنیؒ کے نام کے بغیر نامکمل ہے جن سے فیض پانے والے وقت کے امام بنے، جن سے باطنی فیض پانے والے رشد وہدایت کے ومعرفت کے امام بنے اور اپنے زمانے کے مرد قلندر بنے، جیسے ہمارے حضرت اقدس حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت شیخ الاسلام سے فیض پانے والے ایسے شخص بھی تھے جن کے بارہ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا! کہ مولانا ہندوستان میں چراغ لے کر پھرو گے ایسا آدمی تجھے نہیں مل سکے گا۔ جو جہاں تھے ہندوپاک بنگال میں امام وقت خویش تھے۔ جنہوں نے حضرت مدنیؒ سے ظاہری علوم حاصل کیے وہ اپنے زمانے کے ایسے شیخ الحدیث اور ماہر فن حدیث ہوئے جو شہرت کے آسمان پر پہنچے اور تمام اہل علم انکے ایسے محتاج ہوئے جیسے کہتے ہیں الناس فی الفقه عیال ابی حنیفة اور فی زمانہ اسکے مصداق شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظیم علمی شخصیت تھی جو علمی دنیا پر چھائی ہوئی تھی، جن کی ہر بات آخری رائے اور آخری تحقیق کا درجہ رکھتی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ کچھ دن پہلے ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو کر دار البقاء کی طرف روانہ سفر ہوئے......انا لله وانا اليه راجعون

احسن، حمزہ، انس ابھی نانا جی نور اللہ مرقدہ کے غم سے نہیں سنبھلے تھے کہ دادا جی نور اللہ مرقدہ داغِ مفارقت دے گئے۔ اللہ کے نظام تکوینی کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا وہ عزیز وحکیم ذات ہے۔ ہم سے وہ شخصیت بچھڑ گئی کہ جس سے رونق علم میں بہار تھی، جو ہمارے لیے باعث فخر تھی، جس کے بارہ ہم کہہ سکتے ہیں

هؤلاء آبائی فجئنی بمثلهم   اذا جمعتنا یاجریر المجامع

جو باطل کے لیے شمشیر بے نیام اور تیغ ھندی تھے، جن کے علم کی خوشبو سے ہر خاص و عام کا دماغ معطر ہے، جن کے قلم سے عقائد و اعمال کی راہیں کھلتی ہیں۔ آج کل تو ہر حدیث پڑھانے والا محدث اور دو تین سال میں وہ شیخ الحدیث بن جاتا ہے لیکن فن حدیث میں ماہر وہی ہے جو اسماء الرجال کے فن سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ احقر کے استاد محترم حضرت مولانا محمد صاحب نور اللہ مرقدہ جن سے جسمانی اور روحانی ہر طرح کا تعلق ہے حضرت سید مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا ارشاد نقل فرماتے کہ اس وقت اسماء الرجال کے فن میں شیخ الحدیث (مولانا سرفراز خان صفدر) سب سے بڑھ کر ہیں، یہ فن علم حدیث میں حافظے کا سب سے زیادہ طلب گار ہے۔ اور حافظہ ایک عطائی چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ احادیث کے صحت و سقم کو معلوم کرنا اور علل حدیث پر واقف ہونا اس فن میں مہارت سے ہوتا ہے حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کو اس میں حظ وافر عطا فرمایا ہوا تھا اور عمر کا اکثر حصہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ تعلق جن برکات حسی و معنوی کو اپنے اندر سمیٹتا ہے جس سے صحابیت کا معنوی شرف نصیب ہوتا ہے، حضرت شیخ الحدیث کو اس سے کامل حصہ ملا ہوا تھا جس کے سبب زندگی کے آخری دم تک بیماری کے احساس کے اثرات تک محسوس نہیں ہوئے، جب بھی زیارت کے لیے جاتے چہرے پر کبھی بھی حزن و ملال کی کیفیت نظر نہیں آئی بلکہ کوئی بھی علمی بحث شروع فرماتے اور کسی حدیث شریف کی بات آتی تو پوری روایت راوی کے نام کے ساتھ ذکر فرماتے، ذہن و دماغ پر شغف حدیث کا حاوی ہونا حسن خاتمہ کی علامت ہے۔ تموتون کما تحیون میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو عرصہ دراز ناسور ہو گیا، زخم سے پیپ بہتا اور چہرہ ہر وقت ہشاش بشاش رہتا، کسی نے پوچھا کہ آپ کے چہرے پر بیماری کے اثرات واضح نہیں؟ فرمایا کہ اس شخص سے کیا حال پوچھتے ہو جس سے روزانہ فرشتے عیادت کرنے آتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانے میں جب سے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا تعارف سنا زیارت کا اشتیاق تھا، پھر جب اپنے حضرت پیر و مرشد حضرت قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ سے بیعت ہوئے اس پہلی بار میں واپسی میں گکھڑ حضرت رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے پروگرام بنایا، ہم تین ساتھی تھے، مجھے سخت بخار تھا، چکوال ہسپتال ساتھی انجکشن لگوانے کے لیے لے گئے تھے، جب ہم ظہر کے وقت گکھڑ پہنچے تو گاڑی سے اترتے ہی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور بخار کی شدت ہو گئی، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے گھر پر مصافحہ فرمایا اور بیٹھک میں بٹھانے کے بعد خود چائے بسکٹ لائے تو ہم حیران رہ گئے، لیکن سمجھ گئے کہ مدنی تربیت کا اثر یہی ہے، ہمارے ساتھ کافی دیر تک بیٹھے رہے، رات کو رہنے کے لیے فرمایا، آخر ہم نے اجازت طلب کی تو

حضرت نے رخصت فرمایا اور دعا فرمائی۔ اسوقت حضرت کے ایک ہاتھ میں رعشہ کا اثر تھااس کے بعد زیارتیں ہوتی رہیں خاص کر حضرت اقدس (مولانا قاضی مظہر حسین) نوراللہ مرقدہ کے وصال کے بعد تو حضرت کے ساتھ تعارف بڑھ گیا تو پہچاننے لگے اور اجازت حدیث اور خاص تقریرات حدیث کی بھی اجازت عطا فرمائی جو بندہ کے لیے ایک بہت بڑااعزاز ہے، اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا آپ ''سومرو'' بسمرہ صحابیؓ جن کا ذکر حدیث میں آتا ہےاُن کی اولاد ہیں؟ یہ پتہ نہیں کہ حضرت رحمہ اللہ نے نام کی مناسبت سے فرمایا، یا کسی تاریخی گواہی کی بنیاد پر۔ پھر ہر دفعہ کی مجلس میں جو چیز زیادہ محسوس کی کہ حضرت کی طبیعت پر حدیث کا اتنا غلبہ ہے کہ کسی راوی یا روایت کا ذکر ضرور چھیڑ دیتے ہیں، جس کا اثر خاص ہے کہ آج ان کے خدام تلامذہ پاک ہند اور کئی ممالک میں بڑے بڑے دارالعلوم چلا رہے ہیں اور قال اللہ وقال الرسول کی صداؤں سے حضرت شیخ الحدیث کی روح کو ایصال ثواب کر رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ اکابرین کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں اور ان کی تحقیقات کو اپنا امام بنائیں اسی میں راہ نجات ہے۔توحید وسنت کو اپنائیں اور شرک وبدعت سے سخت نفرت کریں۔ ہمارے یہاں سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ ہر جدید فکر رکھنے والا ان بزرگوں سے ملاقات کرنے کے بعد ان کی شخصیت کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے کلاوحاشا ایں خیال است محال است جنوں

یہ حضرات دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے خالص اور سچے دیوبندی تھے اور سچی دینی سیاست اور قیادت کے قائل تھے، حضرت شیخ کی ذات بابرکات نہایت واضح اور کھلی زندگی پر مبنی ہے اتنی بڑی شخصیات کی زندگی کی طرز اپنانے کی بجائے ان کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت رحمہ اللہ کے فیض کو تا قیامت جاری وساری رکھے اور باقیات صالحات ان کے نقش قدم کو اپنا کر قرآن وحدیث کی خدمت میں زندگی گزاریں ان کا نسبی نسبتی سلسلہ قائم ودائم رہے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) واحد خلیفہ مجاز: قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ

مدیروشیخ الحدیث: جامعہ خلفائے راشدین، دارالمطالعہ مظہریہ، مسجد حق چاریار۔ جھہان سومرو، تحصیل شاہ کریم، ضلع ٹنڈو محمد خان۔

سرپرست اعلیٰ: مجلّہ ''صفدر'' گجرات

مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ(۱)

پیش لفظ

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے معتقدین ومتوسلین تعزیتی اجلاسوں میں ان کے ساتھ اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کررہے ہیں، اور ملک بھر کے رسائل خصوصی نمبر شائع کررہے ہیں، ان ہی میں ماہنامہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور بھی شامل ہے، جس نے محدود مدت میں ''امام اہل سنت نمبر'' شائع کرنے کی ذمہ داری اٹھائی اور اس کام کی زیادہ تر ذمہ داری راقم الحروف کے بھتیجے عزیزم سرفراز حسن خان حمزہ سلمہ نے نبھائی، نوعمری کے باوجود عزیز نے انتہائی ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اور مضامین حاصل کرنے میں کامیابی پائی، اکثر مضامین اس نے مجھے دکھائے جو کہ ''امام اہل سنت نمبر'' کے معیار پر پورے اترنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم سب کو ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقط

حافظ عبدالقدوس خان قارن

---

(۱) فرزند ارجمند وتلمیذ رشید وخلیفہ مجاز وجانشین: حضرت اقدس امام اہل سنت رحمہ اللہ

نگران: مجلّہ ''صفدر'' گجرات......استاذ الحدیث: جامعہ نصرۃ العلوم، محلّہ فاروق گنج، نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
ناظم: مکتبہ صفدریہ، وعمر اکادمی، نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ 0300-7463292 055-4237330

مولانا مفتی محمد یوسف الحسینی مدظلہ(۱)

امام اہل سنت نمبر

شیخ التفسیر والحدیث امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی ہمہ جہت شخصیت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن صفات سے نوازا تھا ان کا احاطہ میرے جیسے کم علم کے لیے کہاں ممکن؟

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ اپنے وقت کے امام المؤحدین، رئیس المفسرین، زبدۃ المحدثین، رأس الاصفیاء، سراج الاتقیاء تو تھے ہی مگر ان کی نمایاں خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ تھی کہ اپنی تمام تر علمی تحقیقات کے باوجود اکابر کے مسلک پر اعتماد اور اس پر سختی کے ساتھ نہ صرف خود کاربند تھے بلکہ اپنے متعلقین وتلامذہ کو بھی اسی کی تاکید کیا کرتے تھے، جس کا اندازہ ان کی کتب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، اسی وجہ سے اکابر کو بھی ان پر مکمل اعتماد تھا جس کی مثال حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی کتب پر ثبت اکابر کی تقریظات ہیں۔ آج کل اس خوبی کو تنقیدی نظر سے دیکھا جاتا ہے، نئے نئے نظریات اور نئی نئی تحقیقات کو خوبی اور کمال سمجھا جارہا ہے، اکابر سے بیزاری اور ان پر بداعتمادی شہرت طلب لوگوں کا شعار بن کر رہ گیا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ گمراہی کے زینوں میں سے پہلا زینہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے۔

بہرحال حضرت رحمہ اللہ کی تمام زندگی آنے والی نسل کے لیے ایک بہترین نمونہ اور مشعلِ راہ ہے، جنہوں نے حضرت کی صحبت کو پایا وہ احسن انداز میں ان سے مستفیض ومستفید ہوتے رہے، لیکن جو لوگ حضرت کا دیدار اپنی آنکھوں سے نہ کرسکے اور ان کو امام اہل سنت علیہ الرحمۃ سے استفادہ کا موقع نہیں ملا، ضرورت تھی کہ ان تک بھی حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فیوضات کو پہنچایا جائے، تاکہ وہ بھی انہی راہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے لیے راہِ عمل متعین کرسکیں۔ اس سلسلہ میں ملک بھر کے مختلف دینی مجلّات کی انتظامیہ نے حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کی حیات وسوانح پر اپنے اپنے انداز میں خاص نمبر شائع کیے ہیں اور بعض ہو رہے ہیں، مجلّہ ’’المصطفیٰ‘‘ کی انتظامیہ نے بھی حضرت رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات

کے فوراً بعد ہی اس کارِ خیر کا اارده کر لیا تھا، اولاً ارادہ تھا کہ ایک مختصر مگر جامع خاص نمبر شائع کیا جائے جس کی ضخامت دواڑھائی سو صفحات سے زیادہ نہ ہو، لیکن مضامین اس کثرت سے موصول ہوئے کہ وسیع پیمانہ پر کانٹ چھانٹ کے باوجود خاص نمبر کی ضخامت میں غیر معمولی اضافہ کرنا پڑا، اب یہ نمبر دواڑھائی سو کی بجائے تقریباً 900 صفحات پر مشتمل ہے۔

اس میں ہم نے درج ذیل باتوں کے اہتمام کی مقدور بھر کوشش کی ہے کہ

[۱] صحیح اور حقیقی واقعات کو ہی اس میں جگہ دی جائے، غلط اور خلاف حقیقت واقعات سے کلی احتراز کیا جائے۔جس کی خاطر جانشین امام اہل السنۃ مولانا عبدالقدوس قارنؔ مدظلہ سے نظر ثانی کرائی گئی ہے۔

[۲] حالات وواقعات کا بلاوجہ تکرار نہ آئے، اس کے لیے ضروری کانٹ چھانٹ بھی کی گئی ہے۔

[۳] قارئین کی آسانی کی خاطر اس کو مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

[۴] معیار کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔

لیکن قارئین جانتے ہیں کہ انسان خطا کا پتلا ہے، ہم اپنی کمزوری، کم علمی اور ناتجربہ کاری کا اعتراف کرتے ہوئے قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ کو جہاں کہیں بھی کسی قسم کی کمی، کوتاہی یا غلطی نظر آئے اسے ہماری کمزوری پر محمول کرتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں، ہر قاری کو اس پر مدلل تنقید کا مکمل اختیار حاصل ہے۔

آخر میں ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اس خاص نمبر کی اشاعت میں کسی طرح کا بھی تعاون فرمایا

[۱] خصوصیت کے ساتھ دارالعلوم مدنیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم العالیہ جنہوں نے اپنی خصوصی دعاؤں اور سرپرستی سے نوازا، اسی طرح دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ جنہوں نے اس کام کی نہ صرف اجازت مرحمت فرمائی بلکہ بھرپور معاونت، نگرانی اور سرپرستی سے فیض یاب فرمایا ہر موقع پر مفید مشوروں اور تجاویز سے نوازا اور رسالہ پر نظر ثانی فرمائی اور مناسب ترمیم [حذف واضافہ] بھی کی۔اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ (حضرت اقدس مولانا محمد صادق جماپوری صاحب دامت برکاتہم، مولانا عبدالصمد دامت برکاتہم، حافظ محمد یوسف

صاحب مدظلہ وغیرہم حضرات) جنہوں نے ہمارے ساتھ تعاون فرمایا۔

[۲] وہ تمام اکابر بزرگان دین ومشائخ ملت جنہوں نے اپنے قیمتی اوقات میں چند ساعات نکال کر اپنے تأثرات اور مضامین ومقالہ جات سے ہمیں مستفید ہونے کا موقع عطا فرمایا۔

[۳] حضرت کے خاندان کے افراد خصوصاً مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم جنہوں نے مضمون تحریر کیا اور مولانا عبدالقدوس خان قارنؔ مدظلہ جنہوں نے عدیم الفرصتی، بیماری اور تکلیف کے باوجود خاصا وقت لگا کر نمبر کے مضامین پر نظرثانی فرمائی اور اپنے عمدہ وجامع مضمون سے نوازا اور لمحہ بہ لمحہ ہماری راہنمائی فرمائی۔فجزاہ اللہ احسن الجزاء

[۴] تمام اہل علم وقلم ومضامین نگار حضرات جن کی محنت وکاوش کی بدولت یہ اس ضخامت تک پہنچا۔

[۵] عزیزم سرفراز حسن حمزہ اور ان کے رفیق کار عزیزم احمد طاہر سلمہ جنہوں نے اپنی بھرپور محنت سے اس کام کو اول تا آخر بڑی دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ سرانجام دیا اور تکمیل تک پہنچایا، حقیقت یہ ہے کہ اگر ان کی محنت میرے ساتھ نہ ہوتی تو میں کبھی بھی اس کام میں ہاتھ نہ ڈالتا۔

[۶] وہ تمام اہل دل جنہوں نے ہمارے ساتھ مالی تعاون فرمایا جو عالم اسباب میں اس نمبر کی اشاعت کا ذریعہ بنا۔

یہ تمام حضرات اور ان کے علاوہ جس کسی نے بھی کسی مقام پر کسی بھی قسم کا تعاون کیا سب خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ تمام حضرات کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمارے اس کام کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے اور مجلّہ کی اس خاص اشاعت کو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بنائے، اس میں جو تقصیرات ہم سے ہوئیں وہ ہمیں معاف فرمائے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔آمین

والسلام......محمد یوسف الحسینی

۵ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

---

(۱) مدرس ونائب مفتی: دارالعلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور

مدیر: مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور 0321-6842176

مرتب کے قلم سے

عرضِ خادم

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

حضرت اقدس داداجان نوراللہ مرقدہ کی وفات حسرت آیات کے تین روز بعد جب احقر تھکے قدم اور شکستہ دل لیے واپس اپنے مادرِ علمی دارالعلوم مدنیہ بہاولپور پہنچا تو استاد مکرم حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب مدظلہ [مدیر اعلیٰ: مجلّہ المصطفیٰ] نے فرمایا کہ مجلّہ ''المصطفیٰ'' کا آئندہ شمارہ حضرت امام اہل سنت کی حیات وخدمات کے حوالے سے خصوصی شمارہ ہوگا، جو **200/250** صفحات پر مشتمل ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ حضرات سے رابطہ کر کے اُن سے گزارش کرو کہ اس شمارے کے لیے حضرت اقدس رحمہ اللہ کے حوالے سے اپنی تحریروں سے ہمیں نوازیں۔ یہ سُن کر جہاں خوشی ہوئی وہاں فکر بھی لاحق ہوئی کہ اکیلی جان وہ بھی علم وتجربہ سے تہی دامن، اتنا عظیم کام کس طرح انجام دے پاؤں گا؟ اسی فکر میں دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھی، دعاء استخارہ میں رب العالمین سے التجا کر کے سو گیا، اللہ رب العزت نے شرح صدر فرمایا، ارادہ پختہ ہوا پھر بعض مہربانوں نے بھرپور تعاون کا یقین دلایا، تو اور بھی اطمینان ہوا۔ خادم نے عم مکرم مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی مدظلہ مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم سے اجازت لینے کی غرض سے فون کیا کہ ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' کے ''امام اہل سنت نمبر'' سے قبل ہمیں ایک مختصر خصوصی نمبر شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، ابھی اپنا مدعا بیان نہ کر پایا تھا کہ انہوں نے بتایا عم محترم مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے ان سے فرمایا ہے کہ

''تم ابھی صبر کرو! ہم ''الشریعۃ'' کی طرف سے خصوصی نمبر شائع کریں گے بعد میں اگر تم نے کرنا ہوا تو ''نصرۃ العلوم'' کی طرف سے شائع کر لینا''

لہٰذا عم مکرم مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا گیا، انہوں نے نہ صرف اجازت مرحمت فرمائی بلکہ مسرت کا اظہار فرمایا۔ **فجزاہ اللہ خیرا**

ماہنامہ ''الشریعۃ'' کا امام اہل سنت نمبر بھی طبع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے، تایا جان مدظلہ کے فرمان کے مطابق ہم نے دونوں خصوصی نمبروں میں غیر ضروری تکرار کا خاتمہ کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

باقی رہا معاملہ ''الشریعۃ'' اور اس کے مدیر برادرم مولانا عمار خان ناصر کا، اللہ رب العزت خوب

خوب جزائے خیر عطا فرمائے خادم کے والد گرامی مولانا عبد الحق خان بشیر مدظلہ کو کہ انہوں نے ''الشریعہ'' کی خصوصی اشاعت میں ہی مولانا عمار خان ناصر [مدیر: الشریعہ] کے حوالے سے حضرت دادا جان رحمہ اللہ اور ان کی آل اولاد کا حق مؤقف واضح فرمادیا، (ان کے تحقیقی مضمون کا کچھ حصہ اس نمبر میں بھی شامل اشاعت ہے) خاندان صفدریہ پر یہ بہت بڑا قرض تھا جس کا قرعۂ فال حضرت والد محترم کے نام نکلا، بلاشبہ وہ اس پر ہزار ہا مبارک باد کے مستحق ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

خیر میں عرض کر رہا تھا کہ ہم نے بھی خصوصی نمبر کی اشاعت کا فیصلہ پختہ کر لیا ابتداء 200/250 صفحات کا ٹارگٹ رکھ کر اللہ کے بھروسے پر کام شروع کر دیا، اور حضرت دادا جان کے متعلقین اعزہ واقارب، تلامذۃ ومریدین اور دیگر اہل علم وقلم حضرات نیز مشائخ عظام کو خطوط لکھے، خادم کے خط کا متن درج ذیل ہے

1/6/2009 باسمہ سبحانہ

محترم ومکرم جناب..............................صاحب زید شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید مزاج بخیر ہوں گے۔

گزارش ہے کہ احقر کے دادا جان، محدث عرب وعجم، آبروئے دیوبند، امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ (تلمیذ رشید: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ۔ خلیفہ مُجاز: امام المؤحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ [واںؔ بھچراں ضلع میانوالی]) کی وفات، اہل اسلام بالخصوص مسلک اہل سنت احناف سے وابستہ اکابر واصاغر کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک اہل حق کی ترجمانی اور مذاہب باطلہ کی سرکوبی اور بیخ کنی کے لیے جو عظیم ترین خدمات سرانجام دی ہیں وہ عصر حاضر کی تاریخ کا ایک روشن اور یادگار باب ہیں۔ جنہیں وقت کا مؤرخ نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کرسکتا۔

دار العلوم مدنیہ بہاولپور کے ترجمان ''مجلّہ المصطفیٰ'' کی انتظامیہ نے عم مکرم مفکر اسلام حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم کے مشورے اور اجازت سے حضرت اقدس امام اہل سنت رحمہ اللہ کی ہمہ جہت خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کی حیات مستعار کے علم وتقویٰ پر مبنی حالات وواقعات کو منظر عام لانے کے لیے مجلّہ ''المصطفیٰ'' کا ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو ان شاء اللہ رمضان المبارک کے آغاز میں طبع ہو کر عوام تک پہنچے گا۔

آپ سے دست بستہ درخواست ہے کہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے حالات' واقعات' تعلیمات اور خدمات کے بارہ میں مجلّہ ''المصطفیٰ'' کے خصوصی نمبر کے لیے اپنے خیالات، جذبات اور قلبی تاثرات تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔ اگر بالفرض آپ اپنی تدریسی، تحقیقی اور دعوتی یا دیگر مصروفیات وعوارض کی وجہ سے تفصیلی مضمون تحریر نہ فرما سکیں تو آپ کی طرف سے چند صفحات اور چند سطور بھی ہمارے لیے باعث سعادت ہوں گی۔ ازراہ کرم 10 جولائی 2009ء تک اپنا مضمون یا مکتوب ضرور ارسال فرمادیں۔ امید خاص شفقت سے نوازیں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کو دنیوی واخروی سعادتوں سے نوازے۔ آمین یارب العالمین، بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام ......

خادم اہل سنت سرفراز حسن خان حمزہ......بن......حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ

میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے ممنون اور بے انتہاء شکر گزار ہوں جنہوں نے خادم کی درخواست پر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود اس خصوصی نمبر کے لیے مضامین ارسال فرمائے...... علاوہ ازیں ان حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مضامین ارسال کرنے کا وعدہ فرمایا' لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر وعدہ وفا نہ کر سکے...... ان کا بھی شکر گزار ہوں جو وعدہ فردا پر مسلسل ٹالتے چلے گئے...... اور ان حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے جوابی لفافہ ہونے کے باوجود دو لفظی جواب دینے کی زحمت بھی گوارا نہ کی، اللہ رب العزت سب کو خوش رکھے۔

یہ خصوصی نمبر حضرت داداجان رحمہ اللہ کی ہمہ جہت خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ہماری طرف سے ایک ادنیٰ ترین کاوش ہے، جس میں ہم حضرت داداجان رحمہ اللہ کی عبقری شخصیت کا نہ تو احاطہ کر سکے ہیں اور نہ ہی یہ ہمارے لیے ممکن تھا، یہ صرف ایک نشانِ منزل ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

بندہ نے ترتیب وتدوین میں زیادہ تر ماہنامہ حق چار یار کے ''قائد اہل سنت نمبر'' کو پیش نظر رکھا، جی چاہتا تھا کہ ''امام اہل سنت نمبر'' اور ''قائد اہل سنت نمبر'' ترتیب کے اعتبار سے یکساں ہوں۔

ہم نے تو اپنی طرف سے بھرپور کوشش کی ہے کہ اس خصوصی نمبر میں کسی بھی قسم کی مبالغہ آرائی کا عنصر، خلاف حقیقت واقعات، غیر ضروری تکرار اور غیر معیاری مضامین نہ آنے پائیں اور یہ نمبر ہر لحاظ سے معیاری ہو، اس کے لیے ہم نے وسیع پیمانہ پر کانٹ چھانٹ کی ہے کہ اس کے بغیر ان مضامین کی اشاعت ممکن ہی نہ تھی، اس کے باوجود اپنی نوعمری، ناتجربہ کاری، کم علمی اور سستی کے باعث بندہ کو اس بات کا پوری

طرح احساس ہے کہ ان تمام امور کی طرف بندہ کما حقہ توجہ نہ دے سکا، بالخصوص وقت کی کمی کے باعث پروف ریڈنگ قابل اطمینان نہ ہوسکی، جس پر بندہ قارئین سے معافی کا خواستگار ہے، تمام قارئین سے التماس ہے کہ ہمہ قسم اغلاط سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں [جوان شاءاللہ عنقریب ہی شائع کیا جائے گا۔] ان کی اصلاح کی جاسکے، اس کے علاوہ بھی دوسرے ایڈیشن کی بہتری کے لیے بندہ عاجز کو قارئین کی آراء وتجاویز کا انتظار رہے گا۔

مجلّہ کی یہ اشاعت خاص کچھ تاخیر سے منظر عام پر آرہی ہے اس کی ناگزیر وجوہ میں سے چند وجوہات کا تذکرہ شاید آپ کی پریشانی اور میری پشیمانی وندامت کی تلافی کرسکے [۱] غیر معمولی ضخامت جو کہ 850 صفحات سے بھی بڑھ گئی جبکہ ہمارا ارادہ 200/250 کا تھا، [اسی وجہ سے متعدد مضامین شامل اشاعت نہیں ہوسکے۔ امید ہے مضامین نگار حضرات ہمارے عذر کو قبول فرماتے ہوئے درگزر کریں گے] [۲] بعض اہم مضامین نگار حضرات کے مضامین مقررہ تاریخ سے انتہائی لیٹ موصول ہوئے۔ [۳] عم مکرم مولانا قارن صاحب مدظلہ کا یہ فرمان کہ ''الشریعہ'' کا خصوصی نمبر بہت لیٹ پریس میں گیا ہے تمہارا رسالہ کم از کم اس کے 20 دن بعد آنا چاہیے! خدا جانتا ہے کہ یہ بات طبیعت پر کس قدر گراں گزری اور ان کے اس فرمان کو خادم نے کس طرح جبراً اپنے اوپر مسلط کیا! جیسے بھی کیا بہر حال کرلیا کہ ''ماننے میں خیر ہے''۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ مان کر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

آخر میں جانشین شہید اسلام مولانا سعید احمد جلالپوری مدظلہ، جانشین امام اہل سنت عم مکرم مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ، اپنی منجھلی پھوپھو صاحبہ [اہلیہ مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ]، برادر مکرم مولانا حافظ ممتاز الحسن خان احسن خدامی زید قدرہ، محترم حضرت مولانا محمد حسین صاحب [مدرس: جامعہ مدنیہ لاہور]، اور برادرِ عزیز مولانا احمد طاہر سلمہ سمیت تمام معاونین کا انتہائی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ ان حضرات کی سرپرستی، بھرپور معاونت اور شفقت سے یہ خصوصی نمبر قارئین کی خدمت میں پہنچ سکا، خدا تعالیٰ سب کی کاوشوں اور قربانیوں کو قبول فرماکر انہیں اپنی بارگاہ سے خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام......خادم اہل سنت سرفراز حسن خان حمزہ(۱)......۷ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

---

(۱) ابن: مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ......

پوتا: حضرت اقدس امام اہل سنت نوراللہ مرقدہ......

نواسہ: قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نوراللہ مرقدہ......

متعلم: دارالعلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی، بہاولپور......مدیر: مجلّہ ''صفدر'' گجرات......

''شیخ المشائخ نمبر''............اکابرین ومبصرین......کی نظر میں

رائے گرامی......

محقق اہل سنت، وکیل صحابہ واہل بیت **حضرت مولانا محمد نافع صاحب** دامت برکاتہم العالیہ

عزیز محترم سرفراز حسن خان حمزہ صاحب دام شرفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

سلام مسنون کے بعد تحریر ہے کہ آپ کی طرف سے مجلّہ صفدر (شیخ المشائخ نمبر) موصول ہوا۔ ارسال فرمانے کا بہت بہت شکریہ!

نمبر ھٰذا مرتب کرنے والوں نے خوب محنت کی ہے اور آنحضرت رحمہ اللہ کے سوانح کے مختلف پہلوؤں کو بہت عمدہ انداز میں فراہم کیا ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ان اعمال خیر کو قبول فرمائے۔

والسلام مع الدعا......

ناچیز دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ۔

۲۱ شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

رائے گرامی......

جانشین شیخ المشائخ، پیر طریقت، حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم،امابعد

قبلہ حضرت مرشد عالم، والد گرامی قدر رحمہ اللہ کی حیات مبارکہ اور آپ کی سوانح پر بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا اور حضرت کا تذکرہ بھی ان شاء اللہ مردہ دلوں کو جلا بخشے گا۔

الاول، فـالاول کے ضابطہ کے مطابق اس میں مجلّہ ''صفدر'' گجرات کی فوقیت واضح ہے کہ تین ماہ کے مختصر عرصہ میں قبلہ والد صاحب رحمہ اللہ کا نمبر شائع کر دیا ہے۔اور حُسن اتفاق یہ ہے کہ مجلّہ ''صفدر'' کا آغاز بھی اسی نمبر سے ہو رہا ہے۔

عزیزم سرفراز حسن خان حمزہ سلمہ قابل صد مبارکباد ہیں کہ ان کی انتھک محنت سے یہ مبارک کام پایۂ

تکمیل کو پہنچا ہے۔

فقیر دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز سلمہ کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے، مجلّہ ''صفدر'' کو قبولیت عامہ نصیب کرے اور قبلہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مبارک تذکرہ گم گشتہ گان راہ کے لیے مینارہ نور ثابت ہو۔ آمین

فقیر ابوالسعد خلیل احمد عفی عنہ......خانقاہ سراجیہ، کندیاں، ضلع میانوالی

۲ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ یوم الجمعہ

تبصرہ......

ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور:

ازقلم: مولانا عبدالجبار سلفی

حال ہی میں گجرات سے ایک مجلّہ بنام ''صفدر'' ظہور پذیر ہوا ہے۔ جس کے مدیر مولانا حمزہ احسانی صاحب ہیں...... مدیر کے بقول یہ مجلّہ ''نومولود'' ہے......ہم نے جب اس ''نومولود'' کا کارنامہ دیکھا تو حیرت واستعجاب نے دماغ میں دراڑیں ڈال کر رکھ دیں۔ خدا جانے عالم شباب اور پھر اس سے آگے، یہ کیا کیا کارنامے سرانجام دے کر ورطۂ حیرت میں ڈالے گا؟

مجلّہ ''صفدر'' امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی یاد میں نکالا جا رہا ہے اور اس نے اپنی پہلی اشاعت میں ہی ۸۶۸ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم ''شیخ المشائخ نمبر'' نکالا ہے۔ جس میں ولی کامل حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ کو اہل قلم نے سلام عقیدت پیش کیا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ اپنے معاصر اولیاء اللہ میں ''سرتاج'' کی حیثیت سے دیکھے جاتے تھے......آپ رحمہ اللہ نے ساری زندگی زبان بند رکھی، مگر کان کھلے رکھے، اور یہی اخلاص کی علامت ہے۔

مجلّہ ''صفدر'' کا یہ تاریخی نمبر حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کے اصولوں اور کارناموں کے حوالے سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے کا پورا استحقاق رکھتا ہے کیونکہ اچھی کتاب اپنی اہمیت وافادیت اور وفا کا صِلہ چاہتی ہے......اور ''وفا'' یہ ہے کہ کتاب کو پڑھا جائے، وگرنہ یہ اپنی افادیت کے منکروں کو معاف نہیں کرتی۔ سلوک واحسان کے حلقوں میں یہ شاہکار محنت، فکری تغیر کا سبب بن سکتی ہے......حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ صرف ''اہل دل'' نہیں، ''اہل علم'' میں بھی آپ کی شان امتیازی تھی۔ ''اہل علم'' فکر پیدا کرتے ہیں، اور ''اہل دل'' انقلاب برپا کرتے ہیں۔ یہی دو چیزیں کارِ نبوت کا حسین تسلسل ہیں......مجلّہ ''صفدر'' نے اسی تسلسل کی ایک جھلک پیش کی ہے۔

اس کتاب میں دس ابواب ہیں۔ ''آغازِ سخن''، ''سوانح''، ''تاثرات و پیغامات''، ''مقالات ومضامین''، ''تحریری خدمات''، منتخب مکاتیب ومضامین''، ''رسائل وجرائد کا خراج تحسین''، ''منظوم خراج عقیدت'' اور'' آئینۂ تحاریر'' جیسے خوبصورت عناوین کے تحت کتاب کو چار چاند لگائے گئے ہیں......مختار مسعود کے بقول ''اچھا انسان، اچھی کتاب اور اچھی گفتگو جہاں میسر آئے اس میں دوسروں کو بھی شریک کرو! ان سے تنہا فائدہ اٹھانا کم ظرفی کی دلیل ہے'' لہٰذا ہم علم دوست احباب سے التماس کریں گے کہ وہ اس کتاب سے خود اور دوسروں کو مستفید و مستفیض کرنے کی سبیل ضرور نکالیں......مجلّہ ''صفدر'' کے مدیر محترم کی خدمت میں چند مشورے بھی پیش کیے جاتے ہیں، اُمید ہے نفس پر جبر کر کے وہ کم از کم پڑھ لیے جائیں گے۔

[۱]......کسی بھی کتاب یا رسالے کے ٹائٹل پر ضرورت سے زیادہ نام درج کرنے سے طبیعت مکدر ہوتی ہے......مجلّہ کے عکس ٹائٹل پر کم وبیش ۲۹ نام درج ہیں......آج کل یہ رواج چل رہا ہے کہ کتاب پر ''مصنف''، ''مرتب'' اور ''پسند فرمودہ'' کے تحت کئی کئی نام لکھے ہوتے ہیں......اس لیے ''بفیضان'' کے تحت قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ، ''بیاد'' کے تحت امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ اور امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ، ''زیر سرپرستی'' کے تحت کسی ایک بزرگ کا نام اور ''مجلس مشاورت'' کے تحت فقط چار نام ہوں۔

''بدعا'' اور ''زیر نگرانی'' کے عنوانات ختم کردیں...... اسی طرح پیشانی پر دی ہوئی عبارت ''اکابرین دیوبند بالخصوص حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان'' حذف کر کے ''مذہب اہل السنۃ والجماعۃ کا فکری وعلمی ترجمان'' لکھیں...... بزرگوں کے نام پڑھ کر قاری خود ہی نتیجے پر پہنچ جائے گا کہ مجلّہ ''صفدر'' اہل سنت کے کس مکتب فکر سے وابستہ ہے۔

[۲]......صفحہ نمبر ۴۳ پر اداریہ کا عنوان ہے: ''ربا تیرے سہارے!''......''ربا'' کسی پنجابی خطیب کی اصطلاح ہے۔ ''رب العزت'' کے شہد سے میٹھے نام کو جوں کا توں لکھیں۔

[۳]......''نمبر'' شائع کرنے سے پہلے اہل قلم کو آپ کی جانب سے لکھے گئے خط کے جوابات سارے حذف کردیں، یہ بے مقصد ہیں اور خوامخواہ قاری کو اگلے صفحات پر اترنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

[۴]......''انتساب''، کسی بھی ایک شخصیت کے نام کریں، باقی دو کو ''دُعا'' میں یاد رکھیں۔

قارئین کرام! اپنے ذوق اور دل کو خوش نما لباس پہنانے کے لیے کتاب ہٰذا کا مطالعہ کریں! بہترین ٹائٹل، مضبوط جلد، نفیس کمپوزنگ اور اچھے کاغذ سے تیار کردہ اس کتاب کو حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔

تبصرہ......

ماہنامہ ''الحقانیہ'' ساہیوال، سرگودہا:

ازقلم: عبدالناصر ترمذی

زیر نظر کتاب مجلّہ صفدر گجرات کی خصوصی اشاعت ہے جو شیخ المشائخ، خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب قدس سرہ کے مبارک حالات پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں حضرت اقدس خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی سیرت و کردار اور مختلف گوشہ ہائے زندگی پر بڑے احسن اور عمدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اور حضرت کی عالمگیر خدمات کو خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

حافظ سرفراز (حسن) خان حمزہ صاحب بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ اپنے تعلیمی مشاغل کے باوجود کم مدت میں اتنا ضخیم مستند اور معیاری نمبر شائع کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

تبصرہ......

ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ:

ازقلم: حافظ شبیر احمد عاجز

اس عالم رنگ و بو میں بیسیوں حضرات کی شہرت کے زمزمے اوج ثریا سے بلند دیکھے، لیکن جو شان و شکوہ شیخ المشائخ خواجۂ خواجگاں حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ کے حصے میں آئی شاید ہی یہ کوتاہ بین نظریں پھر سے اس خوشگوار منظر کا مشاہدہ کر سکیں، بقول شاعر......

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں　　　　یہ بلند رُتبہ ملا جسے مل گیا

حضرت خواجہ صاحب بیک وقت جید عالم دین و دنیا، طریقت کے عدیم المثال شہسوار، مجاہد فی سبیل اللہ، کئی مذہبی ادارہ جات، تنظیمات اور جرائد کے سرپرست اعلیٰ اور خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین تھے۔ 5 مئی 2010ء کو یہ عظیم میر کارواں راہی ملک عدم ہوئے۔

سب سے قبل ہم مجلّہ ''صفدر'' گجرات کی انتظامیہ کو اس کے کامیاب اجرأ پر مبارک باد پیش کریں گے، مزید سعادت کی بات کہ پہلا شمارہ ''شیخ المشائخ نمبر'' حضرت شیخ المشائخ کی یاد میں منصۂ شہود پر آیا۔

صاحبزادہ سرفراز حسن خان حمزہ صاحب نے نہایت کم عرصہ میں معلومات کا وسیع خزانہ ہم تک پہنچایا، یہ عمل ان کی محنت شاقہ اور کافی فکر و تلاش پر دال ہے، رسالہ کی حسن ترتیب حمزہ صاحب کے صاحب حسن ذوق ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے، لیکن رسالہ میں بیسیوں اوراق پر بکھرے غیر متعلقہ مواد نے اس کی اہمیت کافی گھٹا دی ہے۔ رسالہ دس ابواب پر مشتمل ہے۔ تمام طبقہائے افراد کے ایمان میں اضافہ کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ طباعت و اشاعت بہت خوبصورت ہے۔

باب 2

سوانحی خاکہ

خودنوشت سوانح حیات

ایامِ علالت، ایامِ اسارت

سوانحی خاکہ (ماہ وسال کے آئینہ میں)

وسعت مطالعہ، ذہانت وفطانت اور فکر وتدبر کے اعتبار سے بے مثل، ظاہر وباطن میں یکساں، سنجیدگی ان کی خوبی، علم ان کا کمال، عمل ان کا جمال، شرافت ان کا وقار اور سادگی ان کا شعار، گفتار اور کردار کی پختگی ان کے اسلامی افکار کی ترجمان ہے۔لباس میں سادگی، انداز میں اپنائیت، چہرے میں نورانیت، افکار میں بلندی، آواز میں پستی، گفتگو میں ٹھہراؤ، ارادوں میں سختی اور عزم میں پختگی کسی دیکھنے والے کو متأثر کیے بغیر نہیں رہتی، کلام وطعام، نشست وبرخاست اور سیرت وصورت میں دیکھنے والے کو سنت رسول کی جھلک نظر آتی ہے۔زندگی عاجزانہ، چال باوقار، مزاج عارفانہ انداز ناصحانہ اور کلام عالمانہ سننے والے کے دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔مضبوط بدن کی طرح عزم بھی قوی، بڑھاپے میں بھی ارادے جوان اور اس پر بیماریوں کا سیلِ رواں، لیکن کوئی چیز ان کے عزم واستقلال کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

خودنوشت سوانح حیات

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ

نوٹ: حضرت داداجان رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ کے پرزور اصرار پر 1971ء میں درج ذیل مضمون تحریر فرمایا تھا، لہٰذا اسے اسی وقت اور انہی حالات کے تناظر میں پڑھا جائے۔[خادم، حمزہ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم. امابعد

''ہمارے مخلص اور مہربان بزرگ جناب خان محمد خاص صاحب دام مجدہم اعوان مقام ہیڑاں ڈاکخانہ اہل، تحصیل مانسہرہ، ضلع ہزارہ بار بار بزرگانہ خطوط تحریر فرمائے کہ میں علمائے ہزارہ کے بارے میں کتاب لکھنا چاہتا ہوں اس لیے تم اپنے اور برادر خورد صوفی عبدالحمید سواتی کے حالات زندگی اور خصوصیت سے تحصیل علم سے متعلق معلومات ضبط تحریر میں لا کر بھیجو!۔ موصوف سے وعدہ بھی تھا، مگر ایک ضروری سفر، بے حد مصروفیت اور اس پر مستزاد گونا گوں بیماریاں اور کچھ ایسے ہی دیگر متعدد عوارض دامن گیر ہوئے کہ محترم کو تقریباً چار پانچ سال تک خاطر خواہ جواب لکھ کر نہ بھیج سکا، اور ان تمام عوارضات سے بڑھ کر یہ مانع پیش آیا کہ موصوف تو علمائے ہزارہ کے حالات اپنی زندۂ جاوید کتاب میں درج فرمانا چاہتے ہیں، لیکن جب راقم نے اپنی حقیقت پر نگاہ ڈالی تو اپنے کو اس صف میں کھڑا ہونے کا اہل نہ پایا جس علماء کی صف میں موصوف غالباً محض اپنی حسن عقیدت یا بزرگانہ شفقت سے کھڑا کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اپنی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ ''من آنم کہ من دانم''۔ اس کے بعد موصوف نے شکوہ سے بھرے خطوط ارسال فرمانا شروع کر دیے جس میں وہ حق بجانب تھے کہ تمہاری مصروفیات تو ختم نہیں ہونگی اور میں انتظار کر کر کے تھک گیا ہوں (محصلہ)۔ اب مجبوراً اس بزرگانہ شکوہ اور وعدہ کو ملحوظ رکھ کر راہ فرار بھی نظر نہیں آ رہی، اس لیے موصوف کے حکم کی تعمیل میں اختصاراً و اجمالاً کچھ لکھ کر ارسال کرنا ہی ضروری سمجھا گیا، تاکہ موصوف سے تو جان چھڑائی جا سکے، اپنی جگہ پوزیشن اور حقیقت کچھ ہو یا نہ ہو، آخر گلو خلاصی بھی تو ضروری ہے۔ **واللہ تعالیٰ الموفق للخیر''**

خاندانی پسِ منظر اور ابتدائی حالات:

نام محمد سرفراز والد کا نام نوراحمد خان مرحوم دادا کا نام گل احمد خان مرحوم قوم سواتی (شاخ مندراوی) جائے پیدائش ڈھکی چیڑاں داخلی کڑمنگ بالا سابق ڈاکخانہ بٹل علاقہ کونش تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ صوبہ سرحد (مغربی پاکستان) ہے صحیح طور پر تو معلوم نہیں اور نہ کوئی تحریر موجود ہے بزرگوں کے مختلف بیانات کی روشنی میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ راقم کی ولادت 1914ء کے لگ بھگ ہوئی ہے۔(عزیزم عبدالحمید مجھ سے تقریباً تین سال چھوٹا ہے اس لحاظ سے اس کی ولادت 1917ء کے لگ بھگ کی ہے) واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ہمارے والد مرحوم کی پہلی شادی اپنے حقیقی چچا محمد خان مرحوم کی لڑکی بی بی رحمت نور مرحومہ سے ہوئی (یہ ہماری سوتیلی والدہ تھیں اور پاکستان بننے کے بعد 1949ء میں گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں ان کی وفات ہوئی اور یہیں مدفون ہیں۔(اللہ اغفرھا وارحمہا) اس شادی کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اپنے بزرگوں سے اور خصوصاً والدہ مرحومہ سے عبدالغفور مرحوم سنا تھا، جوانی میں ہی انتقال ہوگیا تھا اس کے بعد تقریباً تیس سال تک ہمارے والد مرحوم کے ہاں باوجود والدہ مرحومہ کے علاج ومعالجہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جب ہمارے والد مرحوم کی عمر تقریباً ساٹھ سال کی ہوگئی تو ہماری سوتیلی والدہ مرحومہ اور خاندان کے بعض دیگر بزرگوں نے ہمارے والد مرحوم کو اولاد کی غرض سے اور شادی کرنے پر مجبور کیا پہلے تو وہ پہلو تہی کرتے رہے بالآخر وہ بھی مجبور ہوگئے، ڈنہ کے مقام کی چیچی خاندان کی پندرہ سولہ سال کی ایک خاتون سے جن کا نام بی بی بخت آور مرحومہ تھا خاصی کش مکش کے بعد نکاح ہوگیا دونوں کی عمروں کے نامناسب ہونے کی وجہ سے بعض رشتہ دار ابتدائی مرحلہ میں سخت مخالف تھے بالآخر سب راضی ہوگئے یہ ہماری حقیقی والدہ تھی شادی کے بعد 1911ء کے لگ بھگ ایک لڑکی پیدا ہوئی جو ہماری ہمشیرہ ہے۔اس کے بعد تقریباً تین سال بعد راقم کی ولادت ہوئی پھر تقریباً تین سال بعد عزیزم صوفی عبدالحمید کی ولادت ہوئی اس کے بعد تقریباً 1920ء کے لگ بھگ ہماری چھوٹی ہمشیرہ پیدا ہوئی۔

ہماری یہ چھوٹی ہمشیرہ تقریباً چالیس دن کی تھی کہ حقیقی والدہ بی بی بخت آور مرحومہ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہوکر تقریباً پچیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوگئی اور ہم چاروں بہن بھائی اپنی حقیقی ماں کی مامتا سے محروم ہوگئے اور وہ بھی بے بسی کی حالت میں اپنے معصوم بچوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حکم قطعی کو لبیک کہتی ہوئی آخرت کو روانہ ہوگئی۔اس کے دل میں کیا کیا حسرتیں ہونگی؟ کون اندازہ کرسکتا ہے؟ ان تمام حسرتوں کے عوض اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس مرحمت فرمائے ہم پہلے بھی اپنی سوتیلی والدہ کی گود میں رہتے تھے اور حقیقی والدہ کی وفات کے بعد تو گود ہی وہی تھی اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ ایسی نیک خدمت گزار ہمدرد

اور مہربان وشفیق سوتیلی والدہ شاید ہی کسی کو میسر ہوئی ہو جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو اپنی رحمت کے جوار میں جگہ مرحمت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

والد مرحوم کا دین سے لگاؤ: ہم نے جب ہوش سنبھالا تو والد مرحوم کو بالکل سفید ریش دیکھا ایک بال بھی سر اور داڑھی میں سیاہ نہ تھا بخلاف اس کے ہمارے دادا جی مرحوم بھی اس وقت زندہ تھے ان کی داڑھی اور سر میں سیاہ بال بھی تھے اور ان کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی جب دونوں باپ بیٹا اکٹھے ہوتے تو دیکھنے والوں کو الٹ شبہ پڑتا ہمارے گھر کے قریب کوئی اور مکان نہ تھا تقریباً دو فرلانگ کے فاصلہ پر ہمارے دادا صاحب مرحوم اور ان کے چھوٹے بھائی میر غلام خان مرحوم کے دو مکان تھے جو بالکل آس پاس تھے اور انہوں نے اپنی سہولت کے لیے مسجد بھی تعمیر کر لی تھی بحمد اللہ تعالیٰ سبھی بزرگ متشرع اور پختہ نمازی تھے ہمارے والد مرحوم اکثر نمازیں گھر ہی پڑھتے تھے اور گھر سے باہر ایک چبوترہ نماز کے لیے بنا رکھا تھا اور جانوروں سے اس کی بڑی حفاظت کیا کرتے تھے تہجد اور باقی نمازوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے یہی حال ہماری سوتیلی والدہ مرحومہ کا تھا والد مرحوم کبھی کبھی اذان خود بھی کہتے تھے مگر زیادہ تر مقابل میں دوسرے پہاڑ پر جبوڑی کے مؤذن کی اذان پر نمازوں اور سحری اور افطار کا انحصار ہوتا تھا والد مرحوم اور اس طرح دادا مرحوم بالکل ان پڑھ تھے جوانی کے دور میں والد مرحوم نے قرآن کریم کا پہلا پارہ ناظرہ پڑھا تھا اس کے بعض مقامات کبھی پڑھ لیا کرتے تھے ہاں قرآن کریم کی بعض سورتیں خوب یاد تھیں نماز اور تلاوت میں انہیں کو پڑھتے تھے عمر گو خاصی تھی مگر بفضلہٖ تعالیٰ صحت قابل رشک تھی اور اپنا تمام کاروبار خود کرتے تھے ایک معمر نوکر بھی رکھا تھا جو کوہ مری کے علاقہ کا تھا اور عباسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا وہ بڑا پرہیز گار اور متشرع نمازی اور نہایت خدمت گزار تھا ہمارے مال مویشی اکثر وہی چرایا کرتا تھا اور ہم بھی کبھی اسکے ساتھ مال ومویشی کے چرانے میں شرکت کرتے تھے پانی خاصا دور تھا اور وہ پانی بھی اکثر لاتا تھا ہمارا گھر گو اکیلا تھا مگر مہمان بکثرت رہتے اور خصوصاً لمبی کے ہمارے پھوپھی زاد بھائی تو اکثر وہاں رہتے تھے خوب چہل پہل رہتی والد مرحوم بڑے مہمان نواز تھے ''بٹ کس'' کی صاف وشفاف ندی سے خود مچھلیاں پکڑ کر لاتے اور مہمانوں کی مچھلیوں اور اسکے علاوہ مرغیوں اور گوشت سے خوب تواضع کیا کرتے تھے جب کسی موقع پر کوئی مہمان نہ آتا تو خاصے پریشان دکھائی دیتے تھے لیکن مہمانوں کے نہ آنے کا واقعہ سال میں کبھی کبھار پیش آتا تھا۔

تعلیم کا آغاز: راقم نے جب ہوش سنبھالا تو زمینداری طریقہ سے گھر کے سب کام کرتا تھا لیکن والد مرحوم کو ہماری تعلیم کی بے حد فکر تھی اور اس جنگل میں تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا حسنِ اتفاق سے ہمارے پھوپھی زاد بھائی محترم مولانا مولوی سید فتح علی شاہ صاحب ولد سید دین علی شاہ صاحب مرحوم ساکن لمبی بٹل میں سکول پڑھتے تھے اور غالباً اس وقت وہ چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے والد مرحوم نے راقم کو جبکہ

غالباً عمر تیرہ سال کی ہوگی 1927ء کے قریب بٹل پہنچا دیا اور پھوپھی زاد بھائی کے حوالہ کر دیا وہاں راقم کو سکول میں داخل کر دیا گیا اور پہلی جماعت میں راقم نے تعلیم شروع کر دی رہائش ایک بڑھیا مائی کے ہاں تھی راشن اپنا ہوتا تھا پکا وہ دیتی تھی نام تو اس کا یاد نہیں ہاں اتنا یاد ہے کہ یعقوب خان صاحب مرحوم کے گھر کے قریب ہی اس مائی کا گھر تھا مکئی کی روٹی اور کڑھی اس مائی کے ہاتھ کی پکی ہوئی اب تک یاد ہے اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے۔

بٹل کے بعد ملک پور : نہ معلوم کن وجوہ اور اسباب کی بناء پر برادرِ محترم اچانک بٹل سے ملک پور چلے گئے اور وہاں فقیرا خان صاحب مرحوم کی مسجد میں ڈیرا ڈال دیا اور شیر پور کے مڈل سکول میں داخل ہو گئے کچھ عرصہ کے بعد والد مرحوم نے مجھے بھی وہاں پہنچا دیا اور ملک پور کی مسجد میں چھوڑ آئے اور اس موقع پر لمبی کے اور بھی کئی احباب وہاں آ گئے جن میں ہمارے دو اور پھوپھی زاد بھائی سید عبداللہ شاہ جو ہمارے بہنوئی بھی ہیں اور پیر ولی شاہ صاحب بھی تھے اور ان کے علاوہ چنار کوٹ اور کولیاں وغیرہ کے اور بھی کئی دوست جمع ہو گئے، رہتے تو ہم ملک پور میں تھے لیکن سکول شیر پور میں پڑھتے تھے حتیٰ کہ راقم دوسری جماعت تک تو شیر پور میں پڑھتا رہا اور اس اثناء میں مسجد میں قاعدہ قرآن کریم ناظرہ اور نماز جنازہ وغیرہ ضروری مسائل سیکھ لیے۔

مانسہرہ : برادرِ محترم نے شیر پور میں مڈل پاس کر لیا اور راقم دوسری جماعت سے تیسری میں ہو گیا اسی موقع پر والد مرحوم نے عزیزم صوفی عبدالحمید کو ملک پور پہنچا دیا یہ اس کا پہلا سفر تھا لیکن چونکہ اپنے ہی رشتہ دار چند ہم عصر ساتھی موجود تھے اس لیے اس نے بھی کوئی زیادہ تکلیف محسوس نہیں کی اس زمانہ اخبار زمیندار بہت عروج پر تھا اور افغانستان میں بچہ سقاء کی شورش کی شہ سرخیاں اخبارات میں نمایاں ہوتی تھی اسی زمانہ میں مانسہرہ میں محترم جناب غلام احمد صاحب عرضی نویس اور حضرت مولانا غلام غوث دامت برکاتہم کی کوشش سے ایک دینی آزاد مدرسہ اصلاح الرسوم کے نام سے قائم ہوا تھا۔ اور برادرِ محترم سید فتح علی شاہ صاحب مدرسہ میں جا کر داخل ہو گئے اور رہائش مانسہرہ کے قریب گنڈا کی مسجد میں رکھی ہم لوگ بھی ملک پور سے کوچ کر کے گنڈا چلے گئے اور مانسہرہ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے تیسری جماعت میں داخلہ لیا اور تعلیم الاسلام مصنف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کو خوب یاد کیا اور وہاں تقریر کا ڈھنگ بھی بتایا جاتا تھا ہم نے بھی چند باتیں یاد کر لیں اور تقریریں شروع کر دیں اس درمیان پیدل ہی ہم گھر آتے جاتے تھے اس وقت لاری وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا اور والد مرحوم بھی اکثر ہماری خبر گیری کے لیے آتے تھے اور دیکھ بھال کر تسلی دیکر اور کچھ رقم دیکر چلے جاتے ایک مرتبہ ہمارے کپڑوں میں بے پناہ جوئیں دیکھ کر والد رو پڑے ہماری برادری اور خاندان کے بعض حضرات والد صاحب مرحوم کو خوب کوستے اور طعنہ دیتے کہ اس بڑھاپے میں

تجھے اللہ نے اولاد دی ہے لیکن تو ان کو گھر نہیں ٹکنے دیتا چونکہ ان کو ہماری تعلیم کا بے حد شوق تھا اس لیے وہ ان طعنوں کو سن کر صبر شکر کر کے خاموش ہو جاتے۔

دادا اور والد کی وفات: اس اثناء میں ہمارے دادا مرحوم غالباً 1930ء کو ہماری غیر موجودگی میں رمضان المبارک کے مہینہ میں بحالت روزہ وفات پا گئے۔ اللھم اغفر له وارحمه۔ چونکہ اس وقت سواری کا انتظام نہ ہوتا تھا اور گنڈا اور ہمارے گھر میں سے تقریباً 26 میل کی مسافت تھی اس لیے ہمیں اطلاع نہ بھیجی جا سکی ہم تین چار دن کے بعد گھر پہنچے اس کے ایک سال بعد رمضان المبارک ہی کے مہینے میں 1931ء کے قریب ہمارے والد مرحوم کا انتقال ہوا اور ہم دونوں بھائی اس موقع پر گھر میں ہی تھے ہمارے پھوپھا سید دین علی شاہ صاحب مرحوم اور راقم وہاں سے چھ میل دور ''منڈی'' حال ''حاجی آباد'' کفن خریدنے چلے گئے اور کورے اور اچھڑیاں میں اپنے رشتہ داروں کو وفات کی اطلاع دینے کی غرض بھی تھی لیکن ان دنوں جنگل میں کٹائی کا کام شروع تھا اور سوءِ اتفاق سے ان میں سے کوئی جنازہ میں شریک نہ ہو سکا بجز ہماری سوتیلی والدہ کے بھانجے محترم جناب حاجی گوہر آمان خان صاحب (المتوفٰی 7 جولائی 1970ء) وہ ہمارے ساتھ ہو لیے اور شام کے قریب ہم نے والد مرحوم کو پادرے کے قبرستان میں دادا مرحوم کی قبر کے پہلو میں (اسی قبرستان میں ہماری حقیقی والدہ بھی مدفون ہیں) دفن کیا۔ تجہیز و تکفین اور دفن کے موقع پر ہمارے والد مرحوم کے چچا سید عالم خان مرحوم، ان کے فرزند محمد زمان خان مرحوم، ان کے فرزند صحبت خان صاحب و سعادت خان صاحب اور سید دین علی شاہ صاحب مرحوم اور برادرم فتح علی شاہ صاحب وغیرہ موجود تھے اور علی الخصوص ہمارے حقیقی چچا خان زمان خان صاحب مرحوم بھی حاضر تھے۔ مدت العمر انہوں نے شادی نہیں کی۔ افریقہ، عراق اور دیگر ممالک میں زندگی کا بیشتر حصہ گزارا۔ بڑے نمازی اور متشرع تھے، مزاج میں قدرے تندی تھی، 1933ء کے قریب کورے میں وفات ہوئی اور وہاں ہی قبرستان میں مدفون ہیں جہاں ہمارے بہت سے بزرگ اور عزیز (جن میں راقم کا فرزند عزیزم محمد یونس خان راشد بھی ہے) مدفون ہیں۔

والد مرحوم کی فوتگی کے بعد ہمارا شیرازہ کچھ ایسا بکھرا کہ اس کے بعد ہم سب بہن بھائی اور سوتیلی والدہ مرحومہ کبھی اکٹھے نہیں ہو سکے کہیں دو اکٹھے ہو جاتے اور کہیں تین، ہماری والدہ مرحومہ اور چھوٹی ہمشیرہ بی بی خانم مرحومہ کو محترم جناب اخوی حاجی گوہر آمان خان صاحب مرحوم اچھڑیاں لے گئے، بڑی ہمشیرہ کو پھوپھی در مرجان صاحبہ مرحومہ لمبی لے گئیں جن کے فرزند سے والد مرحوم زندگی میں ان کی منگنی کر چکے تھے اور ہم دونوں بھائی کبھی لمبی، کبھی اچھڑیاں اور کبھی کورے میں اور ہم زیادہ تر مسجدوں میں وقت گزارتے گھر کا اثاثہ، سامان اور جانور کچھ اس انداز سے تقسیم کیے گئے کہ آج تک وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ ان سے فائدہ

کس نے اٹھایا اور جو کچھ ہمارے حصہ میں آیا وہ کہاں گیا بہر حال یتیموں کی داستان خاصی دردناک اور طویل ہوا کرتی ہے جس سے ہمیں بھی دوچار ہونا پڑا، اس دور میں برادرِ محترم سید فتح علی شاہ صاحب کی شادی ہو چکی تھی اور وہ باوجود شوق کے تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور اکثر گھر ہی رہنے لگے ہم لوگ بھی گنڈا سے نکل کر تتر بتر ہو گئے اور وہ ساتھی جو ملک پور اور اس کے بعد گنڈا میں جمع تھے پھر سب کبھی یکجا نہ ہو سکے۔

علاقہ کونش میں تعلیم : والد مرحوم کی وفات کے بعد گھر کے اجڑنے اور گنڈا سے نکل چکنے کے بعد تھوڑے عرصہ میں خاصی جگہیں بدلنا پڑیں چنانچہ راقم کچھ عرصہ بٹل میں پڑھتا رہا اس کے بعد ہروڑی پائین میں حضرت مولانا سخی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس رہا وہاں نور الایضاح اور صرف کی ابتدائی کچھ گردانیں یاد کیں اور اس کے بعد کھکھو میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ رحمہ اللہ کے پاس رہا اور پھر سنگل کوٹ میں مولانا احمد نبی رحمہ اللہ کے پاس رہا اور نحو میر کا کچھ حصہ پڑھا پھر بائی پائین میں کچھ عرصہ رہا لیکن ان تمام جگہوں میں تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے نیز اپنی ناتجربہ کاری کی وجہ سے وقت زیادہ صرف ہوا اور تعلیمی کام نہ ہونے کے برابر رہا اور اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے لمبی والے برادران کرام اس سلسلہ میں خاصے ''استاذ'' ثابت ہوئے کہ جب کام کاج اور گھاس کاٹنے کے دن ہوتے تو وہ ہمیں جہاں کہیں بھی ہم ہوتے تلاش کر کے لمبی لے جاتے اور کئی دن تک کام کرواتے جب کام سے فراغت ہو جاتی تو پھر کسی نہ کسی مسجد میں ہمیں لے جا کر چھوڑ آتے اور عزیزم صوفی عبدالحمید اس درمیان اچھڑیاں اور کورے میں رہتا کبھی ٹنگ لائی سے بالن لے آتا کبھی گھاس اور شوتل کاٹ لاتا اور کبھی کوئی اور خدمت جو اس کے سپرد ہوتی وہ سرانجام دیتا اور کبھی کبھار لمبی چلا جاتا اچھڑیاں اور لمبی کے درمیان تقریباً اٹھارہ میل کی مسافت ہے (اور یہ پہاڑی علاقہ ہے) اس اثناء میں ایک نیک دل بزرگ نے مشورہ دیا کہ تمہارا وطن میں کیا دھرا ہے کہیں جا کر علم حاصل کرو۔ چنانچہ راقم نے عزیزم عبدالحمید کو ساتھ لیا اور دونوں 1933ء کے لگ بھگ بھاگ کھڑے ہوئے کہیں پیدل چلتے اور کہیں ریل گاڑی پر سوار ہوتے حتیٰ کہ ہم کوئٹہ (بلوچستان) جا پہنچے۔ وہاں متصل ایک بستی تھی وہاں ایک پرانے طرز کا (مسجد کا) مدرسہ تھا وہاں داخل ہو گئے اور وہاں ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں اس وقت بہترین قسم کا انگور وہاں ایک آنے کا دو سیر ملتا تھا اور یہ کوئٹہ کے (غالباً 1934ء میں) غرق ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد وہاں سے ہم بھاگ کھڑے ہوئے اور کلکتہ جا پہنچے وہاں کچھ دن رہ کر پھرتے پھراتے پھر وطن پہنچ گئے راقم لمبی پہنچ گیا اور عزیزم اچھڑیاں اور دونوں کام کاج میں مصروف ہو گئے جو کام بھی ہم سے لیا جاتا بامرِ مجبوری ہمیں کرنا پڑتا لیکن کام صدقِ نیت سے کرتے اور راقم بفضلہ تعالیٰ کسی کام میں کسی کو آگے نہ بڑھنے دیتا اور اس کا وہاں خاص شہرہ تھا اسکے بعد راقم پھر دوبارہ بھاگا اور اپنے ایک رفیق سفر کے ساتھ جو چٹہ بٹہ کا رہنے والا تھا سیدھا اجمیر شریف جا پہنچا وہاں سے پھر چکر لگاتا ہوا واپس لمبی جا پہنچا۔ اور

وہاں شیرٹ کے مقام پر گوجروں کا امام بنا دیا گیا مسجد کے آس پاس کوئی گھر نہ تھا کبھی کوئی نمازی آجاتا اور کبھی نہ آتا راقم اکیلا ہی اذان کہہ کر نماز پڑھ لیتا اور رات کو وہاں ہی مسجد میں سو جاتا تو کبھی اکیلا سو جاتا اور کبھی خلیل کا کا مرحوم گوجر راقم کا ساتھی ہوتا جو کھانا وہ لوگ دیتے وہ کھا لیتا دن کو بندوق لیکر شکار کرتا چکور وہاں بکثرت ہوتے تھے۔

شوقِ جہاد : مکئی کی فصل پر راقم کو چھ پیانے مکئی امامت کے معاوضہ میں ملی کچھ پیانے دیکر شوقِ جہاد میں تلوار خریدی بندوق پہلے سے ہی موجود تھی ان دنوں آزاد قبائل انگریز کے خلاف لڑتے تھے جن کی قیادت مشہور مجاہد حضرت مولانا اللہ داد خان صاحب دامت برکاتہم کرتے تھے (موصوف راقم کی کتابیں پڑھ کر اور ان سے بے حد متأثر ہو کر گکھڑ برائے ملاقات تشریف لائے تھے اور چند دن قیام فرما کر واپس تشریف لے گئے) لمبی سے تقریباً دو میل کی مسافت پر آزاد علاقہ شروع ہوتا تھا جہازوں کی بمباری کے علاوہ توپوں، مشین گنوں حتیٰ کہ رات کے وقت رائفلوں کی آواز ہم بخوبی سنتے تھے مولانا موصوف بمع اپنے چند ساتھیوں کے انگریز نے گرفتار کر لیے جو کافی عرصہ کے بعد بے حد مصائب اٹھا کر رہا ہوئے وہ تلوار اور بندوق لمبی میں ہی تھی اب معلوم نہیں وہ کس صاحب کے تصرف میں ہیں۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

طلبِ علم کے لیے دوبارہ سفر کا آغاز : اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جناب سید محمود شاہ باجی مرحوم ساکن لمبی کو انہوں نے ایک مرتبہ راقم کو پاس بٹھا کر بڑے نرم لہجہ اور معتدل گفتگو کے ساتھ یہ نصیحت کی اور فرمایا سرفراز ! تو خاصا ذہین اور محنتی ہے اور اب تمہاری عمر بھی کوئی زیادہ نہیں جا کر علم حاصل کر تو ان گوجروں کی گرٹ (روٹی) پر کیوں گرا ہوا ہے؟ ان کے اس پیارے اور مشفقانہ انداز سے نصیحت کا دل پر گہرا اثر ہوا اور دفعۃً وہاں سے دل اچاٹ ہو گیا، ''لمبی'' سے روانہ ہوا برادرم محمد ایوب خان صاحب کو ساتھ لیا اور اچھڑیاں سے عزیزم عبد الحمید کو ساتھ لیا اور ہری پور جا پہنچے وہاں سے کھلابٹ ہوتے ہوئے دوڑ کی ندی کے کنارے پر پہاروں نام کی ایک چھوٹی بستی میں مقیم ہو گئے اور پکا پیالہ میں جا کر سبق پڑھ آتے اور رات کو اپنے مستقر میں آجاتے اور وہاں محترم جناب سکندر خان صاحب ایک معمر بزرگ تھے وہ ہمارے کھانے اور لسی وغیرہ کا خاص اہتمام کرتے لیکن کچھ عرصہ کے بعد عزیزم عبد الحمید پھر اچھڑیاں چلا گیا ۔راقم خانپور (جو کہ ہری پور سے جنوب مشرق کی طرف روہی کی ندی کے کنارے سرسبز علاقہ ہے اور راجوں کا خانپور کہلاتا ہے) چلا گیا وہاں لوہاروں کی مسجد میں ٹِک گیا اور حضرت مولانا عبد العزیز صاحب سے جو اس مسجد کے امام تھے صرف کی ابتدائی بے سلیقہ اور بے ترتیب کتابیں شروع کر دیں موصوف نے بکریاں رکھ رکھی تھیں راقم کی صحت بڑی اچھی تھی اور استادوں اور بزرگوں کا کام بڑی محنت اور نیک دلی سے کیا کرتا تھا موصوف اس جوہر کو تاڑ گئے دو تین میل باہر پہاڑوں میں چلا جاتا وہاں سے بکریوں کے لیے لانگی (وہاں کی

اصطلاح میں چارہ) لاتا راقم کے پاس ایک قیمتی شاہڑی تھی وہ استاد محترم نے چھت کے ساتھ پنکھا بنا کر لٹکا دی بہانہ تو یہ کیا کہ اس کو کیڑا نہیں لگے لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ راقم بھاگ نہ جائے آنمحترم کے عزیزوں میں سے کسی کا باغ تھا راقم کو وہاں چند دن کے لیے بھیج دیا گیا راقم خرمانیاں اتارتا ان سے ٹوکریاں بھرتا اور پھر ان کو سیتا اور وہ براستہ ٹیکسلا راولپنڈی پہنچتیں اور وہاں فروخت ہوتیں اس کام میں بھی راقم نے خوب محنت اور مہارت کا ثبوت دیا اب وہ تو راقم کے اور زیادہ گرویدہ ہوگئے اور اپنی ہی برادری میں سے ایک لڑکی سے رشتہ راقم سے جوڑنے کی سعی شروع کردی اور جب راقم کو اس کا پتہ چلا بلطائف الحیل شاہڑی ان سے لی کیونکہ اس کا وہاں چھوڑنا بھی ایک غریب طالب علم کے لیے مشکل تھا اور ان سے لینا تو مشکل تر تھا لیکن حکمتِ عملی کام آگئی اور شاہڑی لیکر راتوں رات وہاں سے بھاگ نکلا وہاں چند ماہ رہا لیکن سبق صرف برائے نام تھا اصل کام ان کا کام تھا راقم پھر لبی جا پہنچا وہاں چند دن رہ کر پھرا چھڑیاں اور کورے گیا اور وہاں عزیزم عبدالحمید کو خاصی ترغیب وترہیب کے ساتھ آمادہ (کیا) اور (خوب) دلاسا دیا اور اس کو ساتھ لیکر لاہور چلا گیا وہاں مصری شاہ میں ایک داڑھی منڈھے مولوی صاحب رہتے تھے جن کا نام غالباً عبدالواحد تھا اور عرب استاد سے مشہور تھے صرف اور نحو میں ان کو بڑی مہارت تھی عربی روانی سے بولتے تھے اور پشتو بھی بڑی فصیح اور سلیس بولتے تھے اپنا خیال یہ ہے کہ وہ قبائلی تھے لباس خاص عربی پہنتے تھے عربی لباس اور عربی زبان بولنے کی وجہ سے شاید عرب استاد کہلاتے تھے تعویذات ان کے بہت چلتے تھے اور انہی کی آمدنی پر وہ وقت بسر کرتے انہوں نے بکری بھی رکھ رکھی تھی اور ہم اس کی خدمت بھی کرتے تھے عرب استاد یک چشم تھے سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے تھے اور اسی وجہ سے اکثر سیاہ رنگ کی عینک استعمال کرتے تھے ان کی شہرت کی وجہ سے ان کے پاس حفیظ بانڈی تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ کے ایک نوعمر مولوی صاحب جن کا نام فضل الٰہی تھا برائے تحصیل علم حاضر ہوئے اور عرب استاد سے غالباً اس وقت وہ نحو کی دقیق اور مشکل کتاب عبدالغفور اور "مغنی اللبیب" پڑھتے تھے اور ہمارے اسباق بالکل ابتدائی تھے جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہ پڑھنے کا بے حد شوق رکھتے ہیں لیکن ناتجربہ کاری کی وجہ سے کسی مدرسہ تک نہیں پہنچ سکتے تو انہوں نے ہمیں مرہانہ تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ حضرت مولانا غلام محمد صاحب مرحوم کے پاس بھیج دیا اس وقت ہم تین ساتھی تھے راقم، عزیزم عبد الحمید اور مولوی عبدالحق صاحب ساکن کھکھو مگر افسوس کہ ہماری کتابیں بالکل ابتدائی تھیں اور ان کے پاس طلبہ زیادہ تھے نیز داخلہ کے ایام بھی نہ تھے اس لیے انہوں نے داخلہ سے تو معذوری ظاہر کردی لیکن بایں ہمہ انہوں نے ہماری صحیح رہنمائی کردی کہ تم وڈالہ سندھواں (یہ مرہانہ سے چند میل کی مسافت پر ضلع سیالکوٹ میں خاصا مشہور قصبہ ہے) چلے جاؤ چنانچہ ہم وہاں چلے گئے وہاں بڑی مرکزی دو منزلہ وسیع مسجد کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لیے کمرے بنے ہوئے تھے اور کئی طلبہ وہاں رہتے تھے وہاں حضرت مولانا محمد اسحاق

صاحب رحمانی رحمہ اللہ تعالیٰ مدرس اور خطیب تھے حضرت کا آبائی علاقہ چونیاں ضلع لاہور تھا اور دورۂ حدیث شریف انہوں نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ سے دہلی میں پڑھا تھا غضب کے ذہین بہترین مدرس اور چوٹی کے مقرر تھے مسلکاً اہلحدیث تھے مگر خاصے معتدل فروعی مسائل میں نزاع اور اختلاف کو پسند نہ کرتے تھے جب ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے راقم سے داخلہ امتحان لیا اور نحو میر میں معرفہ اور نکرہ کی تعریف دریافت فرمائی جو راقم نے فی الفور صحیح تعریف مع مثال عرض کر دی اور بھی بعض سوالات کیے اور خوش ہو کر ہمیں مدرسہ میں داخل کر لیا ہماری صحیح اور باقاعدہ تعلیم کا آغاز وڈالہ ہی سے شروع ہوا ہم وہاں تقریباً دو سال رہے **سبعہ معلقہ، شرح جامی** اور قطبی تک کتابیں راقم نے وہاں ہی پڑھیں عزیزم عبدالحمید کی کتابیں ابتدائی تھیں ہمارے استاد محترم اس وقت مجلس احرار اسلام کے سرگرم رکن اور نڈر سپاہی اور بے باک مقرر تھے ہم لوگ باقاعدہ وردی پہنتے اور تلواریں گلے میں لٹکا کر پریڈ کرتے ڈسکہ ، گوبند کے اور لاہور کی تاریخی کانفرنسوں میں ہم نے رضا کارانہ وردیاں پہن کر شرکت کی ان دنوں مسجد شہید گنج کا مسئلہ خوب زوروں پر تھا۔

کچھ عرصہ کے بعد مولوی عبدالحق صاحب وہاں سے فرار ہو گئے اور اس کے کچھ عرصہ بعد ہی عزیزم عبدالحمید اپنے ایک رفیق درس مولانا سید امیر حسن شاہ صاحب ساکن تھب ، تحصیل باغ ضلع پونچھ کے ساتھ وڈالہ سندھواں سے بھاگ گیا اور راقم اکیلا رہ گیا۔

عزیزم عبدالحمید کی تلاش میں: پھر کچھ دنوں بعد راقم اسکی تلاش میں نکلا، غربت کا زمانہ تھا، رقم پاس نہ تھی، پیدل ہی وہاں سے گوجرانوالہ، پھر حافظ آباد اور پھر وہاں سے ونیکے تارڑ جا پہنچا۔ ان تمام جگہوں میں اس وقت دینی کتابوں کے درس ہوتے تھے اور بیرونی طلبہ پڑھتے تھے، مگر عزیزم کا ان جگہوں پر کوئی اتا پتا نہ چلا، بالآخر راقم کشتی کے ذریعہ دریائے چناب کو عبور کر کے ''قادر آباد'' پہنچا اور وہاں سے پھر ''انہی'' کے مشہور درس میں جا پہنچا جہاں پہلے ماہر معقول و منقول حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ پڑھاتے تھے اس کے بعد ہمارے استاد محترم ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ یادگار سلف حضرت مولانا ولی اللہ صاحب دامت برکاتہم تعلیمی خدمات انجام دیتے تھے مختلف علاقوں سے ذہین اور پڑھنے والے طلبہ کا وہاں ہجوم رہتا تھا راقم انہی سے چند میل دور ککہ میں مقیم ہو گیا وہاں مقام ہٹیاں کشمیر کے مولانا عبدالحمید صاحب بھی رہتے تھے ہم دونوں صبح سویرے وہاں سے چل کر ان کے پاس جاتے اور سبق پڑھ کر ظہر تک واپس چلے جاتے۔ **میبذی** وغیرہ کتابیں راقم نے وہاں ہی پڑھی ہیں اُنھی میں طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ طالبعلم ہر فن کی کتاب کا مطالعہ کر کے اور خوب سمجھ کر کتاب کا مطلب استاد کے سامنے بیان کرتا اور غلطی پر استاد اس کی اصلاح کر دیتے اس طریقہ سے بمشکل ایک دو سبق ہی حل کر سکتا نہایت ہی ذہین آدمی تین اسباق پڑھ سکتا تھا

اس طرز سے طلبہ میں مطالعہ اور کتابوں کے سمجھنے اور حل کرنے کا جذبہ بخوبی اجاگر ہوتا تھا کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد راقم وہاں سے پـکھـی، منڈی بہاؤ الدین، ملکوال، پنڈ دادن خان، بھیرہ خوشاب سے ہوتا ہوا شاہ پور اور پھر وہاں سے سرگودھا اور وہاں سے تقریباً بیس میل دور جہان آباد پیدل پہنچا وہاں سے اتنا معلوم ہوا کہ عزیزم عبدالحمید بمع اپنے رفیق کے آئے تھے اور کچھ دن یہاں رہے ہیں اور پھر چلے گئے ہیں وہاں رات رہ کر راقم خوشاب، واںؔ مچراں، کندیاں، کلورکوٹ سے ہوتا ہوا ضلع لائل پور (فیصل آباد) کے ایک قصبہ بازار والہ پہنچا وہاں بریلوی مکتب فکر کا ایک درس تھا اور بیرونی طلبہ رہتے وہاں سے معلوم ہوا کہ دونوں مفرور ملتان میں ہیں اور مولانا عبدالعلیم صاحب کے مدرسہ میں پڑھتے ہیں چنانچہ راقم وہاں سے روانہ ہوکر ملتان پہنچا اور عزیزم عبدالحمید بمع اپنے رفیق کے وہاں موجود تھے ملاقات ہوئی گلہ شکوہ اور سفر کی تکلیفوں کا تذکرہ بھی ہوا اور ملاقات کرکے خوشی بھی ہوئی وہاں ہم تینوں کچھ عرصہ رہے اور علم میراث کا ایک رسالہ جس کے مصنف خود مولانا موصوف تھے پڑھا مولانا بہت معمر تھے ان کے فرزند مولانا عبدالحلیم اور ان کے فرزند مولانا عبدالکریم اور ان کے فرزند مولوی عبدالشکور سب زندہ تھے لانگے خان کے باغ کے قریب ان کی مسجد تھی اور اسمیں درس کتب جاری تھا یہ حضرات نہ پکے دیوبندی اور نہ پختہ بریلوی بین بین تھے علم اور علماء سے بڑی عقیدت رکھتے تھے لیکن وہاں کھانے کا کوئی معقول انتظام نہ تھا وہاں فی کس توے کی ایک روٹی سالم اور ایک آدھی ملتی تھی ہمارا اس کھانے پر بخوبی گزارا تو نہیں ہوسکتا تھا مگر چونکہ رمضان شریف بالکل قریب تھا اس لیے اختتام سال کے پیشِ نظر ہم وہاں ہی پڑے رہے۔

جب سال ختم ہوا تو ہم تینوں وہاں سے روانہ ہوکر ملتان کے قریب پیراں غائب کے مقام پر (جو مین لائن کا اسٹیشن بھی ہے۔) پہنچے وہاں کچی کچی جھونپڑیاں تھیں اور ایک امام مسجد میاں عبداللہ صاحب سے اتفاقی ہماری ملاقات ہوگئی چونکہ ہمارے ایک ساتھی میر حسن شاہ صاحب سید تھے اور وہ لوگ سادات کی بڑی عزت کرتے تھے اس لیے انہوں نے ہماری بڑی عزت کی اور باصرار انہوں نے اپنے پاس رکھا رمضان شریف ہم نے سید صاحب کی برکت سے بڑا ہی مزے سے گزارا جب رمضان شریف ختم ہوا تو ہم 1937ء میں جہانیاں منڈی ضلع ملتان پہنچے وہاں حضرت مولانا غلام محمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم بڑی جامع مسجد میں (جس کے ساتھ طلبہ کی رہائش کے لیے خاصے کمرے تھے) خطیب اور مدرس تھے موصوف حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد اور فضلاء دیوبند میں سے ہیں ہم نے ان سے اسباق شروع کیے کچھ دنوں کے بعد حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مظفرگڑھی دامت برکاتہم مدرس ہوکر تشریف لائے راقم نے وہاں "عبد الغفور"، "حمد الله"، "مسلم الثبوت" اور "مختصر المعانی" وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ عزیزم عبدالحمید کے اسباق چھوٹے تھے اس کے بعد اختتام سال کے قریب ہی رفیق سفر کے

اکسانے اور باہمی مشورہ سے بلا وجہ ہی روانہ ہوگئے چونکہ ان کے بھائی مولوی سید گل حسن شاہ صاحب گوجرانوالہ میں تھے انہوں نے ان کے پاس آنا تھا ہم بھی ساتھ ہی چلے آئے اور رمضان سے قبل ہی مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں نئے سال کے داخلہ کی منظوری لے لی اس وقت حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ المتوفی 1359ھ جو فضلاء دیوبند میں سے تھے اور وسیع النظر اور علم حدیث اور طبقات رواۃ پر بڑی گہری نگاہ رکھنے والے تھے وہاں مہتمم اور خطیب تھے داخلہ کی منظوری کے بعد ہم دونوں بھائیوں نے رمضان المبارک میں ضلع گوجرانوالہ تحصیل حافظ آباد اور ضلع شیخوپورہ کے بہت سے دیہات کا تبلیغی اور اکتسابی دورہ کیا رمضان شریف بھی ختم ہوا اور ہماری سیاحت بھی ختم ہوئی ماہ شوال میں ہم انوار العلوم میں داخل ہوگئے وہاں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب دامت برکاتہم کیملپوری صدر مدرس تھے۔ تقریباً تین سال ہم انوار العلوم میں رہے اور یہ وہ دور تھا جس میں ہٹلر کے اتحادیوں سے جنگ عظیم چھڑی ہوئی تھی اور سرکار برطانیہ کی قوت کی چولیں ڈھیلی دکھائی دیتی تھیں اس اثناء میں ہم نے بڑی محنت اور دلجمعی سے تعلیم جاری رکھی اور محترم استاد کی خصوصی نوازشوں سے بہت استفادہ کیا۔ موقوف علیہ تک کی تمام اہم کتابیں **ھدایہ اولین ،ھدایہ آخیرین ،توضیح وتلویح ،بیضاوی ،تصریح ،اقلیدس ،صدرا ،قاضی مبارک ،شمس بازغہ ،شرح نخبۃ الفکر** اور **مشکوٰۃ شریف** وغیرہ کتابیں حضرت سے پڑھیں اور **مطول** اور **سراجی** وغیرہ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم سے پڑھیں اور باوجود غربت اور عسرت کے تعلیمی مشغلہ میں خوب انہماک رہا اساتذہ کرام بھی ہم سے بڑے خوش تھے۔

گمنامی کا دور : ان چھ سات سالوں میں ہم نے وطن میں اپنے بزرگوں اور رشتہ داروں کو کوئی اطلاع نہ دی کہ ہم ہیں یا نہیں؟ اور ہیں تو کہاں ہیں؟ اور کرتے کیا ہیں؟ جن حضرات کو ہمارے ساتھ قدرتی اور طبعی طور پر محبت تھی مثلاً والدہ ماجدہ اور ہمشیرگان وغیر ہا تو وہ ہمارے بارے میں متفکر اور پریشان تھے اور کچھ ایسے بھی تھے جو غالباً "ولے بخیر گزشت" کا ورد کرتے ہوں گے بہر حال دنیا میں بہت کچھ ہوتا ہے اور یہ زمانہ ہم پر جیسے بھی گزرا آخر گزر گیا راقم کی موقوف علیہ تک سب کتابیں ختم ہوگئیں تھیں لیکن عزیزم عبد الحمید کی باقی تھیں اور اس کے لیے رُکا رہا اور دورہ حدیث شریف کے لیے دار العلوم دیوبند نہ جاسکا اور بحکم استاد محترم تقریباً ڈیڑھ سال پرائیویٹ طور پر ایک جگہ مولوی فاضل کا کورس پڑھاتا رہا پچیس روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی اور کھانا اور رہائش کا انتظام اس کے علاوہ تھا۔ اس زمانہ میں ہماری برادری کے ایک بزرگ چچا گل خان صاحب ساکن اچھڑیاں راہوالی میں ریلوے کے محکمہ میں ملازم تھے، ان کی وجہ سے ہمارا علم ہمارے بزرگوں کو ہوگیا، چنانچہ ہمارے خالہ زاد بھائی حاجی گوہر آمان خان ہماری ملاقات کے لیے گوجرانوالہ آئے، ملاقات ہوئی، خیر وعافیت کا علم ہوا، ہماری والدہ محترمہ اور چھوٹی ہمشیرہ انہی کے ہاں رہتی تھیں، کچھ دنوں کے

بعد راقم بھی وطن گیا اور خویش اقارب سے ملاقات ہوئی چند دن وہاں رہا اور بعض مقامات پر تقریریں بھی کیں لوگوں کا زاویہ نگاہ قدرے بدل چکا تھا اور اب وہ وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ:

رشتہ داروں کی ملاقات کر کے راقم پھر واپس گوجرانوالہ پہنچا اور 1941ء میں ہم دونوں بھائی بمع چند دیگر ساتھیوں کے دار العلوم دیوبند روانہ ہوئے داخلہ کا امتحان دیا اور بفضلہٖ تعالیٰ ہم کامیاب رہے اور حدیث شریف کے دورہ میں شریک ہوگئے۔ بخاری شریف اور ترمذی شریف حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے پاس، مسلم شریف حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ کے پاس اور ابوداؤد حضرت مولانا محمد اعزاز علی رحمہ اللہ کے پاس تھی اسی طرح دیگر اسباق دوسرے اساتذہ کرام پر تقسیم تھے دن رات تعلیم ہوتی اور اس سال دورۂ حدیث شریف میں ہم 333 ساتھی تھے کل تعداد اس سال 1995 تھی ابتدائی مہینے تو بڑے آرام وسکون سے گزرے اور طلبہ کی تقریریں بھی بڑے جوش وخروش سے ہوتی تھیں اور راقم کے بارے میں بلاوجہ ایک دو تقریروں کے بعد یہ تأثر قائم کرلیا گیا کہ یہ اچھا مقرر ہے بلکہ ایک موقع پر مشہور شاعر جناب علامہ محمد انور صاحب صابری نے راقم کی تقریر سن کر فرمایا کہ سرحدیوں میں یہ ابوالکلام کہاں سے پیدا ہوگیا؟ درمیان سال میں حضرت شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی نے مراد آباد میں ایک تقریر فرمائی اس سلسلہ میں ان پر مقدمہ چلا اور حضرت گرفتار ہوگئے طلبہ نے حضرت کی گرفتاری کے خلاف زبردست احتجاج کیا حتیٰ کہ پولیس اور فوج کو مداخلت کرنا پڑی اور طلبہ نے اس موقع پر فرطِ عقیدت کی بناء پر کئی بار جلوس نکالے اور آخری جلوسوں کی قیادت اس ناچیز کے نازک کندھوں پر ڈال دی گئی (جس کی وجہ یہ تھی متحدہ ہندوستان کے گیارہ صوبے تھے اور طلبہ نے اپنی سہولت کے لیے ہر صوبے کا ایک نمائندہ مقرر کر دیا تھا ایک زبان ہونے کی وجہ سے صوبہ سرحد اور افغانستان کا نمائندہ راقم کو چنا گیا اور پھر ان تمام نمائندوں کا صدر راقم منتخب ہوا

قرعۂ فال بنامِ من مسکین زنند

اسوجہ سے ارباب دار العلوم دیوبند مجلس شوریٰ کے اراکین اور حکومت کے نمائندوں کا سلسلہ ہی راقم سے وابستہ ہوگیا کبھی صدر مہتمم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ سے گفتگو ہوتی اور کبھی مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم سے اور کسی موقع پر حضرت مولانا ابوالوفاء صاحب شاہجہانپوری سے صلاح ومشورہ ہوتا اور کبھی حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے اور کبھی پولیس اور حکومت کا کوئی افسر اور کارندہ آجاتا اور کبھی سی آئی ڈی کا کوئی خیر خواہ مولویانہ شکل وصورت میں حالات معلوم کرنے کے لیے راقم کے ذہن کو کریدتا ادھر طلبہ کی بے چینی اپنے عروج پر تھی جلسوں پر جلسے اور نعروں پر

نعرے لگتے کافی دن اس اضطراب میں گزر گئے اور راتوں کی نیند بھی کافور ہوگئی اور آہ وزاری میں وقت گزرتا رہا کہ اے پروردگار! کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہوجائے کہ ظالم برطانیہ کو دارالعلوم کے بند کرنے کا بہانہ نہ مل جائے یا اس کی تعلیم پر ہی کوئی زد نہ پڑے بالآخر ایک دن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ابو الوفاء صاحب شاہجہانپوری اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب گنگوہی موجود تھے بند کمرے میں گفتگو ہوئی اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے وقار تحمل اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھ کر بڑے سلجھے ہوئے انداز میں راقم کو مخاطب فرمایا کہ عزیزم تم اس وقت تمام طلبہ کے نمائندہ ہو اور جو بات طے ہونی ہے وہ تمہارے ساتھ ہونی ہے اگر تم ہوش وحواس کو قابو میں رکھو اور ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنو تو ہم عرض کر دیں اور اگر نعرہ بازی اور جوش وخروش کا اظہار کرو تو ہمارا کچھ عرض کرنا بالکل بے سود ہے راقم نے عرض کیا کہ حضرت آپ ارشاد فرمائیں میں آپ کا ارشاد سن کر انشاء اللہ العزیز تمام طلبہ تک پہنچا دوں گا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس وقت بمبئی میں کانگرس کا حکومت برطانیہ کے خلاف راست اقدام کرنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حکومت کے عزائم بہرکیف اچھے نہیں ہیں اگر یہاں دارالعلوم میں اس قسم کی ہنگامہ آرائی ہوئی تو لامحالہ حکومت اس ہنگامہ کی کڑی کانگرس کے اس راست اقدام سے جوڑے گی اور پھر ہوسکتا ہے کہ حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کے مقدمہ کی نوعیت بدل جائے یا غیر معین عرصہ تک دارالعلوم بند ہوجائے یا حکومت برطانیہ کوئی اور ایسا فتنہ کھڑا کرادے جس کو سنبھالنا اراکین دارالعلوم کے بس میں نہ ہو حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ طلبہ کے اس ہنگامے کا کانگرس کے اس راست اقدام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ان کا جوش وخروش جتنا کچھ اور جیسا کچھ بھی ہے وہ صرف حضرت مدنی رحمہ اللہ کی گرفتاری کے خلاف ایک منظم احتجاج ہے اور اپنے شیخ اور استاد محترم کے عقیدت کا اظہار ہے اس لیے مفاد دارالعلوم اسی میں ہے کہ ہنگامہ ختم کیا جائے اور طلبہ جلسوں اور جلوسوں اور نعرہ بازی سے گریز کریں اور فوراً اپنی اپنی کلاسوں میں چلے جائیں اور ذوق وشوق سے تعلیم جاری رکھیں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی بات چونکہ نہایت معقول اور رائے بڑی وزنی تھی راقم ان کا ہمنوا ہوگیا لیکن دو ہزار (2000) افراد کے قلبی جذبات کو یک لخت ٹھنڈا کر دینا کس کے بس میں تھا؟ اور ان میں ہر ملک کے حضرات شامل تھے ہر ایک کا مزاج اور طبیعت الگ الگ تھی سوچ اور سمجھ کا مادہ جدا جدا تھا اور ان میں فتنے اور فساد کو فرو کرنے والے بھی تھے اور ان میں ابھارنے والے بھی تھے ان میں بیشتر حضرات خیر خواہ تھے لیکن بدقسمتی سے حکومت کے ایماء سے بدخواہ بھی ان ہنگاموں میں شامل ہوگئے تھے اور ان میں پیش پیش تھے اور انتہائی غلط قسم کی حرکات پر اکساتے تھے لیکن بفضلہ تعالیٰ باوجود نوعمری کے راقم ان کے چکمہ میں نہ آیا اور جلوس کو پر امن رکھنے کی سعی میں منہمک رہا جبکہ ایک نازک موقع پر شرارت پسند لوگوں کی وجہ سے قریب تھا کہ تشدد کا بہانہ بنا کر فوج گولی چلا دیتی الغرض راقم نے پیش آنے والے بعض

خطرات کا تذکرہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ سے کر دیا اور طلبہ کے جوش وخروش اور جذبات کو دفعتہً ٹھنڈا کرنے کی اہمیت ان کے پیشِ نظر بھی تھی ہم نے اپنے تمام نمائندوں کو بلا کر سب کے سامنے حقیقت حال بیان کر دی باقی حضرات تو ہمارے ہم خیال ہو گئے لیکن صوبہ بہار کا نمائندہ اس پر آمادہ نہ ہوا اور انہوں نے خاصی تیزی کا اظہار کیا اور بلا وجہ ہم پر ساز باز کا الزام لگایا ادھر شوریٰ کا ہنگامی اور مختصر اجلاس ہوا اور اس کے بعد فوراً دار الحدیث میں جلسہ عام ہوا جس میں اکابر نے دار العلوم کے مفاد کے بارے میں اپنے نیک اور بھرپور خدمات کا اظہار فرمایا اس عمومی جلسہ کا اثر یہ ہوا کہ اکثر حضرات مطمئن ہو گئے کچھ ہنگامہ خیز طبیعتیں مطمئن نہ ہو سکیں اور انہوں نے ہنگامہ جاری رکھنے پر خاصا زور صرف کیا ہو سکتا ہے کہ بعض مغلوب الحال لوگ فرطِ عقیدت کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں اور غالباً کچھ لوگ حکومت کی شہ پر ایسا کرتے ہوں تاکہ تشدد کا بہانہ بنا کر حکومت کو دست اندازی کا موقع مل سکے بہر حال تعلیم جاری ہو گئی اور بخاری شریف اور ترمذی شریف کا بقیہ حصہ مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ نے پورا کیا جب سالانہ امتحان آیا تو پھر ہنگامہ خیز طبیعتوں نے دفعتہً ہنگامہ برپا کر دیا اور مطالبہ یہ رکھا کہ امتحان کے بغیر ہی ہمیں پاس تصور کیا جائے اور مفت میں سندیں مل جائیں اور ہنگامہ میں غبی بے محنت اور نالائق پیش پیش تھے مگر چونکہ یہ مطالبہ سراسر غیر معقول تھا اس لیے اراکینِ مدرسہ اس پر آمادہ نہ ہوئے اور معمول سے چند دن پہلے ہی دار العلوم بند کر دیا گیا اور اہتمام کی طرف سے صاف اعلان کر دیا گیا امتحان کسی مناسب موقع پر انشاءاللہ تعالیٰ ہو جائے گا اس وقت آپ حضرات چلے جائیں۔

وطن واپسی: ہم دونوں بھائی دار العلوم سے روانہ ہو کر سیدھے اچھڑیاں پہنچے جہاں ہماری سوتیلی والدہ مرحومہ اور حقیقی چھوٹی ہمشیرہ بی بی خانم مرحومہ تھیں سب سے پہلے ہم نے اس کی شادی کا انتظام کیا اور برادرم دولت خان صاحب ساکن اچھڑیاں سے اس کی شادی کر دی مہر اور بعض دیگر شرعی رسموں کے بارے بعض رشتہ داروں نے کچھ بے جا پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی مگر ہم دونوں بھائیوں نے سختی سے مزاحمت کی اور صرف دوسو روپیہ مہر مقرر رہا۔ اس ضروری کام سے فارغ ہونے کے بعد ہم دونوں بھائی لمبی چلے گئے اور عزیزم عبد الحمید تو وہیں رہا راقم وہاں سے روانہ ہو کر اچھڑیاں پہنچا اور وہاں سے رخصت ہو کر چٹہ بٹہ، متھال، ایبٹ آباد، دمتوڑ، حویلیاں پہنچا ان مقامات پر اپنے دوستوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں یہ سارا سفر رمضان مبارک میں اور لطف یہ کہ پیدل طے ہوا حویلیاں سے بذریعہ ریل گاڑی راقم مدرسہ انوار العلوم جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ پہنچا رمضان شریف کے بعد عزیزم عبد الحمید بھی گوجرانوالہ پہنچ گیا راقم کو اس مدرسہ میں صرف پندرہ روپے ماہانہ پر اساتذہ کرام کے حکم پر مدرس مقرر کر دیا گیا اور عزیزم عبد الحمید گوجرانوالہ کے قریب مقام کھیالی میں جامع مسجد میں خطیب مقرر ہو گیا چونکہ راقم پہلے ہی مولوی فاضل کا مکمل

کورس پڑھا چکا تھا اساتذہ کرام کو بھی اعتماد تھا اور طلبہ بھی مطمئن تھے اس لیے راقم کے پاس درجہ وسطیٰ کے اسباق شروع ہو گئے اور بحمد اللہ تعالیٰ کام تسلی بخش طور پر جاری رہا اسی اثناء میں دارالعلوم دیوبند سے امتحان کے لیے طلب کیا گیا اور ہم دونوں بھائی گوجرانوالہ سے روانہ ہو کر دیوبند پہنچے اور امتحان دیا اور پھر واپس آ گئے امتحان کے نتیجہ پر معلوم ہوا بحمد اللہ تعالیٰ ہم دونوں کامیاب ہیں اور عرصہ بعد بذریعہ ڈاک ہماری سندیں بھی ہمیں موصول ہو گئیں۔ سوءِ اتفاق سے عزیزم عبدالحمید کھیالی میں بیمار ہو گیا اور کافی دن بیمار رہا راقم پیدل ہی چل کر اس کی خبر گیری کرتا اور اختتام سال کے قریب راقم میعادی بخار میں مبتلا ہو گیا اور بوجہ ناداری کے خاطر خواہ علاج کی سہولت میسر نہ ہو سکی اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل و کرم کیا اور تقریباً ایک ماہ کے بعد راقم تندرست ہو گیا مگر کمزوری بے پناہ تھی آخری ایک دو ماہ کی تنخواہ مدرسہ کی طرف سے بیس روپے ماہانہ کر دی گئی لیکن اس سے کوئی خاص فرق نہ پڑا اور امتحان کے بعد سالانہ تعطیل ہو گئی اور اساتذہ کرام اور طلبہ اپنے وطن روانہ ہو گئے۔

گکھڑ میں آمد:

راقم ابھی دیوبند نہیں گیا تھا اور موقوف علیہ تک کی سب کتابیں ختم ہو چکی تھیں مگر عزیزم عبدالحمید کی کتابیں باقی تھیں اس کے لیے ابھی رکا رہا اس اثناء میں دارالعلوم کے سفیر مولانا عبدالرحمٰن صاحب بہاری گوجرانوالہ تشریف لائے اور راقم سے کہنے لگے کہ میں پنجابی زبان نہیں جانتا تم میرے ساتھ گکھڑ چلو راقم ان کے ساتھ گکھڑ آیا سفیر صاحب کا اصل مقصد تو دارالعلوم کے لیے چندہ فراہم کرنا تھا لیکن اہل گکھڑ نے تقریر کی فرمائش کر دی چنانچہ بٹ دری فیکٹری کے سامنے کھلے میدان میں عشاء کے بعد موصوف نے بھی چند منٹ اردو میں تقریر کی اور اس کے بعد راقم نے تقریباً ایک گھنٹہ پنجابی میں تقریر کی بحمد اللہ تعالیٰ خاصی موثر رہی اور دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد عالم اسباب میں یہی تقریر میرے گکھڑ آنے کا سبب قرار پائی مجھ سے پہلے حضرت مولانا علم الدین صاحب جالندھری فاضل دیوبند یہاں خطیب تھے موصوف کی طبیعت بہت نرم ہے اس لیے گکھڑ جیسے بدعت گڑھ میں شرک و بدعت کے طوفان کا مقابلہ پوری طرح ان سے نہ ہو سکا ان سے پہلے حضرت مولانا محمود الحسن صاحب جالندھری نے خاصا کام کیا راقم مدرسہ انوار العلوم میں مدرس تھا کہ درمیان سال میں اراکینِ انجمن اسلامیہ گکھڑ میں سے بعض حضرات کئی دفعہ راقم کو گکھڑ لانے کے لیے تشریف لے گئے مگر راقم مجبور تھا جب مدرسہ انوار العلوم کا سالانہ امتحان ہو چکا اور تعلیمی سال پورا ہو گیا تو محترم چوہدری فخر الدین صاحب مرحوم اور محترم جناب ماسٹر کرم الدین صاحب مرحوم وغیرہ حضرات گئے اور راقم کو پینتالیس روپے ماہانہ کے مشاہرے پر گکھڑ لے آئے اور راقم 9 جولائی 1943ء کو گکھڑ پہنچا اور درس شروع کر دیا اور جمعہ پڑھانے کی ذمہ داری قبول کی لیکن ابتدائی دور شدید مخالفت کی وجہ سے بہت صبر آزما

گزرا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی اور آہستہ آہستہ لوگ توحید وسنت سے شناسا ہونے لگے اور شرک وبدعت کی نفرت ان کے دل میں بیٹھنے لگی راقم نے اراکین انجمن سے یہ شرط طے کی تھی کہ طلبہ ضرور ہوں گے ورنہ میری تعلیم بھی ختم ہو جائیگی اور ٹھوس طریقہ سے نتیجہ خیز دینی خدمت بھی نہیں ہو سکے گی میری دلجوئی کے لیے انہوں نے پانچ طلبہ منظور کیے پہلے سال تو اتنے ہی طلبہ رہے مگر پھر بحمد اللہ تعالیٰ طلبہ کی تعداد بڑھتی گئی حتیٰ کہ پھر بیس سے بھی زائد طلبہ یہاں رہنے لگے اور یہ سلسلہ تقریباً تیرہ چودہ سال رہا اس کے بعد راقم کا بحیثیت مدرس نصرۃ العلوم گوجرانوالہ شوال 1374ھ کو تقرر ہوا ابتداء موقوف علیہ تک مختلف علوم وفنون کی کتابیں راقم پڑھاتا رہا اب کئی سال سے دورہ حدیث شریف کی دو کتابیں بخاری شریف اور ترمذی شریف اور ترجمہ قرآن کریم تو ہر سال لازم ہوتا ہے ان کے علاوہ بھی ایک دو سبق راقم کے سپرد ہوتے ہیں اور تقریباً پندرہ سولہ سال سے مدرسہ نصرہ العلوم کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ انجمن اسلامیہ گکھڑ کی طرف سے راقم کے ذمہ صرف جمعہ اور درس کی ڈیوٹی ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ چھبیس سال سے راقم باقاعدہ نماز بھی حسبۃ للہ تعالیٰ پڑھا رہا ہے اس کے علاوہ گورنمنٹ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ گکھڑ میں 1943ء سے قرآن کا درس دیتا ہے اور یہ سب کام بحمد اللہ تعالیٰ تا دمِ تحریر جاری ہیں اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔

پہلی شادی:

24 مئی 1945ء کو راقم کی پہلی شادی سکینہ بی بی بنت مولوی محمد اکبر صاحب مرحوم قوم راجپوت خطیب جامع مسجد اسلام بستی گوجرانوالہ سے ہوئی جس سے سات بچے پیدا ہوئے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں دو لڑکے فوت ہو گئے ہیں عبدالرشید اور عبدالکریم باقی پانچ زندہ ہیں۔ بڑا لڑکا محمد عبدالمتین خان زاہد (جو زاہد الراشدی اپنا تخلص رکھتا ہے) حافظِ قرآن اور مدرسہ نصرۃ العلوم کا فارغ ہے اس وقت مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں مدرس اور جامع مسجد کا نائب خطیب اور شادی شدہ ہے بڑی لڑکی سلمیٰ اختر کی اچھڑیاں ضلع ہزارہ میں شادی ہوئی ہے۔ اور ان سے چھوٹا عبدالقدوس خان قارن حافظِ قرآن اور مستند قاری اور اس وقت نصرۃ العلوم میں درجہ وسطیٰ میں پڑھ رہا ہے۔ اس سے چھوٹی لڑکی حافظہ سعیدہ اختر جو مستند قاریہ ہے اور اس وقت مشکوۃ شریف وغیرہ کتابیں اپنے چچا عزیزم عبدالحمید سے پڑھ رہی ہے اور مدرسہ نصرۃ العلوم میں شعبہ نسواں میں پڑھاتی بھی ہے اس سے چھوٹا لڑکا عبدالحق خان بشیر چھٹی جماعت پاس ہے اور اس وقت قرآن کریم یاد کر رہا ہے اللہ تعالیٰ سب کو دین پر قائم رکھے آمین۔

دوسری شادی:

بعض اشد مجبوریوں کی وجہ سے راقم نے 3 رجب 1371ھ 30 مارچ 1952ء میں دوسری شادی اپنے والد محترم مرحوم کے چچا زاد بھائی محمد فیروز خان صاحب مرحوم ساکن کورے کی لڑکی زبیدہ بی بی

سابق نام مہر انگیز) سے کی جس سے سات بچے ہوئے ایک لڑکی اور چھ لڑکے ایک لڑکا محمد یونس خان راشد فوت ہو گیا ہے باقی زندہ ہیں بڑا لڑکا محمد اشرف خان ماجد قرآن کریم حفظ کر چکا ہے اور اب وہ اس کو دھرا رہا ہے۔اس سے چھوٹی لڑکی طاہرہ آسیہ خاتون بھی قرآن کریم یاد کر چکی ہے اس سے چھوٹے شرف الدین خان حامد اور رشید الحق خان عابد قرآن کریم یاد کر رہے ہیں اور سکول میں پانچویں جماعت میں داخل ہیں دوان سے چھوٹے ہیں عزیز الرحمٰن شاہد عنایت اللہ الوہاب خان ساجد (آٹھواں بچہ منہاج الحق راشد اس مضمون کے بعد پیدا ہوا) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو علم دین سے مالا مال کرے اور اپنی توفیق بخشے آمین۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے راقم کی دونوں بیویاں زندہ ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہیں ایک ہی چولہے پر اکٹھا پکاتی ہیں اور آج تک کوئی ایسی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی جس کی وجہ سے علیحدگی کا سوال یا مطالبہ سامنے آیا ہو اور یہی حال بچوں کا ہے۔بحمد اللہ تعالیٰ آپس میں شیر وشکر ہیں،اللہ تعالیٰ ان سب کو اتفاق واتحاد سے رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق بخشے (حضرت کی دونوں بیویاں اب وفات پا چکی ہیں۔)

تصنیف وتالیف:

راقم کا اصل کام تو تعلیم وتدریس رہا ہے لیکن فارغ اوقات میں محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور توفیق سے متعدد اختلافی اور تحقیقی مسائل پر چھوٹی بڑی کتابیں تالیف کی ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ کئی کئی بار اکثر کتابیں طبع ہو چکی ہیں اور پاک وہند کے اکابر علماء کرام نے ان کی تصدیق کی ہے اور بعض کتابوں پر ان کی زریں تصدیقات بھی طبع شدہ ہیں فہرست کتب سے ان کے مضامین معلوم ہو سکتے ہیں اور یہ فہرست مطبوع مل سکتی ہے اجمالی طور پر کتابوں کا نام یہاں درج کیا جا رہا ہے (الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی (۲) گلدستہ توحید۔(۳) دل کا سرور (۴) آنکھوں کی ٹھنڈک۔(۵) راہِ سنت۔(۶) بابِ جنت۔(۷) ہدایۃ المرتاب (۸) چراغ کی روشنی۔(۹) احسن الکلام (۱۰) طائفہ منصورہ (۱۱) مقامِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ (۱۲) صرف ایک اسلام (۱۳) علم غیب اور ملا علی قاری (۱۴) تسکین الصدور (۱۵) درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ (۱۶) تبلیغ اسلام حصہ اول (۱۷) انکارِ حدیث کے نتائج (۱۸) عیسائیت کا پسِ منظر (۱۹) چالیس دعائیں (۲۰) آئینہ محمدی (۲۱) بانی دار العلوم دیوبند (۲۲) مسئلہ قربانی (۲۳) عمدۃ الاثاث (۲۴) تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین (۲۶) شوقِ جہاد وغیرہ اس کے علاوہ بعض کتابوں کے ترجمے اور بعض کے مقدمات بھی لکھے ہیں مثلاً رسالہ تراویح مولانا غلام رسول صاحب مرحوم کا ترجمہ مع مقدمہ،اعفاء اللحیۃ کا ترجمہ مع مقدمہ۔تحقیق الدعاء بعد الجنازۃ کا مقدمہ،البیان الازہر ترجمہ فقہ اکبر (یہ ترجمہ عزیزم صوفی عبد الحمید نے کیا ہے) کا مقدمہ وغیرہ۔اس کے علاوہ کچھ کتابیں ابھی طبع نہیں ہو سکیں۔بعض کے مسودات لکھے جا چکے ہیں لیکن کم فرصتی اور

علالت کی وجہ سے ذمہ داری کے ساتھ نظر ثانی کا موقع میسر نہیں ہے اور بعض کے مضامین کو جمع کر لیے گئے ہیں مگر خاطر خواہ ترتیب ابھی تک نہیں دی جا سکتی مثلاً ختم نبوت ۔نزولِ مسیح علیہ السلام ۔سماعِ موتیٰ ۔مسئلۂ تراویح۔ رفعِ یدین و آمین بالجہر وغیرہ پر رسالہ۔ الکلام المفید ۔شوقِ حدیث ۔عبارات اکابر وغیرہ ان میں بعض رسالے مرتب ہیں اور امید ہے کہ انشاء اللہ العزیز جلد ہی طبع ہو جائیں گے (یہ سب کتب طبع ہو چکی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھئے خادم کا مضمون ''قلمی جہاد.تحریری خدمات'' باب 6[خادم،حمزہ]) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیر کی خدمت کو قبول فرما کر راقم کے گناہوں کا کفارہ بنائے اور ان کو اخروی نجات کا ذریعہ بنائے۔

عزیزم عبدالحمید:

عزیزم عبدالحمید (حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی قدس سرہ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ سے پہلے وفات پا گئے رحمہ اللہ تعالیٰ) کے دورۂ حدیث شریف تک کا تعلیمی تذکرہ پہلے ہو چکا ہے زائد بات جو قابلِ ذکر ہے وہ یہ ہے کہ عزیزم نے دار المبلغین لکھنؤ میں امام اہلِ السنۃ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کی سرپرستی میں باطل فرقوں کے ساتھ مناظرہ کے فن کی تکمیل کر کے سند حاصل کی اس کے بعد راقم کی مرضی کے خلاف طبیہ کالج حیدر آباد دکن میں چار سال کا کورس مکمل کر کے طبیب مستند کی سند حاصل کی اور پھر گوجرانوالہ میں کچھ عرصہ حکمت کی دکان بھی کرتا رہا لیکن راقم جس چیز کو پسند کرتا تھا یعنی تعلیم وتدریس اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اس کا رجحان ومیلان کر دیا اور مدرسہ نصرۃ العلوم کی بنیاد واجراء کے بعد وہ اس کا مہتمم مقرر رہا اور جامع مسجد نور کا خطیب اور بفضل اللہ تعالیٰ درس وجمعہ پر مؤثر تبلیغ کی برکت سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی ہے اور مدرسہ کا کام بھی بحمد اللہ تعالیٰ بہت عمدہ پیرایہ سے ہو رہا ہے اور خصوصی وعمومی درس طلبہ کے اسباق کے علاوہ اس کی کوشش سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ اور شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ کی نادر کتابیں بڑی صحت کے ساتھ طبع ہوئی ہیں مثلاً الطاف القدس، تکمیل الاذہان، مجموعہ رسائل، اسرار المحبۃ اور تفسیر آیۃ النور وغیرہ اور فیوضات حسینیہ کا ترجمہ اور مقدمہ اس کے علاوہ ہے۔

بڑے اصرار کے ساتھ راقم نے گکھڑ میں عزیزہ ''غلام زہرہ'' بنت ''مہر کریم بخش صاحب'' کے ساتھ 12 ذوالحجہ 1382ھ 7 مئی 1963ء میں اس کی شادی کرائی جس سے چار بچے پیدا ہوئے ہیں عزیزہ ''میمونہ'' (تقریباً آٹھ سال کی عمر ہے اور یہ بڑی ہے) عزیزم ''محمد فیاض''، ''محمد ریاض'' اور عزیزہ ''عاتکہ'' جو شیر خوار ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحت اور درازی عمر کیساتھ دین کا علم عطاء فرمائے۔ (اس مضمون کے بعد ''عیاض'' مرحوم، ''راشدہ''، ''عرباض''، ''رابعہ'' اور ''لبابہ'' مرحومہ بھی پیدا ہوئے ۔فیاض) آمین ثم آمین۔

53ء کی ''تحریکِ ختمِ نبوت'' میں حصہ

:جب 1953ء میں پاکستان میں تحریکِ ختمِ نبوت شروع ہوئی تو بحمداللہ تعالیٰ ہم دونوں بھائیوں نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور بالآخر گرفتار کر لیے گئے راقم پہلے گرفتار ہوا اور چند دن گوجرانوالہ کی جیل میں رکھنے کے بعد اسی سلسلہ کے قیدیوں کو نیو سنٹرل جیل ملتان منتقل کر دیا گیا تحریکِ ختمِ نبوت سے وابستہ حضرات چار اضلاع (گوجرانوالہ، سیالکوٹ، سرگودھا اور کیمبلپور) کے وہاں جمع تھے اور جیل میں خوب تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہا تقریباً نو ماہ راقم جیل میں رہا سخت گرمی کے زمانہ میں جولائی کے مہینہ میں رمضان مبارک کے روزے ملتان جیل میں ہم نے رکھے اور ''صرف ایک اسلام'' کا مسودہ نیو سنٹرل جیل ملتان ہی میں تیار کیا گیا اور عزیزم عبد الحمید اور بعض دیگر دوست چونکہ دیر سے گرفتار کیے گئے تھے اس لیے گوجرانوالہ کی جیل ہی میں رہے اور ہم سے کچھ عرصہ پہلے ہی رہا ہو گئے اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائے اور سب مسلمانوں کو عقیدہ ختمِ نبوت پر قائم دائم رکھے۔ (آمین)

حج کی سعادت:

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے جہاں ہم پر اور بہت سی نوازشیں فرمائیں وہاں یہ کرم بھی اس نے کیا کہ دونوں کو حج کی سعادت نصیب ہوئی عزیزم عبدالحمید تو شادی سے پہلے ہی حج کر آیا تھا اور راقم کو 1388ھ میں حج کی توفیق نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے اس حج کو حج مبرور کرے اور ہماری کوتاہیوں کے لیے اس کو ذریعہ کفارہ بنائے۔ بے شک ہمارے گناہ بھی بے حد ہیں لیکن اس کی رحمت بے پایاں آخر بے حساب ہے۔

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت　　　　کریم تو ہی بتا دے حساب کر کے مجھے

نہایت ہی اختصار کے ساتھ اپنی فانی اور مستعار زندگی کے کچھ ضروری حالات لکھ دیے گئے اللہ تعالیٰ بقیہ زندگی کو اپنی رضا اور حضرت محمد ﷺ کی اتباع اور دین کی خدمت میں گزارنے کی توفیق اور اس پر استقامت مرحمت فرمائے۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وجمیع امتہ آمین یا رب العالمین

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز

خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی 5/ رجب 1391ھ 27 اگست 1971ء

مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

میرے والد، میرے مربی

رات ڈیڑھ بجے کے لگ بھگ فون کی گھنٹی بجی، فون اٹھایا تو دوسری طرف برادرِ عزیز حماد الزہراوی صاحب تھے۔ دل دھڑکا کہ خدا خیر کرے، انہوں نے گلوگیر لہجے میں بتایا کہ حضرت والد صاحب کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور اب بظاہر کوئی امید دکھائی نہیں دے رہی، زبان پر بے ساختہ دعا جاری ہوئی۔ ابھی اس شش و پنج میں تھا کہ برادرم راشد خان کا فون آیا انہوں نے روتے ہوئے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہا تو امید کی آخری کرن بھی گل ہوگئی اور ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کہتے ہوئے اہلیہ کو جگایا، وہ یہ اچانک خبر سن کر رونے لگ گئیں، تھوڑی دیر میں حاجی محمد فیاض سواتی صاحب کا فون آیا ہم نے ایک دوسرے سے تعزیت کی اور پھر گکھڑ جانے کی تیاری میں لگ گئے۔

اس سے چند گھنٹے پہلے میں نے عشاء کی نماز ''تلونڈی موسیٰ خان'' کے قریب گاؤں ''پیرو چک'' میں پڑھائی اور اس کے بعد درس دیا۔ درس کے دوران گفتگو اس مسئلہ پر آ گئی کہ اخبارات میں ''آپ کا ہفتہ کیسے گزرے گا؟'' کے عنوان سے ''کہانت'' کا جو کاروبار چل رہا ہے یہ وہی ''کہانت'' ہے جو جناب نبی کریم ﷺ کے دور میں موجود تھی اور آپ نے جاہلیت کی دیگر بہت سے اقدار و روایات کے ساتھ اس کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ تمہیں آنے والے کل کی خبر نہیں کہ تم کیا کرو گے اور آنے والا کل تو بہت دور ہے آج رات کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا کریں گے یا ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ اس کے صرف چند گھنٹے بعد ہمارے ساتھ یہ کچھ ہوگیا جس کا صدمہ رہتی زندگی تک ہمارے ساتھ ساتھ رہیگا۔

والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ گزشتہ آٹھ نو برس سے صاحبِ فراش تھے مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی یادداشت آخر وقت تک قائم رہی اور علمی دلچسپی کا سلسلہ بھی جاری رہا، نظر کمزور ہوگئی تھی اور کسی کو ویسے نہیں پہچانتے تھے لیکن تعارف کرا دیا جاتا تو پھر ساری باتیں ان کو یاد آجاتیں اور وہ جزئیات تک دریافت کرتے تھے۔ مجھے جمعہ کے دن شام کو تھوڑی دیر کے لیے حاضری کا موقع ملتا، جب بھی طبیعت کچھ بحال ہوتی تو کسی نہ کسی کتاب سنانے کی فرمائش کرتے اور احادیث کی کسی کتاب میں سے چند احادیث سنا دیتا، ان کے سامنے پڑھتے ہوئے ڈر بھی رہتا تھا کہ چھوٹی سے چھوٹی غلطی بھی ان کی گرفت سے

نہیں بچ پاتی تھی، چند ماہ قبل فرمانے لگے کہ لغت کی مستند کتاب تمہارے پاس ہو تو مجھے لا دو! میں نے عرض کیا کہ آپ اسے اس حالت میں کیا کریں گے؟ فرمایا کہ کسی وقت ضرورت پڑ جاتی ہے۔ میں نے بازار سے ایک کتاب خرید کر پیشِ خدمت کر دی بہت خوش ہوئے پھر ایک دن فرمایا کہ " اللؤلؤ والمرجان "مل جائے گی؟ میں نے عرض کیا کہ مل جائے گی۔ وہ بھی میں نے بازار سے لا کر پیش کر دی۔ گزشتہ ماہ میں برطانیہ کے سفر پر جانے لگا اور عرض کیا کہ واپسی پر عمرہ کا ارادہ ہے، خوش ہوئے دعا دی اور فرمایا کہ سنا ہے کہ "مسند أبی یعلی " چھپ گئی ہے اگر مل جائے تو میرے لیے لیتے آنا۔ میں نے اسے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے متعدد کتب خانوں میں تلاش کیا مگر نہ ملی۔ واپسی پر جدہ میں اپنے میزبان قاری محمد اسلم شہزاد صاحب سے جو میرے ہم زلف ہیں عرض کیا کہ کتاب لیے بغیر واپس جانے کو جی نہیں چاہتا۔ حضرت والد صاحب نے فرمائش کی ہے اور وہ مل نہیں رہی۔ ہم نے ایک راؤنڈ جدہ کے کتب خانوں کا لگایا تو دو تین کتب خانوں کی چھان بین کے بعد ایک مکتبہ میں وہ مل گئی اور مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ مجھ سے زیادہ قاری صاحب خوش ہوئے، قیمت بھی مجھے ادا نہیں کرنے دی اور کہا کہ یہ ہدیہ میری طرف سے پیش کر دیں۔

جمعرات کو میں حرمین شریفین کے سفر سے واپس گھر پہنچا حسبِ معمول جمعہ کی شام کو حاضری دی تو طبیعت زیادہ خراب تھی۔ حضرت کے معالج ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور خادم حاجی میر محمد لقمان اور مولانا محمد نواز بلوچ موجود تھے۔ میں نے کتاب دکھائی تو دیکھ کر اشارہ کیا کہ وہاں [سرہانہ کی طرف موجود کتابوں کی الماری میں] رکھ دو۔ کچھ دنوں سے مسلسل خاموشی تھی، کچھ کھا پی بھی نہیں رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ کوشش کریں کچھ کھا پی لیں اور باتیں بھی کریں۔ میں نے گزارش کی تو ایک آدھ گھونٹ پانی پیا اور پھر انکار کر دیا۔ میں نے سفر کے حالات کا تذکرہ شروع کر دیا ہلکا ہلکا اشارہ کرتے رہے ہماری کوشش تھی کہ کچھ بولیں مگر کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے ان کی نواسیوں کا ذکر کیا جو برطانیہ میں رہتی ہیں۔ میں ان کا نام لیا اور بتایا کہ میں ان کے پاس گیا تو ہلکی سی توجہ کی اور اشارے سے ان کا حال پوچھا۔

بس میری یہ آخری ملاقات ہوئی، اس کے بعد ہم تین چار بھائی تھوڑی دیر کے لیے ان کے پاس بیٹھے اور کچھ آپس کا حساب کتاب ان کے سامنے کیا۔ اس موقع پر ہم سب گھر والے صحت کا حال معلوم کرنے کے لیے گکھڑ گئے تھے اور یہ آخری ملاقات ہم سب کی اکٹھی ہوئی۔

چند دن پہلے کی بات ہے ہم تین چار بھائی حسبِ معمول جمعہ کی شام کو ان کے پاس موجود تھے تو طبیعت میں بشاشت تھی مجھ سے قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون سی سورت میں ہے؟ میں نے بتا دیا، خیال تھا کہ کسی مسئلہ کے حوالہ سے پوچھ رہے ہیں لیکن جب اسی آیت کے بارے میں دوسرا سوال کیا تو اندازہ ہو گیا کہ ویسے نہیں پوچھ رہے امتحان لے رہے ہیں۔ چھوٹے بھائی قاری عزیز

الرحمٰن شاہد بھی موجود تھے جو جدہ میں رہتے ہیں اور ان دنوں گکھڑ آئے ہوئے ہیں۔ میں انہیں آگے کر کے ان کی اوٹ میں ہو گیا اور پھر ان کا امتحان شروع ہو گیا، ان سے متعدد آیات کے بارے میں پوچھا اور جو آیت پوچھتے اسکے ساتھ یہ کہتے کہ اس سے پہلے والی آیت بھی سناؤ، ہمیں اس بات پر خوشی تھی کہ آج طبیعت ہشاش بشاش ہے اور ''باباجی'' موڈ میں ہیں۔

میری حاضری پر وہ زیادہ تر ملکی حالات کے بارے میں دریافت کرتے۔ ان دنوں سوات کی صورت حال کے بارے میں سخت پریشان تھے۔ اخبارات سننے کا معمول تھا، حالات سے واقف رہتے تھے اور سوال وجواب بھی کرتے تھے۔ میرے کالم بھی اہتمام سے سنتے تھے اور ان کے بعض مندرجات کے بارے میں بات بھی کرتے تھے۔ میں نے ایک کالم میں لکھا تھا کہ جناب نبی اکرم ﷺ اپنے امتیوں کے لیے ''آئیڈیل'' ہیں۔ اس کے بعد حاضری ہوئی تو پوچھنے لگے کہ یہ آئیڈیل کیا ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اسوۂ حسنہ کا آزاد ترجمہ ہے۔ ایک بار ایک حدیث سناتے ہوئے ایک لفظ پر میں اٹک گیا بعد میں حیرت بھی ہوئی کہ کئی دفعہ یہ حدیث پڑھنے پڑھانے میں آئی ہے یہ اٹک درمیان میں کیسے آگئی؟ بہر حال میں جب اٹک گیا تو لفظ بھی بتایا اور اس کا مفہوم بھی بتایا۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ کسی حدیث کی تلاش میں ذہن کام نہیں کر رہا اور تلاش کے باوجود نہیں مل رہی تو وہ بتاتے کہ فلاں کتاب کے فلاں باب میں دیکھو اور وہ حدیث وہیں مل جاتی۔ یہ باتیں ان کی صحت کے دور کی نہیں بلکہ اس بیماری کے دور کی ہیں جبکہ وہ اپنی مرضی سے کروٹ بھی نہیں بدل سکتے تھے۔ لیکن ذہنی استحضار کا یہ عالم تھا کہ ہمیں رشک آتا تھا۔

وہ آج ہم سے جدا ہو گئے ہیں اور ہم آج بھی شام کو انہیں سنت کے مطابق رخصت کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، ملک بھر سے ٹیلی فون کا تانتا بندھا ہوا ہے مگر میں یہ سطور لکھنے میں مصروف ہوں تاکہ وہ دوست احباب بھی اس مرحلہ میں شریک غم ہو سکیں جو جنازے میں شریک نہیں ہو سکیں گے۔ سچی بات ہے کہ ہم سب ایک دوسرے کی تعزیت کے مستحق ہیں، ان کا کوئی عقیدت مند تعزیت کے لیے آتا ہے تو میری کوشش ہوتی ہے کہ اس سے تعزیت کروں اس لیے کہ یہ اجتماعی صدمہ ہے، ملی صدمہ ہے اور عظیم دینی صدمہ ہے۔ مگر میں اس موقع پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان خدام کو سب سے زیادہ تعزیت کا مستحق سمجھتا ہوں جنہوں نے ان کے صاحبِ فراش ہونے کے دوران سالہا سال تک ان کی خدمت کی۔ بالخصوص برادرِ عزیز قاری راشد صاحب جو ہمارے سب سے چھوٹے بھائی ہیں اور ان کے ساتھ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، حاجی میر لقمان صاحب ،مولانا محمد نواز بلوچ ،نعیم بٹ، ہمارے بھانجے داؤد خان نوید اور گھر کی وہ بچیاں جو مسلسل خدمت میں مصروف رہیں اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر سے نوازیں اور حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین۔

☆......☆......☆......☆

آسمانِ علم ومعرفت کے اس سورج کو بھی لحد میں اتار دیا گیا

۱۴/اپریل سے ۲۶/اپریل تک میں برطانیہ میں تھا اور اس کے بعد حرمین شریفین حاضری دیکر وطن واپس آنے کا ارادہ تھا، جاتے ہوئے حضرت والد محترم رحمہ اللہ سے مل کر اور ان کی دعا لیکر گیا تھا مگر برطانیہ میں قیام کے دوران اطلاع نے پریشان کر دیا کہ ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے اور خون کی قے آئی ہے۔ اضطراب کی وجہ واضح تھی اور میں اس سے قبل یہ صدمہ دیکھ چکا تھا کہ ہماری چھوٹی والدہ مرحومہ کا جب انتقال ہوا تو میں شکاگو میں تھا اور آخری زیارت اور جنازے سے محرومی نے زندگی میں پہلی بار شدت کے ساتھ اس بات کا احساس دلایا کہ بے بسی کسے کہتے ہیں۔ گھر فون کر کے معلوم کیا تو بتایا کہ طبیعت کچھ سنبھل گئی ہے۔ قدرے اطمینان ہوا مگر سفر کے اختتام تک پریشانی دل ودماغ پر سوار رہی۔ گزشتہ جمعرات کو گھر واپس پہنچا ،جمعۃ المبارک کی شام کو حاضری ہوئی تو وہ اگرچہ بات چیت اشاروں میں ہی کر رہے تھے مگر کچھ اطمینان کی کیفیت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی وفات کے دن ہم سب بھائی خلاف معمول یہاں موجود تھے۔ میں واپس پہنچ گیا تھا، ہمارے چھوٹے بھائی قاری عزیز الرحمٰن خان شاہد کئی سالوں سے جدہ میں مقیم ہیں اور تحفیظ القرآن کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں وہ گزشتہ ماہ بچوں سمیت آگئے تھے اور ہمارے ایک بھائی مولانا رشید الحق عابد سلمہ جنہیں ہم پیر عابد صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں، نقشبندی سلسلہ کے اصحاب سلوک میں سے ہیں بلکہ وقف للسلوک ہیں، اپنے اوراد واشغال میں اس قدر مگن رہتے ہیں کہ مہینوں ان کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں ہیں اور میں انہیں اپنے خاندان کا ''امام غائب'' کہا کرتا ہوں۔ وہ بھی دو روز پہلے گکھڑ آچکے تھے، بقیہ برادران مولانا عبد القدوس قارن ،مولانا عبد الحق خان بشیر، مولانا قاری حماد الزہراوی ،قاری عنایت الوہاب خان ساجد، قاری منہاج الحق خان راشد اور ہمارے مرحوم بھائی قاری محمد اشرف خان ماجد رحمہ اللہ کے فرزند حافظ انصر خان اپنے اپنے گھروں میں موجود تھے۔ اس طرح ہم سب بھائی حضرت والد محترم رحمہ اللہ کے سفرِ آخرت کے وقت حاضر تھے۔ ہمشیر گان میں سے ایک مجھ سے بڑی ہیں جو آبائی علاقے اچھڑیاں شنکیاری میں ہیں وہ اور ہمارے بڑے بہنوئی حاجی سلطان محمود خان بھی وقت پر پہنچ گئے۔ چھوٹی ہمشیرہ گوجرانوالہ میں ہیں وہ بھی اپنے خاوند حافظ محمد شفیق صاحب ،فرزند مولانا محمد داود خان نوید اور بچیوں کے ہمراہ موجود تھیں۔ ہماری منجھلی ہمشیرہ جو جہلم میں ہیں اور ان کے خاوند مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کا گزشتہ ماہ انتقال ہوا ہے ان کے لیے یہ صدمہ دہرا ہو گیا کہ خاوند کی وفات کے بعد والد محترم کی وفات کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس دُہرے صدمہ کا دونوں جہانوں میں اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے روز ہم سب بھائی گکھڑ میں جمع ہوئے تو جنازے کے لیے موزوں جگہ اور تدفین کے مقام کے بارے میں باہمی مشورہ ہوا۔ گکھڑ میں سب سے بڑی گراؤنڈ ڈی سی ہائی سکول کی ہے ہم نے صبح اسے ایک بار دیکھا اندازہ تھا کہ اس میں ایک لاکھ سے زیادہ افراد نمازِ جنازہ ادا کر سکیں گے۔ ہمارا خیال اسی کے لگ بھگ تھا مگر شام کو جنازے کے وقت دیکھا کہ ہمارا اندازہ درست نہیں تھا، گراؤنڈ اس قدر بھری ہوئی تھی کہ اندر مزید لوگوں کے آنے کی گنجائش نہیں تھی۔ جبکہ باہر جی ٹی روڈ اور اس کے ساتھ ملحقہ دو روڈوں پر عوام کا بے پناہ ہجوم تھا اور جی ٹی روڈ پر ٹریفک کے رش کی وجہ سے زیادہ عرصہ تک جام رہی۔ ایک دوست نے بتایا کہ وہ ایک کلومیٹر کا فاصلہ تین گھنٹے میں طے کر پائے تھے۔ اس لیے ہوا یہ کہ جتنے حضرات نے نمازِ جنازہ پڑھی کم وبیش اتنے ہی لوگ نمازِ جنازہ نہ پڑھ سکے اور ٹریفک کے ہجوم میں پھنسے رہے۔ رحیم یار خان سے پشاور تک کے شہروں سے قافلے آئے جن میں سے بہت سے راستہ میں ہی رہ گئے اور جنازہ تک نہ پہنچ سکے۔ حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی زندگی بھر یہ روایت رہی کہ وقت کی پابندی میں ضرب المثل تھے ،ان کے بارے میں اور مولانا ظفر علی خان مرحوم رحمہ اللہ کے بارے میں واقف حال لوگوں کا کہنا ہے کہ لوگ ان کے معمولات دیکھ کر اپنی گھڑیاں سیٹ کیا کرتے تھے۔

ہم نے جنازے کا اعلان یہ کر رکھا تھا کہ سوا پانچ بجے عصر کی نمازیں ارد گرد کی مساجد میں ہوتی ہیں اس لیے نماز پڑھتے ہی ساڑھے پانچ بجے نمازِ جنازہ ادا کی جائے گی۔ برادرم قاری حماد الزہراوی صاحب نے جو حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی جگہ گکھڑ میں مسجد و مدرسہ کے معاملات ان کی علالت کے بعد بحسن وخوبی چلا رہے ہیں، یہ کہا کہ نمازِ جنازہ میں تھوڑی تاخیر کر لی جائے میں نے عرض کیا کہ ہم کم از کم ان کی ایک روایت کو تو قائم رکھیں کہ وہ جس وقت اعلان کرتے تھے اس سے ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ جنازے سے پہلے تشریف لانے والے ممتاز راہنماؤں کے خطاب کا سلسلہ جاری تھا۔ مولانا پیر عبد الرحیم نقشبندی، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، حافظ حسین احمد، مولانا سمیع الحق، مولانا عطاء الرحمٰن، مولانا سعید یوسف خان، مولانا عبد الرؤف فاروقی، مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر، مولانا محمد احمد لدھیانوی، مولانا قاری محمد جالندھری، مولانا قاضی محمد رویس خان ایوبی اور دیگر بہت سے مولانا خطاب کر چکے تھے اور بہت سے راہنما باقی تھے کہ عین وقت پر میں نے مائیک سنبھال لیا اور ٹھیک ساڑھے پانچ بجے اعلان کے مطابق اور حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق نماز جنازہ کے لیے اللہ اکبر کی صدا بلند کر دی، بہت سے دوستوں نے بعد میں شکوہ کیا کہ اگر بیس تیس منٹ نماز جنازہ تاخیر کر دی جاتی تو بے شمار مزید حضرات بھی جنازے میں شریک ہو سکتے تھے مگر میں مطمئن ہوں کہ ہم نے حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی کسی ایک روایت پر تو عمل کر لیا، **فالحمد لله علیٰ ذٰلک**

تدفین کے بارے میں بات چلی تو میں نے عرض کیا کہ وہ اس بارے میں کسی تخصیص کو پسند

نہیں کرتے تھے اس لیے عام قبرستان ہی بہتر ہے، گکھڑ میں آپ جی ٹی روڈ پر آ جا رہے ہوں تو شہر کے وسط میں مشرق کی جانب بٹ دری فیکٹری کے عقب میں ایک قبرستان ہے جو جی ٹی روڈ سے صرف چند گز کے فاصلے پر ہے۔اس قبرستان میں ہماری دادی مرحومہ، پھوپھی مرحومہ، ہماری دونوں مرحومہ مائیں، ہمارے بھائی قاری محمد اشرف خان ماجد اوران کے دو فرزند محمد اکرم اور محمد اکمل مدفون ہیں۔طے ہوا کہ اسی میں تدفین ہوگی کوشش کی گئی کہ دادی مرحومہ کے قریب جگہ مل جائے تو بیٹے کو ماں کی گود میں ہی سلا دیا جائے مگر اس کے اردگرد کوئی جگہ نہ ملی تو قبرستان کی عام گزرگاہ کے ساتھ پہلی لائن میں موجود خالی جگہ کو غنیمت سمجھا گیا اور وہیں قبر کی کھدائی کا فیصلہ کرلیا گیا۔

میں نے کچھ عرصہ قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ گکھڑ میں حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی مسجد کے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے بائیں جانب جی ٹی روڈ کے ساتھ جو کھلی جگہ ہے وہاں صاف ستھرے پانی کا ایک بڑا تالاب ہے اس تالاب میں سے ایک بہت بڑی مچھلی اچھلی ہے اور فضا میں تھوڑی دیر نظر آ کر دوبارہ اسی تالاب میں ڈبکی لگا کر غائب ہوگئی ہے۔اس پر خواب میں میں نے یا میرے ساتھ کھڑے ایک صاحب نے تعجب کا اظہار کیا کہ سمندر کی مچھلی تالاب میں کیسے آ گئی ہے؟اس خواب کے بعد میرے دل میں یہ دھڑکا مسلسل لگا رہتا تھا کہ علم کے سمندر کی یہ بڑی مچھلی گکھڑ کے تالاب میں کسی بھی وقت ڈبکی لگا کر نظروں سے اوجھل ہوسکتی ہے۔چنانچہ ۵رمئی بروز منگل عین اس وقت جب ادھر سورج غروب ہو رہا تھا آسمان علم ومعرفت کے اس سورج کو بھی لحد میں اتارا جا رہا تھا میں نے اس موقع پر ساتھیوں سے عرض کیا کہ ہم ایک پوری لائبریری کو زمین میں دفن کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے اور ہم سب کو ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق سے نوازے۔آمین یارب العالمین۔ ☆☆☆☆

تقویٰ

حضرت شیخ رحمہ اللہ کا تقویٰ بھی مثالی تھا۔ایک دفعہ میرے اصرار پر حضرت ہمارے گاؤں کی مسجد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کالرہ خاصہ میں تشریف لائے۔عشاء کی نماز پڑھائی۔مختصر لیکن جامع بیان فرمایا۔ واپسی کی جلدی تھی، گاڑی مسجد کے دروازے کے ساتھ کھڑی تھی ایک ساتھی نے چپکے سے سیٹ کے پیچھے عام سے برتن میں سویٹ ڈش گھر سے بنوا کر رکھ دی۔کافی دنوں کے بعد راقم جب گکھڑ حاضر ہوا تو فرمانے لگے۔مولوی صاحب وہ تمہارا حلوہ تو ہم نے کھا لیا تھا کہ ہم سمجھ گئے کہ یہ ہمارے لیے ہی ہے۔لیکن برتن کا کیا کرنا ہے۔وہ تو ہماری مِلک نہیں۔سبحان اللہ! کیا احتیاط ہے۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑی بڑی احتیاط کرتے تھے۔ (پروفیسر اشفاق منیر صاحب)

مولانا عبدالحق خان بشیر نقشبندی

سوانح عمری کا اجمالی خاکہ

فرمانِ نبوی ﷺ ''العلماء ورثة الانبیاء'' کے مطابق تا قیامِ قیامت علماء حق کی ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری و ناگزیر ہے جو نسلِ انسانی کی اعتقادی اصلاح اور فکری نشو و نما کے لیے جدوجہد کرتی رہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت علمی کی تقسیم کے لیے اپنی تمام جسمانی توانائیاں اور علمی و فکری صلاحیتیں صرف کر دے کیونکہ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم ہونے کی بناء پر تمام تر تبلیغی ذمہ داریاں علماء حق کے کندھوں پر ہیں، اور علماء حق نے اپنی ان شرعی اور ملی ذمہ داریوں کو کماحقہ نبھا کر امت مسلمہ پر جو احسانِ عظیم کیا ہے وہ تاریخ اسلامی کا ایک روشن سنہری باب ہے۔ علماء حق کے اس مقدس قافلہ علم و عمل کا یوں تو ہر فرد گوہر یکتا کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کاروان زہد و اتقاء کے کچھ میر کارواں ایسے بھی گزرے ہیں جو دین و ملت کے لیے اپنی ذات میں انجمن و ادارہ تھے، ان کی تقریری و تحریری اور دینی و ملی خدمات اس قدر ہیں کہ ان کے پیشِ نظر بآسانی یہ فیصلہ کرنا محال ہے کہ یہ خدمات فرد کی ہیں یا جماعت کی۔

اس قافلہ علم و عمل اور کاروانِ زہد و اتقاء کے ایک میر کارواں عصرِ حاضر کے جید عالم دین، فقیہ العصر، محدث اعظم پاکستان، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی ذات گرامی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں کیونکہ ان کا شمار عصرِ حاضر کی ان نابغۂ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے۔ جن کے علم و عمل، زہد تقویٰ اور شرافت و دیانت پر بلا خوف و تردد اعتماد کیا جا سکتا ہے بے لوث خدمات اور بے داغ کردار کی بناء پر وہ علمی، ادبی اور عوامی حلقوں میں یکساں طور پر ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔

سیرت و صورت کے خدوخال:

وسعت مطالعہ، ذہانت و فطانت اور فکر و تدبر کے اعتبار سے بے مثل، ظاہر و باطن میں یکساں، سنجیدگی ان کی خوبی، علم ان کا کمال، عمل ان کا جمال، شرافت ان کا وقار اور سادگی ان کا شعار، گفتار اور کردار کی پختگی ان کے اسلامی افکار کی ترجمان ہے۔ لباس میں سادگی، انداز میں اپنائیت، چہرے میں نورانیت، افکار میں بلندی، آواز میں پستی، گفتگو میں ٹھہراؤ ارادوں میں سختی اور عزم میں پختگی کسی دیکھنے والے کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتی، کلام و طعام، نشست و برخاست اور سیرت و صورت میں دیکھنے والے کو سنت رسول ﷺ کی جھلک

نظر آتی تھی۔ زندگی عاجزانہ، چال باوقار، مزاج عارفانہ انداز ناصحانہ اور کلام عالمانہ سننے والے کے دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مضبوط بدن کی طرح عزم بھی قوی، بڑھاپے میں بھی ارادے جوان اور اس پر بیماریوں کا سیلِ رواں، لیکن کوئی چیز ان کے عزم واستقلال کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

روحانی سلسلہ:

علمی وفکری صلاحیتیں اور قابلیتیں اپنے مقام پر لیکن وارداتِ نفسانی اور وساوسِ شیطانی سے پوری طرح تحفظ حاصل کرنے کے لیے کسی مرشدِ کامل کے دامانِ محبت وعقیدت سے وابستگی ضروری وناگزیر ہے۔ جید ومستند اساتذہ سے تحصیل وتکمیل کے بعد آپ کو کسی مرشد کامل کی تلاش ہوئی جس کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر وہ اپنے لیے روحانی تسکین کا سامان فراہم کر سکیں۔ انہی دنوں پنجاب میں رئیس الموحدین، سرتاج المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب نور اللہ مرقدہ (واں بچھراں ضلع میانوالی) کے دورہ قرآن کا غلغلہ مچا ہوا تھا اور ہزاروں شائقین علوم قرآنی اپنی پیاس بجھانے کے لیے اس دورہ تفسیر قرآن میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور دیدہ ودل ان کی اتباع سنت میں ڈوبی ہوئی زندگی پر نچھاور وقربان کر کے چلے آئے۔ نقشبندی سلسلہ میں ان سے بیعت کی۔ مرد کامل نے بھی اپنی ایمان فراست سے اس جوہر قابل کو پہچاننے میں تاخیر نہ کی اور خلعت خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مرشد کامل کے ساتھ آپ کے انتہائی قلبی تعلق ومحبت کا اندازہ اس وقت ہوتا جب سبق کے دوران مرشد کامل کا نام آجائے آپ رحمہ اللہ انتہائی عقیدت ومحبت کے ساتھ مرشدِ کامل کا تذکرہ فرماتے۔ یعنی ہمارے حضرت نے یہ فرمایا، ہمارے حضرت نے اس کی تفسیر اس طرح کی، ہمارے حضرت نے اس کا ربط اس طرح بیان کیا۔ غرضیکہ آپ کے الفاظ اور انداز میں مرشد کامل کے ساتھ جس سچی اور والہانہ عقیدت کا اظہار نمایاں ہوتا ان سے سننے والا بآسانی آپ کی دلی کیفیت کا اندازہ کر سکتا تھا۔

سلسلہ مریدین:

مرشد کامل سے خلعت خلافت حاصل ہونے کے باوجود بیعت کا سلسلہ بہت محدود پیمانہ پر رکھا ہے بلکہ اکثر وبیشتر بیعت کرنے سے انکار فرما دیتے تھے۔ کسی کی طرف سے بیعت پر بہت زیادہ اصرار ہوتو بیعت فرماتے ورنہ انکار فرما دیتے۔ پیشہ ور پیروں کی طرح نہ لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے اور نہ مریدین کی فہرستیں تیار کرتے اور بیعت کا طریقہ بھی انتہائی مختصر اور سادہ ہوتا۔ عام پیروں کی طرح پرتکلف اور طویل نہیں، مثلاً بیعت کے الفاظ عموماً یہ ہوتے ’’میں شرک وبدعت سے توبہ کرتا ہوں اوامر کے بجالانے اور نواہی سے اجتناب کرنے کی پوری کوشش کا وعدہ کرتا ہوں، بالخصوص نماز کی پابندی کا وعدہ کرتا ہوں‘‘ یہی وہ مختصر سے الفاظ بیعت ہیں جن کے ذریعے کوئی بھی عقیدت مند آپ رحمہ اللہ کے حلقہ بیعت میں شریک

ہوسکتا اور اس کے بعد آپ رحمہ اللہ اسے مرشد کامل کے ذریعے حاصل ہونے والے نقشبندی وظائف واوراد بتاتے اور ان کی تلقین فرماتے۔(اوراد کی تفصیل خادم کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔[خادم،حمزہ]

مریدین کے ساتھ سلوک:

عام پیروں کی طرح مریدین کے گھروں کا ماہانہ سالانہ چکر نہیں لگاتے۔مریدین سے نذرانہ وصول کرنے کے لیے ان کا اجتماع طلب نہیں فرماتے حتیٰ کہ مریدین کو تحائف وغیرہ لانے سے سختی کیساتھ منع فرماتے۔اور ایسا کوئی ہدیہ قبول نہیں فرماتے جو ان کے علم کے مطابق مریدین کے لیے تکلف کا باعث ہوتا۔ حتیٰ کہ اپنے غریب اور نادار مریدین کو اپنی استطاعت کے مطابق اپنی جیب سے کرایہ اور سفرخرچ وغیرہ دیتے۔مریدین کی تعداد اگرچہ ہزاروں سے متجاوز تھی مگر چونکہ ان کا کوئی سالانہ اجتماع وغیرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنے مریدین کی نمائش ان کا مقصود تھا۔اس لیے بظاہر ان کا حلقہ مریدین بہت قلیل معلوم ہوتا۔

تعویذ اور دم کی عام اجازت:

آپ رحمہ اللہ اپنے تعویذات اور دم کی دعاؤں کو دوسرے پیروں کی طرح سنبھال کر نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے تلامذہ کو اپنے تعویذات کی عام اجازت دیتے تھے۔شرط صرف یہ ہوتی کہ [۱] تین روزے رکھیں[۲] نماز کی پابندی کریں[۳] معاصی سے بچنے کی مقدور بھر کوشش کریں۔[تفصیل کے لیے دیکھیئے خادم کا مضمون، ''صبح کی آنکھ لالۂ فام ہوئی'' باب 3[خادم،حمزہ])

معمولات میں استقامت:

جب تک صحت نے اجازت دی اپنی ڈیوٹی اور معمول میں حتی الوسع ناغہ نہیں کرتے تھے اور نہ تاخیر کرتے تھے کالج ڈیوٹی میں ایک دفعہ لڑکوں نے سوال کیا کہ آپ کبھی ناغہ بھی کرتے ہیں۔آپ رحمہ اللہ نے جواب دیا ہاں۔جب یہاں موجود نہ ہوں یا ایسا بخار ہوجائے جس کی وجہ سے چلنے پھرنے سے قاصر ہوں اور واقعتاً تیز بارش میں بھی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے۔درس کا عموماً ناغہ نہ کرتے۔اگر باہر کہیں تبلیغی سلسلہ میں جانا ہوتا تو یہی شرط ہوتی کہ رات کو واپسی ہوگی تاکہ صبح کا درس اور اسباق کا ناغہ نہ ہو۔ 1954ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم میں تدریس کے فرائض سرانجام دینا شروع کیے۔1977ء میں مدرسہ کی طرف سے آپ کو لانے اور چھوڑنے کے لیے گاڑی خریدی گئی۔اس دوران تقریباً بائیس سال تک وہ بس یا ریل کے ذریعے سبق پڑھانے کے لیے گکھڑ سے گوجرانوالہ جاتے رہے۔اس دوران آپ رحمہ اللہ کے معمولات میں استقامت کا یہی عالم تھا۔بسا اوقات ایسا منظر بھی دیکھنے میں آتا کہ تیز بارش کی وجہ سے طلبہ بھی یقینی چھٹی سمجھ کر کمروں میں آرام کرنے لگتے،لیکن آپ کی آمد کی اطلاع کی گھنٹی طلباء کو نیند اور آرام سے جھنجوڑ ڈالتی۔بے یقینی کے عالم میں کمروں سے باہر نکل کر دیکھتے تو آپ چھتری ہاتھ میں لیے مدرسہ میں

موجود ہوتے ۔معمولات میں استقامت آپ کی خصوصی انفرادیت ہے ۔آج کے دور میں معمولات کی یہ استقامت تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی۔

معمولات:

وہ کون سے معمولات ہیں جن میں استقامت آپ کا طرہ امتیاز رہی ۔رات کونماز عشاء کے بعد جلدی سو جانا آپ رحمہ اللہ کا معمول تھا۔اگر گھر میں موجود ہوں اور کوئی مجبوری (مہمانوں وغیرہ کی) نہ ہوتو اس معمول میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ۔صبح تہجد کے لیے بیدار ہونا،اذان کے بعد نماز سے پہلے ناشتہ کر لینا۔نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں جانا،درس دینا اور درس سے فارغ ہوکر اسباق پڑھانے کے لیے گوجرانوالہ چلے جانا،اسباق سے فارغ ہوکر دوپہر کے وقت واپس آنا،کھانا کھا کر قیلولہ کرنا۔ظہر کی نماز پڑھا کر بچیوں کواسباق پڑھانا جووقتاً فوقتاً آپ کے زیرِ درس رہتی تھیں اور گکھڑ کی بہت سی بچیوں نے آپ رحمہ اللہ سے براہِ راست درس نظامی کے مختلف اسباق اس طرح پڑھے ۔مہمانوں کے پاس بیٹھنا اور تصنیفی کام کرنا، عصر کی نماز کے بعد اپنی (قرآن پاک کی) منزل پڑھنا،تصنیفی کام کرنا اور مقامی تعویذ کرنا نماز مغرب کے بعد کھانا کھانا اور تعویذ وغیرہ کرنا،نمازِ عشاء کے بعد آرام کرنا۔جب تک صحت نے اجازت دی معمولات کا یہ سلسلہ قائم رہا اور جوں جوں عمر،ضعف اور علالت میں اضافہ ہوتا گیا بتدریج ان معمولات کا متأثر ہونا بھی فطری بات تھی۔

پابندی وقت:

آپ رحمہ اللہ کی پابندی وقت ضرب المثل رہی ہے۔نماز کے مقررہ وقت سے ایک منٹ پہلے آپ مسجد میں موجود ہوتے ۔امامت کے فرائض خود سرانجام دیتے ۔درس کے لیے نصف گھنٹہ مقرر ہے اس میں ایک منٹ کی بھی کمی وبیشی نہیں ہوتی تھی۔اسباق میں بھی پابندی وقت کا پورا لحاظ ہوتا۔پابندی وقت پر آپ ایک لطیفہ سنایا کرتے کہ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ نے ایک دفعہ مجھے جامع مسجد شیرانوالہ باغ گوجرانوالہ میں درس دینے کا حکم فرمایا میں ان کے حکم پر درس دینے کے لیے چلا گیا۔آدھا گھنٹہ درس دیتا رہا۔جومضمون میں نے شروع کیا تھا وہ وقت سے دومنٹ پہلے ختم ہوگیا،لہٰذا میں نے درس ختم کر دیا۔ایک آدمی فوراً بولا کہ ابھی ختم ہونے میں دومنٹ باقی ہیں۔میں نے یہ سوچ کر کہ انہیں دین کا کافی شوق ہے ان کے اصرار پر دوسرا موضوع شروع کر دیا۔جب وقت سے دومنٹ اوپر ہوگئے تو پھر وہ آدمی بولا کہ دومنٹ اوپر ہوگئے ہیں۔اس سے حضرت شیخ کی پابندیٔ وقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایفائے عہد:

تبلیغی پروگراموں کے سلسلہ میں آپ رحمہ اللہ کی پابندی وقت اور ایفائے عہد کا پورا پورا اہتمام

کرتے اور حتیٰ الوسع کوشش کرتے کہ وعدہ کے مطابق پروگرام پر پہنچیں۔ اور اس کے لیے طوفان باد و باراں بھی آپ رحمہ اللہ کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔ ضلع گوجرانوالہ میں منڈیالہ تیگہ اور فیروز والہ سے آگے کوٹلی ناگرہ ایک بستی ہے جہاں عرصہ دراز سے مدرسہ تعلیم القرآن قائم ہے۔ اور قاری محمد عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ایک عرصہ تک وہاں فی سبیل اللہ تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں انہی کے زیرِ اہتمام وہاں تبلیغی جلسے بھی ہوتے تھے۔ وہ ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ہمارے ہاں تبلیغی جلسہ تھا اور حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد سرفراز خان صفدر) دامت برکاتہم [رحمہ اللہ تعالیٰ] نے تشریف لانا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ نمازِ عصر سے قبل تیز بارش شروع ہوگئی۔ بارش کی وجہ سے کوٹلی ناگرہ دوسری بستیوں سے تقریباً کٹ جاتی تھی۔ اب تو کسی حد تک کچا راستہ موجود ہے پہلے یہ بھی نہ تھا۔ مغرب کے بعد قریبی بستیوں سے حضرت شیخ الحدیث کے عقیدت و محبت میں ڈوبے ہوئے دیوانے و پروانے موسم کی خرابی کے باوجود سینکڑوں کی تعداد میں اکٹھے ہوگئے بارش اگرچہ مغرب سے پہلے ختم ہوچکی تھی لیکن راستے بند ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کے آنے کی امید ہرگز نہ تھی لیکن جب مغرب کے بعد بیرونی مہمانوں کو جو مختلف دیہاتوں سے آئے تھے۔ کھانا کھلانے سے فارغ ہوئے تو اچانک دیکھا کہ حضرت شیخ الحدیث شلوار گھٹنوں تک اٹھائے کیچڑ سے بھرے ہوئے مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہوگئے ہمیں بڑی حیرت ہوئی تو ان سے معلوم ہوا کہ منڈیالہ تیگہ سے پیدل چل کر آیا ہوں، اور منڈیالہ تیگہ سے کوٹلی ناگرہ کا فاصلہ تین میل ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایفائے عہد اور تبلیغی خدمات کا شوق آپ رحمہ اللہ کے دل میں کس قدر تھا۔

آپ رحمہ اللہ پر پابندیاں:

آپ کی تقریر انتہائی اصلاحی اور مؤثر ہوتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود دیگر علماء کی طرح آپ رحمہ اللہ پر بھی مختلف اضلاع میں داخلہ پر پابندیاں عائد ہوتی رہیں اور داخلہ بند کر دیا جاتا رہا تھا۔ چنانچہ دورِ آمریت میں ضلع ہزارہ میں آپ کے داخلہ پر پابندی عائد ہوگئی ضلع ہزارہ آپ کا آبائی علاقہ ہے۔ آپ کو پابندی کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا۔ آپ جب راولپنڈی کراس کر گئے تو مختلف مقامات پر آپ کی تلاش کے لیے پولیس بس کی تلاشی لینے لگی لیکن اتفاق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے پولیس آپ کو شناخت نہ کر سکی۔ اور آپ اپنے مقام پر پہنچ گئے، وہاں ساتھیوں کے مشورہ پر آپ رحمہ اللہ نے اصل نام کی بجائے ’’کڑمنگ استاذ‘‘ کے نام سے تقریر فرمائی۔ کڑمنگ آپ رحمہ اللہ کا آبائی گاؤں ہے۔ اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں میں وقتاً فوقتاً آپ کا داخلہ بند ہوتا رہا۔

دیانت:

آپ کی دیانت و امانت اپنوں اور غیروں کے ہاں مسلّم تھی۔ شدید تر اختلافات کے باوجود آخر

تک آپ رحمہ اللہ کی دیانت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکا۔آپ رحمہ اللہ کی دیانتداری کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے اور واپسی پر انہوں نے آپ کو کرایہ کے لیے ایک لفافہ تھما دیا۔آپ رحمہ اللہ نے لفافہ اسی طرح جیب میں رکھ لیا۔کیونکہ آپ رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ آپ تبلیغی سلسلہ میں کرایہ وغیرہ طلب نہیں کرتے تھے اگر وہ خود دے دیں تو لے لیتے تھے۔جب واپسی پر آ کر لفافہ کھولا تو بڑی حیرت ہوئی کہ ساہیوال کی آمدورفت کا کرایہ اس دور میں پینتیس روپے سے زیادہ نہیں تھا انہوں نے پانچ سو روپے کیسے دے دیے؟ فوراً اسی دن خط لکھ کر انہیں مطلع کیا کہ آپ نے غلطی سے پانچ سو روپے مجھے دیے ہیں ان کی واپسی کی صورت کیا ہوگی؟ بذریعہ بنک ڈرافٹ بھیجوں یا بذریعہ منی آرڈر چنانچہ ان کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ واقعی ناظم صاحب نے غلطی سے پچاس کے بجائے پانچ سو روپے لفافہ میں بند کر دیے ہیں۔چنانچہ آپ ساڑھے چار سو روپے بذریعہ منی آرڈر فوراً واپس بھیج دیے۔ اس واقعہ سے آپ کی دیانت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علمی و دینی خدمات:

مولانا نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صرف احیاء دین کی غرض سے متعدد کتابیں تحریر کی ہیں۔جو بحمداللہ کئی بار طبع ہو چکی ہی۔اور خاص و عام نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور ان میں درج ٹھوس اور واضح دلائل اور معقول پیراہن اور صریح عقلی و نقلی حوالوں کی بہت ہی زیادہ قدر کی گئی ہے۔اور ان کے معرض وجود میں آنے کو بے حد سراہا گیا۔اور قدردان حضرات نے خوب داد تحسین دی۔مگر کچھ حضرات کو ان سے بے حد کوفت ہوتی ہے اور ان سے خاصے سیخ پا ہوتے ہیں۔ان مدلل کتابوں سے ان کا پریشان ہونا ایک نفسیاتی امر ہے۔اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حقہ سے شرک و بدعت اور رسم و رواج کے دبیز پردے دور ہو جائیں، دین اسلام اپنی اصلی شکل میں لوگوں کے سامنے اُجاگر اور محفوظ ہو جائے، جس پر کاربند ہو کر دونوں جہانوں میں سُرخرو ہو جائیں۔تو یہ ہمارے لیے سب سے بڑی سعادت ہے۔آخر بدعات و رسومات کی شب ظلمت اور تاریکی کا ظہور بھی تو ایک فطری امر ہے۔

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے   یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

تبلیغی خدمات:

ملک کے مختلف حصوں میں دینی مدارس کی سالانہ تقریبات اور دیگر تبلیغی اجتماعات میں شرکت بھی فرماتے رہے۔بڑی بڑی کانفرنسوں میں آپ کا خطاب بڑی توجہ اور شوق سے سنا جاتا تھا۔عوام کے علاوہ علماء حضرات بھی آپ کے بیان کو بڑے شوق سے سنتے۔موضوع کو اس کے تمام ضروری پہلوؤں سے نبھانا آپ کی خصوصیت تھی۔آپ کے بیان میں فضولیات بالکل نہ ہوتی تھیں اور نہ موضوع سے ہٹ کر کوئی بات۔بلکہ

موضوع سے متعلق دلائل وبراہین سے مزین ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا تھا۔ اور موضوع کا ہر پہلو ذہن نشین ہوتا چلا جاتا تھا۔

ظرافت:

طبعیت میں ظرافت کا عنصر بھی نمایاں تھا۔ تقاریر میں بسا اوقات ظرافت کا یہ عنصر سامعین کو بے حد ''محظوظ'' کرتا۔ لیکن عام پیشہ ور مقررین کی طرح آپ کی ''ظرافت'' خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ نہ ہوتی تھی۔ بلکہ اس ظرافت میں بھی آپ پورا مسئلہ سمجھا دیتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کی تقریر میں ایک شخص نے چٹ لکھی کہ ''جیب میں اگر تصویر ہو تو نماز ہوتی ہے یا نہیں''؟ آپ نے ازراہِ مزاح فرمایا کہ جس کو شبہ ہو وہ اپنی جیب میں سے وہ تمام نوٹ جن پر بانی پاکستان کی تصویر ہے وہ مجھے دیدیں۔ سامعین اس مزاح پر کافی محظوظ ہوئے اور مسئلہ بھی سمجھ آ گیا۔ پھر آپ نے مسئلہ کی وضاحت فرمائی۔ کہ تصویر بنوانا اپنے مقام پر بہت بڑا گناہ ہے۔ بغیر کسی عذر کے تصویر بنوانا جائز نہیں۔ مثلاً حج، پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور امتحان وغیرہ کے لیے تصویر بنوانا مجبوری ہے۔ لیکن اگر کسی مجبوری کی وجہ سے تصویر جیب میں ہو اور سامنے نظر نہ آتی ہو تو نماز ہو جاتی ہے۔

زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے درس قرآن:

گکھڑ منڈی میں زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے عرصہ دراز سے ایک کالج قائم ہے۔ جس کا نام پہلے ''گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ'' تھا، بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے ''گورنمنٹ ایلیمنٹری آف دی ٹیچرز'' کالج رکھا گیا۔ جس میں ''P.T.C''، ''C.T''، ''O.T'' اور ''S.V'' کی کلاسیں تھیں۔ ان کلاسوں کے زیرِ تربیت اساتذہ کے لیے 1943ء میں درس قرآن کا سلسلہ شروع کیا۔ اگرچہ اس درس کا سلسلہ ''ملک عبدالحمید مرحوم'' کی ذاتی دلچسپی کا مرہونِ منت تھا۔ لیکن آپ کے عالمانہ طرز بیان اور محققانہ طرز استدلال کی وجہ سے اس درس قرآن کی خوب شہرت ہوئی اور اس شہرت کی وجہ سے ملک عبدالحمید مرحوم کے بعد بھی درس کا یہ سلسلہ مستقل جاری رہا۔ اگرچہ بعض متعصب پرنسپلوں نے مسلکی اختلافات کی بنا پر اپنے انتظامی دور میں اس سلسلہ درس کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس درسِ قرآن کے سلسلہ میں جن پرنسپلوں نے پوری توجہ اور کوشش سے دلچسپی لی، ان میں ملک عبدالحمید مرحوم کے علاوہ ''میاں عمرالدین'' اور ''میاں منیر احمد'' کے نام نمایاں ہیں۔ یہ زیرِ تربیت اساتذہ چونکہ فراغت کے بعد ملازمت کے سلسلہ میں ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں پھیل جاتے ہیں۔ اس لیے ملک بھر کے جن تعلیمی اداروں میں بھی اس درس قرآن میں شریک ہونے والے اساتذہ پہنچے وہیں وہیں اس درس کے حوالہ سے صاحب درس کی علمیت کا چرچا ہوتا چلا گیا۔ اور علمی حلقوں میں اسی درس قرآن کو بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس علمی شہرت کی بنا پر پرنسپل ''مرزا نثار'' (عرف لٹاں والی سرکار) نے محض مسلکی اختلافات کی بنا پر اس سلسلہ درس کو ختم کرنے کی

بھرپور کوشش کی۔ حالانکہ اس درس قرآن میں آپ اختلافی مسائل پر معاندانہ انداز میں بحث نہ کرتے تھے۔ابتدائی دور میں صرف پندرہ روپے ملتے تھے،آخر میں پچاس،اس سے زیادہ نہیں ملے۔آخری سالوں میں پرنسپل مذکور نے یہ بھی بند کردیا اور کئی سال درس مفت ہوتا رہا۔ جب گھٹنوں کی تکلیف شروع ہوئی تو موقوف کردیا۔اور یہ یادرہے کہ یہ درس 40 سال ہوتا رہا۔آپ اس سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان کی یہ خدمات سراسر رضائے الٰہی کے لیے تھی،کوئی دنیوی مفاد ان کے پیش نظر نہیں تھا۔اور پھر کالج آپ کے گھر سے تقریباً ایک میل دور ہے۔اس چالیس سال کے عرصہ میں گرمیوں میں عصر کے بعد اور سردیوں میں عشاء کے بعد کا یہ درس ان کی مستقل مزاجی کی بین دلیل ہے۔جبکہ ان کے پاس سواری کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ایک میل پیدل جانا اور ایک میل پیدل آنا محض درس قرآن کے لیے آپ کے خلوص اور للّٰہیت کا کھلا ثبوت ہے۔جب تک جسمانی صحت نے اجازت دی یہ سلسلہ جاری رہا مگر معذوری بڑھ جانے پر مجبوراً اسے منقطع کرنا پڑا۔

آپ کے فتاویٰ:

فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جو اہم بھی ہے اور نازک بھی۔اگرچہ گزشتہ صدی میں فتویٰ نویسی کا قلمدان بہت سے ناتجربہ کار یا ناعاقبت اندیش ہاتھوں میں چلا گیا۔جس کی وجہ سے عرب وعجم کی پوری امت مسلمہ فتویٰ کفر وارتداد کے ثقیل پتھر کے نیچے کراہنے لگی۔فتویٰ نویسی انتہائی دشوار کام ہے جس میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھ کر فتویٰ دینا ہوتا ہے۔حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق ''اگر ایک لفظ کے سو(100) معنیٰ ہوں ایک اسلام کا اور ننانوے کفر کے تو اس لفظ کے استعمال کرنے والے پر اس وقت تک فتویٰ کفر نہیں دیا جاسکتا جب تک وہ اپنی مراد معنیٰ کفر سے معین واضح نہ کردے''۔فتویٰ نویسی میں تو حتی الامکان آدمی کو کفر سے بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔حتیٰ کہ یہ اصول ہے کہ اگر کسی نے ایسا جملہ استعمال کیا جو بظاہر کفر ہے لیکن اس کی تاویل ہوسکتی ہے تو اس پر فتویٰ کفر نہ دیا جائیگا۔

فتویٰ نویسی جیسے اہم اور دشوار کام میں بھی آپ کا علم اپنے اکابر واسلاف کے نقش قدم میں راہ اعتدال سے نہیں ہٹا۔آپ ''جامعہ نصرۃ العلوم'' میں صدر مفتی بھی رہے اور ملک بھر کے علمی وتحقیقی حلقوں میں آپ کے فتاویٰ کو خاص قدر ومنزلت حاصل تھی۔ ملک بھر کے بڑے بڑے مفتیان کرام بھی اپنے فتاویٰ پر آپ کے تائیدی دستخط کروانے پر فخر محسوس کرتے تھے۔(آپ کے زمانہ میں نصرۃ العلوم کے دارالافتاء سے) ہزاروں کی تعداد میں فتاویٰ جاری ہوئے۔اگرچہ آپ کی دیگر مصروفیات کی بناء پر مدرسہ والوں نے دو مفتی رکھے ہوئے تھے۔لیکن بڑے بڑے اور اہم فتاویٰ پھر بھی آپ کی طرف سے جاری ہوتے رہے۔

سیاست کے میدان میں:

مزاجاً آپ اگر چہ سیاسی نہیں ہیں لیکن اپنے اکابر واسلاف سے گہرے تعلق وربط کی بناء پر سیاست سے دلچسپی ضرور رکھتے تھے۔

1956 میں جب جمعیت علماء اسلام کے دوسرے دور کا آغاز ہوا تو آپ بھی ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی تحریک کے لیے جمعیت میں شامل ہوگئے اور عرصہ دراز تک جمعیت کی ''مرکزی مجلس شوریٰ'' کے رکن اور ضلع گوجرانوالہ کے امیر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ 1968ء میں جمعیت کے وفد کے ساتھ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) کا دورہ کیا۔ 1970ء کے عام انتخابات میں خود تو تدریسی مصروفیات کی بنا پر حصہ نہ لیا لیکن جمعیت کے منتخب کردہ امیدواروں کی تائید وحمایت میں بھر پور کردار ادا کیا۔ 1973ء کی تحریک سول نافرمانی میں (بحالی جمہوریت) میں گرفتاری کے لیے کارکن مہیا کرنے میں بھی آپ نے بھر پور کوشش کی۔ چنانچہ اس تحریک میں آپ کے خصوصی تلامذہ قاری محمد یوسف عثمانی اور قاری عبدالقدوس عابد نے گرفتاریاں پیش کیں اور ظلم وبربریت کا نشانہ بنے۔ 1973ء کے سیلاب زدگان کے لیے جماعتی سطح پر آپ نے امدادی رقوم اور ضروریات زندگی کی اشیاء فراہم کیں۔ 1974ء کی ''تحریک ختم نبوت'' میں بھی آپ نے ''مجلس عمل تحفظ ختم نبوت'' کے پلیٹ فارم پر خدمات سرانجام دیں۔ 1975ء میں جمعیت علماء اسلام نے شیرانوالہ باغ میں آل پاکستان ''نظام شریعت کانفرنس'' منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ تو بھٹو حکومت نے شیرانوالہ باغ میں کانفرنس کرنے کی اجازت دینے سے انکار کردیا۔ جس کی وجہ سے یہ کانفرنس ''جامعہ نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ میں منعقد ہوئی۔ حکومت نے سیاسی انتقام کے طور پر ''جامعہ نصرۃ العلوم'' اور اس سے ملحقہ ''جامع مسجد نور'' کو اوقاف کی تحویل میں لینے کا اعلان کردیا۔ اس وقت کے صوبائی وزیر اوقاف ''رانا محمد اقبال'' نے اپنی تمام سیاسی وحکومتی سرگرمیاں اس مقصد کے لیے وقف کردیں۔ ادھر جمعیت علماء اسلام نے شہر کے نوجوان سیاسی راہنما ''نوید انور نوید'' کی سربراہی میں ایکشن کمیٹی تشکیل دے دی اور باقاعدہ تحریک کا آغاز کردیا۔ تین سو کے قریب افراد گرفتار ہوئے اس تحریک میں بھی آپ نے پوری پوری سرپرستی کی آپ کے تین بیٹے مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقدوس خان قارن اور راقم (عبدالحق خان بشیر) اس تحریک میں گرفتار ہوئے اور تقریباً چار ماہ ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں زیر حراست رہے۔ مجبوراً حکومت نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا۔

1977ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی کے مقابلہ کے لیے دینی وسیاسی جماعتوں پر مشتمل ''پاکستانی قوم اتحاد'' کے نام سے نو جماعتی اتحاد معرض وجود میں آیا اور انتخابات میں دھاندلی کے بعد ان کے نتائج کو مسترد کرتے ہوئے ''تحریک نظام مصطفیٰ'' کا آغاز ہوا۔ اس تحریک میں بھی آپ نے بھر پور کردار ادا کیا۔ اور ایک ماہ ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں گرفتار رہے۔ اس تحریک میں راقم (عبدالحق خان بشیر) بھی

گرفتار ہوا اور آپ کے ساتھ جیل میں رہا۔ جبکہ (راقم کے بڑے بھائی) مولانا زاہد الراشدی نے ''پاکستان قومی اتحاد صوبہ پنجاب'' کے سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے بھر پور کردار ادا کیا۔ ایک ماہ کیمپ جیل لاہور میں قید رہے۔ اور جناب حمزہ، اقبال احمد خان مرحوم اور دیگر قائدین کے ساتھ مل کر صوبائی سطح پر تحریک کی قیادت کی۔

......﴿والد محترم کے ساتھ ایک ماہ جیل میں﴾......

حضرت والد محترم نور اللہ مرقدہ کے زیر سایہ وزیر تربیت ہم سب بہن بھائیوں نے اپنے اپنے ذوق وظرف کے مطابق جو کچھ بھی حاصل کیا، وہی ہمارا اصل سرمایہ حیات ہے۔ اگر ہم اس سرمایہ کی حفاظت کر سکیں تو یقیناً ہمارے لئے ہدایت ونجات کی منزلیں طے کرنا آسان ہوگا۔ انہوں نے اہل السنّت والجماعت کے جن متواتر واجماعی اصول وضوابط کی روشنی میں ہمارے افکار ونظریات کو پروان چڑھایا ہم ہر ان کی حفاظت ایک شرعی اور موروثی ذمہ داری ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان کی حفاظت کی توفیق بخشے۔ آمین

ہم سب بھائیوں کو خدا تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم کے ساتھ کسی نہ کسی انداز میں حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی رفاقت ومعیت میں رہ کر انکی خدمت کا موقع عطا کیا۔ کسی کو اندرون ملک تبلیغی وذاتی اسفار میں انکی رفاقت حاصل رہی۔ کسی نے دارالعلوم دیوبند، بنگلہ دیش، افغانستان، جنوبی افریقہ اور برطانیہ وغیرہ بیرون ممالک کے اسفار میں ان کی رفاقت کا شرف حاصل کیا۔ کسی نے حج وعمرہ کے اسفار میں ان کی رفاقت کے مزے لوٹے کسی نے ان کی بیماری وعلالت کے ایام میں مختلف اوقات کے اندر ہسپتال میں ان کی خدمت ورفاقت کی سعادت حاصل کی اور کسی نے ضعف وبڑھاپے کے دوران ان کی خدمت ومعیت کا ثواب کمایا۔ خدمت ورفاقت کے ان تمام مراحل میں کم وبیش سارے بھائی ایک دوسرے کے ساتھ باہم معاون وشریک رہے۔ لیکن خدمت ورفاقت کا اک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ اس کے اندر بھائیوں میں سے میں وحدہ لاشریک تھا۔ یعنی یہ خدمت ومعیت میرے علاوہ بھائیوں میں سے کسی دوسرے کو میسر نہیں آئی اور وہ ہے جیل کی خدمت ورفاقت۔

1977ء کی تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ اپنے عروج پر تھی۔ پورے ملک کی جیلیں سیاسی قیدیوں سے بھری پڑی تھیں۔ حضرت والد محترم نور اللہ مرقدہ بھی ایف ایس ایف (فیڈرل سیکورٹی فورس) کی وارننگ ریڈ لائن کراس کر کے ظلم وآمریت کے سفاک چہرہ پر بھر پور طمانچہ رسید کر چکے تھے۔ دن کی روشنی میں تو ان پر ہاتھ اٹھانے کی جسارت کوئی نہ کر سکا۔ البتہ رات کی تاریکی میں مکان کا محاصرہ کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور رات ہی کے اندھیرے میں انہیں گوجرانوالہ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے بعد برادرِ محترم حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی مدظلہ (جو اس وقت پاکستان قومی اتحاد پنجاب کے صوبائی جنرل سیکرٹری

تھے) کے حکم پر میں نے والدمحترم رحمہ اللہ کی جگہ تحریک کی ذمہ داری سنبھال لی۔ اور اپنے رفقاء حافظ ظفر یاسین بٹ مرحوم، حافظ بشیر احمد چیمہ، ملک عبدالشکور، رانا محمد عمران اور محمد عرفان کے ساتھ مل کر تحریک کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان حوصلہ مند نوجوانوں کے شوق وجذبہ نے تحریک میں ایک نئی روح پھونک دی۔

والدمحترم رحمہ اللہ کی گرفتاری کے ایک ہفتہ بعد میری گرفتاری بھی عمل میں آ گئی۔ مجھے جی ٹی ایس اڈہ گوجرانوالہ سے گرفتار کر کے سٹی تھانہ کے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ جہاں سے دوسرے دن تھانے کے اندر ہی مجھے مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنے کے بعد جیل منتقل کر دیا گیا۔ والدمحترم رحمہ اللہ کو میری گرفتاری کی اطلاع ہو چکی تھی۔ مجھے بیرک نمبر 4 میں رکھا گیا جبکہ والدمحترم رحمہ اللہ چکی نمبر 8 میں محبوس تھے۔ اس چکی میں چند ماہ قبل تحریک جامع مسجد نور کے دوران ہم بھی چند دن گزار چکے تھے۔ اگرچہ ہم دونوں کے لیے جیل جانے کا یہ پہلا تجربہ نہ تھا۔ کیونکہ والدمحترم رحمہ اللہ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں 9 ماہ اور میں 1976ء کی تحریک جامع مسجد نور میں 6 ماہ جیل میں گزار چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں میرے بچپنے (اس وقت میری عمر تقریباً 19 برس) اور مجھے ان کی علالت وبڑھاپے کا احساس ستا رہا تھا۔ ہماری باہمی ملاقات ممکن نہ تھی۔ جیل قوانین اور حکومت سختیوں سے مطابق ہم ادھر کا رخ نہ کر سکتے تھے اور وہ جمعہ کے دن جمعہ کے وقت کے علاوہ چکی کی حدود سے باہر نہ آ سکتے تھے۔

میرے جیل جانے کے دوسرے دن حضرت والدمحترم رحمہ اللہ کے قریبی ساتھی اور ان کے انتہائی عقیدت مند وسفرِ حج کے ساتھی جناب محمد صادق بٹ مرحوم کی خصوصی سفارش سے مجھے والدمحترم رحمہ اللہ کے پاس چکی میں منتقل ہونے کی اجازت مل گئی۔ ڈپٹی سپریڈنٹ جیل حاجی صاحب مرحوم کا قریبی عزیز تھا۔ لہٰذا اس کی اجازت سے میں بیرک سے والدمحترم رحمہ اللہ کے پاس چکی پہنچ گیا۔ جہاں اس وقت استادمحترم جناب قاری محمد انور صاحب مدظلہ (جو چھوٹے دو بھائیوں کے علاوہ ہم سب بہن بھائیوں کے حفظ کے استاد ہیں اور گزشتہ 30 برس سے مدینہ منورہ کے اندر بن لادن خاندان کے مدرسہ میں تحفیظ القرآن میں حفظ قرآن کی کلاس لے رہے ہیں۔) مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے مبلغ حضرت مولانا ضیاء الدین آزاد مدظلہ، اہل حدیث راہنما جناب محمد یوسف احرار مرحوم، بریلوی مکتب فکر کے مولانا غلام نبی جماعتی، سیاسی راہنما چوہدری محمود بشیر ورک اور میر محمد بشیر وغیرہ حضرات موجود تھے۔ مختلف مذہبی طبقات اور مختلف سیاسی جماعتوں کے راہنماؤں اور کارکنوں کا یہ ایک دلچسپ اجتماع تھا۔

میری تمام تر دلچسپی اس بات میں تھی کہ مجھے والدمحترم رحمہ اللہ کی اس مقام پر خدمت کا موقع میسر آ جائے۔ جہاں واقع ان کو خدمت کی شدید ضرورت تھی۔ اس دلچسپی کے پیشِ نظر میں خود کو ذہنی طور پر ہر قسم کے باقی افکار وخیالات سے آزاد کر چکا تھا کہ دوسرے دن والدمحترم رحمہ اللہ نے سنسنی خیز دھماکہ کر دیا اور فرمایا

آج سامان کی جو چٹ گھر بھجوانی ہے اس کے ذریعہ اپنی کتابیں بھی منگوالو تاکہ کل سے تمہارے اسباق شروع ہو جائیں۔ میرے لیے یہ حکم سراسر خلاف توقع تھا کیونکہ میں جیل میں سبق پڑھنے کے لیے تھوڑا گیا تھا۔ لیکن شیخ مکرم رحمہ اللہ جیل کو مدرسہ بنانے کی سلفی روایات سے روگردانی کرنے کے لیے شاید بالکل تیار نہ تھے۔

اور میں بھی شاید اپنا بویا ہوا پھل کاٹ رہا تھا۔ کیونکہ چند ماہ قبل ہی تحریک جامع مسجد نور میں ہم اڑھائی سو کے قریب جو افراد گرفتار ہو کر جیل پہنچے تھے ان میں ایک کثیر تعداد علماء کرام اور مدارس دینیہ کے طلباء کی تھی۔ برادرِ محترم حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی مدظلہ اور اخی المکرّم حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ بھی ان میں شامل تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے حکم نے درس وتدریس کی رونقیں جما دیں اور اچھی بھلی جیل کو انہوں نے اچھا خاصا مدرسہ بنا ڈالا۔ تمام بیرکوں میں دروسِ قرآن کا سلسلہ اور ترجمہ وناظرہ قرآن کی کلاسیں جاری ہو گئیں۔ حضرت شیخ کو بھی شاید خبر ہو چکی تھی کہ جیل میں مدرسہ بنانا قانوناً کوئی جرم نہیں ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنی ہر وقت پڑھنے پڑھانے کی عادت مجھ پر پوری کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ویسے بھی درمیان میں کافی دن ان کی اس عادت مبارکہ کے پورا کرنے کا ناغہ ہو چکا تھا اور وہ یہ لیٹ بھی مجھ پر ہی نکالنا چاہتے تھے۔ بہرحال میرے لیے جیل مدرسہ بن گئی ....نور الایضاح مکمل ......شرح مائۃ عامل کی ترکیب زنجیری مکمل ......اور نحو میر کا بیشتر حصہ میں نے جیل ہی میں حضرت شیخ سے پڑھا۔

یہ سلسلہ شروع ہوئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت چکی کے صحن کی صفائی کے لیے آنیوالے شخص کو دیکھ کر میں چونک اٹھا وہ ایک پاگل شخص تھا، جس کے دماغ کا شعور وادراک والا خانہ کام چھوڑ چکا تھا۔ البتہ دماغ کے حفظ و یادداشت والے خانہ میں تاریخ کا بہت بڑا ذخیرہ فیڈ تھا۔ جیل کے چند ماہ پہلے کے زمانہ میں اس کی واقفیت ہوئی تھی۔ وہ ایک گریجویٹ آدمی تھا جسے گھریلو اور خاندانی حالات کی ستم ظریفیوں نے پاگل ودیوانہ کر کے رکھ دیا۔ میں نے حضرت شیخ کو اس کے بارہ میں بتایا کہ یہ شخص ذہنی توازن کھو چکا ہے۔ لیکن اسی یادداشت کے خانہ میں ....انقلابِ فرانس سے لیکر انقلابِ ترکی تک ....انقلابِ روس سے لیکر انقلابِ چین تک .....جنگِ عظیم اول سے لیکر جنگِ عظیم دوم تک .....چنگیز وہلاکو کی سفاکیت سے لیکر ہٹلر کی بربریت تک ....ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد سے لیکر ہندوستان کی تقسیم تک پوری تاریخ محفوظ ہے اور اس طرح سناتا ہے جیسے ٹیپ ریکارڈ کا بٹن آن کر دیا گیا ہو۔ تاریخ کے کئی اسکالر پاگل تو دیکھے سنے تھے۔ لیکن تاریخ کے پاگل اسکالر سے پہلی دفعہ واسطہ پڑا تھا۔ حضرت شیخ نے اس کی ضروریات کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ سگریٹ بہت پیتا ہے اور چائے کا بھی شوقین ہے۔ حضرت شیخ نے اس کے لیے سگریٹ کا پورا ڈبہ اور بسکٹ وافر مقدار میں منگوا لیے اور ہیڈ وارڈر سے کہہ کر اس کی مستقل ڈیوٹی اپنے پاس لگوا لی۔ صبح نماز کے بعد حضرت شیخ درس دیتے اور ہم ناشتہ سے فارغ ہوتے تو وہ بھی آجاتا جب تک وہ صفائی سے فارغ ہوتا تب تک میں اس

کے لیے چائے تیار کر لیتا۔ گویا حضرت شیخ کی خدمت اور اپنے اسباق کو ڈیوٹی کے علاوہ اس پاگل اسکالر کے لیے ناشتہ تیار کرنے کی اضافی ڈیوٹی کا قلمدان بھی مجھے سونپ دیا گیا۔ وہ چائے پیتا جاتا، سگریٹ پھونکتا رہتا اور تاریخ کے کسی پہلو پر گفتگو کرتا رہتا۔ وہاں پر موجود تمام حضرات بڑی توجہ سے اس کی گفتگو سنتے۔ گفتگو کے دوران یہ اندازہ کرنا قطعاً ناممکن ہوتا کہ یہ پاگل و مجنون ہے۔ اس کا پتہ اس وقت چلتا جب سگریٹ اس کے ہاتھ تک پہنچنے میں دیر ہو جاتی.... یا چائے کی خالی پیالی میں چائے ڈالنے کے اندر تاخیر ہو جاتی.... یا اسے کسی جگہ ٹوک دیا جاتا.... تو پھر اس کے دماغ کی دوسری کیسٹ شروع ہو جاتی، جو بسا اوقات حساس نوعیت کے مغلظات پر مشتمل ہوتی اور اس وقت حضرت شیخ کا، کان لپیٹ کر تیزی کیساتھ باہر نکلنے کا منظر بڑا دیدنی ہوتا۔ بہرحال ہماری اس تفریحی مصروفیت نے جہاں وقت کی رفتار تیز کر دی وہاں ہمیں تاریخی معلومات کا ایک وافر حصہ بھی دستیاب ہوا۔ اس کے علاوہ مصروفیت اور وقت کاٹنے کا ایک اور سہارا بھی تلاش کر لیا گیا اور وہ یہ کہ شیخ محمد یوسف احرار مرحوم ''داستان امیر حمزہ'' کا ایک لیکچر دیتے تھے۔ (اس واہیات اور توہینِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل قصہ کی خبر مجھے پہلی بار وہیں ہوئی اور بعد میں پتہ چلا کہ اس قصہ کی بڑی بڑی کتب مارکیٹ میں فروخت ہوتی ہیں) تمام لوگ وہ لیکچر بڑے شوق سے سنتے اور یہ لیکچر حضرت شیخ سے چوری ہوتا تھا۔ میں بھی اسمیں بڑے شوق سے بیٹھتا تھا لیکن ایک دن حضرت شیخ نے صحن میں ٹہلتے ہوئے اس کے کچھ جملے سن لیے۔ تو بڑے غیر محسوس طریقہ سے مجھ پر اس مجلس میں بیٹھنے کی پابندی عائد کر دی گئی اور اس وقت میرے سبق کا ایک اضافی پیریڈ رکھ دیا گیا۔ اس دوران دو بڑے دلچسپ واقعات رونما ہوئے۔

پہلا یہ کہ جمعہ کے دن آمد و رفت اور سیاسی قیدیوں کی باہمی ملاقات میں کچھ نرمی رکھی گئی تھی۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی علمی و روحانی شہرت سن کر بہت سے ناواقف لوگ بھی ملاقات کے لیے آجاتے۔ کوئی مسائل پوچھنے اور کوئی دعا لینے۔ ایک دن ایمن آباد (موڑ یا شہر) کا ایک میراثی شیخ کی شہرت سن کر آ گیا اور دعا کی درخواست کی۔ اس کے اندازِ گفتگو سے مجھے کھٹکا ہوا کہ یہ میراثی ہے۔ میں پوچھا آپ کیا کام کرتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ شادی بیاہ کے موقع پر جوگ کرنا ہمارا پیشہ ہے۔ شیخ نے پوچھا کس سلسلہ میں جیل آئے ہو۔ اس نے کہا اسی تحریک کے سلسلہ میں۔ ہمیں حیرت ہوئی کہ اس کا تحریک کے ساتھ کیا کام؟ شیخ نے پوچھا کہ خود گرفتاری دی ہے۔ اس نے کہا نہیں پیر جی میں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک شادی میں گیا تھا وہاں ہم جوگ کر رہے تھے۔ میں خدا بن کے ایک کرسی پر بیٹھا تھا اور سربراہانِ مملکت کی حاضری ہو رہی تھی۔ میں ہر سربراہ مملکت کا اٹھ کر استقبال کرتا۔ جب بھٹو (جو اس وقت وزیر اعظم پاکستان تھے) کی باری آئی تو میں نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔ اس نے شکایت کی کہ آپ سب سے اٹھ کر ملے مجھ سے کھڑے ہو کر کیوں نہیں ملے۔ میں نے کہا مجھے تم سے خطرہ تھا۔ اگر میں کھڑا ہوتا تو تم میری کرسی پر قبضہ کر لیتے۔ جن کے ہاں

شادی تھی وہ پیپلز پارٹی کے تھے۔انہوں نے رپورٹ کردی اور پولیس نے مجھے گرفتار کرلیا۔حضرت شیخ کئی دن تک اس کی بات یاد کرکے مسکراتے رہتے اور مجھے فرمایا کہ ان لوگوں کو خدا نے جتنی ذہانت دی ہے اگر اسے مقصد کے لیے اور اچھے کام پر صرف کریں تو ملک وملت کی بڑی خدمت کرسکتے ہیں۔

دوسرا دلچسپ واقعہ یہ رونما ہوا کہ تحریک کے دوران وکلاء اور دیگر گریجویٹ حضرات بھی بکثرت گرفتار تھے اور قانونی طور پر وہ جیل کی B کلاس کے حقدار تھے۔گورنمنٹ کے پاس اتنی B کلاسز کا انتظام نہیں تھا۔ایک وکیل نے اپنا سیاسی یا خاندانی اثر ورسوخ استعمال کرکے اپنے لیے بی کلاس منظور کرالی۔اب جیل انتظامیہ نے عدالتی حکم کی تعمیل میں ہمارے والی چکی کے چھ کمروں میں سے ایک کمرہ خالی کراکے اس میں ایک چارپائی رکھوادی اور اس چارپائی کو سنگلی کے ساتھ دروازے سے باندھ دیا۔اور یہ B کلاس تیار تھی۔ہمارے استاد محترم جناب قاری محمد انور صاحب مدظلہ کی رگ ظرافت پھڑکی۔تو فرمانے لگے میں بھی گھر جاکر اپنے گھر والوں سے کہوں گا کہ مجھے بی کلاس دیں۔ساتھیوں نے پوچھا وہ کیسے؟ تو فرمانے لگے ان سے کہوں گا کہ چارپائی کو سنگلی کے ساتھ دروازے سے باندھ دیں یہ لطیفہ وکیل صاحب کی طبیعت پر کچھ ایسا گراں گزرا کہ دو دن کے بعد انہوں نے وہاں سے اپنا تبادلہ کسی اور جگہ کرالیا۔

انہی حالات ومصروفیات میں ایک ماہ بیت گیا۔قومی اتحاد اور حکومت کے درمیان مذاکرات کا عمل شروع ہوا۔گرفتاریوں میں کچھ نرمیاں پیدا ہوئیں۔رہائیوں کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔حضرت شیخ کی گرفتاری چونکہ پہلے عمل میں آئی تھی ان کی رہائی بھی ایک ہفتہ پہلے ہوگئی اور یہ ایک ماہ کا عرصہ میری زندگی کے قیمتی ترین لمحات میں شامل ہوگیا۔

......﴿فکری اصلاح وتربیت﴾......

قادیانی لٹریچر اور میری شامت!

فکری اصلاح وتربیت کے حوالہ سے ایک واقعہ میری زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔میرے عقائد ونظریات کی صحت واصلاح پر اس واقعہ کے بڑے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ 1973ء کی غالباً تیسری سہ ماہی تھی۔حفظ قرآن مکمل کرچکا تھا۔اور آٹھویں کلاس کا سٹوڈنٹ تھا۔(بھائیوں میں سے میں پہلا فرد تھا جسے حضرت والد محترم نے پرائمری سے آگے مڈل تک سکول تعلیم کی اجازت دی۔بڑے تینوں بھائی پرائمری تک ہی تعلیم حاصل کرسکے) قادیانیوں کے کسی رسالہ کے اندر ''لٹریچر مفت حاصل کریں'' کا ایک اشتہار نظر سے گزرا۔مفت لٹریچر کی خبر پڑھ کر جی بہت للچایا۔ایڈریس نوٹ کرلیا، تاکہ خط لکھ کر لٹریچر منگوایا جا سکے۔اس وقت تک نہ قادیانیوں کے خلاف تحریک اٹھی تھی۔اور نہ پاکستانی پارلیمنٹ نے ان کو غیر مسلم اقلیت

قرار دیا تھا۔

اس پتہ پر خط ارسال کر دیا گیا۔ واپسی ایڈریس میں نے اپنے ہمسایہ اور دوست فاروق احمد بسرا کا دیدیا۔ جو اس وقت دسویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ اور ہم دونوں ایک ہی سکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ اپنے گھر کا ایڈریس اس لیے نہ دیا کہ اسمیں دو خطرے تھے...... پہلا یہ کہ حضرت والد محترم رحمہ اللہ کا نام پڑھ کر شائد وہ لٹریچر ارسال ہی نہ کریں...... دوسرا یہ گھر کے پتہ پر آنے کی صورت میں وہ کہیں ضبط نہ ہو جائے میں نے فاروق بھائی کو بتادیا کہ تمہارے نام میری ڈاک آئے گی اسے سنبھال لینا۔

میں قادیانیوں کے طریقہ واردات اور ان کی تیز رفتار سروس سے بالکل واقف نہ تھا۔ خط ارسال کرنے کے چند ہی دن بعد فاروق بھائی میرے کلاس روم میں آیا، میرا پیریڈ خالی تھا۔ وہ مجھے بلا کے باہر لے گیا، اور بتایا کہ تمہارے خط کے جواب میں دو قادیانی مبلغ ربوہ سے لٹریچر لے کے آئے ہیں۔ وہ پتہ کے مطابق گھر میں پہنچے اور گھر والوں نے سکول بھیج دیا، مبلغوں کا سن کر میرے ہوش اڑ گئے۔ کہ اب بات آگے بڑھی تو والد محترم تک پہنچے گی۔ اور پھر شامت آوے ای آوے۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ڈاک کے ساتھ دو، دو ڈاکیے بھی ربوہ سے آسکتے ہیں۔

فاروق بھائی مجھے لیکر سکول کے ایک خالی پلاٹ میں آیا جہاں تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی داڑھی والے دو آدمی اپنے بیگ سامنے رکھے گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بڑی گہری نظر سے مجھے دیکھا اور پوچھا یہ خط آپ نے لکھا تھا۔ میں نے اپنا خط ان کے ہاتھ میں دیکھا کر کہا کہ ہاں، انہوں نے رسائل کا ایک پیکٹ میرے حوالہ کر دیا، اور کہا کہ ہم یہ کتابیں آپکو دینے کے لیے ربوہ سے آئے ہیں۔ میں نے وہ پیکٹ فاروق بھائی کو تھما دیا۔ چونکہ اس کا پیریڈ خالی نہیں تھا، اس لیے وہ پیکٹ لے کر کلاس روم کی طرف چلا گیا۔ اور قادیانی مبلغین نے مجھے گھیر لیا۔

دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع ہوا۔ مرزا قادیانی کے کمالات، قادیانی خلافت کی برکات اور ان کے ذریعہ دنیا میں بڑھتی ہوئی اسلام کی اشاعت کا تذکرہ بڑے مسحور کن انداز میں کیا گیا۔ میں جواب میں صرف ہوں، ہاں پر اکتفا کرتا رہا۔ کیونکہ کم علمی اور قادیانیت سے مکمل ناواقفیت کی بنا پر ان تربیت یافتہ قادیانی ایجنٹوں کا سامنا و مقابلہ کرنا مشکل معلوم ہو رہا تھا۔ البتہ والد محترم کی محنت سے دل کے اندر پیدا کی گئی قادیانیت سے نفرت کو دل سے نکال دینا ان کے بس میں نہ تھا۔ مسلسل خاموشی دیکھ کر وہ سمجھے کہ اس پنچھی کو جال میں ڈالنا آسان ہے۔ جھٹ انہوں نے بیگ سے ایک لفافہ نکالا۔ اور اس میں سے اپنے سالانہ اجتماع کا دعوت نامہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا، انکی اس جسارت کو دیکھ کر میرے قدموں سے زمین سرک گئی۔

دعوت نامہ کے ساتھ انکی طرف سے یہ آفر بھی تھی کہ چار دن کا اجتماع ہے۔ آپ ایک ہفتہ وہاں قیام

کریں۔ اپنے ساتھ جتنے دوست لانا چاہیں لائیں۔ آپکو وہاں کی سیر بھی کرائی جائے گی۔ بڑوں سے ملاقاتیں بھی ہوں گی۔ ہر قسم کے شکوک وشبہات بھی دور کیے جائیں گے۔ آمد و رفت اور قیام وطعام کے تمام اخراجات ہماری طرف سے ہوں گے۔ ان کی دعوت قبول کرنا تو ممکن ہی نہ تھا۔ اور ان سے جان چھڑانے کے لیے بھی میرے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ تنگ آ کر میں نے اپنی وہ نسبت ان کے سامنے ظاہر کر دی، جسے میں اب تک چھپا رہا تھا۔ اور اس نسبت نے مجھے بحمد اللہ تعالیٰ بڑے بڑے فکری شیاطین کے حملوں سے بچایا ہے۔ اور یہ نسبت میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار ہے۔ اسی نسبت نے مجھے قرآن وسنت کے حقیقی علوم وافکار سے جوڑا......اسی نسبت نے میرے دل کے اندر اسلاف امت و بزرگانِ دین کی سچی محبت پیدا کی......اسی نسبت نے میرے دل کے اندر گمراہی وضلالت کی نفرت اجاگر رکھی۔ حضرت والد محترم کا نام سن کر ان کے چہرے متغیر ہوگئے......رنگ سیاہ پڑ گئے......ہونٹوں پہ چپ کے تالے لگ گئے......جسموں پہ ایک سکتہ سا طاری ہو گیا...... دونوں نے ایک دوسرے کی طرف خاموش نگاہیں بلند کیں اور مایوسی کے تاریک سائے اپنے چہروں پہ لیے اٹھ کھڑے ہوئے......غصہ اور حسرت کے ساتھ میرے طرف دیکھا اور گیٹ کی طرف نکل گئے۔ میں نے بھی ان کو جاتے دیکھ کر سکون واطمینان کا سانس لیا۔

چھٹی کے وقت فاروق بھائی سے وہ پیکٹ وصول کیا۔ ایک طرف سے کھولا، رسالوں کے نام پڑھے اور پیکٹ بستہ میں رکھ دیا، گھر پہنچ کر کھانا کھایا اور حسبِ معمول منزل سنانے کے لیے مسجد چلا گیا۔ نمازِ عصر کے بعد گھر پہنچا تو فوراً طلبی ہوگئی۔ والد محترم رحمہ اللہ کے کمرہ میں حاضر ہوا تو خود کو ان کے زیرِ عتاب پایا۔ قادیانی لٹریچر کا کھلا پیکٹ ان کے ہاتھ میں تھا، اور قہر آلود نگاہیں میرے چہرے پر، میری خوف زدہ نگاہیں ان کے جوتے پر تھیں، جو کبھی کبھی ہمارے جسم اور دماغ کی چولیں ہلاتا رہتا تھا۔ اور اس کی اسی عادت سے ہم دہشت زدہ رہتے تھے۔ ان جوتوں کا وزن ہمیں پالش کرتے وقت بھی محسوس نہ ہوتا، اسے اٹھا کر ادھر ادھر رکھتے وقت بھی محسوس نہ ہوتا۔ البتہ جب وہ اپنی عادت کا چسکا پورا کرنے کے لیے ہمارے سر، کندھوں اور پیٹھ پر اپنے بے رحم نقوش چھوڑتا تو اسوقت وہ بڑا بھاری معلوم ہوتا، پھر اس کا وزن ہماری کمر اور کندھوں کو کئی دن جھکائے رکھتا۔ اس وقت حافظ ارشاد احمد مرحوم (تھانیوالہ بازار گوجرانوالہ) پر بڑا غصہ آتا کہ وہ اباجی کو اتنے بھاری جوتے کیوں بنا کے دیتا ہے۔

میں حیران وپریشان کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ میں نے تو یہ واردات انتہائی خفیہ وسیکرٹ طریقہ پر کی تھی۔ آخر اس کا رزلٹ (پیکٹ) والد محترم تک کیسے پہنچا۔ بعد میں والدہ مرحومہ کے ذریعہ اس بات کا انکشاف ہوا کہ والد محترم رحمہ اللہ کو لکھنے کے لیے ہولڈر کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے بستہ کھولا گیا تو پیکٹ بھی آزاد ہو گیا۔ اور سارا بھید کھل گیا۔ اس وقت یاد آیا کہ والد محترم کبھی کبھی بڑے غیر محسوس انداز میں ہمارے بستوں کی تلاشی لیا کرتے

تھے......کبھی قلم وہولڈر کی آڑ میں......کبھی دوات اور سیاہی کی تلاش میں......اور کبھی ہوم ورک چیک کرنے کے بہانے......شاید یہ بھی ہماری تربیت ہی کا ایک حصہ تھا......عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ احساس پختہ ہوتا چلا گیا کہ والد محترم رحمہ اللہ کے اس انداز تربیت اور خفیہ وکڑی نگرانی نے ہمیں ان گنت شرور وفتن سے بحمد اللہ تعالیٰ بچائے رکھا۔

والد محترم رحمہ اللہ نے پیکٹ کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے؟ میں نے ان کے مزید غصہ اور پٹائی سے بچنے کے لیے پورا قصہ بیان کر دیا۔ سارا قصہ سننے کے بعد ان کے چہرے پر یہ جان کر سکون آ گیا کہ پیکٹ آج ہی آیا ہے، اور اسمیں موجود کوئی رسالہ ابھی تک پڑھا نہیں گیا۔ انکے چہرے پر سکون دیکھ کر میری بھی جان میں جان آئی۔ حکم دیا گیا اس پیکٹ کو میری الماری میں رکھ دو، میں نے وہ اٹھا کر ان کی الماری میں رکھ دیا، پھر دوسرا حکم ملا کہ درسِ نظامی مکمل کرنے سے پہلے ان رسائل کا مطالعہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ آرڈر سن کر میں سہما سہما سا کمرہ سے باہر نکل آیا۔

اس کے بعد کئی سال بیت گئے۔ اس واردات کا ہر نقش ذہن سے محو ہو گیا، 1982ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے درسِ نظامی تکمیل کی، اور اس پر بھی کچھ عرصہ گزر گیا۔ ایک دن پھر طلب کر لیا گیا، حاضر ہوا تو پہلا سوال یہ تھا تم نے ''چراغ کی روشنی'' کا مطالعہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یہ پوچھا گیا کہ تمہارے پاس قادیانیوں کے خلاف کون کون سی کتابیں موجود ہیں؟ عرض کیا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ''ختم نبوت کامل''، مولانا عبدالغنی پٹیالوی رحمہ اللہ کی ''اسلام اور قادیانیت''، مولانا محمد رفیق دلاوری رحمہ اللہ کی ''رئیس قادیان'' اور پروفیسر محمد الیاس برنی مرحوم کی ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' وغیرہ کتب میرے پاس موجود ہیں، پوچھا گیا کہ ان میں سے کون سی کتب کا مطالعہ کر چکے ہو؟ میں نے عرض کیا بحمد اللہ یہ تمام کتب مطالعہ کر چکا ہوں، پوری طرح اطمینان حاصل کر لینے کے بعد فرمایا الماری کھولو! میں نے الماری کھولی تو تقریباً 10 سال پرانا قادیانی کتب کا وہ پیکٹ سامنے موجود پایا، دس سال پرانا واقعہ نظروں میں گھوم گیا، فرمایا یہ لے جاؤ! اب تمہیں ان کا مطالعہ کرنے کی اجازت ہے، میں وہ پیکٹ لے کر چلا آیا، ان میں سے بعض رسائل پر حضرت شیخ کے قلمی نوٹس بھی موجود تھے جس سے اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ ان کا مطالعہ کر چکے ہیں، اس ایک واقعہ کے اندر کم از کم میرے لیے تربیت واصلاح کے بے شمار سامان موجود تھے اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اصلاح وتربیت کے میدان میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی نگرانی وسختی کا کیا عالم تھا۔

☆......☆......☆......☆

مولانا قاری عزیز الرحمٰن خان شاہد

والد مکرم رحمہ اللہ کے آخری ایام

والد محترم امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ 5 مئی بروز منگل صبح ایک بجکر دس منٹ پر دار الفناء سے دار البقاء کی طرف کوچ فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون اور آج انکو بچھڑے ہوئے کئی روز گزر گئے ہیں یوں تو جدائی کے یہ لمحات ان کے لاکھوں شاگردوں اور عقیدت مندوں پر بھاری گزرے اور گزر رہے ہیں مگر انکے سایۂ پدری میں ایام زیست گزارنے والوں خصوصاً ہمہ دم حاضر باش رہنے والوں پر ایک ایک لمحہ بار ہمالہ سے کم نہیں گھر کے وہ درود یوار جو پچاس برس تک اپنی خوش نصیبی پر شاداں تھے جنہوں نے ایک عرصہ تک ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقاہت، امام مالک رحمہ اللہ کی جرأت، احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی استقامت، بخاری رحمہ اللہ کی روایت، ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عزیمت، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی بصیرت، نانوتوی رحمہ اللہ کی حکمت، محمود الحسن رحمہ اللہ کی غیرت، حسین علی رحمہ اللہ کی خلافت اور مدنی رحمہ اللہ کی عظمت کو بہت قریب سے دیکھا وہ حرمان نصیب درود یوار آج اداس اور سوگوار ہیں ؎

ویران ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

احقر نے اپنی تینتالیس 43 سالہ زندگی میں سے چالیس 40 سالہ شعوری زندگی کے اندر قبلہ والد محترم رحمہ اللہ کو ایسی ہمہ گیر صفات کا حامل اور مظہر پایا کہ وہ اپنی مثال آپ ہی تھے۔ ایک طرف عمومی زندگی میں جہاں انکی فقاہت، روایت، درایت، خطابت اور خلافت کے چرچے تھے تو دوسری طرف عائلی زندگی میں وہ ایک انتہائی مشفق والد اور منتظم مربی بھی تھے، امانت، دیانت، شرافت، اور صداقت کے ایسے خوگر تھے کہ اولاد اور متعلقین میں سے ہر ایک کو اس کا مقام اور حق پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ ادا فرماتے، جلال وجمال کے ایسے پیکر تھے کہ ایک طرف جہاں جگر گوشوں کی ہلکی سی تکلیف پر تلملا اٹھتے وہاں دوسری طرف احکام شرع میں تہاون وتکاسل کی بناء پر یہی جگر گوشے مہبط جلال بھی بن جاتے، دنیاوی معاملات میں اپنے بڑے سے بڑے حق سے بھی دستبردار ہو جاتے مگر دینی معاملات میں ذرا بھر بھی مداہنت سے کام نہ لیتے۔

کثرت ہجوم اور شدتِ ہموم کی وجہ سے اس مختصر کاوش میں شیخ رحمہ اللہ کی حیات مستعار کے تمام

پہلوؤں پر روشنی ڈالنا تو ممکن نہیں، زندگی رہی تو انشاءاللہ العزیز یہ سعادت آئندہ کبھی حاصل کروں گا، قبلہ والد محترم رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد تعزیت کے لیے آنے والے تقریباً ہر عقیدت مند کا چونکہ ایک ہی سوال تھا کہ حضرت رحمہ اللہ کے آخری ایام اور آخری وقت کیسے گزرا؟ اس لیے بعض دوستوں نے اصرار کیا کہ ان قیمتی اور تاریخی اوقات کو قلمبند کردو، شاید کہ شیخ رحمہ اللہ کے متعلقین و متوسلین کے مضطرب اور مخزون قلوب کے حزن واضطراب کا کچھ مداویٰ ہو جائے، سو اسی سلسلہ میں حاضر خدمت ہوں راقم عزیز الرحمٰن خان شاہد اپنے بھائیوں میں ساتویں نمبر پر ہے (اب چھٹے نمبر پر ہے اس لیے کہ ایک بڑے بھائی قاری محمد اشرف خان ماجد 2000ء میں انتقال کر چکے ہیں)

احقر اپنی پیدائش 1966ء سے لے کر 1986ء کے اوائل تک گکھڑ میں رہ کر تعلیم حاصل کرتا رہا، اس عرصہ میں تقریباً مڈل تک سکول، حفظ قرآن کریم اور معارف الاسلامیہ اکیڈمی گکھڑ میں دوسالہ تجوید کا کورس مکمل کیا پھر 1986ء سے 1991ء کے اوائل تک مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں درس نظامی کا کورس مکمل کر کے مدرسہ نصرۃ العلوم اور وفاق المدارس العربیۃ سے شہادۃ العالمیہ حاصل کی، تحدیث نعمت کے طور پر کہ بحمدللہ احقر تجوید کے دونوں سالوں میں اول پوزیشن حاصل کی اور بقیہ امتحانات میں دوسری یا تیسری پوزیشن حاصل کی۔ نیز 1983ء سے 1988ء تک ماسوائے 1986 کے پانچ سالوں میں رمضان المبارک کے اندر قبلہ والد محترم رحمہ اللہ کے سامنے انہی کی مسجد میں کھڑے ہو کر قرآن کریم سنانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ 1991ء کے اوائل میں درس نظامی سے فراغت کے بعد چند دنوں میں تیاری کر کے میٹرک کا امتحان بحمداللہ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور ساتھ ساتھ برادرِ مکرم حضرت مولانا زاہد الراشدی حفظہ اللہ تعالیٰ کے زیرِ سایہ مدرسہ انوار العلوم میں درس نظامی کے شعبہ میں اور شاہ ولی اللہ یونیورسٹی میں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف انتظامی امور میں خدمت انجام دیتا رہا۔ بدقسمتی سے 1992ء میں نامساعد حالات کی بناء پر جب ''ضاقت علیّ الارض'' کی کیفیت پیدا ہوئی تو اللہ رب العزت کا خصوصی کرم شامل حال ہوا، برادرِ مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب کے ہم زلف قاری محمد اسلم شہزاد صاحب نے سعودی عرب سے ویزہ بھیج دیا، ''فجزاہ اللہ احسن الجزاء'' بھائی جان کی اجازت اور مشورہ سے احقر ارض مقدسہ کا عازم ہوا 10 اکتوبر 1994ء تک وہیں رہا۔ بحمداللہ دونوں سال حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی پھر 10 اکتوبر 1994ء سے 11 اپریل 2003ء تک تقریباً ساڑھے آٹھ سال کا دور عملی زندگی کا وہ سنہری دور ہے جو احقر نے والد محترم کے معیت میں بھرپور انداز میں گذارا، مرکزی جامع مسجد واپڈا ٹاؤن میں خطابت تھی اور معارف اسلامیہ اکیڈمی گکھڑ میں شعبہ درس نظامی کا مدرس تھا، ابتدائی سالوں میں کبھی کبھی جب والد صاحب بیمار ہوتے تھے اور بعد والے سالوں میں مستقلاً جب والد صاحب بیماری کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھتے تھے

احقر کوانکی امامت کا شرف بھی حاصل ہوتا رہا، احقر صبح سات بجے سے ''اولیٰ مابین الظہر والعصر'' اسباق میں مشغول رہتا، گھر آ کر کھانا کھاتا، مہمان نہ ہوتے تو عصر تک آرام کا موقع مل جاتا ورنہ متواتر رات گئے تک قبلہ والدمحترم کے مہمانوں کی مہمان نوازی میں مشغولیت رہتی پھر اسباق کے مطالعے کے لیے بیٹھ جاتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ والدمحترم تہجد کے لیے بیدار ہوتے تو ناچیز مطالعہ ختم کر کے سونے کی کوشش کرتا۔

ایک سال جب احقر کے پاس تقریباً 14 اسباق تھے، رات دیر تک مطالعہ کی وجہ سے صبح فجر کی نماز کے لیے ذرا تاخیر ہوگئی، والدمحترم سے ڈانٹ پڑ گئی، عذر پیش کیا کہ رات شرح تہذیب کا مطالعہ ذرا دشوار تھا اس لیے بے ترتیبی ہوگئی، فرمانے لگے جب میں صحت مند تھا، مدرسہ نصرۃ العلوم میں 30 تک اسباق پڑھاتا تھا اور سب سے چھوٹا سبق شرح تہذیب ہوتا.... بہر کیف 1998ء میں جب برادرِعزیز مولانا منہاج الحق خان راشد حفظہ اللہ تعالیٰ درس نظامی سے فراغت کے بعد گھر آ گئے تو احقر کا بوجھ کم ہوگیا بلکہ رفتہ رفتہ عزیزم راشد نے اس سعادت کا ''حظِ وافر'' اپنے دامن میں سمیٹنا شروع کر دیا۔ 2001ء میں والدمحترم پر فالج کا پہلا حملہ ہوا (بقول عم مکرم مولانا قارن یہ دوسرا حملہ تھا، پہلا غالباً 1962ء میں ہوا تھا[خادم، حمزہ]) لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بروقت علاج معالجہ کی وجہ سے زیادہ متاثر نہ ہوئے۔ 11 اپریل 2003ء احقر بعض مالی مشکلات کی وجہ سے دوبارہ سعودی عرب چلا گیا۔ بدقسمتی سے احقر کے جانے کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد والد محترم پر دوبارہ فالج کا حملہ ہوا جو پہلے کی نسبت سخت تھا جسکی وجہ سے والدمحترم کے لیے چلنا پھرنا مشکل ہوگیا بلکہ آہستہ آہستہ معذوری نے مکمل طور پر ان کو بے بس کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قبلہ والدمحترم کی اولاد اور متعلقین میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت اور انداز میں ان کی خدمت کی، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کا بدلہ عطا فرمائے، آمین..... مگر خدمت کے باب میں چند شخصیات ایسی ہیں کہ والدمحترم کی زندگی کے آخری اور معذوری کے دور میں ان حضرات نے خدمت کا ایسا حق ادا کیا کہ انکی خدمات تاریخ کا ایک حصہ بن گئیں ہیں ۔ان حضرات میں مفتی جمیل خان صاحب شہید، حاجی میر لقمان اللہ صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب ڈاکٹر سہیل صاحب، مولانا محمد نواز بلوچ صاحب اور قاری اسماعیل صاحب کا نام سرفہرست ہے اور گھر والوں میں سے عزیزم مولانا منہاج الحق خان راشد اور انکی اہلیہ جو کہ ہماری خالہ زاد بہن بھی ہیں، چھوٹی باجی ام داؤد خان نوید، انکی بچیاں، خاص طور پر انکی چھوٹی بیٹی اخت داؤدخان نوید تو انتہائی قابل ستائش ہیں کہ انہوں نے قبلہ والدمحترم رحمہ اللہ کی طویل بیماری کے ایام میں دن رات انکی خدمت کرے ایسی سعادتیں سمیٹی ہیں جو دونوں جہانوں میں انکی سرخروئی کے لیے کافی ہیں۔

قدرت خداوندی:

عزیزم مولانا راشد بچپن سے ہی طبعاً تیز اور کام میں پھرتیلے تھے اور ماشاء اللہ مضبوط جسم کے

مالک تھے۔اسی طرح اخت نوید بنسبت دوسری بچیوں کے صحت میں قوی اور مضبوط تھیں۔ پہلے تو یہ دونوں چیزیں سمجھ سے بالاتر تھیں مگر جب قبلہ والدمحترم کی بیماری میں خدمت کا وقت آیا تو خدا تعالیٰ کی قدرت پھر سمجھ آئی کہ اللہ رب العزت نے اپنے برگزیدہ بندے کی خدمت کا انتظام پہلے سے ہی فرما رکھا تھا فجزاھما اللہ احسن الجزاء، اسی طرح گکھڑ میں مقیم برادرِ محترم جناب مولانا قاری حماد الزہراوی صاحب والدمحترم کی بیماری کے بعد مرکزی جامع مسجد اہل السنۃ گکھڑ، معارف اسلامیہ اکیڈمی گکھڑ شعبہ درسِ نظامی طلبہ وطالبات اورسکول کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ، برادرِ عزیز قاری عنایت الوھاب خان ساجد اور برادرِ مکرم جناب قارمحمد اشرف خان ماجد مرحوم کے فرزند حافظ انصر خان بھی وقتاً فوقتاً اس سعادت کے پھول چنتے رہے۔اسی طرح برادرِ مکرم جناب مولانا عبدالحق خان بشیر کے بڑے صاحبزادے احسن خدامی معارف اسلامیہ اکیڈمی گکھڑ میں اپنے تعلیمی قیام 2001ء سے 2003ء تک کے عرصہ میں اور بعد ازاں چھٹیوں کے ایام میں اپنے چھوٹے بھائی عزیزم حمزہ کے ساتھ ملکر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی بھرپور خدمت کرتے رہے، اسی طرح برادرِ مکرم واستادِ محترم جناب مولانا عبدالقدوس خان قارن صاحب کے صاحبزادگان عزیزم مولانا عمر خان، مولانا معاویہ خان اور قاری سالم خان اور چھوٹی باجی کے بیٹے مولانا داؤد خان نوید جب بھی گکھڑ تشریف لاتے حضرت والدمحترم کی خدمت کے لیے ان کا جذبہ قابلِ دیدنی ہوتا، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے....آمین

بہرحال 2003ء میں سعودیہ جانے کے بعد احقر کے دل میں ایک افسوس اور ایک خوف مسلسل رہا افسوس اس بات کا کہ کاش والدمحترم کی بیماری کا پہلے اندازہ ہوجاتا تو انکو چھوڑ کر کبھی عازم سفر نہ ہوتا اور خوف اس بات کا کہ موت تو برحق ہے کہیں آخری دیدار اور زیارت سے ہی محروم نہ ہوجاؤں جب بھی حرم جاتے صحت کی دعا کے ساتھ ساتھ اس بارے میں بھی دعا کرتے رہتے۔یہی وجہ ہے جب بھی سال سوا سال کے بعد والدمحترم یاد فرماتے ہم بحمداللہ ہر ترتیب کو نظرانداز کر کے قدم بوسی کے لیے حاضر ہوجاتے اور تا حکمِ ثانی خدمت میں رہتے، اس سال بچوں نے مطالبہ کیا کہ ہم نے کئی برس سے عید پاکستان میں نہیں کی اس سال عید دادا ابو کے پاس گذارنی ہے سو ہمارا پکا پروگرام بن گیا کہ 25 رمضان المبارک کے بعد جائیں گے اوراس سال دونوں عیدیں ان شاء اللہ گھر میں والدمحترم کے ساتھ گذاریں گے مگر محرم کے آخر میں والدمحترم رحمہ اللہ کا جدہ میں فون آیا، پہلے احقر سے بات کی پھر ام ارسلان سے پھر ارسلان امیمہ، فائز، ہر ایک سے بات کی اور فرمایا کہ میں اُداس ہوں ہم نے اپنا پروگرام بتلایا تو خاموش اور اُداس ہوگئے پھر دو چار دن بعد دوبارہ فون آیا، اب کی بار ہماری ہمت جواب دے گئی، حسبِ معمول اپنی ترتیب الٹ پلٹ کر کے 18 مارچ 2009ء کے دن حاضر خدمت ہوگئے، ہمیں دیکھ کر خلافِ عادت چار یا پانچ منٹ تک ''اللہ اکبر کبیرا

والحمد لله كثيرا" کی صدابلند فرماتے رہے پھر قریب کر کے پوچھا کہ شاہد ہی ہو، عرض کیا جی، پھر ایک ایک بچے کو قریب کیا اور چومتے رہے پھر فرمایا کہ مجھے امید نہیں تھی کہ زندگی میں تم مجھے دیکھ سکو گے یا میں تمہیں .... ہم تو ان کلمات کو فرطِ جذبات کی ایک ادا سمجھتے رہے مگر معلوم نہ تھا کہ ٹھیک 48 اڑتالیس دن اور بارہ 12 گھنٹے بعد ان جملوں کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی، خلافِ معمول اس دفعہ چھٹیوں میں کہیں بھی جانے کو دل نہیں کرتا تھا۔ بعض دوستوں نے حسبِ معمول دعوتوں کے پروگرام بنائے، بعض نے بزم آرائیوں کے عندیے دیے مگر دل گھر کی چوکھٹ بھی پار کرنے پر آمادہ نہ تھا ایسے لگتا تھا کہ کچھ ہو جائے گا آخر 5 مئی کو کچھ ہو ہی گیا۔

18 مارچ سے 5 مئی کے دوران بہت سے لوگ اور بہت سی شخصیات قبلہ والد محترم رحمہ اللہ کی ملاقات اور زیارت کے لیے تشریف لائیں، ان میں سے ہر ایک کا احاطہ اور ذکر تو ممکن نہیں البتہ چند مجالس ایسی تھیں جو کسی نہ کسی وجہ سے منفرد اور نمایاں تھیں۔ ایک مجلس تو تقریباً ہر روز عصر کے لگ بھگ سجتی، جس میں حاجی میر لقمان اللہ صاحب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب، ڈاکٹر سہیل صاحب، مولانا نواز بلوچ صاحب، جناب قاسم بن حافظ بشیر احمد چیمہ صاحب، مولانا مدثر صاحب، اور اکثر و بیشتر چوہدری احسن جاوید صاحب ایس ایس پی بھی تشریف لایا کرتے تھے، ڈاکٹر ز حضرات قبلہ والد محترم کا چیک اپ کرتے اور حاضرین مجلس مختلف موضوعات پر سوال کرتے، یہ مجلس بڑی دلچسپ ہوا کرتی تھی، 13 اپریل 2009ء کی وہ مجلس جس میں برادرِ مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب سمیت استاد محترم و برادرِ مکرم مولانا عبد القدوس خان قارن صاحب، برادرِ مکرم عبد الحق خان بشیر صاحب، برادرِ مکرم قاری حماد الزہراوی صاحب، راقم عزیز الرحمٰن خان شاہد، عزیزم قاری عنایت الوہاب خان ساجد اور عزیزم منہاج الحق خان راشد سب بھائی شامل تھے ماسوائے استاد محترم و برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد صاحب، والد محترم کے ساتھ جملہ برادران مکرم کی ایک ایسی مجلس تھی جو کہ آخری مجلس ثابت ہوئی، اس مجلس کے بعد جملہ برادران کرام والد محترم رحمہ اللہ کی خدمت میں اکٹھے نہ ہو سکے۔ اسی طرح ایک مجلس جس کو میں یادگار سمجھتا ہوں، حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب کی بمع رفقاء وہ حاضری ہے جس میں انہوں نے قبلہ والد محترم کے سامنے اپنی جماعتی کارگذاری پیش کی اور شیخ نے اسکی تائید فرمائی، اسی طرح 11 اپریل کے دن ایک مجلس ہوئی جس قائد جمعیت مولانا سمیع الحق صاحب، میاں عارف صاحب، شاہ عبد العزیز صاحب و دیگر رفقاء تشریف لائے، یہ مجلس اس لحاظ سے ناقابلِ فراموش ہے کہ اس مجلس میں برادرِ مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب اور برادرِ مکرم قاری حماد الزاھراوی صاحب کی مشاورت سے سوات کے پر خطر حالات کے متعلق گفت و شنید کے بعد ایک جامع لائحہ عمل تیار ہوا۔ اسی طرح ایک دن حضرت مولانا عبد الرؤف فاروقی صاحب ہمارے خالو محترم جناب حضرت مفتی رویس خان صاحب

اور مولانا پیر سیف اللہ خالد صاحب تشریف لائے یہ مجلس اس لحاظ سے اہم مجلس تھی کہ جناب خالو محترم نے منکرین حیاۃ الانبیاء علیہم السلام کے متعلق جب متعدد سوالات کیے تو جواباً فرمایا کہ ہمارا نظریہ اور موقف وہ ہے جو مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔اس کے علاوہ اس عرصہ میں اور بے شمار علماء کرام تشریف لائے جن میں حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب جامعہ اشرفیہ، حضرت مولانا ظفر احمد قاسم جامعہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وہاڑی ،حضرت مولانا محبّ النبی صاحب لاہور ،حضرت مولانا معاویہ اعظم طارق صاحب جھنگ ،حضرت مولانا محمد الیاس صاحب چناری حضرت مولانا عبدالمالک آف مظفر آباد ،حضرت مولانا عبدالظاہر فاروقی صاحب اور حضرت مولانا سعید اعوان بحریہ ٹاؤن وغیرہم کے اسماء نمایاں ہیں۔

میں نے اپنی زندگی میں والد محترم رحمہ اللہ سے زیادہ اوقات کا پابند علمائے کرام میں سے کسی کو نہیں پایا، انکی اوقات کی پابندی اتنی مشہور تھی کہ لوگ انکو دیکھ کر گھڑیوں کے ٹائم درست کیا کرتے تھے مگر معذوری اور لاچاری انسان کو کس قدر بے بس کر دیتی ہے۔ مسلسل بیماری کی وجہ سے پوری رات والد محترم کو نیند نہیں آتی تھی، عزیزم راشد، انکی اہلیہ یا باجی ام داؤد خان نوید اپنی بیٹی سمیت پوری رات جاگ کر تیمارداری میں مصروف رہتے۔ بسا اوقات طبیعت میں اس قدر اضطراب ہوتا کہ نہ لیٹ کر آرام نہ بیٹھ کر، کبھی فرماتے بٹھا دو، کبھی فرماتے لٹا دو، دو تین راتیں عزیزم راشد اور باجی کی عدم موجودگی میں احقر کو کچھ دیر یہ خدمت انجام دینے کا شرف ملا تو پتہ چلا کہ کس قدر مشکل اور بھاری ذمہ داری ہے بیس 20 منٹ میں تقریباً تیس دفعہ فرمایا، بٹھا دو، لٹا دو، دل سے دعا نکلی اے اللہ ان عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرما، جنہوں نے یہ حساس ذمہ داری قبول کر کے ہمیں سبکدوش کیا ہوا ہے خصوصاً باجی کی حالت پر تو بہت رحم آتا کہ بیچاری خود بھی گھٹنوں کے درد کے باعث پھرنے سے معذور ہیں لاٹھی کے سہارے بڑی مشکل سے دو چار قدم اٹھاتی ہیں اللہ پاک انکی خدمت کو قبول فرمائے اور ہماری طرف سے ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین ،24 اور 25 اپریل کی درمیانی رات دو بجے کے لگ بھگ عزیزم راشد جو رات کو خدمت کی ڈیوٹی پر تھے نے آکر میرے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا، میں جلدی سے اٹھا تو انہوں نے کہا کہ والد محترم کی طبیعت خراب ہے۔احقر جب والد محترم کے پاس حاضر ہوا تو دیکھا کہ والد صاحب خون کی الٹیاں کر رہے ہیں۔طبیعت میں بے چینی ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو آرام کی غرض سے آنکھیں بند کر لیں ، پوچھا کہ ڈاکٹر کو بلائیں ،فرمایا آرام ہے ضرورت نہیں، تھوڑی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلے گئے۔دل میں کھٹکا پیدا ہوا، تھوڑا سا کھانس کہ اطمینان کرنا چاہا آواز سن کر دوبارہ آنکھیں کھول کر دیکھا تو قدرے اطمینان ہوا، عزیزم راشد کہنے لگے آپ آرام کر لیں اگر خدانخواستہ ضرورت محسوس ہوئی تو آپ کو دوبارہ اٹھا لوں گا، بادلِ نخواستہ واپس ہوا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، صبح کا انتظار کرنے لگا، صبح اٹھ کر دیکھا کہ آرام فرما رہے ہیں تو دل کو تسلی ہوئی، اس قے کے

بعد طبیعت اور مزاج میں دو تبدیلیاں آئیں۔ ایک تو مسلسل خاموشی طاری ہوگئی، پھر آنے والے حال احوال پوچھتے تھے مگر اب خاموش رہتے، کوئی سوال کرتا تو کبھی جواب دے دیتے کبھی خاموش رہتے، کبھی ہاتھ سے اشارہ فرما دیتے، کچھ کھانے کو دیتے تو فرماتے دل نہیں چاہتا، ڈاکٹر حضرات نے چیک اپ کیا تو رپورٹ دی کہ خون کی مقدار کم ہے اس لیے کھانے کی اشتہا نہیں ہوتی، چار دن مسلسل خون لگتا رہا مگر فرق نہ آیا، ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب فرمانے لگے کہ اگر غذا کے بارے میں یہی صورت حال رہی تو مصنوعی طریقے سے غذا کا انتظام کرنا پڑے گا، اس دوران ہسپتال لے جانے کا بھی مشورہ ہوا، عزیزم راشد نے سروسز ہسپتال لاہور اور اتفاق ہسپتال لاہور میں تقریباً بات بھی مکمل کر لی مگر والد محترم رحمہ اللہ آمادہ نہ ہوئے، بالآخر یہ حربہ اختیار کیا گیا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کیا جائے کہ اگر غذا نہیں لیں گے تو مصنوعی طریقہ سے غذا دینا پڑے گی یا تو ڈرپوں کے ذریعے یا ناک کے ذریعے اور پھر ہسپتال جانا پڑے گا، یہ حربہ کامیاب ثابت ہوا، اب قبلہ والد محترم رحمہ اللہ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ غذا لینے لگے سب نے اطمینان کا اظہار کیا.... یکم مئی بروز جمعۃ المبارک برادرِ مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب جو کہ برطانیہ اور سعودیہ کے تین ہفتے کے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ بعد نمازِ عصر بمع اہل وعیال تشریف لائے، ان سے ملکر قبلہ والد محترم کی طبیعت کچھ بحال ہوئی، بھائی جان نے مسند ابی یعلیٰ موصلی پیش کی جس کا ذکر قبلہ والد محترم نے بھائی جان کے سامنے سفر پر جانے سے پہلے کیا تھا، والد محترم کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے، میں قریب ہی کھڑا تھا مجھے فرمایا کتاب الماری میں رکھ دو افسوس کہ والد صاحب کو یہ کتاب.... بالتفصیل دیکھنے کا موقع نہ مل سکا، رات گئے بھائی جان بمع اہل وعیال واپس تشریف لے گئے یہ انکی والد صاحب سے آخری ملاقات تھی۔

یکم اور دو مئی کی درمیانی رات میں احقر نے خواب دیکھا کہ عم مکرم جناب حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی صاحب رحمہ اللہ تشریف لاتے ہیں اور احقر کے سر پر پیار بھرا ہاتھ پھیر کر دائیں ہاتھ کے بالمقابل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی اثنا میں ہماری دونوں والدات رحمہما اللہ تشریف لاتی ہیں، چھوٹی والدہ محترمہ ذرا آگے ہیں اور بڑی والدہ محترمہ ذرا ایک قدم پیچھے ہیں، چھوٹی والدہ محترمہ نے احقر کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا اور فرمایا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لیٹ جاؤ آرام کرو۔ ایک سفید رنگ کی چادر اوڑھنے کے لیے دیتی ہیں اور پھر فرماتی ہیں کہ دوائی بھی پی لو چنانچہ پانی میں دوائی ڈال کر دیتی ہیں ابھی پی نہیں سکا کہ اہلیہ نے فجر کی نماز کے لیے بیدار کر دیا، صبح سب گھر والوں کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کیا مگر تعبیر کوئی سمجھ نہ سکا اس دن شام استاد مکرم وبرادرِ محترم مولانا رشید الحق خان عابد بھی تشریف لائے ان کے سامنے بھی خواب کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ فوراً صدقہ کر دو، ظہر کی نماز کے بعد عزیزم راشد صاحب نے والد محترم سے عرض کیا کہ برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد آج تشریف لا رہے ہیں تو والد صاحب بہت خوش ہوئے اس دن بھی طبیعت میں

کچھ اضطراب تھا مگر بحمد للہ آج دودھ، جوس اور پانی کی شکل میں کچھ نہ کچھ غذا لیتے رہے۔عصر کے بعد حاجی میر لقمان اللہ صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا نواز بلوچ صاحب تشریف لے آئے، تھوڑی دیر کے بعد مولانا ریاض انور گجراتی بھی تشریف لے آئے اور حضرت والدمحترم سے ملاقات کر کے تشریف لے گئے جو انکی بھی آخری ملاقات ثابت ہوئی، شام کے وقت برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد تشریف لائے تو ان سے ملکر قبلہ والدمحترم کی طبیعت کچھ کھلی اور پھر کافی دیر تک ان سے گفتگو کرتے رہے۔اگلے دن 3 مئی 2009ء کو بھی برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد یہیں تھے۔گاہے بگاہے والدمحترم رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے جس سے والد صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت کافی ہشاش بشاش رہی۔دن بھر والد صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے لوگ تشریف لاتے رہے۔عصر کے بعد حسبِ معمول حاجی لقمان اللہ صاحب اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن تشریف لائے۔حضرت رحمہ اللہ کو تھوڑا سا جوس پلایا چیک اپ کیا اور فرمایا کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کچھ نہ کچھ پلاتے رہیں۔اگلے دن 4 مئی کو برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد صاحب سے پروگرام پوچھا تو فرمایا آج شام واپسی ہے عصر کے وقت برادرِ مکرم قاری محمد اشرف خان ماجد مرحوم کے گھر تشریف لے گئے، احقر بھی کچھ دیر کے بعد انکے پیچھے گیا پھر خیال آیا کہ حاجی صاحب اور ڈاکٹر کے آنے کا وقت ہے واپس گھر چلتا ہوں مگر باتوں میں مشغولیت کی وجہ سے کچھ دیر ہوگئی، واپسی سے پہلے جب برادرِ مکرم سے دوبارہ پروگرام پوچھا تو فرمانے لگے کہ آج رہونگا پھر احقر جب واپس گھر آیا تو پتہ چلا کہ حاجی صاحب اور ڈاکٹر صاحب تشریف لائے تھے مگر خلافِ معمول آج جلد واپس چلے گئے ہیں بعد میں جب حاجی صاحب اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارا ارادہ تو بیٹھنے کا تھا مگر جب حضرت کو جوس پلانے لگے تو حضرت نے باجی کو بلا بھیجا اور ہم اس لالچ میں اٹھ آئے کہ چلو ہم سے نہیں تو انکے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ پی لیں گے بہرکیف جب گھر پہنچا تو ڈاکٹر تو جا چکے تھے البتہ برادرِ محترم قاری حماد الزہراوی صاحب تشریف لائے ہوئے تھے جو کہ 24 اپریل کے بعد تقریباً ہر روز عصر کے بعد والدمحترم کا حال احوال معلوم کرنے آتے تھے وہ والدمحترم سے ہم کلام تھے اور عرض کر رہے تھے کہ اگر بادلِ نخواستہ تھوڑا بہت دودھ نوش فرمالیا کریں تو بہت بہتر رہے گا کیونکہ دودھ دوا کی دوا اور غذا کی غذا ہے مگر والدمحترم نے کوئی جواب نہیں دیا۔اس کے بعد ان کی آنکھ لگ گئی اور نیند کی آغوش میں چلے گئے۔اسی اثناء معارف اسلامیہ اکیڈمی گکھڑ کے دو طالبعلم ناصر گجراتی صاحب اور انکا ایک ساتھی قبلہ والدمحترم کی عیادت کے لیے تشریف لائے مگر برادرِ مکرم قاری حماد صاحب نے ان سے کہا کہ حضرت آرام فرما رہے ہیں پھر آنا، چنانچہ وہ چلے گئے، شام کے بعد برادرِ مکرم جب کھانا کھانے لگے تو باجی کو بھی دعوت دی، فرمانے لگیں کہ آپ لوگ کھالیں ہم ابھی ابا جان کے پاس ہیں ہم بعد میں کھالیں گی، کھانے کے بعد برادرِ مکرم مولانا رشید الحق صاحب والد

محترم کی خدمت میں چلے گئے تھوڑی دیر گذری تھی کہ اخت نوید نے آ کر کہا کہ نانا ابو آپکو بھی بلا رہے ہیں احقر جب والدمحترم کے پاس پہنچا تو برادرِ مکرم کرسی پر تشریف فرما تھے، ناچیز نے والدمحترم کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے عرض کیا، جی ابا جان! فرمانے لگے ام نوید اور اخت نوید گوجرانوالہ اپنے گھر جانا چاہتی ہیں ان کو روک لو، میری طبیعت ٹھیک نہیں، احقر نے عرض کیا کہ انکو رکنے کی درخواست کر دیتے ہیں چنانچہ والدصاحب کچھ خوش ہو گئے۔ میں کمرے سے باہر نکلا اور باجی سے بات کی تو انہوں نے کہا صرف ایک دو دن کے لیے جانا چاہتے ہیں تاکہ گھر کے کچھ ضروری معاملات سمیٹ سکیں۔ احقر نے عرض کیا کہ والدصاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں، خلافِ طبیعت کوئی کام اور بات نہ کریں اگر کوئی ضروری کام ہے تو میں احقر چلا جاتا ہوں، باجی مسکرائیں اور کہنے لگیں کہ ٹھیک ہے نہیں جاتے، پھر برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد صاحب احقر کے بیٹے ارسلان کو لے کر برادرِ مکرم قاری حماد الزہراوی صاحب کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور ناچیز عشاء کی نماز کے لیے وضو کرنے لگا، تھوڑی تاخیر ہو گئی اور مسجد میں جماعت ہو گئی، احقر نے باجی سے عرض کیا کہ والدمحترم کی آنکھ لگی ہوئی ہے آپ لوگ کھانا کھالیں، میں والدمحترم کے کمرے میں نماز میں مشغول ہو گیا چوتھی رکعت میں تھا کہ والد نے اُختِ نوید کو آواز دی، جواب نہ ملا تو ادھر دیکھا اور پھر مجھے آواز دی۔ میں نے جلدی سے آخری رکعت مکمل کی اور حاضرِ خدمت ہوا، فرمایا مجھے بٹھادو میں نے بٹھادیا اور عرض کیا کہ دو مہمان ہیں فرمایا لاؤ میں نے دونوں مہمانوں کو بلایا ایک کا نام مولانا امداد اللہ صاحب تھا دوسرے کا نام معلوم نہیں، دونوں حضرات کراچی سے جماعت میں وقت لگانے کے لیے رائیونڈ تشریف لائے ہوئے تھے اور وہاں سے شیخ رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے آئے یہ حضرات والدصاحب سے ملے اور حدیث کی اجازت چاہی حضرت نے اجازت دے دی یہ قبلہ والدمحترم کی زندگی کے آخری مہمان اور اجازتِ حدیث لینے والے آخری خوش نصیب تھے جب وہ لوگ چلے گئے تو والدمحترم نے فرمایا اُخت نوید کو بلاؤ اسے بلایا تو فرمایا مجھے لٹادو چنانچہ عزیزہ نے والدمحترم کو پھر لٹا دیا اس کے بعد عزیزم راشد نے والدمحترم کا لباس اور بستر بدلا جو کہ خدمت کے باب میں ایک انتہائی دشوار مرحلہ ہوتا تھا، گھر والوں میں صرف عزیزم راشد ہی ایسے تھے جو مضبوط اور صحت مند ہونے کی وجہ سے اس خدمت کو بخوبی انجام دے سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آٹھ سال تک قبلہ والدمحترم کو نہلانا، انکے کپڑے اور بستر بدلنا اور بیت الخلاء سے فراغت جیسی ذمہ داری کو نبھانا انہی کا خاصہ تھا بہرکیف اسکے بعد باجی اور اخت نوید والدمحترم کے کمرے میں چلی گئیں، تقریباً 11:30 پر برادرِ مکرم مولانا رشید الحق خان عابد صاحب واپس تشریف لے آئے اور آرام کی غرض سے اوپر کمرے میں تشریف لے گئے، باقی گھر والے بھی اپنے کمروں میں سونے کے لیے چلے گئے، اور احقر قبلہ والدمحترم کے کمرے کے سامنے برآمدے میں ایک چارپائی پر لیٹ کر اس دن کے اخبار پڑھنے لگا، تقریباً 12 بج کر

7 منٹ پر عزیزہ اخت نوید دوڑتی ہوئی باہر آئی اور کہا ماموں جلدی آئیں نانا جان کی طبیعت خراب ہوگئی ہے، احقر دوڑتا ہوا اندر گیا تو دیکھا والد محترم پھر خون کی قے کر رہے تھے مگر مقدار بہت تھوڑی تھی ہم نے پیچھے تکیے رکھ کر بٹھایا، والد صاحب کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں میں نے کہا جلدی سے عزیزم راشد اور بھائی جان رشید الحق صاحب کو اٹھا دو وہ دوڑتے ہوئے آئے، میری اہلیہ اور عزیزم راشد کی اہلیہ اور انکی ہمشیرہ جو مہمان آئی ہوئی تھی سب آناً فاناً جمع ہو گئے۔ڈاکٹر حضرات کو فون کیے۔ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور حاجی لقمان اللہ صاحب جو کہ گوجرانوالہ شہر میں رہتے ہیں نے فرمایا ہم ابھی پہنچ رہے ہیں تھوڑی دیر کے بعد جب ہاتھ پاؤں کی مالش کی تو طبیعت قدرے بحال ہوگئی سب نے اطمینان کا اظہار کیا کہ بحمد اللہ طبیعت بہتر ہوگئی چنانچہ والد صاحب کو سیدھا لٹا دیا گیا سب نے دیکھا کہ والد صاحب ٹکٹکی باندھے چھت کی طرف دیکھ رہے تھے اور منہ سے کچھ بول رہے تھے۔ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی مگر ہم لوگ سمجھ نہیں سکے تھوڑی دیر کے بعد قے کے لیے ابکائی آئی اٹھا کر بٹھایا مگر قے نہ آسکی، احقر نے پوچھا ابا جان تکلیف ہے؟ فرمایا ہاں، پوچھا کس جگہ،کوئی جواب نہیں دیا،احقر نے باری باری سر سینہ اور بازوؤں کی طرف اشارہ کیا تو فرمایا نہیں جب پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو فرمایا ہاں، برادرِ مکرم مولانا رشید الحق صاحب فرمانے لگے نیم گرم پانی میں شہد ملا کر لاؤ چمچ کے ذریعے پلانے کی کوشش کی مگر نہ پیا، احقر اور برادرِ مکرم رشید الحق صاحب سامنے تھے، دائیں جانب اخت نوید اور بائیں جانب ام نوید تھیں،عزیزم راشد بیچارہ شٹل کاک کی طرح کبھی اند کبھی باہر،ڈاکٹروں کے انتظام میں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔اس اثناء عزیزم مولانا مدثر صاحب جو کہ والد محترم کے پرانے خدمت گزار تھے بھی تشریف لے آئے انہوں نے سرتوڑ کوشش کی کہ کوئی ڈاکٹر مل جائے مگر بدقسمتی سے رات کی وجہ سے کوئی ڈاکٹر نہیں مل رہا تھا۔اس اثناء والد محترم نے باجی کو آواز دی جو بائیں جانب تھیں انہوں نے کہا جی ابا جان پھر اخت نوید کو آواز دی پھر اس حال میں کہ دایاں ہاتھ عزیزم راشد کے ہاتھ میں تھا ایک نظر سب کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے دائیں کندھے کے بالکل سامنے دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے جان جہاں آفریں کے سپرد کر دی اور آسمان علم کا وہ آفتاب جو برسوں جہالت کی ظلمتیں مٹاتا رہا، افق میں غروب ہوگیا۔انا للہ وانا الیہ راجعون

میں نے پڑے سٹیتھ سکوپ کے ذریعے دل کی دھڑکن جانچنے کی بڑی کوشش کی مگر ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا،اس اثناء میں گکھڑ کے ڈاکٹر عصمت اللہ علوی صاحب تشریف لائے،انہوں نے چیک کیا،عزیزم راشد نے انکے کہنے پر مصنوعی تنفس کی بھی کوشش کی مگر بے سود، پھر ڈاکٹر صاحب ایک طرف ہوکر کھڑے ہوگئے زبان سے کچھ نہ کہہ سکے مگر انکا چہرہ وہ سب کچھ کہہ گیا جو زبان نہ کہہ سکی اسی اثنا ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور حاجی صاحب بھی تشریف لے آئے، چیک کیا ''انا للہ'' پڑھا اور آنسوؤں کی برسات میں ہمیں وہ سندیسہ دے دیا جو رہتی دنیا تک ہمیں تڑپاتا رہے گا۔

رات دن محنت سے جسکو اس جہاں میں کام تھا
ہر گھڑی جہد و مشقت جس کا شغلِ عام تھا
زندگی میں اپنی جو وقفِ غم و آلام تھا
چین سے سوتا نہ تھا بے گانۂ آرام تھا
وہ گیا ہے عالم برزخ میں سونے کے لیے
رہ گئے ہم اس جہاں میں آج رونے کے لیے

☆......☆......☆......☆

معاملات میں صفائی

قاری محمد عبید اللہ عامر فرماتے ہیں کہ ''1988ء میں ایک مرتبہ میں حضرت امام اہل سنت کے ساتھ سفر میں گیا، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے مجھے دو ہزار روپے بطور سفری اخراجات دیے اور کہا کے سب خرچ ساتھ ساتھ لکھتے رہنا، میں نے ایسا ہی کیا، جب سفر سے واپسی ہوئی تو میں نے سفری اخراجات کی تفصیل اور بقایا رقم حضرت کو پیش کر دی، حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے خرچ کی تفصیل پڑھی تو فرمایا کہ قاری صاحب حساب میں کچھ گڑ بڑ ہے، میں کانپ گیا کہ میں نے تو ایک ایک پائی کا حساب لکھا ہے پھر گڑ بڑ کیسے ہوگئی؟ میں نے عرض کیا حضرت کہاں گڑ بڑ ہے؟ میں نے تو پوری کوشش کی تھی کہ ہر خرچ لکھوں، حضرت امام اہل سنت نے فرمایا کہ قاری صاحب پتوکی اسٹیشن پر ایک مانگنے والے فقیر کو میں نے کچھ دینے کے لیے کہا تھا، وہ اسمیں درج نہیں ہے، میں نے کہا حضرت اس کو ایک روپیہ میں نے دیا تھا، فرمایا میں نے کہا تھا اور آپ نے میرے کہنے پر دیا تھا، وہ میرے خرچ میں درج ہونا چاہیے تھے، درج نہیں ہے یہی تو گڑ بڑ ہے، ایک روپیہ پر تنبیہ فرمائی، یہ تھی امام اہل سنت کی معاملات میں صفائی، ایسے ہی کاموں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اہل سنت سے وہ کام لیے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ [ماہنامہ ھدی للناس، امام اہل سنت نمبر]

مولانا محمد فیاض خان سواتی

عمِ مکرم کا مختصر سوانحی خاکہ

(ماہ وسال کے آئینہ میں)

؎ بدلا ہوا ہے رنگ گلوں کا تیرے بغیر   خاک سی اڑی ہوئی ہے سارے چمن میں

امام اہل سنت، محدث اعظم، حضرت مولانا

محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

نقشبندی مجددی حسینی دیو بندی، قوم: سواتی یوسف زئی پٹھان

☆ 1914ء میں آپ کی ولادت چیڑاں ڈھکی نزد کڑمنگ بالا وادی کونش ضلع مانسہرہ ہزارہ میں ہوئی۔

☆ 1917ء میں آپ کے چھوٹے بھائی مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان اختر چشتی حسینی سواتی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی۔

☆ 1920ء میں آپ کی سب سے چھوٹی ہمشیرہ بی بی خانم رحمہا اللہ کی ولادت ہوئی۔

☆ 1920ء آپ کی حقیقی والدہ بختاور بنت سردار فقیر اللہ المعروف کچکول بابا رحمہ اللہ نے چیچک کی بیماری سے انتقال فرمایا جو گجر برادری سے تعلق رکھتی تھیں، انہیں پادرہ کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

☆ 1924ء کے لگ بھگ آپ نے جنگل میں بکریاں چرائیں۔

☆ 1925ء کے لگ بھگ آپ نے اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ قرآن کریم ناظرہ اور عربی قاعدہ کی تعلیم اپنے پھوپھی زاد اور پہلے استاد مولوی علی شاہ رحمہ اللہ لمبی ضلع مانسہرہ والوں سے حاصل کی۔

☆ 1927ء میں آپ کو تیرہ سال کی عمر میں بٹل ضلع مانسہرہ کے سکول میں پہلی جماعت کے اندر داخل کرایا گیا۔

☆ 1928ء میں آپ ملک پور چلے گئے اور شیر پور کے سکول میں دوسری جماعت تک تعلیم مکمل کی اور تیسری جماعت میں پہنچ گئے۔

☆ 1928ء میں ہی آپ مانسہرہ میں مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسہ میں داخل ہوئے تیسری جماعت میں داخلہ لیا اور قیام گنڈا میں رکھا۔ یہاں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی

کتاب تعلیم الاسلام خوب یاد کی اور کچھ تقریر بھی سیکھی۔ نحو میر کا کچھ حصہ اور تعلیم السلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ سے پڑھا۔

☆ 1928ء سے 1938ء تک آپ اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ پاکستان کے مختلف علاقوں میں تعلیم حاصل کرتے رہے، جو مختصراً یوں ہے:

ہروڑی پائیں میں مولانا سخی شاہ رحمہ اللہ سے نور الایضاح اور صرف کی ابتدائی کچھ گردانیں یاد کیں پھر لکھو میں حضرت مولانا محمد عیسیٰ رحمہ اللہ کے پاس، پھر وہاں سے کوئٹہ اجمیر شریف پھر مقام شیڑلمبی مانسہرہ پھر ہری پور، کھلابٹ، پکا پیالہ میں پڑھتے رہے، پھر خانپور میں مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ سے صرف کی ابتدائی کتابیں پڑھیں اس استاد نے اپنی بیٹی کا رشتہ دینے کی کوشش بھی کی، پھر مصری شاہ لاہور میں عبدالواحد المعروف عرب استاد سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر مرہانہ سے وڈالہ سندھواں مولانا اسحاق رحمانی رحمہ اللہ کے پاس دو سال سبعہ معلقہ، شرح جامی اور قطبی تک کتابیں ان سے پڑھیں، پھر انہی میں مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ سے میبذی وغیرہ کتابیں پڑھیں پھر ملتان میں مولانا عبدالعلیم کے مدرسہ میں ان ہی کا لکھا ہوا علم میراث کا ایک رسالہ پڑھا، پھر وہاں سے جہانیاں منڈی مولانا غلام محمد لدھیانوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالخالق مظفر گڑھی رحمہ اللہ سے عبدالغفور، مسلم الثبوت، حمد اللہ، مختصر المعانی، نحو کی کتابیں عبدالغفور وغیرہ پڑھیں پھر وہاں سے مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں مولانا عبدالقدیر کیمل پوری رحمہ اللہ سے تین سال تک پڑھا اور موقوف علیہ تک کی تمام اہم کتابیں مثلاً ہدایہ اولین، ہدایہ اخیرین، توضیح تلویح، بیضاوی، تصریح، اقلید، صدرا، قاضی مبارک، شمس بازغہ، شرح نخبۃ الفکر اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں پڑھیں اور یہیں مطول اور سراجی وغیرہ مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ سے پڑھیں پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے وہاں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ سے مسلم شریف، مولانا محمد اعزاز علی رحمہ اللہ کے پاس ابوداؤد شریف اور شمائل ترمذی پڑھیں، اسی سال حضرت مدنی رحمہ اللہ گرفتار ہوئے، ان کے بقایا اسباق بھی انہوں نے ہی پڑھائے، مولانا سید عبدالحق نافع گل کاکاخیل رحمہ اللہ سے نسائی شریف پڑھی، ابن ماجہ شریف کا کچھ حصہ مولانا مفتی ریاض الدین رحمہ اللہ اور کچھ حصہ مولانا ابوالوفاء شاہجہانی رحمہ اللہ سے پڑھا، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ سے موطا امام مالک رحمہ اللہ، مولانا علامہ ظہور احمد دیوبندی رحمہ اللہ سے موطا امام محمد رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ سے طحاوی شریف، مولانا قاری اعزاز احمد بن مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ سے تجوید میں "الفوائد المکیۃ" اور "تحفۃ الاطفال" اور قرآن کریم کے کچھ حصہ کی تجوید (مشق) کی۔

☆ 1930ء میں آپ کے دادا گل احمد خان مرحوم کا رمضان المبارک کے مہینہ میں روزہ سے

120 سال کی عمر میں انتقال ہوا۔اس وقت آپ گنڈا میں تھے،انہیں پادرہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

☆ 1931ء میں آپ کے والد نور احمد خان مرحوم کا رمضان کے مہینہ میں تقریباً ایک سو سال کی عمر میں انتقال ہوا،اس وقت آپ گھر میں ہی تھے اور اپنے پھوپھا سید دین علی شاہ مرحوم کے ساتھ جا کر چھ میل دور حاجی آباد منڈی سے کفن خرید کر لائے،انہیں پادرہ کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

☆ 1933ء میں آپ کے چچا خان زمان مرحوم نے کورے ضلع مانسہرہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہیں۔

☆ 1933ء کے لگ بھگ آپ کوئٹہ بلوچستان گئے اور وہاں کی متصل ایک بستی کی مسجد میں قائم ایک مدرسہ میں کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔

☆ 1934ء کے لگ بھگ آپ شیڑ ضلع مانسہرہ میں گجروں کی مسجد میں امامت کراتے رہے، چھ پیانے مکئی معاوضہ تھا جس سے جہاد کے شوق میں تلوار خریدی۔

☆ 1934ء کے لگ بھگ آپ کلکتہ میں کچھ عرصہ رہے۔

☆ 1934ء کے لگ بھگ آپ اجمیر شریف گئے۔

☆ 1935ء سے 1945ء تک دس سال آپ مجلس احرار اسلام کے پر جوش رضا کار رہے۔

☆ 1937ء میں آپ نے جہانیاں منڈی ضلع ملتان میں مولانا غلام محمد لدھیانوی رحمہ اللہ سے اور مولانا عبدالخالق مظفر گڑھی رحمہ اللہ سے نحو کی کتابیں عبدالغفور وغیرہ،حمداللہ،مسلم الثبوت اور مختصر المعانی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

☆ 1937ء میں انگریزوں کے دور میں ہندوؤں کے سینما میں حج فلم دکھانے کے خلاف نکلنے والے جلوس میں آپ نے شرکت کی۔

☆ 1938ء میں آپ مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں داخل ہوئے اور مولانا عبدالقدیر کیمل پوری رحمہ اللہ سے ھدایہ اولین ،ھدایہ آخرین ،توضیح و تلویح، بیضاوی ،تصریح، اقلیدس ،صدرا ،قاضی مبارك ،شمس بازغه ،شرح نخبة الفکر اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں پڑھیں اور یہیں حضرت مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ سے مطول اور سراجی وغیرہ پڑھیں۔

☆ 1938ء کے لگ بھگ آپ نے مولوی فاضل کا کورس بھی پڑھایا۔

☆ 1940ء میں آپ نے اپنے چھوٹے بھائی کے ہمراہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے لیے داخلہ لیا۔

☆ 1941ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف کی سندِ فراغت حاصل کی،اس

سال دورۂ حدیث میں 333 طلباء تھے۔

☆ 1941ء میں شیخ مدنی رحمہ اللہ کی گرفتاری پر جو پہلا جلوس نکلا دارالعلوم دیوبند کے طلباء کے اس جلوس کی قیادت آپ نے کی۔

☆ 1941ء میں آپ کو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنی ذاتی خصوصی ''سندِ حدیث وکتب وفنون متداولہ'' عنایت فرمائی۔

☆ 1941ء میں آپ کو آپ کے شیخ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے ''صفدرؔ'' کا لقب عطا فرمایا، آپ ان کے سامنے ترمذی شریف کی عبارت بھی پڑھتے تھے۔

☆ 1941ء میں آپ نے امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ سے دیوبند میں ملاقات کی اور تقریر بھی سنی۔

☆ 1941ء میں آپ نے دیوبند سے سفر کر کے جمعیۃ علماء ہند کی کانفرنس لاہور میں شرکت کی، کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نہ جا سکے تھے۔

☆ 1941ء میں آپ کی دودھواں دار تقاریر سن کر علامہ محمد انور صابری رحمہ اللہ شاعر نے یہ کہا تھا کہ سرحدیوں میں ابوالکلام کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟۔

☆ 1941ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں گتکا (لاٹھی چلانا) بھی سیکھا۔

☆ 1941ء میں آپ نے مولانا حسین علی واںؔ بھچراں رحمہ اللہ سے تفسیر قرآن پڑھی، سندِ تفسیر وحدیث کی اجازت حاصل کی اور بیعت بھی کی، انہوں نے آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازا۔

☆ 1941ء میں حضرت مدنی کی گرفتاری کے بعد دارالعلوم میں سالانہ امتحان نہ ہو سکا تھا، وہ بھی آپ نے اگلے سال دوبارہ دارالعلوم جا کر دیا۔

☆ 1942ء میں آپ مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں پندرہ روپے مشاہرہ پر مدرس مقرر ہوئے۔

☆ 1943ء میں آپ جامع مسجد ''اہل السنۃ والجماعۃ'' (بوہڑوالی) کے امام وخطیب مقرر ہوئے۔

☆ 1943ء میں آپ نے گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ میں درس قرآن کریم کا آغاز فرمایا، جو وہاں کے پرنسپل نے اساتذہ اور عملہ کے لیے خصوصی طور پر شروع کرایا تھا۔

☆ 1943ء سے 1990ء کے درمیان آپ نے پاکستان، کے متعدد ماہناموں اور رسائل میں مضامین لکھے جن کا شمار ممکن نہیں۔

☆ 1944ء میں آپ کی سب سے چھوٹی ہمشیرہ بی بی خانم مرحومہ کا انتقال ہوا اور وہ باغبانپورہ لاہور کے قبرستان میں دفن ہوئیں۔

☆ 1944ء میں آپ نے ''الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی'' نامی کتاب تالیف فرمائی جو آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔

☆ 1945ء میں آپ کی پہلی شادی سکینہ بی بی بنت مولوی محمد اکبر رحمہ اللہ راجپوت جنجوعہ آف گوجرانوالہ سے ہوئی۔

☆ 1947ء میں آپ کی سب سے بڑی بیٹی، زوجہ حاجی سلطان محمود کی ولادت ہوئی جو بڑی بیوی سے ہیں۔

☆ 1947ء میں آپ نے ''آئینہ محمدی'' نامی رسالہ تصنیف فرمایا۔

☆ 1947ء میں پاکستان بننے کے بعد جب حکومت پاکستان نے امریکہ سے جنگی فوجی معاہدہ کیا تو آپ نے اسی وقت جمعہ کے خطاب میں اس کی تردید کی جس پاداش میں آپ پر ایک شرپسند نے حملہ بھی کیا۔

☆ 1948ء میں آپ کی بڑی بیوی سے آپ کے بڑے بیٹے حضرت مولانا حافظ ''عبدالمتین خان زاہد'' المعروف مولانا ''زاہدالراشدی'' کی ولادت ہوئی انہی کے نام سے آپ نے اپنی کنیت ابوالزاہد رکھی، آپ کے تین بیٹے عبدالشکور، عبدالکریم اور محمد یونس خان راشد بچپن میں ہی وفات پاگئے اول الذکر دونوں بیٹے بڑی اہلیہ سے اور تیسرے دوسری اہلیہ سے تھے۔

☆ 1949ء میں آپ کی سوتیلی والدہ رحمت نور نے تقریباً 95/96 سال کی عمر میں انتقال فرمایا جو گکھڑ قبرستان میں مدفون ہیں۔

☆ 1949ء میں آپ نے ''تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر و الناظر'' المعروف ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1950ء میں آپ نے ''گلدستہ توحید'' کتاب لکھی۔

☆ 1952ء میں آپ کے چھوٹے بھائی مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید اختر سواتی رحمہ اللہ نے مدرسہ نصرۃ العلوم و جامع مسجد نور گوجرانوالہ کی بنیاد رکھی۔

☆ 1952ء سے 1955ء تک آپ ہر سال مدرسہ نصرۃ العلوم کے سالانہ امتحان میں بطور ممتحن تشریف لاتے رہے۔

☆ 1952ء میں آپ کی بڑی بیوی سے دوسرے بیٹے مولانا حافظ عبدالقدوس قارن خان کی ولادت ہوئی۔

☆ 1952ء میں آپ کی دوسری شادی زبیدہ بی بی (سابقہ نام مہر انگیز) بنت فیروز خان مرحوم آف کورے ضلع مانسہرہ کے ساتھ ہوئی۔

☆ 1953ء میں آپ کی دوسری بیوی سے تیسرے نمبر کے بیٹے حافظ محمد اشرف خان ماجد رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔

☆ 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے کچھ دن گوجرانوالہ اور پھر ملتان جیل میں نو ماہ سزا کاٹی۔

☆ 1953ء میں آپ نے ملتان جیل میں ہی ''صرف ایک اسلام'' بجواب ''دو اسلام'' نامی کتاب کا اکثر حصہ تصنیف فرمایا۔

☆ 1953ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران ملتان جیل میں آپ پانچ اسباق پڑھاتے رہے۔ ترجمہ ،موطا امام مالك رحمه الله ،حجة الله البالغه ،نخبة الفكر ،هدايه ۔

☆ 1954ء میں آپ نے ''چالیس دعائیں'' نامی رسالہ تصنیف فرمایا۔

☆ 1954ء میں آپ کی پہلی بیوی سے دوسری بیٹی زوجہ قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ پیدا ہوئیں۔

☆ 1955ء میں آپ نے شہرہ آفاق کتاب "احسن الکلام فی ترك القراة خلف الامام" تصنیف فرمائی۔

☆ 1955ء میں آپ نے "مسئله قربانی" مع رساله "سیف یزدانی "تالیف فرمایا۔

☆ 1955ء کے وسط جون میں ''انجمن نصرۃ الاسلام'' گوجرانوالہ نے انجمن اسلامیہ گکھڑ کے توسط سے آپ کو مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' میں تدریسی خدمات کے لیے پیش کش کی۔

☆ 1955ء شوال 1374ھ سے آپ نے مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' میں تدریس شروع کی ،اور ایک سو روپے مشاہرہ مقرر ہوا۔

☆ 1955ء سے 1960ء تک آپ نے مدرسہ '' نصرۃ العلوم'' میں موقوف علیہ تک کتابیں پڑھائیں۔

☆ 1956ء میں آپ نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے رسالہ "حلية المسلمين مع رساله اعفاء اللحية "عربی کا اردو ترجمہ کیا۔

☆ 1956ء میں آپ ''جمعیۃ علماء اسلام'' میں شامل ہوئے ،آپ عرصہ دراز تک جمعیۃ کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن اور ضلع گوجرانوالہ کے امیر بھی رہے ،قیام پاکستان سے پہلے آپ جمعیۃ علماء ہند کے کارکن رہے ،اور تقریباً دس سال آپ ''جمعیۃ اہل اشاعۃ التوحید السنۃ'' کے قیام کے بعد اس کی شوریٰ کے رکن رہے پھر ان سے علیحدگی اختیار فرمالی آپ ایک عرصہ تک ''جمعیۃ اہل السنۃ'' گوجرانوالہ کے امیر اور سرپرست رہے اور ''وفاق المدارس العربیۃ'' پاکستان کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے۔

☆ 1957ء میں آپ نے مشہور زمانہ کتاب ''المنهاج الواضح یعنی راہ سنت'' تصنیف فرمائی۔

☆ 1958ء میں آپ نے لاہور میں منعقدہ ''جمعیۃ علماء اسلام'' کانفرنس میں شرکت کی۔

☆ 1958ء میں آپ نے ''راہِ ہدایت'' نامی کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1958ء میں آپ کی دوسری بیوی سے تیسرے نمبر کی بیٹی زوجہ حافظ شفیق خان پیدا ہوئیں۔

☆ 1958ء میں آپ کی پہلی بیوی سے چوتھے نمبر کے بیٹے مولانا حافظ عبد الحق خان بشیر پیدا ہوئے۔

☆ 1958ء میں آپ مدرسہ نصرۃ العلوم میں صدرِ مدرس و ناظم تعلیمات مقرر ہوئے، اسی سال مولانا قاضی شمس الدین مرحوم نے مدرسہ سے علیحدگی اختیار کر لی جو دو سال سے صدرِ مدرس اور شیخ الحدیث کے منصب پر کام کر رہے تھے ان کے جانے کے بعد دو سال تک مدرسہ میں ''دورہ حدیث'' موقوف رہا۔

☆ 1959ء میں آپ نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب "الفقہ الاکبر" پر بسیط مقدمہ لکھا اس کتاب کا اردو ترجمہ "البیان الازھر" کے نام سے حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی رحمہ اللہ نے کیا۔

☆ 1959ء میں آپ نے "ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب" نامی کتاب لکھ کر طبع کرائی۔

☆ 1959ء میں آپ نے ''ضوء السراج فی تحقیق المعراج المعروف چراغ کی روشنی'' نامی کتاب تالیف فرمائی۔

☆ 1960ء میں آپنے مدرسہ نصرۃ العلوم میں پہلی بار بخاری شریف پڑھائی اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔ دورۂ حدیث کے دیگر اسباق ترجمہ و تفسیر، ترمذی شریف وغیرہ بھی آپ پڑھاتے تھے۔

☆ 1960ء میں آپ نے گکھڑ سکول میں ڈی سی گوجرانوالہ کو علماء پر تنقید کرنے کی بناء پر ایک بھر پور محفل میں ٹوک کر حق گوئی کا فریضہ ادا کیا۔

☆ 1960ء میں آپ نے ''مسئلہ مختارِ کل الموسوم دل کا سرور'' نامی کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1960ء میں آپ کی دوسری بیوی سے پانچویں نمبر کے بیٹے مولانا حافظ قاری شرف الدین خان حامد المعروف حماد الزہراوی پیدا ہوئے۔

☆ 1960ء میں آپ نے ''انکارِ حدیث کے نتائج'' نامی کتاب لکھی۔

☆ 1961ء میں آپ کی دوسری بیوی سے چھٹے نمبر کے بیٹے مولانا حافظ قاری رشید الحق خان عابد پیدا ہوئے۔

☆ 1962ء میں آپ نے ''مقام ابی حنیفہ رحمہ اللہ'' جیسی مایہ ناز کتاب تصنیف فرمائی، کتاب پر تیرہ

اکابر علماء نے تصدیقات تحریر کی ہیں جن میں سے سب سے اہم یہ ہے کہ آپ کے استاد محترم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی شفیع رحمہ اللہ نے بھی تقریظ لکھی ہے۔

☆ 1962ء میں آپ نے ''طائفہ منصورہ'' کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1962ء میں ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے مرکزی اجلاس لاہور میں آپ کو منکرین حیاۃ النبی ﷺ کے خلاف تحقیقی مواد جمع کرنے کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔

☆ 1962ء میں آپ کی کتاب ''عیسائیت کا پسِ منظر'' شائع ہوئی اس کی اشاعت کے بعد انارکلی لاہور گرجا گھر کے انچارج پادری پطرس گل نے اپنے ایک اور پادری کے ساتھ گکھڑ آ کر آپ سے مباحثہ کیا اور لاجواب ہو کر گیا۔

☆ 1962ء میں آپ کے دوسرے سسر فیروز خان سواتی نے کورے ضلع مانسہرہ میں وفات پائی۔

☆ 1963ء میں آپ نے ''بانی دارالعلوم دیوبند'' نامی کتاب لکھی۔

☆ 1963ء میں آپ نے اپنے چھوٹے بھائی کی گکھڑ میں شادی کرائی۔

☆ 1963ء میں آپ پر دماغی فالج کا حملہ ہوا۔

☆ 1963ء میں آپ کے پہلے سسر میاں جی محمد اکبر رحمہ اللہ راجپوت جنجوعہ گوجرانوالہ میں فوت ہوئے۔

☆ 1964ء میں آپ نے ''تبلیغ اسلام'' کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1964ء میں آپ نے ''بابِ جنت بجواب راہِ جنت'' نامی کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1964ء میں آپ کی پہلی خوشدامن گوجرانوالہ میں فوت ہوئیں۔

☆ 1965ء میں آپ نے '' تنقیدِ متین بر تفسیرِ نعیم الدین ''نامی کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1966ء میں آپ نے ''مرزائی کا جنازہ اور مسلمان'' نامی رسالہ تصنیف فرمایا۔

☆ 1966ء میں آپ نے ''درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ'' تصنیف فرمایا۔

☆ 1966ء میں آپ کی دوسری بیوی سے ساتویں نمبر کے بیٹے مولانا حافظ قاری ''عزیز الرحمٰن خان شاہد'' پیدا ہوئے۔

☆ 1967ء میں آپ نے ''حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ اور علم غیب وحاظر وناظر'' نامی رسالہ تصنیف فرمایا۔

☆ 1967ء میں آپ نے ابتدائیہ لکھ کر مولانا محمد کریم بخش رحمہ اللہ کا رسالہ ''چہل مسئلہ حضرات بریلویہ'' طبع کرایا۔

☆ 1967ء میں آپ کی دوسری بیوی سے آٹھویں نمبر کے بیٹے حافظ قاری ''عنایت الوہاب خان ساجد'' پیدا ہوئے۔

☆ 1968ء میں آپ نے مولانا غلام رسول رحمہ اللہ کی تالیف ''رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع'' کا بسیط مقدمہ لکھا۔

☆ 1968ء میں آپ نے ''جمعیۃ علماء اسلام'' کے مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے ایک وفد کے ساتھ ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کا دورہ کیا۔

☆ 1968ء میں آپنے "عمدة الاثاث فی حکم الطلقات الثلاث" نامی کتاب تالیف فرمائی۔

☆ 1968ء میں آپ نے پہلی بار بحری جہاز کے ذریعے حج بیت اللہ، عمرہ اور زیارات حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی۔

☆ 1968ء میں آپ نے "جمعية علماء اسلام" کی طرف سے منعقدہ کانفرنس لاہور میں شرکت کی۔

☆ 1970ء میں آپ نے ایک رسالہ بنام ''مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ اور ان کے چند دیگر باطل نظریات'' تصنیف فرمایا۔

☆ 1970ء میں آپ نے عام انتخابات میں جمعیۃ علماء اسلام کی مکمل تائید وحمایت کی۔

☆ 1970ء میں آپ نے ''شوقِ حدیث'' کتاب مکمل فرمائی۔

☆ 1970ء میں آپ نے اپنے استاد حضرت مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ کے لیے ضلع گوجرانوالہ میں قومی اور صوبائی اسمبلی کے الیکشن کمپین میں حصہ لیا۔

☆ 1971ء میں آپ نے ''شوقِ جہاد'' کتاب تالیف فرمائی۔

☆ 1972ء میں آپ نے ''عباراتِ اکابر'' نامی کتاب لکھی۔

☆ 1973ء میں غالباً آپ نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، اسی سفر میں واپسی پر آپ نے دمشق (شام) میں بھی دو دن قیام کیا۔ اسی دور میں آپ کی کمر کا آپریشن بھی ہوا۔

☆ 1973ء میں تحریک سول نافرمانی میں آپ نے گرفتاری کے لیے کارکن مہیا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

☆ 1973ء میں آپ نے سیلاب زدگان کے لیے جماعتی سطح پر امدادی رقوم اور دیگر ضروریات واشیاء فراہم کرائیں۔

☆ 1974ء کی تحریک ختمِ نبوت میں آپ نے کلیدی کردار ادا کیا۔

☆ 1974ء میں آپ نے "حکم الذکر بالجھر" نامی کتاب تالیف فرمائی۔

☆ 1974ء میں آپ کی دوسری بیوی سے نویں نمبر کے سب سے چھوٹے بیٹے مولانا حافظ ''منہاج الحق خان راشد'' پیدا ہوئے۔

☆ 1975ء میں آپ نے کل پاکستان ''نظامِ شریعت کانفرنس'' گوجرانوالہ میں شرکت کی۔

☆ 1975ء میں آزاد شرعی عدالتوں کے قیام کے موقع پر آپ کو قاضی مقرر کیا گیا۔

☆ 1975ء میں آپ نے ''سماع الموتی الملقب باثبات السماع والشعور لجملة اهلِ القبور'' نامی کتاب تصنیف فرمائی۔

☆ 1976ء میں گکھڑ سے مدرسہ نصرۃ العلوم آتے ہوئے جب اڈہ سے پیدل راستہ میں چل رہے تھے تو اہل بدعت نے آپ پر حملہ کیا۔

☆ 1976ء کی تحریک جامع مسجد نور میں آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا ''زاہد الراشدی'' صاحب، مولانا ''عبدالقدوس قارن'' صاحب اور مولانا ''عبدالحق خان بشیر'' گرفتار ہوئے۔

☆ 1976ء میں آپ نے پہلی بار سالانہ تعطیلات مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' شعبان اور رمضان میں ''دورۂ تفسیر'' پڑھایا، آپ نے سالانہ تعطیلات میں مسلسل بیس سال ''دورہ تفسیر'' پڑھایا۔

☆ 1976ء میں آپ کے لیے مدرسہ نے گاڑی خریدی اس سے پہلے ریل یا بس وغیرہ پر تشریف لاتے تھے، اور اسٹیشن یا اڈہ سے پیدل مدرسہ آتے تھے۔

☆ 1976ء میں آپ نے "تفریح الخواطر فی رد تنویر الخواطر" تصنیف فرمائی۔

☆ 1977ء الیکشن میں آپ نے قومی اتحاد کی حمایت کی۔

☆ 1977ء میں آپ نے ''تحریک نظام مصطفیٰ'' میں بھرپور کردار ادا کیا اور ایک ماہ گوجرانوالہ جیل میں گرفتار رہے، جیل میں اپنے بیٹے مولانا ''عبدالحق خان بشیر'' کو نور الایضاح، نحو میر اور شرح مأۃ عامل ترکیب وغیرہ پڑھاتے رہے۔

☆ 1977ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ میں جلوس کو روکنے کے لیے فوجی کمانڈر نے ایک لکیر کھینچی کہ جو اسے عبور کرے گا اسے گولی سے اڑا دیا جائے آپ نے یہ کہتے ہوئے وہ لکیر عبور کر لی کہ ''میں تریسٹھ برس کی مسنون عمر پوری کر چکا ہوں اور شہادت کی تمنا و آرزو رکھتا ہوں۔''

☆ 1977ء میں آپ نے تحریک نظام مصطفیٰ میں گکھڑ کے سب سے بڑے جلوس کی قیادت کی۔

☆ 1978ء میں آپ نے اپنی مایہ ناز کتاب "**تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور**" مکمل فرمائی۔

☆ 1979ء میں آپ نے مولانا حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ کی کتاب "نور الصباح فی ترك رفع اليدين بعد الافتتاح" پر پیش لفظ لکھا۔

☆ 1980ء میں آپ دار العلوم دیوبند انڈیا کے صد سالہ اجلاس میں شریک ہوئے اور آپ کو دستارِ فضیلت حاصل ہوئی اور اسٹیج پر بھی بٹھایا گیا۔

☆ 1981ء میں غالباً آپ نے صدر ضیاء الحق مرحوم سے 50 علماء کرام کے وفد کیساتھ ملاقات کی، ہائیکورٹ کے ایک جج نے اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ اور وحشیانہ قرار دیا تھا، اس کیخلاف آواز اٹھانے کے لیے یہ وفد گیا تھا، اس کے بعد ہی ''شریعت کورٹ'' بنائی گئی اور اس کے سب سے پہلے ججوں کے لیے جو نام متعین ہوئے ان میں آپ کا نام بھی تھا لیکن آپ نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے اس عہدہ کو قبول نہ فرمایا۔

☆ 1981ء میں آپ نے "اتمام البرهان فی توضيح البيان" تصنیف فرمائی، یہ ابتداً علیحدہ علیحدہ چار حصوں میں تھی اب جدید ایڈیشن میں ایک ہی جلد میں طبع ہوئی ہے۔

☆ 1981ء میں آپ نے "اخفاء الذكر" نامی کتاب تالیف فرمائی۔

☆ 1983ء میں آپ نے "الشهاب المبين على من انكر الحق الثابت بالادلة والبراهين" تصنیف فرمائی۔

☆ 1984ء میں آپ کے سب سے پہلے استاذ مولوی سید ''فتح علی شاہ'' رحمہ اللہ آف لمبی ضلع مانسہرہ نے انتقال فرمایا۔

☆ 1984ء میں آپ نے "الكلام المفيد فی اثبات التقليد" کتاب تصنیف فرمائی، اس پر ساتھ جید علماء دیوبند کی تصدیقات ہیں جن میں آپ کے استاذ حضرت مولانا عبد القدیر محدث کیمل پوری رحمہ اللہ کی تقریظ بھی ہے۔

☆ 1985ء میں آپ نے "اظهار العيب فی كتاب اثبات العلم الغيب" تصنیف فرمائی۔

☆ 1986ء میں دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری مرغوب الرحمٰن مدظلہ نے آپ کو دیوبند تشریف لانے کی دعوت دی۔

☆ 1986ء میں آپ نے ''مقالہ ''ختمِ نبوت'' کتاب وسنت کی روشنی میں'' تالیف فرمایا۔

☆ 1986ء میں آپ نے برطانیہ کا بائیس دن کا دورہ کیا۔

☆ 1986ء میں آپ نے "المسلك المنصور فی رد الكتاب المسطور" نامی کتاب تالیف فرمائی۔

☆ 1987ء میں آپ نے "ارشاد الشيعه" کتاب تالیف فرمائی۔

☆ 1987ء میں آپ نے اپنے استاد شیخ الحدیث مولانا عبد القدیر کیمل پوری رحمہ اللہ کی کتاب "ارشاد العلماء الیٰ تحقیق مسئلہ سماع الموتیٰ و حیاۃ الانبیاء " پر پیش لفظ لکھ کر اسے ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم سے چھپوایا۔

☆ 1988ء میں آپ کی کتاب "احسان الباری لفہم البخاری "شائع ہوئی، اس کی جدید طبع کے آخر میں آپ کا رسالہ ''بخاری شریف کی چند ضروری مباحث'' بھی منسلک کر دیا گیا ہے جو پہلے علیحدہ شائع ہوا تھا۔

☆ 1988ء میں آپ نے "احسن الکلام " کے آخر میں مقدمہ " تدقیق الکلام "تحریر فرمایا۔

☆ 1988ء میں آپ کی بڑی اہلیہ نے وفات پائی۔

☆ 1989ء میں آپ کی دوسری اہلیہ نے وفات پائی۔

☆ 1989ء میں آپ کے نواسے حاجی ''عدیل عمران'' افغانستان میں خوست کے مقام پر شہید ہوئے۔

☆ 1990ء میں آپ کے پوتے محمد اکرم بن ماجد ''جامع مسجد نور'' کی چھت سے گر کر وفات پا گئے۔

☆ 1990ء تک آپ جامع مسجد ''اہل السنۃ والجماعۃ'' (بوہڑ والی) گکھڑ میں تسلسل کے ساتھ امامت بھی خود ہی کراتے رہے پابندی وقت کا یہ عالم تھا کہ عین وقت پر مسجد میں پہنچتے اور نماز کھڑی ہو جاتی، بعد ازاں علالت کی وجہ سے مسجد جانے کا تسلسل نہ رہا۔

☆ 1990ء میں آپ کے سب سے آخری استاد حضرت مولانا عبد القدیر کیمل پوری رحمہ اللہ نے وفات پائی ان کا جنازہ بھی آپ نے ہی پڑھایا۔

☆ 1990ء میں آپ نے "حج قِران" کی سعادت عظمیٰ حاصل کی۔

☆ 1990ء میں آپ کو شیخ ''اسامہ بن لادن'' نے خط لکھا۔

☆ 1990ء میں آپ نے ''جمعیۃ علماء اسلام'' اور دیگر جماعتوں سے بیماریوں اور کچھ پالیسیوں کی وجہ سے علیحدگی اختیار کر لی، بعد ازاں آپ ''مجلس علماء اسلام'' کے نام سے دینی جماعتوں کے ایک ''متحدہ محاذ'' کے امیر منتخب ہوئے۔

☆ 1992ء میں آپ کی کتاب "خزائن السنن " شائع ہوئی، بعد ازاں اس کا مقدمہ "دفائن السنن " بھی آپ نے لکھا۔

☆ 1992ء میں آپ نے اپنا ذاتی ''مکتبہ صفدریہ'' قائم فرمایا اس سے قبل آپ کی اکثر کتب ''ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم'' سے اور کچھ کتب ''انجمن اسلامیہ'' گکھڑ سے طبع ہوتی تھیں۔

☆ 1992ء میں آپ نے ''جمعیۃ علماء اسلام'' اور ''سپاہِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے کارکنوں کے نام دو خطوط لکھے جو ''نصیحت انگیز مکتوب گرامی'' کے نام سے مطبوعہ ہیں، جس میں انہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایام سرکاری طور پر منانے کے مطالبہ پر تنبیہ فرمائی ۔[تفصیل خادم کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں[خادم،حمزہ])

☆ 1992ء میں برنس روڈ کراچی میں منعقدہ علماء کرام وعوام الناس کے ایک فقید المثال اجتماع نے آپ کی ہمہ جہت دینی خدمات اور تحقیقات کی بناء پر متفقہ طور پر ''امام اہل سنت'' کے لقب کا حقدار قرار دیا گیا۔

☆ 1993ء کے لگ بھگ شر پسندوں نے آپ کو تحریری طور پر قتل کی دھمکیاں دیں۔

☆ 1995ء میں آپ نے ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' کے آغاز کے لیے احقر کی فرمائش پر اس کا پہلا مضمون ''دعوت الی اللہ کی ضرورت ،اہمیت اور چند اصول'' لکھا اس کے بعد کئی اور مضامین بھی لکھے۔

☆ 1995ء میں آپ نے جنوبی افریقہ کا دورہ کیا، جنوبی افریقہ کا دورہ آپ نے دو دفعہ کیا ہے، اسی سفر میں آپ ابوظہبی متحدہ عرب امارات میں بھی گئے۔

☆ 1995ء میں آپ نے کوئٹہ کا سفر کیا۔

☆ 1995ء میں آپ نے افغانستان کا سفر کیا اور قندھار میں امیر المؤمنین ملا ''محمد عمر مجاہد''، گورنر قندھار اور دیگر عہدیداران سے ملاقات کی۔

☆ 1996ء میں آپ نے ''توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام'' نامی کتاب تالیف فرمائی، یہ آپ کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی آخری کتاب ہے۔

☆ 1996ء میں آپ نے آخری بار مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' میں تعطیلات شعبان، رمضان میں ''دورۂ تفسیر'' پڑھایا۔

☆ 1996ء میں آپ کی بھانجی اخت مولانا سید رحمت شاہ رحمہ اللہ نے لمبی مانسہرہ میں انتقال فرمایا۔

☆ 1996ء میں آپ کی پوتی ''خُلیدہ'' بنت مولانا قاری عزیز الرحمٰن شاہد نے ڈیڑھ سال کی عمر میں گکھڑ میں انتقال فرمایا۔

☆ 1997ء میں آپ نے بنگلہ دیش کا سفر کیا، اس سے قبل بھی آپ نے دو دفعہ بنگلہ دیش کا دورہ کیا ایک دفعہ ''جمعیۃ علمائے اسلام'' کے مرکزی وفد کے ساتھ اور دوسری بار تبلیغی دورہ کیا بنگلہ دیش کا تین بار سفر کیا۔

☆ 1998ء میں آپ کی دوسری خوشدامن قاری ''سخی سلطان'' کی والدہ نے ''کورے''، ضلع مانسہرہ

میں انتقال فرمایا۔

☆ 1998ء میں آپ کے برادرِ نسبتی ''قاری محمد امین'' رحمہ اللہ ''کورے'' ضلع مانسہرہ میں فوت ہوئے۔

☆ 1999ء میں آپ نے علالت کے باعث مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' سے استعفیٰ دینا چاہا لیکن قبول نہ کیا گیا۔

☆ 2000ء میں آپ نے مدرسہ نصرۃ العلوم میں بخاری شریف جلد اول آخری بار پڑھائی۔

☆ 2000ء میں آپ کے تیسرے نمبر کے صاحب زادے حافظ ''محمد اشرف خان ماجد'' رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا۔

☆ 2000ء میں آپ کے پوتے ''محمد اکمل'' بن ماجد، کار ایکسیڈنٹ میں زخمی ہونے کے بعد وفات پا گئے۔

☆ 2000ء کے بعد آپ کی دونوں آنکھوں کا آپریشن ہوا۔

☆ 2001ء تک آپکا معمول رہا کہ تمام ''طلباء مدرسہ'' کی جنرل حاضری خود لگاتے اور حاضری سے پہلے ترجمہ وتفسیر کا درس ہوتا، جو دو سال میں مکمل ہوتا۔

☆ 2001ء میں آپنے آخری بار مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' ''بـــخـــاری'' جلد ثانی پڑھائی اور دورانِ تدریس ہی بیمار ہو گئے یوں آپ نے مسلسل چالیس سال "بخاری" شریف پڑھائی۔

☆ 2001ء میں آپ کے ایک پہلو پر فالج کا حملہ ہوا، اور آپ صاحبِ فراش ہو گئے۔

☆ 2001ء میں آپ کی بڑی ہمشیرہ حکم جان المعروفہ ''دِدّے'' نے لمبی ضلع مانسہرہ میں انتقال فرمایا یہ آپ سے بڑی تھیں ان کی ولادت 1912ء ہے

☆ 2001ء میں آپ نے علالت کے باعث مدرسہ نصرۃ العلوم سے سبکدوشی اختیار فرمالی تاہم آخر تک سرپرستی فرماتے رہے۔

☆ 2001ء میں اہل مدرسہ کی جانب سے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا زاہد الراشدی انکی جگہ صدر مدرس، ناظم تعلیمات اور شیخ الحدیث والتفسیر کے منصب پر فائز ہوئے۔

☆ ۲۰۰۱ء میں آپ نے ۳۵ رسال بعد سرگودہا کا سفر کیا، جس میں آپ نے خادم کی حفظ قرآن کی تقریب میں شرکت فرمائی۔ [خادم، حمزہ]

☆ 2002ء میں آپ نے عمرہ کی سعادت حاصل کی۔

☆ 2002ء میں آپ کا پہلا پڑپوتا ''محمد طلال خان'' بن حافظ ''محمد عمار ناصر'' پیدا ہوا۔

☆ ۲۰۰۲ء الیکشن میں آپ نے دینی جماعتوں کے اتحاد ''متحدہ مجلس عمل'' کی حمایت فرمائی۔[خادم، حمزہ]

☆ 2002ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرة الجنان فی فهم القرآن ''کی پہلی جلد طبع ہوئی یہ گکھڑ میں فجر کی نماز کے بعد دیے گئے عوامی دروس ہیں۔جنہیں پنجابی سے اردو قالب میں ڈھالا گیا ہے،اس کا نام حضرت رحمہ اللہ نے خود ہی تجویز فرمایا۔

☆ 2002ء کے لگ بھگ آپ نے سلسلہ نقشبندیہ میں اپنے بڑے صاحبزادے سمیت کئی علماء کرام کو خلافت عطا فرمائی۔(فہرست خادم کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔[خادم،حمزہ])

☆ 2003ء تک آپ جامع مسجد ''اہل السنۃ'' بوہڑ والی گکھڑ میں خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، پھرانکی علالت کے باعث ان کے صاحبزادے مولانا قاری حماد الزہراوی خطیب مقرر ہوئے۔

☆ 15 اگست 2003ء فالج کا شدید حملہ ہوا۔

☆ ۲۴ر دسمبر ۲۰۰۳ء آخری بار حج بیت اللہ شریف کے لیے تشریف لے گئے، ۶ر فروری ۲۰۰۴ء کو واپسی ہوئی۔[خادم،حمزہ]

☆ 2003ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرة الجنان فی فهم القرآن ''کی دوسری جلد طبع ہوئی۔

☆ 2003ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرة الجنان فی فهم القرآن ''کی تیسری جلد طبع ہوئی۔

☆ ۲۸ر فروری ۲۰۰۴ء ایک طویل عرصہ بعد اپنے آبائی علاقہ مانسہرہ، شنکیاری، اچھڑیاں اور بٹگرام کے سفر پر روانہ ہوئے، ۷ر مارچ ۲۰۰۴ء کو واپسی ہوئی۔[خادم،حمزہ]

☆ ۱۴ر مارچ ۲۰۰۴ء علالت وضعف کے باوجود ''سنی کانفرنس''،بھیں (ضلع چکوال) میں شرکت فرمائی اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ کے مزار پر تشریف لے گئے۔[خادم،حمزہ]

☆ ۵ر اپریل ۲۰۰۴ء لاہور کا سفر کیا، جس میں جامعہ مدنیہ جدید، تبلیغی مرکز رائے ونڈ اور دیگر مقامات پر تشریف لے گئے، اور حضرات سے ملاقات کی، حضرت حاجی عبد الوہاب مدظلہ نے آپ کی آمد کی خبر سنی تو ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے کمرے سے باہر تشریف لائے، اور فرمایا کہ حضرت! آپ مجھے حکم دیتے میں حاضر ہو جاتا، داداجان رحمہ اللہ گاڑی میں ہی تشریف فرما رہے، تھوڑی دیر ملاقات کے بعد واپس تشریف لے گئے۔[خادم،حمزہ]

☆ ۱۱ر اپریل ۲۰۰۴ء گوجرانوالہ تشریف لے گئے، جہاں آپ نے چوک حیات النبی، اسعد کالونی اور اجمل ٹاؤن میں مختلف اجتماعات میں شرکت فرمائی۔[خادم،حمزہ]

☆ یکم مئی ۲۰۰۴ء بروز ہفتہ: باغ آزاد کشمیر میں منعقدہ ''خدمات دیوبند کانفرنس'' میں شرکت فرمائی، بعدازاں شہید ختم نبوت مولانا مفتی محمد جمیل خان رحمہ اللہ کی دعوت پر گلگت وسکردو وغیرہ کا ایک طویل سفر کیا جس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔۲ر مئی: مری، ایبٹ آباد، پشاور۔۳ر مئی: بابوزئی، مردان، نگرلسٹ (چترال)۔ ۴ر مئی: چترال شہر، پھنڈر۔۵ر مئی: غذر، گلگت۔۶ر مئی: جگلوٹ (یہاں دادا جان نے جہاد کی تیاری کی غرض سے کلاشن بھی چلائی۔)۔۷ر مئی: سکردو، صدپارہ جھیل، شنگھر یلا جھیل۔ ۸ر مئی: چلاس۔ ۹ر مئی: بشام، بٹگرام، حاجی آباد، کورے۔۱۰ر مئی: اچھڑیاں۔۱۱ر مئی: واپسی گکھڑ[خادم،حمزہ]

☆ ۱۸ر جون ۲۰۰۴ء سفیر ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کی آخری بار تشریف آوری، حضرت چنیوٹی رحمہ اللہ نے جاتے ہوئے کچھ رقم ہدیۃً پیش کی تو انکار فرمادیا، اصرار کیا تو مجھے بُلا کر فرمایا یہ سنبھال لو! برکت والے پیسے ہیں۔[خادم،حمزہ]

☆ ۲۶ر نومبر ۲۰۰۴ء حضرت صوفی صاحب آپ سے ملاقات کے لیے گکھڑ تشریف لائے۔

[خادم،حمزہ]

☆ 2004ء کے لگ بھگ آپ نے علماء کے اس وفد کی قیادت کی جو تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین سے رائیونڈ میں ملا، بعض تبلیغی مبلغ حضرات کے جہاد، مدارس، علماء اور دیگر کئی دینی شعبہ جات کیخلاف بیان بازی کے بارے میں ان سے مفصل بات کی۔

☆ 2004ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن'' کی چوتھی جلد طبع ہوئی۔

☆ 2005ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن'' کی پانچویں جلد طبع ہوئی۔

☆ ۵ر مارچ ۲۰۰۵ء ''شیخ الاسلام سیمینار'' بہاولپور میں شرکت کے لیے بہاولپور کا سفر کیا، بعدازاں دیگر مقامات پر بھی تشریف لے گئے، تفصیل ملاحظہ ہو

۵ر مارچ: بہاولپور۔ ۶ر مارچ: ''شیخ الاسلام سیمینار''۔ ۷ر مارچ: صبح ''دارالعلوم مدنیہ'' بہاولپور، مدرسہ تعلیم القرآن، بہاولپور اور دیگر مدارس میں بھی تشریف لے گئے۔ پھر رحیم یار خان، ''امام اہل سنت سیمینار''، (رحیم یار خان کے بھی بہت سے مدارس میں تشریف لے گئے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں مولانا عبدالغنی طارق کا مضمون) شام خانپور گئے، رات ''جامعہ مخزن العلوم'' میں قیام فرمایا۔۸ر: صبح دین پور شریف، دن کو [قاری حیدر علی صاحب کی دعوت پر اُن کے گھر]۸۹ چک، بوقت ظہر ''جامعہ حبیب المدارس'' علی پور، یا کیوالی (مظفر گڑھ)، رات ''جامعہ خالد بن ولید'' ٹھنگی کالونی وہاڑی۔۹ر: صبح ''گول چوک مسجد'' اوکاڑہ، بوقت ظہر اعوان ٹاؤن لاہور، رات واپس گکھڑ۔[خادمِ حمزہ]

☆ ۲۵/اگست ۲۰۰۵ء ''جامعہ مفتاح العلوم'' سرگودہا کی سالانہ تقریبِ ختم بخاری میں شرکت فرمائی جہاں شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اور مولانا عبدالجلیل مدظلہ وغیرہم نے بھی شرکت فرمائی، آپ نے اپنے اُستادزادہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور مولانا عبدالجلیل رائے پوری مدظلہ سے گفتگو فرمائی، ملاحظہ ہو: داداجان رحمہ اللہ نے پوچھا آپ نے دورہ کب کیا؟ فرمایا ۴۰، ۴۱ء میں، پوچھا کہاں؟ فرمایا ''سہارنپور میں، پوچھا آپ نے بڑے حضرت رائے پوری کی زیارت کی؟ فرمایا جی ہاں، (دوبارہ وضاحت سے) پوچھا مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ کی؟ فرمایا جی ہاں، پھر مولانا رائے پوری نے سوالات کیے، آپ نے جوابات مرحمت فرمائے، اور اپنے بارے میں تفصیل بتائی۔[خادم، حمزہ]

☆ ۱۲/مارچ ۲۰۰۶ء ''تحفظ ناموسِ رسالت کانفرنس'' منعقدہ مدرسہ حیات النبی گجرات میں شرکت فرمائی، یہ آپ کا گجرات کا آخری سفر تھا، اس کے بعد تشریف نہ لے جاسکے۔[خادم، حمزہ]

☆ 2006ء میں آپ نے آخری عمرہ کی سعادت حاصل کی۔

☆ 2007ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرة الجنان فی فهم القرآن'' کی چھٹی جلد طبع ہوئی۔

☆ 2007ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرة الجنان فی فهم القرآن'' کی ساتویں جلد طبع ہوئی۔

☆ 2007ء میں ''خطبات امام اهل السنة'' تین جلدوں میں طبع ہوئے۔

☆ 2008ء میں آپ کی تفسیر ''ذخیرة الجنان فی فهم القرآن'' کی آٹھویں جلد طبع ہوئی، یہ آپ کی زندگی میں آپ کی آخری کتاب طبع ہوئی۔

☆ 2008ء 6 اپریل کو آپ کے چھوٹے بھائی مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی ''عبدالحمید خان سواتی'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

☆ 2009ء میں آپ کے دوسرے نمبر کے داماد قاری ''خبیب احمد عمر'' رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

☆ 2009ء میں آپ کی وفات سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے گفتگو اور کھانا پینا چھوٹ گیا تھا۔

☆ 2009ء 5 مئی بمطابق 9 جمادی الاول 1430ھ بروز منگل رات سوا ایک بجے آپ اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرماگئے، انا لله وانا اليه راجعون، لاکھوں افراد نے ڈی سی سکول گکھڑ منڈی کے گراؤنڈ میں آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور گکھڑ کے قدیمی قبرستان میں سپردِ خاک کیے گئے۔

علم و عمل، بذل و بخت، حکمت، کلام و اتقاء　　　دست قضاء نے آہ سب کو بے سروپا کر دیا

باب 3

اباجی رحمہ اللہ تعالیٰ

اعزہ واقارب، اولاد واحفاد

کے

مضامین وتاثرات، واقعات ویادداشتیں

اپنی لکھی ہوئی درد بھری داستان جو ''مفسر قرآن نمبر'' میں ''میں اور صوفی'' کے عنوان سے چھپی تھی وہ بلا مبالغہ مجھ سے تین مرتبہ سنی تھی، اور ہر مرتبہ جہاں ان کی والدہ مرحومہ کا تذکرہ آتا وہاں اُن کی آنکھوں میں آنسو آجاتے، مجھے ماں کی قدر و اہمیت ان آنسوؤں نے بتائی تھی جس سے میں پہلے نا آشنا تھا۔(عبدالرحمٰن خان انس [گجرات])
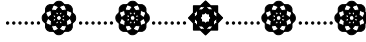
حضرت نانا جی رحمہ اللہ کی زندگی میں ہم لوگ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوتے، کسی سفر پر یا کسی بھی فیلڈ میں کام کر رہے ہوتے تو ہمیں قطعاً کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی، کیونکہ نانا ابو کی دعائیں ہمیشہ ہمارے سروں پر سائبان کی طرح رہتی تھیں، اور ہم مطمئن سے رہتے تھے اور ہر امتحان میں بلا جھجک شریک ہو جایا کرتے تھے، لیکن اب ان کی وفات کے بعد ایک چھوٹے سے سفر اور معمولی سے کام کے لیے بھی خوب اچھی طرح سوچ بچار کرنے کے بعد فیصلہ کرتا ہوں اور پھر دعائیں پڑھ کر اللہ کو یاد کرتا ہوا نکلتا ہوں یا کام کا آغاز کرتا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ نانا ابو کی وہ دعائیں جو ہمہ وقت، ہر مقام پر ہمارے ساتھ ہوا کرتی تھیں اور ان کی وجہ سے ہمارے دل کو تسلی ہوتی تھی، اب نہیں ہیں۔(ڈاکٹر سبیل رضوان [برطانیہ])

مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

مسلکی اختلافات اور امام اہل سنت رحمہ اللہ کا ذوق و مزاج

آج کی نشست میں، میں مسلکی اختلافات و معاملات کے حوالے سے والد محترم، امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ذوق وفکر اور طرز عمل کا ایک سرسری خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، اس لیے کہ گزشتہ نصف صدی کے دوران پورے برصغیر میں حضرت والد محترم کو علماء دیو بند کے مسلکی ترجمان کی حیثیت حاصل رہی ہے اور پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کے دیو بندی علما انھیں اپنا مسلکی اور علمی راہ نما سمجھتے آ رہے ہیں۔

مسلکی اختلافات اور ان کے حوالے سے طرز فکر اور راہ عمل کے سلسلے میں حضرت والد محترم کے ذوق واسلوب کو دو حصوں میں تقسیم کروں گا:

۱)......موجودہ معروضی حالات میں مسلکی اختلافات کے بارے میں ان کا اصولی موقف کیا تھا؟

۲)......دوسرے مسالک کے حضرات کے ساتھ ان کے معاشرتی تعلقات و معاملات کی نوعیت کیا تھی؟

اس وقت کے موجودہ معروضی حالات میں مسلکی تقسیم کو مندرجہ ذیل دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

......سنی شیعہ اختلافات

......دیو بندی بریلوی اختلافات

......حنفی اہل حدیث اختلافات

......جماعت اسلامی کے ساتھ اختلافات

......حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع موتی کا تنازعہ۔

☆......سنی شیعہ اختلافات کے حوالے سے حضرت والد محترم کا موقف یہ تھا کہ یہ اصولی اختلافات ہیں اور ان کا تعلق ایمان وعقیدہ سے ہے۔ انھوں نے اس پر ''ارشاد الشیعہ'' کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے اس موقف کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ وہ اہل تشیع کی اور ان میں سے خاص طور پر اثنا عشریہ کی تکفیر کرتے تھے، اس سلسلے میں ان کے موقف میں کوئی لچک نہیں تھی۔ جن تحفظات کا ہم اظہار کرتے ہیں، وہ ان کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔

☆......دیوبندی بریلوی اختلافات کے حوالے سے بھی ان کا موقف یہ تھا کہ یہ عقائد کے اختلافات ہیں اور اصولی اختلافات ہیں۔ انھوں نے ان اختلافات کے ہر پہلو پر کتابیں لکھی ہیں اور تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں۔ ان اختلافات کی تنقیح و توضیح میں وہ جس گہرائی تک گئے ہیں، وہ انھی کا امتیاز ہے اور یہی انھیں دیوبندیوں کا علمی ترجمان قرار دیے جانے کی ایک بڑی وجہ ہے۔

دیوبندی بریلوی اختلافات کو کم کرنے اور باہمی مفاہمت کا ماحول پیدا کرنے کے لیے مختلف مواقع پر کوششیں ہوئی ہیں اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، حضرت مولانا سید حامد میاںؒ اور حضرت مولانا عبید اللہ انور جیسی شخصیات بھی ان مساعی کا حصہ رہی ہیں۔ عام طور پر اس سلسلے میں جب بات ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اصل تنازعہ اکابر علماء دیوبند کی چند مبینہ طور پر متنازعہ عبارات ہیں جن پر مولانا احمد رضا خان اور ان کے رفقا نے علماء دیوبند کی تکفیر کی ہے۔ اگر ان عبارات کو حذف کر دیا جائے یا ان سے براءت کا اظہار کر دیا جائے یا ان کی فریقین کے اتفاق سے کوئی متفقہ تاویل و تعبیر کر دی جائے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت والد محترم کا موقف اس سے مختلف تھا۔ وہ یہ فرماتے تھے کہ:

o تنازعہ صرف چند عبارات کا نہیں بلکہ عقائد اور ان کی تعبیرات کا بھی ہے، اس لیے عبارات کے ساتھ ساتھ متنازعہ عقائد اور ان کی تعبیرات پر بھی بات ہونی چاہیے۔

o عبارات میں صرف یک طرفہ طور پر علماء دیوبند کی عبارات مابہ النزاع نہیں ہیں، بلکہ اسی نوعیت کی بریلوی علماء کی بعض عبارات پر بھی اختلاف ہے، اس لیے عبارات کے حوالے سے گفتگو دوطرفہ بنیاد پر ہونی چاہیے۔

اس سلسلے میں مولانا عبد الستار خان نیازی نے ایک بار دیوبندی بریلوی اتحاد کے لیے چار نکاتی فارمولا پیش کیا تھا جس پر میں نے حضرت والد محترم سے بات کی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس بارے میں خود ان کی مولانا عبد الستار خان نیازی کے ساتھ حرم مکہ میں گفتگو ہوئی تھی اور انھوں نے نیازی صاحب سے کہا تھا کہ معاملہ صرف ایک طرف کی عبارات کا نہیں، بلکہ دوسری طرف کی عبارات بھی مابہ النزاع ہیں، اس لیے اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ علماء دیوبند کی متنازعہ عبارات کی نشان دہی کریں اور ہم بریلوی علماء کی متنازعہ عبارات کی نشان دہی کرتے ہیں اور ان پر آپس میں بیٹھ کر خالص علمی ماحول میں گفتگو کر لیتے ہیں اور درمیان میں ہائی کورٹ کے جج صاحبان کا ایک پینل بٹھا لیتے ہیں۔ ہم جن عبارات پر اس پینل کی موجودگی مں آپ حضرات کو مطمئن نہ کر سکے، ان پر ہم نظر ثانی کر لیں گے اور جن عبارات پر آپ حضرات ہمیں مطمئن نہ کر

سکے، ان سے آپ کو براءت کرنا ہوگی۔ اس پر مولانا نیازی نے وطن واپس پہنچ کر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کے بعد جواب دینے کا وعدہ کیا لیکن اس کی تکمیل کی نوبت نہ آ سکی۔

یہ بات جو حضرت والد محترم نے مجھے زبانی طور پر فرمائی تھی، بعد میں میرے نام ایک خط میں بھی انھوں نے لکھ دی جو ان کی یاد میں شائع ہونے والی ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ کی خصوصی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

☆......حنفی اہل حدیث اختلافات بھی حضرت والد محترم کی تدریس وتصنیف کا مستقل موضوع رہے ہیں اور وہ نہ صرف ترمذی شریف کی تدریس میں ان مباحث پر باحوالہ تحقیقی گفتگو کرتے تھے بلکہ ان میں سے بہت سے مسائل پر انھوں نے مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، لیکن یہ تنازعہ ان کے نزدیک دیوبندی بریلوی تنازعہ کی طرح اصولی نہیں تھا بلکہ وہ ان مسائل کو فروعی مسائل کا درجہ دیتے تھے۔ حضرت والد محترمؒ کے شاگرد مولانا حافظ محمد یوسف (الشریعہ اکادمی گوجرانوالہ) نے اپنے ایک مضمون میں جو ''امام اہل سنت کی قرآنی خدمات اور تفسیری ذوق'' کے عنوان سے الشریعہ کی خصوصی اشاعت میں شائع ہوا ہے، جامعہ نصرۃ العلوم میں سالانہ دورۂ تفسیر کے آغاز کے موقع پر حضرت امام اہل سنت کے خطاب کا ایک پورا اقتباس یوں درج کیا ہے کہ:

> ''قرآن کریم کی تفسیر میں ہم ان مسائل کو نہیں چھیڑیں گے جو فروعی مسائل کہلاتے ہیں، کیونکہ اتنا وقت نہیں ہوتا۔ اگر ہم یہ بحث شروع کر دیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں پڑھنی، آمین جہر کے ساتھ ہے یا سر کے ساتھ تو مہینہ اسی میں گزر جائے گا۔''

یعنی اہل حدیث حضرات کے اعتراضات کے جواب میں وہ حنفی موقف کی مدلل وضاحت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے، لیکن ان اختلافات کا درجہ ان کے نزدیک عقیدہ اور اصول کے اختلاف کا نہیں تھا اور وہ اسی درجے میں ان مسائل پر بات کرتے تھے۔

☆......جماعت اسلامی کے ساتھ اختلافات میں وہ جمہور کے ساتھ تھے اور ہر ضروری موقع پر جمہور اہل سنت کے موقف کی ترجمانی اور وضاحت کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک اہم واقعہ بھی ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں۔

یہ اس دور کی بات ہے جب جمعیۃ علماء اسلام درخواستی گروپ اور فضل الرحمٰن گروپ کے نام سے دو دھڑوں میں تقسیم تھی۔ ایک دھڑے کے امیر حضرت درخواستی اور دوسرے کے امیر حضرت مولانا سید حامد میاں تھے۔ لاہور میں حضرت درخواستی کے نائب امیر کے طور پر حضرت مولانا محمد اجمل خان جماعتی

قیادت کی ذمہ داریاں سرانجام دیتے تھے، جبکہ قاضی حسین احمد صاحب جماعت اسلامی کے قیم (سیکرٹری جنرل) ہوا کرتے تھے۔ قاضی صاحب محترم نے حضرت مولانا سید حامد میاں اور حضرت مولانا محمد اجمل خان سے رابطہ قائم کر کے یہ پیش کش کی کہ مولانا مودودی کی جن عبارات پر علماء اہل سنت کو اعتراض ہے، ان کے بارے میں ہم جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ میں قرارداد منظور کر دیتے ہیں کہ یہ مولانا مودودی کی ذاتی آرا ہیں، جماعت اسلامی کا بحیثیت جماعت یہ موقف نہیں ہے اور جماعت اسلامی اس حوالے سے وہی موقف رکھتی ہے جو جمہور اہل سنت کا ہے۔ اگر ہم یہ قرارداد کر دیں تو کیا جمعیۃ علماء اسلام ہمارے ساتھ مذہبی اختلاف ختم کرنے کا اعلان کر سکتی ہے؟

دونوں بزرگوں یعنی حضرت مولانا سید حامد میاں اور حضرت مولانا محمد اجمل خان نے باہمی مشورہ سے راقم الحروف کے ذمے لگایا کہ میں اس سلسلے میں تین بزرگوں یعنی حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ سے بات کر کے ان کا موقف معلوم کروں، اس کی روشنی میں ہم فیصلہ کریں گے۔ میں نے تینوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہو کر بات کی۔ تینوں بزرگوں کا جواب مختلف تھا۔ حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے فرمایا کہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کو اپنی قرارداد میں مولانا مودودی کی عبارات کے ساتھ ساتھ خود مولانا مودودی کے بارے میں بھی اپنے موقف کا اظہار کرنا ہوگا۔ والد محترم نے فرمایا کہ اگر جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ قرارداد منظور کر کے مولانا مودودی کی متنازعہ عبارات سے براءت کا اعلان کر دیتی ہے تو ہمارے پاس اختلافات کو باقی رکھنے کا کوئی شرعی اور اخلاقی جواز باقی نہیں رہ جائے گا۔ جبکہ حضرت علامہ خالد محمود نے فرمایا کہ خالی قرارداد سے بات نہیں بنے گی، اس لیے کہ اصل تنازعہ جماعت اسلامی کے دستور کی اس دفعہ سے شروع ہوا تھا جس میں جماعت اسلامی کا رکن بننے کے لیے پر کیے جانے والے حلف نامے میں موجود یہ اقرار نامہ تھا کہ وہ ''رسول خدا کے سوا کسی کو معیار حق نہیں سمجھے گا، کسی کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھے گا اور کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہیں ہوگا۔''

اس اقرار نامے پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے اعتراض کیا تھا کہ اس میں صحابہ کرام کے معیار حق ہونے اور ان کے تنقید سے بالاتر ہونے کی نفی کی گئی ہے اور ذہنی غلامی کے نام سے تقلید کو رد کیا گیا ہے جبکہ صحابہ کرام کا معیار حق اور تنقید سے بالاتر ہونا اہل سنت کے مسلمات میں سے ہے۔ علامہ خالد محمود صاحب کا ارشاد یہ تھا کہ جب تک دستور میں یہ شق موجود ہے، جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کی قرارداد کے باوجود اصل تنازعہ باقی رہے گا، اس لیے اگر جماعت اسلامی دینی حلقوں کے ساتھ مصالحت چاہتی ہے تو

قرارداد کے ساتھ دستور کی اس شق میں بھی ترمیم کرے، ورنہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

میں نے یہ رپورٹ جمعیۃ علماء اسلام کے دونوں بزرگوں کو پیش کی تو انھوں نے حضرت علامہ خالد محمود صاحب کی رائے سے اتفاق کیا اور میری ہی ڈیوٹی لگائی کہ میں قاضی حسین احمد صاحب کو یہ بات پہنچا دوں۔ قاضی صاحب محترم نے یہ بات سن کر فرمایا کہ میں مجلس شوریٰ میں قرارداد تو کروا سکتا ہوں، مگر دستور میں ترمیم کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ اس پر یہ گفتگو اس وقت آگے نہ بڑھ سکی۔ بعد میں اس گفتگو کے اور مراحل بھی آئے جن کا ذکر کسی اور مضمون میں تفصیل سے کروں گا، لیکن تازہ صورت حال یہ ہے کہ میری معلومات کے مطابق جماعت اسلامی کی موجودہ مجلس شوریٰ نے اس دستوری دفعہ میں ترمیم کا اصولی طور پر فیصلہ کر لیا ہے اور اس کے لیے باقاعدہ کمیٹی بنا دی گئی ہے۔ خدا کرے کہ کوئی بہتر صورت نکل آئے۔ آمین یا رب العالمین۔

☆...... جہاں تک سماع موتی، حیات النبی اور ان کے ساتھ چند دیگر مسائل کا تعلق ہے تو والد محترم نے ان مسائل پر بھی تفصیلی گفتگو کی ہے بلکہ جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اپنے جماعتی موقف کا تعین حضرت والد محترم کے ذمے لگایا تھا جس پر انھوں نے ''تسکین الصدور'' نامی کتاب لکھی اور اکابر جمعیۃ علماء اسلام حضرت مولانا مفتی محمود، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری اور حضرت مولانا شمس الحق افغانی نے اسے حرف بہ حرف سن کر اس کی تصدیق کی اور اسے جمعیۃ اسلام کا جماعتی موقف قرار دیا۔ حضرت والد محترم کا موقف یہ تھا کہ عام اموات کے سماع میں امت کے اہل علم میں شروع سے اختلاف چلا آ رہا ہے اور دونوں طرف دلائل موجود ہیں، اس لیے جس کا جس موقف پر اطمینان ہو، وہ وہی موقف رکھے لیکن اسے دوسرے موقف والوں کی تکفیر، تضلیل اور تحقیر کا حق نہیں ہے۔ البتہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قبر میں حیات پر اہل السنۃ والجماعۃ کا شروع سے اتفاق چلا آ رہا ہے، اس لیے اس کا انکار اہل السنۃ کے اجماعی موقف سے انحراف ہے۔

یہ میں نے ایک ہلکا سا خاکہ موجودہ معروضی صورت حال میں فرقہ وارانہ اختلافات کے حوالے سے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے موقف کے بارے میں پیش کیا ہے اور کم وبیش یہی موقف ان مسائل کے بارے میں حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی کا بھی تھا۔ لیکن مختلف سطح پر ان اختلافات کے باوجود دوسرے مکاتب فکر کے اہل علم کے ساتھ ان کے معاشرتی تعلقات کی صورت حال یہ تھی کہ شیعہ اور بریلوی حضرات کے ساتھ کسی اشد مجبوری کے سوا ان کا رابطہ وتعلق نہیں ہوتا تھا، جبکہ اہل حدیث حضرات کے ساتھ ان کے روابط رہتے تھے۔ حضرت مولانا قاضی شمس الدینؒ کے جنازے میں بھی دونوں بزرگوں نے شرکت کی

ہے۔(مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ حیات النبی کے منکر نہیں تھے۔ چنانچہ حضرت دادا جان رحمہ اللہ نے خود بندہ کو بتایا تھا کہ اُن کا اپنا عقیدہ تو ٹھیک تھا، لیکن ساتھ مماتیوں کا دیتے تھے۔[خادم، حمزہ]) بلکہ حضرت قاضی صاحب کی وفات سے چند دن قبل حضرت والد محترم ان کی عیادت کے لیے گئے تو میں اور عزیزم عمار ناصر بھی ہمراہ تھے۔ میں نے اس موقع پر قاضی صاحب سے عرض کیا کہ ''حضرت! تین پشتیں حاضر ہیں'' تو حضرت قاضی صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب مدظلہ حضرت والد محترم کی عیادت کے لیے متعدد بار گکھڑ گئے ہیں اور علالت کے باوجود جنازے کے لیے بھی گکھڑ پہنچے ہیں۔ حضرت والد محترم بھی ایک موقع پر قلعہ دیدار سنگھ کے ایک سفر میں قاضی صاحب محترم سے ملاقات کے لیے ان کے گھر گئے ہیں۔ حضرت مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب کی والدہ محترمہ کا جنازہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے پڑھایا ہے۔

حیات النبی کے مسئلے کے سلسلے میں ایک بات اور بھی عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ چند سال قبل علاقہ چھچھ کے علماء کرام نے حضرو کے حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ کی راہ نمائی میں اس تنازعہ کے حل کے لیے کوشش کی اور اس کے لیے یہ راستہ اختیار کیا کہ ایک موقع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے پاکستان تشریف لا کر راول پنڈی میں دونوں طرف کے بزرگوں کو جمع کر کے ایک متفقہ تحریر لکھوائی تھی جس پر دونوں طرف کے ذمہ دار حضرات نے دستخط کر دیے تھے، لیکن بعد میں یہ اتفاق قائم نہ رہ سکا۔ مولانا عبدالسلام صاحب اور ان کے رفقا نے اس تحریر پر دوبارہ دستخط کرانے کی مہم شروع کی۔ اس پر شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن نے میری رائے دریافت کی کہ کیا اس تحریر پر دستخط سے مسئلہ حل ہو جائے گا؟ میں نے عرض کیا کہ ذاتی طور پر تو میرے نزدیک مسئلہ حل ہو جانا چاہیے، لیکن حضرت والد محترم سے بات کرنے کے بعد ہی حتمی طور پر کچھ عرض کر سکوں گا۔ چنانچہ میں نے اس پر حضرت والد محترم سے بات کی تو انھوں نے کھلے دل سے فرمایا کہ جو حضرات، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی والی تحریر پر دستخط کر دیں گے، ان سے ہمارا کوئی اختلاف باقی نہیں رہے گا۔ میں نے یہ بات مولانا قاری سعید الرحمٰن کو بتائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس کے بعد مولانا عبدالسلام کی قیادت میں علاقہ چھچھ کے بہت سے علماء کرام نے اس تحریر پر دستخط کر کے اس کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

آخر میں ان دونوں بزرگوں کے حوالے سے اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مسلکی اختلافات کے اظہار میں ان دونوں بزرگوں نے ہمیشہ تصنیف اور تدریس کو ہی ذریعہ بنایا ہے اور ان دو دائروں سے

ہٹ کر عام جلسوں، جمعۃ المبارک کے خطبات اور مسجد میں دیے جانے والے عام دروس میں مسلکی اختلافات پر، خواہ وہ دیوبندی بریلوی ہوں، حنفی اہل حدیث ہوں یا حیات النبی کا مسئلہ ہو، گفتگو سے ہمیشہ گریز کیا ہے۔ جہاں ضروری ہوا ہے، وہاں مسئلہ کی وضاحت ضرور کی ہے اور اس کے دلائل بھی پیش کیے ہیں، لیکن کسی اختلافی مسئلے کو موضوع بنا کر خطبہ جمعہ، پبلک اجتماع کی تقریر یا عمومی درس میں بات نہیں کی۔ اگر کوئی دوست ان بزرگوں کے طرز عمل کا جائزہ لینا چاہیں تو دونوں بزرگوں کے خطبات جمعہ اور عمومی دروس کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان خطبات اور دروس کے مرکزی اور ذیلی عنوانات کی فہرست پر نظر ڈال لیں۔ اختلافی مسائل کا تناسب شاید کھینچ تان کر بمشکل پانچ فی صد تک پہنچ جاتا ہو، ورنہ ان کے خطبات جمعہ اور عمومی درس کے موضوعات اصلاحی مضامین اور مثبت انداز میں عقائد واعمال کی اصلاح کے حوالے سے ہوتے تھے۔

اس سلسلے میں یہ واقعہ ایک سابقہ مضمون میں ذکر کر چکا ہوں کہ ایک مجلس میں گکھڑ کے ایک جدید تعلیم یافتہ دوست نے حضرت والد محترم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ فرقہ وارانہ اختلافات میں نہیں پڑتے تھے اور مثبت انداز میں لوگوں کی دینی راہ نمائی کرتے تھے۔ ان صاحب کے چلے جانے کے بعد حضرت کے ایک شاگرد نے مجھ سے سوال کیا کہ یہ صاحب کیا کہہ رہے تھے؟ اگر حضرت امام اہل سنت فرقہ وارانہ اختلافات میں نہیں پڑتے تھے تو اور کون پڑتا تھا؟ ان کی ساری تصانیف فرقہ وارانہ اختلافات کے حوالے سے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں اور یہ صاحب بھی درست فرما رہے تھے، اس لیے کہ آپ نے حضرت کی کتابیں پڑھی ہیں اور ان سے حدیث کے اسباق پڑھے ہیں جن میں مسلکی اختلافات کی پورے دلائل کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے اور یہ صاحب حضرت کا مسجد کا عمومی درس اور جمعۃ المبارک کے خطابات سنتے رہے ہیں جن میں عام طور پر ایسے مسائل پر بحث نہیں ہوتی تھی۔ بس یہی توازن ہے جس کا حضرات شیخین کریمین کے حوالے سے لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ)

مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

امام اہل سنت کا اُسلوبِ بیان

والد محترم امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی حیات و خدمات کے حوالہ سے دار العلوم مدنیہ بہاولپور کے آرگن ماہنامہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت کا اعلان پڑھ کر اور عزیزم حمزہ سلمہ سے اس کی تیاری کے بارے میں معلومات حاصل کر کے بے حد خوشی ہوئی، دار العلوم مدنیہ بہاولپور اور اُس کے بانی حضرت مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کا حضرت والد محترم قدس سرہ العزیز کے ساتھ خصوصی تعلق تھا اور تحریکی و جماعتی زندگی میں مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا بھی انتہائی قریبی تعلق و رابطہ رہا ہے۔

میں جب نصرۃ العلوم میں تعلیم کے لیے داخل ہوا تو اس وقت حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ گوجرانوالہ میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے مبلغ کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے تھے، ان دنوں مسئلہ حیات النبی پر بحث و مباحثہ اور مناظرہ و مجادلہ کا بازار گرم تھا اور اس مسئلہ پر مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''مسالک العلماء'' منظر عام پر آئی تھی، جس پر مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کا ایک مضمون ''مسلک العلماء پر بے لاگ تبصرہ'' کے عنوان سے پمفلٹ کی صورت میں شہر میں تقسیم ہوا تھا اور وہ اس مسئلہ کے ساتھ میرا پہلا تعارف تھا، والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کا مزاج و معمول یہ تھا کہ اس طرح کے اختلافی مسائل کے بارے میں وہ مضمون اور کتاب کی صورت میں خوب بحث کرتے تھے اور عام طور پر ان کی تحریر علمی حلقوں میں حرف آخر سمجھی جاتی تھی، وہ سبق میں بھی اختلافی مسائل پر محققانہ تبصرہ کرتے تھے اور دونوں طرف کے دلائل کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کر کے مسئلہ کو اس طرح واضح کر دیتے تھے کہ طلبہ کے ذہن میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا تھا لیکن عام اجتماعات، پبلک درس اور خطبات جمعہ میں وہ کسی اختلافی مسئلہ کو موضوع بحث بنا کر بات نہیں کرتے تھے، البتہ ضمناً کوئی مسئلہ آجاتا تو مسئلہ کی دوٹوک وضاحت کر کے اس کے حق میں دلائل بھی ذکر کر دیتے تھے، حضرت والد محترم رحمہ اللہ کی پچاس کے لگ بھگ تصنیفات میں ایک دو کو چھوڑ کر سب کی سب کسی نہ کسی اختلافی مسئلہ پر ہیں، دیوبندی بریلوی اختلافات ہوں، سنی شیعہ کشمکش ہو، حنفی اہلحدیث مسائل ہوں یا حیات و ممات کا مسئلہ ہو انہوں نے کم و بیش ہر مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور ان کا ہر مسئلہ میں ہدف یہ ہوتا تھا کہ علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کا مؤقف وضاحت کے ساتھ سامنے

آجائے اور دلائل کے ساتھ اس کی برتری ثابت ہوجائے، اسی طرح حدیث کی مختلف کتابوں کی تدریس میں بھی ان کا یہ ذوق نمایاں رہا ہے، وہ بسا اوقات احناف اور علماء دیوبند کے مسلک کے حق میں دلائل اور حوالوں کا اس قدر انبار لگا دیتے تھے کہ سننے والوں کو ان کی یادداشت اور مطالعہ پر رشک ہونے لگتا تھا لیکن عوامی اجتماعات میں ان کا طرز عمل اس کے بالکل برعکس ہوتا تھا، وہ عام جلسہ، خطبہ جمعہ اور عمومی درس میں اصلاحی عنوانات پر گفتگو کرتے تھے اور بالکل سادہ لہجے میں عقیدہ توحید کی وضاحت، سنت کی اہمیت، عام مسلمانوں کی اخلاقی اصلاح اور حلال وحرام کے مسائل پر بات کیا کرتے تھے، البتہ اختلافی سمجھے جانے والے مسائل میں سے کوئی مسئلہ درمیان میں آجاتا تو اسے نظر انداز کر کے آگے نہیں گزر جاتے تھے بلکہ اس پر اپنا مؤقف دوٹوک انداز میں بیان کر کے ضروری دلائل کا حوالہ بھی دیتے تھے۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے طرز عمل کا یہ پہلو عام طور پر سب حضرات کے سامنے نہیں ہوتا اس لیے بسا اوقات الجھن پیدا ہونے لگتی ہے، چند سال قبل بیرون ملک ایک محفل میں گکھڑ کے ایک جدید تعلیم یافتہ شخص نے حضرت والد محترم رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ فرقہ وارانہ اختلافات میں نہیں پڑتے تھے اور مثبت انداز میں دین کی بات کیا کرتے تھے، محفل سے اُٹھنے کے بعد میرے ایک ساتھی نے انتہائی تعجب کے ساتھ مجھ سے پوچھا کہ یہ صاحب کیا کہہ رہے تھے؟ اگر حضرت شیخ اختلافات میں نہیں پڑتے تھے تو اور کون پڑتا تھا؟ ان کی تو ہر کتاب کسی نہ کسی اختلافی مسئلہ پر ہے، میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ بھی ٹھیک فرما رہے ہیں اور ان صاحب نے بھی درست کہا ہے اس لیے کہ آپ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کتابیں پڑھی ہیں اور ان سے حدیث کے اسباق پڑھے ہیں اور یہ صاحب حضرت شیخ رحمہ اللہ کے پیچھے صرف جمعہ پڑھا کرتے تھے یا کبھی کبھار عوامی درس سن لیا کرتے تھے۔

گزشتہ دنوں ہمارے ایک عزیز شاگرد مولانا حافظ محمد عامر [فاضل دارالعلوم کراچی] نے اس پہلو سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے عوامی دروس اور خطبات کا ایک تجزیاتی مطالعہ کیا ہے اور ایک رپورٹ مرتب کی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضرت شیخ رحمہ اللہ گکھڑ کی مرکزی جامع مسجد میں روزانہ صبح نماز فجر کے بعد درس دیا کرتے تھے جس میں سینکڑوں مرد اور خواتین شریک ہوتی تھیں، ہفتہ میں تین دن قرآن کریم کا اور تین دن حدیث پاک کا درس ہوتا تھا، قرآن کریم اس درس میں کئی بار مکمل ہوا جو کیسٹوں میں محفوظ ہے اور اب سی ڈی پر بھی آچکا ہے۔

اس عوامی درس قرآن کریم کو مولانا نواز بلوچ [فاضل جامعہ نصرۃ العلوم] پنجابی سے اردو میں منتقل کر کے مرتب کر رہے ہیں جو ''ذخیرۃ الجنان'' کے نام سے شائع ہو رہا ہے، سورۃ التوبہ تک اس کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں دروس کی تعداد 327 اور صفحات کی مجموعی تعداد 2927 ہے ان دروس کے

ذیلی عنوانات 2026 ہیں جن میں ایسے عنوانات صرف 50 ہیں جنہیں عام طور پر اختلافی مسائل سمجھا جاتا ہے۔(اب الحمدللہ بیس (۲۰) جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ایک جلد باقی ہے۔[خادم،حمزہ ۲۰۱۶ء])

اسی طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کے 40 سے زائد خطبات جمعہ کو جامعہ قاسمیہ گوجرانوالہ کے مہتمم مولانا قاری گلزار احمد قاسمی [فاضل: جامعہ نصرۃ العلوم] نے مرتب کر کے ''خطبات امام اہل السنۃ'' کے عنوان سے تین جلدوں میں شائع کیا ہے جس کے مجموعی صفحات 839 ہیں، ان میں کسی ایک خطبہ کا عنوان ایسا نہیں ہے جسے عام طور پر اختلافی مسائل شمار کیا جاتا ہے، 468 ذیلی عنوانات میں سے صرف 10 عنوانات اختلافی مسائل پر ہیں۔

اس قدر تفصیل ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا جو ذوق واسلوب تصنیف اور تدریس میں تھا، خطبات جمعہ اور عوامی مجالس کے بیانات میں ان کا ذوق اس سے بالکل مختلف ہوتا تھا، (لیکن حضرت رحمہ اللہ کی حیات ہی میں اُن کی اجازت سے اُنہی کے مسجد میں مختلف مسلکی عنوانات کے تحت علماء اور مناظرین کے بیانات ہوتے تھے۔حضرت نے کبھی اِس سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ اُن حضرات کو شاباش دی اور حوصلہ افزائی فرمائی۔اِسی طرح ملک بھر میں مختلف مسلکی عنوانات کے تحت جلسے اور بیانات کرنے والوں کو حضرت رحمہ اللہ کی تائید اور سرپرستی حاصل ہوتی تھی۔الغرض موقع اور محل کے مطابق بیان ہونا چاہیے۔[خادم،حمزہ]) اس لیے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی حیات وخدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اوران کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ رکھتے ہوئے اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

ضمناً بات دوسری طرف نکل گئی جبکہ میں مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کا تذکرہ کر رہا تھا کہ انہوں نے حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب **''مسالک العلماء''** پر تبصرہ کرتے ہوئے جو پمفلٹ لکھا اور جماعت المسلمین حنفیہ گوجرانوالہ نے اسے شائع کر کے شہر میں تقسیم کیا، مسئلہ حیات النبی کے ساتھ میرا پہلا تعارف اسی پمفلٹ کے ذریعہ ہوا پھر استاد محترم مولانا عبدالقیوم ہزاروی دامت برکاتہم اور مولانا لالہ عبدالعزیز مدظلہ [فاضل دیوبند] کی راہنمائی میں اس مسئلہ پر گوجرانوالہ شہر میں عوامی دروس اور کتابچوں کا جو سلسلہ چلا اس سے بات مزید نکھرتی چلی گئی، حضرت مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری رحمہ اللہ کو اس دوران میں نے متعدد بار جامع مسجد نور [مدرسہ نصرۃ العلوم] گوجرانوالہ میں اور مرکزی جامع مسجد گکھڑ میں حضرات شیخین رحمہما اللہ کی عدم موجودگی میں جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے بھی سُنا، اس کے بعد ہماری باہمی رفاقت کا ایک طویل دورانیہ جمعیۃ علماء اسلام میں متحرک زندگی کا ہے جو مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کی وفات تک مسلسل جاری رہا۔

حضرت مولانا عبداللہ درخواستی، حضرت مولانا مفتی محمود، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور

حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمہم اللہ کے ساتھ ہمارا ایک تعلق تھا، اور جماعتی زندگی اور تحریکات میں ہماری مشاورت ورفاقت اتار چڑھاؤ کے کئی مراحل سے گزرنے کے بعد بھی آخر وقت تک قائم رہی، دارالعلوم مدنیہ میں میری حاضری کا سلسلہ بھی اسی وقت سے ہے جب حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب اس کے ناظم اعلیٰ تھے اور ہم نے جمعیۃ علماء اسلام کے بہت سے اجتماعات اس ادارہ میں کیے ہیں، حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے فرزندان گرامی اور ان کے خصوصی رفیق حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ میرا مسلسل رابطہ ہے اور یہ حضرات بھی ہمیشہ شفقت ومحبت سے نوازتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں آمین یارب العالمین

اس پس منظر میں ماہنامہ ''المصطفیٰ'' کی طرف سے حضرت والد محترم کی حیات وخدمات پر خصوصی اشاعت کا اہتمام جہاں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور کے خصوصی تعلق وعقیدت کا اظہار ہے وہاں علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کے مؤقف ومسلک اور ان کی علمی ودینی جدوجہد کے ساتھ گہری وابستگی کا بھی مظہر ہے اس لیے کہ ہمارا اصل رشتہ دین ہی کا ہے اور ہمارا اساسی تعلق فکر ونظریہ کے حوالہ سے ہے کہ ہم سب بحمد اللہ تعالیٰ ایک ہی چشمۂ فیض دارالعلوم دیوبند سے استفادہ کرنے والے ہیں اور امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا سب سے بڑا امتیاز اپنے معاصرین میں یہی ہے جس نے انہیں پورے جنوبی ایشیا میں دیوبند مسلک کے علمی ترجمان کا مقام بخشا ہے کہ وہ اہل السنۃ والجماعۃ حنفی دیوبندی مسلک کے ساتھ بے لچک کمٹمنٹ رکھتے تھے اور اس کی وضاحت وترجمانی اور دفاع کو اپنا اولین فریضہ سمجھتے تھے، چنانچہ وہ کم وبیش ہر سال دورہ حدیث سے فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کو بطور خاص دو باتوں کی تلقین کیا کرتے تھے۔

ایک یہ کہ اپنے اکابر کا دامن کسی حالت میں نہ چھوڑنا اور ان کی تحقیقات پر اعتماد کرنا، وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے علماء دیوبند کو دین کی صحیح ترجمانی کے لیے چُنا ہے اور وہی آج کے زمانے میں حق کی علامت ہیں، اس بات پر وہ خود بھی سختی کے ساتھ قائم تھے اور اپنے متعلقین کو بھی اس کی مسلسل نصیحت کیا کرتے تھے۔

دوسری بات جس کی وہ ہمیشہ تلقین کرتے تھے یہ کہ کوئی بھی مسئلہ بیان کرتے ہوئے مؤقف دوٹوک رکھیں اور اس میں کوئی لچک نہ دکھائیں لیکن بیان کا انداز تفہیم کا ہو، الفاظ نرم ہوں اور لہجے میں سختی نہ ہو، مجھے یاد ہے کہ جب میں گکھڑ میں قرآن کریم حفظ کرتا تھا، ہمارے حفظ کے استاد حضرت مولانا قاری محمد انور صاحب مدظلہ جو گزشتہ کم وبیش ۳۰ برس سے مدینہ منورہ میں تحفیظ قرآن کریم کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں، ان دنوں گکھڑ میں ہمیں پڑھاتے تھے، وہ کبھی کبھی اپنے استاد محترم حضرت مولانا قاری سید حسن شاہ صاحب رحمہ

اللہ تعالیٰ کو گکھڑ تشریف آوری کی زحمت دیا کرتے تھے اس موقع پر عام جلسہ ہوتا تھا جس میں ہم سب حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی پر سوز تلاوت اور ناصحانہ وعظ سے فیض یاب ہوا کرتے تھے، ان کی ایک تشریف آوری کے موقع پر جی ٹی روڈ پر مسجد شاہ جمال کے سامنے جلسہ تھا، استاد محترم قاری محمد انور مدظلہ نے مجھے بھی چند منٹ تقریر کرنے کے لیے تیار کیا اور ان کی ترغیب پر میں نے چند منٹ تقریر کی، مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک تحریر میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین کا حوالہ میں نے یاد کیا ہوا تھا وہ حوالہ سنا کر میں نے مرزا قادیانی کو بے نقط سنانا شروع کر دیں، حضرت والد محترم رحمہ اللہ سٹیج پر موجود تھے، انہوں نے اُٹھ کر مائیک میرے سامنے سے ہٹا کر خود لے لیا اور باقاعدہ معذرت کے انداز میں مائیک پر فرمایا کہ بچہ ہے نادان ہے اس لیے اس قدر سخت باتیں کر گیا ہے، پھر بعد میں مجھے الگ سے سمجھایا کہ تقریر میں اس طرح کی سخت باتیں نہیں کیا کرتے۔

اس کے ساتھ ایک اور واقعہ کا تذکرہ بھی مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ میرے طالب علمی دور میں ایک دفعہ فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات صاحب نور اللہ مرقدہ گوجرانوالہ تشریف لائے اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں دینی مدارس کے طلبہ کے لیے غالباً 15 روزہ تربیتی کورس کا اہتمام کیا گیا جس میں ایک طالب علم کے طور پر میں بھی شریک ہوا، ایک دن حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر قادیانی مؤقف کی تردید میں حضرت استاد محترم رحمہ اللہ نے کچھ دلائل ہمیں پڑھائے اور مجھے فرمایا کہ جو کچھ پڑھا ہے اس پر کلاس میں کھڑے ہو کر تقریر کرو! میں نے چند منٹ تقریر کی اور انتہائی جارحانہ انداز میں مرزا قادیانی پر خطیبانہ گالیوں کی بوچھاڑ کر دی، استاد محترم حضرت مولانا محمد حیات رحمہ اللہ تعالیٰ نے فوراً ٹوک دیا اور اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا ''ناں بیبا ایواں نئیں کہندے اوہ وی اک قوم دا لیڈر آ''

(نہ بیٹا یوں نہیں کہتے وہ بھی ایک قوم کا لیڈر رہے)

پھر ہمیں سمجھایا کہ اس طرح کہا کرو کہ مرزا صاحب نے یوں کہا ہے مگر ان کی بات درست نہیں ہے اور پھر دلائل کے ساتھ اس کا رد کرو۔

اسی نوعیت کا ایک اور واقعہ حضرت والد محترم رحمہ اللہ کے حوالہ سے بھی میں عام طور پر بیان کیا کرتا ہوں جو خود میرے ساتھ پیش آیا

صدر ایوب خان کا دور حکومت تھا اور وہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا اخبارات میں رویت ہلال کے سلسلہ میں ایک بحث چل پڑی اور معروف اہلحدیث عالم حضرت مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی کا ایک مضمون اخبار میں شائع ہوا جس سے ہمارے حلقے کو اختلاف تھا، میں نے اس کے جواب میں اخبار کو بھجوانے کے لیے ایک مراسلہ لکھا اور حضرت والد محترم رحمہ اللہ کو بھیجنے سے پہلے دکھایا اس میں یوں لکھا تھا ''حافظ عبدالقادر کہتا ہے'' مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت والد محترم رحمہ اللہ نے اپنا ہاتھ تھپڑ مارنے کے لیے اٹھایا (اگلی بات کہ تھپڑ

مارا یا نہیں مجھے یاد نہیں) اور فرمایا کہ ''تیرا چھوٹا بھائی ہے؟ ہوسکتا ہے تمہارے باپ سے بھی بڑا ہو''

پھر فرمایا کہ یوں لکھو کہ مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی نے یہ لکھا ہے اور مجھے ان کی بات سے اختلاف ہے۔

حضرت والدمحترم رحمہ اللہ جب وعظ و بیان میں نرم لہجہ رکھنے کی تلقین کرتے تھے تو عام طور پر ایک واقعہ بھی سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید رحمہ اللہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے کسی شہر کی جامع مسجد میں گئے تو خطیب صاحب نے انہیں سامنے بیٹھا دیکھ کر موقع غنیمت سمجھا اور انہیں سخت لہجے میں خطیبانہ جھاڑ پلادی

نماز جمعہ کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے خطیب محترم سے مصافحہ کیا اور بڑے احترام سے پوچھا کہ حضرت! اگر اجازت ہو تو ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں؟ انہوں نے کہا فرمایئے! ہارون الرشید نے کہا کہ آپ کا رتبہ زیادہ ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقام و مرتبہ زیادہ تھا؟ خطیب صاحب نے اس پر استغفار پڑھی اور کہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کہاں میں ایک گنہ گار مسلمان؟ میں تو ان کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوں

ہارون الرشید نے کہا اچھا یہ بتایئے کہ میں زیادہ برا ہوں یا فرعون زیادہ بُرا تھا؟ خطیب صاحب نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھا اور کہا کہ فرعون کے ساتھ آپ کا کیا مقابلہ؟ وہ خدائی کا دعویدار تھا اور پکا کافر تھا اور آپ جیسے بھی ہیں مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے امیر المؤمنین ہیں

اس پر خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ حضرت! جب اللہ تعالیٰ نے آپ سے کہیں زیادہ بہتر شخصیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجھ سے کہیں زیادہ برے شخص فرعون کے پاس بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ

''قولا له قولا ليّنا لعله يتذكر او يخشىٰ''

تم دونوں بھائی (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام) فرعون کے ساتھ نرمی سے بات کرنا، شاید وہ نصیحت پکڑے یا خدا سے ڈر جائے۔

یہ واقعہ میں نے حضرت والدمحترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے کئی بار سُنا ہے اور ان کا اپنا اُسلوب بھی یہی تھا کہ بات نرمی سے کرتے تھے، دلیل کے ساتھ کرتے تھے اور سمجھانے کے انداز میں کرتے تھے البتہ مؤقف دوٹوک ہوتا تھا جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کے اظہار میں کوئی لچک نہیں دکھاتے تھے اور مکمل تحقیق کے بغیر کوئی بات حتمی طور پر نہیں کیا کرتے تھے۔

حضرت والدمحترم رحمہ اللہ کی دینی جدوجہد کے مختلف پہلو تھے جن میں علماء دیوبند کے مسلک کی ترجمانی اور دفاع کو امتیازی حیثیت حاصل ہے اور مجھے خوشی ہے کہ اس محاذ پر ہمارے خاندان کے تین اصحاب

علم ومطالعہ مولانا حافظ عبدالقدوس خان قارن، مولانا عبدالحق خان بشیر اور مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی بطور خاص حضرت شیخ رحمہ اللہ کی نمائندگی کرتے ہوئے مسلسل مصروف عمل ہیں اور بہت حد تک ان کے اسلوب وذوق کا دائرہ بھی قائم رکھے ہوئے ہیں البتہ میرا ذوق اور دائرہ کار قدرے مختلف ہے، میری تگ وتاز اور جدوجہد کے دو بڑے دائرے ہیں ایک تحفظ عقیدہ ختم نبوت کا دائرہ اور دوسرا ملک میں نظام شریعت کی جدوجہد اور عالمی سطح پر شریعت اسلامیہ کے خلاف مغربی فکر وفلسفہ کی یلغار کا علمی وفکری طور پر مقابلہ اور میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ اور عم مکرم مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ نے دینی جدوجہد کے مختلف شعبوں میں کام کیا ہے لیکن جیل انہی دو مذکورہ بالا مقاصد کے لیے کاٹی ہے اور دونوں بزرگ ان دونوں مقاصد کے لیے زندگی بھر سرگرم عمل رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اپنے دائرہ میں دینی خدمات سرانجام دیتے رہنے اور حضرات شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی حسنات کو جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں آمین

میں ایک بار پھر ماہنامہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کے ''امام اہل سنت نمبر'' کی اشاعت کے اہتمام پر ماہنامہ کی ادارتی ٹیم اور دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے ارباب حل وعقد کو مبارکباد دیتا ہوں، اپنے خاندان کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبولیت وثمرات سے بہرہ ور فرمائیں اور سب متعلقین کے لیے سعادت دارین کا ذریعہ بنائیں۔آمین یارب العالمین۔

☆......☆......☆......☆

آخری ایام میں حدیث پر نظر

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے وفات سے آٹھ روز قبل ہر چیز کھانا پینا چھوڑ دی تھی، حضرت کے معالج ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے حضرت کو دوائی کھلانے کی کوشش کی تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اپنے معالج کو فرمانے لگے: ''بھئی اب دوائی کی ضرورت نہیں رہی میرے ساتھ اب بکھیڑے کرنا چھوڑ دو''

مولانا محمد نواز بلوچ کہتے کہ: ''انہی ایام میں ہم حضرت امام اہل السنۃ کو کھانے پر مجبور کیا کرتے تھے، ایک دن مفتی محمد عیسیٰ صاحب بھی موجود تھے۔حضرت نے مفتی صاحب کو فرمایا کہ ''مفتی صاحب! ان کو سمجھاؤ یہ مجھے کھانے پر مجبور نہ کریں!'' پھر ترمذی شریف کا حوالہ دے کر ایک حدیث شریف پڑھی ''**لاتکرھوا مرضاکم علی الطعام ان اللہ یطعمھم ویسقیھم**'' (ترمذی) ''تم اپنے مریضوں کو کھانے پر مجبور نہ کرو۔بے شک اللہ تعالیٰ انکو کھلاتے اور پلاتے ہیں''۔پھر مفتی سے فرمایا مفتی صاحب! کل آکر مجھے اس حدیث شریف کا پورا حوالہ بھی دکھانا، اللہ اکبر، آخری ایام میں بھی حافظہ اور حدیث پر کیسی نظر تھی یقیناً یہ امام اہل السنۃ ہی کی شان تھی۔(ماہنامہ ھدی للناس، گوجرانوالہ)

مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ

اباجی کی یادیں

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات نے ان کے لاکھوں رشتہ داروں، شاگردوں، مریدوں اور تعلق داروں کو سوگوار کر دیا، بہت سے حضرات نے حضرت کے حالات زندگی پر مشتمل مضامین لکھے ہیں اور ان کے ساتھ اپنی محفوظ یادداشتوں کا تذکرہ کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں جو صلاحیتیں ودیعت رکھی تھیں یہ تمام مضامین ان کی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ عقیدہ میں پختگی، اعمال وعبادات میں ثابت قدمی، اکابر کے ساتھ وابستگی، معاملات میں صفائی، رشتہ داروں اور مہمانوں کے ساتھ خوش اخلاقی، اساتذہ کرام کی قدردانی، گھریلو معاملات میں دیانت داری، ڈیوٹی کی پابندی، تلامذہ کے ساتھ ہمدردی، رفقاء سفر کے ساتھ شفقت ومہربانی، علم وفقاہت میں گہرائی مگر طبیعت میں انتہائی سادگی اور مزاج میں شگفتگی ان کا طرۂ امتیاز تھا، زندگی میں پہلی دفعہ ملنے والا بھی یہ محسوس کرتا کہ حضرت کو میرے ساتھ ہی سب سے زیادہ لگاؤ اور تعلق ہے، بفضلہٖ تعالیٰ نہ صرف خود عقائد میں پختہ تھے بلکہ ہر ملنے والے کو اللہ تعالیٰ کی توحید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عقیدت ومحبت، فقہائے امت کے احترام اور اکابرین علماء دیوبند کے ساتھ حسن عقیدت کا درس ہی دیتے رہے اور ان ہی مقاصد کے لیے انہوں نے کتابیں تحریر فرمائیں اور اپنے تلامذہ کو یہی تلقین فرماتے رہے کہ اپنے عقیدہ اور نظریہ میں ذرا بھی لچک نہ رکھیں مگر اندازِ بیان نرم ہو تاکہ سننے والوں کو چڑ نہ ہو بلکہ وہ خوش دلی کے ساتھ تمہاری بات سننے پر آمادہ ہوں۔

سنت کے مطابق زندگی:

حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے والے اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت نے ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے سنت کی پابندی فرمائی، عام طور پر سفید لباس زیب تن رہتا، گھر میں کسی وقت تہہ بند کسی ایک رنگ کی ہو جاتی تھی مگر عموماً لباس سفید ہی ہوتا تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید لباس کو پسند فرمایا ہے، سر پر عموماً سر سے چپکی ہوئی ٹوپی ہوتی جیسا کہ حضور علیہ السلام کے صحابہ کے بارے میں ترمذی شریف میں روایت آتی ہے۔ کبھی سفید اور کبھی کالی پگڑی ہوتی تھی جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ شلوار اور تہہ بند نصف پنڈلی تک ہوتی تھی اگرچہ کئی دفعہ مذاق اڑانے والوں نے مذاق اُڑایا مگر اس کی قطعاً پرواہ نہ کی،

ایک دفعہ ایک مخالف طبقہ کے مولوی صاحب نے مذاق کرتے ہوئے کہا کہ مولوی صاحب نے شلوار اس طرح اٹھائی ہوئی ہے جس طرح مچھلیاں پکڑنے جا رہے ہیں۔

جب تک صحت رہی کھانا زمین پر بیٹھ کر کھاتے رہے، مہمانوں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے، ہر ملنے والے کو حتی الوسع سلام کہنے میں پہل کرتے، انتہائی مصروفیات کے باوجود آنے والے مہمانوں کو ان کی حیثیت کے مطابق ملاقات کا وقت دیتے، جس کے ساتھ ناراض ہوتے اگر وہ کبھی سامنے بھی آجاتا اور ملنے کی کوشش کرتا تو اس انداز سے ملتے کہ گویا ناراض ہیں ہی نہیں۔

مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں نکال کر جوتے پر رکھ دیتے پھر دایاں پاؤں نکال کر اس کو جوتے میں پہلے داخل کرتے تاکہ مسجد سے بایاں پاؤں پہلے نکالنے اور دائیں پاؤں کو جوتا پہلے پہنانے کی دونوں روایتوں پر عمل ہو جائے، الغرض ان کی خواہش ہوتی تھی کہ ہر معاملہ میں سنت کے مطابق عمل ہو۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عقیدت:

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ عموماً اپنے اسباق و دروس میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے کہ حضرات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے عینی گواہ ہیں، اگر صحابہ کو درمیان سے نکال دیا جائے تو نبوت کی کوئی بات بھی بعد والے لوگوں تک نہیں پہنچ سکتی، اور جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ دراصل نبوت کا کیس ہی بے جان کرنا چاہتا ہے۔'' حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس فرمان کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کرتی ہے ''**فمن احبهم فبحبی احبهم، ومن ابغضهم فببغضی ابغضهم**'' صحابہ سے محبت کرنے والا ان سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس کو میرے ساتھ محبت ہے اور ان سے بغض رکھنے والا ان سے اس لیے بغض رکھتا ہے کہ اس کو دراصل میرے ساتھ بغض ہے۔

ایک مودودی وکیل کا واقعہ:

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز سے فراغت کے بعد آپ کے آس پاس کے دیہات سے آنے والوں کو گھر ہی لے آتے، ایک دفعہ محترم جناب حاجی اللہ دتہ صاحب کے ساتھ ایک وکیل آیا جو غالباً ڈسکہ کا رہنے والا تھا ان کو بیٹھک میں بٹھایا گیا اور ان کے لیے چائے تیار کی جا رہی تھی کہ اچانک بیٹھک سے حضرت کی زوردار آواز گونجنے لگی، میں دوڑ کر گیا تو دیکھا کہ حضرت کے ہاتھ میں کلہاڑی پکڑی ہوئی ہے اور محترم بٹ صاحب درمیان میں حائل ہیں اور وہ وکیل ایک جانب کھڑا ہے، حضرت رحمۃ

اللہ علیہ بٹ صاحب کو کہہ رہے تھے کہ اس کو فوراً میری بیٹھک سے نکال دو! میں اس کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا، جلدی سے اس کو نکال دیا گیا، کچھ اور حضرات بھی جمع ہو گئے اور حضرت سے اس بارہ میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وکیل صاحب نے باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ اسلام کو نقصان پہنچانے والے بنوامیہ ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ سارے بنوامیہ کے بارے میں ایسا نہ کہیں اس لیے کہ اس میں حضرت عثمان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما بھی آتے ہیں تو اس نے کہا کہ اصل تو یہی ہیں، اس کے ان الفاظ پر مجھے غصہ آیا اور بٹ صاحب سے کہا اسے یہاں سے نکال دو!، پھر چند ماہ بعد محترم بٹ صاحب کے ساتھ وہی وکیل پھر آیا اس دفعہ وہ معافی مانگنے کے لیے آیا تھا، اس نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ جب میں حضرت کے ہاں سے نکالا گیا اور ڈسکہ پہنچا تو کئی دفعہ رات کو نیند میں دو آدمی آتے اور میری گردن میں رسی ڈال کر ایک ایک جانب سے اور دوسرا دوسری جانب سے کھینچتا جس سے میری جان نکلنے کے قریب ہوتی اور اسی حالت میں بیدار ہو جاتا تو کافی دیر تک وہ خوف مجھ پر طاری رہتا، ایک دفعہ میں نے جرأت کر کے خواب ہی میں ان دو آدمیوں سے پوچھ لیا کہ تم میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتے ہو؟ اور تم کون ہو؟ تو ان میں سے ایک نے کہا کہ تمہیں یاد نہیں کہ گکھڑ میں تم نے کیا کہا تھا؟ تمہارے معافی مانگنے تک یہ سلوک تمہارے ساتھ ہوتا رہے گا، پھر حضرت نے اس کو توبہ کروائی اور خود بھی اس سے درگزر فرمایا اور حضرات صحابہ کرام کے بارہ میں اس کو سمجھایا اور مودودی صاحب کے خطرناک نظریات سے اس کو آگاہ کیا تو اس نے وعدہ کیا کہ زندگی بھر مودودی صاحب سے تعلق نہ رکھوں گا۔

حضرت امام اہل السنۃ کی وفات پر تعزیت کے لیے آنے والوں میں ایک پروفیسر بھی آئے جن کا نام اشفاق احمد یا اخلاق احمد تھا، انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے حضرت کے پیچھے جمعہ پڑھا اس دن حضرت نے مودودی صاحب کے نظریات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مودودی صاحب خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں، پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ مجھے اس پر بڑا ملال ہوا اس لیے کہ ان دنوں میرا تعلق مودودی صاحب کی جماعت کے ساتھ تھا، جمعہ کے بعد میں نے مولانا صاحب سے شکوہ کیا تو فرمانے لگے کہ پروفیسر صاحب! آپ پڑھے لکھے ہیں ایک ہی جانب کی کتابوں کا مطالعہ نہ کریں دوسری جانب بھی دیکھیں تو حقیقت آپ کے سامنے واضح ہو جائے گی، اس بات کا اثر مجھ پر ایسا ہوا کہ میں نے مودودی صاحب کے خلاف لکھا جانے والا لٹریچر بھی پڑھنا شروع کیا، جوں جوں پڑھتا گیا مودودی صاحب کی حیثیت واضح ہوتی گئی بالآخر میں اس نتیجہ تک پہنچا کہ حضرت مولانا صاحب نے جو فرمایا تھا وہی حق ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مولانا صاحب کو میری ہدایت کا ذریعہ بنایا۔

اساتذہ کرام کا احترام:

راقم الحروف نے حضرت امام اہل سنت کو اپنے اساتذہ کے سامنے عاجزی اور نیازمندی کا جو

مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ استاد وشاگرد کا تعلق کیسا ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام اہل السنۃ کے استاد تھے، ایک ہی ضلع اور عرصہ دراز تک ایک ہی جماعت سے وابستہ رہتے ہوئے اکثر میٹنگوں اور اجلاسوں میں اکٹھے شریک ہوتے تو حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اپنے استاد محترم کی اجازت کے بغیر اجلاس میں گفتگو بھی نہیں فرماتے تھے، ان کے جوتے اٹھانے اور مجلس میں ان کو خاص جگہ پر بٹھانے کا اہتمام فرماتے اور ان کے سامنے نیاز مندی کے ساتھ بیٹھتے، ایک دفعہ حضرت امام اہل السنۃ کے استاد مولانا عبدالخالق صاحب مظفر گڑھی رحمۃ اللہ علیہ گکھڑ تشریف لائے اور کئی دن قیام فرمایا، عام طور پر مہمانوں کی خدمت کے لیے ہم بچوں کو مامور کیا جاتا تھا مگر اپنے استاد محترم کی خدمت حضرت خود سرانجام دیتے رہے، ان کے ہاتھ دھلانا، ان کو پکڑ کر مسجد لے جانا اور لانا، ان کے لیے دستر خوان بچھانا اور کھانا لگانا اور بار بار پوچھنا کہ حضرت کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اور ہمیں سختی سے تلقین ہوتی کہ ایسی حرکت نہ کرنا کہ حضرت استاد محترم کے آرام میں خلل ہو اور خود ان کی فرمائش پر کتابوں کے حوالے نکال کر ان کے سامنے پیش فرماتے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی امام اہل السنۃ کے استاد تھے جب مودودی جماعت کی تحریک پر ایک سو تیرہ حضرات کا فتویٰ منظر عام پر آیا جس کی زد میں جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے حضرات بھی آتے تھے تو ان دنوں مولانا اکرم صاحب سلطان فونڈری لاہور والے گکھڑ تشریف لائے تو حضرت امام اہل السنۃ نے ان سے فرمایا کہ مرکزی حضرات کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ جواب میں محتاط انداز اختیار کریں اس لیے کہ اس فتویٰ پر دستخط کرنے والوں میں ہمارے استاد محترم بھی شامل ہیں۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے استاد مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ بھی کئی بار گکھڑ اور گوجرانوالہ مدرسہ نصرۃ العلوم تشریف لائے، راقم الحروف کے سامنے حضرت مولانا عبدالقدیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تدقیق الکلام کا مسودہ حضرت امام اہل السنۃ کو دیا کہ اس کی اصلاح کر کے کتابت کروا دیں، حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی بیماریوں اور مصروفیتوں کے باعث میں نے یہ سمجھا کہ حضرت معذرت کر دیں گے مگر میری حیرانگی کی حد ہوگئی کہ حضرت نے بلاچون وچراہ وہ مسودہ لے لیا اور خود ہی اس پر سارا کام فرمایا حالانکہ آپ اپنا مسودہ بھی اصلاح کے لیے ہم جیسوں کے سپرد کر دیتے تھے، جب میں نے ایک دفعہ اپنے تعجب کا اظہار کیا تو فرمانے لگے کہ عالم اسباب میں ان ہی اساتذہ کی وجہ سے تو یہ مقام ملا ہے اگر ان کا کام نہیں کرنا تو اور کس کا کرنا ہے؟ اور فرماتے تھے کہ اگر استاد محترم مجھے یہ حکم فرما دیتے کہ اس موضوع پر لکھو تو میں تین ضخیم کتابیں لکھ دیتا ان پر مجھے اتنی محنت نہ کرنی پڑتی جتنی حضرت استاد مکرم کے مسودہ کو صاف کرنے اور حوالہ جات کی تلاش میں کرنی پڑی۔

گھریلو معاملات میں دیانت داری:

راقم الحروف نے جب سے ہوش سنبھالا یہی دیکھا کہ جب تک تمام بہن بھائی گھر ہی میں رہے تو ان کو ایک ہی برتن میں سالن ڈال کر دیا جاتا، سب ایک ساتھ کھاتے، چاول پکتے تو ایک ہی پرات میں دیئے جاتے اور سب اسی کے ارد گرد بیٹھ کر کھاتے، کپڑے سلوانے کا موقع ہوتا تو ملک محمد اقبال صاحب مرحوم، محمد رمضان صاحب المعروف بھائی وڈا اور محمد عباس صاحب کی دوکان سے کپڑے کے تھان دکھانے کے لیے گھر لائے جاتے، دونوں والدہ کو رنگ پسند کرنے کا اختیار ہوتا تھا، مگر کپڑا ایک ہی قیمت کا خریدا جاتا اور بچوں کو ایک عرصہ تک رنگ پسند کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک ہی جیسے کپڑے خریدے جاتے اور ایک ہی درزی سے سلائے جاتے۔ راقم الحروف کی والدہ محترمہ تو پنجاب گوجرانوالہ سے تعلق رکھتی تھیں اور دوسری والدہ مانسہرہ سے تعلق رکھتی تھیں انہوں نے بتایا کہ جب میں بیاہ کر لائی گئی تو تمہارے اباجی نے مجھے کہا کہ گھر میں پشتو نہیں بولیں گے اس لیے کہ اس کو (یعنی ہماری والدہ محترمہ کو) پشتو نہیں آتی ہمارے پشتو بولنے سے ہوسکتا ہے کہ اس کی دل آزاری ہو، یہی وجہ ہے کہ ہمارے گھر میں حضرت والد صاحب اور ایک والدہ محترمہ کے پشتون ہونے کے باجود کسی بچے نے گھر سے پشتو نہیں سیکھی، ہماری پشتون والدہ محترمہ کے بھائی اور دیگر رشتہ دار جو آتے وہ بھی گکھڑ میں پنجابی یا ہندکو بولتے پشتو نہیں بولتے تھے، البتہ اگر وہ اپنی مخصوص مجلس میں ہوتے تو پشتو بھی بول لیتے تھے۔

اولاد کو دین کی تعلیم:

حضرت امام اہل سنت نے اپنی تمام اولاد کو دین کی تعلیم سے آراستہ فرمایا اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے بچے مسجد کے ساتھ وابستہ رہیں تو مجھے خوشی ہوگی خواہ وہ مسجد کی صفیں اٹھانے کی ذمہ داری ہی نبھائیں۔ ایک دفعہ راقم الحروف اکوڑہ خٹک میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اجلاس میں شریک تھا وفاق المدارس کے نصاب پر بات ہورہی تھی تو حضرت مولانا محمد رمضان صاحب میانوالی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''اجلاس میں شریک کتنے حضرات ہیں جو اپنی اولاد کے لیے صرف وفاق المدارس کے نصاب کو کافی جانتے ہیں سوائے چند حضرات کے جن میں سرفہرست حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب ہیں کہ انہوں نے اپنی اولاد کے لیے درسِ نظامی کو ہی کافی سمجھا باقی حضرات اپنی اولاد کو دوسرے نصاب بھی پڑھواتے ہیں تو جب اپنی اولاد کے لیے آپ حضرات اس نصاب کو کافی نہیں سمجھتے تو دوسروں کے بچوں کے لیے بھی ایسا انتظام کریں جیسا آپ اپنی اولاد کے لیے کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد رمضان صاحب نے امام اہل سنت کا نام خصوصیت سے لیا کہ انہوں نے اپنی اولاد کے لیے درس نظامی کافی سمجھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جنہوں نے درس نظامی کے علاوہ دوسرے نصاب کو پڑھا ہے تو اپنی رغبت سے پڑھا ہے۔ حضرت امام اہل سنت رحمۃ

اللہ کی اولاد در اولاد میں سے ایک ذہین بچہ حافظ محمد عمار خان ناصر درس نظامی کے علاوہ دوسرے نصاب یونیورسٹی تعلیم میں بھی کامیابی حاصل کرتا رہا مگر اپنے ماحول سے نکل کر اس نے جو نظریات اختیار کر لیے ہیں اس کی وجہ سے خاندان کا ہر فرد یہی کہتا ہے کہ کاش! یہ صرف درسِ نظامی میں ہی اکتفا کرتا اور دوسری جانب رخ نہ کرتا تاکہ خاندان کی بدنامی کا باعث نہ بنتا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت نصیب فرمائے اور ہم سب کو ہدایت کے راستہ پر ہی چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذمہ داری کا احساس:

حضرت امام اہل سنت خود بھی ذمہ داری کا احساس فرماتے اور اپنی اولاد کو بھی ذمہ داری کا احساس دلاتے رہتے، حضرت کی بیماری کے دوران راقم الحروف جب بھی گکھڑ گیا تو سب سے پہلے یہ سوال ہوتا کہ صوفی کا کیا حال ہے؟ پھر یہ سوال ہوتا کہ سبق پڑھا کر آئے ہو؟ اگر جمعہ کا دن ہوتا تو فرماتے کیا جمعہ پڑھا کر آئے ہو؟ برادر مکرم مولانا زاہد الراشدی صاحب دام مجدہم سے پوچھتے کہ تم سفر پر جاتے ہو تو کیا تمہارے اسباق مکمل ہو جاتے ہیں؟ حضرت جہاں ذمہ داری کا احساس فرماتے وہاں ان کی طبیعت میں یہ بھی تھا کہ خوامخواہ کی ذمہ داری ذمہ میں نہیں لیتے تھے، ایک مرتبہ میں حضرت کے ساتھ تھا رکشہ پر کسی جگہ جانا تھا، رکشے والے کو جگہ بتائی اور اس سے کرایہ طے کیا، جب رکشہ میں بیٹھے تو وہ پوچھنے لگا کہ کون سے راستہ سے جائیں؟ تو فرمانے لگے کہ تمہیں جگہ سمجھ آ گئی ہے؟ وہ کہنے لگا جی ہاں مجھے وہ جگہ معلوم ہے تو فرمانے لگے کہ آپ نے ہمیں اس جگہ تک پہنچانا ہے خواہ کسی بھی راستہ سے جاؤ! اتفاق سے جس راستہ سے وہ گیا آگے سڑک ٹوٹی ہوئی تھی، آگے نہیں جا سکتے تھے تو وہ وہاں سے واپس ہوا اور دوسرے راستہ سے ہمیں اس جگہ تک پہنچایا، بعد میں حضرت مجھے فرمانے لگے کہ اگر ہم نے اس کو اس راستہ پر چلنے کا کہا ہوتا تو یا تو ہمیں وہاں ہی اتار دیتا یا پھر مزید رقم کا تقاضا کرتا، ہمیں ہماری منزل تک پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی اس لیے اس نے پہنچایا۔

ایک مولوی صاحب نے مسئلہ پوچھا تو فرمانے لگے مولوی صاحب کب تک دوسروں کے کیے ہوئے شکار پر گزر اوقات کرتے رہوگے؟ خود بھی شکار کر لیا کرو! مطلب یہ تھا کہ خود بھی کتابوں سے مسئلہ تلاش کر لیا کرو! یہ ذمہ داری کا احساس دلانا تھا۔ حضرت کی صحت کی حالت میں بھی اور بیماری کے دوران بھی یہ عادت تھی کہ فتویٰ کی ذمہ داری نہیں لیتے تھے، بلکہ جو فتویٰ ہوتا اس کو مفتی صاحب کے پاس بھیج دیتے۔ اگر کوئی مسئلہ تلاش کر سکنے والا مسئلہ پوچھتا تو اس کو بعض کتابوں کی نشاندہی فرما دیتے کہ فلاں فلاں کتاب میں دیکھ لو! مقصد ذمہ داری کا احساس دلانا ہوتا تھا۔ بعض دفعہ یہ بھی فرما دیتے کہ اب پہلے جیسا حافظہ نہیں رہا، یہ اس لیے فرماتے کہ مسئلہ پوچھنے والا اصرار نہ کرے، اس سے بعض لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ شاید واقعی حضرت کا حافظہ نہیں رہا یا حضرت کو مسئلہ مستحضر نہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ ذمہ داری کا احساس دلانا ہوتا تھا کہ یہ

ازخود مسئلہ کو تلاش کرنے کی عادت ڈالے اور جب مسائل بتانے پر آتے تو مسائل کی جزئیات کتابوں کے بقید صفحات حوالہ جات کے ساتھ ایسے بیان فرماتے کہ گویا کتابیں ان کے سامنے کھلی پڑی ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ آخری دن تک حضرت امام اہل سنت کا حافظہ قابل رشک رہا جیسا کہ بعض حضرات نے اپنے مضامین میں اپنے مشاہدات کا ذکر کیا ہے۔

معاملات میں صفائی:

حضرت امام اہل سنت کی عادت تھی کہ گھریلو روزمرہ خرچ کا حساب ہوتا تھا، دونوں والدہ میں سے باری باری ایک کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ وہ صبح کو حضرت سے پیسے لے لیتی اور دن بھر کا جو خرچہ ہوتا اس کو کاپی پر نوٹ کر لیتی اور عشاء کے بعد حساب پیش کیا جاتا اگر ایک آنہ بھی آپ کے ذمہ نکلتا تو فی الفور اس کی ادائیگی فرماتے، بعض اوقات ہم میں سے کسی کو فرمادیتے کہ فلاں سودا خرید کر گکھڑ لے آنا، جب سودا لے کر جاتے تو اس کی پوری رقم ادا کرنے کے ساتھ کرایہ بھی دیتے کہ یہ سفر تم نے میرے کام کی خاطر کیا ہے۔ جب بجلی وغیرہ کی خرابی کے باعث کسی سے کام لیتے تو اس کو طے شدہ رقم سے زیادہ ادا فرماتے۔ کسی دوکاندار وغیرہ کی رقم ادا کرنا ہوتی تو اس کے پاس پہنچاتے اور وصولی کی رسید منگواتے کئی دفعہ ان حضرات نے کہا کہ حضرت! ہمیں بلالیا کریں! ہم خود حاضر ہوجایا کریں گے تو فرماتے کہ نہیں! تمہیں تمہارا حق پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔ جب ہم نے ''مکتبہ صفدریہ'' گوجرانوالہ کے لیے دوکان کرایہ پر لی تو دیگر ہدایات میں سے حضرت نے مجھے جو ہدایت فرمائی وہ یہ تھی کہ دوکان کا کرایہ بروقت ان کے پاس جا کر پہنچانا، مجھے بھائی عبدالوحید صاحب اور ان کے بھائیوں نے کہا کہ ہم ہر نماز میں شریک ہوتے ہیں آپ مسجد میں ہی ہمیں کرایہ دے دیا کریں! یہاں دوکان پر آنے کی تکلیف نہ اٹھایا کریں تو میں نے ان سے کہا کہ مجھے حضرت والد صاحب کی تلقین ہے کہ دوکان کا کرایہ خود ان کے پاس جا کر پہنچانا۔

مدرسہ کی گاڑی ذاتی کاموں کے لیے استعمال نہ کرنا، مدرسہ سے مطالعہ کے لیے لی گئی کتابوں کا بر وقت واپس کرنا، کسی دعوت پر اگر ایک خادم کو ساتھ لے جانے کی اجازت ہوتی تو ایک کو ہی لے کر جاتے زیادہ کو ساتھ نہیں لے جاتے تھے، اگر کسی وقت مجھے کسی کتاب کی ضرورت پڑتی تو کتاب عنایت فرمادیتے اور ایک چٹ پر مجھ سے دستخط لے کر الماری کے ایک کونے میں رکھ دیتے جب میں کتاب واپس کرتا تو وہ چٹ نکال کر پھاڑ دیتے اور یہی معاملہ تقریباً ہر ایک کے ساتھ ہوتا تھا۔

تلامذہ کے ساتھ ہمدردی:

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کو اپنے تلامذہ کے ساتھ انتہائی ہمدردی ہوتی تھی، غریب طلبہ کی وقتاً فوقتاً نقد یا کتابوں کی صورت میں امداد فرماتے رہتے، اپنی زندگی میں پیش آنے والے عجیب واقعات بھی

بیان فرماتے، ایک طالب علم کا واقعہ بڑی ہنسی کے ساتھ سنایا کرتے تھے کہ میں گکھڑ میں پڑھایا کرتا تھا، صبح نماز کے بعد درس سے فارغ ہو کر وہاں ہی اسباق شروع ہو جاتے، بیس سے زائد اسباق ہوتے تھے فارغ ہو کر گھر جا کر دوپہر کا کھانا کھا کر سو جاتا، ایک دن میں نے زاہد کی والدہ سے کہا کہ اگر صبح ناشتہ کا انتظام ہو جایا کرے تو اچھا ہوگا، صبح کے وقت چائے کو بہت جی چاہتا ہے، تو وہ کہنے لگی کیا آپ ناشتہ نہیں کرتے؟ تو میں نے کہا نہیں! وہ کہنے لگی میں تو ہر روز ناشتہ تیار کر کے بھیجتی ہوں، مجھے حیرانگی ہوئی کہ وہ ناشتہ کدھر جاتا ہے؟ اگلے دن میں نے نظر رکھی، سورج کے طلوع کے بعد ایک طالب علم مسجد سے باہر نکلا پھر تھوڑی دیر بعد ٹرے میں چینک اور پیالی رکھی اور دسترخوان میں روٹی لپیٹے ہوئے سیڑھیوں سے کمرہ کی جانب جاتا دکھائی دیا، مجھے شک سا گزرا مگر میں نے اس کو کھانا کھانے کا موقع دیا جب وہ خالی برتن لے کر باہر جانے لگا تو میں نے اسکو بلایا اور اس بارہ میں پوچھا تو کہنے لگا میں تو کافی عرصہ سے آپ کے گھر سے ناشتہ اور چائے لاتا ہوں یہ خیال کر کے کہ آپ اسباق میں مشغول ہیں آپ کو اس کی ضرورت نہیں تو خود ہی کھا جاتا ہوں اور برتن واپس دے آتا ہوں، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں اس کا نام نہیں بتاؤں گا مگر اتنا ضرور بتاتا ہوں کہ ہمیں ایسے تلامذہ سے بھی واسطہ پڑا ہے۔

رفقائے سفر کے ساتھ شفقت:

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی عادت تھی کہ سفر میں اپنے ساتھیوں کا بہت خیال رکھتے تھے، جو ساتھ جاتے ان کو کھانے میں اپنے ساتھ شریک فرماتے، بے شک گاڑی کرایہ پر لے گئے ہوتے تب بھی ڈرائیور کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے اور ساتھیوں کے آرام کا بھی خیال رکھتے تھے۔ اگر ڈرائیور سگریٹ کا عادی ہوتا تو کسی جگہ گاڑی ٹھہرا کر اس کو سگریٹ پینے کا موقع دیتے، اگر کسی نے ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر کیا ہوتا تو اس کی خواہش ہوتی کہ مجھے بار بار ایسا موقع نصیب ہو! حضرت کے ساتھ سفر کرنے والوں میں سے کبھی کسی کو شکوہ کرتے نہیں سنا، مجھے بھی حضرت کے ساتھ کئی دفعہ سفر کرنا نصیب ہوا بلکہ 1995 سے پہلے تو اکثر مجھے ہی ساتھ لے جاتے، ایک دفعہ حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمانے لگے کہ میں قارن کو اس لیے سفر میں ساتھ لے کر جاتا ہوں کہ یہ میرے مزاج سے واقف بھی ہے اور کسی وقت میری طبیعت ساتھ نہ دے تو بیان بھی کر دیتا ہے اور میں دعا کروا دیتا ہوں۔

ڈسکہ ہسپتال:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے سسر صاحب کی فوتگی پر مانسہرہ تشریف لے گئے وہاں سے مسجد سے نکلتے ہوئے ایک پتھر پر گر گئے جس کی وجہ سے زخم ہو گیا، اس زخم سے خون بہتا رہتا تو بعض حضرات کے مشورے

سے لاہور ہسپتال سے آپریشن کروایا مگر وہ زخم مزید بگڑ گیا اور ایک ''بھگندر'' بن گیا، اس کے آپریشن کے لیے 1970ء یا 1971ء میں ڈسکہ تحصیل ہسپتال میں داخل ہوئے اس لیے کہ اس وقت وہاں ہسپتال کے انچارج محترم ڈاکٹر عبداللطیف صاحب تھے وہاں ہسپتال میں حضرت کے پاس میں رہا، اسی دوران برادر عزیز عبدالحق خان بشیر کی چھنگلی انگلیوں کو بھی کاٹا گیا اور مجھے دو مریضوں کی تیمارداری کی ذمہ داری نبھانی پڑی، مگر کوئی زیادہ مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اس لیے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی جگہ صبر کا پہاڑ ثابت ہوئے تو دوسری جانب عزیزم عبدالحق نے بھی آپریشن کو ایک کھیل سمجھتے ہوئے ذرا بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس کا آپریشن ہوا ہے، تیسرے دن ہی اس نے چلنا پھرنا شروع کر دیا، وہاں ہسپتال میں ہمیں تقریباً ایک ماہ گزارنا پڑا، ہمیں ہسپتال کی مسجد کے ساتھ کمرے میں رہائش دی گئی وہاں اس وقت ضلع اٹک کے قاری عطاء الرحمٰن صاحب امام مسجد تھے انہوں نے بھی ان دونوں مریضوں کی خدمت میں میرا خوب ساتھ دیا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس دوران جب میں حضرت کی ٹانگیں دبانے کے لیے بیٹھتا تو حضرت صرف ونحو اور فقہ کے کئی مسائل پوچھتے اور میرے لیے مسائل کا اجراء ہوتا رہتا اور حضرت انتہائی مہربانی سے کئی مسائل سمجھاتے کبھی لطیفے سناتے جس کی وجہ سے ہسپتال رہنے کی مدت کا احساس بھی نہ ہوا، اس دوران صبح کا ناشتہ میں اور قاری عطاء الرحمٰن صاحب خود تیار کرتے، دوپہر کا کھانا حضرت مولانا قاضی محمد اسلم صاحب جو حضرت والد گرامی کے شاگرد اور مدرسہ نصرۃ العلوم کے سابق مدرس ہیں اور اس وقت دارالعلوم مدنیہ ڈسکہ کے مدرس تھے وہ خود لایا کرتے تھے، اور کبھی کبھی دوپہر کا کھانا حضرت مولانا فیروز خان صاحب کے گھر سے آتا تھا اور شام کا کھانا ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے گھر سے آتا تھا اور سارے اکٹھے بیٹھ کر کھاتے تھے۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت سفر کے دوران ساتھیوں کا خوب خیال رکھتے تھے، ہسپتال میں داخل ہوئے تیسرا دن تھا کہ میں نے بے تکلفی سے درخواست کی حضرت! میں عصر کے بعد کھیلنے کا عادی ہوں اور ہسپتال کے قریب ہی میں نے والی بال کا نیٹ لگا ہوا دیکھا ہے اگر اجازت ہو تو میں عصر سے مغرب تک کھیلنے کے لیے چلا جایا کروں؟ اس وقت ویسے بھی آپ کے پاس ڈسکہ اور آس پاس سے آنے والے کافی لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو مجھے اجازت دے دی اور ہر روز عصر کی نماز کے بعد مجھے فرماتے کہ جا! تو اپنا چسکہ پورا کر آ! رات کو اگر شدید تکلیف ہوتی تو اٹھاتے تھے ورنہ خود برداشت کر لیتے اور ہمیں نہیں اٹھاتے تھے۔

موت کی یاد:

حضرت والد صاحب موت کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے، کسی لمبے سفر پر جانا ہوتا یا کسی بیماری کے پیش نظر ہسپتال داخل ہونا ہوتا تو گھر والوں کو ایسے وصیت نامے لکھ دیتے کہ ان میں تمام مسائل کا حل ہوتا مگر یہ وصیت نامے اہل خانہ کے لیے پریشانی کا باعث بھی بنتے، ڈسکہ ہسپتال میں داخلہ سے پہلے جو وصیت نامہ لکھا

وہ پڑھ کر تمام گھر والے رونے لگ گئے اور واپسی تک ان کی یہی حالت رہی۔

کراچی کا پہلا سفر:

یہ سفر بائی ائیر تھا اس سفر میں ہمارے میزبان مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ تھے جو کہ مدرسہ نصرۃ العلوم کے ہی فاضل ہیں، جب ہم کراچی پہنچے تو کراچی کے علماء وطلباء کا جم غفیر حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ، حضرت مولانا محمد نعیم صاحب مدظلہ اور مفتی جمیل خان صاحب مرحوم وغیرہم کی قیادت میں ائیر پورٹ پر جمع تھا، اسی سفر میں جلسہ کے دوران مخالف فرقہ کے چند شرارت پسند حضرات نے اسٹیج پر فائرنگ کی جبکہ حضرت خود اور ان کے دو بیٹے راقم الحروف اور عزیزم عبدالحق خان بشیر بھی اسٹیج پر موجود تھے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف اسٹیج والوں کو بلکہ جلسہ کے دیگر حاضرین کو گڑبڑ اور افراتفری سے منع فرمایا اور چند لمحوں کے بعد جلسہ دوبارہ انتہائی کامیابی کے ساتھ جاری رہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عادت بھی تھی کہ جس نے حضرت کو دعوت دی ہوتی اس کا لحاظ رکھتے تھے اور پورا پروگرام اس کی رائے کے مطابق طے پاتا تھا، اگر کوئی پروگرام کے دوران کسی اور جگہ جانے کا کہتا تو فرماتے کہ فلاں ہمارا میزبان ہے اس سے طے کرلیں۔ کراچی کے اس پروگرام میں ائیر پورٹ پر رش زیادہ ہونے کی وجہ سے حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ سے پروگرام کی ترتیب نہ دی جاسکی اور ہمیں مفتی محمد جمیل خان صاحب مرحوم نے اپنی گاڑی میں بٹھالیا اور گاڑی روانہ ہوگئی، اچانک میری نظر حضرت مولانا اسلم شیخوپوری صاحب کی گاڑی پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ مولانا صاحب اپنی آنکھیں صاف کررہے ہیں شاید خوشی کے آنسو تھے کہ میری دعوت پر میرے شیخ تشریف لائے ہیں یا افسوس کے آنسو تھے کہ مجھ معذور سے مفتی جمیل خان صاحب میرا معزز مہمان میری اجازت کے بغیر اپنی گاڑی میں لے گئے، میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! اس وقت ہمارے میزبان تو مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ ہیں؟ تو انہوں نے مفتی جمیل خان صاحب سے فرمایا گاڑی روکو! انہوں نے گاڑی روکی تو مجھے فرمایا کہ مولانا اسلم صاحب سے پروگرام بھی پوچھو! اور ان سے کہو کہ آپ کی رضا ہو تو ہم اسی گاڑی میں رہیں ورنہ آپ کی گاڑی میں آجاتے ہیں؟ جب میں نے یہ بات مولانا اسلم شیخوپوری مدظلہ سے کہی تو میں نے دوبارہ ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے اور انہوں نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے مجھے پروگرام بتایا اور فرمانے لگے کہ تم میری گاڑی میں آجاؤ! حضرت بے شک اسی گاڑی میں رہیں اور مفتی جمیل خان سے کہیں کہ میری گاڑی ان کی گاڑی کے پیچھے رہے گی ذرا رفتار مناسب رکھیں۔ پروگرام کے مطابق ہم منزل تک پہنچے، اسی دوران جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی میں بخاری شریف کا آخری سبق حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا جس میں بیسیوں ایسے علماء کرام بھی موجود تھے جو خود بھی عرصہ دراز سے بخاری شریف پڑھاتے رہے، جب سبق سے فارغ ہوکر علماء ایک مجلس میں جمع

ہوئے تو حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب فرمانے لگے کہ استاد استاد ہی ہوتا ہے، حضرت نے سوا گھنٹے میں ہمیں وہ علمی جواہرات دے دیئے ہیں کہ ہم خود اپنے مطالعہ سے کئی مہینوں میں ان کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی ایسی جگہ تشریف لے جاتے جس علاقہ میں ان کے رشتہ دار ہوتے تو اپنے میزبان سے فرما دیتے کہ اس علاقہ میں میرے رشتہ دار رہتے ہیں، ان میں سے اگر کوئی آئے تو اس کو میرے پاس بھیج دیں، کراچی میں ہمارے بے شمار رشتہ دار ہیں، وہ آتے اور حضرت کو ملتے اور کئی حضرات کی دعوت پر حضرت ان کے گھر بھی تشریف لے گئے اور رشتہ دار عورتوں سے بھی ملاقات ہوئی، حضرت رحمہ اللہ کے شاگرد اور عقیدت مند حضرت مولانا محمد یوسف گلفام صاحب نے بھی حضرت کو دعوت دی تو ہم ایک رات ان کے گھر بھی رہے، ان کی مسجد میں صبح حضرت نے درس قرآن کریم بھی ارشاد فرمایا۔

کراچی کا دوسرا سفر:

یہ سفر بھی بائی ائیر تھا اور اس سفر میں ہمارے میزبان حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب مرحوم تھے، ''اقرأ روضۃ الاطفال'' کی مختلف برانچوں میں طلبہ اور طالبات کے حفظ مکمل کرنے کی تقریبات میں حضرت کے بیانات ہوئے اور ان کے علاوہ بھی دن میں کئی کئی مقامات پر حضرت مفتی مرحوم لے جاتے رہے۔

کوئٹہ کا سفر:

جامعہ قاسمیہ کوئٹہ میں ختم بخاری شریف کے لیے جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا عبدالغفور صاحب قاسمی دام مجدہم اور مولانا عبدالروف صاحب اس سفر میں ہمارے میزبان تھے، حضرت مولانا عبدالمالک ہزاروی صاحب بھی ان کے ساتھ شریک تھے، کئی مقامات میں بیانات ہوئے، یہ سفر بھی بائی ائیر تھا اس سفر میں دیگر کئی اہم باتوں کے علاوہ تین باتیں خصوصیت سے پیش آئیں۔

جہاز میں با جماعت نماز:

ہم کوئٹہ سے واپسی کے لیے سوار ہوئے تو عصر کی نماز کا وقت تھا، جب جہاز اڑ گیا تو حضرت فرمانے لگے کہ عصر کی نماز پڑھنی ہے تو خدمت پر مامور عملہ نے دروازہ کے قریب ہمیں نماز کی جگہ بتائی، جب ہم نماز کے لیے اٹھے تو دو اور آدمی بھی ہمارے ساتھ ہو گئے، حضرت نے نماز پڑھائی اور ہم تین آدمیوں نے حضرت کے پیچھے عصر کی نماز جہاز میں پڑھی، جب مغرب کا وقت ہوا تو عملہ کے حضرات نے ہم سے پوچھا کہ کیا آپ مغرب کی نماز بھی جہاز میں پڑھیں گے؟ تو حضرت نے فرمایا کہ نہیں! مغرب کی نماز ہم نیچے اتر کر آرام سے پڑھیں گے۔

چھتری گم ہوگئی:

حضرت کو ایک آدمی نے چھتری دی جو حضرت کو بہت پسند آئی، حضرت نے مجھے تلقین فرمائی کہ اس کی حفاظت کرنا، لاہور ایئرپورٹ سے باہر نکل کر کر ہم نے مغرب کی نماز پڑھی پھر گکھڑ کے لیے میں نے ٹیکسی بک کروائی، سامان اس میں رکھا جس میں خصوصیت کے ساتھ سیب کے دو کریٹ تھے جو کوئٹہ والوں نے تحفہ دیئے تھے، شاہدرہ میں ڈرائیور نے ٹیکسی روکی اور کہنے لگا یہاں میرا اماموں رہتا ہے میں اس کو ایک ضروری پیغام دے آؤں! ہم نے بھی وہاں بوتلیں پیں، پھر جب ٹیکسی گکھڑ پہنچی، سامان اتارا تو اتفاق سے وہ چھتری ٹیکسی میں ہی رہ گئی اور ٹیکسی چلی گئی، حضرت کو اس کا بہت افسوس ہوا، حضرت کے افسوس کو دیکھتے ہوئے میں نے ارادہ کرلیا کہ وہ چھتری حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جائیگی، میں نے قاری عبیداللہ عامر صاحب کے چھوٹے بھائی قاری عبدالروف صاحب کو بلایا اور جہاں شاہدرہ میں اس نے گاڑی روکی تھی وہ جگہ سمجھائی کہ ان سے کہا کہ ڈرائیور کے بارہ میں معلومات حاصل کر کے چھتری اس سے لے آؤ! اللہ تعالیٰ قاری عبدالروف صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ اس نے چار دفعہ لاہور کا چکر لگایا، کبھی شاہدرہ اور کبھی ائیر پورٹ، بالآخر کوشش بارآور ثابت ہوئی اور وہ چھتری مل گئی، حضرت چھتری کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، چھتری کے حصول کے لیے قاری عبدالروف صاحب کی چار دفعہ لاہور آنے جانے کی مشقت کو چھوڑ کر اخراجات اتنے ہوئے کہ اگر بازار سے خریدی جاتی تو اس جیسی پانچ چھتریاں خریدی جاسکتی تھیں۔

سیبوں کے کریٹ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طویل مرض سے پہلے عادت تھی کہ جہاں تک عام سواری میسر ہوسکتی سپیشل گاڑی کی اجازت نہیں دیتے تھے بلکہ عام سواری پر ہی سفر فرماتے تھے، کوئٹہ سے واپسی پر دو کریٹوں کا بوجھ تھا تو فرمانے لگے ٹیکسی کروالو! اس لیے ٹیکسی کروائی گئی، میں حضرت کے ساتھ گکھڑ پہنچا، حضرت کو چھوڑ کر واپس گوجرانوالہ آنے لگا تو فرمانے لگے ایک کریٹ تم لے جاؤ! حضرت صوفی صاحب اور زاہد صاحب وغیرہ کے گھر بھی اس میں سے بھیج دینا، میں وہ کریٹ لے کر گوجرانوالہ پہنچا، کریٹ کھولا تو سیبوں کا ستیاناس ہو چکا تھا صرف چار پانچ سیب صحیح نکلے باقی سب کا شیرہ نکل رہا تھا، اگلے دن حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ میں تشریف لائے تو میری جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے بڑھے اور فرمانے لگے کہ ہمارا کریٹ تو کوڑے کا ڈھیر ہی نکلا، تمہارا کیسا نکلا؟ میں نے کہا ہمارا بھی ایسا ہی نکلا! اس کی بدبو کی وجہ سے گلی میں پھینکنا بھی مناسب نہ سمجھا بلکہ ایک روپیہ جمعدار کو دے کر دور پھینکوایا ہے، ہنستے ہوئے فرمانے لگے یہ کوڑے کا ڈھیر اٹھانے کے لیے ٹیکسی کروائی تھی۔

پشاور کا سفر:

جب جمعیت علماء اسلام کے دونوں گروپوں (مولانا فضل الرحمٰن گروپ اور مولانا سمیع الحق گروپ) نے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف الیکشن میں امیدوار کھڑے کر دیئے تو بعض دردمند حضرات کو احساس ہوا کہ یہ آپس میں ہی اگر مقابل رہے تو ان دونوں کو ناقابل تلافی نقصان ہوگا اور فائدہ دوسرے حضرات اٹھالیں گے اس لئے ان کے لیڈروں کو سمجھایا جائے کہ باہم سمجھوتہ کر لیں اور اس کے لیے انہوں نے پشاور میں حضرت مولانا مفتی فقیر محمد صاحب کی مسجد میں اجلاس رکھا، جس میں پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب پلندری آزاد کشمیر، حضرت مولانا اسفندیار صاحب کراچی، حضرت والد صاحب، حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری، مولانا عبد الروف صاحب آسٹریلیا مسجد لاہور اور حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کے علاوہ بعض اہم علاقائی راہنما شامل تھے، ہمارے سفر کا انتظام مولانا عبد الروف صاحب نے کیا تھا یہ سفر بائی ائیر تھا، پشاور میں دو دن اور دو راتیں گزارنے کے باوجود لیڈر حضرات نے ان بزرگوں کی بات ماننا تو در کنار وہاں حاضر ہوکر بات سننا بھی گوارا نہ کیا، بالآخر ناکام واپس لوٹ آئے اور ان لیڈر حضرات کو بھی انتخابی نتائج سامنے آنے پر احساس ہوا کہ بہت سی سیٹوں سے ہم صرف باہمی اختلاف کی وجہ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

ملتان کا سفر:

یہ سفر بھی بائی ائیر تھا اور اس میں ہمارے میزبان حضرت مولانا عبد البر محمد قاسم صاحب دام مجدہم مہتمم قاسم العلوم ملتان تھے، انہوں نے بخاری شریف کا آخری سبق پڑھانے کی دعوت دی تھی، اس کے علاوہ بھی ملتان اور گردونواح میں کئی پروگرام ہوئے، ہم واپسی کی تیاری میں تھے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب فرمانے لگے کہ ائیر پورٹ جانے سے پہلے ایک جگہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھنا ہے اور وہاں سے ہی سیدھے ائیر پورٹ چلے جائیں گے، اس لیے وقت سے پہلے ہی ہم روانہ ہوئے چار گاڑیوں میں علماء کرام ساتھ تھے، سنگ بنیاد والی جگہ پہنچے تو وہاں کافی رش تھا، ایک کمرے میں ہمیں ٹھہرایا گیا، ملتان کا سفر جب درپیش ہوا تو ان دنوں عم مکرم حضرت صوفی صاحب کی طبیعت کافی ناساز تھی، جہاں بھی موقع ملتا حضرت مجھے فون پر حالات معلوم کرنے کا حکم فرماتے، وہاں بھی فون کی سہولت موجود تھی صاحب خانہ سے اجازت لیکر حضرت نے خود مدرسہ نصرۃ العلوم فون کیا اور وہاں سے صوفی صاحب کی خیریت معلوم کرنے پر اطمینان کا اظہار فرمایا، اس وقت حضرت کو زکام تھا اور گلا بھی خراب تھا، تو حضرت مولانا قاسم صاحب مجھے کہنے لگے کہ آپ آنے والے حضرات کے سامنے کچھ بیان کر دیں حضرت دعا فرما دیں گے، میں نے کوئی پندرہ منٹ بیان کیا پھر حضرت تشریف لائے مسجد کی جگہ پر اینٹ رکھی اور دعا فرمائی، میرے بیان کے دوران حضرت کمرے میں وہاں

موجود حضرات سے گفتگو میں ہی مصروف رہے، جب ہم جہاز پر سوار ہوئے تو چھوٹا سا فوکر طیارہ تھا، روانگی کا اعلان ہوا اور طیارہ چلتے چلتے اچانک رک گیا، پھر مسافروں کے قریب آ کر عملہ کے ایک شخص نے اعلان کیا کہ مولانا قارن صاحب کون ہیں؟ میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھے ہاتھ کھڑا کر کے اس کو شناخت کروائی، ساری سواریاں میری جانب عجیب نظروں سے دیکھنے لگیں، حضرت والد صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا تم نے تقریر میں کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کہہ دی؟ میں نے حضرت کو تسلی دی کہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوئی، میری شناخت کے بعد اعلان کرنے والا آگے دروازے کے پاس جا چکا تھا، تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ آیا اور مجھے اپنے ساتھ آگے لے گیا، اسی دوران جہاز کا دروازہ کھلا تو ایک لمحے کے لیے میں بھی گھبرا گیا، دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی نیچے کھڑے تین حضرات ہاتھ لہرائے سلام کر رہے تھے اور عملہ کا ایک آدمی کچھ سامان لیے اوپر آیا اس نے وہ سامان میرے حوالے کیا، جس میں کپڑے، ملتانی سوہن حلوے کے دو ڈبے اور اسپرے وغیرہ تھا، جب میں حضرت کے پاس اپنی سیٹ پر پہنچا اور حضرت کو بتایا تو فرمانے لگے بے وقوف! اس کے لیے انہوں نے ساری سواریوں کو پریشان کیا ہے، یہ سامان تو بعد میں بھی کسی کے ہاتھ بھیجا جا سکتا تھا۔

فیصل آباد کا سفر:

کراچی کے دوسرے سفر کے ساتھ ہی بخاری شریف کا آخری سبق پڑھانے کے لیے حضرت مولانا قاری محمد الیاس صاحب نے مدینۃ العلم بکر منڈی فیصل آباد کے لیے تاریخ لے رکھی تھی، اس لیے ہم کراچی سے اسلام آباد پہنچے اور پھر اسلام آباد سے فیصل آباد، اسلام آباد جانے والا طیارہ بڑا تھا، مگر اسلام آباد سے فیصل آباد جانے والا فوکر طیارہ تھا، ہم فیصل آباد پہنچے تو بہت سے علماء کرام استقبال کے لیے موجود تھے، گاڑیوں کے ایک قافلہ میں ہم مدینۃ العلم پہنچے پروگرام کے بعد رات کو بذریعہ کار ہم گوجرانوالہ کے راستہ گکھڑ پہنچے اور حضرت کو گکھڑ چھوڑ کر ہم واپس گوجرانوالہ آ گئے، گاڑی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے قریب ہی محلّہ گورونانک پورہ میں رہنے والے حاجی صاحب کے ایک عزیز کی تھی، اس لیے وہ رات انہی کے ہاں رہے۔

لکی مروت کا سفر:

ہم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے فاضل مولوی محمد ایوب سعدی صاحب کی دعوت پر لکی مروت گئے، یہ سفر بذریعہ کار ہوا، سعدی صاحب کے مدرسہ کے علاوہ اور بھی کئی مدارس میں بیانات ہوئے رات کو شدید بارش میں ایک مدرسہ میں جانا ہوا وہاں بیان تو نہ ہو سکا مگر علماء کرام اور طلبہ کے ساتھ رات دیر تک باتیں ہوتی رہیں، واپسی پر عیسیٰ خیل اور میانوالی کے درمیان سڑک کے کنارے ایک دیہات کے مرغ اکٹھے تھے، کہ اچانک ایک مرغ ہماری گاڑی کے آگے آ گیا اور گاڑی سے ٹکرا کر پھڑ کنے لگا، وہاں لوگ اکٹھے

ہو گئے، ڈرائیور نے گاڑی نہ روکی تو حضرت نے اس کو غصہ سے گاڑی واپس لے جانے کا حکم دیا، جب گاڑی واپس اس جگہ تک پہنچی تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ معلوم کرو یہ مرغ کس کا ہے؟ اس کو مناسب رقم دے دو! میں نے معلوم کیا تو وہ مرغ ایک بڑھیا کا تھا جس کا بیٹا فوج میں ملازم تھا، میں نے اس بڑھیا سے اظہار ہمدردی کیا اور مرغ کی رقم 50 روپے اس کو پیش کی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا کہ کوئی بات نہیں ایسا تو ہوتا رہتا ہے، پھر وہ چلتے چلتے گاڑی کے قریب آئی، حضرت والد صاحب کو آگے کی سیٹ پر بیٹھا دیکھا تو کہنے لگی میں تاں اس مولوی توں سو ککڑ وار دے ساں، (میں تو اس مولوی پر 100 مرغ قربان کر دوں گی) حضرت نے اصرار سے اس کو 50 روپے دیئے اور چلنے لگے تو وہ بڑھیا کہنے لگی پیسے تے دتے نے تا ککڑ تے گھن ونج (جب پیسے دیئے ہیں تو مرغ تو لیتے جاؤ!) حضرت نے فرمایا کہ تم ہماری طرف سے خود ہی کھا لینا، پھر حضرت نے ڈرائیور کو سمجھانے کے انداز میں فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ کسی کا نقصان کر کے بھاگ جائیں یہ ڈبل جرم ہے، ہمارا کیا بگڑا ہے کہ ہم نے یہاں ہی معاملہ حل کر دیا ہے؟

سنی کانفرنس بھیں:

بھیں ضلع چکوال میں عرصہ دراز سے پیر طریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت مولانا قاضی ظہور الحسین صاحب کی زیر نگرانی ''سنی کانفرنس'' ہوتی ہے، حضرت قاضی مظہر حسین صاحب کی دعوت پر اس کانفرنس میں گئے حضرت والد صاحب کے بیان کے بعد حضرت قاضی صاحب کے آبائی گھر میں مجلس ہوئی عجیب منظر تھا، جب حضرت والد صاحب اور حضرت قاضی صاحب آپس میں گفتگو فرما رہے تھے، اسی دوران مجلس میں سے ایک صاحب نے موجودہ دور کے فتنوں کا ذکر کیا تو حضرت والد صاحب فرمانے لگے کہ سارے مخالف اکٹھے ہو کر دیوبندیوں کے خلاف یلغار کرتے تو دیوبندیوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے جتنا نقصان عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی اور ان کی جماعت نے پہنچایا ہے، تو حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تائید میں فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

راولپنڈی کا سفر:

جب مفتی محمد جمیل خان صاحب مرحوم نے حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کراچی کے پروگراموں کا تذکرہ کیا تو حضرت قاری صاحب کو بھی اس جیسے پروگرام کا شوق ہوا تو انہوں نے اپنے احباب مولانا قاری محمد نذیر فاروقی صاحب اسلام آباد وغیرہ کے مشورہ سے راولپنڈی میں پروگرام طے کیا اور حضرت کو دعوت دی، راقم الحروف خادم کی حیثیت سے ساتھ گیا، اصل پروگرام جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی میں ہوا، جہاں علماء اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کی کثیر تعداد جمع ہوئی، اتفاق سے اس

دن حضرت کی طبیعت ناساز تھی، تو حضرت قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے حضرت! ہمارا مقصد تو زیارت اور برکت حاصل کرنا تھا، اس لیے آپ کی آمد ہی ہمارے لیے کافی ہے، بیان قارن صاحب کر دیں گے تو آپ دعا فرما دینا، اس پروگرام کے تحت مجھے اسٹیج پر لے جانے لگے تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ اپنے نصاب کی اہمیت پر بیان کرنا، میں ابھی بیان کر ہی رہا تھا کہ حضرت بھی سٹیج پر تشریف لے آئے اور مجھے بیان جاری رکھنے کا حکم فرمایا بہرحال سوا گھنٹہ کے قریب بیان کے بعد میں پیچھے ہٹا تو مجمع کی حالت کو دیکھ کر حضرت نے بیان شروع فرمایا اور تکلیف کے باوجود ڈیڑھ گھنٹہ بیان فرمایا جس سے منتظمین حضرات بالخصوص حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ بہت ہی خوش ہوئے۔ راولپنڈی کے حضرات نے واپسی پر گاڑیوں کے ایک جلوس کی شکل میں ہمیں سواں پل تک پہنچایا پھر حضرت کے اصرار پر وہاں سے واپس ہوئے حضرت قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سے اس کے بعد بھی کئی دفعہ سنا کہ ماشاء اللہ ہمارا وہ پروگرام ایک یادگار پروگرام تھا۔

ریٹائرجسٹس محمد رفیق تارڑ صاحب (سابق صدر پاکستان) کی دعوت:

تارڑ صاحب نے اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے دعوت دی تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ رفیق تارڑ نے دعوت دی ہے تو میں نے کہا کہ مجھے بھی دعوت نامہ آیا ہے، اس لیے جانا چاہیے حضرت نے ان سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے پاس اڑھائی بجے تک ٹھہروں گا، ہم دوپہر ایک بجے سے پہلے لاہور میں ان کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے، اڑھائی بجے تک بارات نہیں آئی تھی، تو حضرت نے فرمایا کہ میں جا رہا ہوں، وعدہ کے مطابق حاضری ہوگئی ہے، انہوں نے بھی اصرار نہ کیا اس لیے کہ وہ حضرت کے مزاج سے بخوبی واقف تھے، صرف انہوں نے پندرہ منٹ کی اجازت مانگی کہ ہم آپ کو کھانا کھلا دیں، تو تارڑ صاحب کی بیٹھک میں ہم نے گھریلو کھانا کھایا، اس لیے کہ شادی کا کھانا ابھی نہیں آیا تھا، کھانا کھا کر ہم وہاں سے واپس ہوئے ہمارے اس طرح واپسی پر کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار کرنے کی بجائے محترم تارڑ صاحب وقت کی پابندی میں اس واقعہ کو بطور مثال پیش کیا کرتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدلقدیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جنازے میں شرکت:

جب مولانا عبدالقدیر صاحب کی وفات کی خبر سنی تو حضرت نے اسباق کے دوران ہی مجھے بلایا کہ ہمارے استادِ محترم فوت ہوگئے ہیں سفر لمبا ہے جانا بھی چاہیے مگر ہمت نہیں ہو رہی، میں نے کہا کہ گاڑی کا بندوبست کر لیتے اور جاتے ہیں اس دور میں جب گاڑی کی ضرورت ہوتی تھی تو محترم جناب حافظ بشیر احمد صاحب سے رابطہ کیا جاتا تھا وہ بندوبست کر دیتے تھے، جب حافظ صاحب سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ فیصل آباد گئے ہوئے ہیں، ٹیکسی اڈے سے پتہ کروایا تو پھر بھی انتظام نہ ہوسکا، اتنے میں حضرت اسباق سے

فارغ ہو کر حضرت صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تشریف لے جا رہے تھے، اور حضرت صوفی صاحب باہر تشریف لا رہے تھے تو حضرت نے فرمایا کہ ہمارے آخری استاد تھے جنازے میں جانا تو چاہیے مگر گاڑی کا انتظام نہیں ہو سکا، ویسے جائیں تو جنازے میں پہنچنا مشکل ہے، تو حضرت صوفی صاحب نے فرمایا کہ بھائی آپ نے مدرسہ کی نمائندگی کرنی ہے اس لیے مدرسہ کی گاڑی لے جائیں یہ ناظم صاحب آپ کے ساتھ جائیں گے یہ فرما کر حضرت صوفی صاحب سبق پڑھانے چلے گئے، حضرت والد صاحب نے ڈرائیور کو بلایا اور فرمانے لگے یہ آپ کی ذمہ داری میں تو شامل نہیں مگر ہماری مجبوری ہے کہ ہمیں کوئی اور گاڑی نہیں مل سکی، اور یہ ناظم مہتمم دونوں کہتے ہیں کہ مدرسہ کی گاڑی لے جاؤ! اگر تم راضی ہو تو ہم حضرت استاد صاحب کے جنازے میں شریک ہو جائیں گے؟ تو ڈرائیور عبدالغفار صاحب نے کہا کہ حضرت آپ کی وجہ سے مجھے بھی ان بزرگوں کے جنازے میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جائیگی، ہم جنازے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے پہنچ گئے، حضرت والد صاحب نے جنازہ پڑھایا جنازے کے بعد دو جگہ حضرات لے گئے پھر مغرب کے بعد وہاں سے روانگی ہوئی میرا جی چاہا کہ ٹیکسلا میں استاد محترم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے ہاں بھی اگر حاضری ہو جائے تو بہتر ہو گا، حسن ابدال پہنچنے پر حضرت فرمانے لگے کہ یہاں کہیں روٹی کھا لینی چاہیے تو میں نے کہا کہ حضرت آگے ٹیکسلا میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے ہاں چلتے ہیں کھانا بھی کھا لیں گے تھوڑا سا آرام بھی ہو جائے گا، اور استاد صاحب بھی خوش ہو جائیں گے، تو فرمانے لگے کہ وہ تو مین روڈ سے ہٹ کر دور گاؤں میں رہتے ہیں اور یہ گاڑی مین روڈ سے ہٹا کر کسی جگہ لے جانا درست نہیں ہے، اس لیے ہم یہاں کسی ہوٹل میں کھانا کھا لیتے ہیں میں نے کہا کہ حضرت! وہ ٹیکسلا شہر میں ہیں اور مین روڈ سے ہمیں اتنا ہی دور جانا پڑے گا جتنا عموماً کسی مناسب ہوٹل کے لیے! بہرحال ڈرائیور صاحب نے بھی تائید کی تو ہم حضرت استاد محترم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے ہاں پہنچے وہاں شام کا کھانا کھایا اور عشاء کی نماز پڑھی اور پھر واپسی کا سفر شروع کیا، اس دور میں حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب چائنہ فیکٹری میں ملازمت کرتے تھے۔

مجھے ان اسفار کے علاوہ بھی بہت سے اسفار میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت نصیب ہوئی، جن میں حافظ مہر محمد صاحب دام مجدہم، فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی دعوت پر بن حافظ جی ضلع میانوالی، مولانا حافظ شاہ محمد صاحب کی دعوت پر ان کی مسجد ایبٹ روڈ سیالکوٹ، مولوی غلام نبی کھٹانہ کی دعوت پر تلونڈی بھنڈراں ضلع نارووال، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی دعوت پر الہ باد (ٹھینگ موڑ) ضلع قصور، مولوی محمد ادریس صاحب کی دعوت پر ہندال ضلع قصور، مولانا جمیل الرحمٰن اختر صاحب کی دعوت پر چوک شہیداں جلو موڑ لاہور، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام کے سالانہ جلسہ میں جہلم اور ایک پر اسرار شخصیت مولوی محمد حنیف علوی کی دعوت پر بھلوال کے سفر

قابل ذکر ہیں۔(بھلوال کے سفر کی عجیب داستان ہے جو مستقل مضمون کی متقاضی ہے۔)

اس کے علاوہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب بھی بیرونی سفر سے واپس تشریف لاتے تو 1995ء تک لاہور یا اسلام آباد ائیر پورٹ سے ان کو لینے کے لیے راقم الحروف ہی جاتا تھا۔

ہمارے ہاں قیام:

حضرت والد صاحب اپنی وفات سے دو ماہ قبل ہمارے ہاں تشریف لائے اور پانچ دن قیام فرمایا اس دوران بہت سی علمی، خاندانی اور ماضی کی یادگار باتیں ہوتی رہیں۔ایک دفعہ علماء کی محفل میں فرمانے لگے قارن! تو نے حاشیہ عبدالغفور کا مطالعہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ شرح جامی پڑھنے اور پڑھانے کے دوران اس کا مطالعہ کئی بار کیا ہے تو فرمانے لگے کہ یہ عبدالغفور کہاں کا تھا تو میں نے کہا کہ اس کو اللّاری کہتے ہیں تو لاراء کا ہوگا تو فرمایا کہ لاراء کہاں ہے؟ میں نے کہا یہ مجھے معلوم نہیں۔ دیگر بیٹھے ہوئے علماء سے پوچھا تو انہوں نے کہا، کہ ہمیں معلوم نہیں تو فرمایا کہ پرانا لاہور جس میں قصور اوراوکاڑہ ضلع کا کچھ حصہ بھی شامل تھا اس ضلع لاہور کا ایک دیہات لاراء ہے اب خود معلوم کر لینا کہ اس وقت وہ کس ضلع میں ہے۔

ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ تم نے کتنے سال تراویح میں قرآن کریم سنایا ہے؟ تو میں نے کہا چالیس کے قریب دفعہ سنایا ہوگا! تو فرمانے لگے مجھے گن کر بتاؤ! میں نے کہا مسجد شاہ سلیمان گکھڑ میں دو دفعہ، کوٹ نورا میں دو دفعہ، چک سنتہ میں دو دفعہ، مسجد خراس والی گکھڑ میں تین دفعہ، مرکزی مسجد بوہڑ والی گکھڑ میں چار دفعہ، ٹھاکر سنگھ چوک والی مسجد میں ایک دفعہ، بازار سید نگری کی مسجد میں دو دفعہ، لانگریانوالی مسجد میں تین دفعہ، جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم میں دو دفعہ، تحریک جامع مسجد نور میں گرفتاری کے دوران ڈسٹرکٹ جیل میں ایک دفعہ، جامعہ مسجد فاروقیہ گرین ٹاؤن میں ایک دفعہ، مدنی مسجد فیض غفوری نور باوا میں بارہ دفعہ، جامع مسجد تقویٰ پیپلز کالونی میں چھ دفعہ، اور گھر میں اپنے بچوں کو تین دفعہ، فرمانے لگے کہ یہ کتنی دفعہ ہوگیا تو میں کہا کہ یہ چوالیس دفعہ ہوگیا پھر فرمانے لگے کہ تم نے تہجد میں بھی سنایا تھا؟ تو میں نے کہا کہ آپ کو پانچ دفعہ اور حضرت صوفی صاحب کو ایک دفعہ تہجد میں سنایا تھا۔ایک دفعہ حضرت صوفی صاحب نے کسی فقیہ کے حوالہ سے بتایا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ زندگی میں ایک بار فرض نماز میں بھی قرآن کریم پڑھنا چاہیے تو اس کے بعد میں نے فجر کی نماز میں ترتیب سے سنانا شروع کیا روزانہ دو تین رکوع ہو جاتے اور تقریباً ساڑھے سات ماہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہوگیا حضرت نے خوشی سے دعائیں دیں۔ پھر افسوس کے لہجے میں دو تین بھائیوں کا نام لے کر فرمانے لگے کہ انہوں نے منزل سنانا چھوڑ دی ہے پتہ نہیں ان کی منزل کا کیا حال ہے؟

اسی قیام کے دوران حضرت نے دورہ حدیث شریف کے شریک طلبہ کو ہمارے گھر میں ہی بخاری کا سبق پڑھا کر سندِ اجازت دی۔

یادگار ملفوظات:

یوں تو حضرت رحمہ اللہ کا ہر جملہ یادگار ہے مگر بعض جملے وہ خصوصیت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف بداعتادی پیدا کرنے کے لیے اگر شیعہ حضرات سو سال تک ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کام کرتے رہتے تو اتنا کام نہیں کر سکتے تھے جو مودودی صاحب کی ایک کتاب خلافت وملوکیت نے کر دکھایا ہے۔

2۔ یزید اپنے دور کے لحاظ سے فاسق وفاجر تھا مگر موجودہ حکمرانوں کے مقابلہ میں وہ ولی تھا۔

3۔ اللہ کرے کسی مولوی کا دماغ خراب نہ ہو۔

4۔ اونٹ کینہ پرور جانور مشہور ہے مگر کسی مولوی میں جب کینہ آجاتا ہے تو وہ اونٹ سے بھی زیادہ کینہ پرور ہو جاتا ہے۔

5۔ کوئی مولوی کسی رسم میں شریک نہ ہو! اگر ایک دفعہ کسی رسم میں شریک ہو گیا تو اس کے لیے رسم کی تردید مشکل ہو جائے گی۔

6۔ اپنا عقیدہ مضبوط رکھیں اس میں کسی قسم کی لچک نہ آنے دیں مگر بیان میں نرمی ہونی چاہیے تاکہ سننے والے بات کو خوشی سے سنیں۔

7۔ اپنے مخالف سے اختلاف بھی دیانت داری سے کریں اسکی عبارت کا مفہوم وہی لیں جو اس کے سیاق وسباق سے ثابت ہوتا ہے اپنی طرف سے کسی عبارت کا مفہوم لینا بددیانتی ہے۔

8۔ مسلمانوں کی خوش حالی اور اسلامی نظام کے راستہ میں رکاوٹ آجکل کے مسلمان حکمرانوں کا وجود ہے ان کی اصلاح کی دعاء کیا کریں۔

9۔ بدعات ورسومات میں اصلاح کی غرض سے شریک ہونے والے کی مثال ایسے ہے جیسے گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر تلاوت کرنے والا۔

10۔ علم کے لیے اپنا آرام اور کھیل سب کچھ قربان کرنا ہوگا ورنہ علم میں مقام پیدا کرنا مشکل ہے۔

11۔ اپنے اکابر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑیں اسی میں خیر وبرکت ہے۔

12۔ علم میں ترقی کے لیے ذرائع علم (استاد، کتاب، اور مدرسہ) کی قدر ضروری ہے۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ مماثلت:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اپنے تمام اساتذہ کرام کے قدردان تھے مگر سب سے زیادہ متاثر شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی ذات گرامی سے تھے۔ بہت سی چیزوں میں ان کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ مماثلت تھی جن میں سے بعض زیادہ نمایاں ہیں

1۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی مہمان نوازی مشہور رہے۔ہماری دونوں والدہ محترمہ کی زندگی تک گکھڑ جیسے قصبہ میں حضرت والد صاحب کا مہمان نوازی کا دستر خوان مشہور رہا۔روزانہ بیسیوں حضرات اس سے فائدہ اٹھاتے۔پھر حضرت مدنی رحمہ اللہ اپنے مہان کی از خود خدمت فرماتے تھے تو ہم نے دیکھا کہ مہمان کی حیثیت کے مطابق حضرت والد صاحب بھی خود خدمت سرانجام دیتے تھے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ دھلوانے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔اور ہم نے اپنے ناناجی کے لیے حضرت والد صاحب کو خود حقہ تیار کر کے پیش کرتے دیکھا۔

2۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ساری زندگی سیاست میں گذار دی اور گمراہ فرقوں کا تعاقب بھی جاری رکھا اور اس کو قطعاً سیاست کے منافی نہ سمجھا۔حضرت والد صاحب بھی زندگی کا اکثر حصہ سیاسی جماعت سے وابستہ رہے اور فتنوں کا تعاقب بھی جاری رکھا۔یہ ان حضرات کے لیے سبق ہے جو گمراہ فرقوں کے تعاقب کو سیاست کے لیے رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ان کو اپنی سوچ وفکر درست کرنی چاہیے۔

3۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے تھے جب جیل گئے تو وہاں تعلیم الاسلام پڑھانے لگے۔حضرت والد صاحب بھی طلباء کو بخاری اور ترمذی پڑھاتے تھے جب جیل گئے تو اپنے برخوردار عزیزم عبد الحق خان بشیر سلمہ کو صرف ونحو کی ابتدائی کتابوں کے اسباق پڑھاتے رہے اور باقی ساتھیوں کو نماز اور دعاؤں کے الفاظ درست کرواتے رہے۔

4۔ کراچی خالق دینہ ہال میں انگریز جج نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کو دھمکی دی کہ جو بات آپ کہہ رہے ہیں اسکی سزا موت ہے تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں تو شہادت کا متمنی ہوں کفن ساتھ لایا ہوں۔1977ء کی نظامِ مصطفیٰ کی تحریک میں جب فوجی کرنل نے حضرت والد صاحب کو دھمکی دی کہ سرخ لائن کراس کرنے کی صورت میں گولی لگے گی تو حضرت نے فرمایا کہ تریسٹھ سال مسنون عمر پوری کر چکا ہوں اب شہادت کا متمنی ہوں تو جو کرنا چاہتا ہے کر لے!اور پھر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے ساتھ سرخ لائن عبور کر گئے۔

تاریخ شاہد ہے کہ نہ انگریز جج کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کو پھانسی کی سزا دینے کی جرأت ہوئی اور نہ ہی حضرت والد صاحب پر فوجی کرنل کو گولی چلانے کی جرأت ہوئی۔

5۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ تصویر کو حرام سمجھتے تھے مگر کسی نے ان کی تصویر بنا لی۔اعتراض کرنے والے نے اعتراض کیا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا بعینہٖ اسی جیسی صورت حضرت والد صاحب کے ساتھ بھی پیش آئی۔

حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی صاحب رحمہ اللہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا معترض کو جواب نقل کرتے ہیں۔

جناب احمد حسین صاحب لاہر پور سیتارام کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ والا نامہ مع کٹنگ فوٹو پہنچا، یاد فرمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، میں نے خود اپنے علم وارادہ سے کبھی فوٹو نہیں کھنچوایا میری لاعلمی میں ایسا ہو جاتا ہے، نہ میں اس کو جائز سمجھتا ہوں۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود اس کے ذمہ دار ہیں۔

والسلام......ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ دیوبند ۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۲ھ

[مکتوبات، ج ۴ ص ۲۱۴، بحوالہ تذکرہ حضرت مدنی ج ا ص ۲۶۳]

اسی طرح جب حضرت والد صاحب سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں لکھوایا

''میری لاعلمی میں کسی نے ایسی حرکت کی ہے، مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں، باقی رہا مسئلہ فوٹو لینے کا تو ویڈیو کیمرہ سے یا خالی کیمرہ سے فوٹو لینا ناجائز ہے، میں اس کام کو حرام سمجھتا ہوں۔

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں کس قدر مماثلت ہے۔

6۔حضرت مدنی رحمہ اللہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اپنے اساتذہ کے حوالے سے جواب عنایت فرماتے کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے، اسی طرح حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی جب مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ اپنے اسلاف کے ہی حوالہ سے بتایا کرتے تھے، اپنی انفرادی رائے پر مسئلہ نہیں بتاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلاف کے دامن کے ساتھ ہی وابستہ رکھے۔آمین یا الہ العالمین

سادگی

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رات کو کسی جلسہ میں تشریف لے گئے، صبح فجر کے بعد گھر تشریف لائے اور اپنی اہلیہ کو فرمایا کہ ناشتہ تیار کر دو، حضرت کی اہلیہ نے فرمایا میں ناشتہ تیار کر کے دیتی ہوں چونکہ حضرت رات گھر پر نہیں تھے، اس لیے محترمہ نے صبح سویرے حسبِ معمول آٹا وغیرہ ابھی تک گوندھا نہیں تھا، تھوڑی دیر بعد حضرت نے اہلیہ سے کہا کہ ناشتہ جلدی تیار کر دو! حضرت کی اہلیہ محترمہ ابھی آٹا گوندھ رہیں تھی۔انہوں نے حضرت سے عرض کی کہ آپ ابھی جہاں سے آئے ہیں انہوں نے آپ کو ناشتہ بھی نہیں کروایا؟ حضرت تھوڑا مسکرائے پھر فرمایا، اللہ کی بندی تو ناشتہ کی بات کرتی ہے انہوں نے تو رات کو بھی کھانا نہیں کھلایا، بس جلسہ ختم ہوا تو انہوں نے مسجد کے صحن میں چارپائی لگا دی اور سلا دیا تھا۔اولئک اٰبائی فجئنی بمثلھم

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر مدظلہ

امام اہل سنت کا مسلک اعتدال

......اور......

حافظ محمد عمار خان ناصر

(نوٹ: حضرت والد مکرم دام مجدہم نے ’’امام اہل السنۃ کے عقائد ونظریات، تحقیق اور اصولِ تحقیق کے آئینے میں‘‘ کے عنوان سے ماہنامہ ’’الشریعہ‘‘ گوجرانوالہ کی خصوصی اشاعت بیادامام اہل السنۃ نمبر کے لیے تقریباً 75 صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی، تحقیقی مضمون تحریر فرمایا، ’’فجزاہ اللہ خیراً‘‘ احقر نے جب مجلّہ ’’المصطفیٰ‘‘ کے امام اہل السنۃ نمبر کے لیے مضمون کی درخواست کی تو اولاً فرمایا کہ ابھی تو مسلسل پروگراموں میں مصروف ہوں، پھر راہوالی میں مضامین قرآن وسنت کورس کا آغاز ہوگیا، اس کے بعد معارف اسلامیہ گکھڑ میں دورہ تفسیر کا آغاز ہوگیا تو والد مکرم مدظلہ نے مضمون لکھنے سے معذرت کرلی، جب احقر گجرات حاضر ہوا اور مسلسل ایک ہفتہ ان کی خدمت میں رہا تو ازخود ہی فرمایا کہ ’’یہ مضمون مکمل کرلوں پھر تمہارے لیے اپنی دلچسپ یادداشتوں پر مشتمل ایک مضمون لکھ دوں گا، البتہ اس مضمون کے صفحہ پچاس سے آگے والا حصہ تم بھی لگا لینا‘‘، (سارا تو ممکن نہیں ہے البتہ برادرم مولانا عمار خان ناصر سے متعلق چند ابحاث حاضر خدمت ہیں، قارئین کو ربط وتسلسل کی کمی تو ضرور محسوس ہوگی، کیونکہ احقر اپنی کم علمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے ربط قائم کرنے میں ناکام رہا ہے، اس کے لیے پیشگی معذرت قبول فرمائیں۔ مکمل مضمون الشریعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔اور) آج تقریباً 15 روز گزرجانے کے بعد بھی تاحال والد مکرم کا دوسرا مضمون موصول نہ ہوسکا لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔[خادم، حمزہ])

حافظ محمد عمار خان ناصر کی علمی بے راہ روی: میرے انتہائی پیارے عزیز اور بھتیجے (برادر مکرم علامہ زاہد الراشدی مدظلہ کے فرزند) حافظ محمد عمار خان ناصر بچپن سے ہی خداداد ذہانت کے مالک ہیں۔ قدرت نے انہیں بے پناہ ذہانت سے نوازا ہے۔ وہ بلا کا حافظہ رکھتے ہیں اور بچپن سے مطالعہ کا بھی ذوق وجنون ہے،

اور یہ فطرت کا قانون ہے کہ اگر کسی ذہین وفطین آدمی کو تربیتی سختیوں سے آزاد کر دیا جائے اور اسے نگرانی کے حصار میں نہ رکھا جائے تو اس کے بھٹکنے کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے اور اس کے فکری بے راہ روی کا شکار ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ماضی میں اس کی ان گنت مثالیں موجود ہیں۔ امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ذہانت وفطانت ہی تھی جس نے ان کے مرشد وسرپرست حافظ محمد صدیق بھرچونڈویؒ کو پریشان کر دیا تھا اور انہوں نے مولانا سندھیؒ کو بغرض تعلیم رخصت کرتے وقت دعا کی تھی کہ یا اللہ! اس کا واسطہ کسی متبحر اور پختہ کار عالم سے پڑے، اور حضرت سندھیؒ خود فرماتے ہیں کہ میرے مرشد ومربی کی دعا مجھے حضرت شیخ الہندؒ کے قدموں تک لے آئی۔ غرضیکہ ذہین آدمی کی فکری تربیت کی نگرانی بہت ضروری ہوتی ہے اور اگر وہ مطالعہ کا ذوق وشوق بھی رکھتا ہو تو نگرانی میں شدت شامل کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ کی ذہانت وفطانت سے ہر صاحب علم ومطالعہ اچھی طرح واقف وباخبر ہے۔ تقریباً بارہ سال کی عمر میں وہ جملہ علوم وفنون کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔ ان کی اسی ذہانت وفطانت کی بنا پر ان کے والد گرامی مولانا خیر الدینؒ ان کے بارے میں پریشان رہتے تھے اور ان کے بچپن میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے بیٹے کی ذہانت سے خوف آتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس کی ذہانت اسے کسی نئے رخ پر نہ لگا دے اور وہ نیا رخ اس کی اور اس کے ذریعہ دیگر لوگوں کی گمراہی کا باعث نہ بن جائے اور اسے اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک حقہ سے دور نہ کر دے۔ مولانا آزادؒ کے والد محترمؒ کی ماضی پر نظر تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ماضی کے اندر ذہین وفطین لوگوں کے اٹھائے ہوئے فتنے ہزاروں لوگوں کے ایمان غارت کر چکے ہیں اور ہم اپنے شیخ ومرشدؒ کا قول بھی ان فتنوں کے بارے میں گزشتہ سطور میں بیان کر چکے ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ فکری اصلاح کے لیے دھونس سے کام نہیں لینا چاہیے، لیکن ہمیں اس سے ہرگز اتفاق نہیں، کیونکہ جب کوئی شخص اپنے آباؤ اجداد کے فکری اصولوں میں برملا طور پر دھاندلی سے کام لے رہا ہو تو اسے دھونس کے ذریعے راہ راست پر لانا اس کے سرپرستوں کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔ قرون اولیٰ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور خود ہمارے حضرت شیخؒ کا طرز تربیت اس بارے میں جو کچھ تھا، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

امام اہل سنت کا طرز تربیت: خاندان صفدریہ کا ہر وہ فرد جو حضرت شیخؒ کے ایام صحت وتندرستی کے معمولات سے باخبر ہے، وہ اس بات کی شہادت دے گا کہ حضرت شیخؒ اپنے بچوں کی اعتقادی واخلاقی تربیت واصلاح میں بہت سخت گیر تھے اور اس معاملہ میں ان کے اندر نرمی کا کوئی گوشہ نہ تھا۔ سب بچوں کی ڈاڑھیوں کو چیک کرنا، جس پر ڈاڑھی کٹانے کا شبہ ہو، اسے سخت سزا دینا، ہر جمعہ کو اپنے ہاتھوں سے سب کے ناخن کاٹنا، ناخن بڑھے ہوئے دیکھ کر سزا دینا، مہینہ میں کم از کم ایک بار سب کی حجامتیں اپنی نگرانی میں بنوانا گویا ان کی ڈیوٹی

کا حصہ تھا۔ ان کی تمام اولاد کے اندر مسلکی پختگی اور اسلاف کی تحقیقات پر غیر متزلزل یقین اور اعتماد ان کی اسی سخت نگرانی وشدت کا نتیجہ ہے۔

صحت کے دور میں سب بچوں کو اپنے ساتھ مسجد لے کر جانا، نماز کے بعد ان کو صفوں میں چیک کرنا، پہلی رکعت چھوڑنے کی صورت میں سزا دینا، نماز کے اندر سستی اور تعلیم واسباق کے اندر غفلت برتنے والوں کی پٹائی کرنا ان کا مستقل معمول تھا اور خاندان صفدریہ کا ہر فرد اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ بچپن میں تمام بچوں پر دیوبندی کتب ورسائل کے علاوہ باقی مذاہب ومسالک اور فرقوں کی کتب اور رسائل کا مطالعہ کرنے پر سخت پابندی تھی۔ حضرت شیخؒ کے پاس قادیانی، روافض، منکرین حدیث، اہل حدیث اور بریلوی وغیرہ تمام مکتب فکر کے رسائل آتے تھے، لیکن سب بچوں کو ان میں سے دیوبندی مکتب فکر کے رسائل (بینات، البلاغ، الفرقان، الحق، ترجمان اسلام اور خدام الدین وغیرہ) کے علاوہ کوئی رسالہ پڑھنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ یہ واردات اگر کسی نے کرنا ہوتی تو انتہائی خفیہ اور غیر محسوس طریقہ سے کرتا۔ متعدد بار اس معاملہ میں میری اور بھائی جان محمد اشرف خان ماجد مرحوم کی پٹائی بھی ہوئی۔ حضرت شیخؒ کی طرف سے اس پابندی وسختی کے خوش کن اور دوررس اثرات اس وقت بہت نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آئے جب ہم نے فکری واعتقادی میدان میں عملی جدوجہد کے لیے قدم رکھا۔

صرف بچوں کی نہیں بلکہ مریدین وتلامذہ کی اصلاح وتربیت کے لیے بھی وہ کافی حد تک سختی سے کام لیتے تھے اور انہیں قدم قدم پر اسلاف کی تحقیقات سے جڑے رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ ایک بار ان کے ایک مرید نے، جو ہائی سکول میں ٹیچر تھے اور سیالکوٹ یا پسرور سے اکثر حضرت شیخؒ کی خدمت میں تشریف لایا کرتے تھے، چند غیر مسلکی کتابوں کے مطالعہ کی اجازت چاہی تو حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ ''میرے نزدیک ایسے آدمی کے لیے جو اپنے مسلکی عقائد ونظریات اور ان کے دلائل سے پوری طرح واقف نہ ہو، کسی دوسرے مذہب ومسلک کی کتب ورسائل کا مطالعہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان میں سے اکثر وہ ہیں جو اردو ادبیت کی چاشنی اور عقلی دلائل کی چکر بازیوں سے لبریز ہیں اور ان کی وجہ سے آدمی کا نقلی دلائل پر سے اعتماد ختم یا کمزور ہو جاتا ہے۔'' ماسٹر صاحب نے اپنی مسلکی پختگی کا پورا یقین دلاتے ہوئے اجازت پر اصرار کیا۔ میرے لیے یہ بات باعث حیرت تھی کہ وہ اجازت کیوں طلب کرتے ہیں اور پھر اجازت حاصل کرنے پر مصر کیوں ہیں؟ لیکن پوچھنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سرسید احمد خان کی ''تفسیرات احمدیہ'' اور ''خطبات احمدیہ'' اور مولوی محمد علی لاہوری کی ''بیان القرآن'' پڑھنے کی اجازت مانگی تھی۔ ان کے شدید اصرار پر حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ اگر ان کتب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہتے ہو تو پھر ان سے پہلے مولانا عبد الحق حقانی دہلوی کی ''تفسیر حقانی''، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفسیر ''معارف القرآن'' اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ''سیرت النبی'' جلد ۳، ۴ کا مطالعہ کریں۔ جب وہ حضرت شیخؒ سے

ملاقات کے بعد واپسی کے لیے باہر نکلے تو میں نے ذہن کے اندر مچلنے والا سوال ان پر داغ دیا جس پر انہوں نے یہ عجیب انکشاف کیا کہ میرا گزشتہ پندرہ سال سے حضرت شیخؒ کے ساتھ تعلق ہے اور میں ہر قسم کی علمی وروحانی راہنمائی حاصل کرنے کے لیے حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا ہوں۔ جب بھی میرا کوئی دوست مجھے کوئی ایسی کتاب پڑھنے کے لیے دیتا ہے جو میرے مسلک کی نہ ہو تو میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں اور ان سے اس کتاب کے پڑھنے کی اجازت مانگتا ہوں۔ حضرت شیخؒ ہر بار یہی جملہ فرماتے ہیں کہ ایسی کتابوں کا مطالعہ جائز نہیں۔ میں ہر بار اصرار کرتا ہوں تو حضرت شیخؒ اجازت دے دیتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کا توڑ بھی بتا دیتے ہیں۔ اس طرح زہر کے ساتھ تریاق بھی مل جاتا ہے۔ میں نے تعجب کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ اپنے دوستوں سے ایسی کتابیں مطالعہ کے لیے لیتے کیوں ہیں؟ تو انہوں نے مسکرا کر فرمایا کہ میں بھی تو ان کو اپنے مسلک کی اور حضرت شیخؒ کی کتابیں پڑھنے کے لیے دیتا ہوں۔ اگر میں ان سے پڑھنے کے لیے کتاب نہ لوں (جو وہ دے رہے ہیں) تو وہ مجھ سے کتاب کیسے لیں گے؟ اور دوسرا فائدہ مجھے یہ ہو جاتا ہے کہ جو کتابیں میرے دوست مجھے دیتے ہیں، میں ان کو وہ کتابیں پڑھنے کے لیے دے دیتا ہوں جو حضرت شیخؒ مجھے ان کے توڑ کے لیے بتاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضرت شیخؒ کی خصوصی شفقت وتوجہ سے کئی ایسے دوستوں کو راہ راست پر لا چکا ہوں جو مختلف فتنوں کا شکار ہو چکے تھے۔

اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ کا انداز تربیت کیا تھا اور وہ کس انداز سے اپنے مریدین اور تلامذہ کو اسلافؒ کی تحقیقات سے جوڑے رکھتے تھے۔

اجماع کے بارہ میں عمار خان ناصر کی علمی ٹھوکر: عزیزم عمار خان ناصر سلمہ اللہ تعالیٰ کافی عرصہ سے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کی روشن خیال تحریک سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کے بعد ان کا تمام تر مطالعہ اسی فکر ونظر کے حوالہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب ''حدود وتعزیرات: چند اہم مباحث'' کے نام سے لکھی جو غامدی صاحب کے ادارہ ''المورد'' سے شائع ہوئی۔ اس میں دیت اور زانی کی سزا کے بارے میں جو موقف اختیار کیا گیا ہے، وہ خالص غامدی نقطہ نظر ہے جسے کسی صورت بھی اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور خود عزیزم عمار کو بھی اس پر اصرار نہیں کہ وہ جمہور اہل سنت کا موقف ہے۔ وہ بھی اسے جمہور کے خلاف اپنی ایک رائے قرار دیتے ہیں۔

مخدوم مکرم حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ (جامعہ مدنیہ لاہور) نے اس پر گرفت کی اور ''مقام عبرت'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا اور ہمیں اس بات کا اعتراف واعلان کرنے میں کوئی باک وعار نہیں ہے کہ ان کی گرفت جمہور اہل سنت والجماعت کے اصول ومسلک کے عین مطابق ہے اور حضرت امام اہل سنتؒ کے مسلک وطرز تحقیق سے بھی مکمل مطابقت رکھتی ہے اور ہم ان کی طرف سے اس عالمانہ

وناصحانہ گرفت پر ان کے انتہائی ممنون وشکر گزار ہیں۔عزیزم ناصر صاحب نے ان کے جواب میں ایک رسالہ ''مولانا مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا جائزہ'' تحریر کیا اور اس میں مفتی صاحب مدظلہ کی طرف سے اٹھائے گئے خالص علمی اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی۔ ہمارے خیال میں اسے لفظی ہیر پھیر کا نام تو دیا جاسکتا ہے لیکن جواب تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ باقی ابحاث پر تو بحث فی الوقت ہم وقت کا ضیاع ہی سمجھتے ہیں کیونکہ جب تک کسی بنیادی اصول پر اتفاق ہی نہ ہو، ذیلی بحثوں کے چھیڑنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ عزیزم عماران مسائل میں جو بہت بڑی علمی ٹھوکر کھا چکے ہیں اور کھا رہے ہیں ان کی بنیاد دراصل ان کا اجماع امت کے بارہ میں نقطہ نظر ہے۔ جب تک وہ اپنے اس نقطہ نظر پر نظر ثانی نہ کریں اس وقت تک ذیلی مسائل پر بحث بالکل فضول ہے۔ اجماع کے بارہ میں ان کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمائیں۔ فرماتے ہیں کہ

''یہ اعتراض اس عام خیال کی ترجمانی کرتا ہے کہ کسی آیت یا حدیث کی تفسیر یا کسی فقہی مسئلے کے متعلق اگر سلف سے کوئی اختلاف کتابوں میں منقول نہ ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کے دور سے لے کر آج تک ہر دور کے تمام اہل علم اس رائے پر متفق رہے ہیں، اس لیے اس کی پابندی کرنا اور اس سے مختلف کوئی رائے اختیار نہ کرنا اہل سنت کا ایک علمی مسلمہ ہے جس کی خلاف ورزی ناجائز ہے۔ اس نقطہ نظر میں کسی رائے پر امت کے اہل علم کے کامل اتفاق کی جو صورت حال فرض کی گئی ہے، اگر وہ فی الواقع پائی جاتی ہو تو عقل ومنطق سے قطع نظر کم از کم نفسیاتی طور پر یہ ایک بہت موثر استدلال ہے۔ تاہم واقعہ یہ ہے کہ یہ خیال جس قدر عام ہے اتنا ہی حقیقت واقعہ سے دور اور امت مسلمہ کی علمی روایت کے نہایت محدود، سطحی اور عامیانہ مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مآخذ یعنی قرآن وسنت اور دین وشریعت کے نہایت بنیادی تصورات اور احکام کی حد تک تو یہ بات یقیناً درست ہے کہ ان کو نسلاً بعد نسلٍ دین کی حیثیت سے نقل کرنے میں اس امت کے اہل علم اور عوام کا ایک عمومی عملی اتفاق ہے اور تاریخی معیار پر ہر دور میں اس اتفاق کو ثابت کرنا بھی پوری طرح ممکن ہے، لیکن جہاں تک نصوص اور احکام کی علمی تعبیر وتشریح کا تعلق ہے تو کسی بھی مخصوص مسئلہ میں امت کے تمام اہل علم یا کم سے کم وہ اہل علم جنہوں نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس پر باقاعدہ کوئی رائے قائم کی، ان سب کی آرا کو استقصا کے درجہ میں معلوم کرنا بدیہی طور پر انسانی بساط سے بالکل باہر ہے۔ چودہ سو سال میں ہر دور اور ہر علاقہ کے اہل علم کی آرا کو یقینی طور پر معلوم کرنے کا تو کیا سوال، تاریخ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں یعنی صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی اس کا کوئی عملی امکان نہیں پایا جاتا۔'' (تنقیدات کا جائزہ، ص ٦)

اور پھر حضرت امام شافعیؒ کی کتاب الام، حضرت امام ابن تیمیہؒ کے مجموع الفتاویٰ اور امام فخر الدین رازیؒ کی المحصول سے چند شاذ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

''یہ حقیقت اپنی جگہ بالکل واضح ہے کہ علمی وفقہی تعبیرات کے دائرے میں اجماع کا تصور محض ایک علمی افسانہ ہے جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں''۔(ایضاً ص ۱۳)

عزیزم عمار کے مذکورہ دونوں حوالہ جات ملاحظہ فرمایئے اور اندازہ کیجیے کہ وہ علمی وتحقیقی طور پر غلط رخ اختیار کرنے کی وجہ سے ذہنی تذبذب کا شکار ہوکر رہ گئے ہیں۔ان کے مذکورہ حوالہ جات سے درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

۱۔اجماع کا معروف تصور ایک مفروضہ اور علمی افسانہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۔اجماع عقل ومنطق کی دلیل نہیں بلکہ صرف ایک نفسیاتی دلیل ہے۔

۳۔اجماع کا معروف تصور، علمی روایت کے نہایت محدود، سطحی اور عامیانہ مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

۴۔ہر دور اور ہر علاقہ کے اہل علم کی آرا کو یقینی طور پر معلوم کرلینا انسانی بساط سے باہر ہے۔

۵۔قرآن وسنت اور دین وشریعت کے بنیادی تصورات واحکام کا تاریخی معیار پر ہر دور میں اجماع ثابت کرنا پوری طرح ممکن ہے۔

۶۔نصوص واحکام کی کسی علمی تعبیر وتشریح پر اجماع ثابت کرنا عملی امکان سے باہر ہے۔

عزیزم عمار کی ذہنی کیفیت کا ایک دلچسپ پہلو اور بھی ہے، وہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔چنانچہ امام فخر الدین رازیؒ کی کتاب المحصول ۱۷۷/۳ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

''پوری امت کے متفق ہونے کا علم اس کے بغیر ممکن نہیں کہ امت کے ہر ہر فرد کے بارہ میں معلوم ہو جو ایک ناممکن بات ہے، کیون کہ کون ہے جو مشرق ومغرب کے تمام انسانوں کو جانتا ہو؟ اور اس امکان کو کیسے رد کیا جاسکتا ہے کہ کسی مخفی مقام پر کوئی انسان موجود ہو جس کے بارے میں ہمیں علم نہ ہو؟ کیونکہ انصاف سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مشرق میں رہنے والوں کو مغرب کے کسی ایک عالم کی بھی خبر نہیں، چہ جائیکہ وہ ان سب کے بارہ میں اور ان کی آرا ومذاہب کے بارہ میں تفصیل سے جانتے ہوں۔بلکہ یہاں ایک اور مقام بھی ہے۔وہ یہ کہ اگر سارے اہل علم ایک جگہ جمع ہوجائیں اور اکٹھے آواز بلند کر کے یہ کہیں کہ ہم اس بات کا فتویٰ دیتے ہیں تو اس بات کے عملاً ناممکن ہونے کے علاوہ پھر بھی اس سے اجماع کا علم حاصل نہیں ہوتا۔کیوں کہ ممکن ہے ان میں سے کوئی اس سے اختلاف رکھتا ہو، لیکن اتنے بڑے اجتماع کے سامنے اختلاف ظاہر کرنے سے ڈر گیا ہو۔یا اس نے اس بادشاہ کے خوف سے، جس نے انہیں طلب کیا، اختلاف ظاہر نہ کیا ہو۔یا اس نے اختلاف تو کیا ہو لیکن اس کی آواز ان سب کی آوازوں میں دب گئی ہو۔''(ایضاً ص:۹،۱۰)

یہ ہے عزیزم عمار کی ''ٹامک ٹوئیاں'' مارتی ذہنی کیفیت۔وہ اس مذکورہ حوالہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ

۱۔ پوری امت کا اجماع قبول یا ثابت کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ امت کے ہر ہر فرد کے بارے میں اس کی رائے معلوم نہ ہو جائے اور یہ ناممکن ہے۔

۲۔ اگر بالفرض امت کے سارے اہل علم ایک مقام پر جمع ہو جائیں اور بیک زبان ہو کر آواز بلند ایک رائے پر اتفاق کریں تو بھی اسے اجماع قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ امکان ہے کہ کسی نے محض ڈر اور خوف سے ہاں میں ہاں ملا دی ہو یا اس نے اختلاف کیا ہو، لیکن شور میں اس کی آواز دب گئی ہو۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ اجماع ممکن نہیں۔ اب عزیزم عمار کی ذہنی کیفیت اور ان کے طرز استدلال کو سامنے رکھ کر جائزہ لیجیے کہ وہ جس اجماع کے وقوع و وجود کا کسی بھی پہلو سے کوئی امکان تسلیم نہیں کرتے، اس کے بارے میں ''دوذہنی'' کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ ایک طرف قرآن وسنت کے بنیادی تصورات واحکام میں اجماع کو ممکن مانتے ہیں اور دوسری طرف نصوص واحکام کی تعبیر وتشریح میں اجماع کو غیر ممکن قرار دیتے ہیں۔ ان کے مذکورہ مفروضات واستدلالات کی روشنی میں ایک پہلو ممکن اور دوسرا کیسے ناممکن ہے؟ یہ فلسفہ ہمارے فہم سے بالا ہے۔ اس کی وضاحت وہی کر سکتے ہیں۔ البتہ اس مقام پر ان کا یہ ''انکشاف'' نہایت افسوسناک ہے کہ جس اجماع کو آج تک پوری امت ایک ''شرعی دلیل'' کے طور پر پیش کرتی رہی ہے، اس اجماع کو وہ ''محض نفسیاتی دلیل'' قرار دے کر اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اجماع کو ''علمی افسانہ'' ثابت کرنے کے شوق میں چودہ سو سالہ اسلاف امت کے تحقیق ومطالعہ کو محدود، سطحی اور عامیانہ قرار دے کر ''المورد'' کی علمی وفکری لامحدودیت اور برتری کو ثابت کرنے کے چکر میں ہیں۔ عزیزم عمار کو اس پہلو پر نہایت سنجیدگی سے اپنے طرز فکر کا جائزہ لینا چاہیے۔ ہمارے خیال میں عزیزم عمار نے جو اتنی بڑی علمی ٹھوکر کھائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بعض اہم بنیادی حقائق کی طرف توجہ نہیں دے سکے۔ ہم ان حقائق کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ شاید اس طرح وہ اپنے افکار ونظریات پر از سر نو نظر ثانی کر سکیں۔

۱) اجماع امت کا تصور اسلاف امت کا تخلیق کردہ نہیں کہ جس کے بارے میں مفروضات قائم کیے جائیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن! اس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر ہے: ان اللہ لا یجمع امتی علی ضلالۃ (ترمذی ۳۹/۲، مستدرک حاکم ۱۱۶/۱) اب یہ فرمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا تو خبر ہے اور یا بشارت ہے۔ ان دونوں صورتوں میں ذہن کے اندر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا پیغمبر برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک ایسی چیز کی خبر یا بشارت دی جا رہی ہے جس کا وقوع وظہور ممکن ہی نہیں؟ ہمارے خیال میں کوئی ضعیف الاعتقاد مسلمان بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی کوئی خبر یا بشارت محض مفروضہ یا علمی افسانہ ہو سکتی ہے۔ عزیزم عمار کو مسئلہ کے اس پہلو پر محض تحقیقی نظر سے نہیں بلکہ ایمانی حوالہ سے بھی توجہ دینی چاہیے۔

۲) امت مسلمہ کی عظمت وفضیلت کے جو دلائل واسباب بیان کیے گئے ہیں، ان میں بھی ایک دلیل امت کے کسی گمراہی پر متفق نہ ہونے کی ہے اور گزشتہ اوراق میں حجیت اجماع کی بحث کے اندر حضرت شیخ کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ تمام امتوں پر شاہد وگواہ ہونے کی وجہ سے امت کی مجموعی عدالت قائم ہے اور وہ کسی گمراہی وضلالت پر متفق نہ ہوگی۔ اس امت نے جسے خیر سمجھا، وہ عنداللہ بھی خیر ہوگی اور جسے شر جانا، وہ عنداللہ بھی شر ہوگی۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امت کی عظمت وفضیلت کا جو سب سے بڑا وصف وکمال بیان کیا جارہا ہے، وہ محض ایک ''مفروضہ'' اور ''علمی افسانہ'' ہے؟

۳) ہر صاحب علم وشعور اس حقیقت سے واقف وباخبر ہے کہ قرون اولیٰ سے اہل سنت والجماعت کے ہاں اجماع دلائل شرعیہ میں سے ایک مستقل دلیل تسلیم کیا گیا ہے اور چودہ سو سال سے اس دلیل کے ذریعے بے شمار افکار واحکام کا اثبات کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا چودہ صدیوں سے جس دلیل کے ذریعہ ان گنت مسائل کے اثبات ونفی کا کام لیا گیا ہے، وہ محض ایک ''مفروضہ'' اور ''علمی افسانہ'' ہے؟ اور پھر عزیزم عمار کو یہ پہلو بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ انھوں نے جن ائمہ کی عبارات سے استدلال کیا ہے، وہ خود ''اجماع'' کو دلیل مانتے ہیں اور چاروں ائمہ مجتہدین دو چیزوں پر اصولی اتفاق رکھتے ہیں۔ پہلی یہ کہ اصول اہل سنت، اصول فقہ اور دلائل شرعیہ چار ہی ہیں اور دوسری یہ کہ قرآن، سنت اور اجماع کے مقابلہ میں کسی مجتہد کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں۔ آخر وہ کون سا اجماع ہے جس کے مقابلہ میں کسی بھی مجتہد کے لیے اجتہاد کے دروازے بند ہوجاتے ہیں اور جس کے منکر کو فقہاے کرام کافر یا اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج قرار دیتے ہیں؟

۴) چودہ صدیوں سے اجماع کے بالمقابل کسی کی رائے کو قبول نہیں کیا گیا۔ اس کے مقابلہ میں رائے دو ہی قسم کی ہوسکتی تھی۔ یا بغاوت یا اجتہادی لغزشیں۔ بغاوت وسرکشی کو تو ہمیشہ گمراہی وضلالت قرار دیا گیا ہے، البتہ اجماع کے مقابلہ میں کسی مسلمہ بزرگ کی رائے کو تفرد قرار دیا گیا ہے یعنی یہ رائے تو بہرحال غلط ہے، لیکن اس کے پیچھے صاحب رائے کی بدنیتی ثابت نہیں ہوسکی، اس لیے اس پر اسے مطعون نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ عزیزم عمار کو بھی اس پر شکوہ ہے کہ کسی کی رائے کو تفرد قرار دے کر اس کی حیثیت کمزور کرنا مناسب نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

> ''عام طور پر اہل علم کی ایسی آرا کو تفرد کہہ کر ان کی علمی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ ان آرا کو جزوی اطلاق کے لحاظ سے تو تفرد کہا جاسکتا ہے، لیکن یہ کسی علمی بے اصولی یا حقیقی اور بنیادی مسلمات سے انحراف پر مبنی نہیں ہوتیں بلکہ مسلمات کے دائرہ میں معروف ومانوس علمی اصولوں ہی کے ایک نئے اطلاق سے وجود میں آتی ہیں۔ ظاہر یہ کہ یہ حتمی نہیں ہوتیں اور سابقہ آرا کی طرح ان سے بھی اتفاق یا اختلاف کی پوری گنجایش موجود ہوتی ہے، لیکن محض اچھوتا ہونے کی بنا پر انہیں علمی روایت سے انحراف قرار

دینا کسی طرح درست نہیں۔‘‘ (تنقیدات کا جائزہ، ص۲۲)

عزیزم عمار کا یہ کہنا کہ اجماع کے مقابلہ میں کسی کی شخصی رائے سے اتفاق یا اختلاف کی اتنی ہی گنجائش ہوتی ہے جتنی کہ سابقہ یعنی اجماعی آرا سے اتفاق واختلاف کی، بہرحال محل نظر ہے۔ کیوں کہ ایک رائے پر (اگر بقول عزیزم عمار اجماع کی معروف تعریف اس پر نہ بھی تسلیم کی جائے) کثیر اہل علم وتحقیق کا اتفاق ہے اور دوسری رائے فرد واحد کی ہو، دونوں سے اتفاق واختلاف کی مساویانہ گنجائش نا قابل فہم ہے۔اور پھر شخصی رائے کو اجماع کے مقابلہ میں علمی بے اصولی یا حقیقی وبنیادی مسلمات سے انحراف تسلیم نہ کرنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ عزیزم عمار اجماعی واتفاقی رائے تسلیم کرنے کی بجائے اسے صرف معروف ومانوس رائے قرار دیتے ہیں۔ بہرحال ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اجماعی رائے یا بقول عزیزم عمار معروف ومانوس رائے کے مقابلہ میں تفردات کو کبھی بھی قبول نہیں کیا گیا۔ چنانچہ برادر مکرم حضرت مولانا علامہ زاہد الراشدی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

’’آج کے نوجوان اہل علم جو اسلام کے چودہ سو سالہ ماضی اور جدید گلوبلائزیشن کے ثقافتی ماحول کے سنگم پر کھڑے ہیں، وہ نہ ماضی سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں اور نہ مستقبل کے ناگزیر تقاضوں سے آنکھیں بند کرنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ اس کوشش میں ہیں کہ ماضی کے علمی ورثہ کے ساتھ وابستگی برقرار رکھتے ہوئے قدیم وجدید میں تطبیق کی کوئی قابل قبول صورت نکل آئے مگر انہیں دونوں جانب سے حوصلہ شکنی کا سامنا ہے اور وہ بیک وقت قدامت پسندی اور تجدد پسندی کے طعنوں کا ہدف ہیں۔ مجھے ان نوجوان اہل علم سے ہمدردی ہے، میں ان کے دکھ اور مشکلات کو سمجھتا ہوں اور ان کی حوصلہ افزائی کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتا ہوں، صرف ایک شرط کے ساتھ کہ امت کے اجتماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس نہ ہو، کیونکہ اس دائرے سے آگے بہرحال گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے۔‘‘ (حدود وتعزیرات، ص۱۳)

برادر محترم علامہ راشدی مدظلہ کے مذکورہ ہمدردانہ ودرمندانہ موقف میں چند تحفظات کے باوجود ہمیں ان کی اس شرط سے کلی اتفاق ہے کہ امت کے اجماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس کرنے والے ’’تفردات‘‘ کو نہ پہلے کبھی قبول کیا گیا ہے اور نہ اب اس کی کوئی گنجائش ہے، کیونکہ اس سے آگے گمراہی کی سلطنت شروع ہوجاتی ہے۔اور تفردات گمراہی کب بنتے ہیں؟ جب انہیں اپنی ذات سے باہر لا کر ان کی اشاعت وترویج کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ زاہد الراشدی مدظلہ فرماتے ہیں کہ

’’اور تفردات کے بارے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ ہر صاحب علم کا حق ہے جس کا احترام کیا جانا چاہیے، بشرطیکہ وہ ان کی ذات یا ان کے حلقہ تک محدود رہے۔ البتہ اگر کسی تفرد کو جمہور اہل علم کی رائے کے علی الرغم سوسائٹی پر مسلط کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ فکری انتشار اور ایک نئے مکتب فکر کے قیام کا سبب بنتا

ہے اور یہی وہ نکتہ اور مقام ہے جہاں ہمارے بہت سے قابل قدر اور لائق احترام مفکرین نے ٹھوکر کھائی ہے اور امت کے اجتماعی علمی دھارے سے کٹ کر جداگانہ فکری حلقوں کے قیام کا باعث بنے ہیں۔'' (ایک علمی وفکری مکالمہ، ص۱۲)

یعنی تفردات کو جب پبلک کے اندر لانے کی کوشش کی جائے تو وہ ایک نیا مکتب فکر بن کر گمراہی کا باعث بنتے ہیں، لیکن اس مقام پر ہمیں برادر مکرم مدظلہ کے اس موقف سے شدید اختلاف ہے کہ ''تفردات ہر صاحب علم کا حق ہے۔'' ہمارے خیال میں تفردات قائم کرنا حق نہیں ہے، بلکہ معذوری ہے، کیونکہ حق قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دروازے ہمیشہ کے لیے ہر صاحب علم کے لیے کھلے ہیں۔ جب کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ ماضی کے اہل علم کے تفردات کو ان کا حق تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ ان کی معذوری قرار دیا گیا ہے اور خود برادر مکرم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ امت کے اجماعی تعامل اور اہل سنت والجماعت کے علمی مسلمات کا دائرہ کراس کر کے آگے گمراہی کی سلطنت شروع ہو جاتی ہے اور ان مسلمات کے بالمقابل رائے وتفرد کو اگر سوسائٹی تک لے آیا جائے تو فکری انتشار کے ساتھ ایک نیا مکتب فکر جنم لیتا ہے۔ ہمارے فہم سے بالا ہے کہ جب اجماعی تعامل اور مسلمات کے بالمقابل کسی رائے اور ''تفرد'' کی عملی زندگی کے اندر گنجایش ہی نہیں اور وہ سوسائٹی میں آکر فکری انتشار پیدا کر سکتی ہے تو اس رائے یا تفرد کے لیے کسی کا حق کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟ ماضی کے تفردات کے ساتھ ہمارے اسلاف کا رویہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ اسے حق نہیں بلکہ معذوری تسلیم کرتے ہیں۔ بہرحال اس بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ بقول عزیزم عمار اگر اجماع کی معروف ومانوس صورت پر حقیقی اجماع کا اطلاق ہی نہیں ہوتا تو اس کے بالمقابل رائے کو گمراہی یا تفرد قرار دے کر مسترد کیوں کیا گیا ہے؟ اور پھر ماضی کے تفردات کو جب قبول نہیں کیا گیا اور مستقبل کے تفردات کو بھی امت کی طرف سے قبول کرنے کا کوئی چانس نہیں ہے تو پھر ان پر اپنی انرجی ضائع کر کے امت کے اندر فکری انتشار پیدا کرنے اور خود کو امت کے اجتماعی علمی وفکری دھارے سے کاٹنا آخر کہاں کی دانش مندی ہے؟

وہ وقفِ خزاں ہی سہی ہم نفس چمن پھر چمن ہے قفس پھر قفس

(حضرت والد مکرم مولانا عبدالحق خان بشیر دام مجدہم ''چوتھی دلیل شرعی......قیاس واجتہاد'' کے عنوان کے تحت حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتب سے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:)

حضرت شیخ کے مذکورہ فرامین وحوالہ جات سے درج ذیل امور بڑی حد تک واضح ہو جاتے ہیں:

پہلا یہ کہ جمہور صحابہ کرامؓ اور اکثر امت کے نزدیک قیاس اصول شریعت میں سے ایک اصل اور دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے جو احکام ومسائل کے لیے مظہر ہے نہ کہ مثبت۔ اس کے ذریعہ کوئی حکم ومسئلہ ثابت نہیں کیا جا سکتا، صرف نصوص (قرآن، حدیث، اجماع) میں سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ قیاس صرف غیر منصوص مسائل میں ہوسکتا ہے اور وہ قیاس محمود بھی ہوگا اور مقبول بھی جب کہ منصوص مسائل (یعنی قرآن وسنت اور اجماع سے ثابت شدہ) میں قیاس واجتہاد کی کوئی گنجایش نہیں اور ایسا ہر قیاس جو ان نصوص کے خلاف یا ان کے مقابلہ میں ہو، مردود ہے۔ اسی طرح قیاس جلی کے مقابلہ میں بھی قیاس مردود ہے۔

تیسرا یہ کہ قیاس کا منکر ومخالف چونکہ مسلمہ اصول اربعہ میں سے ایک اصول کا منکر ومخالف ہے، اس لیے نہ تو وہ علمائے شریعت میں شامل ہے، اور نہ ہی وہ کسی عدالت شرعیہ کا قاضی بنایا جاسکتا ہے۔

چوتھا یہ کہ غیر منصوص مسائل میں بھی اجتہاد کرنا ہرکس وناکس کا حق نہیں اور نہ اس کی ہر ایک کو اجازت ہے، بلکہ یہ اجتہاد صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو مجتہد ہو اور اس کے اندر اجتہاد کی تمام شرائط پائی جائیں جو اصول فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

پانچواں یہ کہ مجتہد اگر اپنے قیاس واجتہاد میں خطا کر جائے تو وہ فرمان نبوی کے مطابق معذور بھی ہے اور عنداللہ ماجور بھی، جبکہ غیر مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں خطا کرے تو فرمان نبوی کی روشنی میں وہ جہنمی ہے۔

چھٹا یہ کہ مجتہد کے لیے بھی اصول دین، ضروریات دین اور عقائد شرعیہ میں اجتہاد کرنا جائز نہیں۔ اگر ان میں اجتہاد کرے گا (خواہ جہالت ولاعلمی کی بنا پر ہو) تو وہ اجتہاد مردود ہوگا، کیوں کہ یہ اس کے دائرۂ اجتہاد سے باہر ہے۔

ساتواں یہ کہ تقلید کا انحصار چونکہ اجتہاد پر ہے، لہٰذا جن مسائل میں اجتہاد جائز ہے، ان میں کسی مسلمہ مجتہد کی تقلید بھی جائز ہے اور جن مسائل میں اجتہاد ناجائز ہے، ان میں تقلید بھی مذموم، حرام اور بدعت ہے۔

آٹھواں یہ کہ جمہور اہل اسلام کا ساتھ چھوڑ کر یا ان کی مخالفت کر کے علیحدگی کا راستہ اختیار کرنے والا بھی ہرگز علمائے شریعت میں شامل وداخل نہیں۔

حضرت شیخ سے علمی وفکری نسبت رکھنے والے اصحاب علم وتحقیق کے لیے مندرجہ بالا امور کو اچھی طرح جاننا، سمجھنا اور ان پر گہری توجہ رکھنا نہایت ضروری ہے۔

امام اہل سنت کا مسلک اعتدال اور عمار خان ناصر

عزیزم عمار خان ناصر کافی عرصہ سے ڈاکٹر جاوید احمد غامدی کی روشن خیال تحریک سے وابستہ ہیں اور اس وابستگی کے بعد ان کا تمام تر مطالعہ غالباً اسی فکر ونظر کے حوالہ سے ہوتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت شیخ کی کتب کا مطالعہ بھی اسی تناظر میں کیا ہے اور اس مطالعہ کے ذریعہ حضرت شیخ کے فکر وموقف کو سمجھنے کی بجائے غامدی صاحب کے جدت پسندانہ طرز فکر کے لیے دفاعی مواد تلاش کرنے اور اس کے لیے جواز کی صورتیں پیدا کرنے کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ کی کتب کا مطالعہ

کرنے کے بعد عزیزم عمار کے قلم سے اس کا جو نتیجہ سامنے آیا ہے، اس میں حقیقت پسندانہ رنگ کہیں نظر نہیں آتا اور شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ حقیقی وواقعی نتیجہ اخذ کرنے سے محروم وقاصر رہے ہیں۔ غالباً ان کی اس ساری کاوش کا محور غامدی صاحب کی علمی حیثیت کو مسلم کرانا ہے۔ حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد ان کے کسی زیر تسوید مضمون کا ایک اقتباس ہفت روزہ ''وزارت'' لاہور کی ۱۰ تا ۲۳/جون ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں ''امام اہل سنتؒ کا مسلک اعتدال'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس میں فرماتے ہیں کہ :

''امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ اپنی آرا و نظریات میں جمہور اہل علم کے موقف کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کسی بھی علمی یا فقہی مسئلہ میں جمہور امت جس رائے کی تائید کریں، وہ اقرب الی الحق اور قرین صواب ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں زیر بحث آنے والے کم وبیش تمام مسائل کی تحقیق میں اس زاویہ نگاہ کو ملحوظ رکھا ہے اور اپنے تلامذہ اور متعلقین کو بھی یہی ہدایت کرتے تھے کہ مختلف گمراہ کن نظریات کے اثرات سے بچنے کے لیے جمہور علمائے امت کی تحقیقات کا دامن تھامے رکھنا ہی محفوظ ترین اور محتاط ترین راستہ ہے۔ تاہم اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جسے وہ پورے اعتدال اور توازن کے ساتھ ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ اس نکتہ کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بلند فکری اور ذہنی معیار رکھنے والے اہل علم اور محققین بسا اوقات کسی مسئلہ میں عام رائے پر اطمینان محسوس نہیں کرتے اور ان کا غور وفکر انہیں معروف ومانوس نقطہ نظر سے مختلف رجحان اختیار کرنے پر آمادہ کر سکتا ہے، چنانچہ وہ ایسے اہل علم کے لیے جن کی علمی حیثیت مسلم ہو، عام آرا سے اختلاف یا تفرد کا حق بھی پوری طرح تسلیم کرتے تھے، بشرطیکہ اس اختلاف کو علمی حدود میں رکھا جائے اور اس کی وجہ سے جمہور اہل علم پر طعن وتشنیع کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔''

اس کے بعد عزیزم عمار نے حضرت شیخؒ کی بعض کتب سے چند اقتباسات وعبارات اور ان پر اپنے اخذ کردہ ذہنی تاثرات نقل کیے ہیں اور آخر میں اپنا حتمی ذہنی نتیجہ بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ :

''مذکورہ امور کی روشنی میں میرے نزدیک امام اہل سنت کے موقف اور نظریہ کی درست تعبیر یہ بنتی ہے کہ وہ اصولی طور پر جمہور اہل علم کی آرا و تعبیرات کو ہی درست سمجھتے اور اپنے لیے اس کی پابندی کو بالعموم ضروری تصور کرتے تھے، تاہم اہل علم کے لیے دلائل کی روشنی میں انفرادی رجحانات کا حق بھی تسلیم کرتے تھے اور جمہور سے محض علمی اختلاف کو اہل سنت کے منہج سے انحراف یا گمراہی قرار نہیں دیتے تھے۔''

عزیزم عمار کے ذہن نے حضرت شیخؒ کی چند عبارات سے جو نتائج اخذ کیے، وہ ہم نے بے کم وکاست نقل کر دیے ہیں۔ ہم ان نتائج پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

نکتہ اولیٰ: اس مقام پر سب سے پہلا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ عزیزم عمار بڑے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں یہ

تسلیم کررہے ہیں کہ حضرت شیخ کا مختار، پسندیدہ اور تلقین کردہ مسلک وموقف اسلاف کی تحقیقات سے وابستہ رہنے اور دوسروں کو ان سے وابستہ رکھنے ہی کا ہے۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گمراہ کن نظریات اور ان کے تباہ کن اثرات سے بچنے اور دیگر مسلمانوں کو ان سے بچانے کے لیے حضرت شیخ کے نزدیک جمہور علمائے امت کی تحقیقات وتعلیمات سے وابستگی ہی محفوظ ترین اور محتاط ترین راستہ ہے۔اور حضرت شیخ کا یہ موقف ونظریہ کسی وقتی وہنگامی سوچ کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس کے پیچھے ان کا ساٹھ سالہ تحقیق ومطالعہ اور غور وفکر کارفرما ہے۔گویا یہ ان کے ساٹھ سالہ تحقیق ومطالعہ،غور وفکر اور تجربات ومشاہدات کا نچوڑ ہے۔اس کے بعد بھی اگر ان پر علمی اعتماد کرنے والا کوئی شخص تحقیقات اسلاف کا محفوظ ومحتاط راستہ ترک کر کے کوئی غیر محفوظ وغیر محتاط راستہ تلاش کرے تو اسے کم سے کم درجہ میں اس کا غیر دانش مندانہ طرز ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

نکتہ ثانیہ: اس مقام پر دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کے نزدیک امت کے اجماعی مسلک اور جمہور امت کے مسلک میں بڑا واضح اور نمایاں فرق ہے۔ان کے نزدیک اجماعی مسلک کا مطلب یہ ہے کہ اس موقف ونظریہ پر پوری امت متفق ہے اور اس میں پہلے سے کسی قسم کا کوئی اختلاف موجود نہیں۔ایسے کسی اجماعی مسئلہ میں حضرت شیخ نہ صرف یہ کہ کسی کا حق اختلاف تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اختلاف کرنے والے کو گمراہ اور اہل سنت سے خارج قرار دیتے ہیں۔اور مسلک جمہور سے ان کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں امت کے اہل علم وتحقیق کا اختلاف پایا گیا ہے اور اس اختلاف میں ایک طرف اہل علم کی اکثریت یعنی جمہور ہے اور دوسری طرف اہل علم کی ایک قلیل تعداد پائی گئی ہے۔ایسے اختلافی مسائل میں حضرت شیخ خود بھی مسلک جمہور پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی مسلک جمہور پر عمل کرنے کی تلقین کرتے تھے، البتہ اگر کوئی اہل علم وتحقیق مسلک جمہور سے ہٹ کر کوئی دوسرا مسلک (جو پہلے موجود ہو) اختیار کر لے تو اسے گمراہ اور اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیتے اور اسے مسلک جمہور اور جمہور ائمہ اہل سنت پر زبان طعن کھولنے کی بھی اجازت نہیں دیتے۔عزیزم عمار نے سماع الموتی ص۶۴ سے حضرت شیخ کا یہ موقف نقل کیا ہے کہ ''ہم جمہور کو شرع کی پانچویں دلیل نہیں مانتے۔ادلہ شرعیہ چار ہی ہیں''۔گویا جمہور کے مسلک پر عمل کرنا شرعی دلیل کے حوالے سے نہیں بلکہ شرعی احتیاط کے طور پر ہے، کیونکہ ہم کتنے ہی ذہین وفطین کیوں نہ ہوں، جمہور اہل علم کی رائے، علم وفہم اور امانت ودیانت کے اعتبار سے بہر حال ہماری رائے پر فائق وبرتر ہے، اس لیے اسے قبول کر لینا ہی احتیاط کا تقاضا ہے اور ہمارے خیال میں اتبعوا السواد الاعظم کے فرمان نبوی میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اختلافی مسائل میں امت کے سواد اعظم یعنی جمہور کی اتباع کی جائے۔

نکتہ ثالثہ: اس مقام پر تیسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ عزیزم عمار نے ایک جملہ اپنی عبارت میں ایسا لکھا ہے جس نے ہمیں چونکا دیا ہے اور اگر انہوں نے یہ جملہ شعوری طور پر لکھا ہے تو ہمارے نزدیک نہ صرف خطرناک

ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''بلندی فکری وذہنی معیار رکھنے والے اہل علم وتحقیق اگر معروف ومانوس موقف کے خلاف کوئی رائے قائم کرلیں''۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیزم عمار کے نزدیک جمہور امت کے معروف ومانوس مسلک پر عمل کرنے والے اہل علم نہ تو بلندئ فکر رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کا ذہنی معیار ہے۔ کس قدر حیرت وتعجب کی بات ہے کہ اسلاف امت کے فکر تک رسائی حاصل کرنے والے تو بلندئ فکر اور ذہنی معیار سے محروم ہیں اور اپنی ناقص ونارسا عقل سے سر ٹکرانے والے بلند فکر بھی ہیں اور ذہنی معیار بھی رکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ ہم عزیزم عمار کی توجہ بار بار اس خطرناک جملہ کی طرف دلانا چاہیں گے جس کا نتیجہ بظاہر یہ سامنے آتا ہے کہ دادا تو بلندئ فکر اور ذہنی معیار دونوں سے محروم تھا، جب کہ پوتا بلندئ فکر کی دولت سے مالا مال ہے اور ذہنی معیار کی نعمت سے بھی۔ اور ایسا شاید اس لیے ہوگیا ہے کہ دادا کی نسبت فکری طور پر اسلاف امت او ربزرگان دیوبند کی طرف ہے اور پوتا ڈاکٹر جاوید احمد غامدی جیسے مفکر اعظم سے فکری نسبت رکھتا ہے اور ان دونوں کا بھلا جوڑ ہی کیا ہے؟

ہم لاکھ مہذب ہوں مگر تم ہی بتاؤ
جب ضبط کا پیمانہ چھلکتا ہی چلا جائے

نکتہ رابعہ: اس مقام پر چوتھا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کے نزدیک دینی مسائل میں ہر کس وناکس کو اپنی رائے قائم کرنے کا حق نہیں، بلکہ اس کے لیے علمی کمال اور فنی صلاحیت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

''بلاشبہ ہر صاحب الرائے اور صائب الرائے کو غیر منصوص اور غیر اجماعی مسائل میں اپنی رائے پر عمل کرنے کا حق ہے، لیکن سلف صالحینؒ کا دامن چھوڑ کر اور خود رائے بن کر پانچواں سوار بننا بھی کسی طرح مستحسن نہیں۔'' (مودودی صاحب کا ایک غلط فتوی، ص ۴۶)

اور اپنے عظیم وشفیق استاد، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالقدیرؒ کی کتاب ''تدقیق الکلام'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ

''مذہب اسلام کے مسائل دو حصوں میں منقسم ہیں: ایک اصول اور دوسرا فروع۔ اصول دین میں اختلاف انتہائی مذموم اور قبیح ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے آدمی یا تو سرے سے دین ہی سے خارج ہو جاتا ہے اور یا اہل حق سے کٹ کر اور ہٹ کر اہل بدعت کے فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور فروع دین میں اختلاف اگر مجتہد سے رونما ہو تو وہ معذور بلکہ ماجور ہوگا اور اگر غیر مجتہد یہ کاروائی کرے اور اس میں تعصب مذہبی بھی شامل ہو تو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ حضرات ائمہ دینؒ کے فروعی اختلاف سے، جو خالص دیانت اور خلوص نیت پر مبنی ہیں، کتب فقہ، شروح حدیث اور کتب تفسیر بھری پڑی ہیں۔ (تدقیق الکلام، ص۹)

اور اپنے ایک مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیرویؒ کی کتاب ''نور الصباح فی ترک رفع الیدین بعد الافتتاح'' کے پیش لفظ میں حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ

''مذہبی اختلافات اصولاً دو قسم کے ہیں۔ایک عقائد واصول کے، دوسرے اعمال وفروع کے۔اول قسم کے اختلاف بہر حال وبہر کیف مذموم اور زہر قاتل ہیں۔علم ودیانت کے ساتھ ہوں یا لاعلمی ونیک نیتی سے۔زہر کو اگر کوئی شخص زہر سمجھ کر کھائے، تب بھی اس کا اثر مرتب ہوگا اور اگر بے خبری میں اسے کھانڈ یا چورن سمجھ کر استعمال کرے، عالم اسباب میں پھر بھی اس کا اثر ضرور مرتب ہوگا۔اس لیے اصولی اور عقیدہ کے اختلاف میں علم ودیانت اور اجتہاد وقیاس کوئی چیز اس کی قباحت وشناعت میں کمی پیدا نہیں کرتی اور ایسے اصولی اختلاف جن میں ضروریات دین میں سے کسی امر کا انکار یا تاویل ہو، یقیناً کفر اور قطعاً باعث ملامت وگرفت ہے۔رہے فروعی اختلاف تو ان میں خاصی تفصیل ہے جس کے لیے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ان کا نہایت ہی مختصر الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ اگر فرعی اختلاف ناشی عن دلیل ہو اور اختلاف کرنے والا مجتہد ہو اور اس کی دیانت وعدالت وتقویٰ وورع مسلم ہو اور اختلاف میں بھی حظ نفس اور اپنی خواہش کی پیروی میں نہ ہو اور نہ تن آسانی کے لیے اپنے نفس کے لیے سہولت مطلوب ہو تو ایسا مجتہد خطا کی صورت میں بھی صرف معذور ہی نہیں بلکہ صحیح احادیث کی روشنی میں ماجور بھی ہوگا۔اور اگر اختلاف کرنے والا اجتہاد وتفقہ کی کشتی کا پانچواں سوار ہو اور اختلاف میں حظ نفس اور تن آسانی بھی ملحوظ ہو تو اس کے قبیح ومذموم ہونے میں رتی بھر شک نہیں ہے۔اور جو احادیث ودلائل رائے اور قیاس کی مذمت میں وارد ہیں، وہ سب اسی صورت سے وابستہ اور متعلق ہیں۔لا شک فیہ۔'' (نور الصباح ص۱۰)

مذکورہ تینوں عبارات میں حضرت شیخ نے تین چیزیں دوٹوک الفاظ میں واضح کردی ہیں:

۱۔پہلی یہ کہ اصول دین یعنی منصوص اجماعی مسائل کے اندر کسی کو اختلاف کا حق نہیں، خواہ وہ مجتہد ہی کیوں نہ ہو، خواہ وہ اختلاف امانت ودیانت پر ہی مبنی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ان میں اختلاف زہر کی مانند مہلک وخطرناک ہے۔ان میں اختلاف کرنے والا یا تو دین اسلام سے ہی خارج ہو جاتا ہے اور یا اہل سنت سے نکل کر اہل بدعت کے فرقوں میں شامل ہو جاتا ہے اور یہ اختلاف انتہائی مذموم وقبیح ہے۔

۲۔دوسری یہ کہ فروع دین یعنی غیر منصوص وغیر اجماعی مسائل میں کوئی رائے قائم کرنا ہر شخص کا حق نہیں، صرف مجتہد یعنی صاحب الرائے اور صائب الرائے کا حق ہے۔ایسا مجتہد جس کی عدالت ودیانت اور تقویٰ وورع مسلم ہو اور اس اختلاف کے پیچھے خواہش کی پیروی اور نفس کی سہولت بھی مطلوب نہ ہو، اگر ایسے مجتہد کی رائے غلط بھی ہوگی تو وہ معذور بھی ہوگا اور عند اللہ ماجور بھی۔اس کے برعکس اگر اختلاف کرنے والا کشتی اجتہاد کا پانچواں سوار ہو تو اس کی غلط رائے اسے گنہگار بھی بنا سکتی ہے۔

۳۔ تیسری یہ کہ غیر منصوص وغیر اجماعی مسائل میں اگر سلف صالحین کی پہلے سے کوئی رائے موجود ہو تو اس کے مقابلہ میں صاحب رائے کے لیے بھی کوئی نئی رائے قائم کرنا مستحسن نہیں۔ البتہ اگر وہ کوئی نئی رائے قائم کر کے اس پر عمل کر گزرے تو اسے گمراہ بھی قرار نہیں دیا جائے گا۔

ان امور ثلاثہ پر اگر گہری توجہ دی جائے تو حضرت شیخؒ کا صرف موقف ونظریہ ہی نہیں بلکہ ان کا مکمل تحقیقی فکر وفلسفہ بہت واضح صورت میں نمایاں وآشکارا ہو جاتا ہے۔ عزیزم عمار نے بھی اپنے مضمون کے اندر اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ حق اختلاف صرف ان اہل علم کا ہے جن کی علمی حیثیت مسلم ہے۔

جدید مفکرین کی علمی حیثیت

مذکورہ امور ثلاثہ کی وضاحت کے بعد اب بحث کا یہ پہلو زیادہ توجہ طلب ہو جاتا ہے کہ کسی صاحب علم کی علمی حیثیت کو مسلمہ قرار دینے کے لیے آخر اتھارٹی کیا ہے؟ اور کسی کو صاحب الرائے اور صائب الرائے تسلیم کرنے کے لیے آخر کس پیمانہ کی ضرورت ہے؟ کیا اس کا دعویٰ اور اس کے چند حواریوں کا پروپیگنڈہ اس کی علمی حیثیت منوا سکتا ہے؟ کیا اس طرح واصل بن عطا اور ابو علی جبائی، ملا ابو الفضل، ملا فیضی اور سر سید احمد خان جیسے لوگوں کی علمی حیثیت مسلم ہو سکی؟ اگر عقل اور فطرت کے تقاضوں کی روشنی میں دیکھا، جانچا اور پرکھا جائے تو اس عقلی وفطری اصول سے کوئی بھی ذی ہوش انکار نہیں کر سکتا کہ جب تک سوسائٹی کے اندر معروف ومسلم اصحاب علم وفہم کی جماعت یا ان کی کثیر تعداد کسی کو علمی اعتبار سے مسلم اور صاحب رائے تسلیم نہ کرے، اس وقت تک اس کی علمی حیثیت مسلم نہیں ہو سکتی۔ کم از کم اگر کسی ایک مکتب فکر کے اصحاب علم بھی اس کی ضمانت دے دیں تو اس مکتب فکر کی حد تک اس کی علمی حیثیت مسلم تسلیم کی جا سکتی ہے۔ ہم فی الوقت صرف حضرت شیخؒ کے حوالہ سے دیکھنا چاہیں گے کہ وہ عصر حاضر کے جدید مفکرین میں سے کسی کی علمی حیثیت تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟

ہم گزشتہ اوراق میں مدلل وباحوالہ بحث کے ذریعے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت شیخؒ اصول وفروع میں اول وآخر سنی ہیں، اس لیے انہوں نے عصر حاضر کی ہر علمی شخصیت کو صرف اور صرف اصول اہل سنت کی روشنی میں ہی دیکھا، اسی روشنی میں اس کو جانچا اور پرکھا۔ اگر علم وفہم کے ساتھ وہ اصول اہل سنت کی کسوٹی پر پورا اترا تو حضرت شیخؒ نے اس کی مسلمہ حیثیت کا برملا اعتراف کیا اور عرب وعجم کے ایسے بے شمار علما ہیں جن کی علمی حیثیت کا (ان کے بعض تفردات کے باوجود) حضرت شیخؒ نے اپنی کتب کے اندر تذکرہ کیا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اصول اہل سنت کے دائرہ میں رہتے ہوئے صرف دلائل کی ترجیحات پر بعض مسائل میں اختلاف کیا۔ اس کے برعکس برصغیر پاک وہند کے متعدد ایسے جدید مفکرین جو عقل وادبیت کے حوالہ سے ابھرے، جدید اصولوں اور نئی تحقیقات کا جال پھیلایا، لیکن حضرت شیخؒ نے اہل سنت کے اصولوں کے ساتھ ان کو جکڑا

اور علمی وعوامی حلقوں میں ان کو بے نقاب کیا۔ چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ

''جس طرح قرآن وحدیث اور دین اسلام کی باریکیوں کو حضرات ائمہ دینؒ سمجھتے ہیں، ایسا کوئی اور نہیں سمجھ سکتا اور ان میں سے بھی علی الخصوص حضرات ائمہ اربعہ جن کے مذاہب مشہور ومتداول اور امت مسلمہ میں قابل اعتماد ہیں اور آج کل کے مادر پدر آزاد دور میں ملاحدہ وزنادقہ کو جو اسلام کے مدعی تو ہیں، مگر اسلام کی سمجھ ہی ان کو نہیں اور نہ وہ اس کی روح سے واقف ہیں۔ وہ صرف اپنی نارسا عقل وخرد پر نازاں اور فرحاں ہیں اور اسی کو وہ حرف آخر سمجھتے ہیں اور حضرات سلفؒ پر طعن کرتے ہیں۔' (ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں، ص۴۲)

اور ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم کی صحیح فہم وبصیرت تو احادیث ومحدثین اور فقہا ومفسرینؒ پر اعتماد کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔'' (انکار حدیث کے نتائج، ص۷۸)

حضرت شیخؒ کے مذکورہ فرامین کی روشنی میں یہ فرق واضح ہو چکا ہے کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی محمد علی لاہوری، چوہدری غلام احمد پرویز، حافظ محمد اسلم جیراج پوری، علامہ عنایت اللہ المشرقی، سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے جدید مفکرین (جنہوں نے جدید اصول وضع کر کے گمراہیاں پیدا کیں) کی علمی حیثیت کو حضرت شیخؒ قطعاً تسلیم نہیں کرتے، بلکہ انہیں ضال اور مضل قرار دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت شیخؒ کے طرز تحقیق کی روشنی میں دیگر جدید مفکرین کو بھی جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ اگر ان کے اصول تحقیق اور ان کا طرز تحقیق اکابر اور اسلاف سے ملتا ہے تو ان کی علمی حیثیت تسلیم کی جا سکتی ہے، ورنہ وہ بقول حضرت شیخؒ پانچواں سوار ہے۔

حضرت شیخؒ اکثر وبیشتر اپنے دروس واسباق میں مودودی صاحب اور ان جیسے دیگر جدید مفکرین کو پانچواں سوار قرار دیتے تھے۔ اصول الشاشی کے سبق کے دوران ایک طالب علم کے سوال پر اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ شاہی محل کے چار گھڑ سوار شاہی لباس میں ملبوس تیز رفتار گھوڑوں پر بڑی شان وشوکت کے ساتھ دہلی کی طرف رواں دواں تھے۔ ان کی شان وشوکت اور شاہی ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر راستہ میں ہر جگہ لوگ جمع ہو جاتے اور ان سے سوال کرتے کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہم دہلی جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک مفلوک الحال بوڑھا بوسیدہ لباس میں ملبوس، کمزور، لاغر اور مریل سے گدھے پر سوار چلا آ رہا تھا اور لوگوں کے پوچھے بغیر ہی شور مچا رہا تھا: میں بھی دہلی جا رہا ہوں، میں بھی دہلی جا رہا ہوں۔ وہ پانچواں سوار تھا۔

اس مثال سے حضرت شیخؒ کا مطلب یہ تھا کہ فقہا ومجتہدین اور علمائے امت تو علم وفہم کے برق رفتار گھوڑوں پر سوار ہیں، اصول اہل سنت کے شاہی لباس سے آراستہ ہیں، تقویٰ وقبولیت کی شان وشوکت سے مزین ہیں، اصحاب علم واہل ذوق کا ایک جم غفیر ان کی راہوں میں پلکیں بچھائے بیٹھا ہے، ان پر عقیدت

ومحبت کے پھول نچھاور کر رہا ہے، ان کی تحقیقات وتعلیمات پر اعتماد کر رہا ہے اور ان کی تقلید واتباع کے ذریعے اپنے عقائد واعمال کی آبیاری کر رہا ہے، جبکہ جدت پسند مفکرین کا طبقہ علم سے محروم اور عقل سے پیدل ہے، ان کا دامن اہل علم کے اعتماد سے خالی ہے اور ان کے اردگرد دین سے چھٹکارا حاصل کر کے فرائض میں چھوٹ اور معیشت ومعاشرت میں آزادی تلاش کرنے والے مغرب زدہ ماڈرن مسلمانوں کا ہڑبونگ ہے اور ظاہر بات ہے کہ صرف مطالعہ کے زور پر اصولوں میں تبدیلی، افکار میں تغیر، اسلاف پر عدم اعتماد اور لفظوں کے ہیر پھیر کو علم وتحقیق کا نام تو نہیں دیا جاسکتا۔

پہلی غلطی: عزیزم عمار خان ناصر نے اپنے مضمون کے اندر جس پہلی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، وہ جمہور اہل علم کے معروف ومانوس نقطہ نظر سے الگ راستہ نکالنے کے جواز کی حضرت شیخ کی طرف نسبت ہے اور اس کے لیے انہوں نے حضرت شیخ کی چند ادھوری ومجمل عبارات سے جو تعبیر اخذ کی ہے، ہمارے خیال میں وہ سراسر خلاف حقیقت ہے۔ ہم گزشتہ سطور میں واضح کر چکے ہیں کہ حضرت شیخ اجماعی موقف اور جمہور کے موقف میں فرق کرتے ہیں جبکہ عزیزم عمار ان دونوں میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھتے، کیوں کہ وہ اجماع قطعی کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے، اس لیے وہ اجماعی موقف اور جمہور کے موقف کو ایک ہی قرار دیتے ہیں۔ اس کی بحث گزشتہ سطور میں ہو چکی ہے۔

حضرت شیخ اور عزیزم عمار کے موقف میں اس واضح اختلاف کے بعد مذکورہ جواز کی حضرت شیخ کی طرف نسبت بالکل بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ عزیزم عمار نے غالباً غیر شعوری طور پر یہ شبہ پیدا کر دیا ہے کہ حضرت شیخ ان مسائل میں بھی اختلاف کو جائز تسلیم کرتے ہیں جو ان کے نزدیک اجماعی ہیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ اور عزیزم عمار نے بعض اکابر علما کے جمہور سے اختلاف کی جو مثالیں دی ہیں، وہ بھی ظاہر کرتی ہیں کہ اجماعی مسائل میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ لہٰذا جب تک یہ بات کنفرم نہ ہو جائے کہ عزیزم عمار اجماعی موقف اور جمہور کے موقف میں اسی طرح فرق کرتے ہیں جس طرح حضرت شیخ نے وہ فرق ملحوظ رکھا ہے، اس وقت تک مطلقاً جواز کی نسبت حضرت شیخ کی طرف ناقابل تسلیم ہے۔

دوسری غلطی: عزیزم عمار نے اپنے مضمون کے اندر جس دوسری بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اس میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت شیخ مسلم علمی حیثیت رکھنے والے اہل علم کا جمہور اہل علم کے موقف (بہ الفاظ دیگر اجماعی موقف) سے اختلاف کا حق تسلیم کرتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے حضرت شیخ کی کن عبارات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے، کیونکہ حق تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رکھا جا سکتا ہے، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے اور ہم اسے حضرت شیخ پر بہتان عظیم قرار دیتے ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے ماضی

کے بعض اکابر کے تفردات کا حوالہ دیا ہے کہ ان بزرگوں نے بعض اجماعی مسائل میں اختلاف کیا ہے، لیکن حضرت شیخ اس کے باوجود انہیں کافر یا اہل سنت سے خارج قرار نہیں دیتے۔ اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت شیخ ان کو اختلاف کا حق دیتے ہیں یا ان کا حق تسلیم کرتے ہیں۔ اس کا مطلب تو فقط اتنا ہے کہ ان بزرگوں کی غلطی کو غلطی تسلیم کر کے ان کی مسلمہ علمی حیثیت کے پیش نظر انہیں اہل سنت سے خارج قرار نہ دیا جائے۔ اور ان دونوں باتوں میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ اگر حضرت شیخ ان کی غلطی کو غلطی ہی تسلیم نہیں کرتے، پھر تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان کو اجماعی مسائل سے اختلاف کا حق دیتے ہیں، لیکن اگر وہ ان کی غلطی کو غلطی قرار دیتے ہیں، صرف ان کی بلند مقام شخصیت کی بنا پر ان کے خلاف فتویٰ نہیں دیتے تو کیونکر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ ان کا حق اختلاف تسلیم کرتے ہیں؟ اور اس حقیقت سے عزیزم عمار بھی یقیناً واقف و باخبر ہوں گے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں بزرگ کا تفرد ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ ہمارے لیے ناقابل تسلیم ہے۔ چنانچہ عزیزم عمار خود اپنے مضمون کے اندر حضرت شیخ کی کتاب ''دل کا سرور'' کے ص ۲۱۹ کے حوالہ سے حضرت شیخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

> ''اگر کسی بزرگ کا قول کسی جگہ مجمل ہے تو ان ہی کی عبارت میں دوسری جگہ اس کی تفصیل بھی عموماً موجود ہے۔ اگر بالفرض اس کی کوئی مناسب تاویل آپ کو نہیں مل سکتی تو قرآن کریم اور احادیث اور اجماع امت کے مقابلہ میں ان کی وہ بات مردود ہوگی، نہ یہ کہ اس پر دین کی اور خصوصاً عقیدہ کی عمارت استوار ہو سکتی ہے۔''

عزیزم عمار اپنے ہی نقل کردہ اس حوالہ پر بغور توجہ دیں کہ حضرت شیخ اجماع امت کے خلاف کسی موقف کو غلط و مردود قرار دے رہے ہیں یا اس موقف کو اختیار کرنے والوں کا حق اختلاف تسلیم کرتے ہیں؟

تیسری غلطی: عزیزم عمار نے اپنے مضمون کے اندر جس تیسری بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اس میں یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت شیخ اجماعی مسائل میں علمی اختلاف کو اہل سنت کے منہج سے انحراف یا گمراہی قرار نہیں دیتے تھے۔ حضرت شیخ کی کتب و تصانیف اور تحقیقات سے گہری واقفیت رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ عزیزم عمار کا یہ موقف و دعویٰ بھی سراسر خلاف حقیقت ہے، کیونکہ عصر حاضر کے مختلف فتنوں کے غیر اجماعی نظریات اور اجماع امت کے خلاف ان کے افکار باطلہ کا رد حضرت شیخ نے اجماع امت کے حوالہ سے کیا ہے۔ سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے جب مسئلہ حیات النبی اور سماع الموتی عند القبر سے اختلاف کیا اور امت کے اجماعی موقف کے خلاف الگ رائے قائم کی تو مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی سید مہدی حسنؒ نے ان کے خلاف فتویٰ دیا کہ:

> ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔ آپ کے مزار پر پاس

کھڑے ہوکر جوسلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے، آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے، وہ غلط کہتا ہے، وہ بدعتی ہے۔ خارج اہل السنۃ والجماعۃ ہے، خراب عقیدہ والا ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔''

اس فتویٰ پر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ (جامعہ اشرفیہ، لاہور) حضرت مولانا مفتی ضیاء الحق (جامعہ اشرفیہ) حضرت مولانا رسول خان ہزاروی (جامعہ اشرفیہ) کے علاوہ حضرت شیخ کے بھی دستخط موجود ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ پر یہ الزام سراسر غلط وبے بنیاد ہے کہ وہ اجماعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں کو اہل سنت سے خارج وگمراہ قرار نہیں دیتے۔

چوتھی غلطی: عزیزم عمار نے اپنے مضمون کے اندر جس چوتھی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے، اس میں انہوں نے بعض ایسی بزرگ شخصیات کا تذکرہ کیا ہے جو بعض اجماعی نظریات سے اختلاف رکھتی ہیں، لیکن حضرت شیخ نے ان کا تذکرہ بڑے ادب اور احترام سے کیا ہے۔ ہمارے خیال میں عزیزم عمار اس مقام پر نہ تو مسئلہ کی حقیقی واقعیت کو سامنے رکھ سکے ہیں اور نہ حضرت شیخ کے تحقیقی مزاج کو۔ اس پر ہم مختلف پہلوؤں سے کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔

ا۔ ائمہ اہل سنت اصطلاحات کے حوالہ سے تفرد اور ضلالت میں فرق کرتے ہیں، حالانکہ ظاہری طور پر ان دونوں کے پیچھے غلطی ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ دونوں کے پیچھے منصوص واجماعی مسائل سے اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن جس کی غلطی کو تفرد قرار دیا جاتا ہے، اس پر گمراہی کا فتویٰ لاگو نہیں ہوتا اور جس کی غلطی کو ضلالت قرار دیا جاتا ہے، اس پر گمراہی کا فتویٰ لاگو ہوتا ہے۔ صاحب تفرد کے پیچھے ذہنی طور پر بددیانتی کا عمل دخل نہیں ہوتا، جبکہ صاحب ضلالت کے پیچھے ذہنی بددیانتی ہی کارفرما ہوتی ہے۔ اگرچہ کسی کی ذہنی نیت کا معلوم کرنا آسان نہیں، لیکن ہمارے خیال میں دو طریقوں سے اس اندازہ وتخمینہ لگایا جاسکتا ہے۔ پہلا یہ کہ اسلاف امت کے حوالہ سے دیکھا جائے کہ وہ غلطی کو تفرد اور اس کے مرتکب کو اہل سنت قرار دیتے ہیں یا وہ غلطی کو ضلالت اور اس کے مرتکب کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت شیخ نے اسی پیمانہ کو اپنایا ہے، جیسا کہ خود عزیزم عمار نے راہ ہدایت ص ۱۲۱ کے حوالہ سے حضرت شیخ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

> ''اکثر اہل بدعت مشہور محدث حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی رفیع شان میں بہت ہی گستاخی کرتے ہیں مگر ملا علی قاری الحنفیؒ ان دونوں بزرگوں کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ یہ دونوں اہل السنّت والجماعت کے اکابر ہیں اور اس امت کے اولیا میں تھے۔''

گویا حضرت شیخ بزرگان دین کی اغلاط کے بارے میں کوئی نظریہ قائم کرنے کے لیے بھی بزرگان دین ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ یقیناً عزیزم عمار کی یہ غلط فہمی اب دور ہوگئی ہوگی کہ حضرت شیخ نے امام ابن

تیمیہ، امام حافظ ابن قیم، علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون، علامہ ابن حزم ظاہری وغیرہ بزرگان دین کا تذکرہ ان کے تفردات کے باوجود ادب واحترام کے ساتھ کیوں کیا ہے؟ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی اجماعی نظریہ کے خلاف رائے قائم کر کے غلطی کرنے والے کے طرز عمل کا جائزہ لیا جائے کہ اس نے اپنی اس غلط رائے کا اپنی تقریر یا تحریر میں صرف اظہار کیا ہے یا اس کی شاعت وترویج کے لیے کوئی ادارہ یا جماعت بھی قائم کی ہے اور اپنی فکری وعملی صلاحیتیں اس کو فروغ دینے کے لیے صرف بھی کی ہیں۔ ہمارے خیال میں جس بزرگ نے صرف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور اس کے فروغ واشاعت کے لیے اپنی توانائیاں صرف نہیں کیں، ان کی اس رائے کو تفرد ہی قرار دیا گیا ہے اور ایسے کسی بزرگ کے حوالے سے ہمیں تاریخ کے اندر تفردات کے فروغ کے لیے کسی تحریک، کسی جماعت، کسی ادارہ اور کسی مستقل گروہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے اپنے نظریات کا صرف اظہار نہیں کیا بلکہ ان کے فروغ کے لیے جماعتیں، ادارے، گروہ اور تحریکیں پیدا کی ہیں، اپنی ہر قسم کی توانائیاں اس کی اشاعت کے لیے صرف کی ہیں اور اہل حق کے خلاف مناظرانہ اور مجادلانہ محاذ آرائی قائم کی ہے، اجماعی وجمہوری موقف کو غلط وباطل قرار دینے کی کوشش کی ہے، ان کی اغلاط کو ضلالت وگمراہی اور الحاد وزندقہ ہی قرار دیا گیا ہے۔ ماضی کی خوارج، معتزلہ، روافض، جبریہ، قدریہ، کرامیہ اور خلق قرآن وغیرہ تحریکیں اور حال کی اہل قرآن (منکرین حدیث) خاکسار، مودودی صاحب کی جماعت اسلامی، منکرین حیات انبیا وغیرہ تحریکیں اسی زمرہ میں شمار ہوتی ہیں۔ ڈاکٹر جاوید احمد غامدی (باوجود اس کے کہ ان کی علمی حیثیت کم از کم حضرت شیخ کے مسلک میں تو مسلم نہیں ہے) کے طرز عمل، ان کے ادارہ کے قیام اور مختلف ٹی وی چینلز پر ان کی طرف سے اپنے نظریات کی اشاعت وترویج کے حوالے سے عزیزم عمار خود فیصلہ کریں کہ ان کی اغلاط اور اجماع امت کے خلاف ان کی آرا تفردات میں شمار ہوں گی یا ضلالت میں؟

۲۔ عصر حاضر کی بعض شخصیات علامہ شبلی نعمانی، مولانا امین احسن اصلاحی اور نواب صدیق حسن خانؒ وغیرہ کے بارہ میں حضرت شیخ کے تعریفی کلمات کا حوالہ دیتے ہوئے عزیزم عمار نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت شیخ اہل علم کے لیے حق اختلاف تسلیم کرتے تھے۔ یہ فلسفہ ہمارے لیے ناقابل فہم ہے کہ نواب صدیق حسن خانؒ کے تفردات کو تفردات تسلیم کرتے ہوئے ان کے حق اور صحیح موقف سے استدلال کرنے سے ان کا حق اختلاف کیسے ثابت ہوتا ہے؟ علامہ شبلی نعمانیؒ کے کلامی مسائل میں معتزلی ہونے سے ان کو مشہور ومعتبر مورخ تسلیم کر لینا ان کے معتزلی مسائل وموقف کے جواز کا ثبوت کیسے بن جاتا ہے؟ اور مولانا امین احسن اصلاحی کو ''حضرت مولانا'' لکھ دینے سے ان کا جمہور واجماع سے حق اختلاف کیونکر ثابت ہو سکتا ہے۔

ہمارے خیال میں عزیزم عمار حضرت شیخ کے تحقیقی وتصنیفی مزاج سے اچھی طرح واقف نہیں ہیں، اس لیے ان کے قلم سے سامنے آنے والے چند تعریفی کلمات سے وہ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانیؒ کے

افکار پر حضرت شیخ نے قلم نہیں اٹھایا۔ ان کے لیے علامہ کا لقب یا لفظ استعمال کیا تو عزیزم عمار نے فوراً ایک تعبیر اخذ کر لی، لیکن اگر وہ حضرت شیخ کی جملہ تصانیف کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ حضرت شیخ نے علامہ عنایت اللہ المشرقی کے لیے بھی علامہ کا لقب استعمال کیا ہے، حالانکہ ان کے افکار ونظریات پر شدید ترین گرفت کرتے ہوئے وہ ان کو منکر حدیث قرار دیتے ہیں اور اس کی متعدد مزید مثالیں حضرت شیخ کی کتب میں موجود ہیں۔ مولانا، مولوی اور مفتی وغیرہ الفاظ تعظیم کی علامت ہیں، لیکن حضرت شیخ ان لوگوں کے لیے بھی انھیں استعمال کرتے ہیں جن پر اعتقادی گرفت کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ طرز وفلسفہ عزیزم عمار کے بچگانہ اور ناتجربہ کارانہ ذہن کو شاید ایسے ہضم نہ ہو، ہم اس کی مثال دے کر انہیں سمجھانا چاہتے ہیں۔ ہم نے جب اپنی زندگی کی پہلی تصنیف ''فتویٰ امام ربانی بر مرزا غلام احمد قادیانی'' کا مسودہ اصلاح کے لیے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا تو اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں وہی طرز اختیار کیا گیا تھا جسے تحریری لفظی یا عملی انتہا پسندی قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب مسودہ کی اصلاح ہو چکی تو ہمیں طلب کیا گیا اور اپنے سامنے ہی مسودہ چیک کرنے کا حکم دیا گیا۔ کاغذات الٹ پلٹ کر دیکھے تو ہر جگہ مرزا قادیانی کے بارے میں ہمارے لفظی جذبات مقطوع ہو چکے تھے اور ہر جگہ ایک ہی جملہ لکھا تھا: ''مرزا صاحب نے یہ کہا'' یا ''مرزا صاحب نے یہ لکھا۔'' جب تک ہم کاغذات کو الٹتے پلٹتے رہے، نگاہیں ہمارے چہرے پر مرکوز رہیں اور قلبی تاثرات کا چہرے سے جائزہ لیا جاتا رہا اور پھر سادہ سے انداز میں ایک نصیحت کی گئی: ''تحریر کے اندر اپنے موقف ونظریہ کو بے لچک انداز میں پیش کرو، مگر مخاطب کی شخصی حیثیت کا ضرور لحاظ رکھو تاکہ تمہاری تحریر کو پڑھنے والا اسے ذاتی وشخصی عناد وبغض پر محمول نہ کر سکے۔'' اس ایک بہت ہی سادہ اور جاندار جملہ سے عزیزم عمار حضرت شیخ کے تصنیفی وتالیفی مزاج سے یہ بات کافی حد تک سمجھ گئے ہوں گے کہ کسی شخصیت کے بارہ میں تعظیمی وتکریمی الفاظ استعمال کرنے سے حضرت شیخ کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ کسی اجماعی موقف کے خلاف وہ اس کا حق اختلاف تسلیم کر رہے ہیں۔

۳۔ شیخ الصوفیاء محی الدین ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور اس کے بارے میں حضرت شیخ کا موقف (کہ اس نظریہ کو کھینچ تان کر ہی قرآن وسنت کے مطابق بنایا جا سکتا ہے) نقل کرنے کے بعد عزیزم عمار لکھتے ہیں کہ ان کا تذکرہ بھی اپنی تصانیف کے اندر حضرت شیخ بے حد احترام کے ساتھ کرتے ہیں۔ اگر عزیزم عمار نے حضرت شیخ سے جو اسباق پڑھے ہیں، انہیں پوری توجہ سے سنا ہے تو انہیں معلوم ہوگا کہ حضرت شیخ صوفیائے کرام کی بعض اصطلاحات اور ان کی مبہم تعبیرات سے شدید اختلاف رکھتے ہوئے اکثر ایک جملہ فرمایا کرتے تھے: ''قول صوفی حجت نیست''، یعنی وہ صوفیائے کرام کے ایسے اقوال وتعبیرات کو جو اجماع کے خلاف ہیں، حجت تسلیم نہیں کرتے البتہ ان کا ادب واحترام پوری طرح ملحوظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر

فرماتے ہیں کہ

''اور حضرت مجدد الف ثانیؒ (مکتوبات، دفتر اول ص ۳۳۵) میں لکھتے ہیں کہ عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست، ہمیں بس است کہ ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم۔ جب حلال و حرام کے مسئلہ میں صوفیائے کرام کی بات حجت اور سند نہیں تو عقائد میں ان کی گول مول اور مجمل باتیں کب قابل قبول ہوں گی؟ اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار ص ۹۳ میں لکھتے ہیں کہ ''ومشرب پیر حجت نیست، دلیل از کتاب وسنت می باید''۔ جب پیر کی بات سرے سے حجت ہی نہیں، بلکہ کتاب وسنت سے استدلال کرنا ضروری ہے تو نہ معلوم ان کی بات سے عقائد کا اثبات اور پھر قرآن کریم کا مقابلہ کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ اور حضرت شاہ ولی اللہ بھی ''البلاغ المبین'' المنسوب بشاہ ولی اللہؒ میں صاف طور پر اس کی تصریح کرتے ہیں کہ کسی پیر اور صوفی کی بات حجت نہیں ہوسکتی۔ قرآن کریم اور حضرات صحابہ کرام کی اتباع ہی ایمان ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔ اب جو صاحب اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں، ان کو یہ بات اچھی طرح مدنظر رکھنی چاہیے کہ ایسے اہم مسئلہ پر کسی بزرگ کا کوئی قول حجت نہیں، بلکہ خود خبر واحد صحیح بھی حجت نہیں، اور قرآن کریم (اور حدیث متواتر) کے مقابلہ میں اس کا پیش کرنا محض پرزہ بافی ہے۔'' (آنکھوں کی ٹھنڈک، ص ۲۵۔۲۶)

حضرت شیخ اس مقام پر تین ایسے بزرگوں کے حوالے نقل کر رہے ہیں جو ارباب شریعت بھی ہیں اور اصحاب طریقت بھی اور تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ حلال و حرام اور عقائد و افکار میں پیر اور صوفی کی بات حجت نہیں، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ساتھ اس بات کی وضاحت بھی فرما رہے ہیں کہ صوفیائے کرام کی بات حجت و سند نہ ہونے کے باوجود ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور انہیں ملامت نہ کریں۔ اس مختصر مگر مدلل بحث کے بعد ہمارے لیے یہ بات قطعی طور پر ناقابل فہم ہے کہ جو شخص برملا اور علانیہ طور پر ''قول صوفی حجت نیست'' کا فتویٰ دیتا ہو، اس فتویٰ پر اکابر و اسلاف کے حوالہ جات و دلائل پیش کرتا ہو، اس پر یہ الزام کیونکر درست تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ اجماعی عقائد و افکار اور مسائل و احکام کے خلاف صوفیائے کرام کا حق اختلاف تسلیم کرتا ہوگا؟

یہ جو راہ تیری طویل ہے، تری گمرہی کی دلیل ہے
تری منزلیں ہیں وہیں کہیں ترا رخ جدھر نہیں ہو رہا

۴۔ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے بارے میں حضرت شیخ کے ایک مکتوب (بنام مولانا مشتاق احمد چنیوٹی مدظلہ) کا حوالہ بھی عزیزم نے دیا ہے جس میں حضرت شیخ نے فرمایا ہے کہ ''مولانا سندھیؒ کے بعض نظریات سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے، لیکن ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگتا۔''

اس مکتوب سے بھی عزیزم عمار نے اجماعی مسائل کے اندر اہل علم کا حق اختلاف ثابت کرنے کی کوشش کی

ہے۔اس بارے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت سندھیؒ کے افکار ونظریات پر ہم گزشتہ چھ سال سے مسلسل تحقیق کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بارے میں مختلف اہل علم کی طرف سے یہ تو کہا گیا ہے کہ ان کے بعض نظریات درست نہیں تھے یا ان کے بعض نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے یا ان کی بعض آرا مرجوح وشاذ ہیں، لیکن وہ آرا ونظریات کس نوعیت کے ہیں؟ اس پر کوئی محقق بحث نہیں ملتی اور ہمیں تلاش بسیار کے باوجود ان کا کوئی ایسا نظریہ دستیاب نہیں ہوسکا جو عقیدہ سے متعلق ہو، اجماع امت کے خلاف ہو اور علم وتحقیق کے حوالے سے کسی مستند ومعتمد ذریعے سے ثابت ہو۔ محض املائی تقاریر وتفاسیر پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے، اصحاب علم وتحقیق اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔

حضرت سندھیؒ کی شخصیت ونظریات کے بارے میں حضرت شیخ کے ساتھ ہماری تقریباً تین طویل نشستیں ہوئیں۔ حضرت شیخ کا موقف یہ تھا کہ ہمارے بعض اکابر علما حضرت سندھیؒ کے بعض نظریات سے اختلاف رکھتے تھے، لیکن حضرت سندھیؒ کا کسی اجماعی عقیدہ سے اختلاف میرے علم میں نہیں۔ اس موضوع پر ہماری تفصیلی کتاب زیر ترتیب ہے جس میں ہم ان شاء اللہ اس موضوع پر مدلل بحث کریں گے۔ لیکن اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت سندھیؒ بعض اجماعی نظریات سے اختلاف رکھتے تھے تو بھی حضرت شیخ کے مکتوبہ جملہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ تفردات کے زمرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ اس سے اہل علم کا اجماعی مسائل وعقائد میں حق اختلاف ثابت ہوتا ہے، سراسر خلاف حقیقت ہے۔

۵۔ مضمون کے اندر عزیزم عمار نے حضرت شیخ کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ وہ اس کی تفصیلات بایں الفاظ بیان کرتے ہیں کہ:

''وفات سے چند ماہ قبل کی بات ہے کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گفتگو کے دوران میں نے کہا کہ آپ علمی مسائل میں جمہور کی رائے کی پابندی پر بہت اصرار کرتے ہیں، لیکن بہت سے اکابر اہل علم مثلاً امام ابن تیمیہؒ کے ہاں متعدد مسائل میں عام موقف سے ہٹ کر رائے پیش کرنے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ (امام ابن تیمیہؒ کی ایسی آرا کی تعداد تین درجن کے قریب شمار کی گئی ہے) کیا یہ حضرات جمہور کی رائے کی اہمیت سے واقف نہیں تھے؟ اور کیا ان کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی منفرد رائے قائم کریں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔ میں نے پوچھا کہ کیا ایسا کرنے سے وہ گمراہی کا ارتکاب کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ میں نے کہا کہ کیا ایسا کرنے کے باوجود وہ اہل سنت کے دائرے ہی میں رہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں۔''

ہم نے عزیزم عمار کے الفاظ میں وہ گفتگو بے کم وکاست نقل کر دی ہے۔ اس پوری گفتگو سے دو چیزیں واضح ہو رہی ہیں۔ پہلی یہ کہ حضرت شیخ جو کچھ فرما رہے ہیں، وہ امام ابن تیمیہ کی علمی حیثیت وشخصیت کے حوالہ

سے فرما رہے ہیں۔ ان کی آڑ میں عصر حاضر کی کسی شخصیت کے لیے حق اختلاف کا جواز نکالنا درست نہ ہوگا۔ دوسری یہ کہ سوال کی روشنی میں حضرت شیخ کا یہ موقف صرف جمہور کے موقف سے حق اختلاف کا ہے، نہ کہ اجماعی موقف سے، کیونکہ اجماعی مسائل کے اندر حضرت شیخ نہ کسی بڑے کا حق اختلاف تسلیم کرتے ہیں نہ کسی چھوٹے کا، جیسا کہ اس کی کچھ بحث گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

حاصل بحث

عزیزم عمار ناصر کے مضمون میں اٹھائے گئے جملہ امور سے حاصل بحث کے طور پر درج ذیل چیزیں واضح ہو جاتی ہیں:

۱۔ حضرت شیخ امت کے اجماعی موقف اور جمہور کے موقف میں فرق کرتے ہیں۔

۲۔ امت کے اجماعی موقف و نظریہ میں اختلاف کی کوئی گنجایش تسلیم نہیں کرتے، بلکہ اجماعی موقف سے اختلاف کرنے والے کو دین سے خارج یا اہل سنت سے خارج اور بدعتی قرار دیتے ہیں۔

۳۔ ماضی میں اگر کسی نے اجماعی موقف سے اختلاف کیا ہے اور اختلاف کرنے والے کے علم و دیانت کی اسلاف امت کے ہاں شہادت پائی گئی ہے تو اس کے اختلاف کو تفرد قرار دیتے ہیں اور اس کی علمی حیثیت و شخصیت کا پورا ادب واحترام ملحوظ رکھتے ہیں۔

۴۔ حضرت شیخ کا مختار، پسندیدہ اور تلقین کردہ مسلک یہی ہے کہ جمہور اہل علم کی تحقیقات و تعلیمات سے وابستہ رہیں اور دوسروں کو بھی اس سے وابستہ رکھیں۔

۵۔ اگر کوئی مسلم صاحب علم جمہور کے موقف کے خلاف غیر جمہور کے موقف کو اپنائے یا اس کے خلاف اپنی تحقیق ورائے پر عمل کرے تو اسے جائز قرار دیتے ہیں، لیکن غیر مستحسن۔

۶۔ غیر اجماعی مسائل میں جمہور اہل علم سے اختلاف کا حق ہر کس و ناکس کو نہیں دیتے، بلکہ صرف ان اہل علم کو دیتے ہیں جو صاحب الرائے اور صائب الرائے ہیں اور ان کی علمی حیثیت مسلم ہے۔

۷۔ صاحب الرائے اور صائب الرائے کو رائے کی غلطی میں معذور و ماجور مانتے ہیں، جبکہ غیر مجتہد کی رائے کی غلطی کو گناہ قرار دیتے ہیں۔

۸۔ عصر حاضر کے تمام جدید مفکرین غلام احمد پرویز، عنایت اللہ المشرقی، عبداللہ چکڑالوی، ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے طرز کے دیگر جدت پسندوں کو نہ اہل علم تسلیم کرتے ہیں نہ صاحب الرائے اور نہ صائب الرائے بلکہ وہ ان سب کو پانچواں سوار قرار دیتے ہیں۔

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر امام اہل سنت رحمہ اللہ کی ایک تحریر ......اور......مخالفین (پتھری گروہ) کا مکروہ شر پسندانہ پروپیگنڈہ

(**نــوٹ**: حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ کی مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ گہری اور پختہ وابستگی سب پر عیاں ہے، اس سلسلہ میں وہ معمولی لچک کے بھی روادار نہ تھے اور مسلک کے حوالے سے ''لایخافون لومۃ لائم'' کے مظہراتم تھے۔مسلک حق کے ساتھ اس غیر معمولی ربط کا نمونہ قارئین زیر نظر مضمون میں ملاحظہ فرما سکیں گے۔ یہ مضمون خادم (راقم) کے والد گرامی کا تحریر کردہ ہے جو مجلّہ نور بصیرت بہاولپور کے شمارہ 9/10 میں شائع ہوا تھا، مجلّہ نور بصیرت کے شکریہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔)

امام اہل السنۃ ، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر (رحمہ اللہ) کی قابل فخر محدثانہ، مفسرانہ اور محققانہ خدمات کسی ذی شعور سے مخفی نہیں، انہی خدمات کی بناء پر حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہم اللہ کی تحریک پر ملک بھر کے اکابر دیوبند نے انہیں امام اہل السنۃ کے لقب سے نوازا، ہزاروں کی تعداد میں آپ کے وہ شاگرد ہیں جنہوں نے آپ سے حدیث تفسیر اور فقہ وفنون کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی، جبکہ آپ سے اجازت حدیث حاصل کرنے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔ جن کا دائرہ پاکستان سے باہر ہندوستان ، سعودی عرب، برطانیہ، بنگلہ دیش، افغانستان اور جنوبی افریقہ وغیرہ ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ کافی عرصہ سے بعض علاقوں کے مسلکی احباب کی طرف سے یہ شکایات موصول ہو رہی تھیں کہ بعض حضرات حضرت شیخ سے سند حدیث یا اجازت حدیث حاصل کرنے کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں اور عقیدہ انکار حیات النبی کی پوری تبلیغ واشاعت بھی کر رہے ہیں۔اور ہم خود بعض ایسے حضرات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جو حضرت شیخ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارا عقیدہ وہی ہے جو تسکین الصدور میں درج ہے۔ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کی قبروں میں بتعلق روح حیات مانتے ہیں اور عند القبر ان کے سماع صلوٰۃ وسلام کے قائل ہیں لیکن اپنے علمی وعوامی حلقوں میں وہ عقیدہ انکار حیات ہی کے داعی وترجمان نظر آتے ہیں۔ان کے عزائم ومقاصد کیا ہیں؟ وہ اپنی بدعقیدگی کے باوجود حضرت شیخ سے اپنی نسبت کیوں ضروری خیال کرتے

ہیں؟ ہمارے خیال میں اس پر بحث کی قطعاً ضرورت نہیں، اصحاب علم ودانش اس کا پس منظر بخوبی جانتے ہوں گے۔ بہر حال علاقہ کے صحیح العقیدہ علماء کا اُن سے غیر مطمئن ہونا یقینی شکوک کا باعث بنتا ہے اور یہ بات واقعی باعث حیرت ہے کہ ایک شیخ الحدیث یا مہتمم عقیدہ حیات النبی پر اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہو اور اس کے تلامذہ و متعلقین کی اکثریت اس کے برعکس عقیدہ رکھتی ہو، اس صورت میں یقیناً اس کے خلاف شکوک پید اہوں گے اور اس سے وہ بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ میں اس مقام پر اس کی وضاحت بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے سند فراغت حاصل کرنے والے جو لوگ عقیدہ حیات النبی کے بارہ میں بدعقیدگی کا شکار ہیں وہ اپنی بدعقیدگی پر بڑے شوق سے قائم رہیں لیکن مدرسہ کی سند واپس کرنا ان کا اخلاقی وشرعی فریضہ ہے۔ کیونکہ وہ سند ان کو جس داخلہ فارم کی بنیاد پر حاصل ہوئی اس میں ''**المهند علی المفند**'' کی روشنی میں عقیدہ حیات النبی پر ایمان ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جب وہ اس عقیدہ پر قائم نہ رہ سکے یا داخلہ فارم دھوکے سے پُر کیا تو سند پر ان کا استحقاق ختم ہوجاتا ہے۔ یہ دھوکہ دہی ہمارے خیال میں خالص ''تقیہ'' ہے جو روافض کا بنیادی مذہبی شعار ہے۔ اور جس کمزوریٔ فکر کی نشاندہی کرتا ہے، وہ کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔ اس طرز فکر کے حامل گروہ کا تذکرہ قرآن حکیم بایں الفاظ کرتا ہے ''**واذا لقو الذین آمنوا قالوا اٰمنا واذا خلوا الیٰ شیاطینهم قالوا انا معکم انما نحن مستهزئون**'' [پارہ 1 البقرہ آیت 14]

یعنی وہ منافقین جب ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لاچکے، اور جب اپنے سرداروں کی طرف لوٹتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں، بے شک ایمان والوں سے تو ہم صرف مذاق ہی کررہے تھے۔

لاغر فکر اور کمزور عقیدہ پر مبنی یہ منافقانہ طرز عمل جس قدر غلیظ ہے اسی قدر خطرناک بھی ہے۔ ہم یہ وضاحت بھی ضروری خیال کرتے ہیں کہ اس مقام پر ہمارے مخاطب صرف وہ منکرین حیات ہیں جو منافقت کا لبادہ اوڑھ کر خود فریبی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو دھوکہ دینے کی کوشش کررہے ہیں۔ جو منکرین حیات اپنے غلط عقیدہ پر پختگی سے قائم اور منافقت کا راستہ اختیار کرنے سے گریزاں ہیں ان کو ہم صرف دلائل ہی کے میدان میں مخاطب کرتے ہیں۔ اسی نوعیت کی ایک شکایت ہمیں رحیم یارخان کے ایک بزرگ کے بارے میں اس وقت موصول ہوئی جب حضرت شیخ اور عمی مکرم مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہما اللہ اپنے دیگر رفقاء سمیت ٦ مارچ ٢٠٠٥ بروز اتوار کو ''**شیخ الاسلام سیمینار**''، میں شرکت کے لیے بہاولپور تشریف لے گئے۔ چونکہ حضرت شیخ کی طرف سے سیمینار کے اندران کا مقالہ پیش کرنے کا حکم مجھے دیا گیا تھا۔ اس لیے میں بہاولپور حاضر ہوچکا تھا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ حضرت شیخ سیمینار سے فارغ ہوکر رحیم یارخان بھی تشریف لے جارہے ہیں۔ وہاں ایک ایسے بزرگ بھی حضرت شیخ سے اپنے مدرسہ کے لیے وقت لے چکے

تھے جن سے علاقہ کے صحیح العقیدہ علماء حضرت مولانا شفیق الرحمٰن صاحب درخواستی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب درخواستی، حاجی مطیع الرحمٰن صاحب درخواستی، حضرت مولانا عبدالروف ربانی وغیرہم مطمئن نہیں تھے۔اور حضرت شیخ کی ان کے پاس حاضری کو مسلکی طور پر نقصان دہ جانتے تھے۔اس موقع پر حضرت شیخ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ بزرگ چونکہ کافی عرصہ سے میرے پاس آمدورفت رکھتے ہیں، اور کئی بار میرے سامنے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا اعتراف کر چکے ہیں حتیٰ کہ اس موضوع پر ایک چھوٹا سا رسالہ بھی تالیف فرما چکے ہیں جس پر میں اس تاکید کے ساتھ تقریظ بھی لکھ چکا ہوں، کہ مزید تفصیل ہو جاتی تو زیادہ بہتر تھا، لہٰذا ان کے مدرسہ میں حاضری دینے میں کوئی حرج نہیں، جب کہ علاقائی بزرگ علماء کا مؤقف یہ تھا کہ بزرگ موصوف عوام کے سامنے کھل کر اپنے عقیدہ کا اظہار نہیں کرتے، اور جب ان سے زبانی یا تحریری طور پر اس عقیدہ کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے تو وہ مسئلہ کی وضاحت کرنے کی بجائے ڈانٹ کر صرف اتنا فرما دیتے ہیں کہ مجھے حضرت امام اہل السنۃ سے اجازتِ حدیث حاصل ہے، لہٰذا مجھے کسی کے سامنے اپنے عقیدہ کی وضاحت کی ضرورت نہیں، حتیٰ کہ ان کے پمفلٹ کے اندر بھی عقیدہ کی پوری وضاحت موجود نہیں ابہام پایا جاتا ہے ،جیسا کہ حضرت شیخ نے بھی اس میں مزید تفصیل کی ضرورت کا تذکرہ اپنی تقریظ میں فرمایا ہے، اس بزرگ کے اس رویہ کی وجہ سے علاقائی علماء کے اندر ان کے بارے میں تشویش وشبہات پائے جاتے ہیں۔ بزرگ موصوف بہاولپور میں موجود تھے، اور فریقِ ثانی کے نمائندے بھی تشریف لائے ہوئے تھے، اور قضیہ اپنے عروج پر تھا میں اس شدتِ قضیہ سے قطعی بے خبر جامعہ دارالعلوم مدنیہ ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور میں قیام پذیر تھا، کہ اچانک برادرِ عزیز حضرت مولانا محمد ریاض خان سواتی مدظلہٗ نے بذریعہ ٹیلیفون اس کی خبر کر دی، اور فرمایا کہ حضرت ابّا جی یعنی مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی نے اس قضیہ کے خاتمہ کے لیے یہ تجویز پیش کی ہے کہ عقیدہ کی مناسب تحریر پر بزرگ موصوف سے دستخط لے کر مقامی علماء کو مطمئن کر دیا جائے ،لہٰذا تم تحریر تیار کر کے فوراً حضرت شیخ کی قیام گاہ پر پہنچو، چونکہ حضرت شیخ اس تجویز سے اتفاق فرما چکے تھے اور یہ مسئلہ کا مناسب حل بھی تھا، لہٰذا میں تحریر تیار کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔اسی دوران رحیم یار خان کے بعض علماء اپنی تیار کردہ ایک تحریر میرے پاس لے آئے کہ اس پر بزرگ موصوف کے دستخط لے لیے جائیں تو تنازعہ ختم ہو سکتا ہے، تحریر حضرت شیخ کی کتاب ''تسکین الصدور'' کے حوالہ سے مرتب کی گئی تھی اور انتہائی معقول تھی، لیکن چونکہ ایک فریق کی طرف سے مرتب کی گئی تھی جس کا حوالہ بھی تحریر کے نیچے موجود تھا اس لیے میں نے اس سے اتفاق نہ کیا تاکہ بزرگ موصوف کے سامنے ہماری غیر جانبدارانہ حیثیت مجروح نہ ہو، اور ہمیں مقامی اختلاف میں فریق نہ سمجھ لیا جائے، چنانچہ میں نے اپنے ناقص ذہن کے مطابق حضرت شیخ مدظلہٗ کی طرف سے ایسی تحریر مرتب کی جسے کسی صورت بھی علاقائی اختلافات کے حوالہ سے نہ دیکھا جا سکے اور نہ

ایک فریق اسے دوسرے فریق کے خلاف استعمال کر سکے ہماری تیار کردہ تحریر درج ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿فرمانِ رسول﴾ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون . ﴿مسند ابی یعلیٰ﴾

حیات النبی کے بارے میں میرا عقیدہ:

میرا عقیدہ علمائے دیوبند کی اجماعی دستاویز ''المھند علی المفند '' اور تمام علماء دیوبند کی تحریرات وتحقیقات کی روشنی میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام وفات کے بعد اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور عالم برزخ میں ان کے جسدِ عنصری کے ساتھ ان کی ارواحِ طیبہ کو باقاعدہ تعلق حاصل ہے، ان کی یہ حیات حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے، صرف وہ احکامِ شریعت کے مکلّف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں، اور روضۂ اقدس پر جو درود شریف پڑھا جائے وہ بلاواسطہ سنتے بھی ہیں، اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے ، اور دارالعلوم دیوبند کا اس پر فتویٰ موجود ہے کہ: ''جو اس عقیدہ کے خلاف کہتا ہے وہ بدعتی ہے خارجِ اہل السنۃ والجماعۃ ہے ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے'' میں اپنے اس عقیدہ کی پوری وضاحت اپنی کتاب ''تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور '' میں کر چکا ہوں ، جس پر وقت کے اکابر علماء دیوبند کی تقاریظ موجود ہیں ، لہٰذا جن لوگوں کا مذکورہ عقیدہ سے پورا تعلق ہے وہ میرے متعلقین میں شامل ہیں ، اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اس کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں۔

﴿حضرت مولانا﴾ محمد سرفراز خان صفدر ﴿مدظلہ﴾

یہ تحریر مرتب کر کے میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور عمی مکرم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی (رحمہ اللہ) حضرت مولانا سید عبد المالک شاہ صاحب (مرکزی راہنما جمعیۃ علماء اسلام مولانا فضل الرحمٰن گروپ ومدرسِ حدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ) مولانا محمد ریاض خان سواتی ، اور مولانا منہاج الحق خان راشد سمیت دیگر علماء کی موجودگی میں یہ تحریر حضرت شیخ (رحمہ اللہ) کو پڑھ کر سنائی ، حضرت شیخ نے پوری تحریر سن کر اس پر دستخط فرمائے ، اور بزرگ موصوف کے شاگرد (معارفِ اسلامیہ اکیڈمی گکھڑ کے مدرس درجہ کتب) حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب مدظلہ کے ذریعہ بزرگ موصوف کے پاس بھیجی تاکہ وہ اس پر دستخط فرما دیں لیکن انہوں نے اس تحریر پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔

بزرگ موصوف کا مؤقف یہ تھا کہ میرا تعلق چونکہ جمعیت علماءِ اسلام مولانا فضل الرحمٰن گروپ سے ہے اور میرے مخالفین مولانا سمیع الحق گروپ سے متعلق ہیں ، اس لیے صرف سیاسی اختلاف کی بناء پر میرے خلاف منفی پروپیگنڈہ کر رہے ہیں ، ہم چونکہ رحیم یار خان کی سیاسی صورتِ حال سے بالکل بے خبر تھے اور ہمیں ہرگز معلوم نہ

تھا کہ کون مولانا فضل الرحمٰن سے وابستہ ہے اور کون مولانا سمیع الحق سے؟ ہمارے لیے دونوں یکساں قابلِ احترام ہیں، البتہ بزرگ موصوف کی زبانی یہ بات ہمارے لیے انتہائی تکلیف کا باعث ہوئی، کیونکہ اگر واقعی عقیدہ کا یہ کھیل سیاسی اغراض ومفادات کے لیے کھیلا جارہا ہے تو نہ صرف غیر منصفانہ ہے بلکہ شرمناک بھی ہے محض سیاسی اختلاف کی بناء پر کسی کو بلاوجہ بدعقیدگی کی تہمت دینا سراسر زیادتی اور کمینہ پن ہے۔

تقریباً نصف گھنٹہ سے زائد وقت ہم نے متعدد احباب کی موجودگی میں بزرگ موصوف سے گفت وشنید کی اور انہیں یہ باور کرانے کی پوری کوشش کی کہ ہم سیاسی اختلاف میں قطعاً فریق نہیں ہیں اور نہ اس تحریر کا سیاست کے ساتھ کوئی تعلق ہے آپ اس پر دستخط فرمادیں، مخالفین کا آپ کے خلاف پروپیگنڈہ بھی رک جائیگا اور آپ کے ہاں حضرت شیخ کا پروگرام بھی ہوجائے گا، لیکن بزرگ موصوف پر جذباتیت ایسی غالب تھی کہ انہوں نے حالات کی نزاکت کا احساس کیے بغیر معاملہ فہمی کی بجائے غصہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً اپنا پروگرام منسوخ کرنے کا اعلان کردیا اور بذریعۂ فون اپنے مدرسہ میں اس کی اطلاع بھی کردی۔

ہم نے انتہائی عاجزانہ انداز میں بار باران سے یہی درخواست کی کہ وہ سنجیدگی سے حالات کا جائزہ لیں لیکن وہ ایک ہی بات پر مصر تھے کہ میں اس تحریر پر بایں صورت دستخط کروں گا کہ تحریر حضرت شیخ کے پاس رہے، کسی اور کے پاس نہ جائے، حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ فلسفہ اور مطالبہ ہمارے حلق سے نیچے نہیں اتر رہا تھا کہ آخر عقیدہ کے اظہار میں اس قدر رازداری کیوں ہے؟ بزرگ موصوف کا یہ خوف بھی ہماری سمجھ سے بالا تھا کہ اگر میں نے دستخط کردیے تو مخالفین اسے اخبارات میں شائع کردیں گے، اگر واقعی وہ اس عقیدہ کو حق سمجھ کر اس پر دستخط کریں تو ہمیں اس کی اشاعت میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، لیکن بزرگ موصوف شدتِ غضب کی وجہ سے ان پہلوؤں کی طرف توجہ نہ دے سکے اور غصہ سے اٹھ کر چلے گئے۔

شدتِ جذبات میں بزرگ موصوف نے ہمیں بھی موردِ الزام ٹھہرادیا اور بھری محفل میں یہ الزام دے ڈالا کہ یہ میرے خلاف صاحبزادگان کی سازش ہے، اس الزام پر حقیقت یہ ہے کہ ایک دفعہ تو میرا بھی خون کھول اٹھا اور وہاں پر موجود چھوٹے بھائیوں کے چہروں پر بھی غصہ اور ناراضگی کے آثار نمایاں تھے، لیکن اندرونی جذبات پر سختی سے قابو پاتے ہوئے میں نے بڑے تحمل کے ساتھ یہ شکوہ کیا کہ محترم یہ تحریر حضرت شیخ کی دستخط شدہ ہے جو ان کے حکم سے مرتب کی گئی اس کے لیے صاحبزادگان کو موردِ الزام ٹھہرانا صریح ناانصافی ہے آپ کے پاس یہ تحریر صاحبزادگان نے نہیں بلکہ خود حضرت شیخ نے بھیجی ہے صاحبزادگان کا قصور فقط اتنا ہے کہ ان بیچاروں نے علاقائی علماء سے اس مسئلہ کے بارہ میں آپ کی کشمکش ختم کرنے کے لیے مناسب اور معقول راستہ فراہم کیا ہے لیکن وہ صاحبزادگان کو ہی حقیقی ویقینی مجرم ٹھہرانے پر مصر تھے۔

بہر حال میں نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کرلیا کہ موصوف ہمارے بزرگ ہیں، ہم پر ان کا احترام بہر صورت لازم ہے ان کا رویہ ہمارے بارہ میں کچھ بھی ہو ہم اپنی غیر جانبداری بہر صورت برقرار رکھیں گے، اس خیال کے تحت میں حضرت شیخ سے پہلے ہی رحیم یار خان پہنچ گیا تا کہ اصل حالات کا جائزہ لے سکوں لیکن مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑ رہا ہے کہ مجھے بزرگ موصوف کے اس مؤقف میں قطعاً کوئی صداقت نظر نہیں آئی کہ میرے سارے مخالفین مولانا سمیع الحق گروپ سے متعلق ہیں، حالانکہ حضرت مولانا حاجی مطیع الرحمٰن صاحب درخواستی مدظلہٗ، حضرت مولانا صاحبزادہ میاں مسعود احمد دین پوری، مولانا عبدالرؤف صاحب ربانی اور متعدد ایسے بزرگ علماء بھی بزرگ موصوف کے اس عقیدہ کے بارہ میں غیر مطمئن تھے جو مولانا فضل الرحمٰن گروپ سے وابستہ ہیں۔

اس واضح صورتِ حال کے باوجود کیونکہ ہم اپنی غیر جانبداری بدستور قائم رکھنے کا فیصلہ کر چکے تھے اسی لیے تمام مقامی علماء سے میں نے صاف لفظوں میں یہ کہہ دیا کہ یہ تحریر صرف بزرگ موصوف کے لیے نہیں لکھی گئی بلکہ سب کے لیے ہے لہٰذا جو بزرگ بھی حضرت شیخ کو دعا کے لیے اپنے ہاں لے جانا چاہتا ہے وہ پہلے اس تحریر پر دستخط کرے، حضرت شیخ جامعہ حمیر اللبنات کے زیرِ اہتمام ''امام اہل السنۃ سیمینار'' میں شرکت کے لیے بطورِ خاص رحیم یار خان تشریف لا رہے تھے، اس لیے سب سے پہلے میں نے اس پروگرام کے داعی حضرت مولانا عبدالغنی طارق مدظلہٗ سے اس تحریر پر دستخط لیے اور پھر باقی حضرت نے بھی اس پر دستخط کیے، یہاں تک کہ حضرت مولانا مطیع الرحمٰن صاحب درخواستی مدظلہٗ اور حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب درخواستی مدظلہٗ سے بھی اس تحریر پر دستخط لے لیے گئے اور بدگمانیوں کا راستہ بند کرنے کے لیے ہم نے جلسہ عام کے اندر ایک بار پھر حضرت شیخ مدظلہٗ کی موجودگی میں وہ تحریر پڑھ کر سنائی اور اعلان کیا کہ حضرت شیخ (رحمہ اللہ) سے اجازتِ حدیث لینے والوں کو بھی اس تحریر پر دستخط کرنا ہوں گے..........لیکن بدقسمتی سے اس کے باوجود مختلف پروپیگنڈے شہر میں گردش کر رہے تھے۔

(۱) ایک پروپیگنڈہ یہ تھا کہ یہ تحریر صاحبزادگان کی تھی اور شیخ کو اس سے اتفاق نہیں تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ پروپیگنڈہ وہ لوگ کر رہے تھے جن کو وہ تحریر دی گئی تھی جس پر حضرت شیخ نے بیسیوں افراد کی موجودگی میں دستخط فرمائے اور خود اپنے ہاتھوں سے بزرگ موصوف کو بھیجی، لیکن جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اسی لیے یہ پروپیگنڈہ اس وقت دم توڑ گیا جب یہ تحریر حضرت شیخ کی موجودگی میں دوبارہ مجمع کے اندر پڑھ کر سنائی گئی اور پھر پروپیگنڈہ مشینری نے اس بات پر بھی غور کرنا گوارا نہیں کیا کہ اس تحریر میں کون سی ایسی نئی بات پائی گئی ہے جو حضرت شیخ کی تسکین الصدور میں موجود نہیں اور جو صاحبزادگان کی ایجاد ہے، اگر اسی تحریر کی

ایک ایک چیز تسکین الصدور کے اندر موجود ہے تو پھر صاحبزادگان کو اس کا الزام دینا خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟

(۲) جب پہلا پروپیگنڈہ مؤثر نہ ہوسکا تو پروپیگنڈہ مشینری نے یہ شوشہ چھوڑا کہ بہاولپور کے اندر جس تحریر پر حضرت شیخ نے دستخط فرمائے تھے وہ تحریر رحیم یار خان والی تحریر سے بالکل مختلف تھی، بہاولپور والی تحریر میں العیاذ باللہ یہ بھی مذکور تھا کہ انبیاء علیہم السلام کو ان کی قبور میں ان کی ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان سے ہمبستری فرماتے ہیں، اگر یہ پروپیگنڈہ بزرگ موصوف کی طرف سے تھا تو ہم بہرصورت ان کی بزرگی اور علمی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف اظہارِ افسوس ہی کر سکتے ہیں، اور اگر کسی اور کی طرف سے تھا تو ہم ''**لعنة الله علی الکاذبین**'' پڑھنے پر اکتفا کریں گے کیونکہ ہم نے رحیم یار خان کے جلسہ میں وہی تحریر پڑھ کر سنائی جو بہاولپور میں مرتب کی گئی تھی، باقی جہاں تک قبر میں ازواجِ مطہرات کے پیش ہونے کا تعلق ہے تو حضرت شیخ بھی اس بات کی وضاحت فرما چکے ہیں اور ناچیز کی کتاب علماءِ دیوبند کا عقیدہ حیات النبی اور مولانا عطاء اللہ بندیالوی'' میں بھی اس کی صراحت موجود ہے کہ یہ عقیدہ اہل السنۃ والجماعۃ کا نہیں بلکہ روافض اور بریلویہ کا ہے جو اصولِ کافی اور ملفوظاتِ احمد رضا خان بریلوی میں مذکور ہے، اگر پروپیگنڈہ مشینری کی طرف سے یہ الزام دانستہ اور شعوری طور پر لگایا گیا ہے تو یہ الزام تراشی کی ایک بدترین مثال ہے۔

(۳) تیسرا پروپیگنڈہ (جسے بدفطرتی اور انتہائی کمینی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے) یہ تھا کہ چونکہ شیخ ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے بیٹوں کے ہاتھوں بے بس ہوکر رہ گئے ہیں، اس لیے اب وہ مجبور ہیں، ہم اصرار کر کے شیخ کو اپنے مدرسہ میں لا سکتے لیکن پھر شیخ کے بیٹے ان کو روٹی بھی نہ دیتے''**لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم**'' انسان اپنی تقیہ بازی اور بدعقیدگی کو چھپانے کے لیے اتنی پستی میں بھی اتر سکتا ہے اس کا تجربہ کم از کم ہمیں پہلی بار ہوا، ان سے کوئی پوچھے: بھلے آدمی! اصرار کرنے کی کیا ضرورت تھی تحریر پر دستخط کر کے آپ شیخ کو بآسانی اپنے ہاں لے جاسکتے تھے، جب یہ آسان راستہ موجود تھا تو اتنا لمبا چکر کاٹنے کی کیا مصیبت پڑی تھی، ویسے ہم بزرگ موصوف اور ان کے حلقہ کو اس بات کا پورا اطمینان دلاتے ہیں کہ حضرت شیخ مدظلہ فکری و عملی اعتبار سے نہ کل اولاد کے سامنے بے بس تھے اور نہ آج بے بس ہیں، ان کی اولاد آج بھی بحمد اللہ تعالیٰ ان کے حکم فرمان کو وہی درجہ دیتی ہے جو کل دیتی تھی اور آج بھی ان کی حکم عدولی اور بے ادبی کو اپنے لیے دنیوی ذلت اخروی عذاب اور خدائی ناراضگی کا باعث جانتی ہے، خدا تعالیٰ اس وقتِ بد سے ان کی جملہ اولاد کو محفوظ فرمائے اور پروپیگنڈہ مشینری کو ہدایت بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

☆......☆......☆......☆

مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ

امام اہل سنت رحمہ اللہ

...... اور......

مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ

(نــوٹ: مولانا طارق جمیل صاحب سے مسلک کے بارہ میں جولغزشات سامنے آئیں تھیں، ان سے حضرت اقدس داداجان نوراللہ مرقدہ خاصے پریشان تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے شاگرد حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب سے فرمایا کہ ان چیزوں کی نشاندہی اور تردید عوام کے سامنے آنی چاہئے جن میں مولانا طارق جمیل نے اعتدال کا دامن چھوڑ دیا ہے، اوران کے بارے میں اکابرین کا مسلک واضح ہونا چاہیے، چنانچہ تعمیل حکم میں حضرت مفتی صاحب نے ایک کتاب تحریر فرمائی مکمل ہونے کے بعد مفتی صاحب نے داداجان کی خدمت میں تقریظ کے لیے پیش کی، داداجان رحمہ اللہ چونکہ لکھنے پڑھنے سے معذور تھے، لہٰذا آپ نے وہ کتاب خادم کے والد گرامی کے پاس بھیجی اور فرمایا کہ ''اسپر میری طرف سے تقریظ لکھو پھر مجھے وہ تقریظ سناؤ میں اس پر دستخط کردوں گا!'' پھر والد صاحب کے مشورے پر فرمایا کہ ''پہلے میری طرف سے ایک خط مولانا طارق جمیل صاحب کے نام لکھو، اُن سے فرداً فرداً تمام مسائل کی وضاحت طلب کرو، اگر وہ جواب دیدیں تو اس جواب کے ساتھ اسے کتاب کے آغاز میں لگادو، ورنہ اسی خط کو ہی کتاب کے شروع میں شامل کردو!'' والد محترم نے داداجان رحمہ اللہ کے حکم کے مطابق (بڑے سائز کے 18 صفحات پر مشتمل) خط تحریر کیا، جس میں فرداً فرداً ہر ایک مسئلہ کی وضاحت طلب کی، [مثلاً جہاد کے بارے میں نظریہ، مودودیت کے متعلق مؤقف وغیرہ وغیرہ] اور احقر سے فرمایا کہ ''یہ خط داداجان کو سناؤ! پینسل پاس رکھو، جہاں جہاں وہ ترمیم کرائیں وہاں ترمیم کرو، اور آخر میں داداجان سے چند کلمات لکھوالو جو خط کے شروع میں ہونگے جن میں یہ بات وہ خود لکھ دیں کہ ''یہ خط اُن کے حکم پر اور انہی کی طرف سے مولانا طارق جمیل صاحب کو بھیجا جارہا ہے!''۔ خیر وہ طویل خط داداجان رحمہ اللہ کو سنایا، آخر میں آپ نے چند جملے لکھوائے جو خادم نے خود لکھے: جو تقریباً یہ تھے

''باسمہ سبحانہ وتعالیٰ......من ابی الزاہد......

بندہ عاجز کمزور، ضعیف اور بیمار ہونے کی بناء پر لکھنے سے معذور ہے، میری طرف سے عزیزی مولوی عبدالحق سلمہ اللہ تعالیٰ نے مولانا طارق جمیل صاحب کے نام خط لکھا ہے جس میں اُن سے علماء کی جانب سے اُن پر کیے گئے اعتراضات کی وضاحت مطلوب ہے۔ بندہ نے مکمل خط سن لیا ہے۔ واللہ تعالیٰ الموفق للخیر

فقط ابولزاہد محمد سرفراز

پھر آپ نے اس پر مہر لگوائی اور فرمایا ''یہ عبدالحق کو دے دو!'' بندہ نے وہ خط اور تحریر ابو جان کے حوالے کر دی۔ مولانا کو وہ خط ملا تو انہوں نے والد مکرم سے فون پر بات کی اور اُس کے بعد ایک اور تحریر لکھ کر دی حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ کی کتاب میں چھپ چکی ہے۔

اگر چہ مولانا محمد طارق جمیل صاحب مدظلہ اپنی غلطی تسلیم کر کے آئندہ پوری احتیاط کا وعدہ فرما چکے ہیں، جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء، لیکن والد مکرم کا وہ خط دیگر بہت سے فوائد پر مشتمل ہونے کی بنا پر قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ [خادم، حمزہ])

زیر نظر مکتوب

سیدی، مولائی حضرت والد مکرم دام مجدہم کے حکم پر برادر ذی وقار مولانا محمد طارق جمیل صاحب کے نام تحریر کیا گیا، اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تائید کے بعد ارسال کیا گیا۔ [بشیر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادر ذی وقار، محترم ومکرم حضرت مولانا محمد طارق جمیل صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے کہ آں محترم جملہ احباب ورفقاء سمیت بخیریت وعافیت ہونگے۔ خدا تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنی حفاظت وامان میں رکھے، اور ہر قسم کے شرور وفتن سے آپ کی حفاظت فرمائے۔ آمین

گذشتہ کئی ماہ سے بعض علمی وعوامی حلقوں کی جانب سے آپ کے خلاف چند فکری ونظریاتی اعتراضات والزامات سامنے آرہے ہیں، جن سے ملک بھر کے اندر شدید قسم کی بے چینی پائی جارہی ہے۔ اور ناقابلِ تلافی دینی ونظریاتی نقصان ہو رہا ہے۔ خود اپنا ذہن بھی ناقابلِ بیان تشویش وکرب میں مبتلا ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف دہ امر یہ ہے کہ ان الزامات واعتراضات کی وجہ سے پوری تبلیغی جماعت کے بارہ میں سخت غلط فہمیاں جنم لے رہی ہیں۔ چونکہ ان الزامات واعتراضات کی وجہ سے شیخ مکرم حضرت والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کے مریدین اور تلامذہ کا حلقہ بھی بری طرح تشوش میں مبتلا ہے۔ اور وہ اس بارہ میں حضرت شیخ مدظلہ کی رائے معلوم کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جسکی وجہ سے وہ خاصے

پریشان رہتے ہیں۔

اب تک فخر العلماء حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ (جامعہ مدنیہ قدیم لاہور) کا مضمون آپ کے تقریری نظریات پر گرفت کے حوالہ سے شائع ہو چکا ہے۔ جبکہ استاذی المکرّم فقیہہ وقت حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی زیدمجدہ (گوجرانوالہ) نے حضرت شیخ مکرم مدظلہ کی اجازت سے جوطویل مضمون تحریر فرمایا ہے، اس کا مسودہ فی الوقت ہمارے پیش نظر ہے۔ ان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مضامین کے اندر جوالزامات واعتراضات آپ پر عائد کیے گئے ہیں، وہ کافی پریشان کن ہیں۔ اگر آپ کی شہرہ آفاق دعوتی خدمات کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ اعتراضات جھوٹ کا پلندہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ اعتراضات حقیقت پر مبنی ثابت ہوں تو آپ کے ساتھ ہماری عقیدت ومحبت کا بت ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ آپ شاید ہماری قلبی کیفیات کا اندازہ نہ کر سکیں، لیکن خدا گواہ ہے کہ اس صورت حال نے ہمیں سکون اور چین کی نیند سے محروم کر رکھا ہے۔ اسی بے چینی و بےقراری کی حالت میں یہ عریضہ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ کیونکہ آپ سے بہتر ہمارے اس دردِ دل کا مداوا کون کر سکتا ہے۔ امید ہے کہ آپ نظر شفقت فرما کر اولین فرصت میں اس عریضہ کا جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کی جملہ دعوتی وتبلیغی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازیں، اور انہیں عوام الناس کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔ آمین یارب العالمین۔

آپ پر عائد کیے گئے الزامات واعتراضات اور ان سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کا تذکرہ کرنے سے قبل چند ضروری باتیں بطور تمہید عرض کر دینا ناگزیر خیال کرتا ہوں۔ تاکہ ان کی روشنی میں آپ ہماری ذہنی کیفیت کا جائزہ بھی لے سکیں اور اس مکتوب کا مقصد بھی جان سکیں۔ یقیناً ان شاء اللہ العزیز آپ کو جواب تحریر کرنے میں سہولت رہے گی۔

(ا) مسلک دیوبند سے وابستہ تمام علمی وعوامی حلقے اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں کہ حضرت شیخ مکرم مدظلہ مختلف دینی محاذوں (تحفظ ختمِ نبوت، ردِ رافضیت وخارجیت، ردِ شرک وبدعت، دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اور جہاد وقتال وغیرہ) پر اپنے اپنے انداز میں خدمات سرانجام دینے والی تمام شخصیات اور تمام جماعتوں کے درمیان ذاتی وسیاسی اور پالیسی وطرزِ جدوجہد کے حوالہ سے پبلک کے اندر آنے والے تقریری وتحریری اختلافات سے ہمیشہ نالاں رہے ہیں، اور ہمیشہ ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ ان تمام ہم مسلک دینی وسیاسی حلقوں کے درمیان باہمی ربط وتعلق قائم رہے۔ اور اگر بالفرض کسی حکمت ومصلحت یا مجبوری ومعذوری کی بناء پر یہ باہمی ربط وتعلق قائم کرنا مشکل ودشوار ہو تو کم از کم اپنے ان اختلافات کو پبلک کے

سامنے لانے اور مسلک کو تماشہ بنانے سے گریز ضرور کرنا چاہیے۔اور اپنی اپنی جدو جہد کے دائرہ میں رہتے ہوئے خالصتاً مثبت انداز میں اپنے اپنے مشن کو جاری رکھنا چاہیے۔ایک دوسرے کے وجود اور اسکی دینی وسیاسی جدوجہد کا احترام کرتے ہوئے طعن وتنقید سے بچنا چاہیے۔اور اپنی تمام تر توانائیاں باطل کی سرکوبی کے لیے صرف کرنی چاہییں۔یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ مدظلہ نے کبھی بھی ہم مسلک حضرات اور جماعتوں کے درمیان قلمی ولسانی محاذ آرائی کو پسند نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کی حوصلہ شکنی کی ہے۔

(۲) یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تبلیغی جماعت ہمارے اپنے بزرگوں کی جماعت ہے۔اور ہم نے اسے ہمیشہ اپنے بزرگوں کی جماعت کے حوالہ سے ہی دیکھا ہے......امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی نور اللہ مرقدہ......جانشینِ امام التبلیغ حضرت جی مولانا یوسف صاحب نور اللہ مرقدہ......اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ......ہمارے ہی اکابر واسلاف تھے،جن کا شمار بزرگان دیوبند میں ہوتا ہے۔اور یہ تبلیغی جماعت انہیں بزرگوں کا ورثہ اور انہی کی قربانیوں کا ثمرہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب بھی اس جماعت کے خلاف کسی طرف سے آواز اٹھی یا اسے تنقید کا نشانہ بنایا گیا تو حضرت شیخ مدظلہ نے جماعت کا پورا دفاع کیا۔اگر کسی وقت کسی نے حضرت شیخ مدظلہ کے سامنے تبلیغی جماعت کے اندر موجود بعض خامیوں کا اظہار کیا تو حضرت شیخ مدظلہ نے سختی سے اس کی تردید کی۔اور ہمیشہ یہی فرمایا کہ اگر یہ خامیاں واقعی جماعت کے اندر موجود ہیں تو یقیناً یہ نچلے طبقہ کی سوچ اور اس کا طرز ہوگا۔جنکی اکثریت جاہل اور دینی علوم سے بے خبر و نا آشنا ہے۔جماعت کے اکابر علماء اور بزرگوں کی ہرگز یہ سوچ نہیں ہوسکتی۔تبلیغی جماعت کے ساتھ حضرت شیخ مدظلہ کے گہرے قلبی تعلق کا انداز اس سے کیا جاسکتا ہے کہ صحت وتندرستی کے زمانہ میں ان گنت مصروفیات کے باوجود صرف تبلیغی بزرگوں کی زیارت اور علماء کرام سے ملاقات کے لیے متعدد بار رائیونڈ تشریف لے گئے۔ بلکہ ایک بار تو شدید علالت ونقاہت کے باوجود شہیدِ ختم نبوت حضرت مولانا مفتی جمیل خان شہید نور اللہ مرقدہ کے ہمراہ رائیونڈ تشریف لے گئے۔ جہاں گاڑی سے علماء کے حلقہ تک آپ کو ویل چیئر پر لے جایا گیا۔اور وہاں انہوں نے علماء سے ملاقاتیں کیں۔

(۳) یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے بانی وامیر اول امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی نور اللہ مرقدہ اپنے تمام ہم مسلک علماء کے ساتھ باہمی ربط وتعلق قائم رکھے ہوئے تھے۔خواہ وہ سیاسی علماء ہوں یا باطل مذاہب کے خلاف جدوجہد کرنے والے علماء، انہوں نے نہ خود کو ان سے علیحدہ رکھا اور نہ انہیں خود سے علیحدہ سمجھا۔چند واقعات پیشِ خدمت۔

ا: قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی سیاسی وجہادی، علمی وفقہی اور رافضیت

وقادیانیت کے خلاف دینی خدمات سے کوئی بھی ذی علم بے خبر نہیں۔ وہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔ مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ ان کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ:

''حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس دور کے قطب ارشاد اور مجدد تھے۔ لیکن مجدد کے لیے ضروری نہیں کہ سارا تجدیدی کام اس کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اسی کا ہے۔ جس طرح خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالخصوص حضرات شیخین رضی اللہ عنہم (سیدنا امام ابوبکر صدیق اور سیدنا امام عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کا کام فی الحقیقت رسول اللہ ﷺ ہی کا کام ہے۔

(ملفوظات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ ص ۱۲۳ از مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ)

حضرت امام التبلیغ نور اللہ مرقدہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کی تمام خدمات کو (خواہ وہ جہادی ہوں یا فرقِ باطلہ کی تردید میں) مجددانہ خدمات قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کے تلامذہ کی جدوجہد کو انہی کی جدوجہد کا تسلسل تسلیم کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ، شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ اور حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی جدوجہد کو غلط یا وقت کا ضیاع قرار دیتا ہو تو کم از کم وہ حضرت امام التبلیغ نور اللہ مرقدہ کا معتقد و محبّ نہیں ہوسکتا، ہم پورے وثوق کے ساتھ اس بات کا اعتراف واظہار کرنا چاہیں گے کہ خود حضرت امام التبلیغ کا تبلیغی مشن بھی حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی مجددانہ خدمات وجدوجہد کا تسلسل ہے۔

۲: حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی فرق باطلہ کے خلاف اور سیاست وطریقت کے شعبوں میں ہمہ گیر خدمات ہر شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ لیکن ان تمام خدمات کے باوجود حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ ان کی جملہ تعلیمات وتحقیقات پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو ان کی ہو، اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہوجائے گی۔ (ملفوظات ص ۵۶)

گویا حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ اپنے طریقۂ تبلیغ کے ذریعہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تعلیمات کو عام کرنے کا عزم وارادہ رکھتے تھے۔ اب کون نہیں جانتا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تعلیم میں قادیانیت، رافضیت، غیر مقلدیت اور بریلویت وغیرہ ہر فرق باطلہ کا رد بکثرت موجود ہے جو عصرِ حاضر کے تبلیغی حضرات کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

۳: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی فرنگی سامراج کے خلاف جہادی وسیاسی

خدمات بھی ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہیں لیکن ان خدمات کے باوجود حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ کا ان سے ربط و تعلق کیسا تھا، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

''(ہندوستان کے ایک شہر) کتھولی میں تبلیغی اجتماع تھا۔ حضرت امام التبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کا بیان تھا۔ بیان سے قبل کسی نے بتایا کہ اسی علاقہ میں قریب ہی ایک جگہ پر سیاسی جلسہ ہو رہا ہے۔ جسمیں شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا بیان ہے حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ نے اپنا تبلیغی اجتماع فوراً ملتوی کرنے کا اعلان فرمایا اور کہا کہ سب لوگ جا کر حضرت مدنی رحمہ اللہ کا بیان سنیں۔ ادھر حضرت مدنی رحمہ اللہ کو تقریر کے دوران کسی نے اطلاع دی کہ اسی وقت قریب ایک جگہ پر تبلیغی اجتماع میں مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمہ اللہ کا بیان ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ نے اطلاع ملتے ہی تقریر انتہائی مختصر کر دی۔ اور فرمایا تمام حضرات جا کر مولانا محمد الیاس کی تقریر سنیں۔ نتیجہ یہ کہ دونوں (سیاسی و تبلیغی) اجتماع پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ (سوانح حیات شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ ص ۱۶ از مقصود احمد جالندھری)

بزرگانِ دیوبند کا یہ باہمی ربط و تعلق تو اب ہمارے لیے ایک خواب و خیال بن کر رہ گیا ہے۔ حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے صرف ظاہری ربط و تعلق ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی عظمت و علمیت کا برملا اعتراف بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر فرمایا کہ

''جس دریا کا ایک پیالہ ضبط کرنا مشکل ہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ سات سمندر چڑھائے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ضبط موجود ہے۔ مجال ہے کہ ساغر چھلک جائے۔ (ایضاً ص ۵)

کاش ہمارے اندر بھی اظہار حقیقت اور اعترافِ عظمت کا یہ جذبہ پیدا ہو جائے ہم بھی اپنی مخصوص جدو جہد کے خول سے نکل کر دوسرے محاذوں پر اپنے ہم مسلک حضرات کی قربانیوں اور خدمات کو تسلیم کر سکیں۔ یہ چند واقعات صرف اظہارِ حقیقت کے لیے ذکر کیے گئے ہیں۔ ورنہ ایسے بے شمار واقعات تاریخ کا حصہ ہیں۔ مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی مذاہبِ باطلہ کے خلاف مناظرانہ و تالیفی خدمات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور ان سے حضرات امام التبلیغ کے تعلقات بھی کوئی مخفی راز نہیں۔

(۴) جہاں اکابرین تبلیغ کا اپنے ہم مسلک بزرگوں سے ربط و تعلق ایک امرِ واقعہ ہے۔ وہاں مختلف فتنوں سے ان کی نفرت بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اور اس نفرت کا برملا اظہار بھی تاریخی حقائق سے ثابت ہے مثلاً

(ا) امام اہل السنۃ حضرت مولانا علامہ عبد الشکور لکھنوی نور اللہ کی دیگر فتنوں کے علاوہ رافضیت کے خلاف

تحریری وتقریری خدمات کسی ثبوت کی محتاج نہیں اپنے شیخ ومرشد والد محترم مدظلہ سے بیسیوں بار میں نے سنا کہ ''علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے جب روافض کی تبرا ایجی ٹیشن کے جواب میں لکھنو کے اندر تحریک مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعلان کیا تو اس تحریک میں سب سے پہلے گرفتاری دینے کے لیے شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ اور امام التبلیغ حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ تشریف لائے جس پر علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ دونوں بزرگوں کی ہمیں باہر زیادہ ضرورت ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ، عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم واہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی کسی تحریک میں حصہ لینا اپنے تبلیغی مشن اور اپنی دعوتی تحریک کے منافی نہیں سمجھتے تھے۔وہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کی مذاہب باطلہ کے خلاف جدوجہد وخدمات سے کس قدر متأثر تھے اس کا اندازہ ان کے ان تأثرات سے کیا جاسکتا ہے۔مناظرِ اسلام حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

> ''وصال سے ایک سال قبل رجب 1362ھ میں حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ لکھنوء تشریف لائے۔اور ایک ہفتہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں قیام فرمایا۔ایک دن مولانا معین اللہ خان ندوی (ناظم شعبہ تعمیر وترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء) مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ کے بالکل سامنے بیٹھے وضو کر رہے تھے۔حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ کی ان پر شفقت وعنایت کی خاص نظر تھی۔ان سے مخاطب ہوکر فرمایا میاں مولوی معین اللہ! حضرت مولانا عبدالشکور کو جانتے ہو؟ عرض کیا ہاں حضرت جانتا ہوں، زیارت بھی کی ہے۔فرمایا نہیں تم نہیں جانتے۔پھر فرمایا وہ امامِ وقت ہیں۔(تحدیث نعمت آپ بیتی مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ ص۳۵۲)

حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ کا علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کو دیا ہوا یہی ''امامِ وقت'' کا خطاب بعد میں علمی وعوامی حلقوں میں ''امامِ اہل سنت'' کے الفاظ سے متعارف ہوا۔اور پھر یہ'' امام اہل سنت'' کا خطاب علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے نام کا لاحقہ اور ان کی پہچان بن گیا۔جس طرح اسلافِ دیوبند میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے لیے ''حجۃ الاسلام'' حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے لیے ''قطب الارشاد'' حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کے لیے ''شیخ الہند'' حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ''حکیم الامت'' حضرت مدنی رحمہ اللہ وعلامہ عثانی رحمہ اللہ کے لیے ''شیخ الاسلام'' حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے لیے ''شیخ التفسیر'' حضرت سندھی رحمہ اللہ کے ''امامِ انقلاب'' حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے لیے ''امیرِ شریعت'' کے خطابات ان کی پہچان بن چکے ہیں۔اسی طرح علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کے لیے امام التبلیغ رحمہ اللہ کا دیا ہوا خطاب ''امام اہل سنت'' ان کی شناخت بن چکا ہے۔علامہ لکھنوی رحمہ اللہ کی شخصیت امام التبلیغ کی نظر میں کیا تھی۔اس پر تبصرہ

کرتے ہوئے مولانا نعمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

(حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے کچھ عرصہ بعد) حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے ایک صحبت میں مجھ سے فرمایا کہ ان مشرقی دیار میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمہ اللہ کا وہی مقام ہے جو ہمارے مغربی دیار میں ہمارے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا تھا۔ (تحدیث نعمت ص ۳۵۲)

اس ایک جملہ کے اندر حضرت امام التبلیغ نے دو بڑے بزرگوں کی عظمت کا اعتراف کر کے ہمارے اپنے خول میں بند ذہن وفکر پر جو چابک رسید کیا ہے اس کی چوٹ وہی محسوس کر سکتا ہے جس کا احساس زندہ اور حواس کام کر رہے ہوں۔

۲: حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ کے بعد حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ ان کے جانشین بنے۔ اور تبلیغی جماعت کے دوسرے منتخب امیر قرار پائے۔ انہوں نے بھی اپنے اکیس سالہ (۱۹۴۴ء تا ۱۹۶۵ء) دور امارت میں فتنوں کے خلاف ہمیشہ سختی برتی۔ چنانچہ جب (۱۲ رجب ۱۳۷۱ھ بمطابق ۱۸ اپریل ۱۹۵۲ء) وہ سکھر (صوبہ سندھ پاکستان) تشریف لائے تو تقریر سے قبل ان کو اطلاع دی گئی کہ پنڈال سے باہر مودودی صاحب کی کتب کا اسٹال لگا ہوا ہے۔ حضرت جی رحمہ اللہ خود تشریف لے گئے اور وہ اسٹال وہاں سے اٹھوا دیا۔ اور رضا کاروں سے فرمایا اس گمراہی کے اڈہ کو پنڈال سے دور چھوڑ کر آؤ۔ اس پر بعد میں جماعت اسلامی نے شدید احتجاج کیا جو اس وقت کے جماعت اسلامی کے ترجمان ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' میں موجود ہے۔ غرض یہ کہ حضرت جی رحمہ اللہ بھی فتنوں کے معاملہ میں ہرگز کوئی نرمی نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمہ اللہ نے جو حضرت جی رحمہ اللہ کی سوانح مرتب کی ہے، اس میں فرماتے ہیں کہ

''جن لوگوں نے مولانا (یعنی حضرت جی رحمہ اللہ) کی دعوت اور تبلیغی تحریک کا گہرا مطالعہ کیا ہے، اور مولانا کی تقریروں اور تحریروں کو توجہ وانہماک سے سنا اور پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مولانا دین کے کسی خاص شعبہ کے داعی اور علمبردار نہ تھے۔ بلکہ پورے نظام کی تبدیلی چاہتے تھے۔ اور پورے معاشرہ میں صالح انقلاب لانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ انقلاب موجودہ تحریکوں سے نہیں لانا چاہتے تھے بلکہ طریقہ محمدی کے ذریعہ لوگوں کا ذہن ودماغ بدلنا چاہتے تھے۔ اور یہ چاہتے تھے کہ مسلمان بالکلیہ اسلام کے پیروکار بنیں۔ وہ لوگ مولانا پر ظلم کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا اسلام کے چند ارکان کی اشاعت میں اپنی ساری زندگی گزارتے رہے۔'' (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ ص ۱۷۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جی رحمہ اللہ دین کے صرف ایک شعبۂ تبلیغ کے علمبردار نہ تھے بلکہ دین کے

تمام شعبوں کی ہم آہنگی سے پورے معاشی ومعاشرتی اور سیاسی وعدالتی سسٹم میں صالح انقلاب پیدا کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ چنانچہ حضرت جی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ

''ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت اللہ تک کا نظام درست ہو جائے۔(ایضاً ص ۷۱۸)

گویا حضرت جی رحمہ اللہ ان ہر قسم کے اعتقادی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی فتنوں کے خلاف جدوجہد کے ذریعہ بازار سے مسجد تک اور مسجد سے بیت اللہ تک کے نظام میں تبدیلی کے خواہاں تھے۔

(۳) تیسرے نمبر پر تبلیغی جماعت کے امیر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہ منتخب ہوئے، تو انہوں نے رافضیت، غیر مقلدیت اور مماتیت جیسے فتنوں کے خلاف جو قلمی جدوجہد فرمائی وہ ان کی کتب ورسائل، ان کے مکاتیب اور ان کی ''آپ بیتی'' میں بیسیوں مقامات پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔اور اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ مسلک دیوبند کے جملہ عقائد ومسائل کی جو ترجمانی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی تحریرات وتعلیمات میں ملتی ہے، وہ کسی اور کی تحریرات میں نہیں ملتی تو مجھے امید ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا نہیں ہوں گا۔انشاءاللہ العزیز۔

اکابرین دعوت وتبلیغ کے مذکورہ طرز عمل اور فکر ونظر کے حوالہ سے ہمارے شیخ ومرشد حضرت والد محترم مدظلہ بھی فتنوں کے تعاقب، اکابر علماء سے روابط اور ہم مسلک جماعتوں کے درمیان اتحاد ویک جہتی کے لیے مصروف وگامزن رہے۔خدا تعالیٰ صحت وسلامتی اور مکمل تندرستی کے ساتھ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔آمین یارب العالمین۔

(۵) گزشتہ کئی سالوں سے ملک بھر کے اندر اکثر ہم مسلک علمی وعوامی حلقے تبلیغی جماعت کے بارہ میں مسلسل یہ شکایت کررہے تھے کہ جماعت کے اندر جہاد کی مخالفت اور علماء دشمنی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔اور یہ ذہن سازی جماعت کی مرکزی قیادت کی طرف سے کی جارہی ہے۔لیکن حضرت شیخ مدظلہ سمیت دیگر اکابرین علماء دیوبند نے ہمیشہ اس کی تردید کرتے ہوئے اس بڑھتے ہوئے رجحان کو جماعت کے نچلے طبقہ کی جہالت، بے علمی اور کم فہمی کا نتیجہ اور اسلام دشمنوں کی خفیہ سازش قرار دیا۔ جو غیر محسوس طریقہ سے جماعت کے اندر گھسنے میں کامیاب ہوگئے۔انہوں نے ہمیشہ تبلیغی جماعت کے مرکزی بزرگوں اور ذمہ داروں کو اس طرز فکر سے بری الذمہ قرار دیا۔

اب آپ کی تقاریر ودروس کے حوالہ سے آپ پر جو الزامات عائد کیے گئے ہیں۔اگر خدانخواستہ وہ درست ثابت ہوجائیں تو ان علمی وعوامی حلقوں کا یہ خطرہ وخدشہ صحیح ثابت ہوجائے گا کہ یہ تحریک واقعی غلط

ہاتھوں میں منتقل ہو چکی ہے۔ کیونکہ جماعت کے اندر آپ جو مرکزی حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔ اور پوری دنیا کے اندر آپ کو جس طرح جماعت کے ترجمان کی حیثیت سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، وہ کسی سے مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

(۶) ہمیں اس حقیقت کا بھی برملا اعتراف ہے کہ دنیا بھر کے اندر آپ کی دعوتی خدمات انتہائی قابلِ قدر اور ناقابلِ فراموش ہیں، جو مستقبل کی تاریخ کے اندر بلا شک وشبہ سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ اسلامی اخلاقیات اور دینی عبادات سے کوسوں دور امت مسلمہ کے مختلف طبقات اور ہماری دین ومذہب سے بیزار ولہو ولعب میں مصروف نوجوان نسل کے اندر آپ نے اپنی پر اثر تقاریر کے ذریعہ جو ذہنی وعملی تبدیلی پیدا کی ہے اور انہیں عبادات واخلاقیات سے مانوس کر کے انہیں غیر اسلامی طرز معاشرت سے نکالا ہے، اس سے ہمارے عقیدت ومحبت سے لبریز دل آپ کو خراجِ تحسین پیش کرنے پر مجبور وبے بس ہیں۔ اس اعتبار سے دعوت وتبلیغ کے میدان میں آپ عالم اسلام کی ایک آئیڈیل شخصیت قرار دیے جانے کے واقعی حقدار ہیں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ دعوت وتبلیغ کے جس عالمی شہرت کے عظیم منصب پر فائز ہیں، اسمیں آپ کے بیان وگفتگو کا مدلل ومبرہن ہونا اور طرز وانداز کا محتاط ہونا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ ایسے عظیم منصب کے داعی سے جب غیر محتاط اور ناپختہ دلائل پر مبنی گفتگو سامنے آتی ہے تو ان گنت لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتی ہے۔ اور خاص کر ان لوگوں کے افکار واعتقادات تو یقیناً متزلزل ہو سکتے ہیں جو اس داعی سے گہری محبت وعقیدت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ ماضیٔ قریب میں برصغیر پاک وہند کے اندر تقریباً تمام فتنے اسی عقیدت کی بنیاد پر پروان چڑھے۔ عبداللہ چکڑالوی ہو یا غلام احمد پرویز، عنایت اللہ المشرقی ہو یا ابو الاعلیٰ مودودی، غلام احمد قادیانی ہو یا احمد رضا بریلوی۔ پہلے انہوں نے اپنی تحریر وتقریر کی فنی صلاحیتوں پر پبلک سے دادِ تحسین وصول کی، اور پھر ان کے لیے گمراہی کے دروازے کھول دیے۔ اس نازک مقام پر ایسے لوگوں کا واپس پلٹنا بہت مشکل ودشوار ہوتا ہے، جن کے دلوں میں محبت وعقیدت کا بیج تناور درخت کی صورت اختیار کر چکا ہو نتیجتاً ان کا گمراہ رہنما اور گمراہی کے ساتھ چلنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔

(۷) یہ حقیقت بھی آپ کو پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ قدرت نے آپ کو جس عظیم منصب تک پہنچایا ہے۔ اس منصب پر فائز کسی بھی ہستی کے لیے قصور وخطاء کا برملا اعتراف کر لینے کا حوصلہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ عصمت نبوت کا خاصہ ہے۔ اور نبی کے علاوہ کسی سے بھی بڑے سے بڑا قصور سرزد ہو جانا ممکن ہے۔ حکمت ودانائی کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے، اسکا حوصلہ اور ظرف اتنا ہی بڑا ہونا

چاہیے۔ کیونکہ اگر کسی بلند وبالا منصب پر فائز ہستی سے کسی ایسی غلطی کا ارتکاب ہو جائے جو کسی قسم کی فکری واعتقادی یا عملی گمراہی پیدا کرسکتی ہے، اور اسکے اندر رجوع الی الحق کا حوصلہ موجود نہ ہوتو گمراہی صرف اسکی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ نسل در نسل بھی آگے چل سکتی ہے۔ لہذا اس کے لیے نہ صرف اپنی غلطی کا برملا اعتراف ضروری ہے، بلکہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات دور کرنا اوران کی بدگمانیوں کو رفع کرنا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے جواسکی وجہ سے گمراہی یا بدگمانی کا شکار ہو چکے ہوں، اسی میں منصب کی عظمت ہوتی ہے، اوراسی میں مقصد ونصب العین کی حفاظت۔ اسلاف اہل سنت اور بزرگانِ دیوبند میں ایسی ان گنت مثالیں موجود ہیں کہ انہوں نے اپنی کسی بھی غلطی کا احساس ہوجانے یا دلائے جانے کے بعد اس غلطی سے اعلانیہ رجوع کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کیا۔ اور نہ کبھی اعترافِ قصور کوعزتِ نفس کا مسئلہ بنایا۔

(۸) آپ پر عائد الزامات میں یقیناً بعض باتیں ایسی بھی ہوں گی۔ جنہیں محض ذہنی تعبیرات وترجیحات کا اختلاف قرار دیا جاسکتا ہے۔ بعض ایسی بھی ہونگی جن کا صرف مجمل بیان غلط فہمیوں کا باعث بنا۔ بعض ایسی بھی ہونگی جنہیں جوش خطابت یا سبقت لسانی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان تمام تاویلات کے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ ان میں بعض باتیں بہر حال ایسی موجود ہیں جو سنگین نوعیت کی فکری واعتقادی بدگمانیاں اور شدید قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کا باعث بن سکتی ہیں۔ اوران سے نہ صرف آپ کی علمی حیثیت ودعوتی شخصیت بری طرح متأثر ہوسکتی ہے، بلکہ ان کے باعث امام التبلیغ حضرت کاندھلوی رحمہ اللہ کی خالص دینی واصلاحی تحریک کے غلط راستوں پر چل نکلنے کا خوفناک خطرہ اوراذیت ناک خدشہ بھی موجود ہے۔ خدا تعالیٰ اس تحریک کی ہر قسم کے خطرات وخدشات سے حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

(۹) آپ کے بعض عقیدت مندوں اور تبلیغی جماعت کے جوشیلے حضرات کا یہ مؤقف بھی ہم تک پہنچا ہے کہ یہ الزامات صرف بغض وعناد اور حسد پر مبنی ہیں۔ جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم ان کے جوش وجذبہ اورآپ کے ساتھ ان کے والہانہ وعقیدت مندانہ تعلق کا دلی احترام کرتے ہیں۔ ممکن ہے ان کی بات کسی حدتک درست بھی ہو۔ اور بعض حضرات کا آپ سے اختلاف محض بغض وعناد کی بنیاد پر ہو، یا کسی معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس اختلاف کے ذریعہ اپنی مارکیٹ ویلیو میں اضافہ کرنے اوراپنا علمی وفنی قد کاٹھ بڑھانے کے چکر میں ہوں۔ لیکن میں آپ کوصدقِ دل سے یقین دلاتا ہوں کہ فخر العلماء حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ اور استاذی المکرّم حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب گورمانی مدظلہ جیسے جلیل القدر علماء اور مفتیانِ کرام جو تحقیق وافتاء میں اپنا ایک منفرد وبالا مقام رکھتے ہیں۔ ان کے بارہ میں یہ سوچ بھی نہیں جاسکتا کہ وہ معاذ اللہ تعالیٰ محض بغض وعداوت یا بدنیتی وبددیانتی یا

شہرت و مارکیٹ ویلیو کی خاطر صرف مفروضات پر مبنی کوئی رائے قائم کر کے آپ کے خلاف کسی قسم کی محاذ آرائی قائم کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہمارا یہ انتہائی دیانتدارانہ، مخلصانہ اور برادرانہ مشورہ ہے کہ ان کی طرف سے عائد کردہ الزامات اعتراضات کا گہری سنجیدگی سے جائزہ لیجیے۔ اور انہیں صرف ایک معاصرانہ چشمک قرار دے کر خدارا نظرانداز نہ فرمایے۔

(۱۰) گجرات و گوجرانوالہ کے اکابرین دعوت و تبلیغ ہمارے خاندانی مزاج سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ہم اختلاف برائے اختلاف کے کبھی بھی قائل نہیں رہے۔ اور وہ اس حقیقت سے بھی مکمل طور پر باخبر ہیں کہ شروع دن سے آپ پر عائد کیے گئے الزامات و اعتراضات کو منظرِ عام پر لانے کی نہ حضرت شیخ مدظلہ نے حوصلہ افزائی کی اور نہ ہم نے۔ بلکہ اپنے دائرۂ اختیار کی حد تک ہم نے اس سلسلہ کو روکنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اور شروع دن سے ہماری یہ کوشش رہی کہ ان اعتراضات کو پبلک کے اندر لانے کی بجائے چند اکابر علماء پر مشتمل ایک مجلس علمی بٹھائی جائے۔ جسمیں آپ کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے۔ تاکہ آپ خود اس مجلس علمی کے سامنے اپنی صفائی پیش کر سکیں۔ جو چیزیں محض الزام ہیں ان سے برأت و بیزاری کا اعلان کر سکیں۔ اور جو حقیقت و واقعیت سے تعلق رکھتی ہیں ان کی اصلاح کر سکیں۔ خدا گواہ ہے کہ ہمیں کامل اطمینان تھا کہ آپ اکابر علماء کی مجلس علمی میں اپنی غلطیوں کے اعتراف اور ان کی تلافی سے گریز نہ کریں گے۔

لیکن بدقسمتی سے بعض جذباتی حضرات نے انہیں منظرِ عام پر لانے، علماء کرام و مفتیانِ عظام تک پہنچانے اور رسائل و جرائد میں شائع کرنے میں بہت زیادہ جلد بازی سے کام لیا۔ میں اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قصوروار آپ کے حلقۂ درس میں شریک ان طلبہ کو جانتا ہوں۔ جنہوں نے آپ کے دروس و اسباق کی کیسٹیں مختلف حضرات و علماء کو سپلائی کیں۔ اس سلسلہ کو نہ حضرت شیخ مدظلہ نے پسند کیا، اور نہ ہم نے۔ لیکن اب صورت حال بہت تبدیل ہو چکی ہے۔ ان الزامات و اعتراضات کی اشاعت کے بعد دیوبند حلقہ میں دو بلاک بن چکے ہیں۔ ایک مخالفت میں اور ایک آپ کے دفاع میں۔ اس سے قبل کہ یہ ذہنی اختلاف کسی خوفناک عملی ٹکراؤ کی صورت اختیار کر لے ہماری آپ سے دست بستہ التجا ہے کہ خدارا ایک فریق ان الزامات کو منظرِ عام پر لا کر بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کر چکا ہے۔ اب اگر آپ خاموشی اختیار کریں اور ان الزامات سے برأت یا رجوع اختیار نہ کریں تو یہ پہلی غلطی سے بڑی غلطی ہوگی۔ جس کا خمیازہ پورے مسلک کو بھگتنا ہوگا۔ امید ہے کہ آپ ان باتوں پر بڑے ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ فرمائیں گے۔ خدا تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین یارب العالمین۔

اس طویل تمہید پر میں آپ سے انتہائی معذرت خواہ اور معافی کا خواستگار ہوں۔ لیکن اس کے بغیر شاید میرا مافی

الضمیر پوری طرح آپ کے سامنے واضح نہ ہو پاتا۔ امید ہے آپ اسے میری مجبوری یا ضرورت سمجھ کر درگزر فرمائیں گے۔ اب میں آپ پر عائد کردہ ان الزامات واعتراضات کی طرف آتا ہوں جو مختلف اطراف سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ تحریرات کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں۔ اوران الزامات کے حوالہ سے زبانی یا تحریری طور پر جو تبصرے ہمارے سامنے آئے ہیں، یا خود ہمارے اپنے ذہن میں جو اشکالات پیدا ہوئے ہیں ان کو نقل کرنا بھی ہم نے ضروری خیال کیا ہے۔

ان الزامات واعتراضات کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ......بعض حلقوں کے نزدیک آپ ان تمام اعتراضات کو **سبحانک ھذا بھتان عظیم** قرار دیتے ہیں......بعض حلقے ان پر آپ کے حوالہ سے رجوع نقل کرتے ہیں......اور بعض حلقوں کے نزدیک آپ کے حوالہ سے بعض الزامات سے برأت اور بعض سے رجوع نقل کیا گیا ہے......اس اذیت ناک صورتِ حال میں......کونسا الزام غلط ہے؟......یہ فیصلہ آپ نے اور صرف آپ نے کرنا ہے۔ اس بارہ میں آپ سے بہتر فیصلہ کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ اس لیے ہم آپ کی طرف سے پوری شدت کے ساتھ جواب کا انتظار کریں گے۔

پہلا الزام!

''مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ مرجوح ہے۔ مگر ہمیں قبول ہے۔ کیونکہ اب ہم دوبارہ تحقیق نہیں کرسکتے۔''

ہمارے خیال میں اگر یہ الزام درست ہے تو آپ کی عبارت مجمل ہونے کی وجہ سے غلط فہمی پیدا کر رہی ہے۔ اس اجمال کی اگر آپ تفصیل بیان فرمادیں تو شاید غلط فہمی رفع ہوجائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ آپ کا مؤقف نہ ہو، اور نہ آپ مذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ کی مرجوحیت کے قائل ہوں۔ اور آپ کے یہ الفاظ غیر مقلد کو ٹالنے اور اس سے فضول وغیر ضروری بحث کرنے سے بچنے کے لیے ہوں۔ لیکن اگر بالفرض خدانخواستہ آپ اسے امرِ واقعہ تسلیم کرتے ہیں، اور فقہ حنفی کو واقعی دیگر فقہی مذاہب (فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی) کے مقابلہ میں مرجوح و کمزور سمجھتے ہیں تو پھر یقیناً آپ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ ہمارے جملہ ائمہ احناف نے فقہ حنفی کو نہ صرف دیگر مذاہب پر اسکی ترجیح کی وجہ سے قبول کیا ہے، بلکہ اس کے راجح مذہب ہونے پر بے شمار دلائل بھی دیے ہیں۔ اکابرین احناف کو فقہ حنفی کے راجح مذہب ہونے کا پورا یقین تھا۔ اس کی تفصیل دیگر کتب کے علاوہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نوراللہ مرقدہ کے مکتوبات میں جابجا ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ایک مقام پر امام ربانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

''اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا متبع و مقلد ہے۔ جو اس کے دیگر مذاہب سے

ممتاز اور حق ہونے کا ثبوت ہے۔'' (مکتوبات، دفتر دوم مکتوب ٦٧)

یعنی جس طرح امتِ مسلمہ کی کثرت دیگر امتوں پر آنحضرت ﷺ کے لیے باعثِ فخر ہے۔اور امت مسلمہ کا دیگر امتوں پر امتیاز ہے۔اسی طرح امتِ مسلمہ کے فقہی مذاہب میں مقلدین فقہ حنفی کی کثرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے لیے باعثِ فخر اور فقہ حنفی کا دیگر مذاہب پر امتیاز ہے۔دسویں صدی عیسوی کے مجدد حضرت شیخ ملا علی قاری حنفی نور اللہ مرقدہ نے تو مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا ہے کہ

''ہر دور میں مقلدین ائمہ اربعہ کے درمیان عددی تناسب کا جو فرق سامنے آیا ہے۔اس حوالہ سے ہر دور میں امت کا ٧٠ فیصد طبقہ فقہ حنفی اسے وابستہ رہا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے اسی مکتوب کے اندر حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ

''(فقہ حنفی اپنے دلائل و براہین کے اعتبار سے اتنی ٹھوس اور مضبوط ہے کہ) حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام جب قربِ قیامت میں آسمان سے نزول فرما کر زمین میں چالیس سال خلافت کریں گے تو اجتہادی مسائل میں ان کا اجتہاد امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔''

(مکتوبات دفتر دوم مکتوب ٦٧)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے اسلاف کو مذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ کے ممتاز و راجح ہونے کا کس حد تک یقین تھا۔

دوسرا الزام!

''موجودہ دور میں چونکہ مسلمانوں کے پاس جہاد کی طاقت واستعداد موجود نہیں۔لہذا اس دور میں مسلمانوں پر جہاد ساقط ہے۔کیونکہ طاقت کا دور کمزوری کے دور کے لیے دلیل نہیں بن سکتا۔طاقت واستعداد موجود نہ ہونے کی بناء پر فرض عین ہونے کی صورت میں بھی جہاد ساقط ہو جاتا ہے۔''

ایک طویل عرصہ سے یہی مذکورہ مؤقف تبلیغی جماعت کے نچلے طبقہ میں بکثرت گردش کر رہا ہے۔ جس کی صفائیاں دے دے کر ہماری زبانیں خشک ہوگئی ہیں۔اب بعینہٖ وہی مؤقف آپ جیسے ذمہ دار آدمی کی تقریر و بیان میں سن کر ہمارے دلوں کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے آپ شائد اس کا اندازہ نہ کر سکیں۔آپ کا یہی نکتہ نظر ہے یا اس سے مختلف؟ اس کی وضاحت تو آپ ہی فرما سکتے ہیں۔لیکن ہم اس نکتہ نظر کو بہر حال درست تسلیم نہیں کرتے۔اس لیے کہ اس مقام پر جہاد اقدامی اور جہاد دفاعی کی اقسام کے درمیان شرعی و عقلی فرق کو

پیش نظر نہیں رکھا جارہا...... کفار پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے جہاد کرنا......اور کفار کے غلبہ سے بچنے کے لیے جہاد کرنا...... بہرحال دو مختلف نوعیتیں ہیں۔ اور دونوں کے درمیان فرق کرنا ناگزیر ہے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ دونوں کے احکامات بالکل ایک جیسے ہو سکتے ہیں۔ نہ شرعاً ایسا مشروع ہوسکتا ہے......اور نہ عقلاً ایسا ممکن۔ خودکسی کے ساتھ جنگ چھیڑنے کے لیے تو طاقت واستعداد کا موجود ہونا سمجھ آتا ہے۔ لیکن خود پر مسلط کردہ جنگ میں طاقت واستعداد کا انتظار کرنا ناقابلِ فہم ہے۔ کیا یہ ایک حیرت انگیز اور مضحکہ خیز بات نہ ہوگی کہ دشمن اسلامی ملک کے اندر گھس کر مسلمانوں کی گردنیں کاٹ رہا ہو...... بمباری، میزائلوں اور ڈرون حملوں کے ذریعہ نہتے اور عام شہریوں کا قتل عام کر رہا ہو...... مسلم ممالک کے اندر مسلم خواتین کی آبروریزی کر رہا ہو۔ اور مسلمان یہ سب کچھ دیکھ کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے صرف اس بات کا منتظر ہو کہ مجھے طاقت واستعداد حاصل ہو تو پھر دشمن کا ہاتھ روکوں۔ ورنہ گھر کے اندر آرام کروں......نمازیں پڑھوں، تسبیحات کروں، دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دوں اور دعائیں کروں...... حقیقت ہے کہ یہ عجیب وغریب فکر وفلسفہ نہ ایمان قبول کرتا ہے نہ ضمیر۔ میں چند لمحوں کے لیے آپ کے نقطہ نظر سے اگر اتفاق کرلوں تو چند سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ امید ہیکہ آپ ان کے تسلی بخش جواب سے ضرور نوازیں گے۔

(۱) سرزمین فلسطین پر یہودیوں نے نصاریٰ کے ذریعہ جس عیاری ومکاری کے ساتھ قبضہ کیا ہے۔ اور یورپین مسیحی قوتوں کے تعاون سے اپنی ایک مضبوط جنگی طاقت تیار کر لی ہے، فلسطینی مسلمانوں کے پاس اس کے مقابلہ کے لیے وہ عسکری قوت موجود نہیں۔ آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ پر اپنا من پسند قبضہ قائم ومستحکم کرنے کے لیے یہودی آئے دن جو عسکری قوت استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے جہادی گروہ بے سروسامانی اور جدید عسکری طاقت کی دستیابی کے بغیر جہاد کے ذریعہ مدافعت کا جو فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ وہ صحیح ہے یا غلط؟ انہیں مسجدِ اقصیٰ کی آزادی اور اپنے خطہ کے دفاع کے لیے دستیاب طاقت کے ذریعہ یہ فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہیے۔ یا اس طاقت واستعداد کے حصول کا انتظار کرنا چاہیے۔ جسکی بظاہر کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی؟

(۲) سرزمین کشمیر پر ہندو سامراج نے جس طرح غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ اور مسلمان کشمیری قوم اپنے حق خود داریت تک سے محروم ہو کر رہ گئی ہے۔ ان حالات میں کشمیری قوم کے مجاہدین گروہ آزادی وحریت کی جو جنگ لڑ رہے ہیں وہ درست ہے یا غلط؟ کیا انہیں آزادئ وحریت کی یہ جنگ جاری رکھنی چاہیے یا اس طاقت واستعداد کا انتظار کرنا چاہیے جس کے دور دور تک کسی قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے؟ کیا اس انتظار میں انڈین آرمی کا کشمیر پر کمزور وغیر مستحکم غلبہ مستحکم تو نہیں ہوجائیگا؟

(۳)افغانستان کے اندر روسی افواج کے داخلہ کے بعد وہاں کی مقامی جہادی تنظیموں اور بیرونی مجاہدین کے ان سے تعاون کا اقدام صحیح تھا یا غلط؟ وقت تو یہ ثابت کر چکا ہے کہ مجاہدین کا وہ اقدام سو فیصد درست تھا۔ اور ان کے اسی اقدام نے سوویت یونین کے بخیے ادھیڑ دیے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر افغانستان کے جہادی گروہ بے سروسامانی اور طاقت واستعداد کے بغیر یہ جہادی قدم نہ اٹھاتے تو کیا اس وقت افغانستان آزاد ہو سکتا؟......وہاں طالبان کی اسلامی خلافت کا قیام عمل میں آتا؟......اور کیا سوویت یونین کا شیرازہ بکھرتا؟

(۴)افغانستان کی طالبان حکومت کے خلاف ایسے الزامات عائد کر کے جنہیں آج تک ثابت نہیں کیا جاسکا۔ امریکہ نے جو فوجی کاروائی کی، افغانستان کے اندر آگ اور خون کا خوفناک کھیل کھیلا، طالبان کی خالص اسلامی حکومت ختم کی۔ اور اپنی فوجیں مستقل طور پر یا طویل مدت کے لیے افغانستان میں بٹھا دیں۔ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی افغانستان میں موجود افواج کے خلاف طالبان اور دیگر جہادی قوتوں کا جنگ کرنا صحیح ہے یا غلط؟......کیونکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ افغانستان کے جہادی گروہوں کے پاس امریکی جنگی ٹیکنالوجی کا مقابلہ کرنے کے لیے نہ طاقت ہے نہ استعداد۔ ان حالات میں انہیں اپنی جہادی سرگرمیاں جاری رکھنی چاہییں یا ایسی طاقت استعداد کا انتظار کرنا چاہیے۔ جس تک مجاہدین افغانستان کی رسائی بظاہر ممکن نظر نہیں آتی؟

(۵)عراق کے خلاف بھی جھوٹے اور من گھڑت الزام عائد کر کے امریکہ نے اپنی افواج عراق میں داخل کر دیں۔ جو تا حال عراق میں موجود ہیں۔ اور آئندہ کئی سال تک اس کی واپسی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ ان حالات میں عراقی جہادی گروہ آزادی وحریت کی جو جنگ لڑ رہے ہیں وہ درست ہے یا غلط؟ یقیناً ان کے پاس امریکی، جرمن، برٹش اور فرانسیسی افواج اور ان کی جنگی ٹیکنالوجی کا مقابلہ کرنے کے لیے طاقت واستعداد موجود نہیں۔ کیا وہ اپنی جہادی سرگرمیاں ختم کر دیں، اور اس طاقت واستعداد کا انتظار کریں جو صرف ایک خواب وخیال کی حیثیت رکھتی ہے؟

یہ تو وہ چند مثالیں ہیں جن کے منظر وپسِ منظر سے تقریباً پوری دنیا واقف وآگاہ ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ ان علاقوں میں جہادی گروہ جو سرگرمیاں سرانجام دے رہے ہیں وہ غلط اور دین واسلام کے خلاف ہوں، البتہ اگر آپ کے خیال میں وہ غلط ہیں تو اس کا متبادل راستہ ضرور بتا دیجیے۔ تاکہ ان کو اس سے آگاہ کیا جا سکے۔

تیسرا الزام!

''علماء دیوبند نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لے کر غلطی کی، جسکی وجہ سے بعد میں

انہیں مفرور ہونا پڑا۔ کیونکہ ان کے پاس جہاد کی طاقت واستعداد موجود نہ تھی۔‘‘

اگر آپ پر عائد کردہ یہ الزام واقعی درست ہے اور حقیقت پر مبنی ہے تو ہمارے خیال میں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ غلط وخلاف حقیقت تصور شاید اس لیے بیٹھ گیا ہے کہ آپ ہندوستان کی مسلم تاریخ سے پوری طرح واقف وباخبر نہیں ہیں۔ اس لیے میں آپ کی توجہ چند تاریخی حقائق کی طرف دلانی چاہوں گا۔

(۱) آپ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے حالات وواقعات کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت پوری طرح واضح وآشکارا ہو جائے گی کہ یہ جنگ کسی کمزوری کی بناء پر نہیں بلکہ چند خودغرض، ملت فروش منافقوں کی منافقت کی وجہ سے ہاری گئی۔ دہلی وشاملی اور بعض دیگر علاقوں پر مجاہدین کا قبضہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ مگر چند ضمیر فروش منافقین کی منافقت نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ اور ملت فروشی کی یہ المناک داستان تو اتنی طویل ہے کہ منافقین کے وجود سے نہ عہدِ نبوی ﷺ محفوظ تھا اور نہ عہدِ خلافتِ راشدہ۔ کمزوری اور منافقت کے درمیان تو فرق آپ کو بہر حال کرنا ہوگا۔ کیونکہ مجاہدین کی کمزوری اور چیز ہے، اور منافقین کی منافقت جدا مسئلہ ہے۔

(۲) پھر آپ اگر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی بیک گراؤنڈ اور پسِ منظر کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ کو اسکی فرنٹ لائن پر تحریک شہیدین کی باقیات ہی نظر آئیں گی۔ گویا یہ اسی تحریک بالاکوٹ کا تسلسل تھا جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے ۲۶ سال قبل ۱۸۳۱ء میں اپنے دور اول کے اختتام کو پہنچی۔ یعنی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اس کے دور ثانی کا اختتام تھا۔ اس معرکۂ بالاکوٹ میں امیر المجاہدین حضرت مولانا سید احمد بریلوی شہید نور اللہ مرقدہ اور شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہ نے اپنے سینکڑوں رفقاء سمیت جام شہادت نوش کیا۔

اس جہادی تحریک کے حقائق وواقعات پر اگر نظر ڈالیں گے تو آپ کو چار چیزیں بڑی اہم محسوس ہونگی......پہلی یہ کہ یہ جہادی تحریک اپنی تمام تر بے سروسامانیوں کے باوجود اس وقت کی دو استبدادی قوتوں کے خلاف اٹھی جن دونوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا تھا۔ ایک اقتدارِ دہلی کی قوت تھی، جس پر فرنگی سامراج اپنا پورا سیاسی تسلط قائم کر چکا تھا۔ اور دوسری ریاست پنجاب، جس کے اقتدار لاہور پر راجہ رنجیت سنگھ برسرِ اقتدار تھا۔ یعنی ایک طرف فرنگی سامراج تھا، اور دوسری طرف خالصہ حکومت جو ملتان سے خیبر تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان دونوں استعماری واستبدادی قوتوں کے خلاف یہ تحریک جہاد اٹھائی گئی......دوسری اہم چیز آپ کو یہ نظر آئے گی کہ اس تحریک جہاد کے جواز کے لیے سب سے پہلا فتویٰ سراج الہند حضرت مولانا شاہ عبد العزیز محدث

دہلوی رحمہ اللہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیکر دیا۔ اوراس تحریک کی بنیاد شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کا یہی فتویٰ تھی...... تیسری اہم چیز آپ کو یہ نظر آئیگی کہ اس تحریک کے لیے بنیادی قیادت بھی خود شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے منتخب وفراہم کی۔ خود اپنی نگرانی میں اسے جنگی تربیت دلوائی، خود اپنی ہدایات اور دعاؤں کے ساتھ اسے رخصت کیا، اس تحریک کے تینوں بڑے اپنے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے منتخب کردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ یعنی حضرت سید احمد بریلوی شہید رحمہ اللہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالحی بڈھانوی رحمہ اللہ...... چوتھی اہم چیز آپ کو یہ نظر آئے گی کہ اس جماعت مجاہدین نے اٹک نوشہرہ صدر، چارسدہ، پشاور اور ہزارہ کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کر کے اسلامی خلافت قائم کرلی۔ اور بالاکوٹ کے علاقہ میں ڈیرے ڈال دیے۔ جہاں سے گڑھی حبیب اللہ کے راستہ مظفرآباد (آزاد کشمیر تک پہنچنے کی تیاریاں کی جارہی تھیں کہ بعض غدار ومنافقین نے دشمن کو بالاکوٹ کے خفیہ راستوں سے آگاہ کردیا۔ اور دشمن ان خفیہ راستوں سے بالاکوٹ میں داخل ہوگیا، اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ یہاں بھی مجاہدین کی شکست کا باعث ان کی کمزوری نہ تھی۔ بلکہ غدار منافقین کی غداری ومنافقت تھی۔

(۳) معرکۂ بالاکوٹ سے تقریباً ۳۲ سال قبل ۱۷۹۹ء میں جنگ میسور پیش آئی جسمیں سلطان فتح علی ٹیپو شہید رحمہ اللہ فرنگی اور اس کی اتحادی افواج سے شکست کھا کر شہید ہوگئے، تاریخ برصغیر کا ایک عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ سلطان ٹیپو شہیدؒ اور ان کے والد سلطان حیدر علیؒ کی ایک طویل مدت تک فرنگی سامراج کا مقابلہ کرتے رہے اور ان کے پاس سلطنت خداداد میسور اسلام کے ایک مضبوط قلعہ کی صورت میں موجود تھی۔ تربیت یافتہ فوج اور وافر اسلحہ بھی موجود تھا لیکن اس کے باوجود جو اس نے شکست کھائی تو اس کی وجہ اس کی کمزوری نہ تھی بلکہ نواب آف حیدرآباد، میر نظام علی خان، میر صادق اور میر معین الدین جیسے منافقین کی منافقت اور غداروں کی غداری تھی۔

(۴) معرکۂ میسور سے تقریباً ۴۲ سال قبل ۱۷۵۷ء میں پلاسی کا محاذ گرم ہوا جسمیں فرنگی سامراج کے ہاتھوں نواب سراج الدولہ شہید ہوگئے۔ اور کون نہیں جانتا کہ بنگال میں ایک طویل عرصہ تک نواب علی وردی خان رحمہ اللہ اور ان کے نواسے نواب سراج الدولہ شہید نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی عسکری قوت کو روکے رکھا۔ جس کا اختتام جنگ پلاسی پر ہوا۔ اور اس جنگ میں بھی شکست کا سبب نواب سراج الدولہ کی فوجی کمزوری نہ تھا بلکہ میر جعفر و میر قاسم جیسے غداروں کا وہ منافقانہ شرمناک کردار تھا جس کا تذکرہ مفکرِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم بایں انداز فرماتے ہیں کہ

جعفر از بنگال وصادق از دکن

ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن

غرضیکہ فرنگی سامراج کے خلاف جو معرکے لڑے گئے ان میں شکست مجاہدین کی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ منافقین کی غداری کی وجہ سے ہوئی یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر کو اپنے جہادی طرز جدوجہد پر نہ کبھی ندامت ہوئی اور نہ کبھی انہیں معذرت خواہانہ طرز اختیار کرنا پڑا۔ بلکہ ہمیشہ انہوں نے اپنی اس جدوجہد کو باعثِ فخر ہی سمجھا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ شکست کے بعد انہیں راہِ فرار اختیار کرنا پڑی۔ تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ جیسا ذہین وفطین اور صاحبِ مطالعہ اس بات سے بے خبر ہو کہ بسا اوقات میدان جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنا بھی جنگی حکمت عملی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے اگر آپ عہدِ نبوی ﷺ، عہدِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اس کے بعد کی تاریخ اسلامی کے معرکوں کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں گے تو یقیناً اس بارہ میں آپ کی تشفی ہو جائیگی۔

اور جہاں تک ۱۸۵۷ء کے بعد اکابر علماء کے فرار ہونے اور عدمِ تشدد کا راستہ اختیار کرنے کا تعلق ہے تو اس سے بھی صرف جنگی حکمت عملی تبدیل کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی تو فرمایا کہ

''یہ مدرسہ آزادی کی چھاؤنی ہے۔ جس پر تعلیم کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ اس چھاؤنی کے مجاہدین کی جدوجہد سے انشاء اللہ العزیز یہ ملک ہندوستان آئندہ ستاون سے قبل غیر ملکی غلامی سے آزاد ہوگا۔''

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے اس فرمان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مدرسہ کا قیام جہادی جدوجہد سے علیحدگی کے لیے ہرگز نہ تھا۔ بلکہ صرف جہادی حکمت عملی میں تبدیلی تھی۔ اور واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی پیشین گوئی کے عین مطابق دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ وتربیت یافتہ مجاہدین کی جدوجہد سے فرنگی سامراج ہندوستان سے اپنے دوسو سالہ اقتدار سے دستبردار ہو کر یہاں سے نکلنے پر مجبور ہوا۔

یہاں میں انتہائی معذرت کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں امتِ مسلمہ پر دو قسم کی ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں...... پہلی اشاعت دین کی......اور دوسری حفاظت دین کی...... جبکہ تیسری ذمہ داری غلبۂ دین کو میں اس مقام پر قصداً نظر انداز کر رہا ہوں۔ قرآن وسنت سے حقیقی آشنائی وواقفیت رکھنے والا ہر صاحبِ علم یہ جانتا ہے کہ......اشاعتِ دین کے لیے دعوت وتبلیغ ہے......اور حفاظتِ دین کے لیے جہاد وقتال......اور قرآنی ونبوی ﷺ تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ......دعوت کے ذریعہ ہدایت ملتی ہے......اور جہاد کے ذریعہ نصرت۔ آپ اگر ان اسلامی واقعات پر توجہ فرمائیں گے تو یہ حقیقت آپ پر پوری طرح منکشف ہو جائے گی۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے تیرہ سال تک مکہ مکرمہ کے اندر دعوت وتبلیغ کے ذریعہ دین کی اشاعت کی۔ اور پھر ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ منورہ کے اندر جہاد کے ذریعہ دین کی حفاظ کی۔

(۲) ہندوستان کے اندر اسلام کی آمد جہاد کے ذریعہ ہوئی۔ جب اسلام کے عظیم جرنیل محمد بن قاسم نوراللہ مرقدہ سندھ کو فتح کرتے ہوئے ملتان تک پہنچے۔ وہ تو اسلامی اخلاق وکردار کا ایک انمول نمونہ چھوڑ کر واپس چلے گئے لیکن اسلام قبول کرنے والے مسلمان بعد میں ہندوراجوں مہاراجوں کے ظلم وبربریت کی چکی میں پسنے لگے۔ ان مسلمانوں کے ذریعہ دین کی اشاعت کا فریضہ تو سرتاج الاولیاء حضرت علی ہجویری نوراللہ مرقدہ اور بدر العلماء حضرت شیخ محمد اسماعیل لاہوری نوراللہ مرقدہ وغیرہ بزرگانِ دین نے سرانجام دیا۔ لیکن ان مسلمانوں کے دین کی حفاظ کے لیے سلطان محمود غزنوی نوراللہ مرقدہ ہندوستان پہنچے۔ اور ہندوراجوں مہاراجوں کو شکست دیکر ہندوستان کے اندر اسلام کی شوکت وحکومت قائم کی۔

(۳) اس کے بعد امام الصوفیاء حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نوراللہ مرقدہ دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اور ان کی دعوت پر لاکھوں ہندو مسلمان ہوئے۔ لیکن جب حضرت خواجہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی مسلمانوں پر زمین تنگ کر دی گئی اور انکے لیے دعوت وتبلیغ کے راستے مسدود کر دیے گئے تو حضرت خواجہ چشتی اجمیری رحمہ اللہ نے حفاظتِ دین کے لیے افغانستان سے سلطان شہاب الدین محمد غوری نوراللہ مرقدہ کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ ان کی دعوت پر سلطان غوری رحمہ اللہ نے اجمیر کے راجہ پرتھوی راج کو شکست دی۔ اور حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔

(۴) جب سلطان اورنگ زیب عالمگیر نوراللہ مرقدہ کے بعد مغل شہزادے حصولِ اقتدار کی جنگ میں مصروف ہو گئے۔ تو اقتدار دہلی مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلتا محسوس ہونے لگا، جس سے فائدہ اٹھا کر مرہٹوں نے اپنی قوت جمع کرنا شروع کر دی۔ یہ صورتِ حال امام الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نوراللہ مرقدہ کے لیے بڑی پریشان کن تھی، چنانچہ انہوں نے افغانستان سے سردار احمد شاہ ابدالی نوراللہ مرقدہ کو مرہٹوں سے مقابلہ کی دعوت دی، چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی دعوت پر وہ ہندوستان تشریف لائے اور پانی پت کے تیسرے معرکہ میں مرہٹوں کو عبرتناک تاریخی شکست دیکر حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دیا۔ غرضیکہ یہ ایک مسلمہ اسلامی وتاریخی حقیقت ہے کہ جس طرح اشاعتِ دین کے لیے دعوت وتبلیغ ہر دور کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حفاظت دین کے لیے بھی جہاد وقتال ہر زمانہ کا تقاضا ہے۔ بلکہ قرآن حکیم کے طرز دعوت پر اگر غور کیا جائے تو وہ اس بات کا صاف اعلان کرتا ہے کہ

اگر اللہ رب العزت بعض لوگوں (یعنی مجاہدین) کے ذریعہ بعض لوگوں (یعنی دشمنانِ اسلام) کو

دور نہ کرتا تو وہ کفار تمہارے مدارس، تمہاری خانقاہیں، تمہارے عبادت خانے اور تمہاری مساجد گرادیتے۔

یعنی جہاد وقتال کے بغیر نہ تمہارے مدارس محفوظ ہوتے اور نہ تمہاری خانقاہیں۔ نہ تمہارے عبادت خانے محفوظ ہوتے اور نہ تمہاری مساجد۔ اور حقیقت یہی ہے کہ آج بھی اگر ان مٹھی بھر مجاہدین نے دشمنانِ اسلام کی متحدہ قوت کا راستہ نہ روک رکھا ہوتا تو نہ ہماری مساجد محفوظ ہوتیں نہ نمازیں نہ تعلیم محفوظ ہوتی اور نہ دعوت۔ آج اگر ہمارا یہ سب کچھ کسی حد تک محفوظ ہے تو انہی مجاہدین کی قربانیوں کے صدقہ۔ لہذا میں نہیں سمجھتا کہ قرآنی ونبوی ﷺ علوم اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تاریخ سے واقفیت وآگاہی رکھنے والا کوئی بھی ذی علم وہوشمند شخص کسی بھی ایسے دور کے اندر جسمیں اشاعت دین کے لیے دعوت وتبلیغ کی ضرورت محسوس کرتا ہو۔ اسمیں حفاظتِ دین کے لیے جہاد وقتال کی نفی کر سکے۔

چوتھا الزام!

صلح حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ علیہم الرضوان کمزور تھے۔ اس لیے پسپائی اختیار کرنی پڑی۔

اگر یہ الزام غلط نہیں اور کچھ واقعیت رکھتا ہے تو میں انتہائی معذرت کے ساتھ دست بستہ آپ سے یہ سوال کرنا چاہوں گا کہ اس مقام پر جس کمزوری کا ذکر کیا گیا ہے، اس کمزوری سے آخر مراد کیا ہے؟

اگر اس کمزوری سے مراد افرادی کمی ہے تو یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ حدیبیہ کے موقعہ پر موجود افرادی نفری جسکی تعداد ۱۴سو یا ۱۵سو بیان کی گئی ہے۔ بہر حال بدر کی نفری (۳۱۳) اور احد کی نفری (۷۰۰) سے کہیں زیادہ تھی۔ یعنی افرادی کمی کے اعتبار سے اس میں کوئی کمزوری نہ تھی۔

اگر اس کمزوری سے مراد سامان حرب وضرب کی کمی ہے تو بھی نا قابلِ تسلیم ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس اس موقع پر یقیناً جنگی ہتھیار بدر واحد سے کم نہ ہوں گے۔

اور اس حوالہ سے بھی اس موقعہ پر کسی کمزوری کا یقین نہیں آتا کہ ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی ہے۔ ظاہر ہے یہ موت کی بیعت جہاد وقتال کے لیے ہی تھی۔ اگر عسکری کمزوری موجود ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے موت یعنی جہاد کی بیعت نہ لیتے۔

آپ کے نقطۂ نظر کا تو مجھے علم نہیں کہ اس کمزوری سے آپ کی کیا مراد ہے؟ وہ تو آپ کی وضاحت سے ہی پتہ چل سکے گا۔ البتہ بعض تبلیغی حضرات سے جب جہاد کے بارہ میں کبھی بات ہوئی تو وہ اسی کمزوری کا اظہار

کرتے ہیں کہ اس وقت چونکہ امت کمزور ہے۔ اس لیے اس پر جہاد کا حکم لاگو نہیں ہوتا۔ ان سے کہا گیا کہ......کیا افرادی کمی کی وجہ سے امت کمزور ہے؟ حالانکہ اس وقت دنیا کے اندر مسلمانوں کی تعداد ایک ارب چالیس کروڑ سے متجاوز ہے......کیا امت جنگی ہتھیاروں کی وجہ سے کمزور ہے؟ حالانکہ ایٹمی ہتھیاروں سمیت ہر قسم کا جدید اسلحہ ان کے پاس موجود ہے......کیا مالی تنگی کی وجہ سے کمزور ہے؟ حالانکہ معدنیات کے سب سے قیمتی ذخائر مسلمانوں کے پاس ہیں...... کیا حکومتی وجہ سے کمزور ہے؟ حالانکہ اس وقت ساٹھ سے زائد ریاستیں مسلمانوں کے پاس ہیں......تو جواب ملتا کہ ان اسباب کی وجہ سے نہیں بلکہ ایمان کی وجہ سے کمزور ہے۔ اگر عام تبلیغی حضرات کے کمزوری کے اس مفہوم کو سامنے رکھا جائے تو اصحابِ حدیبیہ کے بارہ میں تو کمزوری کا یہ تصور سراسر کفر ہے کہ العیاذ باللہ تعالیٰ ان کا ایمان کمزور تھا۔ ہمارا آپ سے سوال اسی مقام پر اٹک جاتا ہے کہ آخر آنحضرت ﷺ اور اصحابِ حدیبیہ میں وہ کونسی کمزوری تھی کہ جسکی وجہ سے انہیں جنگ کے بغیر ہی پسپائی اختیار کرنا پڑی؟ اگر حکمت و مصلحت کو آپ کمزوری کا نام دیتے ہیں تو اس سے شاید موضوع کا رخ پھر جائے۔ اور پھر اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حدیبیہ کی پسپائی کسی کمزوری کا نتیجہ تھی تو ازراہِ کرم اسکی بھی وضاحت کر دی جائے کہ احد کی شکست اور حنین کی شکست و پسپائی کس کمزوری کا نتیجہ تھی۔ کیونکہ اگر کمزوری تھی تو میدان جنگ میں لے جایا کیوں گیا؟ امید ہے آپ یہ اشکالات ضرور رفع فرمائیں گے۔

پانچواں الزام!

گذشتہ دو صدیوں میں تمام علماء کا طرز غلط رہا۔ جبکہ مولانا الیاس رحمہ اللہ کا طرز من جانب اللہ الہام تھا۔

اگر آپ پر یہ الزام واقفیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو ہمارے لیے نا قابلِ فہم ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکے کہ آپ کو آخر یہ موازنہ کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ حالانکہ دیوبند حلقہ میں کوئی ذی ہوش بھی حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ کی دعوت و تبلیغ کے میدان میں مجددانہ خدمات سے انکار کی جسارت نہیں کر سکتا۔ آخر آپ کو دیگر علماء کی خدمات سے انکار و انحراف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ کیا دوسروں کی خدمات کی نفی کیے بغیر حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ کی مجددانہ خدمات کا تذکرہ مناسب نہ تھا؟ ہم تو اپنے اکابرین و اسلاف میں سے کسی کی خدمات سے انکار کا سوچنا بھی گناہ کبیرہ جانتے ہیں۔ کیونکہ اپنے اپنے میدان میں ہر ایک کی خدمات تاریخ کا ایک درخشاں باب ہیں۔ اگر آپ نے مختلف اسلاف سے وابستہ ان کے علمی، روحانی اور فکری گروہوں کا تھرڈ کلاس ورکروں کی زبانی تبلیغی جماعت کے متعلق کچھ نازیبا و غیر مناسب الفاظ سن کر اسلاف کے درمیان موازنہ کی مذکورہ ڈیوٹی سرانجام دی ہے۔ تو میں اسے نرم سے نرم الفاظ میں کم ظرفی قرار دے سکتا

ہوں، جو کسی بھی عالی منصب داعی کے لیے ہرگز مناسب قرار نہیں دی جاسکتی۔ میں اس مقام پر آپ کی توجہ جملہ اسلاف دیوبند کی صرف ان خدمات کی طرف دلانی چاہوں گا جو حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ، حضرت جی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے قلم ولسان سے بیان ہوئی۔ وہ انکی تصانیف اور ان کے حالات زندگی میں ضرور ملاحظہ ومطالعہ فرما لیجیے۔

چھٹا الزام!

یزید کے ہاتھ پر ۷۰ صحابہ رضی اللہ عنہ نے بیعت کی، کیونکہ وہ کمزور تھے، اور کمزوری کے احکام جدا ہوتے ہیں۔

اگر یہ الزام آپ پر درست ہے تو میرے لیے حیرت کی انتہاء ہے کہ آپ قدم قدم پر صحابہ رضی اللہ عنہ کو کمزور ثابت کرنے پر آخر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی ہر حکمت واجتہاد کو کمزوری کا نام دینا ضروری ہے؟ جب یزید کا کفر ثابت نہیں اور فسق مسلم ہے تو بیعت کرنے والے اور بیعت سے انکار کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اجتہادی اختلاف ہوگیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا ایک طبقہ فاسق کو خلیفہ ماننے سے انکاری تھا۔ اور دوسرا طبقہ فساد وانتشار سے بچنے کے لیے فاسق کی امامت کو روا رکھتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے کس پہلو کو کمزوری قرار دیا جاسکتا ہے؟ میں فی الحال اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ کتنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی؟ اور پھر ان میں سے کتنے صحابہ رضی اللہ عنہ نے بیعت توڑی، اور واقعاتِ حرہ پیش آئے۔ میں اس مقام پر آپ کی توجہ صرف اس بات کی طرف مبذول کرانی چاہتا ہوں کہ آپ کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کمزور تھے جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ لیکن انہی اصحاب میں سے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے واقعہ کربلا کے بعد بیعت توڑی اور یزید کے خلاف صف آراء ہوگئے۔ آخر اچانک یہ کمزوری کیسے ختم ہوگئی؟ اور ایک دوسری بات کی طرف بھی آپ کی توجہ دلانی چاہتا ہوں کہ آپ اپنے الفاظ پر غور کیجیے، کہیں اس سے خدانخواستہ اہلِ تشیع کے عقیدۂ تقیہ کو تقویت تو نہیں مل رہی؟ کیونکہ وہ بھی کمزوری کے وقت حکم جدا مانتے ہوئے اس وقت تقیہ کر لینے کے قائل ہیں۔

ساتواں الزام!

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی تکفیر کر دینے سے بھی آدمی کافر نہیں ہوتا۔

شنید ہے کہ آپ اپنے اس مؤقف سے مناظر اسلام، فخر اہلِ السنۃ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری زید مجدہم کے سامنے رجوع کر چکے ہیں۔ اور اسے آپ نے اپنی غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس رجوع الی الحق پر جزائے خیر عطا فرمائے اور اجرِ عظیم فرمائے۔ آمین۔ ہمارے اسی مقام پر آپ سے دست بستہ

درخواست ہے کہ اس اگر آپ پر عائد کردہ دیگر الزامات بھی درست ہوں تو یقیناً وہ بھی کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہوں گے۔ لہٰذا عالی ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اگر آپ ان سے بھی رجوع فرمالیں گے تو یقیناً آپ کی عظمت میں اضافہ ہوگا۔

آٹھواں الزام!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ ہم معصوم مانتے ہیں اور نہ محفوظ۔ کیونکہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محفوظ ماننا شیعوں کے رد میں حد سے تجاوز کرنا ہے۔

اگر یہ الزام درست ہے اور آپ واقعی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محفوظ نہیں مانتے تو ہم اسے آپ کے گزشتہ مؤقف کا ایک حصہ ہی سمجھتے ہیں۔ اور آپ کا یہ مؤقف اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ میں اس وقت اس مسئلہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ صرف اتنا عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ معصوم اور محفوظ دونوں شرعی اصطلاحات ہیں۔ جو متواتر و متوارث امت کے اندر چلی آرہی ہیں۔ اور شرعی اصطلاحات کے حدود و معانی متعین کرنا صرف علماء اصول کا حق ہے۔ جو ہر کس و ناکس کو تفویض نہیں کیا جاسکتا۔ جب علماء اصول معصوم و محفوظ جیسی اصطلاحات کے حدود و معانی متعین کر کے ان کے درمیان فرق واضح کر چکے ہیں۔ جمہور علماء اہل السنۃ اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ السلام کے معصوم ہونے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محفوظ ہونے پر اجماع کر چکے ہیں، تو اس کے بعد علماء اصول کی ان الفاظ کے بارہ میں تعریف و تفریق کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اپنی ذہنی تعریف کی بنیاد پر اس اجماعی عقیدہ کو شیعیت کے رد میں حد سے تجاوز قرار دینا سراسر زیادتی ہے۔ امید ہے کہ آپ اپنے اس مؤقف پر بھی نظرِ ثانی فرمائیں گے۔ کیونکہ پوری امتِ مسلمہ کے جمہور ائمہ کو بیک جنبش زبان و قلم محض مذہبی تعصب کی بناء پر شرعی حدود سے متجاوز قرار دے دینا بہرحال صراطِ مستقیم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نواں الزام!

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر۔ اجتہادی کے لاحقے سابقے ملانے ضرورت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطا میں اجتہادی کا لفظ تاویل کا راستہ اختیار کرنا ہے۔

کمزور راستہ ہے۔ تاویل اختیار نہ کرو۔ مانو کہ ان سے خطاء ہوئی ہے۔

اگر آپ پر یہ الزام درست ہے تو میں انتہائی دکھی دل کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہوں گا کہا آپ کا یہ مؤقف و نظریہ شعوری یا غیر شعوری طور پر سید ابو الاعلیٰ مودودی کے مؤقف و نظریہ سے کلی مطابقت رکھتا ہے۔ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارہ میں درج ذیل نکتہ ہائے سامنے آئے ہیں۔

(۱) جمہور ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں۔ اوران کے مخالفین صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ خطا اجتہادی پر ہیں۔

(۲) فخر المحد ثین حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثانی نور اللہ مرقدہ وغیرہ بعض اکابر کا مؤقف یہ ہے کہ دونوں حق پر ہیں۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق ہیں۔ یہ اختلاف اصولیین کے اختلاف پر مبنی ہے۔ پہلا مؤقف جو جمہور ائمہ اہل السنۃ کا ہے وہ ان اصولیین کے اصول پر مبنی ہے جو **المجتھد یخطی ویصیب** کا اصول رکھتے ہیں۔ اور دوسرا نظریہ ان اصولیین کے اصول کے مطابق ہے جو **کل مجتھد مصیب** کے اصول پر گامزن ہیں۔

(۳) روافض کا نظریہ یہ ہے کہ ان مشاجرات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کفر پر تھے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۴) خوارج کا نظریہ اس کے برعکس ہے، وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کفر پر جانتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

(۵) مولانا سید لعل شاہ بخاری اپنی کتاب استخلاف یزید میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطاء عنادی پر قرار دیتے ہیں۔

(٦) سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ محض خطا پر تھے۔ انکی یہ خطاء اجتہادی نہیں تھی۔

چنانچہ مودودی صاحب اپنے مؤقف کی صراحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں کہ انہوں (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) نے یہ غلطی نیک نیتی کے ساتھ، اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہوئے کی تھی، مگر میں اسے محض غلطی سمجھتا ہوں۔ اس کو اجتہادی غلطی ماننے میں مجھے سخت تأمل ہے۔'' (خلافت وملوکیت ص ۳۴۳)

اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ یہ محض غلطی تھی۔ اس کو اجتہادی غلطی قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ (ایضاً ص ۳۴۴)

محترم! میں انتہائی ادب واحترام کے ساتھ آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنے نکتہ نظر اور مودودی صاحب کے نکتہ نظر کا موازنہ کیجیے! اگر کسی مقام پر فرق محسوس ہوتا ہو نشاندہی فرما دیجیے۔ آپ کو بھی خطاء کے ساتھ اجتہادی کے لفظ میں تاویل کا کمزور راستہ نظر آتا ہے۔ اور مودودی صاحب کو بھی اسی میں تأمل ہے۔ جسکی انہیں کوئی گنجائش نظر نہیں آئی۔ امید ہے کہ آپ اس مؤقف پر بھی نظرِ ثانی فرمائیں گے۔ تا کہ آپ کے

بارہ میں مودودی ہونے کا جوتأ ثر ابھر رہا ہے وہ دم توڑ سکے۔

دسواں الزام!

صاحب کرام رضی اللہ عنہم کا دنیا کا طلب گار ہونا قرآن سے ثابت ہے۔

اگر یہ الزام آپ پر درست ہے تو وضاحت طلب ہے۔ کیونکہ طلبِ دنیا دو قسم پر ہے، ایک حلال اور دوسری حرام جہاں تک حرام کی طلب کا تعلق ہے تو اس کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تصور بھی گناہ ہے۔ اور اگر حلال طلب دنیا مراد ہے تو اسمیں قباحت کیا ہے؟ آیاتِ غزوۂ احد کے ضمن میں آپ جس طلبِ دنیا کا حوالہ دے رہے ہیں، وہ ان پچاس تیراندازوں میں سے بعض کے لیے ہے جو حصولِ غنیمت یا جمع غنیمت کے لیے اپنی ڈیوٹی میں لاپروائی برت کر اجتہادی خطاء میں مبتلا ہو گئے۔ اور خدا تعالیٰ ان کی اس خطا کو معاف بھی فرما چکا اب ان پر طلبِ دنیا کی پھبتیاں کسنا ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے۔ اس مقام پر جس طلب دنیا کا ذکر ہے اسے آنحضرت ﷺ نے پاکیزہ ترین مال قرار دیا ہے۔ یعنی غنیمت کا مال تمام دنیوی اموال میں سے پاکیزہ ترین مال ہے۔ اس پاکیزہ ترین مال کے حصول کے لیے یا اس کے جمع کرنے میں اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اگر آگے بڑھے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے کوشش کی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کیا قباحت ہے؟ البتہ اس کے لیے حکم نبوی ﷺ کا انتظار کیے بغیر میدان جنگ کی ظاہری صورت حال کو دیکھ کر ان کا اپنی ڈیوٹی چھوڑ دینا ان کی خطاء ضرور تھی۔ اور ان کی اسی اجتہادی خطاء کے مقابلہ میں ان کی حصولِ غنیمت کی کاوش کو طلب دنیا قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ان کی طلب غنیمت میں قباحت نہ تھی صرف ان کی ڈیوٹی کے مقابلہ میں عمل کمزور تھا۔ اس کو مطلق طلبِ دنیا قرار دینا ہرگز اسلامی تصور نہ ہوگا۔

گیارھواں الزام!

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر) بیعت نہیں کی۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد بیعت فرمائی۔

اگر آپ پر یہ الزام درست ہے تو انتہائی قابلِ افسوس ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی چھ ماہ کے بعد بیعت جمہور اہل السنۃ کے نزدیک تجدید بیعت تھی۔ بیعت خلافت تو وہ ابتدا ہی میں فرما چکے تھے۔ اگر بالفرض مذکورہ مؤقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں دو تصورات سامنے آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ دل سے خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ کو قبول کرتے تھے۔ لیکن حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے خوف یا انکی طبیعت خاطر کی وجہ سے چھ ماہ تک اظہار نہ کر سکے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کی وفات کے بعد بیعت کر لی۔ اسی صورت میں الزام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر آتا ہے کہ وہ خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ کو برحق نہ مانتی تھیں۔ العیاذ باللہ۔

دوسرا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ہی خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ کو قبول نہ کرتے تھے۔ سیدہ فاطمۃ الزاہراء کی حیات مبارکہ تک ان کو اطمینان تھا کہ مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ اگر خلافت کی طرف سے کوئی سختی کی گئی تو وجودِ فاطمہ رضی اللہ عنہا آڑ بنے گا۔ جب آڑ ختم ہوگئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خوف وتقیہ کی بنا پر بیعت کر لی۔ یہی روافض کے ایک گروہ کا نکتۂ نظر ہے۔ العیاذ باللہ

اب اس بات کی وضاحت تو آپ ہی فرما سکتے ہیں کہ چھ ماہ بعد بیعت کے نظریہ کے پیچھے کونسا تصور کارفرما ہے؟ پہلا یا دوسرا؟ باقی جہاں تک حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے کا مسئلہ ہے۔ تو اگرچہ جمہور مؤرخین نے اسی قول کو نقل کیا ہے کہ انہوں نے خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ پر بیعت نہیں کی اور بالکل الگ تھلگ رہے۔ لیکن امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے حضرت سعد رضی اللہ کے پہلے ہی دن بیعت کر لینے کی ایک روایت نقل کی ہے۔ اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ (ملاحظہ فرمایے تاریخ طبری مترجم جلد دوم ص ۴۵۸)

بارہواں الزام!

امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبوت اور خلافت دونوں ایک خاندان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

اگر یہ الزام آپ پر درست ہے تو اس روایت اور اسکی صحت کا ثبوت چاہیے۔ کیونکہ یہ قرآنی تعلیمات اور تاریخی روایات کے قطعاً منافی ہے۔ اگر خلافت سے مراد حکومت ہے اور اس مقام پر یہی مراد ہوسکتی ہے تو پھر غور فرمائیے کہ

(۱) حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوۃ السلام کے پاس نبوت بھی تھی اور خلافت بھی۔

(۲) حضرت سیدنا داؤد علیہ الصلوۃ السلام کے پاس نبوت بھی تھی اور خلافت بھی

(۳) حضرت سیدنا سلیمان علیہ الصلوۃ السلام کے پاس نبوت بھی تھی اور خلافت بھی۔

(۴) حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام کے پاس نزول کے بعد نبوت بھی ہوگی اور خلافت بھی۔

(۵) آنحضرت ﷺ کے خاندانِ قریش کے پاس خلافتِ راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلافت موجود رہی۔

غرضیکہ یہ بات قرآنی حقائق اور تاریخی واقعات کے سراسر خلاف ہے کہ نبوت وخلافت ایک خاندان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

تیرہواں الزام!

مودودی صاحب مرحوم نیک آدمی تھے۔اچھے عالم تھے۔ان کی بڑی خدمات ہیں۔ان سے چند مقامات پرفحش غلطیاں ہوئیں۔ان کی حسنات ان کی سیئات سے زیادہ ہیں۔

اگرآپ پر یہ الزام درست ہےتو مجھے شدید حیرت ہے کہ اپنے طلبہ کی کلاس میں ایک ایسے شخص کی تعریف کے کیا مقاصد تھے۔ جو ہمارے تمام اکابر علماء دیوبند کے نزدیک نہ صرف متنازعہ بلکہ ضال اور مضل قرار پایا۔ جس کے بارہ میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمدعلی لاہوری نوراللہ مرقدہ دوٹوک لفظوں میں فرمائے ہیں کہ

مودودی اسلام کا مکہ اور مدینہ کے اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

میں اس وقت مودودی صاحب کی نیکی، علمیت اور خدمات پر کوئی بحث کرنی نہیں چاہتا۔البتہ مجھے آپ کے اس مؤقف سے شدید اختلاف ہے کہ مودودی صاحب سے صرف چند مقامات پر فاش غلطیاں ہوئی ہیں۔ کیونکہ اکابرین علماء دیوبند نے مودودی صاحب کے لٹریچر سے ان کی جو گمراہ کن عبارات جمع کی ہیں وہ بیسیوں سے بھی متجاوز ہیں۔لیکن میں چند لمحوں کے لیے آپ کے اسی مؤقف کو قبول کر لیتا ہوں کہ انہوں نے صرف چند مقامات پر فاش غلطیاں کی ہیں۔تو سوال یہ ہے کہ ان کی وہ فاش غلطیاں کس قدر سنگین ہیں؟ کیا پیشاب کا صرف ایک قطرہ پوری بالٹی دودھ کو برباد کر دینے کے لیے کافی نہیں ہوتا؟ آپ کی نظر عقیدت مودودی صاحب کی حسنات پر ہے۔کاش ان کے گمراہ کن نظریات کو بھی آپ ایک نظر دیکھ لیتے۔ میں اس وقت مودودی نظریات پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔لیکن یہ سوال ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ آخر اپنے حلقہ درس میں اس وقت مودودی صاحب کی اس تعریف کی ضرورت کیا پیش آئی؟ اگر یہ تعریف آپ نے منصورہ میں یا کسی ایسے مشترکہ تبلیغی اجتماع میں کی ہوتی تو اسے ممکن ہے تبلیغی ودعوتی ضرورت یا مجبوری قرار دیکر نظرانداز کر دیا جاتا۔لیکن اپنے مستقل حلقۂ درس کے اندر آدمی وہی کچھ بیان کرتا ہے جو اس کی حقیقی فکر ہوئی ہے۔کیا آپ اس کا کوئی قابلِ قبول جواز بیان فرما سکیں گے؟

چودھواں الزام!

سیدابوالاعلیٰ مودودی حنفی تھے،اورانہوں نے کبھی غیر مقلد ہونے کا دعوٰی نہیں کیا۔

یہ الزام اگرآپ پر درست ہےتو مودودی فتنہ کے بارہ میں آپ کی کم علمی قابلِ افسوس ہے۔کیا کوئی مقلد حدودِ تقلید میں رہ کر گمراہ ہوسکتا ہے؟ گمراہی آتی ہی تقلید کی بندشوں سے آزاد ہونے کے بعد ہے۔آپ بھی مودودی صاحب کی چند فاش غلطیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔کیا انہوں نے وہ فاش غلطیاں حدودِتقلید میں رہ کر کیں؟ باقی جہاں تک آپ کا یہ دعوٰی ہے کہ مودودی صاحب حنفی تھے اور انہوں نے کبھی غیر مقلد ہونے کا

دعویٰ نہیں کیا تو میرے خیال میں آپ کا یہ دعویٰ کم علمی پر مبنی ہے۔ مودودی صاحب کا نظریہ تقلید ملاحظہ فرمایئے، فرماتے ہیں کہ

''یہ اشکال اس وقت تک دور نہ ہوگا جب تک مسلمانوں میں آزاد اہلِ فکر پیدا نہ ہوں گے۔ اسلام میں ایک نشأۃ جدیدہ کی ضرورت ہے۔ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ اب کام نہیں دے سکتا۔ دنیا اب آگے بڑھ چکی ہے اس کو اب الٹے پاؤں ان منازل کی طرف واپسی لے جانا ممکن نہیں ہے جن سے وہ چھ سو برس پہلے گزر چکی ہے (تنقیحات ص ۱۴)

میرے نزدیک صاحب علمی آدمی کے لیے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔'' (رسائل ومسائل حصہ اول ص ۲۴۴ طبع دوم)

اب مودودی صاحب فرما رہے ہیں کہ پرانے اسلامی مفکرین و محققین کا سرمایہ تحقیق اب کام نہیں دے سکتا۔ آپ فرمایئے کہ آپ خود تبلیغ و دعوت کے لیے قدیم محققین کی تحقیقات پر اعتماد کریں گے یا جدید مفکرین کی تعلیمات پر؟ اور پھر مودودی صاحب تو صاف لفظوں میں صاحبِ علم آدمی کے لیے تقلید کو ناجائز، گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز قرار دے رہے ہیں۔ اور گناہ سے شدید تر چیز کفر کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ اب ایک طرف آپ مودودی صاحب کو نہ صرف صاحبِ علم بلکہ اچھے عالم تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف مودودی صاحب علم آدمی کے لیے تقلید کو کم از کم ناجائز و گناہ قرار دیتے ہیں اب فیصلہ آپ کر لیں کہ وہ مقلد ہیں یا اچھے عالم؟ لیکن یہ اشکال ہمارے ذہنوں کے اندر بدستور موجود ہے کہ آخر اپنے حلقہ درس کے اندر آپ کو مودودی صاحب کی صفائی دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

پندرھواں الزام!

فتنہ مودودیت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کی کتاب نہیں۔ ان کا مکتوب ہے جو ان کے نواسہ نے کاروباری نکتہ نظر سے شائع کر دیا۔ اور نام بھی خود ہی تجویز کیا۔

یہ درست ہے کہ فتنہ مودودیت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کا مکتوب ہے۔ لیکن یہ ہرگز درست نہیں کہ یہ مکتوب انکی اجازت کے بغیر شائع ہوا، کاروباری نکتہ نظر سے شائع ہوا اور نام بھی ناشر نے خود تجویز کیا چند سال قبل اس مکتوب کے ناشر اور حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے نواسے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ لاہور میں حاجی محمد صغیر صاحب (خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث صاحب) کے مکان پر میں انکی زیارت وملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ اس وقت پہلے سے موجود حضرات مودودی نظریات پر حضرت مدظلہ سے گفتگو کر رہے تھے۔ اسی گفتگو کے دوران فتنہ

مودودیت پر بات چل نکلی تو حضرت مولانا محمد طلحہ مدظلہ نے فرمایا کہ

''حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کا یہ مکتوب خود مکتوب الیہ کی اجازت وخواہش پر شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ان کا خیال تھا اس مکتوب میں مودودی نظریات پر خاصی علمی بحث موجود ہے اس لیے اسے افادۂ عام کے لیے شائع کر دینا چاہیے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث کی طرف اجازتِ اشاعت کے لیے رجوع کیا گیا۔اور بصورتِ اجازت نام تجویز کرنے کی خواہش ظاہر کی گئی۔حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے اشاعت کی اجازت بھی مرحمت فرمائی اور نام بھی خود تجویز فرمایا۔کچھ حضرات نے نام سے اختلاف کیا اور درخواست کی کہ نام سخت ہے۔ کیونکہ فتنہ کا لفظ بڑا بھاری بھرکم ہے۔تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فتنہ کو فتنہ کے عنوان سے ہی متعارف کرائیں گے تو لوگوں کو اس کے فتنہ ہونے کا پتہ چلے گا۔

گویا مکتوب کو شائع کرنے کی اجازت بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ نے خود دی، اور نام بھی خود تجویز فرمایا۔نہ یہ حضرت رحمہ اللہ کی اجازت کے بغیر شائع ہوئی، نہ اسے کاروباری نکتہ نظر سے شائع کیا گیا۔اور نہ اس کا نام حضرت رحمہ اللہ کی اجازت کے بغیر تجویز ہوا۔لیکن ہمارا وہ سوال اپنے مقام پر بدستور موجود ہے کہ اپنے حلقۂ درس میں آپ کو اس بحث کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

سولہواں الزام!

ہمارے اکابر کی تحریریں پیچیدہ تھیں۔مودودی صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے دین کو عام فہم انداز میں پیش کیا،اور لوگوں نے اسے سمجھا۔

اگر یہ الزام آپ پر درست ہے تو اس عبارت اور مذکورہ عبارات سے جو لوگ یہ نتیجہ اخذ کر رہے ہیں کہ آپ تبلیغی جماعت کے اندر مودودی جماعت کے ترجمان ہیں تو انہیں کیسے اس سے روکا جا سکتا ہے؟ ہم ان کی اس بات سے قطعی اتفاق نہیں کرتے، لیکن پریشان ہیں کہ جس انداز سے آپ نے اپنے اکابر اور مودودی صاحب کا موازنہ پیش کیا ہے،اس میں تو اکابر کے پلے کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔اور اس سے آپ کے حلقہ درس کے طلبہ کی کیا تربیت ہوگی؟ اب اس پر ہم نرم سے نرم میں جو تبصرہ کر سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ آپ غیر شعوری طور پر اپنے حلقہ درس کی مودودیت کی حمایت میں ذہن سازی کر رہے ہیں۔اور آپ کا حلقۂ درس غیر محسوس طریقہ سے مودودی نظریات کے کیمپ میں منتقل ہو رہا ہے۔

سترہواں الزام!

حاجی عبدالوہاب صاحب عجیب انسان ہیں، جو سوچ کی بلندی اور وسعت فکر اس شخص کو اللہ تعالیٰ

نے عطا کی ہے، آج کل کے سارے حضرت مولانا اور علامے اس شخص کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہیں۔س

حاجی صاحب زیدہ مجدہم کی عظمت اور ان کی وسعت فکر سے کون اختلاف کرسکتا ہے؟ لیکن آج کل کے علماء کرام سے ان کے موازنہ کا یہ انداز ہرگز دعوتی و تبلیغی نہیں ہے۔ یہ انداز صرف اس وقت اختیار کیا جاتا ہے جب اپنے مخاطب کے دل کے اندر اپنی پسندیدہ شخصیت کو بٹھانا اور اس کے علاوہ سب شخصیات کو اس کے دل سے نکالنا مقصود ہو۔ اور یقیناً یہ دعوتی طرز نہیں کہلا سکتا۔ آپ جانتے ہیں آپ کے اس طرز عمل کا ری ایکشن کیا ہوا؟ ایک ذمہ دار بزرگ جو ریٹائرڈ پروفیسر ہیں اور حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہ سے ان کا روحانی و علمی تعلق ہے۔ مجھے ملے تو فرمانے لگے کہ

''طارق جمیل جس حاجی عبدالوہاب کے گن گاتا ہے وہ کالج کے دور میں ابوالاعلیٰ مودودی کا کلاس فیلو تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں تو ایک بار پوری طرح ہل گیا۔ کہ یہ دوطرفہ ناپختہ سوچ ہمیں کہاں لے جائے گی؟ کیا آپ سوچ سکتے ہیں کہ آپ کے اس غلو کا انجام کیا ہوگا؟ پہلے آپ حضرت امام التبلیغ رحمہ اللہ کو دو صدیوں کے علماء کے مقابلہ میں لائے۔ اب عصرِ حاضر کے علماء کرام کو حاجی عبدالوہاب صاحب زید مجدہم کے قدموں کی خاک بنا دیا۔ آخر آپ علماء کرام کی عظمت اور ان کے مقابلہ و مرتبہ سے انکار کرکے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ خدارا! اس پر کچھ سنجیدگی سے غور فرمائیے۔

اٹھارہواں الزام

دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، شیعہ سارے حق ہیں۔ یہ سارے سلاسل قبول ہیں۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے ان پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

انیسواں الزام!

بریلوی اپنے عقائد کے حوالہ سے اسلام میں داخل ہیں امام احمد رضا کی تحریروں میں کفر نہیں۔ وہ صرف جذبہ عشق میں بدعت کی حد تک پہنچے۔

بیسواں الزام!

شیعہ کلمہ میں زیادتی کے قائل نہیں۔ علی ولی اللہ بھی ان کے عامۃ الناس کا اضافہ ہے۔

یہ تینوں الزامات اگر درست ہیں تو انتہائی قابلِ افسوس ہیں۔ اور اگر یہ آپ کے حلقہ درس میں خطابات ہیں تو اس سے بھی زیادہ افسوسناک ہیں۔ ان پر میں یک لفظی تبصرہ بھی پسند نہیں کرتا۔ البتہ آپ کے آخری جملوں پر صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ شیعہ کلمہ آپ نے ان کی علیحدہ دینیات اور اسکی معاون کتب میں ہی ملاحظہ کر

لیا ہوتا تو یہ جملہ کہنے کی جسارت نہ کرتے۔اور پھر علی ولی اللہ بھی عامۃ الناس کا اضافہ نہیں۔کراچی سے خیبر تک ان کی امام بارگاہوں سے ان کی اذانیں تو سماعت فرمالیں۔کیا پورے ملک کے اندر ان کی اذانوں میں یہ اضافہ عامۃ الناس کا ہے؟

اکیسواں الزام!

حیات النبی ﷺ کا عقیدہ امت کا اجماعی ہے۔سب سے پہلے انکار مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے کیا۔

ایک مدت تک اس غلط فہمی میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید نور اللہ مرقدہ بھی مبتلا رہے۔اور اپنے ایک مضمون میں اسے انہوں نے امام المفسرین مولانا حسین علی صاحب قدس اللہ سرہ کا تفرد لکھا۔اس کے جواب میں میں نے ایک مضمون لکھا اور باحوالہ ثابت کیا حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ ہرگز حیات النبی ﷺ کے منکر نہ تھے۔اس کے بعد ان سے جو آخری ملاقات حضرت مولانا مفتی جمیل خان شہید رحمہ اللہ کی وساطت سے باغ آزاد کشمیر کی ڈیڑھ سو سالہ تقریباتِ دارالعلوم دیوبند کے موقع پر ہوئی۔اسمیں انہوں نے فرمایا کہ میں واقعی پوری دیانتداری کے ساتھ اس مسئلہ کو منکرینِ حیات الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پروپیگنڈہ کی وجہ سے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا تفرد سمجھتا تھا۔آپ کے مضمون سے میری یہ غلط فہمی دور ہوگئی۔شاید آپ بھی منکرینِ حیات الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پروپیگنڈہ کا شکار ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ ہمارے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ قطعاً حیات النبی ﷺ کے منکر نہ تھے۔

بائیسواں الزام!

منبر پر اختلافی مسائل بیان کرنا مزاجِ نبوت کے خلاف ہے۔

وقت کے تقاضوں اور حالات کی ضرورت کے تحت اختلافی مسائل بیان کرنا نبوت اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے مزاج کے عین مطابق ہے۔کیا آنحضرت ﷺ نے عقیدہ توحید بیان کرتے ہوئے بت پرستی اور یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ ابنیت کی نفی و تردید نہیں کی......کیا خلیفہ بلافصل سیدنا امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرینِ زکوٰۃ، مرتدین اور منکرینِ ختمِ نبوت ﷺ کی برسرِ منبر مخالفت نہیں کی؟......اسلامی تاریخ ایسے ہزاروں واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ علماء امت نے برسرِ منبر اسلام کے اندر پیدا ہونے والے فتنوں کی مخالفت کی۔کیا وہ مزاج نبوت ﷺ سے العیاذ باللہ آشنا نہ تھے۔کیا عصرِ حاضر میں قادیانیت، رافضیت، پرویزیت وغیرہ فتنوں کا رد کرنے والے اکابر علماء مزاجِ نبوت کے خلاف کام کر رہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جہاں سے فتنہ کی تردید ضروری ہے وہاں تردید ہی مزاجِ نبوت ﷺ کے مطابق ہے۔

تئیسواں الزام!

دعوت وتبلیغ کا فریضہ پوری امت کے لیے ہے نہ اس میں مرد وعورت کی تخصیص ہے، اور نہ عالم وجاہل کی۔

میرا خیال ہے اس پر مجھے کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ الزام صرف آپ پر نہیں یہ تو تبلیغی جماعت کی نرسری سے لیکر مڈل کلاس تک کی سوچ ہے۔ ہائی اور وی، آئی، پی کلاسز کی سوچ اس سے مختلف ہے۔ لیکن میں اس سوچ کو سوچ کی حد تک خطرناک یا نامناسب خیال نہیں کرتا۔ اس لیے اس پر تبصرہ اکابر علماء کے لیے چھوڑتا ہوں۔

چوبیسواں الزام!

ہم چونکہ معیاری مسلمان نہیں ہیں، اس لیے ہمیں اصلاح کے لیے خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم سے مثال نہیں ملے گی نبوی دور سے مثال نہیں ملے گی۔ بدر واحد وخندق ہمارے لیے دلیل نہیں بنیں گے۔ ہمیں پیچھے جانا پڑے گا۔ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں، بلکہ بنی اسرائیل کے دور سے راستہ لینا ہوگا۔

اگر یہ درست ہے تو بڑا خوفناک ہے۔ معیاری مسلمان بننے کے لیے بنی اسرائیل سے راستہ لینا ہوگا۔ اور جب بنی اسرائیل سے راستہ لیکر معیاری مسلمان بن جائیں گے تو پھر عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم، عہدِ خلافتِ راشدہ اور عہدِ نبوی ﷺ سے راہنمائی لینے کے ہم اہل وحقدار ہوں گے۔ یہ تصور تو کبھی ہمارے خواب خیال میں بھی نہیں آیا کہ معیاری مسلمان بننے کے لیے ہمیں عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہ کی بجائے بنی اسرائیل کی دہلیز پر جانا پڑے گا۔ کیا بنی اسرائیل معیاری مسلمان تھے۔ اور اگر وہ معیاری مسلمان نہ تھے تو ہم ان سے راستہ اور راہنمائی کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ آپ کے اس فلسفہ پر چند بزرگوں کے جو تبصرے سامنے آئے ہیں ملاحظہ فرمایے۔

(۱) جہاد جیسے فریضہ سے جان چھڑانے کا یہ ایک بہترین راستہ ہے۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے اگر راہنمائی حاصل کریں گے تو جہاد وقتال کرنا پڑے گا۔ اس لیے بہتر ہے بنی اسرائیل سے راستہ لو فاذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون۔

(۲) دوسرے بزرگ کا تبصرہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت نہیں آئے گی جب تک میری امت کا ایک طبقہ بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر نہ چل نکلے۔ مولوی طارق جمیل صاحب اس نبوی پیشین گوئی کو اپنے ہاتھوں پورا کرانا چاہتے ہیں۔ تا کہ قیامت جلدی آئے اور اس دنیا سے جان چھوٹے۔

میں ان دونوں بزرگوں کے تبصرہ پر کوئی تبصرہ مناسب خیال نہیں کرتا۔صرف آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے ان بیانات پر لوگوں کے ردِعمل کو نظر انداز نہ فرمایئے۔اور یہ ردِعمل اگر پھیلتا چلا گیا تو جماعت کے کام میں کافی مشکلات پیدا ہوسکتی ہیں۔

پچیسواں الزام!

مولانا سرفراز صاحب ہمارے سر کے تاج ہیں،لیکن انہوں نے ساری عمر منفی پہلو پر لکھا ہے،منفی پہلو پر لکھتے لکھتے قلم میں شدت آجاتی ہے،ان کی جو کتب ہیں ان میں...... بریلویت کا رد......رافضیت کا رد......غیر مقلدیت کا رد......رد،رد،رد......ساری زندگی رد میں گزری،جو آدمی رد کرتا رہتا ہے اس کی بات میں شدت آجاتی ہے۔

اگر یہ الزام درست ہے تو انتہائی ادب واحترام کے ساتھ چند باتیں عرض کروں گا

اول یہ کہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ساری زندگی رافضیت، خارجیت، بریلویت وغیرہ فتنوں کے رد میں گزری،لیکن امام التبلیغ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں امام وقت کا خطاب دیا۔

دوم یہ کہ پاکستان کے ممتاز علماء نے حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ کو ''امام اہل سنت'' کا خطاب دیا۔

سوم ہندوستان و پاکستان کے تمام اکابرین دیوبند نے ان کی جملہ تصانیف وکتب کی تائید وتصدیق کی۔

اب اگر آپ ان کی خدمات کو رد،رد،رد کے طنز سے نظر انداز کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کی مرضی ہے،ان کی خدمات اسلافِ دیوبند سے داد وتحسین حاصل کرنے کے بعد مزید کسی کی تائید کی محتاج نہیں۔

(نوٹ) مذکورہ تمام الزامات ہم نے ان مطبوعہ وغیر مطبوعہ مضامین سے نقل کیے ہیں نقل کرنے میں ہم نے کافی احتیاط برتی ہے،پھر بھی اگر نقل میں کمی بیشی ہوگئی ہو تو معذرت چاہوں گا۔

آپ سے آپکے قیمتی وقت کی وجہ سے زیادہ وقت نہیں لوں گا،آپ سے درخواست ہے کہ آپ

[۱] جو الزام غلط ہے اس پر صرف دو جملوں میں تحریر فرمادیں کہ یہ الزام بے بنیاد ہے۔

[۲] جس الزام کے الفاظ ادھورے ہیں اور آپ کا پورا مؤقف واضح نہیں کرتے، ان کی کم سے کم الفاظ میں وضاحت فرمادیں۔

[۳] جو الزامات درست ہیں اور ان میں اصلاح ورجوع کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اس کی بھی اپنے

الفاظ میں وضاحت کر دیں۔

[۴] جو الزامات درست ہیں اور آپ ان میں اصلاح ورجوع کی ضرورت محسوس کرتے ہیں، ان پر صرف اتنا تحریر کر دیں کہ میں اس سے رجوع کر چکا ہوں، یا کرتا ہوں۔

حاشا وکلا! ہمارا مقصد آپ کو ہرگز نہ نیچا دکھانا ہے اور نہ آپکی کسی قسم کی تذلیل مقصود ہے، صرف اور صرف تشویش وپریشانی میں مبتلا مسلکی افراد کو پریشانی سے نکالنا اور مسلک کے حقیقی فکر ونظریہ کو محفوظ رکھنا ہے، آپ کا تعاون ہمیں بہت سی مشکلات سے نکال سکتا ہے، خدا تعالیٰ آپکی تمام شرور وفتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین

والسلام......عبدالحق خان بشیر
مدرسہ حیات النبی، محلّہ حیات النبی گجرات
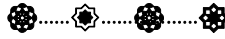
(اللہ کے خصوصی فضل وکرم کی بدولت مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ نے حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم کے سامنے ''جامعہ خالد بن ولید'' ٹھنگی کالونی وہاڑی میں اپنی سابقہ غلطیوں سے توبہ کا اعلان کر دیا ہے اور آئندہ کے لیے احتیاط کا وعدہ کیا ہے۔ **فللہ الحمد۔**

معذرت نامہ: اُن کا معذرت نامہ جس پر اُن کے دستخط موجود ہیں درج ذیل ہے:

''میرے تمام تر عقائد وہی ہیں جو زبدۃ المحدثین، شارح سنن ابی داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کی عمدہ تالیف ''**المہند علی المفند**'' میں اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے ''عقائد پر تحریر کردہ رسائل'' میں درج ہیں۔ باقی اگر میرے بعض بیانات میں اس سے مختلف تاثر پایا جاتا ہے تو وہ میری تعبیر کی غلطی ہے، عقیدے کی غلطی نہیں، میں اس (تعبیر کی غلطی) پر معذرت خواہ ہوں، آئندہ پوری احتیاط کروں گا۔......طارق جمیل'' [خادم، حمزہ])

ایک شعر حضرت مولانا علامہ سرفراز خان صفدر صاحب [شیخ الحدیث: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ] نے تحریر فرمایا تھا کہ روضۂ اطہر پر عرض کر دینا، وہ بھی قارئین کی نذر ہے ؎

ترس رہی ہیں تیری دید کو جو مدت سے
وہ بیقرار نگاہیں تجھے سلام کہتی ہیں!

(سفرنامہ دیارِ حبیبؐ......از حکیم مختار احمد الحسینی صفحہ ۲۴)

مولانا رشید الحق خان عابد نقشبندی

پیکر علم وتقویٰ

داستانِ عہد گل را از نظیری می شنو
عندلیب آشفتہ تر میگوید ایں افسانہ را

آنخضرت جل سلطانہ نے امت مرحومہ کی جن چیدہ چیدہ شخصیات کو تبحر فی العلم، وسیع المطالعہ، متنوع الجہات دینی خدمات کی بناپر نابغہ روزگار اور عبقری شخصیت بنایا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی ایسی ہی شخصیات میں تھا۔ انھی کمالات کے ساتھ ساتھ مستزاد بریں خصوصی عنایت خداوندی 'ثم یوضع له القبول فی الارض' سے بھی بہرہ ور فرمایا، چنانچہ جب ہم نے ہوش سنبھالی تو والد صاحبؒ کو انھی اخلاق فاضلہ کی بناپر ہر کہ ومہ کی نظر میں صاحب احترام واحتشام پایا۔ ماحول سے متاثر ہونے کی بناپر ہمارے دل ودماغ میں بھی والد محترمؒ کے ادب واحترام کا یہی نقش منقش ہوا جو کہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ مزید راسخ ہوتا چلا گیا۔ واقعی ماحول اور معروضی حالات بچوں کو ایسا بہت کچھ بڑی بے تکلفی اور آسانی سے سکھا دیتے ہیں جو بڑوں کو بڑے بڑے مربی اور معلم بھی بمشکل سکھا سکتے ہیں۔ راقم الحروف صرف دو خاندانی واقعے ذکر کرے گا جن سے بچپن میں والد محترمؒ کے ادب واحترام کے راسخ فی الذہن ہونے کی پوری پوری عکاسی ہو سکے گی۔

ہمارے بھانجے حافظ حبیب الرحمٰن عرف پپو سلمہ اللہ تعالیٰ بچپن میں اپنے علاقہ ہزارہ میں اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حسب معمول کھیل کے دوران بچوں نے لڑائی اور گالی گلوچ شروع کی۔ دوسرے بچوں نے جانتے ہوئے کہ یہ والد صاحبؒ کا نواسہ ہے، والد صاحب کو گالی دی جس کے جواب میں پپو نے کہا، ''داتہ کنزے مکوہ، ہغہ خو پیغمبر دے'' کہ ان کو گالی مت دو، وہ تو پیغمبر ہیں۔ پیغمبر کے مقام سے اگر چہ بڑے بھی پوری طرح باخبر نہیں ہوتے چہ جائیکہ صغار، لیکن ہر ادنیٰ واعلیٰ مسلمان کی نظر میں کسی بنی آدم کی بزرگی، جلالت شان اور تعریف کے لیے حرف آخر یہی لفظ پیغمبر ہے جس کے بعد تعریف کا کوئی لفظ فضول ہے۔ اگر چہ پپو کا یہ لفظ خلاف واقعہ تھا، لیکن چھوٹی عمر میں اس کے ذہن میں والد صاحبؒ کے ادب واحترام کے بخوبی موجود ہونے کی مکمل آئینہ داری کرتا ہے۔

اسی طرح برادر محترم قاری عزیز الرحمٰن شاہد زید مجدہ کے بڑے بیٹے ارسلان خان اس وقت بمشکل چار

پانچ سال کے تھے اور گھر میں واحد بچے تھے جو کہ دوسروں کی تعلیمی مصروفیات کی بنا پر باہر سے آنے والے ملاقاتیوں کی والد صاحبؒ کے ساتھ ملاقات کرانے کی ڈیوٹی پر تھے۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ارسلان حسب معمول پہنچا۔ آنے والوں نے پوچھا کہ سرفراز صاحب ہیں؟ تو ارسلان نے ان کے الفاظ کو خلاف معمول وخلاف ادب واحترام پاتے ہوئے فوراً غصے میں کہا ''آپ کو شرم آنی چاہیے، اتنے بڑے عالم ہیں اور آپ سرفراز صاحب کہہ رہے ہیں، جبکہ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب کہا کرتے ہیں''۔ مہمان بے چارے بچے کا جواب سن کر خفیف تو ہوئے لیکن اندر پہنچ کر والد صاحبؒ سے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ والد صاحبؒ نے فرمایا، میرا پوتا ہے تو انھوں نے یہی مندرجہ بالا مکالمہ دہرایا جس پر والد صاحبؒ مسکرا دیے۔

غرضیکہ ہم سب اسی ادب واحترام کی فضا میں پروان چڑھتے رہے تا آنکہ والد صاحبؒ سے رشتہ تلمذ بھی قائم ہوا اور بعض بھائیوں کو سلسلہ ارادت بھی نصیب ہوا۔ تلمذ وارادت کے رشتوں کے لیے مزید ادب واحترام کی پختگی اور ناگزیری ظاہر وباہر ہے۔ رشتہ ابوۃ وبنوۃ کے لیے حسب روایات دنیا کسی قدر بے تکلفی، بے حجابی لازم ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات ادب واحترام کو کما حقہ ملحوظ رکھنا مشکل بھی ہوتا ہے، لیکن اس کو والد صاحبؒ کی کرامت جانیے کہ ہم سب بھائیوں نے تقریباً ساری زندگی صلبی رشتہ کو اول الذکر رشتوں کے پہلو میں مغلوب بلکہ کالمعدوم رکھ کر ادب واحترام کو حتی الوسع پوری طرح برقرار رکھنے کی کوشش کی اور روئے ارض پر شاید ہی ایسے گھرانے ہوں جن کو یہ سعادت بایں طرز نصیب ہوئی ہو۔ ع

کم ہیں وہ طائر جو ہیں دام وقفس سے بہرہ مند

راقم الحروف کی تقریباً پچاس سالہ زندگی میں والد صاحبؒ کی حیات مبارکہ کے داخلی وخارجی تمام پہلو تقریباً بندہ کی نظر میں ہیں، لیکن 'قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری' کے تحت کم از کم مجھ کم نصیب سے تو ان کمالات کی عکاسی ناممکن ہے، بلکہ میرے ناقص خیال میں اہل علم وفضل میں سے یا تقریر وتحریر کے جغادریوں میں سے جو کوئی بھی اس موضوع پر قلم اٹھائے گا، 'صورت نا دیدہ تشبیہے بتخمیں کردہ اند' کا مصداق ہی ہوگا۔ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

تاہم 'ما لا یدرك كله لا یترك كله' کے تحت چند خصوصی امتیازی صفات کی نشان دہی کرنے کی بندہ کوشش کرے گا جن میں تکمیلی اور تزئینی نقش نگاری قارئین کے ذمے ہے۔

والد صاحبؒ کی جسمانی صحت ماشاء اللہ اپنے آبا واجداد کی طرح قابل رشک تھی۔ راقم الحروف نے والد صاحبؒ کی پچھتر سالہ زندگی تک کسی بھی قابل ذکر بیماری میں والد صاحبؒ کو نہیں دیکھا۔ غالباً ۱۹۸۵ء میں چار

پانچ سال کے لیے کمر کے مہروں میں سخت تکلیف ہوئی جو کہ ایک ہفتہ کے اندر اندر بفضلہٖ تعالیٰ رفع ہو گئی۔ چنانچہ نوے سالہ زندگی تک روزانہ مدرسہ نصرۃ العلوم تعلیم کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔ عالم اسباب میں جن چند چھوٹی چھوٹی باتوں کا والد صاحبؒ اہتمام فرماتے رہے، ہم اس وقت اپنی نادانی اور لاعلمی کی بنا پر ان کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے، لیکن اب معلوم ہوا کہ عالم اسباب میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر بڑے بڑے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً ہمیشہ صبح اٹھ کر غسل کرنا، کھانا ہمیشہ سادہ اور بے تکلف کھانا، کھانا ہمیشہ اپنے اوقات مقررہ پر کھانا، دو کھانوں کے درمیانی اوقات میں سوائے پانی اور ظہر کی چائے کے کبھی بھی کوئی چیز نوش نہ فرمانا، کھانے کو ہمیشہ اچھی طرح چبا کر کھانا، پانی ہمیشہ ہینڈ پمپ کا تازہ استعمال فرمانا، فریزر کے ٹھنڈے پانی سے اجتناب کرنا، تازہ ہوا کے لیے کمرے کی کھڑکی کا ضرور کھلا رکھنا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہنا، اپنے آپ کو ہمیشہ مصروف رکھنا اور فارغ نہ بیٹھنا، ہر روز تھوڑا بہت پیدل چلنا جو کہ اوقات خمسہ میں مسجد میں جانے کی صورت میں اور گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج میں درس کے لیے جانے کی شکل میں ہوتا تھا، اور مدرسہ نصرۃ العلوم میں گاڑی کے بندوبست سے قبل گوندلانوالہ اڈہ سے مدرسہ تک پیدل آنے جانے کی شکل میں ہوتا تھا، انگریزی ادویہ سے بالکلیہ اجتناب کرنا۔

فرنگی طب سراسر غیر فطری ہونے کے باوجود اپنی تمام تر خرافات اور فتنہ سامانیوں سمیت حکومتی سرپرستی اور پشت پناہی کی بنا پر اگرچہ کافی ترقی پذیر ہو چکی ہے، لیکن والد صاحبؒ طبعاً اس کے بالکل خلاف تھے اور پسند نہ فرماتے تھے۔ ہمیشہ اپنی چھوٹی موٹی تکالیف میں کسی نہ کسی یونانی مسہل سے اپنا علاج خود فرما لیا کرتے تھے۔ آخر عمر میں اگرچہ خلاف طبع مجبوراً کافی سال ڈاکٹروں کے زیر تسلط رہے، لیکن تقریباً ہر بار بندہ کی حاضری پر بندہ کے یونانی یا ہومیو علاج کے مشورہ پر ہمیشہ بدیں الفاظ جواب مرحمت فرماتے کہ ڈاکٹر جان چھوڑیں تو میں کوئی دوسرا علاج کروں۔ وفات سے دو دن قبل بندہ کے اصرار پر کراچی کے ایک یونانی حکیم کے تجویز کردہ نسخہ کے استعمال پر آمادگی ظاہر فرما دی، چنانچہ بندہ نے دوائی بیٹھک میں پہنچا کر طریقہ بتا دیا تو ایک ماہ کے استعمال پر وعدہ فرما لیا، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ ہم سنا کرتے تھے کہ آدمی جب بڑھاپے میں بھی کافی وقت گزار لے تو سفید بال دوبارہ کالے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ والد صاحبؒ کے ڈاڑھی مبارک کے بال بھی کافی سارے دوبارہ سیاہ ہو چکے تھے۔ وفات سے ایک دن قبل بندہ نے والد صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہی بالوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ہاں یہ بال سیاہ ہو چکے ہیں۔ بندہ کے استفسار پر کہ آپ نے کبھی ایسا آدمی دیکھا جس کے بال دوبارہ سیاہ ہو چکے ہوں تو سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفی میں ہاتھ کو حرکت دی کہ اس وقت ایسا آدمی ذہن میں نہیں ہے۔

اپنے معاصر علما و مشائخ میں عمدہ حافظے کی بنا پر خاص طور پر ممتاز تھے۔ عالم اسباب میں آخری مرض تک بلا ناغہ روزانہ خمیرہ گاؤزبان عنبری استعمال فرمانے کا دائمی معمول تھا جو کہ اپنی نگرانی میں سالہا سال تک گھر پر ہی تیار کرواتے تھے اور باطنی اور روحانی اسباب میں سے، جیسا کہ اہل علم امام شافعیؒ کے شعر 'فاوصانی الی ترك المعاصی' کے تحت جانتے ہی ہیں، ہمیشہ مصروفیات کی بنا پر معاصی اور فضولیات کی تو فرصت ہی نہ تھی اور نہ ہی ان کی ڈکشنری میں اس کا تصور تھا۔ باوجودیکہ والد صاحبؒ حافظ قرآن نہ تھے، لیکن اسی حافظے کی بدولت کالحافظ تھے۔ رمضان شریف میں کیا مجال ہے کہ کوئی حافظ یا قاری تراویح میں معمولی سی زیر زبر کی غلطی کر کے بچ نکلے۔ بلا تاخیر اس کو ٹوکتے یا سامع کو تنبیہ کرتے اور درستگی کے بعد آگے جانے دیتے۔ وفات سے چند ماہ قبل بندہ موجود تھا۔ برادرم قاری راشد صاحب سلمہ ربہ (جنھوں نے سالہا سال بڑی جفاکشی اور تن دہی سے والد صاحبؒ کی خدمت کی۔ مولا پاک ان کو دین دنیا آخرت میں ہم سب کی طرف سے خدمت کی بہترین جزائے خیر نصیب فرمائے) کو فرمایا کہ سامنے والی الماری کے درمیان والے خانے کی ساتویں نمبر کی کتاب لاؤ اور صفحہ ۶۰ کھولو اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو دو۔ انھوں نے صفحہ ۶۰ نکال کر کتاب بندہ کو تھما دی۔ والد صاحبؒ نے ایک روایت کے الفاظ سارے پڑھے اور فرمایا کہ الفاظ اسی طرح ہیں؟ بندہ نے عرض کی کہ اس صفحے پر ایسے کوئی الفاظ نہیں۔ بڑے تعجب سے فرمایا کہ یہ کسی اور خانے سے کتاب اٹھا لایا ہے، چنانچہ یہ بات درست ثابت ہوئی۔ وہ مطلوبہ کتاب نہیں لائے تھے۔ مطلوبہ کتاب لانے پر اسی کے صفحہ ۶۰ پر بعینہ وہی الفاظ نکلے جس کے آخری الفاظ بندہ کو بھی کسی قدر یاد ہیں: 'کان کفارة لما مضى من ذنوبه وموعظة له في ما يستقبل'۔

حافظے کا یہ حال سالہا سال کے فالج کی بیماری کے باوجود تھا۔ اسی سے زمانہ صحت کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

کوئی صاحب علم بندہ مجلس میں جب موجود ہوتا تو پے در پے علمی باتیں کرنے کے لیے بہانے تلاش فرماتے رہتے اور ضرور کسی نہ کسی رنگ میں علمی تذکرہ رہتا۔ شیخ الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی تقریر ٹیپ ریکارڈر پر چل رہی تھی۔ کسی حدیث کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ یہ حدیث کہیں نظر سے گزری ہے؟ بندہ نے عرض کی کہ ہاں، کنوز الحقائق میں بندہ نے دیکھی ہے۔ غلطی سے بندہ نے علامہ سخاویؒ کا نام لے لیا۔ برجستگی سے فرمایا کہ وہ علامہ مناویؒ کی ہے، نہ کہ علامہ سخاویؒ کی۔ حاصل کلام یہ کہ آخر عمر تک قوت حافظہ قابل رشک حد تک برقرار رہی۔

دقیق سے دقیق علمی مسائل پوچھنے پر بھی فوراً تسلی بخش جواب عنایت فرماتے یا حسب شخصیت کسی نہ کسی قدر روشنی ضرور ڈالتے۔ اگر جواب تفصیلی ہوتا یا سائل کی علمیت پر اعتماد ہوتا یا فرصت نہ ہوتی تو مسئلہ کے مظان ومراجع کی طرف رجوع کر کے خود دیکھ لینے کا فرماتے جس پر مسئلہ پوری تفصیل سے مع مالہا وماعلیہا انھی مظان میں مل جاتا۔ یہ سب صورتیں بندہ کے مشاہدہ کی ہیں۔ راقم الحروف علمی مسائل میں والد صاحبؒ کی تحقیق کی بجائے گزشتہ شخصیات کے بارے میں والد صاحبؒ کے تاثر جاننے کی ضرور کوشش کرتا رہتا۔ ایک بار حضرت شاہ ولی اللہؒ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بارے میں ان کا تاثر لینا چاہا تو فرمایا کہ تصوف میں امام ربانی کا مقام اونچا ہے اور علم میں شاہ صاحبؒ بہت آگے ہیں۔ ساتھ ہی فرمایا، امام ربانی علم میں اتنے محقق نہیں تھے۔ بندہ نے عرض کی کہ کون سی بات غیر تحقیقی انھوں نے فرمائی؟ فرمایا کہ حدیث غرانیق کا ذکر مکتوبات میں ایسے انداز سے کیا ہے۔ یہ مکالمہ اس وقت دلچسپ مباحثے کی شکل اختیار کر گیا جب بندہ نے کہا کہ اس کو تو حافظ الدنیا حافظ ابن حجرؒ نے بھی صحیح کہا ہے۔ حسب تکیہ کلام فرمایا کہ ایسے ہی مار رہے ہو، کہاں لکھا ہے؟ میں نے عرض کی کہ حافظ نے فتح الباری میں اس کی دو تین اسناد کو صحیح قرار دیا ہے۔ فرمایا کہ لا کر دکھاؤ کہاں ہے۔ بندہ دوسرے کمرے میں جا کر فتح الباری اٹھالایا اور کھول کر سامنے رکھ دی۔ والد صاحب اٹھ کر بیٹھ گئے (یہ واقعہ وفات سے بارہ تیرہ سال قبل کا ہے)۔ اس صفحے کا مطالعہ شروع فرمایا۔ بندہ نے روحانی طور پر دیکھا کہ والد صاحبؒ کا عالم امر کا ب سے بالا لطیفہ اخفی دوران مطالعہ متاثر ہونا شروع ہوا اور انوار حدیث کی بارش اس پر ہونے لگی، چنانچہ والد صاحب کی آنکھوں سے پانی تک بہہ نکلا۔ بعد از مطالعہ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ہاں، اس محمل کی گنجائش ہے۔ یاد رہے کہ لطیفہ اخفی بالطبع صفت علم سے مناسبت رکھتا ہے، اگرچہ اس وقت وارد ہونے والا فیض دو آتشہ تھا۔ الغرض مجلس شریفہ 'اے لقائے تو جواب ہر سوال' کا پورا پورا نمونہ تھی۔

اتباع شریعت وسنت نیز توقیر شریعت میں نہایت راسخ القدم تھے۔ قارئین فتویٰ اور تقویٰ کے فرق کو بخوبی جانتے ہوں گے۔ اپنی صحت کے زمانے میں تقریباً ہمیشہ شرع شریف کے اتقائی پہلو پر عامل رہے۔ مجھے بخوبی یاد ہے، میری عمر اس وقت بمشکل پندرہ سولہ سال ہوگی۔ برادر محترم شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ جمعیت کی سیاسی سرگرمیوں سے وابستگی کی بنا پر ان دنوں گھر سے اکثر غیر حاضر ہوتے تھے۔ عام گھرانوں میں، جیسا کہ معمول ہے، گھر کے افراد ایک دوسرے کی اشیا آپس کے انبساط ومودۃ کی بنا پر استعمال کرتے رہتے ہیں اور کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ میں نے بھی مولانا راشدی مدظلہ کی غیر حاضری میں ان کے پلاسٹک کے بوٹ برسات کے موسم کی وجہ سے پہن رکھے تھے۔ والد صاحبؒ نے دیکھ لیا اور

پوچھا کہ بوٹ کس کے ہیں؟ عرض کیا کہ بھائی جان کے ہیں۔ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تو نے اس سے پوچھا ہے؟ فوراً اتار کر اس کے کمرے میں رکھ اور اس کی آمد پر اس کو اطلاع کر۔ بصد شرمندگی بندہ نے اتار دیے۔ بھابھی صاحبہ نے بڑا اصرار کیا کہ پہن لو، کوئی بات نہیں، لیکن والد صاحبؒ کے خوف سے جرات نہ ہوئی اور بھائی جان کی آمد پر بتایا۔ بھائی جان مسکرا دیے۔

بظاہر چھوٹی سی بات ہے، لیکن چونکہ تقویٰ کی عکاس ہے، اس لیے بڑی ہے۔ گویا کہ عملاً مراسیل ابی داؤد میں موجود حدیث کی طرف راہ نمائی فرما دی: 'اذا تناول احدكم عن اخيه شيئاً' الحدیث۔

مدرسہ نصرۃ العلوم میں تدریس کے دوران والد صاحب اسباق سے فراغت کے فوراً بعد واپسی فرماتے تھے۔ایک دفعہ کسی تقریب کے سلسلے میں ٹھہرنا ہوا اور ظہر کی نماز مدرسہ میں ہی ادا فرمائی۔ نماز سے قبل انتظار صلوٰۃ کے لیے تشریف فرما تھے۔ ابوداؤد اور مسند احمد کی روایت کے مطابق منتظر الصلوٰۃ کو تشبیک (ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کرنے) کی ممانعت ہے۔ بندہ والد صاحبؒ سے کچھ ہی فاصلے پر پہلی صف میں موجود تھا۔ اچانک والد صاحبؒ نے بے توجہی سے تشبیک کر لی۔ بندہ نے جونہی دیکھا، چند سیکنڈ کے بعد فوراً تشبیک ختم فرمائی اور جلد ہی دائیں بائیں اس غرض سے دیکھا کہ کسی نے مجھے دیکھا تو نہیں، لیکن بندہ 'ولد الفقيه نصف الفقيه' کے تحت دیکھ چکا تھا۔ بدیں حالت تشبیک اگرچہ زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے، لیکن والد صاحبؒ نے تنبہ پر فوراً چند لمحوں میں ختم فرما دی۔ مستزاد بریں متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنا احساس عظمت شریعت کا پورا پورا غماز تھا۔ جس شخص کی نظر میں اتنی معمولی باتیں اتنی بڑی ہوں، اس سے بڑی خامیوں کی توقع سراسر فضولیات میں داخل ہوگی۔ واقعی آنحضرت جل سلطانہ کی عطا فرمودہ سند 'انما يخشى الله من عباده العلماء' کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ کاش کہ ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔

دور حاضر میں امت مرحومہ کی شاید سب سے بڑی خامی نماز میں خشوع وخضوع وتوجہ کا فقدان ہے اور شاید ہی کوئی عالم یا جاہل اس سے مستثنیٰ ہو۔ گویا کہ ہم سب

چلاسی قلب شاں بس سوے غیر است
اگرچہ رخ سوے محراب کردند

کا مکمل مصداق ہیں۔ مشائخ صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بھی شخص کی عظمت وبلندیٔ مرتبت کا مدار اس کی نماز کے خشوع وخضوع پر ہے۔ والد صاحبؒ کو حضرت حق جل مجدہ نے اس سے بھی بہرۂ وافر نصیب فرمایا تھا۔ اگرچہ لمبے چوڑے نوافل کی عادت شریفہ نہیں تھی، لیکن باقی نماز پوری دل جمعی اور حسن آداب سے ادا

فرماتے اوراس معاملے میں معمولی فروگزاشت بھی برداشت نہ فرماتے تھے۔خاص طور پر امامت کے بارے میں انتہائی احتیاط فرماتے تھے۔غالباً ۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے۔ابھی تک مدرسہ نصرۃ العلوم کی طرف سے گاڑی کا بندوبست نہیں ہوا تھا۔والد صاحبؒ عوام الناس کی طرح بذریعہ عام ٹرانسپورٹ اور پھر پیادہ مدرسہ تک تشریف لے جاتے تھے۔اتفاقاً ایک دن گکھڑ کی مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد اعلان فرمایا کہ پرسوں ظہر سے آج فجر سمیت جس نے میرے پیچھے جتنی نمازیں بھی پڑھی ہوں، براے مہربانی ان کی قضا کرلیں۔فرمایا کہ آج ظہر کا وضو کرتے ہوئے میرے بازو پر روغن کا رائی برابر نشان تھا جس کو میں نے دور کر دیا ہے۔بہت سوچ بچار کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ پرسوں بارش اور سڑکوں پر پانی زیادہ ہونے کی وجہ سے بندہ پیدل واپس آنے کی بجائے تانگے پر بیٹھ گیا تھا جس پر تازہ تازہ روغن ہوا تھا۔اغلب ہے کہ اس پر بیٹھنے کے دوران معمولی روغن میرے بازو پر بھی لگ چکا تھا،اس لیے سارے حضرات میرا وضو نہ ہو سکنے کی بنا پر اپنی نمازیں ضرور دہرالیں اور پھر کئی نمازوں کے بعد یہی اعلان فرماتے تھے۔

اس قحط التقویٰ کے دور میں ایسی مثال سعی بسیار کے بعد بھی شاید بمشکل مل سکے۔شاید نماز کی اسی حسن ادائیگی اور احتیاط کی بنا پر ایک متشرع سید صاحب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں نمازیں آپ کی اقتدار میں ادا کرنے کا فرمایا، چنانچہ وہ مستقل عرصہ دراز تک گکھڑ میں ہی رہایش پذیر ہو گئے تھے اور نمازیں حتی الوسع والد صاحبؒ کی اقتدا میں ادا کرتے تھے۔

اکابر علماے کرام خصوصاً علماے دیوبند رحمہم اللہ کے مسلک ومشرب میں انتہائی متصلب تھے۔کسی معمولی لچک کے بھی روادار نہ تھے۔اسلاف پر اعتماد اور حسن عقیدت مثالی تھی۔فرمایا کرتے تھے کہ ساری زندگی کے تجربات ومشاہدات کا حاصل اور نچوڑ یہ ہے کہ ہمارے اکابر نے دین کے سمجھنے سمجھانے میں جو موقف اپنایا، وہ حرف آخر ہے۔خود بھی اسی موقف پر کاربند رہے اور ہر سال خاص طور پر دورۂ حدیث کے فضلا کو یہی نصیحت فرماتے رہے کہ ہر لحاظ سے اکابر سے وابستہ رہنا اور تفرد سے دور رہنا۔خود بھی ساری عمر دین کے مختلف محاذوں پر اکابر کی مکمل ترجمانی فرماتے رہے۔دنیاوی تعلیم اگرچہ بمشکل پرائمری سطح کی تھی، لیکن تحریر کافی اعلیٰ تھی۔اردو ادب میں پایہ کافی بلند تھا۔تحریر اگرچہ عام طور پر شستہ، سہل اور شگفتگی لیے ہوتی تھی، لیکن کبھی سہل ممتنع کی نوبت بھی آتی اور بعض اوقات مسئلہ کی نزاکت اور مخاطب کے انداز وتیور کے بموجب جارحانہ بھی ہوتی تھی، اگرچہ اس میں بھی مزاحی پہلو نمایاں رہتا تھا۔بحث کے تمام پہلوؤں پر قوت استدلال کی وجہ سے مکمل حاوی رہتے تھے اور بعض اوقات استنباط تخریج بعید کی بنا پر 'ہزار نکتہ باریک تر زمو ایں جا است' کا نمونہ پیش کرتا تھا۔

قارئین کرام نے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول سنا ہوگا: طرق الوصول الی اللہ تعالیٰ بعدد الانفاس ، کہ آنحضرت جل سلطانہ تک پہنچنے کے راستے بے شمار ہیں، لیکن بڑے بڑے راستے تین ہیں:

(۱) راہ اجتباء یعنی براہ راست کمالات نبوت تک پہنچانے والا راستہ جس میں توسط کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات اسی راستہ سے واصل بحق ہوتے ہیں۔

(۲) راہ جذب جس میں کمالات ولایت تک وصول براستہ جذب ہوتا ہے۔ تمام محبوب ومراد اولیاے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسی راستہ سے حسب استعداد واصل بحق ہوتے ہیں۔

۳۔ راہ سلوک جس میں کمالات ولایت تک وصول براستہ سلوک ہوتا ہے۔ تمام عاشق ومرید اولیاے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسی راستہ سے حسب استعداد واصل بحق ہوتے ہیں۔

لیکن بہت کم قارئین کو معلوم ہوگا کہ ایک چوتھا راستہ سلوک براہ علم بھی ہوتا ہے۔ وہ اگر چہ متقدمین اکابر میں شائع وذائع تھا، لیکن عرصہ سے غیر متعارف ہو چکا ہے، اگر چہ یہ راستہ بھی کھلا ہے۔ والد صاحبؒ بھی اسی راستے سے واصل تھے۔ اس راستے کی شرائط میں سے فنا فی العلم ہونا، علوم شرعیہ کو اوڑھنا بچھونا بنا لینا اور ہر وقت اسی میں منہمک رہنا، شرع شریف کی مکمل تعظیم کرنا، سلیم الفطرت ہونا، کامل العقل ہونا اور خاص طور پر کبائر اور فضولیات سے مکمل اجتناب رکھنا۔ چنانچہ ایسا شخص جس میں مندرجہ بالا شرائط پائی جاتی ہوں، اس پر ان علوم شرعیہ کی تعلیم وتعلیم ومطالعہ کے دوران علوم شرعیہ کے انوار اسی طرح موسلا دھار بارش کی طرح برستے ہیں جیسے ذاکرین پر ذکر کے انوار۔ 'ونور اللہ لا یعطی لعاص' سب نے سنا ہوگا۔ انوار خواہ علم کے ہوں یا ذکر کے، سالک کو ترقی بخشتے ہیں، البتہ ایسے اہل علم جو اگر چہ علوم شرعیہ میں مشغول ہوں لیکن مندرجہ بالا شرائط کے حامل نہ ہوں، ان کو اس اعزاز سے ہاتھ دھو لینا چاہیے۔

بر سر طورِ ہویٰ طنبور شہوت می زنی
عشق مردِ لن ترانی را بدیں خواری مجو

چنانچہ اسی سلوک براستہ علم کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے خواجہ نقشبندؒ کا قول اپنے دور کے عالم حقانی کے بارے میں ہے: ''(غالباً) مولانا زین الدین تائبادیؒ کا سلوک براستہ علم واقع ہوا ہے۔'' راقم الحروف کہتا ہے کہ اگر چہ انوار علم اور انوار ذکر کے نتائج وثمرات میں بڑا بھاری فرق ہے، لیکن محض انوار علم بھی بشرائط سلوک واجبی کے قطع کے لیے کافی ووافی ہیں۔ اس دور میں سلوک براستہ علم کے لحاظ سے ہمارے والد صاحبؒ اس لائن کی منفرد شخصیت تھے۔ یقیناً اور حضرات بھی ہوں گے، لیکن مجھ کم نصیب کی نظر سے نہیں گزرے۔ بندہ نے اگر والد صاحبؒ کا سلوک براستہ علم نہ دیکھا ہوتا تو اس راستہ کا عملی نمونہ بندہ کے علم میں نہ

ہوتا۔ محض متقدمین اکابر کے بارے میں ایک سنی سنائی بات ہوتی۔ 'شنیدہ کے بود مانند دیدہ'۔ ایسے اہل علم جو باوجود علوم شرعیہ کی تعلیم و تعلم کے اور وسعت مطالعہ کے علوم سے تاثر پزیر نہ ہوں اور قطع سلوک کی دولت سے بہرہ ور نہ ہوں، شیخ سعدی شیرازیؒ کے صرف ایک ہی مصرعہ نے ان کی حقیقت بخوبی آشکارا کی ہے: 'علمے کہ راہ حق نماید جہالت است'۔ یہ راستہ اگرچہ ہر طرح سے بے غبار ہے، لیکن افسوس کہ فی زمانہ غیر مسلوک ہے جس کی بنا پر کالمتروک ہے۔

آنحضرت جل سلطانہ کی خلاقی اور کمال قدرت کا کرشمہ سمجھیے کہ ایک ہی والدین کی اولاد، ایک ہی گھر اور ماحول میں پلنے بڑھنے والے دو بھائی، ایک ہی مدارس اور استادوں سے تعلیم پانے والے دو طالب علم جب کامل ہو جاتے ہیں تو طبعاً ایک دوسرے کے بالکل متضاد بلکہ بعد المشرقین کی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ فسبحان من جمع بین المشرق والمغرب۔ حضرت صوفی صاحبؒ باوجود انتہائی محقق عالم ہونے کے اپنی وضع قطع اور بود و باش میں ٹھیٹھ صوفی تھے۔ عرصہ دراز تک مدرسہ کے گیٹ سے بھی باہر تشریف نہ لے جاتے تھے۔ طبع شریف عضلاتی ہونے کی بنا پر نیز مراقباتی اور مشاہداتی کیفیات میں مستغرق ہونے کی وجہ سے گردوپیش سے صرف نظر رکھتے تھے، حتیٰ کہ آرام فرما بھی ہوتے تو گردوپیش میں بچے جتنا شور و شغب بھی کرتے، مطلقاً متاثر نہ ہوتے بلکہ اپنی کیفیات میں مستغرق رہتے۔ ۱۹۸۴ء کا واقعہ ہے، گرمی کے موسم کی ابتدا تھی۔ حضرت صوفی صاحبؒ حسب معمول بعد از عشا گھر کے دروازے کے سامنے چارپائی پر بظاہر آرام فرما تھے جبکہ حقیقتاً مشاہداتی کیفیات میں مستغرق۔ بندہ صوفی صاحب کے گھر والوں سمیت تیسری منزل پر خوش گپیوں میں اچھی خاصی آوازوں میں مصروف تھے۔ چھوٹے بچے بھاگ دوڑ میں مشغول، لیکن صوفی صاحب باوجود ہر طرح کے شور کے اپنے مراقبے میں مستغرق تھے۔ دفعتاً کسی قوی وارد یا تجلی کی بنا پر تحمل نہ کر سکنے کی وجہ سے صوفی صاحبؒ نے بڑی خوف ناک آواز سے بآواز بلند بلکہ بہت بلند تین چار بار اللہ اللہ کہا۔ بندہ نے اور صاحبزادہ حاجی فیاض صاحب مہتمم مدرسہ نے پہلے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو دوبارہ ویسی ہی آواز نکالی۔ دفعتاً ہم دونوں نے نیچے کی طرف دوڑ لگائی تو صوفی صاحبؒ کو پسینے میں شرابور پایا۔ اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش میں تھے۔ بندہ نے دایاں ہاتھ اور صاحبزادہ صاحب نے بایاں ہاتھ پکڑ کر بٹھایا اور پوچھا کہ کوئی تکلیف ہے؟ بندہ کو اگرچہ تصوف میں داخل ہوئے چند سال ہو چکے تھے اور کسی قدر ان واردات سے واقفیت بھی تھی، دک وفک چونکہ تجلیات کے لوازمات میں سے ہے، خواہ کوئی بڑا ہو یا نسبتاً چھوٹا، سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوہ زبیر پر پڑنے والی معمولی تجلی سے بے ہوش ہو جانا نص قطعی سے ثابت ہے۔ 'موسیٰ زہوش رفت

بہ یک پرتو صفات' تو سب نے سنا ہی ہوگا۔ صوفی صاحبؒ نے جواب میں بڑی صفائی سے معاملے کو راز رکھتے ہوئے فرمایا کہ پانی لاؤ۔ پانی لایا گیا۔ آدھا گلاس پانی پی کر فرمایا کہ چلے جاؤ، میں ٹھیک ہوں۔ بندہ اگرچہ کسی قدر سمجھ تو گیا لیکن صوفی صاحب نے بزبان حال فرماتے ہوئے ہمیں بھیج دیا:

تا نگردی آشنا زیں پردہ بوئے نشنوی

گوش نامحرم نباشد جائے پیغام سروش

جبکہ والد صاحبؒ وضع قطع عالمانہ اور رندانہ رکھنے کی بنا پر صوفیانہ نزاکتوں اور اداؤں سے کوسوں دور تھے۔ خورد بینی عینک سے کوئی صوفیانہ ادنیٰ جھلک بھی تلاش کرنے کی کوشش کرتا تو یکسر ناکام رہتا۔ طبع شریف اعصابی رکھنے کی وجہ سے بیدار مغز اور گردوپیش سے پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ جب آرام فرما ہوتے تو گرد وپیش میں قریب تو کسی شوروشغب کا ذکر تو بڑی دور کی بات ہے، دور کے کمروں میں باوجود دروازوں کے بند ہونے کے معمولی آواز سے بات کرنا بڑا مشکل ہوتا تھا۔ چنانچہ دونوں بھائی اپنی انھی صفات کی بنا پر اکابر علما ومشائخ میں رجحان بھی اپنی ہی جیسی شخصیات کی طرف رکھتے تھے، اگرچہ قدر وادب سب کا ہی کرتے تھے۔ سچ ہے:

ہر گلے را رنگ وبوے دیگر است

والد صاحب کے طرز بیعت کو سمجھنے سے قبل قارئین کرام کو بیعت کی اقسام بتاتا چلوں تاکہ علیٰ وجہ البصیرۃ اس پر روشنی پڑ سکے۔ امت کے علما ومشائخ کے ہاں نیز شرع شریف میں اگرچہ بیعت کی کافی اقسام کا ذکر ملتا ہے، لیکن بیعت کی اقسام پانچ مشہور ہیں۔

(۱) بیعت تبرک: عام طور پر ایسے مسلمان جو ضعیف الاستعداد ہوں، مادیت کی طرف رجحان رکھتے ہوں، ریاضت وروحانیت کے چنداں خواہاں نہ ہوں، لیکن مشائخ سے اعتقاد رکھتے ہوں اور ان کی اور ان کے سلسلے کی برکات سے مستفید ہونا چاہتے ہوں تو ایسے حضرات کو مشائخ بیعت تبرک سے بہرہ ور فرماتے ہیں، چنانچہ وہ مشائخ کی دعاؤں اور توجہات کی برکت سے دین اور اہل دین سے کسی نہ کسی قدر منسلک رہتے ہیں اور اس ضمن میں دعاؤں کی برکت سے بہت سے مادی فوائد بھی حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح مشائخ اپنے خاص معتقدین کے چھوٹے بچوں کو بھی بیعت تبرک سے نوازتے ہیں تاکہ اطفال مشائخ کے زیر سایہ پروان چڑھیں۔

(۲) بیعت شریعت وارشاد: اس کو بیعت علما بھی کہتے ہیں۔ ایسے علماء کرام جو صاحب علم وتقویٰ ہوں،

سمجھ دار عوام کو عموماً اور اپنے اہل علم شاگردوں کو خصوصاً بیعت ارشاد میں داخل فرماتے ہیں جس میں شریعت وسنت کی اتباع اور توحید پر استقامت کا سبق دیا جاتا ہے۔ موقع بموقع اور زندگی کے مختلف موڑوں پر ایسے مریدین کی امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے راہنمائی کی جاتی ہے۔ ایسے مریدین جو سلیم الفطرت اور کامل العقل ہوں، فطرتاً گناہوں سے مجتنب ہوں یا بتقاضائے عقل نفس کی خواہشات کو پامال کر کے شرع شریف کو مدنظر رکھتے ہوں، اس بیعت سے مستفیض ہو سکتے ہیں، ورنہ دوسرے لوگوں کے لیے یہ بیعت بھی عملاً تبرک میں داخل ہے۔

(۳) بیعت طریقت واصلاح: یہی بیعت پیران طریقت کے ہاں عرصہ سے معمول بہا ہے جس میں لطائف عشرہ پر بکثرت ذکر اسم ذات یا نفی اثبات کے مختلف طریقوں اور ضربوں کے ساتھ تصفیہ وتزکیہ کرا کے سالک کی اصلاح کی جاتی ہے اور خصوصاً سالک کی باطنی خامیوں کا ازالہ کرایا جاتا ہے، ان خامیوں کی بجائے خوبیوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ تصفیہ وتزکیہ یا تخلیہ وتحلیہ یا فنائے رزائل وبقائے خصائل یا ظاہراً وباطناً شرع شریف کے مطابق سالک کی پوری پوری اصلاح کر کے اس کو مومن کامل بنانا اس کے لوازمات میں سے ہے۔ دعاؤں کا بکثرت قبول ہونا، نیک لوگوں کی نظروں میں باوقعت ہونا اور حضرت حق جل مجدہ کا ایسے کی ضروریات اور رزق کا متکفل ہو جانا اس کے آثار میں سے ہے۔ اس کو سیر ملکوت، سیر عالم امر، ولایت ایمانی یا ولایت عامہ بھی کہتے ہیں۔ بیعت کی ان دونوں قسموں کے لوازمات کسبی ہیں اور شرعاً ان کا مکلّف ہے۔ ایسا آدمی اگرچہ ظاہری وباطنی پوری پوری اصلاح رکھتا ہے، لیکن مقام فنا فی اللہ سے محروم ہے، اس لیے مشائخ صوفیاؒ کے ہاں ولی نہیں ہے بلکہ مومن کامل ہے۔

فرشتہ گرچہ دارد قرب درگاہ
نگنجد در مقام لی مع اللہ

(۴) بیعت معرفت وبیعت صوفیا: اگر سالک کی روحانی استعداد بہت اونچی ہو تو ایسا سالک بیعت معرفت سے ممتاز ہوتا ہے جس میں سالک کی سیر اگر دائرۂ امکان سے بالا ظلال اسماء وصفات میں شروع ہو جائے اور آنحضرت جل سلطانہ کی تجلیات افعالیہ کا مورد ومہبط بن جائے اور اس تجلی میں سالک کے قلب کو فنا وبقا حاصل ہو جائے اور تمام مخلوقات کو ریموٹ کنٹرولڈ پائے تو سالک صوفیت اور ولایت خاصہ کے ادنیٰ مقام سے مشرف ہو جاتا ہے اور سالک کا علم حصولی بالکل زائل ہو جاتا ہے۔ اسی کو ولایت صغریٰ، ولایت خاصہ، ولایت ظلی، ولایت عرفانی اور سیر برزخی کہا جاتا ہے۔ مقام محاضرۃ سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔۔ سالک کی نظر سے افعال مخلوقات کا ساقط ہو کر مخلوقات کا ریموٹ کنٹرولڈ ہو جانا، رضا بالقضا سے مشرف ہونا، علم حصولی کا

زائل ہونا، اور قلب میں باوجود ہزار کوششوں کے ایک سیکنڈ کے لیے بھی غیر اللہ کا گزر نہ ہونا اور قلب کا دنیا کی کسی بڑی سے بڑی خوشی سے خوش نہ ہونا اور بڑے سے بڑے غم سے غمگیں نہ ہونا اس مقام کے لوازمات سے اور کشف قبور، کشف صدور، کشف ارواح، کشف وقائع آئندہ اور کسی قدر کرامات کا ظہور اس کے آثار میں سے ہے۔

محو ہیں اپنی جگہ آسودگان کوے دوست
آرزوئیں دل میں دل آنکھوں میں آنکھیں سوے دوست

اور اگر سالک اس سے بھی اونچی استعداد رکھتا ہو اور مقام صفات تک عروج کر جائے، حضرت حق جل مجدہ کی تجلیات صفاتیہ کا مورد ہو جائے، اس تجلی میں سالک کے نفس کو فنا وبقا حاصل ہو جائے، اس کا علم حضوری بھی زائل ہو جائے، اپنے آپ کو اور مخلوقات کو مظاہر صفات حق پائے اور بروایت بخاری شریف مقام 'بی یسمع وبی یبصر' سے مشرف ہو جائے تو صوفیت کے مقام سے مشرف ہو جاتا ہے۔ اسی کو ولایت کبریٰ، ولایت انبیا، ولایت احسانی، ولایت اصلی، سیر جبروت، مقام مکاشفہ اور قرب نوافل کہا جاتا ہے۔ ع

من برنگ یار گشتم یار رنگ من گرفت

ابتداءً توحید وجودی اور بالآخر توحید شہودی سے متصف ہونا، نفس کا فنافی اللہ ہو کر مطمئنہ ہونا نیز علم حضوری کا گم کر دینا اس کے لوازمات سے اور کرامات وتصرفات کا پے در پے صدور اس کے آثار سے ہے۔ اکابر اولیاے امت کا مقام ہے۔ ؎

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم
غزالی، رومی وعطار ہم مست

لگے ہاتھوں یہ غلط فہمی بھی دور کرتا چلوں کہ اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ معرفت دقیق علمی باتوں اور موشگافیوں کا نام ہے۔ حاشا وکلا ثم حاشا وکلا۔ معرفت مشائخ صوفیا کے ہاں فنافی اللہ سے عبارت ہے اور بس۔ اگرچہ اس فنا کے بعد بہت سے اسرار پر مطلع ہو کر اظہار دقائق واسرار لوازمات سے ہے۔ اسی کو بیعت صوفیاء بھی کہا جاتا ہے اور مشائخ صوفیاء کے ہاں بیعت کا مقصد کم از کم انھی دونوں ولایتوں کا حاصل کرنا ہوتا تھا، کیونکہ شریعت کی روح اخلاص کا حصول عالم اسباب میں اسی معرفت پر وابستہ ہے۔ ولایت ظلی سے مشرف ہونے کے بعد سالک مخلِص (بکسر اللام) اور ولایت اصلی سے مشرف ہونے پر مخلَص (بفتح

السلام) ہو جاتا ہے اور مناصب صوفیاء ابدال، نجباء، نقباء، غوث، قطب وفرد وغیرہ کا مدار بھی اسی معرفت پر ہے، نہ کہ عوام الناس کی طرح ہر راہ گیر کو ان مناصب پر فائز کر دیا جاتا ہے۔

خدا زاں خرقہ بیزار است صد بار
کہ صد بت باشدش در آستینے

(۵) بیعت حقیقت: اسی کو بیعت انبیاء علیہم السلام بھی کہا جاتا ہے۔ اگر سالک مقامات قرب کی پوری پوری استعداد رکھتا ہو جیسے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات میں ہوتی ہے یا ان کے اکابر اصحاب میں ہوتی ہے یا امت کے چند گنے چنے اکابر میں ہوتی ہے، وہ اس مقام سے ممتاز ہوتے ہیں جس میں تجلی ذاتی دائمی سے سالک بہرہ ور ہو جاتا ہے، لطائف ستہ کی فنا و بقا کے ساتھ ساتھ عناصر اربعہ کے تزکیہ واعتدال سے بھی حظ وافر حاصل کر لیتا ہے اور آنحضرت جل سلطانہ کا پورا پورا معتمد ہو جاتا ہے اور انتہائی آخری قرب حق حاصل کر لیتا ہے۔ کمالات ثلاثہ، حقائق انبیا وحقائق الٰہیہ سے متحقق ہو جانا، حقائق شرع سے متحقق ہونے کی بنا پر شرع کے بدیہی الیقین ہونے کا شرح صدر ہو جانا، براہ راست حضرت حق جل مجدہ سے مستفیض ہونا، مقام عبدیت سے مشرف ہونے کی بنا پر ہمہ تن بندہ بن کر رہنا اس کے لوازمات میں سے ہے۔ مقام مشاہدہ ومعاینہ وقرب فرائض وسیر لاہوت اسی کو کہتے ہیں۔ شرع شریف کے تمام پہلووں شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت، سیاست کا علمی وعملی طور پر جامع ہونا، ترویج شریعت میں علماً واصلاحاً وجہاداً ہمہ تن کوشاں رہنا، رائج الوقت باطل سیاسی نظام کا اس کی کوشش سے مکمل درہم برہم ہو جانا، شرعی سیاسی نظام کا رائج ہو جانا، اس کے ہشت پہلو اصلاحی آثار کا دیرپا اور ہمہ گیر ہونا، وجود کا نفس الامری جنتی ہو جانا اور کاتب شمال کو نہ پانا، غرضیکہ 'آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری' کا مکمل مصداق ہو جانا اس کے آثار میں سے ہے۔ معرفت وحقیقت کے تمام مقام وہی ہیں۔

لبت شکر بمستاں داد وچشمت مے بے خواراں
منم کز غایت حرماں نہ با آنم نہ با اینم

بیعت کی ان تمہیدی اقسام کے بعد عرض ہے کہ والد محترمؒ امام الموحدین، راس المفسرین، شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علیؒ سے بیعت ومستفیض تھے جو کہ براہ راست خواجہ عثمان دامانیؒ کے خلیفہ اجل تھے۔ خواجہ عثمانی دامانیؒ کے دست مبارک سے تحریر فرمودہ خلافت نامہ جو مولانا حسین علیؒ کو بوقت خلافت عنایت فرمایا، راقم الحروف کو خود دیکھنے کی سعادت حاصل ہے جو کہ سوا سو سال پہلے کا تحریر فرمودہ ہے۔ جیسا کہ بندہ نے قبل ازیں عرض کی، والد صاحب کا سلوک براستہ علم طے شدہ تھا۔ سلوک متعارف سے بالکل طبعی مناسبت نہ تھی۔ فنافی

العلم ہونے کی بنا پر شریعت وارشاد پر اکتفا فرماتے تھے۔ استقامت علی التوحید، اتباع شریعت وسنت کے سبق کے ساتھ تبلیغی اوراد ثلاثہ کی اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ اصلاح لطائف بطریقہ معروفہ، ذکر اسم ذات، نفی اثبات مروج یا اسباق سلوک متعارف کی طرف قطعاً رجحان نہ تھا۔ بیعت شریعت اور باقی تینوں بیعتوں کے لوازم وآثار میں فرق ذکر ہو چکا ہے جن کو یہاں دہرانا فضولیات میں داخل ہوگا۔ ع

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی

من نیز حاضر بودم
چوں رفت او سوے بقا

راقم الحروف پر حضرت حق جل مجدہ کی خصوصی عنایت یہ ہوئی کہ حضرات شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کی وفات کے وقت بندہ گھر میں تھا۔ حضرت صوفی صاحبؒ کی وفات سے دو روز قبل بندہ والد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ عین وفات کے دن بندہ اکیلا ہی والد صاحبؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ والد صاحبؒ کی خاص خادمہ ہماری بھانجی باہر سے آئی اور میرے کان میں آہستہ سے کہا کہ صوفی صاحبؒ وفات پا گئے ہیں، ابا جی کو بتانا ہے یا نہیں؟ والد صاحبؒ نے اس کو میرے کان میں بات کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا، لیکن خاموش رہے۔ بھانجی جلدی سے واپس چلی گئی۔ برادرم قاری راشد صاحب سلمہ ربہ آپہنچے اور میری طرف دیکھتے ہوئے اشارہ سے لائحہ عمل پوچھا تو ہم نے حسب روایت دنیا تمہیدی طور پر صوفی صاحبؒ کی حالت کی نزاکت کا ذکر کیا۔ والد صاحبؒ نے دعا کے انداز میں دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے فرمایا، اللہ خیر کرے۔ چند منٹ کے توقف سے وفات کی خبر ناگزیر ہونے کی بنا پر بتانا پڑا کہ صوفی صاحب وفات پا گئے ہیں تو خاص لہجے میں حسب عادت فرمایا کہ صوفی؟ عرض کی جی ہاں تو تین بار بآواز بلند ترجیع فرمائی۔ والد صاحب کو جنازے پر لے جانے کے لیے بندہ نے اپنی گاڑی پیش کی اور خود بندہ کسی اور ذریعے سے حاضر ہوا۔ آنحضرت جل سلطانہ غریق رحمت فرمائیں، حضرت صوفی صاحبؒ ایک جامع الصفات شخصیت تھے اور کافی وجوہ سے اپنے اقران میں ممتاز تھے، خاص کر تصوف کو علمی طور پر سمجھنے اور تصوف کی تصنیفی خدمات کے حوالے سے ازبس منفرد تھے۔

لائی حیات آئے، قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اسی طرح والد صاحبؒ کی وفات سے دو تین روز قبل حضرت حق جل مجدہ نے مجھ کم نصیب کو پہنچایا۔ حیات

مبارکہ کے آخری تین سالوں میں بندہ جب حاضر ہوتا، والد صاحبؒ سلام لیتے وقت ہاتھ پکڑ کر ضرور چومتے اور بوقت رخصت ہاتھ دیر تک تھامے رکھتے اور ٹکٹکی باندھ کر چہرہ کو دیکھتے رہتے جس سے آخری ملاقات کا خدشہ ذہن پر چھا جاتا۔ والد صاحبؒ نے بایں علم و فضل آخر عمر میں ایک لمبا عرصہ بیماری کی وجہ سے چارپائی پر گزارا۔ اس کے پیچھے کیا تشریعی و تکوینی راز تھے، آنحضرت جل سلطانہ ہی بہتر جانتے ہیں۔ کاش کہ حضرت حق مجھے اپنے معاملات کے اسباب اور رازوں کا علم بخشیں۔

ہر کس نشناسندۂ راز ست وگرنہ

ایں ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام است!

ان آخری دو دنوں میں بندہ نے دو حوالوں سے والد صاحبؒ سے تفصیلی گفتگو بار بار کی۔ ڈاکٹر مکوسی کے فلسفہ صحت کے مطابق بندہ نے عرض کی کہ جسمانی صحت کے لیے ذہنی صحت اور دماغ کا فریش ہونا ضروری ہے۔ اچھا بھلا صحت مند آدمی بھی ایک کمرے میں چند دن پڑا رہنے سے بیمار ہو جاتا ہے، چہ جائیکہ پہلے سے بیمار ہو۔ اس لیے آپ برائے مہربانی صبح شام کرسی پر کم از کم تھوڑی دیر کے لیے گھر کے صحن میں اور موسم خاطر خواہ ہونے پر گلی اور قریبی ہمسایوں کے پارک میں تشریف لے جایا کریں اور مہینہ میں ایک بار کسی دوسرے شہر بھی سیر و تفریح کے لیے تشریف لے جایا کریں۔ آپ کے ساتھ ساتھ خدام کا ذہن بھی فریش رہے گا۔ بندہ کے اصرار پر رضامندی ظاہر فرمائی کہ ٹھیک ہے، ایسا ہی کروں گا۔ ساتھ ہی بندہ نے عرض کی کہ عرصہ دراز سے آپ انگریزی علاج کرا رہے ہیں، نتائج آپ کے سامنے ہیں۔ صرف چند دن کے لیے یونانی علاج کرا کے دیکھیں۔ چنانچہ رضامندی ظاہر فرمانے پر کراچی والے حکیم صاحب کی دوائی کمرے میں پہنچانے کا ذکر بندہ کر چکا ہے، اور ساتھ ہی اعصابی اشیا سے پرہیز کا بندہ نے عندیہ دیا۔ اس کے برعکس عضلاتی و غدی انڈا شہد وغیرہ استعمال کرنے کی عرض کی، چنانچہ پرہیز شروع فرما دی۔ دوسرے دن بندہ ابھی آرام کر رہا تھا کہ بھانجی آئی اور کہا کہ ابا جان کہہ رہے ہیں، تمہارے کہنے پر انڈا استعمال کرنے لگا ہوں، لیکن اس سے قبض ہو جاتی ہے، کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ بندہ نے عرض کی کہ ایک وقت انڈا اور دوسرے وقت شہد کا استعمال فرمائیں۔ شہد قبض کشا ہے، ان شاء اللہ دونوں ٹھیک رہیں گے۔

بوقت حاضری اپنی صحت کے بارے میں مجھ کم نصیب سے ضرور رائے لیتے۔ اس دفعہ صاف الفاظ میں دونوں دن فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ میں دوبارہ کبھی اٹھ کر چل پھر سکوں گا؟ یہ سن کر بندہ کا دل بھر آیا۔ عرض کی کہ مولا پاک آپ کو صحت دیں، حکیم صاحب کی دوائی صرف ایک ماہ پابندی سے استعمال فرما لیں، ان شاء اللہ ضرور چلنا پھرنا ہوگا۔ دوسرے دن بھانجی کو بھیج کر بلایا اور فرمایا کہ تمہارا کیا پروگرام ہے؟ بندہ نے عرض کی کہ

فی الحال ادھر ہی ہوں۔ ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ بہتر ہے۔

آخری رات پورے بارہ بجے کے قریب بندہ بستر پر لیٹا ہی تھا، غالباً ابھی آنکھ بھی نہیں لگی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ بندہ نے پوچھا کہ کون ہے، کیا بات ہے؟ بھانجی بولی کہ اباجی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جبکہ دو دن سے بندہ کی موجودگی میں کوئی تشویش ناک بات نہیں تھی۔ چنانچہ بندہ فوراً کمرے میں پہنچا۔ ہمشیرہ اپنی بچی سمیت، عزیزم شاہد وراشد اپنی اہلیہ سمیت موجود تھے۔ والد صاحبؒ خون کی قے کسی قدر کر چکے تھے اور متلی جاری تھی۔ بندہ نے نبض دیکھی، جسم مبارک کافی زیادہ ٹھنڈا ہو رہا تھا، چنانچہ سب نے ہاتھ پاؤں کی مالش شروع کی۔ دایاں دست مبارک مجھ کم نصیب کے ہاتھ میں تھا اور مکمل خاموش تھے۔ خیال ہوا کہ شاید بلڈ لو ہونے کی وجہ سے جسم ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ نیم گرم پانی میں شہد حل کر کے پلانے کی کوشش کی لیکن دہن مبارک نے قبول نہ کیا۔ بلڈ چیک کیا، وہ بھی تقریباً درست تھا۔ گکھڑ کے چند ڈاکٹروں سے فون پر اور گھر کے دروازوں پر دستک دے کر رابطہ کی کوشش کی، لیکن ہر طرف سے سعی لا حاصل ثابت ہوئی۔

اسی اثنا میں چند لمحوں کے لیے محسوس ہوا کہ صحت بحال ہونی شروع ہوئی ہے، چنانچہ دوبارہ لٹا دیا گیا۔ مکمل خاموش رہنے کے باوجود آنکھیں وقفوں سے کھولتے اور بند فرماتے رہے۔ لٹا دینے پر آنکھیں دو تین بار چھت کی طرف لگائے رکھیں، پھر بند فرمالیں۔ عزیزم راشد خادم خاص ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے فون پر بار بار رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، لیکن بے سود۔ پھر خادم خاص حاجی لقمان صاحب کا فون ملا اور انھوں نے چند منٹ تک ڈاکٹر صاحب کو لے کر پہنچنے کی اطلاع دی۔ اسی دوران مکمل بے حسی کے عالم میں والد صاحب نے دایاں ہاتھ کافی تیزی اور پھرتی سے للکارنے کے انداز میں اٹھایا اور تین چار بار بآواز بلند کوئی لفظ بولا جو کہ فالج کی وجہ سے بخوبی سمجھ نہ آسکا۔ حاضرین نے سمجھا کہ شاید ہمشیرہ کو یا بھانجی کو آواز دی ہے، لیکن ظن غالب ہے کہ بازو کے اٹھانے کے ساتھ لفظ اللہ چند بار کہا۔ اسی آواز کی وجہ سے ہم نے سمجھا کہ صحت کسی قدر ہوش کی طرف آ رہی ہے۔ دوبارہ تکیہ لگا کر بٹھا دیا اور نبض ہاتھوں میں رہی۔ ایک دو بار اسی دوران آنکھیں عجیب انداز میں کھولیں اور پھر بند فرمالیں۔ تکلیف کے بارے میں پوچھا۔ اس کے جواب میں بھی معمولی الفاظ سے بولے۔ آنحضرت جل سلطانہ نے اپنی ارحم الراحمینی کا مظاہرہ فرمایا کہ اس تمام عمل میں کسی قسم کی جزع فزع، بے چینی، تکلیف کا اظہار والد صاحبؒ نے نہیں فرمایا۔ مکمل خاموشی اور چند بار قے کے بعد متلی کا احساس ہوا۔ چنانچہ اسی تکیے کی ٹیک کے دوران سانس چند منٹ آہستہ آہستہ آتے رہے، پھر ایک آدھ منٹ سانس کسی قدر معمولی تیز ہوئے اور پھر ہچکی کے ساتھ آخری سانس لیا اور جان شہنشاہ مطلق کے حوالے فرمادی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بھائیوں میں سے بڑا اس وقت یہ کم نصیب ہی پاس تھا۔اس آخری سانس کے انداز سے سب حرکت میں آ گئے اور دوبارہ لٹا دیا گیا۔ بندہ نے نبض دیکھی تو بالکل ساقط ہو چکی تھی۔عزیزم شاہد وراشد نے اسٹیتھو اسکوپ سے باری باری چیک کیا،لیکن بے سود۔اتنی دیر تک مقامی ڈاکٹر صاحب پہنچے۔انھوں نے بھی حرکت قلب اور نبض چیک کی اور پھر مصنوعی تنفس جاری کرنے کی کوشش کی، پھر سعی بے سود کے بعد غم کے عالم میں ایک طرف ہو گئے،لیکن زبان کچھ کہنے کے لیے ساتھ نہیں دے رہی تھی۔مجبوراً سر کا سہارا لیتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔اسی دوران خدام خاص ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب مع حاجی لقمان صاحب تشریف لے آئے۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی اترے ہوئے چہروں سے صورت حال کی نزاکت کو بھانپ گئے۔آتے ہی نبض چیک کی۔اسٹیتھو اسکوپ سے حرکت قلب معلوم کرنے کی کوشش کی،لیکن 'حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد' کی بنا پر تقریباً لڑکھڑاتے ہوئے ایک طرف ہو گئے۔جو ڈاکٹر صاحب روزانہ معالج خاص ہونے کی بنا پر والد صاحبؒ کی ڈھارس بندھانے کی خاطر تشریف لایا کرتے تھے،آج بڑی بے بسی کے ساتھ حزن وغم کی تصویر بنے خود کھڑا ہونے کے لیے کسی سہارے کی تلاش میں تھے۔بصد کوشش زبان سے کچھ نہ کہہ سکے، بلکہ بچشم تر بزبان حال

دریں آشوب غم عذرم بنہ گرنالہ زن گریم
جہانے راجگر خوں شد ہمیں تنہا نہ من گریم

کہتے ہوئے وفات کی تصدیق کر دی۔سب پر سکتہ طاری تھا۔بشدت غم کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکل رہا تھا، جبکہ والد صاحب بظاہر خاموش ، بباطن بہزار اکرام واعزاز حظیرۃ القدس کی حدیں چھو رہے تھے۔ مستورات جو ڈاکٹرز کی آمد کی بنا پر کمرے سے نکال دی گئی تھیں،اگرچہ بصورت ہچکی آخری سانس دیکھ چکی تھیں،لیکن حتمی رپورٹ کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اندر آنے کے لیے رسے تڑا رہی تھیں۔ بصد کوشش روکی گئیں۔ چند منٹ اسی سکتے اور خاموشی کے عالم میں سب ہی بحالت غم کھڑے رہے۔ بندہ نے خاموشی توڑتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو دوبارہ چیک کرنے کی عرض کی۔دوبارہ چیک کرنے پر ڈاکٹر صاحب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا اور جسم مبارک کو سیدھا کرتے ہوئے دہن مبارک اور آنکھیں بند کر کے وفات پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔باندھنے کی اشیائے ضرورت لینے باہر تشریف لے گئے۔تمام اہل خانہ فوراً واپس پہنچ آئے اور ماحول یک دم 'از نالہ بر گلستاں آشوب محشر آور' کا نمونہ بنا نا گزیر تھا۔

آناً فاناً خبر اطراف واکناف میں پھیل گئی۔ابھی ہم بھائی جسد مبارک پر چادر ڈال ہی رہے تھے کہ خلق خدا تانتا باندھے پہنچنا شروع ہو گئی۔دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں سے ہزاروں اور ہزاروں سے لاکھوں تک نوبت جا

پہنچی اور ازدحام کثیر گکھڑ کی تنگ دامنی کا گلہ کرنے لگی۔ زمین تو زمین، آسمان نے بھی یہ منظر عرصے بعد دیکھا ہوگا۔ پھر بوقت جنازہ کثرت خلق کی بنا پر میلوں تک ٹریفک کا جام ہو جانا اور کثیر خلق کا جنازہ گاہ تک نہ پہنچ سکنا تقریباً سب قارئین کے سامنے ہے، جس کے کہنے کی ضرورت نہیں۔

آخر کو گل بھی صرفِ درِ میکدہ ہوئی

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

زندگی میں بارہا خصوصاً بچپن میں مقام لحد سے بارہا گزرنا ہوا، لیکن کبھی وہم وگمان میں بھی نہ گزرا تھا کہ یہ خطہ ارض اتنا عظیم الشان بابرکت ہوگا کہ کسی وقت خزانہ علم وفضل کو اپنی آغوش میں لیے رشک جناں ہوگا۔ واقعی گکھڑ کی زمین کو عموماً اور شرقی قبرستان کو خصوصاً اور خاص مقام لحد کو اخصاً بہت بڑی بھاری فضیلت وفخر حاصل ہے کہ خصوصی عنایات خداوندی وانوار وبرکات کا مہبط ومورد بننے کا شرف دائمی حاصل کر سکی۔ وکفی به فخرا

فيه السماحة والفصاحة والتقى

والعلم اجمع والحجى والخير

اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده۔ آنحضرت جل سلطانہ والد صاحبؒ کے ساتھ ان کے شایان شان سلوک فرمائیں اور ہم پس ماندوں کو ان کے نقش قدم پر چلاتے ہوئے ان کی برکات سے پوری طرح مستفیض ہونے کی توفیق بخشیں۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست۔ آخر میں خدام وخواص عزیزم راشد سلمہ ربہ، ان کی اہلیہ، ہمشیرہ اور بھانجی اور دیگر خدام بھائی اور اہل خانہ، نیز ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب، حاجی لقمان صاحب، مولانا نواز بلوچ صاحب کو اخصاً اور تمام اہل خدمت جنھوں نے دامے درمے قدمے سخنے یا کسی بھی رنگ میں والد صاحب کی خدمت فرمائی، حضرت حق جل مجدہ دنیا وآخرت کی ہر طرح کی خوش حالیوں سے نوازیں، اپنی عنایات وبرکات کے دروازے ان پر ہمیشہ کے لیے کھلے رکھیں اور ہر طرح کی آفات سے ہمیشہ بچائے رکھیں۔ آمین یا رب العالمین والحمد للہ رب العالمین۔

محمد فیاض خان سواتی مدظلہ

عم مکرم............چند یادداشتیں

اُٹھ جاتے جب چہرہ ماضی سے حجابات
افسانوں میں ڈھل جاتے ہیں گزرے ہوئے اوقات
افسانہ در افسانہ ابھر آتے ہیں لمحات
پیمانہ بہ پیمانہ چھلک جاتے ہیں جذبات

☆......ایک مرتبہ مجاہد ملت، حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ جامعہ نصرۃ العلوم میں تشریف لائے، اسی دن ''جمعیت علماء اسلام'' کی طرف سے ان کا مرکزی جامع مسجد شیرانوالہ باغ میں ظہر کے بعد بیان تھا، احقر اس وقت دس بارہ سال کی عمر کا ہوگا، جس تانگے پر حضرت ہزاروی رحمہ اللہ بیٹھ کر وہاں تشریف لے گئے، اسی پر عم مکرم امام اہل السنۃ، والد ماجد مفسر قرآن رحمہ اللہ اور احقر کو بھی ان بزرگوں کی معیت حاصل ہوئی اور وہ منظر ابھی تک نظروں میں اسی طرح گردش کر رہا ہے کہ ظہر کی نماز کے بعد حضرت ہزاروی رحمہ اللہ کا بیان شروع ہوا، صدارت کی کرسی پر مفتی شہر حضرت مولانا مفتی عبدالواحد رحمہ اللہ تشریف فرما تھے، ان کے ساتھ دوسری کرسی پر عم مکرم رونق افروز تھے، حضرت ہزاروی رحمہ اللہ اپنی تقریر میں ہر بات کی تصدیق عم مکرم سے کرا رہے تھے کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟ تو وہ فرماتے ٹھیک ہے۔ باوجودیکہ عم مکرم حضرت ہزاروی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، میرے ہی استفسار پر ایک مرتبہ عم مکرم رحمہ اللہ نے بتایا تھا کہ ''میں نے ان سے تعلیم الاسلام اور نحو میر کا کچھ حصہ پڑھا تھا''، گویا کہ ان کے استاد کا علمی لحاظ سے اپنے شاگرد پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی ہر بات کی تصدیق ان سے کرا رہے تھے، اور ہم بچے ان کے اس طرز کو دیکھ کر بار بار ہنس رہے تھے کہ بابا کیا کر رہا ہے؟ اسے تقریر ہی نہیں آتی، ساری تقریر بڑے ابو سے پوچھ پوچھ کر کر رہا ہے۔ ہم تمام بہن بھائی اپنے تایا جان کو بڑے ابو کہا کرتے تھے۔

☆......آپ رحمہ اللہ کے ساتھ احقر کو کئی جگہ سفر کا اتفاق ہوا ہے، گکھڑ، گوجرانوالہ، علی پور، لاہور، قصور، رائے ونڈ، گجرات، چکوال وغیرہ۔ ایک مرتبہ لاہور جاتے ہوئے جب راستے میں نہر آئی تو فرمانے لگے کہ 1935ء کے لگ بھگ ہم اس نہر کے پُل سے چھلانگیں لگا کر نہایا کرتے تھے، یہی بات حضرت والد ماجد رحمہ اللہ نے بھی اس جگہ سے گزرتے ہوئے ارشاد فرمائی تھی، دونوں بھائی تیراکی کا فن بھی جانتے تھے۔

☆......عم مکرم رحمہ اللہ کے بارے میں جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے زندگی میں مجھے کبھی نہیں مارا، ہاں ایک آدھ بار ڈانٹ ڈپٹ ضرور فرمائی تھی۔

☆......1991ء میں جب احقر کو مدرسہ نصرۃ العلوم کا مہتمم نامزد کیا گیا تو سرکردہ اصحابِ رائے بزرگوں میں سے سب سے پہلے جس نے تائید کی وہ عم مکرم رحمہ اللہ تھے، پھر انہوں نے ہی سب سے پہلے جامع مسجد نور میں خطبہ جمعہ کے بعد عوام الناس کے جم غفیر، علماء کرام اور طلباء عظام کی موجودگی میں میرے سر پر اہتمام کی دستار بندی فرمائی۔

☆......1994ء میں انہوں نے مجھے حکم دیا کہ مدرسہ کی طرف سے تم اور حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کے جنازہ میں شرکت کرو! چنانچہ ہم دونوں حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے جنازہ میں شرکت کے لیے خانپور گئے، اس موقع پر عم مکرم رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میری طبیعت اجازت دیتی تو میں خود جاتا، صوفی بھی نہیں جاسکتا، لہٰذا تم ضرور جاؤ! ۔عم مکرم حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے حافظہ کے بے حد مداح تھے۔

☆......جن پیروں کو وہ قابل اعتماد سمجھتے تھے ان میں میرے پیرومرشد حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ بھی تھے، ایک مرتبہ ان کے بارے میں فرمایا ''بہت نیک اور ولی اللہ انسان ہیں''۔ مدرسہ نصرۃ العلوم کا وہ منظر نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا جس میں بخاری شریف کے آخری سبق کا درس شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان شہید رحمہ اللہ دے رہے تھے، ان کے ساتھ ایک طرف حضرات شیخین کریمین رحمہما اللہ تشریف فرما تھے، اور دوسری طرف سلطان الاولیاء حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ تشریف فرما تھے، سبق کے اختتام پر سارے بزرگ ایک دوسرے کو دعا کے لیے فرمانے لگے تو عم مکرم رحمہ اللہ چونکہ ان سب سے بڑے تھے، انہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے فرمایا کہ آپ دعا فرمائیں تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اتنی رقت انگیز دعا فرمائی کہ سارے مجمع پر گریہ کی کیفیت طاری ہوگئی، ہائے افسوس! کہ اب وہ منظر کبھی پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔

☆......ایک مرتبہ ان کی علالت کے دوران میں نے ان سے ایک جدید تحقیقی مسئلہ دریافت کیا تو فرمانے لگے ''فیاض بیٹا! اپنے مسلک کے مستند مفتیان کرام کی طرف رجوع کرو! اب میں تحقیق کی پوزیشن میں نہیں ہوں''۔

☆......سہارن چٹھہ، علی پور میں حافظ بشیر احمد چیمہ کی دعوت پر ہم گئے، عم مکرم بھی تشریف لے گئے، ان کے بیٹے مولانا حافظ عزیز الرحمٰن شاہد جو عمر میں مجھ سے چند ماہ چھوٹے ہیں، ہم دونوں حضرت رحمہ اللہ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے تو حضرت ہمیں غور سے دیکھنے کے بعد مزاح سے پوچھنے لگے کہ ''تم دونوں میں سے مِنّا کون ہے اور لالہ کون ہے؟'' شاہد نے کہ میں مِنّا یعنی چھوٹا ہوں اور یہ لالہ یعنی بڑے ہیں، تو حضرت مسکرانے لگے۔

☆......ہم چار بھائیوں کے نام حسبِ ترتیب فیاض، ریاض، عیاض اور عرباض ہیں، یہ نام ان کے ہاں گکھڑ میں چند

نائیوں (حجاموں) کے تھے، وہ ہمیں بھی مزاح سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے تو نام ہی نائیوں والے ہیں۔

☆......وہ اور ان کی اہلیہ بچپن میں مجھے ''مٹھو'' کہتے تھے، پھر جب میں نے اٹھارہ برس کی عمر میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تو مجھے ''حاجی'' کہنے لگے، ریاض کو ''چوہدری''، عیاض کو ''قاضی'' اور عرباض کو ''کاکا'' کہتے تھے۔

☆......میری پیدائش پر سنا ہے کہ انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا تھا، کیونکہ انہیں اپنے چھوٹے بھائی سے بے حد محبت تھی اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے صوفی کی اولاد سے بے حد پیار ہے'' وہ بچپن میں ہمیں اپنے ساتھ گکھڑ لے جاتے تھے اور پھر اپنے ساتھ ہی واپس لاتے تھے، وہاں ہمارے ناخن بھی خود ہی تراشتے تھے، اپنے ساتھ ہمارے سر بھی حلق (ٹنڈ) کرادیتے تھے۔ جب میں نے قرآن کریم حفظ مکمل کیا تو اختتامی تقریب میں انہوں نے تقریر اور دعا فرمائی تھی، جب میرا نکاح ہوا تو انہوں نے ہی نکاح پڑھایا، جب میں مہتمم بنا تو انہوں نے ہی دستار بندی کی اور پھر اپنے صدارتِ تدریس کے زمانہ میں ''ترمذی شریف'' کی تدریس بھی میرے سپرد کی، جب میرے دورِ اہتمام میں بعض شرپسندوں نے مجھے اہتمام سے علیحدہ کرنا چاہا تو انہوں نے ایک جملہ ارشاد فرما کر تمام شرپسندوں کے عزائم خاک میں ملا دیئے جو اس ضمن میں دونوں بھائیوں اور ان کی اولاد میں پھوٹ ڈال کر خاندان، مسلک اور ادارہ کو تباہ کرنا چاہتے تھے انہوں نے اپنی اولاد سے فرمایا تھا کہ ''صوفی کی اولاد کے مقابلے میں اگر کوئی اس عہدہ پر آئے گا تو وہ میرا بیٹا ہی نہیں ہے''۔

☆......ایک مرتبہ جب آپ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے روانہ ہونے لگے تو حضرت صوفی صاحب نے کچھ رقم انہیں دی اور ساتھ فرمائش کی کہ میرے لیے وہاں سے ایک گھڑی لے کر آنا جس کے ہندسے موٹے ہوں، عم مکرم واپسی پر جو گھڑی خرید کر لائے وہ ہندسوں کے بغیر تھی جو صوفی صاحب کو پسند نہ آئی، مزاح سے فرمانے لگے ''آپ نے میرے پیسے برباد کر دیئے ہیں'' عم مکرم مسکراتے ہوئے فرمانے لگے ''میں نے ویسی گھڑی تلاش تو بہت کی ہے لیکن ملی نہیں، پھر مزاح سے فرمانے لگے تو نے کونسی شوخی کرنی ہے! ٹائم ہی دیکھنا ہے، یہی باندھ لے، چنانچہ حضرت صوفی صاحب نے وہی گھڑی ایک طویل عرصہ تک استعمال کی، جب وہ خراب ہوئی تو پھر ہی اسے تبدیل کیا۔

☆......ہمارا تیسرے نمبر کا بھائی عیاض المعروف ''ججو'' مرحوم پیدائشی طور پر ہی ذہنی مجذوب تھا، چوبیس سال کی عمر میں مدرسہ نصرۃ العلوم کی تین منزلہ چھت سے گر کر جاں بحق ہو گیا تھا، اس کا جنازہ بھی عم مکرم نے ہی پڑھایا تھا، اس کے ساتھ بہت دل لگی فرمایا کرتے تھے، جب ان کے گکھڑ جانے کا وقت ہوتا تو ججو ان کے پاس آ کر کھڑا ہو جاتا، اور ان کی طرف خاموشی سے دیکھتا رہتا، حضرت رحمہ اللہ سمجھ جاتے اور مسکراتے ہوئے اپنے بٹوہ سے پیسے نکال کر اس کو دیدیتے اور فرماتے ''دیوانہ بکار خود ہوشیار'' دیوانہ اپنے کام میں ہوشیار ہے، کبھی دم تعویذ والے، حضرت کو کوئی ہدیہ

دیتے تو وہ ادھر اُدھر دیکھ کر ججو کو تلاش کرتے اور فرماتے ''ادھر آ! تیرا کام بن گیا ہے'' اور دس بیس روپے اسے دیدیتے۔

☆......حضرت رحمہ اللہ کے سب سے بڑے بیٹے شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا زاہدالراشدی کے بارے میں ایک بار مدرسہ نصرۃ العلوم کے دفتر اہتمام میں منعقدہ تقسیمِ اسباق کی میٹنگ میں تمام اساتذہ کی موجودگی میں حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''ابوداؤدشریف کا سبق زاہد کے سپرد کردیں!'' تو اس کے جواب میں آپ کے اس جملہ سے ساری محفل کشتِ زعفران بن گئی کہ ''وہ تو دابۃ الارض ہے اسے کون باندھے گا؟'' حضرت صوفی صاحب نے فرمایا ''اچھا پڑھائے گا!'' جس پر عم مکرم نے فرمایا ''یہ تو مجھے پتہ ہے کہ پڑھائے گا تو بہت ہی اچھا'' چنانچہ ابوداؤدشریف ان کے سپرد کردی گئی۔ بعدازاں ان کی جگہ مدرسہ نصرۃ العلوم کی مجلس شوریٰ نے انہیں ہی صدر مدرس، ناظم تعلیمات اور شیخ الحدیث والتفسیر کے منصب پر منتخب کرلیا۔

☆......حضرت داداجان رحمہ اللہ سے بندہ نے دریافت کیا کہ تایاجان زاہدالراشدی صاحب اور تایاجان قارن صاحب میں سے علمی اعتبار سے کون فائق ہے؟ تو دومرتبہ فرمایا: قارن زیادہ ہے، قارن زیادہ ہے۔[خادم،حمزہ]

☆......ایک بار میں نے عم مکرم رحمہ اللہ کی زبانی ان کے چوتھے نمبر کے بیٹے مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی کے متعلق سنا تھا کہ ''میرے بچوں میں سے غضب کا ذہین ہے لیکن تعلیم وتدریس میں اس نے میرے مزاج کے مطابق توجہ نہیں کی''۔ البتہ عم مکرم رحمہ اللہ نے ان کی تحریر پر بھرپور اعتماد کا اظہار فرمایا، جس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''اظہار العیب فی کتاب اثبات علم الغیب'' کے باب سوم میں موصوف کا ایک مقالہ ''البیان الحق لحافظ عبدالحق'' کے نام سے شامل فرمادیا۔

☆......حضرت عم مکرم رحمہ اللہ کے بارے میں یادداشت کا ایک ذخیرہ ذہن میں موجزن ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو موقع کی مناسبت سے انہیں بھی صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی کوشش کرونگا، سردست یہ چند یادداشتیں عزیزم حافظ سرفراز حمزہ بن مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر نقشبندی کی فرمائش پر ان (مجلّہ المصطفیٰ) کے خصوصی (امام اہل السنۃ) نمبر کے لیے لکھی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں نعمتوں سے بہرور فرمائے اور پسماندگان کو ان کے مشن کو استقامت کے ساتھ آگے بڑھانے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ آمین یا اللہ العالمین

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا محمد عرباض خان سواتی

قبولیت کا مقام

سترھویں صدی کے آغاز میں کچھ خاندان ریاست سوات کو چھوڑ کر ضلع ہزارہ میں آباد ہوئے تھے، یہ وہ دور تھا کہ جب ضلع ہزارہ پر ترکوں کا ہولڈ تھا، ترک وہاں پر ہر لحاظ سے مضبوط تھے، ان خاندانوں نے آہستہ آہستہ وہاں سے ترکوں کی عملداری کو ختم کر دیا اور اپنا تسلط قائم کیا، انہی خاندانوں میں ایک خاندان ہمارے جد امجد حضرت گل داد خان سواتی کا تھا جو شنکیاری سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر شاہراہ ریشم کے کنارے ایک حسین وجمیل، سرسبز وشاداب، درختوں سے ڈھکے، بلند وبالا پہاڑ کی چھوٹی پر ایک گاؤں ''چیڑاں ڈھکی'' میں قیام پذیر ہوا، ہمارے جد امجد حضرت گل داد خان سواتی اور ان کی اہلیہ کچھ حد تک دینی تعلیم سے آراستہ تھے، دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ بچے اور بچیوں کو پڑھاتے بھی تھے، علاقہ میں ان کی شہرت پیر اور پیرنی کے نام سے آج بھی مشہور ہے، اللہ نے اولاد کی دولت سے بھی خوب مالا مال فرمایا تھا، آپ کے پانچ بیٹے تھے، جن میں سے سب سے بڑے گل احمد خان سواتی رحمہ اللہ ہمارے پرداد ہیں، جو پڑھے لکھے تو نہ تھے مگر فہم وفراست والے سمجھ دار آدمی تھے، اسی بنا پر علاقے کے معززین سے اچھے تعلقات اور پنچائتوں میں بیٹھنے والے تھے، اونچے، لمبے، بہادر وباہمت اور نڈر تھے، یکے بعد دیگرے سات شادیاں کی تھیں، ایک سو بیس سال کی لمبی عمر پائی، بڑھاپے کی وجہ سے بازوؤں کا گوشت لٹک گیا تھا مگر ہمت کا عالم یہ تھا کہ آخری عمر میں بھی کھیتوں میں کام کرتے تھے، علاقے میں مشہور تھا کہ ایک دفعہ ان کی بکری کو شیر نے جھپٹ لیا اور یہ اس کے منہ سے اپنی بکری کو چھین لائے تھے، اللہ نے اولاد کی دولت سے بھی نوازا تھا، آپ کے دو بیٹے نور احمد خان سواتی اور خان زمان خان سواتی اور ایک بیٹی تھی، یہی نور احمد خان سواتی حضرات شیخین کریمین رحمہما اللہ کے والد محترم اور ہمارے دادا محترم ہیں، انہی کی دعاؤں کو قبولیت کی گھڑی میں اللہ نے قبول فرمایا تھا۔

آپ حصول علم کی بہت خواہش رکھتے تھے، کئی ایک مرتبہ کوشش کی مگر تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے تاہم قرآن کریم کا کچھ حصہ ناظرہ پڑھا تھا اور کچھ سورتیں زبانی یاد کی تھیں، نماز وتہجد کے پابند اور متشرع انسان تھے، قابل رشک صحت تھی کہ باوجود ملازم کے ہوتے ہوئے تمام کام کاروبار خود کرتے تھے، مال

ومویشی بھی چراتے تھے، مہمان نوازی ان کی صفت خاصہ تھی، حضرات شیخین کریمینؒ فرماتے تھے کہ جب کبھی کوئی مہمان نہ آتا تو خاصے پریشان ہوجاتے اور اونچی جگہ کھڑے ہوکر راہ دیکھا کرتے تھے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ جب کبھی مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے گھر میں کچھ نہ ہوتا تو دانے (گندم) وغیرہ ادھار لیکر خدمت کرتے تھے، مچھلیاں بھی پکڑتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ مرغیاں اور گوشت سے بھی مہمانوں کی تواضع کرتے تھے، اس زمانے میں پانی کے حصول کیلئے بہت جدوجہد کرنی پڑتی تھی، آپ کا عام معمول یہ تھا کہ تہجد کے وقت پہاڑ سے نیچے کٹھے (ندی) سے پانی بھر کر لاتے تھے، آپ کی پہلی شادی آپ کی چچازاد سے ہوئی، ان سے اولاد ہوئی تو بچپن میں ہی وفات پاگئی، اس کے بعد تقریباً تیس سال تک آپ کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو آپ کی اہلیہ محترمہ اور دیگر خاندان والوں نے اولاد کی غرض سے آپ کی دوسری شادی کروائی، یہی دوسری بیوی حضرات شیخین کریمین رحمہما اللہ کی حقیقی والدہ ہیں۔

دادا محترم کو بچوں کی تعلیم کا بہت شوق اور فکر تھا مگر اس جنگل نما گاؤں میں تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا اسی بنا پر آپ نے بچوں کو تعلیم کیلئے دور دراز درسگاہوں میں داخل کرادیا، حضرات شیخین کریمینؒ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ہمارے دادا میلے کچیلے کپڑوں اور حالت زار کو دیکھ کر بہت روتے تھے اور اس پر خاندان وبرادری کے طعن وتشنیع کہ اس بڑھاپے میں اللہ نے اولاد سے نوازا، ان کو پاس رکھنا بھی نصیب نہیں ہے مگر وہ حصول تعلیم میں ہر قسم کے طعن وتشنیع کو سن کر صبر وشکر کرتے تھے، ان کیلئے کثرت سے دعا کرتے تھے یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی ان کی وصیت وفکر یہی تھی کہ میرے بچوں کو قرآن وسنت وفقہ کی تعلیم ضرور دلانا، قبولیت کی گھڑیوں میں وہ کوئی گھڑی تھی، وہ لمحہ تھا جسے اللہ نے قبول فرمالیا تھا۔ یہی وہ دور تھا کہ جب قضاء قدر نے حضرات شیخین کریمین کو امتحان میں لیا، والدین کا سایہ رحمت سر سے اٹھ گیا، پیار ومحبت کی حقیقی گود سے محروم ہوگئے، اپنوں کی بے رخی میں گھر، سامان، زمین، مال ومویشی سب ایسے تقسیم ہوا کہ کچھ ہاتھ نہ آیا، سوائے دربدر کی ٹھوکریں، لمحے لمحے کی محتاجی، کئی کئی دنوں کی فاقہ کشی، برفانی علاقے کی ننگ بدن سرد ترین راتیں، خوشیوں کے لمحات قصہ پارینہ ہوگئے، خاندان کا شیرازہ کچھ ایسا بکھرا کہ چاروں بھائی بہن ایک ساتھ پھر کبھی اکھٹے نہ ہوسکے، مگر ابھی تو مشکلات ومصائب کو عبور کرنا تھا، قبولیت کا مقام تو ابھی بہت دور تھا۔

بچپن کا ایک حصہ عزیزوں کی بے لوث خدمت میں نظر ہوگیا تو ایک حصہ عدم سرپرست زندگی کی بھینٹ چڑھ گیا، زمانے کے گردش ایام، دربدر کی یہ ٹھوکریں دراصل حصول تعلیم کا ذریعہ بن رہی تھیں، پھر علم کا یہ سفر زندگی کی تلخیوں میں کئی مراحل طے پاتا ہے، بستی بستی، قریہ قریہ، نگر نگر، خوف وخطر، دشوار گزار راہوں کے

راہی، جان جوکھوں میں ڈالتے، دین کے متلاشی برصغیر پاک وہند کے اطراف واکناف میں کئی علمی چشموں سے سیراب ہوتے ہوتے علوم ومعارف وللہیت کے عظیم سرچشمے دارالعلوم دیوبند تک رسائی حاصل کرتے ہیں،خوب سیراب ہوتے ہیں،علمی تشنگی کو بجھاتے ہیں،فیض واعزاز پاتے ہیں۔

اب کی بار نیا طلوع ہونے والا سورج علمی وروحانی مسرت کا پیغام لیکر کر نمودار ہوتا ہے،مشقت کی طویل وتاریک راہیں اختتام پذیر ہوتی نظر آتی ہیں تو قسمت ان کو شہر گوجرانوالہ چوک گھنٹہ گھر کے قریب ایک جوہڑ (قبولیت کے مقام) پر لاکھڑا کرتی ہے،پھر علم وعمل کی دنیا میں ایسے مصروف ہوتے ہیں کہ جامع مسجد نور وجامعہ نصرۃ العلوم کے نام سے ایک عظیم الشان ادارہ معرض وجود میں آتا ہے جو نہ صرف ان کا مقام وپہچان بنتا ہے بلکہ براعظم ایشیاء سمیت دوسرے براعظموں کے تشنگان علوم کو وہاں لانے پر مجبور کردیا ہے۔

پھر تاریخ نے دیکھا ہے،ایسا بہت کم ہوا بلکہ صدیوں میں ہوا کہ دو بھائی،ایک ہی مقام پر بیک وقت بلند پایہ کے مدرس،عظیم المرتبت مصنف،بے مثال خطیب،بے لوث راہنما،حق گو مبلغ،کثیر المطالعہ عالم، اعلیٰ درجہ کے منتظم،اکابر علماء دیوبند کے علوم معارف کے امین،فکر شاہ ولی اللہؒ کے داعی،رئیس المحققین،عظیم فلاسفر،مفسر اعظم،محدث اکبر،فقیہ امت،امام وقت،ولی زماں،غزالی دوراں،زاہد ومتقی،متوکل ومجاہد،مشفق وہمدرد وخیر خواہ جیسی بے شمار صفات کے حامل کہ بیان کے لیے الفاظ نہیں مگر ان کے ایک ایک پہلو پر کئی ضخیم کتابیں لکھی جاسکتی ہے۔مگر شان عالم یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر زندگیاں،اپنا راحت وسکون،آسائش وآرام،شان وشوکت کو چھوڑ کر اپنی تمام تر قوتیں،اپنی تمام تر ہمتیں دین اسلام کیلئے،امت مسلمہ کیلئے صرف کردیں،یہ تھے ''اک میرے چچا اور اک میرے والد'' حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ جو آج ہم سے رخصت ہوگئے،جو آج ہم سے جدا ہوگئے،جو آج ہم سے دور ہوگئے مگر یہ تو تقدیر کے فیصلے ہیں جس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی،یہ تو اسی رب العالمین کی شان ہے کہ دو یتیموں کو کس انداز سے لایا اور کس انداز شان سے رخصت کیا۔

ان کی تمام تر علمی خدمات اور پھر جس خاموشی کے عالم میں ان سے فیض کے جو چشمے جاری ہوئے ہیں صدیوں تک امت ان سے سیراب ہوتی رہے گی،اللہ تعالیٰ ان کے جاری کردہ چشمہائے فیض کی حفاظت فرمائے،جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی عطا فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے،آمین۔

مولانا مفتی قاضی محمد اویس خان کشمیری

آفتاب عالم کا وہ نیر تاباں

1411ھ ماہ شوال کی دس تاریخ راقم اور برادرم ایوب خان ولد مولانا فیروز خان استاذ المکرّم مولانا فیروز خان فاضل دار العلوم دیوبند اور والدی المکرّم قاضی محمد رویس خان ایوبی صدرِ مجلس افتاء آزاد جموں کشمیر (جو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ہم زلف ہیں) کے حکم پر دورہ حدیث میں داخلہ لینے جامعہ اشرفیہ لاہور گئے۔ داخلہ مل جانے کے بعد واپسی پر گوجرانوالہ کی گاڑی پر بیٹھے۔ گوجرانوالہ کی حدود میں داخل ہوئے تو ایک انجانی سی کشش نے دل کو مضطرب کرنا شروع کر دیا۔ راقم نے ہمسفر سے مشورہ کے انداز میں پوچھا کہ محض حصولِ علم بڑی چیز یا نسبت کی بھی کوئی حیثیت ہے؟ ہم سفر نے کہا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں راقم نے اپنے اضطراب کے متعلق اظہار کیا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے علماء حق کے قائم کردہ تمام علمی مراکز میں ایسے صاحبِ علم وتقویٰ افراد کثرت سے عطا فرمائے ہیں جنہیں نہ صرف اللہ رب العزت نے چشمہ علومِ نبوت سے خوب سیراب ہونے کی توفیق عطا فرمائی بلکہ ان علوم کو تقسیم کرنے کی فیاضانہ فطرت بھی عطا فرمائی ہے۔ لیکن گلدستہ معلمین حدیث میں اب ایسی ہستیاں خال خال ہی نظر آتی ہیں جن سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے والے مستقبل قریب میں اس نسبت پر بجا طور پر فخر کر سکیں گے۔ اور ان ہستیوں میں باتفاقِ علماء اہل السنۃ، امام اہل السنۃ حضرت مولانا سرفراز خان کا نام سر فہرست ہے۔ کیوں نہ ہو ہم ان سعادت مندوں میں شامل ہو جائیں۔ جنہیں امام اہل السنۃ سے حصول علوم نبوت کی سعادت حاصل ہے۔ ہمسفر نے راقم کی بات سے اتفاق کیا اور ہم گوجرانوالہ اتر کر ڈسکہ جانے کے بجائے (جہاں ہم ان دنوں رہائش پذیر تھے) مدرسہ نصرۃ العلوم حاضر ہوئے، مختصر زبانی امتحان مولانا یوسف خان صاحب رحمہ اللہ نے لیا۔ داخلہ ہو گیا والدی المکرّم اور استاد المکرّم مولانا فیروز خان صاحب نے ہمارے اس فیصلہ کی تائید فرمائی۔ دو تین روز کے بعد صبح سات بجے جامع مسجد کے برآمدہ میں قرآن کریم کی ابتدائی سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کی۔ حضرت نے نکات تفسیر پر تشنگانِ علم کو سیراب کرنا شروع کیا اور پون گھنٹہ درس قرآن کے بعد دار القرآن والحدیث (برآمدہ جامع مسجد نور) میں مولانا طارق صاحب جو آج کل غالباً ساہیوال کالج میں پروفیسر ہیں کی آواز گونجی، بسم

اللہ الرحمٰن الرحیم عن...... بخاری شریف کی پہلی حدیث مبارکہ کی تلاوت مکمل ہوئی۔ اور پھر حضرت امام اہل السنۃ نے غالباً اپنی مبارک زندگی میں 45 ویں مرتبہ تقریباً 70 طلبہ کو بخاری شریف میں موجود علوم نبوت سے فیض یاب کرنا شروع کیا راقم کی زندگی کا وہ سال اور خصوصاً وہ ابتدائی دن شاید اس حیات مستعار کا نا قابلِ فراموش اور سب سے قیمتی دن تھا۔ جب علوم قرآن حدیث کا شرفِ تلمذ اس ذات سے حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جسے بوحنیفہ وقت اور امام اہل السنۃ کا عصرِ حاضر میں بالاتفاق خطاب دیا گیا۔ اس سال حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے پاس صحیح مسلم اور حجۃ اللہ البالغہ، برادر مکرم واستاد مکرم شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ کے پاس ابوداؤد شریف اور برادر مکرم واستاد محترم مولانا رشید الحق خان عابد مدظلہ کے پاس شمائل ترمذی کا سبق تھا۔

اگرچہ امام اہل السنۃ کو ''حضرت شیخ الحدیث'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے مگر راقم ایک سال کے عرصہ میں یہ فیصلہ نہ کر پایا کہ امام اہل السنۃ کی دسترس تفسیر قرآن کریم پر زیادہ ہے یا تشریح احادیث نبویہ پر، حضرت ''امام اہل السنۃ'' سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے والوں کا یقیناً اس بات پر اتفاق ہوگا کہ شیخ الحدیث کے لقب سے مشہور ہونے کے باوجود عصرِ حاضر میں علوم قرآن وحدیث، علم جرح وتعدیل، علم فقہ، علم صرف ونحو پر ایک جیسی دسترس ہونے کی بنا پر امام اہل السنۃ واحد شخصیت تھے جنہیں شیخ القرآن، شیخ الحدیث، فقیہ العصر، مبلغِ اسلام، امام جرح وتعدیل، امام صرف ونحو کا بیک وقت خطاب دیا جاسکے۔

پابندی وقت کے سلسلہ میں ہمارا متعلمین دورہ حدیث کا سال بھر مشاہدہ رہا کہ حضرت پہلے دن سے لیکر اختتام سال تک ایک ہی وقت پر درس شروع فرماتے اور وقت ختم ہونے تک جاری رکھتے۔ سہ ماہی امتحانات کے بعد تعطیلات ہوں یا عیدالاضحیٰ کی تعطیلات کے بعد آغاز اسباق، حضرت کے معمول میں منٹوں کا فرق بھی کبھی نہ دیکھا گیا اور شائد یہ تسلسل اسی وقت ممکن ہے جب انسان زندگی کی قدر، رزق حلال کی اہمیت، اور آخرت کی جوابدہی کو پیش نظر رکھتا ہو۔

اتباع سنت کے معاملہ میں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں جب کبھی طلبہ کو کسی کام کے متعلق اشتباہ ہوتا کہ سنت طریقہ کیا ہے تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے معمولات کو دیکھ لیا کرتے اور بعد میں تحقیق پر وہی طریقہ سنت کے مطابق پاتے۔ حضرت امام اہل السنۃ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والے اور حضرت کے معاصرین اس بات کے شاہد ہیں کہ شائد ساری زندگی حضرت کی نشست وبرخاست سے معمولی سا بھی خلاف سنت عمل کا اشتباہ پیدا نہ ہوتا تھا جو حضرت کے عشقِ رسول ﷺ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اولئك اٰبائی فجئنی بمثلھم

قوت حافظہ:

بخاری شریف کی تدریس کے دوران جب کہیں کوئی مکرر حدیث آتی تو استاد محترم طلبہ سے سوال کرتے کہ یہ حدیث مبارکہ اس سے پہلے کن ابواب میں اور کتنی مرتبہ آئی ہے؟ اگر کوئی طالبعلم گزشتہ حدیث کا حوالہ دے دیتا، یا ورق گردانی کر کے تلاش کر لیتا تو اسے ایک روپیہ بطور انعام دیتے جو انعام حاصل کرنے والے طالبعلم کے لیے سرمایہ حیات اور دیگر طلبہ کے لیے قابلِ رشک ہوتا۔ اور اسکے بعد حضرت بالترتیب ان احادیث کا زبانی حوالہ دیتے جو گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہوتی ہیں۔ میری یاد کے مطابق کثرت سے انعام حاصل کرنے میں مولانا داؤد شہید رحمہ اللہ (موصوف تاجکستان میں روسی افواج سے معرکہ کے دوران جامِ شہادت نوش کر گئے) سرفہرست تھے۔

تدریس میں حضرت اس قدر محتاط تھے کہ فرمایا کرتے تھے کہ آج بخاری شریف پڑھاتے ہوئے 45 برس گزر گئے ہیں اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ آج تک بغیر مطالعہ کے میں نے کبھی سبق نہیں پڑھایا۔

مالی معاملات میں حضرت کی احتیاط کی ہزاروں مثالیں ہیں۔ راقم صرف ایک پر اکتفا کرتا ہے۔ مدرسہ نصرۃ العلوم میں طلبہ کے درمیان یہ روایت چند سالوں سے جاری تھی کہ عام مدارس، کالجز اور یونیورسٹیوں کے برخلاف مدرسہ میں دورہ حدیث (آخری سال) کی کلاس فراغت کے بعد مدرسہ کے تمام طلبہ کے لیے دعوت کا اہتمام کرتی لیکن اس میں اساتذہ شریک نہ ہوتے تھے۔ دورہ حدیث کے ساتھیوں نے مشاورت کے بعد یہ طے کیا کہ حضرت شیخ الحدیث سے دعوت میں شرکت کرنے اور سرپرستی فرمانے کی استدعا کی جائے۔ اس طرح الوداعی دعوت ایک بابرکت دینی اور اصلاحی محفل بن جائیگی۔ مشاورت کے بعد حضرت کے پاس حاضری کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی گئی اس میں راقم کے علاوہ مولانا داؤد شہید، مولانا اشرف، مولانا لقمان تھے۔ ہم مغرب کی نماز کے بعد نصرۃ العلوم سے روانہ ہوئے اور گکھڑ حضرت کی رہائش پر پہنچے۔ حاضری کی اجازت پا کر خدمت میں حاضر ہوئے اور مدعا بیان کیا۔ حضرت نے جو جواب دیا اس میں ہر خاص وعام کے لیے بہت ساری نصیحتیں پنہاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے چند دنوں کے بعد سالانہ امتحان اور میرے لیے تصور کرنا بھی محال تھا کہ دورہ حدیث کے طلبہ امتحانات کے دنوں میں مطالعہ چھوڑ کر اسطرح کے فضول کام کے لیے مدرسہ سے نکلیں۔ ہم سب ساتھی منہ چھپانے لگے۔ پھر فرمایا کہ اس دعوت کو میں شرعاً بھی جائز نہیں سمجھتا، ہم لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ اس میں بظاہر تو حرام والی بات نظر نہیں آتی۔ حضرت نے فرمایا آپ لوگوں نے مدرسہ کے کثیر طلبہ کے لیے جو دعوت کا اہتمام کرنے کا پروگرام بنایا ہے اس کے لیے رقم کہاں سے آئی؟ ہم نے عرض کیا کہ دورہ حدیث کے طلبہ نے آپس میں جمع

کی ہے۔فرمایا کہ تمام طلبہ کی مالی استعداد ایک جیسی نہیں ہوتی۔اور آپ جن طلبہ کو مجبور کر کے رقم لیتے ہیں وہ دعوت میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ہم نے عرض کیا کہ طلبہ خوشی سے دیتے ہیں۔فرمایا کہ شرمندگی سے بچنے کے لیے اور اپنے آپ پر جبر کر کے جو طلبہ حصہ دیتے ہونگے وہ بھی آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔اور یہ دعوت کوئی ایسا شرعی فریضہ نہیں کہ جس کے لیے طلبہ میں مہم چلا کر چندہ اکٹھا کیا جائے۔اس لیے میں اس طرح کی دعوت کو جائز نہیں سمجھتا۔لہٰذا شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مزید فرمایا کہ آج حلال اور حرام میں بظاہر دین پر عمل کرنے والا طبقہ بھی تمیز نہیں کرتا۔بعض طلبہ دوسروں کی جیب سے کوئی اچھی پنسل،قلم مذاق مذاق میں نکال کر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں۔بظاہر یہ چھوٹی چیز ہے لیکن دوسرے کا اس پر مزاحمت نہ کرنا اس پنسل اور قلم کے استعمال کو جائز نہیں بنا دیتا جب تک وہ اپنی مرضی سے حوالہ نہ کرے۔اسی طرح کی بعض نصیحتیں فرمائیں اور ہم تھے کہ احساس ندامت سے زمین میں گڑے جا رہے تھے کہ تلمذ کی نسبت کس ذات سے ہے اور آٹھ سال مدارس میں گزار کر دورہ حدیث سے فراغت کی دستار سر پر سجا کر بھی حلال اور حرام کے درمیان تمیز کرنیوالا مزاج پیدا نہ کر سکے۔

دستار بندی کے موقعہ پر حضرت نے جو درس دیا اس میں طلبہ کو جو نصیحت فرمائی اس میں خصوصی طور پر ایک جملہ راقم کے لیے اور یقیناً جملہ طلبہ کے لیے ساری زندگی مشعلِ راہ رہا۔فرمایا اللہ رب العزت نے پیٹ کو انسان کے ساتھ ہی پیدا فرمایا ہے اور اس کی ضروریات سے نہ تو انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ فرار ممکن ہے۔ البتہ یاد رکھیں اللہ نے جسمانی تخلیق میں دماغ اور دل کے بعد ان دونوں سے نیچے پیٹ کا درجہ رکھا ہے اگر زندگی کے معاملات میں یہی ترتیب برقرار رہی اور پیٹ کو دل اور دماغ پر ترجیح نہ دی تو ایک کامیاب زندگی دنیا و آخرت میں مقدر بنے گی اور جب پیٹ کو دل و دماغ پر فوقیت دی تو دنیا کی زندگی بھی برباد ہوگی اور آخرت کی زندگی بھی، میں اس جملے کا ہزاروں جگہ تذکرہ کر کے اپنے ایمان کو تازہ کر چکا ہوں اور خصوصاً جس شعبے سے اس وقت منسلک ہوں اس نصیحت کو پیشِ نظر رکھنے پر اللہ رب العزت نے بے شمار مقام پر استقامت عطا فرمائی ہے۔

لاہور میں حضرت ایک جلسہ میں تشریف لے گئے راقم بھی ان دنوں لاہور تھا۔ایک تنظیم کے مقامی دفتر کے ذمہ دار نے اصرار کیا کہ حضرت کو دعا کے لیے استدعا کی جائے ہم حاضرِ خدمت ہوئے،عرض کی ابھی جلسہ شروع ہونے میں کافی وقت باقی ہے اگر تھوڑا سا وقت نکال کر تشریف لائیں تو کارکنوں کی حوصلہ افزائی ہو جائیگی۔حضرت نے فرمایا جلسہ والوں نے گوجرانوالہ سے میرے لیے گاڑی کا اہتمام کیا ہے یہ گاڑی ان کی امانت ہے اس لیے میں اپنی مرضی سے لاہور میں جلسہ گاہ کے علاوہ دوسری جگہ لے جانا جائز نہیں سمجھتا اس

لیے آپ گاڑی کا انتظام کریں تو میں آنے کے لیے تیار ہوں۔ مدرسہ کی کمیٹی کے ایک صاحب نے عرض کی کہ حضرت ہماری گاڑی حاضر ہے آپ لے جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ نے لوگوں سے رقم جلسہ کے لیے جمع کی ہے اور یہ گاڑی بھی جلسہ کے لیے بُک کی ہے۔ کیا آپ تمام چندہ دینے والوں سے پوچھ چکے ہیں کہ جلسہ کا چندہ جہاں مرضی اور جلسہ کے نام پر لائی جانیوالی گاڑی جیسے چاہیں استعمال کریں؟ وہ صاحب سر جھکا کر خاموش ہو گئے محفل میں سکتہ طاری ہو گیا کہ اس دور میں تقویٰ کا یہ معیار؟ پھر ہم گاڑی کا انتظام کر کے لائے اور حضرت کے مختصر درس سے کارکنوں کو فیض یاب ہونے کا موقعہ ملا۔

نظر آئی تو تھی ہلکی سی کرن تبسم کی
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

آج امام اہل سنت ہم میں نہیں ہیں تو نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا میں طبقہ علماء میں نظر دوڑانے سے ایسی شخصیت کا ملنا محال نظر آتا ہے جو اتنی بلند علمی مسند پر بیٹھ کر تقویٰ کے اس معیار کو قائم کرے کہ علم کی بلندی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی یاد تازہ کرتی ہو اور تقویٰ کا معیار حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی یاد دلاتا ہو۔ عشروں کے بیت جانے کے بعد بھی آپ سے فیض حاصل کرنے والے طلبہ آپ کی طرزِ زندگی، اور پند و نصائح کو اتباع سنت کا بہترین ذریعہ تصور کرتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ عظیم روایات قائم کرنے اور حُبِّ رسول ﷺ کا حقیقی عملی جذبہ اپنے تلامذہ و متعلقین میں پیدا کرنے پر اپنی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)۔

ابر رحمت تیرے مرقد پر گہرافشاں رہے
شمع انوارِ الٰہی حشر تک تاباں رہے

بے مثال حافظہ

میں کئی ممالک میں پھرا، روس، تاشقند، برطانیہ وغیرہ، بڑے بڑے لوگوں سے ملا، جن میں پروفیسرز بھی ہیں اور سکالرز بھی، عظیم دانشور بھی، لیکن میں نے نانا ابو جیسا ذہین فطین بندہ کہیں نہ پایا اور نہ کسی کا حافظہ ان کے حافظے کی مثل نظر آیا۔ اللہ رب العزت نے ان کو ایسا قوی اور مضبوط حافظہ عطا فرمایا تھا کہ اس وقت دنیا میں شائد ہی کسی کا ہو۔ یقیناً یہ دین ہی کی برکت ہے، ورنہ کالجز اور یونیورسٹیز کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے سابقہ کورس کی کتب کی ایک سطر بھی صحیح نہیں سنا سکتا۔ جبکہ نانا ابو کا عالم یہ تھا کہ 90/95 سال کی عمر میں بھی آپ کو کئی کتابوں کی لمبی لمبی عبارتیں زبانی پڑھتے دیکھا اور سنا گیا۔ [ڈاکٹر سبیل رضوان۔ برطانیہ]

مولانا محمد داؤد خان نوید

آنسو جو نکلتے ہیں سنبھالے نہیں جاتے

رِندو اٹھو کہ خدمت جام و سبو کریں
آؤ کہ وردِ آیت لاتقنطوا کریں
کیا کم ہے یہ کہ ان کا تصور کریں
یہ تو کہاں مجال کہ ہم گفتگو کریں
اے انقلاب! تیرے حوادث کا شکریہ
اب دل وہ دل نہیں کہ کوئی آرزو کریں

آج ساڑھے تین ماہ کا عرصہ گزر گیا، رات اور دن تیزی سے ڈھلتے چلے جا رہے ہیں، وہ شخصیت زندگی کے نشیب و فراز طے کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہو چکی ہے، فردوس بریں میں اپنے بھائی اور اہل خانہ کے ساتھ یقیناً عیش و عشرت سے خداوند قدوس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے، جس نے اپنی زندگی کی اٹھانوے بہاریں دیکھیں، بچپن کی سختیاں، اپنوں اور بے گانوں کی تکالیف کو خندہ پیشانی سے دیکھ کر استقامت کے دامن کو تھام کر آنے والوں کو نیا عزم اور حوصلہ دے کر آرام سے رختِ سفر باندھا اور خلد بریں میں اپنا مسکن سجا لیا، میری مراد میرے پیارے نانا جی شیخ التفسیر، امام اہل السنۃ، محدث اعظم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر ہیں

راہِ وفا میں ہر سو کانٹے، دھوپ زیادہ سائے کم
لیکن اس پر چلنے والے خوش ہی رہے پچھتائے کم

بے شمار دفعہ کاغذ اور قلم سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کی لیکن ہر دفعہ بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، ایک طرف نانا جان کا علمی مقام، دوسری طرف ان کی جدائی کا غم۔

ماضی کے مناظر جن میں نانا جان کو کبھی مصلیٰ رسول پر نہایت ہی پابندی سے پنج وقتہ نماز پڑھاتے

دیکھا، کبھی منبر نبوی پر علم وعرفان کی بارش برساتے ہوئے پایا، کبھی مسند حدیث وتفسیر پر قرآن وسنت کے موتی بکھیرتے ہوئے دیکھا، ہر جگہ حضرت نانا جان رحمہ اللہ تعالیٰ کو منفرد مقام کا حامل اور اتباع سنت میں ڈوبا ہوا پایا، آخری عمر میں زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی علم ومعرفت کے موتی بکھیرتے گزار دیا۔

اس نالائق نے بھی اپنی عمر کا اکثر حصہ حضرت نانا جان رحمہ اللہ کی معیت میں گزارا، کبھی سفر میں ہمراہ ہوا، کبھی حضر میں قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، ہر موقع اور ہر مقام پر نانا جان نے مشفقانہ انداز میں نہایت ہی عمدہ تربیت کی، اس عاجز پر مسلسل آپ کے احسانات کی بوچھاڑ رہی۔

بچپن میں جب کبھی بھی گکھڑ آیا اپنی دونوں نانیوں کو آپس میں شیر وشکر پایا، چھوٹی نانی جان کا زیادہ وقت کچن میں گزرتا، بڑی نانی امی کا سویٹر بننا اور پوٹے کی سویاں بنانے کا منظر ابھی تک نظروں میں گھوم رہا ہے۔

جیسے ہی سکول یا مدرسہ سے چھٹیاں ہوتیں تو سب کی گکھڑ نانا جان رحمہ اللہ کے پاس جانے کی خواہش ہوتی، عیدین یا کسی بھی خوشی کے موقع پر جب سب رشتہ دار گکھڑ اکٹھے ہوتے تو خوب رونق لگتی، حضرت نانا جان رحمہ اللہ گھر کے ہر کام پر نظر رکھتے اور ہر ایک کا خوب خیال رکھتے تھے، اشیاء ضرورت کی لسٹ بنا کر رکھتے اور ضرورت کی ہر چیز بروقت منگوا کر مہیا فرماتے، بالخصوص مہمان نوازی میں تو آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، ہر ہر مہمان کی حسب مرتبہ خوب تواضع کرتے تھے۔

بچپن کی بات ہے کہ ایک بار ہم سب گھر والے نانا جان کے پاس گکھڑ جا رہے تھے، جوں ہی گاڑی سے اترے میں خوشی سے پھولا نہ سمایا اور گھر کی طرف دوڑ لگا دی کہ سب سے پہلے گھر میں داخل ہو جاؤں! تیزی میں پاؤں پھسلا اور دھڑام سے گندے پانی میں گر گیا، اٹھ کر وہیں بیٹھ گیا، شرمندگی کی وجہ سے گھر نہیں جا رہا تھا، امی نے گھر جا کر بتایا تو نانا ابو آئے اور مجھے اٹھا کر گھر لے گئے، نانی امی نے نہلایا اور کپڑے بدلوا کر اپنی گود میں بٹھایا، اور میں سب کے سامنے شرمندگی سے بچ جانے پر خوشی سے سرشار ہو گیا۔

بڑی نانی امی کی شفقت بھی ہم پر خوب رہتی، دراصل یہ سب نانا جان کی شفقت اور محبت تھی کہ آپ بار بار نانی امیوں کو تاکید فرماتے رہتے کہ بچوں کا خاص خیال رکھا کرو!، کھانے پینے کے متعلق خود دریافت فرمایا کرتے، اگر فروٹ آتا تو خود پہلے بچوں میں تقسیم کیا کرتے تھے، میں جامعہ نصرۃ العلوم کے سکول میں زیر تعلیم تھا، ایک استاد بڑی سخت طبیعت کے مالک تھے، ایک روز کلاس کے سب طلباء کی انہوں نے پٹائی کی اور ناک زمین پر رگڑنے کا حکم دیا، پیپر میں میرے نمبر 50 میں سے 48 تھے، لہٰذا مار سے تو بچ گیا، لیکن ناک رگڑنے کا حکم دیا گیا، حکم کی تعمیل کی تو ناک پر نشان پڑ گیا، اسی دن بڑی نانی امی ماموں قارن کے گھر

آئیں تو مجھے بھی بلوایا، میں گیا تو میری ناک پر نشان دیکھ کر ماموں پر سخت برہم ہوئیں اور مجھے اپنی گود میں بٹھا کر کھانا کھلایا۔

آپ کے چھوٹے بھائی حضرت اقدس مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ بھی چونکہ بچپن میں آپ کے زیرسایہ رہے تھے، آپکی تربیت نے ان میں بھی بچوں کے لیے خصوصی شفقت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، ایک بار انہیں استاد محترم نے پیپر معیار پر پورا نہ اترنے کے باعث پوری کلاس کی ٹھکائی لگائی اور خوب لگائی، ادھر نماز کا ٹائم تھا، بچے باری باری مار کھاتے جاتے اور مسجد میں آتے جاتے تھے، میرے 100 میں سے 92 نمبر آئے لہٰذا میری تو کچھ بچت ہوگئی مگر محترم عالم صاحب کے بچوں کے 50/50 نمبر دیکھ کر استاد جی کا پارہ خوب ہائی ہوا اوران کی اچھی خاصی دھلائی ہوگئی، عالم صاحب نے جب بچوں کو روتے ہوئے دیکھا تو بچوں کو لے کر حضرت صوفی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت اپنے مصلے پر ظہر کی سنتیں ادا فرما رہے تھے، سردیوں کے دن تھے، حضرت کو جب عالم صاحب نے طلباء کے نشان زدہ ہاتھ دکھائے تو سخت جلال میں آگئے، یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت صوفی صاحب کو میں نے اس قدر غصہ میں دیکھا تھا، مجھے بھی بہت سوں نے اکسایا کہ جاؤ تم بھی صوفی صاحب کو ہاتھ دکھاؤ! ان کے بہکاوے میں آکر میں بھی چلا گیا، صوفی صاحب نے بہت پیار کیا، میں سخت جلال میں آپ کی شفقت دیکھ کر حیران رہ گیا، پھر ماموں قارن کو بلایا اور کہا کہ استاد کو سمجھاؤ! جب بھی آپ کی خدمت میں حاضری ہوتی آپ چائے بسکٹ کھلاتے اور خوب پیار سے نوازتے تھے، آہ! ایسا پیار اور ایسی شفقت اب کہاں سے لاؤں؟

بچپن میں میں نے اور چھوٹی ہمشیرہ ہم دونوں نے انگلش میڈیم سکول میں داخلہ لیا، اس کا یونیفارم پینٹ نیکر تھا، ایک دن نانا جان نے ہمیں دیکھ لیا تو امی کو بلا کر خوب تنبیہہ کی اور اسی دن ہمیں سکول سے چھڑوا کر مدرسہ نصرۃ العلوم کے سکول میں داخل کرا دیا پھر اکثر اوقات چیک کرتے تھے، جامعہ سے نکلتے وقت اکثر ملاقات ہوجاتی تھی، جب بھی ملتا مجھے ایک روپیہ یا پانچ روپے دیتے اور ساتھ میں نصیحت بھی فرماتے کہ بیٹا خوب دھیان اور توجہ سے پڑھو! آپ کی نصائح اور تربیت کا اثر تھا کہ میں آہستہ آہستہ دینی تعلیم کی طرف راغب ہوا، پھر جب قرآن کریم حفظ کیا تو بہت سے تحائف سے نوازا اور خوب دعائیں دیں۔

پھر میری زندگی کا سنہری ترین دور آیا اور حفظ قرآن کے بعد میں مستقل آپ کی خدمت میں آگیا، ماموں مولانا عزیز الرحمٰن شاہد صاحب مجھے تجوید و قرآت کے لیے گکھڑ لے آئے، میں نے نانا ابو سے کہا کہ میں فوج میں جانا چاہتا ہوں، میں نے مدرسہ کی تعلیم نہیں حاصل کرنی، فرمانے لگے دوپہر کا کھانا کھا کر میرے کمرے میں آؤ! حسب حکم حاضر ہوا، نانا جان رحمہ اللہ اپنے مصلے پر بیٹھے تھے، میں نے اپنی بات دہرائی تو

آپ نے عجیب وجدانی کیفیت میں اللہ کے حضور ہاتھ اٹھائے جو میرے لیے ذخیرہ آخرت بھی ہیں اور دین ودنیا کی کامیابی اور علم دین کی طرف رغبت کا ذریعہ بھی، نانا جان نے مجھے فرمایا کہ تم نے دیکھا ہوگا کہ اس دروازے پر فقیر بھی آتے ہیں بادشاہ بھی، پولیس افسران بھی آتے ہیں، فوج کے آفیسر بھی، یہ سب دین کی برکت ہے، پھر دعا فرمائی کہ یا اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما! بار بار یہ جملہ ارشاد فرماتے، پھر مجھے حکم دیا کہ بیٹا! تم یہاں میرے پاس ٹھہر جاؤ! آپ کی دعا کی برکت سے اللہ نے دین کا شوق جی میں ایسا پیدا کیا کہ اسی رستے پر جان کھپانے کی ٹھانی، تعمیل حکم میں آپ کی خدمت میں ٹھہرا رہا، اور علم وحکمت کے موتیوں سے اپنا دامن بھرتا رہا، نماز کی عادت بھی والد مکرم اور نانا جان کی مرہون منت ہے، پانچ وقت نماز پابندی اور اہتمام سے ادا کرتا تو والد صاحب مدظلہ آئس کریم یا کوئی اور چیز کھلاتے تاکہ نماز کی عادت پکی ہوجائے، گکھڑ آنے کے کچھ دنوں بعد نانا جان نے مجھے اور ماموں راشد کو طلب کیا، ہم نے حاضری دی تو فرمایا قرآن پاک لاؤ! میں قرآن پاک لایا، فرمایا پانچویں پارے کا آخری رکوع کھولو! جب مطلوبہ رکوع کھول چکا تو فرمایا اس کی تلاوت کرو! تلاوت کر چکا تو جہنم کا ذکر کیا اور فرمایا کہ نماز میں کوتاہی برداشت نہیں کی جائیگی، پھر حکم دیا کہ جہاں کہیں بھی ہو نماز میرے ساتھ آکر پڑھا کرو! میں اس دوران معارف اسلامیہ میں تجوید کی کلاس میں داخلہ لے چکا تھا، مدرسہ گھر سے تقریباً ایک میل دور تھا، میں اکثر اذان کے وقت مدرسہ سے دوڑ لگاتا اور نماز کے وقت تک بمشکل ہانپتا کانپتا نانا جان کی خدمت میں حاضر ہوجاتا، آپ میرے ہی انتظار میں کھڑے ہوتے تھے۔ نماز کی عادت تو پکی ہوگئی البتہ صبح جاگ نہ آتی تھی تو آپ تہجد کے وقت خود تشریف لاتے اور میرے پاؤں کے انگوٹھے سے پکڑتے اور اٹھاتے تھے، جب آپ نماز فجر کے لیے مسجد جاتے تو ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھتے، بخاری شریف مجھے پکڑاتے اور میں آپ کے ساتھ مسجد میں نماز فجر ادا کرتا، پھر مہمانوں کی چائے اور ناشتے وغیرہ کی بھاگ دوڑ ہوتی، اسی اثناء میں مدرسہ کا ٹائم ہوجاتا، دوپہر اور شام کا کھانا بھی آپ کی خدمت میں میں ہی پیش کیا کرتا تھا، کچھ عرصہ یہ خدمات سرانجام دیتا اور بے شمار انعامات وصول کرتا رہا، حساب میں بڑے سخت تھے، حساب پورا پورا لے کر پھر مخصوص انداز میں فرماتے نوید کو جانتے ہو؟ یہ اسے دیدینا۔

دوسال مسلسل وہاں رہ کر آپ کی تربیت سے بھرپور فائدہ اٹھاتا رہا اور آپ کی ٹوٹی پھوٹی خدمت بھی سرانجام دیتا رہا، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے۔

ایک اور حسین منظر میری آنکھوں میں گردش کررہا ہے، جب آپ حرکۃ الجہاد الاسلامی کے معسکر میں تشریف لے گئے اور جن ہاتھوں کو میں نے اکثر قرآن وحدیث اٹھاتے دیکھا، آج انہیں ہاتھوں میں جہاد

کی ٹریننگ کی نیت سے کلاشن کوف، راکٹ لانچر اور دوسرا اسلحہ نظر آ رہا تھا، ہمارے دیگر بہت سے علماء اور مجاہدین بھی تھے، نانا جان نے کلاشن کوف کے فائر کرنا چاہے تو ایک مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اس طرف فائر کریں، آپ نے فرمایا میں مقبوضہ کشمیر کی طرف رخ کر کے فائر کرتا ہوں تا کہ عملی جہاد میں کسی درجہ میں حصہ ہو جائے۔

ایک بار میر پور میں رات کو قیام تھا، میں نے میز پر الارم والی گھڑی دیکھی، جس میں اذان والا الارم تھا، میں الارم لگا کر سو گیا، جب الارم بجنا شروع ہوا تو نانا جان اٹھ بیٹھے، گھڑی میں تو دو ہی فقرے بار بار گونج رہے تھے، فرمانے لگے لگتا ہے موذن اذان بھول گیا ہے! میں نے عرض کیا یہ گھڑی کا الارم ہے تو بہت ہنسے۔

حاجی لقمان اللہ میر صاحب جو نانا جان کے خادم خاص تھے ان کے بھائی کی شادی تھی میں گکھڑ جانے کی غرض سے آپ کی گاڑی میں بیٹھا لیکن لاہور چلا گیا، جب مجھے دیکھا تو فرمایا کہ تم کدھر؟ پھر میر صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے تو دو گن مینوں کا کہا تھا، تیسرا میرا نواسہ بھی آ گیا ہے، ساتھیوں کو بتا دو تا کہ کوئی پریشانی نہ ہو، میں اس قدر عاجزی دیکھ کر حیران رہ گیا۔

حضرت مفتی جمیل صاحب نے آپ کی خوب خدمت کی انہوں نے گویا آپ کو اپنے سگے باپ سے بھی زیادہ درجہ دیا ہوا تھا، آپ کی خدمت میں فنا تھے، آپ ان کے ہاں قیام فرماتے تھے کہ ایک روز مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ تشریف لائے تو مزاحاً فرمایا کہ حضرت! انہوں نے بڑے بڑے بزرگوں کی خدمت کی، سب کو دنیا سے رخصت کر کے ہی دم لیا، اب آپ کی خدمت میں مصروف ہیں، تو حضرت نے فرمایا نہیں اب الٹ ہوگا، پھر یہی ہوا کہ مفتی جمیل خان صاحب پہلے شہید ہوئے اور حضرت بعد میں خلد بریں پہنچے۔

پھر وہ دن بھی آ پہنچا، جس دن موت نے میرے نانا جان کو مجھ سے چھین کر ہم سب سے جدا کر دیا۔ وہ وقت کہ جب میری ماں، سب سے بڑھ کر آپ کی خدمت اور آپ سے پیار کرنے والی ماں اور میری چھوٹی ہمشیرہ آپ کی خدمت میں موجود تھیں، ماموں اور ممانیاں سب موجود تھے جب آپ سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر پیغام اجل پر لبیک کہتے ہوئے اپنے رب کے حضور جا پہنچے، جہاں آپ کے والدین، بہن بھائی اور دیگر رشتہ دار، اساتذہ اور اکابرین کے جھرمٹ میں جا پہنچے۔

جو دوسروں کے غم کو سمجھتا تھا اپنا غم
اے زندگی! وہ تیرا مہرباں گزر گیا

کیا عجیب منظر ہوتا تھا جب ہم گھر میں داخل ہوتے تو رعب و دبدبہ کی وجہ سے سر بھی جھکا جھکا کر

چلتے تھے، آج داخل ہوتے وقت آنکھوں میں آنسو اور دل میں ٹیسیں تھیں، ہر آنکھ اشکبار اور ہر قلب مغموم تھا، ایک دنیا میرے نانا جان کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔ کمرے میں ہر چیز موجود تھی لیکن مکین جنت کی طرف سفر کر چکے تھے، اللہ تعالیٰ خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے ماموں قارن مدظلہ کو کہ انہوں نے غسل دینے کی سعادت میں شامل کر کے اس عاجز پر احسان عظیم فرمایا، یہی کمرہ تھا جہاں آپ خوب احتیاط سے وضو اور غسل کرتے تھے، فرائض تو فرائض سنن و مستحبات کا بھی بہت خیال فرماتے تھے۔

اب کہاں وہ دن کہاں وہ حلقہ پیر مغاں
اب کہاں وہ ذاتِ اقدس تھی جو روح مے کشاں

آج آپ خاموشی کی زبان میں ہمیں یہ پیغام دے رہے تھے کہ

''میں تو اپنے مشن میں کامیاب ہو چلا ہوں، اب خود منزل کی طرف قدم اٹھاؤ!''

کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل، کوئی کیوں کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

کاش اے نانا جان آپ واپس آ جائیں! میری ماں اور بہنیں آپ کو یاد کر کے تڑپ اٹھتی ہیں، آہ! کہ آپ تو سکون کی میٹھی نیند سو گئے، لیکن ہم ضعیفوں پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، صدمے اور دکھ نے جینا محال کر دیا، آپ کی یاد نے دن کا چین اور رات سکون ہم سے چھین لیا

یہ رحلت ہے کس آفتابِ ہُدیٰ کی؟
یہ ہر سمت ظلمت ہے کیوں اس بلا کی؟
یہ رہ رہ کہ اُف کس کی یاد آ رہی ہے؟
یہ کیوں دِل میں ٹیسیں ہیں اُف اس بلا کی؟
کلیجے ہیں کیوں آج شَق اہلِ دل کے؟
جدائی ہے یہ آج کس دلربا کی؟

نانا جان! اب تو عمر بھر آپ کی یادیں ہمیں تڑپاتی رہیں گی، نانا جان! دنیا میں آپ ہمیں تنہا چھوڑ گئے مگر...نانا جان! روز محشر اپنے اس نالائق نواسے کو ضرور اپنے ہمراہ بہشت میں لے جانا

کچھ خواب جو آنکھوں سے نکالے نہیں جاتے
آنسو جو نکلتے ہیں سنبھالے نہیں جاتے

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد ابوبکر صدیق

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ

......اور......

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف راہنمائی اور انسان کو شیطان کے مکروفریب سے بچانے کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور سلسلہ نبوت کو امام الانبیاء محبوب کبریا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم فرماتے ہوئے آپ ﷺ کے سر مبارک پر ختمِ نبوت کا تاج سجا دیا۔ اور یہ نظامِ خداوندی ہے کہ جس طرح حضور نبی کریم سمیت تمام انبیاء علیہم السلام نے فریضہ رسالت کی ادائیگی کا حق ادا کیا اسی طرح آپ ﷺ کی پاک جماعت حضرات صحابہ علیہم الرضوان نے بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دینِ الٰہی سیکھ کر اس مقدس امانت کو باقی امت تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا اور دین سیکھنے سکھانے کا یہ سلسلہ اصحابِ صفہ رضی اللہ عنہم سے لیکر آج تک بفضلہٖ تعالیٰ جاری ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

یوں تو ہر دور میں علمائے امت نے دین کی تعلیم وتعلم کے شعبے میں مثالی خدمات سرانجام دیں لیکن عالمِ اسلام بالخصوص برصغیر (پاک وہند) میں اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم دیوبند سے جو کام لیا اسکی شان ہی نرالی ہے۔ بانی دارالعلوم حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے لیکر دورِ حاضر کے اکابر علمائے دیوبند تک ایسے علماء کی ایک طویل فہرست ہے جو صحیح معنیٰ میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے وارث کہلانے کے مستحق ہیں اور دارالعلوم دیوبند کی کہکشاں کے انہی ستاروں میں ایک درخشاں ستارہ حضرت امام اہل السنۃ محدث العصر عالم

باعمل شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کی ذات گرامی بھی ہیں جنکی شخصیت عالمِ اسلام بالخصوص دینی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

راقم الحروف تو چونکہ حضرت کے خاندان کا ایک فرد بھی ہے اس لیے حضرت کی شان اقدس میں مناسب الفاظ والقابات کے لیے اصحابِ علم واہلِ قلم کے لیے جگہ چھوڑ رہا ہے تاہم اتنا ضرور عرض کروں گا کہ عالمِ اسلام میں علماء حق کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسی شخصیت گزری ہو کہ جس نے 70 سال دینی علوم کی تدریس کی اور چالیس سال مسندِ حدیث پر بیٹھ کر طلابِ دین کے سینوں کو علمِ حدیث سے منور کیا ہو اور اہم دینی علمی اور نظریاتی عنوانات پر 60 کے قریب کتب تصنیف فرمائی ہوں، یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دینی، علمی، تدریسی اور تصنیفی خدمات کا برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں۔

جہلم کے حوالہ سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کا تذکرہ کچھ یوں کرنا چاہوں گا کہ ہمارے ان علاقوں جہلم، گوجرانوالہ اور چکوال کا آپس میں ایک مثالی دینی تعلق رہا، چند سال پہلے تک گوجرانوالہ میں حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ، چکوال میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ اور جہلم میں بندہ کے جدامجد حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کی صورت میں علمائے حق کی یہ عظیم نشانیاں موجود تھیں۔ کیا سنہری دور تھا جب یہ تینوں جامع الصفات شخصیات آپس میں مل بیٹھتیں تینوں کا دار العلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کرنے کا زمانہ بھی تقریباً ایک اور اساتذہ وشیوخ بھی ایک تھے یہی وجہ ہے ان حضرات کی دینی مسلکی ونظریاتی فکر میں وحدت پائی جاتی تھی اور ان حضرات نے اپنے اپنے حلقہ اثر میں دین حق ودعوت تبلیغ وتعلیم اور قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح عقائد ونظریات کی ترجمانی وتحفظ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے مقدس فریضے کی ادائیگی میں جو عظیم خدمات سرانجام دیں اور اس راہِ حق میں بڑے بڑے فتنوں اور آزمائشوں کے سامنے جس صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اور اپنے اس عظیم مشن کو جاری رکھا اسکی نظیر بہت کم ملتی ہے اور پھر ان حضرات کا مبنی براخلاص یہ دینی تعلق اولادوں کے باہمی ازدواجی رشتوں کے باعث باقاعدہ ایک خاندان کی شکل اختیار کر گیا۔

اس دوران حضرت شیخ رحمہ اللہ دیگر اکابر علماء کی طرح ہر سال باقاعدگی کے ساتھ جامعہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے رہے، جامعہ کے شعبہ کتب کے سالانہ امتحانات کے لیے بھی بطور ممتحن آپکی تشریف آوری ہوتی رہی مجھے یاد ہے کہ 2000ء کے سالانہ جلسہ میں میری دورہ حدیث شریف کی دستار بندی تھی اور ان دنوں حضرت شیخ ضعف اور بیماری کے باعث بہت کم کسی پروگرام میں جاتے تھے اور اس سے دو سال

قبل 1998ء میں بندہ کے جد امجد حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کا وصال ہو چکا تھا تو حضرت جہلمی رحمہ اللہ کی جدائی کے احساس نے اس اشتیاق میں مزید شدت پیدا کر دی کہ کم از کم اس سال سالانہ جلسہ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ ضرور تشریف لائیں لیکن حضرت نے بیماری کا عذر کر دیا اور اتفاقاً اسی سال بندہ کے ماموں زاد بھائی جناب حافظ ممتاز الحسن خان احسن خدامی کی بھی حفظ قرآن مجید کی دستار بندی تھی اور ہم دونوں اپنی اپنی جگہ پریشان تھے تو اس دوران میں نے اپنے ماموں مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب سے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ہم دوران جلسہ حضرت شیخ کو لینے ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں تو شاید بات بن جائے، گکھڑ منڈی پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت گوجرانوالہ شہر میں ایک دینی پروگرام میں تشریف لے گئے ہیں یہ سن کر کچھ امید پیدا ہوئی کہ آج حضرت کی طبیعت کچھ بہتر ہے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت گھر میں تشریف لے آئے اور حضرت کے چہرے سے شدید تھکاوٹ اور تکلیف کے آثار نمایاں تھے کچھ دیر حضرت نے آرام کیا پھر ماموں نے بات کی تو حضرت نے عذر پیش کیا تو ہم نے کہا کہ دوسروں کے ہاں تو چلے جاتے ہیں تو گھر والوں کا کوئی حق نہیں؟ تو حضرت نے فرمایا کہ دوسروں کو میری تکلیف کا احساس نہیں تو ان کے اصرار پر چلا گیا لیکن تمہیں تو احساس ہونا چاہیے، حضرت کا یہ جواب سن کر پھر مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی البتہ اس سے سبق ضرور ملا کہ بزرگوں سے عقیدت اور ملاقات کی خواہش تو اپنی جگہ درست ہے لیکن ان کی تکلیف کا احساس اور آرام کا خیال بھی رکھنا چاہیے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جن خوبیوں سے نوازا ان میں سے ایک نمایاں خوبی یہ بھی تھی کہ آخر وقت تک حضرت رحمہ اللہ کی ذہنی صلاحیت و حافظہ متاثر نہ ہوا کوئی شرعی مسئلہ ہو یا دینی حوالہ ہو حضرت رحمہ اللہ نے آخر وقت تک نوجوان علماء کے حافظوں کا امتحان لیا۔

بندہ کے والد گرامی مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کا حضرت سے چند ماہ قبل انتقال ہوا جس پر حضرت شدید رنجیدہ تھے، والد صاحب مرحوم کے اس اچانک انتقال کی خبر سننے کے بعد دو روز تک گھر والوں سے گفتگو نہ فرمائی اور اکثر آنکھیں اشکبار رہتیں ہم تک یہ خبر پہنچی تو پہلے ہی ہم ایک عظیم صدمے سے دوچار تھے حضرت رحمہ اللہ کی کیفیت سن کر شدید پریشانی لاحق ہوئی اور والد صاحب کی تعزیت کے لیے آنے والوں کا رش کم ہوتے ہی بندہ بڑی ہمشیرہ کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، والدہ صاحب چونکہ عدت میں تھیں اس لیے ہمارے ساتھ نہ جا سکیں البتہ وہ بھی اپنے والد ماجد سے ملنے کے لیے مضطرب تھیں اگرچہ ایسی کیفیت میں رات گھر سے باہر نہ گزارنے کی شرط پر بعض علماء کے نزدیک سفر کرنے کی گنجائش نکلتی ہے لیکن طے ہوا کہ حضرت سے پوچھ لیا جائے چنانچہ ہم نے حضرت سے پوچھا تو انہوں نے انتہائی ضعف اور نقاہت کے باوجود انگلی کے ساتھ نفی کا اشارہ فرمایا کہ شرعاً گنجائش نہیں ہے آپ اندازہ فرمائیں کہ ایک طرف اپنی بیٹی

کا یہ عظیم صدمہ اور دوسری طرف شرعی حکم کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی ہی ملاقات سے منع فرما رہے ہیں اور غور کرنے کی بات تو یہ ہے کہ حضرت اس بڑھاپے اور ضعف میں جبکہ تقریباً سارا جسم مفلوج ہے لیکن ذہنی صلاحیت متحرک اور دماغ میں موجود علمی ذخیرہ محفوظ ہے، یقیناً یہ علمِ دین ہی کی برکت ہے کہ حضرت اس کیفیت میں بھی دینی راہنمائی فرما رہے ہیں اور حضرت کی زندگی کے آخری دور میں ایسے متعدد واقعات موجود ہیں جنکا تذکرہ یقیناً خاندان کے دیگر افراد نے اپنی تحریرات میں کیا ہوگا تو بہرحال ہمارے یہ تینوں بزرگ یکے بعد دیگر ہم سے رخصت ہوگئے اور ویسے تو ان بزرگوں کی کمی اپنے اپنے دینی و علمی حلقوں میں شدت سے محسوس کی جارہی ہے تاہم میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں سب سے زیادہ ''جامعہ حنفیہ'' متأثر ہوا کیونکہ پہلے جامعہ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کا وصال ہوا پھر جامعہ کے سرپرست قائد اہل السنۃ قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ بھی چند سال کے وقفے سے اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور قریب عرصے میں جانشین حضرت جہلمی رحمہ اللہ اور مہتمم جامعہ حنفیہ بندہ کے والد گرامی حضرت مولانا قاری خبیب احمد صاحب عمر رحمہ اللہ کا دوران سفر اچانک انتقال ہوگیا اور پھر چند ماہ کے وقفے سے ہمارے خاندان اور اہل حق کی تمام مذہبی جماعتوں اور علمی حلقوں کے سرپرست امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کا سایہ شفقت بھی ہمارے سروں سے اٹھ گیا علاوہ ازیں دیگر بہت سی علمی و روحانی شخصیات بھی بقضائے الٰہی داغِ مفارقت دے گئیں اگرچہ یہ ضابطہ خداوندی ہے اور موت ہر ایک پر آنی ہے باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے تاہم ان حالات میں دینی کاموں میں ان حضرات کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔لہٰذا آپ جملہ قارئین سے استدعاء ہے کہ اپنی شب و روز کی دعاؤں میں خصوصیت کے ساتھ دعا فرمائیں کہ رب تعالیٰ ان تمام اکابرین کی دینی، علمی خدمات کو شرفِ قبولیت عطاء فرمائے، انکے درجات بلند فرمائے اور انکے دینی، علمی و روحانی فیض کو تاقیامت جاری و ساری فرمائے۔آمین

اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ عہد بھی کرنا ہوگا کہ ہم اپنے اکابرین کے مقدس مشن کو انشاء اللہ العزیز بتوفیقہٖ تعالیٰ زندہ رکھیں اور انکے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات کو پورے عالم میں چہارسو پھیلائیں گے۔انشاء اللہ

خدا رکھے مرے حرف و قلم کو کاروانِ حق سے وابستہ
تمہارا نقشِ پائے استقامت ہو مری منزل مرا رَستہ

☆......☆......☆......☆

قاری محمد عمر فاروق

نانا جان رحمہ اللہ کی یادیں

رات کے آخری پہر گہری نیند سویا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی، فون اٹھایا تو بڑی ہمشیرہ کی روتی ہوئی آواز کانوں میں پڑی کہ نانا ابو فوت ہوگئے ہیں، اس المناک حادثہ کی خبر جس جس نے سنی ان سب کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھی، کسی کے کانوں نے سنا کے اباجی فوت ہوگئے ہیں، اور کسی کانوں نے استاد جی، تو کسی نے سنا کہ حضرت شیخ صاحب، غرضیکہ یہ ساری باتیں جس شخصیت میں پائی جاتی تھیں وہ ہم سے جدا ہوگئی، دل ودماغ اس خبر کو ماننے پر تیار نہ تھے،۔فوراً گکھڑ ماموں راشد (حضرت کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ) کا نمبر ملایا، ماموں نے سوال کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور روتی ہوئی آواز میں بتایا کہ اباجی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے، پھر تو جیسے ہوش ہی نہ رہا، کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں! ہاتھ بڑی ہمشیرہ کے سر پر رکھا کہ اور تسلی دیتے ہوئے ان کو چپ کروانے لگ گیا، اسی دوران دماغ فوراً تین دن پہلے نانا جان سے ہوئی آخری ملاقات کی طرف چلا گیا، دل کو تھوڑا سا اطمینان ہوا کہ آج حضرت تو ہم سے رخصت ہوگئے لیکن میں آخری وقت میں اپنے حصے کا خزانہ حضرت کی قیمتی دعاؤں کی صورت میں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔

حضرت نانا جی رحمہ اللہ سے آخری ملاقات کا تذکرہ کرنے سے پہلے کچھ یادداشتیں بچپن کی بھی تحریر کرتا چلوں کہ بچہ جب ہوش سنبھالتا ہے تو ماں باپ کو اس کی پرورش اور اچھی تعلیم کی فکر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا کروڑ ہا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نامور علمی شخصیات کے خاندان میں پیدا فرمایا، ہمارے گھروں میں تعلیم کی ابتدا قرآن کریم کو یاد کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ یہی سب سے مقدس تعلیم ہے، اس لیے ہوش سنبھالا تو نورانی قاعدہ سے والدہ محترمہ نے ابتداء کروائی، وہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ فطری طور پر بچے کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کو پڑھائی سے تھوڑی آزادی ملے اور وہ وقت کھیل کود میں گزرے، لیکن ہمارے گھر کے دینی ماحول میں ایسی آزادی ناممکن تھی، کیونکہ گھر کے ساتھ ہی لڑکیوں کا مدرسہ ''جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام للبنات'' تھا۔ (یہ مدرسہ حضرت دادا جی مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ [خلیفہ مجاز: حضرت لاہوری رحمہ اللہ] نے قائم کیا تھا

جو آج بھی الحمدللہ ترقی کی منازل کی طرف رواں دواں ہے، بندہ کی والدہ محترمہ اس کی نگرانی فرما رہی ہیں اور دورہ حدیث سمیت سارے اسباق پڑھاتی ہیں، مدرسہ میں زیر تعلیم طالبات کی کل تعداد 500 ہے، اللہ تعالیٰ سے والدہ محترمہ کی لمبی زندگی اور صحت کی دعا ہے۔) صبح اٹھتے ہی والدہ محترمہ اپنے ساتھ مدرسہ لے جاتیں، اور جب سبق سنا لیتا تب چھٹی ہوتی، اور باقی وقت کھیل کود میں گزرتا، گھر کے اندر اور مدرسہ میں کھیل تو لیتے لیکن حضرت والد صاحب (مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ) کا رعب اور محترمہ والدہ صاحبہ کا ڈر ہر وقت کھیلنے کی خواہش کے آڑے آجاتا جو فطری طور پر بچے میں پائی جاتی ہے، یہ شوق تب پورا ہوتا جب ایک دو ہفتے کے لیے گکھڑ جانا ہوتا، پھر تو خوشی کی انتہاء نہ ہوتی تھی، ایک تو نانا ابو، نانی امی، ماموں اور سب کزن ان سے ملنے کی خوشی اور دوسرا پڑھائی کی چھٹی، گکھڑ جانے سے پہلے حضرت والد صاحب کی احتیاطی ہدایات ہوتیں کہ سڑک کی طرف نہیں جانا، اور دونوں بھائی (بندہ اور برادر مکرم مولانا محمد ابوبکر صدیق صاحب مہتمم: جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم) اکٹھے رہنا۔ گکھڑ پہنچ کر سب سے ملنے کے بعد پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ گھر کے سامنے والے گراؤنڈ میں کھیلنے نکل جاتے، اور سارا دن کھیلتے اسی دوران اچانک گھر سے پیغام آتا کہ اباجی سب لڑکوں کو بلا رہے ہیں، گھر میں داخل ہوتے تو نظر آتا کہ سب وضو کر رہے ہیں اور نماز کی تیاری کر رہے ہیں، وضو کر کے پہلے اپنی شلوار ٹخنوں سے خوب اوپر کرتے اور پھر حضرت ناناجی کے کمرے میں داخل ہوتے، کیونکہ اس بات پر اکثر اباجی کی ناراضگی دیکھنے کو ملتی اور کسی نہ کسی کو ڈانٹ پڑتی رہتی تھی۔ بہر حال کمرے میں داخل ہوتے تو اباجی کی آواز سنتے کہ آؤ بھائی! نماز لیٹ ہو رہی ہے! (حضرت دادا جان رحمہ اللہ آخر عمر میں گھٹنوں کی تکلیف کی وجہ سے مسجد میں نہیں جا سکتے تھے، لہٰذا گھر میں ہی باجماعت نماز ادا فرماتے۔ [خادم، حمزہ]) اس سوال کے بعد کے سارے آ گئے ہو؟ اباجی فرماتے تکبیر کہو! دل میں یہ خواہش ہوتی تھی کہ میں بھی تکبیر کہوں، لیکن چھوٹا ہونے کی وجہ سے اس وقت یہ خواہش پوری نہ ہو سکی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ پر جماعت کروانے کا موقع بھی عطا کیا، تو بہر حال جہاں حضرت رحمہ اللہ نے تعلیم وتدریس، تبلیغ وتزکیہ کا فریضہ سرانجام دیا وہاں اپنی اولاد کی دینی تربیت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، جہاں کہیں غلطی یا کمی دیکھتے فوراً گرفت فرماتے، اور آپ رحمہ اللہ کی شخصیت اتنی بارعب تھی کہ جیسے ہی مدرسہ نصرۃ العلوم کے اسباق سے فراغت کے بعد گکھڑ اپنے گھر تشریف لاتے تو ہر طرف ایک ہی آواز ہوتی کہ اباجی آ گئے! اباجی آ گئے! کوئی ادھر بھاگ رہا ہوتا، کوئی اُدھر چھپ رہا ہوتا، حالانکہ آپ نے کبھی ہم پر بے جا سختی

نہیں کی، اور مجھے نہیں یاد کہ کبھی ابا جی سے ڈانٹ پڑی ہو، یا پٹائی ہوئی ہو، پھر بھی یہ ڈر ہوتا تھا کہ یہ نہ ہو کہ کچھ ہو جائے،، بڑے تو ڈر کے مارے غائب ہو جاتے تھے لیکن ہم کھیلتے رہتے، مجھے یاد ہے کہ دو پہر کو حضرت کا آرام کا معمول تھا، لیکن ہمارے شور وغل کی وجہ سے ان کے آرام میں خلل آتا تھا، تو بڑی نانی امی ہمیں کہتی تھیں کہ جو بچہ دو پہر کو سو جائے گا اس کو ایک روپیہ ملے گا، اس ایک روپے کی خاطر ہم سب بڑے شوق سے سو جایا کرتے تھے، اور پھر اٹھتے ساتھ ہی نانی امی کی تلاش شروع ہو جاتی تھی، پھر ایک روپیہ پا کر ہم بہت خوش ہوتے تھے، وقت گزرتا رہا، اور پھر اچانک پہلے بڑی اور پھر چھوٹی نانی امی کی وفات سے جیسے اس گھر میں بے رونقی سی ہوگئی، لیکن حضرت نانا جان رحمہ اللہ موجودگی ہمیں ایک حوصلہ دیتی تھی، میں نے اپنی زندگی میں نانا ابو کو صرف ایک یا دو دفعہ سخت غصے کی حالت میں دیکھا ہے، پہلے تو ہم بہت چھوٹے تھے، میری کزن یعنی میرے ماموں کی بیٹی کو ابا جی سے بڑی عید کے دن گوشت تقسیم نہ کرنے پر مار پڑی تھی، اور دوسرا میری اسی کزن کے والد یعنی ماموں ماجد مرحوم کی وفات پر۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ میں اپنے دوسرے ماموں یعنی استاد الحدیث حضرت مولانا عبد القدوس خان قارن مدظلہ کے بیٹے مولانا نصر الدین خان عمر کے ساتھ گکھڑ گھر کی چھت پر سویا ہوا تھا، کہ اچانک چھوٹے ماموں (ساجد صاحب) نے اٹھایا کہ ''پاماجد فوت ہو گئے نیں، تے ابا جی توانوں بلاندے پئے نیں'' میں اور عمر یکدم اٹھے تو نیچے صحن سے ابا جی کی آواز آئی، نیچے دیکھا تو ابا جی سخت غصے کی حالت میں کھڑے کہہ رہے تھے کہ لڑکوں کو بھیجو پتہ کر کے آئیں کہ کیا ہوا ہے؟ کیونکہ ماموں ماجد کی رہائش حضرت کے مکان کے پیچھے دوسری گلی میں تھی، ہم بھاگ کر وہاں پہونچے تو سامنے ماموں کی میت پڑی تھی، ہمیں تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ سب اتنا اچانک کیسے ہو گیا؟ کیونکہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر ایک رات کے لیے حضرت رحمہ اللہ سے ملنے کے لیے آیا تھا اور ماموں کی بیماری کا تو ہمیں وہاں جا کر پتہ چلا کہ ان کے گردوں میں کوئی تکلیف ہے اور وہ گوجرانوالہ کے ایک ہسپتال میں داخل ہیں، خطرے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ سن کر میں نے سوچا کہ صبح جا کر ماموں کا پتہ کر آؤں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا، اور ابا جی رحمہ اللہ کے غصے کی وجہ بھی یہی تھی کہ کسی کو خبر ہی نہیں کہ وہ اتنی تشویش ناک حالت میں ہیں اور نہ ہی ان کو کسی نے بتایا تھا، بہر حال اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائے۔ آمین۔ ماموں ماجد کے ساتھ ہم سب کزنوں کی بڑی بے تکلفی تھی کیونکہ ان کو سیر وتفریح کا بڑا شوق تھا اور ان کی طبیعت بھی بڑی ہنس مکھ تھی، وہ اکثر سب کزنوں کو اکٹھا کر کے سیر وتفریح کا پروگرام بنایا کرتے تھے۔ لیکن ہمارا سب سے زیادہ پیار ہمارے ماموں حضرت

مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ خطیب جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہؒ [گجرات] کے ساتھ ہے، کیونکہ ان ماموں کا میری والدہ محترمہ کے ساتھ بہن بھائیوں میں سے سب سے زیادہ پیار رہا ہے، جس کی بنا پر وہ اکثر جہلم آیا کرتے ہیں۔ اور حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ اکثر مختلف جلسوں میں بھی جایا کرتے تھے اور کبھی کبھار رات ہمارے گھر میں ہی ٹھہرا کرتے تھے اور ہم سب رات دیر تک ماموں کے ساتھ گپ شپ لگایا کرتے تھے، ماموں عبدالحق جب بھی جہلم آتے تھے تو اپنے ساتھ کھانے پینے کا کچھ نہ کچھ سامان لایا کرتے تھے، ہم گپیں لگاتے، شرارتیں کرتے اور ساتھ ان چیزوں کا کھایا کرتے تھے، اور جب ہمارے والد حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کو اسوقت کے گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین نے اپنے خلاف تقریر کرنے پر ایک جھوٹے مقدمے میں (جو ''کھاریاں فائرنگ کیس'' کے نام سے مشہور ہے، جس میں اہل تشیع کے 8 افراد قتل ہو گئے تھے) بے گناہ پھنسایا تو اس وقت ماموں عبدالحق نے تقریباً 6 ماہ جہلم ہمارے گھر میں رہ کر حضرت قاری صاحب کی رہائی کی تحریک میں ایک جان ڈال دی تھی اور مختلف مقامات پر احتجاجی پروگرام منعقد کروائے اور یہ سب ان کی خداداد صلاحیت، دینی اور مذہبی فریضہ، خونی رشتہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ [خلیفہ مجاز: حضرت مدنی رحمہ اللہ] کا بھروسہ، حضرت جہلمیؒ [مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ] کا اعتماد عملی طور پر ایسے حالات سے واقفیت ہمارے گھر اور حضرت والد صاحب سے گہرا تعلق اور سب سے بڑھ کر حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کی دعاؤں کا نتیجہ تھا۔ جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہم کو عزت عطا کی اور تمام دعاگو احباب کی دعاؤں کی بدولت حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی بے گناہی ثابت ہوئی اور وہ باعزت بری ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ رب ذوالجلال ماموں جان کی اس محنت کو قبول فرمائیں اور ان کو صحت کاملہ عطا فرمائیں، ان کا سایہ دیر ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ آمین۔

یہ سب واقعات لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ہمارے بڑوں نے دین کی خاطر محنت کی اور قربانیاں دی، جیلیں کاٹی، یہی سبق وہ ہمیں پڑھا کر گئے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ اپنے بزرگوں کے اس مشن کا، اس عقیدے کا، اس مسلک کا تحفظ کریں گے اور اس کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور یہی پیغام ہماری آنے والی نسلوں کے لیے بھی ہے اور اسی میں کامیابی اور نجات ہے، اللہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو مسلک حق اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند پر تا قیامت کاربند رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

حضرت ناناجی رحمہ اللہ سے اکثر بستر علالت پر ملاقات ہوا کرتی تھی، کبھی اکیلے اور کبھی حضرت

والد ماجد کے ساتھ، جب بھی ملاقات ہوتی چند مخصوص سوالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا مثلاً آج کل کیا کر رہے ہو؟ جامعہ میں کتنے طلباء ہیں، دورہ حدیث میں کتنے طلباء ہیں؟ بخاری شریف کون پڑھاتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ حضرت نانا جی رحمہ اللہ ایسی شخصیت تھے کہ بستر علالت پر بھی ان کو فکر تھی دین کی، فکر تھی تعلیم کی، فکر تھی عقائد کی، فکر تھی مسلک کی، فکر تھی تربیت کی اور فکر تھی دینی مدارس کی، اور یہ دینی مدارس کہ جن کے لیے حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ اور ان جیسی دوسری شخصیات نے دعائیں کی ہوں، دنیا کی کوئی طاقت قیامت تک ان کو ختم نہیں کرسکتی، ۔ان شاء اللہ العزیز۔

اب میں اس تحریر کو وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے اس کا تعلق ٹوٹا تھا، حضرت شیخ سے آخری ملاقات بھی میرے لیے بڑی سعادت تھی چونکہ یہ حضرت کی وفات سے صرف تین دن پہلے ہوئی، وہ بھی اس طرح کہ جمعے کے لیے تیاری کر رہا تھا اور مطالعہ میں مصروف تھا کہ برادر مکرم مولانا ابوبکر صدیق صاحب کا فون آیا کہ ہمارے جامعہ سے وابستہ کچھ شہری حضرات حضرت شیخ کی عیادت وزیارت کے لیے گکھڑ جانا چاہتے ہیں، تو اگر آپ ساتھ چلے جاؤ تو مناسب ہے، اس لیے کہ ایک تو تمہاری بھی ملاقات ہو جائیگی اور دوسرا ان احباب کو بھی ملاقات میں آسانی ہوگی!! میں نے ایک لحہ کے لیے سوچا کہ ابا جی سے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد میری ملاقات نہیں ہوئی، (حضرت والد صاحب حضرت شیخ کی وفات سے دو ماہ پہلے سالانہ تبلیغی دورے کے دوران اچانک بیمار ہوئے اور دو دن بیمار رہنے کے بعد برمنگھم کے ایک ہسپتال میں انتقال فرما گئے تھے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔) موقع اچھا ہے، ملاقات بھی ہو جائیگی، زیارت بھی اور ساتھیوں کے لیے آسانی بھی، تو میں نے برادر مکرم سے کہا کہ میں تیار ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ ایک تو انور شاہ صاحب ہیں اور ان کے ساتھ دو یا تین ساتھی اور ہوں گے اور شاہ صاحب اپنی گاڑی جمعہ کے بعد یہاں لے آئیں گے، جہاں پر میں جمعہ پڑھاتا ہوں انور شاہ صاحب کا گھر بھی وہیں پاس ہی ہے اور یہ حضرت دادا جی رحمہ اللہ کے قریبی ساتھی سید فیض علی شاہ صاحب کے فرزند ہیں، اکابر کے ساتھ خصوصی محبت رکھتے ہیں اور جامعہ کے بھی مخلص معاون ہیں۔ اور جامعہ کے ساتھ مختلف مواقع پر ہر قسم کا تعاون بھی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔ شاہ جی نے جمعہ میرے پیچھے ہی پڑھا، اور جمعے کے بعد ہم گکھڑ روانہ ہوئے، گکھڑ پہنچ کر میں ان کو بیٹھک میں بٹھایا اور خود اندر چلا گیا، ماموں عزیز الرحمٰن شاہد صاحب جو آج کل سعودیہ میں

قیام پذیر ہیں ان سے ملا اور نانا جان کے کمرے میں چلا گیا، نانا ابو چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے ان کے پاس کچھ ملنے والے احباب اور ماموں راشد، میر لقمان، اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب موجود تھے۔ قریب ہو کر سلام کے بعد اپنا تعارف کرایا، کہ اباجی عمر، جہلم سے! تو اباجی نے نہایت کمزور سی آواز میں خیریت دریافت کی، گھر والوں کا حال پوچھا اور پھر میری طرف دیکھتے رہے، پھر امی جی کا پوچھا اس وقت میں اباجی آنکھوں میں آنسو دیکھے، میں فوراً سمجھ گیا کہ اباجی کو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی یاد آ گئی ہے، اسی دوران میرے رفیقِ سفر حضرات جن کی بدولت مجھے نانا ابو سے ملنے کا شرف حاصل ہو رہا تھا اندر داخل ہوئے، ان حضرات کا حضرت نانا جی رحمہ اللہ سے تعارف کرایا اور یہ حضرات مصافحہ کے بعد حضرت کی چارپائی کے پاس ہی نیچے بیٹھ گئے اور میں سرہانے کی طرف کھڑا ہو گیا، اتنے میں ڈاکٹر صاحب نے مجھے کرسی دی اور کہا کہ اس پر بیٹھ جائیں، میں سرہانے کی طرف بیٹھ گیا، ڈاکٹر صاحب گلاس میں جوس لائے، نانا ابو کو پینے کے لیے دیا تو انہوں نے انکار کر دیا، ڈاکٹر صاحب مجھے کہنے لگے کہ حضرت کچھ بھی نہیں کھا رہے، نقاہت بڑھتی جا رہی ہے، آپ درخواست کریں تو شائد تھوڑا سا جوس پی لیں، میں نے عرض کیا کہ اباجی! تھوڑا سا جوس پی لیں، پہلے ہاتھ کے اشارے سے منع فرما دیا، پھر مڑ کر میری طرف دیکھنے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ حضرت! عمر صاحب بھی کہہ رہے تھوڑا سا پی لیں! تو اباجی نے دو گھونٹ نوش فرمائے، یہ میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہے، اور اس سے ان بزرگوں کی بچوں سے محبت اور شفقت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اس وقت بھی میں نے اباجی کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو دیکھا، میرا دل بھی غمگین ہو گیا، دل سے اباجی کی لمبی زندگی کی دعا نکلی، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد اباجی سے اجازت لی، اباجی کافی دیر میرا ہاتھ تھامے مجھے دیکھتے رہے، پھر میں نے دعا کی درخواست کی، اباجی نے میرا ہاتھ چھوڑا اور اسی ہاتھ سے مختصر سی دعا فرمائی، پھر سب احباب نے مصافحہ کیا اور ہم جہلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ سارا رستہ ہم اپنے بزرگوں کی باتیں کرتے رہے۔ ٹھیک تین دن بعد اس المناک حادثہ کی اطلاع ملتے ہی میری آنکھوں میں اباجی کا غمگین چہرہ گھوم گیا۔

برادر مکرم مولانا محمد ابوبکر صدیق سے رابطہ ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس وقت رات کے 2 بج رہے ہیں باقی گھر والوں کو یہ افسوسناک خبر صبح دینا اور پھر آپ ان کو لیکر گکھڑ چلے آنا، نماز کے فوراً بعد میرے عزیز دوست جناب فرخ امین بٹ صاحب اپنی گاڑی لیکر آ گئے اور ہم گکھڑ کی طرف روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ

کر جو منظر دیکھا، وہ تحریر میں نہیں لایا جاسکتا، ہر چیز اداسی کی تصویر بنی ہوئی تھی، چہار سو ایک عجیب سی خاموشی تھی، کبھی کسی عزیز کا اباجی فرقت میں سسکیاں لینا یا کسی شاگرد کا روتے ہوئے یہ کہنا میرے استاد جی! مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے؟ یا کسی مرید کا اپنے شیخ کی جدائی میں آہ بھرنا اس منظر کو اور بھی دلدوز بنا دیتا تھا، بہر کیف یہ تو حکم ربی تھا، اس کو تو کوئی ٹال نہیں سکتا، ان کا وقت مقرر تھا، انہوں نے اپنے مقررہ وقت پر ہم سب کو یوں اداس اور روتا ہوا چھوڑ کر جانا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد اباجی کو غسل دیا گیا غسل دینے کی سعادت پانے والے خوش نصیبوں میں ماموں قارن [مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ]، مولانا محمد حسن مدظلہ، [لاہور]، مولانا ریاض خان سواتی مدظلہ، مولانا منہاج الحق خان راشد اور میرے کزن مولانا محمد داؤد خان نوید شامل تھے۔ غسل کے بعد گھر کے صحن میں رشتہ دار خواتین کو زیارت کرائی گئی، اور پھر وہ گھڑی آگئی جو کسی بھی گھر والوں کے لیے دل میں ایسا درد چھوڑ جاتی ہے جو مرتے دم تک ساتھ رہتا ہے، اس گھر میں ایک طویل عرصہ سے بسنے والا مکین سب کو بلکتا چھوڑ کر اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہا تھا، ماموں عبدالحق کے حکم پر چارپائی اٹھالی گئی، بانس باندھنے کے بعد گراؤنڈ پہنچے، وہاں پہنچ کر میں چارپائی سے جدا ہو گیا، پھر رش میں کچھ ہوش نہ رہا جب ہوش آیا تو ایک درخت کے نیچے خود کو تنے سے ٹیک لگایا ہوا پایا، کچھ احباب پانی پلا رہے تھے، کچھ اپنے رومال سے ہوا جھول رہے تھے، جسم کے مختلف حصوں پر درد کی شدت محسوس ہوئی، لیکن ہمت کر کے سٹیج کی پچھلی سائیڈ پر پہونچنے میں کامیاب ہو گیا، مختلف علماء کی تقاریر کا سلسلہ جاری تھا، کہ اچانک ماموں زاہد [مولانا زاہدالراشدی مدظلہ] نے مائیک ہاتھ میں لے کر تکبیر بلند کی اور نمازِ جنازہ شروع کرادی، نمازِ جنازہ سے فراغت کے بعد میت ایک گاڑی میں قبرستان لے جائی گئی، اور لاکھوں لوگوں کی موجودگی میں آپ کو منوں مٹی تلے دفن کر دیا گیا۔ یوں نصف صدی سے زائد قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرنے والا بلند پایہ محدث، مسلک حقہ کا دفاع کرنے والا عظیم جرنیل، علم وعمل کا جامع بلکہ سراپا علم، طریقت وسلوک کا سورج غروب ہو گیا۔ میں شکر گزار ہوں اپنی والدہ مکرمہ اطال اللہ عمرہا کہ ان کی دعائیں اور اپنے ماموں زاد بھائی سرفراز حسن خان حمزہ کا کہ جن کی مسلسل یاددہانیاں میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں یہاں تک کہ یہ تحریر مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تادم آخر صحیح مسلک، صحیح عقیدے پر کاربند رہنے اور اس کا اپنے اکابر کی طرز پر تحفظ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

حافظ محمد عمیر خان عثمان

چمن کا مالی چل بسا

باغ، باغیچہ، چمن یہ الفاظ سنتے ہی ذہن میں بے شمار خوبصورت چھوٹے بڑے پھولوں کا تصور آ جاتا ہے اور اس تصور سے ہی ذہن مختلف خوشبوؤں سے مہک اٹھتا ہے۔ باغ کا ہر خوشنما، خوشبودار پھول اپنے مالی کی ہنر مندی کی ترجمانی کر رہا ہوتا ہے۔

اور جس باغ کا تذکرہ میں کرنے جا رہا ہوں اس باغ کے پھول حضرت مولانا زاہد الراشدی، حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن، حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمرؒ، حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر، حضرت مولانا محمد فیاض خان سواتی اور بہت سے مہکنے والے اور اپنی مہک سے دنیا کے کونے کونے کو مہکانے والے پھول ہیں۔

ان پھولوں کو اپنی ہنر مندی اور دن رات کی محنت سے دنیا میں سرفراز کرنے والے میرے نانا، میرے استاد، میرے رہبر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

کلیوں کو خونِ جگر دے کے چلا ہوں　　　صدیوں تجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

یہ قدرت کا قانون ہے، جس کے آگے انسان بے بس ہے، جو آتا ہے اسے جانا ہے، مگر کچھ لوگ ایسے جاتے ہیں جو اپنے پیچھے پورا چمن ویران کر جاتے ہیں۔

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں　　　تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے سینچے ہوؤں میں بہت بڑے بڑے نام ہیں، مگر حضرت شیخ کو سینچنے والے وہ علم کے پہاڑ تھے جنھوں نے پورے برصغیر کو اپنے خون سے سینچا، جیسے شیخ العرب والعجم حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ، رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی نور اللہ مرقدہ وغیرہ

ان حضرات سے فیض یاب ہو کر شیخ سرفراز نے اپنے ہزاروں تلامذہ کو دنیا میں سرفراز کر دیا۔ آپ کا طالبعلمی کا زمانہ بہت مشکل تھا، بہت تکالیف، پریشانیوں اور مصائب میں رہ کر آپ نے تعلیم حاصل کی اور پھر گکھڑ آ کر امامت و خطابت اور گوجرانوالہ میں تدریس کا کام شروع کیا۔

میں نے جب سے ہوش سنبھالا، حضرت ناناجی رحمہ اللہ کو بستر پر ہی پایا، اس کے باوجود آپ کا علمی کام رکتا نہیں دیکھا، کبھی کسی مفتی صاحب کو مسئلہ سمجھا رہے ہیں، کبھی کسی عالم کا امتحان لے رہے ہیں، کبھی فارغ التحصیل علماء کو سند حدیث سے نواز رہے ہیں۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ حالات حاضرہ سے باخبر رہتے تھے، روزانہ اخبار ضرور سنتے تھے۔ میرا زیادہ وقت تو ان کے ساتھ نہیں گزرا، البتہ والدین سے ان کا تذکرہ بہت سنا، حالانکہ عمومی طور گھر کا پیر ہلکا ہوا کرتا ہے۔ احقر کے والد گرامی مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ نے ان کے پاس تعلیم حاصل کی، وہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اسباق میں حاضری کے بارہ میں بہت سخت اور وقت کے نہایت پابند تھے، اس کے ساتھ ساتھ طلباء کے لیے شفیق بھی بہت تھے، ہر ایک کا خوب خیال رکھتے تھے، مریض طلباء کے لیے علیحدہ راشن اور ادویات وغیرہ مرحمت فرماتے، یا اہل مدرسہ سے دلواتے تھے۔

ایک دفعہ میں حاضر خدمت ہوا تو ناناابو بہت اچھے موڈ میں تھے تو میں نے موقع غنیمت جان کر ان سے ان کے زمانہ طالب علمی کے حالات کے بارے میں سوال کیا تو فرمانے لگے ''مدرسہ میں کھانے کا انتظام نہیں ہوتا تھا، میں بازار میں سامان اٹھایا کرتا تھا اور جو پیسے ملتے تھے ان سے کھانا لاتا خود دن میں ایک بار کھاتا تھا اور صوفی (مولانا عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ) کو دو بار دیتا تھا۔ بڑے بڑے علماء کو آپ سے مسائل دریافت کرتے دیکھا، مجھے بھی شوق ہوا کہ کوئی سوال کروں، سو میں نے سوال کر دیا، آپ نے بالکل بھی محسوس نہ ہونے دیا کہ میں چھوٹا ہوں بلکہ فرمایا فلاں الماری میں سے فلاں کتاب نکال کر لاؤ! میں کتاب لایا تو پاس بٹھا کر خوب اچھے طریقے سے مسئلہ سمجھایا، میری ہمت بڑھی، پھر ایک موقع پر ایک اور سوال کیا تو آپ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کونسی کتابیں پڑھتے ہو؟ میں نے بتایا تو اسی مسئلہ میں سے مجھ سے نحو میر، ہدایۃ النحو، کافیہ، قدوری اور کنز کا امتحان لے لیا، میں حیران تھا کہ آپ نے ایک مسئلہ میں سے اتنے مسئلے کیسے نکال لیے!

اپنی زندگی میں ناناابو نے اپنے عمل سے جو باتیں ہمارے لیے مشعلِ راہ کے طور پر چھوڑی ہیں ان میں سے چند ایک کا تذکرہ مناسب خیال کرتا ہوں

[۱] چاہے کچھ ہو جائے حق سے پیچھے نہیں ہٹنا، آپ نے قید و بند کی صعوبتیں تو برداشت کیں مگر حق سے نہ ہٹے۔

[۲] علم میں رسوخ، اور تاریخ پر گہری نظر کے باوجود علماء دیو بند کے مسلک سے ایک ذرہ برابر انحراف نہیں کیا۔

[۳] ہزاروں علماء کے استاد، ہزاروں لوگوں کے پیر و مرشد ہونے کے باوجود آپ نے تکبر کو قریب بھی لگنے دیا

بلکہ عاجزی وانکساری کو اپنا شعار بنایا۔

[۴] دین کی خاطر دن رات کی پرواہ نہ کی، بلکہ خدمت دین کے لیے اپنے دن رات وقف کیے۔

[۵] اپنے اوقات کو بالکل ضائع نہ ہونے دیا، وقت کی پابندی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

[۶] درس وتدریس میں خوب محنت کی حتیٰ کہ 40/50 سال مسلسل تدریس کے باوجود ایک سبق بھی بغیر مطالعہ کے نہ پڑھایا۔

[۷] اپنی اولاد کے ہر اچھے کام پر حوصلہ افزائی کی، انعام سے نوازا جبکہ خلاف شرع ہر کام سے سختی کے ساتھ روکا، حتیٰ کہ غیر اسلامی لباس، چال ڈھال، بال، بناوٹ وغیرہ سے بھی دور رکھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو انہیں کی مثل تمام عمر خدمت دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین

گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا　　آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو

☆......☆......☆......☆

پابندیٔ وقت

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے جانشین حضرت مولانا زاہدالراشدی صاحب اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اور مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ دونوں وقت کے بہت پابند تھے اور ان دو حضرات کے متعلق مشہور تھا کہ لوگ انکی آمد و رفت کو دیکھ کر اپنی گھڑیاں درست کرتے تھے۔

ایک مرتبہ بہت سخت ہڑتال تھی حضرت نے گوجرانوالہ تشریف لانا تھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں سبق پڑھانے کے لیے کوئی گاڑی، بس وغیرہ نہیں مل رہی تھی۔ حضرت گکھڑ اسٹیشن پر تشریف لے گئے وہاں بہت زیادہ رش تھا۔اور گاڑی کوئی نہیں تھی صرف ایک انجن آیا اور لوگوں میں دھکم پیل شروع ہوگئی حضرت کو دیکھ کر انجن پر کھڑے آدمی نے لوگوں کو روکا اور کہا کہ سب دور رہو سب سے پہلے ان بزرگوں کو (حضرت شیخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) سوار کروں گا کیونکہ ایک تو یہ ہماری پکی سواری ہے اور دوسرا مجھے معلوم ہے یہ وقت کے بڑے پابند ہیں یہ لیٹ نہ ہو جائیں۔

کہاں ہیں آج کے اصحاب علم و دانش جو سبق پڑھانے کے لیے اتنا اہتمام فرماتے ہوں۔واقعی یہ امام اہل سنت کا خاصہ تھا۔اللہ تعالیٰ حضرت کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے....آمین

(ماہنامہ ''ھدی للناس''، گوجرانوالہ)

☆......☆......☆......☆

حافظ علم الدین خان ابو ہریرہ

ہماری خوش نصیبی

جہانِ شب و روز میں کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی یاد سدا باقی رہتی ہے، جانے والے کا لب ولہجہ، چال ڈھال، حرکت وسکون کا نرالا انداز اور شفقت ومحبت کا انوکھا پن ہمیشہ کے لیے دل پر نقش ہو جاتا ہے، ایسی ہی کچھ یادیں ہمارے دادا جی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی ہیں، جو عالم اسلام کو یتیم کر کے اس دنیاء فانی سے رخصت ہو کر اپنے رب کریم کے دربار میں سرخرو ہو چکے ہیں۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی　　　اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

ہم اس لحاظ سے خوش نصیب ہیں کہ ہمیں کئی بار دادا جی رحمہ اللہ کی خصوصی خدمت کا شرف حاصل ہوا، مگر ہم ان کی خدمت کا حق ادا نہ کر سکے، ویسے تو دادا جی بہت دفعہ ہمارے گھر تشریف لائے، لیکن علالت کے چند سالوں میں صرف دو بار ہی تشریف لا سکے، جب پہلی بار تشریف لائے تو ہمیں چند دن پہلے سے علم تھا، اس لیے ہر قسم کا انتظام پہلے سے کیا ہوا تھا، مثلاً دادا جی کی ضروریات کے علاوہ ملاقات کے لیے آنے والے مرد وخواتین حضرات کے لیے پردہ اور دیگر ہمہ قسم کا انتظام وغیرہ وغیرہ۔

آخر وہ خوش بخت گھڑی آن پہنچی جب دادا جان نے ہمارے غریب خانہ میں قدم رنجہ فرمایا، بلکہ آپ کو وہیل چیئر پر لایا گیا، کیونکہ آپ چلنے سے معذور تھے

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے　　　کبھی ہم اُن کو کبھی اپنی قسمت کو دیکھتے ہیں

اس دوران مجھ نالائق کو بھی خدمت کا موقع ملا، جسے سعادت سمجھتے ہوئے اپنی تمام تر مصروفیات ترک کر کے ہمہ تن دادا جی کی خدمت میں مصروف ہو گیا، حضرت دادا جی رحمہ اللہ کے ہاتھ اور پاؤں اُن دِنوں سوجے ہوئے تھے، والد محترم نے دادا جی کے لیے ایک مالشی کا انتظام کیا جو روز شام کو آتا اور دادا جی کے پاؤں کی مالش کرتا، آپ کے فالج زدہ ہاتھ کی ورزش کے لیے ہم نے ایک نرم گیند لی، جس میں ہوا بھری جاتی ہے، دادا جی نے اسے پکڑا اور ورزش فرمانے لگے، چند لمحوں بعد مسکراتے ہوئے فرمایا

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں　　　کھلونا دے کر بہلایا گیا ہوں

ایک روز ہم گھر والے دادا جی کی خدمت میں تھے تو آپ نے خاندان صفدریہ کے لیے ایک شعر پڑھا

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خوں دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

آپ کی دینی تربیت کا آپ کے خاندان پر کس قدر اثر ہے! اس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ خاندان صفدریہ میں تقریباً 26 علماء وعالمات 44 حفاظ وحافظات اور درجنوں قراء ہیں، آپ کے دو صاحبزادوں مولانا زاہد الراشدی اور مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہما نے آپ کی زندگی میں آپ کی مسند تدریس سنبھالی، اور تفسیر قرآن، بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھانے کی سعادت حاصل کی۔

ایک روز داداجی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرا قلمی جانشین میرا بیٹا قارن ہے، چنانچہ تایا جان مولانا زاہد الراشدی رقم طراز ہیں کہ ''میرے چھوٹے بھائی اور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے استاد حدیث مولانا عبدالقدوس قارن سلمہ نے حضرت والد محترم کی معاونت کا میدان سنبھال رکھا ہے اور وہ مسلسل اس خدمت کو پوری محنت اور ذوق کے ساتھ سرانجام دیتے چلے آرہے ہیں۔'' [الشریعہ]

میدانِ تدریس ہو یا تصنیف، وہ تصویرِ صفدر نظر آتے ہیں، چنانچہ داداجی رحمہ اللہ کی علالت کے بعد جب اہل باطل نے دیکھا کہ شیخ صفدر اب لکھنے سے معذور ہوچکے ہیں تو انہوں نے سادہ لوح عوام کو بہلانے کی خاطر داداجی رحمہ اللہ کی لاجواب کتابوں کے نام نہاد جواب کے طور پر صفحات کالے کرنے کی ٹھانی، تو والد محترم کی مضبوط علمی اور تحقیقی گرفت نے اُن کے دانت کھٹے کردیئے، چنانچہ بریلوی مسلک کے مفتی محمد خان قادری، اشاعتی علامہ سعید احمد چترو ڑی، غیر مقلد عالم ارشاد الحق اثری اور مماتی ٹولے کو ''علم متشابہات خاصہ خداوندی ہے''، ''ایضاحِ سنت''، ''مجذوبانہ واویلا'' اور ''اظہار الغرور'' کے ذریعے دندان شکن جوابات دے کر آپ نے اپنے والد مکرم کی جانشینی کا حق اور اہل السنۃ کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا فرمادیا۔ ''فجزاه الله احسن الجزاء''۔
خدا تعالیٰ آپ کا سایہ عاطفت تادیرِ صحت وعافیت اور تندرستی کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ آمین

داداجی کے ہمارے گھر میں قیام کے دوران ہم جب بھی کوئی خدمت کرتے تو آپ بے حد دعاؤں سے نوازتے، بعض اوقات تو آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر فرماتے ''یااللہ! ان بچوں کو عالم باعمل اور دین کا خادم بنا!'' اس کے ساتھ ساتھ تربیت کے پہلو کو بھی نظر انداز نہ فرماتے، چنانچہ ایک روز میں نے عرض کیا میرے لیے دعا فرمائیں! تو فرمایا ''جب تک عمل نہ کیا جائے، اس وقت تک دعاؤں کا کوئی فائدہ نہیں!'' اس ایک جملے میں آپ نے میرے لیے بہت بڑی بات کہہ دی، جس میں مجھے نصیحت بھی فرمائی اور حقیقت بھی واضح کردی۔

وفات سے دو ماہ قبل آخری بار آپ ہمارے گھر تشریف لائے، اس بار طبیعت کافی ناساز تھی، لہٰذا ہم نے اس بات کا خوب اہتمام کیا کہ آپ رحمہ اللہ کو ہر وقت کسی نہ کسی طرح مشغول رکھا جائے اور آپ کی دلچسپی کا

پورا سامان مہیا کیا جائے، تاکہ آپ اکتاہٹ کا شکار نہ ہوں، معذوری بہت زیادہ تھی، چلنے پھرنے سے حتیٰ کہ کروٹ بدلنے، اور بغیر سہارے کے بیٹھنے سے بھی معذور تھے، فقط سر یا ہاتھ مبارک کو حرکت دے سکتے تھے، اس کے باوجود علمی شغف دیکھیے! ہر آنے والے سے علمی سوالات فرماتے رہتے تھے، حضرت والد محترم سے بھی وقتاً فوقتاً سوالات فرماتے اور درست ہونے کی صورت میں تائید کے ساتھ ساتھ خوشی کا اظہار فرماتے۔ برادر قاری عبدالرشید سالم صاحب سے سوال کیا کہ ''سورۃ حمد کون سی سورۃ ہے؟'' فیصل آباد کے ایک عالم سے سوال کیا کہ ''امام بخاری کے دادا مغیرہ کا اصل نام کیا تھا؟''۔ اس کے علاوہ آپ ایسے باریک اور گہرے علمی سوالات فرماتے کہ حاضرین آپ کی قوتِ حافظہ اور یادداشت پر انگشت بدنداں رہ جاتے۔

ہماری خوش نصیبی اپنی جگہ مگر میں تو اپنے بھتیجے اور بھتیجی کو سب سے زیادہ خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ دادا جی کی گود میں سوار ہوتے اور ان کے پیار و شفقت سے لطف اندوز ہوتے، آپ رحمہ اللہ جب بھی ان میں سے کسی کو دیکھ لیتے تو ہاتھ کے اشارہ سے فرماتے اسے میرے پاس لے آؤ! خاص طور پر بھتیجی کیونکہ چھوٹی تھی اس سے بہت ہی پیار فرماتے، جب آپ واپس جانے لگے تو میرے بھتیجے حنظلہ نے آپ سے پوچھا کہ پھر کب آئیں گے؟ تو فرمایا کہ ''جب یہ چلنے لگے گی تو پھر آؤں گا، ان شاءاللہ''۔ جب چاچو راشد کا فون آیا کہ میں دادا جی کو لینے آرہا ہوں تو ہم سب ان لمحات کو غنیمت جانتے ہوئے الوداعی مجلس کے لیے آپ کی خدمت میں آ بیٹھے

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو　　　جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

جب میرے بھتیجے حنظلہ کو آپ کے جانے کا پتہ چلا تو پوچھنے لگا کہ ''بڑے دادا کیوں جا رہے ہیں؟'' ابو نے مزاحاً اسے فرمایا کہ ''تم نے دادا ابو کو تنگ کیا ہے اس لیے وہ جا رہے ہیں!'' تو فوراً کہنے لگا ''اب میں شور بھی نہیں کروں گا، بڑے دادا کو تنگ بھی نہیں کروں گا،'' پھر دادا جی کے پاس جا کر کہنے لگا کہ ''میں نے آپ کو نہیں جانے دینا''، اور دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا ''میں نے اُدھر (ہاتھ پھیلا کر) اتنے ڈبے لگا دینے ہیں''۔ پھر دونوں بازو پھیلا کر کھڑا ہو گیا کہ میں اس طرح کھڑا ہو جاؤں گا بڑے دادا کیسے جائیں گے؟ حضرت دادا جی رحمہ اللہ اپنے پڑپوتے کی ان باتوں پر مسکرائے اور سب گھر والوں کے لیے دعا فرمائی۔ اتنے میں چاچو راشد آ گئے، آپ رحمہ اللہ کو اٹھا کر گاڑی میں بٹھایا گیا، میں آپ سے مل کر اوپر چلا آیا، پھر اچانک پتہ نہیں کیا سوجھی کہ دوبارہ نیچے گیا اور دوبارہ سلام کیا، ہاتھ مبارک کا بوسہ لیا، دعا کرائی اور واپس آ گیا، یہی میری آخری ملاقات تھی۔ اس کے بعد زیارت نہ کر سکا اور دادا جان ہم ایسے ناتواں اور ضعیفوں کو بلکتا چھوڑ کر راہی دارِ بقاء ہو گئے۔ اللہ رب العزت ہم سب کو تادم آخر دادا جی رحمہ اللہ کے مشن کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے خاندان کی تمام شرور و فتن سے حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ محمد شمس الدین خان طلحہ

آخری ملاقات

ہمارے جد امجد، امام اہل السنۃ، بوحنیفۂ وقت، ذھبئ عصر، بخاری دوراں، رازی زماں، محدث عرب وعجم، آبروئے دیوبند، محقق العصر، سرتاج الاولیاء، پیرطریقت، رہبر شریعت، سیدنا ومرشدنا ومولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ وفات حسرت آیات سے تقریباً دو ماہ قبل 24 فروری 2009ء بروز منگل ہمارے گھر آخری بار تشریف لائے، اس موقع پر بندہ نے اُن سے چند سوالات کیے، جوافادۂ قارئین کے لیے پیشِ خدمت ہیں.....

احقر: آپ نے کتنے حج اور عمرے کیے ہیں؟

داداجان رحمہ اللہ: الحمدللہ میں نے پانچ حج اور دس عمرے کیے ہیں۔

احقر: آپ نے کن کن ممالک کا سفر کیا؟

داداجان رحمہ اللہ: سعودی عرب، شام، برطانیہ، جنوبی افریقہ، بھارت، افغانستان اور بنگلہ دیش (نوٹ: داداجان رحمہ اللہ بعض ممالک میں کئی کئی بار تشریف لے گئے، مثلاً بنگلہ دیش تین بار تشریف لے گئے۔)

احقر: کون سا ملک اچھا ہے؟

داداجان رحمہ اللہ: حرمین شریفین کی وجہ سے سعودی عرب اور رہائش کے لحاظ سے اپنا ملک۔

احقر: جب آپ افغانستان تشریف لے گئے تو آپ نے ملا عمر اور شیخ اسامہ بن لادن سے ملاقات فرمائی تھی؟

داداجان رحمہ اللہ: ملا محمد عمر مجاہد صاحب سے میری ملاقات ہوئی ہے، شیخ اسامہ سے نہیں ہوئی۔

احقر: آپ کی عمر کتنی ہے؟

داداجان رحمہ اللہ: ہجری سن کے لحاظ سے ایک کم سو (ننانوے) سال

احقر: مولانا قاضی شمس الدین مرحوم فاضل دارالعلوم دیوبند آپ کے ساتھی ہیں یا آپ سے پہلے کے فاضل ہیں؟ اور وہ حیاتی تھے یا مماتی؟

داداجان رحمہ اللہ: قاضی صاحب مجھ سے پہلے کے فاضل ہیں۔ گول مول تھے، اپنا مسلک ٹھیک تھا مگر ساتھ مماتیوں کا دیتے تھے۔

احقر: تصویر والا ٹی وی چینل جائز ہے یا نہیں؟ اور تصویر کس مجبوری کے تحت جائز ہے؟

دادا جان رحمہ اللہ: تصویر والا ٹی وی چینل حرام ہے! اور تصویر فقط بعض مجبوریوں کے تحت جائز ہے [۱] شناختی کارڈ [۲] پاسپورٹ [۳] شخصی شناخت (جو امتحانات وغیرہ میں ادارے لازمی قرار دیتے ہیں۔) ان کے علاوہ قطعاً تصویر جائز نہیں۔

احقر: آپ کتنی بار جیل گئے اور کون کون سی جیل میں رہے؟

دادا جان رحمہ اللہ: میں دو بار جیل گیا [۱] تحریک ختم نبوت میں [۲] بھٹو کے دورِ حکومت میں (تحریک نظام مصطفیٰ میں [خادمِ، حمزہ]) ایک بار گوجرانوالہ اور ایک دفعہ ملتان سنٹرل جیل۔ مزید فرمایا کہ میرے ساتھ تمہارے نانا (محمد بشیر احمد بٹ مرحوم) بھی تھے، اور ہم اکٹھے ایک ہی جیل میں رہے، وہ بڑے پختہ ذہن کے آدمی تھے، بعض لوگ معافی مانگ کر جیل سے رہا ہو گئے، مگر یہ آخر تک جیل میں رہے اور معافی نہ مانگی۔

احقر نے دادا جان رحمہ اللہ سے آخری ملاقات میں یہی چند سوالات کیے تھے، اس کے بعد آپ کی زیارت نصیب نہ ہوئی، جس روز آپ رحمہ اللہ ہمارے گھر سے واپس گکھڑ تشریف لے گئے اسی روز آپ رحمہ اللہ کے داماد اور ہمارے پھوپھا جان مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اسی روز احقر کی طبیعت ناساز ہوئی جو مسلسل کئی روز خراب رہی، اسی بنا پر باوجود دل چاہنے کے دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری نہ دے سکا، جس کا ملال تادم آخر رہے گا

تازہ تمام زخم بہاروں نے کردیئے
ہر پھول کا سوال ہے تم کیوں چلے گئے؟
ہنسنا تو خیر اپنا مقدر نہ تھا کبھی
رونا بھی اب محال ہے تم کیوں چلے گئے
جاتے جاتے تم سے ملاقات نہ ہوسکی
اب تک یہی ملال ہے تم کیوں چلے گئے
طلحہ میں کس طرح سے اُٹھاؤں دکھوں کے بوجھ
سارا بدن نڈھال ہے تم کیوں چلے گئے؟

آخر میں اپنے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ العالی کے جذبات کو پیش کرتا ہوں جن کا اظہار انہوں نے دادا جان رحمہ اللہ کی وفات پر کیا

کیا بیتی ہم پہ لوگو! کسے حالِ دل سنائیں؟
دنیا اُجڑ گئی ہے کسے زخمِ دل دکھائیں

جس شیخ کی زیارت تھی سکون دل کا باعث

وہ شیخ چل دیئے ہیں اب سکوں کہاں سے لائیں؟

ہر فرد اُداس بیٹھا، سوچوں میں گم ہوا ہے

آنکھوں سے بہتے آنسو، اوروں کو بھی رُلائیں

بھائیو! نہ ہارو ہمت اب حوصلہ دکھاؤ!

ورثے میں جو ملا ہے اس مشن کو بڑھائیں

ہر مسئلہ حق بتایا، اسلاف سے ملایا

باطل سے ڈر نہ کھایا چاہے جان ہی سے جائیں

توحید کو پھیلایا سنت کی راہ دکھائی

پڑھ پڑھ کتابیں اُن کی عوام کو سنائیں

سواتی برادران کے نسبی روحانی بیٹو!

درس وعمل میں اپنے اسی فرض کو نبھائیں

خونِ دل سے ہم کریں گے اس مشن کی حفاظت

دشمنوں سے جا کے کہہ دو یوں خوشیاں نہ منائیں

قارنؔ کی یہ دعا ہے الٰہی قبول کر لے!

جب محشر میں ہم کو دیکھیں تو اسلاف مسکرائیں

حافظ محمد شمس الدین خان طلحہ

حافظوں کا باپ

امام اہل السنۃ، محقق العصر، شیخ المشائخ، محدث عرب وعجم مرشدنا ومولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ خود دتو قرآن پاک کے حافظ نہیں تھے، مگر آپ رحمہ اللہ کی آگے اولاد صاحبزادے اور صاحبزادیاں حافظ ہیں اور آگے ان کے صاحبزادے اور صاحبزادیوں میں سے بھی حفاظ ہیں، مثلاً حضرت صاحب رحمہ اللہ کے پوتے، پوتیاں، پڑپوتے، نواسے، نواسیاں ہیں، میں ان سب کا مختصر تعارف کروانا چاہوں گا، حضرت صاحب رحمہ اللہ اپنے آپ کو حافظوں کا باپ کہتے تھے، اسی لیے اسی عنوان سے یہ تحریر لکھی جارہی ہے

[۱] حافظ محمد عبدالمتین خان زاہد المعروف مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب حافظ ہیں، اور آگے آپ کے دونوں بیٹے حافظ ہیں، [۲] حافظ محمد عمار خان ناصر [۳] حافظ ناصر الدین خان عامر۔

[۴] عبدالقدوس خان قارن صاحب حافظ ہیں اور آگے آپ کے پانچ بیٹے حافظ ہیں، [۵] حافظ نصر الدین خان عمر، [۶] حافظ حبیب القدوس خان معاویہ، [۷] حافظ عبدالرشید خان سالم [۸] حافظ علم الدین خان ابوہریرہ، [۹] حافظ شمس الدین خان طلحہ صفدری۔

[۱۰] حافظ محمد اشرف خان ماجد مرحوم حافظ تھے اور آگے آپ کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی حافظہ ہے [۱۲] حافظ انصر خان، جبکہ قاری ماجد مرحوم کا ایک بیٹا بھائی اکمل مرحوم قرآن کریم حفظ کر رہا تھا، بھائی اکمل مرحوم کے پندرہ سپارے حفظ ہو گئے تھے کہ وہ ایک ایکسیڈنٹ حادثہ میں شہید ہو گئے۔

[۱۳] حافظ عبدالحق خان صاحب بشیر حافظ ہیں اور آگے آپ کے دو بیٹے حافظ ہیں، [۱۴] حافظ ممتاز الحسن خان احسن خدامی، [۱۵] حافظ سرفراز حسن خان حمزہ احسانی۔

[۱۶] حافظ محمد عزیز الرحمٰن خان شاہد صاحب حافظ ہیں اور آگے آپ کی ایک بیٹی حافظہ ہے۔

[۱۸] حافظ رشید الحق خان عابد صاحب حافظ ہیں۔

[۱۹] حافظ شرف الدین خان حامد صاحب حافظ ہیں اور آگے آپ کی ایک بیٹی حافظہ ہے۔

[۲۱] حافظ عنایت الوہاب خان ساجد حافظ ہیں۔

[۲۲] حافظ منہاج الحق خان راشد صاحب حافظ ہیں۔

[۲۳] حضرت صاحب رحمہ اللہ کی بڑی بیٹی [ام عمران شہید] حافظہ ہیں اور آگے آپ کے دو بیٹے حافظ ہیں۔

[۲۴] حافظ محمد عمران شہید، [۲۵] حافظ حبیب الرحمٰن۔

[۲۶] حضرت صاحب رحمہ اللہ کی دوسری بیٹی [اہلیہ قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ] حافظہ ہیں اور آگے آپ کی پانچ بیٹیاں اور تین بیٹے حافظ ہیں۔ [۳۲] حافظ محمد ابوبکر [۳۳] حافظ محمد عمر فاروق [۳۴] حافظ محمد عمیر،

[۳۵] حضرت صاحب رحمہ اللہ کی تیسری بیٹی [ام داؤد نوید] بھی حافظہ ہیں اور آگے آپ کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا حافظ ہے۔ [۳۷] حافظ محمد داؤد خان خان نوید۔

حضرت صاحب رحمہ اللہ کی پوتی [اہلیہ مولانا فیاض خان سواتی مدظلہ] کے دو بیٹے حافظ ہیں۔ [۳۸] حافظ محمد حذیفہ خان سواتی [۳۹] حافظ محمد خزیمہ خان سواتی۔

حضرت صاحب کی ایک نواسی [اہلیہ قاری خالد صاحب، اچھڑیاں] کے دو بیٹے حافظ ہیں [۴۰] حافظ محمد اعظم خان [۴۱] حافظ محمد قاسم خان۔

حضرت صاحب کی ایک نواسی [اہلیہ مولانا عبدالحق عامر، اچھڑیاں] کا ایک بیٹا حافظ ہے، [۴۲] حافظ محمد اسامہ

[۴۳] حضرت صاحب رحمہ اللہ کی ایک نواسی [اہلیہ خورشید احمد صاحب اچھڑیاں] کی ایک بیٹی حافظہ ہے۔

حضرت صاحب کی ایک نواسی [اہلیہ قاری عزیز الحق لندن] کا ایک بیٹا حافظ ہے، [۴۴] حافظ محمد سعد۔

احقر نے پوری کوشش کی ہے کہ حضرت صاحب رحمہ اللہ کی اولاد یا اولاد کی اولاد میں سے جتنے بھی حفاظ ہیں، سب کے نام لکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے پھر بھی اگر کسی کا نام رہ جائے تو وہ احقر کو مطلع کرے، اور احقر سے رابطہ کرے، اور آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب حفاظ اور حافظات کو حضرت صاحب رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو قرآن کریم کا اصل حافظ اور عالم باعمل بنائے، آمین ثم آمین۔

ابو مبشر خورشید احمد

محدثِ وقت، شیخ المشائخ

سرزمین ہزارہ سے رب العالمین نے دین متین کی خدمت کے لیے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت اقدس صوفی عبد الحمید خان سواتی کو چنا۔ ان دو بزرگوں نے گوجرانوالہ ہی سے تکمیل اسباق کے لیے دار العلوم دیوبند ہجرت کی تھی تکمیل کے بعد دونوں بھائی گوجرانوالہ واپس آئے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے گکھڑ منڈی میں ایک مسجد میں امامت اختیار کی پنجاب کے اکثر علاقوں کی طرح گکھڑ بھی بدعات کا گڑھ تھا۔ رب العزت کی مدد شاملِ حال تھی پٹھان خون اور جوانی کے ولولے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کس عالم ربانی سے کہاں کام لیا جائے حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان گوجرانوالہ میں مقیم رہے اور حضرت استاد العلماء مولانا سرفراز خان صفدر نے گکھڑ کو اجلے دین کا مرکز بنایا۔

حضرت کے درس قرآن میں پہلے پہل ایک سعادت مند غریب آدمی ہی بیٹھا کرتا تھا۔ اور پھر جب دینِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے خلوص ومحبت کی خوشبو پھیلی تو ایک جہاں گرویدہ ہوا اور پھر دروس کا ایک ایسا سلسلۃ الذھب شروع ہوا جو اب تک حلقہ در حلقہ پھیلتا جا رہا ہے۔

ہر ایک راہ میں ہم نے دیا جلا کے رکھ دیا
بجھے چراغ میں لو لیکے لوگ جاتے رہے

جامعہ ''نصرۃ العلوم'' کے یومِ تاسیس ہی سے آپ کی معاونت مدرسہ سے جاری رہی۔ حضرت استاد العلماء کا اخلاص، تقویٰ، اتباعِ سنت اور انتہائی محتاط اور منظّم زندگی نے مدرسہ کا ماحول اتباعِ سنت پر استوار کر دیا۔ پنجاب اپنی زرخیزی کے لیے مشہور تو ہے ہی بدعات اور نظریات باطلہ کے فروغ کے لیے بھی یہ سرزمین سدا بہار رہی ہے۔ جھوٹے نبی، پرویزی، بریلوی اور غیر مقلد، منکرین حیاۃ النبیؐ۔ نہ معلوم کیا کیا بے دینی کے کانٹے یہاں اگتے رہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے یکہ وتنہا اپنی بے پناہ تدریسی ذمہ داریوں کے باوجود

ان تمام باطل فرقوں کے خلاف کام کیا اور ایسا تحریری ریکارڈ چھوڑا جو ان فرقِ باطلہ کے خلاف ہمیشہ کے لیے ناقابلِ تردید حوالوں سے مزین ہے ایک محقق ان تمام باطل فرقوں کے لیے حضرت رحمہ اللہ کی کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کرے تو اسے تحقیق مزید کی ضرورت شاید نہ پڑے۔ یہ ایک ایسا تجدیدی کام ہے جس سے علماء وقت نے آسودگی اور ان راہوں میں کام کرنے والے محققین کا کام آسان کر دیا۔

آپ رحمہ اللہ کی زندگی سادگی خلوص ومروت، ایثار وقربانی کا نمونہ تھی۔ تکلف جیسے آپ کے پاس سے گذرا نہ ہو۔ طلباء سے بے تکلف رہتے۔ اوقات کے مصرف کا یہ حال تھا کہ کوئی لمحہ بے توقیر نہ کرتے۔ صبح سے شام ایک منظّم اوقات کار کے مطابق معمولات پورے فرماتے۔ بے پناہ تدریسی مصروفیت کے باوجود جو تحریری کام آپ رحمہ اللہ نے کیا ہے اس پر حیرت ہوتی ہے۔ جیسے وقت نے آپ کے لیے بانہیں کھول کر لمحات کو وسیع سے وسیع کر دیا۔ اسے آپ رحمہ اللہ کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔

علمی لحاظ سے آپ کا مطالعہ وسیع، ذہن فراخ، کمال یکسوئی حاصل تدریسی استعداد ایسی کہ تمام تدریسی کتب ازبر ہوگئی تھیں۔ اس لیے درس کے لیے مطالعہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کا درس قرآن پنجابی میں ہوتا کہتے ہیں اسی آیت کا ترجمہ اور تشریح سالوں کے رفتار سے الفاظ کے یکسانیت پر رواں رہتا، فقہ کے امام تھے، حدیث کا انسائیکلو پیڈیا، مسائل کا بحرِ ذخار، علوم ومعارف کا گنج گرانمایہ، تصوف میں شیخ وقت غرض آپ رحمہ اللہ ہر راہ میں منزل رسیدہ راہبر وراہنما تھے۔

کہاوت ہے ''ولی را ولی می شناسد'' حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اس میں یوں ترمیم کی ہے کہ ''ولی را نبی می شناسد نبی را خدا'' اس لیے کہ بعض اوقات ایک ولی دوسرے کے مقام سے آگاہ نہیں ہوتا۔ حضرت والا کے مقام ومرتبہ سے وہ اہلِ علم ہی واقف ہوں گے جو اہلِ دل بھی ہوں، ہم تو بس یوں کہیں کہ اگر آپ کے مقام عالی کی طرف سر اٹھا کے دیکھیں تو سر سے ٹوپی گرے۔

آخری چند سالوں میں صاحبِ فراش تھے۔ آپ کی وفات سے دو ایک ماہ قبل ایک عالم کے حوالے سے ہم نے سنا کہ آپ رحمہ اللہ کو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں ''سرفراز اب کیا کرتے ہو ہمارے پاس آجاؤ'' سبحان اللہ آپ کی وفات کے بعد ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ جس قبرستان میں آپ رحمہ اللہ کو دفن کیا گیا ہے۔ وہاں سانپ بچھو اژدھا وغیرہ سرعت سے بھاگ رہے ہیں۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہاں ایک بزرگ آئے ہیں اُن کی برکت سے تمام قبرستان والوں کا عذاب ٹال دیا گیا ہے۔ رب العالمین نے وہاں بھی آپ کا فیض جاری کر دیا۔ اللہ رب العزت آپ درجات بلند فرمائے۔ اللھم آمین.

ابواُسامہ مولانا عبدالحق عامرؔ مدظلہ

حضرت نانا جی رحمہ اللہ

مخدوم العلماء، مفسر قرآن، شیخ الحدیث، قاطع شرک وبدعت، امام اہل السنۃ اور ہمارے نسبتی نانا جان حکیم العصر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر جن کو آج نوراللہ مرقدہ اور رحمہ اللہ لکھتے ہوئے دل خون کے آنسو رو رہا ہے اور قلم لرز رہا ہے

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں　　کہیں سے آب بقائے دوام لے اے ساقیؔ

نانا جی رحمہ اللہ تو مجاہدانہ زندگی گزار کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، لیکن باطل کے خلاف آپ نے جو شعور عوام وخواص میں بیدار کیا وہ اب بھی تابندہ اور بیدار ہے بام عروج کی جانب رواں دواں ہے، انہی کے لیے شاعر نے کہا ہے

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

آپ رحمہ اللہ سے ملنے والے آپ کے گرویدہ ہو جایا کرتے تھے، میں چونکہ نسبتی نواسہ ہوں لہٰذا میں بھی خاندان کے ایک فرد کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں گاہے بگاہے حاضری دیتا رہتا تھا۔ مجھے آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، آپ کی ہر ادا اور طرز عمل سنت کے عین مطابق ہوتا تھا، شفقت کے تو گویا سمندر تھے جس سے ہر ایک سیراب ہوتا تھا، صاف دلی میں بھی اپنی مثال آپ تھے، آپ کی محفل میں بیٹھنے کو ہم اپنے لیے اعزاز سمجھتے تھے

خواب بن کر رہ گئی ہیں کیسی کیسی محفلیں
خیال بن کر رہ گئے ہیں کیسے کیسے آشنا

تربیت اولاد کے بارے میں بہت فکرمند رہتے اور دوسروں کو اس کی خاص تلقین فرماتے تھے، فرماتے کہ دن بدن زمانہ پرفتن ہوتا جا رہا ہے اس لیے اپنی اولاد کی دینی تربیت اور اصلاح پر خصوصی توجہ کی اشد ضرورت ہے۔ میں جب بھی حاضرِ خدمت ہوتا تو آپ گاؤں کے حالات اور لوگوں کے متعلق حال احوال پوچھتے خاص کر گاؤں کے مدارس اور مساجد کی شب وروز کی کارکردگی کے متعلق اور عام لوگوں کی دین

سے وابستگی، دلچسپی اور لگاؤ کے متعلق ضرور دریافت فرماتے، بچوں کے بارے میں بھی پوچھتے کہ فلاں کیا پڑھتا ہے؟ اور فلاں کیا پڑھتا ہے؟ جب میرے بڑے بیٹے حافظ محمد اُسامہ سلمہ اللہ نے قرآن مجید مکمل حفظ کرلیا اور میں نے آپ کو بتایا تو انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور چہرہ پر نورانیت کے آثار پھیل گئے، ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا اور ہدایت فرمائی کہ اب خاص توجہ کے ساتھ بچے کی راہنمائی اور تربیت کا اہتمام کرنا، اللہ تعالیٰ حضرت کی جملہ خدمات دینیہ کو قبول فرما اس میں ہم سب کو بھی حصہ دار بنائے اور تادمِ آخر آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

☆......☆......☆......☆

پڑنواسہ امام اہل السنۃ حافظ انعام الحق خان اُسامہ

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

گاڑی اپنی مخصوص رفتار سے رواں دواں تھی، میں سو رہا تھا کہ اچانک بھائی نے جگایا اور کہا کہ بھائی! گکھڑ قریب آ گیا ہے! میں جلدی سے آنکھیں ملتا اُٹھ بیٹھا، دس منٹ بعد ہماری گاڑی بڑے نانا ابو (امام اہل السنۃ، رحمہ اللہ) کے گھر کے سامنے رُکی، اور ہم (میں، ابو، امی اور چھوٹے بہن بھائی) گھر میں داخل ہوئے، عصر کا وقت تھا، میں سامان رکھ کر سیدھا نانا ابو کے کمرے میں پہنچا، اُن کی طبیعت نسبتاً بہتر تھی، سلام کیا، تو جواب دیتے ہی فوراً سوال کیا کہ ''اُسامہ ہو؟'' عرض کیا جی ہاں! فرمایا ''کتنے پارے حفظ ہو گئے ہیں؟'' عرض کیا ''الحمد للہ، رب تعالیٰ کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے قرآن مکمل ہو گیا ہے'' بہت ہی خوش ہوئے، ڈھیروں ڈھیر پیار کیا، اتنے میں امی وغیرہ بھی آ گئے، سب سے ملے اور گاؤں اور اُس کے مکینوں کے بارے میں دریافت کرنے لگے۔

یہ فقط ایک ملاقات کی ایک جھلک تھی، جب بھی ہم حاضری دیتے حالت اس سے مختلف نہ ہوتی، ہم بچوں پر تو بہت ہی زیادہ شفیق تھے، بے حد پیار کرتے، مزاح بھی فرماتے، ہنساتے بھی تھے، دعاؤں سے بھی خوب نوازتے۔ آہ! اب ہم ان شفقتوں، محبتوں، دعاؤں اور نوازشوں سے محروم ہو گئے۔ وہ ہمارے لیے دعاؤں کا مرکز اور ہماری پریشانیوں کا مداوا تھے، جس کی روشنیاں ہم سب کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ تھی، اب تو سب کچھ ختم ہو گیا

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اُن کا مشن جاری وساری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حافظ عبدالباسط خان

ویراں ہے میکدہ خم وساغر اُداس ہے

آج میں کیا لکھوں؟ کہاں سے شروع کروں؟ کیسے لکھوں؟ یہ ہر طرف کیسی ویرانی اور اُداسی ہے؟ ہر اک چہرہ کیوں غم والم کی تصویر بنا ہوا ہے، چمن ویران، غنچے پژمردہ اور گُل مرجھائے ہوئے کیوں ہیں؟ محافل کی رونق، مجالس کی نورانیت، مجامع کی روحانیت آج کہاں غائب ہے؟ ہر باشعور کیوں غمگین اور ہر دل والا کیوں اُداس ہے

خبر ملی کہ شادمانیاں بکھیرنے والا رخصت ہوگیا ہے، چمن کا مالی چل بسا، گلوں کا رکھوالا آخرت کی طرف کوچ کر گیا، محافل کی رونق مجالس کا نور، مجامع کی روح اور دکھی دلوں کا ملجا آج اس دنیا میں نہیں رہا، یعنی محدث عرب وعجم، آبروئے دیوبند، یکتائے زمانہ، شیخ المشائخ، سرتاج العلماء، امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

پیکر انسانیت میں نورِ باطن چل بسا
مرکزِ صدہا کمالات ومحاسن چل بسا
جس کے گفتارِ فقاہت کا عجب اعجاز تھا
جس کے پاکیزہ عمل پر دین کو خود ناز تھا

میں نہ ان کی تعریف کرسکتا ہوں نہ کروں گا، میں صرف چند یادیں سپرد قلم کرنے کی کوشش کروں گا، اگرچہ خالو جان رحمہ اللہ کی جدائی سے فکر وخیال کی دنیا اُجڑ سی گئی ہے اور دل ودماغ ایک خرابۂ وحشت ناک بن گیا ہے، لیکن تڑپتے دل سے لکھ رہا ہوں کہ

خاموشی سے مصیبت اور بھی سنگین ہوتی ہے
تڑپ اے دل! تڑپنے سے ذرا تسکین ہوتی ہے

میں نے جب سے اس جہانِ رنگ وبو میں ہوش سنبھالا، خالو جان کی شفقتوں کو اپنے اوپر ابر رحمت

کی طرح برستے ہوئے پایا، بہت ہی شفقت ومحبت سے پیش آتے، جب بھی اُن کے گھر گکھڑ حاضر ہوتا تو بڑے اشتیاق سے پوچھتے کیا پڑھتے ہو؟ کس درجہ میں ہو؟ اس سال کون کون سی کتب پڑھ رہے ہو؟ میں بتاتا۔ پھران کے متعلق سوالات شروع کر دیتے، ایک بار حاضر خدمت ہوا تو میں نے ایک نعت سنائی ''محمد مصطفیٰ [صلی اللہ علیہ وسلم] آئے بہار اندر بہار آئی'' آپ نے بہت پسند فرمائی اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ کچھ عرصہ بعد دوبارہ حاضری ہوئی تو فرمایا ''نعت سناؤ!'' میں کوئی اور نعت سُنانے لگا تو فرمایا وہی سناؤ جو پچھلی بار سنائی تھی! میں بہت حیران ہوا، کیونکہ آپ کی عمر کے اُس حصے میں تھے جس میں اپنی تمام آل اولاد کے نام یاد رکھنا بھی مشکل ہوتے ہیں اور آپ تو بیمار بھی تھے لیکن قوت حفظ دیکھ کر میں حیران رہ گیا جب اُنہوں نے خود ہی اس نعت کا پہلا شعر پڑھ کر سنایا اور فرمایا یہ والی سناؤ!

سنت پر سختی سے عمل پیرا رہتے تھے، اور کوشش کرتے کہ تمام اہلِ خانہ سنن کا خاص اہتمام کریں، جو کوئی اہتمام کرتا خوب حوصلہ افزائی فرماتے، دعاؤں سے نوازتے اور ہمت بڑھاتے تھے۔

ظاہری بناوٹ، تصنع اور فیشن وغیرہ سے بہت دور انتہائی سادگی سے گزر بسر کرتے، میں نے اُن کے فقط 2 یا 3 جوڑے دیکھے جو سفید رنگ کے تھے، درمیانے درجے کا مکس کپڑا تھا، سردیاں گرمیاں، بہار، خزاں غرض بارہ ماہ وہی استعمال فرماتے تھے، استری کا تکلف بھی نہ کرتے، ابتداء میں تو بالکل استری نہیں کرنے دیتے تھے، بعد میں اگر گھر والے کر دیتے تو خاموش ہو جاتے خود کبھی نہ تقاضا کرتے اور نہ ہی پسند فرماتے تھے۔ ہر جمعہ کو خود حلق کرواتے تھے، اور گھر میں جتنے بچے (بچونگڑے) ہوتے ہر 15 دن بعد اُن سب کی ٹنڈ بھی کروا دیتے، سب کے ناخن خود چیک کرتے، گھر کی مستورات پر بھی کڑی نظر رکھتے، نیل پالش استعمال کرنا تو محال تھا، کیونکہ آپ کا فتویٰ تھا کہ اس سے نماز نہیں ہوتی، کپڑوں کی بھی دیکھ بھال کرتے تھے، مردوں کے پائنچے چھوٹے چھوٹے بنواتے، بڑے پائنچے بالکل بھی پسند نہ فرماتے تھے، بلکہ بڑے پائنچے بنوانے پر سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے، ایک زمانے میں مردوں کے ڈوری والے پائنچوں کا فیشن چلا، عید کا موقع تھا، درزی نے بھائی جان قارنؔ کے کپڑوں پر ڈوری والے فیشنی پائنچے لگا دیئے، خالو جان رحمہ اللہ نے جب دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے نہ پہننے دیئے، بھائی جان کا اُس وقت بچپن تھا، عید کا موقع بھی تھا، انہوں نے رونا شروع کر دیا، مگر خالو جان نہ مانے، بالآخر بڑی باجی نے اُن کے وہ پائنچے کاٹ کر نئے پائنچے بنائے، شلوار چھوٹی ہو جانے کی وجہ سے اوپر کی طرف کپڑا بھی لگانا پڑا، مگر جب تک پائنچے تبدیل نہ ہوئے خالو جان نے وہ کپڑے پہننے کی اجازت مرحمت نہ فرمائی، اسی طرح کا ایک واقعہ بھائی جان حامد (حماد الزھراوی) کے ساتھ بھی پیش آیا، اُن کے بھی پائنچے کٹے، تب جا کر وہ کپڑے پہننے کی اجازت ملی،

نئے نئے فیشنوں اور بے ڈھنگے طور طریقوں سے بچنے کی خاطر عورتوں کے پائنچوں تک کی سلائیاں شمار کیا کرتے تھے ایک مخصوص مقدار متعین تھی، اس سے زائد سلائیاں لگوانے کی کسی کو اجازت نہیں تھی، اگر نظر آجاتیں تو خیر نہ ہوتی تھی، اسی طرح اگر عورتوں کے بازو چھوٹے ہوتے تو بھی ڈانٹ پڑ جاتی تھی، اتنے بازو فرض تھے جو ہتھیلی تک با آسانی پہنچ جائیں، بچوں کے لباس میں خصوصی توجہ فرماتے، نازیبا، غیر مناسب اور فیشن والا لباس ناپسند کرتے تھے۔ جب تک آپ کی صحت برقرار رہی ان تمام امور کی نگرانی خود فرماتے رہے، جب بڑھاپا غالب آگیا، بیماریوں اور تکالیف نے گھیر لیا تو رفتہ رفتہ یہ نگرانی کم ہوتی چلی گئی۔ اب آخری 8/9 سال تو بالکل بستر پر ہی رہے، لہٰذا درس و تدریس کے ساتھ ساتھ دیگر تمام امور بھی چھوٹ گئے۔ افسوس کہ اب ان کا اہتمام کرانے والا کوئی نہیں۔

کس کس کمال کا کوئی اب تذکرہ کرے
ان کے تو ہر کمال میں لاکھوں کمال ہیں

آخری مرتبہ میں اپنے اساتذہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا، انتہائی شفقت سے ملے، چند نصائح فرمائیں، [۱] جب نعت پڑھنے لگو یہ دعا پڑھ لیا کرو! "اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیرا" [۲] تکبر سے ہمیشہ بچتے رہنا۔ [۳] علم پر حتی الوسع عمل کی پوری کوشش کرتے رہنا۔ آخر میں دعا دی کہ اللہ تمہیں دونوں جہاں کی خوشیاں نصیب فرمائے۔ (آمین۔ ثم آمین۔)

بالآخر وہ بھی اپنے اساتذہ، احباب، اعزہ واقارب کے پاس پہنچ گئے، وہ سب تو خوش ہوں گے، اپنے والدین بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کے جھرمٹ میں آپ شاداں وفرحاں تشریف فرما ہوں گے۔ اور یقیناً ان سب میں آپ کا رتبہ سب سے بلند ہوگا۔

تو جہاں میں اوجِ رفعت کی نشانی بن گیا
رشک کے قابل ہوا ہے تیرے مستقبل کا حال

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم ناخلفوں کو ان کے نقش قدم پر ثابت قدم رکھے، اور جو ہمارے بھائی اس سے لڑھک گئے ہیں اُن کا بھی ''صراطِ مستقیم'' پر شرح صدر فرمائے اور ہم سب کو باہمی اتفاق واتحاد سے خالو جان کے مشن کو زندہ و تابندہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نقش قدم پہ ان کے عزیزو چلے چلو
وہ راستے کو کر کے اُجاگر چلے گئے

☆......☆......☆......☆

حافظ ممتاز الحسن خان احسن خدامی

اک مسافر کی رہ تمام ہوئی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

حضرت داداجان رحمہ اللہ کی جدائی کو دو ہفتے ہونے کو ہیں، دل اداس ہے، قلب وجگر شکستہ، ارادے مضمحل، مسکراہٹیں بے رونق اور ہنسی بے جان ہے، بظاہر سب کچھ ٹھیک ہے، لوگ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، جی رہے ہیں مگر پھر بھی ہر چیز افسردہ لگ رہی ہے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ سب لوگ اپنا غم چھپانا چاہتے ہیں، مگر بے جان مسکراہٹوں سے دل کا کرب کب چھپ سکتا ہے؟ دل اداس ہے مگر شفقت سے حال پوچھنے والا کہیں دور جا چھپا ہے، کلیجہ زخموں سے چور چور ہے مگر مرہم رکھنے والا کوئی نہیں، چار سُو اندھیرے ہی اندھیرے ہیں مگر ایک دنیا کو منور کرنے والا سورج شفق پہ لہو کے رنگ بکھیرتا ہوا غروب ہو چکا ہے۔ آہ! بادہ خوار، شکستہ دل بیٹھے ہیں، مگر ساقی ......ان سے منہ پھیر کر جا چکا ہے، دل کا موسم اداس ہے، تو ہر چیز اُداس نظر آتی ہے

کلیاں اُداس اُداس ہیں غنچے بجھے بجھے
یہ ہے اگر بہار تو کس کو خزاں کہیں

باغِ دل پہ خزاں کا راج ہے، ہر طرف سناٹوں کا بسیرا ہے اور میں ’’ماضی‘‘ کی حسین یادوں کی کرچیاں ’’حال‘‘ کے صفحات پر سجانے کی کوشش کر رہا ہوں، اس کام کی بلندی اور اپنی پستی کو دیکھ کر بھی منفعل ہوں، صاحبِ سوانح اتنی عظیم شخصیت ہے کہ ہمالیہ کی بلندی جس کی عظمت کے سامنے شرمندہ ہے اور لکھنے والا ایک طالب علم جسے علم وعمل سے کچھ مناسبت ہی نہیں، قرطاس وقلم کے بادشاہ کا تذکرہ وہ لکھنے بیٹھا ہے جو شاہراہِ تحریر کے نشیب وفراز سے ناواقف اور آدابِ تحریر سے نابلد ہے۔ داداجان رحمہ اللہ کے تذکرہ نگاروں میں نام لکھوانے کی خاطر اسی ٹوٹی پھوٹی اور بے ربط تحریر کو پیش خدمت کر رہا ہوں۔ قارئین کرام! مضامین کی پراگندگی اور عبارات کی پریشان حالی سے اگر مکدّر رہوں تو کاتب کی بے بضاعتی پر نظر کرتے ہوئے درگزر فرمائیں، ایک حسین ورنگین داستان سامنے ہے، کس کو چھوڑیئے؟ اور کہاں سے شروع کیجئے؟ بنام خدا شروع کرتا ہوں ’’**حسبنا الله ونعم الوكيل، نعم المولىٰ ونعم النصير**‘‘

ہمارا خاندان:

ہمارا خاندان بفضل اللہ ایک طویل وعریض خاندان ہے، جس کے افراد اچھڑیاں کے پہاڑوں سے لیکر گوجرانوالہ کے میدانوں تک...... اوگی کے کوہساروں سے لیکر بہاولپور کے ریگزاروں تک......اور سعودی عرب کے امن زاروں سے لیکر یورپ اور امریکہ کے کفرزاروں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ میری سرسری گنتی کے مطابق داداجان رحمہ اللہ کی کل اولاد کی تعداد 118 ہے۔ اس میں بیٹے بیٹیاں، نواسے نواسیاں، پوتے پوتیاں اور نواسوں اور پوتوں کی اولاد شامل ہے۔ ان میں بحمداللہ 44 حفاظ ہیں۔ جن میں 31 حافظ اور 13 حافظات شامل ہیں۔ درس نظامی سے فارغ ہونے والوں کی تعداد 24 ہے، جن میں سے 11 علماء اور 13 عالمات ہیں۔ اس خاندان کے ماتھے کا حسین جھومر ''حاجی عدیل عمران شہید رحمہ اللہ'' ہیں، جو جہاد روس میں مردانہ وار حصہ لیتے ہوئے ''خوست'' کے محاذِ جنگ میں ''لیلائے شہادت'' سے ہمکنار ہوئے۔ حضرت رحمہ اللہ کی اولاد میں جام شہادت ابھی تک تنہا انہی کے حصہ میں آیا ہے۔

یہ سن کے چلے ہیں دیوانے شاداں شاداں رقصاں رقصاں
مقتل میں جمالِ جاناں کا جاں دے کے نظارہ ہوتا ہے

شہید رحمہ اللہ میرے سگے پھوپھی زاد بھائی اور داداجان رحمہ اللہ کے نواسے تھے، حضرت رحمہ اللہ کی اولاد میں سے تیرہ دارِ آخرت کی طرف روانہ ہو چکے ہیں اور باقی اس دارِ فانی میں حیاتِ مستعار کے دن پورے کر رہے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کے بیٹے بیٹیاں سب کے سب ''کلھم اجمعون'' حافظ ہیں۔ اسی طرح جہلم والی پھوپھی کے بھی سب بیٹے بیٹیاں حافظ ہیں۔'' ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء''

یہ خاندان پنجابیوں اور پٹھانوں دونوں کی خصوصیات میں حصہ رکھتا ہے۔ پٹھانوں کا غصہ اور ہزارہ کی مہمان نوازی اور گوجرانوالہ کی ''حسِ مزاح'' اس خاندان کے اجزائے ترکیبی میں سے ہیں۔ بلکہ اس خاندان کے اہل قلم کے ''قلم'' کی کاٹ میں گوجرانوالہ کے پانی کو خاص دخل ہے، ایک یتیم اور مفلوک الحال شخص نے جب مانسہرہ کی پہاڑیوں سے اتر کر تحصیل علم کی خاطر غریب الوطنی کی زندگی کو اختیار کیا تو قدرت کو اس کی کسمپرسی، غریب الوطنی اور طلبِ صادق پر ایسا پیار آیا کہ اُس پر اور اُس کے خاندان پر رحمتوں کے دروازے کھل گئے اور اس خاندان کے بے شمار بچے بچیاں حفظ قرآن اور علم دین کی دولت سے مالا مال ہوئے۔''من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین'' کا روح پرور نظارہ سامنے آیا۔ ہمارے خاندان میں جتنے بھی حفاظ اور علماء ہیں سب داداجان کے خلوص اور طلبِ صادق کی برکت سے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس

خاندان کے افراد اپنے ''مورث'' کی ان شاندار روایات کو کہاں تک نبھاتے ہیں اور اس خاندان کے شہباز نوجوان شوقِ علم کی پرواز میں کہاں تک جاتے ہیں؟ میدان میں بہت سے کھلاڑی موجود ہیں دیکھیئے کون کہاں تک پہنچتا ہے؟ مالک الملک سب ہی کو حق پر استقامت نصیب فرمائیں اور دادا جان رحمہ اللہ کی وراثت سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خاندان کے اس مختصر تعارف کے بعد دادا جان رحمہ اللہ کے حالات شروع کرتا ہوں اُن کی مکمل سوانح تو اہل علم حضرات ہی لکھ سکتے ہیں، مجھے تو صرف اُن واقعات کو جمع کرنا ہے جو دادا جان رحمہ اللہ سے مختصر رفاقت کے دوران ان گناہگار آنکھوں نے دیکھے۔ واقعات کا ایک دریا اُمڈتا چلا آرہا ہے، جسے ترتیب کے کوزے میں بند کرنا کارِ دشوار نظر آرہا ہے۔ ''واللہ ھو المعین''

دادا جان کے ساتھ گزرے چند ایام کی داستان:

بچپن ہی سے جن دو بزرگ ہستیوں کا تذکرہ بہت ہی عقیدت کے ساتھ اپنے گھر میں سُنا اور ہوش سنبھالتے ہی اُن کی محبت سے دل کو معمور پایا، اُن میں سے ایک دادا جان تھے اور دوسرے نانا جان (مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ خلیفہ مُجاز وتلمیذ رشید: شیخ العرب العجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ) دادا جان کی رہائش گکھڑ میں تھی اور ہم ابو جی کی خطابت ونظامت کی ذمہ داری کی وجہ سے گجرات میں قیام پذیر تھے۔ اس لیے دادا جان کے ساتھ مستقل رہنے کا موقع تو نہ ملا، مگر اتنا ضرور یاد ہے کہ جب ہم اُن سے ملنے گکھڑ جاتے تو وہ صبح اپنے حارسین (باڈی گارڈوں) کے ہمراہ مدرسہ کی گاڑی میں ''نصرۃ العلوم'' جایا کرتے تھے، اور دوپہر کو واپس آتے تو گھر کی ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے السلام علیکم کہتے، ہم سب بچے دوڑ کر اُن کے آس پاس جمع ہو جاتے دادا جان ہماری فوج ظفر موج کے جلو میں سامنے والے برآمدے میں تشریف لاتے اور کرسی پر رونق افروز ہوتے، تھوڑی دیر ہمارا حال احوال پوچھتے، چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھا کر انہیں ہنساتے اور کھلاتے، پھر اخبار کے مطالعہ کے بعد کمرے میں تشریف لے جاتے، پھر سارا دن ملنے ملانے والوں اور تعویذ لینے والوں کی چہل پہل رہتی، ظہر کے بعد کافی دیر مطالعہ اور عصر کے بعد تلاوت فرماتے، ناک پر موٹے شیشوں والی عینک ہوتی جو آخر تک رہی، ہاتھ میں ایک عصا ہوتا تھا جس کے سہارے باہر آتے جاتے تھے، اُس وقت تک کسی آدمی کے سہارے کی ضرورت نہ تھی۔ روز وشب یوں ہی گزرتے رہے اور دادا جان رحمہ اللہ کی زیارت کبھی کبھار ہونے تک محدود رہی، یہاں تک کہ میرا حفظ مکمل ہو گیا، اور کتابوں میں داخلے کیلئے مشورے ہونے لگے۔

حصول علم کیلئے گکھڑ روانگی:

ابو جی مدظلہ کی عادت تھی کہ ہر اہم کام میں داداجان سے مشورہ ضرور لیا کرتے تھے اور پھر اُن کے حکم کے مطابق عمل کرتے۔ یہی کچھ اس وقت بھی ہوا، ابو جی مجھے تلمبہ میں مولانا طارق جمیل مدظلہ کے مدرسہ میں داخل کروانا چاہتے تھے، میں بھی وہاں جانے پر تیار تھا، سب کا مشورہ مکمل تھا آخری فیصلہ کے لیے ابو جی سپریم کورٹ میں یعنی داداجان کے پاس گئے اور ان سے عرض کیا کہ میں احسن کو حصول علم کے لیے تلمبہ بھیجنا چاہتا ہوں؟ تو داداجان نے فوراً فرمایا کہ نہیں! مجھے یہاں خدمت کے لیے اس کی ضرورت ہے، اسے یہاں بھیج دو! کیونکہ اس سے پہلے برادرم مولانا محمد داؤد خان نوید، داداجان کی خدمت میں تھے اور اب وہ اپنا تجوید کا کورس مکمل کر کے گھر جا چکے تھے۔ یہ مخدوم میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور مجھ سے پہلے دو سال داداجان کی خدمت میں دل و جان سے مصروف رہے، پھر جامعہ نصرۃ العلوم میں داخل ہوئے۔ بعدازاں بھی وقتاً فوقتاً گکھڑ خدمت کے لیے آتے رہے اور اسفار میں بھی اکثر ساتھ ہی رہتے رہے، داداجان پیار سے انہیں ''نومی'' کہتے تھے، خیر بات یہ ہو رہی تھی کہ داداجان نے فرمایا کہ ''نومی اپنا کورس مکمل کر کے گوجرانوالہ جا چکا ہے اور مجھے یہاں خدمت کے لیے کسی کی ضرورت ہے لہٰذا احسن کو یہاں بھیج دو! میرے مالک جل جلالہ جب اپنے کسی بندے پر مہربان ہوتے ہیں تو ایسے ہی خوش قسمتی کے دروازے اس پر کھول دیتے ہیں، اس گناہگار سیاہ کار پر بھی جب مالک نے رحمت کی نظر فرمائی تو گکھڑ کا رستہ دکھا دیا، اے میرے مولا! آپ اپنے کمزور اور عاجز بندوں پر کس قدر مہربان اور رحیم ہیں کہ بن مانگے ان پر اتنی عظیم الشان عنایات کرتے رہتے ہیں، ہم ہی ناشکرے ہیں کہ اتنی لطف و عنایت کے بعد بھی دن رات آپ کی نافرمانی میں مصروف ہیں.

''اللھم اغفر لی''

اور مالک حقیقی کے بعد میں اپنے مشفق و مربی ابو جی کا مشکور ہوں ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ'' کہ انہی کی عنایت و مہربانی سے میں اس قابل ہو سکا اور آپ نے نہ صرف مجھے گکھڑ بھیجا بلکہ اس کے نتیجے میں ہر مشکل کو بھی بخوشی برداشت کیا، بادی النظر میں میرے گکھڑ جانے کا مقصد پڑھائی ہی تھا، اسی بڑے مقصد کے بارے میں ابو جی نے مجھے صاف صاف کہہ دیا کہ ''بیٹا! اگر تم سارا سال ایک لفظ بھی نہ پڑھو تو مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں، مگر اباجی کی خدمت میں ذرا سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کروں گا'' ان کا یہ احسان میں تمام زندگی فراموش نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ ہی انہیں اس کے بدلے اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔

قصہ مختصر یہ کہ فقیر بوری بسترا باندھ کر گکھڑ پہنچ گیا، اوپر والا کمرہ مجھے الاٹ ہوگیا، جس میں اپنا سامان رکھ کے براجمان ہوا اور معارف اسلامیہ اکادمی میں درجہ متوسطہ میں میرا داخلہ ہوا اور بندہ پڑھائی کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی خدمت میں مشغول ہوگیا۔

داداجان کے معمولات:

اس وقت داداجان کے معمولات کچھ یوں تھے کہ صبح دم تہجد کے لیے بیدار ہونا، اذان سے کچھ دیر پہلے سب کو جگانا، پھر اشرف صاحب اپنی ٹیوٹا ہائی ایس لے کر آجاتے، میں کلاشن کوف اٹھاتا جو کمرے میں رکھی رہتی تھی، پھر داداجان کو سہارا دے کر کمرے سے باہر لاتا اور وہ خود کمرے کو تالا لگاتے، پھر آہستہ آہستہ میرے سہارے چلتے صحن کے وسط میں پہنچ کر ذرا رکتے اور بلند آواز سے تین مرتبہ کہتے ''نماز، نماز، نماز'' یہ گھر کے خوابیدہ افراد کے لیے نماز کا الارم ہوتا، پھر ہم دونوں دادا پوتا باہر چلے جاتے اور باہر منتظر خدام سہارا دے کر داداجان کو گاڑی میں بٹھاتے، پھر بوہڑ والی مسجد کے سامنے پہنچ کر انہیں گاڑی سے اتارتے اور سہارا دے کر مسجد میں لے جاتے، مسجد کے ہال میں داخل ہوتے ہی نسبتاً بلند آواز سے ''السلام علیکم'' کہتے اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے۔ نماز میں اگر امام صاحب طوال مفصل کے علاوہ کوئی اور سورۃ پڑھتے تو ان کی خیر نہ ہوتی، نماز کے بعد درس ہوتا، تین دن قرآن پاک کا اور تین دن حدیث پاک کا، حدیث پاک کی آخری کتاب جس کا درس دیا وہ زادالطالبین تھی اور اس کیلئے داداجان نے درس کے بجائے سبق کا انداز اختیار فرمالیا تھا، چنانچہ جو سبق پڑھاتے اگلے دن حاضرین سے سنتے، ہفتے دو ہفتے بعد امتحان بھی ہوتا، جس میں ٹھیک ترجمہ سنانے والوں کو شاباش ملتی اور نہ سنانے والوں کو تنبیہہ کی جاتی، اس طریقہ کار کی بدولت لوگ بہت فکر اور توجہ سے سبق کی سماعت کرتے۔ میں کبھی تو سبق میں بیٹھتا اور کبھی نماز کے بعد گاڑی میں جاکر سوجاتا، درس کے بعد اسی گاڑی میں گھر جاتے جہاں داداجان اور خدام کے لیے ناشتہ تیار ہوتا، ناشتہ کرکے داداجان خدام کے ہمراہ ''نصرۃ العلوم'' تشریف لے جاتے اور میں کتابیں بغل میں دبا کر مدرسہ کو سدھارتا۔ اسباق کے اوقات کے علاوہ میں گھر آجاتا اور تمام نمازیں داداجان کے ساتھ ان کے کمرے میں پڑھتا، داداجان بیٹھ کر نماز پڑھاتے اور میں اور میرے چچا کھڑے ہوتے، ظہر وعصر کے بعد ملنے ملانے اور تعویذ والوں کا ہجوم ہوتا، مغرب کے بعد فوراً کھانا، اور عشاء کے بعد کمرے کو اندر سے کنڈی لگا کر استراحت فرماتے۔ جمعہ کو داداجان نہا دھو کر تیار ہوتے اور بوٹ پہنتے جو نجانے کتنے عرصے سے زیر استعمال تھے اور ہمارے اصرار کے باوجود انہیں چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے، سفید کپڑے کی ٹوپی اور اس پر پگڑی (کبھی سفید کبھی سیاہ) واسکٹ، سامنے والی جیب میں جیبی گھڑی، ہاتھ میں عصا اور پاؤں میں بوٹ، کوئی خوشبو بھی لگالیتے اور پھر جمال وجلال کے یہ

حسین پیکر اشرف صاحب کی ہی گاڑی میں جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے، دھیمے دھیمے دلکش لہجے میں بہت پر مغز اور شفقت و محبت سے لبریز بیان ہوتا تھا، نماز بھی خود ہی پڑھاتے تھے۔

فالج کا حملہ:

زندگی کے شب و روز یوں ہی گزر رہے تھے کہ اچانک ایک دن دادا جان پر فالج کا حملہ ہوا، یہ دوسرا حملہ تھا، (پہلا حملہ غالباً 1962ء میں ہوا تھا) وہ گرمیوں کے (شاید مئی کے) دن تھے، جب صبح سحری کے وقت دادا جان رحمہ اللہ نے مسلسل گھنٹی بجانی شروع کی (جس کا بٹن ان کے پاس رہتا تھا تاکہ بوقت ضرورت ہمیں بلا سکیں) خلافِ معمول قبل از وقت گھنٹی اور مسلسل گھنٹی کی آواز سن کر میں، چاچو شاہد اور چاچو راشد (استاذ مکرم مولانا عزیز الرحمٰن خان شاہد مدظلہ، استاذ مکرم مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ) گھبرا کر اٹھے اور دوڑتے ہوئے ان کے کمرے میں پہنچے، دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اپنی جائے نماز پر بیٹھے ہوئے تھے، ہم سے فرمایا کہ ''بیٹا مجھے فالج ہو گیا ہے، میرا بایاں بازو حرکت نہیں کر رہا، مجھے لگتا ہے کہ میرا آخری وقت ہے، میرے بعد آپس میں اتفاق سے رہنا اور بچوں کا خیال رکھنا!'' اور دادا جان رحمہ اللہ بالکل ہشاش بشاش موت کے لیے تیار بیٹھے تھے گویا

کیا کہوں اے امیںؔ زندگی تھک گئی
موت کا راستہ دیکھتے دیکھتے

اب اُن کے انتقال کے بعد اُن کی یہ دو وصیتیں میرے کانوں میں گونج رہی ہیں، ''آپس میں اتفاق سے رہنا، بچوں کا خیال رکھنا'' خاص طور پر جب گھر کے صحن میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیلتے دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں اور بے اختیار انہیں پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔

دادا جان رحمہ اللہ کی زبان سے یہ باتیں اور وصیتیں سن کر میرے تو ہوش و حواس جاتے رہے اور میں باہر برآمدے میں کرسی پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، تھوڑی دیر بعد چاچو راشد میرے پاس سے گزرے تو حیران ہو کر میری طرف دیکھا کہ اسے کیا ہوا ہے؟ پھر اچانک معاملہ سمجھتے ہوئے ہنس پڑے اور فرمایا کہ میاں! ایسا پہلے بھی ہوتا رہتا ہے، ابا جان جب بھی بیمار ہوتے ہیں تو موت کی تیاری کر لیتے ہیں، تم بے فکر رہو! کچھ بھی نہیں ہوگا، یہ سن کر مجھے کچھ حوصلہ ہوا اور میری پریشانی دور ہوئی۔ فالج کے اس حملے کے بعد دادا جان رحمہ اللہ کے معمولات میں یہ تبدیلی آئی کہ اب وہ صرف عصا کے سہارے کھڑے نہ ہو سکتے تھے، لہٰذا سحری میں تہجد کے لیے انہیں وضو میں کرواتا تھا، درس کے لیے ہفتہ میں صرف ایک دن مسجد میں تشریف لے

جاتے، نماز بھی خود پڑھانے کی بجائے ہم میں سے کسی کو آگے کردیتے، جب پہلے پہل مجھے امام بنایا تو ان کے رعب سے اتنا بدحواس ہوا کہ سورۃ الفاتحہ ہی بھول گیا، چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی بھول جاتا تو پھر داداجان رحمہ اللہ نے حوصلہ بڑھاتے ہوئے فرمایا ''حوصلہ کر بیٹا! گھبرانے والی کون سی بات ہے؟'' پھر آہستہ آہستہ میں عادی ہوگیا۔

تعویذ خود لکھنے کی بجائے ہم سے لکھوانے لگے، البتہ دم خود کرتے تھے اور تعویذ کے لیے آیت وغیرہ بھی خود ہی بتاتے تھے۔ تدریس کے لیے گوجرانوالہ جانا چھوڑ دیا، اُن حضرات نے جن میں چاچو ریاض (مولانا محمد ریاض خان سواتی مدظلہ، ناظم: مدرسہ نصرۃ العلوم) بھی شامل تھے، داداجان رحمہ اللہ کے پاس گکھڑ حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ نے تقریباً نصف صدی جامعہ کی بے مثال خدمت کی ہے، اب آپ بیماری کی بناء پر اس سے معذور ہوچکے ہیں تو اراکین جامعہ نے فیصلہ کیا ہے کہ تاحیات آپ کی ''پینشن'' جاری کردی جائے، داداجان رحمہ اللہ نے پوچھا کہ ''کیا اس سے پہلے مدارس میں کسی کو اس کی زندگی میں ''پینشن'' دینے کی کوئی مثال موجود ہے؟'' جواب نفی میں ملنے پر داداجان رحمہ اللہ نے بھی ''پینشن'' لینے سے انکار فرما دیا اور ان کے شدید اصرار پر بھی قبول نہ فرمایا۔ بعد میں آپ نے چند علمائے کرام کے سامنے فرمایا کہ ''میں تو ختم ہو ہی چکا، مگر اہلِ مدارس کو اس بارے میں غور کرنا چاہیئے کہ ایک شخص تمام زندگی مدرسہ کی خدمت کرتا ہے، جب وہ اپنے تمام قویٰ فنا کرچکتا ہے اور خدمت سے معذور ہوچکتا ہے تو اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا'' داداجان یا حاضرین مجلس میں سے کسی ایک کی تجویز یہ بھی تھی کہ اساتذہ کی تنخواہ میں سے ہر ماہ ایک مخصوص حصہ وضع کرلیا جائے اور اس کی معذوری یا استعفےٰ کی صورت میں اسے اور اس کی حادثاتی موت کی صورت میں اس کے ورثاء کو دی جائے، اگر اہلِ مدارس چاہیں تو اس صورت پر عمل کرکے اساتذہ کرام کی بہت سی پریشانیوں کا مداوا کرسکتے ہیں۔ (بعض علمائے کرام نے داداجان رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ آپ بڑے ہیں آپ اس سلسلے کی تحریک چلائیں ہم آپ کے قدم بقدم ہوں گے، تو داداجان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''میں کیوں چلاؤں؟ لوگ کہیں گے اپنے لیے کر رہا ہے! میں کیوں گندہ ہوں؟'' اس پر وہ حضرات خاموش ہوگئے [خادم، حمزہ])

احقر کی داداجان رحمہ اللہ سے بیعت:

یہ داداجان رحمہ اللہ کی پہلی بیماری کے بعد کے حالات تھے، جب میں متوسطہ میں زیرِ تعلیم تھا، انہی دنوں، میں نے داداجان سے بیعت بھی کی تھی، جس کا واقعہ یہ کہ جب مجھے بیعت کا شوق ہوا تو داداجان رحمہ

اللہ کی خدمت میں عرض کیا، آپ نے ایک دو مرتبہ تو مجھے ٹال دیا، میں نے نومی بھائی کو جو اُس وقت میرے مشیر تھے، بتایا، انہوں نے کہا کہ تم ان سے اصرار کرنا تو وہ تمہیں بیعت کر لیں گے، چنانچہ ایک روز جبکہ جمعہ کا دن تھا، میں صبح سحری کے وقت دادا جان رحمہ اللہ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ جمعہ کا دن ہے، تہجد کا وقت ہے، آپ مجھے بیعت کر لیں! تو فرمایا ''لاؤ! تمہارا شوق پورا کر دوں!'' پھر اس گناہگار کے ہاتھوں کو اپنے مبارک ہاتھوں میں لے کر بیعت کے الفاظ کہلوا کر بیعت فرما لیا۔

میں بہت کمزور بے بس ناتواں عاجز سہی
اپنا دامن میرے ہاتھوں سے چھڑا کر دیکھیے

انہی دنوں میں سے ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں صبح سحری کے وقت بیدار نہ ہو سکا، جب آنکھ کھلی اور گھڑی دیکھی تو گھبرا کو دوڑتا ہوا دادا جان رحمہ اللہ کے کمرے میں پہنچا کیونکہ انہیں تہجد کے لیے وضو کروانا تھا، جب ان کے کمرے کا دروازہ کھولا تو حیرت کی شدت سے میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی، میں نے دیکھا کہ دادا جان رحمہ اللہ گھسٹ گھسٹ کر تہجد کے وضو کے لیے جا رہے تھے، جوتیوں والی جگہ تک پہنچ چکے تھے اور اب ایک معصومانہ بے بسی سے میری طرف دیکھ رہے تھے، شرمندگی اور ندامت سے، میرا سر جھک گیا اور میں جی جان سے اپنے عظیم دادا کی عظمت پر قربان ہو کر رہ گیا، مثل مشہور ہے ''گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے'' میں بھی اس واقعہ سے پہلے دادا جان کی علمیت کا تو قائل تھا، مگر انہیں کوئی بزرگ وغیرہ نہیں سمجھتا تھا، شاید میرے بچگانہ ذہن میں بزرگ کا کوئی اور ہی تصور تھا مگر اس واقعہ کے بعد دل نے فیصلہ کیا کہ ''اگر اس استقامت اور عزیمت کا حامل شخص بھی بزرگ نہیں تو پھر کوئی بھی نہیں''......

دو سال یونہی گزر گئے اور میں اس دوران درجات کی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا ثانیہ میں پہنچ گیا، اس دوران بہت سے اہم واقعات پیش آئے جن کا تذکرہ ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔ اسی دوران ''سقوطِ کابل'' اور ''سقوطِ بغداد'' کے دلدوز واقعات پیش آئے، جن کے صدمے سے دادا جان رحمہ اللہ پر گہرا اثر پڑا۔

فالج کا تیسرا حملہ:

2003ء کی گرمیوں کا ایک دن تھا، جب میں مدرسے سے واپس آیا تو گھر کو اُداس اور پریشان پایا، معلوم ہوا کہ دادا جان پر فالج کا شدید ترین حملہ ہوا ہے، جس سے زبان اور جسم پر گہرا اثر پڑا ہے اور دادا جان کو ہسپتال لے گئے ہیں، جب گھر آئے تو دیکھا کہ تمام جسم مفلوج ہے اور زبان پر بھی شدید اثر ہے، حافظہ پر بھی اثر ہو چکا ہے، یاد آئی وہ شام! جب تمام اہلِ خاندان دادا جان کی علالت کا سُن کر گکھڑ میں جمع

تھے، دادا جان رحمہ اللہ کو کچھ کھلانے کی کوشش جاری تھی مگر دانت اور جبڑے مفلوج ہونے کی بنا پر دقت پیش آ رہی تھی، سب مغموم اور پریشان تھے، طبیعت زیادہ بگڑنے پر انہیں لاہور اور پھر کراچی بھی لے جایا گیا۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ غم اور تکلیفیں اچھوں بروں سب پر آتی ہیں مگر اہل اللہ اور ابرار کے لیے یہی مصائب، پریشانیاں اور بیماریاں رفعِ درجات کا سبب بنتی ہیں، جبکہ نافرمانوں اور فساق کے لیے یہی تکالیف عذاب کی صورت میں آتی ہیں۔ مصیبت زدہ کا حال دیکھ کر اس کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تکلیف اس پر عذاب ہے یا محبوبِ حقیقی کی طرف سے محبوبانہ چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہے۔ اہلِ عذاب اور فساق تو اس تکلیف پر واویلا اور ناشکری کر کے مزید بدبختی کا سامان کرتے ہیں، جبکہ مستانِ مئے الست اس نوازش کو سامانِ خوش نصیبی سمجھتے ہوئے وجد میں آ کر پکار اٹھتے ہیں

لطف و کرم کے پیکر تجھ سے اس کے سوا کیا عرض کروں
مجھ کو جفا کے قابل سمجھا تیری کرم فرمائی ہے

اور محبوبِ حقیقی کی ان خاص عنایات پر ناز کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ

وہ صرف ہمارے لیے مخصوص رہے ہیں
جو لطف و کرم ان کے جفاؤں کی طرح تھے

دادا جان رحمہ اللہ کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا، تمام جسم مفلوج ہے، کھانے پینے کی طاقت نہیں، مگر کوئی حال پوچھے تو بڑی طمانیت اور سکون بھرا جواب ملتا ہے ''جس حال میں رب رکھے اس حال میں خوش ہیں''۔

لطفِ سجن دم بدم، قہرِ سجن گاہ گاہ
ایں وی سجن واہ واہ، اوں وی سجن واہ واہ

وہ وقت دادا جان رحمہ اللہ اور آپ کے خدام کے لیے بڑی آزمائش کا تھا، جس صبر سے دادا جان رحمہ اللہ نے یہ چھ سال گزارے، وہ تو قابلِ تعجب ہے ہی، مگر حضرت دادا جان رحمہ اللہ کے خدام نے جس جانبازی اور جانثاری سے اُن کی خدمت کی اور آخر دم تک ساتھ نہ چھوڑا، اس پر وہ سب بھی ہماری طرف سے ہزاروں مبارک باد اور شکریے کے مستحق ہیں۔ قاری اسماعیل صاحب، قاری حیدر علی صاحب، قاری شیر محمد صاحب، حافظ محمد مدثر صاحب اور ایک سال میرے تایازاد بھائی قاری عبدالرشید سالم صاحب جو کہ گکھڑ میں تجوید کا کورس کر رہے تھے انہوں نے خدمت سرانجام دی اور ان کے علاوہ دیگر بہت سے خدام ہیں جو ہمہ تن آپ کی خدمت میں پیش پیش رہے لیکن ان سب وفاداروں میں عم مکرم چاچو راشد، چھوٹی پھوپھو جان، ان کی بیٹیاں، حاجی لقمان اللہ میر صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور مولانا نواز بلوچ صاحب سب سے نمایاں

ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے، سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے داداجان رحمہ اللہ کی خدمت کرتے ہوئے دن کی پرواہ کی نہ رات کی، سردی کی نہ گرمی کی، اللہ کریم انہیں ہم سب خدام کی طرف سے اپنی بارگاہ سے اپنی شایان شان بہترین جزاعطا فرمائے۔آمین۔

اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس گناہگار کو بھی چند دن داداجان رحمہ اللہ کی ٹوٹی پھوٹی خدمت کی توفیق عطا فرمائی، اگرچہ اپنی سستی اور نالائقی سے اس نادر موقع سے بہت کم نفع اٹھاسکا اور اکثر اپنے اوقات کو بجائے خدمت کے سونے اور فضولیات میں ضائع کیا، آہ! کمانے والے جھولیاں بھر کے لے گئے اور محروم رہنے والے اتنا قریب رہ کر بھی تشنہ ہی رہے۔

ع جو بڑھ کے خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

برادرم بھائی حمزہ اور برادر مکرم بھائی نوید بھی ہر خدمت کے موقع پر پیش پیش رہے، اور سفر وحضر میں جب بھی وقت ملا حاضر خدمت ہوکر نیکیوں اور سعادتوں سے جھولیاں بھرتے رہے، اے کاش! میں نے بھی اس وقت کو غنیمت سمجھا ہوتا تو آج حسرت سے ہاتھ نہ مل رہا ہوتا۔بہرکیف اس وقت داداجان رحمہ اللہ کی کیفیت یہ تھی کہ نہ خود اٹھ سکتے، نہ بیٹھ سکتے، نہ کروٹ بدل سکتے تھے، جسم میں شدید درد تھا، ہر وقت کم از کم ایک خادم کا پاس رہنا ضروری تھا، درد کی وجہ بسا اوقات تمام شب مسلسل دبانا ہوتا تھا، رات کو خدام باریاں لگاتے، 12 بجے تک ایک حاضر خدمت رہتا پھر وہ دوسرے کو جگا کر خود سوجاتا، فجر کے بعد اگر کوئی اور ہوتا تو وہ آجاتا، ورنہ پھر پہلا پہنچ جاتا اور خدمت کے وقت میں خادم کو یہی ارشاد ہوتا رہتا کہ ''بیٹا مجھے بٹھا دے! لٹادے! کروٹ تبدیل کردے! ٹانگیں دبا! اوپر چادر ڈال دے! کتاب سُنا!'' اسی میں خدمت کا وقت بیتا کرتا تھا شروع میں چند دن ایسا ہوا کہ رات ہوئی تو تمام رات فجر قضا ہونے کی فکر میں داداجان رحمہ اللہ کو نیند نہ آتی، ہر 5 منٹ بعد پوچھتے ''پتر! پُوپھُٹی اے کہ نئیں؟'' یعنی بیٹا صبح صادق ہوئی یا نہیں؟۔ہم کہتے کہ اباجی! ابھی تو بارہ بجے ہیں، فرماتے اچھا ٹھیک ہے! پھر 5 منٹ بعد پوچھتے کہ ''بیٹا فجر کا وقت ہوگیا؟'' ہم عرض کرتے کہ اباجی ابھی تو 12 بجکر 5 منٹ ہوئے ہیں، غرض ساری رات فجر کے انتظار میں نیند نہ آتی، اگر آتی تو آنکھ کھلتے ہی فجر کے بارے میں سوال ہوتا

رٹ تیرے نام کی لگی دیکھی
ہوش جب بھی برائے نام آیا

جن حضرات نے کچھ دن بستر کا مزہ چکھا ہو وہ جانتے ہیں کہ انسان کے لیے بستر پر وقت گزارنا کس قدر سوہان روح بن جاتا ہے؟ اور یہ تو ایک ایسا انسان تھا کہ جس کی تمام عمر طوفانوں سے کھیلتے اور موجوں

سے الجھتے گزری تھی، پھر ساحل کی بے کیف زندگی پر بے قراری کیوں نہ ہوتی؟ جو شخص زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنے کا روادار نہ ہو، جب وہ مستقل بستر پر لگ کر دوسروں کا محتاج ہو جائے تو پھر بے چین نہ ہو تو اور کیا کرے؟

زندگی کا لطف ہی جاتا رہا ساحل کے بعد

فالج کے حملے کے بعد پہلے پہل تو یادداشت خاصی متاثر ہوئی، اپنے بیٹوں کے نام بھی یاد نہ رہے، مگر ایک دو دن بعد بفضلہٖ تعالیٰ حیرت انگیز طور پر یادداشت مکمل لوٹ آئی اور تمام وقت کتابوں کی سماعت میں گزرنے لگا، فالج کے اس شدید اور جان لیوا حملے کے بعد میں نے اپنی ان گناہگار آنکھوں سے دادا جان رحمہ اللہ کی قوت حفظ کے جو حیرت انگیز کرشمے دیکھے، اُن پر عقل اب تک حیران ہے، میں نے اپنے استاذ مکرم مولانا عبدالباسط صاحب مدظلہ سے ایک مرتبہ سُنا تھا کہ عام لوگوں کے برخلاف اہلِ علم کے دماغ اور یادداشت پر بڑھاپے کا اثر اکثر نہیں پڑتا، (خادم نے بھی اپنے ایک استاذ مکرم سے سنا تھا کہ ''محدث کا ذہن مفلوج نہیں ہوسکتا، یہ قاعدہ ہے'' [خادم، حمزہ]) حضرت دادا جان رحمہ اللہ اس بات کی سچائی کی واضح دلیل تھے۔ اس بارے میں بہت سے حیرت انگیز واقعات ہیں جو ان شاء اللہ ''شوقِ علم اور قوت حفظ'' کے باب میں آئیں گے۔

وفاق کا امتحان......اور......دادا جان رحمہ اللہ کی کرامت:

جب دادا جان پر فالج کا یہ حملہ ہوا تب میں ثانیہ میں تھا، ہمارا سہ ماہی امتحان ہونے والا تھا، مگر میں نے دادا جان رحمہ اللہ کے صاحبِ فراش ہونے کے بعد مدرسہ جانا چھوڑ دیا، کیونکہ رات بھر جاگنا ہوتا اور دن بھر مہمانوں اور ملاقاتیوں کی بہتات رہتی اور دادا جان اور مہمانوں کی گھنٹی باری باری ہی بجتی رہتی تھی، تعویذ لینے والوں کی بھرمار الگ تھی، اس حال میں مدرسہ جانے کا خیال ہی محال تھا، چند دن تو سب نے صبر کیا، مگر جب چھٹیوں کا سلسلہ کچھ زیادہ طویل ہوا تو میرے محسن و مربی اساتذہ کرام کو تشویش ہوئی کہ ''صاحب زادہ صاحب'' کس خوشی میں چھٹیاں مارنے پر کمر بستہ ہیں؟ ایک تو وہ پوری طرح ہمارے حال سے بھی واقف نہ تھے اور دوسرے ''مابدولت'' کا پچھلا ریکارڈ بھی ایسا شاندار تھا کہ چھٹی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا، میرے اساتذہ کرام میری نبضوں سے خوب واقف تھے، اس لیے خدمت کے لیے اتنی زیادہ اور مسلسل چھٹیاں کرنے کو وہ میرا بہانہ سمجھے، ادھر عم مکرم جناب قاری حماد الزہراوی صاحب نے بھی ایک دن لال لال آنکھیں دکھائیں اور فرمایا کہ ہمارے مدرسہ سے آج تک کوئی فیل نہیں ہوا، لگتا ہے کہ تم ضرور یہ ریکارڈ خراب

کرو گے، ان کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ بھتیجے میاں مستقل گھر میں براجمان ہیں اور مدرسہ جانے کا نام نہیں لیتے، ان سب باتوں سے میں بہت پریشان ہوا اور دل میں یہ خیال آنے شروع ہوئے کہ میرے وفاق کے امتحان کا کیا بنے گا؟ کیا میں فیل ہو جاؤں گا؟ میرا پورا سال ضائع ہو جائیگا؟

افسونِ گل و لالہ میں الجھاتی ہے مجھ کو
بہکی ہوئی دنیا ہے کہ بہکاتی ہے مجھ کو

مگر ان سب نقصانات کو ذہن میں لانے کے بعد بھی دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت چھوڑنے پر دل آمادہ نہ ہوا، ابو جی کی بات یاد کر کے مزید تسلی ہوئی کہ ''بیٹا! میں تمہیں پڑھنے کے لیے نہیں بھیج رہا، اگر تم سارا سال ایک لفظ بھی نہ پڑھو تو مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں، مگر ابا جی کی خدمت میں ذرا سی کوتاہی بھی برداشت نہیں کروں گا''، مگر کچھ تذبذب ابھی باقی تھا۔ ایک روز ابو جی گکھڑ تشریف لائے تو میں نے ساری باتیں اُن کے سامنے رکھیں، انہوں نے فوراً فرمایا کہ ''بیٹا امتحان کی فکر مت کرو، پاس ہو گئے تو ٹھیک، ورنہ اگلے سال پھر پڑھ لینا، تم ابا جی کی خدمت دھیان سے کرو!''

جب بھی مشکل کوئی مقام آیا
میرا دیوانہ پن ہی کام آیا

اب تو دل سے تمام غبار صاف ہو گیا اور میں یمین و یسار سے بے پرواہ ہو کر دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت میں مگن ہو گیا، ابو جی کی اس قربانی کا انعام باری تعالیٰ کی بارگاہ سے یہ ملا کہ میں مسلسل کئی ماہ مدرسہ سے غیر حاضر رہنے کے باوجود وفاق کے امتحان میں 557 کے ریکارڈ نمبر لے کر کامیاب ہوا، کیسے ہوا؟ اس پر آج تک خود حیران ہوں! دادا جان رحمہ اللہ کی کرامت کے علاوہ اسے اور کیا کہہ سکتا ہوں؟ خیر وفاق کا امتحان ختم ہوا اور پھر شعبان رمضان بھی گزر گیا، یہ چند ماہ جو دادا جان رحمہ اللہ کے قدموں میں گزارنے کی سعادت ملی، اگرچہ کوئی خاص خدمت نہ کر سکا، مگر مجھ جیسے بے مایہ انسان کے لیے چند دن ان کے قریب رہنا ہی ہفت اقلیم کی دولت سے کم نہیں ہے۔

یہ شرف تو حاصل ہے بُرے ہیں یا بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

وہ حسین ترین شب و روز میرے لیے متاعِ حیات ہیں، وہ دن کبھی نہ بھولیں گے اور ان دنوں کی حسیں یادیں اتنی زیادہ ہیں کہ اگر تحریر کرنا شروع کر دوں تو نجانے بات کہاں سے کہاں نکل جائے اور یہ تحریر سوانحی مضمون کی بجائے ایک دلچسپ ناول کی صورت اختیار کر جائے، ایک اچھی خاصی الف لیلیٰ ہے جس میں

سینکڑوں محبتیں، شکوے، شکایتیں، رتجگے، ڈانٹ، ناراضگیاں، دل کی باتیں اور شرارتیں پوشیدہ ہیں......آہ! اب تو صرف یہی کہہ سکتا ہوں

ویراں ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

گکھڑ سے لاہور:

رمضان کے اختتام تک یہ دن بہت مزے سے گزرے، وفاق کے امتحان سے پہلے ہی حمزہ بھائی بھی گکھڑ آ گیا تھا، لہٰذا دونوں بھائیوں نے اپنی شرارتوں اور خرمستیوں کے بھی خوب جوہر دکھائے مگر رمضان کے بعد مجھے اچانک ''پڑھائی'' کا شوق لاحق ہوا، کچھ اور بھی عوامل تھے جن کی بنیاد پر میں نے ابو جی سے عرض کیا کہ اب حمزہ یہاں رہے گا اور مجھے تعلیم حاصل کرنے کے لیے محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا محمد حسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے پاس (جامعہ مدنیہ جدید) لاہور جانے کی اجازت دیں، انہوں نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی اور حمزہ صاحب کی تو گویا ''لاٹری'' نکل آئی، مگر جب دادا جان رحمہ اللہ کو معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئے، چونکہ معارف اسلامیہ اکادمی گکھڑ میں درسِ نظامی کے درجات صرف ثانیہ تک تھے، اس لیے انہیں یہی معلوم تھا کہ میں اس مدرسہ میں درجات علیا کی پڑھائی نہ ہونے کی بناء پر جا رہا ہوں، انہوں نے مخدوم مکرم چاچو حماد الزہراوی سے فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے اس لیے اس کی خاطر مدرسہ میں ثالثہ کے اسباق شروع کرو! مگر اس ناکارہ پر لاہور جانے کا بھوت کچھ اس طرح سوار ہوا کہ میں گکھڑ رہنے پر آمادہ نہ ہوا، اس سیاہ بخت سے دادا جان رحمہ اللہ کا وہاں رہنے کے لیے اصرار اور میرے حیلے بہانے!!! اُف سردارِ علمائے حق کی ایک سیاہ بخت پر اتنی شفقت، اتنی محبت اور اتنی ناز برداری؟ اور اس پر اس نالائق کی یہ بے نیازی......جب وہ وقت یاد آتا ہے تو دل کانپ جاتا ہے، کاش! میں نے اپنی پڑھائی سمیت ہر چیز کو دادا جان رحمہ اللہ کے قدم مبارک کے ایک ذرے پر قربان کر دیا ہوتا تو شاید کچھ بن جاتا، مگر اپنی انہی گستاخیوں کی بدولت کورے کا کورا ہی رہا، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائیں اور تا دمِ آخر اپنے دوستوں کی خدمت کی توفیق عطاء فرمائیں۔

لاہور جانے کو میں تیار تو ہو گیا، مگر بوری بسترا باندھ کر گکھڑ سے روانہ ہونے لگا تو معلوم ہوا کہ اس گھر کو چھوڑنا اس قدر آسان نہیں تھا، اس گھر میں میری زندگی کے حسین ترین لمحات بیتے تھے اور اس گھر کا ذرہ ذرہ میری محبتوں اور شوخیوں کا امین تھا، آج جب اس گھر سے اور گھر کے روحِ رواں سے رخصت کا وقت آیا تو

میرا دل بھر آیا۔ سب گھر والوں نے میرا بہت ہی خیال رکھا اور نا قابل فراموش محبتیں دیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ کامل سے سب کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

گکھڑ سے نکلنے کے چند دن بعد میں لاہور کو سدھارا اور جامعہ مدنیہ جدید میں حضرت استاد جی مولانا حسن صاحب کی آغوش میں پہنچ گیا، میرے مالک نے پھر کرم کا معاملہ فرمایا کہ ایک میکدے سے اٹھایا اور دوسرے میخانے پہ پہنچا دیا، لاہور جانے کے بعد بھی دادا جان یاد فرماتے رہتے، میرا بھی چھٹیوں جب داؤ لگتا میں دو چار دن ان کے پاس گکھڑ گزار آتا، سالانہ چھٹیاں تقریباً بالالتزام ان کی خدمت میں گزارتا، اور یہ تقریباً میرا معمول رہا کہ جب جمعرات کی چھٹی پہ گھر جاتا تو جمعہ کے دن نمازِ جمعہ کے بعد گھر سے رخصت لے کر مدرسہ جانے کی بجائے گکھڑ چلا جاتا......

آ گئے ان کی گلی میں کیفی دل نے مجبور کیا، کیا کرتے

رات کو دادا جان کی خدمت کے مزے لوٹتا اور سحری کے وقت مردان سے رائے ونڈ جانے والی کوچ پہ (جس کے ڈرائیور سے علیک سلیک تھی) مدنیہ چلا جاتا، سر شام ہی اسے فون پہ بتا دیتا صبح سحری میں وہ مجھے اٹھاتا اور فجر کے وقت جامعہ کے سامنے اتار دیتا تھا۔ چار پانچ مرتبہ دادا جان رحمہ اللہ بھی ''جامعہ مدنیہ جدید'' تشریف لائے جس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئیگا۔ پانچ سال یونہی گزر گئے اس عرصے میں دادا جان رحمہ اللہ کے پاس چاچو راشد اور چھوٹی پھوپھو بیٹیوں سمیت تو تقریباً مستقل رہیں اور نومی بھائی، میں، حمزہ اور دیگر رشتہ دار بھی وقتاً فوقتاً حاضرِ خدمت ہوتے رہے۔ پچھلے سال جب میں مدنیہ میں زیر تعلیم تھا، پھوپھو جی کو کسی وجہ سے گھر (گوجرانوالہ) جانا پڑا، اب دادا جان رحمہ اللہ کے پاس چاچو راشدا کیلے تھے جبکہ دادا جان کو سنبھالنا ایک آدمی کے بس کی بات نہ تھی، چنانچہ ایک اور خادم کی ضرورت پیش آئی، اس کے لیے قرعہ اس مسکین کے نام نکلا، ابو جی سے اجازت لی، مگر پھر وفاق کے امتحان کا ''رپھڑا'' درمیان میں آ کھڑا ہوا، اس سال میرا ''عالیہ'' کا امتحان تھا اور داخلے جا چکے تھے، میرا امتحانی سنٹر ''مدنیہ'' لاہور تھا، کوشش کی کہ سنٹر تبدیل ہو جائے، اللہ کے فضل و کرم سے یہ کام بخیر و خوبی سرانجام پایا اور میرا امتحانی سنٹر ''جامعہ نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ قرار پایا۔۔ اس سے قبل استاد جی مولانا محمد حسن صاحب سے عرض کیا کہ دادا جان رحمہ اللہ کو خادم کی ضرورت ہے، تو فوراً فرمایا ''میرے عزیز! فوراً پہنچو!'' عرض کیا کہ امتحانی مرکز کی تبدیلی کے لیے دعا فرمائیں، تو فرمایا ''میرے عزیز! آپ بس حضرت رحمہ اللہ کے دل میں مرکز بنائیں، امتحان وغیرہ میں آگے پیچھے بھی ہو جائیں تو کوئی بات نہیں۔۔۔'' استاد جی کی اس بات سے دل کو تسلی ہوئی، اللہ کریم میرے تمام محسن و مشفق اساتذہ کو اپنی شایانِ شان بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ آمین

17 رجب 1429ھ کو، یعنی جولائی کے آخری عشرے میں بندہ نے ''جامعہ مدنیہ'' کوالوداع کہا اور اپنا بوری بسترا اُٹھا کر گکھڑ جا پہنچا، داداجان رحمہ اللہ سے ملا اور بتایا کہ میں اب یہاں رہنے کو آیا ہوں، بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں، رجب کا باقی مہینہ، شعبان اور رمضان گکھڑ گزارے اور عید سے تین دن قبل حمزہ گجرات سے گکھڑ چلا گیا، اور میں گجرات۔ اس دوران جو واقعات پیش آتے رہے وہ انشاء اللہ اپنے مقام پر آئیں گے۔

چھٹیاں ختم ہونے کے بعد میں ابوجی اور داداجان رحمہ اللہ کے مشورے سے ''جامعہ عربیہ احیاء العلوم'' استاذالعلماء مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ کے پاس ظاہر پیر (ضلع رحیم یار خان) چلا گیا اور 9 جمادی الاولیٰ 1430ھ کی رات میں ظاہر پیر ہی تھا جب آپ رحمہ اللہ کے انتقال کی وحشت ناک خبر سنی

تمہارے ساتھ گئے تھے سکون وصبر وقرار
تمہاری طرح وہ پھر لوٹ کر نہیں آئے

داداجان رحمہ اللہ کے ساتھ میری رفاقت چندروزہ کی یہ داستان تھی، اسے لکھنا اس لیے ضروری سمجھا کہ آگے جو واقعات زیبِ قرطاس کیے جائیں گے وہ اس طویل پسِ منظر کو جانے بغیر سمجھ نہیں آئیں گے، اس تمہیدی داستان کو اختصار سے لکھنے کا ارادہ تھا مگر قلم بلا جھجک یوں بھاگتا چلا گیا کہ روکنا مشکل ہو گیا، یادوں کے دریچے ایک ایک کر کے کھلتے چلے گئے، طوالت اگر بے جا محسوس ہو تو اس پر قارئین سے ان الفاظ میں معذرت چاہتا ہوں کہ

سامنا اُن کا ہوا تو سب حقیقت کھل گئی
ہم سمجھتے تھے کہ دل کا تھامنا کچھ بھی نہیں

اس عرصے میں جس کی داستان گزشتہ صفحات پر رقم کی گئی ہے جو واقعات پیش آئے اُن کو مختلف ابواب پر منقسم کر کے ان شاء اللہ حوالہ قرطاس کروں گا، میرا حافظہ زیادہ قوی نہیں ہے، اپنی استطاعت کی حد تک پوری کوشش ہو گی کہ یہ واقعات صحیح حالت میں آپ تک پہنچیں، مگر انسان خطا کا پتلا ہے اس لیے اگر کسی واقعہ میں کوئی غلطی ہو جائے اور کسی کو اصل واقعہ معلوم ہو تو ضرور مطلع فرمائیں، نہایت مشکور ہوں گا (اور ان شاء اللہ اس کی تصحیح بھی معذرت کے ساتھ شائع کی جائے گی [خادم])، ویسے تو اکثر بلکہ تقریباً تمام واقعات کا میں چشم دید گواہ ہوں اور مضمون کی تکمیل کے بعد دوسرے حضرات سے بھی تصحیح کراؤں گا، اس لیے اس میں غلطی کا امکان کم سے کم ہے، مگر پھر بھی اگر کوتاہی رہ جائے تو ضرور مطلع فرمایا جائے، تاکہ ان کی عظیم شخصیت کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے۔

''حسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولیٰ ونعم النصیر''

......﴿مسلکی پختگی﴾......

درحقیقت پختگی کا لفظ یہاں بہت ہی چھوٹا اور بے وقعت معلوم ہوتا ہے، حضرت داداجان رحمہ اللہ کی مسلکِ دیوبند، مذہبِ اہل السنۃ والجماعۃ پر جو مضبوطی تھی، معلوم نہیں وہ پہاڑوں کی صلابت تھی؟ چٹانوں کی سختی یا پھر لوہے کی شدت۔۔۔۔آپ اس زمانے میں جبکہ ابنائے زمانہ کے نزدیک ''حق'' کی وکالت کو شدت پسندی سمجھا جاتا ہے اور عقائد کی پختگی پر بنیاد پرستی اور تنگ نظری کی پھبتی کسی جاتی ہے، اسلاف واکابر کے مسلک پر اس مضبوطی سے قائم تھے کہ حیرت ہوتی تھی، آج کا دور، رکھ رکھاؤ اور رواداری کا دور ہے، صحابہ کرام پر کیچڑ اچھالا جائے، خاموش رہو!......اسلافِ امت کے خلاف بدزبانی کی جائے، رواداری برتو، کچھ نہ کہو!......عقائد کا چہرہ مسخ کیا جائے، لب سی لو!...... چہار اطراف سے اہلِ باطل کھلم کھلا باطل نظریات کا پرچار کررہے ہیں، حقائق کا چہرہ مسخ کیا جارہا ہے، کوے کو سفید اور سورج کو سیاہ ثابت کرنے کے لیے دلائل کا انبار لگایا جارہا ہے، جنہوں نے ایک عالم میں توحید کا نور پھیلایا، انہیں مشرک اور جو تاحیات طاغوت کے سامنے سینہ سپر رہے انہیں کفار کا ایجنٹ بتایا جارہا ہے، چہار اطراف قلم فروش، خامہ بگوش دستیاب ہیں جو چند ٹکوں کے عوض مجاہدینِ حریت کے پاکیزہ دامن پر کیچڑ اچھالنے کی ''خدمات'' سرانجام دے رہے ہیں۔لیکن اگر کوئی حق پرست کسی طرف سے ''اہلِ حق'' اور ''عقائد اہل السنۃ'' کے دفاع کے لیے قلم اٹھاتا ہے تو چار جانب سے ''امن پسندی''، ''رواداری''، ''بھائی چارے'' اور ''اخوۃ'' کی نصیحتوں کا واویلا برپا ہوجاتا ہے، اسے بہرصورت ''اشتعال انگیزی'' قرار دے کر باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور ''جدید تحقیقات'' کے نام پر اسلاف بیزاری کی مشئوم کوشش کرنے والوں کو اگر جواب دیا جائے تو دانشورانِ قوم کی جبینوں پر تیوریاں پڑنے لگتی ہیں۔

لیکن میرے داداجان رحمہ اللہ نے ہمیشہ کبھی بھی اس مصنوعی رواداری اور رکھ رکھاؤ کو اختیار نہیں کیا، انہوں نے ہمیشہ حق کہا، حق پھیلایا اور حق کا دفاع کیا۔اگر وہ چاہتے تو ''حق گوئی'' اور ''صاف گوئی'' کی بجائے گول مول اور لچھے دار باتوں کو اختیار کرکے دانشورانِ قوم سے ''روشن خیالی'' کا سرٹیفکیٹ حاصل کرسکتے تھے، مگر انہوں نے اپنے اسلاف کے کھینچے ہوئے نقوش سے ''سرِ مو'' ہٹنا بھی گوارا نہیں کیا، انہوں نے ہمیشہ حق کہا اور کسی صورت بھی سیاہ کو سفید کہنے کو تیار نہ ہوئے

کھلی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہوں صاف کہتا ہوں

کسی کے ڈر سے ظلمت کو ضیاء کہہ دوں یہ مشکل ہے
مجھے زنجیر پہنا دو! مجھے سولی پہ لٹکا دو!
مگر میں راہزن کو راہنما کہہ دوں یہ مشکل ہے

آپ کے پاس ''اجازتِ حدیث'' کی سند لینے کے لیے آنے والوں کی بہتات رہتی تھی، اس پر تو کوئی تعجب نہیں، مگر تعجب اس بات پر ہے کہ منکرینِ حیاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کے آستانہ پر سند کے حصول کے لیے آ پہنچتے، اگرچہ داداجان بارہا ''تحریراً وتقریراً'' اُن سے برأت کا ظہار کر چکے ہیں اور اُن کے رد میں داداجان رحمہ اللہ کی مستقل کتابیں موجود ہیں مگر معلوم نہیں ان لوگوں کی غیرت کو کیا ہوا کہ پھر بھی ''اجازتِ حدیث'' کے لیے ہمارے پاس آ دھمکتے ہیں اور حصولِ تعلیم کے لیے بھی ہمارے مدارس میں جا گھستے ہیں، اگر وہ (بزعم خود) ''حق'' پر ہیں اور ہمیں باطل پر سمجھتے ہیں تو اہلِ باطل سے ''اجازتِ حدیث'' لینے کا کیا معنیٰ؟ ہم تو جنہیں باطل سمجھتے ہیں اُن کی شکل دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہتا، جو دل میں ہمارے حضور کو نہ بسا سکے بھلا ہم انہیں دل میں کیوں بسائیں؟ بہرکیف! ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ میں ''اجازتِ حدیث'' کے لیے حاضر ہوا ہوں، میں نے پوچھا کہ ''آپ نے دورہ کہاں سے کیا ہے؟'' انہوں نے ایبٹ آباد کے ایک مدرسے کا نام لیا، میں اس مدرسے کے مہتمم صاحب کو جانتا تھا کہ وہ مماتی ہیں، میں نے اُن سے پوچھا کہ وہ مدرسہ مماتیوں کا نہیں؟ تو گھبرا کر بولے نہیں! نہیں!

بے خودی بے سبب نہیں غالب
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

میں زیرِ لب مسکرا دیا اور داداجان رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ یہ صاحب سند لینے آئے ہیں اور دورہ فلاں مدرسے سے کیا ہے، آپ بھی اُس مدرسہ کے کارپردازان کے عقائد سے واقف تھے۔ آپ نے زور سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اینوں باہر کڈ، اینوں باہر کڈ''

☆......میرے خالوجی محترم پروفیسر حافظ محمد عمر اسعد صاحب نے مجھے ایک واقعہ سنایا اور انہوں نے خود صاحبِ واقعہ سے سُنا، لیجئے آپ بھی اُنہی کی زبانی سنیے: کہتے ہیں کہ ''میں ایک غالی مماتی تھا، اپنے تعصب میں اس قدر پختہ تھا کہ اگر اپنے (حیاتی) استاد کے پیچھے نماز پڑھنی پڑتی تو اُس کا اعادہ کرتا، ایک روز میرے استاد صاحب نے فرمایا کہ میں نے امامِ اہل السنۃ کی زیارت کے لیے گکھڑ جانا ہے اور تمہیں ساتھ رکھنا ہے، میں نے بہت آئیں بائیں شائیں کی، مگر ایک نہ چلی۔ جب گکھڑ حضرت کی خدمت میں پہنچے تو کمرے میں بیس بائیس افراد موجود تھے، حضرت نے سب کی طرف توجہ فرمائی اور حال احوال پوچھا مگر میری طرف نظر اٹھا

کر بھی نہ دیکھا، جب رخصت ہونے کا وقت آیا تو میرا ہاتھ پکڑ کے میری طرف اس انداز سے مسکرا کر دیکھا کہ دل کی دنیا ہی بدل گئی

کسی کی بزم نے دنیائے دل بدل ڈالی

خودی کے ساتھ گیا بے خودی کے ساتھ آیا

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اسی وقت مماتی کے بدبودار عقیدے سے تائب ہوا اور حضرت کی محبت کی پاکیزہ خوشبو سے دل کو معطر کر کے لوٹا۔(تفصیل کے لیے باب نمبر 5 میں ''میرے لیے ہدایت کا سبب'' ملاحظہ فرمائیں،[خادم،حمزہ])

☆......مانسہرہ کے ایک مولانا صاحب داداجان رحمہ اللہ سے ملنے آئے، جب آپ کے آبائی علاقے ہزارہ سے کوئی مہمان آتا تو چوکنے ہو کر بیٹھ جاتے اور خوب باتیں پوچھتے، ان سے بھی بہت دیر سوالات کرتے رہے، انہوں نے بتایا کہ مانسہرہ کی بہت سی مساجد کے خطباء مماتی ہیں اور جو حیاتی ہیں وہ بھی کھل کر عقیدہ بیان نہیں کرتے، داداجان رحمہ اللہ نے انہیں تاکید سے کہا کہ ''اپنے علاقے میں گھمن کا بیان کراؤ'' مراد مخدومِ مکرم مولانا الیاس گھمن صاحب ہیں جو بفضلہٖ تعالیٰ ڈرون طیارے کی طرح اہلِ باطل کے تعاقب میں رہتے ہیں، داداجان رحمہ اللہ کا یہ ارشاد ان کے لیے سرمایۂ افتخار ہے، اللہ تعالیٰ انہیں بھی اور ان کے صدقے ہمیں بھی تادمِ آخر حق پہ استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

☆......اسی طرح جب ایک بدفطرت، بدزبان، احمد سعید چتروڑی نے امام بخاری رحمہ اللہ کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی کی تو داداجان رحمہ اللہ نے تایاجان مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ کو حکماً فرمایا کہ ''اس کا جواب لکھو!'' چنانچہ آپ نے جواب لکھا اور واقعی لاجواب لکھا،(آخری صفحات پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں[خادم،حمزہ]) امید ہے ''علامہ'' صاحب کی خارش کو اس سے کافی افاقہ ہوا ہوگا۔

☆......ہمارے ایک برادر مکرم جو اکابر علمائے حق کے مسلک سے دائیں بائیں ہونے کے چکر میں ہیں، ان کے مضامین سے ان کے ملفوظات داداجان رحمہ اللہ کو سنائے تو داداجان رحمہ اللہ نے ''توبہ، توبہ'' کہتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے اور فرمایا کہ ''اللہ ہدایت دے'' (آمین) پھر تایاجان قارن کو بھی ان کے بارے میں فرمایا کہ ''اپنے شاگرد کو سمجھاؤ!''

میں تو اپنے ان بھائی صاحب پر حیران ہوں کہ انہیں معلوم نہیں کیا ہوا کہ صاف شفاف پانی کے موج زن دریا کو چھوڑ کر گندے پانی کے ''گھاٹ'' پہ جا بیٹھے؟ پتہ نہیں داداجان رحمہ اللہ کے پاس علم نہیں تھا یا تقوے کی کمی تھی کہ وہ انہیں چھوڑ کر تختِ اجتہاد پر سوار ''انا ولاغیری'' کے زعم میں مبتلا ایک شخص کو اپنا

رہبر وراہنما مان کراس کے پیچھے پیچھے چل دیئے، ان کی اس سادہ دلی پراس کے سوااور کیا کہا جاسکتا ہے کہ

راہرو شاد ہیں اک رہبر کامل پایا
راہزن خوش ہے کہ رستے پہ لگا رکھا ہے

اس کا نتیجہ وہی نکلا جو نکل سکتا تھا یعنی

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبتِ زاغ

ہاں ایک کمی دادا جان رحمہ اللہ میں ضرور تھی کہ ان کے پاس صرف علم ملتا تھا، اجتہاد تقسیم نہیں ہوتا تھا اور ''المورد'' کے لنگر خانے میں اجتہاد کے ڈونگے بھر بھر کے شب و روز بانٹے جاتے ہیں، لیکن میں اپنے محترم بھائی سے بڑے ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ''اسپ اجتہاد'' کی سواری ہر ایرے غیرے کا کام نہیں، اس کے لیے بڑی شہسواری کی ضرورت ہے، اگر میرے اور آپ جیسا اجتہادی صلاحیتوں سے تہی دامن اور معرکۂ علم و مطالعہ میں نو وارد شخص اس کی سواری کی کوشش کرے تو اسے بسا اوقات ایسی پٹخنی ملتی ہے کہ عقائد کی ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں اور ایمان کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی ہے۔

بہر حال ان کا حوصلہ قابل داد ہے کہ دادا جان جیسی عبقری شخصیت کے ہوتے ہوئے بھی کسی اور کی زلفوں کے اسیر ہو گئے....! ہم نے تو دادا جان کو دیکھا اور دیکھتے ہی رہ گئے، کسی اور پر نگاہ ڈالنے کا ہوش ہی نہ رہا، راست و چپ سے بے نیاز ہو کر لگامِ زندگی اُن کے ہاتھ میں دے دی، اللہ تعالیٰ انہی کی محبت پہ زندہ رکھے اور روزِ قیامت انہی کے ساتھ محشور فرمائے، اگر لوگ ہمیں ''تنگ نظر'' یا ''دقیانوس'' کا خطاب دیتے ہیں تو بصد خوشی دیں، اگر وہ اپنی عقل اور تحقیقات پر شاداں ہیں تو ہم اپنے جنوں اور دیوانگی پر نازاں ہیں۔

بفیضِ عشق و جنوں کیفی گزر گیا لامکاں سے آگے
خرد کی بے دست و پائی دیکھو یہ بام و در ہی کو تک رہی ہے

اور ان مہربانوں سے ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ''ظالم تو نے پی ہی نہیں'' اگر دل کے آئینے کو صاف کر کے ان کے جام محبت سے ایک جرعہ نوشِ جاں کر لیتے تو اپنی ساری تحقیقات اور عقلی موشگافیاں بھول جاتے

جب خرد کی راہ سے ہم ان کو نکلے ڈھونڈنے
منزلِ ایقان سے وہم و گماں تک آ گئے

یہاں اپنے آپ کو مٹا دینے والوں کو ہی سب کچھ ملتا ہے اور اپنے آپ کو ''کچھ'' سمجھنے والوں کو

کچھ بھی نہیں ملتا۔

مدتوں ٹھوکریں کھائیں تو سمجھ میں آیا
اپنی ہستی کو مٹانا تجھے پالینا ہے

اللہ کریم انہیں ہدایت دیں اور عقائد صحیحہ پر ان کا شرح صدور فرمائیں۔ آمین۔ ہم تو ہر وقت ان کے انتظار میں ہیں کہ کب وہ واپس آ کر اپنے دادا کی مسند کو سنبھالیں....

نجانے راہ پر کیوں ہیں لگی ہوئی آنکھیں
مجھے خبر ہے کبھی وہ ادھر نہیں آئے

☆......ایک مرتبہ میں نے داداجان رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اگر شیعوں کے گھر سے قربانی کا گوشت آ جائے تو کیا کیا جائے؟ فرمایا کہ ''کسی عیسائی کو دے دے'' میں نے پوچھا کہ اگر عیسائی ''دستیاب'' نہ ہو تو؟ فرمایا کہ ''کتوں کے آگے ڈال دے''۔ حق بحقدار رسید۔

☆......آپ مسلک کے بارے میں اس قدر حساس تھے کہ جب مولانا طارق جمیل صاحب مدظلہ کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ''محفوظ'' نہیں مانتے تو آپ نے ''جامعہ حسنین'' فیصل آباد کے طلبہ کو ''سندِ حدیث'' دینی بند کر دی۔ اب تو بحمد اللہ حضرت مولانا صاحب نے عالی ظرفی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنی ان باتوں سے رجوع فرمالیا ہے، (مولانا موصوف نے رجوع نہیں کیا بلکہ وضاحت میں یہ فرمایا ہے کہ میرے عقائد بالکل صحیح ہیں البتہ مجھ سے تعبیر کی اغلاط ہوئی ہیں ان سے توبہ کرتا ہوں، تفصیل راقم کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔ [خادم، حمزہ]) اللہ تعالیٰ تادمِ آخر ''حق'' پر استقامت نصیب فرمائیں اور دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھیں۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ تو میرے آنکھوں دیکھے چند واقعات تھے، اور تصنیفی میدان میں داداجان رحمہ اللہ نے جو کام کیا ہے ''اللہ اکبر'' وہ تو ہر کہ ومہ پر ظاہر و باہر ہے، باطل فرقوں کے مقابلے میں آپ کا قلم ''خدائی تلوار'' کا کام کرتا تھا جس کی دھار کے نیچے بڑے بڑے سورما تڑپتے نظر آئے، فخر علماءِ حق مولانا علی شیر حیدری مدظلہ [شہید رحمہ اللہ] نے فرمایا اور بالکل بجا فرمایا کہ ''قیامت تک باطل فرقوں کے خلاف کام کرنے والا کوئی شخص بھی حضرت رحمہ اللہ کی کتابوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔'' اور مزے کی بات یہ ہے کہ مسلک میں اس قدر پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کا قلم نہایت باغ و بہار تھا، تحریر ایسی شگفتہ اور دلنشین تھی کہ چھوڑنے کو جی نہ چاہے، نوکِ قلم سے پاکیزہ پھول کھلا کرتے تھے، عبارت میں روانی اور سلاست، برموقع اشعار اور موقع بموقع شگفتہ جملے آپ کی تحریر کو چار چاند لگا دیتے تھے، مؤقف میں چٹان کی طرح مضبوط ہونے کے باوجود تحریر گالم گلوچ

اور گھٹیا اسلوب سے پاک تھی....

جتنے بھی لفظ ہیں وہ مہکتے گلاب ہیں — لہجے کے فرق سے انہیں تلوار مت بنا!

......﴿شوقِ علم......اور......قوتِ حفظ﴾......

علم کی باتیں اور کتاب دادا جان کا محبوب ترین مشغلہ تھا، کتاب آپ کی غذاء تھی جس کے بغیر آپ کا زندہ رہنا ہی مشکل تھا، اس کے بغیر آپ کو نہ سکون ملتا تھا نہ قرار آتا تھا، تمام عمر دشتِ کتب کی سیاحی میں گذری، اسی میں جان کو کھپایا، دماغ کو جلایا اور بالآخر اسی مبارک مشغلے میں جان جاں آفرین کے سپرد کر دی، دادا جان رحمہ اللہ کو جوانی کے عالم میں تو ہم نے نہیں دیکھا، مگر فالج کی مہلک بیماری کے بعد بھی آپ کو ہم نے ہر وقت کتابوں کا رسیا اور کتاب سننے پر آمادہ پایا، جو خدام پاس ہوتے تھے ان کا فارغ وقت اکثر و بیشتر اسی چسکے کی نذر ہوا کرتا، بسا اوقات مجھے عشاء سے لیکر فجر تک بھی کتاب سنانے کا اتفاق ہوتا، کبھی میں کتاب سناتے سناتے ان کی چارپائی پہ سر رکھ کے سو جاتا، جب آنکھ کھلتی تو وہ بڑی بے چینی اور اشتیاق سے میری طرف دیکھ رہے ہوتے، واہ! احسن تیری کیا ہی موج ہوا کرتی تھی، کبھی کبھی کہتے ''پتر! ہن سوجا!'' میں بتی بند کر کے لیٹ جاتا تو تھوڑی ہی دیر بعد آواز آتی ''احسن!'' میں فوراً کہتا ''جی اباجی!'' تو فرماتے ''پتر! کوئی کتاب سُنا!'' گھر میں کوئی مہمان آتا جو رشتہ دار ہوتا تو اس سے بھی کتاب سنانے کی فرمائش ہوتی، ایک مرتبہ میں نے ''اہلحدیث حضرات کے لیے انمول تحفہ'' مصنفہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب مظفر آبادی (المعروف 'توحیدی'' [خادم]) سنائی تو بہت پسند کی، فرمایا ''اچھی محنت کی ہے۔'' واقعی وہ کتاب بہت خوب کتاب ہے، اور مفتی تقی عثمانی مدظلہ کی ''جہانِ دیدہ'' تو شاید آپ نے بیسیوں مرتبہ سنی ہو، اسے بہت شوق سے سنتے تھے اور جب میں اپنی باری شروع ہونے پر حاضرِ خدمت ہوتا تو فرماتے کہ ''آج کہاں کی سیر کراؤ گے؟'' میں کہتا جہاں آپ چاہیں! تو فرماتے ''چل! اج شام لے چل!' شام کا سفرنامہ سنتے ہوئے اپنے سفرِ شام کا بھی تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ ''اہلِ شام دین سے بہت محبت رکھنے والے ہیں، جب میں شام میں تھا تو ایک دن ایک شخص اس طرح جھپٹ کر مجھ سے چمٹ گیا کہ میں سمجھا مجھے مارنے لگا ہے، اور بے تابانہ انداز میں میری داڑھی چومنے لگا اور کہتا جاتا تھا 'ھٰذہ سنة رسول اللہ'' میں نے پوچھا کہ پھر تو کیوں نہیں رکھتا؟ تو حکومت والوں کو ایک موٹی سی گالی دے کر کہنے لگا کہ یہ......نہیں رکھنے دیتے۔''

☆......کبھی کبھار سب اہلِ خانہ کو جمع کر لیتے، بچے بڑے، مرد عورت، پھر ہر ایک سے کچھ نہ کچھ سنانے کی فرمائش ہوتی، کوئی تلاوت سناتا، کوئی نعت، کوئی نظم، کوئی جہادی ترانہ....ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر آپ پر

رقت طاری ہوگئی اور آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے اور فرمایا ''یا اللہ! یا اللہ! لوگوں کے بچے بچیاں گانے گاتے ہیں، میرے بچے بچیاں تیرا اور تیرے رسول کا نام لیتے ہیں'' پھر دونوں ہاتھ چہرہ پر پھیر لیے اور کافی دیر رقت طاری رہی۔

☆......اسماء الرجال کے فن میں خصوصی مہارت تھی، ہم میں سے جو کوئی گکھڑ جاتا اس سے پوچھتے کہ ''کون سی کتابیں پڑھتے ہو؟'' پھر ان کتابوں کے مصنفین کے نام بمع سن ولادت اور سن وفات کے پوچھتے، اس لیے جو ملنے جاتا وہ پہلے اپنی زیر تعلیم کے مصنفین کے نام اور مختصر حالات یاد کر کے جاتا اور اگر کسی کتاب کے مصنف کا نام یاد نہ ہوتا تو اپنی کتابوں میں اسے شمار ہی نہ کرتا۔

☆......رمضان (1426ھ) میں، میں اور حمزہ انہیں تراویح میں نصف، نصف قرآن پاک سنایا کرتے تھے، آپ کرسی پر بیٹھ کر تراویح پڑھتے اور اتنا زبردست سنتے تھے کہ سنانے والے کے چھکے چھوٹ جاتے تھے، اگرچہ آپ خود حافظ نہیں تھے مگر حیرت انگیز بات ہے کہ آپ سے ''زبر، زیر'' کی غلطی بھی نہیں چھوٹ سکتی تھی، اگر قاری کو متشابہ لگتا تو فوراً ٹوکتے اور بعد میں کہتے کہ اس پارے کے تیسرے رکوع میں نوح علیہ السلام کا واقعہ تھا وہ کدھر گیا؟ پھر قاری صاحب کی شکل دیکھنے والی ہوتی۔ ایک بار میں نے پوچھا کہ ''اباجی! آپ حافظ نہیں ہیں تو پھر غلطی کیسے نکال لیتے ہیں؟'' برجستہ جواب دیا ''پتر! میں حافظ نہیں حافظاں دا پیو آں!'' یہ بات جب میں نے مخدوم العلماء حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کو بتائی تو بہت محظوظ ہوئے، جب بھی میں حاضرِ خدمت ہوتا تو فرماتے ''ہاں بھئی مولوی احسن صاحب! آپ کے دادا کیا کہتے ہیں؟'' میں واقعہ سناتا تو مسکرا دیتے۔

☆......ایک مرتبہ میں اور حمزہ، داداجان رحمہ اللہ کو وہیل چیئر پر گھر کے صحن میں چکر لگوا رہے تھے، رمضان کا مہینہ تھا، میں ساتھ ساتھ حمزہ کو سیپارہ بھی سنا رہا تھا اور وہ زبانی سن رہا تھا، ایک آیت پر ہم دونوں میں اختلاف ہوگیا، آیت یہ تھی ''وکان یوماً علی الکافرین عسیراً'' میں کہتا تھا کہ ''یومٌ'' ہے اور حمزہ کہتا تھا کہ نہیں! ''یوماً'' ہے، میں ''یوم'' کو ''کان'' کا اسم سمجھ کر اپنی بات پر اڑ گیا، داداجان سن رہے تھے، فرمایا ''یوماً'' ہے، میں نے پوچھا کہ ''یوم''، ''کان'' کے لیے کیا بنتا ہے؟ تو فرمایا کہ ''مفعول فیہ''....

☆......ماسٹر منظور صاحب [ناظم: دفتر حق چار یار، لاہور] نے بتایا کہ جب حضرت شیخ فالج کے حملے کے بعد لاہور ہسپتال میں تھے تو میں عیادت کے لیے حاضرِ خدمت ہوا، حضرت نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ''منظور'' پوچھا کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ دفتر حق چار یار میں ہوتا ہوں، فرمایا اچھا: تو پھر ماسٹر منظور کہو نا! حالانکہ حضرت سے یہ میری غالباً پہلی ملاقات تھی، مگر حق چار یار کے مطالعہ کی بنا پر آپ کو میرا

نام یاد تھا۔

☆......ایک مرتبہ میرے شیخ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب دامت برکاتہم العالیہ (جو قائد اہل السنۃ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز ہیں، اس طرح شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ اور اُن کے درمیان صرف ایک واسطہ ہے) تشریف لائے تو داداجان رحمہ اللہ نے اُن کا بڑا اکرام فرمایا، مجھے کہا کہ ''جا! وڈی کرسی لے کے آ!'' عام طور پر تو مہمان داداجان رحمہ اللہ کی چار پائی کے ساتھ قالین پر بیٹھتے، اگر کوئی خاص مہمان ہوتا تو اس کو فولڈنگ کرسی مہیا کی جاتی جو آپ کی چار پائی کے ساتھ رکھی ہوتی، اور اگر کوئی خاص الخاص ہوتا تو بجائے فولڈنگ کرسی کے بڑی کرسی منگواتے، چنانچہ ان کے لیے بھی بڑی کرسی منگوائی، اور ان سے پانی دم کرا کے فرمایا ''اس میں سے تھوڑا سا آپ پی لیں! انہوں نے پیا تو بچا ہوا داداجان نے نوش فرمایا۔ دورانِ گفتگو داداجان رحمہ اللہ نے پوچھا کہ ''دراسات اللبیب'' کتاب کا مصنف سنی ہے یا شیعہ؟ انہوں نے ساتھ بیٹھے ہوئے مولانا حکیم عبداللہ صفدر صاحب [کراچی] کی طرف دیکھا، انہوں نے داداجان رحمہ اللہ کو تفصیل بتائی کہ فلاں کے نزدیک یہ سنی ہے اور فلاں کے نزدک شیعہ، مگر باہر آ کر انہوں نے بے حد تعجب کا اظہار کیا اور بتایا کہ یہ کتاب بالکل نایاب ہے اور پاک و ہند میں صرف دو چار کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت کو نہ صرف اس کتاب سے واقفیت ہے بلکہ مصنف کے مشکوک ہونے کا بھی پتہ ہے۔

☆......ایک مرتبہ استاذ العلماء جناب مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب تشریف لائے انہیں بھی ''بڑی کرسی'' پر بٹھایا گیا، دیر تک داداجان رحمہ اللہ سے مختلف سوالات پوچھ کر جوابات کے گوہر سمیٹتے رہے، انہوں نے پوچھا کہ حضرت فلاں عالم کی فلاں کتاب پر ان کا سن وفات اور ہے اور فلاں کتاب پر اور......کون سا صحیح ہے اور کون سا غلط؟ داداجان نے بتایا کہ دراصل یہ دو مختلف علماء ہیں جن کا نام ایک ہے ہم نام ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کو اشتباہ ہوتا ہے۔ جب داداجان نے تفصیل سے دونوں کے حالات سنانے شروع کیے تو مفتی صاحب نے ''وئی خدائے پاکا!!'' کہتے ہوئے تعجب سے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

☆......داداجان رحمہ اللہ کو شاعری کا ذوق بھی بہت تھا، کیونکہ مجھے بھی شاعری سے تھوڑا بہت لگاؤ ہے اس لیے داداجان مجھ سے غزلیں بھی خوب سنتے، جتنی مجھے زبانی یاد تھیں سب سنائیں، عربی، اردو، فارسی۔ جب اپنا علم ختم ہو گیا تو شاعری کی کتابیں سنانا شروع کردیں، ذکی کیفی مرحوم کی ''کیفیات'' تو اول تا آخر ایک سے زائد مرتبہ سنائی، ایک مرتبہ میں نے سید امین گیلانی کی ایک غزل سنائی

''کیسے کیسے دل کے اندھے لوگ ہیں دنیا داروں میں

یوسف جیسے حسن کے پیکر بیچ دیئے بازاروں میں''

اس کا آخری شعر تھا

''کاخ نشینو! خاک نشینوں کو نفرت سے مت دیکھو

اُوپر دیکھو زاغ و زغن کے ڈیرے ہیں میناروں میں''

تقریباً چار ماہ بعد میں نے پھر یہ غزل سنائی اور آخری شعر چھوڑ دیا، دادا جان نے فرمایا ''آگے؟'' میں سمجھا شاید کسی چیز کی طرف اشارہ کررہے ہیں، اس لیے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ شاید کوئی آیا ہے! دادا جان رحمہ اللہ نے دوبارہ مجھے اپنی طرف متوجہ کرکے فرمایا کہ ''آگے پڑھو! تم نے ایک شعر چھوڑ دیا ہے'' پھر خود پڑھنے لگے...... ''کاخ نشینو! خاک نشینوں کو نفرت......'' اور پورا شعر پڑھ کر سنا دیا۔

☆......اس رمضان المبارک (۱۴۲۹ھ) میں دادا جان کے آبائی علاقے ''لمبی'' سے ''دِدّے'' (دادا جان رحمہ اللہ کی مرحومہ ہمشیرہ، جنہیں سب ''دِدّے'' کہتے تھے) کے خاندان کے دو بہن بھائی تشریف لائے، میں نے انہیں دیکھا بھی پہلی مرتبہ تھا، مگر دادا جان رحمہ اللہ نے ان سے ''دِدّے'' کے خاندان کے ہر چھوٹے بڑے، بوڑھے جوان اور زن و مرد کا نام لے کر حال پوچھا۔

☆......اسی طرح ایک مہمان کوہستان ''پٹن'' کے علاقے سے تشریف لائے تو دادا جان رحمہ اللہ نے ان سے ان گاؤں کے مختلف مقامات (ٹیلوں، آبشاروں وغیرہ) کے بارے میں پوچھا، پھر پوچھا کہ ''دریا کے ساتھ فلاں مقام پر مسجد تھی، وہ موجود ہے یا نہیں؟'' انہوں نے بتایا کہ موجود ہے، فرمایا کہ ''میں نے اس مسجد کو تیس سال پہلے دیکھا تھا''۔ بعض اوقات آنے والے مہمانوں نے ان کے علاقے کے ان علماء اور کتب خانوں کے بارے میں دریافت کرتے جن کا انہیں خود بھی علم نہ ہوتا، غالباً مولانا قاری محمد صادق صاحب مدظلہ بہاولپور والے تشریف لائے تو اُن سے اُن کے گاؤں کے کسی کتب خانے کے بارے میں پوچھا جو انہیں خود کافی سوچ بچار کے بعد یاد آیا۔ (دادا جان رحمہ اللہ نے دریافت فرمایا کہ احمد پور شرقیہ کے بڑے عالم کون ہیں؟ قاری صاحب نے عرض کیا کہ اس وقت تو وہاں کوئی بڑا عالم نہیں، تو دادا جان رحمہ اللہ نے فرمایا ''کافی عرصہ قبل مجھے کسی کتاب کے حوالے کی ضرورت تھی، مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ نے وہاں کے ایک عالم سے کتاب لے کر مجھے دی تھی، ان کا کتب خانہ کس کے پاس ہے؟ [خادم، حمزہ])

☆......ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ''بیٹا! آج کل تو کتابیں بہت ہوگئی ہیں، ہمارے زمانے میں کتابیں بہت کم ہوتی تھیں، ہم فلاں کتاب پڑھتے تھے، سترہ طالب علم، ایک استاد اور کتاب کا صرف ایک نسخہ، اسی ایک نسخے سے سب مطالعہ بھی کرتے اور اسی سے سبق بھی پڑھتے۔''

آپ نے حصول علم کی خاطر تو طویل سے طویل، پُر مشقت اسفار کیے ہی مگر حوالہ جات کی تصدیق کے لیے بھی بڑے پُر صعوبت اور جاں گسل اسفار کیے، آپ کی کتابوں میں جو حوالہ جات کے انبار ہیں، ہر حوالہ کے پیچھے ایک داستان ہے، آپ نے مجھے خود بتایا کہ ''مجھے ''تسکین الصدور'' کے لیے ''مصنف عبدالرزاق'' کے ایک حوالے کی ضرورت تھی مگر مجھے وہ حوالہ دیکھنے کے لیے ''مصنف عبدالرزاق'' کہیں دستیاب نہیں ہو رہی تھی، مجھے کہیں سے پتہ چلا کہ باغ آزاد کشمیر میں وہ کتاب کسی کے پاس موجود ہے لہٰذا میں نے کوہالہ تک بس کا اور کوہالہ سے باغ تک تین دن پیدل سفر کیا، مگر افسوس کہ وہ کتاب باغ میں نہ مل سکی، بعد میں معلوم نہیں کہاں ملی، آپ نے آنکھوں سے دیکھ کر اس کا حوالہ نقل فرمایا۔ اس واقعہ سے حوالہ نقل کرنے میں آپ کی دیانت اور احتیاط کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔

☆......آپ کی الماریوں میں کتابیں ترتیب سے رکھی ہوتی تھیں اور آپ کو سب کے نمبر اور ترتیب یاد تھی، چنانچہ جب کوئی کتاب دیکھنے کی حاجت ہوتی تو فرماتے ''جاؤ! فلانی الماری کے درمیان والے خانے سے تیسرے نمبر والی فلاں کتاب لے آؤ''! اور مطلوبہ کتاب آپ کے بتائے ہوئے مقام پر ہی ملتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک الماری سے ''کنز الدقائق'' کا ایک پرانا ''نسخہ'' گم ہو گیا آپ نے مجھے وہ لانے کا حکم دیا، اپنی مقرر جگہ نہ ملا تو مجھ سے پوری الماری کی کتابیں نکلوا کر ایک ایک کا سرورق دیکھا، نہ ملنے پر دوبارہ اور پھر سہ بارہ سب کتابیں دیکھیں مگر وہ وہاں تھا ہی نہیں ملتا کیسے؟ شاید کسی بچے نے اِدھر اُدھر کر دیا ہو! اُدھر دادا جان رحمہ اللہ کی بے چینی، اضطراب اور غصہ عروج پر تھا، رات کے بارہ بج رہے تھے اور میں الماری کئی مرتبہ کھنگال کر اب مجرموں کی طرح سامنے کھڑا تھا اور حالت سخت پتلی تھی، کیونکہ دادا جان رحمہ اللہ کی کوئی کتاب گم ہونا اچھی بھلی قیامت تھی، آپ اتنے سخت پریشان ہوئے جیسے کوئی بیٹا گم ہو گیا ہو اور اس پریشانی میں فرمایا کہ ''اگر میرا پیو مر جاندا تے اِناں صدمہ نیں سی''۔

اگر آپ کی کوئی کتاب آگے پیچھے ہو جاتی تو پورے گھر کو ''لائن حاضر'' ہونا پڑتا تھا۔

☆......ایک مرتبہ مجھے حکم دیا کہ ''اس مرتبہ جب لاہور جاؤ تو ''ائمہ تلبیس'' (جو مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری رحمہ اللہ کی تصنیف ہے جس میں تمام مدعیان نبوت اور مدعیان مہدویت کے حالات جمع ہیں وہ) کسی کتب خانے سے تلاش کر کے لانا'' میں نے لاہور کے کتب خانوں میں بہتیرا تلاش کیا مگر وہ نہ ملی، اس کے بعد جب بھی گکھڑ جاتا تو سوال ہوتا کہ ''ائمہ تلبیس'' ملی؟ میں کہتا کہ ان شاء اللہ جلد چھپ جائے گی۔ آخر ایک مکتبہ نے اس کی دو جلدوں کو ایک کر کے ''جھوٹے نبی'' کے نام سے شائع کی تو وہ میں نے دادا جان رحمہ اللہ کو لا کر دی، پھر بڑے شوق سے آپ نے وہ کتاب سنی۔

☆......ایک مرتبہ میں نے ''ملفوظاتِ خلفائے اربعہ'' (جو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب بن حضرت اقدس صوفی سرور صاحب مدظلہ کی تصنیف ہے) سنانی شروع کی، چند ہی ملفوظات کے بعد حوالہ پوچھا! میں نے بتایا کہ اس میں حوالہ جات نہیں ہیں تو بند کروادی اور فرمایا کہ کتاب ادھوری ہے، کاش کہ محترم مصنف ان قیمتی ملفوظات کے حوالے بھی درج فرمادیں تو مزا دوبالا ہوجائے۔

☆......اس مرتبہ چھٹیوں میں، میں نے انہیں ''آپ بیتی'' (از مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ)، ''اقصی کے آنسو''، (از: مفتی ابولبابہ صاحب)، ''محبوب کا حسن و جمال''، ''کیفیات''، ''خیر الاصول''، ''جہانِ دیدہ''، ''صنم کدے میں اذاں''...... یہ تمام کتابیں تو تقریباً اول تا آخر سنائیں اور بہت سی کتابیں نصف یا کم وبیش سنائیں، ''مقدمہ ابن خلدون''، ''تعطیر الانام فی تعبیر المنام''، ''تفسیر الاحلام'' اور ''مسند احمد'' بھی تھوڑی تھوڑی سنائیں، لیکن عربی عبارت میں روانی اور سلاست سے نہیں سنا سکتا تھا اس لیے داداجان رحمہ اللہ کو لطف نہیں آتا تھا۔ اس مرتبہ ظاہر پیر میں استاذِ مکرم، استاذ العلماء حضرت مولانا حافظ عبدالکریم صاحب کی برکت اور محنت سے میری ''عبارت'' بہت رواں اور صاف ہوگئی تھی اور میں سب سے زیادہ اس بات پہ خوش تھا کہ اس مرتبہ جب داداجان رحمہ اللہ کے پاس جاؤں گا تو عربی کتابیں خوب سناؤں گا، مگر آہ! تدبیر دھری کی دھری رہ گئی اور تقدیر اپنا کام کرگئی، ساری ساری رات ہم سے کتابیں سننے والا ہی ہم سے دور چلا گیا، ساری رونقیں اور سارے ولولے اپنے ساتھ ہی لے گیا

؎ زمزمے بزمِ چمن کے ہیں ہمارے دم تک
پھر گلستاں میں یہ نغمے نہ سنائی دیں گے!!

مگر اب کیا ہوسکتا ہے سوائے صبر کے؟ اللہ کریم اس حادثۂ فاجعہ پر صبر جمیل عطا فرمائیں اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ یہ شوقِ علم اور قوت حفظ آپ کو کیسے نصیب ہوا؟ یہ سب آپ کے اساتذہ کرام کی دعا تھی، کیونکہ آپ اساتذہ کرام کی بہت خدمت کرتے تھے، میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ کو اپنے اساتذہ کرام میں سے سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ فرمایا ''سب سے!'' میں نے اصرار کرکے پوچھا کہ سب سے زیادہ؟ تو فرمایا حضرت مدنی رحمہ اللہ سے، آپ کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خدمت کا بھی خوب موقع ملا۔ فرمایا کہ ''جب میں وڈالہ سندھواں پڑھتا تھا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ وہاں تشریف لاتے تھے اور میں انہیں دبایا کرتا تھا، حضرت کی پنڈلیاں لوہے کی طرح سخت تھیں، دباتے دباتے میرے ہاتھ دُکھنے لگتے تھے، حضرت بالالتزام ورزش کرتے تھے، جسم خوب مضبوط تھا''۔ ایک مرتبہ داداجان رحمہ اللہ نے اپنے کسی استاد سے سنا کہ ''ٹنڈ'' کروانے سے حافظہ بڑھتا ہے چنانچہ اس دن سے وفات تک یہ

معمول رہا کہ ہر جمعے کو نائی آتا اور سر پر کوئی بال ہو یا نہ ہو، استرا پھیر جاتا۔ دادا جان رحمہ اللہ نے حصول علم کی خاطر ایسے دشوار گزار سفر کیے اور اتنی سختیاں جھیلیں جنہیں سن کر آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں، اگر قارئین پڑھنا چاہیں تو دادا جان رحمہ اللہ کی خودنوشت آپ بیتی ''میں اور صوفی'' میں پڑھ سکتے ہیں، ایک مرتبہ مجھے خود بتایا کہ تعلیم کے زمانے میں مجھے اور صوفی کو دن رات میں صرف ایک روٹی ملتی تھی، وہ بھی بغیر سالن کے، میں اپنے حصے کی روٹی بھی صوفی کو دے دیتا تھا کہ یہ چھوٹا ہے بھاگ نہ جائے'' میں نے پوچھا کہ پھر آپ خود کیا کھاتے تھے؟ فرمایا کہ ''لوگ بھینسوں کو شلجم وغیرہ کے پتے ڈالتے تھے وہ بچے ہوئے میں دھو کر کھا لیتا تھا۔

انہی قربانیوں کے صلے میں رب ذوالجلال نے، جو اپنے کسی بندے کی کوشش ضائع نہیں فرماتے، انہیں جب چمکایا تو مشرق و مغرب کے علماء کا سردار بنا دیا اور وہی پردیسی طالب علم جس کو کبھی ایک وقت کا کھانا بھی نہیں ملتا تھا، ایک وقت آیا کہ دنیا اس کے قدموں پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کو تیار تھی مگر اس نے دنیا کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، اسی قلندرانہ رنگ و روپ میں، اسی درویشانہ لباس میں اس دنیائے فانی سے عقبٰی کی طرف رختِ سفر باندھ کر چل دیا۔

ؔچمن کا گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخِ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا

......﴿ جذبۂ جہاد......اور......شوقِ شہادت ﴾......

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد علم، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ پر تھی اور دوسرے مکاتبِ زمانہ کے برخلاف دارالعلوم کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کے جامِ معرفت سے سیراب ہونے والوں نے کبھی مدرسہ اور خانقاہ کی زندگی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنی ترکتاز کا دائرہ بڑھاتے ہوئے ہر دور کے ظالم حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے جبر و استبداد کو برسرِ عام للکارا ہے۔ دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں، مجاہدینِ حریت کی ایک چھاؤنی تھا، جس کے جانباز کفن بدوش جیالوں نے کبھی کالا پانی کے جزیرے کو، کبھی نینی تال کی جیل کو، کبھی اٹک کے قلعے کو آباد کیا، انہی قلندروں کی دبائی ہوئی چنگاریاں جب بھڑکیں تو شعلۂ جوالہ بن کر روس کے سرخ عفریت کو جلا کر راکھ کر گئیں اور اب امریکہ کی سپر طاقت کے سامنے دیوبند ہی کے جانباز سپوت سینہ تان کر کھڑے ہیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ بے سروسامانی کے باوجود میدان انہی کے ہاتھ ہے۔

ؔجب کفن باندھ کے ہم بے سروساماں نکلے
دیکھ کر بھاگ اٹھے سب سرساماں والے

اگر چہ ہر دور میں چند، روپے روپے کے ''فتویٰ فروشوں'' نے ان مجاہدین حریت کے خلاف حکومت وقت کے ایماء پر ''فتویٰ بازی'' کا بازار گرم کیا مگر جس کے دل میں شہادت کا سودا سما جائے اسے طعنوں پر کان دھرنے کی فرصت ہی کب ہے؟

؎ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

گھٹیا ''فتوے بازی'' اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر کے ''جامِ شہادت'' کا راستہ روکنے والے کس قدر نادان ہیں؟ وہ ماضی کے صفحات کھول کر سبق کیوں نہیں حاصل کرتے؟ اگر بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے ظلم کی وجہ سے ''احد، احد'' کا نعرۂ مستانہ چھوڑ دیا ہوتا، اگر مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ''گوالیار'' کے قلعہ سے گھبرا کر اکبر کی خدائی کو تسلیم کر لیا ہوتا، اگر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ''مالٹا'' کے مصائب جھیل کر حق کی بات کہنے سے توبہ کر لی ہوتی تو آج بھی ان کے روحانی فرزندان کو آزمانے میں کوئی حرج نہ تھا، لیکن اربابِ حکومت کیوں نہیں سمجھتے کہ ہتھکڑیاں، بیڑیاں اور گولیاں ان دیوانوں کی دیوانگی میں اضافہ کرتی ہیں اور طعنہ بازیوں کی گرم بازاری ''جامِ توحید'' کو مزید دو آتشہ کرتی ہے، یہاں تو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں کو زیور سمجھا جاتا ہے اور اہلِ دنیا کے طعنوں کو القاب کی طرح سینے سے لگایا جاتا ہے، ان کا مسلک تو یہ ہے کہ

؎ عشق کرو گے تو کماؤ گے نام
تہمتیں بٹتی نہیں خیرات میں

حضرت داداجان رحمہ اللہ کا تعلق بھی انہی سرفروشوں کے قبیلے سے تھا، پھر وہ کیوں نہ ہر وقت ''شوقِ شہادت'' سے بے تاب رہتے؟ وہ ایک دردمند دل رکھتے تھے اور امتِ مسلمہ کی زبوں حالی پر ہر وقت کُڑھتے رہتے تھے، ان کے سینے میں ''شوقِ جہاد'' کا جو لاوا پک رہا تھا وہ انہیں خاموش بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا اور ان کے اسباق، دروس اور دورۂ تفسیر میں ''جہاد'' کی روح پرور باتیں ہوتی تھیں، ان کو جہاد اور مجاہدین سے والہانہ لگاؤ تھا، افغانستان میں کمانڈروں کی خانہ جنگی کے بعد جب اللہ کی رحمت کا دلفریب جھونکا ''طالبان'' کی شکل میں آیا اور امیر المؤمنین ملا عمر مجاہد حفظہ اللہ نے ''خلافتِ راشدہ'' کی یاد تازہ کرتے ہوئے افغانستان کی مردم خیز زمین پر ''نظامِ خلافت'' کا نفاذ کیا تو داداجان رحمہ اللہ کی روح کِھل اُٹھی اور آپ نے خود ان روح پرور بہاروں کا نظارہ کرنے کے لیے افغانستان کا سفر کیا اور امیر المؤمنین ملا عمر مجاہد سے ملاقات کی، اس کے بعد تادمِ آخر ان سربکف مجاہدین کی سرپرستی فرماتے رہے، آپ کے مریدین جب اپنے بچوں کو لے کر آتے تو آپ پیار سے بچوں کے سر پہ ہاتھ پھیرتے اور ان سے نام پوچھتے، اگر کسی بچے کا

نام ''اسامہ'' ہوتا تو بہت خوش ہوتے، اپنی جیب سے پیسے نکال کر اسے انعام دیتے اور کہتے اللہ تجھے ''اسامہ'' بنائے۔(اسی طرح اگر کوئی اپنا نام عمر بتاتا تو بھی آپ کی خوشی کی انتہاء نہ ہوتی، بچے کو بہت پیار کرتے، انعام سے نوازتے اور دعا دیتے۔[خادم])

☆......جب عالمی ''دہشت گرد'' امریکہ کے افغانستان پر حملے کے نتیجے میں ''امارتِ اسلامیہ'' کا سقوط ہوا تو آپ رحمہ اللہ اس قدر بے چین، بے قرار اور صدمے سے نڈھال ہوئے کہ آپ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی، میں اس وقت گکھڑ میں تھا جب آپ ہر رات پابندی سے خبریں سنتے تھے، غدارِ اسلام جنرل پرویز مشرف کو دادا جان رحمہ اللہ نے اتنی بددعائیں دیں کہ کسی کو نہیں دیں۔ صبح جب میں وضو کروانے جاتا تو کمرے کا دروازہ کھولتے ہی سوال ہوتا ''اینوں کسے نے بم نئیں ماریا؟'' میں نفی میں جواب عرض کرتا تو فرماتے ''اللہ اینوں تباہ کرے، اللہ اینوں برباد کرے!'' مظلوم مسلمانوں، علماء، طلباء اور مجاہدین کی جتنی بددعائیں اس بدنصیب کے حصے میں آئی ہیں کسی کے حصے میں نہیں آئیں۔

☆......جب افغانستان سے ''طالبان'' کا سقوط ہوا تو عجیب منظر سامنے آیا، وہی لوگ جو اُن کے حق میں دھواں دار تقریریں کیا کرتے تھے اُن کے عیب تلاش کرنے لگے، اُن سے وفاداری کی قسمیں کھانے والے اور اُن کے کارناموں کے تذکروں سے مجالس کو گرمانے والے اب اُن کا نام لینے کے بھی روادار نہ رہے۔ چند ہی دنوں میں قدریں بدل گئیں، مجاہد اور دہشت گرد کی تعریفات تبدیل ہوگئیں، اب ''طالبان'' کی کمزوریوں اور خامیوں سے عوام کو آگاہ کیا جانے لگا، اُن سے تعلق رکھنے کی صفائیاں پیش کی جانے لگیں

؎ کیوں نہ ایسی زندگی سے تنگ دل ہونے لگے
جب وفا والے وفا پر منفعل ہونے لگے

آسمان بھی اس تعجب خیز نظارے پر حیران تھا کہ یا خدا! یہ وہی لوگ تھے جو کل گلے پھاڑ پھاڑ کر ''دل دل جان جان، طالبان طالبان'' کے نعرے لگا رہے تھے اور آج کفر و شرک کی توپوں سے طالبان پر گولہ باری کر رہے ہیں

؎ لوگ اقرارِ وفا کر کے بھلا دیتے ہیں
یہ نہیں کوئی نئی بات چلو سو جائیں

مگر آفرین ہے اُن خدامست درویشوں پر جو اُسی طرح ہنستے مُسکراتے، کفر کے طوفانوں کی سرکش موجوں سے ٹکراتے رہے اور بمباریوں اور شہادتوں میں اپنا رستہ بناتے رہے۔ نہ اپنے سابقہ کرم فرماؤں سے کوئی شکوہ، نہ جھوٹے نام لیواؤں، بے وفاؤں سے کوئی شکایت، مگر زیرِ لب تو ضرور کہتے ہوں گے

؎ ہم وفا کرتے رہے وہ جفا کرتے رہے
اپنا اپنا فرض تھا دونوں ادا کرتے رہے

سچی بات یہ ہے کہ لگا تار ان آزمائشوں اور مصائب نے دوستوں اور دشمنوں کو جدا جدا کر دیا اور ''چُوری'' کھانے والے اور جان دینے مجنوؤں کی صفیں الگ الگ ہو گئیں، اس ''پُر آشوب'' دور میں جب ہر طرف سے مجاہدین کے لیے ''لامساس'' کی آوازیں آ رہی تھیں اور قریبی ساتھی بھی آنکھیں پھیر کر بیگانے بن چکے تھے، داداجان رحمہ اللہ نے پوری طرح اُن کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور اُن کی سرپرستی فرمائی، زمانہ کی چلچلاتی دھوپ کے ستائے ہوئے مجاہدین جب اُن کے پاس آتے، اُن کی محبت کی ٹھنڈی چھاؤں میں تازہ دم ہو کر دعاؤں کا قیمتی ''زادِ راہ'' لے کر واپس لوٹتے۔ایک مرتبہ کچھ ساتھی تشریف لائے تو داداجان رحمہ اللہ نے فوراً اُن سے پوچھا ''ڈاکٹر عافیہ صدیقی ''نیٹو'' کی قید میں ہے یا افغان فوج کی؟'' اُنہوں نے جواب دیا کہ ''نیٹو کی!'' داداجان رحمہ اللہ: ''نیٹو میں سب کافر ممالک ہیں یا مسلمان ملک بھی ہیں؟'' ساتھی: ''سب کافر ہیں!'' داداجان رحمہ اللہ: ''کیا ترکی نیٹو میں شامل نہیں ہے؟'' ساتھی: ''ہوگا مگر افغانستان میں نہیں ہے۔ افغانستان میں سب کفار کی فوج ہے۔'' اور بھی داداجان رحمہ اللہ نے کچھ سوالات ایسے کیے جن کے بارے میں اُن ساتھیوں کا تأثر یہ تھا کہ ''یہ سوالات کوئی بڑا ماہر جنگ (اور گہری دلچسپی رکھنے والا) ہی کر سکتا ہے!، عام آدمی کا ذہن ان کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا!''۔

☆......اسلام کی مظلوم بیٹی ''ڈاکٹر عافیہ صدیقی'' کے بارے میں بہت متفکر رہتے، جو صلیبی درندوں کی قید میں آج بھی کسی غیرت مند مسلمان بھائی کی منتظر ہے۔

☆......جس کے بارے میں علم ہوتا کہ اس کا ''جہاد'' سے کوئی تعلق ہے تو بے اختیار فوراً اُس سے امیر المؤمنین اور شیخ اُسامہ کا حال پوچھنے لگتے۔

☆......65ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران ایک مرتبہ جنرل ضیاء الحق شہید جو اس وقت شاید کرنل تھے جمعہ کے لیے آپ کی مسجد میں رُکے تو آپ کا جذبۂ جہاد سے معمور بیان سُن کر بہت متأثر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ''افواجِ پاکستان'' میں بیان فرمائیں، چنانچہ اُن کی درخواست پر داداجان رحمہ اللہ نے ان کی چھاؤنی میں جا کر بیان کیا، جس سے پاکستان کے شیر دل فوجیوں میں جذبۂ جہاد، شوقِ شہادت مچلنے لگا اور ہر جوان اپنے دین اور وطن کی آبرو کی خاطر کٹ مرنے کو تیار ہو گیا۔اے کاش! آج بھی خاکی وردی والی مسلمان فوج اپنے بھائیوں کی بجائے کفار کے سامنے صف بستہ ہوتی تو میدان جنگ کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، اور اسلام سے غداری کا بدنما داغ پاکستان کے چہرے پر نہ ہوتا۔

☆......اسی جنگ میں آپ نے اپنے گھر کے صحن میں مورچے کھودے، تاکہ اگر بھارتی فضائیہ کے گدھ بمباری کریں تو محفوظ رہا جاسکے۔

☆......جب ''لال مسجد'' والوں نے مسجد کی حرمت اور ''نفاذِ اسلام'' کے لیے تحریک چلائی، تو اُن کے مطالبات کی حمایت میں علماء کرام نے دستخط فرمائے وہ مطالبات اور علمائے کرام کی تائیدی تحریریں لفظ بلفظ خود سنیں اور پھر چاچو راشد کو بلوا کر ان کے سامنے تائیدی کلمات لکھوائے اور دستخط کیے، مگر پاکستان کے تخت پر موجود امریکی ایجنٹ کو اُن معصوموں کا یہ مطالبہ پسند نہ آیا اور اس نے طاقت کے نشے میں بدمست ہوکر ان ننھی کلیوں پر بھاری اسلحے سے چڑھائی کردی اور بھاری توپخانے اور فاسفورس بموں کا آزادانہ استعمال کرتے ہوئے وہ قتلِ عام کیا جس پر ''چنگیز خان'' کی روح بھی شرما گئی ہوگی۔ مگر آفرین ہے اُن شہدائے اسلام پر کہ انہوں نے بھوکا پیاسا رہ کر انتہائی مظلومیت کے عالم میں ''جامِ شہادت'' نوش فرمایا اور اپنے ''نعرۂ مستانہ'' ''نفاذِ شریعت......یا......شہادت'' کو سچ کر دکھایا

دیوانے گزر جائیں گے ہر منزلِ غم سے   حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا

☆......ایک مرتبہ میں داداجان رحمہ اللہ کے پاس تنہاء بیٹھا تھا، موقع غنیمت جان کر اُن سے بہت سی باتیں پوچھیں، چند ایک حاضر خدمت ہیں...... میں: ''کیا والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا درست ہے؟'' داداجان: ''نہیں''۔ میں: ''اگر انہیں خدمت کی حاجت نہ ہو اور وہ صرف طبعی محبت یا جبن کی وجہ سے روکتے ہوں تب؟'' داداجان: ''تب بھی درست نہیں!'' میں: ''اگر جہاد فرضِ عین ہوجائے تب؟'' داداجان رحمہ اللہ: ''تب جائز ہے!'' میں: ''جہاد فرضِ عین کب ہوتا ہے؟'' داداجان رحمہ اللہ: ''جس ملک پر حملہ ہوجائے اس ملک کے باشندوں پر فرضِ عین ہوجاتا ہے!''۔ پھر داداجان رحمہ اللہ نے مجھ سے سوال کیا کہ ''وزیرستان پاکستان کے ساتھ ہے یا افغانستان کے ساتھ؟'' میں نے جواب دیا ''پاکستان کے ساتھ!'' پھر میں نے سوال کیا ''اگر وزیرستان پر امریکہ کا حملہ ہوجائے تو کیا اہلِ پاکستان پر جہاد فرض ہوجائے گا؟ داداجان رحمہ اللہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ''وزیرستان پر پرویز خنزیر نے جو حملہ کیا ہے!'' میں ''وہ حملہ کیا ہے؟'' داداجان رحمہ اللہ ''ظلم!'' میں ''اس کے خلاف جنگ کیا ہے؟'' داداجان رحمہ اللہ ''جہاد!'' میں ''کیا یہ جہاد اہلِ پاکستان پر فرضِ عین ہے؟'' داداجان رحمہ اللہ (کچھ سوچ کر) ''ہاں!'' میں ''ہمارے لیے افغانستان جا کر جہاد افضل ہے یا یہاں؟'' داداجان ''یہاں! کیونکہ یہ قریب ہے!'' میں ''اگر مسلمان ملک میں اسلامی حکومت نہ ہو اور کسی شخص سے فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اسے از خود قتل کرنا جائز ہے؟'' داداجان رحمہ اللہ ''ہاں، جائز ہے!''۔ آپکی جرأت رندانہ کا اندازہ اُس واقعہ سے بھی ہوتا جس میں آپ فوج کی لگائی سرخ خونی لکیر دلیری

سے عبور کر گئے....شائد آپ جیسے لوگوں کے لیے ہی کسی نے کہا ہے

وہ ہم ہیں جو لگا کر قہقہہ توپوں سے بھڑ جائیں
برستی گولیوں میں مسکرانا ہم کو آتا ہے!
جہادِ فی سبیل اللہ کا اعلان سنتے ہی
قضا کے ساتھ ہنس کر کھیل جانا ہم کو آتا ہے
خدا والے ہیں ہم اے بت پرستو! جانتے ہو تم
بتوں کو توڑنا، ڈھانا، گرانا ہم کو آتا ہے
جہاں لاشیں گریں، بازو اڑیں، شانوں سے سر اُچھلیں
وہاں بھی تن کے چلنا دندنانا ہم کو آتا ہے

......﴿حسن معاشرت......اور......سخاوت﴾......

دادا جان رحمہ اللہ ایک بلند پایہ محقق عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شفیق و مربی باپ، مہربان دادا اور غم گسار رشتے دار بھی تھے، آپ کا گھر ہمارے خاندان کا جنرل ہیڈ کوارٹر تھا، جہاں ہر وقت مہمانوں کی چہل پہل رہتی، قریب رہنے والے رشتہ دار تو ہفتے دو ہفتے بعد حاضری ضروری سمجھتے اور ''ہزارہ'' والے رشتے دار بھی جب پنجاب آتے تو گکھڑ سٹاپ لازمی ہوتا، عیدین وغیرہ کے موقع پر قریب کے سب رشتہ دار جمع ہو جاتے اور خوب گہما گہمی ہوتی۔ دادا جان رحمہ اللہ کا اہلِ خاندان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایسا تعلق تھا کہ ہر ایک ان کی محبت کا سب سے زیادہ اپنے آپ کو حقدار سمجھتا تھا اور ہر ایک سمجھتا تھا کہ دادا جان سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے ہیں، وہ ایسا دربار تھا جہاں بچوں سے لیکر بوڑھوں تک ہر ایک کی شنوائی تھی، ہر ایک اپنا اپنا غم لیکر اس غم گسار ذات کے پاس پہنچتا اور حالِ دل کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کرتا، کوئی وہاں سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا تھا بلکہ دعاؤں کے انمول تحفوں کے ساتھ ساتھ رقم اور تحائف بھی عطا کیے جاتے، اس بڑھاپے اور بیماری کے عالم میں بھی ہر آنے والے کا خرچہ مقرر تھا، جب میں نیا نیا گکھڑ گیا تو مجھے بلا کر کچھ پیسے میری مٹھی میں تھمائے اور فرمایا ''اے احسن نوں دے دے!'' میں سمجھا کہ شاید مجھے پہچانا نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ ''اباجی! میں احسن ہی ہوں!'' پھر فرمایا کہ ''یہ خود نہ کھا جانا، احسن کو ہی دینا!'' میں نے حیران ہو کر ذرا بلند آواز سے عرض کیا کہ ''میں احسن ہی ہوں!'' تب دادا جان رحمہ اللہ نے ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ جسے یاد کر کے اب رونا آتا ہے، فرمایا کہ ''للّو! یہ خود نہ کھا جانا! احسن ہی کو دینا!'' تب میں سمجھا کہ خوش طبعی فرما رہے ہیں،

میں نے وہ پیسے لیکر جیب میں رکھ لیے، فرمایا ''جب اور ضرورت ہو تو، مانگ لینا'' پھر جب تک میں وہاں رہا یہ سحابِ کرم مسلسل برستا رہا۔ جب پہلی مرتبہ مجھے پیسے دیئے تو چند دن بعد بلا کر پوچھا ''کتنے پیسے باقی ہیں؟'' بندہ مسمی سی شکل بنا کر چپ چاپ کھڑا رہا، جواب دیتا تو کیا دیتا، سب کچھ کھا پی کر برابر کر چکا تھا۔ کیونکہ

قرار در کفِ آزادگاں نگیرد مال　　　　نہ گردگاں برگنبد نہ آپ در غربال

اس پر آپ ناراض ہوئے، مگر جب دو چار مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا تو سمجھ گئے کہ ملنگ کی جیب پیسوں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہے، چنانچہ پھر کبھی نہیں پوچھا کہ ''کتنے پیسے باقی ہیں اور کتنے خرچ کیے ہیں؟'' بلکہ کچھ دنوں بعد کچھ پیسے عنایت فرما دیتے، میں اپنے شوق کی کتابیں ان سے فوراً جا کر خرید لاتا اور بقایا کھا پی کر برابر کرتا۔ رہے نام خدا کا۔

☆......جس دن مہمان زیادہ ہوتے اور میری بھاگ دوڑ زیادہ ہوتی تب بھی انعام ملتا، امتحان میں کامیابی اور کسی اچھے کام پر حوصلہ افزائی کا انعام بھی ملا کرتا تھا، جب میں متوسطہ میں تھا تو مدرسہ کے شش ماہی امتحان میں اول آیا تو داداجان رحمہ اللہ نے خوش ہو کر ایک جیبی گھڑی انعام میں دی، جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا اور بہت قیمتی تھی، فرمایا ''کسی کو بتانا مت کہ یہ سونے کی ہے، کوئی چھین لے گا۔'' متوسطہ میں میرے لمبے بال تھے، داداجان رحمہ اللہ طلبہ کے لیے ٹنڈ کو پسند فرماتے تھے اور بے ریش لڑکوں کے لیے تو بالکل لمبے بال پسند نہ تھے، میں نے چاچو راشد کی ترغیب پر جو میرے استادِ مکرم بھی ہیں، بیک جنبشِ استرہ اپنی زلفوں کو حوالۂ زلف تراش کر کے ٹنڈ کروادی، جب داداجان رحمہ اللہ کے سامنے آیا تو بڑے خوش ہوئے اور اپنی جیب سے 50 روپے نکال کر انعام دیا، بعد میں جب تایا جان قارن نے دیکھا تو انہوں نے بھی 100 روپے انعام دیا اور میں بھی ایک ٹنڈ سے دوشکار کرنے پر بڑا خوش ہوا۔ کبھی کبھی داداجان کی طرف سے مجھے آمدہ مہمانوں کی تعداد سے ایک جوس زیادہ لانے کا حکم ہوتا، جب میں لاتا تو فرماتے کہ ''ایک احسن کو دے دو!'' میں وہیں کونے میں بیٹھ کر پی جاتا، اگر مہمانوں سے کوئی جوس بچ جاتا تو وہ بھی مجھے عنایت فرماتے۔ عام طور پر عامل حضرات ''اجازت'' کے معاملہ میں بہت کنجوس واقع ہوتے ہیں، مگر داداجان رحمہ اللہ سے زیادہ سخی اس بارے میں کسی کو نہیں دیکھا، آپ نے بعض ضروری تعویذات کی تو چند معمولی شرائط کے ساتھ عام اجازت دی ہوئی تھی، ہر خاص و عام تین روزے رکھ کر ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے (تفصیل کے لیے خادم کا مضمون ملاحظہ فرمائیں [خادم، حمزہ]) اور اس کے علاوہ بھی کسی عمل کی اجازت مانگو تو فوراً مل جاتی تھی۔ مجھے ابوجی نے گکھڑ بھیجتے ہوئے دیگر قیمتی نصائح کے ساتھ ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی تھی کہ وہاں جا کر کہیں عملیات وغیرہ کے چکر میں نہ پڑ جانا!، ورنہ پڑھائی سے جاتے رہو گے، مگر جب داداجان رحمہ اللہ بیمار ہوئے اور آپ سے تعویذ لکھنا

مشکل ہوا تو از روئے مجبوری مابدولت بھی تین روزے رکھ کر ''عاملین'' کی فہرست میں داخل ہوئے، اس وقت دادا جان رحمہ اللہ خود بھی تعویذ لکھ لیتے تھے، میں غور سے انہیں لکھتے ہوئے دیکھتا اور لکھائی پر نظر رکھتا، اگر اس کی اجازت نہ ہوتی تو فوراً مانگ لیتا جو اسی دم مل جاتی، کیونکہ میں لمبے لمبے تعویذ لکھنے سے گھبراتا تھا اس لیے کوئی مختصر مگر جامع تعویذ ہوتا تو اس کی اجازت لے لیتا۔ ایک مرتبہ اسی نظریے سے میں نے پوچھا کہ ''قرآن کی کوئی بھی آیت یا دعا لکھ دیا کروں؟'' فرمایا ''ہاں! لکھ دیا کرو!'' اب تو بہت آسانی ہوگئی، جو آیت بھی اس مسئلے سے متعلق ذہن میں آتی لکھ دیتا۔ اور ایک شفقت اس ناکارہ کے حال پر یہ تھی کہ اگر آپ کے سامنے آپ کے فرمان کے مطابق میں تعویذ لکھتا اور کوئی اس پر آپ کی خدمت کرتا تو مجھے مرحمت فرماتے، کہتے کہ ''یہ تمہارے پیسے ہیں، اٹھالو!'' میں عرض کرتا ''اباجی! میں بھی آپ کا اور پیسے بھی آپ کے!'' مگر قبول نہ فرماتے، بلکہ باصرار میرے حوالے فرماتے۔ ایک مرتبہ میں نے ضد کی تو قبول فرمالیے اور پھر فرمایا کہ ''اب یہ میری طرف سے رکھ لو!'' تو میں نے وہ لے لیے۔

☆......تعویذ پر یا ویسے عقیدت کی بنا پر اگر کوئی خدمت کرتا تو انکار نہ فرماتے، دیہاتی لوگ پانچ دس روپے بھی دیتے، مالدار لوگ کئی ہزار بھی ہدیہ کرتے مگر آپ ایک استغناء سے وہ لے کر جیب میں رکھ لیتے۔ نہ غریب کو یہ احساس ہوتا کہ میں نے جو پانچ دس دیئے ہیں وہ کم ہیں، نہ امیر کو یہ محسوس ہوتا کہ میں نے حضرت پر کوئی احسان کیا ہے یا اپنے ہدیے سے میں حضرت پر اثر انداز ہوسکتا ہوں۔ میرے خیال میں آپ کی نظر میں پیسہ اور مٹی برابر تھے۔

☆......ایک مرتبہ شاید رمضان میں، مَیں دادا جان رحمہ اللہ کو وہیل چیئر پر بٹھا کر گھر کے صحن میں چکر لگوا رہا تھا کہ آپ نے پوچھا کہ ''تمارے پاس میری کتابیں موجود ہیں؟'' میں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں موجود ہیں! آپ نے چاچو راشد کو بلا کر فرمایا کہ ''میری کتابوں کا ایک مکمل سیٹ اسے دے دو!'' چاچو راشد ان دنوں گکھڑ میں کتب خانہ چلاتے تھے، دادا جان رحمہ اللہ ان سے کتابیں خرید خرید کر لوگوں کو خوب ہدیہ کرتے تھے، اس طرح چاچو جی پر بھی اور مہمانوں پر بھی آپ کی نوازش کا بادل برستا رہتا تھا۔

☆......جب گھر میں پھل وغیرہ آتا تو سب کا حصہ الگ الگ کرتے، فرماتے یہ ساجد کا حصہ، یہ شاہد کا، یہ راشد کا، یہ حامد کا، پھر آخر میں اگر بچ جاتا تو فرماتے ''لے بھئی مولوی سرفراز! اب یہ تو کھا!'' جب تک صحت برقرار رہی یہی معمول چلتا رہا۔

☆......آپ کی تربیت کا انداز بھی نرالا تھا، جوانی میں تو سُنا ہے کہ تادیب بالعصا کا معمول تھا مگر آخر میں اسے چھوڑ دیا تھا، سوائے اُس تھپڑ کے جس کا ذکر ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔

☆......جب میں نیا نیا گکھڑ گیا تو ایک دن مجھے 20 روپے دیے کہ جا فروٹ کیس لے کے آ، (دادا جان بوجہ سادگی فروٹ کیک کو فروٹ کیس کہتے تھے۔) میں گیا اور جا کہ لے آیا مگر بقایا پیسے دادا جان کو دینا بھول گیا، کچھ دیر تو انہوں نے انتظار کیا، پھر بلا کر پوچھا ''فروٹ کیس کتنے کا آیا تھا؟'' میں نے عرض کیا کہ اٹھارہ (18) روپے کا، فرمایا کہ دو روپے کہاں ہیں؟ میں نے نکال کر پیش کیے تو وصول فرما کر پھر مجھے واپس فرما دیے اور فرمایا کہ بیٹا حساب کتاب صاف ہونا چاہیے۔ یہ بات کچھ اس طرح دل پر نقش ہوئی کہ اس کے بعد سے عادت ہوگئی ہے کہ کوئی بھی سودا منگوائے تو بحمد اللہ روپے روپے کا حساب دیتا ہوں۔ بعض لوگ اس سے شرم محسوس کرتے ہیں اور بعض تو حساب دینے پر ناراض بھی ہوتے ہیں کہ ہمیں تم پر کوئی بے اعتمادی تھوڑی ہے۔ مگر حساب صاف کیے بغیر دل مطمئن نہیں ہوتا۔

☆......مجھے دادا جان کی خدمت کا شوق بلکہ جنون تو بحمد اللہ بہت تھا مگر مصیبت یہ کہ سست اور کاہل ایک نمبر کا تھا اور اب بھی ہوں۔ ایک مرتبہ گرمی کے دنوں میں کام کاج سے دل بہت گھبرا رہا تھا۔ مہمان بہت تھے اور میں دل پر جبر کر کے بھاگ دوڑ کر رہا تھا مگر بے دلی سے، اپنی سستی اور کاہلی پر سخت افسوس ہو رہا تھا، جب مہمان چلے گئے تو میں نے دادا جان سے جا کر عرض کیا کہ مجھ میں سستی بہت ہے، کوئی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا، بے بسی سے میری آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے، دادا جان نے بہت ہی شفقت بھرے لہجے میں فرمایا ''پتر گرمی وچ انج ہوندا رہندا اے'' یہ بات اتنے پیار سے کہی کہ دل کا سارا غم ہلکا ہوگیا، افسوس جاتا رہا اور میں پھر سے ہشاش بشاش ہوگیا۔

جب میں متوسطہ سے اولیٰ میں داخل ہوا تو مجھے یہ شعر سنایا

صرفیاں رامغز باشد چوں سگاں
نحویاں رامغز باشد چوں شہاں

اور تعلیم کے دوران اپنی محنت کے واقعات سنائے جس سے علم صرف کی اہمیت ذہن نشین ہوگئی۔

☆......ایک دن میں نے اپنے کمرے کو تالا لگا دیا اور چابیاں اندر بھول آیا۔ جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو چابیاں ندارد۔ نہایت پریشان ہوا اور دل میں سوچا کہ لے بیٹا! آج تیری خوب دھلائی ہونے والی ہے۔ ان دنوں میں اوپر اپنے کمرے میں سوتا تھا مگر اس رات نیچے بیٹھک میں سو گیا اور دادا جان سے کچھ نہ کہا۔ صبح ڈرتے ڈرتے ان سے قصہ عرض کیا تو فرمایا ''اے کم نے للّواں دے!'' یعنی یہ کام ہیں احمقوں کے۔ پھر اپنی دراز سے اس کمرے کی دوسری چابی نکال کر دی۔

☆......انہی دنوں ایک روز میں نے کوئی خواب دیکھا، خواب اس وقت یاد نہیں، دادا جان کو وہ خواب سنایا تو

فوراً فرمایا ''پتر غیبت نہ کریا کر!'' میں بڑا شرمندہ ہوا کیونکہ ان دنوں یہ عادت بن گئی تھی کہ طلبہ کی محفل میں بیٹھ کر اکابرین پر نعوذ باللہ تبصرے شروع کر دیتے، اس خواب اور دادا جان کے ارشاد سے تنبیہ ہوئی اور دادا جان کے بروقت، برجستہ اور یقین کے ساتھ تعبیر دینے سے حیرت بھی ہوئی اور فن تعبیر میں آپ کی دسترس کا کچھ اندازہ ہوا۔

☆......آپ پر فالج کے تیسرے حملے کے بعد، جس نے آپ کے پورے جسم کو مفلوج کر دیا تھا، آپ کے خدام ہی آپ کو اٹھاتے بٹھاتے تھے، بٹھانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ پہلے چارپائی سے آپ کی ٹانگیں نیچے کرتے، پھر بغلوں میں ہاتھ ڈال کر بٹھا دیتے اور ایک ہاتھ سے آپ کو تھام کر دوسرے ہاتھ سے جلدی جلدی پیچھے تکیے رکھ دیے جاتے جن کے سہارے کے بغیر آپ بیٹھ بھی نہ سکتے تھے۔ بغلوں میں ہاتھ ڈال کر بٹھانے میں بٹھانے والے کا پورا زور صرف ہو جاتا تھا اور پھر ایک ہاتھ سے تھامے رکھنا اور دوسرے ہاتھ سے فٹافٹ تکیے رکھنا بھی آسان نہ تھا کہ ایک ہاتھ سے آپ کا بوجھ سنبھالا نہیں جاتا تھا، اور پھر تکلیف کی وجہ سے بسا اوقات آپ کی چیخیں نکل جاتیں تو پھر یہ کام اور بھی مشکل لگتا اور دل پر جبر کر کے آپ کو بٹھانا یا لٹانا ہوتا یہ تو اللہ تعالیٰ بہت ہی جزائے خیر دے چاچو راشد اور پھوپھو جان کو جنہوں نے اس مشکل ترین خدمت کو بڑی استقامت اور خوبی سے نبھایا جن کو چند دن اس خدمت سے سابقہ پڑا وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل تھا، اللہ تعالیٰ ان تمام خدام کو اپنی بارگاہ سے بہترین جزائے خیر عطاء فرمائے اور اس ناچیز کی ٹوٹی پھوٹی خدمت کو بھی قبول فرمائے اور جو سستیاں، نادانیاں ہوئی ہیں انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمائے۔ آمین۔ جب میں دادا جان کو بٹھاتا تو ان کی مرضی یہ ہوتی تھی کہ ان کے صرف پاؤں چارپائی سے نیچے کر دیے جائیں اور ٹانگوں کو زیادہ نہ چھیڑا جائے کیونکہ ٹانگوں میں تکلیف زیادہ تھی جو ناقابلِ برداشت تھی اور میری کوشش یہ ہوتی تھی کہ ٹانگوں کو بالکل نیچے کر کے چارپائی سے نیچے لٹکا دیا جائے تاکہ آپ سیدھے بیٹھ سکیں اور بیٹھنے میں تکلیف نہ ہو، مگر وہ ٹانگوں کو چھیڑنے نہیں دیتے تھے تو میں نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے یہ طریقہ نکالا کہ انہیں بٹھاتے وقت جب ٹانگیں چارپائی سے نیچے کرنے کا وقت آتا تو میں کوئی مسئلہ پوچھ لیتا تاکہ ان کا ذہن جواب میں مشغول رہے اور تکلیف کا احساس نہ ہو، ایک روز اسی طرح بٹھانے سے پہلے میں نے پوچھا کہ ابا جی اگر کوئی شیخ فانی روزوں کا فدیہ دے کر پھر صحت یاب ہو جائے اور روزہ رکھنے کے قابل ہو جائے تو کیا اسے روزے رکھنے چاہییں؟ دادا جان نے میری ہشیاری کو تاڑتے ہوئے برجستہ فرمایا ''روزے رکھنے چاہی دے نے، لتاں نہیں کھچنیاں چاہی دیاں'' یعنی روزے رکھنے چاہییں، ٹانگیں نہیں کھینچنی چاہییں۔

جب انہیں اٹھایا بٹھایا جاتا تو تکلیف کی وجہ سے کراہتے اور کبھی برا بھلا بھی کہتے مگر بعد میں بہت

دعائیں دیتے فرماتے بیٹا اللہ تمہیں بڑے بڑے عالم فاضل دین کے خادم بنائے۔ محدث، مفسر، مناظر، خطیب، بنائے اللہ تمہیں یہ بنائے اللہ تمہیں وہ بنائے غرض خوب دعائیں دیتے۔ کبھی کبھی رقت طاری ہو جاتی تو فرماتے کہ اگر تم نہ ہوتے تو میرا کیا بنتا؟ مجھے کون اٹھاتا بٹھاتا؟ وغیرہ وغیرہ، کس قدر سیدھے سادے اور بھولے بھالے تھے، اپنی قدر اور شان بھی نہ جانتے تھے، ہم بیچاروں کی اور ہماری خدمت کی اوقات ہی کیا تھی؟ ہزاروں لاکھوں لوگ ان کی جوتیاں اٹھانے کو ترستے تھے، جس کو بھی کسی خدمت پر مامور کیا جاتا وہ اسے اپنی خوش بختی سمجھتے ہوئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سر کے بل دوڑتا آتا، کیا ہم اور کیا ہماری خدمت، یہ تو ان کا ہم پر بہت بڑا احسان تھا کہ اپنی خدمت کے لیے قبول فرمایا مگر بوجہ سادگی اور تواضع کے ہمارا اپنے اوپر احسان سمجھتے تھے، کبھی فرماتے یا اللہ یہ سب بچے بچیاں میری وجہ سے مصیبت میں ہیں، انہیں بھی اور مجھے بھی راحت عطاء فرما! آہ! آپ کو تو راحت مل گئی تمام تکلیفوں، دکھوں، دردوں سے جان چھوٹ گئی مگر ہمیں کیوں تنہا چھوڑ گئے؟ آپ کے بغیر لمحہ لمحہ اداس ہے، ہر دم آپ کی باتیں، شفقتیں اور غصہ یاد کر کے دل خون کے آنسو روتا ہے، نہ کوئی ڈانٹنے والا نہ کوئی دعائیں دینے والا نہ کوئی محبت بھری باتیں کرنے والا......آپ کو کیا معلوم کہ آپ کے خالی کمرے کو، اسی چارپائی کو، انہی تکیوں کو دیکھ کر دل پر کیا قیامت بیتتی ہے؟ وہی کمرہ جو ہماری محبتوں اور شوخیوں کی جولانگاہ تھا اب حسرتوں اور آہوں کا مدفن بن چکا ہے، آہ! یہ آپ نے کیا کیا کہ ہمارے بنا ہی چل دیے؟ مگر کیا کیجیے یہ دنیا غموں اور مصائب کا گھر اور حسرتوں اور آرزوؤں کا قبرستان ہے، اگر سب خوشیاں یہیں مل جاتیں، سب آرزوویں یہیں پوری ہو جاتیں تو پھر جنت کی تمنا کون کرتا؟ یہ فانی دنیا تو خواہشات کو دبانے اور حسرتوں کو دفنانے کی جگہ ہے، لازوال خوشیوں اور مسرتوں کی جگہ تو آگے ہے جو بیتابی سے اہل ایمان کا انتظار کر رہی ہے تاکہ وہ جلد سے جلد دنیا کے مصائب اور احزان کو پھینک کر اللہ کی رحمت کی آغوش میں پہنچ جائیں۔ اس دنیا کی خوشی خوشی نہیں اور یہاں کا غم غم نہیں۔

وصل و فرقت، رنج و راحت، نور و ظلمت دیکھ کر
مجھ پہ دنیا کی حقیقت جلوہ گر ہوتی گئی۔

☆......ایک مرتبہ ایسے ہی حال میں، جب خدام آپ کو باہر سے لا کر چارپائی پر بٹھا کر ہانپ رہے تھے آپ نے فرمایا تھا کہ بیٹو آج تم سب مصیبت میں مبتلا ہو قیامت کے دن اونچی اونچی چھلانگیں لگاؤ گے۔ ''بیٹو! اج تسی میری وجہ توں مصیبت وچ مبتلا او، قیامت والے دن انشاء اللہ اُچیاں اُچیاں لڈیاں پاؤ گے''

اپنا پلہ نیک اعمال سے تو خالی ہے مگر اللہ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ اللہ پاک اپنے اس بندے کے بول کی لاج رکھتے ہوئے ضرور ہمارے گناہوں سے درگذر فرمائیں گے۔

میرے گناہ زیادہ ہیں یا تیری رحمت
کریم تو ہی بتادے حساب کر کے مجھے

اللہ کریم ہمیں آخری سانس تک دینِ حق پہ استقامت نصیب فرمائیں آمین۔

☆......ایک مرتبہ جب میں گکھڑ تھا تو حمزہ گکھڑ آیا، میں نے موقع غنیمت سمجھا اور اپنے ایک دوست سے ملنے چلا گیا، دادا جان پیچھے بار بار میرا پوچھتے رہے، حمزہ نے فون کر کے بتایا کہ تمہارا بار بار پوچھ رہے ہیں، میں سخت ڈرا کہ کہیں بغیر بتائے یوں غائب ہونے پر ناراض نہ ہو جائیں، ڈرتے ڈرتے جب حاضرِ خدمت ہوا تو ہنستے ہوئے فرمایا کہ ''توں کتھے غروب ہو گیا سی؟'' میں بھی ہنس کے آپ کے پاس بیٹھ گیا اور چپ چاپ ٹانگیں دبانے لگا۔

میں نے مضمون کے شروع میں اپنی گکھڑ سے روانگی کے وقت دادا جان کی بے چینی اور بے قراری کا ذکر کیا ہے۔ یہ محبت صرف اس خادم کے ساتھ خاص نہ تھی بلکہ جو بھی چند دن آپ کی خدمت میں گذارتا اس کی جدائی انتہائی شاق ہوتی اور کئی دن اسے یاد فرماتے رہتے۔

جب حضرت صوفی صاحب یعنی صوفی عبدالحمید سواتی صاحب رحمہ اللہ فوت ہوئے تو آپ کو بے انتہا صدمہ پہنچا، جب آپ کو ان کی میت کے پاس لے جایا گیا تو آپ حسرت سے اپنے ہاتھوں کو پلٹتے ہوئے یوں دھاڑیں مار کر روئے کہ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل گئیں، آپ کو ان سے بہت پیار تھا، لیکن اس کے باوجود جب تھوڑی دیر بعد علمائے کرام آپ کے پاس تعزیت کے لیے تشریف لائے تو آپ نے فرداً فرداً ہر ایک کا حال چال پوچھا اور گفتگو فرمائی۔

☆......گکھڑ کی ایک یادگار رات وہ بھی تھی جب صوفی صاحب رحمہ اللہ اپنے بیٹے اور ہمارے چاچو جنہیں ہم عرباض بھائی کہتے ہیں ان کے اور اپنی بیٹیوں کے ہمراہ گکھڑ تشریف لائے، دادا جان بھی بے حد خوش ہوئے اور ہماری خوشی کا تو پوچھنا ہی کیا؟ صوفی صاحب کو دادا جان کے کمرے میں لایا گیا، دادا جان چارپائی پر بیٹھے تھے، صوفی صاحب کی وہیل چیئر کو چارپائی کے سامنے کر دیا گیا، دونوں میں سلام دعا ہوئی اور کچھ ہی دیر بعد ہنسی مزاح اور چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی، ہم سب آس پاس کھڑے ہو کر دونوں بھائیوں کی باتوں کا مزا لیتے رہے، کھانے کا وقت ہوا تو صوفی صاحب کی وہیل چیئر کے درمیان میز لگا دیا گیا کیونکہ معذوری کی وجہ سے دونوں زمین پر نہیں بیٹھ سکتے تھے، کھانا شروع ہوا تو تھوڑی دیر بعد صوفی صاحب نے دادا جان کو چھیڑنے کے لیے کہا ''اوئے سارا کجھ تے استاد کھا گئے نیں! میرے واسطے تے کجھ وی نئیں چھڈ یا'' صوفی صاحب رحمہ اللہ دادا جان کو استاد کہا کرتے تھے، ان کی بات سن کر دادا جان کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ کھیلنے لگی

اوران کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ''توں شرارت توں باز نہیں آیا، نہیں باز آیا شرارت توں'' اس معصومانہ چھیڑ چھاڑ پہ ہم نے اس منظر سے خوب لطف لیا۔

کھانے پینے اور باتوں، مشوروں سے فارغ ہوکر جب دادا جان اپنی چارپائی پہ سو گئے تو ہم نے صوفی صاحب کو دوسری چارپائی پر سلانا چاہا مگر انہوں نے دادا جان کے برابر والی چارپائی پر سونے سے انکار کر دیا اور نیچے زمین پر بیٹھ گئے اور ہم سب حیران کہ لو جی! ابھی ابھی تو چھیڑ خانیاں ہو رہی تھیں اور اب برابر والی چارپائی پر لیٹنے سے بھی انکار ہے، یہی ہمارے اکابر کا کمال ہے کہ انہوں نے بہت ہی اعتدال کے ساتھ تمام آداب کو جمع فرما کے دکھا دیا، اب آپ خود ہی دیکھ لیجیے، بھائی کے ساتھ برادرانہ خوش مزاجی بھی ہو رہی ہے اور استاد صاحب کا ادب بھی ہو رہا ہے۔

آخر ہم اصرار کر کے صوفی صاحب کو باہر لائے اور چاچو شاہد والے برآمدے میں چارپائی پر لٹایا، ہم سب آس پاس بیٹھ کر باتیں کرتے رہے، پھر رات گہری ہونے پر بادلِ ناخواستہ مجلس برخواست کر دی، صبح صوفی صاحب اس رات کی بہت سی یادیں چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے، میرے خیال میں یہ انکی آخری مرتبہ گکھڑ تشریف آوری تھی، جب مفتی محمد صاحب بن شہیدِ اسلام مفتی جمیل خان شہید گکھڑ تشریف لاتے تو دادا جان ان کے سب چھوٹے بہن بھائیوں کے نام لے کر ان کا حال پوچھتے اور تعلیم وغیرہ کا حال بھی دریافت فرماتے، ان سے دادا جان کو بہت تعلق تھا۔

☆......شروع شروع میں جو کوئی بھی عیادت کے لیے آتا آپ اسے حدیث شریف سناتے کہ مولانا! فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر حدیث شریف ہے کہ جو مسلمان صبح کو کسی مسلمان کی عیادت کے لیے جائے شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور جو شام کو عیادت کے لیے جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

☆......کسی کام کی طرف توجہ دلانے کا انداز بھی بڑا پیارا تھا، فالج سے پہلے ایک مرتبہ باہر سے آتے ہوئے نالی گندی دیکھی تو فرمایا کہ اللہ بخشے تمہاری دادی بڑی نیک بخت تھی گھر کی نالیاں وغیرہ خود ہی صاف کر دیا کرتی تھی، مگر اس ناکارہ نے سستی کی وجہ سے اس بات پر کان نہ دھرا تو آپ نے بھنگی کے ذریعے وہ نالی صاف کروادی، نہ کوئی ڈانٹ اور نہ کوئی شکوہ۔

☆......جب میں متوسطہ میں تھا تو خالو جی مولانا زاہد حسین رشیدی نے لاہور اپنی مسجد کے جلسے میں شرکت کے لیے مجھے دعوت نامہ بھیجا، میں دادا جان سے چھٹی لے کر وہاں جا پہنچا، کچھ دنوں بعد چکوال مدنی مسجد کا جلسہ آیا تو میرا پھر وہاں جانے کو جی للچایا اور پچھلے تجربے کی بنا پر خوشی خوشی بغلیں بجاتا چھٹی لینے کے لیے دادا

جان کے کمرے میں گیا کہ یہاں سے چھٹی ملنا کیا مشکل ہے، مگر اب کے دادا جان نے مجھے چھٹی نہ دی اور فرمایا کہ ایک جلسے میں ہو آئے اب دوسرے میں جانے کی اجازت نہیں مابدولت خاموشی سے کمرے سے باہر تشریف لے آئے۔

جا اپنی حسرتوں پہ آنسو بہا کے سو جا!

آپ کی حسنِ معاشرت کے بے شمار پہلو ہیں جنہیں ان اوراق میں سمیٹنا اس ناچیز کے لیے ناممکن ہے، نہایت اختصار کے ساتھ اپنے آنکھوں دیکھے چند واقعات کو اپنی ٹوٹی پھوٹی تحریر کے ذریعے ان صفحات پر بکھیر دیا ہے ورنہ ان کی شان تو کوئی دل ونظر والا ہی بیان کرسکتا ہے، مجھ بیچارہ کو کیا معلوم کہ وہ کیا تھے، رشتے داروں سے آپ کا تعلق مثالی تھا ہر ایک کی خیر خبر رکھنا، ہر ایک کا حال احوال پوچھنا، اگر کوئی دور سے رشتہ دار آجائے تو اس کے پورے خاندان کے چھوٹے بڑوں کا نام لے کر حال پوچھنا جس کے چند ایک واقعات قوتِ حفظ کے باب میں بیان ہو چکے ہیں، اہلِ خاندان کے ساتھ ایسا گہرا تعلق خصوصاً جب خاندان بھی وسیع وعریض ہو، بہت مشکل نظر آتا ہے اور جس مقام پر دادا جان رحمہ اللہ تھے اس مقام پر، ان مصروفیات اور ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے تو ہر شخص کے حقوق اس خوبی سے ادا کرنا کہ کسی کو بھی کوئی شکوہ نہ رہے بلکہ ہر شخص اپنے گمان سے زیادہ محبتیں اور چاہتیں سمیٹ کر جائے، اسے ان کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے۔

پھر محبت اگر صرف محبت کی حد تک رہے تب بھی ممکن ہے مگر محبت کے ساتھ ساتھ تربیت اس خوبی کے ساتھ کرنا کہ کہیں بھی کوئی سقم باقی نہ رہے، اپنی اولاد واحفاد کی ہر حرکت وسکون پر گہری نظر رکھنا، ان حرکات کے بین السطور میں چھپی کوتاہیوں کا درست اندازہ لگانا اور پھر حسبِ موقع نرمی یا سختی سے شافی علاج کرنا یہ ان کا کمال تھا جو آج کل دور دور تک نظر نہیں آتا انہیں اپنے خاندان والوں اور جگر کے ٹکڑوں سے محبت ضرور تھی مگر اس محبت کی رو میں بہتے ہوئے شریعت کی حدود پامال ہوتی چلی جائیں اور آپ صلبی محبت سے مجبور ہو کر خاموش رہ جائیں، یہ ناممکن تھا، ایسی صورت میں آپ کا عصا حرکت میں آتا تھا اور کسی کی رو رعایت کیے بغیر گڑبڑ کرنے والے کی ایسی خبر لیتا تھا کہ دوبارہ برسوں تک اس غلطی کا خیال بھی دل کے قریب نہ آئے، مہمان نوازی اور مہمانوں کی خدمت میں آپ کو وہ سکون ملتا تھا جو کسی دنیادار کو لاکھوں روپے پا کر بھی نہ ملے، میں شاید کہیں لکھ بھی چکا ہوں کہ متوسطہ میں میری ڈیوٹی تھی کہ روزانہ مدرسے جانے سے پہلے ایک کارٹن جوس کا لے کر گھر پہنچاتا، شام سے پہلے پہلے وہ ختم ہو چکا ہوتا اور جمعہ اور اتوار کو اکثر دو کارٹن لانے پڑتے، یہ تو صرف وہ مہمان تھے جنہیں جوس پلایا جاتا تھا، چائے اور کھانے والے مہمان اس کے علاوہ تھے، تواضع کرتے ہوئے مہمان کی حیثیت کو بھی ملحوظ رکھا جاتا اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے خدمت کی جاتی۔ اسی سلسلے میں

کسی موقع پر مجھے یہ حدیث شریف بھی سنائی کہ حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''انزلوا الناس منازلھم'' لوگوں کو اپنے اپنے مقام پر رکھو! بچوں سے آپ کو بہت پیار تھا اور اگر اپنے یا مہمانوں کے بچوں کو دیکھتے تو خوشی سے کھل جاتے۔ ان کا ہاتھ چومتے شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرتے، پوچھتے بیٹا کیا نام ہے؟ کیا پڑھتے ہو؟ چاچو حامد کی چھوٹی بیٹی کا نام آپ نے گول گپا رکھا ہوا تھا۔

وہ صرف ایک بلند پایہ محقق، نابغۂ روزگار مصنف اور بے مثال استاد ہی نہیں بلکہ ایک مہربان باپ اور غمگسار دوست بھی تھے جن کی علمی و تحقیقی حیثیت سے ناواقف شخص بھی جب ان کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوتا تو ان کے اخلاق کی بلندی سے ان کا گرویدہ ہو کر لوٹتا، اخلاق و کردار کے یہ پھول جو اب دنیا سے ناپید ہوتے جا رہے ہیں ان کے گھر میں اس قدر مہکتے تھے کہ ایک دنیا ان کی دلفریب خوشبو سے مشام جان کو معطر کرنے کے لیے آتی رہتی تھی، گکھڑ کے قدیمی قبرستان میں لوگوں نے ایک بہت بڑے کتب خانے کو ہی دفن نہیں کیا بلکہ اخلاق و کردار کے انمول خزینے کو بھی حوالۂ زمین کر دیا ہے۔

......﴿اتباعِ سنت، تقویٰ، تواضع﴾......

ہمارے اکابر علمائے دیو بند کا یہ خاصہ رہا ہے کہ انہوں نے میدانِ طریقت کے شناور ہونے کے باوجود شاہراہِ شریعت سے سرِ مو انحراف نہیں کیا، یہ اس شرابِ عشق کے سمندروں پہ سمندر چڑھا گئے جس کے چند گھونٹ بھی انسان کو بے خود کرنے کے لیے کافی ہیں، مگر دعویٰ نہ کیا، سطحیات نہ سنائیں، آپے سے باہر نہ ہوئے، اسرارِ طریقت کو فاش نہ کیا، شریعت اور طریقت کو جمع کر کے دکھا دیا، اللہ اللہ! علوم کی یہ شان کہ غزالی ورازی دنگ رہ جائیں، معرفتِ الٰہی میں وہ مقام کہ جنید وشبلی کی یاد تازہ ہو جائے اور اس پر یہ تواضع اور خاکساری کہ اپنے آپ کو فنا ہی کر دیا، بالکل ہی مٹا ڈالا، مگر اس کے باوجود جو علوم ومعارف ظاہر ہوئے انہی پر دنیا ششدر رہ گئی، عارفین نے کمالِ تعجب سے ان کی بلند پروازی کو دیکھا اور محققین نے حیرت سے انگلیاں دانتوں میں دبا لیں، ہمارے دادا جان رحمہ اللہ بھی اسی قافلۂ عشاق کے رکنِ رکین تھے پھر کیوں نہ ان کی پاکیزہ اداؤں کی جھلک ان کے وجود میں نظر آتی؟ ان کے علوم ومعارف کی شان اور باطنی کمالات تو اہلِ علم واہلِ دل ہی بیان کر سکتے ہیں۔ یہ بیچارہ تو ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے مگر اپنی سمجھ کے مطابق ان کی اتباعِ سنت اور تقویٰ وطہارت اور تواضع کی ایک ہلکی سی جھلک دکھاؤں گا اور جو میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا اسے بے کم وکاست بیان کرنے کی کوشش کروں گا شاید کوئی چراغ کسی گم کردہ راہ کی رہنمائی کا سبب بن جائے اور اس نامہ سیاہ کے سفرِ آخرت کے لیے کچھ توشہ ہو جائے۔

اسلام میں عبادات میں سے سب سے اول نمبر نماز کا ہے، اسی نماز کو دیکھ کر انسان کی باقی زندگی کو قیاس کیا جا سکتا ہے، جس شخص کی نماز سنت کے مطابق ہو، گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کی زندگی کے باقی معمولات بھی اتباعِ سنت کے نور سے منور ہوں گے اور جس کی نماز ہی سنت کے مطابق نہ ہوا ندازہ یہی ہے کہ اس کے روز وشب سنتِ نبوی ﷺ سے خالی ہی ہوتے ہوں گے، دادا جان رحمہ اللہ کی نماز، جب تک آپ کی صحت بحال رہی، صلوٰۃ نبوی ﷺ کا نقشہ تھی، بڑے اطمینان اور تسلی سے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے وضو کرنا، ناک میں پانی خوب اچھی طرح کھینچ کر ڈالنا جس سے فرمانِ نبوی "بالغ فی الاستنشاقِ" کا پورا پورا نقشہ سامنے آجائے، ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے لے کر پاؤں کی انگلیوں کے خلال تک ایک ایک سنت اور ادب کی رعایت کرنا، یہ آپ کا وضو تھا۔ اپنے کمرے کے ساتھ ڈیوڑھی کے دروازے پر آپ اس طرح بیٹھتے کہ چوکی اپنے کمرے کی دہلیز سے اِس طرف ہوتی اور قدمین مبارکین دہلیز سے اُس طرف۔ میں آپ کے مخصوص لوٹے میں نیم گرم پانی لے کر ڈیوڑھی میں بیٹھ جاتا اور وضو کرواتا۔ آپ کی جلد چکنی سی تھی، بازوؤں پر پانی پھسل جاتا، اچھی طرح مل مل کر سارے اعضا دھوتے، ناک میں پانی ڈالتے وقت ''شوں'' کر کے پانی اوپر چڑھاتے تاکہ ناک کے اندر نرم ہڈی تک پانی پہنچ جائے۔ جب پاؤں دھونے کی باری آتی تو میں ایک ہاتھ سے لوٹا لے کر دوسرے ہاتھ سے پاؤں ملتا جاتا۔ انگلیوں کا خلال اچھی طرح سے کرنا ہوتا تھا، ٹخنوں کے اوپر اچھی طرح پانی ڈلواتے اور گہری نظر سے دیکھتے رہتے کہ ایک بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہ جائے، وضو کے بعد میں آپ کو تولیہ دیتا جس سے چہرہ اور بازو صاف کرتے، پاؤں خشک کرنے کے لیے دوسرا تولیہ تھا، پاؤں اس سے خشک کرتے۔ پھر میں جلدی جلدی لوٹا اور چوکی اپنی جگہ پر رکھتا اور آپ کو سہارا دے کر جائے نماز کے پاس لے جاتا جو کمرے کی جنوبی دیوار کے ساتھ ہر وقت بچھی رہتی تھی، آپ نماز پڑھاتے، میں اور میرے عمین مکرمین پیچھے کھڑے ہو جاتے، نماز پڑھ کر کبھی کبھی آپ سنتیں پڑھنے کے لیے پیچھے آجاتے اور ہم میں سے کسی ایک کو آگے کر دیتے، فالج کے حملے کے بعد آپ بیٹھ کر نماز پڑھانے لگے، ہم سب پیچھے کھڑے ہو کر پڑھتے۔ ایک دن کیا تماشا ہوا کہ غالباً عصر کی نماز تھی، میں چاچو شاہد اور غالباً انصر بھائی پیچھے کھڑے تھے، دوسری رکعت کے بعد دادا جان نے قعدہ میں بیٹھنے کی بجائے ہاتھ باندھ لیے، چونکہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اس لیے ہمیں پتہ نہ چلا اور ہم قعدے میں بیٹھ گئے، جب دادا جان تکبیر کہہ کر رکوع میں گئے تو ہم کھڑے ہو گئے اور دادا جان کو رکوع میں دیکھا تو ہماری ہنسی نکل گئی اور نماز ٹوٹ گئی، مگر دادا جان کو پتہ نہ چلا اور آپ نماز پڑھاتے رہے، ہم میں سے کسی کو بولنے کی جرأت بھی نہ ہوئی، جب آپ نے سلام پھیرا تو چاچو جی نے ڈرتے ڈرتے آگے ہو کر سارا واقعہ عرض کیا، ذرا غصے سے بولے ''احمقو!

بولدے کیوں نئیں ؟'' پھر دوبارہ نماز پڑھائی۔

اور نماز بھی سنت کے مطابق ہوتی تھی، مسنون قراءت کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی، فجر میں اگر امام طوال مفصل کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھ لے تو اس کی خیر نہ تھی، جب خود نماز پڑھاتے تو روانی اور تسلسل سے ایسے سیدھے سادے دلنشین انداز میں قراءت فرماتے جو سیدھا دل میں اترتا چلا جاتا، لوگوں میں سے بڑے تایا جان مولانا زاہد الراشدی کی قراءت سب سے زیادہ ان کی قراءت کے مشابہ ہے فجر کے علاوہ نمازوں میں سنت کے مطابق قراءت ذرا مختصر ہوتی، رکوع وسجود، تعدیل ارکان کی پوری پوری رعایت کرتے ہوئے بڑے اطمینان سے ادا فرماتے، جب میں نیا نیا وہاں گیا تو موج میں آکر بڑی لمبی چوڑی سُر لگا کر اقامت کہتا، ایک روز دادا جان رحمہ اللہ نے بلا کر سمجھایا اور حدیث شریف سنائی ''اذا اذنت فترسل واذا اقمت فاحدر'' کہ جب تو اذان دے تو ٹھہر ٹھہر کر دے اور جب اقامت کہے تو روانی سے کہ! اس سے پہلے میں نے آپ کی خدمت میں عرض کر رکھا تھا کہ میں تبرکاً آپ کا شاگرد بننا چاہتا ہوں، چنانچہ یہ حدیث شریف سنا کر بار بار دہرا کر مجھے یاد کروائی اور فرمایا کہ لے! اب تو میرا شاگرد ہو گیا۔

جب میں ظہر کی نماز کے لیے حاضر ہوتا تو پوچھتے کہ سنتیں پڑھ لیں؟ میں عرض کرتا کہ نہیں، کیونکہ میں اپنی دانست میں انہیں غیر مؤکدہ سمجھتا رہا تھا، فرماتے کہ پڑھ لو! تو مجھے ایک روز شک ہوا، میں نے کوئی کتاب شاید نمازِ حنفی کھول کر دیکھی تو پتہ چلا یہ سنتیں تو مؤکدہ ہیں تب سے از خود التزام شروع کیا۔

جب پہلی مرتبہ بیمار ہوئے اور میں نے امامت شروع کی تو رعب کی بنا پر بھول جاتا، جب دو چار مرتبہ ایسے ہوا تو آپ نے دلاسہ دیا اور فرمایا کہ گھبرایا مت کر بے خوف ہو کر قراءت کیا کر، آہستہ آہستہ میں عادی ہو گیا۔

قراءت میں مسنون مقدار کا بہت لحاظ فرماتے، ایک روز میں نے فجر کی پہلی رکعت میں قل اللھم مالك الملك الخ دو آیتیں پڑھیں اور دوسری رکعت میں الله نور السمٰوت والارض ایک آیت پڑھی، نماز کے بعد مجھے فرمایا کہ ''جا میرا قرآن پاک لے آ!'' میں لے آیا اور سمجھ گیا کہ کچھ گڑ بڑ ہے، آپ نے پہلا مقام کھول کر دیکھا تو میں نے دو آیات پڑھی تھیں اور دوسرا مقام کھول کر دیکھا تو میں نے صرف ایک آیت پڑھی تھی تو آپ نے لاحول ولاقوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے تنبیہ فرمائی کہ تم نے فجر کی نماز میں بغیر کسی مجبوری کے پہلی رکعت میں صرف دو آیات اور دوسری رکعت میں صرف ایک آیت کیوں پڑھی ہے؟ میں نے پوچھا کہ اگر کوئی بڑی آیت پڑھ لی جائے تو کافی نہیں ہوتی؟ تو فرمایا کہ ''ہاں! کافی ہوتی ہے، مگر فجر کی نماز میں طویل قرأت سنت ہے، اس لیے بغیر کسی مجبوری کے ایسا نہیں کرنا چاہیے!'' پھر مجھے نماز دہرانے کا حکم

فرمایا۔ اگرچہ اسقاط فرض کے لیے اتنی قرأت کافی تھی جو میں نے پڑھی تھی، مگر فجر کی نماز میں طویل قرأت کے مسنون ہونے کی وجہ سے نماز کے اعادے کا حکم فرمانے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت داداجان کو مسنون طریقہ کا کتنا خیال ہوتا تھا۔

تہجد کی رکعات کے بارے میں آپ کا معمول مبارک یہ تھا کہ غیر رمضان میں آٹھ رکعت اور رمضان المبارک میں بارہ رکعت پڑھتے تھے۔ کیونکہ محبوبِ خدا ﷺ سے آٹھ اور بارہ دونوں منقول ہیں اس لیے آپ اس طریق سے سرورِ کائنات ﷺ کی دونوں اداؤں پر عمل فرماتے۔

غالباً اس شعبان میں جب میں جامعہ مدنیہ جدید سے رخصت لے کر آپ کے پاس قیام پذیر ہوگیا تھا، ایک شب مجھ سے پوچھا کہ تم نے کبھی صلوٰۃ التسبیح پڑھی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا طریقہ آتا ہے؟ میں نے عرض کیا ''نہیں'' آپ نے مجھے اس کے بارے میں احادیث مبارکہ سنائیں اور پھر مجھے تفصیل سے اس کا طریقہ سمجھایا، پھر میں نے آپ کے سامنے زندگی میں پہلی مرتبہ صلوٰۃ التسبیح ادا کی، آپ خاموشی سے دیکھتے رہے، میری نماز عموماً اس طرح ہوتی تھی کہ عشاء سے پہلے کتاب سنانا شروع کر دیتا تھا اور پھر کتاب سنانے کے ساتھ وقتاً فوقتاً حسبِ خواہش چائے یا دودھ سوڈا وغیرہ بنا کر دیتا رہتا، اسی میں نصف رات بیت جاتی اور آپ کی آنکھ لگ جاتی تو میں چپکے سے کھسک جاتا اور بھاگم بھاگ وضو کر کے کمرے میں آتا اور جلدی جلدی نماز پڑھنا شروع کر دیتا کہ کہیں آنکھ نہ کھل جائے، اگر اس دوران کھل جاتی، اور اکثر کھل ہی جاتی تھی، تو میں پھر کتاب سنانی شروع کر دیتا اور سنتیں، وتر دوبارہ آنکھ لگنے تک مؤخر کر دیتا، کبھی میں خود پوچھتا کہ نماز پڑھ لوں؟ فرماتے پڑھ لو! میں وضو کر کے جلدی جلدی پڑھ لیتا کیونکہ اچانک ٹیسیں اٹھنے اور بیماری کی گھبراہٹ کی وجہ سے بہت جلد بے چینی ہو جاتی تھی اور آپ کروٹ تبدیل کرنے یا دبانے کے لیے آواز دیتے تھے، ایک مرتبہ میں نماز ہی میں تھا کہ آپ نے آوازیں دینی شروع کر دیں، میں نے بمشکل نماز مکمل کر کے جواب دیا، آپ نے ٹانگیں دبانے کا حکم دیا، میں نے دباتے ہوئے مسئلہ پوچھا کہ اگر فرض نماز کے دوران آپ ہمیں آوازیں دینے لگیں تو ہمیں نماز توڑ دینی چاہیے؟ کچھ سوچ کر فرمایا کہ نہیں، کیونکہ آپ کا آواز دینا درد کی شدت اور گھبراہٹ کے باعث تھا، کسی اضطرار کے سبب نہ تھا اس لیے ایسا فرمایا، بہرحال میں یوں ہی تھوڑی تھوڑی کر کے نماز پڑھ لیتا، اس وقت اطمینان سے لمبی نماز پڑھنے کی بہت حسرت رہتی تھی اور اب جب کھلا موقع ہے تو نفس حیلے حوالے کرتا ہے۔

تراویح پڑھاتے ہوئے میں بہت بلند آواز میں قراءت کرتا تھا تو آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ جتنی آواز مقتدیوں تک پہنچ جائے اس سے بلند کرنا مکروہ ہے۔

جب فالج کا تیسرا اور شدید حملہ ہوا تو آپ نے بالکل بے حس وحرکت ہونے کے باوجود تیمّم گوارہ نہ فرمایا، ہم نے عرض کیا کہ آپ معذور ہیں فرمایا نہیں! میں تمہاری مدد سے وضو کرسکتا ہوں اور قادر بالغیر قادر کے حکم میں ہوتا ہے۔ ایک روز حضرت مولانا مفتی عیسیٰ صاحب مدظلہ تشریف لائے تو آپ رحمہ اللہ نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے لیے تیمّم جائز ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگر (اس حالت میں بھی) آپ کے لیے جائز نہیں تو پھر جائز کس کے لیے ہے؟ تب جاکر آپ رحمہ اللہ کو اطمینان ہوا اور تیمّم شروع کیا۔

البتہ آخری ایام میں بوجہ معذوری آپ کے کپڑے پاک نہیں رہ سکتے تھے اور ہر نماز کے لیے کپڑے تبدیل کروانا ناممکن تھا اس لیے آپ کی نمازیں قضا ہو جاتیں اور جب کپڑے تبدیل کرتے تو دن بھر کی نمازیں اکٹھی پڑھتے۔

جب آپ پر فالج کا دوسرا حملہ ہوا تو اس کے بعد آپ نے ایک بالٹی منگوائی جس میں ریت ڈلوا کر چارپائی کے نیچے رکھ لیتے اور رات کو پیشاب کی حاجت ہوتی تو اس میں کرتے۔ پہلے پہل تو مجھے عجیب سا لگا مگر بعد میں ''اسوۂ رسول اکرم'' میں اور پھر حدیث کی دیگر کتب میں پڑھا کہ حضور اکرم ﷺ بھی لکڑی کا ایک پیالہ (ٹب) چارپائی مبارک کے نیچے رکھتے اور بوقتِ حاجت اس میں پیشاب فرماتے، تب سمجھ میں آیا کہ آپ کا یہ عمل بھی محبوبِ خدا ﷺ کی ایک سنت پر عمل کے لیے تھا۔

اس بالٹی میں ہر روز ریت ڈالنی پڑتی تھی اور آپ روز تاکید سے فرماتے کہ پیسے دے کر ریت لانا! یونہی مت اٹھا لانا! اور جب بالٹی میں ریت ڈال کر لائی جاتی تب بھی بار بار پوچھتے کہ پیسے دے کر لائے ہو؟ آخر ایک روز چاچو نے ریت والے کو کافی سارے پیسے اکھٹے دے دیے جس کی ریت تعمیری کام کے سلسلے میں باہر میدان میں پڑی تھی اور دادا جان کو بتا دیا کہ ریت تین روپے فٹ کے حساب سے ملتی ہے اور میں اس قدر پیسے اسے ابھی سے دے آیا ہوں، معمولی سی ریت کے بارے میں بھی آپ کی اتنی احتیاط سے آپ کے تقویٰ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فالج کے تیسرے حملے کے بعد جب شبِ برأت پہلی مرتبہ آئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بھی سحری میں جگانا میں نے بھی روزہ رکھنا ہے۔ ہم سب نے عرض کیا کہ آپ اتنے بیمار ہیں کہ آپ کو فرض روزے بھی قضا کرنے کی اجازت ہے اور یہ تو پھر نفلی روزہ ہے۔ آپ کھا پی بھی کچھ نہیں سکتے صرف مشروبات پر گزارہ ہے، اس لیے آپ ہرگز روزہ نہ رکھیں مگر آپ نہ مانے اور باصرار شدید فرمایا کہ نہیں! مجھے ضرور جگانا! میں نے روزہ رکھنا ہے، ہم نے مجبوراً اُن سے کہا کہ ٹھیک ہے جگا دیں گے اور آپس میں مشورہ کیا کہ نہیں جگائیں گے، ان کی صحت اس حال میں نفلی روزے کی اجازت نہیں دیتی، صبح ہم سب نے اٹھ کر سحری کھائی اور دادا

جان کو نہ جگایا، جب نماز کے لیے بیدار ہوئے اور سحری کا وقت ختم ہونے کا علم ہوا تو پھوٹ پھوٹ کر رو دیے اور فرمایا کہ ستر سال بعد میرا یہ روزہ قضا ہوا ہے، اتنا صدمہ ہوا کہ ہم تمنا کرنے لگے کہ کاش ہم نے انہیں جگا ہی دیا ہوتا۔

احادیثِ مبارکہ میں وارد ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ کے کاشانۂ اقدس میں کوئی اہم بات پیش آتی تو گھر کے خدام وغیرہ سے معاملہ کی تحقیق فرماتے، دادا جان رحمہ اللہ کا بھی یہی معمول تھا، جب ایک گھر میں بہت سے افراد رہتے ہوں تو تھوڑی بہت اونچ نیچ ہو ہی جاتی ہے، برتنوں سے برتن کھڑک ہی جاتے ہیں اگر دلوں میں بغض، عناد اور حسد جگہ نہ پکڑے تو یہی چھوٹے موٹے جھگڑے زندگی کا حسن اور رفاقت کی یادگار بن جاتے ہیں، حضرت کے گھر میں بھی جب ایسی کوئی بات ہو جاتی تو آپ گھر کے خدام وغیرہ سے تنہائی میں تحقیق فرماتے، ایک دو مرتبہ اس ناچیز کو بھی اس امتحان سے گزرنا پڑا۔

آپ صرف اس لیے کلائی والی گھڑی پہننے سے اجتناب فرماتے تھے کہ اس میں کنگن کے ساتھ مشابہت ہے جو مردوں کے لیے پہننا حرام ہے، چنانچہ آپ تا زیست جیبی گھڑی استعمال فرماتے رہے اور بوقتِ ضرورت اسے جیب سے نکال کر وقت ملاحظہ فرماتے۔

اور تقوے کی اس شان کے ساتھ ساتھ تواضع کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی آپ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتا تو فرماتے کہ

''ڈھول اندر سے خالی ہوتا ہے، مگر اس کی آواز دور دور تک جاتی ہے''

اشارہ اپنی طرف ہوتا کہ میری شہرت بھی دور دور تک ہے مگر اندر سے خالی ہوں، ہر آنے جانے والے سے کہتے ''مولانا دعا فرمائیں کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہو'' بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک تابعی فرماتے ہیں کہ میری ستر سے زیادہ صحابہ سے ملاقات ہوئی، ہر ایک کو اپنے اوپر نفاق کا خوف تھا، اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ انکی نظر ہر وقت اپنی برائیوں پر ہوتی ہے، دوسروں سے حسنِ ظن اور اپنے نفس سے بدگمانی رکھتے ہیں، اپنے گناہوں پر نظر کر کے ہر دم اللہ جل شانہ کی ناراضی سے لرزاں وترساں رہتے ہیں، اسی لیے برابر سرابر چُھٹ جانے کو بھی بڑا انعام خداوندی سمجھتے ہیں، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا مقولہ، باوجود اس قدر جلالتِ شان کے، اس پر شاہد ہے، ادھر ہمارا حال یہ ہے کہ شب وروز خوابِ غفلت میں پڑے ہیں، پلے ایک دھیلا نہیں مگر خوش وخرم لمبی چوڑی امیدیں باندھے پھرتے ہیں، وہ ''الکیس من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت'' کا منظر پیش کرتے تھے اور ہم ''والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنیٰ علی اللہ'' کے مصداق بنے ہوئے ہیں، اللہ کریم رحم فرمائیں۔

حضرت استاذِ مکرم مولانا منظور احمد نعمانی صاحب متعنا اللہ بطول حیاتہ نے بتایا کہ انہوں نے آپ رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہو کر اجازتِ حدیث کے لیے عرض کیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا ''اچھا! سورج چراغ سے روشنی مانگنے آیا ہے؟'' استاد جی نے عرض کیا حضرت! میں آپ کے قدموں کی خاک بھی نہیں ہوں، پھر دادا جان نے انہیں سند حدیث عنایت فرمادی۔ استاد جی نے ہی بتایا کہ غالباً نفاذِ شریعت کانفرنس لاہور میں جب جلوس نکلا اور لوگوں کی دو دو کی جوڑیاں بنائی گئیں تو دادا جان رحمہ اللہ کی جوڑی حضرت استاد جی کے ساتھ تھی اور آپ رحمہ اللہ استاد جی کا ہاتھ تھامے جانبِ منزل رواں دواں رہے، استاد جی فرماتے ہیں کہ اس وقت میں ان کے سامنے بچہ تھا اور غیر معروف تھا مگر آپ نے مجھے اپنا رفیق بنانے میں کوئی عار محسوس نہ کی، کوئی اور ہوتا تو کسی جبے قبے والی بلند پایہ شخصیت کو ڈھونڈتا مگر آپ رحمہ اللہ کے ہاں بس سادگی ہی سادگی تھی۔

ایک مرتبہ میں نے آپ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی حیات میں تشریف لے آئے تو آپ کیا کریں گے؟ آپ رو پڑے اور فرمایا کہ بیٹا میں بیمار ہوں کیا کر سکتا ہوں اگر ٹھیک ہوتا تو ان کی جوتیاں اٹھاتا، خدمت کرتا، یہ سن کر میری تو آنکھیں کھل گئیں، حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی زیارت کی تڑپ اور ان کی ہمرکابی کا شوق تو ہمارے دل میں بھی موجود مگر کسی سالار، کمانڈر یا مشیرِ خاص کے روپ میں، لیکن وہاں تو کسی مقام اور مرتبے کا خیال تک دل میں نہ تھا اور صرف اور صرف نعلین برداری اور خدمت کے شوق میں دل مچل رہا تھا، تب میرے دل نے مجھ سے کہا اے پگلے! تو اگر ان کے قافلے کی آخری صف کی گردِ راہ میں بھی شامل ہو جائے تو بسا غنیمت ہے، ان کا قرب کہاں اور تو کہاں؟

بہاولپور شیخ الاسلام سیمینار کے موقع پر جب آپ رحیم یار خان جامعہ حمیرا میں تشریف لے گئے تو لوگوں کا ایک مجمع تھا جو آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے لپک رہا تھا، مشتاقانِ زیارت نظروں کی پیاس بجھانے کے لیے پروانوں کی طرح جمع تھے، آپ اسٹیج پر تشریف لائے اور مائیک پر صرف چند جملے ارشاد فرمائے، فرمایا ''میں اس امت کا سب سے بڑا گناہگار ہوں، یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑتے، اسلام کو کیسے چھوڑیں گے؟'' یہ کلمات سن کر میں آپ کی تواضع اور بے نفسی پر حیران رہ گیا اور یہ نکتہ بھی سمجھ میں آیا کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان B باون طیارے سے ڈر کر یا ریشمی زلفوں اور تھرکتی مورتیوں کے فسوں میں کھو کر اسلام کو بھول جائیں گے وہ کس قدر نادان ہیں، جو لوگ اسلام کے ایک عالمِ دین پر دیوانہ وار اپنا سب کچھ نثار کرنے کو تیار ہیں وہ بھلا اسلام کو کیسے چھوڑیں گے؟ ذرا اکنافِ عالم پر ایک نظر دوڑایے اور آپ رحمہ اللہ کے فرمان کی صداقت کا مشاہدہ کیجیے! شہادت کے متوالے پوری دنیا سے عراق اور افغانستان کے شہادت زاروں میں

پروانہ وار جمع ہورہے ہیں اور عالمِ کفر اپنے تمام دوستوں اور کرائے کے ایجنٹوں کو جمع کرنے اور تمام تر وسائل میدانِ جنگ میں جھونکنے کے باوجود بر طرح ان قلندروں کے ہاتھوں پِٹ رہا ہے، شہادتوں کا سفر جاری ہے اور اللہ اکبر کی للکاروں سے صلیبی گیدڑوں پر بری طرح خوف و ہراس طاری ہے، وہ نوشتۂ دیوار پڑھ چکے ہیں اور میدانِ جنگ سے بھاگنے کے چکر میں ہیں اور یہ غضبناک شیروں کی طرح ان پر پلٹ پلٹ کر حملے کر رہے ہیں، اگر کسی کی آنکھیں بند ہیں تو اس کا کیا علاج ہے؟

اتنے بڑے محقق عالمِ بلکہ سرتاج محققین ہونے کے باوجود آپ اپنی ذات کے بارے میں اپنے فتوے پر عمل نہ کرتے تھے بلکہ جب بھی اپنے آپ کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اکثر کسی دوسرے مفتی سے پوچھتے، پہلے گزر چکا کہ تیمّم کے بارے میں آپ نے حضرت مفتی عیسیٰ صاحب مدظلہ سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کیا، کوئی جدید اور بڑا مسئلہ درپیش ہوتا تو فرماتے کہ بڑے حضرات یعنی مفتی تقی صاحب، مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر صاحب جو فیصلہ فرمائیں وہی میری طرف سے ہے۔ ''بڑے حضرات میں اکثر انہی کو شمار فرماتے، ایک مرتبہ مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو آپ نے ان کا بیحد اکرام فرمایا، رخصت ہوتے وقت انہوں نے کچھ رقم آپ کی خدمت میں پیش کی تو پہلے تو آپ نے قبول نہ فرمائے، پھر ان کے اصرار پر چاچو راشد سے فرمایا کہ یہ سنبھال کر رکھ لو! بزرگوں کا تبرک ہے، اس ''اناولاغیری'' اور ''آپا دھاپی'' کے زمانہ میں خلوص اور محبت کی ایسی مثالیں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔

آپ اپنے چھوٹوں کی بھی بہت حوصلہ افزائی فرماتے اور دین کی خدمت پر خوب شاباش دیتے، گکھڑ قیام کے دوران کچھ عرصہ میں ''اوجلہ'' (نامی گاؤں) میں جمعہ پڑھاتا رہا، جب بھی میں جمعہ پڑھا کر گھر پہنچتا تو انتظار میں ہوتے اور فوراً بلوا کر پوچھتے، کیا بیان کیا تھا؟ آج کیا موضوع تھا؟ غرض پوری رپورٹ لیتے، میرے ہاتھ بارہا ابو جی کو پیغام بھجوایا کہ فلاں موضوع پر کتاب لکھو! اسی طرح جب بدزبانی اور بدتمیزی کے عالمی چیمپئن احمد سعید چتروڑی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف دریدہ ذہنی پر مبنی رسوائے زمانہ کتاب لکھی تو آپ نے تایا جان قارن کو حکماً فرمایا کہ اس کا جواب لکھو! اہلِ حق کی تمام ہی تنظیموں کے سرکردہ حضرات آپ کی خدمت میں تشریف لائے، اپنی اپنی کارگزاری سناتے، مشورے لیتے، اور دادا جان ہر ایک کی پیٹھ ٹھونکتے اور انمول دعاؤں کے تحفے دے کر رخصت فرماتے، ایک مرتبہ شاہ جمال مسجد میں جلسہ تھا، آپ نے ان سے خود فرمائش کر کے میرا اور چاچو راشد کا بیان رکھوایا، آہ اب محبت وشفقت کے وہ مناظر دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ دل خون کے آنسو روتا ہے مگر جانے والے کب واپس آتے ہیں۔

اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہٗ

......﴿بکھرے موتی﴾......

دادا جان رحمہ اللہ کے جو واقعات میری یادداشت کی الماری میں محفوظ ہیں ان میں سے بعض تو مختلف عنوانات کے تحت ذکر کر چکا ہوں اور باقی جو اشتات ہیں انہیں ''بکھرے موتی'' کے اس عنوان کے ذیل میں بیان کروں گا۔

خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت: ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ کیا آپ کو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی ہے؟ فرمایا ''الحمدللہ'' میں نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟ فرمایا ''جیسا کتابوں میں پڑھا تھا''، میں نے عرض کیا کہ کب ہوئی تھی؟ فرمایا ''طالب علمی کے زمانے میں''، میں نے پوچھا کہ کتنی بار ہوئی ہے؟ فرمایا ایک ہی مرتبہ۔

ایک مرتبہ میں نے آپ رحمہ اللہ سے شیخ المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچروی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور بیعت کا قصہ دریافت کیا تو فرمایا کہ میں پہلے ان کا بڑا مخالف تھا اور انہیں بدعتی سمجھتا تھا، دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کے دنوں میں ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ کی وفات کی غلط افواہ مشہور ہوگئی تب دارالعلوم کے اساتذہ کرام نے طلباء کو جمع فرما کر بیان فرمایا کہ ایک بزرگ حضرت مولانا حسین علی صاحب انتقال فرما گئے ہیں، وہ بڑے اللہ والے تھے وغیرہ وغیرہ، میں نے اپنے اساتذہ اور اکابر کی زبان سے ان کے بارے میں تعریفی کلمات سن کر ان کے بارے میں اپنے برے خیالات سے توبہ کی اور ان کی بدگمانی سے دل صاف کر لیا، کچھ دنوں بعد پتا چلا کہ ان کے انتقال کی خبر غلط تھی اور وہ بحمداللہ حیات ہیں، یہ سنکر خوشی کی انتہا نہ رہی اور ان کی زیارت کا شوق لیے کشاں کشاں واں بھچراں کا سفر اختیار کیا، جب ان کی خدمت میں حاضری ہوئی تو انہوں نے اپنی کتاب ''فیوضاتِ حسینی دی اور فرمایا کہ مسجد میں بیٹھ کر مطالعہ کرو! جب مطالعہ شروع کیا تو دل کی دنیا ہی بدل گئی، اسی وقت ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر بیعت کی اور دل وجان انہی کے حوالے کر دیا۔

آں دل کہ رام نبودے از خوبرو جواناں
دی روز یک پیرے برد بیک نگاہے

اکابر کے بیان سے پہلے انہیں بدعتی کیوں سمجھتے تھے؟ یہ مجھے پوچھنا یاد نہ رہا، شاید کسی اور کو ان وجوہات کا علم ہو، بہر حال اس واقعے سے دادا جان رحمہ اللہ کا اکابر رحمہم اللہ پر اعتماد بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے اساتذہ کرام اور اکابر رحمہ اللہ کی رائے سنکر فوراً اپنی رائے سے توبہ کر لی اور دل کے اعتقادات کو فوراً اُلٹ دیا

اور اکابر پر اس اعتماد کی برکت بھی ملاحظہ فرمالیجیے کہ اس پیر مغاں کے دروازے پر پہنچ گئے جس نے دل کے آئینے کو ایسا صیقل کیا کہ اس کی چمک نے سارے جہان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔

ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے آپ کے لطائف جاری کروائے تھے؟ فرمایا ہاں، اور پھر لطائف کے مقامات پر انگلی رکھ کر بتایا کہ یہ یہ لطائف جاری کروائے تھے، میں نے پوچھا کہ آپ جاری کرواتے ہیں؟ فرمایا ''نہیں'' وجہ پوچھنے کی مجھے جرأت نہ ہوئی اور میں چپکا ہو کے بیٹھ رہا۔

فالج کے تیسرے حملے سے پہلے کی بات ہے کہ ایک روز مجھے گھر سے کسی بات پہ ڈانٹ پڑی، شاید کسی کام میں کوتاہی کی یا کوئی اور کارنامہ کیا صحیح یاد نہیں، مگر جب ڈانٹ پڑی تو مابدولت کو اپنی شان میں گستاخی پسند نہ آئی اور دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ یہاں سے بھاگ جانا چاہیے، اسی اثنا میں دادا جان نے کسی کام سے بلایا اور شکل دیکھ کر پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ میں نے بات چھپانے کے لیے کہا کہ کچھ نہیں، انہوں نے تین چار مرتبہ پوچھا کہ بتاؤ ہوا کیا ہے؟ اور میں ہر مرتبہ یہی جواب دیتا رہا کہ کچھ نہیں ہوا دادا جان رحمہ اللہ خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ کمر دباؤ! میں چارپائی پہ ان کی کمر کے پیچھے بیٹھ گیا اور دبانے لگا، دبانا شروع کیا ہی تھا کہ دل کے خیالات کا دھارا بدلنے لگا

اقرار تم کرو نہ کرو جانتے تو ہو
خاموشیوں میں ہم نے کہا کچھ نہ کچھ تو ہے

ابو جی اور امی جی کی شفقت بھری نصیحتیں یاد آنے لگیں، دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت کی خاطر ان کا بڑی عقیدت اور شوق سے مجھے بھیجنا اور رخصت کے وقت دلاسہ دے کر میری ہمت بڑھانا، سارے منظر آنکھوں میں گھومنے لگے، دل کا غبار آنکھوں سے نکل نکل کر گالوں پر بہنے لگا، کیا میں اس لیے یہاں آیا تھا کہ اپنے ماں باپ کے نام کو بٹہ لگا کر چوروں کی طرح چپکے سے فرار ہو جاؤں؟ نہیں نہیں، میں یہیں رہ کر ہر حال میں دادا جان کی خدمت کروں گا، کسی صورت بھی انہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، جب میں وہاں سے اٹھا تو ساری بے دلی آنکھوں سے بہہ چکی تھی اور دل ایک مرتبہ پھر عزائم اور ولولوں سے سرشار تھا۔

بڑھی ہے یاس تو دل کو تسلیاں دینے
وہ مجھ سے چھپ کے میرے پاس آئے ہیں کیا کیا

اسی طرح کا ایک واقعہ نومی بھائی کے ساتھ بھی پیش آیا۔

اور ایک عجیب بات تو میں نے بہت مرتبہ نوٹ کی کہ جب دادا جان کو دبانے لگتا تو زبان پر خود بخود

درودشریف رواں ہوجاتا، میں اپنے خیالوں میں گم انہیں دبا رہا ہوتا اور بے اختیار زبان پر درودشریف جاری ہوتا، مجھے پتہ بھی کافی دیر بعد چلتا، ابتدائی دنوں میں ایک بار ایسا ہوا کہ مجھے ڈر بہت لگنے لگا، اندھیرے میں جانے سے سخت گھبراتا، کتوں کو دیکھ کر جان نکل جاتی، داداجان کو یہ کیفیت بتائی تو آپ نے فرمایا ''اپنے آپ نوں کہہ میں شیر آں'' چنانچہ اس ترکیب سے بحمداللہ بزدلی رفع ہوگئی، جبکہ کسی چیز سے ڈر لگتا میں اپنے آپ کو ہلاشیری دے کر حوصلہ دیتا، جلد ہی وہ کیفیت جاتی رہتی۔

ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ آپ کو اپنے کسی شاگرد پر فخر بھی ہے؟ فرمایا ہاں صوفی سرور صاحب پہ (جو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث ہیں)، کیا شان ہے حضرت صوفی صاحب کی، ہزاروں شاگردوں میں سے ایک وہ تھے جن پر داداجان کو فخر تھا، وہی داداجان کا انتخاب تھا اور واقعی انتخاب لاجواب تھا، جسے یقین نہ آئے جامعہ اشرفیہ لاہور جا کر کھلی آنکھوں دیکھ لے، حضرت صوفی سرور صاحب آپ کے شاگرد ہیں اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب صوفی سرور صاحب کے، اور مفتی تقی عثمانی صاحب، مفتی رفیع عثمانی صاحب وغیرہم مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے شاگرد ہیں، اس طرح یہ سب حضرات داداجان کے پڑپوتے شاگرد ہوئے، میں نے ایک مرتبہ حضرت صوفی سرور صاحب مدظلہ سے بھی داداجان کا شاگرد اور حضرت مولانا سلیم خان صاحب مدظلہ کا استاد ہونے کا دریافت کیا تو آپ مسکرائے اور دونوں باتوں کی تصدیق فرمائی، غالباً انہوں نے داداجان سے مناظرہ پڑھا تھا اور مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو ''التصریح'' پڑھائی تھی۔

ایک روز ایک پولیس آفیسر صاحب تشریف لائے اور عرض کیا کہ حضرت میرے ایک عیسائی دوست نے مجھ سے ایک سوال کیا ہے جس کا مجھے جواب نہیں آیا، اس نے مجھ سے کہا کہ دیکھو شیطان کے وجود کو تو سب مذاہب والے تسلیم کرتے ہیں کہ ایک قوت ہے جو انسان کو برائی کی طرف لے جاتی ہے، میں نے کہا بے شک، اس نے کہا کہ ہمارے پاس تو اس سے بچانے کے لیے خدا کا بیٹا ہے، تمہارے پاس کون ہے؟ داداجان نے یہ سنتے ہی بے ساختہ فرمایا ''اونہوں کہہ! تہاڈے کول پتر اے ساڈے کول پیواے''

داداجان فرمایا کرتے تھے ''مولوی لوگوں کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے اور ہر مسجد میں ایک دو بابے مولوی کی اصلاح کے لیے'' واقعی بجا فرمایا، تقریباً ہر مسجد میں ہی ایک دو ''بابے'' یا ریٹائرڈ کرنل وغیرہ دستیاب ہیں جو امام مسجد اور خطیب صاحب کے لیے وبالِ جان بنے رہتے ہیں اور ان کی حرکات وسکنات پر گہری نظر رکھتے ہوئے وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کرکے ان کا ناک میں دم کیے رکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ داداجان رحمہ اللہ نے باتوں باتوں میں بتایا کہ ایک زمانے میں مَیں شاعری بھی کرتا رہا ہوں، میں نے پوچھا کہ کیا وہ محفوظ ہے؟ فرمایا نہیں، پھر مجھے فرمایا کہ جاؤ کاغذ پنسل لے کر آؤ، میں دوڑ کر گیا

اورایک مارکراورایک خالی صفحہ لے کرآیا،داداجان نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے اس پرتحریرفرمایا

اذا جاء الشتاء فادفئونی

فان الشیخ یقتلہ الشتاء

جب سردی آجائے تو مجھے گرم کرواس لیے کہ بوڑھے کوسردی مارڈالتی ہے۔

میری معلومات کے مطابق یہ داداجان کے اپنے دستِ مبارک کی آخری تحریر ہے۔

ایک مرتبہ برادرم حمزہ نے پوچھا کہ تایا جان زاہداور تایا جان قارن میں سے علم اوراستعداد کے اعتبار سے کون آگے ہے؟ فرمایا’’قارن زیادہ اے،قارن زیادہ اے‘‘ پھر پوچھا کہ آپ کے خلفاء میں سے تصوف میں سب سے آگے کون ہے؟ فرمایاسعید جلالپوری،پوچھاان کے بعد؟فرمایا’’عابد‘‘۔یعنی عم مکرم رشید الحق خان عابد جواکثر کوہاٹ میں رہتے ہیں اوراہلِ خاندان سے بہت ہی کم ملتے ملاتے ہیں حتی کہ میں نے خودان کی زیارت بس تین چار مرتبہ ہی کی ہوگی،(اور خادم نے تو حضرت داداجان رحمہ اللہ کی وفات کے موقع پر زندگی میں پہلی باران کی زیارت کی ہے۔[خادم،حمزہ]) بڑے تایا جان انہیں ہمارے خاندان کا ’’امامِ غائب‘‘ کہتے ہیں۔

مخدومِ مکرم مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ کی خدمات تو ہر کہ ومہ پر ظاہر ہیں،کسی اسلام دشمن کا مضمون کسی رسالے میں شائع ہو’’بینات‘‘ کے ہائی پاور لانچنگ پیڈ سے کوئی نہ کوئی اسٹینگر میزائل اس کے تعاقب میں لگ جاتاہےاور پھراسے گھر تک پہنچا کر ہی دم لیتاہے۔

ایک مرتبہ گکھڑ گھر میں بڑے تایاجان مولانا زاہدالراشدی صاحب نے نماز پڑھائی،نماز کے بعد داداجان نے ان سے کہا کہ تم’’ولاالضالین‘‘کو’’ولاالدالین‘‘پڑھتے ہو،یعنی ض میں دال کی بوآتی ہے،اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے لکھاہے کہ ایسا کرنے سے نماز مکروہ تحریمی ہوجاتی ہے(یافرمایا کہ نہیں ہوتی،) تایا جان نے عرض کیا کہ زبان دب جاتی ہے،فرمایا کیوں دب جاتی ہے؟نہیں دبنی چاہیے،تایاجان مسکراتے رہےاور خاموش ہوگئے۔ایک مرتبہ مجھے فرمایا کہ تم جب تکبیر کہتے ہوتو’’اللہ اکبر‘‘ کی باء میں سے’’میم‘‘ کی بو آتی ہے۔میں نے غور کیا تو واقعی باءمیم کے مشابہ ہورہی تھی،چنانچہ میں نے اس غلطی کی بحمداللہ اصلاح کر لی......

تایاجان سے آپ کو بہت تعلق تھا،بہت بیماری یا پریشانی میں بھی جب تایاجان تشریف لاتے تو آپ کا چہرہ کھل جاتااورخوب باتیں کرتے،جب ہم میں سے کسی سے خوش ہوتے تو فرماتے’’اللہ تجھے زاہد جیسا عالم بنائے‘‘[مدرس بھی،مصنف بھی،مقرر بھی]اس جملے سے تایاجان کے علمی مقام کا اہلِ نظر اندازہ لگا

سکتے ہیں اور اس خوش نصیبی پر وہ جتنا بھی مالکِ کائنات کے حضور شکر ادا کریں کم ہے، اللہ جل شانہ انہیں اور ان کی پیروی میں ہم سب کو دادا جان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں، آمین ثم آمین۔ اسی طرح فرماتے ''اللہ تجھے قاضی احسان احمد شجاع آبادی جیسا خطیب بنائے'' قاضی صاحب اور امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی خطابت کے بڑے قائل تھے اور اکثر ان کے ذکر پہ آنکھیں نم ہو جاتی تھیں، نانا جان رحمہ اللہ کی وفات کے اکثر ہمیں دیکھ کر ان کو یاد فرماتے اور کہا کرتے تھے کہ پترو! تسی میرے کول قاضی صاحب دی نشانی او! اللہ توانوں انا دا جانشین بنائے!'' شاعروں میں علامہ اقبال کی شاعری پسند تھی۔

اگر نماز کے وقت ہم بھائی زیادہ ہوتے تو پوچھتے، تہاڈے وچوں ''لالہ'' (بڑا) کیہڑا اے؟ پھر جو عمر میں بڑا ہوتا اسے امامت کے لیے آگے کرتے۔

ایک مرتبہ بہت ہی مزے کی بات ہوئی کہ ایک صاحب جو غالباً تعویذ کے لیے تشریف لائے تھے، اپنا لمبا چوڑا دکھڑا سنانے لگے، دادا جان نے (ان کی خوامخواہ کی طوالت دیکھتے ہوئے) دو تین مرتبہ انہیں ٹوکا کہ میں بیمار ہوں بات ذرا مختصر کریں، مگر وہ اللہ کے بندے چپ ہونے کا نام ہی نہ لیں، جب ان کی داستانِ دردِ دل کسی طرح بھی ختم ہونے میں نہ آئی تو دادا جان نے گھبرا کر (آسمان کی طرف رخ کرتے ہوئے) بلند آواز سے کہا! ''اللھم احفظنا من المجانین، اللھم احفظنا من المجانین" (یا اللہ! ہمیں پاگلوں سے بچا، پاگلوں سے بچا) وہ صاحب سمجھے کہ شاید حضرت مجھے دعا دے رہے ہیں، چنانچہ اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیرتے ہوئے عقیدت اور لجاجت بھرے لہجے میں بولے "آمین، آمین" اس پر میری تو بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی اور دادا جان بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ بعض باتونی لوگ اپنی لمبی چوڑی رام کہانیاں سنا کر دیر تک دادا جان کو ستاتے تھے مگر آپ تحمل فرماتے۔ البتہ آخر عمر میں جب بیماری کی شدت سے تحمل نہ رہا تو صاف فرما دیتے کہ ''مولانا! میں بیمار ہوں اس لیے آپ اب تشریف لے جائیں۔''

آپ کسی بھی مسئلے کے لیے اکثر اس سے متعلقہ قرآن پاک کی کوئی آیت لکھ دیتے، مثلاً بچہ ضد کرتا ہے تو "والنا له الحدید" اور ولادت کے لیے "ثم السبیل یسره" اور اگر کوئی پڑھنے کے لیے کچھ پوچھتا تو اسے "یارحمن یارحیم" اور ایک اور اسم الٰہی ہر نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھنے کو کہتے مثلاً رزق کی تنگی کے لیے "یارحمن یارحیم یارزاق" اور لڑائی جھگڑے کے لیے "یارحمن یارحیم یارودود" وغیرہ۔ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ اگر عامل غلطی سے تعویذ کے الفاظ غلط لکھ دے تو اس کا اثر ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں۔

ایک مرتبہ اہلِ خانہ میں سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کبھی ٹی وی دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں ایک مرتبہ میں ہوائی جہاز میں بیٹھا تھا تو اس میں ٹی وی لگا ہوا تھا، کسی نے مجھے بتایا کہ یہ ٹی وی ہے، سوال: ٹی وی میں

کیا دیکھا تھا؟ فرمایا'' گھوڑے بھاگ رہے ہوتے ہیں، مچھلیاں اچھل رہی ہوتی ہیں، (اس کے بعد کسی سے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ ٹی وی ہے تو لاحول پڑھتے ہوئے نظریں جھکالیں) راقم عرض کرتا ہے کہ شکر ہے آپ نے یہی دو منظر دیکھے،''اور'' کچھ نہیں دیکھا، ورنہ اس ٹی وی کی اور جہاز کے عملے کی خیر نہ ہوتی۔ چاچو راشد نے بتایا کہ ایک مرتبہ آپ نے غالباً سبق میں فرمایا کہ ہم لوگوں کو سینما سے منع کرتے ہیں اور یہ ٹی وی دیکھتے ہیں، یعنی آپ کے خیال میں ٹی وی سینما سے بڑی کوئی چیز تھی، سادگی کے باعث یہ علم نہ تھا کہ سینما بڑا ہوتا ہے یا ٹی وی اور سچی بات تو یہ ہے کہ جسے شیخ العرب و العجم حضرت سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیسے استاذ اور امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ جیسے شیخ کی محفل دیکھنے کو مل گئی ہو اسے دنیا کی ان فضولیات کی طرف التفات کی فرصت ہی کب ہے؟ وہ تو بزبانِ حال یہی کہہ سکتا ہے۔

ہم نے دنیا بھی دیکھی مگر سرسری   اور تیری انجمن دیکھتے رہ گئے

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ اگر کسی کے شیخ بیماری یا کسی اور وجہ سے معذور ہو جائیں تو کسی اور سے اصلاحی تعلق قائم کرسکتا ہے؟ فرمایا ہاں کرسکتا ہے، یہی سوال میں نے حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ اور غالباً حضرت صوفی سرور صاحب مدظلہ سے بھی پوچھا، سب جگہ سے یہی جواب ملا البتہ ڈھڈیاں شریف والے مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ نہ کسی اور سے اصلاحی تعلق قائم کرے نہ کسی اور سے بیعت کرے۔

جب میں بالکل ابتدائی درجات میں تھا تو ایک روز سورۂ والضحیٰ کی تلاوت کرتے ہوئے"ووجدك ضالا فهدٰی" پر پہنچا تو "ضالا" کے لفظ پر چونک گیا اور اس پر بڑا اشکال ہوا، دادا جان کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ اس آیت میں "ضالا" کا معنیٰ کیا ہے؟ برجستہ فرمایا کہ اس کا معنیٰ ہے "ما كنت تدری ما الكتاب ولا الايمان" یوں محسوس ہوا کہ دل سے کوئی پردہ ہٹ گیا ہو اور روشنی کا دروازہ کھل گیا ہو، دادا جان نے اشارہ فرما دیا کہ یہاں ''ضال'' گمراہ کے معنی میں نہیں بلکہ ناواقف اور لاعلم کے معنی میں ہے۔

جب امریکہ کے صدارتی انتخابات میں فرعونِ وقت بش کو رسوا کن شکست ہوئی تو میں نے خوشی سے جا کر دادا جان رحمہ اللہ کو بتایا کہ بش ہار گیا ہے، فرمایا، اس سے کیا ہوگا؟ کوئی اور آجائے گا،

وہ بازی بھی ہم نے دیکھی، یہ بازی بھی دیکھ رہے ہیں

بات یہ ہے مہرے تو نئے ہیں باقی سارے داؤ پرانے

میں نے عرض کیا کہ جیسے اس کا منہ سیاہ ہوا ہے اس طرح اوباما کا منہ بھی سیاہ ہوگا انشاء اللہ، برجستہ فرمایا''اوہدا منہ تے پہلے ای کالا اے''

فرمایا کرتے تھے کہ اگر نماز میں انسان خود اپنی آواز نہ سنے تو نماز نہیں ہوتی، یہ مسئلہ بے شمار دفعہ بیان فرمایا اور اکثر بیشتر لوگ اس بارے میں غلطی میں مبتلا ہیں کہ صرف ہونٹ ہلاتے رہتے ہیں، اپنے کانوں تک ان کی آواز نہیں پہنچتی، بہت سی احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ کی سری نمازوں کی قراءت کا حال بیان فرمایا ہے مثلاً حضور ﷺ فجر کی سنتوں میں ''قل یا ایھا الکافرون'' اور ''قل ھو اللہ احد'' پڑھتے تھے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی آواز مبارک اتنی پست نہ ہوتی تھی کہ سنی ہی نہ جاسکے۔

ایک مرتبہ میں آپ کو سید امین گیلانی رحمہ اللہ کی کتاب ''صنم کدے میں اذاں'' سے غزلیں سنا رہا تھا، حاجی لقمان میر صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب، مولانا محمد نواز بلوچ صاحب وغیرہ بھی موجود تھے، خوب محفل جمی تھی، کسی غزل میں ''درویش'' کا لفظ آیا تو مولانا محمد نواز بلوچ صاحب نے فرمایا کہ یہ لفظ دَرویش نہیں دُرویش (دال کے ضمہ کے ساتھ) ہے، کیونکہ دَرویش کا معنی ہے دَر دَر مانگنے والا اور دُرویش کا معنیٰ ہے موتی لینے والا مگر دادا جان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہیں دَرویش ہی درست ہے کیونکہ اس مقام پر معنیٰ اسی کا بنتا ہے، دادا جان کی محفل میں اسی طرح علمی، ادبی گفتگو ہوتی رہتی تھی، اور کتاب سنتے وقت بھی آپ لفظی غلطیوں کی اصلاح فرماتے رہتے تھے۔

فاروق بھائی جو رشتے میں میرے بھانجے ہوتے ہیں، انکی شادی ایک چینی لڑکی سے ہوئی، شادی کے بعد جب وہ دادا جان کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا کہ ''اوہدا نک ہے یا کوئی نہیں؟'' کیونکہ چینیوں کے ناک عموماً پھینے اور چپٹے ہوتے ہیں اس لیے بطور مزاح یہ ارشاد فرمایا، انہوں نے جواب دیا کہ ہے، پھر پوچھا کہ ''او ڈڈُّو وتے نئیں کھاندی؟'' انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، (اس سوال میں چینیوں کی ''خوش خوراکی'' کی طرف اشارہ تھا) پھر آخری سوال کیا کہ ''توں وی چنگ منگ کر لینا ایں؟'' انہوں نے ہنس کر جواب دیا کہ نہیں ہم اکثر انگلش میں بات کرتے ہیں، ہم سب اس سوال جواب سے بہت محظوظ ہوئے، دادا جان مہمان رشتہ داروں سے خوب خوش طبعی فرماتے تھے۔

جب میں نیا نیا جامعہ مدنیہ میں داخل ہوا تو ایک روز مجھ سے پوچھا کہ وہاں کھانا کیا پکتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ دال پکتی ہے۔ یہ جامعہ جدید کا وہ زمانہ تھا جب اس میں بڑی استقامت کے ساتھ سارا سال دال پکتی تھی، گوشت کی صورت سال میں ایک دو بار ہی دکھائی دیتی تھی، دادا جان نے میرا جواب سن کے مزاحاً فرمایا ''قیامت والے دن گھوڑے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کریں گے کہ ہماری ساری خوراک یہ طالب علم کھا گئے تھے''۔

برادرم حمزہ نے بتایا کہ اُس کے ایک اُستاد حضرت مولانا علی اصغر شاہ صاحب مدظلہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ دادا جان نے دورانِ سبق مزاحاً فرمایا کہ ''پشتو جہنمیوں کی زبان ہوگی، ساتھ ہی فرمایا یہ ایک ضعیف روایت ہے''۔

حمزہ نے ہی ایک بار پوچھا کہ قاضی حمید اللہ خان صاحب کیسے عالم ہیں؟ فرمایا ''تگڑا مولوی اے''۔ مختصر المعانی، صدرا، حمداللہ اورقاضی مبارک وغیرہ کتاباں اچ میرے کولوں تگڑا اے!''

ایک مرتبہ پوچھا کہ کون کون سی کتابیں پڑھتے ہو؟ میں نے کتابیں گنواتے ہوئے بیضاوی کا نام لیا تو فرمایا ''سمجھ کے پڑھیں، بڑی ڈاہڈی کتاب اے''۔

ایک مرتبہ کتاب سناتے ہوئے ''متفق علیہ'' کا لفظ آیا تو آپ نے مجھ سے ''متفق علیہ'' کی تعریف پوچھی، میں نے عرض کیا کہ جو حدیث شریف بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہو وہ ''متفق علیہ'' ہے، فرمایا ''یہ تعریف اُدھوری ہے، متفق علیہ وہ حدیث ہے جسے امام بخاری و امام مسلم نے اپنی صحیحین میں ایک راوی سے ذکر کیا ہو، اگر راوی کا فرق ہو تو وہ متفق علیہ نہیں۔

ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ منہ سے سیٹی بجانا جائز ہے؟ فرمایا ''نہیں!'' میں نے پوچھا ''اگر مجاہدین خفیہ کوڈ کے طور پر بجائیں تو؟'' فرمایا ''درست ہے!''۔

ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ ناک کے بال کس طرح صاف کرنا افضل ہے؟ قینچی سے یا موچنے سے؟ فرمایا ''موچنے سے''، میں نے اپنے محبوب استاد گرامی حضرت مولانا محمد حسن صاحب مدظلہ کو بھی دیکھا کہ موچنے سے ناک کے بال صاف فرماتے ہیں۔

ابو جی نے بتایا کہ بچپن کے زمانے میں ایک مرتبہ وہ دادا جان کے ساتھ باہر جا رہے تھے کہ ایک بہروپیہ خوفناک شکل و صورت بنا کر ہمارے پاس آیا، وہ ہمیں ڈرا کر ہم سے روپے ہتھیانا چاہتا تھا، اس کے جسم پر بہتے مصنوعی لہو اور ہولناک ہیئت کو دیکھ کر مجھے کچھ خوف محسوس ہوا میری اس کیفیت کو تاڑتے ہوئے ابا جی نے اس بہروپیے پر اپنی لاٹھی سے ایسا وار کیا کہ اس کے ہوش ٹھکانے آگئے اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا، جان بھی چھوٹی اور اس ''سلطان راہی'' کی دوڑ کی یہ رفتار دیکھ کر میرے دل سے اس کا رعب بھی جاتا رہا۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی عورت تعویذ لینے آئی، دادا جان رحمہ اللہ نے تعویذ دے دیا، اس عورت نے پوچھا کہ اگر کوئی پرہیز ہو تو بتائیں، آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کوئی پرہیز نہیں جو دل چاہے کھاؤ، عورت بولی نہیں پھر بھی اگر کوئی پرہیز ہو تو بتائیں، آپ رحمہ اللہ نے اسے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ بی بی جو چیزیں اللہ

نے حلال کی ہیں میں حرام نہیں کرسکتا اور جو اللہ نے حرام کی ہیں میں حلال نہیں کرسکتا، مگر اس نیک بخت کی اس جواب سے بھی تسلی نہ ہوئی اور اصرار کر کے کہنے لگی کہ نہیں ضرور کوئی پرہیز بتائیں۔ تب دادا جان نے فرمایا کہ اچھا بی بی میرا سر نہ کھا اور جو مرضی کھا!!!......

جہالت بری بلا ہے، آسیب اور جنات وغیرہ کے متعلق اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگوں میں ایسے لایعنی خیالات رائج ہیں کہ یقین نہیں آتا کہ ایسا پڑھا لکھا اور سمجھدار آدمی بھی ایسی احمقانہ بات کرسکتا ہے، ایک مرتبہ ایک میجر دادا جان رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ مجھ پہ جادو ہے مجھے دم کر دیجیے، آپ رحمہ اللہ نے پوچھا کہ آپ کو کیسے پتا چلا کہ آپ پر جادو ہے؟ میجر صاحب کہنے لگے کہ میرے پاخانے سے سخت بدبو آتی ہے (جو اس بات کی علامت ہے کہ مجھ پر جادو ہے) اس پر دادا جان رحمہ اللہ نے برجستہ جواب دیا کہ ''پاخانہ پاخانہ ہوتا ہے۔ وہ زعفران نہیں ہوتا'' ظاہر ہے پاخانے میں سے بدبو ہی آیا کرتی ہے کستوری اور گلاب کی مہک تو نہیں اٹھا کرتی، اس میجر کی بیوی بھی ساتھ تھی، وہ ہنس پڑی اور میجر صاحب شرمندہ ہو کر خاموش ہو رہے۔

آپ اخبار کے پکے عادی تھے، ایام علالت میں رات بھر جاگنے کے بعد بھی آپ کو صبح اخبار کے انتظار میں نیند نہ آتی تھی، بار بار پوچھتے اخبار آیا کہ نہیں؟، سب سے پہلے اخبار کا نام مع ہجری، عیسوی، بکرمی تاریخوں کے نہایت غور سے سنتے اور اس کے بغیر آگے چلنے نہ دیتے، اس کے بعد باقی اخبار سنتے اور کوئی خبر خاص ہوتی تو مکمل بقیہ سمیت سنتے ورنہ سرخیاں سرخیاں سنتے رہتے، خوشی کی خبر پر خوشی سے الحمدللہ کہتے اور غم کی خبر پر چہرے پر افسردگی چھا جاتی، اگر کسی عالم کی وفات کی خبر ہوتی تو دیر تک اناللہ کا ورد کرتے رہتے۔

ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ دیوبند میں ہر صوبے کے طلبہ کا ایک امیر مقرر تھا، آسام، بہار، یوپی، پنجاب، ہر صوبے کا ایک ایک امیر تھا، سرحد اور افغانستان کا امیر میں تھا پھر سب صوبوں کے امیروں نے جمع ہو کر مجھے امیر بنایا۔ جب شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو انگریز نے نینی تال جیل میں نظر بند کیا تو دیوبند کے طلبہ نے میری قیادت میں احتجاجی جلوس نکالے اور مظاہرے کیے، انہی دنوں میں اکابر حضرات یعنی مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ وغیرہ دیوبند تشریف لائے اور چونکہ میں طلبہ کا نمائندہ تھا اس لیے تنہائی میں مجھ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ برخوردار بات یہ ہے کہ کانگریس نے گورنمنٹ کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا ہے اور انگریز حکومت کا ارادہ ہے کہ دیوبند کے طلبہ کے ان احتجاجی مظاہروں کو بھی اس ڈائریکٹ ایکشن کا حصہ قرار دے کر مدرسہ بند کر دے، دادا جان فرماتے ہیں کہ بات انکی نہایت معقول تھی لہٰذا میں بھی اس کا قائل ہو گیا، مکمل واقعہ سے آپ کی فراست، سیاسی سوجھ بوجھ اور

اکابر واصاغر میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے،فرمایا کہ جب ہم وڑالہ سندھواں میں پڑھتے تھے تو گوشت کبھی کبھار ہی دیکھنے کو ملتا تھا،ایک روز کسی طالب نے کسی کے کٹے کو اسٹالہ بہت زیادہ کھلا دیا اور وہ کٹا بسیار خوری کی وجہ سے بیمار ہو کر مرنے کے قریب ہو گیا تو میں نے اسے ذبح کر ڈالا، تقسیم سے پہلے کا زمانہ تھا اور ''گاؤماتا'' کو ذبح کرنے پر سخت پابندی تھی،اور یہ کٹا تو گاؤماتا کا بھی پتی تھا۔چنانچہ پورے قصبے میں شور ہو گیا کہ کٹا ذبح کرنے کی گستاخی کا ارتکاب کر کے فرقہ وارانہ فساد پھیلانے کی مذموم کوشش کس نے کی ہے؟ نمبردار ایک سکھ تھا،اس نے پوچھا کہ اسے کس نے ذبح کیا ہے؟ دادا جان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے ہو کر کہا کہ میں نے کیا ہے!اس نے پوچھا کیوں ایسا کیا؟ میں نے جواب دیا کہ تم بکرے کھاتے ہو، دنبے کھاتے ہو،مرغے کھاتے ہو،ہمیں یہی کھانے کو ملا،ہم نے کھا لیا،اس نے طلبہ کو بلا کر پوچھا کہ تمہیں گوشت مدرسے میں نہیں ملتا؟ ہم نے کہا نہیں،اس نے کہا ٹھیک ہے جاؤ،دوبارہ ایسا کام نہ کرنا اور پھر اپنی طرف سے ہمارے لیے گوشت مقرر کر دیا۔

چاچو شاہد نے ایک مرتبہ دورانِ سبق یہ واقعہ سنایا کہ دادا جان رحمہ اللہ کے زمانے طالبعلمی میں ایک بریلوی پیران کے استاد صاحب کا دوست تھا اور کبھی کبھار ان سے ملنے آتا اور چند دن رہ کر چلتا بنتا،ایک مرتبہ اسی طرح وہ ان کے استاد صاحب سے ملنے آیا،جب نماز کا وقت ہوا تو دادا جان نے اسے کہا کہ نماز کا وقت ہو چکا ہے نماز پڑھ لیں،پیر صاحب ایک ادائے بے نیازی سے مونچھوں کو تاؤ دے کر بولے ''ہم نماز دل میں پڑھتے ہیں'' دادا جان کو غصہ تو بہت آیا مگر وہ استاد صاحب کے دوست تھے،کچھ کہہ نہ سکے،تھوڑی دیر بعد پیر جی نے دادا جان سے کہا ''میں نے پیشاب کرنا ہے،مجھے لیٹرین تک لے جاؤ'' دادا جان نے برجستہ جواب دیا ''آپ دل ہی میں پیشاب کر لیں'' پیر صاحب بہت تلملائے اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

جب ہم انہیں اٹھاتے اور انکا جسم بھاری ہونے کی بناء پر دشواری ہوتی تو فرماتے ''پتر زندے نالوں مردہ بھاری ہوندا اے''

آپ کو اردو پنجابی اور پشتو پر زبردست عبور تھا،تینوں زبانیں نہایت روانی اور فصاحت سے بولتے تھے،پنجابی بڑی ٹھیٹھ ہوتی اور بعض الفاظ کا معنی ہمیں پوچھنا پڑتا تھا،جب میں نیا نیا گکھڑ گیا تو ایک روز مجھے بلا کر فرمایا ''اندر جا کے کہہ کہ اک نکی جئی گُلّی مینوں سیک دیو'' میں حیران ہوا کہ یا خدا یہ گلی کیا بلا ہے۔تب دادا جان نے میری حیرت بھانپتے ہوئے خود ہی بتایا کہ چھوٹی سی چپاتی کو پنجابی میں گُلّی کہتے ہیں۔

اردو میں بعض مقامات پر اللہ جل شانہ کے لیے ''قدرت'' اور ''فلک'' کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے، مثلاً ''قدرت نے اسے فلاں خوشی عطا فرمائی'' یا ''فلک نے آج یہ رنگ دکھایا'' وغیرہ وغیرہ،میں نے دادا

جان رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اس طرح اللہ عزوجل کے لیے ''قدرت'' یا ''فلک'' وغیرہ کا اطلاق درست ہے؟ فرمایا کہ ہاں درست ہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مکاتیب اور تحاریر میں بھی اس قسم کے استعارات اور مجاز وغیرہ کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے۔

جب کوئی طالب علم کہتا کہ حضرت کوئی نصیحت فرمادیں تو فرماتے ''محنت، غیرت دو چیزوں کو پلے سے باندھ لو!''، واقعی لاکھوں باتوں کی ایک بات ہے، یہ دو چیزیں جس کے پاس ہوں زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ہے۔

جب پاکستان میں ٹی وی کی حلت وحرمت کے بارے میں بات چلی تو ایک محفل میں مولانا اسلم شیخوپوری مدظلہ نے آپ سے ٹی وی چینل اور غیر سودی بینکاری کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے سادگی کیوجہ سے سمجھا کہ شاید کوئی ٹی وی چینل بغیر تصویر کے بھی ہوتا ہوگا یہ اس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، کیونکہ علماء کرام کے ویڈیو بنوانے کا تو شاید ان کے نزدیک تصور ہی محال تھا، بہر حال انہوں نے جواب دیا کہ ''بڑے حضرات یعنی مفتی تقی عثمانی، مفتی محمد رفیع عثمانی اور ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر جو فیصلہ فرمادیں وہی میری طرف سے ہے'' یہ بات داداجان کے خیال میں موجود ''بغیر تصویر والے چینل'' کے بارے میں تھی اور اگر تصویر والے چینل کے بارے میں بھی ہوتی تو ان تین حضرات کی اجازت پر موقوف تھی جو اس کے جواز پر متفق نہیں ہیں، لیکن بعض حضرات نے بڑے دھڑلے سے داداجان کی سرپرستی میں ٹی وی چینل کا اعلان کر دیا اور اخبار میں اس کی خبر بھی دے دی، داداجان نے جب یہ خبر سنی تو بآوازِ بلند لاحول پڑھی، انہی دنوں چھوٹے تایاجان مولانا عبدالقدوس خان قارن تشریف لائے اور انہوں نے اس بارے میں داداجان سے بات کی تو داداجان نے انہیں اس بارے میں اپنے مؤقف کی تحریر خود لکھوائی اور ان سے کہہ کر شائع کرائی، (تفصیل کے لیے دیکھیے خادم کا مضمون [خادم، حمزہ]) عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے اکابرین متفق ہو کر جو فیصلہ فرمادیں وہ سرآنکھوں پر لیکن یہ واضح ہونا ضروری ہے کہ داداجان آخر تک سختی سے ٹی وی کی حرمت کے قائل رہے اور اس بارے میں ان کا رویہ بے لچک رہا۔

میرے محسن استاد و مربی حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب مدظلہ نے بتایا کہ جب پشاور میں صد سالہ دیوبند کانفرنس ہوئی اور استاذ جی جمعیت علمائے اسلام رحیم یار خان کے صدر کی حیثیت سے اس میں شریک ہوئے اور اسٹیج پر رونق افروز ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خطیب صاحب بیان فرما رہے ہیں اور اسٹیج پر علمائے کرام کی ویڈیو بن رہی ہے، استاد جی یہ منظر دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور پرزور احتجاج کرتے ہوئے ویڈیو کی عکس بندی بند کرنے کا مطالبہ کیا، اس پر ایک مولانا صاحب نے برافروختہ ہو کر فرمایا کہ یہ اسٹیج پر پاک

وہند کے اتنے جید علمائے کرام تشریف فرما ہیں کیا تم ان سے بڑے مفتی ہو؟ استاد جی نے فرمایا کہ ٹھیک ہے اگر ان میں سے کوئی ایک جواز کا فتوی دے دے تو میں خاموش ہو جاؤں گا اور اپنا مطالبہ واپس لے لوں گا، مگر یہ فتویٰ کون دیتا؟ اتنے میں اسٹیج کی سیکورٹی پر مامور نوجوانوں نے حضرت استاد جی کو اسٹیج سے اٹھایا اور نجانے کہاں لے چلے تھے کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہ (بھکر والے) اور دیگر علمائے کرام دوڑ کر آڑے آئے اور انہیں بتایا کہ یہ تو جمعیت کے رحیم یار خان کے صدر اور ہمارے بزرگ ہیں، تب ان نوجوانوں نے پشیمان ہو کر اپنی ٹوپیاں استاد جی کے قدموں میں رکھیں اور علمائے کرام نے انہیں واپس اسٹیج پر چلنے کی درخواست کی لیکن استاد جی نے فرمایا کہ جب تک سٹیج پر کیمرہ ہے میں وہاں نہیں جا سکتا اور استاد جی جلسے کا بائیکاٹ کر کے چلے آئے اور سیدھے دادا جان کے پاس پہنچ کر ان سے قصہ عرض کیا اور پوچھا کہ ''میں نے درست کام کیا یا غلط؟'' دادا جان نے فرمایا کہ ''آپ نے بالکل درست کیا اور میں آپ کی تائید کرتا ہوں''، سوچنے کی بات ہے کہ کل تک ہم ہر شادی میں ویڈیو بنانے پر ہنگامے برپا کرتے رہے، آج اگر ہم خود جبے قبے میں ملبوس ہو کر ٹی وی کی اسکرین پر جلوہ افروز ہوں تو کیا لوگ یہ بات کہنے میں حق بجانب نہ ہوں گے کہ ان مولویوں کے فتوے صرف ہماری خوشیوں میں پھڈا ڈالنے کے لیے ہیں، اپنی باری آئے تو ان کے ہاں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے، کیا اس کے بعد ہمارے فتوؤں اور بیانات کی کچھ حیثیت باقی رہ جائے گی؟؟؟

ایک مرتبہ مجھ سے پوچھا کہ تم کتنی دیر میں ایک سپارہ پڑھ لیتے ہو؟ میں نے عرض کیا آدھ گھنٹے میں۔ فرمایا بہت سست رفتار ہے، میں حافظ نہیں ہوں اس کے باوجود پندرہ منٹ میں ایک سپارہ ختم کر لیتا ہوں، عام طور پر حفاظ 18/20 منٹ میں پارہ ختم کرتے ہیں، یہ تو دادا جان کی کرامت اور اللہ کی طرف سے آپ کے وقت میں برکت کا نتیجہ تھا کہ آپ حافظ نہ ہونے کے باوجود نہایت اطمینان سے تلاوت کرتے ہوئے بھی صرف 15 منٹ میں مکمل پارہ تلاوت فرما لیتے تھے۔

میرے مشفق و مربی میرے محسن استاذ جی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ نے بتایا کہ ایک مرتبہ دادا جان نے دورانِ درس فرمایا کہ مولانا تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ میں بحمد اللہ روز چار ہزار مرتبہ درود شریف پڑھ لیتا ہوں، اللہ اکبر! تدریسی، تصنیفی مصروفیات کے اس درجہ ہجوم اور مہمانوں کی اس یلغار کے دوران اتنی بڑی مقدار کا پابندی سے ہر روز پڑھنا، اسے ان کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے اور ذرا وہ لوگ بھی آنکھیں کھول کر دیکھیں جو اپنے پیٹ کے دھندے کی خاطر ہمارے اکابر پر نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ توہینِ رسالت کا ناپاک الزام لگاتے ہیں اگر انہیں حضرتِ بطن کی خدمت سے کچھ فرصت ملے تو ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر یہ لوگ بھی نعوذ باللہ گستاخِ رسول ﷺ ہیں تو پھر عاشقِ رسول ﷺ کون ہے اور عشقِ

رسالتِ مآب ﷺ کس چیز کا نام ہے؟

انقلابِ چمنِ دہر کی دیکھی تکمیل
آج قارون بھی کہ دیتا ہے حاتم کو بخیل
سامری موسیٰ کو کہتا ہے یہ ہے جادوگر
لوحِ محفوظ کو کہتی ہے محرف انجیل

آپ کے پاس آنے والے مہمانوں میں اگر کوئی نعت خوان یا قاری ہوتا تو اس سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور سنتے، رانا عثمان صاحب، صفی اللہ بٹ صاحب، سلیم مہر صاحب، طاہر جھنگوی صاحب اور دیگر بہت سے نعت خوانوں سے آپ نے نظمیں سنیں، ایک مرتبہ قاری عبد الرحمٰن رحیمی صاحب تشریف لائے تو آپ نے ان سے تلاوت سنی۔

آپ رحمہ اللہ کو اپنی والدہ محترمہ رحمہا اللہ سے بہت محبت تھی جو آپ بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں، نجانے دمِ رخصت اپنی معصوم اولاد کے بارے میں ان کے سینے میں کیا کیا جذبات ہوں گے، کیا عجب کہ انہی کے سوختہ جگر کی معصوم تمناؤں اور دل کی گہرائیوں سے نکلی دعاؤں نے دادا جان رحمہ اللہ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہو، جب بھی ان کا ذکر آتا دادا جان رحمہ اللہ کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑتے اور کافی دیر غمگین رہتے، اللہ تعالیٰ انہیں فردوس بریں میں بلند وبالا مقامات عطا فرمائے اور ہمیں بھی اپنے والدین کی قدر کرنے اور خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

پچھلے سال وفاق کے امتحانوں کے دوران میرے پھوپھی زاد بھائی ڈاکٹر سہیل رضوان جو برطانیہ میں رہائش پذیر ہیں، پاکستان آئے اور گکھڑ بھی حاضر ہوئے، ان کے ساتھ بھائی معاویہ، ابو ہریرہ بن مولانا عبد القدوس قارن اور بھائی بلال بھی تھے، میں اور چاچو راشد بھی کمرے میں بیٹھے تھے، خوب محفل جمی اور دیر تک ہنسی مزاح چلتا رہا، پرانے دور کی باتیں چلتی رہیں، دادا جان اس دن بڑے خوش تھے اور بہت موڈ میں تھے، ان سب کی برادرانہ چھیڑ چھاڑ سے لطف اندوز ہوتے رہے اور موقع بموقع خود بھی اس میں حصہ لیتے رہے، انہیں اپنا چیک اپ بھی کروایا اور ان سے پوچھا کہ کیا میں ٹھیک ہوسکتا ہوں؟ میری عمر کے آدمی کو اگر فالج ہو جائے تو کیا وہ تندرست ہوسکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ہوسکتا ہے مگر آہ! انکی سب بیماریوں اور دردوں کا درمان شاید لقائے حبیب ہی میں تھا اور اسی نے سب بیماریوں اور دکھوں سے انہیں نجات دے کر اللہ کریم کی رحمت کی چھاؤں میں پہنچا دیا۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ......۔

جب ابو جی کی داڑھی سفید ہوئی اور آپ نے رنگِ حنا سے اسے رنگنا شروع کیا تو اس کے چند دنوں

بعد دادا جان کی خدمت میں حاضری ہوئی، دادا جان نے دیکھتے ہی از روئے مزاح بے ساختہ فرمایا ''ارے تو تو رنگیلا ہو گیا''۔

......﴿تھپڑ﴾......

یوں تو دادا جان رحمہ اللہ تربیت کے معاملہ میں بڑے سخت اور حساس تھے، ایامِ جوانی میں اکثر ضَرَبَ یَضرِبُ کا معمول تھا یعنی لا ترفع عنهم عصاك ادباً کے فرمانِ نبوی ﷺ پر بڑی سختی سے عمل پیرا تھے، لیکن ضعف و پیری نے جب ان کی ہڈیوں کو گھلا کر سخت جان بدن کو بے جان کر دیا تو جہاں ان کے دیگر ظاہری اعمال پر اثر پڑا وہاں انکے جلال کی تیزی بھی جاتی رہی اور اب مزاج مبارک شفقت ہی شفقت میں ڈھل گیا، کسی کی غلطی پر بروقت گرفت اور تنبیہ تو باقی رہی کہ یہ تو بمُوائے فرمانِ خداوندی امرِ ضروری ہے "وأمر اهلك بالصلوٰة" اس پر شاہد ہے مگر اب اس امرِ خداوندی کے امتثال کے لیے اپنے عصا مبارک کی خدمات حاصل کرنا چھوڑ دیا اور دردِ دل سے کی گئی نصائح پر اکتفا کرنے لگے جو ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق تھیں، ہم نے اپنے سنِّ شعور میں دادا جان کا یہی رنگ دیکھا، گویا ہمارے بڑوں نے ان کی ''مکی زندگی'' دیکھی اور ہمیں ''مدنی زندگی'' میں ان کی رفاقت سے حصہ ملا۔

ان کی آخری زندگی میں ان کی جوانی کی مار کی یادگار ایک تھپڑ تھا اس تھپڑ کا تذکرہ بھی قارئین کرام کے لیے ضرور دلچسپی کا باعث ہوگا، اس کا شان ورود یہ تھا کہ جب کوئی آپ کی بیماری اور تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے معانقہ کرنے یا زبردستی لپٹنے کی کوشش کرتا تو عموماً آپ کا یہ تھپڑ اس کی مزاج پرسی کر جاتا، اس تھپڑ کی زد میں آنے والے سعادت مندوں کی فہرست بڑی طویل ہے، ان میں جاہل عوام بھی ہیں اور مدارس کے اساتذہ و شیوخ حدیث بھی، جوان بھی، بوڑھے بھی، آپ کے بیٹے بھی، اور بیٹیاں بھی، پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی، علماء بھی، مناظر بھی، بڑے بڑے افسران بھی......پھر اس تھپڑ کے حرکت میں آنے کے بعد ''تھپڑ زدہ'' افراد کا ردِ عمل بھی مختلف اور دلچسپ ہوتا، کوئی اس ناگہانی آفت پر بدحواس ہو کر معافیاں مانگنے لگتا اور کوئی اسے نعمتِ غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے شکراً الحمد للہ کہتے ہوئے گھر کو روانہ ہوتا۔

ہم سے پوچھے کوئی، کیا کیفِ جفا ہوتا ہے
ہر ستم لطفِ کرم سے بھی سوا ہوتا ہے

کوئی دادا جان کو تکلیف پہنچانے کے خیال سے نادم ہو کر عرقِ انفعال میں ڈوبا ہوا نکلتا۔

میرے محبوب میری ایسی وفا سے توبہ

جو تیرے دل کی کدورت کا سبب بن جائے

اور کوئی کھسیانی سی ہنسی ہنس کر خفت مٹانے کی کوشش کرتا، اتفاق کی بات کہ بہت سے لوگ اس تھپڑ سے فیضیاب ہوئے مگر اس ناچیز کو اتنا عرصہ خدمت میں کے رہنے کے باوجود بھی اس سعادت میں سے حصہ نہ ملا۔

دادا جان رحمہ اللہ سے مختصر رفاقت کے دوران جو واقعات یادداشت میں محفوظ رہ سکے وہ اکثر بحمد اللہ حوالۂ قرطاس کر دیے ہیں، اپنی سمجھ کے مطابق انہیں ترتیب کے کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی مگر اب جو دیکھتا ہوں ناتجربہ کاری اور قلم کی ناپختگی کی وجہ سے وہ ترتیب بھی بے ترتیبی کا رونا رو رہی ہے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ تحریر کی بدسلیقگی اور عبارات کے بے ڈھنگے پن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس تحریر میں پیش کردہ انمول واقعات کو لوحِ دل پر نقش کر کے حرزِ جاں بنائیں اور ان سے سبق حاصل کر کے انہیں نشانِ منزل بنائیں کیونکہ ہیرا اگر راکھ میں بھی پڑا ہو تو ہیرا، ہیرا ہی رہتا ہے، اسی طرح میری تحریر میں بھی اگر کوئی خامی ہو تو وہ صرف میری خامی ہے اس سے صرفِ نظر فرما کر اس میں پوشیدہ انمول موتیوں کو چننے پر توجہ مرکوز رکھیں، ''من نکردم شما حذر بکنید!'' اور اگر کوئی بات قابلِ اعتراض ہو تو اسے میری کم فہمی پر محمول فرمائیں۔

سپر دم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم وبیش را

......《سفرِ آخرت》......

بنے تھے یوں تو ہم روزِ ازل سے غم اٹھانے کو
نہ تھی پر یہ خبر ہوں گے الگ بھی تیرے داماں سے

آہ! اب اس خونچکاں باب کے لکھنے کا وقت آیا جس کے شروع کرتے ہی قلم کی نوک سے خون کے آنسو رواں ہیں، ابھی تو حضرت نانا جی (مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ) کی جدائی کا زخم نہ بھرا تھا کہ مشیتِ ایزدی سے جگر کو ایک اور کاری وار سہنا پڑا، شہرِ دل کی رونقیں جاتی رہیں، آنکھوں کے بادلوں نے ساون بھادوں کا سماں باندھا، جسے ہم اپنا کہہ سکتے تھے، جب وہ رختِ سفر باندھ کر چلدیا تو اپنا آپ اجنبی محسوس ہونے لگا، اگر اپنے چند دوسرے اکابرین کے وجود سے دل کو حوصلہ نہ ہوتا اور باری تعالیٰ اپنی رحمت سے صبر وتحمل عنایت نہ فرماتے تو یقیناً یہ حادثہ ایسا روح فرسا تھا کہ دل پاش پاش ہو کر ہوش وحواس سے بیگانہ ہو جاتا، اب تو اتنے دن ہوئے آنسو بھی معلوم نہیں کہاں چلے گئے، شدتِ غم میں ایک انہی کا تو سہارا تھا، جس سے دل

بہل جاتا تھا اور درد آنکھوں کے راستے بہ جاتا، دل ہلکا ہو جاتا تھا، اب تو بہت دن ہوئے آنکھیں اشکوں کو بھی ترس گئیں۔

ہجوم غم میں سہارا تھا صرف اشکوں کا

بہت دنوں سے تو وہ بھی مگر نہیں آئے

مگر مشیتِ ایزدی کے سامنے انسان کو دم مارنے کی مجال کہاں ہے؟ اس کی بھلائی تو اسی میں ہے کہ مالکِ حقیقی کی مرضی کے سامنے سر جھکاتے ہوئے صبر و تسلیم کی تصویر بن جائے، جانے والے تو کبھی واپس نہیں آیا کرتے، ہاں پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اس میں بہت سے سبق چھوڑ جاتے ہیں کہ وہ ان کی زندگی کے نشیب و فراز سے اپنی زندگی کی راہوں کو تلاش کریں اور ان کی موت کے حادثہ سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اپنی موت کے دن کی تیاری کریں کہ اس دن سے کسی ذی روح کو چھٹکارہ نہیں ہے، اے غافل! تو نے اپنی نادانی سے اتنے بڑے خزانے کو ہاتھ سے گنوا دیا، تجھے خوش قسمتی نے آبِ حیات کے چشمے کے پاس پہنچایا لاکھوں تشنگان اس سے سیراب ہوئے مگر تو اپنی لاپروائی کی بدولت اس کے ایک گھونٹ سے بھی محروم رہا، یہ غفلت اور لاپروائی آخر کب تک؟ دیکھ زندگی کا کاروان رواں دواں ہے، موت کبھی کسی کو مہلت نہیں دیا کرتی، ابھی بھی تیرے پاس موقع ہے کہ ہاتھ پاؤں مار کر کچھ نہ کچھ کمالے، یہ نہ ہو کہ تو اپنی مستیوں میں مگن رہے اور یہ مہلت بھی ختم ہو جائے، پھر تجھے خالی ہاتھ ہی یہاں سے جانا پڑے گا اور شرمندگی اور ندامت کے ساتھ مالک کی بارگاہ میں کھڑا ہونا پڑے، تو ہی بتا کہ مالک کو کیا جواب دے گا؟ اے کاش کہ تو نصیحت حاصل کرتا!

دادا جان رحمہ اللہ نے جو خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی تھی اور اس کی تعبیر میں ان کے استاذِ مکرم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی زندگی میں ہی آجائیں، اس کیوجہ سے پہلے پہل تو یہ یقین، ایمان کی طرح محکم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے دادا جان کی وفات ہو جائے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا، ایک مرتبہ حضرت نانا جی یعنی قائد اہل السنۃ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے سامنے اس خواب کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا خواب کتاب میں نہ لکھنا چاہیے، تعبیر آخر تعبیر ہی تو ہے اگر غلط ہو جائے تو لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے، میں نے عرض کیا کہ اس کتاب میں دادا جان نے لکھا ہے کہ ''اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری زندگی میں تشریف لائے تو انشاء اللہ خود یہ کتاب ان کی خدمت میں پیش کروں گا اور اگر ان کی تشریف آوری میرے بعد ہوئی تو میرا کوئی شاگرد میری طرف سے یہ ان کی خدمت میں پیش کر دے'' اور دادا جان رحمہ اللہ کے استاذِ مکرم نے بھی تعبیر''

ہوسکتا ہے'' کے موہوم الفاظ سے دی ہے، میرے اس جواب سے نانا جان رحمہ اللہ کو اطمینان ہوا مگر اپنے دماغ میں ایک دھماکہ سا ہوا اور اس یقین محکم کی چولیں ہل گئیں جسے میں نے خوش فہمی کی بنا پر ''ایمانیات'' میں داخل کر رکھا تھا، جو الفاظ نانا جی رحمہ اللہ کی بات سے ذہن میں آئے تھے ان پر پہلے کبھی میں نے خود غور ہی نہیں کیا تھا، اس کے بعد سے دادا جان رحمہ اللہ کی وفات کا خوف دل میں رہنے لگا جواب سے تین ماہ پہلے حقیقت بن کر ہماری دنیا اندھیر کر گیا۔

پچھلے سال رجب میں اللہ پاک کی مہربانی سے میں دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت کے لیے گکھڑ حاضر ہوا اور تین ماہ آپ کے قدموں میں رہا جس کا قصہ پہلے باب میں ذکر کر چکا ہوں، رمضان المبارک بھی وہیں گذرا اور یہ حضرت کا آخری رمضان تھا، یہ وقت بڑے لطف اور مزے میں گذرا، دادا جان رحمہ اللہ نے خوب کتابیں سنیں اور میں نے دادا جان رحمہ اللہ سے باتیں بھی خوب پوچھیں جن میں سے اکثر گذشتہ صفحات پر گذر چکی ہیں، عید سے چند دن پہلے میں گجرات چلا گیا اور برادرم حمزہ تراویح میں قرآن پاک سُنا کر گکھڑ حاضرِ خدمت ہوگیا، اس کے بعد دادا جان رحمہ اللہ کی ہی اجازت اور مشورے سے استاذِ مکرم مولانا منظور احمد نعمانی صاحب مدظلہ کی خدمت میں ظاہر پیر حاضر ہوگیا، میں نے ایک مرتبہ دادا جان رحمہ اللہ سے پوچھا تھا کہ اگر شاگرد استاد صاحب کے سامنے کتبِ حدیث کی قراءت کرے اور استاد صاحب خاموش رہیں تب بھی فائدہ ہوتا ہے؟ آپ نے اشارے سے فرمایا کہ ہاں ہوتا ہے، میں نے اس دن سے دل میں ٹھان لی تھی کہ میں نے دورۂ حدیث کے لیے کہیں نہیں جانا! دادا جان کی خدمت میں حاضر ہوکر دورہ کی کتب سنانی شروع کردوں گا چاہے اس میں دو تین سال ہی کیوں نہ لگ جائیں، اب میں ابو جی کی اجازت کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ مالکِ حقیقی نے انہیں اپنے پاس ہی بلا لیا۔

دادا جان رحمہ اللہ سے آخری ملاقات ربیع الاول ۱۴۳۰ھ / مارچ 2009ء میں ہوئی جب میں اپنے پھوپھا جی خطیبِ اہل السنۃ حضرت مولانا خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کی وفات پر ظاہر پیر سے چھٹی لے کر گھر آیا اور واپسی پر گکھڑ بھی حاضر ہوا، اس دن دادا جان رحمہ اللہ بہت خاموش خاموش تھے، مجھے اکثر یہ خیال ستایا کرتا تھا کہ میں اتنا عرصہ دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت میں رہا ہوں، اس دوران بہت سی بدتمیزیاں اور غفلتیں ہوئیں جن سے انہیں کتنی اذیت پہنچی ہوگی، معلوم نہیں وہ مجھ سے خوش ہیں یا ناراض، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری کسی نالائقی کا صدمہ ان کے دل میں موجود ہو اور خدانخواستہ اس کی پاداش میں میں علم اور محبتِ خداوندی کی دولت سے محروم کر دیا جاؤں۔ اعاذنا اللہ منہ۔ غرض اس قسم کے خیالات سے دل اکثر پریشان رہتا تھا۔

جانے کیا بات ہے یہ تیرے کرم کے باوصف

ایسا لگتا ہے کہ تو مجھ سے خفا ہو جیسے

اس دن میں نے جرأت کر کے ان سے عرض کیا کہ اباجی! میں اتنا عرصہ آپ کے پاس رہا ہوں اور میں نے اپنی سستیوں غفلتوں سے آپ کو بہت ستایا ہے آپ کی خدمت نہیں کر سکا، اب میں آپ سے معافی مانگتا ہوں آپ مجھے معاف فرمادیں۔اف گوشۂ چشم سے آنسو پھوٹ کر بہ پڑے

مجھے تو ناز تھا ضبطِ غمِ دردِ محبت پر

یہ آنسو آج کیوں بے تاب ہو ہو کر نکلتے ہیں

داداجان رحمہ اللہ نے حوصلہ دے کر فرمایا کہ نہیں بیٹا تم نے میری بڑی خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے۔دلوں کا حال تو اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ مجھ سے خوش تھے یا بلند ظرفی کی وجہ سے میرا دل رکھنے کی خاطر یہ الفاظ ادا فرمائے تھے مگر ان کلمات سے دل کو بڑی تسلی ہوئی اور اب بھی امید ہے کہ انشاء اللہ وہ مجھ سے راضی ہی دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے، خبر نہ تھی کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہے۔

آخر وہ دن آگیا جو محبتوں اور شفقتوں کے اس باب کو بند کر کے ہم ضعفا اور ناتوانوں کو کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دینے والا تھا، 5 مئی کو رات کے آخری پہر جب ہم خوابِ غفلت میں مگن تھے دادا جان رحمہ اللہ محبوبِ حقیقی کے وصال کی منازل طے کرتے ہوئے ملأ اعلیٰ کی جانب عازمِ سفر تھے، علم وحکمت کا ایک باب بند ہو رہا تھا، جہدِ مسلسل کا چراغ بجھ رہا تھا، سب مزے کی نیند سو رہے تھے، کسی کو خبر نہ تھی کہ آج ہم کتنی رحمتوں، برکتوں اور دعاؤں سے محروم کر دیے جائیں گے، اگر چہ کچھ عرصے سے دادا جان رحمہ اللہ کی جدائی کا خوف دل میں رہنے لگا تھا مگر اس رات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آج رات کیا ہونے والا ہے، رات کو میں اپنے ہم جماعت ساتھیوں سے خوش گپیاں کرتا رہا اور پھر دوستوں کے میسج سے بچنے کے لیے موبائل کو خاموش کر کے سو گیا، رات دو بجے کے قریب برادرِ مکرم بھائی ساجد نعمانی نے آکر مجھے جگایا اور خبر دی کہ مولانا سرفراز خان صفدر وفات پا چکے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، اٹھ کر جلدی جلدی جانے کی تیاری کرنے لگا، حضرت استاد جی نعمانی صاحب بھی بیدار ہو گئے، ان سے مل کر رخصت لی، بعض طلبہ کی امانتیں میرے پاس تھیں وہ اپنے رفیقِ جماعت بھائی حبیب الرحمٰن سروجی کے حوالے کیں اور سامان باندھ کر گکھڑ کے لیے روانہ ہوا، راستے میں ہی بھائی ساجد کا فون آیا کہ وہ حضرت استاد جی نعمانی صاحب مدظلہ کے ساتھ کار پر گکھڑ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں اور میں بہاولپور رک کر ان کا انتظار کروں، تعمیلِ ارشاد میں بہاولپور اتر گیا اور کچھ دیر بعد حضرت استاد جی کے ساتھ کار میں سوار ہو گیا، دل غمگین، آنکھیں خشک......

وہ شدتِ غم ہے کہ دعا مانگ رہا ہوں　　　اللہ کرے آنکھ سے آنسو نکل آئے

خدا خدا کر کے گکھڑ پہنچا، دادا جان رحمہ اللہ کی میت کو گھر سے اٹھا کر ڈی سی گراؤنڈ میں رکھ دیا گیا تھا، شدتِ غم سے بے حال لوگوں کا بے قابو ہجوم۔ حضرت استاد جی کو باہر چھوڑ کر ہجوم میں گھس گیا اور مکے، لاتیں، دھکے کھاتا کھاتا میت تک پہنچ گیا تھا، آپ کا چہرۂ انور دیکھ کر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے، اشکوں اور چیخوں پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا، آپ کی آنکھیں اور چہرہ دیکھ کر دل پر جو قیامت بیتی بتا نہیں سکتا، یہ وہی آنکھیں تھیں جو میرے کسی چٹکلے پر بڑے محبوبانہ انداز میں مسکرایا کرتی تھیں، یہ وہی لب تھے جن سے سدا پھول برسا کرتے تھے، آج یہ آنکھیں، یہ لب خاموش کیوں تھے، یتیموں اور بے کسوں کا غم سے چور چور ہجوم ایک جھلک دیکھنے کو ٹوٹا پڑ رہا تھا، بے حال لوگوں کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا، کون کسے تسلی دے؟ سب کا غم یکساں تھا اور دادا جان رحمہ اللہ آہ و بکا کے اس ہنگامہ سے بے نیاز چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اور طمانیت سجائے چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ بیماری کی وجہ سے پچکے ہوئے گال دوبارہ بھر چکے تھے اور رنگ جو آخر عمر میں کافی گندمی ہو چکا تھا، اب پھر صبحِ نو کی طرح نکھر آیا تھا گویا "فاما اللذین ابیضت وجوھھم ففی رحمة الله" کا دلفریب نظارہ سامنے تھا۔

کچھ دیر بعد میت کو اٹھا کر اسٹیج پر لایا گیا اور چند بیانات کے بعد تایا جان مولانا زاہد الراشدی نے دادا جان کی وصیت کے مطابق ان کا جنازہ پڑھایا جنازے کے بعد آپ کو اس منزل کی طرف لے جایا گیا جہاں ہر انسان نے بہر صورت جانا ہی جانا ہے اور مغرب کے قریب جب آفتابِ دنیا شفق پر لہو کے رنگ بکھیرتا ہو مغرب میں ڈوب رہا تھا، علم و حکمت اور تقویٰ و جوانمردی کا یہ آفتاب بے شمار غمزدوں کے دلوں کو لہو لہو کرتا ہوا گکھڑ کے قدیمی قبرستان میں گم ہو گیا۔

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی	اک مسافر کی رہ تمام ہوئی
شب سیہ پوش ہو گئی غم سے	صبح کی آنکھ لالہ فام ہوئی
جب ملے دل سے دل قریب ہوا	روح سے روح ہم کلام ہوئی
لاکھ گرہوں میں بندھی پھر بھی	مشک و عنبر کی موج عام ہوئی

قارئینِ کرام سے دست بستہ درخواست ہے کہ اس ناکارہ کے لیے اور حضرت دادا جان کے تمام اہلِ خاندان اور متعلقین کے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں آخری سانس تک حق پر استقامت نصیب فرمائیں۔ ہمیں دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائیں اور خاتمہ بالخیر فرمائیں آمین۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور خوشنودی سے مالا مال فرمائیں۔

نجانے آج کیوں سردیوں کی وہ خنک رات یاد آ رہی ہے جب میں رات کے آخری پہر بڑے

مزے سے دادا جان کی چارپائی کے ساتھ بیٹھ کر انہیں ''کیفیات'' کی ایک غزل' معانی ومفاہیم سے بے خبر ہو کر سنا رہا تھا، آج اس غزل کا ایک ایک جملہ یاد آ آ کر تڑپا رہا ہے، اسی غزل پر اپنی اس تحریر کا اختتام کرتا ہوں۔

رہ رہ کے ترا دردِ چمکتا ہی رہے گا
یہ شعلۂ بیتاب لپکتا ہی رہے گا
دیوانے گذر جائیں گے ہر منزل غم سے
حیرت سے زمانہ انہیں تکتا ہی رہے گا
آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا
کیفی رہِ الفت میں قدم سوچ کے رکھنا!
اک بار جو بھٹکا تو بھٹکتا ہی رہے گا

ادائیگی قرض کے لیے پریشان ہونا

قاضی عبدالرحمٰن فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے مجھ سے سو روپے قرض لیا، نصرۃ العلوم کے ساتھ گلی میں مسجد تھی میں وہاں امام تھا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ گکھڑ سے گوجرانوالہ اڈے تک گاڑی میں آتے وہاں سے پیدل مسجد تک آتے، وہاں وضو فرماتے پھر مجھے ساتھ لیکر مدرسہ میں پڑھانے تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت سے کافی بے تکلفی تھی حضرت کبھی کبھی مذاق بھی فرماتے تھے'' میں نے پھر اس مسجد کی امامت چھوڑ دی اور پنجن کسانہ ضلع گجرات چلا گیا، حضرت کو اطلاع بھی نہ کی اور رابطہ بھی نہ رکھ سکا۔ تقریباً تین سال بعد مجھے ایک سو روپے منی آرڈر وصول ہوا، میں نے سوچا کہ مجھے منی آرڈر بھیجنے والا کون ہوسکتا ہے۔ دیکھا تو وہ منی آرڈر امام اہل السنۃ کی طرف سے تھا، ساتھ حضرت نے شکوہ بھی لکھا ہوا تھا۔ ''کہ آپ بتا کر نہیں گئے اور رابطہ بھی نہ رکھا، میں نے آپ سے سو روپے بطور قرض لیے ہوئے تھے اسکی ادائیگی کے لیے کافی پریشان تھا کہ کیسے ادائیگی کروں اور کہاں کروں؟ آپ کی پنجن کسانہ میں موجودگی کی اطلاع ملتے ہی سو روپیہ منی آرڈر کر رہا ہوں، ملتے ہی مجھے اطلاع ضرور کر دینا تا کہ میرا بوجھ ہلکا اور پریشانی ختم ہو سکے۔''

(ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ)

سرفراز حسن خان حمزہ

میرے دادا جان

یادداشتیں......واقعات......مؤقف ومسلک......مزاج ومزاق

5 مئی 2009ء بروز منگل کی شب میرے لیے دردوالم اور تازندگی رہنے والے اُس ''غم'' کو اپنے دامن میں سمیٹ لائی جسے ٹالنے اور اس سے بچنے کی میں ہر روز دعائیں مانگا کرتا تھا۔اُس رات جب مدرسہ کے چوکیدار نے مجھے جگا کر کہا کہ آپ کا فون آیا ہے،تو فوراً ہی خیال دادا جان رحمہ اللہ کی طرف گیا، کیونکہ کافی دنوں سے آپ کی طبیعت ناساز تھی،فوراً زبان سے نکلا ''یا اللہ خیر!!'' اُن کی وفات کا سوچتے ہی میری روح کانپ گئی اور دِل بری طرح دھڑکنے لگا۔میرے لیے اس بات کا تصور بھی انتہائی خوفناک اور رنج والم کا باعث تھا۔مولانا جمیل عباسی مدظلہ سے وفات کی اندوہناک خبر سُن کر چند لمحے کے لیے تو میں بالکل ساکت وجامد ہوگیا، چند ساعتوں بعد زبان پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کا ورد جاری ہوا۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ''دادا جی'' ہمیں چھوڑ کر اس طرح اچانک چلے جائیں گے۔اور ہم ایک شفیق دادا، عظیم استاد، کامل مربی اور بے مثال مسیحا کے سہارے، عظیم رہبر کی راہنمائی اور سائبان سے محروم ہوکر نہ ختم ہونے والے مصائب وآلام کے لق ودق صحرا میں تنہا رہ جائیں گے۔

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کفِ دستِ ساقی چھلک پڑا
رہی دل کی دل ہی میں حسرتیں، کہ نشان قضاء نے مٹا دیا

ان کی خدمت میں گزرے ایام کا ایک ایک لمحہ میرے ذہن کی سکرین پر نمودار ہونے لگا۔اور آپ کی شفقتوں کی یاد نے میرے دل کو چیرنا شروع کردیا۔اور میں آپ کی سحر انگیز شخصیت اور بے مثال شفقت کی وسیع وعریض یادوں میں گم ہوگیا۔

جواب اس بات کا یارانِ محفل سوچنا ہوگا
ہمارے بعد کہاں سے ہم جیسے لاؤ گے؟

کمرے میں واپس لوٹتے ہی برادرِ صغیر عزیزم انس سلمہ کو جگایا اور اُسے صبر کی تلقین کے بجائے میں خود پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ چکے تھے۔آپ کی جدائی کا گہرا گھاؤ اس قدر اذیت ناک اور تکلیف دہ تھا کہ میرے لیے خود کو سنبھالنا مشکل تھا۔وہ میری زندگی کی دھوپ میں میرے لیے اک شجر سایہ دار تھے۔ان کی دعائیں میری زندگی کا انمول خزانہ اور ان کی خدمت میری زندگی کا اولین مقصد تھی۔اب میرے وہ مخدوم دادا اس دنیا سے منہ موڑ چکے تھے۔میں اگر زندہ بھی رہ گیا ہوں تو میری حالت اسی شخص کی مانند ہے جو منزل سے بے

خبر تپتے صحراؤں میں ننگے پاؤں اکیلا سفر کر رہا ہو۔

دامن جھٹک کے منزلِ غم سے گزر گیا
اُٹھ اُٹھ کے دیکھتی رہی گردِ سفر اُسے

ویسے تو اُن کے جانے کا ''کربناک'' اور ''اذیت ناک'' زخم، پوری ''امت مسلمہ'' کو لگا۔ لیکن احقر کا صدمہ کچھ زیادہ ہی ہے۔ کیونکہ میرا تو ''سب کچھ'' وہی تھے۔ میرے دن رات، اور زندگی کی ہر صبح وشام انہی کے دم سے تھی، یہ تو گکھڑ میں رہ کر پڑھائی کی طرف توجہ نہ دینے کی وجہ سے تعلیمی سلسلے میں والد مکرم نے مجھے وہاں سے پہلے سرگودہا اور پھر بہاولپور بھیج دیا، ورنہ میرا جی تو گکھڑ کے علاوہ کہیں لگتا ہی نہ تھا، حتیٰ اپنا گھر بھی مجھے اپنا گھر نہ لگتا، بلکہ اجنبی سا معلوم ہوتا تھا، اور جب بھی میں گھر جاتا تو میرا دم گویا گھٹنے لگتا اور میں وہاں سے جلد از جلد دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت عالیہ میں پہنچنے کی کوشش کرتا۔ اور پڑھائی کے بارے میں میرا اور والد صاحب کا نظریہ مختلف تھا، والد صاحب فرماتے تھے کہ خدمت کے ساتھ ساتھ پڑھائی کی طرف بھی توجہ دو! تا کہ وقت ضائع نہ ہو! جبکہ میرے دماغ میں یہ بات ہرگز گھسنے کے لیے تیار نہ تھی، والد صاحب کے برعکس میری سوچ اور نظریہ یہ تھا کہ ابھی موقع ہے خوب خدمت کرلوں، پڑھائی اگر نصیب میں ہوئی تو پھر بھی ہو جائے گی، لیکن اگر خدمت سے محروم رہ گیا تو ساری زندگی افسوس رہے گا، بالآخر وہی ہوا، جس کا مجھے خدشہ تھا، دادا جان رحمہ اللہ چلے گئے اور میں اُن کی کما حقہ خدمت کی سعادت سے محروم رہا، جس کا افسوس تا دمِ آخر ہوتا رہے گا، خیر والد صاحب کا آرڈر یعنی کہ لوہے کا گارڈر تھا تو اُن کے فرمان پر بادلِ نخواستہ سامان اُٹھا کر گکھڑ سے گجرات چلا آیا، مہینہ ایک گھر ٹھہرنے کے بعد سرگودہا جامعہ مفتاح العلوم میں داخل ہوا اور وہاں متوسطہ سوم کا وفاق کا امتحان دیا، ثانیہ تک وہاں رہا، ثالثہ سے دار العلوم مدنیہ بہاولپور تشکیل ہوگئی، اب تک مدنیہ میں ہی زیرِ تعلیم ہوں۔ گکھڑ سے جانے کے بعد ہر چھٹیوں میں اپنی پوری کوشش کر کے زیادہ سے زیادہ وقت دادا جان کی خدمت میں گزارنے کی کوشش کرتا، اب اس انتظار میں تھا کہ کب اس پڑھائی سے فارغ ہو جاؤں اور جی بھر کر دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت کروں، آہ! افسوس صد ہا افسوس میری بدقسمتی پر.... زندگی کی سبھی خوشیاں اور تمام اُجالے آپ ہی کے دم سے تھے، اب تو ہر سمت ظلمت ہی ظلمت ہے

رنگ وخوش بو کے حسن وخوبی کے   تم سے تھے جتنے استعارے تھے

اب ہر لمحہ ان کی یاد کا غم دل کو ہچکولے دیتا رہتا ہے۔ اُن کی مفارقت کا زخم بالکل تازہ ہے، اور شاید یہ آخری سانس تک ہرا ہی رہے گا۔ مجھے آج جگر مرادآبادی مرحوم کے چند اشعار بہت یاد آرہے ہیں

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی، نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے ہیں، وہ پھر رہے ہیں، یہ آرہے ہیں، وہ جا رہے ہیں
وہی قیامت ہے قد بالا، وہی ہے صورت، وہی سراپا
لبوں کو جنبش، نگہ کو لرزش، کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

وہی لطافت، وہی نزاکت، وہی تبسم، وہی ترنم
میں نقش حرماں بنا ہوا تھا، وہ نقش حیرت بنا رہے ہیں
خرام رنگیں، نظام رنگیں، کلام رنگیں، پیام رنگیں
قدم قدم پر روش روش پر نئے نئے گل کھلا رہے ہیں
شباب رنگیں، جمال رنگیں، وہ سر سے پا تک تمام رنگیں
تمام رنگیں بنے ہوئے ہیں، تمام رنگیں بنا رہے ہیں
اب آگے جو کچھ بھی ہو مقدر، رہے گا لیکن یہ نقش دل پر
ہم اُن کا دامن پکڑ رہے ہیں، وہ اپنا دامن چھڑا رہے ہیں
یہ اشک جو بہہ رہے ہیں پیہم، اگر چہ سب ہیں یہ حاصل غم
مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بھی کچھ مسکرا رہے ہیں

جی ہاں! داداجان رحمہ اللہ تو اب چلے گئے، اب تو ان کی باتیں اور یادیں ہی دل سے ہم کنار ہو کر کبھی ''غم'' دیتی ہیں، کبھی ''حوصلہ''۔ دل ناتواں اور قلب مضطر کو سکون وقرار ہے ہی نہیں۔ آج میرے لیے آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر دعا کرنے والا وہ مہربان دادا اس دنیا میں نہیں۔ راتیں آنکھوں میں کٹتی ہیں، پل بھر کو لگی بھی تو بیدار ہوتے ہی اُن کی یادوں کے خاموش سمندر میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے، مندمل ہوتے زخم دوبارہ سے رسنے لگتے ہیں، اور ان کی جدائی کا صدمہ پھر سے تازہ ہو جاتا ہے، تو دل ڈوبنے لگتا ہے اور اپنے آپ کو اس بھری دنیا میں تنہا محسوس کرنے لگتا ہوں۔

ہوش وحواس گم ہوئے کیسا فراق ہے　　　کر کے عجیب حال وہ کہاں کھو گیا
آسانیاں چلی گئیں ساری اسی کے ساتھ　　　جینا بھی اب محال ہے وہ کہاں کھو گیا

؎ وہ مزا، وہ حظ، وہ دورِ مے کشی جاتا رہا
زندگی اب کیا ہے کیفِ زندگی جاتا رہا

اس وقت جب میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں، کئی خوشگوار وخوبصورت مناظر میرے دماغ میں ایک دوسرے پر سبقت لے کر نوک قلم پر آنے کے لئے بے تاب ہیں....

کانوں میں وہی گونج، نظر میں وہی صورت　　　وہ نغمہ بھی یاد ہے، وہ نغمہ سرا بھی یاد

وجہ ظاہر ہے کہ میری ''پُر تقصیر آنکھیں'' اُن کی زندگی میں بعض اوقات بہت خوش نصیب ہوا کرتی تھیں، مجھے کئی بار ان کی صحبت نصیب ہوئی، میں نے ان کے شب وروز، سفر وحضر دیکھے۔ اب تو سب کچھ خواب کی مانند نظر آتا ہے، کئی بار قلم اٹھایا کہ ان ''حسین یادوں'' کو ''داداجی رحمہ اللہ'' کے تلامذہ، مریدین، معتقدین اور محبین کے لیے محفوظ کر دوں، مگر جب بھی قلم اٹھایا، یقین کریں کچھ بھی نہ لکھ پایا، اور ہر بار بری طرح ناکام ہوا، آج یہ چند الفاظ بھی

شاید اسی صدمے نے باہر نکال دیے، اگر یہ صدمہ دل پر کچو کے نہ لگا تا تو یہ چند سطریں بھی نہ لکھی جاتیں۔

ہمارے ''داداجی'' تو ویسے ہی بہت ''معصوم'' بالکل بچوں جیسے لگتے تھے، ''صاف دل''، ''پاکیزہ روح'' اور دنیا سے بے غرض،۔ وہ اپنے بلند ترین ''علمی'' اور ''روحانی'' مقام کے باوجود ''ہنس مکھ'' تھے، خود بھی مسکراتے اور لطائف وظرائف سے دوسروں کی روح تک کو مسکرانے پر مجبور کر دیتے تھے۔آپ سے ملنے کے لیے جب کوئی آتا اور ہم عرض کرتے کہ ''کوئی بندہ ملنے آیا ہے'' تو مزاحاً فرماتے ''بندہ ہے یا مولوی؟''۔

ان بے مثال کمالات کے ساتھ اللہ نے آپ کو دینی اور مسلکی غیرت سے بھی خوب نوازا تھا، جس کے واقعات مشہور ہیں، چند ایک ان شاء اللہ اپنے مقام پر ذکر کروں گا، ابھی تک ان کی ''دینی غیرت'' اور ''مسلکی حمیت'' دل ودماغ پر خوشبو بکھیر رہی ہے۔اس وقت جو حالات پیدا ہو چکے ہیں، اسلام اور اہل اسلام بالخصوص ''ہم وطنوں'' پر جو کڑا وقت آیا اس میں مجھے اپنے روشن پیشانی والے ''غیور'' دادا کی فکر اور کڑھن بہت یاد آ رہی ہے، جسکا تذکرہ قوم کی مردہ نبضوں میں احساس کو زندہ کرنے کے لیے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔اور اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اُن کا اور اُن کی ''فکر'' کا تذکرہ کیا جائے۔داداجی نوراللہ مرقدہ کی صحبت جس کو نصیب ہوتی وہ اپنے دل میں ''سکون''، ''ہمت'' اور ''ٹھنڈک'' محسوس کرتا تھا۔جب وہ موجود تھے تو چند لمحے آپ کی صحبت میں گزارنے سے دل کی پریشانی اور میل دور ہو جاتی تھی۔کئی ایسے لوگ جو گناہوں میں بری طرح پھنس چکے تھے، تھوڑی دیر آپ کے ساتھ بیٹھتے ہی آزاد ہو گئے اور انہیں ''توبہ''، ''استغفار'' اور ''انابت الی اللہ'' کا راستہ نصیب ہو گیا۔آیئے! کچھ دیر اُن کی میٹھی باتیں اور اُن کی پرنور محفل کا پرکیف تذکرہ کرتے ہیں۔

☆...... حضرت داداجان نوراللہ مرقدہ کی شخصیت مجموعہ محاسن بلکہ ایک ''حسین گلدستہ'' تھی۔جس میں رنگہا رنگ کے خوبصورت پھول جمع کر دیے گئے تھے۔اُن کے پاس سب کچھ تھا۔''علم''، ''عمل''، ''اخلاص''، ''نسبت''، ''مردانگی''، ''حق گوئی''، ''فقاہت''، ''نجابت''، ''ذوق'' اور ''دلیری''۔اور ان تمام اوصاف میں آپ کا نمایاں اور بے مثال وصف ''علم'' تھا۔جس کی جھلک آپ کی تصانیف، آپ کی مجالس، آپ کی گفتگو، آپ کی تدریس غرضیکہ ہر جگہ نظر آتی تھی۔آپ بیک وقت مفسر، محدث، مؤلف، مصنف، مؤرخ، مرشد، متکلم، مدرس اور اپنے اکابر کے صحیح جانشین تھے۔پوری دنیا آپ کی علمی سخاوتوں سے بہرہ ور تھی۔لیکن میری بدقسمتی کہ سوائے اُس ٹوٹی پھوٹی خدمت کے جو اَب میری ''زندگی کا سہارا'' ہے، اور کچھ بھی اُن سے حاصل نہ کر سکا۔اُن کے علوم وفیوض سے ایک عالم فیض یاب ہوا لیکن میں اپنی نا اہلی کی وجہ سے محروم رہا۔اگرچہ اُن کی طرف سے بندہ پر بے انتہا شفقتیں، عنایتیں اور مہربانیاں رہیں....

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل ۔۔۔ نسیم سحر یہ سب تیری مہربانی ہے

حقیقت یہ ہے احقر ''ظلوم وجہول'' اُن کی کسی بھی معمولی عنایت کی بھی قدر نہ کر سکا۔اللہ رب العزت عفو اور درگزر والا معاملہ فرمائے اور مجھے داداجان رحمہ اللہ کے جانشینوں سے کماحقہ کسب فیض کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔

تقریباً دس ماہ تو مسلسل آپ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہا، پھر جب تعلیمی سلسلہ میں سرگودھا چلا گیا تو مدرسہ کی تعطیلات، بالخصوص شعبان، رمضان کے دنوں میں مسلسل اُن کی خدمت میں رہتا، اس کے علاوہ بھی جب کبھی موقع ملتا تو گکھڑ پہنچ جاتا، بالخصوص جمعرات کو تو اکثر آخری سبق سے فارغ ہوتے ہی گکھڑ کا رُخ کرتا اور وہاں سے ہفتہ کی شب تقریباً 12 بجے براستہ لاہور سرگودھا روانہ ہو جاتا اور صبح 4/5 بجے مدرسہ میں پہنچ جاتا۔ کیونکہ اُس وقت رات کو گوجرانوالہ سے سرگودھا کی گاڑی نہ ملتی تھی، لہٰذا براستہ لاہور جایا کرتا تھا۔ اسی دوران داداجان رحمہ اللہ کے ساتھ ''اسفار'' کی سعادت ملی، گکھڑ سے باغ آزاد کشمیر......اور ''پشاور''، ''گلگت''، ''سکردو''، ''بٹگرام''، ''مانسہرہ''، ''بہاولپور''، رحیم یار خان''، ''سرگودھا''، ''لاہور'' اور ''گوجرانوالہ'' کے لمبے چھوٹے خوبصورت اور یادگار سفر، ایک دو نہیں بے شمار۔ اور گھر میں تو مسلسل کئی ماہ، اور بارہا کئی کئی ہفتے ان کے ''قرب'' اور ''خدمت'' کی سعادت ملی۔ دو یادگار سفر احقر نے جو اُن کی معیت میں کیے، ایک گلگت، سکردو اور باغ کا تھا، جبکہ دوسرا بہاولپور، رحیم یار خان، خانپور اور دین پور شریف کا تھا۔ اُن کے ساتھ رفاقت اور قربت کی داستان کئی جلدوں پر محیط ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے۔ ان کی زندگی بہت ''دلربا''، ''قابل رشک'' اور ''حسین'' تھی۔ اُن کے ساتھ معمولی تعلق رکھنے والا بھی اپنی قسمت پر ناز کرتا تھا۔ ''علم'' و ''عمل''، ''زہد'' و ''تقویٰ'' اور ''اخلاص'' کے اس پیکر کے لیے تواضع کا کوئی عمل مشکل نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود کو چھپاتے تھے مگر ہر اک ادا سے نکھرتے تھے، علم کا یہ حال تھا کہ حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ جیسے علم و فضل کے بحرِ بے کنار فرماتے تھے کہ ''شیخ صفدر (رحمہ اللہ) کے علم کی اگر زکوٰۃ نکالی جائے تو میرے جیسے ''غنی'' ہو جائیں''۔!!اور دیگر اکابرین جو بذات خود شیوخ حدیث اور علم میں رسوخ کے حامل تھے وہ انہیں دیوبندیوں کی طرف سے ''فرضِ کفایہ'' شمار کرتے تھے۔ سادگی کا یہ عالم تھا کہ فریج جب نیا نیا آیا تو کسی نے آپ کو دعا کے لیے اپنے گھر آنے کی دعوت دی، آپ نے حسب عادت خندہ پیشانی سے قبول کی اور مقررہ وقت پر ان صاحب کے گھر تشریف لے گئے، (آپ نے چونکہ ٹی وی نہیں دیکھا ہوا تھا، فقط سنا ہوا تھا، لہٰذا اندر پڑے فریج کو آپ ٹی وی سمجھے اور۔) جوں ہی بیٹھک میں داخل ہوئے، فوراً ''لاحول'' پڑھتے باہر کی طرف آئے اور غصہ سے اُن صاحب کو فرمایا ''مجھے اس لیے بلایا تھا؟ اندر ٹی بی (ٹی وی) رکھی ہوئی ہے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! وہ تو فریج ہے! فرمایا وہ کیا ہوتا ہے؟ عرض کیا چیزیں ٹھنڈی کرنے کی مشین ہے۔ آپ نے اسے چیک کیا پھر تسلی ہوئی اور وہاں تشریف فرما ہوئے۔ استغناء میں آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی یاد تازہ کر دی۔ بڑے عہدوں کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ چنانچہ جب آپ نے ضعف و علالت کی بنا پر استعفا دیا تو ''جامعہ نصرۃ العلوم'' کی انتظامیہ نے آپ کی خدمت میں پندرہ لاکھ روپے بطور پنشن پیش کرنا چاہے کہ آپ نے نصف صدی تک مدرسہ میں عظیم خدمات سرانجام دیں، لیکن آپ نے وہ خطیر رقم وصول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ پہلے ارباب فتویٰ سے اس کے متعلق فتویٰ لیں۔ اور حیرت اس بات پر ہے کہ کبھی اس صفت پر فخر نہیں فرمایا اور نہ کبھی ''زہد فروشوں'' کی طرح استغناء کو اپنے ماتھے کا جھومر قرار دیا۔ آپ ''جامعہ نصرۃ العلوم'' کے شیخ الحدیث، صدر مدرس اور ناظم تعلیمات بھی تھے، ترجمہ و تفسیر قرآن کریم،

بخاری کی دونوں جلدیں اور دیگر کئی کتب آپ کے زیر تدریس تھیں، مفتی حضرات کے فتاویٰ کی نگرانی اور تصدیق بھی کرتے تھے، جلسوں اور دینی اجتماعات میں بھی شرکت رہتی تھی، مسلسل تصنیفی کام بھی کرتے تھے، مریدین کی ڈاک کا جواب بھی مرحمت فرماتے تھے اور وقتاً فوقتاً مختلف جرائد ورسائل کے لیے مضامین بھی تحریر فرماتے تھے۔ الغرض ان کے بہت کام تھے اور ہر کام اتنا بھاری کہ سوچتے ہوئے بھی پسینہ آتا ہے۔ مگر آپ اکیلے ہی ان سب کو انجام دیتے تھے۔

دن رات کام کرنے میں اُن کا سکونِ دل ۔۔۔ باطل کے انتقاد میں چلتی رہی مشین
کیا خوب تھا تزکیہ، تھی تقریر دلپذیر ۔۔۔ تدریس عالی شان تھی، تصنیف بہتریں
تاریکیوں کے دور میں وہ تھے نقیبِ حق ۔۔۔ اب بن گئے ہیں اہلِ فلک کے وہ ہم نشیں
آوازِ حق تھی شیخ کی باطل شکن رضا ۔۔۔ اُن کے قلم کی نوک میں تھا نورِ آتشیں

[رضاء الحق برطانیہ]

☆...... حضرت دادا جی رحمہ اللہ کو اُن کی زندگی میں اُن کے عقیدت مند مختلف القابات سے یاد کرتے اور اشتہارات میں اُن کے نام مبارک کے ساتھ ڈھیروں القاب لگاتے تھے۔ وقت کے اکابر علماء نے آپ کی دینی، مسلکی اور نظریاتی کاوشوں....اور ''مسلک دیوبند'' کے ''دفاع'' اور ''پرچار'' کے لیے....آپ کی ان گنت محنتوں، بے مثال جدوجہد اور عظیم خدمات کو دیکھتے ہوئے، متفقہ طور پر آپ کو اپنا اور جملہ ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا ''امام'' تسلیم کرتے ہوئے آپ کو **''امام اهل السنة والجماعة''** کا لقب دیا۔ بلاشبہ آپ اپنے وقت میں اس لقب کے صحیح اور سب سے اکمل مصداق تھے۔ خداوند عزوجل نے آپ سے ''دین اسلام''، ''مذہب اہل السنۃ والجماعۃ'' اور ''مسلکِ دیوبند'' کی ترجمانی، دفاع، تحفظ اور اشاعت وپرچار کے لیے جو عظیم کام لیا، قیامت تک وہ ہم سب کیلئے ''نشانِ راہ'' اور ''سنگِ میل'' ہے۔ اپنی کتب میں جو کچھ بھی انہوں نے تحریر کیا وہ بالکل قرآن وسنت، مسلک احناف، اور نظریاتِ علماء دیوبند کے عین مطابق ہے۔ اس سے ''سرمو'' انحراف بھی گمراہی اور ''سم قاتل'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابرین دیوبند، حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید احمد علی سعید رحمہ اللہ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالقدیر رحمہ اللہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی شفیع سرگودھوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبداللہ رحمہ اللہ (ساہیوال)، حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ، حضرت مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ اور حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ وغیرہ نے آپ کی تصانیف کو امت پر آپ کا ''احسان عظیم'' اور امت کی طرف سے ''فرضِ کفایہ'' تسلیم کیا، اور اُن میں موجود نظریات کی پیروی کو ہی نجاتِ اُخروی اور خلاصی کا راستہ قرار دیا۔ اب اگر کوئی اُن کی تحقیق سے اختلاف کرے تو گویا وہ اُن تمام اکابرین سے اختلاف کررہا ہے جنہوں نے حضرت دادا جی رحمہ اللہ کی

کتب کو اپنی تقاریظ سے مزین فرمایا، اور اُن کی کلی تائید وتصویب فرمائی۔ اس کے بعد اتنی بات تو یقینی ہے کہ اُن کی کتب میں موجود نظریات سے تجاوز یا انحراف کرنے والا کم از کم ''اہل السنۃ والجماعۃ'' اور ''علماء دیوبند'' کے طائفہ منصورہ سے خارج ہے۔ چاہے وہ اُن کا کوئی قریبی عزیز ہو یا شاگرد.... مرید ہو یا عقیدت مند.... اُن کا نام لیوا ہو یا کوئی اور.... یہ بات یقینی اور لازمی ہے کہ اُس کا علماء دیوبند سے کوئی تعلق نہیں۔

☆...... آپ ایک مایہ ناز مدرس اور قابل فخر معلم بھی تھے، ہزاروں تشنگانِ علم نے دور دور سے آ کر آپ سے کسبِ فیض کیا۔ بالخصوص آپ رحمہ اللہ کا شعبان و رمضان کی سالانہ چھٹیوں میں منعقد ہونے والا تقریباً پچاس روزہ دورہ تفسیر تو ایسا مشہور ومقبول ہوا کہ اس کی مثال دیکھنے میں نہیں آتی۔ دارالعلوم دیوبند (ہندوستان)، بنگلہ دیش، ایران، سعودی عرب، انڈونیشیا، جنوبی افریقہ، افغانستان اور برما سمیت دنیا بھر سے طلباء جوق در جوق آپ کے دورہ تفسیر میں شریک ہوتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ آپ ''استاذ المحدثین'' تو تھے ہی دنیا نے آپ کو ''محدثِ عرب وعجم'' بھی تسلیم کیا۔ چنانچہ آپ کے سینکڑوں شاگرد، دنیا بھر میں حدیث پاک کی خدمت میں مصروف ومشغول ہیں۔ کتب احادیث پر آپ کی گہری نظر تھی، خود فرمایا کرتے تھے کہ ''شاید ہی دنیا میں حدیث کی کوئی کتاب ہو جو میری نظر سے نہ گزری ہو''۔ حافظہ اس قدر غضب کا تھا کہ دورانِ درس پورے اعتماد کے ساتھ ایسی ایسی کتب کے حوالے دیتے تھے جن کا مطالعہ آپ رحمہ اللہ نے کئی کئی سال قبل کیا ہوتا تھا۔ اکثر صفحہ نمبر بھی بتا دیتے اور بعض اوقات تو عبارات بھی پڑھ کر سنا دیتے۔ خاص طور پر کتب حدیث ''صحاح ستہ'' اور جلالین شریف کی عبارات تو اکثر زبانی پڑھ دیتے اور پھر بعض اوقات طلباء کے اطمینان کی خاطر کتاب کھول کر طلباء کی تسلی بھی کرا دیتے تھے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب، تفاسیر ''قرطبی''، ''روح المعانی''، ''کشاف''، ''مظہری'' اور دیگر کتب ''نبراس'' وغیرہ کے حوالے بمع صفحہ نمبر بتاتے تھے۔ اور خود فرما دیتے تھے کہ ''اب تو بوڑھا ہو گیا ہوں زیادہ مطالعہ نہیں کر سکتا، جس زمانہ میں تندرست تھا، الحمد للہ بہت تفسیریں دیکھیں ہیں، سب کی باتیں ابھی تک صفحہ نمبر سمیت یاد ہیں'' اور مطالعہ اس قدر وسیع تھا کہ دنیا بھر میں آپ رحمہ اللہ کی مثال ملنا مشکل ہے، بعض اوقات آپ رحمہ اللہ تحدیث نعمت کے طور پر خود فرمایا کرتے تے کہ ''برصغیر میں شاید کسی نے اتنا مطالعہ کیا ہو جتنا بفضلہٖ تعالیٰ مجھے توفیق ملی ہے''۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: ایک مرتبہ خادم (راقم) مدرسہ خلفاء راشدین احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور میں حاضر ہوا تو ایک صاحب ملے۔ جب خادم نے تعارف کرایا تو بڑی ہی عقیدت ومحبت سے ملے اور نہایت اکرام فرمایا اور بتایا کہ میں نے حضرت رحمہ اللہ کے پاس دورہ تفسیر پڑھا تھا۔ ان سے مل کر خادم کو بھی خوشی ہوئی۔ دوران گفتگو وہ فرمانے لگے کہ ہمارے حضرت تو اس وقت دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ خادم نے خاموشی اختیار کی، پھر فرمانے لگے کہ ہمیں حضرت نے خود فرمایا تھا کہ ''اس وقت دنیا میں مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں''۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون''، خادم نے عرض کیا کہ یقیناً آپ بھول رہے ہیں دادا جان (رحمہ اللہ) نے ایسا دعویٰ کبھی بھی نہیں کیا۔ اور نہ ہی کر سکتے ہیں کیونکہ اس پر تو نص قطعی موجود ہے ''وفوق کل ذی علمٍ علیم''۔ البتہ دادا جان

(رحمہ اللہ) اتنا ضرور فرماتے ہیں کہ ''برصغیر میں شاید کسی نے اتنا مطالعہ نہ کیا ہو جتنی بفضلہٖ تعالیٰ مجھے توفیق ملی ہے''، اور بس....لہٰذا اگر اور کوئی صاحب اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں تو وہ بھی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین فرمالیں۔)

بات سمجھانے اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کرانے کا ملکہ خداوند قدوس نے آپ کو کامل و اکمل طور پر عطا کیا تھا۔ الفاظ کو ایسے واضح اور صاف کر کے بولتے کہ ایک ایک لفظ دل میں اترتا چلا جاتا تھا اور ہر ہر بات کا مفہوم ذہن نشین ہوتا چلا جاتا تھا۔ خاص طور پر مشکل الفاظ اور عبارات تو ایسے واضح فرماتے کہ سامع کے ذہن میں کئی کئی سال تک وہ لفظ صحیح تلفظ اور درست اعراب کے ساتھ گونجتا رہتا تھا۔ خود احقر نے ان کے دورہ تفسیر کی ''سی ڈیز'' سنیں ، یقین کیجئے کئی ماہ گزرنے کے باوجود ابھی تک اُن کے الفاظ اور انداز، مشکل الفاظ کو زور دے کر واضح کرنا، نہایت ہی پیارا اور دلنشین آسان ترجمہ کرنا، کتب تفسیر و حدیث کے حوالوں پہ حوالے دینا، گویا کہ حوالوں کی بھرمار کر دینا، جن آیات سے اہل باطل استدلال کرتے ہیں اُن کی نشان دہی کرنا، اور ان کے استدلال کا طریقہ اور اسکا رد بتانا، اور جن آیات سے اہل باطل کے خلاف استدلال کیا جاتا ہے اُن سب کی بھی نشان دہی کرنا اور طریق استدلال خوب ذہن نشین کرانا، صرفی نحوی اشکالات اور قابل قدر اعتراضات کا تسلی بخش، باحوالہ، مدلل جواب دینا، طلباء کرام کو بے انتہاء مشفقانہ انداز سے مخاطب کرنا، سبق میں توجہ رکھنے کی خاطر کوئی کوئی مقام کسی سے سن لینا، دوران سبق دلچسپی کا پورا سامان مہیا کرنا، یہ سب کچھ ذہن میں گھوم رہا ہے اور ان کی دل کش آواز کانوں میں گونجتی محسوس ہو رہی ہے۔ خاص طور پر اُن کا جملہ ''اے مخاطب'' تو احقر کو بہت ہی بھاتا تھا، ابھی تک لہجہ کی حلاوت اور مٹھاس محسوس ہو رہی ہے۔ یہ تو ''سی ڈیز'' سننے والے کا حال ہے، جن خوش نصیبوں نے آپ کے سامنے بیٹھ کر آپ کے درس کے مزے لوٹے ہوں گے ان کی کیا کیفیت ہوگی....؟

کریما سے لیکر بخاری شریف تک تمام کتب کئی کئی سال آپ کے زیر درس رہیں، خاص طور پر بخاری شریف تو تقریباً مسلسل 45 سال آپ کے زیر درس رہی، 2001 میں فالج کی بنا پر جب تدریس چھوڑی تو ایک دن مجھے فرمایا کہ بیٹا! ''سب سے لمبی سروس اس وقت میری ہے، میں نے کل 70 سال تدریس کی ہے، لیکن اب کمزور ہو گیا ہوں، ہمت نہیں رہی، اس لیے میں نے نصرۃ العلوم سے استعفیٰ دے دیا ہے وہ بھی پریشان ہیں کہ اُن کو کوئی پرانا آدمی نہیں مل رہا، دعا کرنا اللہ خیر کرے''۔ پھر 500 روپے عنایت فرمائے اور فرمایا کہ پہلے کھلے دل سے دیتا تھا، اب تنخواہ بند ہو چکی ہے، اس لیے اسی پر گزارا کرو!۔ حالانکہ عمر کے لحاظ سے اس وقت میرے لیے 100 روپے بھی بہت زیادہ تھے۔ کیونکہ میری عمر اس وقت فقط 13 سال تھی۔

آپ کے زمانہ تعلیم ہی سے آپ کی تدریس آغاز ہو گیا تھا۔ جو تاصحت پوری آب و تاب سے جاری وساری رہا۔ بڑے اساطین علم نے آپ سے کسبِ فیض کیا، اور دورِ حاضر کے اکابرین نے آپ سے اجازتِ حدیث حاصل کی، چنانچہ آپ کے شاگردوں اور اجازتِ حدیث حاصل کرنے والوں میں مصلح الامت شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ، استاذ المحدثین، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الاسلام شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود میاں صاحب مدظلہ، شیر اسلام حضرت مولانا علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ، جیسے بڑے بڑے اصحابِ علم وفضل شامل ہیں۔آپ کی تفسیری وحدیثی خدمات کی چہار دانگ عالم میں ایک دھوم مچی ہوئی ہے، بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد ہونے پر فخر کرتے نظر آتے ہیں۔اپنے وقت کے شیخ الاسلام اور مفتی اعظم بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کو اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے، چنانچہ جب آپ دارالعلوم کراچی میں تشریف لے گئے تو شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ خود بخاری شریف لے کر آپ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور آپ کو حدیث مبارکہ سنا کر آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ وغیرہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازتِ حدیث حاصل کی۔

اے رہنمائے دین ودنیا میر حق پسند — نازاں ہے تیری ذات گرامی پہ دیوبند
کتنا ترا مقام فضیلت ہے ارجمند — ہر ذرہ تیری خاک کا گردوں سے سر بلند

اس کے ساتھ ساتھ تواضع اور اکابرین کا ادب بھی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چنانچہ آپ کے سکول کے ایک استاد جن سے آپ نے فقط ڈیڑھ کلاس پڑھی ان کا اس قدر ادب واحترام کرتے اور اس قدر اکرام فرماتے کہ دیکھنے والے حیران وششدر رہ جاتے۔قریب سے ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس پاک شخصیت کا خمیر ''ادب'' اور ''تواضع'' سے گوندھا گیا ہے۔آپ کمالات ومحاسن کے ایسے جامع تھے کہ آپ کی تواضع، سادگی، بذلہ سنجی اور ہنس مکھ طبیعت کے پردے ہٹا کر آپ تک کوئی پہنچ جاتا تو وہ اپنے سامنے ایک ''گہرا سمندر'' پاتا، سکون اور گہرائی کا عجیب مرقع۔ہزاروں افراد کو ''عالم'' بنانے کے باوجود اپنے آپ کو ان سب سے کمتر وحقیر سمجھنے والی اس ہستی کی کون کون سی صفات کا ذکر کروں؟

چند بے جان الفاظ میں افسوسِ جلیل — کہیں مضمون محبت کا ادا ہوتا ہے؟

بندہ ناچیز پر آپ کی اس قدر شفقتیں رہتی تھیں کہ ان کا شمار، مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے، جب احقر اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تو گاہے بگاہے رقم سے نوازتے رہتے، حالانکہ آپ خود بھی استعفیٰ دے چکے تھے اور اتنی فراخی نہ تھی مگر میرا اس قدر خیال رکھتے کہ مجھے شرم آنے لگتی تھی۔......رات بھر یا دن کا کافی حصہ جب آپ کی خدمت کی خاطر آپ کے پاس بیٹھا رہتا اور دباتا رہتا یا مختلف کتب وغیرہ آپکو سنائے رکھتا، تو اس دوران جب بھی آپ محسوس فرماتے کہ اب اسے بیٹھے کافی ٹائم ہو گیا ہے تو از خود فرماتے کہ جاؤ! 15/20 منٹ باہر چکر لگا آؤ! سیر کر آؤ! حالانکہ

بعض اوقات آپ کو ٹانگوں اور دیگر جسم میں اس قدر شدید تکلیف رہتی تھی کہ اگر کوئی دباتا رہے تو کچھ سکون ملتا ورنہ درد کی شدید لہریں بے چین کر دیتیں، قربان جاؤں آپ کے ایثار اور شفقت پر کہ اپنی تکلیف پر پردہ ڈال کر ہماری معمولی اکتاہٹ کا بھی خیال رکھتے تھے۔

اکثر رات بھر آپ کو نیند نہ آتی، دن بھر ہم مہمانوں کی آمد ورفت اور گھر کے کام کاج کی بناء پر نیند نہ کر سکتے، اس صورتحال کا علم آپ کو بھی تھا، چنانچہ جب رات کچھ بیت جاتی تو فرماتے بیٹا! اب لیٹ جاؤ! کچھ آرام کرلو! اور خود نیند نہ آنے کی بناء پر تمام رات آنکھوں میں کاٹتے، ذرا تصور کیجئے! ایک مجبور ولاچار شخص جو خود کروٹ بدلنے سے بھی قاصر ہو، اپنے بدن کے کسی عضو کو حرکت بھی نہ دے سکتا ہو، ٹانگ سیدھی کرنے میں بھی محتاج ہو اور مسلسل کئی سال سے بستر پر پڑا ہو، اس کی کیا کیفیت ہوگی؟۔......

سفر میں جب آپ کے ہمراہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ہر جگہ خیال رکھتے، کھانے کا پوچھتے، آرام کا موقع مہیا کرتے اور کسی بھی طرح بور نہ ہونے دیتے۔ اگر گھر کا کوئی فرد بیمار ہوتا تو آپ اس کا بے حد خیال فرماتے تھے، بعض اوقات احقر معمولی سر درد یا تھکاوٹ کی بنا پر گھر والوں سے یہ کہہ کر لیٹ جاتا کہ میری طبیعت خراب ہے میں ذرا لیٹنے لگا ہوں! اگر گھنٹی بجے تو کسی بچے کو باہر بھیج دیں، تو بچے یا کوئی اور آپ کے سامنے اگر کہہ دیتا کہ ''حمزہ'' کی طبیعت خراب ہے تو نہایت فکر مند ہو جاتے، بار بار دریافت کرتے، دوائی کی تلقین کرتے اور اس وقت تک آپ کو چین نہ آتا جب تک بیمار مکمل شفایاب نہ ہو جائے، یہ شفقت صرف گھر والوں پر نہ تھی بلکہ تمام اہلِ خاندان اس سے بہرور ہوتے تھے، بعض اوقات آپ خود مجھے فرماتے کہ ''فلاں رشتہ دار کو فون کرو! اور پتہ کرو فلاں کی طبیعت کیسی ہے؟ اسے کل بخار تھا؟ یا فلاں جگہ فون کرو! اور فلاں کا حال پوچھو! اُسے چوٹ لگ گئی تھی! وغیرہ وغیرہ۔......

☆...... ایک مرتبہ راقم کے چاچو کی ڈیڑھ سالہ بیٹی ''اغواء'' ہوگئی، دو افراد (انسان کی شکل میں دو شیطان) جو آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے جب باہر گلی میں نکلے اور بچی کو اکیلے پایا تو اسے اُٹھا کر چلتے بنے، پہلے پہل تو ہمیں علم نہ ہوا، کافی دیر بعد ایک شخص نے چاچو کو بتایا کہ آپ کی بچی ایک شخص نے اٹھا رکھی تھی، اس کا حلیہ ایسا ایسا تھا، چاچو فرماتے ہیں: ''کہ میرے ذہن میں فوراً وہ افراد گھومے جو اسی دوپہر ''اباجی'' کی زیارت کی خاطر آئے تھے، حلیہ ان پر فٹ آتا تھا، میں پریشان ہوا ''اباجی'' کو معلوم ہوا تو اس قدر پریشان ہوئے کہ مجھے اپنی پریشانی بھول گئی اور ''اباجی'' کی فکر لگ گئی، خیر آپ روتے ہوئے اپنا دامن پھیلا کر نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر دعائیں مانگتے رہے، میں نے یقین کرلیا کہ اب بچی ضرور مل جائیگی، آپ کی اس قدر گریہ وزاری کے ساتھ مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوگی، میں اللہ کا نام لے کر بچی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور پریشانی کے عالم میں گاڑی میں بیٹھا ''گوجرانوالہ'' کی طرف چل دیا 4/5 گھنٹے مسلسل تلاش کے بعد میں نے اچانک گاڑی سیالکوٹ روڈ پر موڑی تو سامنے ''چنگ چی'' رکشہ میں وہی افراد بیٹھے تھے، میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، گاڑی رکشے کے سامنے جا کر روکی اور تیزی سے اُن کی طرف بڑھنے لگا، وہ مجھے دیکھ بھاگ کھڑے ہوئے اور بچی کو ایک جانب پھینک دیا، میں نے بچی کو اٹھایا، گاڑی میں لٹایا، گاڑی لاک کی،

اُن کے پیچھے دوڑا، مگر وہ فرار ہو چکے تھے''۔اس تمام وقت میں دادا جان رحمہ اللہ کی بے چینی اس قدر تھی کہ اہلِ خانہ کو بچی سے زیادہ دادا جان رحمہ اللہ کی فکر ہونے لگی۔اہلِ خانہ پر آپ کی شفقت کے بے شمار واقعات ہیں جنہیں احاطۂ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔

اپنی یادداشت کے خانہ میں محفوظ چند واقعات، یادداشتیں اور آپ کے چند اقوال سپردِ قرطاس کرتا چلوں............

☆......2004 کے لگ بھگ کی بات ہے، ایک دن راقم دادا جان کو کرسی سے اٹھا کر چارپائی پر بٹھانے لگا تو آپ نے پہلوانی سے متعلق کوئی جملہ ارشاد فرمایا جو اَب صحیح یاد نہیں، میں نے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ دین کا پہلوان، مجاہد بنائے تاکہ جہاد......میری بات ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ اپنے مخصوص انداز میں زوردار طریقے سے ہاتھ نفی کے اشارے میں ہلاتے ہوئے فرمایا''نہیں! اللہ پہلوان نہ بنائے، دین کا خادم بنائے، عالم باعمل بنائے۔!''۔

☆...... آخر عمر میں جب فالج کی وجہ سے از خود چلنے پھرنے حتیٰ کہ کھانے پینے تک سے معذور تھے، تو ثرید بنا کر چمچ سے یا چھوٹے چھوٹے لقمے کر کے ہاتھ سے گھر والوں میں سے کوئی کھلاتا، اسی طرح چائے پلانی ہوتی تو پرچ میں ڈال کر پلائی جاتی (اس ناچیز کو بھی بارہا یہ سعادت نصیب ہوئی) سالن یا چائے گرنے اور کپڑے خراب ہونے کے اندیشے سے ایک کپڑا آپ کی گود میں بچھایا جاتا جس کے 2 کونے آپ کے کندھوں پر یا گردن پر ڈال دیے جاتے، اس وقت اگر کوئی بچہ پاس موجود ہوتا تو اسے بلا کر ازراہِ مزاح فرماتے''دیکھو! یہ مجھے پھانسی دے رہے ہیں؟ ان سے کہو خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں!''۔اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو فرماتے''اب بوڑھے کی سزا ختم کرو!''(اس کپڑے کو اتار دو۔)

☆...... سر پر تو ہمیشہ ٹنڈ کا معمول تھا، البتہ داڑھی کے لیے ایک لکڑی کا کنگھا آپ کی میز پر رکھا رہتا تھا، ایک روز میں آپ کی داڑھی میں کنگھا دے رہا تھا، بال الجھے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے کچھ کھچاؤ آیا تو ازراہِ مزاح مجھے فرمایا ''قصور میرا ہے، گناہ میں نے کیے ہیں، مجھے سزا دو! داڑھی کا کوئی قصور نہیں، اسے چھوڑ دو!''۔

☆...... ایک دن راقم نے اپنے نانا جان قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا وصیت نامہ سنایا، جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ''میں نے کبھی بھی مسجد، مدرسہ یا جماعتی فنڈ سے کوئی تنخواہ نہیں لی، اللہ رب العزت محض اپنے فضل وکرم سے رزق دیتے رہے ہیں۔اور مجھ پر کبھی زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہوئی۔'' یہ سنتے ہی دادا جان نے حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے مزاحاً ارشاد فرمایا''اُن کے پاس کوئی''جن'' ہوں گے، میرے پاس تو نہیں ہیں!''

☆...... ایک دن راقم نے پوچھا کہ مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور مفتی تقی عثمانی صاحب میں سے کون بخاری اچھی پڑھاتے ہیں؟ فرمایا''پتہ نہیں، میں نے کسی کا سبق نہیں سنا، البتہ معلومات تقی عثمانی کی زیادہ ہیں۔''

☆...... ایک مرتبہ میں نے سوال کیا کہ اس وقت آپ کی نظر میں پاکستان میں سب سے اچھا مدرس کون ہے؟ فرمایا''مولانا شمس الحق افغانی، جو دارالعلوم کراچی کے ناظم تعلیمات ہیں۔'' چند دن بعد ان کی وفات ہوگئی۔میں نے اخبار سناتے ہوئے ان کی وفات کی خبر سنائی تو بہت افسردہ ہوئے اور کافی دیر تک''اناللہ'' پڑھتے رہے۔اور دو یا تین

بارار شاد فرمایا کہ بہت قابل مدرس تھے۔

☆...... مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ کے بارہ میں فرمایا کہ ''بہت معقول آدمی ہے۔''

☆...... ایک دن خادم نے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے بارے پوچھا تو فرمایا: ''مدرس نہیں تھے، مقرر بہت اچھے تھے، جیویں تیرا پیو!'' (جیسے تمہارے ابو۔)

☆...... وفات سے چند روز قبل میں خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ درمیان والی الماری کے درمیان والے خانے میں دائیں طرف سے فلاں نمبر پر جو کتاب ہے وہ اٹھا لاؤ! میں لے آیا تو پوچھا ''کون سی کتاب ہے؟'' میں نے نام بتایا تو اثبات میں سر مبارک ہلایا۔ حالانکہ اُس وقت آپ کی علالت (فالج وغیرہ) کو تقریباً 9 سال گزر چکے تھے اور یہ سارا وقت آپ نے چارپائی پر گزارا، آنکھوں میں موتیا اتر آنے کی وجہ سے مطالعہ کرنے سے بھی قاصر تھے، بس کوئی سنانے والا مل جاتا تو کچھ سُن لیا کرتے تھے، اس کے باوجود حافظہ ایسا غضب کا تھا کہ کتب کی ترتیب، الماری اور خانہ وغیرہ سب کچھ یاد تھا، صرف اسی پر بس نہیں بلکہ مجھے فرمایا کہ ''فلاں صفحہ کھولو!'' میں نے مطلوبہ صفحہ کھولا، تو فرمایا کہ میرے قریب کرو! نظر خاصی کمزور تھی، اس لیے صحیح نظر تو نہ آرہا تھا، محض اندازے سے صفحے کی ایک جانب دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی رکھ کر فرمایا کہ ''یہاں میں نے نیلے قلم سے کچھ لکھا تھا، دیکھو موجود ہے؟'' بندہ نے اثبات میں جواب دیا تو نصف عبارت پڑھ کر فرمایا ''اُس سے آگے کیا ہے؟'' سبحان اللہ۔ میں حیران رہ گیا، کہ الماری نمبر یاد، خانہ نمبر یاد، کتاب نمبر یاد، صفحہ نمبر یاد، تحریر کا مقام یاد، حتیٰ کہ قلم کی سیاہی بھی یاد اور عبارت بھی یاد۔ میں نے اگلی عبارت پڑھ کر سنائی، آپ نے اثبات کے انداز میں ہاتھ ہلایا، چند لمحوں بعد فرمایا کہ کتاب واپس اپنی جگہ پر رکھ دو۔

☆...... بہاولپور کے ایک صاحب جو وضع قطع سے دنیا دار معلوم ہوتے تھے، مجھے ملے، تعارف ہوا تو فرمانے لگے کہ آپ کے دادا جان بہت ذہین آدمی تھے، میں ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، نام و مقام بتایا، کچھ دیر بیٹھا، پھر اجازت لیکر چلا آیا۔ چھ سال بعد دوبارہ حاضری ہوئی تو دیکھتے ہی فرمایا کہ ''آپ بہاولپور سے آئے ہیں؟'' میں نے تائید کی۔ اور سخت حیران ہوا کہ پہلی اور انتہائی مختصر ملاقات کے باوجود چھ سال بعد بھی آپ کو نام و مقام تک یاد تھا۔

☆...... سنا تھا کہ درس حدیث کے دوران جب امام بخاری رحمہ اللہ کے استادزادہ بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آپ کے سامنے آتے تو آپ احتراماً کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کی عملی صورت بندہ نے یا تو اپنے نانا جی قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہاں دیکھی یا پھر حضرت دادا جان رحمہ اللہ کے ہاں نظر آئی۔ استادزادہ، جو ہر لحاظ سے آپ سے چھوٹے شمار ہوتے تھے، ان کا اس قدر ادب کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ ''شیخ الاسلام سیمینار'' بہاولپور میں، میں نے یہ منظر دیکھا کہ جب فرزند شیخ مدنی رحمہ اللہ حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی دامت برکاتہم آپ کو ملنے کے لیے تشریف لائے تو آپ کی خوشی اور مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ باوجود بڑھاپے، کمزوری اور فالج کے آپ گویا احتراماً بچھے جاتے تھے۔ ملتے ہی پہلے سنت کے مطابق مصافحہ کیا، پھر اپنے استادزادہ کے ہاتھ چومے، آنکھوں سے لگائے، بڑی ہی عقیدت اور محبت سے بٹھایا اور حال احوال دریافت کیے۔

اس قدر ادب دیکھ کر ناظرین حیران وششدر رہ گئے، کیونکہ مولانا ارشد مدنی مدظلہ آپ سے ہر لحاظ سے چھوٹے تھے۔ پھر یہی منظر جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا کے سالانہ جلسے پر نظر آیا کہ آپ بستر پر لیٹے ہوئے تھے جب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ باوجودیکہ آپ خود اٹھنے سے بالکل قاصر تھے، بار بار اٹھنے کی کوشش کرتے۔ یہاں بھی پہلے مصافحہ کیا، پھر استادزادہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں کے قریب لے جانا چاہا تو حضرت مفتی صاحب نے شرمندگی سے پیچھے کھینچا اور عرض کیا کہ حضرت! میں اس قابل نہیں، مگر آپ باوجود انتہائی ضعف کے برابر ہاتھ ہونٹوں کے قریب لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ بالآخر مفتی صاحب نے آپ کی تکلیف کا خیال کرتے ہوئے ہاتھ ڈھیلا کر دیا اور آپ نے اس پر بوسہ دیا۔

☆...... شیخ الاسلام سیمینار (بہاولپور) میں شرکت کے لیے جب آپ اسٹیج پر پہنچے تو انتظامیہ کی طرف سے آپ کو ایک بیج لگایا گیا جس پر آپ کا نام درج تھا تاکہ سامنے بیٹھنے والے سامعین کو بزرگوں کی پہچان میں سہولت اور آسانی ہو۔ آپ نے جب بیج لگتے دیکھا تو بڑے ہی دلفریب اور مزاحیانہ انداز سے مسکراتے ہوئے مجھ سے سوال کیا: ''یہ بیج اس لیے لگایا ہے کہ کہیں ''بابا'' گم نہ ہو جائے؟'' میں نے جواباً عرض کیا کہ نہیں، یہ اس لیے لگایا ہے کہ ''باباجی'' بھاگ نہ جائیں۔ یہ سن کر آپ خوب مسکرائے۔

☆...... داداجان رحمہ اللہ فرمایا کرتے کہ ''خدمت تو کرو مگر صرف شوق اور جذبے کو ملحوظ نہ رکھا کرو بلکہ عقل اور سمجھ سے کام لے کر حسبِ ضرورت خدمت کیا کرو۔'' بعض حضرات فقط شوق اور جذبے سے سرشار ہو کر آپ کی خدمت کرتے تو آپ ان کو ''مخلص للّٰہ'' کے لقب سے نوازتے اور فرماتے کہ یہ بے چارے ہیں تو مخلص، مگر ہیں للّٰہ۔ کام کا ڈھنگ نہیں آتا۔

☆...... ایک زمانہ میں اہل باطل کی طرف سے آپ کو مسلسل قتل کی دھمکیاں مل رہی تھیں، اور ایک دوبار آپ پر حملہ بھی ہوا، لیکن خداوند قدوس نے حفاظت فرمائی۔ اسی زمانہ میں اہل خانہ نے آپ سے گزارش کی آپ اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم رات کو آپ کے کمرے کے باہر سے تالا لگا دیا کریں؟ فرمایا: کیوں؟ عرض کیا کہ حملے کا خطرہ ہے، احتیاطی تدبیر اختیار کرنے میں کوئی حرج بھی تو نہیں! تو آپ نے مزاحاً فرمایا ''ایک طرف تو تم کہتے ہو ''شیر اے ساڈا شیر!'' (کیونکہ آپ کے معتقدین ومحبین آپ کی جرأت، حق گوئی وبے باکی کی وجہ سے آپ کو اہل سنت کا شیر خیال کرتے تھے اور اس کا اظہار آپ کے سامنے بھی کر دیتے تھے۔) اور دوسری طرف مجھے قید بھی کر رہے ہو؟'' پھر آپ نے کمرہ باہر سے بند کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ رات کو جب آپ کا کمرہ باہر سے بند کرنے لگتے تو کبھی کبھی مزاحاً فرماتے ''شیر نوں ڈک دیو!''۔ (شیر کو بند کر دو!)

☆...... راقم کے والد گرامی راوی ہیں کہ: ایک مرتبہ آپ حسب معمول گوجرانوالہ اسٹیشن یا لاری اڈہ سے مدرسہ اسباق پڑھانے کے لیے پیدل جا رہے تھے، ایک جانب روڈ اور دوسری جانب ایک چوڑا نالہ تھا، اچانک پیچھے سے ایک ٹرک آپ کے اوپر چڑھ دوڑا، بڑھاپے کے باوجود آپ کی صحت قابل رشک تھی، آپ نے ایک جست لگائی اور

نالہ پار کر کے دوسری جانب جا کھڑے ہوئے، ٹرک والا جو عمداً آپ کو روندنے والا تھا، دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا اور فوراً بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ آپ نے بھی اس کا ارادہ بھانپ لیا۔ اور ایک سائیڈ پر ہو کر چل دیئے۔

مدرسہ پہنچ کر آپ نے دوران اسباق اس بات کا ذکر کیا کہ ''آج اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضل و کرم فرما کر میری حفاظت فرمائی ہے،'' طلباء کے پوچھنے پر آپ نے تفصیل سنا دی۔ طلباء نے اہل مدرسہ سے درخواست کی کہ حضرت شیخ کو گاڑی لے کر دی جائے جو روز آپ کو لے آئے اور چھوڑ آئے۔ چنانچہ آپ کے لیے ایک گاڑی خریدی گئی، آخر تک اسی پر اسباق پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے رہے۔

☆...... فالج کی وجہ سے آپ حرکت کرنے سے بالکل عاجز تھے، چنانچہ راہوالی (گوجرانوالہ کینٹ) سے ایک ڈاکٹر صاحب روزانہ آپ کی مالش کرنے اور ورزش کرانے کے لیے آتے تھے۔ آپ کو جسمانی تکلیف شدید تھی، ورزش تو دور کی بات ہے، اعضا کو چھیڑنے سے ہی درد کی لہریں اٹھنے لگتیں، مگر ''دورانِ خون'' جاری رکھنے اور اعضا کو جام ہونے سے بچانے کے لیے یہ ورزش بہت ضروری تھی۔ آپ تکلیف کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو ورزش سے منع کر دیتے مگر ڈاکٹر صاحب مختلف حیلوں بہانوں سے کچھ نہ کچھ ورزش کرا ہی جاتے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے آپ نے ڈاکٹر صاحب کو ''ڈاکٹر جن'' کے لقب سے ملقب فرمایا اور آخر تک اسی نام سے یاد فرماتے۔

☆...... خادم کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن خان انس نے بچپن میں کہیں دادا جان اور نانا جان رحمہما اللہ کے اسماء گرامی کے ساتھ بڑے بڑے القابات دیکھے تو اسے بھی شوق ہوا کہ میں بھی اپنے نام کے ساتھ مختلف لقب لگاؤں۔ چنانچہ اس نے از خود ایک اشتہار پر نانا جان رحمہ اللہ کے نام کے ساتھ موجود القاب یاد کر لیے اور ان کو اپنے نام کا حصہ بنا لیا۔ ایک روز ہم گکھڑ میں تھے کہ دادا جان نے انس کو بلایا اور اتفاقاً ہی نام پوچھا تو انس نے اپنا یاد کردہ نام مع القابات سنانا شروع کر دیا: ''پیر طریقت، رہبر شریعت، وکیل صحابہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن خان انس نعمانی صاحب''۔ یہ سنتے ہی دادا جان مسکرائے اور والد صاحب کو بلا کر پوچھا کہ ''اس کو کیا یاد کرایا ہے؟'' والد صاحب اس سے قطعی بے خبر تھے، انھوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ دادا جان نے دوبارہ نام پوچھا تو حضرت انس صاحب نے اول تا آخر ساری کیسٹ پھر سے چلا دی۔ دادا جان رحمہ اللہ نے پوچھا ''ابو کا کیا نام ہے؟'' تو جواب ملا: ''عبدالحق''۔ فوراً دادا جان رحمہ اللہ کا ہلکا سا قہقہہ بلند ہوا۔ اس کے بعد جب بھی انس کو دیکھتے تو بلاتے اور فرماتے ''نام تو سناؤ!'' اور حضرت صاحب شروع ہو جاتے۔ بعض اوقات جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں جانا ہوتا۔ دادا جان رحمہ اللہ مسجد کے برآمدے میں بیٹھ کر سبق پڑھا رہے ہوتے۔ انس سامنے سے گزرتا تو اسے بلاتے اور اسپیکر میں تمام طلبہ کو نام سنواتے۔ چنانچہ انس ''پیر طریقت'' کے نام سے مشہور ہو گیا، حتیٰ کہ نانا جان رحمہ اللہ بھی اسے ''پیر طریقت'' کہہ کر ہی بلاتے۔

☆...... بفضلہٖ تعالیٰ راقم اس اعتبار سے خوش قسمت ہے کہ حفظ کی دستار قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ [خلیفہ مجاز: حضرت مدنی رحمہ اللہ] اور شیخ الحدیث مولانا حسن جان شہید رحمہ اللہ کے دست اقدس سے نصیب ہوئی۔ گردان کے اختتام پر آخری سبق اپنے جدامجد امام اہل سنت، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، شیخ

المشائخ خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاری عبدالسمیع صاحب رحمہ اللہ [فاضل دیوبند] کو سنایا۔ اور دستار بندی پھر حضرت خواجہ صاحب، مولانا قاری قیام الدین الحسینی مدظلہ اور مولانا لالہ خلیل احمد صاحب مدظلہ کے ہاتھوں نصیب ہوئی۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ **فلله الحمد علی ذالک**

☆...... جامعہ مفتاح العلوم کے ایک اجتماع کا منظر تو آنکھوں سے اوجھل ہو ہی نہیں سکتا جس میں حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ اور حضرت قبلہ خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی ملاقات ہوئی۔ اللہ، اللہ! کیا ہی پر رونق منظر تھا، شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ بیان فرمارہے تھے، حضرت قبلہ خواجہ صاحب رحمہ اللہ اسٹیج پر مسند صدارت پر جلوہ افروز تھے، داداجان رحمہ اللہ کو پتہ چلا کہ خواجہ صاحب اسٹیج پر تشریف لے گئے ہیں تو فرمایا کہ مجھے بھی لے چلو! داداجان اس وقت بہت ضعیف تھے، فالج کا اثر بھی تھا، وہیل چیئر پر آپ کو لایا گیا، خواجہ صاحب کی نشست بائیں جانب تھی، داداجان کی اس کے بالکل ساتھ دائیں جانب۔ ابھی سٹیج پر وہیل چیئر چڑھی ہی تھی کہ حضرت داداجان نے اپنا دایاں ہاتھ مصافحہ کے لیے وہیل چیئر سے باہر لٹکا دیا، جو وہیل چیئر کے ٹائر سے رگڑ کھا رہا تھا، اُدھر حضرت خواجہ صاحب کو جوں ہی علم ہوا کہ حضرت اسٹیج پر تشریف لے آئے ہیں تو آپ تکیے کا سہارا چھوڑ کر سیدھے باادب بیٹھ گئے، بیان رک چکا تھا، سارے مجمع کی نظریں دونوں بزرگوں کی طرف تھی، راقم نے وہیل چیئر قریب کی اور خواجہ صاحب کی نشست گاہ سے ملادی۔ دونوں بزرگوں نے مصافحہ کیا، خیریت دریافت کی، تھوڑی دیر بات چیت ہوئی، پھر بیان شروع ہو گیا اور دونوں بزرگ شاہین ختم نبوت کے بیان کی طرف متوجہ ہوئے اور ہمہ تن گوش ہو گئے۔ بیان کے اختتام پر داداجان نے دورہ حدیث کے طلبہ کو اپنی سند حدیث عنایت فرمائی، اور حضرت خواجہ صاحب کے اصرار پر دعا بھی آپ نے ہی فرمائی۔

☆...... اور ایک برکتوں اور رحمتوں سے بھرپور تقریب بندہ کے لیے بہت ہی بڑی سعادت اور خوش قسمتی کا باعث تھی، جسے تادم مرگ فراموش کرنا ممکن ہی نہیں، کیا ہی عجیب نظارہ، پرنور فضا اور معطر ہوا تھی، تجلیات کا برابر نزول تھا اور رحمت خداوندی کا عروج تھا۔ انوارات کی بارش ہر ایک کو محسوس ہو رہی تھی، جب وقت کے قطب اور امام کا مجمع البحرین جامعہ حسینیہ کے سٹیج پر ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور شیخ مدنی کے جانشین، قائد اہل سنت کی مدنی نسبت پوری آب و تاب کے ساتھ جلسہ گاہ پر سرپرستی کا نورانی حصار باندھے ہوئے تھی، اور ان کی پراثر مخلصانہ دعائیں باری تعالیٰ کی جانب سے فیضان رحمت کے نزول میں اضافہ کر رہی تھی۔ شریعت و طریقت کے بحار کے سنگم نے جلسہ گاہ میں عجیب روحانیت پیدا کر دی تھی۔ بڑا ہی پُرکیف، پرلطف، پررونق اور پرنور سماں تھا۔ لیکن ٹھہریئے! پہلے پس منظر دیکھ لیجیے!

بندہ مدرسہ تعلیم القرآن حسینیہ میں زیر تعلیم تھا، گردان ختم ہونے کو تھی، سال کا آخر تھا، سالانہ امتحان سر پر تھے۔ بندہ کے استاد مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ کا مطالبہ تھا کہ ''اپنے ختم پر اپنے نانا یا دادا کی تاریخ لے کر دینی ہے، اور ان کو یہاں لانا ہے!'' مزید فرماتے تھے کہ ''جب تک تُو ان کو نہیں لے آتا، تجھے میں چھٹی نہیں دوں گا!''۔ ایک دن راقم کو خیال آیا کہ داداجان کو فون کر کے اُن سے بات تو کر کے دیکھوں! لیکن ڈر بھی بہت لگتا تھا،

خیر دل کڑا کر کے ایک دن بات کرنے کی ٹھانی، استاد مکرم سے عرض کیا کہ دادا جان کو فون کرنا ہے، نمبر ملا دیں! استاد جی نے نمبر ملایا اور رسیور بندہ کو تھما دیا، سلسلہ ملا، دادا جان نے حسب معمول خود فون اٹھایا، بندہ نے اپنا بتایا کہ حمزہ عرض کر رہا ہوں، آپ نے خیریت دریافت کی، بندہ نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں تشریف لائیں، میرا قرآن پاک ختم ہو رہا ہے! فرمایا ''بیٹا! کمزور ہو گیا ہوں، بیمار بھی ہوں، صحت اجازت نہیں دیتی!'' بندہ نے اپنے بچگانہ ذہن کے مطابق ضد کی اور عرض کیا ''تھوڑی دیر کے لیے ہی آ جائیں!'' فرمایا ''بچوں والی باتیں کرتے ہو، بتایا تو ہے کہ ہمت نہیں ہے، نہیں آ سکتا'' بندہ نے پھر کہا کہ ''کوئی بات نہیں، ذرا سی دیر کے لیے آ جائیں!'' تو ذرا غصے سے فرمایا کہ ''بتایا تو ہے کہ نہیں آ سکتا، بچوں والی ضد نہ کرو! استادوں کو میرا سلام دینا!'' یہ فرما کر فون بند کرنا چاہا تو راقم نے عرض کیا کہ استاد مکرم پاس ہی تشریف فرما ہیں، ان سے بات کر لیں، السلام علیکم کہہ کر رسیور استاد جی کو دیدیا اور خود ایک جانب مایوسی اور ناامیدی سے منہ لٹکا کر کھڑا ہو گیا، استاد جی نے سلام دعا کے بعد عرض کیا کہ ''سنا ہے کہ آپ فیصل آباد تشریف لے جا رہے ہیں! تو سرگودہا تو تقریباً راستے میں ہے؟'' دادا جان نے فرمایا کہ ''مولانا! صحت اجازت نہیں دیتی'' اور سلام کہہ کر فون بند کر دیا۔

اُدھر راقم کے برادر مکرم مولانا ممتاز الحسن خان احسن صاحب ان دنوں گکھڑ میں زیر تعلیم تھے، دادا جان کی خدمت کی سعادت بھی حاصل کر رہے تھے، وہ اسی شام کو مدرسہ سے گھر لوٹے تو دادا جان نے ان کو بتایا کہ حمزہ کا فون آیا تھا، مجھے کہتا تھا کہ آؤ! ضد کر رہا تھا میں نے اسے تو ڈانٹ دیا تھا، لیکن اب سوچتا ہوں کہ ایک تو اس نے پہلی بار کوئی مطالبہ کیا ہے، دوسرا میں نے فیصل آباد جانا بھی ہے، لہٰذا اس کو فون کرو اور بتا دو کہ سوموار کو مغرب کے بعد فیصل آباد میں ختم بخاری کا جلسہ ہے میں ان شاء اللہ سوموار ظہر تک سرگودہا پہنچ جاؤں گا۔ وہ غالباً بدھ کی شام تھی۔ برادرم نے فون کر کے استاد جی کو بتایا، استاد جی نے خانقاہ رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ خواجہ صاحب اسلام آباد تشریف لے گئے ہیں، استاد جی فوراً اسلام آباد گئے، حضرت خواجہ صاحب سے سوموار کا ٹائم لیا اور واپس آ گئے، مجھے پتہ چلا تو خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، پاؤں تھے کہ زمین پر ٹکتے ہی نہ تھے، خوشی سے پھولا نہ سماتا اُچھل اُچھل کر خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ استاد جی نے بندہ کے والد مکرم سے رابطہ کیا اور بتایا کہ دادا جان سے تو ٹائم مل گیا ہے اب آپ نانا جان کی کوشش کریں اور جلدی بتائیں ہم نے اشتہار بنوانے ہیں۔ ابو جی نے فرمایا آپ نانا جان رحمہ اللہ کا نام لکھ دیں، ان شاء اللہ العزیز وہ بھی آ جائیں گے۔ استاد جی نے بھاگم بھاگ کاتب پکڑا، اشتہار لکھوایا جو آج میرے پاس محفوظ ہے، اُوپر بڑا سا حضرت قبلہ خواجہ صاحب کا نام چمک رہا تھا، نیچے دائیں بائیں ترچھی مستطیلوں میں دادا جان و نانا جان رحمہما اللہ کے اسمائے گرامی اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ اوپر ایک جانب میں لمبی مستطیل میں زیر صدارت کے عنوان کے تحت مولانا قاری عبد السمیع صاحب رحمہ اللہ کا نام دمک رہا تھا۔ اشتہار اگرچہ یک رنگہ اور سادہ تھا لیکن مجھے بہت ہی اچھا لگ رہا تھا۔ اب بھی کبھی اسکو نکال کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی اور یادیں تازہ کرتا ہوں۔ جمعہ کے دن اشتہار کی لکھائی اور ہفتہ کی رات چھپائی ہوئی، ہفتہ اتوار کو لگائے گئے، سوموار کو جلسہ تھا۔

اُدھر والد مکرم حضرت ناناجی رحمہ اللہ کے پاس پہنچ گئے اور درخواست کی، انہوں نے بھی بیماری کا عذر کیا، ان کی صحت کچھ زیادہ ہی کمزور تھی، چنانچہ آپ نے انکار فرمادیا۔ استاد جی نے پھر مجھے ناناجان کے پیچھے لگایا، میں نے فون کیا، بار بار کیا اور یہی درخواست کی کہ ’’تھوڑی دیر کے لیے ہی آجائیں! بے شک بیان نہ فرمائیں!‘‘ پہلے تو آپ نے انکار فرمایا اور ہر بار راقم سے یہی فرمایا کہ ’’اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی آسکتا تو کیا ہی بات تھی، ضرور آجاتا‘‘ زیادہ اصرار پر آپ کچھ ڈھیلے ہوئے تو میں نے استاد جی سے عرض کیا کہ مجھے چھٹی دیں، ہم دونوں بھائی جاکر ان کو مناتے ہیں، وہ ان شاء اللہ آجائیں گے! استاد جی نے فرمایا کہ ’’اس سے اچھی کیا بات ہوسکتی ہے! بے شک تم جاؤ!‘‘ میں نے چکوال فون کیا تو والدہ نے بتایا کہ ناناجان کو شدید بخار نے آلیا ہے، ان کو نہ آسکنے پر خود بھی افسوس ہے لیکن تقدیر بہرحال تدبیر پر غالب رہتی ہے۔ اس کے باوجود راقم آخر دم تک فون پہ اصرار کرتا رہا اور اپنے ذہن کے مطابق ہر قسم کی دلیلیں دیتا رہا، مگر خدا کو ایسا ہی منظور تھا، بخار نے ان کی جان نہ چھوڑی اور وہ نہ آسکے۔ جب بندہ کو پتہ چلا تو دکھ سے آنسو بہہ پڑے، پھر ابوجی نے تسلی دی تو کچھ ڈھارس بندھی۔

اس موقع پر اپنے مخدوم مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد شاہد مسعود مدظلہ کا ذکر نہ کرنا انتہائی نامناسب ہوگا جنہوں نے بندہ کے سر پر دست شفقت رکھا اور والد کی سی شفقت فرمائی، جب ہر کوئی اپنے گھر والوں سے نئے کپڑوں اور دیگر اشیاء کا مطالبہ کر رہا تھا، اور ان کے مطالبے پورے بھی ہو رہے تھے، ایک راقم تھا کہ والد صاحب گھر سے بھی دور، رابطہ بھی کوئی نہیں۔ قریب کوئی عزیز، رشتہ دار بھی نہیں۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ اس تقریب میں کیا مجھے نئے کپڑے میسر نہ ہوں گے؟ تو حضرت مفتی صاحب ہی تھے جنہوں راقم کو نہ صرف کپڑے دلوائے بلکہ ہر ہر ضرورت کا خیال رکھا اور راقم کا جتنا عرصہ (تقریباً پانچ سال) سرگودھا میں گزرا کبھی انہوں نے کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین

خدا کا کرنا جلسہ کے روز علی الصبح بارش شروع ہوگئی، اور ایسی بارش ہوئی کہ ’’جلسہ گاہ‘‘ کو ’’کیچڑ گاہ‘‘ بنادیا۔ تین چار گھنٹے کی شدید بارش نے ہمیں سخت پریشان کردیا۔ بارش رکی تو استاد جی نے مٹی منگوا کر ڈلوائی اور جلسہ گاہ کو بیٹھنے کے قابل بنایا، مٹی ڈلنے کی دیر تھی کہ بارش پھر سے برسی اور دھوم دھام سے برسی۔ دن 12 بجے کے لگ بھگ رکی تو ایک بار مٹی ڈلوائی گئی۔ راقم سمیت تمام طلبہ بارش رو کنے کی دعا بار بار پڑھ رہے تھے، نہ جانے کسی کی سنی گئی اور بارش رُک گئی۔

ایک بار پھر مٹی ڈلی، دریاں بچھیں، اسٹیج بنا، حضرت قبلہ خواجہ صاحب تشریف لائے تو بادل غائب، سورج اپنی کرنیں دکھانے لگا۔ حضرت اسٹیج پر تشریف لائے، اور راقم کا کسی نے ذکر کیا تو سٹیج سے اعلان ہوا کہ حضرت قبلہ خواجہ صاحب، مولانا سرفراز خان صفدر صاحب کے پوتے کو یہاں سٹیج پر بلا رہے ہیں، راقم سامنے ہی تو بیٹھا تھا، مگر شرم، جھجک اور ادب کے مارے ہمت ہی نہ ہوئی اور چپکا بیٹھا رہا۔ اب افسوس ہوتا ہے کہ چلا جاتا تو شائد ایک نظر کرم سے میرا بیڑہ بھی پار ہوجاتا، اب تو کورے کا کورا ہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ آمین

ظہر کے بعد پروگرام تھا، کچھ دیر والد گرامی نے بیان کیا۔ پھر حضرت داداجان نور اللہ مرقدہ کا انتہائی جامع اور پر مغز یادگار بیان ہوا۔ قرآن پاک کی عظمت بتائی، سمجھائی بلکہ دل میں اتار دی، عوام الناس کو چند نصائح فرمائیں پھر ہم سے مخاطب ہوئے۔ نماز با جماعت کی تلقین کی، زندگی بھر قرآن پاک کے ساتھ تعلق جوڑے رکھنے کی بھی تاکید فرمائی، اور بھی نصائح فرمائیں۔ حضرت قبلہ خواجہ صاحب رحمہ اللہ ساتھ ہی تشریف فرما تھے۔ غالباً بیان سے قبل ہمیں آخری سبق کے لیے سٹیج پر بلایا گیا۔ مائیک میرے آگے تھا، آخری سبق سنایا۔ بیان ہوا۔ اور دعا کے لیے شیخین ایک دوسرے کو کہنے لگے۔ خواجہ صاحب نے کہا کہ دعا آپ ہی کرائیں گے! داداجان نے فرمایا نہیں! آپ کرائیں۔ کچھ دیر جملوں کا تبادلہ ہوا۔ حضرت داداجان جلدی میں تھے۔ فیصل آباد کے پروگرام پر پہنچنا تھا۔ اس لیے آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، دعا منگوائی اور یہ یادگار تقریب اختتام کو پہنچی۔

اسی بیان میں آپ نے ایک واقعہ سنایا کہ ''ہندوستان میں ایک وکیل تھا ''چاندمل چوپڑا'' اس نے عدالت میں درخواست دی کہ میں ہندوستان کا ایک معزز شہری ہوں، قرآن پاک جو مسلمانوں کی مذہبی کتاب ہے اس سے میرے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے لہٰذا اس پر پابندی لگائی جائے، تو عدالت نے کیس بڑی عدالت میں منتقل کر دیا، وہاں کے ہندو ججوں نے یہ فیصلہ سنایا کہ ''قرآن پاک ایک آسمانی اور الہامی کتاب ہے اس پر پابندی نہیں لگ سکتی''۔

معمولات رمضان: فالج کے تیسرے حملے کے بعد جب آپ بالکل ہی معذور ہو چکے تھے۔ اسی دوران خادم نے دو رمضان آپ رحمہ اللہ کی خدمت میں گزارے جو میری زندگی کا قیمتی سرمایہ اور متاع عزیز ہیں۔ ان دنوں آپ کے معمولات کچھ یوں تھے، چونکہ انتہائی ضعف ونقاہت کی بناپر آپ روزہ رکھنے سے قاصر تھے لہٰذا فجر سے قبل بیدار ہوتے اور کچھ کھانے پینے کو طلب فرماتے پھر بعد از نماز فجر خادم کو پاس بٹھا کر قرآن پاک پڑھنے کا حکم دیتے اور خود سنتے رہتے، اسی دوران آپ کی آنکھ لگ جاتی، پھر کچھ دیر آرام فرماتے، تقریباً ایک گھنٹہ بعد بیدار ہوتے اور اخبار کی موٹی موٹی سرخیاں اور اگر کوئی اہم مضامین وغیرہ ہوں تو وہ سنتے پھر ناشتہ کرتے اور ناشتہ کے بعد کم وبیش 8:00 بجے سے 11:00 بجے تک ''فضائل اعمال'' سنتے۔ یہ دورانیہ اس سے کم ہو جاتا تھا بڑھا نہیں کیونکہ روزہ کی بناپر خادم میں اتنی ہمت نہ ہوتی۔ گلا خشک ہو جاتا۔ آواز بیٹھنے لگتی انتہائی دقت کے ساتھ یہ تین گھنٹے پورے کرتا۔ اس دوران مہمانوں وغیرہ کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا، کوئی صاحب زیارت یا تعویذ کے لیے تشریف لاتے تو آپ ان کی طرف متوجہ ہوتے تو خادم کچھ دیر سانس لے لیتا مگر آپ جلد ہی ان کو فارغ کر کے پھر حکم فرماتے پڑھو! پھر تقریباً 11:00 بجے آپ بھی کچھ دیر آرام فرماتے خادم بھی سو جاتا۔ ظہر سے کچھ قبل بیدار ہو کر کوئی چیز کھانے کی (دلیہ، وغیرہ) یا پینے کی (دودھ سوڈا، انشور، یا یخنی وغیرہ) طلب فرما کر نوش فرماتے اور ظہر بھی با جماعت کرسی پر بیٹھ کر ادا کرتے۔ بعد ظہر خادم منزل یاد کرتا، یا گھر کے کام کاج کرتا، اور ڈاکٹر مقبول (ڈاکٹر جن) صاحب تشریف لے آتے وہ داداجان کو ورزش وغیرہ کراتے کچھ جسمانی اعضاء کو حرکت دیتے، کچھ مشینوں وغیرہ سے دوران خون برقرار

رکھنے کے لیے جسم کو حرکت دیتے۔ اس دوران خادم کے چاچو مولانا منہاج الحق خان راشد صاحب اور خادم کے بڑے بھائی مولانا ممتاز الحسن خان احسن صاحب میں سے ایک داداجان کے پاس موجود رہتے اور ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق ان کو اٹھاتے، بٹھاتے اور لٹاتے رہتے۔ مہمانوں کی آمد ورفت کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رہتا۔ عصر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد ہم تینوں میں سے کوئی ایک آپ کو وہیل چیئر پر بٹھا کر گھر کے صحن میں سیر کراتا، اسی اثناء میں خادم اپنی منزل بھی دوہراتا رہتا۔ دم تعویذ اور ملاقات کے لیے آنے والوں کا سلسلہ اس وقت بھی جاری رہتا۔ مغرب سے کچھ دیر قبل آپ کو کمرے میں بٹھا دیتے ایک بھائی گھر کا سامان وغیرہ لاتا اور دوسرا آپ کی خدمت میں موجود رہتا، عین افطاری کے وقت آپ بلاتے اور فرماتے چلو نماز پڑھو، ابھی روزہ بھی نہ کھولا ہوتا، ہم عرض کرتے کہ ''ابھی تو ہم نے روزہ ہی نہیں کھولا!'' تو فرماتے جلدی کرو، جب تک آپ مغرب کی نماز باجماعت ادا نہ کر لیتے آپ کو تسلی نہ ہوتی۔ پھر عشاء کی اذان کے منتظر رہتے، جوں ہی اذان ہوتی ہم نماز شروع کر دیتے۔ اور نماز کے بعد تراویح کا آغاز ہوتا۔ بحمد اللہ دو سال تراویح میں 15 پارے خادم نے اور 15 پارے برادر مکرم مولانا احسن صاحب نے سنانے کی سعادت حاصل کی۔ ہم میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ داداجان کو تراویح میں قرآن میں سناؤں.... بالآخر ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ نصف نصف تقسیم کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اول 15 پارے خادم نے سنائے اور آخری 15 برادر مکرم نے۔ تراویح کی بھی عجیب مگر دلچسپ ترتیب ہوتی تھی۔ آپ اپنی طبیعت وصحت کے مطابق بعد نماز مغرب بتا دیتے کہ آج اتنا پڑھنا ہے۔ اس وقت چونکہ خادم نے تازہ تازہ قرآن یاد کیا تھا بلکہ استاد مکرم مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء صاحب دامت برکاتہم نے زبردستی یاد کرایا تھا۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں نصیب فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ آمین) اس لیے منزل یاد تھی کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا،۔ خادم نے ایک دن میں تین پارے بھی پڑھے اور ایک پاؤ بھی۔ جیسے داداجان کی طبیعت ہوتی۔ اور پھر تمام تراویح اکٹھی نہ پڑھتے بلکہ تقریباً 10 تراویح تک تو کوشش اور ہمت کر کے داداجان بیٹھے رہتے مگر جب ہمت بالکل جواب دے جاتی تو فرماتے مجھے لٹا دو! پھر رات کو جس وقت بھی آنکھ کھل جاتی بقیہ تراویح شروع کرا دیتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات سحری کے وقت تراویح ختم ہوتیں۔ تراویح میں آپ سے کسی غلطی کا بچ جانا محال وناممکن تھا۔ معمولی سے معمولی غلطی پر بھی پکڑ کرتے۔ حالانکہ آپ حافظ نہ تھے مگر ترجمہ ایسا ذہن نشین تھا کہ آپ کو مستحضر ہوتا کہ یہاں ''اولئک هم الفائزون'' ہے اور یہاں ''هم المفلحون'' ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ بھی کبھی ''واؤ'' چھوٹ جائے یا اس قسم کی کوئی ذرا سی بھی غلطی ہو وہ آپ سے چھوٹ نہ پاتی تھی۔ اگر تراویح جلد مکمل ہو جائیں تو رات بھر عم مکرم مولانا منہاج الحق راشد صاحب داداجان کی خدمت میں رہتے اور ہم آرام سے سو جاتے۔ اور پھر کسی صبح سحری میں چاچو کی آواز ''حمزہ میاں داؤ''، ''احسن میاں داؤ'' سے بیدار ہوتے۔

یہ معمولات اکثری تھے کلی نہیں، آپ رحمہ اللہ اپنی صحت وطبیعت کے مطابق ان میں ردوبدل بھی فرمالیا کرتے تھے، یعنی ''فضائل اعمال'' کبھی صرف ایک گھنٹہ سماعت فرماتے، مگر ناغہ نہ کرتے تھے۔ کبھی کیسٹ کے

ذریعے امین گیلانی مرحوم، سلمان گیلانی صاحب، رانا عثمان صاحب اور دیگر کی نظمیں بھی سنتے۔ کبھی دوسری کتابیں بھی سن لیتے۔ خاص کر جن میں حوالوں کی بھرمار ہو یا ائمہ کرام کا تذکرہ ہو وہ تو بہت شوق سے سنتے تھے۔

☆...... ایک رمضان تو آپ نے مکمل تراویح پڑھیں، دوسرے سال شدید ضعف وعلالت کی وجہ سے بقدر ہمت تراویح پڑھتے تھے، کبھی مکمل، کبھی نصف، کبھی 16۔ آٹھ کبھی نہیں پڑھیں، کہیں غیر مقلدین سے مشابہت نہ ہو جائے۔ کوشش پوری ہوتی تھی کہ تھوڑی تھوڑی کر کے سحری تک مکمل ہو جائیں۔

☆...... آئندہ رمضان سے 3/4 ماہ قبل وفاق کے امتحان کی تیاری کے لیے ابو جی نے مجھے گکھڑ سے بلوایا اور سرگودھا بھیج دیا، فقط دو ماہ تیاری کی اور داداجان کی دعاؤں اور ان کی ٹوٹی پھوٹی خدمت کی برکت سے اچھے نمبروں میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب کر دیا۔ وفاق کے امتحان کے بعد شعبان کی چھٹیاں آئیں تو میں گکھڑ جانے کے لیے رسے تڑانے لگا، مگر ابو جی نے مصروفیات اور گھر کے کاموں کا عذر کر کے نہ جانے دیا، ایک دن جبکہ ابھی رمضان میں 10/15 دن باقی تھے، ہم سب گھر والے کچھ دیر کے لیے گکھڑ گئے اور داداجان رحمہ اللہ کو پتہ چلا کہ یہ صرف تھوڑی دیر کے لیے آئے ہیں تو نہایت ہی مشفقانہ انداز میں مجھے فرمایا ''بیٹا: تمہیں چھٹیاں تو ہو گئی ہیں، کب آؤ گے؟ پہلے تم دونوں بھائی میرے پاس ہوتے تھے، کافی سہولت ہوتی تھی، اب راشد (عم مکرم مولانا منہاج الحق راشد مدظلہ) اکیلا ہوتا ہے، سارا دن مہمان آتے ہیں، گھر کے کام کاج بھی ہوتے ہیں، رمضان بھی آ رہا ہے، قرآن بھی سننا ہے؟ بندہ نے عرض کیا کہ ''ابو جی آئے ہوئے ہیں، آپ ان سے اجازت لے لیں! ہم تو خود یہی چاہتے ہیں۔'' جس وقت ابو جی، داداجان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو داداجان رحمہ اللہ نے حال احوال دریافت کرنے کے بعد بڑی ہی عاجزی اور مسکنت سے ابو جی سے درخواست کی کہ ''پتر! میں احسن، حمزہ نوں اپنے کول رکھنا چاندا واں، رمضان اچ قرآن سناں گا، تیری اجازت دی ضرورت اے؟'' (بیٹا: میں احسن حمزہ کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، رمضان میں قرآن سنوں گا، تمہاری اجازت کی ضرورت ہے؟) داداجان کے اس انداز پر مجھے تو رونا آ گیا۔ ابو جی نے بھی حامی بھر لی اور فرمایا کہ ان کو بھیج دوں گا۔ پھر ۲۹ شعبان کو مغرب کے بعد گکھڑ جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

دن بھر بے چینی کی وجہ سے فقط ڈیڑھ پارہ ہی ٹھیک سے دیکھ سکا۔ اور رات کو دو پارے سنانے پڑ گئے، آخری نصف میں ایک دو جگہ اٹکا، پھر خود ہی تصحیح کر کے چل پڑا۔ تراویح سے فراغت کے بعد داداجان نے مجھے پاس بٹھا کر بڑی شفقت سے پوچھا کہ ''بیٹا! پچھلی بار تمہاری منزل کافی اچھی تھی، اب کمزور کیوں ہے؟'' بندہ نے شرمندگی سے سر جھکایا اور عرض کیا کہ آج فقط ڈیڑھ پارہ دیکھا تھا، آئندہ ان شاء اللہ شکایت کا موقع نہ دوں گا۔ آپ نے دعا دی اور فرمایا ''بیٹا! منزل خوب یاد کیا کرو!''۔

رمضان کے بعد پھر والد مکرم کے حکم سے سرگودھا ''جامعہ مفتاح العلوم'' چلا گیا۔ جب چھٹی ہوتی، یا موقع ملتا تو گکھڑ جا پہنچتا۔ داداجان کی خدمت کو دل بہت چاہتا تھا، لیکن.............

ایک دن میں داداجان کی خدمت میں حاضر تھا، بڑی مشکل سے دل کڑا کر کے عرض کیا کہ ''آپ ابو جی

سے اجازت لے کر مجھے اپنی خدمت کے لیے یہاں اپنے پاس رکھ لیں! فوراً فرمایا ''تمہاری پڑھائی کا کیا ہوگا؟'' عرض کیا ''یہاں مدرسہ ہے، پڑھتا رہوں گا، اور اگر نہ بھی پڑھ سکا تو کوئی بات نہیں، اللہ نے زندگی دی اور قسمت میں ہوا تو بعد میں پڑھتا رہوں گا، خدمت تو پھر نہ ملے گی۔'' تو فرمایا کہ ''بیٹا! مجھے ضرورت تو ہے، لیکن میں نے تمہیں یہاں بلالیا اور تمہاری پڑھائی کا حرج ہوا تو سب مجھے کوسیں گے اور مجھے طعنے دیں گے کہ اِس نے خدمت کرائی تھی، اِس کی وجہ سے یہ پڑھائی سے (محروم) رہ گیا ہے۔ تم پڑھو! اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں گے۔''

حقیقت ہے دادا جان رحمہ اللہ نے جس عجیب انداز سے یہ بات ارشاد فرمائی میرا تو کلیجہ کٹ کر باہر آنے کو تھا، بے اختیار آنسو بہہ پڑے، اور کچھ دیر خاموشی کے بعد عرض کیا کہ ''آپ کا حق ہے کہ سب خاندان والے دن رات آپ کی خدمت کریں، آپ تمام خاندان کے جد بھی ہیں، استاد بھی......شیخ بھی ہیں، محسن و مربی بھی......کیا کوئی آپ کے بارے میں ایسا سوچ بھی سکتا ہے؟ تو فرمایا: بیٹا: لوگ بڑی بڑی باتیں کرتے ہیں، اللہ کے نبی کو ان کے رشتہ داروں نے معاف نہیں کیا تھا تو میں کیا ہوں؟......شائد آپ کے الفاظ یہ نہ ہوں، لیکن مفہوم یقیناً یہی تھا۔ میں مایوس ہو کر خاموش ہو گیا۔ اور چھٹی کے دن میں حاضری کو غنیمت سمجھ کر اسی پر اکتفا کر لیا اور گاہے بگاہے حاضری کی سعادت کرتا رہا۔

موت، جیسے سکتہ: ''ولا تقولوا لمن یقتل''....الخ کے تحت دادا جان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اہلِ حق، اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب انسان کو قبر میں دفنایا جاتا ہے تو اس کی روح کا اعادہ کیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب روح کا اعادہ کیا جائے گا تو زندگی آجائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اپنی کتاب [الفقہ الاکبر] میں فرماتے ہیں ''واعادة الروح الی الجسد فی قبره حق'' کہ قبر میں جسم کی طرف روح کا لوٹایا جانا حق ہے۔ صحیح احادیث بھی یہی کہتی ہیں۔ یہ زندگی قبر کی زندگی ہے (جسے برزخ کی زندگی بھی کہا جاتا ہے)۔'' آگے فرماتے ہیں کہ ''شہداء کی حیات قرآن سے ثابت ہے اگرچہ ہماری سمجھ میں نہ آئے، ایک آدمی کسی شہید کی قبر اکھیڑے تو اسے کسی قسم کی حرکت نظر نہیں آتی، تو پھر حیات کیسی؟ تو اسے سمجھانے کے لیے علم کلام والے کہتے ''جیسے مریضِ سکتہ''۔ سکتہ ایک بیماری ہوتی ہے، اس میں بظاہر نبض چلتی نظر نہیں آتی اور آدمی سانس لیتا بھی نظر نہیں آتا، لیکن ہوتا زندہ ہے، تو سمجھانے کے لیے کہا ''کمریض السکتة'' جیسے سکتے کا بیمار ہوتا ہے، کہ روح اُس کے اندر ہوتی ہے، لیکن حکیم و ڈاکٹر حیران ہوتے ہیں کہ حس و حرکت نہیں ہے، سانس نہیں، کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح شہید کی حیات ہے کہ بظاہر سمجھ نہیں آتی (مگر ہوتی ضرور ہے۔)۔ ذخیرۃ الجنان [37/2]

امیر شریعت کا انداز دلیل: ایک مرتبہ امیر شریعت رحمہ اللہ گوجرانوالہ میں خطاب کے لیے تشریف لائے، اُن دنوں بریلویت کا زور تھا، دیوبندیوں پر کھلے عام کفر کے فتوے لگاتے تھے، جلسے میں ایک آدمی نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو ایک چٹ پکڑائی جس پر لکھا ہوا تھا کہ ''تم ایمان کی دعوت دیتے ہو، حالانکہ خود کافر ہو!'' حضرت امیر شریعت بڑے ذہین اور حاضر جواب تھے، فوراً فرمایا ہاں میں کافر ہوں، کافر ہوں، اور مجھے اپنے کفر پر فخر

ہے، ہمارا اُس وقت طالب علمی کا زمانہ تھا، ہمیں بہت غصہ آیا کہ رقعے والے نے بھی کہا ہے کہ تم کافر ہو، شاہ صاحب بھی کہتے ہیں ہاں، میں کافر ہوں اور مجھے اپنے کفر پر فخر ہے؟'' پھر شاہ صاحب نے اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھی اور قرآن پڑھنا شروع کر دیا، قرآن ایسا پڑھتے تھے کہ جی چاہتا تھا کہ آپ پڑھتے رہیں اور آدمی سُنتا رہے، خیر آپ نے آیت پڑھی، ''فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ'' میں کافر ہوں مگر طاغوت کا کافر ہوں، اللہ کا کافر نہیں ہوں اور میرے ہاتھ مضبوط دستے میں ہیں، پھر بے ٹکٹے انگریز پر چڑھ گئے اور سات گھنٹے خوب دھلائی کی، انگریز اس وقت کا طاغوت تھا۔ ذخیرۃ الجنان ج 2 ص 307

مودودی صاحب کا غلط فتویٰ: داداجان رحمہ اللہ ''وان تجمعوا بین الاختین ا لا ما قد سلف'' کے تحت ایک واقعہ میں مودودی صاحب کے ایک غلط فتویٰ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کافی عرصہ ہوا ہے کہ ایک مسئلہ در پیش ہوا تھا کہ ''ایک آدمی کی دو بچیاں تھیں جن کی پیٹھ قدرتی طور پر جڑی ہوئی تھی، دونوں صحت مند اور جوان ہو گئی تھیں، ڈاکٹروں نے کہا کہ دونوں کو الگ الگ کرنے کے لیے رگیں کاٹی گئیں تو مر جائیں گی''، نکاح کا مسئلہ پیش ہوا کہ اُن کا نکاح کس طرح کیا جائے؟ کیا صورت ہوگی؟ تو مودودی صاحب نے فتویٰ دیا کہ ''دونوں کا ایک مرد کے ساتھ نکاح کر دو جائز ہے''، ہم نے بڑا احتجاج کیا کہ قرآن پاک کا حکم ہے ''وان تجمعوا بین الاختین'' کہ دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے، اور ان دونوں بہنوں کا وجود الگ الگ ہے صرف ایک جگہ سے رگیں جڑی ہوئی ہیں۔ [ذخیرۃ الجنان جلد۱۴ ص۵۶]

وہابی: ایک مرتبہ دوران درس فرمایا کہ وہابی کے متعلق حضرت مدنی رحمہ اللہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ: ''ہمارے گاؤں میں ایک ہندو دوکاندار تھا، محلے کی مسجد کا امام روزانہ اس سے تھوڑی سی نسوار مانگ کر لے جاتا اور پیسے نہ دیتا (امام نسوار کا عادی تھا) ایک دن ہندو نے نسوار کے پیسے مانگ لیے تو امام صاحب کو طیش آیا اور اس کا علاج کرنے کی ٹھانی، نماز کے وقت امام صاحب نے مقتدیوں میں اعلان کر دیا کہ فلاں دوکاندار ''وہابی'' ہو گیا ہے اس سے سودا نہ لینا، کئی دن کسی نے اس ہندو سے سودا نہ لیا، ایک دن امام صاحب کا گزر ہوا تو کہا تجھے پتہ چل گیا ہے نا؟ اس کو تو پتہ چل چکا تھا کہ امام صاحب نے مجھے وہابی بنا دیا ہے، اس نے معافی مانگی اور کہا کہ جتنی مرضی نسوار لے لو مگر یہ وہابیت والی دُم اتار دو! (ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نامی انگریز نے ''وہابی'' کا لفظ ایجاد کر کے کہا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ ایسی دم لگا دی ہے کہ ساری عمر اتارتے پھریں گے مگر اترے گی نہیں)۔

فقہ حنفی اور بدعات: فرمایا فقہ حنفی کیونکہ مشہور ہے اس واسطے بدعتی لوگ اپنی کڑی فقہ حنفی سے ملاتے ہیں حالانکہ حقیقت میں ان کا فقہ حنفی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ الحمد للہ میں نے فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب کا مطالعہ کیا ہے، میں پورے دعوے سے یہ بات کہتا ہوں کہ شرک و بدعت کی جتنی تردید فقہ حنفی میں ہے اتنی کسی اور فقہ میں نہیں ہے، جیسے یہودی عیسائی اور صابی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسلم شخصیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔

واجب صدقہ مصرف کے علاوہ دینا: فرمایا ''یاد رکھنا! جو واجب قسم کا صدقہ ہے وہ ایسے شخص

کو دینا جو خود فطرانہ دیتا ہے (یعنی اس پر فطرانہ واجب ہے) حرام ہے اور نفلی صدقہ مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ہتھیلی پر تھوک کر چاٹ لے۔ اور تیجے ساتے (وغیرہ) کے موقع پر جو لوگ آتے ہیں، میرے خیال کے مطابق کوئی ہو جو غریب ہو، باقی سب صاحب حیثیت ہوتے ہیں۔''

شرک کی تردید فرض ھے: فرمایا ''شرک کی تردید تو فرض ہے، یعنی یہ کہا جائے کہ ''خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے، اس کے ماسوا کوئی خدا نہیں، اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا شریک نہیں، جو توحید کا قائل نہیں وہ مشرک اور کافر ہے''، یہ کہنا صحیح ہے کیونکہ کافر کو کافر کہنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ''کافر کافر'' کے نعرے لگانا درست نہیں۔[ذخیرۃ الجنان 6/227]

شرک کی ایک قسم: فرمایا ''عام تعویذات والے عموماً کہتے ہیں کہ فلاں چیز چھوڑ دو! فلاں نہیں کھانی! یہ شرک کی ایک قسم ہے۔ تم کون ہوتے ہو حلال چیزیں چھڑانے والے؟ ہاں اگر طبی لحاظ سے کوئی چیز نقصان دہ ہو، یا مزاج وطبع کے موافق نہ ہو تو ڈاکٹری اعتبار سے کوئی ان کو نہ کھائے تو اسے کھانے پر مجبور نہیں کیا جائیگا، لیکن ان کو حرام سمجھنے کا مجاز نہیں ہے۔

تعویذ کی اجرت: فرمایا ''عام طور پر تعویذ والے آنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ دس والا لینا ہے یا سو والا یا پانچ سو والا؟ بے شک تعویذ کی اجرت حرام نہیں ہے مگر اپنی خوشی سے کوئی دے تو لے لو!'' (مانگنی نہیں چاہیے۔)

ویڈیو والی مجلس کا حکم: فرمایا جس جگہ ویڈیو بن رہی ہو وہاں جانا حرام ہے۔[ماخوذ از کیسٹ دورہ تفسیر سورۃ الانعام آیت 68]

T.V دیکھنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم: فرمایا ''ٹی، وی دیکھنے والے اور فحش گوئی کرنے والے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔''[ذخیرۃ الجنان ج1]

T.V کو حلال سمجھنا: فرمایا ''حلال جان کر ''ٹی، وی'' دیکھنے والے کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔''[ذخیرۃ الجنان ج1 ص166]

نیکی اور بدی کا اثر: فرمایا ''یاد رکھنا! بری مجلس کا اثر جلدی ہوتا ہے اور اچھی مجلس کا دیر سے، اس لیے کہ انسان کے ساتھ دو قوتیں ہیں ایک شیطان اور ایک نفس امارہ۔ نفس امّا رَہ بری چیزوں کی طرف اچھل کے جاتا ہے، مقولہ مشہور ہے ''نیکی چیونٹی کی چال چلتی ہے اور بدی کی رفتار گھوڑے کی ہے''۔ لہٰذا برے لوگوں کی صحبت سے بچنا چاہیے، فارسی کا مقولہ ہے...... یارِ بد، از مارِ بد، بسیار بد ''برا یار برے سانپ سے بھی برا ہوتا ہے''۔

منکر ختم نبوت کی سزا: فرمایا ''منکر ختم نبوت کی سزا یہ ہے کہ چوراہے پر سولی لٹکا کر اسے پھانسی دے دی جائے''، لیکن نوجوانو! یاد رکھنا، ایسے انتظام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، شریعت عوام کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ اگر کوئی کافر ہے تو اسے قتل کر دو۔ اس کی اجازت عوام کو نہیں ہے۔

کافر، کافر کوئی شرعی مسئلہ نہیں: فرمایا ''شیعہ کافر ہیں ان کے کفر میں کوئی

شک نہیں، لیکن عزیزو! برخوردارو! کسی سے جھگڑانہ کرنا، '' کافر کافر شیعہ کافر'' یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے، کافر تو کافر ہی ہوتا ہے، لیکن چڑانا بری بات ہے جس طرح جذباتی ساتھی کرتے ہیں۔ ہندو کافر ہیں، سکھ کافر ہیں، عیسائی، یہودی، پارسی، ذکری یہ سب کافر ہیں اور پاکستان میں موجود ہیں، رافضی بھی کافر ہیں پاکستان کافروں سے بھرا ہوا ہے۔ ان کے کفر میں کوئی شک نہیں، لیکن '' کافر کافر'' کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔[ذخیرہ ج 8 ص 130]

جوشیلے انداز پر تاثرات: مولانا عبدالقیوم حقانی لکھتے ہیں کہ: ایک مرتبہ مجھے سپاہ صحابہ کے مخصوص انداز میں بیان کرتے دیکھا تو فرمایا'' مولانا! آپ کا یہ انداز مجھے پسند نہیں، اس طریقہ کار کو اپناؤ گے تو علمی کام نہیں کر سکو گے، جوش میں ہوش کا دامن کھو بیٹھو گے۔[القاسم، جون 2009]

طرز تحریر کے بارے نصیحت: فرمایا تحریر کبھی اس سوچ اور نظریہ سے نہ لکھو کہ اسے تمہارا ہم خیال ہی پڑھے، بلکہ اگر مخالف پڑھنا چاہے تو لہجے کی درشتی اور کاٹ اس کے اس تحریر پڑھنے میں رکاوٹ نہ بنے۔

برکت والے پیسے: ایک بار مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ تشریف لائے اور جاتے ہوئے کچھ رقم داداجان رحمہ اللہ کی خدمت میں ہدیہ کرنی چاہی تو آپ نے انکار فرمادیا، انہوں نے کافی اصرار کیا تو پھر کچھ سوچ کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ اسے علیحدہ سنبھال کر رکھو! یہ برکت والے پیسے ہیں۔

متحدہ مجلس عمل اور امام اہل سنت رحمہ اللہ: 2002ء کے الیکشن سے قبل جب دینی جماعتوں کا اتحاد '' متحدہ مجلس عمل'' کی شکل میں سامنے آیا تو آپ نے اس کی بھرپور حمایت اور تائید فرمائی اور باقاعدہ جمعہ میں ان کے امیدوار کی حمایت کا اعلان کیا، حالانکہ وہ دیوبندی بھی نہیں تھا، بعض حضرات نے راقم کے سامنے اس سلسلے میں آپ رحمہ اللہ سے گزارش کی'' اگر صرف اہل السنۃ والجماعۃ والے ہی سب مل جائیں اور کسی دوسرے کو نہ ملائیں تو کیا یہ بہتر نہیں تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ مولانا اُن کی مجبوری ہے اگر وہ ایسا نہ کریں تو حکومت کو بہانا مل جاتا، ایک صاحب نے زیادہ الجھنے کی کوشش کی تو آپ نے ان کو خاموش کرادیا۔ (اگر چہ متحدہ سے آپ سمیت تمام اہلِ وطن کو جو امیدیں وابستہ تھیں ان پر وہ حکومت کی بے انتہاء اور بے جا مخالفت، سرکاری مشینری کی سازشوں، اتحاد میں شامل بعض جماعتوں کی منافقت اور دیگر کئی وجوہ کی بناپر ان پر پورا نہ اتر سکی یہ وجہ تھی کہ آخر میں جب آپ سے اس کے متعلق سوال کیا جاتا تو اشارے سے فرماتے کہ پتہ نہیں؟[خادم])

حافظہ: قاضی عبدالرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ بیماری کے ایام میں جب حضرت صاحب فراش ہو چکے تھے حضرت کا حافظہ اس وقت بھی غضب کا تھا۔ ایک دن میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو حضرت مجھ سے فرمانے لگے '' امام صاحب! آپ کا ایک بھائی عبدالحلیم رشیدی ہوتا تھا، وہ کہاں ہے، کیا کرتا ہے؟'' تو میں نے عرض کی حضرت وہ فوج میں آفیسر بن گیا تھا اور اب تو کب کا ریٹائر ہو چکا ہے۔ حضرت کے حافظہ کے متعلق میں سوچتا چلا گیا کہ حافظہ ہے یا کیا بلا؟ کہ پچاس سال سے زائد عرصہ گذر جانے کے باوجود حضرت کو آج بھی میرے بھائی کا نام یاد ہے۔ (ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ)

مہمان کا اکرام: حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ایک قریبی عزیز خالد صاحب ٹرک ڈرائیور ہیں وہ رات دو بجے گکھڑ سے گذر رہے تھے انہوں نے سوچا کہ چلو حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کر کے جاتا ہوں چلو حال احوال بھی ہو جائے گا پھر اپنے علاقے (اچھڑیاں، مانسہرہ) جا کر عزیز رشتہ داروں کو بھی حضرت شیخ الحدیث کی طبیعت اورصحت کے بارے میں آگاہ کردوں گا، انہوں نے دروازے پر دستک دی حضرت نے دروازہ کھولا تو فرمایا: ''خالد بیٹا! اس وقت کیسے آنا ہوا؟'' اُنہوں نے عرض کیا حضرت! اِدھر سے گذر رہا تھا تو میں نے سوچا آپ سے ملاقات کر کے جاتا ہوں، حضرت نے فرمایا گاڑی کدھر ہے؟ انہوں نے عرض کیا حضرت گاڑی سڑک پر ہے اور اسکے بعد کچھ دیر وہ حضرت کے پاس بیٹھے رہے حضرت نے ان کا اکرام کیا بوتل وغیرہ پلائی۔ خالد صاحب دیگر اہل خانہ کو ملنے کے لیے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ حضرت کے کمرہ میں واپس آئے مگر حضرت اپنے کمرے میں موجود نہیں تھے، گاڑی کے پاس گئے تو حضرت شیخ الحدیث کنڈیکٹر کو بوتل پلا رہے تھے، خالد صاحب کہتے ہیں میں حضرت کو وہاں کھڑا دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو گیا اور عرض کی حضرت آپ نے اس بڑھاپے میں اتنی زحمت کیوں کی؟ تو فرمایا میں ادھر آیا تھا کہ گاڑی کے پاس کھڑا ہوتا ہوں رات کا وقت ہے جب ادھر آیا تو کنڈیکٹر بھی موجود تھا تو اس کو پانی پلا دیا یہ میرا حق ہے، خالد صاحب فرماتے ہیں گکھڑ سے وزیر آباد تک تو اس واقعہ کی وجہ سے میرا ہوش ٹھکانے نہ رہا کہ اتنا بڑا شخص اپنے چھوٹوں پر اس قدر شفقت کر سکتا ہے، جب وزیر آباد سے گذر گئے تو کنڈیکٹر نے مجھ سے سوال کیا یہ باباجی کون تھے جو بوتل لیکر آئے تھے؟ میں نے اس کو حضرت کے متعلق مختصراً بتایا تو وہ حضرت کا عقیدت مند بن گیا۔

کیا شان ہے حضرت امام اہل سنت کی، ایسی باتیں سننا اور پڑھنا آسان مگر عمل شاید ہمارے لیے ناممکن ہو، حضرت امام اہل سنت واقعی قرونِ اولیٰ کی نشانی تھے، اللہ رب العزت حضرت کے درجات بلند فرمائے، آمین یارب العالمین۔ (ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ)

دورانِ سفر ساتھیوں اور تلامذہ کا خیال: دورانِ سفر حضرت امام اہل سنت کھانے کے وقت اپنے تمام ساتھیوں کو یاد رکھتے، دیگر مہمان تو حضرت کے ساتھ ہی کھانے پر آجاتے تھے اگر ڈرائیور کو گاڑی کھڑی کرتے وقت یا کسی اور مصروفیت کی وجہ سے کچھ دیر ہو جاتی تو حضرت امام اہل سنت میزبان کو حکم دیتے تھے کہ بھئی ڈرائیور کو بلاؤ اور جب تک ڈرائیور دسترخوان پر نہ آجاتا، حضرت امام اہل سنت کھانا شروع نہ فرماتے تھے، حضرت امام اہل سنت کے ہمراہ میر لقمان صاحب کی گاڑی اکثر مولانا محمد نواز بلوچ ڈرائیو کرتے تھے، مولانا محمد نواز بلوچ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اہل سنت دوران سفر تمام ساتھیوں کا خیال کرتے تھے بالخصوص ڈرائیور کو ساتھ بٹھاتے اور فرماتے بھئی اچھی طرح سیر ہو کر کھاؤ شرمانا نہیں۔

مولانا محمد نواز بلوچ فرماتے ہیں کہ ''حضرت گاڑی پر گذرتے تو مدرسہ ریحان المدارس میں ضرور تشریف لاتے اور فرماتے مولوی نواز بلوچ میں گذر رہا تھا سوچا آپ سے مل لوں۔ مولانا محمد نواز بلوچ یہ واقعہ سناتے ہوئے

آبدیدہ ہوگئے اور فرمانے لگے یہ تھے ہمارے اکابر کا اپنے شاگردوں سے تعلق اور محبت۔ یہ صرف امام اہل سنت رحمہ اللہ ہی کا خاصا تھا، اللہ تعالیٰ حضرت الشیخ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین [ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

جذبۂ جہاد: 1970ء میں آئین! شریعت کانفرنس موچی دروازہ لاہور میں منعقد ہونا تھی اس کا استقبالیہ کیمپ گوجرانوالہ میں لگایا گیا حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اس کے نگران اور منتظم تھے، قافلے آرہے تھے اور حضرت شیخ الحدیث بڑی تندہی اور لگن سے انکا استقبال فرما رہے تھے۔ ایک قافلہ مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کی قیادت میں گوجرانوالہ پہنچا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے حضرت ہزاروی رحمہ اللہ کو تفسیر عثمانی اور تلوار ہدیتاً پیش فرمائی اور کہا کہ حضرت ہزاروی رحمہ اللہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لے کر میدان میں ہیں ہم حضرت ہزاروی رحمہ اللہ کے ساتھ ہیں اور نفاذِ شریعت کے لیے اپنا تن من دھن لٹانے سے گریز نہیں کریں گے۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو آج جہاد کو تحصیل علم اور تدریس، تصنیفی خدمات میں رکاوٹ تصور کرتے ہیں؟ حضرت امام اہل سنت نے نصف صدی سے زائد عرصہ قرآن وحدیث کی خدمت بھی کی ہے اور تحقیقی، تصنیفی کام بھی اس لگن سے کیے ہیں کہ آئندہ کوئی بھی شخص باطل کے رد میں کام کرنا چاہے گا تو اس کو حضرت امام اہل سنت کی کتابوں سے ضرور استفادہ کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ تصوف میں بھی امام کا درجہ رکھتے تھے، تبلیغی، اصلاحی اسفار بھی کرتے تھے، ان سب کاموں کے باوجود جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور باوجود پیرانہ سالی کے حضرت نے طالبان کے دور میں افغانستان کا دورہ بھی کیا۔ [ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

ادائیگی قرض کے لیے پریشان ہونا: قاضی عبدالرحمٰن فرماتے ہیں ''ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے مجھ سے سو روپے قرض لیا، نصرۃ العلوم کے ساتھ گلی میں مسجد تھی میں وہاں امام تھا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ گکھڑ سے گوجرانوالہ اڈے تک گاڑی میں آتے وہاں سے پیدل مسجد تک آتے، وہاں وضو فرماتے پھر مجھے ساتھ لیکر مدرسہ میں پڑھانے تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت سے کافی بے تکلفی تھی حضرت کبھی کبھی مذاق بھی فرماتے تھے'' میں نے پھر اس مسجد کی امامت چھوڑ دی اور پنجن کسانہ ضلع گجرات چلا گیا، حضرت کو اطلاع بھی نہ کی اور رابطہ بھی نہ رکھ سکا۔ تقریباً تین سال بعد مجھے ایک سو روپے منی آرڈر وصول ہوا، میں نے سوچا کہ مجھے منی آرڈر بھیجنے والا کون ہوسکتا ہے۔ دیکھا تو وہ منی آرڈر امام اہل السنۃ کی طرف سے تھا، ساتھ حضرت نے شکوہ بھی لکھا ہوا تھا۔ ''کہ آپ بتا کر نہیں گئے اور رابطہ بھی نہ رکھا، میں نے آپ سے سو روپے بطور قرض لیے ہوئے تھے اسکی ادائیگی کے لیے کافی پریشان تھا کہ کیسے ادائیگی کروں اور کہاں کروں؟ آپ کی پنجن کسانہ میں موجودگی کی اطلاع ملتے ہی سو روپیہ منی آرڈر کر رہا ہوں، ملتے ہی مجھے اطلاع ضرور کر دینا تا کہ میرا بوجھ ہلکا اور پریشانی ختم ہو سکے۔'' [ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

طالبان سے عقیدت: بیماری کے آخری ایام میں گفتگو کا سلسلہ بھی رک گیا تھا، گھر والوں کی شدید خواہش تھی کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں، گفتگو کریں، مگر حضرت صرف اشارہ ہی کرتے، بول نہ سکتے تھے، انہیں دنوں

دو جہادی راہ نما حضرت سے ملاقات اور زیارت کے لیے تشریف لائے، حضرت کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن شاہدان سے گفتگو کر رہے تھے، دوران گفتگو طالبان کا ذکر آ گیا، طالبان کا لفظ حضرت کے کانوں میں پڑنے کی دیر تھی حضرت نے مہمانوں کو اپنے قریب کر لیا اور ان سے طالبان کے حالات و واقعات سننے لگ گئے اور طالبان کے متعلق سوال جواب کرتے رہے مجلس کے اختتام پر حضرت نے طالبان کے لیے بہت ساری دعائیں کی۔[ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

قوت حافظہ: حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے مجھے حکم دیا کہ بخاری شریف لاؤ، چنانچہ میں بخاری شریف لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیٹھ گیا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا فلاں صفحہ کھولو، میں نے مطلوبہ صفحہ نکال لیا ایک حدیث سنائی، میں نے اس حدیث کو ڈھونڈ کر عرض کیا حضرت حدیث مل گئی، حضرت نے فرمایا: ''دیکھو اس حدیث پر میرے ہاتھ سے لکھا ہوا حاشیہ ہوگا، میں نے ڈھونڈا تو نہ ملا، میں نے عرض کیا ابو جان آپ کا لکھا ہوا حاشیہ نہیں ملا، فرمایا دھیان سے دیکھو، میں نے آنکھوں کو تھوڑا سا ہاتھوں سے ملا اور دوبارہ دیکھنے لگا پھر نہ ملا، میں نے عرض کیا حضرت نہیں ملا حضرت نے اصرار کے ساتھ فرمایا غور سے دیکھو ضرور مل جائے گا، کتاب کی جلد دوبارہ کی ہوئی تھی اور سلائی زیادہ آگے کی ہوئی تھی میں نے دونوں ہاتھوں سے کتاب کو اطراف سے دبایا تو حضرت شیخ الحدیث کا لکھا ہوا حاشیہ مل گیا میں خوش ہوا اور عرض کیا حضرت آپ کا لکھا ہوا حاشیہ مل گیا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا: میں نے یہ حاشیہ 30 سال قبل لکھا تھا اور اپنے ہاتھوں سے لکھا تھا اور مجھے اچھی طرح یاد بھی تھا اس لیے تمہارے انکار پر دوبارہ کہا تھا کہ دھیان سے دیکھو ضرور مل جائے گا۔ یہ واقعہ حضرت کی بیماری کا ہے جب درس و تدریس کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور حضرت نے نصرۃ العلوم میں کافی سال پہلے پڑھانا چھوڑ دیا تھا۔[ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

حُسن خلق: 1953ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو حضرت نے اس میں بھرپور کردار ادا کیا، اور جیل میں پابند سلاسل بھی رہے، اس وقت رئیس الخطباء سید عطاء اللہ شاہ بخاری ساہیوال جیل میں قید تھے، امام اہل سنت اپنے دیگر حضرات جن میں مفتی عبد الواحد رحمہ اللہ صاحب خطیب جامع مسجد مرکزی شیرانوالہ باغ، قاضی شمس الدین رحمہ اللہ، قاضی نور محمد رحمہ اللہ، علامہ خالد محمود پی ایچ ڈی لندن، مولانا عبد الرحمٰن رحمہ اللہ، حاجی قاضی عبد الرحمٰن صاحب اور بہت سارے دیگر کارکنان اور علماء کے ساتھ جیل میں قید تھے، قاضی عبد الرحمٰن حضرت امام اہل سنت کے شاگرد ہیں۔ مدرسہ نصرۃ العلوم کے قریب ایک مسجد میں امام تھے اور جیل میں بھی یہی امام تھے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ان کو ہمیشہ امام صاحب کہہ کر بلاتے تھے، قاضی عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں سنٹرل جیل ملتان کی چکی نمبر 52 میں تھا جو اوپر والی منزل پر تھی اور حضرت امام اہل السنۃ چکی نمبر 48 میں تھے جو نیچے والی منزل پر تھی۔

حضرت شیخ الحدیث جیل میں کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، گوجرانوالہ شہر کا ہی ایک پہلوان محمد اسلم فردوس بوتل والا تھا، یہ بڑا اکھڑ مزاج تھا، ہر شخص سے لڑتا تھا، جھگڑتا تھا، مگر حضرت شیخ سے بڑی عقیدت و محبت سے

پیش آتا تھا، اور جیل میں صرف حضرت امام اہل سنت کو عالم سمجھتا تھا۔

قاضی عبدالرحمٰن فرماتے ہم نے امام اہل سنت سے عرض کی، حضرت پہلوان اسلم کو کیسے رام کرلیا، یہ آپ کا گرویدہ ہے اور آپ کے علاوہ کسی اور کو خاطر میں نہیں لاتا، حضرت تھوڑا مسکرائے پھر فرمایا میرے ساتھ تو بالکل صحیح گفتگو کرتا ہے اور ہمیشہ حسن خلق سے پیش آتا ہے۔

قاضی عبدالرحمٰن صاحب فرماتے ہیں بڑوں کا احترام تو ہر کوئی کر لیتا ہے، چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آنا یہ حضرت شیخ ہی کی شان تھی، اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی مرقد مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے آمین

[ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

تحصیلِ علم میں مشکلات: ایک دن امام اہل سنت حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اپنے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد کو فرمانے لگے، بیٹا محنت کرو اور پڑھو! فرمایا ہم نے تو انتہائی کسمپرسی کے حالات میں پڑھا ہے پھر یتیمی کے دوران پڑھا ہے، وسائل نہیں تھے، والد کا سایہ بھی نہ تھا، بیٹا دین سے دنیا بھی سنورتی ہے اور آخرت بھی! آج تمہارے پاس وسائل ہیں اور کسی چیز کی کمی نہیں ہے پھر اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ''میں گوجرانوالہ میں رہتا تھا۔ اطلاع ملی ہمارے علاقہ مانسہرہ میں کوئی عزیز فوت ہو گیا ہے، میں وہاں اپنے علاقہ میں گیا، واپس گوجرانوالہ آنا تھا اس وقت وہاں سے گوجرانوالہ کا کرایہ دو روپے تھا اور میرے پاس صرف ایک روپیہ تھا، میں نے سوچا کہ چلو پنڈی تک پیدل چلا جاتا ہوں وہاں سے گاڑی پر بیٹھ کر ایک روپیہ کرایہ دوں گا اور گوجرانوالہ چلا جاؤں گا، پھر اچانک دل میں خیال آیا کہ چلو قریب ہی رشتہ داروں کا گھر ہے ان سے ایک روپیہ قرض لے لیتا ہوں جب ان کے پاس گیا تو انہوں نے ایک روپیہ قرض دینے سے انکار کر دیا کہ یہ بے چارہ ایک روپیہ کیسے واپس دے گا، ضائع کرنے والی بات ہے، چنانچہ میں نے اس کے بعد سے آج تک کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کیا، اپنے علاقہ سے واپس پیدل سفر شروع کر دیا رات ایبٹ آباد پہنچا وہاں پر الیاسی مسجد میں نماز پڑھی میرے پاس صرف لٹھے کی ایک چادر تھی نماز کے بعد مسجد والوں نے پوچھا آپ کیوں بیٹھے ہیں، میں نے کہا کہ مسافر ہوں رات مسجد میں گذارنا چاہتا ہوں انہوں نے مسجد میں رہنے کی اجازت نہ دی، سردیوں کی رات لٹھے کی چادر میں، میں نے باہر ہی گذاری صبح ہوئی تو پھر پیدل سفر شروع کیا اور پنڈی پہنچ گیا وہاں سے گاڑی پر بیٹھ کر گوجرانوالہ آ گیا، حضرت شیخ نے مولانا شاہد سے فرمایا بیٹا! ''اس وقت جن رشتہ داروں نے ایک روپیہ قرض دینے سے انکار کیا تھا آج وہی رشتہ دار مجھ سے رشتہ داری پر فخر اور ناز کرتے ہیں، اور وہی مسجد والے جنہوں نے رات گذارنے کی اجازت نہ دی، مجھے متعدد بار جلسہ میں شرکت کی دعوت دے چکے ہیں یہ ساری عزت اس علم دین کی وجہ سے ہے اس لیے اسے توجہ سے پڑھو اللہ تعالیٰ ضرور نوازے گا۔''

[ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

انسانی ہمدردی: ایک دفعہ حضرت کسی جلسہ سے واپس تشریف لائے اور جلدی جلدی اپنے ٹیبل کی دراز کھولی اور وہاں سے کچھ رقم نکالی اور فوراً باہر چلے گئے، حضرت کی اہلیہ نے پوچھا آپ ابھی تو آئے ہیں پھر اتنی جلدی

کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا میں بس ابھی آتا ہوں! حضرت کی اہلیہ نے اپنے بیٹے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد کو بھیجا کہ جاؤ دیکھو، آپ کے ابو کہاں جارہے ہیں؟ حضرت باہر گئے اور ڈرائیور کو کچھ رقم دی پھر گھر واپس تشریف لے آئے، اہلیہ محترمہ نے کہا لوگ جلسوں میں جاتے ہیں پیسے لاتے ہیں اور آپ جلسے سے واپس تشریف لاتے ہیں تو گھر سے پیسے دے رہے ہیں، اس پر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس گاڑی پر آیا ہوں اس کا ڈرائیور عیسائی ہے، راستہ میں اس کے ساتھ بات چیت ہوئی اس کی تنخواہ کے متعلق بھی سوال کیا تو وہ بیچارہ رو پڑا تھا، اس کی تنخواہ کم ہے، صاحبِ اولاد ہے اس کا گذارہ مشکل ہوتا ہے اس لیے میں نے کچھ رقم اس کو دی تاکہ اسکی پریشانی کچھ کم ہوسکے۔

حضرت کا دورانِ سفر ملنے والے اور ملاقات کے لیے آنے والے مہمانوں کے بارے میں معمول تھا ان سے بات چیت کرنے اور ان کے مشاغل کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا، اگر کوئی پریشان حال نظر آتا تو حضرت شیخ اس کے ساتھ تعاون فرماتے تھے۔[ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ]

تصویر سازی بیمہ زندگی اور پیشہ وکالت کے بارے میں ارشادات

مولانا عرفان الحق حقانی فرماتے ہیں کہ ہم شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ دورانِ ملاقات کچھ اور مہمان بھی آئے، ایک شخص سے آپ نے پوچھا کہ کیا مشغلہ ہے؟ تو اس نے کہا کہ فوٹو گرافر ہوں، آپ نے فرمایا کہ یہ کام جائز نہیں ہے اگرچہ آپ بامرِ مجبوری یہ کام کرتے لیکن یہ یاد رکھو کہ اسے جائز کبھی مت سمجھو! میرے رفیق سفر سے پیشے کے بارے میں پوچھا تو اس نے اسٹیٹ لائف میں ملازمت کا کہا، تو آپ نے فرمایا کہ بیمہ کا کام بالکل چھوڑ دو! یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے، میرے ساتھی نے کہا کہ میں نے وکالت کی تعلیم بھی حاصل کی ہے تو اس پر آپ نے فرمایا کہ وکالت کا کام بھی کچھ زیادہ اچھا تو نہیں، تاہم اگر احتیاط پیش نظر ہو تو پھر صحیح ہے، بعض علماء نے اس کو مختلف فیہ قرار دیا ہے اور پھر تالیف قلب کے لیے فرمایا کہ اگر اختلاف کو دیکھا جائے تو پھر تو عیسائی خدا کے بارے میں اختلاف کے شکار ہیں، احقر نے علم وعمل کے لیے تعویذ کی درخواست کی تو آپ نے لکھ کر دوسرے کاغذ میں لپیٹ کر مرحمت فرمایا، میں نے آپ کی عمر کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ قمری اعتبار سے 90 سال پورے ہوچکے ہیں اور ایک اوپر چل رہا ہے، جبکہ شمسی اعتبار سے 88 برس ہے، دوران گفتگو حضرت مولانا مفتی محمد فرید دامت برکاتہم کا ذکر خیر ہوا تو آپ نے ان کی شفاء کے لیے دعا فرمائی اور کہا کہ عمر کے لحاظ سے وہ مجھ سے کافی چھوٹے ہیں، آپ کی بیماری اور فالج کے بارے میں ذکر ہوا تو فرمایا کہ اثر بہت زیادہ ہے اور جس سے بے حسی بھی بڑھ رہی ہے، کمزوری بھی محسوس کرتا ہوں، ہر قسم کا علاج کیا مگر فائدہ کم ہی ہوتا ہے۔

☆...... ایک دفعہ عصر کے بعد حاضرِ خدمت ہوا تو دیکھا کہ چارپائی پر قبلہ رو بخاری شریف کھولے بیٹھے ہیں۔ صبح سبق پڑھانے کی تیاری فرمارہے ہیں۔ حالانکہ اس وقت میں جانتا تھا حضرت کو بخاری پڑھانے اور سمجھانے کے لیے مطالعہ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میری حیرت کو حضرت فوراً سمجھ گئے۔ میری تربیت کے لیے فرمایا مولوی صاحب

میں نے آج تک بغیر تیاری کے کبھی نہیں پڑھایا چاہے سبق کتنا ہی آسان ہو۔سبحان اللہ! کیا احساس ہے ذمہ داری کا!۔[پروفیسر اشفاق منیر صاحب]

☆...... دورانِ سبق ایک دفعہ فرمایا جب میں مدرسہ میں ''ہدایہ شریف'' پڑھایا کرتا تھا تو ایک غیر مقلد آ کر قریب بیٹھا جاتا۔میرا سبق پڑھانا غور سے سنتا رہتا ایک دفعہ بڑا متاثر ہو کر کہنے لگا ''مولوی صاحب آپ اتنے بڑے عالم ہو کر بھی مقلد ہیں؟''۔میں نے فوراً کہا مجھے بھی یہی حیرت ہے کہ تم جاہل ہو کر بھی غیر مقلد ہو؟۔[پروفیسر اشفاق منیر صاحب]

☆...... حضرت شیخ رحمہ اللہ کے مزاج میں استغناء بھی اللہ تعالیٰ نے خوب بھرا تھا۔جس مسجد میں حضرت جمعہ پڑھاتے اور درس قرآن دیتے تھے اس کی مزید توسیع وتزئین کے صلاح مشورے جن دنوں ہو رہے تھے راقم کا وہاں جانا ہوا۔اراکین انتظامیہ کمیٹی نے مجھ سے کہا مسجد کی جگہ تنگ ہوگئی ہے جمعہ کی نماز میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ مسجد کے ملحق گورنمنٹ پرائمری سکول کی چھوٹی سی عمارت ہے۔سکول کی حالت بھی انتہائی خراب تھی۔اس وقت محترم رفیق تارڑ صاحب پاکستان کے صدر تھے۔جو کہ حضرت کے بہت عقیدت منداور مرید بھی تھے۔مسجد کی انتظامی کمیٹی چاہتی تھی کہ سکول کی جگہ مسجد میں شامل کر دی جائے اور سکول کسی دوسری جگہ شفٹ کر دیا جائے۔اراکین کمیٹی نے راقم سے کہا آپ حضرت شیخ رحمہ اللہ سے صدر صاحب کو کہلوائیں۔صدر صاحب شیخ کی خدمت میں آتے رہتے تھے۔ صدر صاحب کے لیے یہ معمولی کام تھا۔انتظامیہ کمیٹی یہ بھی چاہتی تھی کہ جو ضابطے کی کارروائی ہے وہ بھی بیشک پوری کرلیں۔راقم نے خوشی خوشی جا کر بڑے اصرار سے حضرت کی خدمت میں سارا پروگرام عرض کر دیا۔منوانے کی کوشش بھی کی حضرت نے تمام باتیں سن کر ارشاد فرمایا: ''پروفیسر صاحب! میں صدر صاحب سے کبھی نہیں کہوں گا۔صدر صاحب سے تو میرے اپنے اختیارات زیادہ ہیں۔ہمیں ان صدروں وزیروں سے کیا لینا''۔سبحان اللہ کیا شانِ قلندری ہے۔حق ہے میرے نبی اکرم ﷺ کا فرمایا ہوا: الغنی من غنی النفس (غنی وہ ہے جس کا دل غنی ہو) یہ ایک جھلک تھی اسلاف دیوبند کی۔(پروفیسر اشفاق منیر صاحب)

کتیاں نوں پاد یو! خادم کے والد گرامی مدظلہ راوی ہیں، فرماتے ہی کہ تحریک ختم نبوت کے دوران ایک مرتبہ گکھڑ میں ختم نبوت کے عنوان پر جلسہ تھا، اُس وقت مسئلہ ختم نبوت پر اہل تشیع نے بھی اہل سنت سے اتحاد کیا ہوا تھا اور برابر پروگراموں میں شریک ہوتے تھے۔جلسہ کے موقع پر بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے انہوں نے سے تمام علماء کرام کے کھانے کا انتظام اپنے ذمہ لے لیا، اور گوشت تیار کرایا جو یقیناً کسی شیعہ بے ایمان کا ذبیحہ تھا جو لامحالہ حرام اور ناپاک تھا۔جلسہ کے بعد سب علماء بغیر کھانا کھائے تشریف لے گئے۔دادا جان رحمہ اللہ بھی گھر آ گئے، تو اہل تشیع نے آپ کا کھانا گھر بھجوا دیا، جب آپ کو علم ہوا تو فرمایا ''کتیاں نوں پادیو'' (کتوں کو ڈال دو) اللہ اکبر....!! یہ تھی مسلکی غیرت، کہ گستاخ صحابہ کے حرام ذبیحہ کو فقط نہ کھانے یا پھینکوانے پر اکتفا نہ کیا بلکہ (حرام اور مردار سے) شدید نفرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ''کتوں کو ڈال دو''۔

سند نہیں دینی: گزشتہ سال جب مبلغ اسلام مولانا طارق جمیل صاحب کی طرف سے صحابہ

کرام، اور اکابرین کے بارہ میں بعض غیر محتاط جملے اور اہل باطل بالخصوص ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی تائید میں تعریفی کلمات سامنے آئے تو آپ رحمہ اللہ نے فوراً یہ ارادہ کرلیا کہ اب مولانا طارق جمیل صاحب کے مدرسہ کے کسی فاضل کو اجازت حدیث نہ دونگا، چنانچہ آپ نے ایسے ہی کیا، خود میرے سامنے دو تین طلباء حاضر ہوئے اور سند حدیث کی درخواست کی تو آپ نے حسب معمول پوچھا دورہ کہاں کیا ہے؟ جواب ملا مولانا طارق جمیل صاحب کے پاس.... یہ سنتے ہی آپ نے فوراً اپنے مخصوص انداز میں نفی میں ہاتھ ہلا یا اور فرمایا کہ ''اس کو سند نہیں دینی۔'' گویا جہاں ذرا بھی مسلکی لحاظ سے گڑ بڑ نظر آئی آپ نے فوراً بھرپور طریقہ سے اس سے برأت اور لاتعلقی کا اظہار کردیا۔ تاکہ آپ کی نرمی اور خاموشی سے کوئی غلط مطلب نہ نکال لے۔ اور کہیں آپ کو اس کا حمایتی نہ سمجھ لے۔

نیند: فرمایا ''حضرت مدنی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میدان جہاد میں نیند رحمٰن کی طرف سے ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور پڑھتے پڑھاتے وقت نیند کا آجانا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

دین کا کام: فرمایا ''نصرۃ العلوم میں ایک بزرگ باباجی تھے نیک آدمی تھے، میرے پاس بیٹھ کر درس قرآن سنتے، کافی عرصہ بعد مجھے کہنے لگے مولانا! آپ بہت بڑا کام کررہے ہیں مگر دین کا کام نہیں کرتے؟ میں نے کہا باباجی! دین کا کیا کام کروں؟ کہنے لگے آپ نے کوئی چلہ وغیرہ تو لگایا نہیں؟ میں نے کہا اگر میں چلے پر چلا جاؤں تو ان (طلباء) کو کون پڑھائے گا؟ کہنے لگے اللہ پڑھائے گا۔ بھائی اتنی سادگی بھی نہیں ہونی چاہیے۔ جو وقت نکال کر باہر جاتے ہیں وہ بھی مبلغ ہیں اور جو اپنی جگہ بیٹھ کر اصلاح کرتے ہیں وہ بھی مبلغ ہیں۔''

جہاد کی برکات: فرمایا ''جہاد کی بڑی برکات ہیں اور ایمان کی بڑی قوت ہے بشرطیکہ مومن صحیح معنیٰ میں ہو، افغانستان میں جہاد کے لیے ہمارے ساتھی یہاں سے لاٹھیاں لے کر جاتے تھے، افغان جہاد لاٹھیوں سے شروع ہوا ہے، چنے اور گڑ ساتھ لیا، ڈنڈا پکڑا اور افغانستان جہاد کے لیے چل پڑے، شروع شروع میں ان کے پاس بندوقیں بھی نہیں تھیں، آج دنیا ان کا سکہ مانتی ہے اور دنیائے کفر ان سے خوف زدہ ہے۔'' (یہ ملفوظ مبارک طالبان کے دور حکومت میں ارشاد فرمایا تھا [خادم])۔

مسلمان کی عزت جہاد کے ساتھ ہے: فرمایا ''رپوؤں (پیسوں) سے عزت نہیں ہوتی! اگر ہوتی تو کنجر دنیا میں بڑے عزت والے ہوتے کہ ان سے زیادہ دولت کس کے پاس ہے؟ مسلمان کی عزت ایمان، عملِ صالح اور جہاد کے ساتھ ہے۔''

بغیر عذر جماعت چھوڑنے والا: فرمایا اگر کوئی آدمی تین دفعہ بغیر عذر جماعت چھوڑ دے تو وہ فاسق ہوجاتا ہے، اسکی گواہی شریعت منظور نہیں کرتی۔

گناہوں کا چورن: فرمایا ''بہت سارے پڑھے لکھے لوگ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ توبہ ایسا چورن ہے کہ جس سے سارے گناہ ہضم ہوجاتے ہیں، لہٰذا اچھی طرح سمجھ لیں اور قیامت والے دن یہ نہ کہنا ہمیں کسی نے بتایا نہیں تھا (حقوق اللہ میں) نماز، روزہ، زکوٰۃ، عشر توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔

شیخ مدنی رحمہ اللہ کا ایفائے عہد: فرمایا ''حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ایک جلسے میں پہنچنے کا وعدہ کررکھا تھا، سوئے اتفاق گاڑی لیٹ ہوگئی، اور سواری کا انتظام نہیں تھا، ٹائم کم تھا، پہنچنا ناممکن تھا، اپنے ساتھی سے فرمایا دوڑو! اس نے عرض کیا حضرت کیسے دوڑیں؟ فرمایا دوڑ کر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اگر راستے میں تھک کر گر پڑے تو قیامت والے دن کہہ سکیں گے پروردگار! ہم نے وعدہ پورا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ ہمارے ہاں وعدہ تار عنکبوت (مکڑی کا جالا) ہے۔ یاد رکھنا! کسی سے وعدہ نہ کرنا، اگر کرو تو اس کو نبھاؤ! کسی کو مغالطے میں نہ رکھو، یہ منافقوں اور مشرکوں کی نشانی ہے۔''

مونچھوں کا مسئلہ: فرمایا ''مونچھوں کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ قینچی کے ساتھ کاٹنی بھی جائز ہیں، لیکن افضل یہ ہے کہ استرے سے صاف کی جائیں، امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ (تینوں) اسی کے قائل ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے باب نمبر 6 میں مولانا عطاء اللہ صاحب کا مضمون ''جس کی زندگی محمودؒ'')

تنکوں کی ٹوپی: فرمایا کہ '' آج کل جو تنکوں کی ٹوپیاں مسجدوں میں رکھ دی جاتی ہیں ان کا پہننا مکروہ ہے۔''

سخی نور: فرمایا ''اپنے گھر کی ضروریات پوری ہوں تو پھر صدقہ کرنا چاہیے۔ اور گھر کے افراد مشکل میں ہوں تو سخی نور بننے کی ضرورت نہیں۔''

علم کی برکت: ایک مرتبہ راقم کے والد گرامی کو فرمایا ''بیٹا! یہ جو تو دیکھتا ہے کہ ایک دنیا مجھے ملنے آتی ہے، جہاں جاتا ہوں عزت ملتی ہے یہ سب دین کی برکت ہے ورنہ مولوی سرفراز جیسے کئی روڈوں پر جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں۔''

تیراکی: ایک بار دورانِ سفر گوجرانوالہ کے قریب ایک نہر سے گزرتے ہوئے عم مکرم مولانا راشد مدظلہ سے پوچھا کہ یہ کونسی نہر ہے؟ انہوں نے بتایا کہ فلاں نہر ہے! فرمایا کہ: ''زمانۂ طالب علمی میں میں یہاں آکر تیرا کی کیا کرتا تھا، یہ اس وقت 25/30 فٹ گہری تھی میں پُل کے اوپر سے چھلانگ لگاتا اور نیچے سے ریت اٹھا کر کبھی دائیں نکل جاتا کبھی بائیں، لوگ کھڑے ہو کر شوق سے مجھے دیکھتے تھے۔'' رفقائے سفر میں سے کسی نے پوچھا کہ آپ تو پھر چھٹی کے دن آتے ہوں گے؟ تو فرمایا کہ نہیں بھئی! میں بھی تمہارے جیسا طالب علم تھا جب داؤ لگتا آجاتا تھا۔

قبولیت عمل کی شرائط: فرمایا ''ہر عمل کی قبولیت کے لیے تین شرطیں ہیں [۱] ایمان [۲] اخلاص [۳] اتباع سنت۔ اگر عقیدہ درست نہیں تو نیکی کی کوئی حیثیت نہیں۔ اخلاص نہیں تو بھی عمل ضائع ہوگیا۔ خلاف سنت کیا تو بھی قبول نہ ہوگا۔''

زیادہ کھانے کی کرامت: ایک بار دورانِ سبق فرمایا کہ ''میری بھی ایک کرامت ہے۔ طبقاتِ شافعیہ میں لکھا ہے کہ کرامت کی 24 قسمیں ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ولی زیادہ کھانا کھاتا ہے۔

کم کھانا بھی اسراف ہے: ایک بار دورانِ سبق فرمایا ''روح المعانی میں لکھا ہے کہ ''کم کھانا بھی اسراف ہے،'' (اتنا کم) جس سے صحت برقرار نہ رہے۔'' پھر (مسکراتے ہوئے) فرمایا ''یہ تفسیر آپ (طلباء) کی خوشی کے لیے ہے۔''

بعض شخصیات ونظریات کے بارہ میں حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کا......مؤقف

اپنی یاداشت کے مطابق مختلف مسائل وشخصیات کے بارے میں داداجان رحمہ اللہ کے مؤقف کو تحریر کرنے کی کوشش کروں گا، خدا تبارک وتعالیٰ ہمیں داداجان رحمہ اللہ کی اس امانت کو کامل طور پر دیانت داری کے ساتھ صحیح اور اصلی شکل میں آگے منتقل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، تاکہ آپ رحمہ اللہ کے تلامذہ، مریدین، متعلقین آپ کی رائے کی روشنی میں ٹھوس نظریہ قائم کرسکیں۔

لایا ہوں اس طرح دلِ صد پارہ ڈھونڈ کر　　　ٹکڑا جہاں پڑا ہوا پایا اٹھالیا

ضروری نوٹ: بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ احقر نے اکابر کے مشورے سے مجبوراً اُن پر قلم اٹھایا ہے، حتی الامکان بڑوں کی بے ادبی اور گستاخی سے پرہیز کرتے ہوئے اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے معتدلانہ تحریر کی کوشش کی ہے اور علوی مالکی صاحب سے متعلق زیادہ تر اکابر کی عبارات نقل کی ہیں۔اور اپنا یہ مضمون تایا جان مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ اور مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ کو خصوصی طور پر چیک بھی کرایا، اور ان کے حکم کے مطابق حذف وترمیم بھی کردی ہے تاکہ کوئی بات غیر مناسب شاملِ اشاعت نہ ہو۔اس کے باوجود بھی اگر کوئی کمی بیشی یا غلطی ہو تو مطلع فرمائیں، خادم نہایت مشکور وممنون ہوگا۔

......﴿امام اہل سنت رحمہ اللہ ......اور ......محمد علوی مالکی صاحب﴾......

فتنہ علوی مالکی......کا......مختصر تعارف وپس منظر

مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ رقم طراز ہیں:

مکہ مکرمہ کے رہنے والے ایک عرب گھرانے کے فرد محمد علوی مالکی صاحب (جو مذہباً بریلوی ہیں) نے منجملہ دیگر کتابوں کے ''**الذخائر المحمدیه**'' اور ''**حول لاحتفال بذکری المولد النبوی شریف**'' کے نام سے دو کتابیں لکھیں۔ان کتابوں کے بہت سے مندرجات پر سعودی عرب کے علماء بورڈ کے ایک رکن اور مکہ مکرمہ کے قاضی شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع نے اعتراض کیا اور ان کے رد میں ایک کتاب ۱۴۰۳ھ میں شائع کی جس کا نام ''**حوار مع المالکی فی رد منکراته وضلالاته**'' رکھا، اس کتاب کے مقدمہ میں سعودیہ کے قاضی القضاۃ شیخ عبدالعزیز بن باز نے لکھا:

''محمد علوی مالکی صاحب کی لکھی ہوئی کتابوں میں موجود بہت سی قابل نکیر باتوں پر میں مطلع ہوا۔ان کتابوں میں سب سے مقدم ان کی وہ قابل مذمت کتاب ہے جس کا نام انہوں نے ''**الذخائر المحمدیه**'' رکھا ہے۔ان قابل نکیر باتوں میں ایک یہ ہے کہ اس کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی صفات کی نسبت کی گئی ہے جو (محض) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خصائص میں سے ہیں۔مثلاً یہ کہ'' آسمانوں اور زمین کی کنجیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں'' اور یہ کہ ''آپ جنت کی زمین بطور جاگیر دے سکتے ہیں'' اور یہ کہ ''آپ غیب اور روح اور ان پانچ چیزوں کا علم جانتے ہیں جن کے جاننے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص رکھا ہے۔''

علوی مالکی صاحب کے نظریات:

ذیل میں علوی صاحب کے چند باطل نظریات اُن کی کتب کے حوالہ سے پیش کیے جاتے ہیں۔

[۱]......نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ہر شے کا علم دیا گیا ہے:

''واوتی علم کل شئی حتی الروح والخمس التی فی آیة ان الله عنده علم الساعة....الخ''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم دیا گیا یہاں تک روح کا بھی اور مغیبات خمسہ کا بھی جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔[الذخائر المحمدیہ ص۲۰۵]

[۲]......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''علم غیب'' دیا گیا ہے:

''وکم من امور جاء ما یدل علیٰ انها حق الله سبحانه وتعالیٰ ولکنه سبحانه وتعالیٰ من بها علی نبیه صلی الله علیه وسلم وغیره.... فمنها علم الغیب....الخ''

کتنے ہی امور ہیں جن کے بارے میں دلیل موجود ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور دوسروں کو بھی احسان کے طور پر عطا فرمائے....ان میں سے ایک علم غیب ہے۔[مفاهیم یجب ان تصحح ص۸۳، ھواللہ ص۸۹]

[۳]......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ ہر جگہ حاضر وناظر ہے:

''روحانیة المصطفیٰ صلی الله علیه وسلم حاضرة فی کل مکان فهی تشهد اماکن الخیر ومجالس الفضل....الخ''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت ہر جگہ موجود ہے، لہٰذا وہ خیر کی جگہوں اور فضل وذکر کی مجلسوں میں حاضر ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ روح ہونے کے اعتبار سے روح برزخ میں مقید نہیں ہوتی بلکہ آزاد ہوتی ہے اور اللہ کی ملکوت میں پھرتی ہے۔[الذخائر المحمدیہ ص۲۵۹]

[۴]......غیر اللہ کی قسم کھانا جائز ہے:

''ویجوز ان یقسم علی الله به ولیس ذلک لاحد''

جائز ہے کہ اللہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کھائی جائے اور کسی کے لیے جائز نہیں۔[الذخائر المحمدیہ ص۲۰۶]

اس کے علاوہ بھی بے شمار باطل نظریات ان کی کتب میں درج ہیں طوالت کے خوف سے انہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ ان عقائد کی بنا پر سعودی علماء ''محمد علوی مالکی صاحب'' کو بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج سمجھتے ہیں۔ اور انہی باطل نظریات کی وجہ سے ہمارے اکابر علوی مالکی صاحب کو بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۰۵ھ میں محمد علوی مالکی صاحب نے اپنے مخالفین کے جواب میں ایک کتاب ''مفاھیم یجب ان تصحح'' شائع کی اوراس کے لیے مختلف ملکوں کے علماء سے تقاریظ وتصدیقات حاصل کیں۔ یہ تقاریظ ۶۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں جبکہ بعض تقاریظ کی اشاعت سے طوالت کے سبب معذرت کر لی گئی ہے۔

تصدیقات لکھنے والے بعض تو شروع ہی سے بدعتی ہیں اور بعض جدید قسم کے پروفیسر ہیں۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والے جناب صوفی اقبال صاحب، عبدالحفیظ مکی صاحب، اور حافظ صغیر احمد صاحب وغیرہ جو ''فضائل اعمال'' (تبلیغی نصاب) کے مصنف مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ہیں، لیکن حضرت کی وفات کے بعد انہوں نے ''محمد علوی مالکی صاحب'' سے اپنی ارادت کا تعلق جوڑ لیا ہے۔ ان میں سے کل یا بعض کی کاوشوں سے پاکستان کے بعض اکابر، مہتمم اور خطیب حضرات سے بھی تصدیقات وتقریظات حاصل ہوگئیں جنھوں نے پڑھے بغیر محض ان حضرات پر اعتماد کیا اور اگر کسی نے کتاب پڑھ کر کچھ تنقید اور تنبیہ کی جیسا کہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے کی تو اس کو سرے سے کتاب میں شائع ہی نہیں کیا۔

محمد علوی مالکی صاحب نے بہت سی تقاریظ محض اس لیے شائع کی ہیں تاکہ اپنے مخالف سعودی علماء کو یہ تأثر دے سکیں کہ ''تم ہی غلطی پر ہو، ہمیں تو دنیا بھر کے علماء کی تائید حاصل ہے''۔

لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ سعودی عرب میں بھاری بھرکم تقاریظ کے ساتھ اس کتاب کی اشاعت کے بعد جب علوی صاحب کے حامیوں نے پاکستان میں ''مفاھیم یجب ان تصحح'' کا اردو ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' کے نام سے شائع کیا تو اہل حق کو اسی وقت کھٹکا کہ شرک وبدعات کو اصل دین بتایا جا رہا ہے۔ چنانچہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، محقق العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ اور امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ وغیرہم اکابر نے بروقت ان حضرات کی گرفت کی، اور اپنے مضامین وفتاویٰ اور رسائل میں عوام الناس کو اس بات سے بخوبی آگاہ کیا کہ ''اصلاح مفاہیم'' شرک وبدعات پر مبنی عقائد واعمال کا پلندہ ہے جس پر توحید وسنت کا لیبل لگایا گیا ہے۔

[ملخصاً از ''علوی مالکی کے عقائد ان کی تحریرات کے آئینے میں'']

شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اصلاح مفاہیم پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' 1......﴿ ''اصلاح مفاہیم'' دراصل بریلوی مکتبِ فکر کے ایک فاضل اور جناب احمد رضا خانصاحب بریلوی کے ایک غالی عقیدت مند کی تالیف ہے، جو بریلوی عقائد ونظریات کی اشاعت کے لیے مرتب کی گئی ہے۔

2......﴿ اس کتاب کا مدعا صرف سلفیوں کے تشدد کی اصلاح نہیں بلکہ اس کا اصل ہدف دیوبندی حضرات کے مقابلہ میں بریلوی حضرات کے نقطۂ نظر کی بھرپور حمایت وتائید ہے۔

3......﴾ (کتاب میں بارہا مستعمل) جاہل، غبی، کم فہم، بدفہم اور متعنت وغیرہ الفاظ کے تکرار سے مقصود دراصل اکابر دیوبند (قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے ہمارے شیخ برکۃ العصر مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ تک تمام اکابر) کی تجہیل و تحمیق ہے۔

4......﴾ جناب مصنف نے دیوبندی حضرات کی تقریظوں کا جوانبار لگایا ہے اس کی اصل غرض بھی ظاہر ہوتی ہے کہ تقریظات کا یہ اہتمام دراصل اکابر دیوبند کے خلاف خود دیوبندی حضرات سے ''اجتماعی فتویٰ'' لینا ہے، تاکہ یہ تمام تقریظ کنندگان بھی اپنے اسلاف کو جاہل و نادان قرار دینے میں متفق ہو جائیں۔[آپ کے مسائل اوران کا حل ج10 ص115]

ایک صاحب کے خط کے جواب میں حضرت شہید رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اصلاحِ مفاہیم کے ذریعے ان حضرات (صوفی اقبال صاحب، مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب) نے دیوبندی حلقہ کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں فریقوں کے درمیان اختلاف ونزاع کا جو میدانِ کارزار پون صدی سے گرم رہا ہے، اس میں غلطی اکابرِ دیوبند ہی کی تھی، اب یہ حضرات چاہتے ہیں کہ دیوبندیوں کو اُن کی غلطی کا احساس دلا کر اس غلطی کی اصلاح پر آمادہ کیا جائے۔''[ایضاً ص118]

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ ماہنامہ ''حق چار یار'' میں علوی مالکی کی حقیقت واشگاف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''علوی مالکی صاحب نہ صرف کٹر بریلوی ہیں بلکہ فنا فی البریلویت ہیں، چنانچہ ایک موقع پر جناب علوی مالکی صاحب نے بریلویوں کی ایک مجلس میں کہا ''سیدی علامہ مولانا احمد رضا خانصاحب فاضل بریلوی کو ہم ان کی تصنیفات اور تالیفات کے ذریعے جانتے ہیں، وہ اہل سنت کے علامہ تھے، ان سے محبت کرنا سنی ہونے کی علامت ہے اوران سے بغض رکھنا اہلِ بدعت کی نشانی ہے''۔(ایضاً ص122)

رسالہ......''اکابر کا مسلک و مشرب''!

مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب اور مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب نے علوی مالکی صاحب کی کتاب کا اردو ترجمہ ''اصلاح مفاہیم'' کے نام پاکستان میں شائع تو کیا ہی تھا......مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے انہی باطل عقائد ونظریات پر مشتمل ایک رسالہ خود ترتیب دے کر شائع کیا جس کا نام ''اکابر کا مسلک و مشرب'' رکھا، جس کا تحقیقی اور مدلل جواب فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ نے ''رسالہ اکابر کا مسلک و مشرب پر ایک تحقیقی نظر'' کے نام سے دیا۔ جسے ''جامعہ خالد بن ولید'' ٹھنگی کالونی ضلع وہاڑی کے مدیر حضرت مولانا ظفر احمد قاسم صاحب مدظلہ نے شائع کیا۔ اسی کی ابتداء میں حضرت ترمذی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''کچھ عرصہ سے ایک رسالہ ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کے نام سے شائع ہو رہا ہے، جس کے سرورق پر لکھا ہوا ہے: مرتبہ پیر طریقت حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی دامت برکاتہم سنی، حنفی، چشتی، قادری، نقشبندی، خلیفہ مُجاز قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ۔ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ہمارے اکابر کی طرف وہ مسلک ومشرب اس رسالہ میں منسوب کیا جا رہا ہے جس کی ہمارے اکابر ہمیشہ پرزور تردید کرتے رہے ہیں اور کتب فتاویٰ نیز دوسری کتابیں اس مسلک ومشرب کی تردید سے بھری پڑی ہیں، اور تمام عمر ہمارے حضرات اکابر کی ان بدعات ومخترعات کی تردید میں ہی گزری ہے ان کو ان کا عامل یا قائل قرار دینا نہایت درجہ جائے تعجب ہے''۔[ص 10]

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کے رسالہ کا اصل موضوع دیوبندی بریلوی اتحاد ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''انگریز کے خلاف جنگ آزادی کے بعد اہل السنۃ والجماعۃ میں دو گروہ بن گئے، جو حقیقت میں اصول وفروع کے اعتبار سے ایک ہی تھے، اگرچہ آپس میں مزاج ومشرب میں معمولی فرق تھا۔''....الخ

[مسلک ومشرب ایڈیشن سوم ص 28] (ایضاً ص 5)

فقیہ العصر حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

''احقر کے نزدیک مجموعی حیثیت سے سارا ہی رسالہ (''اکابر کا مسلک ومشرب'') دفن کرنے کے قابل ہے، اس سے سراپا بریلویت پھیلے گی، اس کا شائع کرنا حرام ہے۔'' [ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' لاہور......جلد ۸، شمارہ ۱۲......دسمبر 1995]

غرض اکابر نے مختلف رسائل میں ان کا تعاقب جاری رکھا، وہ تمام اکابر اب اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، آج ان حضرات میں سے کوئی اس دنیا میں نہیں، لیکن اُن کی تالیفات وفتاویٰ اور مضامین رہتی دنیا تک آنے والوں کو حقیقت حال سے باخبر کرتی رہیں گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی مدظلہ کا رجوع الی الحق:

اکابرین کی مضبوط گرفت اور اللہ کے خصوصی فضل وکرم کے نتیجہ میں مولانا موصوف نے علوی مالکی صاحب کے نظریات سے تحریری رجوع کرتے ہوئے اپنی ترتیب شدہ کتاب ''اکابر کا مسلک ومشرب'' کی اشاعت نہ صرف روک دی ہے بلکہ اپنے تمام مریدین اور متعلقین کو وہ کتاب پڑھنے سے منع فرما دیا ہے، راقم نے بذات خود اُن کا رجوع نامہ تو نہیں دیکھا، والد مکرم مدظلہ کی زبانی معلوم ہوا کہ اس پر یہ الفاظ درج ہیں جو والد مکرم مدظلہ نے بذات خود دیکھے ہیں: ''میں اپنی تمام سابقہ تحریرات سے رجوع کرتا ہوں۔''

انتظار باقی ھے: اب ہم انتظار میں ہیں کہ کب حضرت ہزاروی مدظلہ کی طرف سے ان نظریات کی فرداً فرداً تردید اور اکابرین کے مسلک کی وضاحت سامنے آتی ہے؟ خدا کرے کہ مولانا مدظلہ جلد ہی اس فرض کو سرانجام دے کر اتمام حجت فرما دیں۔ آمین۔ (مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور......''امام اہل سنت نمبر''......باب نمبر 3)

محترم قارئین!

سابقہ سطور میں آپ نے علوی مالکی صاحب اوران کے حامیوں سے متعلق اکابرین کا مؤقف مع مختصر پس منظر ملاحظہ فرمایا، اس عاجز نے گزشتہ سے پیوستہ سال ''امام اہل سنت نمبر'' (جومجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کی طرف سے شائع ہوا تھا) میں یہ باتیں لکھیں اورعم مکرم مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ، محسن معظم مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ، اوراستادمحترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہ کی نظر ثانی واجازت کے بعد راقم کا مضمون طبع ہوا۔اس پر مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب، مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب مدظلہ، اوران حضرات کے خلفاء بہت برہم ہوئے، سخت احتجاج کیا، دارالعلوم مدنیہ بہاولپور کے مہتمم حضرت اقدس مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ کوخطوط لکھے، فون کیے، اور بہت اصرار کیا کہ آپ اس پر معذرت شائع کریں۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے راقم سے ذکر کیا تو......راقم نے عرض کیا، کہ یہ تو ہمارے اکابرین کا حق مؤقف ہے، اس سے رجوع کیونکر کیا جائے......؟ اس سے تو یہ مطلب نکلے گا کہ اکابرین کی بات کو چھوڑ دیا، اوراسے درست نہیں سمجھا؟......حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ خوب جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس صورت حال کو سمجھتے ہوئے فرمایا کہ ٹھیک ہے ہم معذرت شائع نہیں کرتے۔لیکن مضمون کا یہ حصہ اگر دوسرے ایڈیشن میں شامل نہ ہوتو بہتر ہے۔......اس ناچیز نے عرض کیا کہ، اگر ابتداہی سے شائع نہ ہوتا تو کوئی حرج نہ تھا، لیکن اب اسے نکالنا گویا ان حضرات کی تائید سمجھا جائے گا جواسے اکابر کے مسلک کے خلاف قراردے رہے ہیں۔......حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے خاموشی اختیار کی، اُدھراُن حضرات کا دباؤ اوراصرار بڑھا، خطوط اورفون کالز کا تانتا بندھ گیا، اِدھر راقم نے اپنے حضرات (جانشین شہید اسلام مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ، مولانا نورمحمد تونسوی مدظلہ، مولانا عبدالروف چشتی مدظلہ، مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہ) کواس صورتحال سے آگاہ کیا تو انہوں نے بھی حضرت مہتمم صاحب کوخطوط لکھے کہ اس حصہ کو نکالنا مناسب نہیں، مسلکی نقصان ہوگا۔ بلکہ شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ: ''آپ حضرات کوسر مضبوط کرنا چاہیے! اوراسے ہرگز نہ نکالنا چاہیے''

پھر حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کا فرمان سنایا کہ:

''حضرت شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ [انڈیا والوں] نے مجھے خط کے ذریعے اورایک ملاقات میں بالمشافہ حکم فرمایا کہ ''اب اس (علوی مالکی صاحب، مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب اورمولانا ہزاروی صاحب والے) سلسلے کو بند کردیا جائے۔میں نے آپ کے دادا حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ:

''بزرگوں کا حکم اپنی جگہ، لیکن حقیقت اپنی جگہ، یہ ایک حقیقت ہے، اورآنے والی نسلوں تک اپنے بزرگوں کے عقائدونظریات اوران کے مؤقف ومسلکی ذوق کوپہنچانا اورحقائق سے آگاہ

کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔''

اسی دوران حضرت جلالپوری شہید رحمہ اللہ کو راقم نے خط لکھا تو انہوں نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

''برادر عزیز سلمہ اللہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اگر آپ نے اس مضمون میں کوئی بات خلاف واقعہ لکھی ہے اور اس کی کسی نے نشاندہی فرمائی ہے تو اس پر معذرت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر اس کے مضامین حقیقت پر مبنی ہیں تو معذرت چہ معنی دارد......؟''

آخر میں لکھتے ہیں کہ:

''(آئندہ ایڈیشن میں وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھ دیا جائے تو بہتر ہوگا کہ) ہم نے اس قضیہ کا تذکرہ اپنے اکابر کے مسلکی ذوق اور تاریخی حقائق کو بیان بلکہ اگلی نسلوں تک پہنچانے کے لیے کیا ہے، ہماری دوسری کوئی نیت نہ تھی نہ ہے۔ واللہ اعلم''

سعید احمد ۱۶ / ۱ / ۳۱ھ

(حضرت شہید رحمہ اللہ یہ خط بندہ کے پاس محفوظ ہے۔)

حضرو ضلع اٹک کے ایک عالم دین حضرت مولانا نثار احمد الحسینی صاحب مدظلہ (جو تحقیق وتصنیف میں ایک مقام رکھتے ہیں،) نے راقم کے مضمون کے جواب میں ایک تنقیدی مضمون حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم اور ''المصطفیٰ'' کے مدیر، استاد محترم مولانا مفتی محمد یوسف الحسینی صاحب مدظلہ کے نام ارسال کیا کہ اسے ''المصطفیٰ'' میں شائع کیا جائے۔ راقم نے ان کے مضمون کے بارے چند معروضات تحریر کر کے ان کو ارسال کر دیں، جو درج ذیل ہیں:

من خادم اہل سنت سرفراز حسن خان حمزہ، بہاولپور ۱۴۳۰/۱۲/۳۰ھ

محترم جناب مولانا نثار احمد الحسینی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر!

آنجناب کا مضمون مع دو عدد مکاتیب موصول ہوا، اختصاراً چند معروضات تحریر کرتا ہوں، خداوند قدوس حق سچ کہنے اور لکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

امام اہل سنت نمبر کی اشاعت پر اظہار پسندیدگی اور تعریفی کلمات کا تہ دل از حد شکریہ۔ لاریب یہ حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ ہی کی کرامت ہے ورنہ ہم ضعیفوں کو تو کبھی اس کا واہمہ بھی نہ ہوا تھا۔ خداوند قدوس اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت بخشے اور اسے امت مسلمہ کے لیے ''نشانِ راہ'' بنا دے۔ آمین

محترم! آنجناب نے دو تسامحات کی نشاندہی فرمائی، بہت شکریہ

(1) واقعتاً احقر کی عدم توجہی اور غلطی کی وجہ سے آنجناب کا مضمون ریاض احمد قاسمی کے نام سے شائع ہو گیا، اس پر

صدقِ دل سے معذرت خواہ ہوں۔ دراصل عقائد کے عنوان سے مزین دو عدد مضامین میں ہمیں موصول ہوئے تھے

[۱] ''عقائد اہل السنۃ والجماعۃ''

مصدقہ: امام اہل سنت رحمہ اللہ مرتبہ: مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ مرسلہ: ریاض احمد قاسمی

[۲] ''عقائد علماء دیوبند'' مصدقہ: امام اہل سنت رحمہ اللہ مرسلہ: (مولانا) حافظ نثار احمد الحسینی (مدظلہ)

اول الذکر چونکہ قدرے مفصل اور جامع مضمون تھا، اس وجہ سے فقط اسی کو شامل اشاعت کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اس لیے بندہ نے عقائد کے عنوان کے ساتھ ''ریاض احمد قاسمی'' اور اپنے والد مکرم مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کا نام لکھ کر اپنے ساتھی کمپوزر کے حوالے کر دیا۔ بد قسمتی سے نمبر کی پروف ریڈنگ بھی خود نہ کر سکا، (بلکہ کچھ حصہ کی تو پروف ریڈنگ ہو ہی نہ سکی) بعد از طباعت علم ہوا کہ عقائد کا وہ مضمون جو آنجناب نے ارسال فرمایا تھا وہ ریاض احمد قاسمی کے نام لگ گیا ہے جبکہ اس کے ساتھ نہ آپ کا نام ہے نہ بندہ کے والد محترم کا۔۔۔۔اس غلطی پر تہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائیگی۔

(2) احقر نے [نعوذ باللہ] اپنے حضرات پر کیچڑ نہیں اُچھالا بلکہ مختلف شخصیات و مسائل کے حوالہ سے ''حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ'' کے مؤقف کی وضاحت کی ہے جو احقر کے پاس حضرت کی امانت تھی حضرت کے مریدین، متعلقین، معتقدین تک اس کا پہنچانا ضروری تھا، تاکہ وہ حضرت کی رائے اور مؤقف سے آگاہ ہو سکیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ گزشتہ سال ''تحفظ سنت کانفرنس'' کے اشتہارات (جو ملک بھر میں لگائے اور پہنچائے گئے ان) پر سرپرست کے طور پر حضرت امام اہل سنت اور صدر جلسہ کے طور پر مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کا نام درج تھا جس سے بہت سے شکوک وشبہات نے جنم لیا اور دونوں حضرات کی فکری یکسانیت کا تاثر پھیلنے کا شدید اندیشہ تھا، بہت سے اذہان تشویش میں مبتلا تھے بالخصوص حضرت امام اہل سنت کے متعلقین جو علوی مالکی صاحب کے شرکیہ نظریات سے آگاہ تھے خاصے پریشان نظر آئے اور بعض حضرات نے احقر سے اس بابت سوال بھی کیا کہ ''یہ سنت و بدعت اکٹھے کیسے ہو گئے؟'' ان کی پریشانی بالکل بجا تھی، لہٰذا احقر نے حضرت رحمہ اللہ سے دریافت کیا اور ان کا مؤقف معلوم کر لینے بعد مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہ [مدیر: تسکین الصدور] کے از حد اصرار پر اسے تحریر کرنا شروع کیا، ابتداً تو ارادہ تھا کہ دو ماہی ''نورِ بصیرت'' میں یہ مضمون شائع کر دیا جائے، لیکن پھر حضرت کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا، اس کے بعد مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت کا فیصلہ ہوا تو اسے اس میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

اور علوی مالکی صاحب والی بحث میں احقر نے مولانا ہزاروی مدظلہ کو تو موضوع بحث بنایا ہی نہیں چہ جائے کہ نشانہ تنقید بناتا، اس عاجز نے تو فقط علوی مالکی صاحب اور ان کی تائید کرنے والے علماء کرام کے بارہ میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کا موقف بیان کیا ہے اور اس کی تفہیم کی خاطر مختصر پس منظر بھی ذکر کر دیا ہے، اس ضمن میں حضرت ہزاروی صاحب مدظلہ کا ذکر نا گزیر تھا اور بندہ ناچیز نے ان کے رجوع کا بھی تو ذکر کیا ہے، ''رجوع الی الحق'' کے ذکر باوجود ان کو نشانہ تنقید بنانا کیسے ثابت ہو گیا؟ اگر یہ فقیر ان کا علوی مالکی صاحب کی تائید کرنا اور رسالہ ''اکابر کا مسلک

ومشرب'' لکھنا تو ذکر کر دیتا مگر رجوع کا تذکرہ نہ کرتا تو واقعتاً یہ ناانصافی اور زیادتی ہوتی، اگر علوی مالکی صاحب کے نظریات کی اب تک برملا تائید کرنے والوں میں حضرت ہزاروی صاحب مدظلہ کا نام لکھتا تو لازماً یہ خلاف حقیقت ہوتا، مگر بندہ کی تحریر جس میں رجوع کا تذکرہ بھی ہے اس سے ان کو نشانہ تنقید بنانا کیسے ثابت ہوگیا؟؟ یہ بات ہماری سمجھ سے تو بالاتر ہے۔ آپ ہی اسے حل فرما دیجیے!!

اور اب مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ احقر نے مولانا ہزاروی مدظلہ کا معاملہ چھیڑا ہی نہیں تھا، اس لیے احقر نے اپنے مضمون میں جہاں بھی ان کا ذکر کیا ادب احترام کو ملحوظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے آپ غور سے دیکھیں تو یہ بات عین حقیقت ہے، مگر اب چونکہ آپ نے خود ہی ابتدا کر دی ہے لہٰذا جواب میں ہم بھی چند گزارشات پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں، امید ہے کہ آپ اس طالب علم کی معروضات کو اپنی توجہ عنایت فرمائیں گے۔

رہی بات آپ کے مضامین شائع کرنے، تو اس کا فیصلہ تو مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی انتظامیہ کرے گی، احقر تو آپ کی خدمت میں فقط عریضہ ہی ارسال کر سکتا ہے۔

(۱) آنجناب رقم طراز ہیں:

> مولوی سرفراز حسن خان حمزہ صاحب مدظلہ نے اپنے مضمون ''صبح کی آنکھ لالہ فام ہوئی'' میں حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے مسلکی مزاج کی وضاحت میں کئی امور کا تذکرہ کیا، مختصر عنوانات پر طویل تبصروں اور آپ کی باتوں کے یوں سرعام تذکروں نے ان کے مضمون کو بوجھل بنا دیا......''

عرض: [۱] بندہ عاجز نے اس مضمون کے آغاز میں پیشگی عذر بیان کر دیا تھا کہ چند شخصیات کے بارہ میں اس ناچیز کا لکھنا کسی بھی طرح مناسب نہیں مگر یہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی امانت ہے جو عوام الناس تک پہنچانا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

[۲] نیز اس بات سے تو آپ بھی بخوبی واقف ہیں کہ کسی کے قول کو پسِ منظر اور سیاق وسباق کے بغیر نقل کرنا دیانت داری کا خون کرنا ہے اور بالخصوص اس قسم کے اقوال ومسائل میں تو پس منظر کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، آپ خود انصاف فرمائیے! کہ اگر بندہ ناچیز حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے اس قول کو بغیر کسی پس منظر کے نقل کر دیتا کہ

> یہ (علوی ملکی صاحب) تو احمد رضا خان (صاحب) سے بھی بڑا بدعتی ہے اور ان کی تائید کرنے والے (مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب وغیرہ) بھی اسی جیسے ہیں۔''

تو کیا قارئین کے اذہان تشویش کا شکار نہ ہوتے؟ لامحالہ بہت سے لوگ شش وپنج میں پڑ جاتے اور پریشان ہو جاتے، اس لیے بھی پس منظر کا تذکرہ ضروری تھا۔ اور اس پس منظر میں حضرت ہزاروی صاحب دامت برکاتہم کا علوی مالکی صاحب کے شرکیہ نظریات کی تائید کرنا اور پھر اس سے رجوع کرنا ذکر نہ کیا جاتا تو یہ بھی خلافِ انصاف ہوتا۔ لہٰذا ہم نے پوری دیانت داری سے ساری حقیقت قارئین کے سامنے کھول کر پیش کر دی ہے۔ واللہ

تعالیٰ اعلم بالصواب

(2) آپ نے لکھا:

''ناقص معلومات کی وجہ سے کئی اختلافات کوانہوں نے خوامخواہ ہوا دینے کی کوشش کی''

عرض: معلومات کے نقص میں تو کوئی شک نہیں، لیکن بندہ عاجز کو بحمد اللہ تعالیٰ اپنے اکابر پر پورا اعتماد ہے اور انکے مؤقف کو اپنے لیے حجت اور نجات کا ذریعہ خیال کرتا ہے اور یہ بات احقر کے علم میں تھی کہ اکابرین نے ہزاروی صاحب مدظلہ کے رجوع پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا ہے، اس لیے ''انتظار باقی ہے'' کے تحت کچھ تحریر کر دیا۔ لیکن اس سے اختلافات کو ہوا دینے کا مطلب میری سمجھ میں تو نہیں آیا؟ اس عاجز نے تو فقط حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے مؤقف ومسلک کی وضاحت کی ہے۔ اگر اکابرین کے مؤقف کی وضاحت واشاعت کو آپ ''اختلاف کی خلیج کو وسعت دینے'' کا نام دیں تو احقر اس کے سوا کیا عرض کر سکتا ہے ؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(3) آپ نے مزید لکھا:

''موصوف نے مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم سے متعلق چودہ سالہ پرانے قضیہ کو تازہ کیا ہے''

عرض: اس ناچیز نے پرانے قضیہ کو تازہ نہیں کیا بلکہ گزشتہ سال ''تحفظ سنت کانفرنس'' کے اشتہارات میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے نام ساتھ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کا نام درج ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے شکوک وشبہات کے ازالہ اور امام اہل سنت کے مؤقف کی وضاحت کی خاطر چند سطور تحریر کی ہیں، اگر اکابر کے مؤقف ومسلک کی وضاحت کرنا آنجناب کے نزدیک ''خوامخواہ اختلافات کو ہوا دینا'' شمار ہوتا ہے تو انتہائی ادب سے عرض ہے کہ آنجناب ایسا کر چکے ہیں کہ آپ نے اپنے مضمون میں حضرت امام اہل سنت کے مرشد واستاذ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے ''عقیدہ حیات'' کی وضاحت کی ہے۔؟

(4) آپ نے تحریر فرمایا:

شیخ علوی مالکی (صاحب) کی عربی کتب پر تقریظ اور مذکورہ رسالہ (اکابر کا مسلک ومشرب۔ مرتبہ مولانا ہزاروی مدظلہ) پر اکابر علماء کرام نے تنقید اور تائید کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا''

عرض: [ا] اس تحریر سے ضرور آپ نے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ اس بات سے آپ بھی بخوبی واقف ہیں کہ اکابرین اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک نے بھی ہزاروی صاحب مدظلہ کے رسالہ تائید نہیں کی، البتہ تنقید اکثر نے کی۔ [۲] اور علوی مالکی صاحب کی عربی کتاب پر تقاریظ جس طریقہ سے لی گئیں ان کا حال مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مدظلہ لکھ چکے ہیں کہ اکثر نے بغیر پڑھے ہی محض مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کی سفارش اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے تقریظ لکھ دی تھی، کیونکہ ان کو مولانا مکی صاحب سے اس کی ہرگز امید نہیں تھی، یہی وجہ ہے بعد میں اکابرین حضرت سید نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ وغیرہ نے علی الاعلان اپنی تقاریظ سے رجوع فرما لیا تھا۔ اور جن

حضرات نے کتاب کا بغور مطالعہ کیا اور تنقیدی تقاریظ لکھیں جیسے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ وغیرہ تو ان کی تقاریظ کو شائع ہی نہیں کیا گیا۔ اکابرین کی تنقید اور ان کا اپنی تقاریظ سے رجوع صراحتاً ذکر نہ کر کے میرے خیال میں آپ نے انصاف نہیں کیا......؟

[۳] میرے علم میں نہیں ہے کہ اکابر میں سے کسی ایک نے بھی مولانا ہزاروی صاحب مدظلہ کے رسالہ کی تائید فرمائی ہو؟ البتہ مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد یوسف لدھیانوی [خلیفہ اجل: شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ]، مولانا عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ کی بہت سی تنقیدی تحاریر حتیٰ کہ مکمل جوابی رسالہ تک موجود ہے۔

(5) آپ نے تحریر کیا:

> ''(ہزاروی صاحب دامت برکاتہم نے رجوع کیا تو) اکابر نے ان کے اس اقدام کو قابل تحسین اور لائق صد مبارک باد قرار دیا''

عرض: گزارش ہے کہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ اور مولانا ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ مولانا محمود اشرف عثمانی مدظلہ وغیرہم حضرات نے اس رجوع نامہ پر عدم اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے مزید وضاحت طلب کی تھی۔ چنانچہ حضرت قائد اہل سنت علیہ الرحمۃ کی سرپرستی و نگرانی میں شائع ہونے والے ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' لاہور (ستمبر 2001ص 34) پر لکھا ہے

> ''فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ نے ایک نجی محفل میں اس رجوع کو نامکمل قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کو چاہیے کہ عرس، میلاد، ایصال ثواب بتعین الوقت وغیرہ دیوبندی بریلوی اختلافی مسائل کا جوانہوں نے اکابرین بالخصوص شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کی طرف انتساب کیا ہے کہ ''وہ ان کی افادیت کے قائل تھے'' اس سے رجوع فرمائیں کہ یہ اکابر کی طرف غلط انتساب تھا وہ ان چیزوں سے بری تھے۔''

اور ''حق چار یار'' کے اسی شمارہ میں دارالعلوم کراچی کا فتویٰ مذکور ہے جسمیں مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہ وغیرہم حضرات نے اس رجوع پر عدم اطمینان کا اظہار فرماتے ہوئے اسے نامکمل قرار دیا، چنانچہ لکھتے ہیں

> ''نیز مولانا نے اپنے اس خط کے (اگر یہ انہیں کا خط ہے) اقتباس نمبر 2 میں یوں فرمایا ''لہٰذا رسالہ اکابر کا مسلک و مشرب میں بلکہ میری سابقہ کسی بھی تحریر میں کوئی لفظ یا جملہ ان محبوبین ومقبولین اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف ہو تو میں اس سے برات کا اعلان کرتا ہوں'' اس اسلوب کلام سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ مولانا موصوف اپنی تقریظ اور رسالہ کی محتویات جو بزرگان دیوبند کے مؤقف کے خلاف ہیں، حتمی طور پر ان حضرات کے مسلک کے خلاف نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ محتویات مسلک بزرگان دیوبند کے یقینی طور پر خلاف ہیں، اس لیے ان کو بجائے معلق رجوع کے صاف اور واضح انداز میں ان غلط مسائل سے رجوع کر لینا چاہیے

تا کہ اس سلسلہ میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہ رہے۔الخ اور اگر وہ مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق علی الاعلان رجوع کرلیں تو ان سے بیعت واصلاحی تعلق رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔''

محمد رفیع عثمانی۔عصمت اللہ۔محمد عبدالمنان۔محمد اشرف۔عبدالروف۔مہر دارالعلوم

اورحضرت ہزاروی صاحب کے رجوع نامہ کے بارے میں مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو محمد علوی مالکی کے عقائد پر ایک تفصیلی مضمون لکھا، جو انوارِ مدینہ میں شائع ہوا، بعد میں ادارہ حق چار یار نے اس کو کتابچہ کی صورت میں شائع کیا۔

بعد میں کچھ اور باتیں سامنے آئیں تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے دفاع میں ان کے چار خلفاء کی ''داستان عبرت'' کے نام سے ایک کتابچہ لکھا اور شائع کیا جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے کہنے پر ماہنامہ حق چار یار میں من وعن شائع ہوا۔اس کی اشاعت کے فوراً بعد مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی کا رجوع نامہ شائع ہوا جو محض دفع الوقتی تھا۔لہٰذا اس رجوع نامی کی حقیقت ''داستان عبرت نمبر 2'' کے نام سے لکھ کر شائع کی۔حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے وہ بھی حق چار یار میں من وعن شائع ہوا۔'' [حق چار یار، قائد اہل سنت نمبر ص515]

ماہنامہ ''حق چار یار'' (دسمبر 2000۔ص49) پر مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد مدظلہ العالی یوں رقم طراز ہیں:

مولانا عزیز الرحمٰن صاحب کا رجوع نامہ پڑھنے میں آیا، افسوس ہے کہ یہ صرف مخصوص الفاظ کی حد تک رجوع ہے، معانی سے نہیں، اور ایک تعبیر سے رجوع ہے مافی الضمیر سے نہیں''

اسکے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ مولانا ہزاروی مدظلہ کے رجوع نامہ کے الفاظ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مولانا کے یہ الفاظ بہت قیمتی ہوتے اگر مولانا یہ بھی صراحت سے لکھ دیتے کہ محفل میلاد، عرس، اور تعین وقت کے ساتھ ایصال ثواب کے بارے میں اکابر دیوبند کا واقعی مسلک کیا ہے؟ اصل اختلاف تو اسی میں ہے''

پھر لکھتے ہیں کہ:

''مولانا (ہزاروی صاحب مدظلہ) جب اس رسالے میں کوئی بات اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف مانتے ہی نہیں تو ان کا رجوع آخر کس چیز سے ہے؟ الخ''

یہ تو تھا مولانا ہزاروی صاحب مدظلہ کے رجوع نامہ سے متعلق ان حضرات کا مؤقف اور بعینہٖ یہی مؤقف اور رائے حضرت قائد اہل سنت کی تھی، کیونکہ ان کی نگرانی میں شائع ہونے والے ماہنامے میں یہ مضامین ان کی زندگی ہی میں شائع ہوئے۔اور حضرت قائد اہل سنت کو معاصر واکابرین کا جو اعتماد حاصل تھا وہ کسی سے مخفی نہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

احقر نے اگر ان حضرات اکابرین کی پیروی میں ''انتظار باقی ہے'' کے تحت اسی بات کو مؤدبانہ طور سے

عرض کر دیا تو کون سا قصور کیا؟

(6)اور آپ نے مولانا ہزاروی صاحب مدظلہ کے رجوع نامہ پر اظہار مسرت کرنے والے اکابرین کے نام لکھنے کے بعد لکھا:

حضرت امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اس اعلان رجوع پر اتنی مسرت کا اظہار فرمایا کہ جب انہیں حضرت مولانا مفتی سید مختار الدین شاہ صاحب دامت برکاتہم (کربوغہ شریف، کوہاٹ، خلیفہ مجاز: حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا قدس سرہ) نے یہ خبر پہنچائی تو خوشی سے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کو گلے لگالیا اور تحریراً بھی اس رجوع کی تائید وتصدیق فرمائی۔''

عرض: محترم! اگر آنجناب کے پاس حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کی تحریر موجود ہو تو ضرور ارسال فرمائیں۔ کیونکہ ہم نے آج تک نہیں دیکھی نہ آپ کے رسالہ ''قضیہ کا خاتمہ'' میں اور نہ کہیں اور۔۔۔

اور مولانا ہزاروی مدظلہ نے رجوع کر کے دیوبندیوں میں پھوٹ ڈالنے کی ایک بہت بڑی سازش کو ناکام بنادیا تھا، (جزاہ اللہ خیراً) لامحالہ یہ اہل حق کے لیے خوشی اور مسرت کا مقام تھا، بالخصوص اکابرین اور خاص کر حضرت امام اہل سنت جو ہر دم اتحاد امت اور وحدت ملت کی فکر میں رہتے تھے، ان کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ ہوگا۔

لیکن اس خوشی اور مسرت سے یہ مطلب احقر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ انہوں نے اس رجوع نامہ کو 100 فیصد مکمل قرار دے دیا تھا اور اس پر کامل اطمینان کا اظہار فرمایا تھا؟ میرے خیال میں تو یہ فقط اس لیے تھا کہ مولانا ہزاروی مدظلہ نے رجوع الی الحق کی طرف ایک قدم اٹھایا ہے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ اگلا قدم اٹھا کر اتمام حجت فرمادیں۔ دیگر اکابرین نے بھی یہی کیا کہ مزید وضاحت طلب کی۔

یقین رکھیے! کہ اس سلسلہ میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کا مؤقف بعینہٖ اور حرف بحرف وہی تھا جو حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا تھا۔ بیسیوں لوگ بلکہ خود راقم بھی اس کا گواہ ہے کہ حضرت امام اہل سنت نے بارہا حضرت قائد اہل سنت کی تحاریر وتقاریر، مؤقف ومسلک، نظریہ وعقیدہ پر کلی وکامل اعتماد کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح حکیم العصر مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ العالی کو بھی حضرت قائد اہل سنت پر کامل اعتماد تھا چنانچہ اپنے ایک خطاب میں فرمایا

مسلک کے بارہ میں قاضی مظہر حسین صاحب حجت ہیں، بندہ کو ان پر حرف بحرف کامل اعتماد ہے اور مسلک کے بارہ میں ان کی رائے کو صد درجہ صائب اور درست سمجھتا ہے''

[خطبات حکیم العصر ج 2 ص 69]

اور حضرت حکیم العصر کا یہ قول تو مشہور ہے کہ''

اگر اللہ کے نزدیک اجمالی ایمان مقبول ہے تو میرے عقائد ونظریات وہی ہیں جو قائد اہل

سنت مولانا قاضی مظہر حسین اور امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر کے ہیں''

[مضمون مولانا منیر احمد منور مدظلہ]

صرف ان دو حضرات کی بات نہیں بلکہ دیگر تمام اکابرین کو بھی حضرت قائد اہل سنت پر کامل اعتماد تھا اور قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا مؤقف اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے مولانا ہزاروی مدظلہ کے اس رجوع کو نامکمل قرار دیا اور مزید وضاحت طرب فرمائی۔

اس عاجز کے خیال کے مطابق اکابرین کی مسرت سے یہ مطلب اخذ کرنا کہ انہوں نے رجوع کو مکمل قرار دے دیا تھا درست نہیں۔ واللہ اعلم

(7) باقی رہی بات اکرام کی جو آپ نے لکھا:

''(ہزاروی صاحب مدظلہ) جب بھی تشریف لے جاتے، حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نہایت شفقت اور محبت کا اظہار فرماتے..الخ

عرض: محترم! کسی پر شفقت یا کسی کا اکرام تو حسن خلق کی علامت ہے نہ کہ اس کے نظریات کی تائید و تصویب کی، اور ہمارے اکابر تو الحمدللہ اخلاق نبوی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ راقم کا آنکھوں دیکھا واقعہ ہے کہ بریلوی مسلک کے معروف عالم مفتی محمد خان قادری صاحب حضرت امام اہل سنت کی خدمت میں آئے سردیوں کے دن تھے، حضرت گھر کے برآمدے میں دھوپ سینک رہے تھے، حضرت نے کرسی منگوا کر ان بٹھایا اور بہت اکرام کا معاملہ فرمایا، (مجھے اس وقت بہت حیرت بھی ہوئی کہ بدعتی کی توقیر کا کیا مطلب؟ لیکن بعد میں پوچھا تو سمجھ آئی کی اخلاق حسنہ اور چیز ہیں اور بدعتی کی توقیر کا الگ معنیٰ ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی ہے کہ آپ کسی کافر سے بھی بد اخلاقی پیش نہیں آتے تھے۔) کیا اس اکرام کا یہی مطلب ہے کہ [نعوذ باللہ] امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے ان کے نظریات کی تائید فرمائی......؟

(8) نیز آپ نے لکھا:

''(امام اہل سنت نے) آپ کو اپنی خصوصی سند حدیث سے نوازا۔''

عرض: یہ تو حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ تھی دیوبندی مدرسہ کے ہر فاضل کو سند حدیث سے نواز دیتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات امتحان بھی نہیں لیتے تھے، اور آخر عمر میں تو کسی کو سند مانگنے کی نوبت بھی کم ہی آتی تھی، حضرت سلام دعا کے بعد سوال کرتے کہ کیا کرتے ہیں؟ کوئی عالم ہوتا تو فرماتے دورہ کہاں کیا ہے؟ اگر رائے ونڈ یا وفاق سے ملحق کسی دیوبندی مدرسہ کا فاضل ہوتا تو خدام کو از خود ہی اشارہ فرما دیتے کہ سند دے دو! اس سے بھی رجوع کو مکمل قرار دینا ثابت نہیں ہوتا۔

(بہت سے اہل بدعت منکرین حیات انبیاء نے بھی اس نرمی سے فائدہ اٹھایا اور جھوٹ بول کر، تقیہ بازی کے ساتھ سند حدیث لے گئے۔ اعاذنا اللہ منہ)

رہی آپ کی بات کہ ''احقر نے رجوع نامہ نہیں دیکھا'' تو وہ ایک حقیقت ہے، دیانت داری کا تقاضا تھا لہٰذا لکھ دیا اور جو بات جس حوالہ سے جیسے سنی تھی نقل کردی، اب جب آپ کے مرتبہ رسالہ میں رجوع نامہ دیکھا تو حقیقت سامنے آئی کہ اکابرین نے کیوں اس پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا تھا۔

(9) آپ نے لکھا:

''مولانا سرفراز حسن خان حمزہ صاحب مدظلہ اگر مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب دامت برکاتہم کے اعلان رجوع کو دیکھ لیتے تو شاید اتحاد و اتفاق کی فضا میں اختلاف کا بیج بونے اور حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ سمیت دوسرے اکابر کی تائید کے مقابلہ میں اپنی جدا رائے پیش کرنے سے گریز کرتے۔''

عرض: محترم! احقر نے اکابر سے جدا رائے پیش کرنے کی جسارت بلکہ حماقت اور سنگین غلطی ہرگز نہیں کی بلکہ انہی کی رائے اور مؤقف کی وضاحت کی ہے، اب احقر مولانا ہزاروی مدظلہ کے اعلان رجوع کو پڑھنے کے بعد بھی امام اہل سنت اور دیگر اکابرین کے معتمد شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد و خلیفہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ کی اتباع میں، مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کے فرمان اور دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کے مطابق اس اعلان رجوع کو نامکمل ہی سمجھتا ہے کیونکہ ہمارے اکابر و اسلاف کی یہی رائے ہے۔ محترم! اکابر کی اتباع کو ''اختلاف کا بیج بونے'' سے تو نہ تعبیر فرمائیے......!

محترم! گستاخی کی معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اتحاد و اتفاق کی دعوت تو آپ نے بہت خوب دی مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ......سب سے پہلے اختلاف کا بیج بو کر وحدت امت کو پارہ پارہ کس نے کیا؟؟......اس اول سبب کا سدباب کرنا چاہیے نہ کہ اس کے تریاق میں رکاوٹ بن کر اختلاف کو مزید ہوا دی جائے۔

(10) اکابرین اہل سنت کے مؤقف کو اجاگر کیے جانے کو ''بے جا تنقید'' سے تعبیر کرنا کہیں ہماری اپنی ہی گمراہی تو نہیں......؟

خدا را سوچیے اور غور کیجئے! خدا تعالیٰ ہم سب کو اکابرین دیوبند کے مسلک حقہ سے وابستہ رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور اکابرین کے مؤقف پر مضبوطی سے قائم و دائم رکھے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

والسلام......خیر اندیش......طالب دعا

خادم اہل سنت سرفراز حسن خان حمزہ احسانی......متعلم: دارالعلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور

اس عریضہ کے بعد مولانا نثار صاحب کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا نہ ہی انہوں نے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی وہ تحریر ارسال فرمائی جس کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ میرے پاس موجود ہے، اگر ارسال فرما دیتے تو اسے بھی یہاں نقل کر دیا جاتا۔ اب دوسری اشاعت میں تمام صورتحال سپرد قارئین ہے۔ قارئین

خود ہی فیصلہ فرمالیں!!!)

امام اہل سنت رحمہ اللہ کا مؤقف:

حضرت داداجان رحمہ اللہ نے اپنے ذوق اور عادت کے مطابق اس مقام پر بھی ''حق'' اور ''اہلِ حق'' کی تائید وتصویب فرمائی اور انہی کا ساتھ دیتے ہوئے ''اصلاح مفاہیم'' اور علوی صاحب کی دیگر کتب میں موجود باطل نظریات سے برأت کا اظہار فرمایا۔ چانچہ گزشتہ سال راقم نے عم مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ سے بذریعہ فون اس بابت سوال کیا کہ ''علوی مالکی اور مولانا عبدالحفیظ مکی کے بارہ میں داداجان کا کیا مؤقف ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ''وہی جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کا ہے''۔ میں نے عرض کیا کہ ''ناناجی اور حضرت لدھیانوی رحمہما اللہ تو ان کو بدعتی اور اہل سنت سے خارج سمجھتے ہیں!'' تو فرمایا کہ ''وہ اہل سنت سے خارج ہی ہیں اور اباجی ''رحمہ اللہ'' کا بھی بعینہ وہی موقف ہے جو ان بزرگوں کا تھا۔''

اس کے چند روز بعد جب احقر نے حضرت داداجان رحمہ اللہ کے پاس گکھڑ حاضری دی، اور علوی مالکی صاحب کی بابت سوال کی تو فرمایا کہ ''میرا وہی نظریہ ہے جو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ تھا''۔ پھر احقر نے مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد مدظلہ (مفتی جامعہ مدنیہ لاہور) کا ایک رسالہ ''محمد علوی مالکی کے عقائد ان کی تحریرات کے آئینہ میں'' سنایا تو چند عبارتیں سنتے ہی داداجان رحمہ اللہ بول اٹھے کہ ''یہ تو احمد رضا سے بھی بڑا بدعتی ہے'' احقر نے فوراً سوال کیا کہ ''جو علماء ان کی تائید کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟'' فرمایا ''کون؟'' میں نے عرض کیا کہ ''مولانا عبدالحفظ مکی صاحب وغیرہ؟'' فرمایا ''اگر وہ اس کی تائید کرتے ہیں تو وہ اسی جیسے ہیں''۔ اللہ اکبر۔ یہ تھی مسلکی غیرت کہ مسلک کے معاملہ میں اپنے پرائے کی رعایت رکھے بغیر ''حق'' بیان کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ

کس شان سے وہ راہِ وفا سے گزر گئے　　　جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

T.V چینل اور جدید طریقہ تصویر سازی کے متعلق امام اہل سنت رحمہ اللہ کا مؤقف

حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ تعالیٰ کا مؤقف ہر قسم کی تصویر کے بارے میں عدمِ جواز کا تھا، چاہے وہ کوئی بھی صورت ہو، قدیم طریقہ کار ہو یا جدید، عام کیمرہ سے ہو یا ڈیجیٹل سے، کمپیوٹر کی سکرین پر ہو یا موبائل کی، کاغذ پر ہو یا کپڑے پر، غرضیکہ ہر صورت کو وہ ناجائز سمجھتے تھے، اسی وجہ سے آپ ''علماء ٹی وی چینل'' کے حق میں نہیں تھے اور اُسے سراسر ناجائز اور حرام سمجھتے تھے اور آخر تک آپ رحمہ اللہ اپنے اس مؤقف پر مضبوطی سے قائم رہے، اس کی تفصیل ہم نے گزشتہ سال (1429ھ) میں مجلّہ ''المصطفیٰ'' کے شمارہ 12 (ذوالقعدہ، ذوالحجہ) میں شائع کی تھی، اُس میں خادم کا ایک مضمون قلمی نام (منہاج الاسلام داؤدی) سے شامل اشاعت ہوا تھا، جس میں اس کی وضاحت کی گئی تھی، نیز داداجان رحمہ اللہ سے اس بارے میں ایک سوال کیا گیا تھا، وہ اور اُس کا جواب بھی شائع ہوا تھا، اس

کے ساتھ ساتھ جامعہ فاروقیہ میں ہونے والے ایک اجلاس میں علماء کرام نے متفقہ طور پر اس کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا، حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ نے اس پر بھی تائیدی دستخط فرمائے تھے، اس کے علاوہ تین سال قبل بھی عم مکرم مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ نے داداجان رحمہ اللہ سے اسی کے متعلق سوال کیا تو آپ نے عم مکرم حضرت مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ سے اس کا جواب لکھوایا کیونکہ آپ لکھنے سے معذور ہو چکے تھے۔ وہ بھی اسی مضمون میں شامل ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

T.V چینل کے بارہ میں اِمام اہل سنت رحمہ اللہ کا موقف

گزشتہ چند ماہ سے بعض علماء کرام کی طرف سے یہ بات بڑے زور وشور سے سامنے آرہی ہے کہ ملکی اور عالمی سطح پر الیکٹرانک میڈیا بالخصوص ٹی وی چینلز کے ذریعے جو اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی سازشیں ہورہی ہیں اور اسلام کی حقیقی روح کو مسخ کر کے اسلام کے سراسر منافی احکام کو عین اسلام قرار دیا جارہا ہے اور نہایت ہی زہریلے انداز سے یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا کہ اسلام تو امن کا مذہب ہے لیکن موجودہ مسلمان دہشت گرد ہیں جو اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں بلکہ انہوں نے اپنا اسلام گھڑ لیا ہے، صحیح اور اصلی اسلام وہی ہے جو ہم پیش کر رہے ہیں، (العیاذ باللہ) علماء دین اسلام کی اصلیت سے بے خبر ہیں۔ اس پروپیگنڈے کے مؤثر جواب کیلئے ایک عدد اسلامی چینل کا وجود نہایت ہی ضروری اور وقت کا اہم ترین تقاضا ہے، تاکہ ان کے زہر آلود پروپیگنڈے کا مؤثر جواب دیا جاسکے، اور اسلام اور مسلمانوں کا دفاع احسن انداز میں ہوسکے۔ وہ اس کو ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ ایک کثیر عوامی حلقہ ایسا ہے جو صرف اور صرف الیکٹرانک میڈیا تک محدود ہے، پرنٹ میڈیا (مدارس سے جاری ہونے والے اخبارات ومجلّات) کا اول تو ان تک پہنچنا ہی ناممکن ہے اور اگر کسی ذریعہ سے پہنچ بھی جائیں تو وہ اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ اس کو بھی مدارس کے فنڈز کی ایک مہم شمار کرتے ہیں جس کی بناء پر علماء کرام کا ایک طبقہ اسلامی ٹی وی چینل کو نہ صرف جائز سمجھتا ہے بلکہ اسے وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیتا ہے، ان میں سے بعض تو اسے اصلاً جائز قرار دیتے ہیں، اُن کے نزدیک سکرین پر نظر آنے والی شبیہ پر شرعی تصویر کا حکم لاگو نہیں ہوتا لہٰذا وہ اسے بطریق اولیٰ جائز سمجھتے ہیں کہ اسلامی ٹی وی چینل ہو، جبکہ بعض اسے اصلاً تو جائز قرار نہیں دیتے لیکن ضرورتاً جائز قرار دیتے ہیں کہ دشمن اسے بطور ہتھیار استعمال کر رہا ہے لہٰذا دفاع اور جوابی وار کیلئے اسی ہتھیار کا استعمال جائز ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ اسے سراسر ناجائز اور حرام سمجھتا ہے ان کے نزدیک نہ اصلاً جائز ہے نہ ضرورتاً کیونکہ انکے نزدیک سکرین پر نظر آنے والی شبیہ پر تصویر شرعی کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ [۱] اس سے تصویر کے تمام مقاصد حاصل ہوتے ہیں [۲] عرف میں اسے تصویر ہی کہا جاتا ہے اور تصویر کی حرمت پر اتفاق ہے اور پھر اسکی قباحتیں اسقدر ہیں کہ اگر ایک فیصد نفع کی امید ہے تو ننانوے فیصد

نقصان کا اندیشہ بلکہ یقین ہے۔لھٰذا اکابرین،علماء کرام اور مفتیان کرام نے اُن علماء کے اس مؤقف کی پرزور تردید کی ہےاور عوام الناس کو اس سے بچنے کی بھرپور تلقین کی ہے۔''واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل''

امام اہل سنت (رحمہ اللہ) کا موقف اور مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ کی غلط فہمی:

اسی دوران حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ کا ایک مضمون **''بڑے لوگ''** کے عنوان سے ملک کے کثیر الاشاعت اسلامی جریدہ ہفت روزہ **''ضربِ مومن''** کی جلد 12 کے شمارہ نمبر 25 میں شائع ہوا جس میں مولانا موصوف نے امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم العالیہ (رحمہ اللہ) کے حوالے سے تحریر فرمایا کہ ''ایک دوست نے (حضرت امام اہل السنۃ مدظلہم (رحمہ اللہ) سے) میڈیا کے بارے میں سوال کیا کہ اس کے ذریعے گمراہی پھیلائی جارہی ہے۔قادیانیت کی دعوت کے لیے بھی اس کا استعمال عام ہو چکا ہے۔جو نام نہاد علماء ٹی وی پر آتے ہیں وہ ملا جلا اسلام پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے شکوک وشبہات پیدا ہورہے ہیں،نئی نسل علماء سے بدظن ہورہی ہے۔اس لیے بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ علماء حق کو ٹی وی پر آکر اپنا موقف بیان کرنا چاہیے۔آپ کی اس بارہ میں کیا رائے ہے؟....سوال خاصا طویل تھا مگر حضرت کا جواب بہت مختصر تھا۔فرمایا:''اگر بڑے حضرات مثلاً مفتی تقی عثمانی،مفتی رفیع عثمانی اور ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر وغیرہ اس بات کی اجازت دیتے ہیں تو میں بھی اجازت دیتا ہوں''۔(حضرت کا یہ جواب ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ ہے)''مولانا موصوف کی اس تحریر نے نہ صرف بندہ کو چونکا دیا بلکہ اس سے ملک بھر میں حضرت کے ہزاروں مریدین اور لاکھوں معتقدین میں تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی کہ حضرت نے اپنی تحریرات وتقاریر میں اسے قطعاً حرام اور ناجائز قرار دیا ہے،اور اس بارہ میں حضرت کا موقف اظہر من الشمس ہے،تو پھر یہ کیسے؟....کئی علماء کرام،مفتیان عظام،طلباء اور دیگر حضرات نے بندہ سے اس کی بابت سوال کیا تو بندہ نے لاعلمی کا اظہار کیا،پھر (حضرت کے صاحبزادے،علمی جانشین اور خلیفہ مجاز) حضرت مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہم (نائب شیخ الحدیث:**جامعہ نصرۃ العلوم** گوجرانوالہ) نے اس بابت حضرت سے سوال کیا تو حضرت نے وضاحت فرمائی جو اسی شمارہ میں شامل اشاعت ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مدظلہم کا مذکورہ بالا جواب صرف اور صرف بغیر تصویر چینل اور اسلامی بینکاری کے بارہ میں تھا،مولانا شیخوپوری کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔لہٰذا مولانا مدظلہ کا یہ شرعی اور اخلاقی فرض ہے کہ اس وضاحت کے بعد ''ضرب مومن'' میں ہی اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ غلط فہمی کی بنا پر اس بات کی نسبت حضرت امام اہل السنۃ مدظلہم (رحمہ اللہ) کی طرف ہوگئی تھی حقیقت یہ ہے کہ حضرت اس کو قطعاً حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں۔**واللہ الموفق**

دراصل انہیں دنوں علماء کرام ''مروجہ اسلامی بینکاری'' اور ''ٹی وی چینل'' کے بارہ میں غور وخوض میں مصروف تھے جس کا تذکرہ بعض حضرات نے حضرت مدظلہم سے بھی کیا، اور حضرت چونکہ صاحب فراش ہیں اوران کو اسلامی بینکاری کے بارہ میں تفصیلات سے آگاہ نہ کیا گیا جس بنا پر انہوں نے یہ فرمادیا ''کہ اگر بڑے حضرات اجازت دیں تو میں بھی اجازت دیتا ہوں'' اور اب تو حضرت مدظلہم، حضرت مولانا مفتی عیسیٰ خان صاحب مدظلہ (مدیر جامعہ فتاح العلوم گوجرانوالہ) سے اسلامی بینکاری کے بارہ میں ان کے قواعد وضوابط اور طریقہ کار کے بارہ میں تفصیلی معلومات حاصل کر چکے ہیں اوران معلومات کی روشنی میں حضرت اسلامی بینکاری کو بھی ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں، اور جامعہ فاروقیہ کراچی میں ملک کے چاروں صوبوں کے اہل فتویٰ کا جو مشترکہ اجلاس منعقد ہوا جس میں انہوں نے اسلامی بینکاری اور T.V چینل کو ناجائز اور حرام قرار دیا تھا اس فتویٰ پر حضرت مدظلہم نے تائیدی دستخط ثبت فرمادیئے ہیں۔

خدا تعالیٰ ہمیں اکابرین اور اسلاف کے دامن سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مرضیات پر چلائے، منہیات سے دوری اور طبعی نفرت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

''واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل''

[خادم اہل سنت منہاج الاسلام داودی غفرلہ]

ایک سوال اور امام اہل سنت مدظلہم کا جواب:

گرامیٔ قدر حضرت والد صاحب دام مجدکم　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بین الاقوامی سطح پر غیر مسلم لابیاں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر آلود پروپیگنڈے میں مصروف ہیں ان کے مؤثر جواب کے لئے مسلم راہنما اسلامی ٹی وی چینل اور کیبل کا سوچ رہے ہیں اس سلسلہ میں علماء کی دو رائے سامنے آرہی ہیں ایک طبقہ یہ کہتا ہے جسکی قیادت مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب مدظلہ اور مولانا علی احمد سراج صاحب مدظلہ وغیرہ کررہے ہیں کہ ایسا ٹی وی چینل اور کیبل جائز اور درست ہے جسمیں فوٹو بھی آتی ہے اوران حضرات نے آپ کے حوالہ سے ایک خبر شائع کی جو کہ اخبارات میں شائع ہوئی کہ آپ نے حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان مرحوم کو ایسے چینل کی اجازت دی تھی اور پھر علماء کے ایک وفد جس میں مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ بھی تھے ان سے بھی آپ نے ایسے الفاظ فرمائے جسمیں فوٹو والے چینل کی تائید ہوتی ہے۔ علماء کے اس نظریہ کے باعث اب مساجد اور مدارس میں بھی دینی مجالس کی فوٹو اوران کی سی ڈی بے دھڑک تیار کی جارہی ہیں جبکہ علماء کے دوسرے طبقہ جس میں سرفہرست مولانا سعید احمد صاحب جلالپوری مدظلہ ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ دنیا میں ایسے چینل اور کیبل بھی کام کررہے ہیں جن میں فوٹو نہیں آتی اور آواز سے مقاصد حاصل

ہوجاتے ہیں اس لئے فوٹو والا چینل اور کیبل ناجائز ہے آپ کے بیانات اور تحریروں میں تصویر کو ناجائز کہا گیا ہے خواہ وہ تصویر کیمرہ کی یا وڈیو سے تیار شدہ ہو۔ جب آپ کے ہاں تصویر ہر حال میں حرام ہے تو آپ نے تصویر والے ٹی وی چینل اور کیبل کی اجازت کیسے دے دی ہے؟ اس بارہ میں کسی عزیز سے اپنے مؤقف کی ایسی وضاحت فرمائیں کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے اور آپ کے ہزاروں شاگرد اور لاکھوں معتقدین اس کی روشنی میں ٹھوس رائے قائم کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے اور تادیر آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین ثم آمین۔

فقط آپ کا بیٹا......حافظ عبدالقدوس خان قارن......مدرس: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ 21 ستمبر 2008ء

الجواب

میں نے کبھی بھی فوٹو کی اجازت نہیں دی۔ میرا مؤقف وہی ہے جو مولانا سعید احمد جلالپوری کا ہے۔ جس چیز میں فوٹو ہو وہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جو چیز میری طرف منسوب ہے وہ غلط بیانی ہے یا کج فہمی ہے۔ مولانا اسلم شیخوپوری صاحب سے جو میں نے کہا تھا وہ اسلامی بینکاری اور بغیر تصویر چینل سے متعلق تھا۔

فقط......ابوالزاہد محمد سرفراز......۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ 21 ستمبر 2008ء بروز اتوار

ایک سوال اور اس کا جواب:

سوال: گرامی قدر حضرت والد صاحب دام مجدہم......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ عرصہ سے یہ بات گردش کر رہی ہے کہ آپ کسی ایسی شادی کی تقریب میں شریک تھے جہاں وڈیو کیمرہ سے تصاویر بنائی جارہی تھیں، اس میں آپ کی تصاویر بھی بنائی گئیں، آپ نے ان کو منع نہیں کیا، اس سے کچھ لوگ یہ تاثر دے رہے ہیں کہ حضرت کے نزدیک وڈیو کیمرہ سے بنائی گئی تصویر کی گنجائش ہے۔ براہِ کرم اس بارہ میں اپنے نظریہ کی وضاحت کسی سے لکھوا کر اپنے دستخط یا کم از کم اپنی مہر ثبت فرما کر بھیجیں، تاکہ اس کے مطابق ساتھیوں کو تصویر کے بارہ میں آپ کے ''نظریہ'' سے آگاہ کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آمین۔

آپ کا بیٹا......عبدالقدوس قارن......مدرس: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ......

۱۶ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ 12 اگست 2006ء

جواب: میری لاعلمی میں کسی نے ایسی حرکت کی ہے، مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں، باقی رہا مسئلہ فوٹو لینے کا تو وڈیو کیمرہ یا خالی (سادہ) کیمرہ سے فوٹو لینا ''ناجائز'' ہے، میں اس کام کو حرام سمجھتا ہوں۔

ابوالزاہد محمد سرفراز

......﴿''اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ''......اور......امام اہل سنت رحمہ اللہ﴾......

''اتحاد اہل السنة'' کا قیام، اغراض ومقاصد:

امین ملت، مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی امارت میں فرقِ باطلہ ضالہ بالخصوص غیر مقلدیت کے تحقیقی وعلمی رد اور بھرپور تعاقب کے لیے ''اتحاد اهل السنة والجماعة'' کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی، جس میں تمام دیوبندی جماعتوں میں سے مذکورہ مشن سے وابستہ افراد بالخصوص حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کے شاگردوں کو اکٹھا کیا گیا تاکہ اجتماعی طور پر منظّم طریقہ سے کام کیا جاسکے۔ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے بعد ان کے برادر صغیر اور جانشین، مناظر اسلام، وکیل احناف حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ کو ''اتحاد'' کا امیر اور مناظر اسلام حضرت مولانا منیر احمد منور مدظلہ کو نائب امیر منتخب کیا گیا جبکہ مولانا شاہد معاویہ مدظلہ [فیصل آبادی] کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔ مجلس شوریٰ میں غالباً مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہ، مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ، مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ، مولانا عبدالغنی طارق مدظلہ، مولانا مفتی امداد اللہ انور مدظلہ، مولانا مفتی شاہد مسعود مدظلہ، مولانا اسماعیل محمدی مدظلہ اور مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی مدظلہ وغیرہم حضرات شامل تھے۔

نشاۃ ثانیہ:

چند سال قبل اتحاد کے ایک مرکزی اجلاس میں ''اتحاد'' کی نئی باڈی تشکیل پائی جس میں مناظر اسلام مولانا منیر احمد منور مدظلہ کو امیر اور مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہ کو ناظم اعلیٰ منتخب کر دیا گیا۔ جبکہ مجلس مشاورت میں مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہ، مولانا عبدالغنی طارق مدظلہ، مولانا اسماعیل محمدی مدظلہ، مولانا محمد طیب حنفی مدظلہ، مولانا مفتی محمد مجاہد مدظلہ، مولانا مفتی امداد اللہ انور مدظلہ، مولانا عبداللہ عابد مدظلہ اور مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی مدظلہ وغیرہم حضرات کی شمولیت قرار پائی۔ اس نئی باڈی نے ایک نئے ولولے اور نئے جذبے سے طوفانی رفتار اور بھرپور انداز میں کام کیا، یہی وجہ ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ملک بھر میں ''اتحاد اهل السنة'' گویا کہ چھا گئی اور دنیائے غیر مقلدیت کے ایوانوں میں وہ زلزلہ بپا ہوا کہ ان کی بلند وبالا عمارات یکلخت زمین بوس ہو کر رہ گئیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ اور اکابرین دیوبند پر دن رات کیچڑ اچھالنے اور زبان درازی کرنے والے اپنا دفاع اور بچاؤ کرنے پر مجبور ہوگئے، **فللہ الحمد.**

نیا طریق کار اختیار کرنے کی وجہ:

نئی باڈی کی اس تیز رفتاری اور جہد مسلسل کے پیچھے غالباً حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ کی توجہ کارفرما ہے جس کو مولانا منیر احمد منور مدظلہ نے یوں بیان فرمایا کہ ''ایک موقع پر ہم اور دیگر حضرات اکٹھے تھے، علامہ صاحب نے ایک سوال کیا کہ یہ بتائیے کہ پاکستان میں سب سے زیادہ غیر مقلدیت کے خلاف کام کہاں ہوا؟ ہم

نے علامہ صاحب سے کہا کہ آپ ہی جواب دیجئے! تو فرمایا ''گوجرانوالہ میں!'' (امام اہل سنت رحمہ اللہ نے سب سے زیادہ کام کیا۔) پھر علامہ صاحب نے دوسرا سوال کیا کہ ''پاکستان میں غیر مقلدیت سب سے زیادہ مضبوط کہاں ہے؟'' ہم نے کہا ''یہ بھی آپ ہی بتایئے!'' تو فرمایا ''گوجرانوالہ میں!'' (گوجرانوالہ کے مشہور غیر مقلد نے اپنی وفات کے وقت کہا تھا کہ جب میں آیا تھا تو گوجرانوالہ میں اہلحدیثوں کی دو مساجد تھیں اور اب 52 مساجد ہیں۔) پھر علامہ صاحب نے سوال کیا کہ ''اسکی کیا وجہ ہے کہ کام بھی سب سے زیادہ گوجرانوالہ میں ہوا اور غیر مقلدیت مضبوط بھی گوجرانوالہ میں ہی ہے؟'' ہم نے کہا ''یہ عقدہ بھی آپ ہی حل فرما دیجئے!'' تو فرمایا کہ ''گوجرانوالہ میں جو کام ہوا ہے وہ علمی سطح پر ہوا ہے، جبکہ غیر مقلدیت عوامی سطح پر مضبوط ہے اور تیزی سے پھیل رہی ہے، لہٰذا اب ضرورت ہے اس بات کی کہ عوامی سطح پر بھرپور طریقہ نے منظّم کام کیا جائے، تا کہ اس کا سد باب ہو سکے۔'' تو مولانا منیر صاحب نے فرمایا کہ ''اسی کی خاطر ہم نے اس انداز میں کام شروع کیا ہے اور الحمدللہ اس کے فوائد سامنے آرہے ہیں۔''

لائق صد تحسین وقابل مبارک باد جد و جهد:

اس بے مثال جدوجہد پر ''اتحاد'' کے تمام اراکین بالخصوص مخدوم محترم مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہ جن کی محنتوں، کاوشوں اور کوششوں سے یہ ممکن ہو سکا، صد ہا شکریہ اور ہزار ہا مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ عظیم فریضہ سرانجام دے کر احناف اور علماء دیوبند کے سر فخر سے بلند کر دیئے اور اپنے مشن کی خاطر ''خاطر خواہ'' کاوشیں کیں اور دنیائے غیر مقلدیت ومماتیت کو بالخصوص اور دیگر فرقِ باطلہ کو بالعموم ناکوں چنے چبوا دیئے۔ احقر ان حضرات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ اللہ رب العزت ان کے اس عظیم کار کو اپنی بارگاہ میں منظور و مقبول فرمائے اور استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

امام اہل سنت رحمہ اللہ کی تائید وسرپرستی:

حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ کے پاس ''اتحاد'' کے روح رواں مولانا گھمن وقتاً فوقتاً تشریف اور اپنی کارگزاری کا خلاصہ پیش خدمت کرتے مثلاً فلاں مقام پر فلاں غیر مقلد کو ہم نے مناظرہ کے میدان میں اترنے پر مجبور کیا ہے فلاں تاریخ کو فلاں جگہ، فلاں موضوع پر مناظرہ ہے آپ دعا فرمائیں، اسی طرح فلاں غیر مقلد حنفی بن گیا ہے، فلاں جگہ میں نے بیان کیا اور فلاں کے باطل نظریات کا پردہ چاک کیا ہے، فلاں جگہ مماتی بہت تنگ کر رہے تھے ہم نے جلسہ کیا چیلنج دیا اب وہ سر چھپاتے پھرتے ہیں وغیرہ وغیرہ تو دادا جان رحمہ اللہ بہت خوش ہوتے مولانا کی محنت اور جہد مسلسل کی داد دیتے، حوصلہ افزائی فرماتے اور خوب دعاؤں سے نوازتے تھے۔

اس لیے کہ حضرت دادا جان کے ہاں کام کرنے والوں کی قدر تھی، یہی وجہ تھی کہ جب بھی آپ کے علم میں آتا کہ کسی مقام پر کوئی فتنہ سر اٹھا رہا ہے یا حد سے تجاوز کر رہا ہے تو آپ رحمہ اللہ کی نظر انتخاب میدان تحریر میں اپنے مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیروی رحمہ اللہ اور اپنے دو بیٹوں (شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان

قارن مدظلہ اور وکیل احناف حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ) کی طرف اٹھتی تھی، جبکہ تقریر، چیلنج، مناظرہ وغیرہ کے لیے امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی زندگی میں ان کا انتخاب فرماتے اور پھر مولانا محمد الیاس گھمن صاحب اور دیگر فن مناظرہ کے ماہر علماء کرام کا نام لیتے کہ ان سے رابطہ کرو! اسی طرح جب گوجرانوالہ کے قرب وجوار میں ایسی کوئی صورت حال پیدا ہوتی تو فرماتے کہ حافظ محمد ارشد صاحب کھوکھر کی والوں کا درس رکھو! اور ان کا بیان کراؤ! اس لیے کہ غیر مقلدین اور مماتیوں کے خلاف حافظ محمد ارشد صاحب بھی خاص ملکہ رکھتے ہیں۔

دیگر مقامات کی طرح گکھڑ میں بھی غیر مقلدین فضاء کو خراب کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، مگر دو موقعے ایسے آئے کہ اہل السنۃ والجماعۃ حنفی دیوبندی حضرات کو مجبوراً ان کے عوامی سطح پر جوابات دینے کی ضرورت محسوس ہوئی، ایک موقع پر حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ احقر کے والد مکرم حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ اور دوسرے موقع پر اپنے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالقدوس قارن صاحب مدظلہ اور مولانا محمد نواز بلوچ صاحب وغیرہ نے غیر مقلدین کو ایسے مدلل اور شستہ انداز میں جوابات دیئے کہ غیر مقلدین کو سینوں پر بوجھ رکھ کر بالآخر اس میدان سے بھاگنا پڑا اور خود ہی شروع کیے ہوئے اس (شرارتی) سلسلہ کو مجبوراً بند کرنا پڑا۔ اپنے دونوں بیٹوں کے علمی، مدلل اور شستہ انداز سے حضرت داداجان رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے، جب بھی اس کا تذکرہ ہوتا آپ ان کی علمی ترقی کے دعا فرماتے۔ غرض جہاں بھی کام کرنے والے حضرات کے بارے میں آپ کو علم ہوتا آپ ان کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے اور ان کے لیے دعا بھی فرماتے۔ ان خوش نصیبوں میں مولانا محمد الیاس گھمن صاحب اور، مناظر اسلام مولانا محمد اسماعیل محمدی مدظلہ وغیرہم حضرات بھی شامل ہیں۔

گزارشات، تحفظات :

لیکن احقر گستاخی کی معذرت کے ساتھ مخدوم مکرم مولانا گھمن مدظلہ کی خدمت میں چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہے، اور اس میں مخاطب اُن کو اس لیے بنایا کہ انہوں نے ایک بار احقر کو فرمایا تھا کہ'' بھائی حمزہ! میں تو خوش ہوتا ہوں اگر کوئی میری غلطی پر مجھے ٹوکے، اور کسی کمزوری کی طرف میری توجہ مبذول کرائے، یا اپنے ذہن میں آنے والے اشکالات سامنے رکھے، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر معترض کا اعتراض تحمل و بردباری سے سن لیتے تھے تو میری کیا حیثیت ہے؟'' اُن کی اِس وسعت ظرفی اور کشادہ دلی کو دیکھ کر قلبی خوشی ہوئی اور اسی بات نے ہمت بڑھائی کہ اُن کی خدمت میں چند گزراشات پیش کی جائیں۔

اندازِ بیان کی سختی: [۱] محترم ومکرم! آپ نے جس انداز سے کام شروع کیا ہوا ہے حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ کی تعلیمات اور ان کے طریق کار کی روشنی میں اس کے بعض پہلوؤں پر احقر کو شرح صدر نہیں ہے، کیونکہ کہ میری ناقص رائے اور فہم کے مطابق یہ طریق کار اکابرین کے طریق کار سے میل نہیں کھاتا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت جھنگوی شہید رحمہ اللہ نے اسی انداز میں کام کا آغاز کیا تھا تو اکابرین بالخصوص حضرت داداجان رحمہ اللہ، ناناجان رحمہ اللہ اور حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے اُن کے مؤقف کی بھرپور تائید کرتے

ہوئے اُن کے طریق کار سے اختلاف کیا تھا اور ان کو اس سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔حالانکہ ان کی جدوجہد تو ''شیعہ'' کے خلاف تھی جو بالاتفاق ''کافر'' ہیں، لیکن پھر بھی ان کے اس طریق کار سے اکابرین نے اختلاف فرمایا۔چنانچہ داداجان رحمہ اللہ کا خط آپ اسی مضمون میں ملاحظہ فرمالیں جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ

''سختی اور شدت سے کبھی مسائل حل نہیں ہوتے، نہ قوت وطاقت سے کسی فرد یا نظریہ کو ختم کیا جاسکتا ہے، رافضیوں کے کفر میں تو شک ہی نہیں مگر درودیوار پر ''کافر'' ''کافر'' لکھنے اور ''نعرہ بازی'' سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا۔''

نیز ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''عزیزو! ''کافر کافر شیعہ کافر'' یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے، کافر تو کافر ہی ہوتا ہے، مگر چڑانا بری بات ہے''۔[ذخیرۃ الجنان جلد 8 ص 128]

اور ایک موقع پر مولانا عبدالقیوم حقانی کو اسی انداز میں بیان فرماتے دیکھا تو فرمایا:

''مولانا! آپ کا یہ انداز مجھے پسند نہیں، اس طریقہ کار کو اپناؤ گے تو علمی کام نہیں کرسکو گے، جوش میں ہوش کا دامن کھو بیٹھو گے!''[القاسم جون 2009]۔

تو داداجان رحمہ اللہ کے فرامین کی روشنی میں ہی آپ سے گزارش ہے کہ احقر نے بعض مقامات پر آپ کے بیانات میں شدت وسختی کا عنصر غالب دیکھا جن میں آپ نے غیر مقلدین کو ''خناس'' وغیرہ القابات سے نوازا، اگر چہ وہ اس سے بھی زائد کے مستحق ہیں لیکن کم از کم بندہ نے اپنے داداجان رحمہ اللہ، ناناجان رحمہ اللہ یا حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کو شیعہ اور قادیانیوں کے بارہ میں بھی اس انداز میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا، لہٰذا آپ کا یہ انداز بندہ کے لیے ہضم کرنا مشکل ہورہا ہے، کیونکہ آپ کی جماعت کے بانی حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ہیں، سرپرست داداجان رحمہ اللہ تھے، عقائد وافکار میں آپ داداجی و ناناجی رحمہما اللہ کا نام ہی لیتے ہیں تو ان تین بزرگوں نے جس طریق کار کو ناپسند کیا اسے اختیار کرنا کس قدر عجیب بات ہے؟؟

طرزِ تحریر کی تُرشی: [۲] میرے مخدوم! آپ کا یہ طریق کار نہ صرف بیان تک محدود ہے بلکہ یہی انداز اور اسلوب جو طبیعت پر بہت ہی گراں گزرتا ہے آپ کے سہ ماہی مجلّہ ''قافلہ حق'' میں بھی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔اگر چہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے لیکن آخر ہمارے اکابرین نے بھی تو بڑے سورماؤں کے پتے پانی کیے ہیں، وقت کے فراعنہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے، ہر بوجہلی طوفان کے آگے محمدی چٹان بننے کا فریضہ بخوبی سرانجام دیا ہے اور ہم سے ہزار ہا درجے بہتر انداز سے دیا حتیٰ کہ حق ادا کردیا، لیکن یہ انداز اور یہ اسلوب تو کہیں بھی احقر کو نہیں ملا جو آپ کے مجلّہ میں نظر آیا! آپ داداجی رحمہ اللہ کی ہی کتب دیکھ لیں، کیا ہی پیارا اور دل نشین انداز ہے کہ آدمی سیر ہی نہیں ہوتا، اور دندان شکن ایسا کہ مخالفین کے چھکے چھڑادیئے، اسی طرح حضرت ناناجی رحمہ اللہ، حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ اور حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی تحریرات دیکھ لیں، ان حضرات نے ''نرم لہجے میں سخت

اختلاف'' کی سلفی روایت کو قائم رکھا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی کتب کو نہ صرف موافقین نے پڑھا بلکہ مخالفین نے بھی پڑھا اور معترف بھی ہوئے۔ اور بہت سوں کو ہدایت بھی ملی۔ دادا جان رحمہ اللہ نے بندہ کے والد مکرم کو ایک نصیحت فرمائی تھی کہ

''تحریر کبھی اس نظریہ اور سوچ سے نہ لکھو کہ اسے تمہارا ہم خیال ہی پڑھے، بلکہ اگر مخالف پڑھنا چاہے تو لہجے کی درشتی اور کاٹ اس کے اس تحریر پڑھنے میں رکاوٹ نہ بنے!''

اسی نصیحت کو سامنے رکھتے ہوئے جب بندہ نے ''قافلہ حق'' کا مطالعہ کیا تو اکابرین کے طرز کے مطابق نہ پایا۔ اس سلسلہ میں بھی یہی گزارش ہے کہ اگر اندازِ تحریر میں صرف انہی تین بزرگوں ہی کی تحاریر کو معیار اور کسوٹی بنا لیا جائے تو ہم ان کی پیروی کامل طور پر کر سکتے ہیں۔ اور آنے والی نسل تک اکابرین کے عقائد و افکار انہی کے انداز میں پہنچانے کے فریضہ سے احسن انداز میں سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

تحفظ سُنّت کانفرنس اور امام اہل سنت رحمہ اللہ کا مؤقف:

[۳] محترم! آنجناب کی شبانہ روز کاوشوں اور انتھک محنتوں کے نتیجے میں 26 مارچ 2009 کو لاہور میں عظیم الشان ''تحفظ سنت کانفرنس'' کا انعقاد ہوا، جسمیں تقریباً تمام دیوبندی جماعتوں کے افراد نے شرکت کی، بلاشبہہ ایسی کانفرنسیں اور اجتماعات وقت کی اہم ترین ضرورت اور حالات کا اولین تقاضا ہیں، اور آپ حضرات اس مبارک کاوش پر بے حد مبارک باد کے مستحق ہیں، خدا تعالیٰ آپ کی نیک سعی کو قبول فرمائے اور اور آپ حضرات کو مزید ہمت و توفیق سے نوازے کہ آپ مسلک حقہ کی اشاعت اور تحفظ کے لیے ایسے اجتماعات ملک بھر میں منعقد کروائیں جن میں اہلِ حق ایک اسٹیج پر اکٹھے ہو کر باطل کی راہ میں سدِ سکندری حائل کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔

لیکن میرے مخدوم محترم! اس کانفرنس کے تمام تر فوائد، ثمرات اور برکات یکسر ختم ہو کر رہ گئے، جس کی مین وجوہات دو ہیں۔ حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ کی تعلیمات اور اُن کے مؤقف کی روشنی میں احقر اُن کو درست نہیں سمجھتا اس بارے میں خادم کو کئی تحفظات تھے اور ابھی تک ہیں، وہ یہ کہ [۱] یہ کانفرنس ایسی شخصیت کی زیر صدارت تھی جسے مندرجہ بالا تمام اکابرین بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج سمجھتے ہیں، میری مراد مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب ہیں جنہوں نے پوری طاقت ''علوی مالکی صاحب'' کے شرکیہ نظریات کے دفاع اور اشاعت میں صرف کر دی، اور آج بھی اسی مؤقف پر قائم و دائم ہیں، چنانچہ مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی صاحب گواہ ہیں کہ انہوں نے چند ماہ قبل مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب سے پوچھا کہ ''علوی مالکی نے جو کچھ صحیح لکھا ہے وہ صحیح ہے؟'' تو جواب ملا کہ ''بالکل صحیح ہے!''۔ محترم! وہ تو اپنے غلط اور باطل نظریات پر اس شدت کے ساتھ قائم و دائم ہیں، ہمارا ان کو اس درجہ اہمیت دینا کہیں اکابرین کے مشن سے روگردانی تو نہیں؟ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ ''اتحاد'' کے ''امیر اول'' اور ''بانی'' ایک شخص کو بدعتی لکھیں، ''اتحاد'' کے سرپرست اکابرین اُسے اہل السنۃ سے خارج حتیٰ کہ احمد رضا خانصاحب بریلوی سے بھی بڑا

بدعتی قرار دیں، اور ''اتحاد'' کا جلسہ اُسی شخصیت کی زیرِ صدارت منعقد ہو؟[۲] کانفرنس کی دوسری خرابی جو آپ کے اکثر اجتماعات، خطابات، بیانات، تقاریر، جلسوں اور مناظروں میں پوری شد و مد کے ساتھ نظر آتی ہے وہ ''ویڈیو سی ڈی'' کا اہتمام ہے، حالانکہ دادا جان رحمہ اللہ، حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ اور نانا جان رحمہ اللہ کے نزدیک ویڈیو تصویر بالکل حرام اور شرعاً ناجائز ہے، اس کی کوئی بھی صورت جائز نہیں، بلکہ دادا جان نے تو یہاں تک فرمایا کہ

''جہاں ویڈیو بن رہی ہو وہاں جانا حرام ہے۔'' [ماخوذ کیسٹ دورہ تفسیر سورۃ الانعام آیت 68]

چنانچہ دادا جان رحمہ اللہ کا تفصیلی تحریری مؤقف اسی مضمون میں ملاحظہ فرمالیں! اور آپ رحمہ اللہ اس معاملے میں بہت ہی سختی فرماتے تھے اور فرماتے کہ ''جو علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں انہوں نے بڑی ٹھوکر کھائی ہے''۔ اور اِدھر حال یہ ہے کہ ''ویڈیو'' کا اسقدر اہتمام کہ مسجدیں بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں رہیں (**نعوذ بالله، استغفر الله**)۔ کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اکابر کے نام لیوا ہی مسجدوں کے اندر سرِ عام، بڑے اہتمام کے ساتھ حرام اور ناجائز کام کریں؟؟ بالفرض والمحال اس بارہ میں آپ اگر اُن علماء کے حامی ہیں جو اس کو جائز قرار دیتے ہیں تو پھر آپ اس کو اپنے آپ تک تو محدود رکھ سکتے ہیں لیکن سینکڑوں اور ہزاروں کے مجمع عام پر اپنا مؤقف مسلط کرنا تو جائز نہیں، ان میں بہت سے ایسے ہونگے جو ان اکابرین کے مقلد ہوں گے جو اس کام کو سراسر ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں مثلاً دادا جان رحمہ اللہ کے معتقدین۔ راقم کے ایک استاد گرامی راوی ہیں کہ ''**تحفظ سنت کانفرنس**'' میں مدعو مہمان حضرت پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی صاحب نے اس پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں نے کالج کے ماحول میں رہتے ہوئے ساری زندگی میں کبھی ویڈیو نہیں بنوائی، اور آپ نے ایک دینی اجتماع میں مجھے بلوا کر اس میں ملوث کر دیا''۔

لہٰذا محترم! اگر دیکھا جائے تو شرعی نقطۂ نظر سے بھی آپ اس کو اپنی ذات تک تو محدود رکھ سکتے ہیں لیکن دوسروں پر مسلط کرنا تو کسی طرح بھی درست نہیں معلوم ہوتا۔

اکابرین کی روایات کا خیال کیجئے!

محترم! گستاخی کی مکرر معذرت کے ساتھ احقر کی عاجزانہ دست بستہ گزارش یہ ہے کہ ہر کام اور ہر امر میں اکابرین کے طرز کو اپناتے ہوئے اُن کے دفاع اور اُن کے مسلک حقہ کی اشاعت کا فریضہ سرانجام دینے کی کوشش کریں۔ اور ان کی روایات کا ہر موڑ پر خیال رکھا جائے۔ تاکہ کل قیامت میں اُن کے سامنے سرخرو ہو کر جائیں۔ اللہ رب العزت ہمیں کامل طور پر اکابر و اسلاف کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی روایات کا لحاظ رکھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق نوازے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

پسِ منظر: اس سلسلہ میں اگر کوئی صاحب یہ خیال کریں یہ باتیں ''**کانفرنس**'' سے پہلے بتانے کی تھیں! تو خادم عرض کرتا ہے کہ اس عاجز نے پہلے بھی مولانا الیاس گھمن صاحب مدظلہ سے گزارش کی تھی، واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ مولانا الیاس گھمن مدظلہ تحفظ سنت کانفرنس کے بارے اجازت حاصل کرنے دادا جان کے پاس

تشریف لے گئے، وہ آرام فرما رہے تھے، مولانا واپس چلے گئے اور داداجان رحمہ اللہ کی اجازت اور مشورہ کے بغیر ''تحفظ سنت کانفرنس'' کا اشتہار چھپوادیا۔ میں اُس وقت بہاولپور میں تھا جب ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے ''تحفظ سنت کانفرنس'' کا اشتہار دیکھا ہے؟ میں کہا نہیں! انہوں نے کہا'' کہ ''سنت'' و ''بدعت'' کو اکٹھا کر دیا گیا ہے! میں نے پوچھا ''وہ کیسے؟'' کہا اوپر حضرت شیخ رحمہ اللہ کا نام ہے نیچے (مولانا) عبدالحفیظ مکی (صاحب) کا، [لاحول ولا قوة الا بالله، انالله وانا اليه راجعون] اور یہ بھی بتایا کہ لگتا ہے کہ جلسہ بڑے پیمانے پر ہے، ابھی سے اس کی تیاریاں شروع ہیں حالانکہ کئی ماہ باقی ہیں، اور اتنا بڑا جلسہ ایک بدعتی کی زیر صدارت رکھ دیا گیا، کیا اپنے اکابرین باقی نہیں رہے؟ یا اِن حضرات کو اُن کی حاجت نہیں رہی؟'' میں نے خاموشی اختیار کی، چند احباب سے پوچھا تو انہوں نے بھی تحفظات کا اظہار کیا، میں نے ''اتحاد'' کے امیر مولانا منیر احمد مدظلہ کو فون کیا اور پوچھا کہ یہ جلسہ آپ کی اجازت اور مشورے سے طے پایا ہے؟ فرمایا ''جی ہاں'' میں نے عرض کیا کہ آپ نے مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کو بلانے کی اجازت دی ہے؟ فرمایا ''جی ہاں'' میں نے عرض کیا کہ ہمارے اکابرین حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ اور حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے ان کے خلاف کام کیا ہے جبکہ آپ نے انہیں ایک خالص مذہبی اور مسلکی جلسے کا صدر بنا دیا ہے؟ تو فرمایا کہ ''بھئی! جب ہمارے علماء سعودی عرب جاتے ہیں تو کیا وہاں عبدالحفیظ مکی صاحب کا عقیدہ ٹھیک ہوجاتا ہے؟ کہ یہ لوگ وہاں جا کر اُن کے پاس رہتے اور اُن سے ہدایا وصول کرتے ہیں؟'' میں نے عرض کیا کہ احقر نے جن اکابرین کا نام لیا ہے انہوں نے تو بھی ملنا گوارا نہ کیا ہوگا دعوت اور ہدیہ تو دور کی بات ہے،'' پھر فرمانے لگے کہ ''یہ ہماری مجبوری ہے۔'' میں نے عرض کیا کہ ''آخر ایسی کیا مجبوری ہے کہ ایک بدعتی کو جلسہ کا صدر بنانا لازمی قرار پا گیا؟'' فرمایا کہ ''عبدالحفیظ مکی صاحب نے اپنے باطل نظریات سے رجوع کر لیا ہے'' میں نے عرض کیا کہ آپ کی بات ہوئی ہے؟ فرمایا ''جی ہاں'' میں خاموش ہوگیا۔ ایک دو اور طرف سے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ مولانا مکی صاحب نے رجوع نہیں کیا۔ مولانا منیر احمد صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہوگی، خیر میں نے دیگر حضرات، مثلاً عم مکرم مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ، مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ اور چند دیگر حضرات سے بات کی اور صورتِ حال اُن کے سامنے رکھی، بعض نے وعدہ کیا کہ ہم مولانا الیاس گھمن صاحب سے بات کریں گے، بعض نے مشورہ دیا کہ آپ مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ سے بات کریں، مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ اُس وقت حج پر تھے، میں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر عید قربان کے دن مولانا محمود عالم اوکاڑوی صاحب کو فون کیا اور ان سے پوچھا کہ کیا یہ ساری صورتحال آپ کے علم میں ہے؟ انہوں نے فرمایا ''جی ہاں، یہ اراکین شوریٰ کا متفقہ فیصلہ ہے،'' میں نے اپنے تحفظات پیش کیے تو فرمایا کہ ''آپ مولانا الیاس صاحب سے بات کر لیں وہ آپ کی تسلی کرا دیں گے؟'' خیر میں نے صبر کا کڑوا گھونٹ بھرا اور بقرعید کی چھٹیوں کا انتظار کرنے لگا۔

اراکینِ شوریٰ: اتحاد کی مجلس شوریٰ جس کے اراکین کے مشورے سے یہ فیصلہ ہوا اُن کی صورتِ حال کچھ یوں تھی جن اُن سے مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب نے رابطہ کیا تو مولانا عبدالغنی صاحب اور مفتی امداداللہ انور صاحب مکی مالکی صاحب کے عقائد ونظریات سے قطعی بے خبر تھے، جب اُن کو ساری صورتحال سے آگاہ کیا تو انہوں نے بھی کہا اگر واقعی ایسا ہے تو پھر عبدالحفیظ مکی صاحب کو بلانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ جبکہ مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی صاحب اجلاس میں شریک ہی نہ تھے اور مولانا اسماعیل محمدی صاحب کو یہ باور کرایا گیا تھا کہ عبدالحفیظ مکی صاحب نے رجوع کرلیا ہے، ہمارے پاس تحریر موجود ہے، چنانچہ ابتدائے سال میں جب مولانا اسماعیل محمدی صاحب دارالعلوم مدنیہ بہاولپور تشریف لائے تو ہم نے اسی کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ ''گھمن صاحب کہتے ہیں کہ میں نے تحریر لکھوالی ہے اور مکی صاحب رجوع کر چکے ہیں تو پھر ہمیں کیا اعتراض ہے؟'' میں نے پوچھا کہ وہ تحریر آپ نے دیکھی ہے؟ فرمایا ''نہیں میں نے نہیں دیکھی'' خیر ہم خاموش ہوگئے، اگرچہ ہمیں بعض ذرائع اور قرائن سے یہ معلوم ہو چکا تھا مکی صاحب نے قطعاً رجوع نہیں کیا، بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ ''(مولانا) عزیز الرحمٰن (ہزاروی مدظلہ) بے چارہ شریف آدمی تھا وہ قاضی صاحب (رحمہ اللہ) کے رعب میں آگیا تھا تو اُس نے رجوع کرلیا ورنہ ''علوی مالکی'' کے نظریات سو فیصد درست ہیں۔ (نعوذ باللہ) شوریٰ کے اراکین کے علاوہ دیگر حضرات مثلاً اتحاد کے سابقہ امیر مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ اور مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ سے بھی اس سلسلے میں بات ہوئی ان کو بھی مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کی صدارت سے قطعاً اتفاق نہیں تھا۔

داداجان رحمہ اللہ کی خدمت میں: خیر چھٹیوں میں گکھڑ حاضری ہوئی تو راقم نے داداجان رحمہ اللہ سے پوچھا کہ مولانا الیاس گھمن نے آپ سے اس جلسے کی اجازت لی ہے؟ فرمایا ''نہیں!'' میں نے ساری صورتِ حال آپ کے گوش گزار کی تو فرمایا کہ ''مجھے کچھ پتہ نہیں ہے، میری اجازت اور مشورے کے بغیر سب کچھ ہوا ہے۔'' میں نے پھر علوی مالکی صاحب کے بارے میں پوچھا، تو فرمایا کہ ''احمد رضا سے بڑا بدعتی تھا'' جس کا تذکرہ گزر چکا ہے، پھر میں نے مولانا الیاس گھمن صاحب کو فون کیا اور عرض کیا کہ ''آپ نے عبدالحفیظ مکی صاحب کو بلایا ہے تو کیا آپ کو اس پر کوئی اشکال نہیں؟'' فرمایا ''اشکال نہیں ہے تبھی تو بلایا ہے!'' میں نے عرض کیا کہ ''آپ نے داداجان رحمہ اللہ کا نام لکھا ہے، آپ نے اُن سے اجازت لی تھی؟'' فرمایا ''میں اُن کی خدمت میں گیا تھا تو حضرت آرام فرما رہے تھے'' میں نے عرض کیا کہ پھر یہ اجازت ہوگئی؟'' فرمایا ''ہم اب حضرت کو اشتہار سنا دیں گے!'' میں نے کہا ''ہمارے اکابرین نے علوی مالکی صاحب کو بدعتی لکھا ہے، اور مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب اُن کے نظریات کی پوری پوری تائید کرتے ہیں،!'' مولانا الیاس صاحب فرمانے لگے ''یہ بات میرے علم میں نہیں ہے''! میں نے عرض کیا کہ آپ حضرت اوکاڑوی کی جماعت چلا رہے ہیں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے ان کے خلاف بھرپور کام کیا ہے؟ حضرت ناناجی (مولانا قاضی مظہر حسین) رحمہ اللہ حضرت لدھیانوی رحمہ اللہ اور مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ وغیرہم اکابرین نے بھرپور تحریری وتقریری کام کیا ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل کی دسویں جلد میں 100 سے

زائد صفحات اسی سے متعلق ہیں، اس کے علاوہ بھی کئی رسائل اور کتب شائع ہو چکے ہیں) اور آپ کو خبر ہی نہیں! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا'' بھئی! مجھے تو پتہ نہیں ہے، یہ میں آپ سے سُن رہا ہوں''۔ پھر فرمایا کہ میں نے تو اُن کے خلاف کوئی کام نہیں کیا''! لہٰذا ہم اگر اُن کو جلسے پر بلائیں تو کیا حرج ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے داداجان سے بات کی ہے وہ بھی انہیں بدعتی سمجھتے ہیں؟ فرمایا'' تم نے ''اباجی'' سے بات نہیں کرنی تھی پہلے مجھ سے بات کر لیتے؟ خیر اب اس کا حل نکالنا چاہیے! میں نے کہا'' کیا؟'' فرمایا'' آپ حضرت شیخ سے تحریر لکھوائیں، مولانا عبدالحفیظ مکی اس تحریر پر دستخط کریں گے تو سٹیج پر چڑھیں گے ورنہ نہیں چڑھیں گے!'' ہمارے لیے اصل حضرت شیخ ہیں، مولانا عبدالحفیظ مکی نہیں!'' میں نے عرض کیا کہ'' یہ بات تو اشتہار میں نام دینے سے پہلے سوچنے کی تھی؟'' (کیونکہ اگر اُن کو سٹیج پر نہ بھی چڑھنے دیا جائے اشتہار میں تو نام آچکا، عوام میں تو غلط فہمیاں پیدا ہوں گی؟] فرمایا'' بھائی حمزہ! آپ چھوٹے ہیں میں آپ کی بات سن کر مسئلے کے حل کوشش کر رہا ہوں اور آپ مسئلہ الجھا رہے ہیں! یہ تو ایسے ہے جیسے آپ کسی سے کہیں نماز پڑھو! وہ کہے اچھا پڑھتا ہوں! پھر آپ کہیں تو نے پہلے اتنے سال کیوں نہیں پڑھی؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ ہمارے لیے اصل حضرت شیخ ہیں، مکی صاحب نہیں، اگر وہ دستخط کریں گے تو سٹیج پر آئیں گے، پھر بھی آپ کہتے ہیں کہ یہ کام آپ نے پہلے کیوں نہیں کیا؟ میں نے عرض کیا کہ اشتہارات میں نام آنے کی وجہ سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوں گی اُن کا کیا بنے گا؟ فرمایا اب تو اشتہار چھپ گیا ہے اب کیا ہوسکتا ہے؟ خیر کچھ مزید باتیں ہوئیں، میں نے شکریہ ادا کیا کہ آپ نے وسعت ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے مجھ جیسے ناچیز کی بات بھی سنی اور اسے اہمیت بھی دی ۔ پھر احقر نے اس بارے میں مزید غور فکر کی دعوت دی اور سلام کہہ کر فون بند کر دیا۔ احقر نے داداجان رحمہ اللہ کو صورتحال بتا کر تحریر لکھی اور آپ کو سنائی، آپ نے اُس کی تائید فرمائی، کچھ ترمیم بھی کرائی، پھر چونکہ میری چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں لہٰذا میرا مدرسہ جانا ضروری تھا، میں وہ تحریر عم مکرم مولانا منہاج الحق راشد مدظلہ کے حوالے کر کے آ گیا۔

سہارا درکار تھا: خیر'' کانفرنس'' ہوگئی۔ بعد میں ایک دن مولانا منیر احمد منور مدظلہ دارالعلوم مدنیہ تشریف لائے تو احقر اُن سے ملا دوران گفتگو از خود ہی فرمایا کہ'' ہم نے عبدالحفیظ مکی کے عقائد کی تائید نہیں کی، دراصل ہم سعودی عرب میں غیر مقلدیت کے خلاف کام کرنا چاہتے ہیں اُس کے لیے ہمیں مضبوط سہارا چاہئے، اس سہارے کے طور پر ہم نے ان کو استعمال کرنا ہے؛'' احقر نے دیگر بعض حضرات کے نام لیے کہ اُن کو بھی تو آسرا بنایا جاسکتا ہے، مگر مولانا نے چند اعذار پیش کیے جن کی بنا پر ان حضرات کا سہارا مضبوط نظر نہیں آتا تھا۔ پھر احقر نے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مکی صاحب نے رجوع کر لیا ہے میری خود بات ہوئی ہے؟ تو فرمایا'' بات ہوئی نہیں، ہونی تھی، میرا خیال تھا کہ لاہور آئیں گے تو بات کروں گا لیکن موقع نہیں مل سکا، یہ سن کر احقر دم بخود رہ گیا۔

بعد میں احقر نے'' خانقاہ شریف'' حاضر ہو کر مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہ سے بات کی، اس موقع پر وہاں مولانا منیر احمد مدظلہ بھی موجود تھے، مولانا دھرم کوٹی مدظلہ نے فرمایا کہ میں نے خود مکی صاحب سے پوچھا تھا وہ تو'' علوی مالکی'' کی پوری پوری تائید کرتے ہیں! مولانا منیر احمد مدظلہ نے فرمایا کہ'' کیا آپ کے پاس علوی مالکی کی

کتب ہیں؟ دھرم کوٹی صاحب نے فرمایا ''میں مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب سے ایک کتاب لایا ہوں!'' مولانا منیر احمد صاحب نے فرمایا کہ ''وہ آپ مجھے دیدیں، اور بھی اگر کوئی کتاب ہو تو مجھے دیں میں ان کو پڑھتا ہوں ان میں اگر کوئی بات قابل اعتراض ہوئی تو پھر غور کریں گے!'' (میرا جی تو بہت چاہا کہ عرض کروں کہ حضرت! کیا آپ کو اکابرین پر اعتماد نہیں ہے؟ انہوں نے ''علوی مالکی'' صاحب کو بدعتی اور اہل السنۃ سے خارج قرار دے دیا ہے اس کے بعد کسی تحقیق کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن ادب کی وجہ سے خاموش ہو گیا اور یہ سوچا کہ چلو! خود مطالعہ کر لیں گے تو تسلی ہو جائیگی!) مولانا دھرم کوٹی نے فرمایا کہ ''اگر اس میں قابل اعتراض باتیں ہوں تو پھر آپ کو ''قافلہ حق'' میں معذرت کے ساتھ تردید شائع کرنی پڑے گی اور یہ بات اجلاس میں آپ نے خود اٹھائی ہے''۔ مولانا منیر احمد مدظلہ یہ سن کو خاموش ہو گئے۔

مکی صاحب کا سوالات کا جواب دینے سے انکار:

بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا منیر احمد مدظلہ نے مختلف کتب سے علوی مالکی کے نظریات کا مطالعہ کر کے ''علوی مالکی صاحب'' کا نام لیے بغیر عقائد ونظریات سے متعلق گیارہ سوالات مرتب کیے جو مولانا الیاس گھمن صاحب نے مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب کی خدمت میں پیش کیے اور گزارش کی کہ ان کا جواب مرحمت فرمائیں تو مکی صاحب نے ان سوالات کے جواب دینے معذرت کر لی اور کہا کہ ''میں ان سوالات کے جواب دینے سے قاصر ہوں''۔ شنید ہے کہ ''اتحاد'' کے اجلاس میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ آئندہ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب ''اتحاد'' کے کسی جلسے اور کسی اجلاس کی صدارت وسرپرستی نہیں کریں گے، امید ہے کہ ذمہ دارانِ ''اتحاد'' آئندہ اکابرین کی روایات کی حفاظت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اور خاص طور پر مولانا الیاس گھمن صاحب مدظلہ سے نہایت ہی مودبانہ گزارش کروں گا کہ آپ تو اکابرین کے ترجمان اور ہمارے سروں کے تاج ہیں، آپ کو اکابرین بالخصوص حضرت امام اہل السنۃ، حضرت قاضی صاحب، حضرت لدھیانوی شہید، اور حضرت ترمذی رحمہم اللہ کی تمام کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہئے تا کہ آپ کے علم میں ہو ہمارے اکابرین نے کس کس محاذ پر کام کیا ہے اور کس انداز سے کیا ہے؟ اور کس کے ساتھ کیسا رویہ رکھا ہے؟ تبھی ہم صحیح معنوں میں ان کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اکابرین کی کامل پیروی نصیب فرمائے۔ ہر فتنہ کر ہمہ قسم شر سے محفوظ رکھے۔ اور ہم سب کو دین کی خدمت کے لیے قبول فرمالے۔ اور آپ کا سایہ تا دیر صحت وعافیت وتندرستی کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے، آپ تا دم آخر باطل کے خرمن پر بجلیاں گراتے رہیں آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

امیر تحریک خدام کو نصیحت:

خادم کے نانا جی قائد اہل سنت، وکیل صحابہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کی جاری کردہ جماعت ''تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ'' کے قائد اور امیر خادم کے ماموں مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ قرار پائے۔ انہی دنوں ماموں جان حضرت دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت

میں حاضر ہوئے تو دادا جان نے جاتے ہوئے ان کو قریب کر کے فرمایا ''یاد رکھو! یہ (حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا) مشن بہت عظیم مشن ہے، اُن کی لاج رکھنا اور انہی کے طریق پر خدمات سرانجام دیتے رہنا، جذباتی لوگ آپ کو بہت کچھ کہیں گے لیکن آپ کے لیے نمونہ آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ کی زندگی ہے۔

صدر سپاہ صحابہ کو عدمِ تشدد کی پالیسی اختیار کرنے پر سرپرستی کی یقین دہانی:

جرنیل اسلام حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہید رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد جب حضرت مولانا محمد احمد لدھیانوی مدظلہ سپاہ صحابہ کے صدر منتخب ہوئے اور ۲محرم الحرام کو ''شیرانوالہ باغ'' گوجرانوالہ میں منعقدہ جلسہ عام میں شرکت کے لیے تشریف لائے تو دادا جان کے پاس گکھڑ بھی حاضری دی، اس موقع پر خادم بھی موجود تھا۔ مولانا لدھیانوی مدظلہ نے سلام دعا اور احوال دریافت کرنے کے بعد عرض کیا کہ ''حضرت! ہمیں اب سمجھ آ گئی ہے کہ ہماری سابقہ پالیسی نے جتنا ہمیں نقصان پہنچایا ہے اتنا نفع نہیں ہوا۔ لہٰذا اب ہم نے سابقہ پالیسی تبدیل کرنے اور متشددانہ رویہ ترک کرنے کا فیصلہ کیا ہے'' یہ بات سنتے ہیں دادا جان رحمہ اللہ کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا، مسرت ان کے چہرہ سے ایسے عیاں تھی جیسے نصف النہار کا سورج، مولانا لدھیانوی سے مخاطب ہو کر فرمایا

> ''مولانا! ہم تو پہلے ہی یہ سمجھاتے تھے مگر ہماری نہیں سنی گئی، اب آپ نے بہت اچھا اور حالات کے مطابق درست فیصلہ کیا ہے، آپ تشدد کی پالیسی ترک کر دیں، ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت نصیب فرمائے''۔

مولانا لدھیانوی مدظلہ نے مزید عرض کیا کہ ''ہر سال حکومت محرم میں امن وامان قائم رکھنے کے بہانے ہمارے سینکڑوں ساتھی گرفتار کر لیتی ہے جو چار چار، پانچ پانچ ماہ جیلوں میں بند رہتے ہیں۔ اس مرتبہ میں نے انتظامیہ سے کہا ہے کہ آپ وہ لسٹ مجھے دکھائیں جس میں آپ نے اپنے نزدیک مشکوک اور امن وامان کے دشمن لوگوں کے نام لکھے ہیں اور جن سے آپ کو خطرہ ہے! میں جس جس کی ضمانت دوں گا آپ اسے گرفتار نہ کریں، اور میں اس کی ضمانت دوں گا جو میری مانے گا، جو نہیں مانے گا وہ جماعت کا نہیں ہوگا۔ اگر آپ اس پر راضی نہیں ہیں تو میں محرم کے دس دن ہر شہر میں ایک جگہ متعین کر دوں گا اس علاقہ کے وہ ساتھی جن سے آپ خطرہ محسوس کرتے ہیں ان کو دس دنوں کے لیے اس جگہ میں پابند کر دیا جائیگا وہ اس سے باہر نہیں آئیں گے۔ اگر اس سے بھی آپ کی تسلی نہ ہو تو میں پورے ملک سے ان تمام ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لوں گا اور دس دن وہ میرے پاس رہیں گے۔ اگر اس پر بھی آپ مطمئن نہ ہوں تو آپ ہمیں کوئی جگہ بتا دیں جو ''جیل'' یا ''تھانہ'' نہ ہو، میں دس دنوں کے لیے اپنے ساتھیوں سمیت وہاں چلا جاؤں گا۔ آپ ہمارے ساتھیوں کو گرفتار نہ کریں''۔ یہ سنتے ہی دادا جان نے بے شمار دعائیں دیں اور تشدد کی پالیسی ختم کرنے کی صورت میں بھرپور تعاون اور سرپرستی کا یقین دلایا۔

علماء و طلباء کے لیے نصیحت:

آپ کی خدمت میں حاضری دینے والے علماء یا طلباء آپ سے کسی نصیحت کی درخواست کرتے تو آپ

ہمیشہ یہی فرماتے کہ ''پڑھنے پڑھانے سے بہتر کام کوئی نہیں ہے اسی میں لگے رہیں اس کو نہ چھوڑیں'' اور طلباء کو خاص طور پر فرماتے کہ ''محنت'' اور ''غیرت'' کے بغیر علم حاصل ہونا مشکل ہے۔

مریدین، محبین ،معتقدین اور تلامذہ کے لیے نصیحت:

آپ کو اپنے اکابر سے والہانہ لگاؤ اور اُن کی تحقیقات پر کلی اعتماد تھا، اسی کی نصیحت اپنے متعلقین کو بھی فرماتے اور یہی نصیحت آپ کے بیعت والے کارڈ پر بھی درج ہوتی۔ ملاحظہ فرمائیں

عزیزان گرامی قدر! میں کسی بھی مسئلہ میں اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا۔ بلکہ قرآن وسنت اور فقہ و تاریخ کے تمام افکار ومسائل میں اکابرین علماء دیوبند کی اجماعی تحقیق پر اعتماد کرتا ہوں اور ان کی تمام اجماعی تعلیمات کو حق جانتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہونے کو اپنے لیے ہدایت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں اپنے تمام تلامذۃ، مریدین اور متعلقین کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اکابر علماء دیوبند کے مسلک پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہیں۔ اور ان کا دامن کسی صورت چھوڑنے نہ پائیں۔ جو اکابر علماء دیوبند کے اجماعی مسلک کو قرآن وسنت کے مطابق سمجھتے ہوئے اس پر پوری طرح قائم رہے وہ میرے متعلقین میں شامل ہے۔ اور جس کا اکابر کی اجماعی تحقیق پر اعتماد نہ ہو میرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

نوٹ: عقیدہ حیات النبی کے بارہ میں اکابر علماء دیوبند کے مسلک جو ''المہند علی المفند'' کے اندر مذکور ہے، کی روشنی میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ارواح مبارکہ کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور عندالقبر پڑھا جانیوالا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ ہمارے حضرت رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ جس کا یہ عقیدہ ہے وہی دیوبندی ہے۔ اور میرے متعلقین میں شامل ہے۔ اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ (مولانا) ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر (مدظلہ)

''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے ساتھ تعاون کا حکم:

وفات سے چند دن قبل لاہور میں ''ختم نبوت کانفرنس'' میں آپ نے اپنے مریدین، تلامذہ اور متعلقین کے لیے یہ پیغام بھجوایا جسے آپ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ نے لاکھوں سامعین کے سامنے دوہرایا

''تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کی پاسبانی کے لیے میرے تمام شاگرد، مریدین و متعلقین ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے ساتھ ہر قسم کا بھرپور تعاون فرمائیں کہ یہ جماعت ہمارے بزرگوں کی قائم کردہ ہے۔ میری سب کو یہ نصیحت اور حکم ہے۔'' ......ابولزاہد محمد سرفراز

......﴿چند یادگار ملفوظات﴾......

[۱] عقائد میں لچک نہ ہو مگر بیان میں نرمی ضرور ہو۔

[۲] اگر قرآن کو حفظ کرنا مشکل ہے تو یاد رکھنا مشکل تر۔

[۳] پچاس سالہ تجربہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر بچے (غبی وغیرہ) کو حفظ نہیں کروانا چاہیے۔

[۴] عقیدۂ توحید کڑوا ضرور ہے مگر سمجھ میں آجائے تو اس سے میٹھی چیز کوئی نہیں ہے۔

[۵] قرآن وسنت کو مجموعی حیثیت سے جتنا علماء دیوبند نے سمجھا ہے ہمارا دعویٰ ہے کہ خیر القرون کے بعد امت میں کسی نے نہیں سمجھا۔

[۶] عقائد میں عوام کو متصلب (پختہ) اور علماء کو محقق ہونا چاہیے۔

[۷] دعا کریں کسی مولوی کا دماغ خراب نہ ہو! اگر مولوی بگڑ جائے تو فرعون سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

[۸] بحمد اللہ تعالیٰ مجھے حدیث، تفسیر فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کی تدریس کرتے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے، لیکن کبھی اپنی رائے کو اجتہادی درجہ نہیں دیا، بلکہ اکابر کی رائے ہی کو مقدم سمجھا ہے۔ عزیز قدر طلباء کرام! اجتہاد نہ کرنا، بلکہ اکابر کی رائے پر اعتماد کرنا اور اسلاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

[۹] میرے عزیزو! بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اپنے اکابر کا قرض چکا دیا ہے اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس امانت کا تحفظ کرنا۔

[۱۰] موجودہ دور میں دنیا بھر کے تمام طبقات تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے علماء کرام کا علوم عصریہ اور جدید لسانیات سے استفادہ ضروری ہے۔

......﴿وظائف﴾......

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے سلسلہ میں داخل ہونے والے مریدین کو چند شرائط کے ساتھ مندرجہ ذیل وظائف کی تلقین فرماتے تھے

''توحید وسنت پر مضبوطی قائم رہتے ہوئے، شرک وبدعت سے سختی کے ساتھ نفرت کرتے ہوئے صبح وشام یہ وظائف پڑھے، [وضو ہو تو نور علیٰ نورٌ] ایک جگہ بیٹھ کر پڑھیں تو بہتر ہے ورنہ چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں۔''

[۱] سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلى الظيم

[۲] سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

[۳] دورد شریف نماز والا [درود ابراہیمی]

[۴] استغفر الله ربى من كل ذنب واتوب اليه

[۴] قرآن کریم کی حسب توفیق تلاوت [ایک پارہ روزانہ]

......﴿سند حدیث وخلافت﴾......

سند حدیث:

[1] امام المرسلین، خاتم المعصومین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [وفات: ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ھجری]

[۲]حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ [وفات:۷۴ ھ]......[۳]حضرت یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ [وفات:۱۴۰ھ]......[۴]مکی بن ابراہیم الحنفی تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ[وفات:۲۱۵ھ]......[۵]ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ[وفات: یکم شوال ۲۵۶ھ]......[۶]ابو عبداللہ محمد بن یوسف بن مطر رحمہ اللہ[وفات:۲۰ شوال ۳۲۰ ھ]......[۷]ابو محمد عبد اللہ بن احمد السرخسی رحمہ اللہ [وفات:۴ رجب ۳۴۸ھ]......[۸]ابوالحسن عبدالرحمٰن بن مظفر الداؤدی رحمہ اللہ......[۹]عبدالاول بن عیسیٰ بن شعیب السجز ی الھر وی رحمہ اللہ[وفات:۶ ذی قعدہ ۵۵۳ھ]......[۱۰]سراج الحسین ابن مبارک الزبیدی رحمہ اللہ......[۱۱]ابو العباس احمد بن ابی طالب الحجار رحمہ اللہ......[۱۲]ابواسحاق ابراہیم بن احمد تنوخی رحمہ اللہ......[۱۳]ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ[وفات:۲۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ]......[۱۴]زین الدین زکریا بن محمد ابو یحییٰ الانصاری رحمہ اللہ [وفات:۹۲۸ھ]......[۱۵]شمس الدین محمد بن احمد بن محمد الرملی رحمہ اللہ...... [۱۶]ابو المواھب شیخ احمد بن علی بن عبدالقدوس الشناوی رحمہ اللہ[وفات:۸ ذی الحجہ ۱۰۲۸ھ]......[۱۷]صفی الدین احمد بن القشاشی رحمہ اللہ[وفات:۱۹ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ]......[۱۸]ابراہیم الکردی المدنی الشافعی رحمہ اللہ[وفات:۱۱۰۱ھ]
[۱۹]ابوطاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی الشافعی رحمہ اللہ[وفات: رمضان ۱۱۴۵ھ]......[۲۰]شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی رحمہ اللہ [وفات:۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ]......[۲۱] شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ [وفات:۷ شوال ۱۲۳۶ھ]......[۲۲]صدرالحمید شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ[وفات:۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ] ....[۲۳]مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ[وفات:۶ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ]...... وشاہ عبد الغنی دہلوی رحمہ اللہ[وفات:۶ محرم ۱۲۹۶ھ] ......[۲۴]مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند رحمہ اللہ [وفات:۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ]......ومولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ [وفات:۸ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ]......[۲۵] شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ[وفات:۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ]......[۲۶]شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ[وفات:۱۲ جماد الاولیٰ ۱۳۷۷ھ]......[۲۷]امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ[وفات:۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ]

سندِ خلافت:

[۱]خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[وفات:۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ]......[۲]خلیفہ بلافصل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[وفات:۲۳ جمادی الثانیہ ۱۳ھ]......[۳]حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ[وفات:۱۰ رجب ۳۳ھ]......[۴]حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ [وفات:۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ]......[۵]حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ [وفات:۱۵ رجب ۱۴۸ھ]......[۶] شیخ بایزید بسطامی رحمہ اللہ[وفات:۱۵ شعبان ۲۶۱ھ]......
[۷]خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ[وفات:۱۰ محرم ۴۲۵ھ]......[۸]حضرت ابوالقاسم گرگانی رحمہ اللہ[وفات:۲۳ صفر ۴۵۰ھ]......[۹]خواجہ ابوعلی فارمدی رحمہ اللہ[وفات:۴ ربیع الثانی ۴۷۷ھ]......[۱۰]حضرت خواجہ ابو یوسف

ہمدانی رحمہ اللہ [وفات:۲۷رجب ۵۲۵ھ]......[۱۱]خواجہ عبد الخالق غجدوانی رحمہ اللہ[وفات:۱۲ربیع الاول ۵۷۵ھ]......[۱۲]خواجہ عارف ریوکری رحمہ اللہ[وفات: یکم شوال المکرّم ۶۱۶ھ]......[۱۳]خواجہ محمود الخیر فغنوی رحمہ اللہ [وفات:۱۷ربیع الاول ۷۱۵ھ]......[۱۴]خواجہ عزیز ان علی رامتینی رحمہ اللہ [وفات:۲۸ ذیقعدہ ۷۲۱ھ]......[۱۵]حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمہ اللہ[وفات:۱۰جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ]...... [۱۶]حضرت شیخ سید شمس الدین امیر کلال رحمہ اللہ[وفات:۸جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ]......[۱۷]سید بہاؤ الدین نقشبندی حنفی رحمہ اللہ [وفات:۳ربیع الاول ۷۹۱ھ]......[۱۸]خواجہ علاؤ الدین عطار رحمہ اللہ [وفات:۲۰رجب ۸۰۲ھ]......[۱۹]مولانا محمد یعقوب چرخی رحمہ اللہ[وفات:۵صفر ۸۵۱ھ]......[۲۰]خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ [وفات:۲۹ربیع الاول ۸۹۵ھ]......[۲۱]مولانا محمد زاہد رحمہ اللہ[وفات: یکم ربیع الاول ۹۲۶ھ]......[۲۲]خواجہ درویش محمد رحمہ اللہ[وفات:۱۹محرم ۹۷۰ھ]......[۲۳]حضرت مولانا خواجگی محمد امکنگی رحمہ اللہ[وفات:۲۲شعبان ۱۰۰۸ھ]......[۲۴]خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ[وفات:۲۵جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ]......[۲۵]حضرت احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ [وفات:۲۸صفر ۱۰۳۴ھ]......[۲۶]خواجہ محمد معصوم بن مجدد رحمہ اللہ [وفات:۹ربیع الاول ۱۰۷۹ھ]......[۲۷]خواجہ شیخ حضرت سیف الدین رحمہ اللہ[وفات:۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ]...... [۲۸]شیخ حافظ محمد محسن رحمہ اللہ[وفات:۱۱۴۷ھ]......[۲۹] سید نور محمد بدایونی رحمہ اللہ [وفات:۱۱ذیقعدہ ۱۱۳۵ھ]......[۳۰]حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید رحمہ اللہ [وفات:۱۰محرم ۱۱۹۵ھ]......[۳۱]عبداللہ شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ[وفات:۲۲صفر ۱۲۴۰ھ]......[۳۲]شاہ ابوسعید دہلوی رحمہ اللہ[وفات: یکم شوال ۱۲۵۰ھ] [۳۳]حضرت احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ [وفات:۲ ربیع الال ۱۲۷۷ھ]......[۳۴]حاجی دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ [وفات:۲۲شوال ۱۲۸۴ھ]......[۳۵]حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ [وفات:۲۲شعبان ۱۳۱۴ھ]......[۳۶]امام الموحدین حضرت مولانا پیر حسین علی واںؔ بچھراں رحمہ اللہ[وفات:۴رجب ۱۳۶۳ھ] [۳۷]امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ[وفات:۹جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ]

......﴿خلفاء﴾......

......﴿1﴾شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ العالی[کراچی]

......﴿2﴾شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہ[راولپنڈی]

......﴿3﴾شیخ الحدیث مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید نوراللہ مرقدہ[کراچی]

......﴿4﴾شہید ختم نبوت مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید نوراللہ مرقدہ[کراچی]

......﴿5﴾پیر طریقت حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نوراللہ مرقدہ[کراچی]

......﴿6﴾شیخ الحدیث مولانا مفتی زرولی خان مدظلہ[کراچی]

......﴿7﴾ جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد حسن صاحب مدظلہ [لاہور]

......﴿8﴾ شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ

......﴿9﴾ جانشین امام اہل سنت، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ

......﴿10﴾ وکیل احناف، ترجمان دیوبند حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ

......﴿11﴾ پیر طریقت حضرت مولانا رشید الحق خان عابد مدظلہ

......﴿12﴾ حضرت مولانا شرف الدین خان حامد مدظلہ

......﴿13﴾ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن خان شاہد مدظلہ

......﴿14﴾ حضرت قاری عنایت الوہاب خان ساجد مدظلہ

......﴿15﴾ حضرت مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ

......﴿16﴾ حضرت مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر مدظلہ

......﴿اجازت نامہ تعویذات﴾......

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ دادا جان رحمہ اللہ نے چند شرائط کے ساتھ تعویذات کی عام اجازت مرحمت فرمائی ہوئی تھی، ہر ایک اُن شرائط کی رعایت کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، ذیل میں وہ چند آیات و دعائیں جن کی آپ نے اجازت دی تھی درج کی جاتی ہیں لیکن ان سے پہلے شرائط ملاحظہ فرمائیں، اور ہر ایک دادا جان رحمہ اللہ کے اس قول کو ضرور پلے باندھ لے کہ

''تعویذات کی اجرت ناجائز وحرام نہیں، لیکن مانگنا اچھا نہیں، کوئی از خود خدمت کردے تو قبول کرلے، ورنہ کسی سے نہ مانگے، مخلوقِ خدا کی خدمت کی نیت ہو۔''

شرائط: تین روزے رکھیں اور بغیر لالچ اور طمع کے تعویذات لکھیں، اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے خدمت کرے تو بخوشی قبول کریں۔

(۱) برائے بخار ہر قسم: ''قُلْنَا يٰنَارُ كُونِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا''.

(۲) برائے درد ہر قسم: ''رب الناس اذهب البأس واشف انت الشافی لا شافی الا انت شفاء ک لا یغادر سقماً''.

(۳) برائے الفت زوجین: ''وجعل بینکم مودة ورحمةً''.

(۴) برائے محبت فریقین: ''فالّف بین قلوبکم''.

(۵) برائے شر جنات وسحر: ''بسم الله الذی لا یضر مع اسمه شیء فی الارض ولا فی السماء وهو السمیع العلیم''.

(۶) برائے نظر: ''ماشاء الله لا قوة الا بالله''.

(۷) برائے رجوع مفرور: ''فردَدْنَاه الیٰ اُمِّہٖ کَیْ تَقَرَّ عَینها ولاتحزن''.

(۸) برائے کامیابی رزق وملازمت وغیرہ: ''بارک الله فی الرزق والعمل بِمَنِّہٖ وَاحسانه''.

(۹) برائے کامیابی امتحان: ''فقد فاز فوزاً عظیماً''............. ''قد افلح المؤمنون''.

(۱۰) برائے رفعِ شرازہرکس: اللهم احفظنا من شر کل حاسد وکل عدو بمنک''

سب کواجازت ہے۔......ابوالزاہد محمد سرفراز

......﴿سفر آخرت﴾......

رحلت: آپ رحمہ اللہ کی وفات کے وقت چونکہ خادم اپنے مدرسہ (بہاولپور) میں تھا لہٰذا آخری لمحات کی تفصیل خادم کے چچا مولانا عزیز الرحمٰن خان شاہد مدظلہ کے مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔

تم کیا گئے کہ شہر کی گلیاں اداس ہیں خاموش راستوں میں بڑا اِضطراب ہے

آخری دیدار: تقریباً پونے دو بجے خادم، اپنے چھوٹے بھائی عزیزی عبدالرحمٰن خان انس سلمہ کے ہمراہ گکھڑ پہنچا تو اعزہ نے ہمیں آتا دیکھا تو ہاتھ کے اشارہ سے کہا کہ جلدی آؤ! ہم دوڑتے ہوئے ڈیوڑھی کے راستے اندر داخل ہوئے، بیگ ایک جانب پھینکے اور داداجان رحمہ اللہ کی چارپائی کی طرف لپکے، چہرہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا....!اس قدر سفید رنگت تو آپ کی نہ تھی، پھر یہ نور میں لپٹی سفیدی کہاں سے آ گئی؟ اس قدر شفاف اور روشن چہرہ تھا کہ خادم نے کبھی اس قدر چمکتا چہرہ نہ دیکھا اور دیکھتا بھی کیسے؟ جنت کے رنگ دنیا میں ہر ایک کو تو نصیب نہیں ہوتے، یہ کسی کسی کی شان ہوتی ہے۔

چند لمحوں بعد چارپائی کو سیدھا کر کے دروازے کے قریب رکھ دیا گیا، چند لمحے تو میں ساکت وجامد چارپائی کے پاس کھڑا رہا مگر زیادہ ضبط نہ کر سکا تو پیچھے ہٹ کر داداجان کی چارپائی والی جگہ پر گم صم کھڑا ہو گیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں آپ تشریف فرما ہوتے، اور ہم آتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، سلام کرتے حال احوال بتلاتے اور کچھ دیر بیٹھ کر دباتے، پھر آپ ہمیں فرماتے بیٹا چلو! پانی وغیرہ پی لو! ہم بادل نخواستہ اٹھ جاتے اور چند ہی لمحوں بعد پھر حاضر ہو جاتے، اور جتنے دن گکھڑ قیام کرنا ہوتا آپ کی خدمت کو سعادت اور زندگی کی متاع عزیز سمجھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ آپ کی خدمت میں رہنے کی کوشش کرتے، خادم آپ رحمہ اللہ کی خواہش پر مختلف کتب سناتا، روزانہ صبح اخبار سناتا، اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کراتا مگر آج وہ جگہ بھی اداس اور غمگین نظر آ رہی تھی، جہاں بیٹھ کر آپ نے ''احقاقِ حق'' اور ''ابطال باطل'' کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ہر باطل کو للکارا۔ ہمہ قسم دینی کتب کا مطالعہ کیا۔ قرآن پاک کی تلاوت کی۔ زمین کو اپنے سجدوں سے منور کیا، آج سب کچھ افسردگی کی تصویر بنا ہوا تھا۔

جنازہ گاہ کی طرف: تایاجان مولانا عبدالقدوس خان قارن دامت برکاتہم العالیہ کے توجہ دلانے پر

نمازِ ظہر ادا کی اتنے میں چار پائی گھر کے اندر رکھ دی گئی تا کہ رشتہ دار خواتین زیارت کر لیں۔ تین بجے کے قریب عم مکرم مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ نے آواز دی کہ آؤ! چار پائی اٹھانی ہے۔ اُف اللہ....! کس قدر اذیت ناک مرحلہ ہے، کل تک تو ہم آپ کو ایک چار پائی سے اٹھا کر دوسری چار پائی یا کرسی پر بٹھاتے اور آپ کی چار پائی و کرسی کو خوشی خوشی اٹھاتے، اور آپ کی خدمت میں راحت اور اطمینان محسوس کرتے تھے۔ لیکن آج....!!؟ یا اللہ کیسے اٹھاؤں....! مجھ سے زیادہ قرب اور تعلق تو چاچو راشد کا تھا، اُن پر کیا بیت رہی ہوگی، مگر وہ صبر وتحمل کے پہاڑ بنے ہوئے مجھے جھنجھوڑ رہے تھے، میں نے دل کو تسلی اور دلاسہ دیا اور آگے بڑھ کر چار پائی کو اٹھا لیا....بچیوں کی آوازیں دل کو چیر رہی تھیں مگر دادا جان نے تو ساری زندگی ہمیں صبر وشکر کا سبق دیا تھا، یہی سوچ کر میں آنسوؤں کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے میں کامیاب ہو گیا۔ چار پائی کو گلی میں رکھا گیا اور بانس باندھنے کے بعد ایک مرتبہ پھر چار پائی کو اٹھایا اور کندھوں سے اوپر کر لیا، خادم بھی چار پائی کے ایک (سر کی جانب کے دائیں) کونے کو مضبوطی سے تھامے سکول گراؤنڈ پہنچ گیا۔

چار پائی کو دروازہ کے اوپر سے اندر لے جایا گیا اور سکول عمارت کے برآمدے میں رکھ کر زیارت شروع کرا دی گئی۔ ترتیب یہ تھی کہ برآمدے کی ایک جانب سے لوگ اندر داخل ہوتے اور زیارت کرتے ہوئے دوسری جانب سے نکل جاتے۔ چند منٹ زیارت ہوتی رہی تقریباً نصف گھنٹہ۔ آپ کا چہرہ اس قدر منور تھا کہ نظر ہٹانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ بعض احباب نے ضد کی اور مخالف سمت سے زیارت کے حصول کے لیے برآمدے میں داخل ہو گئے۔ معلوم نہیں ان کو زیارت ہو سکی یا نہیں۔ مگر برآمدے میں ایک طوفان پیدا ہو گیا، شور، رش، گھٹن اور گرمی کی شدت سے برا حال ہوا جا رہا تھا، کئی بزرگ بڑے اشتیاق اور بے حد کوشش کے بعد اندر داخل ہوتے ہی واپس پلٹتے نظر آئے۔ احباب کو سمجھایا گیا، منتیں کی گئیں، خدا کے واسطے دیے گئے، بعض سے ذرا سختی بھی برتی گئی مگر لوگوں کو ایک ہجوم تھا جو کسی طرح بھی قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ہر ایک زیارت کا خواہش مند تھا مگر نظم وضبط نہ ہونے کی بنا پر کوئی بھی زیارت نہیں کر پا رہا تھا، محض دھکم پیل جاری تھی۔ اس صورت حال سے ہم انتہائی سخت پریشان ہوئے۔ بالآخر مجبوراً چار پائی کو اٹھا کر سٹیج کی طرف لے جانا پڑا۔ چار پائی کا برآمدے سے نکلنا تھا کہ لوگ دیوانہ وار چار پائی کی طرف دوڑے۔ ان میں علماء بھی تھے، صلحاء بھی، خطباء بھی تھے اتقیاء بھی، مدرسین بھی تھے مصنفین بھی، مناظرین بھی طلباء اور کثیر تعداد میں عوام الناس بھی.... ہر ایک کی خواہش تھی کہ میں کسی طرح سے چار پائی کو یا اس سے بندھے ہوئے بانس کو ہاتھ لگا لوں، ورنہ کم از کم اپنا رومال ہی اس سے مس کر لوں، بہت سے مستانے دور سے اپنے رومال چار پائی اور اس سے بندھے بانسوں سے لگانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ بندہ نے اور بھی اکابرین کے جنازے پڑھے، ان کی چار پائی کو کندھا دیا۔ ابھی گزشتہ سال ہی تو دادا جان رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی اور زندگی بھر کے شریک سفر، مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی کی رحلت ہوئی تھی، اور ابھی چند ماہ قبل ہمارے پھوپھا جان مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ بھی آخرت کو روانہ ہو گئے تھے، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اکابرین، مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا عبداللطیف جہلمی، مولنا قاضی

مظہر حسین رحمہم اللہ کے جنازے بھی دیکھے، مگر ایسی دیوانگی، وارفتگی اور کثرت ہجوم کہیں نظر نہ آیا، ایک صاحب فرما رہے تھے کہ ہم نے بڑا جنازہ مولانا درخواستی رحمہ اللہ کا دیکھا تھا مگر یہ تو اس سے بھی بڑا جنازہ تھا۔آج تو عجیب ہی منظر تھا۔ بڑی ہی مشکل اور دقت سے جبراً چارپائی کو سٹیج تک پہنچا کر ہجوم کو پیچھے روکا گیا صفوں سے آگے بانس باندھے گئے تھے، مزید وہاں احباب کو بھی متعین کر دیا گیا۔ سٹیج پر بھی رش تھا، ملک بھر سے بڑے بڑے علماء لگاتار آتے جا رہے تھے، ہر ایک مائیک پر آکر اپنے غم اور جذبات کا اظہار کرتا اور پیچھے ہٹ کر غم والم کی تصویر بنا رہ جاتا۔

حقیقت کی وضاحت: حضرات علماء کرام کے بیانات جاری تھے کہ اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ملک عزیز پاکستان کی ایک مذہبی جماعت کے راہنما نے حضرت اقدس دادا رحمہ اللہ کو فقط اپنا راہنما، پیشوا اور سرپرست جنوانا چاہا اور کہا کہ حضرت رحمہ اللہ ہماری پوری سرپرستی اور تائید فرماتے تھے اور انہوں نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ ''میری دعائیں اور سرپرستی آپ ہی کے لیے ہیں''۔حالانکہ دادا جان رحمہ اللہ کو تو اس جماعت کے متشددانہ رویہ اور پالیسی سے قطعاً اتفاق نہیں تھا، (جس کی وضاحت اُن کے ایک خط میں موجود ہے۔) البتہ اُن کی دعائیں ہر صحیح العقیدہ دیوبندی کے لیے تھیں، اس کو اس معنیٰ میں لینا کہ وہ صرف ہماری جماعت کے ہی سرپرست تھے، یہ بات غلط ہے۔ اللہ پاک خوب خوب جزائے خیر نصیب فرمائے احقر کے والد گرامی کو کہ انہوں نے فوراً ہی اٹھ کر مائیک سنبھالا اور اس بات کی خوب اچھی طرح وضاحت ان الفاظ میں فرما دی:

> ''میرے والد، میرے شیخ، میرے استاذ، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کسی بھی ایک جماعت کا اثاثہ نہ تھے اور نہ ہیں، وہ پوری دیوبندیت کا سرتاج اور علماء دیوبند کے افکار ونظریات سے متفق ہر جماعت کا اثاثہ تھے۔لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ حضرت رحمہ اللہ کسی ایک جماعت سے وابستہ تھے''۔

حضرت دادا جان رحمہ اللہ ابتداء جمعیت علماء اسلام گوجرانوالہ ڈویژن کے امیر تھے، بعدازاں آپ نے جمعیت سے استعفیٰ دے دیا۔اس کے بعد آپ تادم آخر کسی بھی جماعت سے منسلک نہیں ہوئے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے دوران درس یہ بات فرمائی کہ ''میں کسی بھی جماعت کا رکن یا عہدہ دار نہیں ہوں'' البتہ دیوبندی افکار ونظریات کی حامل اور اکابرین کے طریق پر دینی خدمات سرانجام دینے والی ہر جماعت کی سرپرستی فرماتے تھے۔[خادم]

جنازہ میں تاخیر کے مطالبے: جنازے کا وقت قریب تھا، ملک بھر کے علماء طلباء اور عوام جنازہ میں شرکت کے لیے رواں دواں تھے۔ ہر جانب سے فون پر فون آ رہے تھے کہ حضرت! ہم جامعہ خالد بن ولید ٹھنگی سے اتنی بسوں میں آ رہے ہیں آپ نصف گھنٹہ تاخیر فرما دیں، ہم جامعہ عمر ابن خطاب ملتان سے اتنے سو ساتھی آ رہے ہیں، ہم جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا سے اتنے ساتھی پہنچنے والے ہیں۔مگر حال یہ تھا آنے والے احباب نے اپنی گاڑیاں جی ٹی روڈ کے کنارے کھڑی کر دی تھیں، (اور انتظامیہ سے بار بار درخواست کے باوجود ان کی طرف سے ٹریفک کنٹرول کرنے کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا) جس وجہ سے گکھڑ سے دس دس کلومیٹر دور تک ٹریفک

بری طرح جام ہو چکی تھی۔ لوگ گاڑیاں چھوڑ کر پانچ پانچ، دس دس کلومیٹر سے دوڑ لگا کر جنازہ میں شرکت کے لیے دیوانہ وار آرہے تھے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ فٹ کے انتہائی قریبی فاصلے پر صفیں بننے کے باوجود 21 ایکڑ کے رقبے پر محیط ڈی سی سکول کا گراؤنڈ آنے والوں کیلئے اپنی تنگ دامنی کا شکوہ کر رہا تھا۔ گراؤنڈ کے اردگرد خالی کھیت جہاں گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے جگہ چھوڑی تھی پُر ہو چکی تھی۔ جی ٹی روڈ جام ہو چکا تھا۔ چھتوں اور دیواروں پر بھی لوگ موجود تھے۔ ایک اندازے کے مطابق اڑھائی لاکھ سے زائد افراد جنازے میں شریک تھے جبکہ ایک لاکھ سے زائد حضرات ٹریفک جام اور تاخیر ہونے کی بنا پر گکھڑ کے قرب وجوار میں ہونے کے باوجود جنازہ نہ پڑھ سکے۔

نماز جنازہ: جنازہ کا ٹائم 5:30 رکھا گیا تھا۔ ٹائم ہوتے ہی تایا جان مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے مائیک سنبھالا اور جنازہ کا اعلان کرتے ہی جنازہ شروع کر دیا۔ چونکہ حضرت دادا جان رحمہ اللہ وقت کے بہت ہی زیادہ پابند تھے۔ مقرر کردہ نظام الاوقات پر سختی سے عمل پیرا ہوتے اور ایک منٹ بھی آگے پیچھے نہ کرتے۔ لہٰذا تایا جان نے ان کی اس روایت کو قائم رکھتے ہوئے عین وقت پر جنازہ شروع کر دیا۔۔

تدفین: جنازہ کے بعد آپ کی چارپائی کو بڑی ہی مشکل اور بہت زیادہ کوشش کے بعد دیوانے عقیدت مندوں کے ہجوم سے نکال کر گاڑی کے ذریعے گکھڑ کے عام قبرستان میں لے جایا گیا۔ خادم اس گاڑی میں بھی آپ کے پاؤں کی جانب چارپائی کو سہارا دیئے بیٹھا رہا۔ قبرستان میں بھی ایک کثیر تعداد میں خلقت موجود تھی۔ مولانا عبدالقدوس قارن، مولانا منہاج الحق خان راشد، میر لقمان اللہ صاحب اور خادم (راقم) نے لحد میں اتارا۔ پھر تایا جان مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقدوس خان قارن وغیرہ نے اینٹیں اور گارا لگایا۔ اور عین غروب آفتاب کے وقت علم وفضل کے اس آفتاب کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ دفن کرنے اور مٹی ڈالنے کے بعد خادم کے والد مکرم نے سورۃ البقرہ کا اول رکوع اور خادم (راقم) نے آخری رکوع پڑھا۔ اور پھر تایا جان مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے سنت کے مطابق قبر پر دعا کرائی۔

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی　　　اک مسافر کی رہ تمام ہوئی
شب سیہ پوش ہوگئی غم سے　　　صبح کی آنکھ لالہ فام ہوئی

......﴿اولاد واحفاد﴾......

حضرت دادا جان رحمہ اللہ کثیر العیال تھے، آپ نے دو شادیاں کی تھیں، ایک گوجرانوالہ سے اور دوسری کورے (مانسہرہ) سے۔ بدقسمتی سے احقر اپنی کسی ایک دادی جان کو بھی نہ دیکھ سکا۔ آپ کے تین بیٹے یعنی احقر کے تین چاچو بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ موجودہ اولاد میں بڑے تینوں صاحبزادے (مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالقدوس قارن، مولانا عبدالحق مدظلہم) اور دو بڑی صاحبزادیاں پہلی اہلیہ سے اور باقی سب 5 صاحبزادے اور ایک صاحبزادی دوسری اہلیہ سے ہیں۔ ان کے علاوہ اللہ نے آپ کو 9 بیٹوں اور 3 بیٹیوں سے نوازا۔ ماشاء اللہ سب

حافظ قرآن اور سات بیٹے اور تینوں بیٹیاں باقاعدہ عالم ہیں۔ بڑے تینوں صاحبزادے تو ماشاء اللہ جید عالم اور اہل سنت کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا سایہ عاطفت تادیر صحت وعافیت وتندرستی کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔

(ا) بڑی صاحبزادی (ام عمران شہید):

دادا جان رحمہ اللہ کی اولاد میں سب سے بڑی ہماری پھوپھو جان ہیں جو حاجی سلطان محمود صاحب کی اہلیہ ہیں۔ حافظہ عالمہ فاضلہ ہیں، انہوں نے تمام کتب حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ (اپنے والد مکرم) سے پڑھیں۔ بچپن میں قرآن حفظ نہ کرسکیں مگر شوق بہت تھا، چنانچہ اسی شوق نے ان کو گھر کے کام کاج درس وتدریس کے ساتھ ساتھ 48 سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت تک پہنچایا۔ ساتھ ساتھ آپ نے درجہ خاصہ تک کے اسباق کی تدریس بھی جاری رکھی۔ اور حفظ کے بعد درجہ عالمیہ (بخاری شریف) تک تمام کتب مختلف سالوں میں زیر درس رہیں، ساتھ ہی علاقہ کی بچیوں کے لیے تحفیظ قرآن کا شعبہ بھی شروع کردیا، تاحال بخاری شریف تک تمام اسباق آپ کے زیر درس ہیں۔ ان کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، [1] ایک بیٹے حافظ عدیل عمران شہید روسی سامراج کے خلاف جہادِ افغانستان میں خوست کے میدان میں نوعمری میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ [2] دوسرے بیٹے ڈاکٹر سہیل رضوان لندن میں ملازمت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان کی تین بیٹیاں ہیں۔ [3] تیسرے بیٹے پروفیسر نبیل عدنان صاحب ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ میں پروفیسر رہ چکے ہیں آجکل اسلام آباد میں لیکچرار ہیں۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ [4] چوتھے بیٹے قاری حبیب الرحمٰن صاحب حافظ وقاری قرآن ہیں۔ [5] بڑی بیٹی (اہلیہ جناب قاری خالد صاحب) اچھڑیاں مانسہرہ میں مقیم ہیں۔ ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ دونوں بیٹیاں عالمہ فاضلہ ہیں۔ جبکہ دو بیٹے حافظ قرآن ہیں۔ بڑے بیٹے محمد فاروق الیکٹرک انجینئر ہیں، شادی شدہ ہیں۔ چوتھے بیٹے محمد احسن خان سکول کی تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ [6] دوسری بیٹی (اہلیہ جناب خورشید صاحب) اچھڑیاں میں مقیم ہیں ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ [۱] بڑا بیٹا مبشر ایبٹ آباد یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے۔ [۲] دوسرا بیٹا ذوالقرنین حفظ قرآن کے ساتھ سکول کی تعلیم حاصل کررہا ہے۔ [۳] تیسرا بیٹا ریان خان نورانی قاعدہ پڑھ رہا ہے۔ [۴] جبکہ بیٹی حافظہ ہے اور جامعہ حنفیہ جہلم میں زیر تعلیم ہے۔ [7] تیسری بیٹی (اہلیہ مولانا قاری عزیز الحق صاحب) لندن میں مقیم ہیں۔ ان کے چار بیٹے ہے۔ [۱] بڑا بیٹا ''سعد'' حافظ قرآن ہے [۲][۳][۴] باقی ابھی ابتدائی تعلیم میں ہیں۔ [8] چوتھی بیٹی (اہلیہ مولانا عبدالحق عامر صاحب) بھی اچھڑیاں مانسہرہ میں مقیم ہیں۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے جبکہ ایک بیٹا ''عکرمہ'' تقریباً چھ سال کی عمر میں گزشتہ سال ٹریفک حادثہ میں وفات پا گیا تھا۔ [۱] بڑے بیٹے ''اسامہ خان'' نے حال ہی میں حفظ مکمل کیا ہے۔ [۲] دوسرا بیٹا ''معاویہ خان'' حفظ قرآن اور سکول کی تعلیم میں مشغول ہے [۳] بیٹی بھی سکول میں زیر تعلیم ہے۔

(۲) شیخ الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ:

دادا جان رحمہ اللہ کی اولاد میں دوسرا اور اپنے بھائیوں میں پہلا نمبر احقر کے تایا جان مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کا ہے۔ مولانا زاہد الراشدی مدظلہ معروف عالم دین اور ایک عالمی شخصیت ہیں، پاکستان کے علاوہ امریکہ، برطانیہ، وغیرہ دیگر ممالک تک اپنی خدمات کا دائرہ پھیلائے ہوئے ہیں۔(بقول مفکر اسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ ''انسانی حقوق'' آپ کا پسندیدہ موضوع ہے۔ مغربی تہذیب کی فکری بنیادوں پر آپ کی گہری نظر ہے اور اس پر آپ کے تبصرے نئی نسل کے لیے مشعل راہ ہیں۔'') حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ کے بعد جامعہ نصرۃ العلوم کے تین مناصب جلیلہ کے لیے آپ کا انتخاب کیا گیا۔ اس وقت بھی آپ ہی شیخ الحدیث، ناظم تعلیمات اور صدر مدرس کے منصب پر فائز ہیں اور بخاری شریف کی ایک جلد آپ کے زیر درس رہتی ہے۔ انداز تفہیم بالکل اپنے والد مکرم جیسا ہے، مشکل سے مشکل مسائل بڑی ہی سہولت اور آسانی سے سمجھا کر پوری طرح ذہن نشین کرا دینے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ آپ کی ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں۔ [1] بڑے بیٹے مولانا محمد عمار خان ناصر صاحب نصرۃ العلوم کے فاضل اور سابق مدرس ہیں۔ بڑے ذہین فطین اور ذی استعداد ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع المطالعہ بھی ہیں۔ مگر افسوس کے (مشہور متجدد) جاوید احمد غامدی (ضال مضل) کے افکار سے متاثر بلکہ ان کے رنگ میں رنگیلے ہو گئے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اکابرین دیوبند کے نقش قدم پر چلنے اور تا دمِ آخر انہی کے طائفہ منصورہ کے دامن سے وابستہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین) مولانا عمار خان ناصر کے دو بیٹے (محمد طلال خان اور محمد ہلال خان) ہیں، جو ابھی سکول کی ابتدائی کلاسوں میں ہیں۔ [2] دوسرے بیٹے حافظ ناصر الدین خان عامر امریکہ میں زیر تعلیم ہیں۔ [3] جبکہ آپ کی صاحبزادی (اہلیہ مولانا فیاض خان سواتی مدظلہ: مدیر: ''جامعہ نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ) عالمہ فاضلہ ہیں اور جامعہ نصرۃ العلوم کے شعبہ بنات میں تدریسی خدمات سرانجام دینے میں مصروف ہیں۔ ان کے چار بیٹے ہیں۔ [۱] بڑے بیٹے حافظ محمد حذیفہ میٹرک پاس کرنے کے بعد درس نظامی میں داخلہ لے کر درجہ اولیٰ کا امتحان دے چکے ہیں، [۲] دوسرے بیٹے حافظ محمد خزیمہ خان بھی حفظ مکمل کرنے کے بعد سکول کی تعلیم کے حصول میں مشغول ہیں۔ جبکہ چھوٹے دونوں بیٹے [۳] عکاشہ اور [۴] عیانہ سکول میں زیر تعلیم ہیں۔

(۳) جانشین امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ:

بھائیوں میں دوسرے نمبر پر مولانا عبدالقدوس خان قارن ہیں۔ آپ حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ کے علمی، مسلکی اور نظریاتی جانشین اور خلیفہ مُجاز ہیں۔ آپ ایک متبحر فی العلم شخصیت ہیں، آپ کے تبحر علمی کی گواہی حضرت دادا جان کی زبان سے خود احقر (خادم) نے کئی مرتبہ سنی۔ آپ عرصہ 33 سال سے جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ میدان تحریر میں اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کی جانشینی

کا حق ادا کرتے ہوئے اہل باطل کی صفوں میں تھرتھلی مچانے اور ان کی ہر جانب سے بیخ کنی کرنے میں مصروف عمل ہیں، چنانچہ آپ کے قلم حق گو سے 15 کے لگ بھگ کتب منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔ جن میں آپ نے غیر مقلدیت، مماتیت، رافضیت، بریلویت غرضیکہ ہر فتنے کا بھرپور تعاقب کیا اور اپنے والد مکرم رحمہ اللہ کا دفاع کرتے ہوئے اس میدان میں باطل کو پسپائی پر مجبور رکھا۔ آپ کے چھ بیٹے ہیں۔ [1] بڑے صاحبزادے مولانا نصر الدین خان عمر جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل ہیں، آج کل ''اقرأ روضۃ الاطفال'' میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے ایک بیٹے حنظلہ خان اور ایک بیٹی ہیں جو ابھی کم سنی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ [2] صاحبزادے مولانا حافظ حبیب القدوس خان معاویہ اور [3] مولانا عبدالوکیل خان مغیرہ اسی سال جامعہ نصرۃ العلوم سے دورہ حدیث شریف کر کے سند فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ [4] چوتھے صاحبزادے قاری عبدالرشید خان سالم صاحب حافظ وقاری ہیں آج کل ''اقراء روضۃ الاطفال ٹرسٹ'' گوجرانوالہ میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ آخری دو بیٹوں [5] حافظ علم الدین خان ابوہریرہ، [6] حافظ شمس الدین خان طلحہ نے گزشتہ سال میٹرک کا امتحان دیا ہے اور اب درس نظامی کی تعلیم میں مشغول ہیں۔

(۴) دوسری صاحبزادی:

بہنوں میں دوسرا نمبر ہماری دوسری پھوپھو (اہلیہ مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ سابق مہتمم: ''جامعہ حنفیہ جہلم'') کا ہے۔ آپ بھی ماشاء اللہ حافظہ، قاریہ، عالمہ، فاضلہ ہیں۔ عمدہ استعداد، گہرا علمی شغف، بہترین تعلیمی ذوق اور اعلیٰ تدریسی ملکہ آپ کو اپنے دونوں قابل فخر اساتذہ [۱] والد مکرم مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ [۲] چچا محترم مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ سے ورثے میں ملے ہیں۔ آپ عرصہ 30 سال سے بخاری، ترمذی اور دیگر علوم وفنون کی تدریس وتعلیم میں مصروف ہیں۔ اس وقت ملک بھر میں آپ کی بیسیوں شاگردیں ملک کے نامور مدارس میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ آپ کی ہی شبانہ روز محنتوں، انتھک کوششوں، بھرپور اخلاص اور جہد مسلسل نے جامعہ حنفیہ جہلم کے شعبہ بنات کو اعلیٰ تعلیمی معیار تک پہنچایا۔ نہایت ہی عمدہ نظم ونسق، اعلیٰ تعلیمی معیار اور طالبات کی خالص اسلامی عقائد ونظریات کے مطابق تربیت نے اسے ایک مثالی ادارہ بنا دیا۔ آپ کے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ [1] بڑے بیٹے مولانا محمد ابوبکر صدیق صاحب مدظلہ ماشاء اللہ حافظ قاری عالم ''جامعہ حنفیہ'' جہلم و ''وفاق المدارس العربیہ'' کے فاضل ہیں، اور اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد ان کی مسند پر رونق افروز ہیں، ٹھوس مسلکی اور نظریاتی جماعت تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ کے صوبہ پنجاب کے امیر بھی ہیں۔ اور ساتھ میں ضلع گجرات وجہلم میں وفاق المدارس العربیہ کی طرف سے مدیر مسئول بھی ہیں۔ ان کا ایک بیٹا ''محمد اسید خان'' اور دو بیٹیاں ہیں۔ دونوں نورانی قاعدہ کے ساتھ ابتدائی تعلیم میں مصروف ہیں۔ [2] دوسرے صاحبزادہ قاری عمر فاروق صاحب بھی ماشاء اللہ حافظ وقاری ہیں، خوب تحریکی مزاج کے حامل ہیں، جامعہ کے لیے،

بالخصوص اس کے سالانہ جلسہ کے لیے ان کی کاوشیں قابلِ قدر ہوتی ہیں۔ ان کی ایک بیٹی ہے۔ [3] تیسرے اور لاڈلے فرزند قاری محمد عمیر خان عثمان صاحب بھی ماشاء اللہ حافظ وقاری ہیں جامعہ حنفیہ جہلم میں درجہ خامسہ میں زیر تعلیم ہیں۔ آپ کی پانچوں بیٹیاں ماشاء اللہ حافظہ، قاریہ، عالمہ، فاضلہ ہیں، چار بیٹیاں شادی شدہ ہیں اور الحمد للہ اپنے اپنے مقام پر اشاعت دین کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں۔ [4] بڑی بیٹی (اہلیہ مولانا غلام حسن صاحب مدظلہ) نے جہلم کے ایک قصبہ ''کالا گوجراں'' میں ''**جامعہ حنفیہ للبنات**'' کے شعبہ حفظ کی ایک شاخ کا انتظام سنبھالا ہوا ہے، جس میں تقریباً 100 طالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ [۱] بڑا بیٹا ''عفان'' تین پارے حفظ کر چکا ہے اور چوتھی کلاس میں ہے۔ [۲] دوسرا بیٹا ''شاذان'' اور [۳][۴] دونوں بیٹیاں ابتدائی تعلیم میں ہیں۔ [5] دوسری بیٹی (اہلیہ حاجی ظہیر احمد رحمٰن صاحب) نوٹنگھم (برطانیہ) کے ایک مدرسہ میں حدیث وفقہ کی تدریس کے فرائض سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کا ایک بیٹا ''ریان'' چھ پارے یاد کر چکا ہے اور پانچویں کلاس میں ہے، جبکہ دو بیٹیاں ہیں جو ابتدائی کلاسوں میں زیر تعلیم ہیں۔ [6] تیسری بیٹی (اہلیہ مولانا عمار خان ناصر صاحب) گوجرانوالہ میں مقیم ہیں اور اپنے محلے کی بچیوں کی قرآن وسنت کے مطابق دینی تعلیم وتربیت میں مشغول ہیں۔ (ان کے بیٹوں کا تذکرہ مولانا عمار خان کے ذکر میں آچکا ہے۔ خادم) [7] چوتھی بیٹی (اہلیہ مولانا عرباض خان سواتی مدظلہ) ''**جامعہ نصرۃ العلوم**'' گوجرانوالہ کے شعبہ بنات میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ ان کے دو بیٹے ''محمد عدی'' اور ''محمد رضی'' ہیں۔ جو ابھی چھوٹے ہیں۔ [8] پانچویں بیٹی ''**جامعہ حنفیہ للبنات**'' جہلم میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم وفنون کی تدریس میں مصروف ہیں۔

(۵) قاری محمد اشرف خان ماجد رحمہ اللہ:

دادا جان رحمہ اللہ کے بیٹوں اور ہمارے چچوں میں تیسرا نمبر قاری محمد اشرف خان ماجد صاحب مرحوم کا تھا، جو 1998 میں اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ان کے تین بیٹے اور دو بیٹیوں میں سے ایک صاحبزادے محمد اکرم مرحوم مسجد کی چھت سے گر کر شہید ہو گئے اور دوسرے صاحبزادے محمد اکمل مرحوم ایک ٹریفک حادثہ میں شدید زخمی ہوئے، تین روز بعد ہسپتال میں وفات پائی، تیسرے بیٹے قاری محمد انصر صاحب حیات ہیں، جو حافظ وقاری ہیں۔ بڑی بیٹی حافظہ ہیں۔

(۶) تیسری صاحبزادی:

ہماری تیسری اور چھوٹی پھوپھو (مولانا داؤد خان نوید کی والدہ محترمہ) بھی ماشاء اللہ حافظہ، عالمہ فاضلہ ہیں اور اکثر کتب اپنے والد رحمہ اللہ (حضرت دادا جی رحمہ اللہ) سے ہی پڑھیں۔ اور مختلف اوقات میں مختلف کتب کی تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتی رہیں۔ نہایت جفاکش، ملنسار اور خدمت گزار خاتون ہیں، حضرت دادا جان رحمہ اللہ کی آخری عمر میں انہوں نے اور ان کے گھرانے (اولاد) نے جو بے مثال خدمت کی ہے اس کی مثال نہیں مل

سکتی، دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا، ہر قسم کے مصائب، آلام، پریشانیاں اور مصیبتیں آئیں مگر انہوں نے سب کو ہنس کر سہا، خوشی سے قبول کیا، مگر حضرت دادا جان رحمہ اللہ کی خدمت میں ذرہ بھر بھی کمی نہ آنے دی۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ان سب کی نجات اخروی اور جنت الفردوس کے بلند و بالا مقامات کے لیے یہی ایک چیز کافی ہے۔ خدا تعالیٰ اس گھرانے کو اجر عظیم عطا فرمائے اور دنیا و آخرت میں ان کو خوش و خرم رکھے۔ ان کے ایک بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ تین بیٹیاں عالمہ ہیں، بڑی بیٹی حافظہ ہیں اور صاحبزادے مولانا حافظ محمد داؤد خان نوید بھی ماشاء اللہ جامعہ نصرۃ العلوم کے فاضل ہیں۔ اس وقت جامع مسجد خالد بن ولید، اور مدرسہ رحیمیہ میں تبلیغی، تدریسی اور انتظامی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

(۷) وکیل احناف حضرت مولانا عبد الحق خان بشیر مدظلہ:

تمام اولاد میں ساتواں اور بھائیوں میں چوتھا نمبر خادم، (راقم) کے والد گرامی مولانا عبد الحق خان بشیر مدظلہ کا ہے، آپ اپنے والد محترم کی جانشینی میں اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے سچے ترجمان اور بلاشبہ احناف کے وکیل ہیں۔ بہترین مصنف اور لاجواب خطیب ہیں، اور آپ کی خطابت آج کل کے روایتی خطیبوں کی طرح رٹے رٹائے جملوں پر مشتمل نہیں ہوتی، بلکہ آپ کے بیانات علمی مواد سے بھرپور ذخیرہ ہوتے ہیں، آپ نہایت وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ تمام فرقِ باطل کے بارے میں گہری معلومات رکھتے ہیں۔ آپ کے قلم جمیل سے قادیانیت، مماتیت، مرزائیت، غیر مقلدیت، یزیدیت، رافضیت اور دیگر فرق باطلہ کے رد میں 10 سے زائد عظیم الشان، لاجواب کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ جنہوں نے بلا مبالغہ دنیائے باطل کے ایوانوں میں آگ لگا دی ہے۔ عرصہ 25 سال سے ''مدرسہ حیات النبی'' گجرات کی نظامت اور ''جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ'' کی خطابت کی ذمہ داریاں بحسن و خوبی نبھا رہے ہیں۔ ہم چار بہن بھائی ہیں۔ پہلے نمبر پر بڑے بھائی مولانا حافظ ممتاز الحسن خان احسن خدامی صاحب ہیں جو ان شاء اللہ آئندہ سال دورہ حدیث شریف کر کے سند فراغت حاصل کریں گے۔ دوسرا نمبر (راقم) خادم اہل السنۃ والجماعۃ سرفراز حسن خان حمزہ احسانی کا ہے، اور احقر دار العلوم مدنیہ بہاولپور میں درجہ خامسہ میں زیر تعلیم ہے۔ تیسرے نمبر پر ہماری ہمشیر ہے جس نے گزشتہ سال وفاق المدارس العربیہ کے تحت عالمیہ کا امتحان دیا ہے۔ چوتھے نمبر پر راقم کا چھوٹا بھائی عبد الرحمٰن خان انس نعمانی سلمہ اللہ ہے وہ بھی دار العلوم مدنیہ بہاولپور میں درجہ ثالثہ میں زیر تعلیم ہیں۔

(۸) حضرت مولانا قاری شرف الدین خان حامد مدظلہ:

راقم کے والد گرامی سے چھوٹے بھائی ہمارے چاچو حامد المعروف قاری حماد الزہراوی صاحب ہیں جو گکھڑ میں ہی اپنے والد مکرم کی جگہ پر جامع مسجد اہل السنۃ والجماعۃ میں خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے

ہیں۔ نیز معارف اسلامیہ سوسائٹی گکھڑ کے صدر بھی ہیں، جس کے تحت علاقہ بھر کے مدارس ومساجد کام کر رہے ہیں۔ آپ کو اللہ رب العزت نے دو بیٹیوں سے نوازا ہے۔[۱] بڑی بیٹی حافظہ ہے، [۲] جبکہ چھوٹی کے ابھی چند پارے باقی ہیں۔

(۹) حضرت مولانا رشید الحق خان عابد مدظلہ:

چاچو حامد کے بعد چاچو عابد کا نمبر ہے آپ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ ذہین، قوی الحافظہ اور ذی استعداد ہیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت دادا جان رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اسے دیکھ کر مجھے اطمینان ہوتا ہے کہ میرا جانشین موجود ہے''۔ آپ بھی نصرۃ العلوم کے فاضل اور سابق معلم ہیں۔ بہترین اور قابل فخر مدرس تھے، مشکل سے مشکل اسباق آپ کے زیر درس رہتے تھے۔ حضرات دادا جان رحمہ اللہ کی بخاری کی املائی کاپی اور ترمذی کی مکمل تقریر (ابواب البیوع تک) ترتیب دینے والے خوش نصیب یہی ہیں۔ چند سال تدریس میں شاندار خدمات سرانجام دینے کے بعد درس وتدریس کو خیر آباد کہہ کر تصوف وسلوک میں خدمات سرانجام دینے لگے۔ تاحال اسی میدان میں مصروف کار ہیں بلکہ فنافی التصوف ہیں۔ آپ کی ایک ہی بیٹی ہے۔ آجکل آپ اسلام آباد میں رہائش پذیر ہیں۔

(۱۰) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن شاہد مدظلہ:

چاچو عابد سے چھوٹے چاچو شاہد ہیں جو بہترین استعداد اور قابل فخر، شاندار تدریسی ملکہ کے حامل ہیں۔ نصرۃ العلوم سے فراغت کے بعد چند سال آپ نے معارف اسلامیہ اکادمی گکھڑ میں ابتدائی درجات کی کتب کی تدریس کی، آپ کی تدریس کی بڑی شہرت تھی۔ طلباء کو کتب سمجھانا، ذہن میں بٹھانا، یاد کرانا، حتیٰ کے اس قدر یاد کرانا کہ 5/5 سال بعد بھی طلباء نحو میر وغیرہ فرفر سنانے لگیں اور 17/18 منٹ میں پوری سنا ڈالیں، یہ آپ کا ہی خاصہ تھا۔ بالخصوص فارسی کتب میں آپ کو بڑی مہارت حاصل ہے۔ اور صرف خود کو ہی مہارت نہیں بلکہ طلباء کو ماہر بنانے کا گُر بھی جانتے ہیں۔ باوجودیکہ آج کل مدارس میں فارسی تعلیم کا فقدان بڑھتا جا رہا ہے۔ چند ایک کتب باقی ہیں وہ بھی ابتدائی اساتذہ کے تجربات کی نذر ہو جاتی ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ آپ کو اللہ رب العزت نے دو بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا ہے۔[۱] بڑا بیٹا ''ارسلان'' 21 پارے حفظ کر چکا ہے۔ [۲] جبکہ صاحبزادی حافظہ ہے۔ [۳] دوسرا بیٹا ''فائز خان'' ابھی چھوٹا ہے۔ انکے علاوہ آپ کو اللہ نے ایک اور بیٹی سے نوازا تھا جسے دو سال کی عمر میں ہی واپس لے کر اس کے والدین کے لیے ذخیرہ آخرت کر دیا۔ آپ آجکل سعودی عرب میں رہائش پذیر ہیں۔

(۱۱) قاری عنایت الوہاب خان ساجد مدظلہ:

ہمارے سیکنڈ لاسٹ چاچو ساجد ہیں جو اپنے بھائیوں میں آٹھویں نمبر پر ہیں۔ وہ بھی ماشاء اللہ حافظ وقاری ہیں۔ اور شرح جامی تک کتب بھی پڑھی ہوئی ہیں۔ اس کے بعد سے تادم آخر وہ اپنے والد مکرم کی خدمت میں

رہے۔ ان کی تین بیٹیاں اور ایک صاحبزادہ ہے۔[۱] صاحبزادہ عبدالرزاق خان واجد قرآن کریم حفظ کر رہا ہے۔[۲][۳][۴] جبکہ بیٹیاں ابھی چھوٹی ہیں، سکول میں زیر تعلیم ہیں۔

(۱۲) حضرت مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ:

مولانا منہاج راشد مدظلہ ہمارے سب سے چھوٹے چاچو ہیں۔ آپ بھی ماشاء اللہ حافظ، قاری اور عالم ہیں۔۔ آپ کی دو بیٹیاں ہیں دونوں ابھی بچپنے میں ہیں۔ جامعہ نصرۃ العلوم سے دورہ حدیث شریف کرنے کے بعد تقریباً سات سال تک ''معارف اسلامیہ اکادمی'' گکھڑ میں ابتدائی کتب پڑھائیں، بعدازاں حضرت داداجان کی خدمت کی خاطر درس وتدریس کو ترک کر کے ہمہ وقت اسی سعادت کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ آپ پورے خاندان میں بلکہ خاندان سے باہر بھی حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ کے خادم خاص کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ داداجان رحمہ اللہ کی بیماری کی شدت کے ایام 2001 سے لیکر آخر دم تک آپ نے اپنا سب کچھ داداجان کی خاطر لٹا دیا۔ آخری چند سال میں حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ بہت ہی ضعیف و کمزور اور نہایت لاچار ہو گئے تھے۔ از خود کھانے، پینے، قضائے حاجت کرنے، بدن کے کسی بھی عضو کو حرکت دینے، کروٹ بدلنے، حتیٰ کہ اپنے ہاتھ سے چمچ تک اٹھانے سے معذور ہو گئے تھے۔ اس مشکل اور سخت وقت میں چاچو راشد نے داداجان کی خدمت کی، اور اتنی کی کہ کوئی اور نہ کر سکا۔ دن رات داداجان کے ہمراہ رہتے۔ خود کھانا کھلاتے، اٹھاتے بٹھاتے، ہر نماز کے وقت کپڑے بدلواتے، قضائے حاجت وغیرہ کراتے، جمعہ کے دن غسل کراتے، بدن کی مالش کرتے، ساری ساری رات دباتے۔ دادا جان کی خواہش پر مسلسل کئی کئی گھنٹے مختلف کتب سناتے اور 24 گھنٹے ان کی خدمت کے لیے مستعد رہتے۔ احقر (خادم) نے خود بعض اوقات ان کو مسلسل 32/32 گھنٹے دادا جان کی خاطر جاگتے اور ان کی خدمت کرتے دیکھا۔ گھر کے کام کاج بھی خود ہی کرتے تھے۔ جہاں کہیں بھی ہوتے داداجان آواز دیتے، گھر والے موبائل پر اطلاع کرتے تو آپ فوراً گھر تشریف لے آتے اور داداجان کی خدمت میں حاضری دیتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ داداجان کو کوئی کام نہ ہوتا تھا، فقط اپنی تسلی اور اطمینان کے لیے آپ کو بلواتے تو آپ گھر سے جتنے دور بھی ہوتے فوراً گھر لوٹتے، داداجان کی بات سنتے، اُن سے اجازت حاصل کرتے اور پھر لوٹ جاتے، اسی دوران اگر دوبارہ فون آجاتا تو بھی فوراً واپس لوٹ آتے۔ غرضیکہ داداجان رحمہ اللہ کی صحیح معنوں میں خدمت آپ کو نصیب ہوئی یا آپ کی بڑی ہمشیرہ (ہماری سب سے چھوٹی پھوپھو، مولانا داؤد خان نوید مدظلہ کی والدہ) اور ان کے گھرانے کو نصیب ہوئی۔ ان دونوں گھرانوں نے واقعی داداجان کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ رب العزت انہیں دنیا و آخرت کی خوشیوں، کامیابیوں، کامرانیوں اور ہر طرح کی راحتوں سے مالا مال فرمائے۔ اور داداجان رحمہ اللہ کے تمام تلامذہ، مریدین، محبین، معتقدین بالخصوص آپ کے خاندان کے ہر ہر فرد کو آپ کی وفات کے عظیم ترین صدمہ پر صبر جمیل عطا فرمائے اور سب کو آپ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آپ کے مشن کو تا قیامت زندہ و تابندہ رکھنے کی توفیق

نصیب فرمائے۔اور ہم سب کو جنت میں بھی دادا جان کی رفاقت نصیب فرمائے۔آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

گوشۂ مستورات

حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کی

رشتہ دار خواتین کے تأثرات

(۱)

والدین ایسی پیاری، شفیق اور مہربان ہستیاں ہوتے ہیں کہ اللہ کی اپنے بندے سے محبت کے اظہار کے طور پر ماں کی مثال دی گئی ہے کہ اللہ اپنے بندے سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ محبت فرماتے ہیں، رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے والدین کے لیے جو دعا سکھائی ''رب ارحمھما کماربیانی صغیراً'' اس میں بھی اس بات کا اظہار ہے کہ میرے والدین نے جیسے محبت اور شفقت سے میری پرورش کی اسی طرح یااللہ! آپ ان سے نرمی کا معاملہ فرمایئے! ان پر رحم کیجیے! اگر والدین حقوق اللہ اور احکام خداوندی کو پہچاننے والے ہوں، دینی فرائض سے آگاہ ہوں اور اپنی اولاد کے لیے حد درجہ شفیق و مہربان ہوں، تو وہ والدین گوہرِ نایاب ہیں، اور ان کی اولاد پہ اُن کے احسانات رحمت کی بارش ہیں، ہم بہن بھائیوں کو رب ذوالجلال نے ایسے ہی عظیم والدین عطا فرمائے تھے، اس ذات کا کروڑہا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں ایسے گھرانے میں پیدا فرمایا جہاں ہم دینی اور عصری دونوں قسم کے علوم سے آراستہ ہوئے، رب العزت دیگر صدقاتِ جاریہ کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اُن کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور تاقیامت ہمارے باباجان کی نسل اُن کے عقائد وافکار پر کاربند رہ کر اُن کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دولتِ اسلام سے فیض پاتی رہے اور باباجان کے مشن کو زندہ وتابندہ رکھے۔آمین ثم آمین

5 مئی 2009ء کی رات ہمارے لیے ایسی درد بھری رات تھی جس نے میری زندگی کا آخری سرمایہ میرے باباجان کو اچانک مجھ سے چھین لیا، اور 5 مئی کا دن گزرنے تک ہمارے پاس کچھ بھی نہ بچا، سب کچھ لٹا کر میں واپس گھر تو آچکی ہوں لیکن دن رات اُنہی گزری ہوئی یادوں کے تانے بانے میں گزرتے

ہیں، بچپن، جوانی، بڑھاپا جس سائے میں گزرا اُسے کھو کر احساس ہوا کہ اس سائے کی قدر اُن لوگوں کو ہے جو اس سے محروم ہیں، میرے باباجان ایک مثالی باپ، مثالی استاد اور مثالی راہنما تھے، وہ میرے شفیق باپ بھی تھے، عظیم استاد بھی، بچپن سے لیکر اب تک جیسے انہوں نے ہمارا خیال رکھا، ہمیں محبتیں دیں، اُس کا کما حقہ اظہار تو بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے، البتہ چند واقعات لکھنے کی کوشش کرتی ہوں، جن سے اُن کی شفقت، محبت اور اندازِ تربیت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

☆......ایک بار میری چھوٹی بہن شدید بیمار ہوگئی، ڈاکٹر نے کیپسول لکھ کر دیئے جو گکھڑ سے نہ ملے، باباجان نے فوراً کیپسول لانے کے لیے کسی کو گوجرانوالہ شہر بھیجا، اسی دوران ایک بزرگ خاتون آ گئی، انہوں نے باباجان کو بے حد پریشان دیکھ کر کہا کہ ''اگر مرگئی تو کوئی بات نہیں! باباجان کو اس کی اِس بات کا اس قدر رنج اور افسوس ہوا، اور شدید غصہ آیا کہ بیان سے باہر ہے، بار بار یہی فرما رہے تھے کہ اس نے ایسے کیوں کہا ہے؟ تھوڑی دیر میں کیپسول آ گئے، اللہ نے بہن کو شفا دی، آج وہ جامعہ حنفیہ جہلم کی پرنسپل ہیں، جہاں سے ہزاروں طالبات فیض یاب ہوئیں، اور تا حال ہو رہی ہیں۔

☆......پڑھائی کے معاملے میں باباجان بہت سخت تھے، ان کی خواہش تھی کہ ہم پڑھائی کے علاوہ کوئی کام نہ کریں، جبکہ مجھے بچپن ہی سے سلائی، کڑھائی اور گھر کے کام کاج کا شوق تھا، جس میں زیادہ مگن ہو جانے کی وجہ سے اکثر باباجان سے ڈانٹ پڑ جاتی تھی، اگر کوئی کام (سلائی، کڑھائی وغیرہ) کرتے دیکھ لیتے تو فوراً فرماتے سبق یاد ہے؟ الحمد للہ ذہن اچھا تھا، اللہ کے فضل وکرم اور باباجان کی دعاؤں سے سبق یاد ہوتا تھا، جب بھی آپ سنتے فرفر سنا دیتی، آپ سُن کر مسکرا دیتے اور کبھی کبھار تنبیہ فرماتے کہ کام سے زیادہ پڑھائی کی طرف توجہ دیا کرو! ایک دفعہ میرا ''علم الصرف'' کا ٹیسٹ تھا، کچھ گردانیں باباجان کے معیار کے مطابق مجھے یاد نہیں تھیں، مجھے فرمایا کہ رات بارہ بجے تک تم نے پڑھنا ہے، سونا نہیں، سردیوں کی راتیں تھیں، ہم اُس وقت کرائے کے مکان میں رہتے تھے، باباجان سمیت گھر کے باقی سب افراد ایک کمرے میں سو گئے تو میں نے بابا کے سرہانے سے ٹائم پیس اُٹھائی اور اس پر بارہ بجا کر دوبارہ سرہانے رکھ کر مزے سے سو گئی، باباجان نے الارم لگایا ہوتا تھا، اُس کے مطابق اُٹھ کر تہجد پڑھتے اور مسجد جایا کرتے تھے، الارم بجا تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے، تہجد سے فارغ ہو کر مسجد کی طرف چل دیئے، ایک بزرگ راستے میں ملے اور باباجان سے پوچھا کہ اتنی جلدی کہاں چل دیئے؟ فرمایا مسجد جا رہا ہوں نماز کے لیے! انہوں نے بتایا ابھی تو کافی ٹائم ہے، آپ واپس آئے اور آ کر پھر سو گئے، صبح اُٹھے تو ڈانٹ پڑی، حالانکہ میرا خیال تھا کہ ضرور مار پڑے گی۔

☆......ایسے ہی ایک بار ستائیس رمضان کی رات میں نے امی جان سے عرض کیا کہ آج آٹا میں گوندھوں گی!

بابا جان پاس ہی بیٹھے تھے، انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا لیکن کچھ نہیں کہا، رات کافی دیر تک میں اور دونوں والدہ محترمہ پڑھتی رہیں، پھر ہم سو گئے، گرمی کے دن تھے، ہم صحن میں سویا کرتے تھے، بابا جان بھی صحن ہی میں سوتے تھے، کچھ دیر لیٹنے کے بعد میں اُٹھی، اُس وقت ہم لکڑیاں جلاتے تھے، میں نے لکڑیوں سے آگ جلائی، روٹی تو مجھے پکانی نہیں آتی تھی، میں نے دیگچی کے ڈھکن کے اوپر کپڑا چڑھا کر گدی بنائی اور اُس سے پراٹھے پکائے، پراٹھے پکا کر سالن گرم کیا، پھر چائے کا پانی آگ پر رکھا، اور آکر چار پائی پر لیٹ گئی، کیونکہ سحری کا وصل ہو گیا تھا، ہمارا وہ گھر ایسا تھا کہ دن کو بھی نیچے کمروں میں اندھیرا رہتا تھا، اور مشہور تھا کہ اس میں جنات ہیں، چھوٹی امی جان اٹھیں تو اُن کی نظر قریب ہی چولہے میں جلتی آگ پر پڑی تو انہوں نے جلدی سے اُٹھ کر دیکھا تو پراٹھے بھی پکے ہوئے نظر آئے، تو انہوں نے گھبرا کر بڑی امی کو آوازیں دینا شروع کر دیں آپا جی! آپا جی! بڑی امی نے پوچھا کیا بات ہے؟ امی جان کہنے لگیں میں نہیں آپ سے کہتی تھی کہ اس گھر میں جنات ہیں! آپ میری بات نہیں مانتی تھیں، اب اُٹھ کر دیکھیں آگ بھی جل رہی ہے اور پراٹھے بھی پکے ہوئے ہیں، ابھی انہوں نے کچھ کہا نہیں تھا کہ بابا جان جو جاگ رہے تھے نے فرمایا کہ ''پراٹھے جنات نے نہیں جنّنی نے پکائے ہیں!'' پھر کہنے لگے مجھے رات کو ہی سمجھ آگئی تھی کہ یہ کوئی خاص بات کہ آٹا خود گوندھنے کا کہہ رہی ہے!''۔

☆......ہم سے اگر کوئی نقصان وغیرہ ہو جاتا تو بابا جان بالکل نہیں ڈانٹتے تھے البتہ پڑھائی اور سبق کے معاملے میں کوئی نرمی نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ امی جان نے مجھے کہا کہ آٹا گوندھ دو! میں بچپن ہی سے جلد باز تھی، ہر کام میں جلدی کرنے کی کوشش کرتی تھی، گرمیوں کے دن تھے، بالٹی میں تقریباً تین کلو گھی پڑا تھا، جو گرمی کی وجہ سے پگھلا ہوا تھا، میں نے گندہ پانی سمجھ کر نالی میں انڈیل دیا اور بالٹی دھو کر اُس میں آٹا گوندھ دیا، بعد میں پتہ چلا کہ اُس میں گھی تھا، شام کو امی جان نے گھی تلاش کیا تو نہ ملا، انہوں نے بالٹی میں دیکھا تو اس کے کناروں پر آٹا لگا ہوا تھا، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے آٹا کس چیز میں گوندھا تھا؟ میں نے بتایا بالٹی میں، پوچھا اُس میں گھی تھا وہ کہاں کیا؟ میں نے کہا وہ میں نے گندہ پانی سمجھ کر نالی میں ڈال دیا تھا! امی جان مجھے زور زور سے ڈانٹنے لگیں اتنے میں بابا جان آگئے اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ امی جان نے بتایا تو فرمایا ''قسمت میں نہیں تھا، گر گیا، ممکن ہے اس کے کھانے سے کوئی نقصان ہو جاتا، اللہ نے اُس سے بچا لیا'' اور الٹا امی جان سے کہا کہ آپ کو گھی ایسے نہیں رکھنا چاہیے تھا! آپ کے چہرہ سے ذرا بھی محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اتنا بڑا نقصان ہو گیا ہے، پھر مجھے آواز دے کمرے میں لے گئے اور کسی کام پر لگا دیا۔

☆......بابا جان رحمہ اللہ ہم سے مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، ہم کھانا وغیرہ لے کر اندر جاتے تو اونچی آواز

سے فرماتے ''کڑ یئے! ڈول نہ دئیں!، اگر کھانا لانے والا اپنے خیال میں ہوتا تو بلند آواز کی وجہ سے گھبرا جاتا، جس سے بعض اوقات ٹرے وغیرہ ہاتھ سے چھوٹ جاتی۔

☆......ایک دفعہ بابا جان صبح درس سے فارغ ہو کر گھر آئے تو مہمانوں والی بیٹھک میں کھڑے ہو کر مجھے آواز دی، اور کہنے لگے کہ اس کوٹ کی جیب میں کیا چیز ہے؟ مجھے نکال دو! میں چارپائی پر چڑھ کر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو ایک بہت بڑا چوہا نکل کر میرے اوپر آ گرا، میں نے اس قدر زور سے چیخ ماری کہ باہر کھڑے لوگ بھی اندر آ گئے اور پوچھا کہ کیا ہوا؟ میں بابا جان سے لپٹ گئی۔

☆......ہمارے پرانے (کرائے کے) گھر کی عمارت کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ پیچھے تین کمرے تھے اور آگے بڑا دالان تھا، اور اس سے آگے اتنا ہی بڑا برآمدہ، اور بڑے کمرے کے درمیان روشن دان تھے جن میں لوہے کے گارڈر لگے ہوئے تھے، میں نے درمیان والے روشن دان میں جھولا لگایا ہوا تھا، بابا جان جب نصرۃ العلوم سے واپس آتے تو کبھی کبھی جھولا جھولتے، والدہ صاحبان اور میں بھی شریک ہوتی، ہم باری باری شرطوں سے جھولا جھولتے، چھوٹی امی پہلے پہلے ڈرا کرتی تھیں، لیکن بعد میں عادی ہو گئیں۔ بابا جان کچھ دیر وہاں ٹھہرتے پھر اپنے کمرے کی طرف چلے جاتے۔

☆......بابا جان جب نصرۃ العلوم سے آتے تو پہلے گھر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز سے ''السلام علیکم'' کہتے، پھر گھر کے ایک ایک فرد کو آواز دے کر بلاتے، سب کمروں سے باہر نکل کر حاضری دیتے، پھر آپ اپنے کمرے میں چلے جاتے، اگر کوئی فرد موجود نہ ہوتا تو اس کے بارے میں دریافت کرتے، کمرے میں جاتے ہوئے پانی طلب کرتے، اس کے ساتھ ہی ہمارے اسباق شروع ہو جاتے، میرے ساتھ سبق میں گکھڑ کی چند اور لڑکیاں بھی شریک ہوتیں، دو تین کتب کا سبق دوپہر کو ہوتا، باقی عصر کے بعد، اُس وقت لکھائی کا اتنا کام نہیں ہوتا تھا، بابا جان بلا ناغہ روزانہ ہم سے سبق سنتے تھے، اور ہفتے میں دو دفعہ تمام کتب کے ٹیسٹ بھی ہوتے تھے، لہٰذا زیادہ لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ بابا جان کے سامنے سبق پڑھنا کوئی آسان کام نہیں تھا، لیکن اللہ نے مجھے یہ توفیق بخشی کہ میں نے علم الصرف سے لیکر بخاری شریف تک تمام کتب بابا جان رحمہ اللہ سے ہی پڑھیں، تفسیر بھی اُنہی سے پڑھی، ہمارا امتحان تقریری ہوا کرتا تھا، عم مکرم حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ، مولانا عبد القیوم صاحب مدظلہ اور بعض اوقات مولانا یوسف صاحب رحمہ اللہ امتحان لیا کرتے تھے، ہمارا امتحان بہت مشکل ہوتا تھا، لیکن اللہ کے فضل سے کبھی ناکامی نہیں ہوئی۔

☆......میں شروع میں تحریر کر چکی ہوں کہ مجھے بچپن ہی سے سلائی کڑھائی کا شوق تھا، بابا جان کو یہ بات ناپسند تھی، لیکن میں چھپ چھپ کر یہ کام کرتی رہتی تھی، ہمارے پڑوسی بڑے ہی مخلص اور بابا جان کے عقیدت

مند تھے، آج بھی اُن کے ساتھ ہم سب کے تعلقات بہت ہی اچھے اور قریبی ہیں، خالہ جی تو وفات پا چکی ہیں، (اللہ اُن کی مغفرت فرمائے) لیکن ان کی اولاد سے اب بھی بالکل جیسے گھریلو تعلقات ہیں، اُن کے گھر کپڑے سینے والی مشین تھی، میں اکثر اُن کے گھر جا کر کپڑے سلائی کرتی تھی، ایک دفعہ میں بہت ہی جلدی میں تھی کسی کپڑے کی سلائی شروع کی ہوئی تھی، اور باباجان کی واپسی کا ٹائم ہو چکا تھا، میری کوشش تھی کہ کپڑے کی سلائی مکمل ہو جائے، اس جلدی میں مشین کی سوئی میری درمیان والی انگلی کے ناخن میں گھس کر ٹوٹ گئی، جو کافی زور لگانے سے بھی نہ نکلی، خالہ جی بہت پریشان ہوئیں، امی جان بھی آ گئیں، ڈاکٹر کو بلایا، اس نے سوئی نکالی، خون کافی حد تک ضائع ہو گیا تھا، انجیکشن وغیرہ لگایا، مجھے اپنے زخم کی پرواہ نہیں تھی، افسوس تھا تو صرف اس بات کا کپڑے کی سلائی مکمل نہ ہو سکی، خیر میں جلدی گھر آئی، اتنے میں باباجان بھی آ گئے، جلدی جلدی کتابیں سنبھالیں، ہاتھ کو دوپٹے میں چھپایا اور سبق پڑھنے چلی گئی، باباجان رحمہ اللہ ہم بچوں کے معاملے میں بہت حساس تھے، چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیتے کہ اس کو کوئی پریشانی یا تکلیف ہے، باباجان نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے کہا کچھ بھی نہیں! کیونکہ مجھے یہ تھا کہ اگر بتا دیا تو ضرور مار پڑے گی، فرمایا دوپٹہ ہٹاؤ! ہاتھ کو کیا ہوا ہے؟ میں شدید حیران ہوئی کہ میں نے تو اپنی طرف سے ہاتھ چھپایا ہوا تھا پھر آپ نے کیسے دیکھ لیا؟ اب کوئی چارہ نہ تھا، نہ ہی کسی بہانے کی گنجائش تھی، لہٰذا ہاتھ نکال کر دکھا دیا، پوچھا کیا ہوا ہے؟ میں خاموش رہی، اسی اثناء میں چھوٹی امی جان کمرے میں آ گئیں، انہوں نے باباجان کو سب کچھ بتا دیا، آپ نے پوچھا کہ اس کو دودھ وغیرہ دیا ہے؟ امی جان نے کہا کہ ابھی تو وہاں سے آئی ہے، سیدھی آپ کے پاس آ گئی ہے! فرمایا جلدی سے گرم دودھ لاؤ! پھر اپنے پاس بٹھا کر دودھ پلایا، تھوڑے سے سبق وغیرہ ہوئے، لیکن آپ نے مجھے کچھ نہیں کہا، صبح حسبِ معمول آپ پڑھانے چلے گئے، جب واپس آئے تو سلام کرنے کے بعد سب سے پہلے مجھے آواز دی میں آئی تو کہنے لگے ''میں نے تمہارے لیے مشین خرید لی ہے، قاضی عطاء اللہ شاہ صاحب (مرحوم جو ہمارے کزن تھے) لے کر آئیں گے، باباجان تو یہ فرما کر کمرے میں چلے گئے، میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، اس قدر مسرت ہوئی کہ اندازہ ممکن نہیں، مشکل سے سبق پڑھے، کبھی چھت پر جاتی، کبھی نیچے آتی کہ کب مشین آئے گی؟ اللہ اللہ کر کے شام کو مشین آئی، تو باباجان نے ساتھ میں دو تھان کپڑوں کے بھی منگوا دیئے ایک کاٹن کا تھا اور ایک دوسرا، پھر جب بھی میں کپڑے سینے بیٹھتی تو باباجان میرے پاس کافی کافی دیر بیٹھے رہتے، ایک روز میں کپڑے سی رہی تھی باباجان پاس بیٹھے تھے، میں حسبِ عادت جلد بازی دکھائی تو شلوار کے پائنچے الٹے بنا دیئے، ایک طرف سیدھی ایک طرف الٹی، اُس دن ایک تھپڑ پڑا، کہنے لگے ''الو کی پٹھی! (لفظ ''الو دیا پٹھیا'' عتاب کے وقت داداجان کا تکیہ کلام تھا اور

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عتاب کے وقت منقول الفاظ ''ثـكـلتـك امـك'' اور ''لاام لک'' وغیرہ کی بخوبی ترجمانی کرتا تھا۔[خادم،حمزہ]) جلدی کس بات کی ہے؟ اب تو مشین تیرے پاس ہے!''

☆......ہماری معمولی چیزوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے، کپڑے، جوتے، مہندی حتیٰ کہ چوڑیوں تک کا خیال ہوتا تھا، میری عادت تھی کہ اگر کوئی کپڑا مجھے پسند آجاتا تو اُس کا پیس لے کر باباجان رحمہ اللہ کے پاس پھرتی رہتی، آپ کو معلوم تو ہو جاتا تھا، مسکرا کر فرماتے یہ کیا ہے؟ میں جلدی سے کپڑا ہاتھ میں تھما کر کہتی فلاں لڑکی نے یہ کپڑے بنائے ہیں! میرے مقابلے میں میری چھوٹی دونوں بہنوں کو ایسا کوئی شوق نہیں تھا، لیکن میں شروع ہی سے چوڑیوں اور کپڑوں وغیرہ کی شوقین تھی۔

☆......ہمارے نانا جان جن کو ہم میاں جی کہتے تھے باباجان اُن کا بہت احترام کرتے تھے، وہ بھی بہت خیال رکھتے تھے، باباجان کی تعلیمی، تدریسی، تبلیغی اور تصنیفی مشغولیات کو دیکھتے ہوئے ہمارے گھر کے اکثر کام وہی کر دیتے تھے، ہمارے کپڑے، جوتے اور گھر کے برتن وغیرہ سب وہی لاتے تھے، میاں جی بہت زندہ دل آدمی تھے، ہفتے میں دو تین دفعہ گوجرانوالہ سے گکھڑ ضرور آتے تھے، کبھی سبزی کا تھیلا ہاتھ میں ہوتا تو فرماتے گھر سے سبزی لینے نکلا تھا، تو اِدھر آ گیا، کبھی بھی خالی ہاتھ نہ آتے تھے، موسمی فروٹ جو بھی ہوتا ضرور لاتے تھے، اور پھر سب بچوں میں پیسے بھی تقسیم کرتے، چھوٹی امی جان کو بھی دو چار مہینے بعد گوجرانوالہ لے جاتے اور کچھ دن امی جان گوجرانوالہ رہتیں اور پھر میاں جی خود آ کر چھوڑ جاتے، بے جی، اور ماموں ممانیوں سے بھی باباجان کا تعلق بہت اچھا تھا۔ جس دن میاں جی کی وفات ہوئی اس دن بھی دس بجے کوئی چیز وہ اسٹیشن پر باباجان کو دے گئے تھے، ظہر کی اذان دے کے واپس اوپر آئے تو کھانسی کا دورہ پڑا تو اُن کی وفات ہو گئی، نماز ادا کرنے سے پہلے باباجان نے اُس دن کی ڈائری میں بہت اچھے اچھے شعر لکھے تھے، اب مجھے شعر تو یاد نہیں لیکن اُن کے ساتھ لکھی ایک عبارت مجھے آج بھی یاد ہے باباجان نے لکھا تھا'' آج میں یتیم ہو گیا ہوں، میرے والدین آج فوت ہوئے ہیں'' اس کے بعد کافی عرصہ تک باباجان بہت پریشان رہتے تھے، اب آخر میں بھی اکثر اُنکا تذکرہ فرماتے اور اُن کی پرانی باتیں یاد کرتے تھے۔

☆......میری شادی کے بعد بھی باباجان میرا بہت خیال رکھتے، ساتھ میں میرے بچوں پر بھی خصوصی توجہ دیتے، جگہ دور ہونے کی وجہ سے خاص طور پر سفر میں بہت فکرمند رہتے، جب میں نے گکھڑ سے واپس جانا ہوتا تو والدہ صاحبان سے کہتے کہ راستے کے لیے کچھ بنا دو! راستے کے لیے کھانا ضرور تیار کرا کر دیتے، کیونکہ اُس وقت رستے میں ہوٹل وغیرہ نہیں ہوتے تھے، کھانا والدہ صاحبان کھانا تیار کر دیتیں، میں جانے کی تیاری مکمل کرتی، سب گھر والے مجھے بس پر بٹھانے روڈ تک آتے اور باباجان بھی اُس وقت تک روڈ پر کھڑے

رہتے جب تک میں بس میں سوار نہ ہو جاتی۔ بعض اوقات میں بچوں سمیت چھ چھ ماہ گکھڑ آ کر رہتی، اس دوران بھی باباجان میرا اور بچوں کا بہت ہی زیادہ خیال فرماتے، اکثر عیدیں میں گکھڑ آ کر گزارا کرتی تھی، ہر عید پر میرے اور بچوں کے کپڑے، جوتے اور دیگر اشیاءِ ضرورت ہمیں تیار ملتیں، بلکہ اگر کبھی میں عید پر گکھڑ نہ جا سکتی تو بذریعہ پارسل تمام چیزیں بھجوا دیتے، وقت کے ساتھ ساتھ جب بچے بڑے ہو گئے اور اُن کی پڑھائی شروع ہو گئی تو میں عید الفطر پہ تو گکھڑ جاتی تھی لیکن بڑی عید گھر گزارتی، اُس وقت چونکہ ہماری قربانی نہیں ہوتی تھی، باباجان صبح اٹھتے، عید نماز سے فراغت کے بعد قربانی کرتے اور والدہ صاحبان سے کہتے جلدی جلدی سامان تیار کر دو! پھر قربانی کا گوشت، چاول مٹھائی، بچوں کے کپڑے وغیرہ سب کچھ تیار کر کے بھائیوں میں سے کسی کے ہاتھ عید کے روز ہی گکھڑ سے پنڈی بھجواتے، بھائیوں کی ڈیوٹی ہوتی تھی کہ وہ عید کے روز سامان مجھ تک پہنچائیں، اکثر ماجد بھائی مرحوم اور عبد القدوس قارنؔ یہ ڈیوٹی سرانجام دیتے تھے، اللہ دونوں کو دونوں جہانوں کی کامرانیوں سے سرفراز فرمائے کبھی بھی انہوں نے یہ شکوہ نہیں کیا کہ عید کا دن ہے، ہم عید منائیں یا سارا دن بسوں میں خوار ہوں! اور پھر بس اڈے سے ویسٹرج تک جانے میں بھی کافی ٹائم لگ جاتا تھا، عید کے روز میں بار بار گھڑی دیکھتی کہ اب آئیں گے، اب آئیں گے! تقریباً دو سال میں نے کندیاں گزارے، کیونکہ میرے شوہر ریلوے میں چارج میں تھے، کندیاں میں ایک صاحب بھائی محمد یوسف صاحب اور ایک ریلوے ملازم بھائی نور حسین صاحب تھے جو گکھڑ کے تھے اور آتے جاتے رہتے تھے، باباجان رحمہ اللہ اُن کے ہاتھ بھی کوئی نہ کوئی چیز بھیجتے ہی رہتے تھے، چاول، سبزی اور کبھی بچوں کے دانے بھی بھنوا کر بھیجتے، چاول تو ہمیں بہت کم خریدنے پڑے، اکثر باباجان بھیج دیتے تھے، جب میں مانسہرہ چلی گئی تو قاری اسرار الحق صاحب اور قاری معروف صاحب نصرۃ العلوم میں زیرِ تعلیم تھے، وہ آتے تو باباجان اُن کے ہاتھ بھی کوئی نہ کوئی چیز بھیجتے ہی رہتے تھے۔

☆......ایک دفعہ میں گکھڑ آئی ہوئی تھی، میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی، میں باباجان کو بتائے بغیر گوجرانوالہ اسپتال چلی گئی، میرے ساتھ چھوٹے بھائی عبد القدوس قارنؔ کی ساس جو کہ ہماری پھوپھو ہوئی وہ گئی، لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ چھوٹا سا آپریشن ہے جس کے لیے کچھ دوائیں اور ڈرپ چاہیے! میرے ساتھ چھوٹے بھائی عبد الحق خان بشیر تھے انہوں نے جا کر بتا دیا، تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہسپتال کے دروازے پر لائن لگ گئی، سارے بھائی، کزن (عم مکرم صوفی صاحب کے بیٹے) فیاض صاحب، ریاض صاحب آ گئے کچھ طالب علم بھی اُن کے ساتھ تھے، ڈاکٹر حیران ہونے لگے کہ کون مریض ہے جس کے لیے لائن لگی ہوئی ہے؟ ابھی کمرے سے باہر آئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ ہسپتال کے عملے میں کھلبلی مچ گئی، میں نے شیشے سے دیکھا تو

سامنے سے باباجان آرہے تھے، میں دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئی اور بھائی پر بہت غصہ آیا کہ اس نے کیوں بتادیا! نصرۃ العلوم سے چھٹی ہوتے ہی باباجان تشریف لے آئے اور ڈاکٹر کو بلا کر خود پوچھا کہ خطرے کی کوئی بات تو نہیں ہے؟ جب تک تسلی نہ ہوئی گھر تشریف نہ لے گئے۔ اتنے میں کسی نے پیغام دیا کہ ظہر کی نماز کے بعد حضرت صوفی صاحب بھی آنے والے ہیں، میں نے پیغام بھیج کر اُن کو منع کر دیا اور ڈاکٹر سے چھٹی لے کر گھر چلی گئی۔ یہ سب شیخین کی مجھ سے محبت تھی۔

☆......باباجان کو گھر کے ہر فرد کا اسی طرح احساس تھا، یہ تو فقط چند واقعات ہیں ورنہ ہر ایک سے اسی طرح شفقت و محبت سے پیش آتے تھے، جب بھی گھر کا کوئی فرد بیمار ہوتا تو کئی کئی دفعہ کمرے سے باہر تشریف لاتے اور حال پوچھتے، ایک دفعہ میں بیمار ہوگئی، اُس وقت علاج حکیمی دوائی سے ہوتا تھا، جبکہ میں دوائی کھانے میں بڑی چور تھی، اس لیے جب بھی بیمار ہوتی باباجان مجھے دوائی خود کھلاتے تھے، اس دفعہ بھی علاج کے لیے ''اطریفل زمانی'' منتخب ہوئی، جس کی بو مجھے سخت ناپسند تھی، میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب بھی باباجان چمچ میں دوائی ڈال کر مجھے دیتے تو میں کمال ہوشیاری اور بڑی ایکٹنگ سے بابا کے پاس کھڑے ہو کر ہی اطریفل دوپٹے میں ڈال کر چمچ جلدی سے منہ میں ڈال لیتی اور منہ ایسے بناتی جیسے ساری دوائی منہ میں ڈالی ہو! تھوڑے دن یہ سلسلہ چلتا رہا، باباجان حیران تھے کہ دوائی میں خود کھلاتا ہوں کوئی فرق کیوں نہیں آرہا؟ ایک دن چھوٹی امی جان نے کپڑے دھونے کے لیے اٹھائے تو دیکھتے ہی ہنسنا شروع کر دیا، ان کی ہنسی رک ہی نہیں رہی تھی، باباجان نے پوچھا کیا ہوا؟ انہوں نے دوپٹہ کھول کر دکھایا کہ آپ کی ساری اطریفل تو یہ ہے یہ ٹھیک کیسے ہو؟ یہ دیکھ کر باباجان بھی بہت ہنسے، پھر طریقہ بدل گیا اور اطریفل مجھے دودھ میں ملا کر پلائی جانے لگی۔

☆......میرے علاوہ سب بہن بھائی ماشاء اللہ حافظ قرآن تھے، لیکن جب میں چھوٹی تھی اُس وقت حفظ کا انتظام نہیں تھا، لہٰذا میں نے عالمیہ تو کرلیا لیکن حفظ نہ کرسکی، باباجان مجھے کہتے تھے کہ حفظ کرلو! لیکن مجھے بہت مشکل لگتا تھا، شادی کے بعد کچھ عرصہ کے لیے ہم سعودیہ چلے گئے کیونکہ اس وقت میرے شوہر کی ملازمت سعودیہ میں تھی، باباجان نے مجھے وہاں خط لکھا کہ تم حفظ کرلو! (کاش کہ وہ خط میں نے محفوظ رکھا ہوتا) لیکن وہاں تو فرصت ہی نہیں ہوتی تھی، سارا دن گھر کے کام کاج اور بچوں کی دینی وعصری تعلیم میں مشغول رہتی، کیونکہ بچوں کو دونوں قسم کی تعلیم خود ہی دیتی تھی، وہاں میں خود تو حفظ نہ کرسکی لیکن اپنے بیٹے عدیل عمران شہید کو میں نے وہاں خود حفظ کرایا، جو یہاں سے چار پارے حفظ کر کے گیا تھا وہاں جا کر مکمل کرلیا، یہ اللہ کا احسان اور باباجان کی دعائیں تھی کہ عمران کو قرآن پاک سنانے کا بہت شوق تھا، اُس کے والد صاحب اُسے ریاض کی

جامع مسجد کے امام صاحب کے پاس لے کر گئے تو انہوں نے کہا کہ یہ ابھی چھوٹا ہے، تراویح میں نہیں سنا سکتا، لیکن اُس نے وہاں کے پاکستانیوں کو جمع کر کے اُن کو 22 پارے نوافل میں سنائے، جو انہوں نے اُس وقت کیسٹوں میں ریکارڈ بھی کیے تھے، سعودیہ سے واپسی پر کچھ عرصہ بعد عمران کی شہادت ہوگئی، اس کے تقریباً 2 سال بعد اس کی یاد میں جامع عمران کی ابتداء کی اور بچیوں کو پڑھانا شروع کر دیا، انہی دنوں گکھڑ گئی تو بابا جان بہت خوش ہوئے اور پوچھا کون کون سی کلاس شروع کی ہے؟ میں نے بتایا کہ حفظ، ترجمہ اور کتابیں بھی شروع کی ہیں! اُس وقت بابا جان رحمہ اللہ نے مجھ سے کہا کہ حفظ کرانا اُس وقت آسان ہوتا ہے جب خود حفظ کیا ہو! اس لیے تم پہلے خود حفظ کرلو! میں نے بغیر کسی کو بتائے خود ہی حفظ شروع کر دیا، اور کسی سے ذکر نہ کیا کہ مشکل کام ہے شاید نہ کرسکوں، لیکن بحمداللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم اور بابا جان کی دعاؤں سے 95ء میں 50 سال کی عمر میں میرا حفظ مکمل ہوگیا۔ جب میں گکھڑ گئی تو بابا جان اس قدر خوش ہوئے کہ میں بتا نہیں سکتی، کاش! اُس وقت والدہ صاحبان زندہ ہوتیں۔ اُس کے بعد بابا جان نے مجھے فرمایا کہ تم رمضان میں سنایا کرو! ورنہ قرآن بھول جائیگا! اللہ کے فضل اور بابا کی دعاؤں سے دو دفعہ رمضان میں سنایا اس کے بعد سنا تو نہ سکی لیکن الحمدللہ اپنی منزل پڑھتی رہتی ہوں۔

☆......زلزلے سے کچھ عرصہ قبل ایک دن میں مدرسہ میں بیٹھی پڑھا رہی تھی کہ چھوٹے بھائی راشد کا فون آیا، کہ ہم اچھڑیاں آ رہے ہیں بابا جان بھی ہمارے ساتھ ہیں، مجھے تو جیسے خوشی سے سکتہ ہوگیا کیونکہ بابا جان کافی عرصہ سے اس علاقہ میں نہیں آئے تھے، میری خوشی کی انتہا نہیں تھی، میں نے اپنی بیٹیوں کو بھی پیغام بھیجا کہ بابا جان آئے ہیں، دور دور سے لوگ دھڑا دھڑ آ رہے تھے، ایسے لگتا تھا جیسے ہمارے گھر میں کوئی بہت بڑا جشن ہے، بابا جان دو دن ہمارے پاس رہ کر کورے (ہمارے ننھیال) ماموں سخی کے گھر چلے گئے، دو دن وہاں رہے، میں نے اپنی بیٹیوں سمیت دو دن وہاں ماموں کے گھر بھی ان کی خدمت میں گزارے، آخری رات بابا جان کا قیام شنکیاری ''جامعہ حسینیہ'' میں شاہ صاحب کے پاس تھا، رات کو مجھے بھائی نے فون کیا کہ بابا جان شنکیاری میں ہیں اور آپ کو یاد کر رہے ہیں آپ آ جائیں، لیکن اُس دن ہڑتال کی وجہ سے کوئی گاڑی نہ مل سکی، ساری رات میں نے بے چینی سے گزاری، صبح نماز پڑھتے ہی ہم شنکیاری گئے، بابا ہمیں دیکھ کر انتہائی خوش ہوئے، شاہ صاحب کی زوجہ محترمہ کہنے لگیں ہم نے حضرت شیخ کو یہاں روک کر بہت غلطی کی ہے، کیونکہ شیخ صاحب ساری رات پریشان رہے اور آپ کو یاد کرتے رہے، میری بڑی بیٹی نے بابا سے پوچھا کہ آپ کی رات یہاں سکون سے گزری؟ فرمایا میرے بچے میرے پاس نہیں تھے، سکون کیسے ملتا! میں ساری رات پریشان اور اُداس رہا، کافی دیر ہمارے ساتھ باتیں وغیرہ کیں پھر واپس گکھڑ چلے گئے، اس کے کچھ

دنوں بعد باباجان پھر ہمارے گھر آئے، ایک رات اور ایک دن قیام فرمایا اور واپس چلے گئے۔

☆......زلزلے سے تین چار دن پہلے میں گکھڑ تھی، واپسی کی تیاری مکمل تھی، صرف گوجرانوالہ جانا تھا، میں باباجان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ باباجان نے مجھ سے پوچھا کہ یہ شیطانی (موبائیل) کس کس کے پاس ہے؟ میں نے ہنس کر کہا کہ اور تو سب کے پاس ہے، ایک میں غریب کے پاس نہیں، آپ بہت ہنسے اور فرمایا کہ بیٹا انگلینڈ میں ڈاکٹر ہے اور ماں کہتی ہے میں غریب ہوں! (میرا ایک بیٹا سبیل رضوان آج کل انگلینڈ میں ڈاکٹر ہے۔) پھر پاس بیٹھے بچوں میں سے کسی سے پوچھا کہ موبائیل کتنے کا آتا ہے؟ اُس نے کہا کہ استعمال کے لیے گزارے قابل 2 ہزار سے 5 ہزار تک آتا ہے! صبح جب میں گوجرانوالہ جانے لگی تو باباجان نے مجھے 5 ہزار روپے دیئے اور فرمایا کہ اپنے لیے موبائیل لے لینا! میں نے عرض کیا کہ میری دلچسپی نہیں ہے! فرمایا لے لو! کام آئیگا، اور اگلی دفعہ جب آؤ تو شاید تمہیں پیسے دینے والا کوئی نہ ہو! میں نے پیسے تو لے لیے لیکن موبائیل لینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، گوجرانوالہ میں نے چھوٹی بھابھی سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ بابا نے آپ کو پیسے دیئے ہیں آپ ضرور لیں! اور پھر یہ آپ کی ضرورت ہے، گھر کا فون تو آپ کی مردانہ بیٹھک میں ہوتا ہے! آپ کے لیے آنا جانا مشکل ہوتا ہے، مزید بات نہ ہوسکی، میں نے واپسی پر اپنے بھتیجے عمر خان کو پیسے دیئے اُس نے موبائیل لا دیا، اور میں ایک موبائیل لے کر شام کو واپس مانسہرہ لوٹ گئی، شام ہم پہنچے، صبح زلزلہ آ گیا، میرا بھتیجا مغیرہ جو مجھے چھوڑنے آیا تھا وہ بھی ہمارے ساتھ تھا، زلزلے کی وجہ سے ٹیلیفونوں کا کنکشن کٹ گیا، اُس وقت پھر صرف موبائیل ہی کام آیا، سوچتی ہوں کہ شاید بابا کی چھٹی حس یا فراست نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ مجھے اس کی ضرورت پڑے گی۔

☆......میری عادت ہے کہ ہمیشہ قیمتی عینک استعمال کرتی ہوں، جب بھی نئی عینک لگا کر باباجان کے پاس جاتی تو پوچھتے کہ عینک کتنے کی ہے؟ اُن کے سامنے جھوٹ ہم سے بولا نہیں جاتا تھا، لہٰذا سچ سچ کہہ دیتی کہ 500/1000 کی ہے، جتنے کی ہوتی بتا دیتی، تو کہتے ''الو کی پٹھی! (لفظ ''الو دیا پٹھیا'' عتاب کے وقت داداجان کا تکیہ کلام تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عتاب کے وقت منقول الفاظ ''ثــکـــلتک امک'' اور ''لاام لک'' وغیرہ کی بخوبی ترجمانی کرتا تھا۔[خادم، حمزہ]) سو روپے کی عینک میں گزارا چل جاتا ہے، اسراف کیوں کرتی ہو؟'' پھر ہمیشہ مجھے عینک کے پیسے بھی عنایت فرما دیتے۔

☆......باباجان کے پاس جب میں حاضر ہوتی تو میری خواہش ہوتی کے آپ کے پاؤں دباؤں، لیکن وہ مجھے پاؤں کی جانب نہ بیٹھنے دیتے، بلکہ قریب بٹھاتے، آخری ملاقات میں مَیں اُن کے پاس بیٹھی تھی کہ ایک عورت آئی اور کہنے لگی اباجی کیا حال ہے؟ میں نے ہنس کر کہا کہ آپ تو ساری دنیا کے اباجی ہیں، ہم کس

کھاتے میں جائیں گے؟ بابا نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر چومے اور فرمایا کہ ''پُتّر! تیرا تو اپنا ہی مقام ہے!''۔

☆......اسی سال کی بات ہے کہ ایک بار حاضری کے موقع پر میں نے اجازتِ حدیث کی سند مانگی تو فرمایا کہ تم نے بخاری وغیرہ تو مکمل پڑھ لی تھی لیکن تمہاری کچھ کتابیں رہ گئی تھیں، لہٰذا سند نہیں مل سکتی! میں نے کہا کہ میں الحمدللہ آپ کی دعاؤں سے 3 مرتبہ دورہ حدیث کی تمام کتب پڑھا چکی ہوں! آپ نے مختلف کتب سے سوالات پوچھے، الحمداللہ اُن کے صحیح جوابات دیئے، پھر آپ نے سند عنایت کی، گویا آپ نے ہمیشہ اصول کو برقرار رکھا، محبت میں اُصول نہیں توڑا، دونوں میں فرق رکھا۔ وفات سے تقریباً دو ہفتے قبل آخری ملاقات میں آپ نے پوچھا سراجی کون پڑھا رہا ہے؟ میں عرض کیا کہ خود پڑھا رہی ہوں! بتا تو دیا لیکن ساتھ ہی میرا سانس رکنے لگا کہ کہیں امتحان لیں اور میں آپ کے معیار پر پوری نہ اُتر پاؤں! انہوں نے دو سوال کیے، اور جواب پر مسکرا دیئے، اور پھر ہدایہ کے ایک مسئلے میں اختلاف کا پوچھا، الحمدللہ اللہ نے مدد کی اور میں نے صحیح جواب دیا، بابا بہت خوش ہوئے اور بار بار ماشاء اللہ، ماشاء اللہ کہتے جاتے تھے۔ یعنی حوصلہ افزائی بھی خوب کرتے، شاباش دیتے اور بعض اوقات انعام سے بھی نوازتے تھے۔

☆......آخری ملاقات میں رات کو میری بیٹی کو کہا کہ اندر سے ایک گدا لاکر یہاں ڈال دو، تمہاری امی آج یہاں سوئے گی! اس دن سے قبل اگر ایام علالت میں مَیں رات آپ کی خدمت میں گزارنے کا کہتی تو انکار کر دیتے اور فرماتے اندر جا کر آرام کرو! لیکن اُس روز خود فرمایا کہ آج رات میرے پاس رہو! تھوڑی دیر بعد وہ بیٹی کمرے میں آئی تو اسے غصے سے فرمایا کہ میں نے تمہیں گدا لانے کا کہا تھا اور تم خالی ہاتھ چلی آئی؟ پھر چھوٹی بھابھی کو کہا تو اس نے گدا لاکر بچھایا، پھر مجھے فرمایا کہ یہاں (چارپائی کے پاس) نیچے سو جاؤ! میں نے کہا کہ ابھی نیند نہیں آرہی، ابھی آپ کے پاس بیٹھتی ہوں، اُس رات ہم نے دونوں باپ بیٹی نے آپس میں بہت باتیں کی، مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہے، بیٹھے بیٹھے بابا میرے چہرے پر نظریں ایسے جما دیتے کہ میں گھبرا جاتی لیکن سمجھ نہ سکی، رات تقریباً ڈیڑھ بجے راشد بھائی آگئے تو بابا جان کبھی اُن کی طرف دیکھتے اور کبھی میری طرف، میں نے راشد کو کہا کہ آج آپ آرام کریں یہاں بابا کے پاس میں ڈیوٹی دیتی ہوں، تو بھائی کہنے لگے کہ اباجی پھر بھی مجھے ہی بلائیں گے، راشد کی بات ٹھیک تھی کیونکہ بابا کو سنبھالنا، اُٹھانا، بٹھانا۔ پیشاب وغیرہ کرانا یہ سب خدمات راشد انجام دیتا تھا اور کسی کے بس کی بات ہی نہیں تھی، خاص کر مجھے تو کوئی تجربہ ہی نہیں تھا، اور نہ ہی ہمت، خیر میں باہر نکلی، جب تک میں نکل نہ گئی بابا مجھے دیکھتے رہے، کاش مجھے خبر ہوتی کہ یہ میری آخری ملاقات ہے تو واللہ! ساری رات بلکہ کچھ دن اور بھی آپ کی خدمت میں

گزار دیتی، راشد بھائی، چھوٹی بھابھی، چھوٹی بہن اور اُن کی بیٹیاں خوش نصیب ہیں کہ اُن کو اللہ نے باباجان کی خدمت کا خوب خوب موقع دیا، اورانہوں نے بھی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، ہر وقت، ہردم، ہر لمحہ آپ کی خدمت میں حاضر باش رہے، ہر طرح سے آپ کا خیال رکھا، سارے خاندان کی طرف سے انہی دوگھرانوں نے فرض کفایہ ادا کیا، اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیروں ڈھیر اجر سے نوازے اور دونوں جہانوں کی کامیابیوں سے سرفراز فرمائے۔ اور بھی جن بھانجوں، بھانجیوں، بھتیجوں، بھتیجیوں نے بابا کی خدمت میں حصہ لیا اللہ سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

☆......یہ سال ہمارے لیے بہت ہی پریشانیوں، مصائب، غموں اور دکھوں والا سال ہے، پہلے ہمارے ہر دلعزیز چچا حضرت صوفی صاحب وفات پا گئے، پھر میری چھوٹی بیٹی کا 6 سالہ بیٹا ''عکرمہ'' جو بابا سے آخری ملاقات کرکے واپس آرہا تھا، لالہ موسیٰ اور کھاریاں (ضلع گجرات) کے درمیان کار حادثے میں شہید ہوگیا، اس کے ساتھ ہمارا بہت ہی اچھا ہمسایہ عادل شاہ بھی شہید ہوگیا، اس کے بعد میرے چھوٹے بہنوئی مولانا قاری خبیب احمد عمر اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے، ابھی ہم ان صدموں سے نکل نہ پائے تھے کہ باباجان بھی اچانک ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ میرا بھتیجا سرفراز حمزہ بار بار مجھے فون کرتا کہ مضمون لکھ دوں، لیکن ایک تو صدمے کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا، دوسرا ان دنوں وفاق کے امتحان قریب تھے، اسباق کا زور تھا، جس کی وجہ سے مضمون پورا کرنا بہت دشوار تھا، اللہ کی خاص رحمت کے سبب ہی یہ چند الفاظ لکھے گئے ہیں۔

☆......کل ایک شاگردہ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ پڑھانے سے اکتاتی نہیں ہیں؟ میں نے کہا یہ اللہ کی خاص رحمت اس کا فضل اور ہمارے والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ ہماری والدہ بھی آخر دم تک کام کرتی رہیں، انہوں نے بھی اپنے پیچھے اپنی شاگردوں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی ہے جو یقیناً اُن کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

☆......والدہ صاحبان کی وفات سے پہلے باباجان کی عادت تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد کچھ دیر گھر کے افراد کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے، ہنسی مزاق بھی ہوتا رہتا تھا، ایک دن رات عشاء کی نماز کے بعد باباجان واپس آئے اور حسبِ معمول فیملی کے ساتھ بیٹھ گئے، میں بھی موجود تھی، باباجان نے والدہ صاحبان کو مخاطب کرکے کہا ''بڈھیو! [والدہ صاحبان کو بڈھیو کہہ کر پکارتے تھے] دونوں تیار ہوجاؤ! میں نے خواب دیکھا ہے [تم دونوں کا وقت اب قریب ہے۔] بڑی امی تو کہنے لگیں تیار ہیں جب بلاوا آجائے! اور چھوٹی امی رونے لگیں! تھوڑی دیر بابا ہمارے ساتھ بیٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے، اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد 28 اگست 1988ء کو بڑی امی وفات پا گئیں، اسی دن میرے بیٹے عمران کی شہادت ہوگئی، جس کی وجہ سے میں گکھڑ نہ

جاسکی، جبکہ چھوٹی امی بیمار تھیں اور بیماری کی وجہ سے عمران کی شہادت پر نہ آسکیں، ابھی 13 دن ہی گزرے تھے کہ چھوٹی امی بھی ہم سے رخصت ہوگئیں، اب تک ہم بابا جان کے سہارے زندہ تھے، لیکن ان کے جانے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ زندگی کا مقصد ہی ختم ہوگیا ہے، اللہ تعالیٰ میرے بابا جان، چچاجان، والدہ صاحبان، دیگر اقارب اور جمیع اہل اسلام کو جنت الفردوس میں بلند مقام نصیب فرمائے۔ اور ہمیں بابا جان کے نقشِ قدم پر پوری طرح استقامت سے قائم رکھے اور آخرت میں ہم اُن کے ساتھ ہوں۔ آمین۔

(۲)

انسان کی زندگی میں والدین کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے، اس لیے کہ والدین بچے کو عدم سے وجود میں لانے کا وسیلہ اور سبب ہوتے ہیں اور انسان اپنی ابتدائی زندگی میں ایک عرصہ تک والدین کا محتاج ہوتا ہے، والدین اسے پالنے، سنبھالنے، کھلانے، پلانے غرض اس کی تمام ضروریات کو پورا کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں، حتی کہ اس کی تعلیم اور تربیت کیلئے بھی دن رات محنت اور کوشش کرتے رہتے ہیں، کہ یہ ذمہ داری بھی والدین ہی کے سر ہے، اور بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ بچے جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے ایسے نیک اور مشفق والدین عطا فرماتے ہیں جو اپنی ذات پر ہر مصیبت، ہر سختی، ہر تکلیف بخوشی جھیل لیتے ہیں لیکن اپنے بچوں کی تعلیم اور تربیت پر بھرپور توجہ دیتے ہوئے انہیں دینی اور دُنیاوی ہر اعتبار سے معاشرے کے کارآمد افراد بنانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں ہم سب بہن بھائی اس اعتبار سے بے انتہاء خوش نصیب ہیں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ جیسا صاحب علم وفہم، باصلاحیت وباکردار، مشفق ومحبّ باپ عطا فرمایا جن کے زیرِ سایہ وزیرِ تربیت پرورش پاکر ہم سب اپنی دُنیا اور آخرت سنوارنے کی کوشش کرنے کے قابل ہیں **فالحمد للّٰہ علٰی ذٰلک**

اباجی نے نہ صرف دینی اعتبار سے بلکہ دُنیاوی اعتبار سے بھی ہم بارہ بہن بھائیوں کی تعلیم اور تربیت کی ذمہ داری ماشاء اللہ اپنی بھرپور توجہ اور محنت سے ایسے احسن طریقہ سے نبھائی کہ آج ہم سب بہن بھائی اپنے اپنے مقام پر بفضل خدا حسب استطاعت اللہ کے دین کی خدمت میں مصروف ہیں اور دُنیاوی اعتبار سے بھی معاشرتی اقدار کے دائرہ کار کے اندر رہتے ہوئے بہت اچھی اور باعزت زندگی بسر کرنے کے قابل ہیں۔ **(اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ)**

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اباجی نے اپنے ہر بچے پر چاہے وہ بیٹا ہے یا بیٹی انفرادی توجہ دی سب کو

زیور تعلیم سے آراستہ کیا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت علمیہ سے فیض یاب کیا، ابا جی کی اسی محنت اور خصوصی توجہ کا ثمرہ ہے کہ خود بڑے فخر سے فرمایا کرتے، میں قرآن پاک کا حافظ تو نہیں ہوں لیکن حافظوں کا باپ ہوں اور یہ ہمارے ابا جی کی خوش نصیبی ہے کہ بارہ حافظ قرآن بچوں کے باپ تھے جن میں ماشاء اللہ نو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، اور یہ سلسلہ صرف یہیں تک موقوف نہیں بلکہ آگے بیٹوں بیٹیوں کی اولاد میں ماشاء اللہ چوالیس (44) بچے مکمل حافظ قرآن ہیں اور باقی کچھ بچے حفظ میں زیر تدریس ہیں، اللّٰھم بارک لنا فی علمنا وعملنا وَارْزُقنا تِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ اٰناءَ اللیل وَاٰناء النھار اللہ رب العزت سب کو کامیاب فرمائیں اور آئندہ نسلوں تک یہ سلسلہ جاری وساری رکھیں آمین ثم آمین

چونکہ میرا موضوع ابا جی کا انداز تربیت ہے اس لیے اب میں صرف اپنے اس موضوع کو ہی زیر قلم لاؤں گی، ابا جی نے بچوں کی تربیت کے ہر ہر پہلو پر گہری نظر رکھی، انہیں دینداری سکھائی، رواداری سکھائی، خودداری سکھائی، دُنیاداری سکھائی اور ایک اچھا اور بہترین باپ ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے ہر خوبی، ہر نیکی، ہر اچھی عادت، اچھا اخلاق، اچھا کردار اپنے بچوں کی زندگی کا حصہ بنانے کیلئے شبانہ روز محنت اور کوشش فرمائی اور ہمیشہ اپنے بچوں کو معصیت خداوندی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی، بُری عادات، بُرے اخلاق اور بُرے کردار سے اجتناب کی تعلیم دی اور اس کیلئے ہر ممکنہ کوشش فرمائی، جہاں نرمی سے کام چلا وہاں نرمی سے کام لیا اور جہاں سختی کا موقع دیکھا وہاں سختی کی اور خوب کی۔

میں جب اپنی گزشتہ زندگی پر جو نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے نظر ڈالتی ہوں تو بہت چھوٹی عمر سے ہی ایسے بے شمار واقعات اور بہت ساری باتیں ذہن کے پردہ پر روشن ہو جاتی ہیں جو ابا جی کے طرز تربیت کو اُجاگر کرتے ہیں بلکہ ذہن میں تر و تازہ بھی کر دیتے ہیں، ابا جی خلاف سنت کوئی بھی کام برداشت نہیں کرتے تھے، اور اس کی تربیت ہمارے ذہنوں میں اس طرح بٹھادی کہ آج یہ تربیت بفضل خدا ہماری فطرت ثانیہ بن چکی ہے، کھانا داہنے ہاتھ سے کھانا ہے، پانی داہنے ہاتھ سے پینا ہے، لکھائی داہنے ہاتھ سے کرنی ہے، اس بات پر اتنی توجہ دیتے کہ بار بار ٹوکتے ڈانٹ ڈپٹ کرتے سو ابا جی کی تربیت اور اللہ کے کرم سے ہم بہن بھائیوں بلکہ ان کی اولاد میں بھی کوئی بھی کھبو نہیں ہے (کھبو بائیں سے ہر کام کرنے والے کو کہتے ہیں) اسی طرح ناک بائیں ہاتھ سے صاف کرنا ہے، استنجاء بائیں ہاتھ سے کرنا ہے، ہر نجس کام کیلئے بایاں ہاتھ استعمال کرنا ہے یہ سب ہمیں اتنی چھوٹی عمر میں سکھا دیا کہ ہم اس کے عادی بن گئے، جھوٹ بولنا بُری بات ہے، چوری کرنا، غیبت کرنا، چغل خوری کرنا گناہ کبیرہ ہے، بار بار روک ٹوک کر کے نرمی سے سختی سے یہ ساری چیزیں ہمارے ذہن میں بٹھادیں، گھر میں مہمان آتے تو مہمانوں کی خدمت ہم بہن بھائیوں

سے کرواتے تقریباً سات آٹھ سال کی عمر تک ہم بہنیں بھی مہمانوں کیلئے کھانا، چائے، پانی وغیرہ بیٹھک میں لے کر جاتی رہیں پھراس عمر کے بعد پردہ کی وجہ سے ہم بہنوں کو روک دیا گیا، بیٹھک میں جانے سے روک دیا گیا گویا ہماری اس تربیت کا آغاز ہو گیا کہ غیر محرم مردوں کے سامنے آنا تمہارے لیے خلاف شریعت وخلاف سُنت ہے، سوتب سے ہی ہمارے ذہنوں میں یہ بات جم کر رہ گئی۔

مہمان خواتین کی خدمت کیلئے امی ہم بہنوں کو ہی آگے رکھتیں، اسی طرح سب بھائی مہمانوں کی خدمت میں مصروف رہتے، اباجی کی اس تربیت کی وجہ سے مہمان نوازی بحمد اللہ گویا ہماری گھٹی میں پڑی ہے، گھر میں کوئی غریب سوالی آجائے تو انہیں کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے بلکہ اکثر ہمارے ہاتھوں سے دِلواتے، گھر میں پھل فروٹ آتا تو پہلے ہمسائیوں کے بچوں کا حصہ نکال کر ہمارے ہاتھ ان کے گھر بھجواتے پھر ہمیں دیتے اور اس کے ساتھ ہمیں غریبوں کے ساتھ، ہمسائیوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنے کی تاکید فرماتے اور اس بارہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کرامؓ کے واقعات سُناتے، عید کے دن عید کی نماز سے پہلے ہمسائیوں کے بچوں کی جو یتیمی کی زندگی بسر کر رہے تھے عیدی ہم میں سے کسی بہن بھائی کے ہاتھ بھجواتے اور ہمیں بعد میں دیتے، اس وقت کبھی کبھار غصہ بھی آتا کہ ہم سے پہلے عیدی انہیں کیوں دیتے ہیں، لیکن جوں جوں شعور کی منزلیں طے کرتے گئے ہمارے ذہن پر بات اچھی طرح بیٹھ گئی اور سمجھ آگئی کہ اباجی ایسا کیوں کرتے ہیں، اور آج جب خود اس مقام پر پہنچی ہوں کہ بچوں کو عید دینے کی ذمہ دار بنی ہوں تو بخدا مدرسہ کی طالبات کو جو جامعہ میں ہی بڑی عید گزارتی ہیں عید دینے سے پہلے اپنے بچوں کو عید دینے کو دل مانتا ہی نہیں، آج تک اپنے اباجی کی اس روایت کو قائم رکھنے میں بحمد اللہ کامیاب ہوں کہ عید کی نماز سے واپس آکر پہلے جامعہ جاتی ہوں جو گھر کے ساتھ متصل ہے، تمام طالبات کو عید دے کر پھر اپنے بچوں کو گھر آکر عید دیتی ہوں، بچے چھوٹے تھے تو کافی شور کرتے تھے کہ پہلے ہمیں دیں اب اللہ کے فضل سے باشعور ہو گئے ہیں تو سمجھ گئے ہیں اور خدا کرے اس حد تک سمجھ جائیں کہ اپنی باری آنے پر نانا ابو کی اس روایت کو (جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے، کہ دوسروں کی ذمہ داری اٹھاتے اور نبھاتے ہوئے انہیں خود پر ترجیح دو) قائم رکھ سکیں آمین ثم آمین

اسی طرح اگر گلی یا محلّہ سے کوئی سالن یا کوئی بھی چیز لینے آجاتا تو کبھی خالی ہاتھ واپس نہ جانے دیتے اگر کسی وقت امی کہہ دیتیں کہ سالن کم ہے تو اصرار فرماتے کہ چلو تھوڑا سا ہی دے دو، یہی وجہ تھی کہ اکثر کوئی نہ کوئی محلے دار بے جھجک آکر سالن، آٹا یا کوئی بھی چیز مانگ لیتا، اور اباجی دے کر یا دِلوا کر بہت خوش ہوتے، گویا یہ بھی ہماری تربیت کا ایک حصہ تھا کہ ہم یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں اور سیکھ لیں کہ ہمیں زندگی بسر

کرتے ہوئے معاشرے میں دوسرے لوگوں سے کیسا رویہ رکھنا ہے اور ضرورت مندوں کے کس طرح کام آنا ہے۔

میرے ذہن کی سکرین پر ایک خاتون کی شبیہ اکثر اُبھرتی ہے جو کافی عمر رسیدہ تھیں ان کا ذہنی توازن صحیح نہیں تھا، سخت سردی کا موسم ہوتا ہم ٹھٹھر رہے ہوتے اور وہ خاتون ٹھنڈے یخ پانی سے نہایا کرتیں، ان کا معمول تھا جس گھر میں بھی جاتیں غسل خانہ میں گھس جاتیں، ہم بچے حیران بھی ہوتے اور ان کا مذاق بھی اُڑایا کرتے اور تنگ بھی کرتے، اباجی کو خبر ہوتی تو ہمیں خوب ڈانٹ پڑتی، جب بھی وہ خاتون ہمارے گھر آتیں اباجی امی کو ان کے کھانے پینے کا خیال رکھنے کی تاکید کرتے، بچوں میں تجسس تو بہت ہوتا ہے سو ہم بھی اس تجسس میں رہتے کہ یہ خاتون کون ہیں، کیوں بار بار نہاتی ہیں اور گھر والے ان کا اتنا خیال کیوں رکھتے ہیں، آخر امی نے ہمارا یہ تجسس دور کیا اور بتایا کہ یہ خاتون تحریک پاکستان میں آزادی کی خاطر اپنا سب کچھ لُٹا کر پاکستان پہنچی ہیں، ماں باپ، شوہر، اولاد، دیور، سسر، سارا خاندان شہید ہوگیا، یہ خاتون اکیلی رہ گئیں اور جب پاکستان پہنچیں تو ذہنی توازن کھو چکی تھیں، گکھڑ کا کوئی آدمی اُنہیں اپنے ساتھ لے آیا جب ان کو بے چینی ہوتی تو بہت بے قرار ہو کر گھر سے نکل جاتیں اور جب بے چینی حد سے بڑھتی تو یخ ٹھنڈے پانی سے نہاتیں، گکھڑ کے لوگ جس جس کے گھر وہ خاتون جاتیں ان کی بہت خدمت کرتے اور ان کی اسی قربانی کی بنا پر اباجی بھی دونوں امی جان کو ان کا خیال رکھنے کی تلقین کرتے اُس وقت ہمیں ان کے اتنی شدید سردی میں بار بار نہانے والی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن آج جب خود وقت کے اس موڑ پر پہنچی ہوں کہ اپنے اتنی محبت و شفقت کرنے والے اباجی اور اپنے بچوں کے مشفق ابو کی دائمی فرقت کا صدمہ دل کو ہر وقت سُلگاتا اور جلاتا رہتا ہے تو اب سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آئی ہے کہ اس خاتون کو کِن کِن رشتوں کی فرقت کے صدمات کی آگ جلاتی تھی جو وہ اتنی شدت کی سردی میں ٹھنڈے یخ پانی سے نہانے پر مجبور ہو جاتی تھیں اسی طرح گکھڑ کے قریب ہی ایک گاؤں ہے نت کلاں وہاں کے کچھ خاندان ماشاءاللہ ایمان میں بہت پختہ اور نہایت دین دار تھے، جب بھی اپنی مسجد میں کوئی جلسہ ہوتا، مرد، عورتیں، بچے سبھی بڑے ذوق وشوق سے جلسہ میں شرکت کرتے، خواتین اور بچوں کی رہائش اور کھانے کا انتظام ہمارے گھر میں ہوتا، بہت رونق اور گہما گہمی ہوتی، رات کو جلسہ ختم ہونے کے بعد خواتین اور بچے ہمارے ساتھ ہی گھر آتے، انہی میں ایک خاتون تھیں، بہت نیک اور نمازی تھیں، ان کا بیٹا، بہو اور ان کے بچے سعودیہ میں ٹریفک کے حادثہ میں انتقال کر گئے جس کا اثر ان خاتون کے ذہن پر اتنا شدید ہوا کہ کبھی حواس میں ہوتی تھیں اور کبھی نہیں، جب بھی ہمارے گھر آتیں گھر والے ان کا بہت خیال رکھتے، خصوصًا اباجی بار بار تاکید کرتے ان کو کھانا دیں، چائے بنا کر دیں۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب دونوں امی جان وفات پا چکی تھیں گھر میں چھوٹی بھابھی قاری حماد الزہراوی صاحب کی اہلیہ تھیں، میں اُن دنوں جامعہ میں تعطیلات کی وجہ سے گکھڑ گئی ہوئی تھی، ایک دن یہ خاتون آ گئیں، بھابھی نے انہیں چائے بنا کر پلائی، تھوڑی دیر کے بعد اباجی غالبًا نماز پڑھا کر واپس آئے تو پہلے باورچی خانے کی طرف چلے آئے، وہ خاتون بھی بیٹھی ہوئی تھیں، اباجی نے پوچھا ان کو چائے شائے دی ہے؟ بھابھی نے کہا جی ہاں چائے دی ہے، وہ خاتون فٹ سے بولیں، او چاء سی، گھٹا چاء سی (وہ چائے تھی خاک چائے تھی) ہم سب زور سے ہنس پڑے اباجی بھی مسکرانے لگے اور بھابھی سے فرمایا، انہیں دوبارہ چائے بنا کر دو، بھابھی نے انہیں دوبارہ چائے بنا کر پلائی۔

اور آج میں سوچتی ہوں کہ یہ سب بھی میرے اباجی کا ایک اندازِ تربیت تھا کہ مسلمان بہن بھائی کے دل پر لگی چوٹ خود اپنے دل پر محسوس کرو، ان کی دلجوئی کرو، ان کا خیال رکھو، سُبحان اللہ۔ اباجی نے ہمیشہ ہمارے اچھے اخلاق اور اچھے کردار کی تعمیر اور نشوونما میں بنیادی کردار ادا کیا، بہت محنت کی جہاں سختی کا موقع دیکھا وہاں سختی بھی کی اور جہاں نرمی کا پہلو دیکھا وہاں نرمی بھی کی، اباجی کو اس بات سے سخت تکلیف ہوتی تھی کہ ہم بہن بھائیوں کی باہر سے کوئی شکایت آئے اگر اباجی کے پاس ہم میں سے کسی کی کوئی شکایت پہنچتی تو سخت رنجیدہ بھی ہوتے اور غصہ بھی آتا لہٰذا جس کی شکایت ہوتی اس کی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی ہو جاتی بلکہ ایسی ٹھیک ٹھاک ہوتی کہ آئندہ ایسی حرکت کرنے سے پہلے کم از کم دس مرتبہ تو لازمی سوچتے۔

بہت چھوٹی عمر کا واقعہ ہے غالبًا چھ سات سال عمر ہوگی، ہم گلی کے تین چار گھروں کے بچے مِلکر کھیلا کرتے تھے چونکہ بڑوں کا بھی ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا اس لیے بچے بھی کسی ایک گھر میں جمع ہو جاتے اور خوب کھیلتے اور عمومًا جو پیسے گھر سے ملتے مل جل کر خرچ کرتے۔ ایک دن جیسے ہی گھر سے باہر نکلے پڑوس کی لڑکی جس کا نام امتل تھا ہمیں گلی میں ملی اور کہنے لگی آج میرے ماموں آئے تھے انہوں نے مجھے پانچ روپے دیے ہیں تو چلیں سب مل کے چیزیں کھاتے ہیں، اس زمانہ میں پانچ روپے بہت بڑی رقم تھی، ہماری تو موجیں ہو گئیں۔ کسی بھی مسئلہ میں گہرائی میں جانے کی عمر ہی نہ تھی، بس اس بات کی خوشی تھی کہ بہت سارے پیسے ہیں، خوب زیادہ ساری چیزیں کھائیں گے، خیر پانچ یا چھ بچوں کی ٹولی نکل پڑی، اور جو کچھ دل چاہا خوب کھایا، گویا صحیح معنوں میں عیش کی اور جب کھا پی کر سارے پیسے اُڑا کر گھر پہنچے تو آگے شامت اعمال ہماری منتظر تھی اور ہم بے خبر تھے، اس لڑکی کی والدہ محترمہ ہمارے گھر آئی بیٹھی تھیں، بڑا گھر چونکہ ہمارا ہی سمجھا جاتا ہے اس لیے سب کی شکایات بھی یہیں پہنچتی تھیں، گویا یہ گھر مرکز تھا، گھر پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد اباجی کی طرف سے ہماری طلبی ہوئی ہم بیٹھک میں پہنچے تو اباجی شدید غصے کے عالم میں تھے، ہمیں دیکھتے ہی

بولے الودے پٹھیو ! ہن تسی چوری وی کرن لگ پئے او! (الو کے پٹھو (لفظ ''الودیا پٹھیا'' عتاب کے وقت داداجان کا تکیہ کلام تھا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عتاب کے وقت منقول الفاظ ''ثکلتک امک'' اور ''لاام لک'' وغیرہ کی بخوبی ترجمانی کرتا تھا۔[خادم،حمزہ]) ! اب تم لوگ چوری بھی کرنے لگے ہو،) اس وقت ہم چھوٹے تھے لیکن اتنے چھوٹے بھی نہیں تھے کہ چوری کا الزام اور اسکا انجام نہ سمجھ سکیں ہمارے تو حواس ہی گم ہوگئے حیران پریشان کھڑے ابھی بات کو سمجھنے کی کوشش میں تھے، ہوش تب آیا جب اباجی کا بھرپور تھپڑ باری باری سب کو پڑا، میرے کان ابھی نئے نئے چھدوائے گئے تھے اس لیے تھپڑ پڑتے ہی کان سے خون بہنے لگا، چھوٹے امی کو ترس آیا وہ مجھے پکڑ کر باہر لے گئیں، کان سے خون صاف کیا اور پھر بڑے پیار سے پوچھا کہ پیسے کہاں سے اُٹھائے تھے میں فوراً بول پڑی اٹھائے تو نہیں تھے امتل خود لائی تھی اور کہہ رہی تھی کہ میرے ماموں آئے تھے انہوں نے دیے ہیں، امی مجھے اباجی کے پاس لے گئیں، باقی بچے ابھی اُدھر ہی تھے، امی نے سب سے پوچھا تو سب نے یہی بتایا کہ ہم تو اُن کے گھر گئے ہی نہیں تب اس وقت ہمیں امی کی زبانی معلوم ہوا کہ امتل کی امی یہ شکایت لے کر آئی تھیں کہ میں گھر سے باہر کہیں گئی ہوئی تھی پیسے سامنے الماری میں پڑے تھے تو ان بچوں نے اٹھالیے ہیں، اباجی کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو ہماری خلاصی ہوئی اور ساتھ ہم پر یہ پابندی بھی لگادی کہ آئندہ کھیلنے کیلئے ان کے گھر نہیں جانا، تو چوری کے الزام سے تو ہم بچ گئے لیکن اباجی کے ایک ہی تھپڑ نے اتنی عقل ہمیں سکھادی کہ کسی بچے کے پاس زیادہ پیسے دیکھ کر موجیں نہیں اُڑانی ورنہ اُلٹی گلے بھی پڑ سکتی ہیں، اسی طرح کا ایک واقعہ ہے چھوٹا بھائی جس کی عمر اُس وقت تقریباً تین چار سال ہوگی اس کے کان کے پیچھے گلٹیاں نکل آئیں جنہیں پنجابی میں جھیریں کہتے ہیں، چونکہ تکلیف بہت سخت تھی اس لیے علاج شروع کروایا گیا ڈاکٹر نے ٹیکے تجویز کیے، کمپاؤڈر روزانہ ٹیکہ لگانے گھر آتا، بھائی نے گلی میں کسی سے دو تین گالیاں سُن لیں جو خاصی قابل اعتراض تھیں، ایک دن بھائی کو مرض کی شدت کی وجہ سے بہت تکلیف تھی اوپر سے کمپاؤڈر ٹیکہ لگانے آگیا، بار بار ٹیکے لگنے کی وجہ سے بھی ڈرا ہوا تھا تو جب کمپاؤڈر ٹیکہ لگانے لگا تو تکلیف کی شدت کی وجہ سے بھائی کمپاؤڈر کو گالیاں دینے لگا جو اتفاقاً اباجی نے سُن لیں اور غصے کی شدت میں بھائی کو تھپڑ ماردیا جو سوئے اتفاق اسی طرف لگا جدھر تکلیف تھی زخم سے خون بہہ نکلا جسے دیکھ کر خود ازحد پریشان ہوگئے کمپاؤڈر نے خون صاف کرکے دوائی لگائی تو اباجی بھائی کو اُٹھا کر کافی دیر بہلاتے رہے الغرض جہاں معاملہ تربیت کا ہوتا ذرا جتنی بھی رعایت نہ کرتے بلکہ فوراً سبق سکھادیتے یہی وجہ ہے کہ یہ ایک تھپڑ کھانے کے بعد بھائی نے کبھی گالی نہیں دی۔

اباجی کا یہ اندازِ تربیت صرف اخلاق وکردار کے معاملہ میں ہی نہ تھا بلکہ عقائد ونظریات میں تربیت

کے اعتبار سے بھی نہ صرف یہ کہ بھرپور توجہ دی بلکہ کسی قسم کی کوتاہی و غلطی میں کسی بھی رعایت کی گنجائش نہ تھی، چند واقعات پردۂ ذہن پر آج بھی روشن ہیں۔ ہمارے گھر کے قریب بریلوی مکتبِ فکر کی مسجد ہے پیر عبداللہ شاہ، جب ہم چھوٹے تھے تو وہاں بھنڈارہ تقسیم ہوتا تھے چنے کی دال اور روٹی، محلے کے اکثر بچے لینے جاتے اور جب کھا کر آتے تو ہمارے سامنے بڑی تعریف کرتے کہ بڑے مزے کی دال ہوتی ہے ایک دن ہمیں بھی شوق چرایا اور ہم بہن بھائی بھی دوسرے بچوں کے ساتھ بھنڈارہ کھانے پہنچ گے اور خوب مزے لے لے کر بھنڈارے کی دال روٹی کھائی، جب گھر آئے تو ابا جی تک ہمارے بھنڈارہ کھانے کی اطلاع محلّہ کے کسی خیر اندیش کے ذریعے پہلے ہی پہنچ چکی تھی سو پہلے تو خوب ڈانٹ ڈپٹ اور کان کھنچائی ہوئی پھر ابا جی نے شرعی مسئلہ کی رو سے سمجھایا اور تاکید کی کہ آئندہ مت کھانا، سو ہم نے آئندہ کبھی بھی بھنڈارہ نہیں کھایا، ابھی میں نے چند دن پہلے دورانِ مطالعہ ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ بھنڈارہ اصل میں سکھوں کی مذہبی رسم ہے، مسلمانوں میں پتہ نہیں کہاں سے اور کیسے آ گئی اللہ کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ذات بابرکات نے ہمیں ایسی تمام برائیوں سے بچانے کا انتظام ہمارے ابا جی کے ذریعے فرما دیا، اسی طرح ایک دن ہم لوگ محلّہ کے دوسرے بچوں کی دیکھا دیکھی گیارہویں شریف کھانے پہنچ گئے ابا جی کو علم ہوا تو پھر کلاس لگی اور خوب لگی، ایک آدھ مرتبہ رجب کے کونڈے بھی کھائے لیکن پھر جب ابا جی کی مار نے کونڈا کیا تو الحمد للہ ایسے تائب ہوئے کہ آئندہ ایسی خرافات کا کبھی تصور بھی نہیں کیا، سکول میں ہماری کلاس میں ایک شیعہ لڑکی زیرِ تعلیم تھی، محرم کے دنوں میں کلاس کی لڑکیاں اس سے مرثیے سُنا کرتیں، اللہ پاک نے ہم بہن بھائیوں میں ذہانت تو الحمد للہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، جو چیز ایک مرتبہ سُن لیں ذہن میں محفوظ ہو جاتی ہے اور سمجھ اس وقت اتنی تھی نہیں سو ایک دن صحن میں بیٹھ کر خوب سُریں لگا لگا کر زور و شور سے مرثیے پڑھ رہی تھی کہ ابا جی نے آواز دی، میں جلدی سے بیٹھک کی طرف بھاگی، اندر پہنچی تو ابا جی بولے یہ کیا خرافات پڑھ رہی ہو اور کہاں سے سُنے ہیں، بڑے آرام سے بتایا کہ ابا جی مرثیے پڑھ رہی تھی، سکول میں ایک لڑکی سے سُنے ہیں ابا جی فرمانے لگے ان کا مطلب جانتی ہو میں نے بتایا کہ نہیں، تو ابا جی نے مجھے ان کا مطلب اور مقصد سمجھایا اور آئندہ ایسی خرافات سے اجتناب کی تلقین کی، اور صرف یہی نہیں بلکہ ہیڈ مسٹرس کو جن سے ہمارے گھریلو تعلقات بہت گہرے تھے گھر بلوا کر ان سے بھی بات کی کہ سکول میں ایسی باتوں کا خیال رکھا کریں بچیاں ان چیزوں سے متاثر ہوتی ہیں۔

سن ستر میں جب الیکشن ہوئے تو پیپلز پارٹی کے جلسوں میں ایک گانا کثرت سے سُنایا جاتا تھا، اس گانے میں نعوذ باللہ یہ الفاظ بھی تھے علی دا پہلا نمبر چھوٹا بھائی شاید اس وقت پانچ سال کا تھا اور بھانجا تقریباً

چھ سال کا انہوں نے بھی کہیں سے یہ بول سُن لیے جو زبان پر چڑھ گئے اباجی نے دونوں کی زبان سے جونہی یہ الفاظ سُنے، بے قرار ہوکر بولے ''نالائقو! علی دا چوتھا نمبر اے پہلا صدیق دا اے'' پھر سب بچوں کو پاس بٹھا کر بڑے اچھے طریقے سے یہ بات سمجھائی، چونکہ اباجی اگر ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے تو ساتھ سمجھاتے بھی بہت عمدہ طریقہ سے تھے اس لیے یہ مسائل بہت چھوٹی عمر میں ہی ہم لوگ خوب اچھی طرح سمجھ گئے اور اب الحمد للہ دوسروں کو بھی سمجھاتے ہیں۔

اباجی نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ ہم سب بہن بھائی اپنے عظیم اسلاف، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اولیائے کرام علمائے دین بالخصوص اکابرین علمائے دیوبند سے وابستہ رہتے ہوئے ان کی تحقیقات وتعلیمات پر پوری طرح یقین واعتماد رکھتے ہوئے دینِ متین کی خدمت کی ذمہ داری انجام دیتے رہیں اور کاروانِ حق کے اس جانباز قافلہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے تمام باطل عقائد نظریات کا رد کرکے مَا اَنا علیه واَصْحابی والے پاکیزہ اور بابرکت راستے پر گامزن رہیں اللہ رب العزت ہم سب بہن بھائیوں اوران کی تمام اولادوں کو اسی ہدایت والے راستے پر گامزن رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور تمام باطل فرقوں اور نام نہاد مذہبی سکالروں کے نئے نئے فتنوں سے محفظ فرمائیں آمین ثم آمین۔

ہمارے گھر کے سامنے ملک رہتے ہیں ان کے ہاں بھی ہمارا کافی آنا جانا ہے ان کا خاندان اباجی کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتا ہے، خصوصًا ملک ایوب صاحب مرحوم ومغفور تو اباجی سے اور ہمارے خاندان سے انتہاء درجے کی محبت وعقیدت رکھتے تھے، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائیں اور ان کے درجات بلند فرمائیں آمین ثم آمین۔

ملک ایوب صاحب کے بعد ان کی اہلیہ محترمہ جنہیں ہم آپا کہتے ہیں اور ان کے بچے بھی اس عقیدت ومحبت میں اپنے والد محترم کے نقش قدم پر گامزن ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں، اباجی کی وفات حسرت آیات ہوئی تو ان کے بیٹے ملک فاروق نے جو مولانا عبدالدیان صاحب مرحوم (آف پشاور) کے داماد ہیں اباجی کے ساتھ عقیدت ومحبت کے اظہار کیلئے تعزیتی پروگرام بھی کروایا ملک صاحب کی بیٹیاں بھی اسی جذبے سے سرشار ہیں۔ تین چار دن قبل ان کی بڑی بیٹی سے ملاقات ہوئی جو چھوٹی بہن کے ساتھ جہلم آئی تھی تو ہم نے مل کر اباجی کی بہت ساری یادیں دہرائیں، گزرے وقت کو یاد کیا جو الحمد للہ بہت اچھا گذرا، وہ کہنے لگی ہم بڑے فخر سے یہ بات کہتے ہیں کہ لوگ تو عام طور پہ مولویوں کو کھلاتے یعنی دیتے ہیں لیکن ہم نے مولویوں سے کھایا ہے، جب جس چیز کی ضرورت ہوتی بلا تکلف مولوی صاحب کے گھر سے جا کر لے آتے، اور یہ حقیقت ہے کہ گکھڑ میں ہمارے جتنے ملنے والے دوست احباب ہیں سب نے الحمد للہ ہمارے گھر کو

ہمیشہ اپنا گھر سمجھا، اور ہمارے اباجی اور دونوں امی جان نے بھی کبھی کوئی تکلف نہیں برتا نہ کبھی کسی چیز سے انکار کیا مغرب کے بعد تو عموماً ایسا ہوتا کہ کھانا تیار ہوتا اسی اثناء کوئی نہ کوئی خواتین آ جاتیں اور بلا کسی جھجک کے پوچھتیں، خالہ جی کی پکایا نیں؟، امی بتاتے چاول بنائے ہیں یا فلاں سالن پکا ہے، آئیں بیٹھ کے کھالیں تو وہ خواتین بلاتکلف بیٹھ کر پیٹ بھر کے کھانا کھا کر جاتیں، نہ کبھی امی نے یہ سوچا کہ کھانا کم پڑ جائے گا اور نہ ہی کبھی انہوں نے محسوس کیا اپنے گھر جیسی بات ہوتی تھی، اور اللہ کے فضل سے اتنی برکت ہوتی تھی کہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کبھی کھانا کم پڑا ہو، ملک صاحب کی بیٹی نے ایک واقعہ سُنایا اباجی کے حوالے سے، جو میں اسی کی زبان میں قارئین محترم کی نذر کر رہی ہوں۔

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے جب ہم ابھی چھوٹے تھے اور دونوں خالہ جی حیات تھے (محترم قارئین میرے دونوں امی جان گکھڑ والوں کے بڑے خالہ جی اور چھوٹے خالہ جی ہوا کرتے تھے، بنتِ صفدر) میری کزن نے بھینس کی بچھڑی پالی ہوئی تھی جو کافی بڑی ہو چکی تھی تو اتفاقاً وہ بیمار ہوگئی کچھ کھاتی پیتی نہیں تھی میری کزن مولوی صاحب کے پاس گئی اور ان کو بتایا کہ میری بھینس بیمار ہوگئی ہے کچھ کھاتی پیتی نہیں اس کیلئے کچھ دم وغیرہ کر کے دے دیں مولوی صاحب نے کہا کہ آٹا لے آؤ میں دَم کر دوں گا، وہ لینے آئی تو میری اس سے ملاقات ہوگئی میں نے پوچھا کہاں سے آ رہی ہو کہنے لگی بھینس بیمار ہوگئی ہے تو مولوی صاحب کے پاس گئی دم وغیرہ کیلئے تو انہوں نے کہا ہے آٹا لے آؤ میں دم کر دیتا ہوں تو میں آٹا لینے آئی ہوں مجھے شرارت سوجھی میں نے اس سے کہا ایسا کرو آٹا لے جانے کی بجائے بھینس ہی ساتھ لے جاؤ، آٹا تو تھوڑا سا ہوگا اور بھینس اتنی بڑی، مولوی صاحب بھینس پر پھونک ماریں گے اور اپنا ہاتھ اس پر پھیریں گے تو زیادہ اثر ہوگا (خیال رہے محترمہ خاصی خوش مزاج او زندہ دل واقع ہوئی ہیں ایسے چٹکلے اکثر چھوڑا کرتی ہیں [بنت صفدر]) وہ میری باتوں میں آ گئی، چونکہ ہمارے گھر کا دروازہ مولوی صاحب کے گھر کے بالکل سامنے ہے اس لیے ہم نے بھینس کی رسی پکڑی اور اسے لے کر سیدھی مولوی صاحب کے گھر کے اندر پہنچ گئیں، مولوی صاحب صحن میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے دوسری چارپائی پر دونوں خالہ جی بیٹھی ہوئی تھیں، بھینس دیکھ کر ایک دم گھبرا گئیں کہ یہ کہاں سے آ گئی، ہم نے کہا کہ ہم بھینس کو لے کر آئی ہیں دم کروانے کیلئے، یہ سُنتے ہی مولوی صاحب مسکرانے لگے دونوں خالہ جی بھی ہنسنے لگیں، اتنے میں بھینس نے گوبر کر دیا، میری کزن سخت پریشان ہوگئی کہ اب کیا ہوگا میں نے اسے تسلی دی کہ کچھ بھی نہیں ہوگا وہ کہنے لگی کہ دیکھو مولوی صاحب کے گھر میں کتنی برکت ہے کہ اندر داخل ہوتے ہی بھینس ٹھیک ہوگئی ہے بھینس کو قبض تھی تو اسی وجہ سے کچھ کھاتی پیتی نہیں تھی اب معدہ خالی ہوگیا ہے تو اب کھائے گی، خالہ جی نے اس کو پریشان دیکھا تو کہنے لگیں، کوئی بات

نہیں بیٹی گھبراؤ مت، ہمیں ویسے بھی گوبر کی ضرورت تھی کہ مٹی میں ملا کر صحن میں لپائی کرنی تھی، ہم بھینس لے کر مولوی صاحب کی چارپائی کے پاس جا پہنچیں کوئی اور ہوتا تو ہمیں ڈانٹ ڈپٹ کرتا، ناراض ہوتا کہ جاؤ بھاگو یہاں سے، میں نے دم کرنے کیلئے آٹا لانے کا کہا تھا بھینس لے کر آ گئی ہو، لیکن مولوی صاحب نے ہمیں کچھ بھی نہیں کہا ذرا بھی ناراض نہیں ہوئے بلکہ مسکراتے رہے بھینس کو دم بھی کیا اور اس پر ہاتھ بھی پھیرا جب اُس نے مجھے اپنی نوعمری کا یہ واقعہ گاہے روتے ہوئے گاہے ہنستے ہوئے سنایا تو میرے قلب و ذہن کی جو کیفیت تھی خدا ہی جانتا ہے۔

صرف ہم بہن بھائیوں کی تربیت ہی نہیں ہمارے بچوں کی تربیت کی طرف بھی اباجی کی پوری توجہ ہوتی تھی جب بھی گکھڑ آتے ان کی پڑھائی کے بارہ میں خاص طور پر پوچھا کرتے ہر ایک کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے گاہے بگاہے انعام سے بھی نوازتے، بچوں سے نماز کے بارہ میں پوچھتے نماز پڑھی ہے کہ نہیں نماز کی پابندی خصوصًا جماعت کی پابندی کی بہت زیادہ تاکید کیا کرتے بچوں کی کوئی بات کوئی حرکت خلاف شرع دیکھتے تو پہلے ڈانٹ ڈپٹ کرتے پھر بھی باز نہ آتے تو پٹائی بھی ہو جاتی، چھوٹے بھائی عبدالحق کی شادی تھی، سارے بچے جمع تھے، خوشی کا موقع تھا اس لیے سب سے بہانے بہانے سے پیسے بٹورتے اور خرچ کرتے، بارات چونکہ جمعرات کے دن تھی اس لیے اباجی نے ولیمہ جمعہ کے دن کی بجائے ہفتہ کے دن رکھا تاکہ تمام مولوی حضرات نمازِ جمعہ پڑھا سکیں ظاہر ہے مولویوں کی شادی تھی، تو بچوں کو کھیل کود اور خوشی کا ایک اضافی دِن مل گیا اباجی کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کے دن چھت پر چارپائی بچھوا کر بیٹھ جاتے ناخن تراشتے صرف اپنے ہی نہیں بچوں کے بھی چاہے اپنے بچے ہوتے یا دوسرے بچے جو کھیلنے کیلئے آئے ہوتے سب کے ناخن تراشتے اور پھر سب کو پیسے بھی دیتے، جمعہ کے دن حجام آتا صحن میں پردہ کروایا جاتا حجام چھت پر چلا جاتا اور اباجی اس سے حجامت بنواتے اُس دن بھی اباجی حسب معمول حجامت بنوا رہے تھے، بچے کھیل کود میں مصروف تھے، بچوں کی فوج ظفر موج کو شرارت سوجھی، اس فوج کے سپہ سالار سب سے چھوٹا بھائی راشد خان اور بڑے باجی کا بیٹا عدیل عمران شہید ہوتے تھے۔

عدیل عمران افغانستان میں خوست کے میدان روسی ریچھوں کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے صرف ساڑھے سترہ سال کی عمر میں شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہو گیا، اللہ پاک اس کی شہادت قبول فرمائیں، آمین

بچوں نے سارے پیسے جو بڑوں سے بٹورے تھے ملا کر ڈھیر سارے گیسی غبارے خریدے اور چھت پر جا کر فضا میں اُڑا دیے، اباجی چونکہ چھت پر ہی بیٹھے ہوئے تھے، ڈھیروں غبارے چھت سے اُڑتے

دیکھے تو سمجھ گئے کہ یہ بچوں کی شرارت ہے، آواز دے کر سب بچوں کو بلایا اور پوچھا کہ یہ کس کی حرکت ہے چونکہ سارے ہی شریک تھے اس لیے خاموش رہے، اباجی نے سب بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور فرمایا اتنے پیسے یوں ضائع کرنے کی بجائے تم لوگ راہ خدا میں کسی کو دے دیتے یا مسجد میں دے دیتے، بچوں کو سمجھایا کہ ایسی فضول خرچی اور پیسے کا ضیاع گناہ ہے۔

جب کسی موقع پر سب بچے گکھڑ جمع ہوتے تو اباجی کی خوشی کا عجیب ہی عالم ہوتا، خود ایک ایک سے کھانے کا پوچھتے کہ کھانا کھایا ہے یا نہیں بچوں کو پیسے دیتے، زندگی کے آخری چند سال جو آپ نے فالج کے اٹیک کی وجہ سے بستر پر گذارے آپ کی یہی خواہش ہوتی کہ بچے میرے آس پاس رہیں اور یہ پورا عرصہ باقی بچوں نے بھی حسب استطاعت وفرصت اباجی کے قریب رہنے کی کوشش کی لیکن چھوٹی بہن کی بچیوں نے اور چھوٹے بھائی عبدالحق کے بچوں نے تو گویا حق ادا کر دیا یہ بہن اور چھوٹا بھائی راشد خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہے بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ اباجی کی بیماری کے نو سالہ طویل عرصہ جتنی خدمت ان دونوں بہن بھائی نے کی ہے ہم میں سے کوئی بھی نہیں کر سکا، اللہ پاک ان کی خدمت کو قبول فرمائیں اور دونوں جہاں میں اجر عطا فرمائیں آمین ثم آمین۔ بیماری کے ایام میں بھی بچوں کی تعلیم اور تربیت سے غافل نہیں ہوتے تھے، میرا سب سے چھوٹا بیٹا حافظ عمیر ایک مرتبہ میرے ساتھ گکھڑ گیا تو اس سے پوچھا کیا پڑھتے ہو، اس نے بتایا کتابیں پڑھتا ہوں، پوچھا کس درجہ میں اس نے بتایا ثانویہ عامہ میں تو اس سے کہنے لگے کچھ وظائف وغیرہ بھی کرتے ہو، پھر اس کو کچھ وظائف بتائے کہ ان کو پابندی سے پڑھا کرو اور ساتھ تعلیمی کامیابی کی دُعا بھی دی۔

میں سوچتی ہوں کہ جب اباجی کی ساری اولاد اباجی کے پاس جمع ہوتی ہوگی تو اباجی دل سے یہ دُعا تو ضرور کرتے ہوں گے

پھلا پھولا رہے یارب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

اور میں سوچتی ہوں کہ اب جب ہم سب بہن بھائی اپنے اپنے بچوں سمیت اس گھر میں جمع ہوں گے، تو کس دل سے اور کیسے وہاں رہ پائیں گے، اکیس سال پہلے جب بڑے امی رُخصت ہوئے تو دل کو یہ سہارا تھا کہ چھوٹے امی ہیں اور جب ٹھیک ایک سال بعد چھوٹے امی بھی چلے گئے تو یہ ڈھارس تھی کہ اباجی ہیں، جب بھی جاتے اباجی کی محبتوں اباجی کی شفقتوں اور اباجی کی برکتوں سے جھولیاں بھر کے واپس لوٹتے، اللہ رب العزت سب بھائیوں کو لمبی عمر عطا فرمائیں دو جہاں کی عزت اور خوشیاں نصیب فرمائیں آمین ثم آمین۔

الحمدللہ سب ہی بہت اچھے ہیں بڑی محبت اور چاہت رکھتے ہیں لیکن وہ اباجی جیسی شفقت وہ اباجی جیسی فکر کون کرے گا؟، ابھی گذشتہ سال کی بات ہے میں گکھڑ گئی ہوئی تھی ہماری بھانجی بڑے باجی کی بیٹی کا میاں اور دو بچے گکھڑ آئے واپسی میں لالہ موسیٰ کے قریب ان کا ایکسیڈنٹ ہوا، بھانجی کا سات سال کا بچہ عکرمہ جو بہت ہی پیارا تھا، انتقال کر گیا، دوسرے دن صبح جنازہ تھا، چھوٹے بھائی راشد اور اس کی اہلیہ کا جانے کا پروگرام بنا تو میں نے بھی ساتھ ہی پروگرام بنا لیا، سفر رات کا تھا، اور اباجی رات کے سفر کے سخت خلاف تھے ہم نے کہیں جہلم آنا ہوتا تو حالانکہ ڈیڑھ گھنٹے کا راستہ ہے لیکن رات کا سفر ہوتا تو خفا ہوتے تھے اور شدید اصرار کرتے تھے کہ رات کو نہیں جاؤ صبح چلے جانا، یہ تو سفر بھی کافی طویل تھا، راشد کہنے لگا باجی اباجی سے اجازت آپ ہی لیں گی، مجھے تو ڈانٹ پڑ جائے گی، خیر میں بیٹھک میں گئی اباجی کو بچے کی وفات کا بتایا تو پہلے تو ایک دم شدید جھٹکا لگا کہ وہ بچہ صبح گکھڑ میں اباجی سے مل کر گیا تھا، پھر رونے لگے میں نے مانسہرہ جانے کی اجازت طلب کی تو پہلے تو صاف انکار کر دیا کہ اس وقت نہیں جانا میں نے عرض کی اباجی وہ بچی ہے (ہماری بھانجی کی شادی بہت چھوٹی عمر میں صرف چودہ سال کی عمر میں ہو گئی تھی) اور اس وقت شدید ترین صدمہ سے دوچار ہے ہمارا جانا ضروری ہے، ہم میں سے کوئی بھی نہ گیا تو اس کی دل شکنی ہوگی اور اسے دُکھ ہوگا، تھوڑی دیر سوچتے رہے پھر فرمایا اچھا چلے جاؤ، ساتھ ہی پوچھا گاڑی کون چلائے گا میں نے کہا اباجی راشد ہی چلائے گا بولے وہ گاڑی نہیں چلاتا ہیلی کاپٹر اُڑاتا ہے، (موصوف واقعی گاڑی جیٹ طیارے کی رفتار سے چلاتے ہیں ،ایک مرتبہ مجھے گوجرانوالہ شیرانوالہ باغ سے گکھڑ پندرہ منٹ میں لے کر آئے تھے) میں نے کہا اباجی میں خیال رکھوں گی پھر فرمایا، دھیان رکھنا گاڑی چلاتے ہوئے راستے میں سو نہ جائے میں نے پھر عرض کی انشاء اللہ ضرور دھیان رکھوں گی، جب ہم روانہ ہونے لگے تو مجھے بُلا کر فرمایا، گاڑی جہاں جہاں پہنچے گی مجھے فون پر بتلاتی رہنا اور ساتھ ہی شہروں کے نام بھی گنوا دیے، وزیر آباد، گجرات، لالہ موسیٰ، کھاریاں، جہلم، دینہ، سوہاوہ ،گوجرخان، مندرہ، رواٹ، پنڈی، ٹیکسلا، جس جگہ گاڑی پہنچے گی مجھے اطلاع دینا کہ ہم اس جگہ پہنچ گئے ہیں، بھتیجا حافظ احسن خدامی اباجی کے پاس تھا، سو پورا راستہ جس شہر سے گزرے میں احسن کو ایس ایم ایس کرتی رہی حتیٰ کہ اچھڑیاں پہنچ کر گھر میں داخل ہو کر میں نے ایس ایم ایس کیا کہ ہم الحمدللہ گھر پہنچ گئے، تب اباجی کو اطمینان ہوا، اور خود ساری رات پورے سفر میں جاگتی رہی تاکہ راشد کو بھی جگائے رکھوں، فجر کی نماز ہم نے راستہ میں پڑھی، اور جنازہ سے تقریباً ایک گھنٹہ قبل ہم پہنچ گئے۔

آج آنکھیں برس رہی ہیں دل رو رہا ہے اور میں سوچ رہی ہوں کہ اب ایسا خیال کون رکھے گا اب اس طرح فکر کون کرے گا؟

باغ باقی ہے باغباں نہ رہا — اپنے پھولوں کا پاسباں نہ رہا
کارواں تو رواں رہے گا مگر — ہائے وہ میر کارواں نہ رہا

ایسا محبت کرنے والا باپ، ایسی شفقت کرنے والا باپ، ایسے خیال رکھنے والا باپ، ایسی فکر کرنے والا باپ، بارہ بچوں کو حافظ قرآن بنانے والا باپ، بارہ بچوں کی ایسی اچھی تربیت کرنے والا باپ، ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کرے والا باپ، ان کیلئے دن رات دُعائیں کرنے والا باپ، مالی لحاظ سے ان کی فکریں دور کرنے والا باپ، میں ان کے کس کس وصف کو یاد کروں، میں ان کے کس کس احسان کا ذکر کروں، سوچتی ہوں ہم ان کی اتنی محبتوں کا ان کی شفقتوں کا ان کے احسانات کا حق کیسے ادا کر پائیں گے، اور پتہ نہیں ادا کر بھی پائیں گے کہ نہیں، قارئین کرام میری آپ سب سے التجاء ہے کہ ہم سب کیلئے دُعائیں کیجئے گا، اللہ رب العزت ہمیں توفیق عطا فرمائیں کہ ہم سب بہن بھائی اور ہمارے بچے اباجی کے نقش قدم پر چلیں ان کی پیروی کریں ان کیلئے صدقۂ جاریہ بنیں ان کی تعلیمات ان کی تحقیقات ان کی تربیت سے معمولی سے معمولی انحراف و نافرمانی سے بچیں ان کیلئے تلاوت کلام پاک کریں ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کیلئے دُعائیں کریں کہ یہی ہماری طرف سے ان کے حق کی ادائیگی کا ذریعہ اور طریقہ ہے۔ آمین ثم آمین

آخر میں چند اشعار اباجی کے نام جو شاعر نے لکھے تو غالبًا حضرت لاہوری رحمۃ اللہ کیلئے تھے لیکن اباجی کے علمی مقام بالخصوص جنازہ کی شان لحاظ سے اباجی پر بھی صادق آتے ہیں۔

اے دل ہے کس خیال میں غلطاں اِدھر تو دیکھ
اک عاشقِ رسولؐ کی شانِ سفر تو دیکھ
یہ وجہٗ اِتقاء ہے یہ ہے برکت علوم
شاہوں کی موت کو بھی یہ ملتا نہیں ہجوم
ایسا عظیم صاحب ایماں کہاں سے آئے
اس شان کا مفسّر قرآن کہاں سے آئے
سینوں میں سوزِ عشق و وفا عام کر گیا
تفویض جو ہوا تھا اِسے، کام کر گیا

❁......❁......✡......❁......❁

(۳)

حضرت اباجی مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ کی وفات صرف خاندان کے افراد کے لیے

ہی نہیں بلکہ سب دین دار لوگوں کے لیے صدمہ کا باعث ہے۔ حضرت ابا جی کی صوت اور یاد کسی لمحہ نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی بعض دفعہ بیٹھے بیٹھے خیال ہوتا ہے کہ ابا جی کی وفات کا معاملہ صرف ایک خواب ہے اور جیسے ان کی زندگی میں ان کو ملنے کے لیے گکھڑ جانے کا پروگرام بنایا جاتا تھا اب بھی خیالوں کی دنیا میں گکھڑ جانے کا پروگرام بناتی رہتی ہوں۔ کئی دفعہ گکھڑ جانا ہوا مگر ابا جی کو گھر میں موجود نہ پا کر آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ ابا جی کے ساتھ زندگی کے ایک ایک دن کی یادیں وابستہ ہیں جن تمام کو لکھنا بس کی بات نہیں۔

میرے ننھیال گکھڑ میں ہیں میری والدہ نے قرآن کریم کی تعلیم حضرت صاحب کے گھر میں بڑی امی سے حاصل کی۔ میری والدہ بتاتی ہیں کہ ہمارا حضرت صاحب کے ہاں بہت آنا جانا تھا۔ میرے ماموں ماسٹر بشیر صاحب حضرت صاحب کے بھائی بنے ہوئے تھے۔ اسی لیے حضرت صاحب تمام بچے بچیاں میرے ماموں ماسٹر صاحب اور ماموں اویس کو چچا جان اور میرے بڑے ماموں نذیر کو تایا جان کہتے تھے اور میری والدہ اور خالہ کو پھوپھو کہتے تھے۔ میں چھوٹی سی تھی جب بھی گکھڑ جاتی تو اپنی نانی یا امی یا والدہ سے یہ فرمائش کرتی کہ سڑک پار والے ماموں کے گھر جانا ہے۔ ہماری نانی کا گھر سڑک سے مغرب کی جانب تھا اور حضرت صاحب کا گھر دوسری طرف تھا اس لیے ہم ان کو سڑک پار والے ماموں کہا کرتے تھے۔ میں دن میں کافی دفعہ اصرار کرتی تو نانی یا امی عصر کے بعد وہاں لے جانے کا پروگرام بنا لیتیں۔ میرے ساتھ میرے بہن بھائیوں میں سے بھی کوئی نہ کوئی ہوتا تھا۔ اس لیے سڑک پار کر کے جب ملکوں کے مکان کی کھڑکیاں شروع ہوتی تو ہم دوڑ لگا دیتے اور پہلے ماموں کے گھر جانے کی کوشش کرتے کہ سب سے پہلے پردے کو کون ہاتھ لگائے گا۔ باہر والے دروازے پر بڑا سا بوری کا پردہ لگا ہوتا تھا۔ ہم جب بھی جاتے حضرت صاحب ہمارے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور ہماری والدہ اور والد کے بارہ میں پوچھتے اور دونوں مامیاں ہمیں بہت پیار کرتیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میں اپنی نانی کے ساتھ شام سے پہلے ماموں کے گھر پہنچی تو ماموں جان مغرب کی نماز کے لیے مسجد جا رہے تھے تو میں نے ماموں کو سلام کیا سلام کا جواب دے کر آگے چلے گئے تو بڑی مامی نے ماموں جان سے پوچھا کہ یہ لڑکی کون ہے۔ اس دفعہ میں کافی عرصہ بعد گئی تھی اور بڑی ہو جانے کی وجہ سے سر پر چادر بھی اچھی طرح لپیٹ رکھی تھی جب مامی نے پوچھا کہ آپ نے اس کو پہچانا ہے تو کہنے لگے کہ دیکھی دیکھی سی لگتی ہے تو مامی نے بتایا کہ یہ خدیجہ کی بلا ہے۔ ماموں جان واپس آئے اور سر پر ہاتھ پھیرا اور سب کا حال پوچھنے لگے۔ میں تو پرانے طور طریقے کے مطابق وہاں گئی تھی مگر قسمت کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ چھوٹی مامی نے جب مجھے اس دفعہ دیکھا تو مجھ پر اپنی نظر رکھ لی اور قارن صاحب کے لیے میرے رشتہ کا ارادہ کر لیا انہوں نے میرے تینوں ماموؤں اور دونوں مامیوں سے بات کی تو انہوں نے نہ صرف پسند کیا بلکہ میرے گھر والوں سے

رشتہ مانگنے کی ذمہ داری لے لی۔ میرے ماموں ماسٹر بشیر صاحب اور ماموں نذیر صاحب نے ہمارے گھر چکر لگانے شروع کر دیے کبھی میری سگی مامیاں آجاتیں ان کا دل یہی چاہتا تھا کہ رشتہ ہو جائے۔ میرے والد صاحب بھی کہتے کہ جب حضرت صاحب کے گھر سے رشتہ آیا ہے تو یہ ضرور ہو جانا چاہیے۔ میرے بڑے بھائیوں کو اعتراض تھا اور کچھ اور رشتہ داروں نے بھی پسند نہ کیا۔ جب بھی ماموں ماسٹر بشیر صاحب یا اور کوئی اس سلسلہ میں آتا تو میری والدہ یہی کہتیں کہ ''مولانا صاحب کا گھر دیکھتی ہوں تو انکار کو جی نہیں چاہتا اور جب یہ دیکھتی کہ بیٹی کی عمر چھوٹی ہے اتنے بڑے گھر کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکے گی تو پھر دل کرتا ہے کہ انکار کر دوں۔'' کچھ رشتہ داروں کو یہ اعتراض بھی تھا کہ بچی چھوٹی ہے اور قارن صاحب کی عمر بھی زیادہ ہے اور ان کی دوسری شادی ہے اس لیے کہ ان کی پہلے جہاں شادی ہوئی تھی انہوں نے عدالت کے ذریعہ طلاق لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ پھر چند لوگوں نے دونوں فریقوں کو بٹھا کر فیصلہ کیا۔ اس شادی سے قارن صاحب کا ایک بیٹا بھی تھا۔ فیصلہ کرنے والوں کی بات مان کر قارن صاحب نے بچہ لے کر طلاق دے دی تھی اور فیصلہ کرنے والوں نے جو مقدمے عدالت میں کر رکھے تھے ان کو واپس لینے کا فیصلہ کیا۔ ہمارے کئی رشتہ داروں نے دباؤ ڈالا کہ لڑکی کی عمر بھی چھوٹی ہے اور لڑکا بڑا بھی ہے اور دوسری شادی کرنے والا ہے اور اس کا بیٹا بھی ہے اس لیے اس رشتہ سے انکار کر دو۔ میری والدہ کہتی ہیں کہ اس وقت عجیب مشکل میں پھنسی ہوئی تھی ایک جانب اپنے بھائیوں اور شوہر کی مرضی ہے دوسری جانب بڑے بیٹوں اور بعض دیگر رشتہ داروں کا انکار کے لیے دباؤ ہے۔ ان ہی دنوں میں میری آدھورائے والی خالہ کے لڑکے ہمارے گھر آئے میری والدہ کچھ سوچ میں تھیں انہوں نے وجہ پوچھی تو والدہ نے ان کو بتایا کہ گکھڑ والے مولانا صاحب کے گھر سے رشتہ آیا ہے۔ میری خالہ کے لڑکے گکھڑ میں ماموں بشیر صاحب کے گھر میں رہ کر سکول اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرتے رہے تھے ان کو گکھڑ کے حالات کا علم تھا۔ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ مولانا صاحب کے گھر سے رشتہ آیا ہے تو وہ کہنے لگے خالہ تمہیں اور کیا چاہیے۔ لڑکی قسمت والی ہے جو اتنے بڑے گھر سے رشتہ آیا ہے۔ دین دار اور پڑھا لکھا گھرانہ ہے ایسے رشتے قسمت والوں کو ملتے ہیں۔ میری والدہ کو اسی خالہ کے گھرانے سے زیادہ مخالفت کا ڈر تھا مگر خالہ کے لڑکوں کی یہ باتیں والدہ کے ذہن میں اثر کر گئیں میری والدہ بھی اور ہم سب بھی خالہ کے لڑکوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں کہ اللہ ان کا بھلا کرے جنہوں نے میری والدہ کی تسلی کرا دی پھر والدہ نے اللہ کا نام لے کر رشتہ کے لیے ہاں کر دی۔

میرے سگے ماموں اور مامیاں جو رشتہ طے کرانے میں مولانا صاحب کے گھرانہ کے وکیل بنے ہوئے تھے وہ رشتہ طے ہو جانے پر بہت خوش ہوئے۔ مجھے بعد میں چھوٹی امی نے بتایا کہ حضرت صاحب اور

بچوں کے رشتوں پر بھی خوش ہوئے ہوں گے لیکن اس رشتہ پر بہت خوش ہوئے اور یہ کہتے کہ ہم بھانجی کو لے کر آئیں گے۔ میری والدہ اور والد صاحب کو حضرت صاحب نے منع کیا کہ کسی قسم کے تکلف میں نہ پڑیں کسی قسم کے سامان کی ضرورت نہیں ہے۔ اس رشتہ پر میرے والد صاحب بہت خوش تھے اور میری والدہ اور والد صاحب کی خوشی صرف اس لیے تھی کہ ہماری بیٹی کی وجہ سے ہمارا اس دینی گھرانہ سے تعلق زیادہ ہو جائے اور ہم کو دین نصیب ہو جائے۔

میرے والد صاحب جتنی قدر حضرت صاحب کی کرتے تھے اس کی مثال مشکل ہے۔ کچی پمپ والی یا اس کے آس پاس جہاں بھی حضرت صاحب کا درس ہوتا ضرور شامل ہوتے اور کبھی کبھی حضرت صاحب کو گھر لے کر آتے۔ رشتہ طے ہو جانے کے بعد بھی میری والدہ کی خواہش تھی کہ کچھ تاخیر ہو جائے تاکہ بیٹی کی عمر کچھ زیادہ ہو جائے، مگر دوسری جانب سے شدید اصرار تھا کہ جلدی شادی کر دی جائے اس لیے کچھ عرصہ بعد شادی ہوگئی اور سڑک پار والے ماموں میرے ابا جی بن گئے اور سڑک پار والے ماموں کا گھر میرا اپنا گھر بن گیا۔ شادی کے بعد میں نے ماموں کی بجائے ابا جی اور دونوں ممانیوں کو بڑی امی اور چھوٹی امی کہنا شروع کر دیا اس لیے کہ باقی بھی اسی طرح کہتے تھے۔

ابا جی گھر کے سربراہ تھے اور واقعی سربراہ تھے ہر چیز کا خیال رکھتے تھے۔ موسم کے مطابق بچوں کے جوتوں، سوئیٹروں اور کپڑوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اگر کسی بچے نے سردی یا گرمی میں جوتا نہ پہنا ہوتا تو اس کو سمجھانے کے ساتھ اس کی ماں کو بھی ڈانٹتے کہ بچہ ایسے کیوں پھر رہا ہے۔ رات کو سوتے وقت بستر دیکھتے کہ مہمانوں اور بچوں کو مناسب بستر دیے گئے ہیں کہ نہیں۔

ایک دفعہ میں صحن میں ہانڈی پکا رہی تھی اور صحن میں ہی چارپائی پر بیٹھ کر حضرت ابا جی قرآن کریم پڑھ رہے تھے میرا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ ابا جی مجھے دیکھ رہے ہیں۔ جب چارپائی سے اٹھ کر اپنی بیٹھک میں جانے لگے تو میرے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے ''کڑیے توں کامیاب ہوگئی ایں'' پھر مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں تجھے دیکھتا رہا کہ تم کتنی بوٹیاں ہانڈی پکاتے ہوئے کھاتی ہو۔ تو نے تو بوٹی چکھی بھی نہیں۔ مجھے تو یہ کہا اور چھوٹی امی سے کہنے کہ ''کڑی نے ہانڈی پکان تے بڑی محنت کیتی اے، بڑی محنت نال اس نے مسالہ بھنیا اے'' (اس لڑکی نے ہانڈی بڑی محنت سے پکائی ہے اور بڑی محنت سے مصالہ بُھنا ہے۔)

جب ہم گکھڑ میں رہتے تھے تو ہمیں وہ کمرہ ملا جو ابا جی کی بیٹھک کے اوپر تھا۔ ابا جی رات عشاء کیے بعد جلدی سو جاتے اس لیے کہ سحری کے وقت اٹھتے تھے۔ ہم اپنے کمرہ میں جاتے وقت جوتے اتار لیتے تھے تاکہ جوتوں کی آواز نیچے نہ جائے اور ابا جی کی نیند میں خلل نہ آئے۔

گھر میں لیٹرین چھت پر ہمارے کمرہ کے سامنے تھی۔ایک دفعہ حضرت ابا جی پیشاب کے لیے گئے تو میں نے نیچے سے دیوار کی سوراخوں سے دیکھا کہ حضرت ابا جی ہمارے کمرہ میں جا رہے ہیں۔ ہمارے کمرہ میں بچوں کے کھلونے ایک الماری میں پڑے تھے۔ مجھے ڈر لگا کہ ابا جی نے اگر کھلونے دیکھ لیے تو سختی آ جائے گی۔تھوڑی دیر بعد ابا جی نیچے آئے کوئی بات نہ کی میں سمجھا کہ جان بچ گئی ہے۔ جب میں نے اوپر جا کر کھلونوں کو دیکھا تو کئی کھلونے وہاں نہیں تھے اچانک میری نظر نیچے کوڑے کے ڈھیر پر پڑی تو وہاں کھلونے پڑے نظر آئے میں نے پڑھنے والی لڑکی سے کہا کہ وہ کھلونے اٹھا کر لاؤ۔ جب وہ اٹھا کر لائی تو ان کو دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی کہ ابا جی نے ربڑ کے کبوتر اور مرغ کو ذبح کر کے انکی گردنیں علیحدہ کر دی تھیں اور پھر کوڑے کے ڈھیر پر ان کو پھینک دیا تھا۔اس وقت تو مجھے کچھ نہ کہا بعد میں مجھے سمجھانے لگے کہ جاندار کا مجسمہ رکھنا جائز نہیں اس لیے میں نے تمہارے کمرہ سے ان کو توڑ کر نیچے پھینک دیا تھا۔

ابا جی ہمارے ساتھ اور ہم ابا جی کے ساتھ کبھی کبھی مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔ابا جی ہمارے گھر میں آئے تو ایک دن بچوں نے مل کر ابا جی کو نہلا کر کپڑے پہنائے اور سر اور داڑھی کی کو تیل لگا کر کرسی پر بٹھایا میں نے کہا ''ابا جی! اج تے تسی لاڑے بن گئے او'' (آج تو آپ دولھا بن گئے ہیں۔) یہ سن کر ابا جی فرمانے لگے ''فیر لاڑی کتھے اے؟'' (پھر دلہن کہاں ہے؟)

اسی دوران ایک دن قارن صاحب سبق پڑھانے کے لیے گئے تھوڑی دیر بعد سبق پڑھا کر واپس آئے میں نے ابا جی سے کہا ''ابا جی! ویکھو اے سبقیاں پڑھا کے آ گئے جے!'' (یہ چھوٹے چھوٹے سبق پڑھا کر آ گئے ہیں!) تو ابا جی کہنے لگے ''اے سبقیاں نیں؟ کسے توں جا کے پچھ اے کس طرح دے سبق نیں؟'' (کسی سے جا کر پوچھ کہ یہ کیسے سبق ہیں) پھر کہنے لگے ''ایہدے واسطے واقعی سبقیاں نیں'' (اس کے لیے واقعی یہ معمولی سبق ہیں۔)

ایک دفعہ ہم سب ابا جی کو دبا رہے تھے میں نے پوچھا ابا جی آپ کے بچوں میں سے سب سے شرارتی کون تھا۔تو قارن صاحب کی جانب اشارہ کر کے کہنے لگے ''ایہہ'' پھر کہنے لگے ''ایہہ کم وی سب توں ودھ کردا سی'' (یہ کام بھی سب سے زیادہ کرتا تھا۔)

حضرت ابا جی بہت ہی زیادہ دیانت دار اور امانت دار تھے۔قارن صاحب کی عادت تھی کہ وہ اپنی تنخواہ لے کر ابا جی کو دیتے اور ابا جی ان میں سے ہمارے خرچہ کے پیسے کاٹ کر باقی اپنے پاس جمع کر لیتے۔ جب ہم گکھڑ سے پہلی بار گوجرانوالہ کرایہ کے مکان میں آئے تو ایک دن حضرت ابا جی گھر آئے اور قارن صاحب سے کہنے لگے کہ تم کل چھٹی لے کر گکھڑ آ جانا اور صبح جلدی ہی آ جانا۔ یہ کہہ کر ابا جی چلے گئے۔ ہم

پریشان تھے کہ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ قارن صاحب کہنے لگے مجھے کہیں بھیجنا ہوگا یا گھر کا کائی ایسا کام ہوگا جس میں میرا حاضر ہونا ضروری ہوگا۔ اگلے دن صبح قارن صاحب گکھڑ چلے گئے۔ شام کو جب واپس آئے تو ہنس رہے تھے اور خوش تھے میں نے پوچھا تو کہنے لگے ابا جی نے مجھے کہا کہ نت کلاں کے پاس اپنی جان پہچان والے لوگ زمین بیچ رہے ہیں تم بھی لے لو!۔ قارن صاحب کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں تو ابا جی نے کہا کہ ''تم جو پیسے مجھے دیا کرتے تھے اس میں تمہارے خرچہ کے بعد جو پیسے بچ جاتے تھے وہ میں جمع کر لیتا تھا تمہاری اتنی رقم میرے پاس ہے یہ رقم لو اور پٹواری کو ساتھ لے کر ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور وزیر آباد جا کر ان کو رقم دے کر زمین کی رجسٹری کرا لو!'' قارن صاحب کہتے ہیں کہ مجھے حیرانگی بھی ہوئی اور خوشی بھی ہوئی۔

جب ہمارے کرایہ والے مکان کی چھت گر گئی، ابا جی کو پتہ چلا تو حکم دے دیا کہ آج ہی بچوں کو گکھڑ پہنچاؤ!۔ ہم پھر گکھڑ چلے گئے اور وہاں مسجد کی جانب سے رہائشی مکان تیار ہونے تک رہے۔ اس دوران بھی قارن صاحب اپنی تنخواہ ابا جی کو دیتے۔ جب ہم دوبارہ گوجرانوالہ آنے لگے تو ابا جی نے مجھ سے پوچھا ''کُڑیے کوئی ضروری چیز لینی اے؟'' (کیا کوئی چیز ضرورت کی لینی ہے؟) تو میں نے کہا ابا جی گرمی ہے فریج کی ضرورت ہے۔ ابا جی نے قارن صاحب کو بلایا اور اپنی ڈائریاں ان کے سامنے رکھ کر کہنے لگے کہ تمہاری دی ہوئی رقم میں سے اتنی رقم میرے پاس محفوظ ہے۔ ''ایہہ کُڑی کہندی اے فریج دی ضرورت اے تے ایناں پیسیاں دی فریج لے لینا ایہہ پیسے کسی ہور پاسے نہ خرچ کریں'' (یہ کہہ رہی ہے کہ فریج کی ضرورت ہے اس لیے ان پیسوں کو کسی اور طرف خرچ کرنے کی بجائے ان کی فریج لینا) جب قارن صاحب ابا جی کی بیٹھک سے باہر نکلے تو مجھے کہنے لگے کہ تو نے عدالت کو پہلے ہی اپنے حق میں فیصلہ کا قائل کر لیا ہے۔

جب ہم گکھڑ رہتے تھے اس وقت حضرت ابا جی نے میری الماری سے میری اشعار والی کچھ کتابیں اٹھائیں اور وفات سے کچھ عرصہ پہلے کہنے لگے کہ تمہاری کتابیں میرے پاس ہیں وہ لے لو۔ مجھ ان کی دیانت اور ان کے حافظہ پر بہت تعجب ہوا۔ جس آدمی نے اپنی اولاد کے ساتھ اس طرح کا حساب و کتاب رکھا ہو وہ بھلا کسی دوسرے کے مال کی طرف کیسے نظر کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں اس دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حضرت ابا جی کی دعا میں بہت اثر تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت آئی جو کھاتے پیتے گھرانے کی تھی اس کا خاوند تبلیغی جماعت کے ساتھ گیا تو اس نے داڑھی رکھ لی۔ اس عورت نے قیامت بپا کر دی اور اسے طلاق کا تقاضہ کر دیا۔ وہ عورت حضرت ابا جی کے پاس آئی کہ میرے خاوند سے کہو کہ یا داڑھی منڈوائے یا مجھے

طلاق دے دے اباجی نے اس کو بہت سمجھایا پھر ہمیں آواز دی ہم باروچی خانہ میں کام میں مصروف تھیں۔ ابا جی ہمیں کہنے لگے کہ اس کو ذرا سمجھاؤ۔ ہم اس کو اپنے پاس لے گئیں اور سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگی کہ کیا تمہارے میاں کی داڑھی ہے؟ تو میں نے کہا ہاں ان کی داڑھی ہے۔ پھر اس نے بھائی جان ماجد صاحب کی اہلیہ سے پوچھا تو اس نے بھی کہا کہ میرے میاں کی بھی داڑھی ہے تو وہ بھاگ کر اباجی کی بیٹھک میں چلی گئی کہ یہ مجھے کیا سمجھائیں گی ان کے اپنے میاں داڑھی والے ہیں۔ اسوقت اباجی نے دعا کرتے ہوئے کہا یا اللہ! اسکو سمجھ اور سکون عطا فرما، وہ عورت چلی گئی کچھ دنوں کے بعد آئی تو وہ بالکل مطمئن تھی ہم نے اس سے پوچھا تو کہنے لگی جب میں یہاں سے ہو کر اپنے گھر گئی تو میرے دل کو اطمینان ہو گیا اور میرے دل نے مجھے کہا کہ جب اس نے سنت رسول ﷺ رکھی ہے تو میں اس کو منڈوا کر کیوں گنہگار بنوں۔ میں نے یقین کر لیا کہ یہ اباجی کی دعا کا اثر تھا۔ جب ہم نے اپنے بیٹے عمر کی شادی کی اور بارات سے واپسی پر ہم دلہن کو گکھڑ اباجی کے پاس لے کر گئے اباجی نے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں، میں نے اباجی سے کہا ''اباجی ان کے لیے دعا کریں'' تو اباجی نے کہا ''اللہ تعالیٰ اس کو تیرے حق میں اچھا بنائے اور آپس میں سلوک سے رہنے کی توفیق دے۔ اباجی کی دعا کا نتیجہ ہے کہ وہ بہو ہمارے حق میں ماشاءاللہ بہت اچھی ہے۔ اللہ بری نظر سے بچائے۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ یہ اباجی کی دعا ہی کا اثر ہے۔ اباجی کی کون کون سی بات لکھی جائے۔ وہ گھر کے سربراہ بھی تھے۔ مہربان بھی تھے، شفیق بھی تھے ان کی وجہ سے سب گھر والوں کو بڑا حوصلہ ہوتا تھا۔ آج ان کی یادیں دل میں ہیں اور ان کی صورت نظر کے سامنے پھرتی رہتی ہے۔ ہم ان کی دعاؤں سے محروم ہو گئے اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے اللہ کے ہاں بہترین مہمانی کا لطف اٹھا رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد کو ان کے بتائے ہوئے راستہ پر ہی چلنے کی توفیق عطا فرمائے اسی کے ساتھ میں اپنے مضمون کو ختم کرتی ہوں۔

(۴)

آہ! وہ دن کتنا سہانا تھا جب مجھے حضرت امام اہل سنت شیخ الحدیث، میرے استاد و مربی کی خدمت میں حاضری نصیب ہونے کا مژدہ سنایا گیا۔ اب بھی اس نعمت عظمیٰ پر رب کریم کے حضور سر بسجود ہو کر کلمۂ شکر ادا کرتی ہوں مگر اس دل حزیں و غمگیں کا کیا کیجیے کہ اس سے بے اختیار آہ نکل گئی۔

میں حضرت کی عزیزہ تو تھی ہی مگر دور رہائش کے باعث قبل ازیں حضرت کے خانۂ اقدس کے روح پرور نظاروں سے محروم تھی۔ اور اب تو اک عالم باعمل، فخر المحدثین، رئیس المدرسین کی شاگردی کا اعزاز

احاصل ہونے والا تھا۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

بزرگ علماء کے حالات جاننے کا شوق والدہ محترمہ سے ودیعت ہوا تھا وہ بڑے اہتمام سے صحابہ واکابرین کے واقعات سنا سنا کر ہمارے دل ان کی محبت سے لبریز کرنا چاہتی تھیں اور بحمد اللہ اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئیں۔

الغرض جب میں نے پہلی مرتبہ حضرت کے حجرۂ مبارکہ میں قدم رکھا تو سلام عرض کیا، میرے ساتھ حضرت کی صاحبزادی تھیں، پھر ہم دونوں بیٹھ گئیں، حضرت نے میرے ناخنوں کی جانب اشارہ کر کے فرمایا ''یہ کیا ہے؟'' عرض کیا مہندی، پھر فرمایا ''کیا واقعی مہندی ہے؟'' (بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت نے ناخن پالش کے شبہ کی وجہ سے دریافت فرمایا تھا۔) کافی دیر میرے منہ سے بات نہ نکلی، بمشکل تمام پھر عرض کیا جی! بس اس کے علاوہ کوئی بات مجھ سے نہ ہوسکی، حضرت نے اہل خانہ کا حال دریافت کیا جی، جی کے لفظ سے جواب دیتی رہی۔ دوبارہ سلام عرض کیا اور ہم باہر آ گئیں، باہر آتے ہی میں نے گویا رکا ہوا سانس بحال کیا، پسینہ صاف کیا، خوشی سے لبریز مگر ابھی بھی رُعب کا اثر ہونے کے باعث دل مٹھی میں بند محسوس ہوتا تھا، اک عالم کے علم کا رعب، اک شیخ کے دربار میں حاضری تھی مجھ جیسے بے مایہ شخص کا یہی حال ہونا چاہیے تھا سو ہوا۔ پھر تو تقریباً ہر ملاقات پر دین اسلام کا کوئی گُہر کوئی موتی نایاب دستیاب ہوتا، حضرت کو رب العزت کی جانب سے ودیعت کردہ اوصاف وکمالات کا مشاہدہ ہوتا رہا، شاگردوں اور اعزہ واقربا کی اصلاح ہمیشہ مدِّ نظر ہوتی تھی، خصوصاً اولاد اور شاگردوں کی معمولی حرکات وسکنات پر گہری نظر ہوتی۔

''رب کریم کی جانب سے آپ کو جو کمالات ودیعت ہوئے تھے ان میں سے چند ایسے ہیں جن کی مثال محال ہے۔

نظام الاوقات کی پابندی، شریعت مطہرہ پر عمل کے لیے پوری مستعدی وجانفشانی، اپنے لمحات کو لغویات سے بالکل محفوظ رکھنا اور اس کے ساتھ ہی مخلوقِ خدا کے لیے وقت نکالنا حیرت انگیز ہے، اسے کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ الاستقامة فوق الكرامه

آپ کی زندگی کا تھوڑا بہت مشاہدہ قریب سے جو میں نے کیا، وہ آپ کی صحت کا زمانہ تھا، ادھیڑ عمر تھی، نظام الاوقات پر گرفت بفضلہٖ تعالیٰ اس طرح مضبوط تھی کہ ایک منٹ ادھر اُدھر نہیں ہوتا تھا، معلوم ہوا ہے کہ جب آپ درس کے لیے مسجد میں یا سبق کے لے مدرسہ میں تشریف لے جاتے تو لوگ اپنی گھڑیاں درست کر لیتے تھے۔

آپ کے یومیہ معمولات کو مدنظر رکھ کر ہمیں اپنے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہمارا کتنا وقت ضائع

ہوتا ہے؟ اور یہی ضائع ہونے والے اوقات شاید روزِ قیامت حسرت کا باعث ہونگے۔ **اللھم احفظنا.**

موسم گرم ہو یا سرد، بہار ہو یا خزاں! آپ غسل کر کے تہجد پڑھتے اور خوب طویل تہجد اطمینان سے ادا فرماتے، نمازِ تہجد مکمل ہوتے ہی تلاوت شروع فرما دیتے، پھر فجر کی سنتیں اور ناشتہ ہوتا، معلوم نہیں دوبارہ وضو فرماتے تھے یا نہیں، ہم لوگ تو آپ کو کمرے سے نکلتے ہوئے دیکھتے، کہ سفید لباس، سفید عمامہ، سیاہ بوٹ زیب تن کیے کتاب ہاتھ میں پکڑے اپنے کمرے کو قفل سے مقید کر کے اس کے اوپر شاپر لپیٹتے (تاکہ بارش سے محفوظ رہے) الصلوۃ الصلوۃ کی بارعب صدا بلند کرتے مسجد تشریف لے جاتے، وہاں نماز کی امامت کے ساتھ تین دن قرآن مجید، تین دن حدیث شریف کا درس دیتے اور وقتاً فوقتاً سامعین کا امتحان بھی لیا کرتے، پھر مسجد میں مہمان ملاحظہ فرماتے کہ کوئی مہمان تو نہیں! دستیاب ہوتا تو گھر لے آتے، مہمان کو بیٹھک میں بٹھاتے جس کا دروازہ ڈیوڑھی کے اندر ہے، ڈیوڑھی سے صحن میں قدم رکھتے ہوئے بڑے باوقار انداز میں السلام علیکم کی مسنون صدا بلند ہوتی، باورچی خانہ کے دروازے پر پہنچ کر اہلِ خانہ کو مہمان کی آمد کی اطلاع دیتے، اور مہمان زیادہ ہوتے تو تعداد بتاتے، اہل خانہ کی دلجوئی کے لیے ایک دو جملے ادا کرتے اور اپنے کمرے میں تشریف لے جاتے، تازہ وضو کرتے، تیار ہو کر باہر نکلتے، اسی طریقہ پر کمرہ بند کرتے، صحن میں کھڑے ہو کر اہل خانہ سے سوال ہوتا آج کیا پکانا ہے اور کیا کیا منگوانا ہے؟ اس کے مطابق رقم دیتے اور اور پھر سلام مسنون کی سنت ادا کرتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لے جاتے۔

جامعہ نصرۃ العلوم سے آپ کے اس تدریسی سفر کے لیے گاڑی مع ڈرائیور دستیاب تھی، اسی پر مدرسہ تشریف لے جاتے، واپسی کا سفر بھی اسی پر ہوتا، اس کے ڈرائیور کا ناشتہ آپ کے گھر ہوتا۔

واپسی پر گھر میں داخل ہوتے وقت پھر وہی سلام کی سنت ادا ہوتی، کبھی مسکراتے ہوئے برآمدے میں بچھی کرسی پر براجمان ہوتے اور تمام اہل خانہ آپ کے گرد جمع ہو جاتے، سب کا حال احوال دریافت فرماتے، تھوڑی دیر یہ محفل رہتی پھر اخبار کا مطالعہ کرتے، کھانا لانے کا اشارہ دیتے ہوئے اپنے کمرے میں تشریف لے جاتے، بعض دنوں میں گھر میں قدم رکھ کر سلام کے بعد کھانے کا حکم دیتے ہوئے اپنے کمرہ میں تشریف لے جاتے، کھانا کھا کر کلی وغیرہ حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے، ظہر کے وقت دروازہ کھلتا، نماز باجماعت سے فراغت کے بعد اپنے کمرے میں بچھے جائے نماز پر بیٹھ جاتے، عشاء تک سوائے نمازوں کے اوقات کے اسی مصلے پر قبلہ رخ بیٹھے رہتے، اس دوران اول تلاوت قرآن مجید پھر حدیث شریف کا مطالعہ فرماتے رہتے، آپ کے سامنے لکڑی کا ایک بینچ (تپائی) رکھا ہوتا جس پر قرآن مجید کتب وغیرہ رکھتے، اسی دوران مہمانوں سے ملتے اور دم تعویذ والے بھی آتے رہتے، (جو لوگ آپ سے ملاقات

کے لیے حاضر ہوتے اکثر اُن سے چار سوالات ضرور کرتے، [۱] نام کیا ہے؟۔ [۲] کہاں سے آئے ہیں / گھر کہاں ہیں؟۔ [۳] کیا کرتے ہیں؟۔ [۴] والدین زندہ ہیں یا نہیں، اگر زندہ ہیں تو کیا کرتے ہیں؟۔) مہمانوں کے متعلق بہت حساس تھے، ان سے بڑی ہی خندہ پیشانی سے خیریت دریافت فرماتے، قریبی تعلق داروں سے باقی اعزہ وقارب کا نام لے لے کر حال دریافت فرماتے، عادت آپ کی یہ تھی کہ اہل خانہ سے مہمانوں کی مدارت کے متعلق تفصیل دریافت فرماتے، اور پھر مہمانوں سے بھی خوردونوش اور آرام وغیرہ کے متعلق پوچھتے، پھر ان کی خاطر مدارت کا احوال سن کر مسرور ومطمئن ہوتے، اعزہ کو وداع کرتے وقت نقد یا کپڑے وغیرہ ضرور ہدیہ دینے کا معمول تھا، اپنے گھر میں سادگی سے گزارا ہوتا اور مہمانوں سے ایسا رویہ ہوتا گویا شاہی خزانہ دستیاب ہے۔

بعد نمازِ عصر بچیوں کی ایک جماعت آپ سے چند اسباق پڑھتی تھی، اسباق کی تعداد کبھی تین اور کبھی چار ہوتی، بچیاں چھ سات کی تعداد میں ہوتیں، بتایا جاتا ہے کہ 25 سے 45 منٹ تک حضرت ان اسباق کو اس طرح نمٹاتے کہ کم از کم دو مضامین کا سبق تمام طالبات سے سنتے بھی تھے، یہ آپ کی کرامت اور فی سبیل اللہ اپنے آپ کو وقف کر دینے کی برکت تھی کہ اتنے کم وقت میں یہ تمام اسباق بخوبی نمٹ جاتے، بعد مغرب طعام، اہل خانہ سے ہلکی پھلکی گفتگو، بعد نماز عشاء فوری آرام فرماتے۔''

خواب کی تعبیر کے فن میں بھی آپ اپنے ہم عصر علماء سے ممتاز تھے، ایک مرتبہ شعبہ حفظ کی طالبات میں سے ایک نے (جو حضرت کی بڑی اہلیہ کے پاس حفظ کر رہی تھیں) مجھ سے بات کی کہ میں خواب کی تعبیر پوچھنا چاہتی ہوں لیکن اپنا حوالہ نہیں دینا چاہتی! میں نے کہا کیا مطلب؟ میں حضرت کے سامنے جھوٹ بولوں؟ کہنے لگیں نہیں! یہاں خواتین آتی رہتی ہیں، میں بھی تو عورت ہوں آپ یہ عرض کر دیں کہ ایک خاتون کا خواب ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے بتائیں! اس نے بتایا کہ ''میری تائی امی وفات پا چکی ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ آتی ہیں اور مجھے ساتھ لے کر کسی جانب چل پڑی ہیں، رستے میں میدان وغیرہ آتے ہیں اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے دوڑاتی ہوئی لے جا رہی ہیں، رستے میں ایک شخص ہمارے سامنے آیا، غالباً اس نے میرے دائیں ہاتھ میں کیل ٹھونکے مجھے درد وغیرہ بالکل نہیں ہوا، پھر ہم لوگ اسی طرح تیزی سے چل پڑیں پھر ایک اور شخص نمودار ہوا اور اس نے میرے ہاتھ پر سکے رکھے (اس طرح انہوں نے شاید کچھ اور بھی بیان کیا) پھر میری آنکھ کھل گئی۔'' اب ہم جتنی تعداد وہاں بیٹھی تھی، اس کا خواب سن رہی تھی سخت پریشان ہوگئی، ہمارا مشترکہ خیال یہ تھا کہ ''ان صاحبہ کی موت قریب ہے، انہیں تیاری کر لینی چاہیے'' اگرچہ مومن اور مومنہ کو ہر وقت تیار رہنا چاہیے لیکن ہم غفلت میں پڑے لوگ بوڑھے بھی ہو جائیں مزید زندگی پر ہی یقین

رکھتے ہیں۔

الغرض میں ڈرتی جھجکتی حضرت کے پاس گئی، ڈر یہ تھا کہ اگر پوچھ لیا کہ وہ عورت کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ تو کیا ہوگا! خیر میں نے خواب عرض کیا، شیخ رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی خاص مسئلہ پوچھا جاتا تو سن کر سر جھکا لیتے چند لمحات یا منٹ بعد سر اٹھاتے اور جواب دیتے، اسی طرح انہوں نے سر جھکا لیا، پھر سر اُٹھایا اور فرمایا ''جس نے خواب دیکھا ہے وہ لوگ مستری ہیں عنقریب فرنیچر کا کام کریں گے اور انہیں اس میں نفع ہوگا۔'' میں حیران رہ گئی، واپس گئی تو تمام طالبات دم سادھے منتظر تھیں میں نے ہنستے ہوئے تعبیر بتائی اور دریافت کیا تو ان طالبہ نے کہا ''واقعی ایسا ہے ہم لوگ مستری ہیں فرنیچر کے کام کا ارادہ ہے۔''

میں نے خود کئی مرتبہ اپنے خواب کی تعبیر پوچھی، ہر مرتبہ ایک اچھوتا تاثر پایا۔ دو بار خواب بتایا تو فرمایا یہ خیالات ہیں۔ ایک بار بتایا تو بہت پریشان ہوئے اور فرمایا ''بیٹا! اچھا نہیں۔'' عرصہ بعد پھر میں نے یکے بعد دیگرے دانت گرنے کے متعلق بتایا تو صرف ایک جملہ ایسا ارشاد فرما دیا کہ ان شاء اللہ مرتے دم تک مجھے کوئی خواب پریشان نہیں کرے گا۔ خواب سن کر کچھ سکوت کیا اور پھر فرمایا

''بیٹا! جو ہونا ہوتا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے!''

بس ان الفاظ کی تاثیر تھی اور رب کریم کا خصوصی فضل کہ میرے دل سے ساری پریشانی دور ہوگئی، اس کے بعد تعبیر ظاہر بھی ہوئی، میرے قریبی اعزہ میں بعض لوگ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے مگر اللہ نے مجھے اطمینان نصیب فرمایا۔

ایک مرتبہ حضرت کے ایک صاحبزادہ نے کوئی خواب دیکھا تو کسی دوست کے ذریعہ تعبیر پوچھی تو شیخ رحمہ اللہ نے سکوت فرمایا، بعد میں جب وہ صاحبزادے سامنے آئے تو ان سے فرمایا کہ ''تم نے جو خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر یہ ہے۔''

آپ کی طبیعت میں حس مزاح بھی خوب پائی جاتی تھی، اسباق میں طلبہ بوریت محسوس نہ کرتے تھے، عمومی معاملات میں اکثر چھوٹے چھوٹے جملے ایسے کہہ دیا کرتے، مثلاً ایک بار مجھ سے پانی طلب کیا اس وقت مجھے حضرت کی خدمت میں تھوڑا عرصہ ہوا تھا، میں نے عام گلاس میں پانی پیش کیا، گلاس کو ہاتھ میں پکڑ کو اسکی طرف غور سے اور مسکراتے ہوئے دیکھ کر فرمایا ''حصہ بقدر جثہ'' میں نہ سمجھی، آپ نے پانی نوش فرمایا اور مزید پانی مانگا، میں نے پھر لا دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کا خاص گلاس ہے جو تھوڑا سا بڑا ہے۔

ایک بار کھانا پیش خدمت کیا تو اسی طرح خصوصی مسکراہٹ ہونٹوں پہ لاتے ہوئے فرمایا ''کربلا یہاں سے کتنا دور ہے؟'' تب میں سمجھ گئی اور عرض کیا بہت دور ہے واپس دوڑتی گئی اور پانی لا کر پیش کیا،

کیونکہ پانی لانا بھول گئی تھی۔

استاذی ومربی کا تذکرہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہ رہا،مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم جیسے بے علم وعمل لوگوں کو مختصر لکھ کر علماء کرام کے قیمتی مضامین کے لیے جگہ چھوڑ دینی چاہیے،ایک واقع پیشِ خدمت کر کے اپنا مضمون سمیٹ دینا چاہوں گی۔

آخری بیماری کے دوران ایک مرتبہ میری حاضری ہوئی تو عرض کیا کہ ''اباجی!علماء کو عوام کی سفارش کی اجازت ملے گی،آپ ہم گنہگاروں کی سفارش کرینگے؟'' بڑی سنجیدگی سے فرمایا''اپنی بخشش بھی ہوتی ہے یا نہیں'' تین مرتبہ عرض کیا تینوں بار ایسے ہی فرمایا۔بہت مایوسی ہوئی۔کچھ عرصہ بعد پھر حاضری نصیب ہوئی،اس مرتبہ میں نے عرض کیا''اباجی!ایک حافظ دس افراد کی سفارش کرے گا،عالم اور شہید کتنے افراد کی؟''تو میری منشاء سمجھتے ہوئے ایسے ہاتھ ہلایا گویا میں ان میں سے نہیں ہوں،میں نے اپنے اوپر حضرت کی شفقت کے باعث جو بے تکلفی تھی اس کا سہارا لیتے ہوئے پرزور سے انداز میں فرمائش کی کہ''جب آپ کو اجازت ملے گی تو ہمیں بھی یاد رکھیں گے؟''تو وہی بات دہرائی''معلوم نہیں اپنی بخشش ہوتی ہے یا نہیں''میں نے بات جاری رکھتے ہوئے عرض کیا''اگر آپ کی بخشش ہوگئی اور اجازت مل گئی پھر تو یاد رکھیں گے نا؟''تو خاموشی اختیار فرمالی۔اللہ اکبر۔کس قدر عاجزی تھی؟چہ جائے کہ آج کل کے پیر تو مریدوں کا ٹھیکہ لے لیتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہ بخشوائیں گے۔اور یہ عظیم لوگ یتیمی اور کسمپرسی کی حالت میں،کھیلنے کی عمر میں والدہ اور دیگر عزیز واقارب سے جدائی اختیار کر کے پردیس میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتے،روکھی سوکھی پر گزارا کرتے ہوئے دین حاصل کر کے پوری جانفشانی سے دین کی خدمت کرتے ہوئے اپنی عمر گزار کر بھی اپنے متعلق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوئے اور انتہائی عاجزی اختیار کیے رہے۔ہم معتقدین،شاگردوں،مریدوں کے لیے ایک اسی بات کو ذہن نشین کر لینے سے کافی اصلاح ہوجائے گی۔

رب العزت ان کے درجات بلند فرمائیں،انبیاء صدیقین،شہداء،صالحین کی معیت نصیب فرمائیں،ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور ہم گنہگاروں کو ان کے طفیل ان کے قدموں میں جگہ عطا فرمادیں،حسن خاتمہ فرمادیں۔

اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه......

اللھم ارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

ہے دعا میری یارب یہ چمن باقی رہے
شمع دیں جلتی رہے محفل رہے ساقی رہے

(۵)

عجب قیامت کا حادثہ ہے اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

ٹرن ٹرن ٹرن......فون کی گھنٹی رات کے دوسرے پہر چیخی آنکھیں ملتے ہوئے دھڑکتے دل کے ساتھ فون اٹھایا تو کانوں میں آواز آئی...... ''ابا جی چلے گئے''......فوراً زبان سے انا اللہ پڑھا اور اپنی چیخوں پر اختیار نہ رہا میرے ابو جی اور دونوں چھوٹی بہنیں بھاگتے ہوئے آئے پوچھنے لگے، کیا ہوا ہے؟ ابو جی نے میرے ہاتھ میں ریسیور پکڑا دیکھا تو انہیں کسی انہونی کا احساس ہوا ابو جی نے فون پر بات کرنی شروع کی جبکہ میری بہنوں کے پوچھنے پر میرے منہ سے صرف ابا جی، ابا جی نکلا تو وہ سمجھ گئیں ہم پر قیامت کی گھڑی آئی ہے۔

ذکر سے جن حادثوں کے سانس رکتی تھی کبھی
وقت کی مجبوریوں میں سب گوارا ہوگئے

ان لمحوں کو سوچ کر جب اپنے ابا جی کو چارپائی پر خاموش لیٹا دیکھیں گے۔ وہ ہاتھ جو ہمارے جانے پر بے اختیار اٹھتے اور ہمیں تھام لیتے وہ کمرہ جس کے مکین کی روشن آنکھیں ہمہ وقت اپنے پیاروں کو دیکھ کر مزید روشن ہو جائیں وہ ہونٹ جب ہمیں بوسہ دیتے تو ہمارے دلوں میں ٹھنڈک سرایت کر جاتی کیا واقعی اب بہت سکون سے اور گہری نیند سو گئے ہیں اپنی سوچوں کو لگام دیتے ہوئے رختِ سفر باندھا جب اپنی جان سے پیاری ہستی کو خاموش و پرسکون، ہر فکر سے آزاد، چہرے پر دھیمی مسکراہٹ سجائے اطمینان سے لیٹے دیکھا تو ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے دل میں بھی یہی آیا ''یا اللہ دنیاوی امتحانوں میں سے ابا جی کی جدائی کا اتنا سخت امتحان ہے ہم سے صبر کا دامن نہ چھوٹے یا اللہ ہماری مدد فرما!'' بہت سی لامتناہی سوچوں سے دماغ بھرا ہوا تھا اور آنکھیں ٹکٹکی باندھے اس محبوب ہستی کو دیکھ رہی تھیں جنکو موت ہم سے بہت دور لے گئی یہ محبوب ہستی پوری امت مسلمہ کے ساتھ ہمیں بھی یتیم و بے سہارا کر گئی

تمہارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
چراغ لاکھ جلائیں گے روشنی کے لیے

اس عزیز ہستی کو دنیا امام اہل سنت، محدث اعظم، مفسرِ قرآن دیوبندیت کا تاج، روئے زمین پر روشنی بکھیرنے والا چاند مولانا سرفراز خان صفدر کے نام سے جانتی ہے جبکہ میرے ہردلعزیز نانا جان تھے، ہم سب بہن بھائی ان کو نانا ابو کے بجائے ''اباجی'' ہی کہتے تھے وہ خود بھی ہم سے اباجی ہی کہلوانا پسند کرتے تھے کیونکہ ہم بہن بھائی ان کے بہت چہیتے بچے تھے۔ ہمارا بچپن سے لے کر اب تک زیادہ عرصہ ان کی صحبت میں ہی گزرا ہے ہر بڑے کی شدت سے خواہش ہوتی ہے کہ ہمارا بچپن واپس لوٹ آئے جب کہ میری خواہش ہے کہ کاش کوئی اباجی کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات واپس لوٹا دے لیکن نہ تو جانے والا لوٹ کر آتا ہے اور نہ ہی گزرا وقت البتہ اس شخصیت کی باتیں، یادیں زندگی کے ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔

زندگی کتنی بھی دکھی ہو عدم

جینے والوں کو پھر بھی پیاری ہے

جب ہم چھٹیوں میں گکھڑ جاتے اباجی کو اپنا منتظر ہی پاتے ہمیں دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار فرماتے میری امی جان کے ہاتھ گھر کی دیکھ بھال کا اختیار سونپ دیتے اور ممانیوں کو بلا کر کہتے اب تم آرام کرو۔ میری امی جان کے ہاتھ کا پکا کھانا بہت خوش ہو کر تناول فرماتے۔

اباجی کی عادت ہوتی تھی جامعہ نصرۃ العلوم پڑھا کر واپس جاتے تو گھر والوں سے جا کر تھوڑی گپ شپ کرتے اخبار کا مطالعہ کرتے اور کھانے کے متعلق پوچھتے آج کیا پکانا ہے۔ ایک دن عادت کے مطابق میری امی کو بلا کر پوچھنے لگے ''اَج کی پکایئے'' امی جان کہنے لگی ''اباجی تسی دسو کی پکایئے؟'' میں اباجی کے پاس کھڑی تھی مجھے کہنے لگے جو تم کہو گی آج وہ پکائیں گے میں نے بطور ادب کہا جو آپ کھائیں گے اس پر اباجی بہت دیر تک مسکراتے رہے امی جان کو کہنے لگے یہ بڑی سیانی ہے اسکو پتہ ہے کہ میں نے مزیدار چیز کی فرمائش کرنی ہے اس لیے میری بات مجھے ہی لوٹا دی ہے اس کے بعد کافی دنوں تک جب بھی پڑھا کر آتے میرے ساتھ اس بات کو ہنستے ہوئے ضرور دہراتے ''اَج کی پکایئے!''۔

اباجی کی دوپہر کو آرام کرنے کی عادت تھی اس لیے تھوڑا سا شور بھی ناپسند فرماتے اور غصے کا اظہار کرتے لیکن جب ہم بچے اکھٹے ہوتے تو پھر کہاں کی نیند اور کہاں کا آرام؟ ہر وقت کھیل کود میں مصروف نہ کھانے پینے کا ہوش اور نہ ہی سونے کی فکر ایک دن اباجی کے پاس ہماری شکایت گئی کہ بچے دوپہر کو آرام نہیں کرتے اور گرمی میں کھیلتے رہتے ہیں، اباجی نے ہمیں اپنے کمرے میں طلب کر لیا کہ تم نے یہاں سونا ہے ایک دو دن تو پرندے کمرے میں بے چینی سے قید رہے لیکن ایک دن منصوبے کے تحت پرندوں نے اباجی کے کمرے سے آہستہ آہستہ اڑان بھری اور تپتی دوپہر گھر کے سامنے گراؤنڈ میں شہتوت و جامن کے درخت

سے پھل اتارنے لگے کیونکہ یہ ہم بچوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا میرے ساتھ میرے بڑے بھائی جان مولانا داؤد خان نوید، ماموں زاد بہن اور بھائی دونوں تھے ایک درخت سے پھل اتارنے کی ذمہ داری ان دونوں بہن بھائی کی تھی جبکہ دوسرے درخت سے پھل اتارنا ہمارے ذمہ تھا۔ہم دونوں نے اپنا کام بحسن وخوبی انجام دیا اور دوسرے درخت کی طرف آئے جو کہ ابا جی کے کمرے کے بالکل سامنے تھا ایک دوسرے کے ساتھ اشارے سے بات کرتے تاکہ ابا جی تک آواز نہ جائے ہمارے ابا جی ہر معاملے میں ماشاء اللہ تیز ہونے کے ساتھ کانوں کی تیزی (سماعت) میں بڑے مشہور تھے۔ میں اور بھائی دیوار پر بیٹھے تھے جبکہ وہ دونوں درخت پر چڑھے ہوئے تھے ہم اپنے آپ میں مگن ساری احتیاطی تدابیر بھول گئے اسی بے خیالی میں آواز بلند ہوگئی اور ابا جی کو بھنک پڑی کہ بچے باہر ہیں فوراً اٹھ کر اپنے کمرے کی کھڑکی کھولی ہمارے کانوں میں کھڑکی کھلنے کا الارم بجا ہی تھا کہ کانوں میں آواز پڑی ''الودیو پٹھیو!ٹھیر جاؤ!(لفظ ''الودیا پٹھیا'' عتاب کے وقت دادا جان کا تکیہ کلام تھا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عتاب کے وقت منقول الفاظ ''ثکلتک امک'' اور ''لاام لک'' وغیرہ کی بخوبی ترجمانی کرتا تھا۔[خادم،حمزہ]) ہم سب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اتنی بلندی سے دیوار کے دوسری طرف چھلانگیں لگا دیں اس وقت صحیح معنوں میں دن میں تارے نظر آنے والا محاورہ ہم پر فٹ بیٹھا جب تارے چھٹے تو ایک مصیبت کو اپنا منتظر پایا میرے بھائی صاحب کے پاؤں میں اتنی بلندی سے گرنے کی وجہ سے کسی جانور کی بڑی نوکدار ہڈی گھس گئی تھی اور خون بڑی تیزی سے نکل رہا تھا یہ دیکھ کر ہمارے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے،ادھر بیٹھے رہیں تو بھائی کو بہت سخت تکلیف ہے گھر جائیں تو ابا جی کی مخصوص کلہاڑی ذہنوں میں گردش کر رہی تھی،ابا جی جسے اپنے خاص انداز میں میں پکڑ کر کہا کرتے تھے جس بچے نے مجھے زیادہ تنگ کیا تو اس کی گردن کاٹ دونگا۔اتنی دیر میں ابا جی نے اپنے کمانڈوز (جامعہ کے طالبعلم اور ایک ہمارے عزیز تھے) کو ہماری تلاش میں بھیجا وہ ہمیں پکڑ کر بڑے جوش سے ابا جی کے پاس لے کر گئے تاکہ آج انکی تھوڑی سی ٹھکائی ہو جائے جب ابا جی نے اپنی عقابی نگاہیں ہم پر جمائیں،قریب تھا کہ ہم بے ہوش ہوکر گر پڑتے اسی اثنا میں بھائی صاحب نے تکلیف کی شدت سے پاؤں ابا جی کے سامنے کر دیا انہوں نے پاؤں کا زخم دیکھ کر گھر بھر میں ایمرجنسی نافذ کر دی کوئی بھاگم بھاگ ڈاکٹر صاحب کے پاس جا رہا ہے تو کوئی دودھ گرم کر کے لا رہا ہے غرضیکہ ڈانٹ کی بجائے خوب خاطر مدارت بھائی کیساتھ ہماری بھی ہوئی۔

ایک دفعہ میرے چھوٹے ماموں ہم سب بچوں کو اکٹھا کر کے گراؤنڈ میں لے گئے کہ ایک کام کرنا ہے جب ہم وہاں گئے تو کیا دیکھا ایک بکری کا بچہ مرا پڑا ہے اور ماموں جان ہم مقتدیوں کو اپنی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھانے کے لیے لائے تھے بس جی کیا پوچھیے! زندگی میں پہلی اور آخری نمازِ جنازہ اس بکری کے

بچے کی پڑھی اسکے بعد با قاعدہ قبر کھود کر اس کو دفن کیا اور روز قبر پر آ کر دعا کرنیکی تلقین کی شاید ماموں جی نے پہلی مرتبہ کسی کا جنازہ پڑھاتے ہوئے ابا جی کو دیکھا تھا اور ہُو بہو وہی نقل کی، ہم گھر والوں سے چوری وہاں پابندی سے دعا مانگنے جایا کرتے تھے، ایک دن ابا جی نے قبر پر دعا مانگتے ہوئے دیکھ لیا اور مجھ سے پوچھا کہ صحیح بتاؤ ''یہاں کیا ہے؟'' کیونکہ ابا جی کو کچھ ہونے کا احساس ہو گیا تھا میں نے بڑی معصومیت سے جواب دیا کہ بکری کے جنتی ہونے کی دعا کر رہی ہوں الف تا آخر سارا قصہ سنایا تو ابا جی کھِل کھِلا کر مسکرا دیے اور کئی دنوں تک گھر والوں سے اس بات کو دہراتے رہے۔

دین کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتیں ساتھ ساتھ بتایا کرتے تھے لیکن پہلا سبق با قاعدہ ہمیں جو دیا وہ شرک وبدعت کے متعلق تھا کیونکہ ایک دفعہ ہم سب گھر کے بچے ختم کے چاول بڑے شوق سے گھر لے کر آئے جس نے ہمیں دیے وہ ابا جی کا سخت مخالف تھا، اسی مخالفت کی خوشی میں زیادہ مقدار میں چاول دیے جب گھر داخل ہوئے تو سامنے برآمدے میں ابا جی تشریف فرما تھے انہوں نے ہمیں بلا کر چاولوں کے متعلق پوچھا بتانے کی دیر تھی کہ ابا جی فوراً جلال میں آ گئے، ہم بچوں کی روتی بسورتی شکل پر ذرا ترس نہ آیا اور حکم دیا فوراً اس آدمی کو واپس کر کے آؤ! ہمارے آنے تک ابا جی بڑے بے چین برآمدے میں ہی بیٹھے رہے اور بعد میں کوئی ڈانٹ تو نہ پڑی البتہ رات کی مجلس میں بہت سنجیدگی سے بدعات کے متعلق بتانا شروع کیا ابا جی کی ہر بات وفعل میں ہمارے لیے دین کا سبق ہوتا تھا۔

ابا جی طبیعت کے لحاظ سے بہت بردبار، رعب ودبدبہ والے اور بذلہ سنج شخصیت تھے صحت وتندرستی کے زمانے میں رعب ودبدبہ کی وجہ سے معمولی سی بات کرتے ہوئے بہت ڈر لگتا البتہ صاحبِ فراش ہونے کے بعد بہت زیادہ بے تکلفی ہو گئی تھی، بلا جھجک ہر قسم کی بات اور کھلم کھلا مذاق کر لیتے، کئی مزاحیہ باتوں پر کتنی دیر بعد تک بھی چہرے پر مسکراہٹ رہتی اور خود فرمائش کرتے مجھے وہ بات دوبارہ سناؤ! ایک مرتبہ اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں کتاب سنا رہی تھی جب مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے متعلق سنانا شروع کیا ابھی یہاں تک ہی پڑھا کہ مولانا عید الاضحیٰ کے دن اس دنیا میں رونق بن کر آئے، اچانک چھوٹے ماموں کمرے میں داخل ہوئے تو انکے کانوں میں بھی یہ الفاظ پڑے تو فوراً کہنے لگے ابا جی اللہ پاک نے دیوبندیوں کو بڑے موٹے تازے بکرے سے نوازا تھا، ابا جی نے بہت زیادہ ہنسنا شروع کیا اور کہنے لگے واقعی ایسا ہے (مولانا کی توہین کرنا مقصد نہیں تھا) مولانا کی ابا جی سے بڑی بے تکلفی تھی اس بناء پر انکے بارے میں ابا جی سے ہم لوگ مذاق کر لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ابا جی نے بتایا کہ ''مجھے کراچی میں مولوی فضل الرحمٰن ملا تھا، مجھے کہنے لگا آپ مولویوں کی

صحت ہر زمانے میں قابل رشک رہی ہے! میں نے اُسے کہا بیٹا! مجھے نظر نہ لگا دینا!‘‘ اتفاق کی بات کہ چند دن بعد ابا جی کو فالج ہو گیا، کچھ عرصہ بعد پھر مولانا حاضر خدمت ہوئے تو ابا جی نے ہنستے ہوئے مزاحاً اُن سے فرمایا کہ ’’پُتر! تیری نظر مینوں کھا گئی اے!‘‘

ابا جی بڑے باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے خاموش بھی رہتے تو دل کو یہ اطمینان اور سکون ہوتا کہ ہمارے پاس تو موجود ہیں اگر ہنسی مزاح کرتے تو پھر سونے پہ سہاگے والی بات تھی بیماری کے ایام میں کچھ دن ایسے بھی آتے کبھی موسم کی تبدیلی اور کبھی حالات کی تبدیلی سے ابا جی کی طبیعت میں چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا پھر ہم سب کی یہی کوشش ہوتی کہ کوئی خلافِ مزاج بات نہ ہو اس طرح ایک دفعہ طبیعت میں بہت زیادہ بے چینی تھی میں پاس بیٹھ کر مغربی اولڈ ہوم کے بارے میں اخبار میں فیچر آیا تھا پڑھ کر سنا رہی تھی تو طبیعت بے حد بے چین ہو گئی ایک دم میرا ہاتھ پکڑ کر پوچھنے لگے ’’پتر! میں تم سب کو بہت تنگ کرتا ہوں‘‘ ویسے بھی پہلے میری امی جان، بہنوں اور چھوٹے ماموں سے وقتاً فوقتاً یہ کہتے رہتے تھے کہ میں تم لوگوں کو بڑا تنگ کرتا ہوں لیکن جب جواباً سب یہی عرض کرتے کہ ابا جی ہمیں آپ کی خدمت سے جتنی خوشی ہوتی ہے اتنی کسی بات سے نہیں تو مسکرا کر مطمئن ہو جاتے تھے، مجھ سے بھی جب پوچھا تو میں نے ان سے سوال کیا جب بچے چھوٹے ہوتے ہیں تو ان کی دیکھ بھال کس کے ذمے ہوتی ہے؟ تھوڑے سے حیران ہوئے کہ میں کیا پوچھ رہا ہوں اور یہ آگے سے مجھ سے کیا کہہ رہی ہے؟ بہر حال کہنے لگے شریعت کے مطابق والدین کا حق ہوتا ہے کہ بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں میں نے دوبارہ پوچھا کہ اگر وہی بچے بڑے ہو جائیں اور انکے والدین بوڑھے ہو جائیں تو پھر شریعت کیا کہتی ہے؟ میری بات کرنے کی دیر تھی کہ ابا جی کی آنکھوں میں اتنی زیادہ چمک آ گئی مسکرا کر کہنے لگے ’’مجھے اپنے سوال کا جواب تمہاری دلیل سے مل گیا ہے، میں تو اس لیے تم سب سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنی محبت کے بارے میں جو تم مجھ سے کرتے ہو کبھی کبھار تمہارے منہ سے سننے کو دل کرتا ہے‘‘۔

دراصل ابا جی کے والدین ان کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے ابا جی کے کسی نے لاڈ نہیں اٹھائے تھے بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی مشقتوں بھری اور سخت امتحانات سے گزری (اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں مل گیا ہو گا انشاء اللہ العزیز) اسکے باوجود ابا جی نے اپنے آپ کو بہت مضبوط رکھا ہر قسم کے مصائب و آلام میں اپنا آپ بکھرنے نہ دیا

سجائے رکھتے ہیں چہرے پہ جو ہنسی کی کرن
نہ جانے روح میں کتنے شگاف رکھتے ہیں

اپنے کئی واقعات سنا کر دلگیر ہو جاتے ہمیں محسوس ہوتا ابا جی کو پہلے سے زیادہ ہماری دلجوئی کی

ضرورت ہے تو گھر کے بڑے چھوٹے سبھی ابا جی کو ہنسانے کی کوشش کرتے کئی دفعہ ہم سب گھر والوں کی زندگی میں بھی ایسا مقام آیا کہ ابا جی نے اپنے ہاتھوں سے ہمارے آنسو پونچھے اور اپنے ہاتھ بارگاہ ایزدی میں ہماری خوشیوں کے لیے پھیلا دیے۔ مجھے یاد ہے کہ ابھی ابا جی کو صاحبِ فراش ہوئے کچھ عرصہ ہی ہوا تھا سارے ابا جی کی پاس رات گئے تک بیٹھے باتیں کرتے رہے ابا جی کو رات کے دوسرے پہر نیند آنی شروع ہوئی تو سب لوگ ادھر کمرے میں ہی سو گئے میں بھی ابا جی کی چارپائی پر انکے پاؤں کی طرف تھوڑی سی جگہ پر لیٹ گئی میرا دھیان اپنی کسی سوچ کی طرف گیا تو میرا دل بھر آیا اسی اثناء میں ابا جی کی آنکھ کھل گئی کیونکہ بیمار ہونے کے بعد انکی رات کی نیند ختم ہو گئی تھی ابا جی نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا میرا سرا اپنے سینے پر رکھ کر آہستہ آہستہ تھپکیاں دینی شروع کر دیں تھوڑی دیر بعد میں نے اپنا سر اٹھانا چاہا تا کہ ابا جی تھک نہ جائیں لیکن انہوں نے ایسا نہ کرنے دیا اور سرگوشی کے انداز میں تسلی دی ''پتر! اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر آزمائش آتی ہے وہ آزماتا ہے کہ اسکے بعد میرا بندہ میری طرف رجوع کرتا ہے یا نہیں لہٰذا اسی سے مانگا کرو! میں اپنے دل کی بات ابا جی کی زبان سے سن کر بہت زیادہ حیرت زدہ رہ گئی میں نے اپنا سر اٹھا کر ابا جی کو دیکھا تو میری طرف دیکھ کر مسکرا دیے، آج یہ بات لکھتے ہوئے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ خوشبو میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی جو کہ ابا جی کے گلے لگتے ہوئے محسوس ہوتی تھی۔

آتی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا رہے گا

ابا جی کی طبیعت میں بہت زیادہ عاجزی وانکساری تھی یہ ان کی محبتوں کا اعجاز تھا کہ بعض اوقات ہم سب اپنی بات بہت مان سے منواتے تو آرام سے مان جاتے، جیسا کہ ہمارے تینوں بہنوں کے ختمِ بخاری شریف کے موقع پر خرابیٔ طبیعت کے باوجود تشریف لا کر ہمارا مان بڑھا دیا، ہم چاروں بہنوں میں سے تینوں نے دورۂ حدیث ابا جی کی خواہش کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کیا، جبکہ چھوٹی بہن ہمہ وقت ابا جی کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے صرف عامہ ہی کر سکی۔ ہم لوگ جمعرات والے دن چھٹی کے بعد گکھڑ چلے جاتے اور ہفتہ والے دن لوٹ آتے اس سلسلہ میں ہمارے استاذِ محترم صاحبِ فاضل کبیر والا نے بہت تعاون کیا تھا اللہ انکو بہترین جزائے خیر عطا فرمائے (آمین) کیونکہ جب بھی ابا جی کا پیغام ان تک پہنچتا وہ بعض دفعہ زیادہ اسباق رہنے کی وجہ سے موڈ نہ ہونے کے باوجود ہمیں چھٹی دے دیتے کہ حضرت صاحب نے انہیں بلایا ہے، ابا جی نے ان کے لیے بھی اپنا دعاؤں کا دامن وسیع رکھا ہوا تھا، بہرحال جب بھی جمعرات کو جاتے تو فوراً ہم سے اس دن پڑھا گیا ساری کتابوں کا سبق ضرور سنتے اسکے علاوہ جو پورا ہفتہ اسباق پڑھے ہوتے ان کے متعلق

بھی پوچھتے رہتے۔

ایک دفعہ موسم کی تبدیلی کی وجہ سے ابا جی کی طبیعت ؍گری ؍گری سی تھی اور کچھ کھا پی نہیں رہے تھے۔ جبکہ ہم سب کا اصرار تھا کہ تھوڑا بہت کھانے کے لیے مان جائیں بالآخر بہت اصرار کے بعد امی جان سے کہنے لگے مجھے حلوہ بنا کر دو امی جان نے حلوہ بنا کر دیا میری چھوٹی بہن نے کھلانا شروع کیا ایک دو چمچ لینے کے بعد مزید کھانے سے انکار کر دیا میں قریب بیٹھی ہوئی تھی میں نے ابا جی سے کہا آج ہم نے تقدیر کے متعلق احادیث پڑھی ہیں اس میں ایک لطیفہ استاذِ محترم نے ہمیں سنایا تھا کہ ایک آدمی کو اسکی ماں حلوہ بنا کر دیتی ہے تو وہ کھانے سے انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں، وہ مجھے حلوہ خود ہی کھلائینگے تو میں کھاؤں گا وگرنہ نہیں، اسکی ماں بڑا اِصرار کرتی رہی چنانچہ تنگ آ کر اسکی ماں حلوہ اسکے پاس رکھ کر گھر واپس چلی جاتی ہے جب بھوک لگے گی تو خود ہی کھا لے گا اسی اثناء میں ڈاکو آ جاتے ہیں وہ حلوہ دیکھ کر یہی سوچتے ہیں کہ اس میں کسی نے زہر ملایا ہے تا کہ ہم کھا جائیں اور ہمارا مال اسباب وہ بندہ لے جائے اس آدمی کے پاس ڈاکو حلوہ لا کر کہتے اسے کھاؤ تو وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ کھلائیں گے تو کھاؤں گا ڈاکو اسکی بہت پٹائی کرتے ہیں مجبوراً سے حلوہ کھانا پڑتا ہے، وہ کھانے کے ساتھ کہتا جاتا ہے ''مینوں کی پتہ سی اللہ میاں حلوہ وی کھواندے نے تے ماردے وی نے، یہ سن کر ابا جی بہت زیادہ مسکرائے اور ساتھ بیٹھی چھوٹی بہن سے کہنے لگے ناں ناں! میری پٹائی نہ کرنا میں حلوہ کھا لیتا ہوں اسکے بعد جب بھی کبھی دوبارہ سننے کا موڈ ہوتا تو کہتے وہ حلوے والی بات سناؤ!۔

ابا جی کی عادتِ مبارکہ تھی ہر کسی کا بہت خیال رکھتے اپنے سے زیادہ آنے والے مہمانوں کے کھانے پینے، سونے کی فکر کرتے جب تک مکمل تسلی نہ ہوتی نہ خود آرام سے رہتے اور نہ ہی گھر والوں کو آرام سے رہنے دیتے یہی کہتے پتہ کرو مہمان کو کوئی تکلیف نہ ہو! یہ صرف باہر والوں کے ساتھ ہی نہ تھا بلکہ اپنوں کے ساتھ بھی ان کا رویہ اسی طرح فکر لیے ہوتا تھا، ہم سب بہنیں امی سمیت اکثر ابا جی کی خدمت میں رہا کرتی تھیں تو میرے بھائی اور ابو جی کے بارے میں بار بار کہتے تم لوگ یہاں ہو انکو کون کھانا پکا کر دے گا؟ امی جان نے کہنا ابا جی ان کے لیے کھانا بنا کر رکھ آئے ہیں! پھر کہنا ان کو روٹی کون گرم گرم پکا کر دے گا؟ غرضیکہ چھوٹی سی بات کی بھی بہت زیادہ فکر ہوتی تھی اور اس چیز کا بھی احساس تھا کہ یہ میری وجہ سے سارے کام کاج چھوڑ کر آتی ہیں۔ ابا جی کا مزاج کبھی ناصحانہ ہوتا تو کبھی دوستانہ، کبھی پیار بھرا ہوتا تو کبھی غصیلا، کچھ دنوں ابا جی نے اشعار بھی پڑھنے شروع کر دیے ہمیں نہیں پتہ تھا کہ ابا جی اس ہفتے شاعرانہ موڈ میں ہیں، ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے ایک دن ہم اپنے ٹائم سے تھوڑا لیٹ گکھڑ پہنچے جب ابا جی کے کمرے میں داخل ہوئے تو ابا

جی نے بڑے ترنم سے سے بغیر سلام دعا کیے یہ مصرع پڑھا

؎ بڑے دیر کی مہرباں آتے آتے

چھوٹی بہن اور چھوٹے ماموں قریب کھڑے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ اباجی کو کیا ہوا ہے تو اباجی نے فوراً کہا

؎ نہ چھیڑو دردمندوں کو

ہم سب ہنس دیے بعد میں پتہ چلا اباجی نے آج کل ہر کسی کے حسبِ حال شاعری شروع کی ہوئی ہے۔

ایک روز کسی دوا کا بار بار مطالبہ کر رہے تھے، ہمیں مل نہیں رہی تھی، مگر وہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے بار بار مطالبہ کیے جا رہے تھے، بڑی ہی تلاش کے بعد دوائی ملی تو ہم نے پیش کی، چند لمحوں بعد ڈاکٹر صاحب ملنے کے لیے تشریف لائے تو ان کو دیکھتے ہی فرمایا ڈاکٹر صاحب!

؎ کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اباجی کبھی دوستانہ موڈ میں ہوتے تو بالکل دوستوں کی طرح گپ شپ کرتے ایک دن بہت زیادہ ملاقات کے لیے لوگ دور دراز سے آئے جب ملاقات کر کے چلے گئے تو اباجی میرے ساتھ اظہار خیال کرنے لگے پتہ نہیں کیوں لوگ اپنی دورتوں بابے نوں ملن آندے نے؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا شمار اس ملک کے بڑے بزرگوں میں ہے، آپ شیخ الحدیث ہیں نیک بزرگ ہیں اس لیے لوگ آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں گھر کے افراد کا نام لے کر میں نے کہا کہ اب دیکھیں ہم سب بھی تو ہیں ہمیں تو کوئی نہیں ملنے آتا میرے ہاتھ کو مصافحہ کی طرح پکڑ کر کہنے لگے لوگ اس بابے کی زیارت کر کے خوش ہوتے جبکہ یہ بابا تم لوگوں کی زیارت کر کے خوش ہوتا ہے میں نے فوراً اباجی کی پیشانی کا بوسہ لیا کہ یہ خوش قسمتی اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ کی ہر کسی کو نہیں ملتی اور اللہ پاک یہ خوش قسمتی ہم سب گھر والوں کو آخرت کے مقام پر بھی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

جدھر جاتے ہیں ہمارے ساتھ جاتی ہے اُن کی خوشبو
ہمیں اب بھی دل کے ویرانوں سے آتی ان کی خوشبو
یہ ہمارے دل میں کیسا مشک نامہ رکھ دیا؟
ہمیں اب اپنے پہلو سے بھی آتی ہے ان کی خوشبو
سرِ محفل کبھی ہونٹوں پہ آ کر مسکراتی ہے

کبھی تنہائی میں آکر رلاتی ہے ان کی خوشبو
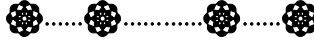
(۶)

کیسے تجھ کو کہوں پھر سے آجا یہاں

رات دن فکر ہے کیسے پاؤں تجھے — یہ تو ممکن نہیں بھول جاؤں تجھے

اپنے اللہ سے مانگ لاؤں تجھے — دل میں کیا ہے تمنا بتاؤں تجھے؟

یہ تو ممکن نہیں! اب ملیں گے وہاں

میں اپنے پیارے نانا جی رحمہ اللہ کی کس کس ادا کا تذکرہ کروں؟ کیا کیا شان بیان کروں؟ کن کن خوبیوں کو شمار کروں؟ کون کون سے اوصاف و کمالات پر اپنا قلم چلاؤں؟ مجھ جیسی ناتواں سے یہ سب تو ممکن نہیں البتہ کچھ یادیں اور باتیں نانا ابو کی آپ سب تک پہنچانا فرض سمجھتی ہوں جن سے آپ کی شفقت، محبت پیار اور بچوں کے ساتھ الفت کا اندازہ ہوگا۔

نانا جان رحمہ اللہ ہم بہنوں کو اپنے طالب علمی دور کی، دارالعلوم دیوبند کی، اور اپنے یتیمی کی داستانیں بیان فرماتے اور ہمیں کاپی پر نوٹ کرنے کا کہتے، ہم اُس وقت کچھ نہ سمجھ سکیں اور غفلت و سستی کی وجہ سے نہ لکھ سکیں، اکثر بھول گئیں جن کا بہت پچھتاوا ہوتا ہے۔

البتہ نانا جان رحمہ اللہ کی ایام علالت کی چند یادیں ایسی ہیں جو میرے دل پر نقش ہوگئیں، اب اُن خوشگوار لمحات کو یاد کرتی ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے وہی منظر آجاتا ہے، ہنستا مسکراتا نورانی چہرہ میری آنکھوں کو نم کر دیتا ہے۔

نانا جان رحمہ اللہ کا معمول ایام علالت میں پابندی سے اخبار سننے کا رہا ہے، ایک روز میں اخبار سنا رہی تھی کہ ایک کالم میں کسی شاعر (نام بھول گئی ہوں) کے چند مزاحیہ اشعار تھے جو آپ کو سنائے تو آپ اتنا مسکرائے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہونے لگے، یہ منظر دیکھ کر میرے منہ سے بے ساختہ یہ کلمات نکلے "اضحک اللہ سنک"

سچ پوچھیے تو نانا جان رحمہ اللہ کی وفات کا ابھی تک یقین نہیں آتا، اللہ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ انسان ان کو کبھی نہیں بھول پاتا

کئی دماغوں کا ایک انساں میں سوچتی ہوں کہاں گیا ہے؟

قلم کی عظمت اُجڑ گئی ہے زباں کا زورِ بیان گیا ہے

اتر گئے منزلوں کے چہرے امید کیا کارواں گیا ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

انہی صلحاء میں میرے دونوں نانا جان رحمہما اللہ بھی تھے،ان دونوں بزرگوں، بھائیوں اوراس قابل رشک جوڑی کوامت کا کوئی فرد بھلانہیں سکتا۔

بڑی ممانی جان (اہلیہ مولانا عبدالقدوس قارن) اور خالہ جان (اہلیہ مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ) جب بھی گکھڑ تشریف لاتیں یا جب چھوٹی نانی امی (اہلیہ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ) جن کو سب چچی جان کہتے ہیں تشریف لاتیں تو مجھے ان کے ٹوپی والے برقعے کو دیکھ کر شرارت سوجھتی اور میں وہ برقع اوڑھ کر نانا جان کے پاس چلی جاتی، مختلف باتیں پوچھتی بعد میں اصلیت ظاہر کرتی تو آپ میری اس شرارت سے بہت محظوظ ہوتے، یہی شرارت میرے سیکنڈ لاسٹ ماموں جان ساجدؔ بھی کیا کرتے تھے، لیکن مسئلہ یہ بن جاتا کہ بچے جا کر پہلے ہی نانا جان کو بتا دیتے کہ یہ کون ہے! ایک روز میں نے بچوں کو سختی سے منع کیا کہ آج نانا ابو کو کوئی نہ بتائے، لیکن وہ نہ مانے، میں نے اُن کو چیز وغیرہ دے کر بہلایا پھسلایا اور برقع اوڑھ کر نانا ابو کے پاس جا پہنچی، میری بڑی بہن نانا ابو کے پاس موجود تھیں اُن کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آج جلدی راز فاش نہیں کرنا، نانا جان حسب عادت تکیے سے ٹیک لگائے چارپائی پر براجمان تھے، میں نے آگے ہو کر برقع میں ہی آواز بدل کر سلام کیا اور ٹانگوں کے قریب نیچے کارپٹ پر ایک جانب ہو کر بیٹھ گئی، میں نے بدلی ہوئی آواز میں طبیعت کا پوچھا تو فرمانے لگے طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی، میں نے عرض کیا کہ اللہ آپ کا سایہ تادیر صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے، آپ نے آمین کہا، پھر میں غذا کے بارے میں سوال کیا اور دو تین اِدھر اُدھر کے سوالات کیے آپ جوابات مرحمت فرماتے رہے، پھر میں نے آپی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ فرمانے لگے یہ میری بچی ہے، میری نواسی ہے، یہ اور اسکی دوسری بہن (اشارہ میری طرف تھا) میری خدمت کرتی ہیں، میں نے پوچھا کیسی خدمت کرتی ہیں؟ فرمایا مجھے بہت آرام پہنچاتی ہیں، الحمدللہ میں ان کی خدمت سے مطمئن ہوں، میں نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں؟ فرمایا نہیں! میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی بڑی پکی مریدنی ہوں، اور اکثر آپ کی خدمت میں حاضری دیتی رہتی ہوں، آپ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے سوچنا شروع کیا۔ شاید پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں گے، میری ہنسی ضبط کے باوجود قابو میں نہیں آ رہی تھی، بڑی ہی مشکل سے میں نے کنٹرول کیا ہوا تھا، کہ اتنے میں بچہ پارٹی کے لیڈر میرے ماموں زاد محمد ارسلان ہنستے ہوئے تشریف لائے، تشریف کیا لائے! سارا بھانڈا ہی پھوڑ دیا، جس کا اندازہ مجھے اُن کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُن کی آنکھوں میں چمکتی شرارت سے ہی ہو گیا

تھا، اُس نے نانا ابو کو کہا، ''دادا ابو! آپ نے پہچانا؟ نہیں یہ تو آپی ہیں!'' نانا جان بہت مسکرائے اور حسب عادت کوئی دعا بھی دی جو سمجھ نہ سکی، پھر میں نے برقع اتار کر حسب معمول نانا ابو سے معافی مانگی، میری عادت تھی کہ نانا ابو کو ہنسانے کے لیے شرارتیں خوب کرتی مگر پھر فوراً ہی معافی مانگ لیتی، آپ بھی میری شرارتوں سے بہت محظوظ ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ''پُتر تیری اناں شرارتاں نے میرا دل لایا ہویا اے!''

آہ! وہی شرارتیں آج میری یادوں کا حصہ ہیں

صبر کرتی تو ہوں صبر آتا نہیں ۔۔۔ سامنے تیری صورت کوئی لاتا نہیں

تیرا پیغام اب کوئی سناتا نہیں ۔۔۔ دردِ دل ہائے رے میرا جاتا نہیں

نانا جان رحمہ اللہ کے پاس جو علماء اجازتِ حدیث کے لیے حاضری دیتے، آپ اُن سے مختلف سوالات کیا کرتے تھے، آپ کے رعب اور دبدبے کی وجہ سے اکثر حضرات جوابات نہ دے پاتے آپ اُن کو سند نہ دیتے تھے، میں یہ سوچتی تھی کہ لوگ تو نانا ابو کے رعب کی وجہ سے بھول جاتے ہیں پھر نانا ابو ان کو سند کیوں نہیں دیتے؟ ایک روز میں نے آپ سے پوچھ ہی لیا، قربان جاؤں آپ کی شفقت پر اتنے پیارے اور احسن انداز میں جواب مرحمت فرمایا کہ اُن کی آواز کی شیرینی آج بھی کانوں میں محسوس ہوتی ہے، فرمایا بیٹی! میں تو صلاحیت اور قابلیت دیکھتا ہوں، جو اعتماد پر پورا اُترے اسے سند دے دیتا ہوں، جو پورا نہ اُترے، صلاحیت و قابلیت نہ ہو اُسے نہیں دیتا، یہ سنتے ہی میری سمجھ میں بات آ گئی۔

میں اکثر آپ سے سوالات کرتی رہتی تھی، ایک روز میں نے عرض کیا کہ میرے سوالات کی کثرت سے آپ پریشان تو نہیں ہوتے، میرا مقصد تو حصول علم ہوتا ہے؟ آپ کی بیماری کا خیال بھی رہتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ان سے تنگ پڑتے ہوں؟ فرمایا نہیں بیٹی! میں پریشان نہیں ہوتا بلکہ مجھے خوشی ہوتی ہے کہ تم سوال کرتی ہو! اب سوچتی ہوں کہ میرے سوالوں کے جوابات دینے والے تو اپنی جنت میں چلے گئے، اب کس سے سوال کروں؟ کون ان جیسے پیار بھرے انداز میں میرے ہر سوال کا جواب دے گا؟

قبر تیری بنے ایک عمدہ چمن ۔۔۔ تیرا میلا نہ ہوتا قیامت کفن

رنج کتنا بھی کریں اُن کا زمانے والے

جانے والے تو نہیں لوٹ کے آنے والے

کیسی بے کیف سی رہ جاتی ہے دل کی بستی

کتنے چپ چاپ چلے جاتے ہیں جانے والے

جانے والے تیرے مرقد پہ کھڑی سوچتی ہوں

خواب سے ہوگئے تعبیر بتانے والے

نانا ابو کے صاحبِ فراش ہونے کے بعد میری والدہ محترمہ کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے کہ وہ کوشش کر کے نیند کے چند گھنٹوں کے علاوہ ہمہ وقت نانا ابو کی خدمت میں رہتیں، اپنی طبیعت جیسی کیسی ہو، نانا ابو کی خدمت میں نہ خود کوئی کسر چھوڑتیں اور نہ ہی ہماری طرف سے کوئی سستی برداشت کرتیں، کبھی تو دن بھر گھر کے کام کاج میں لگی رہتیں اور رات بھر نانا ابو کی خدمت میں رہ کر صبح نماز کے بعد سے 9/10 بجے تک چند گھنٹے آرام کرتیں، رات کو ضرور نانا ابو کے پاس رہتیں اور رات کو آرام اس وجہ سے نہ فرماتیں کہ اگر میری آنکھ لگ گئی اور اباجی کے آواز دینے پر حاضر نہ ہوسکی تو اباجی کو پریشانی ہوگی اور امی کی وجہ سے ہم سب کا مزاج بھی ایسے ہوگیا تھا کہ نانا ابو کی معمولی سی تکلیف، پریشانی ہم سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

میری امی اور ابو جب حج کرنے گئے تو میری تینوں بہنیں میرے ساتھ نانا ابو کی خدمت میں رہیں، جب امی رخصت ہوگئیں تو نانا ابو کو ان کی اتنی فکر ہوئی کہ بار بار پوچھتے کہ فون کرو! پہنچے ہیں یا نہیں؟ ہم پہلے ہی پریشان تھیں، آپ کی پریشانی کو دیکھ اس میں اضافہ ہوا، ہم نے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں ان شاء اللہ امی ابو خیر وعافیت سے پہنچ جائیں گے، آپ نے فرمایا بیٹی! تمہاری امی بند شیشوں والی گاڑی میں سفر نہیں کرسکتی، جہاز میں پتہ نہیں کیسے سفر کرے گی، جہاز کے شیشے تو بالکل بند ہوتے ہیں؟ بہرحال جب تک آپ کو اُن کے سعودیہ پہنچنے کی اطلاع نہ مل گئی آپ کو اطمینان نہ ہوا، اور جب تک امی ابو حج کر کے واپس نہیں آگئے آپ کی پوری تسلی نہیں ہوئی، جس دن امی ابو کی واپسی تھی آپ اتنے بے تاب ہوئے کہ بار بار فون کراتے کہ پتہ کرو! کہاں پہنچے ہیں؟ جیسے ہی امی ابو گھر میں داخل ہوئے ہر طرف خوشی کی لہر تو دوڑی ہی نانا ابو کی بے تابی بھی ختم ہوئی، ان کو دیکھ کر بار بار فرماتے، ماشاء اللہ، الحمد للہ، آپ اس دن اس قدر خوش ہوئے کہ مسرت سے آپ کا چہرہ تمتمار ہا تھا سلام دعا کے بعد آپ نے امی سے پہلا سوال یہ کیا کہ پتر! جہاز دا سفر کیسا گزریا؟ امی نے کہا اباجی! الحمد للہ آپ کی دعاؤں کی برکت سے بہت ہی اچھا سفر ہوا، مجھے جہاز میں ذرہ بھی تنگی اور گھبراہٹ محسوس نہ ہوئی، بلکہ آپ کی دعاؤں نے ہمارے سفر کو بہت ہی آسان کردیا تھا، یہ سنتے ہی آپ نے ایک بار پھر فرمایا ''الحمد للہ'' پھر تمام سفر کی روئیداد سنی۔

بچوں کو پیار، اُن سے الفت اور محبت میں نے نانا ابو سے سیکھی تھی، اُسی کا نتیجہ تھا کہ میں بچوں سے بہت پیار کرتی، بچے ماموں زاد بہن بھائی اور خاندان کے دیگر بچے بھی مجھ سے بہت مانوس رہتے، بچوں کے لیے میں اپنے بیگ میں کوئی نہ کوئی چیز رکھا کرتی تھی، کسی کسی وقت سب کو بلا کر چیز تقسیم کرتی، پھر ان کو خوش دیکھ مجھے بھی مسرت ہوتی، ایک دن میں نے پاپڑ منگوا کر بیگ میں رکھ دیئے، بچوں کو پتہ چل گیا، بچہ پارٹی کی

پوری فوج ظفر موج میرے ارد گرد اکٹھی ہوگئی، کوئی ادھر سے لٹک رہا ہے تو کوئی ادھر سے کھینچ رہا ہے، کوئی پیار کر رہا ہے تو کوئی ساتھ چمٹا ہوا ہے میں نے سب کو ہٹایا اور کہا کہ آج چیز یہاں نہیں ملے گی بلکہ نانا ابو کے کمرے میں جا کر شغل لگاتے اور نانا ابو کو ہنساتے ہیں پھر چیز ملے گی، ہم سب کمرے میں داخل ہوئے نانا ابو تشریف فرما تھے، میں ان کے قریب نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی اور پاپڑ والے کی نقل اتارتے ہوئے (جو گلی میں پاپڑ بیچنے آیا کرتا تھا) بچوں آواز دینے لگی

آجاؤ بالو! آجاؤ	پاپڑاں والا آیا جے
پاپڑ میرے بڑے کرارے	بارہ مصالحے وچ میں پائے
اک واری تسی کھاؤ گے	تے بار بار آؤ گے

سارے بچے مجھ پر ٹوٹ پڑے، سب کو ایک ایک پیکٹ دیا، نانا ابو یہ منظر دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوئے، اور مسکراتے ہوئے مجھے فرمایا پتر! تو کی کہندی پئی سیں؟ میں نے وہی الفاظ دوبارہ دوہرائے آپ دیر تک مسکراتے رہے، میں نے مزاحاً کہا کہ نانا ابو! آج تو آپ کے پوتوں پوتیوں نے میرا کباڑا ہی کر دیا، فرمایا وہ کیسے؟ میں نے کہا سب مجھے لوٹ گئے اور میرا بیگ خالی کر دیا، آپ نے ہاتھ بلند کر کے مجھے دعا دی، واقعات تو بہت ہیں کبھی کبھار گھر کے کام کاج سے فارغ ہو جاتی، بچوں کو ساتھ ملا کر کوئی نہ کوئی شرارت ڈھونڈھتی، پھر خوب اودھم مچتا، اس کے علاوہ اکثر نانا ابو کی خدمت میں رہ کر خوب دعائیں سمیٹتی۔

ایک دفعہ گلی میں چوزوں والا آیا، چوزے دیکھ کر میرا بھی جی للچایا، میں نے چار عدد چوزے منگوا لیے، دو تو بیچارے سردی کی وجہ سے مر گئے، میری ماموں زاد نے اپنی توتلی زبان میں بہت شور مچایا کہ ''چوچو اللہ میاں کے پاس چلے گئے'' اب بھی جب اُس سے پوچھو کہ چوچو کدھر گئے؟ تو کہتی ہے اللہ میاں کے پاس! بہر حال اس نے جا کر نانا ابو کو بتا دیا کہ چوچو اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں، آپ نے پوچھا بیٹی! یہ کیا کہتی ہے؟ کون اللہ میاں کول چلا گیا اے؟'' میں نے پھر بتایا کہ 4 چوزے لیے تھے 2 مر گئے ہیں تو ان کا بتا رہی ہے، نانا ابو نے فرمایا کہ چوزے میرے پاس لاؤ! میں چوزے لیکر گئی، فرمانے لگے ان کو ادھر کمرے میں کھلا چھوڑ دو! اس کے بعد ہر روز پوچھتے چوزے کدھر ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ فرماتے بیٹا! باہر سردی ہے، مر جائیں گے، ادھر ہیٹر کے پاس لاؤ! میں ان کو نانا ابو کے کمرے میں کھلا چھوڑ دیتی اور بے فکر ہو جاتی، آپ چوزوں کو دیکھ کر خوش ہوتے، پھر میں کچھ دن چوزے کمرے میں لیکر نہ گئی، تقریباً چھ سات دن گزر گئے۔ آپ نے بھی چوزے لانے کا نہ کہا، پھر ایک دن مجھ سے پوچھا تمہارے چوزے کہاں گئے؟ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ زندہ ہیں، فرمانے لگے میرے پاس لاؤ! میں چوزے لے کر کمرے میں داخل ہوئی

تو دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ یہ نئے لیے ہیں؟ میں کہا نہیں نانا ابو! یہ تو وہی ہیں، فرمایا وہ تو چھوٹے چھوٹے سے تھے، یہ بڑے ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ وہی ہیں! پھر بار بار ماشاء اللہ کہتے جاتے تھے، پھر فرمایا بیٹی! ان کو میرے ہاتھ پر رکھو! میں نے آپ کے ہاتھ پر رکھے، آپ نے ماشاء اللہ کہا پھر ان کو دم کیا، چند دن اور رکھے پھر مجھے خیال آیا کہ اب یہ بڑے ہوگئے ہیں کہیں بلی نہ کھا جائے، ان کو ذبح کروا کے کھالینا چاہیے! چنانچہ نانا ابو سے پوچھ کر انہیں ذبح کروایا، نصف گوشت کی نانا ابو کو یخنی بنا کر دی اور باقی بریانی میں کام آیا۔ اب ان شرارتوں اور باتوں کو یاد کرتی ہوں تو آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں،

ہائے کاش!......کوئی میرے نانا جان مجھے لوٹا دے! مگر کوئی بھی نہیں!...... جو میرے پھول جیسے...... پیارے نانا جان...... مجھے لوٹا سکے!

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو　　گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

تیرے بغیر وقت کی ہر شے اُداس ہے　　ماتم کناں ہیں تیرے لیے دن بہار کے

اُجڑی ہوئی ہے آج چمن کی روِش روِش　　تو جو چلا گیا ہے چمن کو سنوار کے

اس دن کی آرزو میں بہاروں نے رودیا　　جو دن کہ تو گیا ہے چمن میں گزار کے
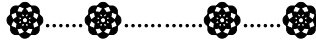
(۷)

نانا جان رحمہ اللہ کی وفات سے ایک شب قبل میں اور امی جان نانا جان رحمہ اللہ کو دبا رہے تھے، امی جان ٹانگیں اور میں سر دبا رہی تھی، نانا جان مجھ سے فرمانے لگے پتر! تو لیٹ جا! میں چارپائی سے تھوڑے فاصلے پر لیٹ گئی، لیکن اس رات مجھے ایسے لگا جیسے کسی نے میرا دل مٹھی میں لے لیا ہو، نیند بالکل نہیں آرہی تھی، دل بہت ہی پریشان تھا کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا معاملہ ہے؟ رات کے تقریباً دو اڑھائی بجے کے قریب ایک بزرگ سفید، صاف ستھرے لباس میں ملبوس کمرے میں داخل ہوئے، امی جان کھڑکیوں کے قریب نانا جان کی ٹانگیں دبا رہی تھیں کہ وہ بزرگ کھڑکیوں کے پاس امی جان کے پیچھے سے ہوتے ہوئے نانا جان کی چارپائی پر پاؤں کی جانب بیٹھنے کے بعد غائب ہوگئے، لائٹ گئی ہوئی تھی، روشنی نہ ہونے کی وجہ سے چہرہ مکمل طور پہ واضح نہ ہوا، اس وقت میں ٹکٹکی باندھے دیکھے جارہی تھی کوئی خوف محسوس نہ ہوا، لیکن بزرگ کے غائب ہونے کے بعد فوراً مجھے ڈر لگنے لگا، اتنا زیادہ خوف طاری ہوا کہ میں سخت ڈر گئی، اور ہمت کر کے امی جان سے پوچھا کہ ابھی آپ کے پاس سے کون بزرگ گزرے ہیں؟ فرمانے لگیں کوئی بھی نہیں! میں نے پھر ساری بات بتائی اور بتایا کہ مجھے ڈر لگ رہا ہے، اتنے میں لائٹ بھی آگئی مگر خوف کم ہونے میں آہی نہیں رہا

تھا، امی جان مجھ سے فرمانے لگیں کہ ادھر میرے پاس آ کر لیٹ جاؤ! میں امی کے قریب لیٹ گئی، امی ایک ہاتھ سے نانا جان کی ٹانگیں دباتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے میرا سر سہلانے لگیں، رات تو اسی طرح خوف میں گزر گئی، صبح اٹھ کر ماموں شاہد سے اس کا تذکرہ کیا ماموں خاموش ہو گئے، پریشانی ان کے چہرے سے صاف جھلک رہی تھی، میرا دل پہلے ہی پریشان تھا اب پریشانی میں اضافہ ہو گیا، مجھے کیا خبر تھی کہ آج نانا جان کا آخری دن ہے؟ آج مجھے پیار کرنے والے، مجھ سے لاڈ کرنے والے، ہمہ قسم مصائب و آلام میں مجھے تسلیاں اور دلاسے دینے والے آج مجھے چھوڑ کر جانے والے ہیں، مجھے کیا خبر تھی؟

خیر جوں توں دن پریشانی میں گزر گیا، اگلی رات معمول کے مطابق ہر ایک اپنے اپنے کمرے میں جا سویا، میں اور امی جان نانا جان کو دبانے لگے، تھوڑی دیر بعد نانا جان نے مجھے فرمایا ''پتر! توں ایتھے لیٹ جا! میں لیٹ گئی، اتنے میں سب بچے کمرے میں داخل ہوئے اور نانا جان کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر سلام کرنے اور چومنے لگے، پھر باہر چلے گئے، تھوڑی دیر بعد بچوں کی فوج پھر آئی اور اپنا عمل دھرایا، ہر ایک نے نانا جان کا ہاتھ پکڑا، سلام کیا، چوما اور باہر چلا گیا، وہ تو اپنے آپ میں کھیل رہے تھے مگر قدرت ان کے مہربان دادا سے ان کو آخری رات میں بار بار سلام کرا رہی تھی، آپ بھی ہر بار ان کے سلام کا جواب دیتے، بچوں کو پیار کرتے، ان کے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے، یقیناً آپ کو تو خبر مل ہی چکی ہوگی کہ وصال محبوب کی گھڑی بس آنے ہی والی ہے، اسی لیے بچوں کے بار بار آنے اور سلام کرنے پر آپ کی طبیعت میں ذرا بھی ملال نہ آیا، بلکہ بچے جوں ہی کمرے میں داخل ہوتے تو نانا جان مسکرا دیتے، امی جان جو کافی دیر سے نانا جان کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر خود بھی مسکرا رہی تھیں، بالآخر بول پڑیں اور بچوں سے کہا کہ اب سب جا کر سو جاؤ! دادا جان کو تنگ نہ کرو! تاکہ وہ بھی کچھ دیر آرام کر لیں، امی جان کو کیا خبر تھی کہ آج اباجی نے ابدی نیند سونا ہے اور پھر اس دنیا میں نہیں اٹھنا، بچے باہر چلے گئے، امی نانا جان کی ٹانگیں اور میں سر دبانے لگ گئی، اسی اثناء میں نانا جان کو تھوڑی سی قے آئی، میں نے نانا جان کو بٹھا دیا، امی جان نے آپ کو گود میں لے لیا، میں دوڑتی ہوئی ماموں کو بلانے باہر نکلی، سامنے شاہد ماموں اخبار پڑھ رہے تھے، ان کو بتایا تو وہ دوڑتے ہوئے اندر آئے، امی نانا جان کی قے صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، ماموں نے رومال سے صاف کی، امی کے کہنے پر میں ماموں عابد اور ماموں راشد کو بلا لائی، سب نانا جان کے کمرے میں پہنچ گئے، پاؤں کی مالش کے باوجود کوئی خاص فرق نہیں پڑا، امی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اسی اثناء میں نانا جان کا سانس اکھڑنے لگا، میری بھی ہچکی بندھ گئی، ماموں کی تسلیاں بھی ہماری آنکھوں میں امڈتے ہوئے آنسوؤں کے سیلاب کو نہ روک سکیں، نانا جان ہمیں روتا دیکھ رہے تھے، نانا جان نے ایک لمبا گہرا سانس لیا، ماموں شاہد نے پوچھا بٹھا دیں؟ اشارے سے

فرمایاہاں، بٹھایاتو صحیح طرح بیٹھ نہیں پا رہے تھے، امی نے گود میں لے لیا، پھر آپ نے ایک اور سانس پہلے کی طرح لیا، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیا کروں؟ کسی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نانا جان کی طبیعت کسی طرح بحال کر دے، نانا جان نے امی کو آواز دی، امی نے کہا جی اباجی! پھر آپ کافی دیر امی کی طرف دیکھتے رہے، پھر مجھے آواز دی، میں آگے ہوئی، رونے کی وجہ سے منہ سے کچھ نہ بول سکی، ماموں عابد نے مجھے ہاتھ سے مزید آگے کیا، نانا جان میری طرف دیکھ رہے تھے اور میں ان کی طرف

نہ جانے کس ادا میری جانب دیکھا تھا
ابھی تک دل میں تاثیر نظر محسوس ہوتی ہے

وہ آخری لمحات مجھے کبھی نہیں بھولتے جب نانا جان نے ہاتھ بلند کر کے کچھ پڑھا، آواز صاف نہ ہونے کی وجہ سے کچھ سمجھ نہ آیا مگر دل کہہ رہا تھا کہ کلمہ طیبہ پڑھ رہے ہیں، اس کے ساتھ ہی تیسرا سانس کھینچا اور امی کی گود میں گر پڑے، یوں ہر تدبیر پر تقدیر غالب آ گئی، اور آپ ہمیں داغِ مفارقت دے کے دارِ فنا سے دارِ بقاء کی طرف رحلت فرما گئے، ''اناللہ ونا الیہ راجعون''

امی جان کہتی ہیں کہ آخری سانس کے بعد اباجی بہت ہی ہلکے ہو گئے تھے، حالانکہ آپ کا کافی وزن تھا، مگر اب محسوس ہی نہیں ہوتا تھا، نانا جان نے آخر میں امی کو اور مجھے آواز دی نجانے وہ کیا فرمانا چاہتے تھے؟ اس کا قلق ساری زندگی رہے گا

دعا کا ٹوٹا ہوا حرف سرد آہ میں ہے
نانا کی جدائی کا منظر ابھی نگاہ میں ہے

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ تمام اہل اسلام بالخصوص میرے دونوں نانا جان کو جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر مقام عطا فرمائے، اور ہم سب کو پوری استقامت اور صلابت کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلنے کی اور تادم آخر ان کے مشن کو جاری وساری رکھنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین اور ان کے تمام صدقات جاریہ کو تا قیام قیامت قائم ودائم رکھے۔ اور ہم کمزوروں کو بھی اپنے فضل خاص سے محشر میں ان کا رفیق بنادے۔ آمین، یارب العالمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

دنیا ہے سکھ سے خالی، دکھ چار سو بھرا ہے　　　　غم کے سوا جہاں میں سوچو تو کیا دھرا ہے؟

❁......❁......(۸)......❁......❁

حضرت نانا جان رحمہ اللہ کے ساتھ ہمارا تعلق صرف اولاد وباپ کا ہی نہیں بلکہ استاد اور شاگرد کا بھی ہے، زندگی کے بہت سے مراحل میں ان سے راہنمائی حاصل کی اور کامیابی پائی۔

دورانِ تعلیم حاضری کے موقع پر اسباق کی تفصیل دریافت فرماتے رہتے اور عبارت ضرور سنا کرتے تھے، ان کی اس توجہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج تک جو بھی سبق پڑھایا طالبات کی عبارت پر خوب توجہ دی، جب پڑھانا شروع کیا تو ہمیشہ فرماتے کہ پہلے کتاب کے مصنف کا نام اور حالات زندگی یاد کرو پھر کتاب پڑھاؤ!

برطانیہ روانگی کے وقت ملاقات کے لیے خدمت میں حاضر ہوئی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا دین پھیلانے کے لیے چن لیا ہے، یہ آپ کی بہت بڑی خوش قسمتی ہے، خوب محنت سے کام کرنا، اور اپنا مسلک ہر چیز سے اہم رکھنا، جب بھی چھٹیوں میں پاکستان آنا ہوتا تو نانا جان محترم کی خدمت میں حاضری ضرور دیتی، ہر ملاقات پر تمام اسباق کی تفصیل دریافت فرمانے کے بعد پوچھتے ''انگریزی بھی آئی ہے یا نہیں؟'' تو میں بتاتی کہ میں انگریزی میں ہی پڑھاتی ہوں، پھر کسی عبارت یا جملے کی انگریزی پوچھتے، جواب دیتی تو خوش ہو کر تائیداً سر ہلاتے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا دیتے۔

والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر جب پاکستان آئی تو بچوں کی دینی تعلیم خصوصاً حفظ کی خاطر یہاں سیٹل ہونے کا پروگرام بن گیا، محترم نانا جان رحمہ اللہ والد صاحب رحمہ اللہ کی وجہ سے بہت آزردہ تھے، میں اور برادرِ مکرم حافظ محمد ابوبکر صدیق ملاقات کے لیے حاضر ہوئے تو میرے چہرے پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے رہے، اور آپ کے آنسو بہہ رہے تھے، میرے بتانے پر کہ ''اب پاکستان میں ہی رہنا ہے'' بہت خوش ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی کتابوں کا انگلش میں ترجمہ کرنا چاہتی ہوں، آپ کی اجازت چاہیے! تو آپ نے بڑی خوشی سے اجازت مرحمت فرمائی۔ اپریل 2009ء میں کچھ ضروری امور نمٹانے کی خاطر ایک ماہ کے لیے برطانیہ جانا ہوا تو وہاں نانا جان رحمہ اللہ کی علالت کی اطلاع ملی، بہت بے چینی ہوئی، اور میں چار کی بجائے 2 ہفتوں میں ہی واپس لوٹ آئی، اگلے ہی روز نانا جان کی خدمت میں حاضری دی، میں نے سوچا کہ شائد علالت کی وجہ سے نہ پہچان پائیں لیکن آپ نے فوراً پہچان لیا اور والدہ محترمہ کا حال پوچھنے لگے، میں نے پوچھا کہ والدہ صاحبہ عدت میں ہیں، لیکن آپ سے ملنے کو بے قرار ہیں؟ آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ شریعت میں گنجائش نہیں، اس لیے ان سے کہو کہ مت آئیں اور وہیں سے میرے لیے دعا کریں۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ میں سال یا دو سال بعد ملتی پھر بھی میرے بچوں کے نام یاد رکھتے اور سب کا نام لے لے کر پوچھتے، آپ کی ایک نواسی اور نواسہ [یعنی میرے خالہ زاد بہن بھائی] بھی برطانیہ میں مقیم ہیں ان کا بھی نام لے کر حال دریافت فرماتے، اور تاکید فرماتے کہ آپس میں ملتے جلتے رہا کرو! اکثر مجھ سے وہاں کے حالات زندگی کے متعلق سوال فرماتے رہتے تھے، اور ہمیشہ ہاتھ اٹھا کر دعا کیا

کرتے تھے۔

ایک چیز جس کا پہلے مضامین میں بھی ذکر ہو چکا ہے، آپ کا جمعۃ المبارک کا معمول یعنی حجامت کرانا اور ناخن کاٹنا، ایک مرتبہ چھٹیوں میں گکھڑ جانا ہوا، جمعہ کے دن صبح ہی اٹھ کر اپنے ناخن کاٹ لیے کہ کہیں شامت نہ آجائے، نانا جان رحمہ اللہ نے پانی کا گلاس مانگا، بڑی مطمئن سی لے کر گئی کہ ناخن تو کاٹ چکی ہوں، جب نانا جان کی نظر پڑی تو بولے کہ ادھر بیٹھ جاؤ! پھر فرمایا کہ ہاتھ آگے کرو، ساتھ ہی ناخن کاٹنے شروع کر دیے، اور یقین کریں کہ جتنے کاٹ چکی تھی اس سے دوگنے کاٹے اور بولے ایسے ناخن کاٹتے ہیں! پھر باقی جتنے دن گکھڑ رہی، محترمہ نانی جان رحمہا اللہ نوالے بنا کر منہ میں ڈالتی رہیں، کیونکہ میری انگلیاں اس قابل نہ تھیں کہ مرچوں کی اذیت برداشت کرتیں۔

ایک مرتبہ عید پر والدہ محترمہ اور دیگر بہن بھائی گکھڑ چلے گئے، صرف میں جہلم رہ گئی، کچھ والد صاحب کے کہنے اور کچھ مدرسہ کی طالبات کی وجہ سے۔ جیسے ہی والدہ صاحبہ گکھڑ پہونچیں ان کی سرزنش کی کہ بچی کو کیوں چھوڑ آئی ہیں؟ پھر عید کی صبح سب بچوں کو کھیلتے دیکھا تو برداشت نہ کر سکے اور فوراً محترم ماموں جان کو بھیجا کہ جاؤ! اسے لیکر آؤ!۔

آپ کی جدائی کا صدمہ ایسا ہے کہ ابھی تک یہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ہمارا کون سا نقصان زیادہ بڑا ہے؟ ایک مشفق، بزرگ راہنما کو کھونے کا یا ایک پھر ایک عظیم سکالر کو کھونے کا؟

اللہ ہمیں اور ہماری اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور اور آخری دم تک اسی پر کاربند رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

❁......❁......(۹)......❁......❁
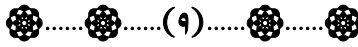
وہ پھول چنا گلستاں سے اجل نے
جس پھول کی خوشبو سے معطر ہے جہاں آج
وہ اسوۂ اسلاف کی درخشندہ علامت
اے خاک! بتا تو نے چھپائی ہے کہاں آج

5 مئی کو اجل نے گلستاں سے ایک اور پھول بلکہ پھولوں کا سردار چن لیا، جسے سپرد خاک کرنے کے لیے لاکھوں افراد کا مجمع سیلاب کی طرح امڈتا چلا آرہا ہے، وہ تشنگانِ علم جو مدارس کی آبرو ہیں وہ علماء ومشائخ جو آج کل کی جہالت کی تاریکیوں میں جگمگاتے چراغوں کی مانند ہیں، عوام وخواص کا ہجوم بے کراں جو دیکھنے والوں کو تاحد نظر دکھائی دے رہا ہے، لوگ اس پھول کو دیکھنے اس طرح ایک دوسرے سے سبقت لے

جارہے ہیں کہ ایسا منظر کم ہی تاریخ نے دکھایا ہوگا، یہ عظمت و رفعت اُس اسوۂ اسلاف کی یادگار کی ہے جو سالہا سال بلکہ اپنی زندگی تمام قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند کرتے ہوئے گزار گیا، جس کو امام اہل سنت کا لقب ملا۔

ہم اس اعتبار سے خوش نصیب ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ننھیال بھی بے مثال عطا فرمائے اور ددھیال بھی بے مثل، جہاں اللہ نے ہمیں دین متین کا غیرت منداور جری محافظ، برجوش مگر باہوش مبلغ، دین کی خدمت میں جان کی پرواہ نہ کرنے والا نڈر ترجمان حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ جیسا دادا عطا فرمایا وہیں شیخ المشائخ، آبروئے دیوبند، امام اہل سنت جیسے نانا سے سرفراز فرمایا۔ہم اس قابل تو نہیں مگران کی نسبت کے حوالے سے کچھ یادداشتیں اس خصوصی اشاعت میں شامل کرانے کی غرض سے یہ سطور تحریر کردیں۔

ہمارا شروع سے ہی کہیں آنا جانا بہت کم رہا ہے، والدہ محترمہ پر جامعہ حنفیہ شعبہ بنات کی ذمہ داری ہونے کی وجہ سے ہم بہت کم ننھیال جاسکے ہیں، بچپن میں تو کئی دفعہ عید کے موقع پر ہی گئے، مگر بعد میں پڑھائی میں مشغولیت کی وجہ سے آنے جانے میں کمی واقع ہوئی، پھر تدریسی مصروفیت شروع ہوگئی تو کہیں جانا تقریباً موقوف ہی ہوگیا، لیکن جب مجھ سے بڑی دونوں ہمشیرہ کی شادی گوجرانوالہ میں ہوئی تو پھران کے ہاں کبھی کبھار آنے جانے کا سلسلہ جاری ہوگیا، ہر بار راستے میں نانا ابو کی خدمت میں حاضری لازمی ہوتی تھی، گکھڑ کی سڑک پر پہونچتے ہی عجیب سے اُنس کا احساس ہوتا، جی ٹی روڈ سے نظرآتا نانا ابو کا گھر بچپن کے سارے مناظر آنکھوں میں سجا دیتا ہے۔ ایک مرتبہ ہم سب کزنیں نانا ابو جی کی خدمت میں حاضر تھیں، مختلف موضوعات پر باتیں ہورہی تھیں، اسی اثناء میں ناک سلوانے کا یعنی ناک میں سوراخ کرواکے نتھلی یا کوکا پہننے کا ذکر چھڑا تو نانا ابو نے ہم سب کو سختی سے منع کیا اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا کیونکہ غسل اور وضو میں ناک کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے، اور عام طور پہ ناک میں پہنا زیور ہلایا نہیں جاتا، جس کی وجہ سے پانی اندر تک نہیں جاتا اور وہ جگہ خشک رہ جاتی ہے، تو مجھے آج بھی وہ بات یاد ہے، باوجود پختہ ارادہ ہونے کے میں نے ناک سلوانے کا خیال ذہن سے نکال دیا۔ اسی طرح میری بہن جو مجھ سے دوسال بڑی ہیں بچپن میں، میں زیادہ صحت مند ہونے کی وجہ سے اُن سے بڑی لگتی تھی، ہمیشہ نانا ابو پوچھتے تھے کہ ''تم میں سے دڈّے (بڑی بہن) کون ہے؟'' اور میں اُن کو کبھی باجی نہیں کہتی تھی تو یہ بھی فرماتے کہ ''تم سے بڑی ہے تو نام کیوں لیتی ہو؟'' دڈّے کہا کرو!

تعلیمی گفتگو کا سلسلہ بھی اکثر چلتا رہتا، چونکہ بہت چھوٹی عمر میں تعلیم مکمل کرلی تھی، خصوصاً قرآن پاک حفظ جب مکمل ہوا تو حسبِ معمول ہمارے جامعہ میں سالانہ جلسے پر ہم دونوں بہنوں کی دستار بندی تھی،

(ہمارے ہاں دستار بندی کا نظم کچھ یوں ہے کہ جامعہ میں قرآن کریم یاد کرنے والے حفاظ کرام وحافظات، اور جامعہ سے فارغ التحصیل ہونے علماء وعالمات کو سالانہ جلسہ میں اعزاز دیا جاتا ہے، لڑکوں کو پگڑی باندھی جاتی ہے جبکہ طالبات کے ورثاء کو چادریں تقسیم کی جاتی ہیں۔) تو اس دن ہمیں نانا ابو کے آنے کی امید تو بہت تھی، لیکن ان کی طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے یہ بھی امکان تھا کہ شائد نہ تشریف لاسکیں، عشاء کے بعد یہ تقریب ہوتی ہے، والد محترم مولانا قاری خبیب احمد عمر صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے نانا ابو کو خصوصی دعوت دی گئی تھی کہ بچیوں کی دستار بندی پر آپ نے ضرور آنا ہے، عصر تک تو ہم منتظر رہے پھر تھوڑی سی امید کم ہوگئی، لیکن عصر کے بعد آپ تشریف لائے میں اگرچہ اس وقت 9 سال کی تھی مگر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر اسی طرح تازہ ہے کہ نانا ابو اور ماموں ہماری بیٹھک میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم دونوں بہنیں بھاگ کر ملنے گئیں، والد محترم دوزانو ہو کر سامنے بیٹھے تھے، اس دن حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ بھی ہماری دستار بندی میں شریک تھے، اب سوچیں کہ وہ کتنا عظیم وقت تھا؟ اس وقت تو بچپنے کی وجہ سے قدر نہیں تھی کہ تین ایسی ہستیاں جن کے دیکھنے کو دنیا ترستی تھی اور جن کے بارے میں ہی کسی شاعر نے یہ کہا

مر گئے تو یہ کتبے پہ لکھا جائے گا
سو گئے آخر زمانے کو جگانے والے

[۱] امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

[۲] قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

[۳] فخر اہل سنت حضرت مولانا قاضی عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ

موت العالِم موت العالَم اکثر سنا پڑھا، لیکن نانا جان رحمہ اللہ کی وفات پر اس کا حقیقی مصداق نظر آیا، زبان ساکت ہے، قلم رک رہا ہے، بے بسی اور پریشانی کی انتہاء ہے کہ ان کی برکات وشفقتوں سے محرومی ہی اب ہمارا مقدر ہے، جب کسی سے عقیدت ومحبت کا تعلق ہو تو اس کا احساس بعد میں ہوتا ہے، جیسے شجر سایہ دار، جب وہ کٹ جائے تو سایہ حاصل کرنے والے کو اس کی کمی کا احساس ہوتا ہے، جب دھوپ کی شدت ناقابل برداشت ہوتی ہے تب اس شجر کی صحیح قدر آتی ہے۔ ہم سب ان کی یادیں رقم طراز کرنے پر تو مجبور ہیں لیکن ان کی خدمات کا اعتراف ہم سب بھی ادا نہیں کر سکتے، کیونکہ ہماری کم فہمی نے ان کے مقام کا صحیح ادراک ہی نہ کیا اور نہ ہی ان کے جانے سے ہونے والے نقصان کا صحیح اندازہ لگایا۔

اگرچہ نانا ابو جی نے اپنی طرف سے اپنی روحانی اولاد کی طرح اپنی حقیقی اولاد کی تعلیم وتربیت میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی، لیکن ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چل کر انہی کی طرح جملہ علوم

وفنون بالخصوص فن حدیث وتفسیر میں مہارت تامہ حاصل کر کے صحیح معنوں میں عالم باعمل بن کر دین کی خدمت کریں، اور جس طرح ان کی عادات واطوار میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک دکھائی دیتی تھی اسی طرح پورے خاندان کو سنت پر عمل پیرا بنائیں، جس طرح ہمارے خاندان کے بزرگوں نے نہ صرف علم وتبلیغ میں نمایاں مقام پیدا کیا بلکہ مسلکی لحاظ سے بھی اکابر علماء دیوبند کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسے وسیع پیمانے پر پھیلایا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ہمیشہ اکابر علماء دیوبند کے دامن سے وابستہ رکھیں اور ہمیں اپنے دین کی خاطر قبول فرمائیں۔

سرمایۂ غم چھین کے رخصت ہوئے احباب اس دشت میں اب چھاؤں گھنی کون کریگا

❁......❁.........❁......❁
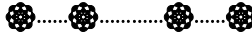
(۱۰)

عروج ایسا نصیب ہوا آپ کو زمانے میں
کہ تارے بھی آپ کی عظمت پہ ناز کریں

مقدر، علم اور عمل ان تینوں چیزوں کا عجیب امتزاج اپنے نانا جی رحمہ اللہ کی زندگی میں دیکھا، مقدر ایسا کہ زمانہ رشک کرے، علم ایسا کہ بڑے بڑے علماء امت ومشائخ تفسیر وحدیث کسب فیض کریں، عمل ایسا کہ آنے والی نسلوں کے لیے نمونہ اور مثال بنے، اللہ تعالیٰ نے اسی علم وعمل کی بدولت ایسا اعلیٰ مقام عطا کیا کہ اس زمانے میں شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو۔

ہر عمل میں شریعت کو ملحوظ رکھتے، جہاں حکم الٰہی اور سنت نبوی کی بات آتی تو اس میں رکاوٹ بننے والے بڑے بڑے طوفانوں سے ٹکرا جاتے، آپ کی مہمان نوازی کی مثال دی جاتی ہے، رشتہ داروں کے ساتھ محبت اور صلہ رحمی کی مثال ایسی قائم کی کہ شاید ہی اس کا نمونہ نصیب ہو سکے، ان کی محبت تو ہر ایک کے لیے تھی، لیکن ہر ایک اسے الگ انداز میں محسوس کرتا ہوگا، مجھے اُن سے جو خلوص، محبت، شفقت، نصیحت، ڈانٹ، تنبیہ وغیرہ نصیب ہوا وہ بھلائے نہیں بھول سکتی، ایسے لگتا ہے کہ گھنی محبتوں کا سائبان ہم سے چھن گیا، دعاؤں سے محروم ہو گئے ہیں، بہت سے واقعات اور خوبصورت باتیں ہیں مگر لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی، ایک دو واقعات تو گویا بالکل نظروں کے سامنے ہیں جو ان کی مجلس میں بٹھا دیتے ہیں

دوران تعلیم اکثر وقت ان کی قربت میں گزرتا، کھانا وغیرہ ان کے کمرے میں لے جانے کی سعادت نصیب ہوتی، ایک روز کمرے میں کھانا لے کر گئی تو کھانا رکھ کر حسب معمول کچھ دیر کے لیے کھڑی ہو گئی، کہ اگر کوئی اور کام ہو یا اور کسی چیز کی طلب ہو تو پیش کی جا سکے، نانا ابو اس دن مزاح کے موڈ میں تھے، میری طرف دیکھ کر کہنے لگے ''منگتی ہو! مانگنے آئی ہو؟'' میں نے عرض کیا کہ میں تو کھانا لے کر آئی ہوں،

مانگنے والوں کے ہاتھ تو خالی ہوتے ہیں! ایک گہری مسکراہٹ آپ کے چہرے پر پھیل گئی، پھر فرمانے لگے کہ بیٹھ جاؤ! آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنے کھانے میں سے کچھ حصہ لانے والے کو عنایت فرماتے، مجھے بھی فرمایا کہ کھالو! جب میں کھا چکی تو مسکراتے ہوئے فرمایا اب بتاؤ! منگتی ہو کہ نہیں؟ ایسی بہت سی محبت بھری باتیں اب یاد آتی ہیں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ اب کون ہم سے اس محبت وشفقت سے پیش آئے گا؟

جمعۃ المبارک کو معمول تھا کہ سب کے ناخن چیک کرتے، بڑھے ہوئے ناخن کاٹ دیتے، لڑکوں کی شامت آتی کہ اُن کے سر پر اُسترا پھروا دیتے، اکثر آپ کی نظر لڑکوں کے بالوں اور لڑکیوں کے ناخنوں پر ہوتی کہ لڑکیاں نیل پالش نہ استعمال کریں، بچپن کی بات ہے کہ ایک دفعہ جمعہ کو سب کے ناخن کاٹے، جب میری باری آئی تو میرے ناخن کٹے ہوئے نظر آئے، تو پوچھا کہ ناخن کھانے شروع کر دیئے ہیں؟ میں نے کہا نہیں آج خود ہی کاٹے ہیں، آپ تو جڑ سے اکھاڑنے کا کام کرتے ہیں، تو مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''میں تمہیں قصائی نظر آتا ہوں؟'' پھر کافی دیر شفقت بھری باتیں کرتے رہے، آہ! اب اُن کی کس کس بات کو یاد کیا جائے

یادیں ہی رہ گئی ہیں فقط حاصل حیات
قبض میں دل کے اب کوئی دولت نہیں رہی

میرے بڑے بیٹے کے حفظ قرآن پر بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور بہت دعاؤں سے نوازا تھا اللہ کرے ان کی دعائیں دنیا آخرت میں ہمارے بچوں کی کامیابی وکامرانی کا سبب بنیں۔

آخری ملاقات دو سال قبل ہوئی تھی، وہ منظر تو نگاہوں سے اوجھل ہی نہیں ہوتا، آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، بار بار بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرنا، میرا ہاتھ چومنا اور دعاؤں کے انبار میں ہمیں رخصت کرنا۔ جیسا مقدر اللہ نے نانا ابو کو دیا اس کا دسواں حصہ بھی ہمیں نصیب ہو جائے تو ہماری آخرت سنور جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کو علوم سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

زندگی تو دونوں بھائیوں کی قابل رشک تھی اور قابل فخر بھی، دونوں کی محبت ایسی کہ زمانے کی گردش اور طوفان بلاخیز بھی اسے کم نہ کر سکے، ان شاء اللہ دونوں کا نام تا قیامت زندہ وتابندہ رہے گا۔

چند سطور تحریر کر دی ہیں، لکھنے کو اس قدر ان کی یادیں ہیں کہ ختم ہی نہ ہوں، مگر برستی آنکھوں اور اُداس دل کے ساتھ بمشکل یہی چند سطور لکھی جاسکیں، یہ کسک ہمیشہ دل میں کچوکے لگاتی رہے گی کہ آخری دیدار نصیب نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ دونوں نانا ابوؤں کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کی تربتوں پر رحمتوں کی بارش ہوتی رہے۔ آمین ثم آمین۔ اور ان کی خدمت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

باب 4

تعزیتی پیغامات و تاثرات

علماء ومشائخ، احباب و متعلقین کے تعزیتی شذرے

یہاں جو کوئی حضرت کی خدمات بیان کرے گا اُس میں استیعاب اوراحاطہ تو کیا کرنا ہے ہاں اپنا تعارف اچھا کرا جائے گا،، اگر حضرت کی کتابوں کے صرف صحیح نام ہی بیان کردے تب بھی بہت بڑا عالم سمجھا جائے گا، جن مضامین وعنوانات پر شیخ نے قلم اُٹھایا ہے، صرف وہ عناوین گنوادے تو بھی اس دور کا بہت بڑا محقق سمجھا جائے گا۔ حضرت کے اساتذہ اور تلامذہ کی ایک حد تک فہرست گنوادے تو اس دور کا اچھا مؤرخ سمجھا جائے گا۔ اگر حضرت کے چند دروس اُس کے پاس محفوظ ہوں انہیں بیان کردے تو اس دور کا اچھا مفسر سمجھا جائے گا۔ یہ وقت فیصلہ دے رہا ہے۔ میں نے دیکھا ہے جس نے حضرت کے چند نکات یاد کر لیے اور کہیں اہلِ علم کی محفل میں بیٹھ گیا تو بہت بڑا علامہ سمجھا جاتا ہے، اور اگر کسی نے ہزاروں کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا، لیکن اسے رب نے فہم سلیم سے نوازا ہو اور کسی بھی باطل کے ساتھ اُس کا ٹکراؤ ہو جائے، اُس نے نہ اپنی کتابیں دیکھیں ہیں اور نہ ہی مخالف کی کتب کی ورق گردانی کی ہے، لیکن اُسے اُس عنوان پر حضرت کا کوئی مضمون مل گیا ہے تو میں چیلنج سے کہتا ہوں کہ اہلِ باطل کا کوئی مناظر اس کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں اپنے یقین سے اور تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں، فقط عقیدت کی بنا پر نہیں کہہ رہا۔ [حضرت حیدری شہیدؒ]

شیخ المشائخ، سراج السالکین،قطب عالم، مرشد العلماء،

حضرت اقدس مولانا **خواجہ خان محمد** صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سجادہ نشین: خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف ضلع میانوالی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

شیخ الحدیث والتفسیر امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تلمیذ رشید شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ، قافلہ اہل حق کے سپہ سالار، عظیم محدث، عظیم مفسر، اس دنیا فانی سے رخصت ہوگئے اور عزیمت واستقامت کے رہرو علماء کبار اور اولیاء ذی احترام کے پاس پہنچ گئے دار العلوم دیوبند نے علم وعمل زہد وورع، تقویٰ وتدین، فضل وکمال، اخلاص واتباع سنت کے حامل افراد کا جو قافلہ تیار کیا تھا حضرت مولانا بھی اسی قافلے کے ہم سفر تھے فقیر کے ان کے ساتھ تعلقات تقریباً پون صدی پر محیط ہیں ویسے تو ان کے ساتھ بہت ساری قدریں مشترک ہیں لیکن دو قسم کے رشتے بڑے اہم ہیں۔ایک یہ کہ ایشیاء کی عظیم درس گاہ دار العلوم دیوبند اور دیوبند میں مرجع الخلائق شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی سے اکتساب فیض اور انکی پاکیزہ صحبت جو اللہ جل شانہ نے ہمیں نصیب فرمائی اور اسی طرح ہمارے حضرت قدوۃ السالکین محبوب العارفین حضرت اعلیٰ خواجہ ابوالسعد احمد خان صاحب رحمہ اللہ کا تعلق بھی خانقاہ موسیٰ زئی سے تھا اور حضرت مولانا کے مرشد حضرت مولانا حسین علی کا تعلق بھی خانقاہ موسیٰ زئی شریف سے تھا۔اس طرح اللہ جل شانہ نے رشد وہدایت کے ان مراکز کے ساتھ ہمیں نسبت عطا فرمائی۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا وہ گونا گوں صفات کے مالک تھے ان کا سایہ بہت سے فتنوں کے لیے سد باب رہا۔ان کا تبحر علمی بے مثال تھا وہ علماء دیوبند کے علم وعمل کے وارث تھے ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ انہوں نے جو کام بھی شروع کیا مستقل مزاجی کے ساتھ کیا اور ہمیشہ عزیمت پر عمل کیا اپنی پوری زندگی دین حق کی حفاظت میں صرف کی اور جب بھی کسی اہل باطل نے اسلام کے مسلمہ اصولوں میں سے کسی ایک اصول کے خلاف قلم اٹھایا تو حضرت مولانا نے بطریقِ احسن اس کا خوب تعاقب کیا ''وجادلھم بالتی ھی احسن کا عملی نمونہ پیش کیا اور دلائل کے میدان میں ہمیشہ

سرفراز ہی رہے لیکن اس مشکل گھاٹی سے گزرتے ہوئے کبھی آپ نے اپنے اکابرین کی تحقیقات سے سرِ مو انحراف نہیں کیا نیز جس طرح آپ نے اپنے قلم کے ذریعے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کا پہرا دیا اسی طرح عملی تحریکات میں بھی شریک رہے بالخصوص 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا اور ناموسِ رسالت ﷺ کے لیے تقریباً 10 ماہ جیل کاٹی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے وہ دین کا روشن چراغ تھے، جن سے بے شمار دینی مشعلیں روشن ہوئی ان کو ایک عالم حق اور باعمل با اخلاص ہونے کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

فقیر دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت غفران ورضوان میں جگہ عطا فرمائے اور امت میں ایسے افراد زھاد پیدا فرمائے جو اقامتِ دین کا فریضہ اسی طرح ادا کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے اہل وعیال اور متعلقین کرام پر ہمیشہ اپنے فضل وکرم کا سایہ رکھے۔

آخر میں اپنے عزیزوں حضرت مولانا زاہد الراشدی، حضرت مولانا عبد القدوس قارن، حضرت مولانا عبد الحق خان بشیر ودیگر صاحبزادگان سے عرض کروں گا کہ وہ اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہمت اور استقامت کے ساتھ دین حق پر سختی سے کاربند رہیں اور اپنی اولاد کو بھی اس پر کاربند رکھیں تاکہ یہ چراغ بجھنے نہ پائے۔

یادگار اسلاف، وکیل صحابہ حضرت مولانا عبد الستار تونسوی دامت برکاتہم العالیہ

سرپرست: تنظیم اہل السنۃ پاکستان

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امام اہل سنت حضرت اقدس علامہ مولانا محمد سرفراز خان صاحب قدس سرہ عصرِ حاضر کے مفسرِ اعظم، محدثِ کبیر، فقیہ امت، محقق ومدقق اور سلطنت ولایت کے تاجدار تھے۔

جنہوں نے شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے علمی دولت اور مفسرِ قرآن ولی کامل حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ علیہ سے روحانی فیوضات حاصل کرکے ہزاروں علماء محدثین ومفسرین، مدرس، خطباء، عامۃ المسلمین کو اپنی خداداد صلاحیت علمیہ وروحانیہ سے فیض بخشا۔ مسلک اہل السنۃ دیوبند کے عقائد نظریات اور حقانیت پر قرآن وسنت کی روشنی میں کتب کثیرہ لکھ کر رہتی دنیا تک علماء اور مؤمنین اہل السنۃ پر بے مثال احسان فرمایا۔ آپ کی علمی، مذہبی، روحانی، دینی خدمات قابلِ صد

تکریم ہیں۔ اس لازوال دولت کے موجب حضرت اقدس رحمہ اللہ قلوبِ اہل اسلام پر ہمیشہ باقی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

صاحبزادۂ ، شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ

محترم جناب......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب (دامت برکاتہم العالیہ) کوئی تحریر نہیں لکھتے۔ یعنی کسی کے خط کا جواب بھی نہیں لکھتے۔ ضعف و بیماری و مصروفیت کی وجہ سے۔ اس لیے یہ تحریر بھی نہ آسکے گی۔......(اُن کا بیٹا) محمد عتیق الرحمٰن 25/05/2009

استاذ المحدثین، شیخ الحدیث، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

[صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ وبعد

حضرت اقدس امام اہل السنۃ مولانا سرفراز صفدر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات، امت کے لیے بڑے خسارے کا سبب بنی ہے۔ احقر کو حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ نیازمندی کا تعلق تو الحمد للہ زمانۂ قدیم سے رہا ہے، حضرت مرحوم کی خدمت میں اُن کے دولت کدہ پر دو مرتبہ حاضری بھی ہوئی، حضرت اقدس ''جامعہ فاروقیہ'' کراچی بھی تشریف لائے لیکن اس سے زیادہ رابطہ کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو دین اسلام کی ہمہ جہت خدمات کی جو توفیق عطا فرمائی تصنیف، تالیف، درس و تدریس، سیاست وقیادت کی مرکزیت، ردِ فرقِ باطلہ کے حوالے سے وقیع خدمات اور ساتھ ہی زمانہ طالب علمی میں مسلسل مجاہدہ وغیرہ، ان تمام امور سے اندازہ ہوتا ہے ''**العطایا علی متن البلایا**'' اور ''**اجرکم علی قدر نصبکم**'' کا اللہ تعالیٰ نے مرحوم ومغفور کو بہترین مظہر بنایا تھا۔

مولانا زاہد الراشدی اور پروفیسر خباب احمد خان کے مضامین مطبوعہ روزنامہ اسلام سے حضرت اقدس مولانا سرفراز صفدر کی ''حیاتِ طیبہ'' کے لیے بہترین مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سلیم اللہ خان

۱۱ جمادی الثانیہ ۱۴۳۰ھ / 5 جون 2009ء

حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمہ اللہ کی چند خصوصیات:

حضرت مولانا خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے فاضل تھے' اور امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ وہ بھی ''دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی کرامت کا فیض ایسا مبارک کیا کہ ایک طرف حضرت مولانا خان محمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کی خدمت کرنے کیلئے اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے جو توفیق مرحمت فرمائی وہ اپنی جگہ پر معروف ہے' معلوم ہے۔ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی اہل السنّت والجماعت کے معتدل مسلک' جس کو ''مسلک علمائے دیوبند'' بھی کہا جاتا ہے اس کی خدمت کی بہترین اور اعلیٰ درجے میں توفیق عطا فرمائی۔ حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے احقر کا تعلق قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے، حضرت کے خطوط بھی میرے پاس آتے رہے ہیں، کئی مرتبہ حضرت والا کی خدمت میں حاضری کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا (خواجہ خان محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک خاص امتیاز تھا ''اخفائے حال'' کا۔ وہ جس مرتبے پر فائز تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو مقام بلند ان کو عطا فرمایا تھا' اس کے بعد اخفاء میں انہوں نے اتنی کوشش کی، اتنی کوشش کی، آپ یوں سمجھئے کہ گفتگو کرنا ہی ختم کر دیا، وہ نہ کہیں بات فرماتے تھے، نہ کہیں تقریر کرتے تھے، نہ کہیں مضمون کی اشاعت کرتے تھے' خاموش رہتے تھے' بالکل خاموش۔ ان کی بارگاہ میں حاضری دینے والوں کی جماعت' سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں ہوتی تھی اور وہ سب کیلئے دعائے خیر فرماتے تھے۔ تو گویا ان کا نمایاں امتیاز ''اخفائے حال'' کا تھا۔ لوگ اپنے آپ کو ظاہر کرنے کیلئے کیا کیا جتن کرتے ہیں اور کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں! لیکن وہاں ان طریقوں کو یکسر نظر انداز کر کے وہ ''اخفاء'' کا اہتمام کرتے تھے۔

دوسرا ایک امتیاز جو میں نے محسوس کیا وہ یہ کہ وہ اپنے اوقات کے بہت سختی سے پابند تھے' ان کے ہاں یہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی کام کیلئے کوئی وقت مقرر کیا گیا ہو اور پھر اس میں آدھے گھنٹے کی تاخیر ہو رہی ہو' یا ایک گھنٹے کی تاخیر وہ وقت کی پابندی بہت اہتمام سے فرماتے تھے۔

اس کے علاوہ تیسری ایک بات میں نے یہ محسوس کی کہ وہ بہت حاضر دماغ انسان تھے، اُن کا دماغ بہت متیقظ تھا اور وہ غفلت کا شکار کبھی نہیں ہوتے تھے۔ یہاں چونکہ مجھے کوئی تفصیلی گفتگو ان کے حوالے سے نہیں کرنی ہے' اس لئے اپنے چند تاثرات کا میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا۔ [۱] ''اخفائے حال'' کا بہت زیادہ اہتمام تھا، [۲] ''وقت کی پابندی'' بہت اہتمام سے فرمایا کرتے تھے۔ [۳] اس کے علاوہ حالات

حاضرہ سے بے خبر نہیں رہتے تھے' حالات کا علم ان کو ہوتا تھا۔

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ:

وہ امام اہل سنت کے مقام پر فائز ہوئے، اللہ نے ان کو جیسی اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی' وہ آپ حضرات کے علم میں ہے۔ مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ علمائے دیوبند کے ساتھ اپنی وابستگی کا جس قوت کے ساتھ اظہار فرماتے تھے اس کا ان کے ایک ارشاد سے انداز ہوتا ہے' فرماتے ہیں:

''میں اگر کسی مسئلے میں تحقیق کروں اور تحقیق بلیغ کے بعد کسی ایک نکتۂ نظر اور کسی ایک رائے پر میں پہنچ جاؤں' تحقیق بھی خوب کی اور تحقیق خوب کرنے کے بعد پھر ایک رائے بھی میری بن گئی اور اس رائے کے بعد پھر میں نے یہ دیکھا کہ علمائے دیوبند کی رائے سے میرے رائے میں ذرا سا اختلاف اور ذرا سا تضاد ہے تو میں......اپنی رائے کے کاغذ کو پھاڑ کر پھینک دوں گا اور علمائے دیوبند نے جو رائے دی ہے اس کو اختیار کروں گا......''

کتنی قوت کے ساتھ انہوں نے یہ بات کہی؟ آپکو معلوم نہیں ہے کہ ان کی تحقیق کا عالم یہ تھا کہ وہ کوئی بات بغیر حوالہ کے نہیں کرتے اور حوالے کے لئے بعض اوقات ساری ساری رات گزر جاتی تھی حوالہ تلاش کرنے میں، اور جب تک وہ حوالہ نہیں مل جاتا تھا ان کو تسلی اور اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

اور ایسا محقق جب ایک رائے قائم کرتا ہے اس رائے کے اوپر اس کو اعتماد بھی ہوتا ہے، لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگر میری رائے علمائے دیوبند کی رائے سے مختلف ہوئی تو میں اپنے رائے پھاڑ کر پھینک دوں گا اور علمائے دیوبند نے جو فیصلہ کیا ہے اسی کو اختیار کروں گا۔

حضرت مولانا سرفراز خان رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کریم کے ساتھ جو شغف تھا اس کا بھی آپ کو علم ہوگا۔ اپنی مسجد کے اندر بھی درس دیتے تھے، اسی طرح ''دارالحدیث'' میں آکر حدیث کا سبق شروع کرنے سے پہلے قرآن کریم کا درس دیتے تھے اور سالانہ بھی ان کے ہاں درس کا اہتمام ہوتا تھا۔ اللہ نے ان سے بڑی خدمت لی ہے۔

تو یہ دونوں حضرات سن 40ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر آئے اور ہم دارالعلوم میں داخل ہوئے، ان حضرات کی واپسی ہو رہی تھی اور ہم دارالعلوم میں گویا پہنچ رہے تھے۔ ان دونوں حضرات نے دارالعلوم میں ایک ایک سال گزارا اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ

کیا۔ہم نے پانچ سال دیو بند کے اندر گزارے اور اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ موقع عطا فرمایا کہ حضرت (مدنی رحمۃ اللہ علیہ) سے ہم نے بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف کی جلد اول پڑھی۔ یہ سعادت اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں عطا فرمائی۔[اقتباس از بیان بر موقع تقریب ختم بخاری شریف، جامعہ فاروقیہ کراچی۔بشکریہ ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان]

مصنف کتب کثیرہ، وکیل صحابہ حضرت **مولانا محمد نافع** صاحب دامت برکاتہم العالیہ

[فاضل دیوبند،]

باسمہٖ تعالیٰ

ازمحمدی شریف ضلع جھنگ 11 جمادی الثانی 1430ھ

عزیزم محترم دام مجدکم وشرفکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی؟

تسلیمات مسنونہ کے بعد گزارش ہے کہ آپ کی طرف سے جوابی مکتوب موصول ہوا۔

بندہ اس وقت نہایت حالت ضعیفی میں ہے اور کئی عوارض لاحق ہیں۔لکھنے پڑھنے کی استطاعت معدوم ہے۔ بنابریں آپ کے فرمان کو پورا کرنے سے معذوری ہے۔

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدرؔ رحمہ اللہ بہت بڑے عالم اور عظیم مصنف تھے۔انہوں نے اپنے دور میں تدریس، تصنیف، تالیف کے ذریعے دین کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ان کے حق میں تعریف وتوصیف کے کلمات تحریر کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ان الفاظ کے ساتھ اپنی عرضداشت ختم کی جاتی ہے۔ والسلام مع الختام نامہ محمد نافع عفی عنہ

13 جمادی الاخریٰ 1430ھ جون 2009ء

برکۃ العصر حضرت مولانا **حکیم محمد اختر** صاحب دامت برکاتہم العالیہ

باسمہ تعالیٰ

محبی المکرّم سرفراز حسن خان صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محدث کبیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی وفات امت مسلمہ کا نقصانِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جن الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے حضرت رحمہ اللہ خانقاہ میں

تشریف لا چکے ہیں اوراس طرح احقر کو بھی حضرت کی ملاقات کا شرف حاصل ہے آپ حضرت کی دینی خدمات اور سوانح حیات مجلّہ المصطفیٰ میں شائع فرمارہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اورامت مسلمہ کے لیے نافع فرمائیں۔آمین......والسلام......حکیم محمد اختر

کتبہ خادمِ خاص حضرت والامدظلہ العالی

۴شوال المکرم ۱۴۳۰ھ......مطابق ۲۴ستمبر ۲۰۰۹ء

❁......❁......❁......❁

نمونہ اسلاف، حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ

[شیخ الحدیث: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا'امیر مرکزیہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت]

مکرم ومحترم: عافانی وایاہ اللہ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت امام اہل حق مولانا سرفراز صاحب رحمہ اللہ سے محبت وعقیدت عرصہ دراز سے ہے پچپن سال قبل دورہ حدیث کے زمانہ میں امام موصوف کی کتابیں گلدستہ توحید، دل کا سرور، آنکھوں کی ٹھنڈک طبع ہوکر موصول ہوئیں تو اسی وقت ان کا مطالعہ کیا اس کے بعد بارہا ملاقات کے لیے نصرۃ العلوم اور گکھڑ منڈی حاضر بھی ہوا۔روایت حدیث شریف کی اجازت بھی ان کے آخری حج کے موقعہ پہ مکہ معظّمہ میں اجازت کی تجدید بھی کی۔حضرت اقدس رحمہ اللہ شفقت ومحبت بھی بہت فرماتے تھے۔دعا ہے اللہ تعالیٰ انکی حسنات قبول فرمائے،انکے بعد اللہ تعالیٰ فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔

مضمون نویسی کا مجھے سلیقہ نہیں اس لیے مفصل مضمون لکھنے سے معذور ہوں۔

والسلام عبدالمجید غفرلہ 9جون2009ء

❁......❁......❁......❁......❁

قائد جمعیت، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہم

امیر: جمعیت علماء اسلام پاکستان

سرخیل علماء دیوبند، امام اہل السنۃ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا علامہ ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ، کا سانحۂ ارتحال پوری امت مسلمہ کے لیے عظیم سانحہ ہے۔ہر مسلمان اُن کی وفات کے صدمے سے دوچار ہے، ان کے جانے سے نہ صرف اُن کی صلبی اولاد بلکہ اُن کی روحانی اولاد سمیت ہم سب اہلِ اسلام یتیم ہوگئے ہیں۔

حضرت ہم سب کا مشترکہ اثاثہ تھے، امت ان کے وجود، برکت اور دعاؤں سے محروم ہوگئی ہے جو یقیناً ایک بہت بڑا سانحہ ہے، وہ ہمارا قومی اور ملی اثاثہ تھے، ان کا خلاء پر ہونا ناممکن ہے۔ جس دینی کام کا انہوں نے بیڑا اُٹھایا تھا ہمیں امید ہے کہ اُن کے فرزندان ضرور اس نیک کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ

[مدیر: جامعہ مدنیہ جدید لاہور]

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امابعد آج سے اٹھارہ بیس برس قبل پہلی بار گکھڑ میں امام اہل السنۃ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر نوراللہ مرقدہ کی زیارت نصیب ہوئی تھی، اس سے قبل اکثر حضرت رحمہ اللہ کا ذکر خیر سنا کرتا تھا، جس کی وجہ سے زیارت کا اشتیاق بڑھتا رہتا۔

حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات آپ کی خصوصی توجہ اور عنایات کی وجہ سے پہلی ملاقات نہ لگی بلکہ ایسا لگا کہ قلبی لگاؤ کے ساتھ برسوں کا تعلق ہے، اُس وقت سے اکثر میرا معمول یہ رہا کہ جب کبھی سفر کے دوران گکھڑ سے گزرتا تو حضرت رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے رُکتا، بعض دفعہ حضرت رحمہ اللہ پر بیماری کی شدت ہوتی، مگر اس کے باوجود گھنٹی بجا کر اندرونِ خانہ سے عموماً جوس طلب فرماتے، آپ کی شدید خواہش ہوتی کہ بغیر اکرام کے کوئی واپس نہ ہو، کبھی علالت کی شدت کے باوجود چہرہ پر بشاشت ہوتی، کبھی مرض کے غلبہ کے اثرات نمایاں ہوتے، اسی حالت میں ایک بار اپنے پرانے تعلق دار میرے اُستاد حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب نوراللہ مرقدہ کے بارے میں احوال دریافت فرمانے لگے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ ہندوستان میں ''سیتاپور'' سے تعلق رکھتے تھے، بعدازاں تقسیم ہند کے اوکاڑہ میں بھی رہے، اس لیے ان پرانے حوالوں سے ان کا ذکر کیا، اس وقت حضرت بیماری سے مغلوب الحال تھے مگر اس کے باوجود ان کی ذہنی بیداری پر بہت حیرت ہوئی۔

اکثر ایسا ہوتا کہ حاضری کے وقت جب مصافحہ کرتا تو شفقتاً حضرت رحمہ اللہ دیر تک ہاتھ پکڑے رکھتے اور چہرہ کو غور سے دیکھتے رہتے، ایک بار حضرت نے انتہائی شفقت ومحبت کا اظہار فرماتے ہوئے مصافحہ کے موقع پر اس ناچیز کا ہاتھ چوم لیا، حضرت کی اس بندہ نوازی پر مسرت وندامت کے ملے جلے جذبات سے دل آج تک شاکر بھی رہتا ہے اور نادم بھی، اس دور میں بڑوں کی طرف سے اپنے چھوٹوں کی حد

درجہ ہمت افزائی اور عنایت نے گزرے وقتوں کے بڑوں کی بڑائی کا عملی نمونہ کھلی آنکھوں دکھلا دیا، رحمہ اللہ تعالیٰ فجزاھم اللہ خیراً

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں شدید تعب (تھکاوٹ) کے باوجود از خود جامعہ مدنیہ جدید تشریف لاتے، کچھ دیر طلبہ کے ساتھ گزارتے اور دیر تک دعائیں دیتے ہوئے واپس تشریف لے جاتے۔

اللہ کی ذات سے امید ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی یہ عنایات ہمارے لیے دنیا و آخرت کا سرمایہ ثابت ہوں گی، اگر چہ حضرت رحمہ اللہ اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں مگر اُن کی تدریسی، تالیفی اور تصنیفی خدمات بعد میں آنے والوں کے لیے تا قیامت روشنی کا مینار ثابت ہو کر حضرت رحمہ اللہ کے ذخیرہ آخرت میں اضافہ کرتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی اولاد کو بھی اُن کے نقشِ قدم پر چل کر دینِ متین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سلطان القلم ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری صاحب زید مجدہ

[ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی]

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مکرمی سلام مسنون

مجھے آپ کا خط مورخہ یکم جون مجلّہ المصطفیٰ کے نمبر 15 کے ساتھ مل گیا تھا، لیکن میں اپنی صحت سے مجبور تھا اور بروقت جواب آپ کو نہ دے سکا، عفو خواہ ہوں۔

رہا حضرت امام اہل سنت نور اللہ مرقدہ پر کچھ لکھنے کا تو حضرت پر ان کے نیاز مند نہیں لکھیں گے تو اور کون لکھے گا۔ حضرت ایک جامع جہات اور مجموعہ کمالات وصفات بزرگ تھے۔ پاکستان میں وہ دیوبندی مکتب فکر کی نمایندہ ایک یادگار شخصیت تھے۔ وہ اسلامی علوم وفنون کے ایک متبحر عالم اور زاہد شب زندہ دار بزرگ تھے...... وہ درس وتدریس کے ایک پختہ استاد اور تصنیف وتالیف میں نام ور مصنف تھے۔ انہوں نے وعظ وتبلیغ اور علمی ودینی صحافت کے میدانوں میں مذاکرات ومناظرات کے ذریعے ملت اسلامیہ پاک وہند کی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ اردو زبان کے ذخیرہ علمی اور مجلّاتی صحافت میں ان کی تالیفات وتحریرات ایک یادگار اضافہ ہے۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کا وجود گرامی اصحاب ہمم اور رجالِ کار کی صف کی ایک نام ور شخصیت تھا اور

اخلاف کے لیے منازل اور حصول مقاصد کے لیے رہنما اور چراغِ منزل کی مثال تھے، وہ ایک خانوادۂ علم ودین وتقویٰ کے گل سر سبد اور اس کی تہذیبی روایات کے امین تھے۔ حضرت کے خاندان کے کتنے ہی افراد نے ملت کے لیے جہاد کی راہ میں ایثار ومال ومعیشت کی تاریخ رقم کی ہے۔ خاک ساران کے مساعی اور خدماتِ علم وعمل کا معترف اور خانوادۂ عظیم کا دل دادہ اور ارادت مند ہے۔

حضرت کے انتقال کے حادثۂ فاجعہ کے بعد ایک بڑی ذمہ داری حضرت کے اخلاف پر آ گئی ہے۔ انہیں حضرت کی علمی دینی روایات کو اپنے کاموں اور سیرت سے آگے بڑھانا اور اپنے آپ کو حضرت کا سچا جانشین ثابت کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے خاندان اور اس کے اسلاف کی تابندہ روایات کو ضرور زندہ رکھیں گے خدا انہیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔

والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم......خاک سار......ابوسلمان
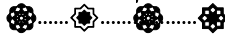
قائد ملت اسلامیہ، مناظر اسلام حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ

مدیر: جامعہ حیدریہ خیر پور میرس سندھ

(حضرت داداجان رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حضرت حیدری شہید رحمہ اللہ نے 'جامع مسجد عمر فاروق'' گکھڑ منڈی میں تعزیتی خطاب فرمایا، جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔[خادم، حمزہ])

حضرت اقدس امام اہل السنۃ شیخ الحدیث والتفسیر مولانا علامہ ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی رحلت امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے، آپ کے جانے سے ایک عالم تاریک ہوگیا ہے۔

میری طرح بے شمار لوگ وہ ہوں گے جن کو یہاں سے گزرتے ہوئے یہ شہر روک لیا کرتا تھا، اور ان کے لیے حضرت شیخ کی زیارت کے بغیر آگے جانا مشکل ہو جاتا تھا، ہاں ان کی دعائیں پھر آگے کے لیے ''زادِ راہ'' بن جاتی تھیں، صرف میں ہی نہیں بے شمار لوگ ایسے ہیں جن کو اپنی منزل کے تعین میں اگر مشکل پیش آئی تو حضرت شیخ کے ایک اشارے سے حل ہوتی چلی گئی۔

عام طور پر ہمارے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ ہم ایک الگ تھلگ تنظیم میں چل رہے ہیں لیکن مجھے اور میرے ساتھیوں کو معلوم ہے کہ ہمیں جہاں بھی رکاوٹ پیش آئی ہم نے یہیں سے راہنمائی حاصل کی۔ اس دور میں کوئی بھی دینی جماعت حضرت کی راہنمائی سے بے نیاز نہ تھی۔

میں یقین سے کہتا ہوں کہ آئندہ بھی اہلِ باطل اور باطل کے خلاف حفاظتِ دین کے لیے جو بھی افراد یا جماعتیں اہل زبان وقلم اٹھیں گے وہ حضرت رحمہ اللہ کی کتابوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، اُن کے لیے

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بہت بڑا ذخیرہ دلائل کا بہت بڑا انبار ہر عنوان پہ جمع کر چھوڑا ہے جو اُن کے لیے مشعلِ راہ بنا رہے گا اور کسی باطل کے مقابلے میں آنے والے حضرت شیخ کی محنت، فیض اور ان کی تصنیفات سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

حضرت کی یادیں انمنٹ نقوش بن کر رہیں گی، ساتھیوں نے مائیک تو مجھے پکڑا دیا ہے لیکن حضرت کے بارے میں میرا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے الٹا ادب کے خلاف ہی نہ ہو، حضرت کی خدمات کے ذریعے ہم اپنا تعارف تو کرا سکتے ہیں کہ حضرت کی ہمیں اتنی باتیں معلوم ہیں، حضرت وارث ہیں اُس ذات کے جس کی تعریف اُس کی تعریف نہیں ہوتی بلکہ اس سے اپنی عزت بڑھانی ہوتی ہے

ما اِن مدحتُ محمداً بمقالتی

ولکن مدحت مقالتی بمحمد

یہاں جو کوئی حضرت کی خدمات بیان کرے گا اُس میں استیعاب اور احاطہ تو کیا کرنا ہے ہاں اپنا تعارف اچھا کرا جائے گا،، اگر حضرت کی کتابوں کے صرف صحیح نام ہی بیان کر دے تب بھی بہت بڑا عالم سمجھا جائے گا، جن مضامین وعنوانات پر شیخ نے قلم اُٹھایا ہے، صرف وہ عناوین گنوادے تو بھی اس دور کا بہت بڑا محقق سمجھا جائے گا۔ حضرت کے اساتذہ اور تلامذہ کی ایک حد تک فہرست گنوادے تو اس دور کا اچھا مؤرخ سمجھا جائے گا۔ اگر حضرت کے چند دروس اُس کے پاس محفوظ ہوں انہیں بیان کر دے تو اس دور کا اچھا مفسر سمجھا جائے گا۔ یہ وقت فیصلہ دے رہا ہے۔ میں نے دیکھا ہے جس نے حضرت کے چند نکات یاد کر لیے اور کہیں اہلِ علم کی محفل میں بیٹھ گیا تو بہت بڑا علامہ سمجھا جاتا ہے، اور اگر کسی نے ہزاروں کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا، لیکن اسے رب نے فہم سلیم سے نوازا ہو اور کسی بھی باطل کے ساتھ اُس کا ٹکراؤ ہو جائے، اُس نے نہ اپنی کتابیں دیکھیں ہیں اور نہ ہی مخالف کی کتب کی ورق گردانی کی ہے، لیکن اُسے اُس عنوان پر حضرت کا کوئی مضمون مل گیا ہے تو میں چیلنج سے کہتا ہوں کہ اہلِ باطل کا کوئی مناظر اس کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکتا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ جو میں کہہ رہا ہوں اپنے یقین سے اور تجربے کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں، فقط عقیدت کی بنا پر نہیں کہہ رہا۔

حضرت کو جس نے دیکھا، جس زاویے سے دیکھا اُدھر سے بحرِ بیکراں پایا، جو جس فن میں پیاسا آیا سیراب ہو کر گیا، میں اگر چہ بہت دیر سے پہنچا لیکن پھر بھی یہ سمجھتا ہوں کہ میرا دامن تنگ ہو گیا، اور میں سیر ہو گیا۔ میں سوالوں کی جھولیاں بھر کر لایا کرتا تھا، یہاں ایک ایک سوال کا ایک ایک جواب نہیں، بلکہ ایک ایک جملہ کئی کئی سوالوں کا جواب ملتا تھا۔

بھائی منہاج الحق صاحب بہت خوش نصیب ہیں انہیں آخر میں بہت سارا وقت انہیں بہت ہی قریب رہنے کا موقع ملا، اور بہت سوں کے ساتھ بہت ساری شفقتیں انہوں نے آنکھوں سے دیکھیں، مجھ پر شفقتوں کے بھی یہ عینی گواہ ہیں، اللہ انہیں سلامت رکھے اور حضرت کے تمام صاحبزادگان، ورثاء شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کو حضرت کے مشن کی تکمیل کی ہمیشہ توفیق بخشے۔ (آمین)

❁......❁......❁......❁......❁

حضرت مولانا نور اشرف ہزاروی مدظلہ العالی

[استاذ الحدیث: جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم]

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، برصغیر کی علمی شخصیتوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، میں اس مختصر مقالہ میں صرف تین باتیں اختصاراً عرض کرتا ہوں [۱] وسعت علمی [۲] وسعت خلقی [۳] خلوص وللّٰہیت۔

وسعت علمی:

آپ کی وسعت علمی کا حال یہ تھا کہ احقر نے 1983ء میں آپ سے دورہ تفسیر پڑھا، سبق کے دوران تفسیری حوالوں کے انبار لگا دیتے تھے، اگر دوران سبق کوئی طالب علم سوال کرتا تو نہایت اطمینان سے کسی مستند تفسیر کے حوالے سے جواب دیتے، ہمیں حیرانگی ہوتی کہ اس بڑھاپے کی عمر میں بھی آپ کو یاد ہے کہ یہ بات فلاں مفسر نے لکھی ہے، ایک دفعہ فرمایا کہ ''میں نے اٹھارہ سال مختلف علوم وفنون پڑھائے ہیں کسی بھی فن کو اتنا مشکل نہ پایا جتنا کہ اس کے بعد احادیث کے فن کو مشکل پایا، کیونکہ کسی حدیث کی کتاب کی شرح دیکھ کر پڑھا لینا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ فن حدیث کو سمجھنا اصل علم حدیث ہے، جس میں اسماء الرجال کی کتابوں کی معرفت، ان کا طرز، ان کے رموز،، مشترکہ اسماء کے رواۃ کا فرق اور رواۃ حدیث کے حالات وغیرھا بے شمار شعبے ہیں علم حدیث کے''، اللہ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کو علم حدیث میں بھی دیگر علوم کی طرح ایسی مہارت کاملہ عطا فرمائی تھی کہ جس کا اعتراف برصغیر کے تمام جید علماء نے کیا، آپ کی کتابیں اس پر شاہدِ عدل ہیں۔

ایک دفعہ فرمایا تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ اس برصغیر میں شاید ہی کسی کا مطالعہ مجھ سے وسیع ہو، فرمایا میں نے غیر مسلموں کی کتابوں کا بھی کافی مطالعہ کیا ہے، البتہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کے متعلق فرمایا کہ ان کا مطالعہ مجھ سے وسیع تھا کیونکہ ان کو بیرون ملک کتب خانوں سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔

آپ کی تصانیف آپ کی وسعت علمی کا شاہکار ہیں، جس موضوع پر بھی آپ قلم اٹھاتے اس کے تمام پہلوؤں کا تجزیہ کر کے اس کو مدلل فرما کر مخالفین پر تمام راستے بند کردیتے، جس کو شوق ہو وہ آپ کی تصنیفات ملاحظہ کرلے۔

اسباق میں آپ کا انداز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے بہت مشابہ تھا، بندہ کو چونکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ایک دو کیسٹیں سننے کا اتفاق ہوا ہے، وہی طرز حضرت شیخ رحمہ اللہ کی تقریر وتدریس میں جھلکتا تھا، صاف صاف موتی رواں دواں ہوتے تھے۔

وسعت اخلاق:

آپ کو اللہ تعالیٰ نے خُلق نبوی کا نمونہ بنایا تھا، سبق سے فراغت کے بعد طلبہ مختلف قسم کے سوالات کرتے آپ باوجود تھکاوٹ کے نہایت ہی خندہ پیشانی سے سب سوالات کے تسلی بخش جوابات مرحمت فرماتے،، کبھی کسی دن فرماتے کہ اب بوڑھا ہوگیا ہوں، 5 گھنٹے مسلسل بولنے سے تھک جاتا ہوں، میرا بھی کچھ خیال کیا کرو! اسباق کے دوران تعویذات لینے والے بھی آتے رہتے، ان کو بھی تعویذ لکھ کر دیتے رہتے، مہمان کا بہت اکرام فرماتے تھے، باوجود مالی حالت کمزور ہونے کے مہمان کی خدمت میں کسر نہ چھوڑتے۔

ظرافت طبع: اپنی طبعی خوش اخلاقی کی وجہ سے کبھی ظرافت بھی فرماتے، وفاق کے ساتھ الحاق سے قبل جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں امتحان کے لیے آپ تشریف لاتے تھے، ایک دفعہ ہمارا قدوری کا امتحان لیا، ایک ساتھی نے ’’کتاب الاَیمان‘‘ میں بجائے ’’اَیمان‘‘ کے ’’اِیمان‘‘ پڑھ دیا تو آپ نے فرمایا ’’تمہاری قدوری بہت اچھی ہے اس میں اِیمان کی بحث بھی ہے ہماری قدوری میں اِیمان کی بحث نہیں ہے۔‘‘

ایک دفعہ سبق کے دوران تعویذ لینے والے کچھ زیادہ آگئے تو آپ نے خوش طبعی کے طور پر ایک نابینا طلب علم کو فرمایا ’’حافظ صاحب! ڈنڈا لیکر دروازے پر بیٹھ جاؤ! جو تعویذوں والا نظر آئے اس کو ڈنڈا لگاؤ، نابینے کو نہ کوئی نظر آئے نہ کسی کو ڈنڈا پڑے۔

فرمایا میں ایک جگہ درس دے رہا تھا، داڑھی کے متعلق ذکر کیا تو ایک سکول ماسٹر کہنے لگا کہ داڑھی فطرت کے خلاف ہے کیونکہ بچہ بغیر داڑھی کے پیدا ہوتا ہے، میں نے کہا ماسٹر صاحب! تمہارے دانت توڑ دینے چاہییں اس ظریفانہ جواب میں دو پہلو ہیں ایک اظہار غضب کہ داڑھی کو خلاف فطرت کہنے والا اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے دانت توڑ دیئے جائیں، دوسری بات یہ سمجھا دی کہ اگر فطرت وہی چیزیں ہیں جو پیدائش کے وقت ہوتی ہیں تو دانت بھی خلاف فطرت ہوئے کیونکہ پیدائش کے وقت یہ بھی نہیں ہوتے لہٰذا

ماسٹر کے دانتوں کو توڑ دینا چاہیے۔

خلوص وللّٰہیت:

اخلاص اگر چہ ایک مخفی صفت ہے لیکن بعض پوشیدہ چیزیں علامت سے پہچانی جاتی ہیں، آپ کے حالات سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ خلوص کے پیکر اور للّٰہیت کے جذبے سے معمور ہیں، ایک دفعہ فرمایا مجھے ایک سکول میں درس دیتے 40 سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے انہوں نے میرا مشاہرہ 60 روپے مقرر کیا تھا آج تک وہی 60 روپے ہیں فرمایا شاید اُن کے ذہن میں یہ ہو کہ اس طرح یہ درس دینا چھوڑ دے گا، فرمایا جب تک ہمت ہے نہ چھوڑوں گا۔

ایک دفعہ فرمانے لگے، ''دو دو ماہ سے زیادہ عرصہ گزر جاتا ہے ہمیں پھل کھانا نصیب نہیں ہوتا''، مدرسہ اور مسجد سے معمولی وظیفہ ملتا، باوجود کثیر العیال ہونے کے اسی پر گزارا کرتے کبھی اضافہ کا مطالبہ نہ کیا، عملی زندگی سنت مطہرہ کے نور سے منور تھی، دین متین کی خدمت بے لوثی کے ساتھ زندگی کا مشن تھا، عبادت وریاضت کے ساتھ تعلق مع اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے، مخلوق خدا پر شفقت ورحم دلی امتیازی وصف تھا، اسی حال میں رہتے ہوئے اپنی زندگی کے ایام مستعار گزار کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، امید ہے کہ وہ اس آیت کریمہ کے مستحق ہو چکے ہوں گے "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" میرے بندوں میں داخل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا!

اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور جنت الفردوس ان کا مسکن بنائے اور ہمیں بھی اللہ تعالیٰ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ان کے ساتھ تلمذ کے تعلق کو ہمارے لیے ذریعہ نجات بنائے۔آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوۃ والتسلیم

❁......❁......❁......❁......❁

ابن سفیر ختم نبوت حضرت مولانا **محمد الیاس چنیوٹی** مدظلہ

ناظم اعلیٰ: ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد، چنیوٹ

اللہ تعالیٰ کے نظام کائنات اور قدرت وحکمت میں انسانوں کا آنا جانا مقدر ہے۔اپنی اپنی باری پر کچھ آرہے ہیں اور کچھ جا رہے ہیں مگر کچھ ایسی سعید روحیں بھی ہوتی ہیں جو بڑی مدت کے بعد آتی ہیں ان کا اس دنیا میں تشریف لانا باعثِ رحمت .....اور دارِ فانی سے دارِ باقی کو سدھار جانا مخلوق خدا کے لیے محرومی کا باعث بنتا ہے۔حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی وفات پر علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ بلاشبہ انہیں شخصیات میں سے ایک تھے جو آج ہم میں موجود نہیں ہیں اور ان کی جدائی کی وجہ سے ہم بہت سے فیوض وبرکات سے محروم ہیں تاریخ اسلام پر اگر نظر دوڑائی جائے تو آپ کی طرح ہمہ جہت شخصیات بہت کم سامنے آئیں گی۔ امام اہل السنۃ ایک جامع المحاسن شخصیت تھے۔

آپ بیک وقت ایک مفسر، محدث، فقیہ، مناظر، مصنف، خطیب وادیب اور صاحب نسبت وطریقت بزرگ بھی تھے......ان گونا گوں صفات سے مزین.....حضرت والا سے شعبۂ زندگی کا ہر فرد استفادہ کرتا رہا ہے۔ طلباء اور عوام الناس تو اس علم وعرفان کے بحر بیکراں سے اپنی تشنگی دور کرتے ہی رہے ہیں......لیکن آپ کی ذات اقدس علماء کرام کے لیے خصوصاً ابرِ رحمت کی طرح تھی......اور ان پر سایہ فگن تھی......علم کا پیکر......چلتی پھرتی لائبریری...... بڑے بڑے مقدمے منٹوں اور سیکنڈوں میں وا فرما دیتے تھے۔ علم معقول اور منقول میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا......مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ کی ایک خصوصی اور منفرد علمی کاوش اور خدمت فتنوں کی سرکوبی اور تعاقب رہا ہے......اس دشت میں جو بھی قدم رکھتا ہے وہ مخالفین کی خوب خبر لیتا ہے اور اس میں کچھ حضرات اخلاقی روایات سے چشم پوشی کا مظاہرہ فرماتے ہیں...... لیکن حضرت رحمہ اللہ نے ہر فتنے کو آڑے ہاتھوں لیا اور تعاقب کا حق ادا کر دیا......اور اس کے ساتھ اپنے اکابر کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے حدِ اعتدال کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا...... بڑے سے بڑے مخالف کو......اور ان کی بدترین سخت کلامی کا جواب بھی علمی وقار، متانت اور سنجیدگی سے دیا......کہ مخالفین بھی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ الغرض اختلافی مسائل میں حضرت کا قول سند کا درجہ رکھتا ہے۔

ہمارے نوجوان طلباء اور علماء کرام کے لیے یہ طرزِ عمل مشعلِ راہ رہا ہے یقیناً اس سے آدمی کی بہت سی توانائیاں ضائع ہونے سے بچ جاتی ہیں...... بلکہ تناور درخت کی شکل اختیار کر کے انسان کو اور مضبوط کر دیتی ہیں۔ ہمارے نوجوان علماء، طلباء اور مبلغین کو خصوصاً حضرت رحمہ اللہ کے طریقِ اعتدال کو اپنے لیے کامیابی کا راستہ تصور کرنا چاہیے۔ حضرت پچاس سے زیادہ کتب کا ایک وسیع علمی ذخیرہ چھوڑ کر عالمِ آخرت کی طرف رختِ سفر باندھ گئے، ہمیں ان سے خوب استفادہ کرنا چاہیے۔

آپ کی تعلیم وتربیت، وقت کے بہت بڑے بڑے شیوخ اور نابغۂ روزگار شخصیات سے ہوئی ہے آپ کی ایک ایک ادا میں اپنے اکابر واسلاف کا پرتو تھا ساری زندگی سنت کی ترویج اور بدعات کے رد میں گزار دی آپ کی عملی زندگی میں اس کی واضح جھلکیاں نظر آتی ہیں......آپ کی زندگی کا احاطہ کرنا میرے بس

کی بات نہیں...... سب چیزیں انشاء اللہ حضرت کی سوانح میں آئیں گی...... جنہیں امید ہے مفکرِ اسلام جانشین امام اہل السنۃ حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ......ترتیب دے رہے ہوں گے...... حضرت کے کچھ خودنوشت حالات بھی مختلف جرائد وغیرہ میں آچکے ہیں...... اور کچھ آپ اس خصوصی شمارے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت رحمہ اللہ کی زیارت کا بندہ کو کئی دفعہ شرف حاصل ہوا ہے۔ حضرت والد گرامی کی حیات میں جب بھی حاضر ہوا تو ختمِ نبوت کے متعلقہ سرگرمیوں کے بارے میں خوب دریافت فرمایا اور جب تک تسلی نہ ہوتی مختلف پہلوؤں پر سوال فرماتے رہتے...... چونکہ چنیوٹ کے ساتھ ہی قادیانیوں کا مرکز چناب نگر واقع ہے تو اس لیے حضرت رحمہ اللہ کو کافی فکر لگی رہتی...... اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں خصوصاً آگاہی حاصل کرتے۔ حضرت والد گرامی رحمہ اللہ (سفیرِ ختمِ نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ) کی وفات کے بعد ان کے مشن اور ختمِ نبوت کی سرگرمیوں کے بارے میں بہت زیادہ متفکر رہتے...... اور اس کے بارے میں خصوصاً استفسار فرماتے...... حتیٰ کہ چنیوٹ سے جانے والے اکثر حضرات سے اس کے بارے میں پوچھتے رہتے...... ایک حاضری کے موقعہ پر بندہ نے آپ کی خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کے بارے میں سوال کیا تو اس کا تفصیل کے ساتھ جواب مرحمت فرمایا...... جواب آپ کی تصنیف لطیف ''توضیح المرام فی نزولِ مسیح علیه السلام'' کی ابتداء میں مرقوم ہے۔ گذشتہ سال افریقہ کے سفر کے دوران حضرت کی کتاب ''ختمِ نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں'' سے مولانا زاہد الراشدی اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب استفادہ فرما رہے تھے۔ یہ مختصر کتابچہ اپنی مثال آپ ہے۔

دوماہی ''المصطفیٰ'' کے ایڈیٹر اور تمام کارکنان مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان حضرات نے حضرۃ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی یاد میں ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔ جس میں حضرت کے حالات وواقعات کو اکٹھا کیا گیا ہے تاکہ علماء، طلباء، اور عوام الناس تک یہ چیزیں پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی سعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ اور ہم سب کو حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین یارب العالمین

والسلام......مولانا محمد الیاس چنیوٹی

رکن پنجاب اسمبلی...... مہتمم جامعہ عربیہ چنیوٹ

❁......❁......✡......❁......❁

حضرت مولانا عرفان الحق حقانی صاحب مدظلہ

محترم المقام جناب مدیر منتظم صاحب مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور وحفید صاحب مولانا صفدر رحمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ   امید ہے مزاج بخیر ہوں گے!

آپ حضرات کی طرف سے ارسال کردہ مکتوب بسلسلہ ''خصوصی اشاعت'' امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ موصول ہوا، جواباً دو عدد مضامین ارسال خدمت ہیں۔[۱] پیکر علم وعمل۔ [۲] مکاتیب امام اہل السنۃ بنام شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ ومولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ۔

امید ہے کہ ''المصطفیٰ'' کے خصوصی اشاعت میں شائع فرمائیں گے۔

والسلام......حافظ محمد عرفان الحق حقانی

[استاذ ''جامعہ حقانیہ'' اکوڑہ خٹک]

4/6/2009

❁......❁......❁......❁
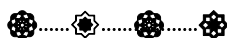
مناظر اسلام حضرت مولانا محمد عبدالغفار تونسوی مدظلہ

[صدر: تنظیم اہل سنت پاکستان]

امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صاحب نور اللہ مرقدہٗ عالم اسلام کے عظیم محدث اور بلند پایہ روحانی پیشوا تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں جہاں ہزاروں علماء کرام کو علوم اسلامیہ کی دولت کی نوازا۔ وہاں عامۃ المسلمین کو روحانی طور پر رشد وہدایت کی راہ پر گامزن فرمایا۔

مولانا مرحوم کی علمی مذہبی روحانی خدمات قابل صد تحسین ہیں بلکہ رہتی دنیا تک بقا کا موجب ہیں۔ اللہ رب العزت حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

❁......❁......❁......❁......❁

حضرت مولانا محمد صدیق ارکانی صاحب مدظلہ

(مدیر منتظم: ماہنامہ ''حق نوائے احتشام'' کراچی)

محترم المقام ذوالمجد والاحترام جناب سرفراز حسن خان حمزہ صاحب زید مجدہم

السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

مزاج بخیر! اللہ آپ کو سدا خوش رکھے اور جملہ خدمات کو قبول ومنظور فرمائے۔ آمین ثم آمین برحمت سید المرسلین

خلاصۃ المرام وغایۃ البیان یہ ہے کہ آپ کا ارسال کردہ خط اور اشتہار مل گیا، اور شمارہ جولائی [جون میں لگایا گیا ہے۔ خادم] 2009ء میں لگا دیا گیا ہے۔ امید ہے ہفتہ عشرہ کے اندر رسالہ بھی مل جائے گا۔ راقم الحروف نے بھی ایک مضمون امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے، جس کی کاپی پیشِ خدمت ہے،

اگر مناسب محسوس فرمائیں تو خصوصی شمارے کی زینت فرما کر شکریے کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

ولکم جزیل الشکر والامتنان

اخوکم فی اللہ محمد صدیق ارکانی/۲جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ،۲۱مئی 2009ء

مبلغ اسلام حضرت مولانا **طارق جمیل** مدظلہ [مهتمم: جامعة الحسنين فیصل آباد]

امام المحدثین حضرت امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے مقام ومرتبہ کو اہل علم ہی صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں، وہ اہل السنۃ کا عظیم سرمایہ تھے، انہوں نے اپنی ساری زندگی دینی تعلیم کے فروغ' دین حق کی اشاعت اور مسلک اہل السنۃ علماء حق علماء دیوبند کے تحفظ ودفاع میں بسر کی، حضرت رحمہ اللہ کی وفات عالمِ اسلام کا عظیم سانحہ ہے، جس کا مداوا ممکن نہیں، ان کی خدمات رہتی دنیا تک مسلمانوں اور خاص طور پر علماء کرام کے لیے مشعلِ راہ رہیں گی۔

حضرت رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات پر دنیا بھر کے علمی ودینی حلقوں میں جس وسیع پیانے پر رنج وغم کا اظہار کیا گیا ہے اس سے ان کے غیر معمولی علمی مقام ومرتبہ کا کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت کی وفات کے موقع پر میں ناروے کے تبلیغی دورہ پر ہونے کی بناء پر حضرت رحمہ اللہ کے جنازہ میں حاضری کی عظیم سعادت سے محروم رہا۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے مشن اور کاز کو زندہ رکھنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے' آمین

شاعر انقلاب، پروانۂ ختم نبوت، محترم جناب **سید سلمان گیلانی** صاحب مدظلہ

محترم جناب سرفراز حسن خان حمزہ صاحب زید قدرہ (مدیر منتظم: مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی!

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیے
ڈھونڈا فلک نے برسوں جنہیں خاک چھان کر

امام اہل السنۃ محدثِ عصر مولانا سرفراز صاحب صفدر رحمہ اللہ کی ہستی اس زمین پر اللہ کی آیات میں سے ایک آیت سمجھی جاتی تھی۔ حضرت رحمہ اللہ کے علمی کارنامے، ان کی حکمت بھری باتیں اہلِ علم وحکمت جانیں، میں تو ایک ہیچ مدان، ہیچ رو، ہیچ کس انسان ہوں منقولات سے آشنا ہوں نہ معقولات سے آگاہ ہوں، نہ صرفی ہوں نہ نحوی ہوں نہ قرآنی معارف وعلوم سے بہرہ ور ہوں نہ حدیث وفقہ کی تشریحات وتوضیحات کا

علم رکھتا ہوں، شیخ کی علمی، تدریسی زندگی اور ان کے کمالات وواقعات سے ان کے ہزاروں شاگرد اپنے اپنے انداز سے اپنے اپنے رنگ میں بتائیں گے میں نے جوان کی شخصیت کے بارے میں سنا یا چند ملاقاتوں میں ان کا حسنِ اخلاق، ان کا اکرام ضیف دیکھا ان کو تقاریر میں، گفتگو میں، علمی موضوعات پر بحث کرتے دیکھا یا ان کی بعض تصنیفات اپنی کور علمی کے باوجود مطالعہ کیا تو یہ کہنے میں ''باک'' محسوس نہیں کی کہ آپ ''شیخ الکل'' ہیں۔ عالم کی تعریف جاہل کرے تو یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ شعر وادب کی داد ایک سخن ناشناس دے تو کوئی وجہِ عزت نہیں ہے۔ کمال والے جس کو کمال کہیں اصل کمال وہ ہوتا ہے۔ لہٰذا میرے جیسے کم علم کا حضرت کے بارے میں کچھ عرض کرنا ان کے لیے کوئی وجہِ افتخار نہیں ہے۔ بس چند اشعار ان کی محبت میں کہے ہیں ارسال خدمت ہیں۔ قبول فرمائیں ؎ خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاطینت را

(غمزدہ) سید سلمان گیلانی

487 عباس بلاک مصطفیٰ ٹاؤن لاہور

25/05/2009

《1》

عبدالرحیم [گوجرانوالہ]

راقم کے والد گرامی استاد العلماء حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مدظلہ (استاد الحدیث: جامعہ نصرۃ العلوم) گوجرانوالہ نے ایک خواب دیکھا، جس کی حقیقت کچھ یوں ہے

راقم الحروف ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ بمطابق یکم مئی 2009ء بروز جمعہ منادی کی پکار سے اٹھا اور نمازِ فجر ادا کی، بعد از تلاوت کلام پاک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، تو والدہ صاحبہ نے دروازہ کھولا اور فرمایا کہ تمہیں تمہارے والد بلا رہے ہیں، میں والد صاحب کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ تلاوت فرما رہے تھے، مجھے دیکھ کر خاموش ہوگئے اور پوچھا کہ ''حضرت شیخ (رحمہ اللہ) کی طبیعت کیسی ہے؟ میں نے پوچھا ''کیا معاملہ پیش آیا''؟ فرمانے لگے ''ایک خواب دیکھا ہے''! میں نے عرض کی کیسا خواب؟ فرمایا ''رات تہجد کے بعد جب میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں تفسیر جلالین ہے اور میں اسے بند کر رہا ہوں''، میں نے پوچھا :اس کی تعبیر کیا ہے؟ فرمایا کہ ''کسی شیخ وقت کا انتقال ہوگا'' راقم نے شیخ کی طبیعت معلوم کرنے کے لیے ادھر اُدھر فون کیے تو معلوم ہوا کہ حضرت کی طبیعت پہلے ناساز تھی اب قدرے بہتر ہے۔ اسی دن نمازِ جمعہ کے بعد ایک ساتھی نے فون پر اطلاع دی کہ ''حضرت شیخ کی طبیعت خراب ہے اور جامعہ نصرۃ العلوم میں حضرت کی صحت یابی کے لیے دعا کی گئی ہے'' والد صاحب کو اطلاع ملی تو وہ اور پریشان ہوئے، میں نے مزید تحقیق کے

لیے امام اہل السنۃ کے پوتے سرفراز حمزہ سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ''پہلے شیخ کی طبیعت خراب تھی، اب بحمد اللہ کافی بہتر ہے'' میں نے ملاقات کا وقت دریافت کیا لیکن اپنی کم مائیگی اور نالائقی کی بناء پر حاضری نہ دے سکا۔ لیل ونہار کی گردش چلتی رہی، حتیٰ کہ خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آ گیا، بروز منگل رات تقریباً سوا دو بجے کے قریب اطلاع ملی کہ شیخ کا انتقال ہو گیا ہے۔ مجدد ملت، بوحنیفہ وقت، آیۃ من آیات اللہ، امام اہل السنۃ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اس خبر کا سننا تھا کہ دل دہل گیا اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، زبان پر بے ساختہ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کا ورد جاری ہو گیا۔ ذہن میں حضرت والد صاحب کا خواب گردش کرنے لگا، دل میں حضرت مولانا عبد اللہ بھکروی مدظلہ کا قول یاد آنے لگا، کہ لگتا ہے کہ اللہ نے بساط ارضی کو لپیٹنے کا ارداہ کر لیا ہے۔

اللہ حضرت رحمہ اللہ کروٹ کروٹ راحت اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

تیرے بغیر وقت کی ہر شے اداس ہے — ماتم کناں ہیں تیرے لیے دن بہار کے
اجڑی ہوئی ہے آج چمن کی روش روش — تو جو چلا گیا چمن کو سنوار کے
اس دن کی آرزو میں بہاروں نے رو دیا — جو دن کہ تو چلا گیا چمن میں گزار کے

اے فدائے دینِ حق! اے اسلام کے چراغ!
عمر بھر مٹنے نہ پائیں گے تیری رحلتوں کے داغ

﴿2﴾

مولانا محمود عالم صفدر [اوکاڑوی]

یہ دنیا چل چلاؤ کا گھر ہے مگر کچھ ہستیاں ایسی بھی آتی ہیں جن کے تذکرے ان کے جانے کے بعد بھی محفلوں کو گرماتے رہتے ہیں، علمی محفلوں کا آغاز بھی انہی کے علوم کے مرہونِ منت ہوتا ہے اور اختتام بھی، وقت کا محقق ہو یا طالب علم، راہِ مستقیم کا شاہسوار ہو یا پیادہ، سب اس کے علم کے خوشہ چیں ہوتے ہیں۔ وہ ہدایت کا منارۂ نور سخت دھوپ میں ابرِ رحمت، سخت پیاس میں آبِ شیریں کی مانند ہوتے ہیں۔ آنے والی نسلیں ان کے نقوش پا سے راستہ تلاش کرتیں ہیں منزل پر پہنچنے والے ان کے احسان کے ممنون ہوتے ہیں، سمندر کی مچھلیاں ہوں یا دریا کی مخلوق، بلوں کی چیونٹیاں ہوں یا جنگل کے جانور سب کے سب ان کے نفوسِ قدسیہ کے لیے دست بدعا ہوتے ہیں، کیوں نہ ہوں؟ اس لیے کہ ان کے علم میں ہوتا ہے کہ ان ہی کے وجود سے عالم قائم ہے انہیں کی برکات سے رحمتیں برستی ہیں ان کی نفوس قدسیہ کی بدولت عالم عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون ہے۔ انہی لوگوں کے متعلق زبان وحی خفی نے فرمایا ''انما یقبض العلم

بـقبـض الـعـلـمـاء'' کہ علم کو اٹھانا ان کے نفوس کا اٹھنا ہے انہی نفوس قدسیہ میں سے ہمارے امام اہل السنۃ سلطنتِ علم کے بے تاج بادشاہ امام الاولیاء شیخ المفسرین محدث اعظم پاکستان حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ تھے۔ آہ! اب ہر طرف اندھیرا ہے۔ بندہ اپنے تلامذہ سے کہا کرتا ہے کہ بڑوں سے یاری (محبت) کے فوائد بھی ہیں اور نقصان بھی۔ فوائد یہ کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ وہ دینی کام لے لیتے ہیں جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے۔ نقصان یہ ہے کہ ان کے جانے پر دل پر کئی قیامتیں برپا ہوتیں ہیں۔ بندہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے رئیس المناظرین وکیلِ احناف حضرت اقدس مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ پھر سیدی ومرشدی قائد اہل السنۃ وکیلِ صحابہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ پھر سیدی مرشدی قطب العصر حضرت مولانا سید امین شاہ رحمہ اللہ کی جدائی کے غم اٹھا چکا ہے اب امام اہل السنۃ پر نوحہ کناں ہے ہر طرف اندھیر ہے معلوم نہیں اب کیا بنے گا۔ اللہ اپنے دین کا محافظ ہے اگر چہ رجال کار پیدا ہوں گے مگر جو گئے ان کی مثل نہ **مضت الدهور**

امام صاحب موصوف کا تقویٰ طہارت رسوخ فی العلم ملکہ تصنیف تالیف قوتِ درس وتدریس سب کچھ مسلم ہے مگر سب سے بڑھ کر آپ میں جو چیز تھی وہ تھی فتنوں کا تعاقب، وہ کون سا فتنہ ہوگا جس کا آپ نے تعاقب نہ کیا ہو غیر مقلدیت ہو یا مماتیت، رافضیت ہو یا خارجیت، انکارِ تقلید ہو یا انکارِ حدیث آپ نے ہر فتنہ کا تعاقب فرمایا، اور اس کے رد میں اپنے تمام قوتیں برئے کار لا کر اس فتنہ کا ایسا تعاقب فرماتے کہ اس کو نانی یاد آجاتی۔

آج بھی امام اہل السنۃ کا مشن تبھی زندہ رہے گا کہ ہم ہر فتنہ کا تعاقب کریں خوش قسمت ہیں آپ کے فرزندوں میں حضرت قارن صاحب کہ ان کا قلم اور مولانا عبد الحق خان بشیر کہ ان کا قلم وزبان دونوں فتنوں کی تردید میں مصروف ہیں۔ ضرورت ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہے۔ جس نے بھی امام اہل السنۃ کے ذوق وفکر کو نہ اپنایا وہ نام کا شاگرد یا مرید تو ہوگا، حقیقت اس سے دور ہوگی اللہ تعالیٰ ہمیں امام اہل السنۃ کے نقشِ قدم پر چلائے اور ان کے فیوضات کو تادیر ہم پر جاری وساری رکھیں۔ آمین بجاہ النبی الامی الکریم

﴿3﴾

مولانا محمد عمران ولی [کراچی]

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے شاگرد ایسے عظیم الشان عطا فرمائے کہ انہوں نے بھی ہر میدان میں اپنے استاد کی یادیں تازہ کیں اور آج بھی دنیا کے اطراف واقطار میں حضرت رحمہ اللہ کے تلامذہ اپنے استاد کے نقشِ قدم پر چل کر امت کی راہنمائی اور ان کی مسیحائی کا کام کر رہے ہیں۔

فی زمانناانہی عظیم لوگوں اور حضرت شیخ الاسلام کے شاگردوں میں سے ایک مقدس ہستی، محدث کبیر، مصنف شہیر، حضرت شیخ الاسلام کے علوم کے وارث وامین، متصلب فی الحنفیۃ، فکر دیوبند کے علمبردار حضرت علامہ ابوالزاہد مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تھے، جنہوں نے تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل عازم ملک عدم ہوکر ہمیں داغِ مفارقت دے دیا۔

حضرت علامہ صفدر رحمہ اللہ کو راقم الحروف نے کب دیکھا؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کروڑ ھا رحمتیں وبرکتیں نازل فرمائے شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خان صاحب رحمہ اللہ کی مرقدہ پر کہ وہ وقتاً فوقتاً اکابر علماء کرام کو کراچی لانے کا بندوبست فرماتے، جس سے طالبان علوم ونونہالان مدارس کو زیارتِ اکابر کا سنہرا موقع میسر آجاتا۔......5 مئی 2003 کی تاریخ اور اتوار کا دن تھا، پونے 11 بج رہے تھے، کہ یکا یک طلبہ کرام کے کانوں تک یہ خبر پہنچی کہ محافظِ مسلک دیوبند علامہ صفدر صاحب تشریف لاچکے ہیں، طلبہ سے بھی خطاب فرمائیں گے، قطار در قطار طلبۂ کرام مسجد بنوری ٹاؤن کے ہال کی جانب گامزن ہوئے اور حضرت کا خطاب سننے کے لیے منبر کے اردگرد جمع ہوگئے۔

حضرت رحمہ اللہ منبر پر تشریف لائے، سفید کپڑے زیبِ تن تھے، سفید بڑا عمامہ سر مبارک پر، دائیں کندھے پر سرخ دھاری دار رومال، کالے کاربن کا فریم وچشمہ، سفید چمکتی داڑھی، خوب صاف مونچھیں، اور ہاتھ مبارک میں عصاء تھامے منبر پر عجیب ہی جمال وجلال میں نظر آرہے تھے، جامعہ علوم اسلامیہ کے مدیر حضرت شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب بارک اللہ فی حیاتہ الغالیہ نے استقبالیہ خطاب فرمایا اور حضرت صفدر صاحب کو اپنی اور تمام اساتذہ وطلبہ کی جانب سے خوش آمدید کہا۔

حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ اپنے استقبالیہ کلام میں رو پڑے اور روتے ہوئے فرمایا کہ ''ہماری آنکھیں ترستی ہیں اکابر کے دیدار کے لیے، یہ اللہ کا فضل ہے کہ آج ایک عظیم بزرگ ہمارے درمیان موجود ہیں''۔

استقبالیہ خطبہ کے بعد حضرت صفدر صاحب نے مختصراً کچھ کلمات ارشاد فرمائے، جنہیں جلدی میں بندہ نے اپنی کاپی میں درج کرلیا تھا۔

حضرت رحمہ اللہ نے آیت "لا یحطمنکم سلیمان و جنودہ" پڑھ کر فرمایا کہ ''جس طرح اس لاچار معذور مادہ چیونٹی نے اپنی قوم کی خیر خواہی چاہی، ہمیں بھی چاہیے کہ ایک دوسرے کی بھلائی سوچیں''۔

......﴿فرمایا ''میں آپ کا قدردان ہوں اور اس ملاقات پر خوش ہوں''

......﴿فرمایا ''میں بیمار ہوں فالج زدہ ہوں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتا''

بیان کے بعد طلبہ نے مصافحہ شروع کیا حضرت منبر پر ہی جلوہ افروز تھے

؎ کیسا حسین خواب تھا سوچا کریں گے ہم

باب 5

مقالات ومضامین

احباب، تلامذہ، مریدین، معتقدین

کے

مضامین، تاثرات اور جذبات

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

کی تالیفات

[۱] خزائن السنن (تقریر ترمذی)

[۲] احسن الکلام (مسئلہ فاتحہ خلف الامام)

[۳] تسکین الصدور (مسئلہ حیات النبی پر مدلل بحث)

[۴] الکلام المفید (مسئلہ تقلید پر مدلل بحث)

[۵] ازالۃ الریب (مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث)

[۶] راہِ سنت (ردِ بدعات پر لاجواب کتاب)

[۷] آنکھوں کی ٹھنڈک (مسئلہ حاضر ناظر پر مدلل بحث)

[۸] احسان الباری (بخاری شریف کی ابتدائی ابحاث)

[۹] طائفہ منصورہ (نجات پانے والے گروہ کی علامت)

[۱۰] ارشاد الشیعہ (شیعہ نظریات کا مدلل جواب)

[۱۱] درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ

[۱۲] عبارات اکابر (اکابر علماء دیوبند کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات)

[۱۳] تبلیغ اسلام (ضروریات دین پر مختصر بحث)

[۱۴] گلدستہ توحید (مسئلہ توحید کی وضاحت)

[۱۵] دل کا سرور (مسئلہ مختارِ کل کی مدلل بحث)

[۱۶] راہِ ہدایت (کرامات ومعجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت)

[۱۷] بانی دار العلوم دیوبند (مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے حالات زندگی اوران پر اعتراضات کے جوابات)

[۱۸] ینابیع (غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ)

[۱۹] چراغ کی روشنی (معراج النبی کے بارہ میں قادیانی وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات

[۲۰] مسئلہ قربانی (قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث)

[۲۱] عیسائیت کا پس منظر (عیسائیوں کے عقائد کا رد)

[۲۲] مقالہ ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں

[۲۳] المسلک المنصور

[۲۴] اتمام البرہان رد توضیح البیان

[۲۵] حلیۃ المسلمین (داڑھی کا مسئلہ)

[۲۶] توضیح المرام فی نزول مسیح علیہ السلام

[۲۷] آئینہ محمدی (سیرت پر مختصر رسالہ)

[۲۸] شوقِ حدیث (حجیت حدیث پر مدلل بحث)

[۲۹] ملا علی قاری اور مسئلہ علم غیب وحاضر ناظر

[۳۰] تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین

[۳۱] باب جنت بجواب راہِ جنت

[۳۲] الکلام الحاوی (سادات کے لیے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث)

[۳۳] مودودی صاحب کا غلط فتویٰ

[۳۴] تفریح الخواطر بجواب تنویر الخواطر

[۳۵] چہل مسئلہ حضرات بریلویہ

[۳۶] عمدۃ الاثاث تین طلاقوں کا مسئلہ

[۳۷] الشہاب المبین بجواب الشہاب الثاقب

[۳۸] اظہار العیب بجواب اثبات علم الغیب

[۳۹] سماع موتیٰ

[۴۰] چالیس دعائیں

[۴۱] مقام ابی حنیفہ

[۴۲] صرف ایک اسلام

[۴۳] حکم الذکر بالجہر

[۴۴] شوق جہاد

[۴۵] انکارِ حدیث کے نتائج (منکرین حدیث کا رد)

[۴۶] مرزائی کا جنازہ اور مسلمان

[۴۷] اخفاء الذکر (ذکر آہستہ کرنا چاہیے)

مولانا عبدالرزاق سکندر مدظلہ

مشاہدات وتاثرات

قرآن کریم میں ہے:''اللّٰہ یجتبی الیہ من یشأ ''...اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں...یا یوں کہئے: جسے چاہتے ہیں اپنا بنالیتے ہیں۔ دیکھا جائے تو جاذبہ الٰہی اسباب، وسائل، خاندان، برادری، مال، دولت،شکل،صورت، ذہانت، ذکاوت،شہر، دیہات، ملک،قوم، زبان اور لغت میں سے کسی واسطے، وسیلے، ذریعے اور سیڑھی کا محتاج نہیں۔ وہ چاہے تو افریقہ کے دور دراز، پسماندہ علاقے اور کالی رنگت کے غلام حضرت بلالؓ کو مؤذنِ رسول بنادے، ان کا فضل متوجہ ہو تو ایران کے حضرت سلمانؓ فارسی کو اہل بیت کا رکن بنادے اور نبی امیؐ یہ فرمادیں:''سلمان منا ''ان کی عنایت شامل ہو تو روم کے مسکین حضرت صہیب رومیؓ کو رشک ملائک بنادے اور حارثہ کے بیٹے حضرت زیدؓ کو خاندان نبوت کا رشتہ دار بنادے۔

اگر ان کی عنایت وکرم نوازی نہ ہو تو نوح علیہ السلام کے بیٹے، ابراہیم علیہ السلام کے باپ اور نبی الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید خواہش کے باوجود، آپ کے حقیقی چچے ابوطالب کو ہدایت سے محروم کردیا جائے.....اور فرمادیا جائے:''انک لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشأ ''... آپ جس کو ہدایت دینا چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، ہدایت تو اس کو ملے گی جس کو اللہ چاہیں گے...

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو مُردوں سے زندہ، زندوں سے مردہ، عالموں سے جاہل، جاہلوں سے عالم، مسلمانوں سے کافر اور کافروں سے مسلمان پیدا فرمادیں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:''یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ''... مردوں سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندوں سے مردہ...

ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں دین وشریعت، مذہب وملت اور قرآن وسنت کی حفاظت و صیانت اور اشاعت وترویج کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں اور اس سے علومِ نبوت کی حفاظت وپاسبانی اور اشاعت وترویج کا ایسا کام لیتے ہیں کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔

ایک ایسا بچہ... جس کا ظاہری اسباب میں کوئی سرپرست ہو... نہ ماں باپ کی محبت وشفقت کا سایہ... اس کے پاس مال واسباب کی قوت ہو اور نہ علمی تحقیقی خاندان کا پس منظر... اس کے دل میں علوم نبوت کا شوق پیدا کردیں ... علومِ نبوت کے لئے اس کو بے قرار کردیں... اس کو آبادی وشہروں سے بہت دور سنگلاخ وادیوں، دشوار گزار

راستوں اور بلند و بالا پہاڑوں سے اٹھا کر علم و تحقیق کے مراکز تک پہنچادیں... اصحابِ فنون کی بارگاہ علم وفن تک پہنچادیں... ان سے کسب فیض کے مواقع مہیا فرمادیں... از ہر ہند دارالعلوم دیوبند تک لے جائیں... یکتائے روزگار اساتذہ، ماہرین ظاہر و باطن اور عبقری شخصیات کے علوم و معارف سے جرعہ نوشی کا شرف بخشیں... ان کے حقائق و معارف کو جذب اور ہضم کرنے کا سلیقہ بخشیں... تکمیل علوم کے بعد نا مساعد حالات اور مخالف ماحول میں بٹھادیں... بٹھا کر استقامت عطا فرمائیں... کام کی شکلیں سمجھائیں... مشکلات و مصائب جھیلنے کی ہمت عطا کریں ... درس و تدریس کے ساتھ ساتھ دین حنیف کے دوسرے شعبوں میں بھی بے مثال خدمت لے لیں... علماء اور عوام کے دلوں میں اس کی عظمت بٹھادیں... اسے حجت وسند اور ریاست وسیادت کے مرتبہ ومقام پر فائز کر دیں... اور ہندو پاک بلکہ پوری دنیا کے اہل حق کی دلوں کی دھڑکن بنادیں... اربابِ علم و تحقیق اور اصحابِ قلوب کا معتمد و مرجع بنادیں وغیرہ... یہ کسی انسان کے بس کا روگ نہیں، بلکہ یہ سب کچھ جاذبہ حق کا کرشمہ اور عنایت الٰہی کی برکات ہیں۔

یقیناً اب تک کی اس بے ربط نقش سازی اور حرف نویسی سے قارئین نے کسی حد تک اندازہ لگالیا ہوگا کہ ہمارا روئے سخن کس طرف ہے؟ اور ہم کس عبقریٔ دوراں اور نامور شخصیت کا تذکرہ، یا بارگاۂ الٰہی میں اس کی مقبولیت و محبوبیت کا ذکر کرنا چاہتے ہیں؟ یا وہ کون تھے جن کے پاس بظاہر اسباب و وسائل اور خاندانی قوت وطاقت کا سہارا نہیں تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو عظمت و رفعت کی اوج ثریا تک پہنچایا تھا؟ اس سے ہماری مراد ہے ہمارے اور علمائے دیوبند کے محبوب امام اہل سنت حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ۔ جن کا ۵/مئی ۲۰۰۹ء کو پیر اور منگل کی درمیانی شب دو بجے انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

یہ کوئی لفاظی نہیں بلکہ حقیقت واقعی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ کسی مال دار باپ کے چشم و چراغ نہیں تھے، نہ ہی آپؒ کا کسی نامی گرامی، علمی اور تحقیقی خاندان یا روحانی گدی سے تعلق تھا، بلکہ آپ نے ۱۹۱۴ء میں ضلع مانسہرہ کی ایک غیر معروف بستی ڈھکی چیڑاں ''داخلی کڑمنگ'' کے ایک متوسط گھرانے میں جناب نور احمد خانؒ بن گل احمد خانؒ کے گھر میں آنکھ کھولی، بچپن سے ہی آپ کے سر سے والدین کریمین کا سایہ عاطفت اٹھ گیا۔ اعزہ اقرباً میں سے بھی آپ کی دینی، مذہبی، اخلاقی اور تعلیمی تربیت کرنے والا کوئی نہیں تھا، اور نہ ہی اُس دور میں چنداں رسد ورسائل کے اسباب تھے، ایسے میں آپؒ کا دین، دینی علوم، قرآن وسنت اور علومِ نبوت کی طرف متوجہ ہونا، اس کے لئے دور دراز اور دشوار گزار پہاڑی راستوں پر پیدل سفر کر کے اکابر اہلِ علم اور اربابِ فن کی بارگاہ تک پہنچنا، ان سے کسب فیض کرنا بلکہ اس غرض سے اس دور کے علمی مراکز، مدارس اور اساتذہ کی تلاش میں مارا مارا پھرنا، اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ کو لئے لئے پھرنا اور آخر میں دارالعلوم دیوبند پہنچ کر علم حدیث کی تکمیل کر کے فاتحہ فراغ پڑھنا، اپنی مدد آپ کے تحت گکھڑ پہنچنا، مخالف ماحول میں بیٹھ کر علومِ نبوت کی ترویج کرنا، مخلوق خدا کی اصلاح و تربیت کے لئے کڑھنا، عملی اقدام کرنا، بغیر کسی تخلف کے پچپن

سال تک مسجد کی امامت، خطابت، درس قرآن، درسِ حدیث دینا، چالیس سال تک بلا معاوضہ ٹریننگ اسکول میں روزانہ درس قرآن دینا، گکھڑ سے روزانہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کے لئے آنا، جانا، کچھ ریل گاڑی کے ذریعے اور کچھ پیدل سفر کر کے مدرسہ پہنچنا اور ۳۲ سال سے زائد عرصہ تک دیگر کتب کے علاوہ صرف بخاری شریف اور دورۂ حدیث کے اسباق پڑھانا، دوسری خدمات کے علاوہ علمی و تحقیقی کتب تصنیف کرنا، مناظرے، مباحثے کرنا، مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کرنا، مخالفین کے پروپیگنڈے کا جواب دینا، ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا، پوری ایک جماعت یا اکیڈمی کا کام اکیلے اور تن تنہا انجام دینا، بلاشبہ یہ سب کچھ کسی انسان کے بس کا روگ نہیں، یقیناً یہ جاذبہ الٰہی اور مقبولیت عنداللہ کی برکات ہیں۔

یوں تو ہم حضرت امام اہل سنت قدس سرہ کو حضرت بنوری قدس سرہ کی برکت سے بہت پہلے سے جانتے تھے اور ہم ان کو اپنے اکابر واساتذہ ومشائخ کی جگہ سمجھتے تھے، مگر جب سے ان کی مشہور زمانہ کتاب ''تسکین الصدور'' منصۂ شہود پر آئی اور اس پر اپنے دور کے جہابذہ علم و تحقیق نے تقریظات لکھ کر ان کے علم وفضل کا اعتراف اور ان کی تحقیقات پر اعتماد کا اظہار کیا، اس وقت سے ان کی عظمت ورفعت کا نقش دل پر ثبت ہو گیا۔

حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ سے محبت وعقیدت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ہمارے شیخ و مربی حضرت اقدس مولانا سیّد محمد یوسف بنوری قدس سرہ بطورِ خاص حضرت امام اہل سنت کی تعلیمی، تدریسی، اصلاحی، تحقیقی اور تصنیفی خدمات اور متنوع کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کو نہایت اونچے الفاظ میں یاد کرتے تھے۔

چونکہ حضرت امام اہل سنتؒ عوامی نہیں تحقیقی انسان تھے، اس لئے آپ زیادہ تر درس، تدریس، تالیف، تصنیف اور اصلاح خلق کی اہم خدمات میں مصروف رہتے تھے، لہٰذا آپ کا کہیں سفر پر جانا بہت کم ہوتا تھا، تاہم جب کچھ عرصہ قبل کراچی کے علماء نے آپ کو دعوت دی اور آپ کو ''امام اہل سنت'' کے عنوان سے متعارف کرایا گیا، تو آپ نے ازراہ تواضع اور کسر نفسی اس کو یوں تعبیر فرمایا کہ کچھ احباب نے مجھے ''امامِ اہل سنت'' کہا ہے، ہاں ان کی بات کسی حد تک اس لئے درست ہے کہ گکھڑ میں اہل سنت والجماعت کی ایک مسجد ہے اور میں اس کا امام ہوں، لہٰذا اس اعتبار سے میں امام اہل سنت ہوں۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ کو جنہوں نے جولائی ۲۰۰۳ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ میں حضرتؒ کو اقرأ حفاظ کی تقریب کے لئے دعوت دی اور قریب قریب ایک ہفتہ تک آپؒ مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ کے گھر پر قیام پذیر رہے، اس دوران تقریباً روزانہ یا ایک دن چھوڑ کر حضرت امام اہل سنتؒ سے ملاقاتیں رہیں، اس دوران آپؒ، حضرت بنوریؒ اور جامعہ علوم اسلامیہ کی نسبت سے بہت ہی لطف ومہربانی اور شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے رہے۔ غالباً اسی سفر کے بعد مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ نے ایک دن اطلاع دی کہ حضرت والا نے

اس ناکارہ کو بھی اپنے خدام (خلفاء ناقل) کی فہرست میں شامل فرمالیا ہے۔ بلاشبہ یہ ان کا حسن ظن تھا ورنہ: 'من آنم کہ من دانم' میں سمجھتا ہوں یہ بھی ان کے حضرت بنوریؒ سے تعلق اور محبت کا کرشمہ ہے کہ آپؒ حضرت بنوریؒ کے ادنیٰ ترین خدام کو بھی اپنی نوازشات کا مورد بناتے رہے۔

۱۳/ اپریل ۲۰۰۹ء کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا سالانہ شوریٰ کا اجلاس تھا، ویسے تو ہر سال شوریٰ کا اجلاس مرکزی دفتر ملتان میں ہوتا ہے، مگر چونکہ ایک عرصہ سے حضرت الامیر خواجہ خواجگان خان محمد صاحب دامت برکاتہم بوجہ ضعف ونقاہت کے سفر سے قاصر ہیں، اس لئے طے ہوا کہ اس سال اجلاس کندیاں شریف میں ہوگا۔ لہٰذا کندیاں جانے کے لئے لاہور کا راستہ اختیار کرنا تھا، اسی دوران ہمارے رفقاء نے اطلاع دی کہ کندیاں شریف جاتے ہوئے حضرت امام اہل سنت کی زیارت وملاقات کا نظم بھی بنالیا گیا ہے۔ اگرچہ میں بھی کمزور ہوں اور بیماری کی وجہ سے روڈ کے طویل سفر سے کتراتا ہوں، مگر یقین جانئے کہ اس اطلاع پر مجھے بے حد خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے احباب کو کہ انہوں نے اس کا نظم بنایا اور ہم سب حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے، حضرتؒ سے ملاقات ہوئی، حضرت نے نہایت محبت وشفقت کا مظاہرہ فرمایا، تمام احوال پوچھے قوت حافظہ اور ذہنی استحضار دیکھ کر بہت ہی مسرت ہوئی اور یقین ہوگیا کہ جو حضرات اپنے دل ودماغ اور صلاحیتوں کو قرآن وسنت اور علوم نبوت میں استعمال کرتے ہیں ان کو دنیا میں نقد اس کا یہ بدلہ دیا جاتا ہے کہ باوجود ۹۸ سال کی عمر ہوجانے کے آج بھی ہشاش بشاش اور ہوش وحواس، بلکہ قوتِ حافظہ کے اعتبار سے جوانوں سے زیادہ جوان ہیں۔ بہرحال حضرت سے ملاقات اور مصافحہ کیا رخصت لے کر کندیاں شریف آگئے۔ آج میں سوچتا ہوں کہ کس کو معلوم تھا کہ یہ حضرت سے آخری ملاقات تھی؟

تاہم میں سوچتا ہوں اور خوش ہوتا ہوں کہ ایک عالم ربانی اور محقق یزدانی اللہ والے کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگیا اور ہم نے ان سے دعائیں لے لیں۔

آج وہ ہمارے اندر نہیں ہیں مگر ان کی یادیں اور ان کی حسنات وخدمات ہمارے لئے باعث ہدایت وراہ نمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے اخلاف کو ان کے مشن پر کاربند رہنے اور ان کے طریق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ اللھم ادخلہ الجنۃ بغیر حساب، اللھم لاتحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

عبدالرزاق سکندر

/جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ

چند یادیں

ناچیز کو حضرت امام اہل سنت موصوف رحمہ اللہ سے پہلی واقفیت اس وقت ہوئی جب ۱۳۷۹ھ میں اپنے دورۂ حدیث کے دوران ہم نے استادِ محترم حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم سے درسِ ترمذی میں بار باران کی کتابوں کا حوالہ سنا، اور جوں جوں ان کی تحقیقات اختلافی مسائل میں سامنے آتی گئیں، ان کی وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر کا نقش گہرا ہوتا گیا۔

لیکن پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق اکتوبر 1976ء میں ہمارے والد ماجد، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تعزیت کے لیے دارالعلوم کراچی تشریف لائے، اس ملاقات سے محبت وعقیدت کا نقش اور گہرا ہوا، اور غالباً اسی وقت انہوں نے یہ بھی بتایا تھا انہیں بھی ہمارے والد ماجد سے تلمّذ کا شرف حاصل ہے۔

پھر 1986 عیسوی کی دھائی میں ناچیز لاہور سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں گکھڑ منڈی خاص اس مقصد کے لیے حاضر ہوا کہ دیوبندی اور بریلوی مکاتبِ فکر کے درمیان جو خلیج بڑھتی جارہی ہے اسے کم، بلکہ ختم کرنے کی راہ تلاش کی جائے، اس مقصد کے لیے پہلے ہی ہماری کئی ملاقاتیں مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب سابق مہتمم دارالعلوم نعیمیہ لاہور، مفتی ظفر علی نعمانی سابق مہتمم دارالعلوم امجدیہ کراچی، علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری سابق شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی، اور مولانا محمد شفیع اوکاڑوی وغیرھم سے ہو چکی تھیں، ان سب حضرات کا تعلق بریلوی مکتبۂ فکر سے ہے، ان ملاقاتوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ عقائد کے باب میں دونوں مکاتبِ فکر کا اختلاف بڑی حد تک صرف تعبیر اور الفاظ کا اختلاف ہے، حقیقت میں ایسا کوئی اختلاف عقائد کے باب میں نہیں ہے جس کی بنا پر ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق قرار دیا جائے، ہاں بہت سے اعمال میں یہ اختلاف ضرور ہے کہ ہم انہیں بدعت کہتے ہیں، اور ان کے نزدیک وہ بدعت میں داخل نہیں۔

مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب نے تو، مجھ سے اور برادرِ عزیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے پوری وضاحت سے یہ کہا تھا کہ ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف کا باعث حکیم الامت حضرت مولانا

اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حفظ الایمان'' کی چندسطری عبارت ہے، اس عبارت کو بیچ سے نکال دیا جائے تو پھر ہمارے اور آپ کے درمیان عقائد کا کوئی اختلاف نہیں، اس پر ہم نے اُن سے کہا تھا کہ حکیم الامت حضرت تھانوی ہمارے سرتاج ہیں، اور ان کی اس عبارت کے جو معنیٰ بہت سے حضرات نے بیان کئے ہیں، ہمیں یقین ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی اس باطل معنی کے مراد لینے سے بالکل بری ہیں اور حضرت حکیم الامت جیسی حب رسول سے سرشار شخصیت کے بارے میں دور دور امکان نہیں کہ انہوں نے ایسے غلط معنی مراد لئے ہوں، اس عبارت کے جو صحیح معنی ذراسی توجہ سے سمجھ میں آجاتے ہیں، وہی حضرت کی بھی مراد ہے، چنانچہ انہوں نے بعد میں اس کی وضاحت بھی فرمادی تھی، اور اس غلط معنی سے مکمل برأت کا بھی دوٹوک اعلان فرمادیا تھا، لیکن اگر ان کی اس عبارت کو شائع کرنے سے روک دینا، امت کو پھوٹ سے بچانے، اور ان دونوں مکاتب فکر کو متحد کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے اس کی عملی شکل کیا ہوگی؟ اس کے لئے مشورے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اور آپ کو مل کر اس کے لئے پیش رفت کرنی چاہئے اور طے ہوا تھا کہ دونوں طرف کے علماء کرام کا اجتماع اس غرض کے لئے بلایا جائے گا۔ لیکن ملک میں اچانک ایسے حالات پیش آئے اور آتے گئے کہ یہ کام آگے نہ بڑھ سکا۔

پھر صدر ضیاء الحق صاحب مرحوم کے دور میں بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب نے مجھ سے اسلام آباد میں علماء کنونشن کے موقع پر ملاقات فرمائی جو ہماری پہلی اور آخری ملاقات ثابت ہوئی، کیونکہ اس کے تقریباً ڈیڑھ دو مہینے بعد ان کا کراچی میں انتقال ہوگیا، اس ملاقات میں مولانا اوکاڑوی صاحب نے مجھ سے واضح الفاظ میں یہ فرمایا تھا کہ امت میں جو پھوٹ پڑی ہوئی ہے، مجھے خطرہ ہے کہ اس کے بارے میں آخرت میں ہم سے پوچھ ہوگی، میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بارے میں اپنی تقریروں میں بار بار سخت کلامی کی ہے لیکن جب میں نے ان کی کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمارے اور ان کے عقائد میں کوئی فرق نہیں۔ اور ان کی کتاب ''حفظ الایمان'' کی جو چندسطری عبارت اب تک کشیدگی کا باعث بنی رہی ہے اس کے بعد یہ عبارت بھی نزاعی نہیں رہی، اس لئے مجھے آپ دونوں بھائیوں سے توقع ہے کہ اگر ہم مل کر کام کریں تو امت کو پھوٹ سے بچایا جاسکتا ہے ورنہ اللہ کے یہاں ہم سے پوچھ ہوگی۔

میں نے اُن سے کہا تھا کہ یہ تو آپ میرے دل کی بات کہہ رہے ہیں، ہمارے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی زندگی کے آخری کئی سال اس کوشش میں صرف فرمائے ہیں، اور میں بھی کئی سال سے اس کاوش میں لگا ہوا ہوں، چنانچہ میرے اور مولانا اوکاڑوی صاحب کے

درمیان طے ہوا کہ وہ اور ہم اپنے اپنے رفقاء اور اہل علم سے رابطہ کر کے اس میں پیش رفت کریں گے، پھر دونوں طرف کے خاص خاص علماء کرام کا مشترک اجلاس ہوگا، پھر نسبتۂ بڑے پیمانے پر دونوں طرف کے حضرات کا دوسرا اجلاس ہوگا ان اجلاسوں میں اتفاق ہو جانے کے بعد ملک گیر پیمانے پر دونوں طرف کے علماء ومشائخ کا کنونشن بلا کر ان میں اعلان کر دیا جائے گا کہ عقائد میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔

لیکن کراچی واپس آ کر ناچیز کا اہل علم سے مشوروں کا سلسلہ جاری ہی تھا، اور اس کا طریقۂ کار بڑے پیمانے پر طے کیا جا رہا تھا کہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب کی اچانک وفات ہوگئی۔

بعد ازاں ان کے صاحب زادے مولانا کوکب نورانی صاحب سے کئی بار ملاقاتیں ہوئیں، وہ بھی کئی بار دار العلوم کراچی تشریف لائے اور ہر بار مولانا محمد شفیع اوکاڑوی صاحب کی اس ملاقات کا ذکر آیا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے بعد بھی کوئی عملی پیش رفت نہ ہو سکی اور دشمنان اسلام کی سازشوں اور مسلمانوں کی سادہ لوحی یا جذباتیت کے باعث یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ **انا لله وانا اليه راجعون.**

یہ تھا وہ پس منظر جس کے تحت ناچیز امام اہل سنت شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے ملاقات کرنے اور رہنمائی حاصل کرنے کے لئے گکھڑ منڈی حاضر ہوا تھا۔ حضرت نے نے بہت شفقت فرمائی اور جس مقصد کے لئے حاضر ہوا تھا اس پر مسرت کا بھی اظہار فرمایا اور اس کی تائید فرمائی[۱] لیکن طبیعت ناساز تھی زیادہ گفتگو نہ ہو سکی۔ **انا لله وانا اليه راجعون.**

([۱] حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ کا اس سلسلہ میں مؤقف کیا تھا؟ ان کے ایک مکتوب سے بخوبی واضح ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے فرزند مولانا زاہد الراشدی مدظلہ کے نام لکھا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں [خادم، حمزہ]

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد......عزیزم زاہد سلمہ اللہ تعالیٰ

ہدیہ مسنونہ کے بعد عرض ہے کہ سنا ہے کہ دیوبندی بریلوی مصالحت ہوا چاہتی ہے۔ راقم کا وہ بیان جو جناب نیازی صاحب کے نکات کے جواب میں تھا، ابھی تک کیوں شائع نہیں ہوا؟ یہ بہت غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ چونکہ ان کے **''کنز الایمان''**، **''خزائن العرفان''** اور مولویوں پر پابندی ہے، وہ اس بھنور سے اس حیلہ اور تدبیر سے اپنی راہ ہموار کرتے ہیں کہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کو سامنے رکھ کر اپنا کام ڈھیلے ڈھالے دیوبندیوں کے ذریعے نکالیں۔ اگر وہ اس پر فیصلہ چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے یہ شرط ہوگی کہ وہ یہ تحریر کر دیں کہ تمام علمائے دیوبند مسلمان ہیں اور ہم ان کی تکفیر کرنے والوں کی تائید نہیں

کرتے۔اگر عبارات کا مسئلہ سامنے آئے تو ہماری طرف سے یہ شرط ہے کہ ان کے اکابر کی جوعبارات خلاف شرع اور قابل اعتراض ہیں،ان کی بھی وہ اصلاح کریں۔اوراگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے اکابر کی عبارات خلاف شرع اور قابل اعتراض نہیں ہیں تو ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ اس کے لیے فریقین ثالث مقرر کریں جن میں علماء کے علاوہ جج صاحبان بھی ہوں۔جو فیصلہ وہ کریں سب کو منظور ہو۔اگر ہماری پیش کردہ شرائط وہ تسلیم نہیں کرتے تو ون وے ٹریفک اور ایک ہاتھ سے تالی بجانے کے ہم قائل نہیں ہیں۔ہم اس کو کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ وہ تو بدستور ہمارے اکابر کی تکفیر کرتے رہیں اور ہم بے غیرت ہوکر برداشت کرتے رہیں اور ان کا وقت پاس ہوجائے۔ان مذکورہ شرائط کے خلاف صلح کرنے والے دیوبندیوں کی ہم علی الاعلان مخالفت کریں گے۔ان شاء اللہ العزیز۔

والسلام......احقر ابوالزاہد محمد سرفراز......۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ /28دسمبر 1985ء)

اس کے بعد بھی الحمد اللہ حضرت کی زیارت کے لئے کراچی میں حاضری ہوئی اور گکھڑ منڈی بھی کئی بار حاضری کی سعادت نصیب ہوتی رہی،ابھی دوتین سال پہلے اللہ رب العالمین نے حضرت سے ناچیز کو شرف تلمذ بھی اس طرح عطا فرمایا کہ گکھڑ منڈی میں دولت خانے پر حاضر ہوکر ناچیز نے اجازتِ روایتِ حدیث کی درخواست کی تو حضرت نے بطیبِ خاطر منظور فرماکر تحریری اجازت سے سرفراز فرمایا۔

کئی سال سے حضرت کی یہ خاص عنایت بھی ناچیز پر رہی ہے کہ اپنے لائق فرزندان کے ذریعہ ازخود بھی ٹیلیفون کرکے خیریت معلوم فرماتے رہے، جو ناچیز کے لئے باعث برکت ومسرت بھی ہے اور باعثِ تقویت بھی۔

ناچیز کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی کامل مغفرت فرمائے، درجات عالیہ سے نوازے اوران کی برکات سے ہمیں اور عالم اسلام کو محروم نہ فرمائے۔آمین۔**واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین**

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ......رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ

شیخ الکل حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب صفدر قدس سرہ

بعض شخصیات کو اللہ تبارک وتعالی ایسی محبوبیت، قبول عام اور ہر دلعزیزی عطا فرماتے ہیں کہ ان کے تصور سے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ ان سے ملاقات چاہے کم ہو، لیکن ان کا وجود ہی بذات خود تسلی اور ڈھارس کا ذریعہ ہوتا ہے ہمارے مخدوم بزرگ، استاذ الکل حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب قدس سرہ کی شخصیت بھی ایسی ہی تھی جس سے ہم اس مہینے محروم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ عرصہ دراز سے صاحب فراش تھے، اور عملی زندگی سے تقریباً کنارہ کش۔ انکی زیارت وصحبت کے مواقع بھی ہم جیسے دور افتگان کیلئے بہت کم رہ گئے تھے، لیکن ان کے وجود سے اپنے سر پر ایک عظیم سایہ محسوس ہوتا تھا، اور یوں لگتا تھا کہ جب کبھی حوادث روزگار سے کوئی مہلت ملی، تو اس شجرہ طیبہ کی ٹھنڈی چھاؤں اپنی آغوش پھیلانے کیلئے موجود ہے۔ اب یہ سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ **ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شئی عندہ باجل مسمی .**

اب دنیا میں وہ حضرات خال خال ہی رہ گئے ہیں جو اکابر علماء دیوبند کی صحبت سے براہ راست سرفراز ہوئے، اور پھر اپنے فیوض سے دنیا کو نہال کیا۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ انہی خوش نصیب اہل علم میں سے تھے جنہوں نے براہِ راست شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ اور اس قرن کے دیگر اکابر سے فیض حاصل کیا تھا۔

انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح میں تحریر فرمایا ہے کہ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے میں انکے والدین نے اور خود انہوں نے کیسی مشقتیں اٹھائیں، اور پنجاب کے مختلف مقامات سے تحصیلِ علم کے بعد دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا۔ وہاں دورۂ حدیث کی جماعت میں داخل ہوئے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا، لیکن اسی سال حضرت رحمہ اللہ تحریکِ آزادئ ہند کے سلسلے میں گرفتار ہو کر جیل تشریف لے گئے، اور آپ کی غیر موجودگی میں شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ سے صحیح بخاری شریف کی تکمیل فرمائی۔

درسِ نظامی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کی زیادہ مصروفیات درس وتدریس اور تصنیف

وتالیف سے متعلق رہیں۔آپ نے گوجرانوالہ کے قریب گکھڑ منڈی کے قصبے کو اپنا مستقر بنالیا،اور گوجرانوالہ میں نصرۃ العلوم کے نام سے ایک عظیم دینی درس گاہ قائم فرمائی جو بفضلہٖ تعالیٰ ہزار ہا تشنگانِ علم کو سیراب کر چکی ہے ،اوراب بھی اسکا چشمہ ٔفیض جاری ہے۔

میں نے حضرت رحمہ اللہ کا نام سب سے پہلے اس وقت دیکھا جب میں دارالعلوم کراچی میں ''ھدایہ اخیرین'' وغیرہ پڑھتا تھا۔دارالعلوم اس وقت نیا نیا شہر سے دور ''شرافی گوٹھ'' کے نام سے ایک گاؤں کے قریب صحراء میں منتقل ہوا تھا،اور ہم پڑھنے کے لیے ہفتہ بھر دارالعلوم میں مقیم رہتے ،اور جمعرات کی شام کو شہر میں اپنے گھر جایا کرتے تھے۔میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کا ذاتی کتب خانہ بھی گھر ہی میں تھا۔اور جمعرات کی چھٹی میں میرا معمول یہ تھا کہ اس کتب خانے کی ایک ایک کتاب اٹھا کر دیکھتا اور کم ازکم اسکے موضوع ،مؤلف اور اسکے طرزِ تصنیف کا ایک تعارف حاصل کر لیتا تھا۔اسی دوران ایک روز دو تین نئی کتابیں نظر سے گذریں جن پر مؤلف کا نام مولانا محمد سرفراز خان صفدر لکھا ہوا تھا۔یہ کتابیں ردِّ بدعات کے موضوع پر تھیں،اورانکو پڑھنا شروع کیا تو دیکھا کہ انکی سطر سطر تفسیر،حدیث ،فقہ اورعقائد کی کتابوں کے حوالوں سے بھری ہوئی ہے۔ان میں بہت سے حوالے ایسے نظر آئے جن کا نام بھی پہلے نہیں سنا تھا۔اسی وقت یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ کوئی بڑے محقق عالم ہیں جنکا مطالعہ انتہائی وسیع ہے اور وہ کوئی بات حوالہ کے بغیر نہیں کہتے۔یہ حضرت رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت کی ابتدا تھی۔

اس کے بعد حضرت رحمہ اللہ کی اور بھی بہت سی کتابیں آتی رہیں،اوران میں تحقیق ونظر کا وہی اسلوب ہر جگہ نظر آیا جس موضوع پر قلم اٹھایا،اس پر سیر حاصل بحث فرمائی،اور تحقیق کا حق ادا کردیا۔پھر یہ تألیفات ان موضوعات پر ہیں جن میں علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے درمیان یا علمائے دیوبند اور علمائے اہلحدیث کے درمیان بحث ومناظرہ کا بازار گرم رہا ہو،اوراسمیں ردّ وقدح کے دوران بہت سوں نے جارحانہ انداز واسلوب بھی اختیار فرمایا ہے،لیکن حضرت مولانا رحمہ اللہ کی تالیفات بحیثیت مجموعی جارحیت سے خالی ہیں،اوران کا انداز خالص علمی اور محققانہ ہے۔جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا۔

ان تألیفات کی بنا پر حضرت رحمہ اللہ سے تعارف اور محبت تو تھی،لیکن زیارت کا شرف پہلی بار اس وقت حاصل ہوا جب 1963ء میں پہلی بار گوجرانوالہ میں حاضری ہوئی۔اس وقت راولپنڈی میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کے ساتھ میں بھی حاضر ہوا تھا۔کانفرنس کے اختتام پر غیر ملکی مندوبین کو سڑک سے لاہور لایا گیا۔اس وقت بعض حضرات کی ترجمانی کے لیے میں بھی ان کے ساتھ ہوگیا۔راستے میں یہ قافلہ گوجرانوالہ میں رکا نصرۃ العلوم میں اسکی میزبانی اور خیر مقدمی

جلسے کا اہتمام حضرت مولانا رحمہ اللہ نے کیا تھا، اس وقت پہلی بار انکی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اور انکی تألیفات پڑھ کر ذہن نے جو خاکے بنائے ہوئے تھے، حضرت رحمہ اللہ کو ان سے بالکل مختلف پایا۔ نہایت سادہ، متواضع اور کم گو۔ حضرت رحمہ اللہ نے مہمانوں کو سپاسنامہ پیش کیا، میں اس وقت پچیس سالہ طالب علم تھا، لیکن حضرت والد صاحب قدس سرہ کی نسبت سے حضرت رحمہ اللہ نے نہایت شفقت کا معاملہ فرمایا۔

اس کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ سے متعدد بار نیاز حاصل ہوا۔ حضرت رحمہ اللہ کی قیام گاہ پر بھی حاضری ہوئی۔ آپ دار العلوم بھی تشریف لائے، اور اساتذۂ دار العلوم کو اجازتِ حدیث سے بھی نوازا۔ جب حضرت رحمہ اللہ کی علالت بڑھی تو مولانا مفتی محمد جمیل صاحب شہید رحمہ اللہ انہیں علاج کے لیے کراچی لے آئے تھے، اور انہیں حضرت رحمہ اللہ کی خدمت کی بڑی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ اس موقع پر بھی انہی کے گھر پر حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری ہوئی اور حضرت رحمہ اللہ نے اپنی شفقتوں سے نہال فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی اولاد کے بارے میں بھی قابلِ رشک بنایا۔ ان کے صاحبزادے ماشاء اللہ ان کی میراثِ علم کے وارث ہیں۔ خاص طور پر مولانا زاہد الراشدی صاحب (حفظہ اللہ تعالیٰ) کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل کے ساتھ خدمتِ دین، جذبۂ بے تاب، متانتِ فکر اور سنجیدہ وباوقار طرزِ عمل کی خصوصیات عطا فرمائی ہیں، مغربی تہذیب کی فکری بنیادوں پر انکی گہری نظر ہے، اور اس پر انکے جان دار تبصرے نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب قدس سرہ اصلاً علمی وتدریسی مزاج کے حامل تھے، لیکن جب کبھی ملک وملت کو عملی جدوجہد کی ضرورت پیش آئی، انہوں نے اپنے اس مزاج کی قربانی دیکر اس جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اسمیں قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور جیل میں رہتے ہوئے بھی انکی دعوتِ تبلیغ اور تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

عرصۂ دراز سے حضرت رحمہ اللہ صاحبِ فراش تھے، اور بالآخر 5 مئی 2009 کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا، اور وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ **اللھم اکرم نزلہ ووسّع مدخلہ وابدلہ دارا خیر امن دارہ واھلا خیر ا من اھلہ ونقہ من الخطا یا کما ینقّی الثوب الابیض من الدنس.**

آج حضرت رحمہ اللہ بذاتِ خود ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن انکی تالیفات اور ان کا قائم کیا ہوا جامعہ نصرۃ العلوم ان کے لیے عظیم صدقۂ جاریہ ہے جس سے انشاء اللہ یہ امت دیر تک فائدہ اٹھاتی رہیگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے مقاماتِ قرب سے نوازیں۔ انکے اہلِ خانہ اور تمام متأثرین کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں اور انکے ذی علم صاحب زادگان کو انکے علم وفضل اور خدماتِ دینیہ کو آگے بڑھانے اور اہل السنّت کی جس فکر کے وہ ترجمان تھے، اسے قائم رکھنے کی توفیق عطا فرما کر ظاہری اور باطنی فتنوں سے انکی حفاظت فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہ

حضرت امام اہل سنت کی پہلی زیارت

غالباً 1958/59ء تھا اور میری عمر تقریباً گیارہ بارہ سال کی تھی کہ امام اہل السنۃ ''بہاولپور سنٹرل لائبریری'' میں کسی کتاب کی تلاش کے سلسلہ میں بہاولپور تشریف لائے چونکہ حضرت والد صاحب مرحوم (مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا شریف بہاولپوری رحمہ اللہ) اور برادرم حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم بانی دارالعلوم مدنیہ سے حضرت کا بہت گہرا تعلق تھا جسکی وجہ سے بہاولپور اسٹیشن پر اترتے ہی گھر شریف آباد تشریف لائے، شریف آباد اس وقت غیر آباد علاقہ اور جنگل تھا جہاں ہم آباد تھے۔

گھر کے باہر سے آواز دی میں باہر نکلا، ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا آپ نے جواباً وعلیکم السلام فرمایا پھر میں چارپائی لایا، درخت کے سایہ میں بچھائی، حضرت تشریف فرما ہوئے، ٹھنڈا پانی (گھڑے کا) نوش فرمایا اور والد صاحب مرحوم و برادرم مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم کے بارے میں معلومات لیں اور اپنا تعارف کرایا، چونکہ دونوں حضرات موجود نہ تھے اس لیے چند منٹ ٹھہرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

پھر اس کے بعد تعلیمی دورانیہ بڑھتا رہا تو گاہے بگاہے ہم خدمت میں حاضری دیتے رہے اور عقیدت و محبت بڑھتی رہی، نصائح و دعاؤں سے مستفید ہوتے رہے، 1986ء میں دارالعلوم میں ختم بخاری شریف کے موقع پر تشریف لاکر آخری حدیث کا سبق پڑھایا اور طلباء اور دیگر حاضر علماء کو سند حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی اور طلباء کی دستار بندی بھی فرمائی۔

جب سے حضرت کے پوتے سرفراز حسن حمزہ اور انس دارالعلوم میں تعلیم کے لیے تشریف لائے تو پھر جب بھی صاحبزادگان گھر تشریف لے جاتے یا بہاولپور سے دوسرے احباب زیارت کے لیے جاتے تو بہاولپور کا نام سنتے ہی دارالعلوم اور مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم اور ان کے صاحبزادوں کے بارے میں دریافت فرماتے، اور دعاؤں سے نوازتے، یہ سلسلہ تا حیات جاری رہا، رحلت سے چند ماہ پہلے راقم الحروف زیارت کے لیے حاضر ہوا تو بھی تمام احباب کے بارے میں دریافت کیا اور دعائیں دیں، کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ آنحضرت کی آخری ملاقات ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں خلد بریں میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین

مولانا سعید احمد جلال پوری شہید رحمہ اللہ

امام اہل سنت رحمہ اللہ

کے غیر معمولی اوصاف وکمالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

دنیا میں جو بھی آیا ہے، اسے ایک نہ ایک دن جانا ہے اور ضابطہ الٰہی: ''**کل نفس ذائقة الموت** '' (آل عمران:۱۸۵)... ہر جی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے... کے مصداق موت کا گھونٹ ہر ایک نے پینا ہے، اس لئے کہ: ''**کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربک ذوالجلال والاکرام** ''(رحمٰن:۲۷)... ہر ایک کو فنا ہے، بقا تو صرف تیرے رب کی ذات کو ہے جو بزرگی اور عظمت والی ہے... کے تحت دنیا سے ہر نیک وبد، مسلم وکافر، محبوب ومبغوض، عالم وجاہل کو ایک دن ضرور کوچ کرنا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ دنیا کی اس گھاٹی سے کون کامیاب ہوکر پار ہوا؟ اور کون ناکام ہوکر؟ کیونکہ دنیا کی راحت، عافیت، عزت اور وجاہت یا یہاں کی تکلیف، مشقت، فقر اور ذلت معیارِ کامرانی وناکامی نہیں، بلکہ حقیقی کامیابی وناکامی کا اندازہ مرنے کے بعد ہوگا، چنانچہ سورۂ آلِ عمران کی اسی مندرجہ بالا آیت میں ہے:

> ''**وانما توفون اجورکم یوم القیامة، فمن زحزح عن النار وادخل الجنه فقد فاز، وما الحیٰوة الدنیا الا متاع الغرور۔**''
>
> (آلِ عمران:۱۸۵)
>
> ترجمہ:...... ''اور تم کو پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن، پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں، اس کا کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی۔''

اسی لئے مسلمانوں کو آخرت کی کامیابی اور جہنم کی آگ سے نجات کی دعا مانگنے کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

> ''**ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیته وما للظالمین من انصار،**

ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان آمنوا بربکم فاٰمنا، ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنامع الابرار، ربنا وآتنا ما وعدتنا علٰی رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک لاتخلف المیعاد''

(آل عمران:۱۹۲،۱۹۳،۱۹۴)

ترجمہ:...... ''اے رب ہمارے! جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا، سو اس کو رسوا کر دیا اور نہیں کوئی گناہ گاروں کا مددگار، اے رب ہمارے! ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے، ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لے آئے، اے رب ہمارے !اب بخش دے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے بُرائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ، اے رب ہمارے! اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطے سے اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن، بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔''

الغرض کامیابی وناکامی کا مدار آخرت کی کامیابی اور ناکامی پر ہے، جن لوگوں کو حقیقی عقل وشعور یا فہم و ادراک کی دولت میسر ہے وہ اس دھوکا کے گھر اور عارضی چکا چوند پر فریفتہ نہیں ہوتے اور نہ ہی دنیا کی عزت و ذلت کی پرواہ کرتے ہیں، ان کا اوڑھنا بچھونا رضائے الٰہی اور قبر و آخرت کی فکر ہوتی ہے، وہ دنیا کے پیچھے نہیں، دنیا ان کے پیچھے بھاگتی ہے، ایسے لوگ دنیا ومافیہا سے مستغنی اپنے حصہ کا کام کرتے ہیں اور خاموشی سے دنیا اور اس کے عیش وراحت کو لات مار کر راہی آخرت ہو جاتے ہیں، چنانچہ بہت سے مقربین بارگاہ الٰہی ایسے بھی ہوئے ہیں، جن کو اہل دنیا ان کے جیتے جی پہچان تک نہ سکے، جبکہ بہت سے ایسے ہوئے، جن کے خمول وگوشہ نشینی کی بنا پر اہلِ دنیا ان کے مرتبہ ومقام سے ناآشنا رہے۔

ہاں! کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی بندہ خدا سے کچھ خدمت لینا مقصود ہو، تو اس کا تعارف کرا دیا جاتا ہے اور مخلوق خدا کو اس کے عنداللہ مرتبہ ومقام میں سے کسی قدر کوئی جھلک دکھا دی جاتی ہے، مقصود صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ خلق خدا، اس کے فیوض وبرکات اور علوم ومعارف سے مستفید ہو سکے، مگر یہ سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے، اس میں ان مقربین بارگاہ الٰہی کی مرضی، چاہت اور اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا، جیسا کہ بانی دارالعلوم قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا یہ ملفوظ مشہور ہے کہ: اگر علم کے دو حروف کی تہمت نہ ہوتی تو کسی کو خبر بھی نہ ہوتی کہ محمد قاسم نام کا بھی کوئی ہے۔

چنانچہ ''بیس بڑے مسلمان'' میں ہے:

''ایک دن آپ فرماتے تھے کہ: ''اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک

میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔''   (بیس بڑے مسلمان،ص:۱۱۷)

بلا مبالغہ کچھ یہی شان امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ کی تھی، جن کا گزشتہ ماہ ۵/مئی ۲۰۰۹ء مطابق ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ پیر اور منگل کی درمیانی شب سوا ایک بجے انتقال ہوگیا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئی عندہ باجل مسمّٰی.

حضرت امام اہل سنتؒ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسرے بے شمار انعامات سے نوازا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخفا اور استغنا سے بھی نوازا تھا، اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو علم وتحقیق اور قلم وقرطاس کی نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، اسی طرح آپ کی نسبی اولاد میں سے مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبد القدوس قارن اور مولانا عبد الحق خان بشیر زیدت الطافہم کو بھی درس وتدریس کے علاوہ لکھنے لکھانے کے ذوق اور سلیقے سے سرفراز فرمایا ہے، حضرت امام اہل سنتؒ کی نسبی اولاد کے علاوہ روحانی اور علمی اولاد کا حلقہ بھی خاصا وسیع ہے اور ان میں سے بہت سے اربابِ ذوق، اصحاب تحریر اور عمدہ انشاء پرداز ہیں، جن میں سے بہت سے حضرات نے آپؒ پر لکھا، لکھ رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ان کی زندگی کے مختلف گوشوں اور مخفی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کرتے رہیں گے اور یہ سب کچھ وہ اپنے آپ کو خریدارانِ یوسف کی صف میں شامل کرنے کے لئے کریں گے، ورنہ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ جس مرتبہ ومقام پر فائز تھے یا اب جہاں وہ پہنچ چکے ہیں، انہیں ایسی کسی مدح وتوصیف کی نہ پہلے کبھی ضرورت تھی اور نہ اب ہے۔

اسی طرح اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ کسی کا ان کی مدح وتوصیف میں کچھ کہنا یا لکھنا نہ ان کے مرتبہ ومقام میں اضافہ کرسکتا ہے اور نہ انہیں اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، ہاں ان کو اگر کچھ نفع ہوگا تو دعائے خیر، ایصالِ ثواب، ان کی جاری کردہ حسنات اور ان کے مشن پر چلنے سے ہی ہوگا، تاہم یہ ہماری ضرورت ہے کہ ہم اپنی زبان، بیان، تحریر، قلم اور قرطاس کو ان کے ذکر خیر سے وابستہ کرکے اپنے قد وقامت اور قدر وقیمت بڑھانے کی سعادت حاصل کرسکتے ہیں۔

تاہم جو لوگ اپنے قلم وقرطاس اور زبان وبیان کو ان کے ذکر خیر سے وابستہ کرنے کے باوجود بھی ان کی فکر وسوچ، علم وعمل، فہم وفراست، تحقیق وتدقیق اور زندگی بھر کے طرز عمل سے مخالفت کریں گے نہ صرف یہ کہ ان کو اس سخن سازی سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ عین ممکن ہے کہ ان کی اس روش سے بجائے نفع کے انہیں نقصان ہو اور حضرت امام اہلِ سنتؒ کی پاکیزہ روح کو بھی اس سے تکلیف ہو، اس لئے اس وقت حضرت امام اہل سنتؒ سے محبت وعقیدت کے اظہار کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کی بیان فرمودہ راہ اور قدروں پر سو فیصد

عمل کیا جائے اور ان کے مشن کو زندہ وتابندہ رکھا جائے۔

تاہم جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ہماری ان آڑھی ترچھی لکیروں اور سخن سازیوں سے حضرت امام اہل سنت کو کوئی فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے مگر چونکہ ہمیں حکم ہے کہ ہم ان کا ذکر خیر کریں، اس لئے ہم ارشاد نبوی: ''**اذکرو محاسن موتاکم** ''(مشکوٰۃ:۱۴۷، بحوالہ ترمذی وابوداؤد)...اپنے مرحومین کی حسنات اور خوبیوں کا تذکرہ کیا کرو...کے مصداق ان کے محاسن وکمالات کے ذکر وتذکرہ کے شرعاً مکلّف اور پابند ہیں۔

چنانچہ ہمیشہ سے اکابر ومشائخ کا یہ اسلوب ودستور چلا آ رہا ہے کہ وہ اکابر اولیاء اللہ اور صلحائے ملت کی رحلت، فراق اور وفات کے موقع پر اپنے نقوش غم اور تاثرات الم کے اظہار کے لئے اپنی زبان وقلم کو استعمال فرمایا کرتے ہیں، اس کا مقصد ومدعا اور غرض وغایت کیا ہوتی ہے؟ حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زبانی سنیئے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

> ''...اس سے مقصد ایک تو ادائے حق رفتگان ہے، دوسرے: صالحین کی یاد وتذکار موجب نزول رحمت ہے، تیسرے: اس سے مرحومین کی اقتدا کا داعیہ پیدا ہوگا، چوتھے: اولیائے سابقین کے جو واقعات اس افسانوی دور میں افسانے نظر آتے ہیں، ان سے استبعاد رفع ہوگا، پانچویں: ہمارے اکابر کی عالی حوصلگی کا اندازہ ہوگا کہ: دریا نوش کردند و آروغ نیارند۔'' (شخصیات وتاثرات، ص:۱۶۳، ج:۱)

حضرت اقدس امام اہل سنت قدس سرہ کسی اعتبار سے بھی اونچا اور عالی پس منظر نہیں رکھتے تھے، ہاں ان کو جس قدر رفعت وعظمت ملی، وہ علم وعمل، دین وشریعت، زہد وتقویٰ، خلوص واخلاص اور وراثت نبوی کی مرہون منت تھی، اور آپ: ''**العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درهماً انما ورثوا العلم، فمن اخذه اخذ بحظ وافر** ۔''(مشکوٰۃ:۳۴)...علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء اپنی وراثت میں دینار ودراہم نہیں چھوڑتے، ان کی وراثت علم ہوتی ہے، جس نے انبیاء کی وراثتِ علم حاصل کی، اس نے بہت کچھ حاصل کرلیا...کے کامل ومکمل مصداق تھے، آپ نے ساری زندگی میراث نبوی کو سینے سے لگائے رکھا اور اتباع نبوی میں اس میراث نبوی کی تقسیم کے لئے فکر مند رہے۔

بلاشبہ آپ ایک دورافتادہ دیہات کے متوسط مگر دین دار گھرانے کے چشم وچراغ تھے، آپ نے ۱۹۱۴ء میں ضلع ہزارہ، تحصیل مانسہرہ کی ایک غیر معروف بستی ''ڈھکی چیڑاں داخلی کڑمنگ بالا'' کے جناب نور احمد خانؒ بن گل احمد خانؒ کے گھر میں آنکھ کھولی، قومیت کے اعتبار سے سواتی پٹھان تھے، کم سنی اور کم عمری میں یکے بعد دیگرے والدین رحلت فرما گئے، بظاہر خاندانی اعتبار سے آپ کی سرپرستی کرنے والا کوئی نہیں تھا،

لیکن جب قدرت نے دستگیری فرمائی تو کسی بندہ خدا کی تحریک پر علومِ نبوت کی طرف متوجہ ہو گئے، اور نہایت مشکلات جھیل کر دور دراز کے پیدل سفر کر کے درس نظامی کی کتب پڑھیں، نہ صرف خود بلکہ اپنے چھوٹے بھائی کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری بھی سنبھالے رکھی، تا آنکہ ہر دو برادران حضرت امام اہل سنتؒ اور مفسر قرآن حضرت مولانا عبدالحمید سواتیؒ از ہر ہند دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے اور ۱۹۴۱ء میں دورۂ حدیث پڑھ کر فاتحہ فراغ پڑھا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد قدس سرہ کے شرف تلمذ نے آپ پر گہرے اثرات چھوڑے، بلکہ آپ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ کے رنگ میں رنگے گئے اور ساری عمر حضرت مدنی قدس سرہ کی زاہدانہ زندگی کا نمونہ اور عکس رہے، دورہ سے فراغت کے بعد آپ گوجرانوالہ تشریف لائے اور گوجرانوالہ کی مضافاتی آبادی گکھڑ منڈی کی ایک مسجد بوہڑ والی میں اہل محلّہ کے اصرار پر امام، خطیب مقرر ہو گئے، ساتھ ہی یومیہ عوامی درس قرآن کے علاوہ درسِ نظامی کے طلبا کو بھی پڑھانا شروع کر دیا۔

آپؒ کے عزم واستقلال، ہمت وجرأت، زہد وتقویٰ، علم وعمل کی برکت تھی کہ آپؒ نے گکھڑ منڈی جیسے سخت جہالت زدہ اور مخالف ماحول میں توحید وسنت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور کل تک جن کے درس میں کوئی آدمی بیٹھنے کو تیار نہ تھا، ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سو، سو سے زائد افراد نہایت ذوق وشوق سے ان کے حلقہ درس میں شامل ہونے لگے۔

یہ وراثت نبوت ہی کا کرشمہ تھا کہ شروع میں جب آپ نے درس قرآن شروع فرمایا تو ایک سال تک آپ کے درس میں بیٹھنے والا صرف اور صرف ایک آدمی تھا، مگر آپ نے ہمت نہیں ہاری اور اس کے لئے بھی مکمل مطالعہ فرماتے، اگلے سال ایک سے دو اور اس سے اگلے سال دو سے تین ہو گئے اور پھر راہ رو ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب آپ کے برادر خورد مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ گوجرانوالہ تشریف لائے اور پانی کے ایک جوہڑ کو پاٹ کر مسجد نور اور مدرسہ نصرۃ العلوم کی بنیاد رکھی اور باقاعدہ وہاں درس نظامی کا سلسلہ شروع فرمایا تو ۱۹۵۴ء سے آپؒ نے بھی ان کی درخواست پر مدرسہ نصرۃ العلوم میں باقاعدہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور جب تک جسمانی صحت نے ساتھ دیا، آپ نے اس میں تخلف نہیں آنے دیا، بلکہ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۷ء تک پورے ۲۲ سال کا طویل عرصہ بغیر کسی سواری اور لانے لے جانے کے انتظام کے، پابندی وقت کے ساتھ گکھڑ منڈی سے مدرسہ اور مدرسہ سے گکھڑ، آنے جانے کا معمول نبھایا اور پابندی وقت کا یہ عالم کہ آپ کی آمد ورفت سے بلا مبالغہ گھڑیوں کے اوقات کو درست کیا جاسکتا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں جب قویٰ مضمحل ہو گئے اور صحت کمزور ہو گئی اور مدرسہ کے بیت المال میں کچھ وسعت آ گئی تو مدرسہ کی جانب سے آپ کے لانے اور لے جانے کے لئے سواری کا بندوبست کیا گیا۔ آپ

کے ورع وتقویٰ اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اس سواری کو کبھی اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال نہیں فرمایا۔

جب تک آپ کی صحت متحمل رہی آپ نے درس وتدریس، عوامی پروگراموں، سیاسی اجتماعات کے علاوہ روزانہ فجر کے وقت عوامی درس دینا، گرمیوں میں عصر کے بعد اور سردیوں میں عشاء کے بعد ٹیچر ٹریننگ اسکول کے اساتذہ کو درس قرآن دینا، تصنیف وتالیف اور گھر میں بچیوں کو درس نظامی کی کتب پڑھانا وغیرہ آپ کے یومیہ معمولات رہے، آپ کے یومیہ معمولات کی تفصیلات آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالحق خان بشیر زید لطفہ کی زبانی سنئے:

''رات کو نماز عشاء کے بعد جلدی سونا آپ کا معمول تھا، اگر آپ گھر میں موجود ہوں اور کوئی مجبوری... مہمانوں وغیرہ کی... نہ ہو تو اس معمول میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی تھی، صبح تہجد کے لئے بیدار ہونا، اذان کے بعد نماز سے پہلے ناشتہ کر لینا، نماز پڑھانے کے لئے مسجد جانا، درس دینا، درس سے فارغ ہو کر اسباق پڑھانے کے لئے، مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ چلے جانا، اسباق سے فارغ ہو کر دوپہر کے وقت گھر واپس آنا، کھانا کھا کر قیلولہ کرنا، ظہر کی نماز پڑھا کر بچیوں کو اسباق پڑھانا جو وقتاً فوقتاً آپ کے زیر درس رہتی تھیں اور گکھڑ کی بہت سی بچیوں نے آپ سے براہ راست درس نظامی کے مختلف اسباق اسی طرح پڑھے ہیں، اگر کچھ مہمان، واردین وصادرین ہوں تو ان کے پاس بیٹھنا، تصنیفی کام کرنا، گرمیوں میں عصر کی نماز کے بعد اور سردیوں میں عشاء کی نماز کے بعد گکھڑ منڈی میں واقع گورنمنٹ ایلیمنٹری آف دی ٹیچرز کالج میں زیر تربیت اساتذہ کو درس قرآن دینا... اور یہ سلسلہ ۱۹۴۳ء سے شروع ہو کر تادم صحت تقریباً چالیس سال تک بلاتعطل چلتا رہا... جب عصر کے بعد درس نہیں دینا ہوتا، اس وقت اپنی یومیہ قرآن کی تلاوت کرنا، تصنیفی کام کرنا اور مقامی تعویذات لینے والے حضرات کو تعویذ لکھ کر دینا، نماز مغرب کے بعد کھانا کھانا، کوئی ضرورت مند آجائے تو اس کو تعویذ وغیرہ دینا اور عشاء کے بعد اتباع سنت میں جلدی سونا۔ جب تک صحت رہی ان معمولات کا تسلسل قائم رہا اور جوں جوں عمر، ضعف اور علالت میں اضافہ ہوتا گیا بتدریج ان معمولات کا متاثر ہونا بھی فطری بات تھی۔''

(تفسیر ذخیرۃ الجنان، ص:۸، ج:۱)

آپ کو اللہ تعالیٰ نے موفق للخیر بنایا تھا اور آپ کے اوقات میں غیر معمولی برکات رکھی تھیں، یہ اسی کا کرشمہ تھا کہ روزانہ ۱۵/۲۰ میل کا طویل سفر کر کے مدرسے آنا جانا، وہاں اسباق پڑھانا، ان تمام اسباق کا

مطالعہ کرنا، بچیوں کو درسِ نظامی کی کتابیں پڑھانا، ٹیچر ٹریننگ کالج میں گھنٹہ بھر درس دینا اور وہاں بھی پیدل آنا جانا، مسجد کی پانچوں نمازوں کی امامت وخطابت، مسجد میں درسِ قرآن ودرس حدیث دینا، اس کی مکمل تیاری کرنا، مسائل اور فتاویٰ لکھنا، اسی طرح اس مختصر وقت میں جامع مسجد گکھڑ میں تین چار بار قرآن کا درس مکمل کرنا پھر وہاں صحاح ستہ، مستدرک حاکم اور دوسری حدیث کی کئی کتابوں کا درس دینا، وغیرہ سب خیر کی توفیق اور وقت میں برکت کی علامات ہیں۔

بحمد اللہ! راقم الحروف کو حضرت امام اہل سنتؒ کے ساتھ متعدد بار حرمین کے سفر کی سعادت میسر آئی۔ آپ ہر معاملہ میں نہایت حزم واحتیاط سے کام لیتے، حتیٰ کہ اگر کوئی فقہی مسئلہ پیش آجاتا تو بجائے اس کے کہ اپنے علم وفہم اور تحقیق وافتاء کی روشنی میں جواب دیتے، کسی اپنے شاگرد یا کسی دوسرے متعلقہ عالم دین سے مسئلہ معلوم کر کے اس پر عمل کرتے۔ چنانچہ ایسا کئی بار ہوا کہ کسی نے آپ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے راقم الحروف کو یاد فرمایا، حالانکہ راقم الحروف اکثر وبیشتر آپ سے ہی مسائل معلوم کرتا تھا۔

حضرت کا ایک کمال یہ تھا کہ آپؒ جو فرماتے اس پر عمل بھی کرتے، چنانچہ حضرت امام اہل سنت کے خدام نے بتلایا کہ گکھڑ منڈی کی مسجد کے ایک نمازی اور آپ کے شریک درس نے سنایا کہ ایک بار حضرت نے حلال کھانے سے متعلق اپنے درس میں زور دیا اور حلال کھانے کی برکات وثمرات، حرام سے بچنے، حرام کھانے کی نحوست اور اس کے اثرات بد سے متعلق تفصیل سے گفتگو فرمائی، تو ازراہ امتحان میں نے اگلے دن حضرت سے پوچھا حضرت آپ صبح ناشتہ کرتے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں! عرض کیا ناشتہ میں کیا نوش فرماتے ہیں؟ فرمایا: ایک انڈا اور پراٹھہ، عرض کیا: انڈے بازار سے خریدتے ہیں؟ فرمایا: نہیں گھر کی مرغیوں کے انڈوں کو استعمال کرتا ہوں، اس پر میں نے عرض کیا حضرت آپ تو حرام کھاتے ہیں، فرمایا: وہ کیسے؟ میں نے عرض کیا، اس لئے کہ آپ کی مرغیاں میری دکان/گودام میں رکھی بوریوں سے گرنے والے اناج کو کھاتی ہیں اور ظاہر ہے، وہ ناجائز ہے اور حرام وناجائز خوراک کی پیداوار انڈے بھی ناجائز وحرام ہوئے۔ حضرت نے یہ سنا تو بس اتنا فرمایا: بہت اچھا یہ کہہ کر آپؒ گھر چلے گئے، حضرت نے گھر جاتے ہی اپنی تمام مرغیاں ذبح فرمادیں۔ جب مجھے اس کا پتہ چلا تو جہاں مجھ پر حضرت کے تقویٰ، تدین اور کردار کی عظمت کا گہرا اثر ہوا، وہاں میرے دل میں حضرت کی محبت وعقیدت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کا بھی بہت افسوس اور قلق ہوا کہ میری اس نالائقی کی وجہ سے حضرت کو اس قدر تکلیف اور کوفت اٹھانا پڑی کہ گھر میں موجود مرغیوں اور انڈوں کی سہولت سے حضرت کو ہاتھ دھونا پڑا۔

اسی طرح حضرت کا یہ معمول تھا کہ حتی الوسع آپؒ کسی سے جسمانی خدمت لینے سے احتراز فرماتے

تھے، چنانچہ ہم نے حضرت کی زندگی کے آخری دور میں دیکھا... جبکہ اس وقت حضرت از خود اٹھ کر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے... اگر کبھی رات کو حضرت کو باتھ روم جانے کی ضرورت ہوتی تو دیوار کو پکڑ کر خود چلے جانے کی کوشش کرتے مگر حتی الوسع کسی کو نیند سے بیدار کرنے سے احتراز فرماتے، اسی طرح حضرت کو یہ بھی گوارہ نہیں ہوتا تھا کہ کوئی نیا آدمی آپ کے جسم اور پاؤں دبائے، خصوصاً علماء اور اکابر کی اولاد سے بہت ہی احترام وعزت کا معاملہ فرماتے اور ان کو اپنے برابر میں بٹھاتے۔

اسی طرح آپ ہر آدمی سے ہدیہ لینے سے بھی احتیاط فرماتے، الا یہ کہ اس سے بے تکلفی ہو، اسی طرح جس آدمی کی کمائی کے بارہ میں شک ہو، اس سے بھی ہدیہ لینے سے احتراز فرماتے، عام طور پر مال دار حضرات، علماء کرام کو مستحق اور ضرورت مند سمجھتے ہیں، اس لئے اگر حضرت کے متعلقین میں سے کوئی صاحبِ حیثیت آپ کو کچھ پیش کرتا تو استفسار فرماتے یہ کس لئے ہے؟ اگر کہا جاتا کہ آپ کے لئے ہے تو آپ کا اگلا سوال ہوتا یہ زکوٰۃ تو نہیں ہے؟ پھر فرماتے: زکوٰۃ کے مستحق اور مصرف غربا، فقراء اور مساکین ہیں، زکوٰۃ ان کو دی جائے، اگر کسی سے بے تکلفی ہوتی اور وہ ہدیہ وغیرہ پیش کرتا تو یہ کہتے ہوئے کہ یہ آپ کا ہمارے لئے تبرک ہے، نہایت بشاشت سے وصول فرماتے اور اسے لے کر جیب میں رکھ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اہل سنتؒ کو حد درجہ کا استغنا، زہد، تقویٰ اور احتیاط عطا فرمائی تھی، آپ نے اتباع نبوی میں ساری زندگی قوت لا یموت اور عسر و تنگی کے ساتھ گزاری مگر مال اور مال داروں سے ہمیشہ کنارہ کش رہے۔

سابق صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ صاحب آپ کے عقیدت مندوں میں سے تھے، جن دنوں وہ صدر پاکستان بنے تو انہوں نے خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت امام اہل سنتؒ نے یہ کہہ کر ان کو آنے سے منع فرما دیا کہ جب آپ میرے پاس آئیں گے تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ صدر صاحب میرے عقیدت مند ہیں، پھر لوگ مجھ سے جائز و ناجائز کاموں کی سفارش کی درخواست کریں گے جو میرے اور آپ دونوں کے لئے مشکلات کا سبب ہوگا، اس لئے آپ نہ ہی آئیں۔

آپ دین اور دینی کاموں میں بہت ہی خوش دلی اور بشاشت سے خرچ فرماتے بلکہ اس کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے، چنانچہ شروع سے ہی حضرت کے نام پر ماہنامہ بینات اعزازی طور پر جاری تھا، مگر بایں ہمہ حضرت کا اصرار رہتا کہ مجھ سے بینات کا زر سالانہ وصول کیا جائے اور میری وجہ سے ادارہ پر بوجھ نہیں پڑنا چاہئے، لیکن دوسری طرف حضرت بنوری قدس سرہ کا فرمان تھا کہ نہیں آپ کے نام بینات اعزازی ہی رہے گا۔ سوئے اتفاق کہ ایک بار ناظم بینات نے سہواً آپ کے نام جانے والے شمارے پر زر سالانہ کے ختم

ہوجانے کی مہر لگا کر بھیج دیا اس پر حضرت نے فوراً زرسالانہ بھیج دیا۔ دفتر بینات میں جب وہ رقم پہنچی تو دفتر سے واپس یہ عریضہ ارسال کیا گیا کہ حضرت آپ کا رسالہ تو اعزازی ہے، مگر غلطی کی بنا پر آپ کے رسالہ پر ارسال چندہ کی مہر لگ گئی تھی، لہٰذا آپ کا زرسالانہ واپس کیا جاتا ہے، اس پر حضرت نے نہ صرف یہ کہ چندہ واپس نہیں لیا بلکہ درج ذیل خط لکھ کر ادائیگی چندہ پر خوشی کا اظہار فرمایا، لیجئے حضرت کی اولوالعزمی اور مال وزر سے بے اعتنائی ملاحظہ فرمائیے:

''باسمہٖ سبحانہ،

منجانب: ابی الزاہد ٢٣/صفر ١٣٩٢ھ، مطابق ٨/اپریل ١٩٧٢ء

الیٰ محترم المقام جناب حضرت مولانا..................صاحب دامت برکاتہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج سامی!

آپ کا محبت نامہ، شفقت بھرے الفاظ سے ملا، آپ کی اس حسن ظنی، کرم فرمائی اور ذرہ نوازی کا صمیم قلب سے صد شکریہ، محترم المقام! راقم نے پہلے بھی دو تین مرتبہ پیشکش کی تھی اور جب کراچی آیا تھا تو خاصا اصرار بھی کیا تھا کہ ماہنامہ بینات کا چندہ راقم سے لیا جائے، لیکن اکابر کی بزرگانہ شفقت اور حکم کی تعمیل میں بالآخر خاموش رہا۔

اب جب چندہ کا حکم آیا تو خوشی بھی ہوئی کہ راقم کا بوجھ ادارہ پر نہ رہا اور ذہن میں یہ بات بھی آئی کہ ملکی حالات کے پیش نظر ادارہ کو مالی استحکام کی ضرورت درپیش ہوگی، بہرحال یہ رقم بڑی خوشی سے بھیجی ہے، ناگواری مطلقاً نہیں ہوئی۔ پاکستانی رسالوں میں صرف ''بینات'' ہی وہ رسالہ ہے، جس کو راقم ذوق وشوق سے پڑھتا ہے اور خصوصاً ''بصائر و عبر'' کو تو بے حد مزے لے لے کر پڑھتا ہے اور اس کا انداز تحریر عالمانہ اور ناصحانہ مواعظ اور حق گوئی کا بے نظیر جذبہ دیکھ کر دل سے دعائیں نکلتی ہیں اور حضرت العلام... مولانا سیّد محمد یوسف بنوری... دامت برکاتہم اور دیگر اصحاب مضامین کے علمی اور تحقیقی جواہر پاروں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے اور بعض اوقات بڑی قیمتی معلومات حاصل ہوتی ہیں اور بعض ایسے مسائل کی طرف توجہ ہوتی ہے جو وقت کے اہم اور علمی طور پر بڑے دقیق مسائل ہوتے ہیں اور راقم تو حضرت مولانا بنوری صاحب دامت فیوضہم کی علمی اور تحقیقی ابحاث کا اور خصوصیت سے وسعت نظری کا ویسے بھی قائل ہی نہیں بلکہ مداح ہے اور ''بصائر وعبر'' کے مضمون سے تو خوشہ چینی کا اور ایک گونہ ملاقات کا شرف حاصل ہوجاتا ہے، راقم آپ کا اور

تمام حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہے تمام حضرات کو درجہ بدرجہ سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور دعوات صالحہ میں یاد رکھیں۔ والسلام احقر ابوزاہد محمد سرفراز از گکھڑ‘‘

آخری کچھ سالوں سے حضرت امام اہل سنتؒ قریب قریب صاحب فراش ہو گئے تھے اور گزشتہ کچھ عرصہ سے آپ نے تقریباً کھانا پینا ترک کر دیا تھا۔ حضرت فرماتے تھے کہ بھوک و پیاس نہیں لگتی۔ خدام، متعلقین اور معالجین نے جب بہت اصرار کیا اور کہا کہ اس طرح تو کمزوری ہو جائے گی تو فرمایا ترمذی شریف لاؤ، ترمذی شریف لائی گئی تو آپ نے ابواب الطب کی درج ذیل حدیث کی طرف راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ: مریض کو کھانے پینے پر مجبور نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے کہ حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اور یہ حدیث نکال کر دکھادی:

’’عن عقبة بن عامر الجهنی رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا تکرهوا مرضاکم علی الطعام فان اللّٰه تبارک وتعالیٰ یطعمهم ویسقیهم، هذا حدیث حسن غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه۔‘‘

(ترمذی، ص:۲۵، ج:۲، ابواب الطب)

ترجمہ:......’’حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے مریضوں کو کھانے پر مجبور نہ کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتے اور پلاتے ہیں۔‘‘

ایک بار راقم الحروف نے عرض کیا: حضرت! بھوک لگتی ہے؟ فرمایا: نہیں، دوبارہ عرض کیا: پیاس لگتی ہے؟ فرمایا: نہیں، تب راقم نے عرض کیا: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کو اپنے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ سے اس اعتبار سے بھی مشابہت تامہ حاصل ہو گئی ہے کہ آپؒ نے بھی آخر میں کھانا پینا چھوڑ دیا تھا، اس پر صرف مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ ایک اور مرحلہ پر جب آپ نے کھانے پینے سے صاف منع فرما دیا تو از راہ بے تکلفی راقم نے عرض کیا: اس کا معنی یہ ہے کہ ملکوتی صفات کا غلبہ ہو رہا ہے؟ فرمایا: یہ تمہاری سوچ ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو غیر معمولی اوصاف وکمالات سے سرفراز فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہ

ترجمانِ اہلِ سنت

موت ایک اٹل حقیقت ہے، یہاں جو بھی آیا ہے جانے کیلئے آیا ہے، اس لئے اپنا اپنا مقررہ وقت پورا کرکے ہر ایک نے یہاں سے جانا ہے، لیکن کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے جانے سے پورا جہاں تاریک ہو جاتا ہے اور ان کی موت پورے جہاں کی موت کہلاتی ہے ۔

وما كان قيس هلك واحد　　　　و لكنه بنيا ن قوم تهدما

انہیں چنیدہ اور برگزیدہ ہستیوں میں سے ہمارے مخدوم بزرگ ترجمان اہل سنت ، محقق، محدث، مفسر و متکلم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس سرہ بھی تھے، جنہوں نے ایک طویل عرصہ علالت کے بعد ۸؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ بمطابق ۴؍مئی ۲۰۰۹ء کو اٹھانوے سال کی عمر میں انتقال فرمایا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔حق تعالیٰ حضرت شیخ کے درجات بلند فرماویں اور ان کے ہزاروں پسماندگان بلکہ لاکھوں متوسلین کو صبر و اجر سے مشرف فرما کر ان کے مشن کو زندہ رکھنے بلکہ آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ جناب نور احمد خان ولد گل احمد خان مرحوم سواتی کے ہاں ڈھکی چیڑاں داخلی کڑسنگ بالا سابق ڈاکخانہ ٹبل علاقہ کونش تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں آج سے اٹھانوے سال قبل ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، آپ کی حقیقی والدہ ماجدہ ۱۹۲۰ء میں انتقال کر گئی تھیں اس لئے آپ کا بچپن سوتیلی والدہ کی گود میں گذرا، والد ماجد نیک اور صالح سادہ طبیعت انسان تھے ،گو وہ عالم نہ تھے مگر انہیں حضرت شیخ اور صوفی عبدالحمید صاحب سواتی رحمہ اللہ کی تعلیم کا بڑا فکر تھا اس لئے انہوں نے اس پر خاص توجہ دی اور اپنے ان دونوں لخت جگروں کی ظاہری جدائی بھی برداشت کی تا کہ یہ حضرات دینی تعلیم حاصل کرکے عالم فاضل بن جائیں، ان کی یہ خواہش اگرچہ ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی کیونکہ ۱۹۳۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا جبکہ دادا محترم بھی ان کے ایک سال بعد ۱۹۳۱ء میں انتقال کر گئے ، لیکن چونکہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا اور تمام تر نامساعد حالات کے باوجود دونوں بھائی خوب محنت سے تعلیم حاصل کرتے رہے، بالآخر والد محترم مرحوم کی تمنا پوری ہوئی اور دونوں حضرات جید عالم دین بن کر دارالعلوم

دیوبند سے فارغ ہوکران کیلئے بہترین صدقہ جاریہ بن گئے۔

حضرت شیخ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی پھرمختلف مقامات پر پڑھااور ۱۹۳۷ء میں جہانیاں منڈی میں داخلہ لے کرعبدالغفور، حمداللہ، مسلم الثبوت اورمختصرالمعانی وغیرہ پڑھی پھرتین سال مدرسہ انوارالعلوم گجرانوالہ میں موقوف علیہ تک تمام کتابیں ہدایہ اولین اخیرین ، توضیح تلویح ، بیضاوی، تصریح،اقلیدس ،صدرا،قاضی مبارک،شمس بازغہ ،شرح نخبۃ الفکراورمشکوٰۃ شریف،مطول ،سراجی وغیرہ حضرت مولاناعبدالعزیزصاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔

۱۹۴۱ء میں دونوں بھائی ازہرہنددارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے ،وہاں بخاری شریف اورترمذی شریف شیخ العرب والعجم حضرت اقدس مولاناسید حسین احمدمدنی رحمہ اللہ تعالیٰ، مسلم شریف حضرت بلیاوی ،ابوداؤدشریف حضرت شیخ الادب مولانااعزازعلی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں اوردیگرکتب دیگراساتذہ کرام سے۔اس سال دارالعلوم کا سالانہ امتحان چونکہ بعض وجوہ سے نہیں ہوسکا تھااس لئے بغیرامتحان دیئے آپ واپس تشریف لے آئے اورپھر جب مدرسہ انوارالعلوم گجرانوالہ میں بطور مدرس آپ کاتقررہوگیاتوامتحان کیلئے آپ مع حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبندتشریف لے گئے اورامتحان میں کامیابی پرآپ کوسندبھی جاری کردی گئی۔

۹رجون۱۹۴۳ء سے آپ نے گکھڑمیں درس اور جمعہ کی خدمات کا آغازفرمایااورشوال المکرّم ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں آپ کاجامعہ نصرۃ العلوم میں تقررہواعرصہ درازتک بخاری شریف وغیرہ اوردورہ تفسیرمیں ہرسال مختصرتفسیرمع ترجمہ آپ پڑھاتے رہے، گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑمیں۱۹۴۳ء سے ہی آپ قرآن پاک کا درس بھی دیتے رہے ، درس وتدریس کایہ سلسلہ۲۰۰۱ءتک جاری رہااورآپ بڑی محنت ومجاہدہ سے یہ ساری خدمات سرانجام دیتے رہے ،۲۰۰۱ء میں آپ کواپنی علالت کی وجہ سے تدریس کاسلسلہ مجبوراًبندکرناپڑا۔

آپ کی دینی خدمات کاعرصہ تقریباًپون صدی پرمحیط ہے جوبلاشبہ ہمارے مدارس کی تاریخ میں ایک غیرمعمولی عرصہ ہے،اس سترسالہ عرصہ میں حضرت شیخ کے تلامذہ اورآپ سے براہِ راست استفادہ کرنے والوں کی تعدادیقیناًہزاروں میں ہے،اللہ تعالیٰ نے آپ کودرس وتدریس کے ملکہ کےساتھ اندازبیان ایساشستہ اورپاکیزہ عطافرمایاتھاکہ آپ سبق اورتقریرکوسامع کے دل میں اتاردیتے تھے،مشکل سے مشکل مباحث کوآسان اندازمیں سمجھادینے پرآپ کوبڑی قدرت اور مہارت تامہ تھی ،یہی اسلوب آپ کی تالیفات

اور تصنیفات کا بھی ہے، مختلف موضوعات پر آپ کی گرانقدر تالیفات ایک عظیم علمی سرمایہ ہیں جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا، اپنے مدعا کے اثبات پر دلائل کے انبار لگا دیئے، مخالفین کے مستدلات کا رد آپ نے ایسے جامع اور مسکت انداز سے فرمایا کہ دوبارہ انہیں قلم اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے زبان وقلم دونوں میں آپ کو بڑی قوت، طاقت اور شوکت عطا فرمائی تھی، احقاق حق اور ابطال باطل کیلئے آپ نے ان دونوں نعمتوں سے بھر پور فائدہ اٹھایا، جزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت شیخ کو مسلک حق اہل سنت والجماعت کے دفاع اور تحفظ کا ہمیشہ بڑا ہی خیال رہا، مسلک ومشرب کے دفاع اور تحفظ کیلئے آپ کی علمی خدمات اور گراں قدر تالیفات علماء دیوبند کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں جنہیں ہمیشہ یاد رکھا جائیگا آپ کی تصانیف اور بیانات اس کے گواہ ہیں، اور اس موضوع پر آپ کی خدمات کی وجہ سے ہی بجا طور پر آپ کو اہل سنت والجماعت کا امام اور ترجمان کہا جاتا ہے، فرق باطلہ ضالہ کی تردید اور مخالفین اسلام کے رد میں آپ کے مضامین، کتب اور رسائل اسی جذبہ اور فکر کا نتیجہ ہیں، اس سلسلہ میں راہِ سنت، تسکین الصدور، الشہاب المبین، عبارات اکابر، تبرید النواظر، ازالۃ الریب، عیسائیت کا پس منظر، دل کا سرور، عمدۃ الاثاث، انکار حدیث کے نتائج، مسئلہ سماع موتی، تنقید متین، احسن الکلام، مسئلہ ختم نبوت، بانی دار العلوم دیوبند وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ولائق مطالعہ ہیں، آپ کی تالیفات کی عمدگی، پسندیدگی، مقبولیت اور ثقاہت اس سے واضح ہے کہ آپ کے اساتذہ کرام نے ان کو بے حد سراہا اور ان کی بڑی ہی تعریف کی ہے اور آپ کی مدح میں بھی بہت جاندار وشاندار کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

شعبان المعظم ورمضان المبارک میں آپ نے سالہا سال دورہ تفسیر کے نام پر قرآن کریم کا ترجمہ اور مختصر تفسیر کے ذریعہ سے مسلک کی جو خدمت کی ہے اس کی افادیت، اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، دورہ تفسیر کے نام سے بعض علماء حضرات جو اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے تھے علماء دیوبند کی تحقیقات اور مسلک سے ہٹ کر دیوبندیت کے نام پر اپنا مسلک پیش کر رہے تھے اور بہت سے مقام پر قرآن کریم کی نئی تفسیر کو علماء وطلباء کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا، حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے دورہ تفسیر سے اس فتنہ کا مؤثر سد باب ہوا اور طلبہ وعلماء کے سامنے مسلک اہل سنت والجماعت کے عین مطابق وموافق قرآن کریم کی صحیح تفسیر وتعبیر سامنے آئی اور یوں وہ گمراہی کا شکار ہونے سے بچ گئے فللّٰہ الشکر ولہ الحمد وللّٰہ در الشیخ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ۔

بنیادی طور پر آپ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ اور تحقیق وتدقیق کے آدمی تھے آپ نے اس میدان میں زندگی کا ایک طویل حصہ گزارا ہے لیکن ضرورت کے موقع پر آپ سیاست اور ملکی تحاریک

میں بھی بھر پور حصہ لیتے اور وہاں بھی اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے قائدانہ کردار ادا فرماتے قادیانیوں کے خلاف ۱۹۵۳ء میں جو تحریک چلائی گئی تھی آپ نے اس میں بڑا نمایاں حصہ لیا اور نو ماہ تک پس دیوار زنداں بھی رہے اسی طرح ۱۹۷۷ء میں نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر جو تحریک چلی اس میں بھی آپ نے پورا پورا تعاون فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو ظاہری علوم وفیوض سے نوازا تھا وہیں باطنی اور روحانی علوم وبرکات سے بھی آپ خوب مالا مال تھے، اگر ظاہری علوم میں مہارت وپختگی ، مسلکی تصلب ، جید استعداد، ٹھوس ومضبوط علم، تحقیق وتدقیق جیسی نعمتیں آپ کے پاس تھیں تو باطنی طور پر تواضع خشیت، اخلاق حسنہ، تقویٰ وطہارت ، خوف خدا، للٰہیت ، عاجزی جیسے اوصاف جمیلہ سے بھی آپ پورے طور پر متصف تھے ، سلسلہ نقشبندیہ میں آپ باقاعدہ حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ اور احقر کے والد ماجد قدس سرہ دونوں ہی جید عالم دین، بالغ نظر، اور محقق تھے ، حضرت شیخ کی علمی تالیفات شائع ہو کر خواص وعوام تک پہنچ چکی تھیں ، حضرات علماء کرام بھی ان سے برابر مستفید ہو رہے تھے ، حضرت والد ماجد رحمہ اللہ کو حضرت شیخ کی تحقیق پر بہت اعتماد تھا چنانچہ آپ اپنی کتابوں میں جہاں بہت سے اکابر کا حوالہ دیتے وہیں حضرت شیخ کی کتابوں کا حوالہ بھی دیتے تھے اور دینی ومسلکی خدمات کی بنا پر حضرت کو اہل سنت والجماعت کا ترجمان سمجھتے تھے بعض مسائل پر خط وکتابت کی نوبت بھی آجاتی تھی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے کئی مرتبہ حضرت شیخ کو اپنے جامعہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کی دعوت بھی دی لیکن حضرت شیخ رحمہ اللہ دورہ تفسیر کی مصروفیات کی وجہ سے تشریف نہیں لاسکے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ پر اعتماد فرماتے تھے اور علماء دیوبند کے مسلک ومشرب کے حوالہ سے انہیں جن چند شخصیات پر اعتماد تھا ان میں ایک نام حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کا بھی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ دار العلوم کراچی تشریف لے گئے تو وہاں اس بات کا ذکر آیا کہ آج کل طلبہ تو طلبہ بعض علماء کرام کو بھی صحیح طور پر اپنے اکابر کے مسلک ومشرب کا علم نہیں اور نہ ہی اس مسلک ومشرب کی اب صحیح طور پر پابندی کی جارہی ہے اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ اکابر کے مسلک ومشرب اور دیوبندیت کی صحیح تشریح کی جائے اور یہ کام اس وقت صرف چند حضرات ہی کرسکتے ہیں ان کو جمع کر کے ان سے یہ کام لینا چاہئے ، حضرت شیخ نے اس سلسلہ میں جن حضرات علماء کرام کا نام لیا ان میں ایک نام حضرت اقدس والد ماجد رحمہ اللہ کا بھی تھا۔

احقر نے ایک مرتبہ کتاب ''المہند علی المفند'' کا خلاصہ ''عقائد علماء دیوبند'' جو حضرت والد ماجد نے

مرتب فرمایا تھا حضرت شیخ کو تقریظ کیلئے ارسال کیا تو اس پر یہ تحریر ارسال فرمائی:

مبسلا ومحمدلا ومصليا ومسلما امابعد:

جوں جوں قیامت قریب آئے گی ہر صاحب رائے اپنی رائے پر ناز کرے گا اور اعجاب کل ذی رأی برأيه کا خوب مظاہرہ ہوگا، لیکن کامیابی صرف اسی میں ہے لن يصلح آخر هذه الامة الابما صلح به اولها۔

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبور بھی ہیں، جس میں ۱۳۷۴ھ سے پہلے از مشرق تا مغرب از شمال تا جنوب کسی فرقہ کے کسی عالم کا کوئی اختلاف نہ تھا، جیسا کہ فتاوی رشدیہ اور امداد الفتاوی وغیرہ سے بالکل عیاں ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ راقم اثیم نے اپنی مفصل کتاب ''تسکین الصدور'' میں اس پر مبسوط بحث کی ہے جس کی تائید وتصدیق دور حاضر میں پاک وہند کے مسلم اکابر علماء دیوبند نے کی ہے اور یہی علماء دیوبند کا مسلک ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی دامت برکاتہم کو جنہوں نے ''المہند علی المفند'' کو عمدہ کتابت وطباعت سے آراستہ کر کے اور آخر میں موجودہ زمانہ کے علماء دیوبند کی تصدیقات ثبت فرما کر عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے فجزاهم الله عنه وعن سائر المسلمين خير الجزاء وصلى الله تعالىٰ وسلم علىٰ خاتم الانبياء والمرسلين وعلىٰ آله واصحابه اجمعين۔

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ

وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانولہ

۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ (المہند ص ۱۸۹)

احقر نے حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد حیات ترمذی کے نام سے ان کی سوانح لکھنے کا ارادہ کیا تو خیال آیا کہ معاصر علماء کرام مشائخ عظام سے بھی ان کے بارہ میں مضامین لکھوا لئے جائیں، حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی علالت اور ضعف کے باوجود ایک مختصر مگر جامع تحریر لکھ کر احقر ناکارہ کو عطا فرمائی جو کئی فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے قارئین کی خدمت میں حاضر ہے:

نحمده ونصلى علىٰ رسوله الكريم:

دنیا میں جتنے مذاہب اور ادیان موجود ہیں ان سب میں سچا، کامل اور نجات والا مذہب اور دین اسلام اور صرف اسلام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الدين عند الله الاسلام یعنی کامل مقبول پسندیدہ اور حق دین اب صرف اسلام ہی ہے جس نے اس کے علاوہ کوئی دین اختیار کیا تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا ومن

یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه اس برحق اور سچے دین کی بنیاد قرآن کریم، حدیث شریف اوران کے خادم علوم اسلامیہ پر قائم ہے ان علوم کے بغیر قرآن کریم اور حدیث شریف کا سمجھنا بالکل ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے برحق دین کی حفاظت کیلئے عالم اسباب میں ہر دور میں علمی وعملی شخصیات پیدا کی ہیں جنہوں نے دنیا کی تمام تکالیف برداشت کر کے اور بدباطنوں کے طعن وتشنیع سن سن کر بھی حق کی نشر واشاعت میں کوئی کمی اور کسر نہیں چھوڑی اللہ تعالیٰ ان اہل حق حضرات کی قربانیاں قبول فرمائے اوران کے صدقات جاریات کو قائم اور دائم رکھے آمین ثم آمین۔

اسی سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ فقیہ ابن فقیہ بھی ہیں جنہوں نے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے دامن سے وابستہ رہ کر تجدد اور تشدد کے راستوں سے گریز کر کے تدریسی، تقریری اور تالیفی طور پر حق اور اہل حق کی پوری تائید اور باطل ومرجوح طریقوں کی سرکوبی کی ہے اور افراط وتفریط سے بچ کر اہل اسلام کی دینی خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور اہل حق کیلئے ان کی کوششوں کو مشعل راہ بنائے اور ان کے تلامذہ اور فرزندوں کو اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی ہدایات اور تحقیق پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے خاص طور پر ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو جو ان کے صحیح طریقہ پر عملی وارث ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہمت واستقامت نصیب فرمائے اور اس نازک اور پر فتن دور میں جس میں اعجاب کل ذی رأی برأیه کا گھمنڈ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ ان کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اکابر علماء دیوبند کے حق اور مبنی بردلائل اور انصاف مسلک کو اجاگر کرنے کی ہمت عطا فرمائے، آمین ثم آمین، وصلی اللّٰہ تعالی وسلم علٰی رسوله خیر خلقه وعلٰی آله واصحابه وازواجه وذریاته واتباعه الٰی یوم الدین آمین یاارحم الراحمین۔

۸ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ ۲ جون ۲۰۰۲ء جامعہ عثمانیہ شورکوٹ کے جلسہ پر حضرت مولانا بشیر احمد خاکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت شیخ سرفراز صاحب صفدر، حضرت اقدس والد ماجد، حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب، حضرت مولانا عطاء المحسن صاحب وغیرہم کو مدعو کیا، حضرت شیخ نے مدینۃ العلم فیصل آباد سے تشریف لانا تھا آپ وہاں ختم بخاری شریف کرا کے شورکوٹ کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں کسی نے اطلاع کر دی کہ حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی انتقال فرما گئے، حضرت اور تمام رفقاء سفر کو بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے سارا راستہ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے تذکرہ میں گذارا، ادھر حضرت والد صاحب رحمہ اللہ احقر کو لے کر بروقت جامعہ عثمانیہ پہنچ چکے تھے اور عصر ومغرب کے بعد کی مجلس ہو رہی تھی،

عوام وخواص مستفیدین کا تانتا بندھا ہوا تھا اور حضرت والد ماجد رحمہ اللہ خوب بیان فرما رہے تھے حضرت مولانا شیر محمد صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ جو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک سفر تھے شورکوٹ پہنچے تو جامعہ عثمانیہ کے اسی کمرہ میں تشریف لے آئے جہاں حضرت والد صاحب تشریف رکھتے تھے وہ اچانک حضرت کو اس طرح دیکھ کر حیران ہو گئے انہیں بے حد مسرت ہوئی اور شدت فرحت میں واقعہ ضبط نہ کر سکے فوراً حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے پورا واقعہ عرض کر دیا اور اپنی غیر معمولی مسرت کا بھی اظہار فرمایا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ ''بھائی ہمارے ہاں تو مردہ بھی زندہ ہوتے ہیں آپ نے تو دیکھ ہی لیا کہ میں زندہ ہوں اور باتیں بھی کر رہا ہوں'' حضرت شیخ کو جب صحیح صورت حال کا پتہ چلا تو وہ بھی بہت ہی خوش ہوئے اور بڑے پرتپاک انداز میں ملاقات فرمائی ولادت کا سن پوچھا حضرت نے ۱۳۴۱ھ بتلایا، فرمایا کہ ''میں آپ کو عمر میں اپنے برابر بلکہ بڑا سمجھتا تھا آپ تو مجھ سے نو سال چھوٹے ہیں'' پھر کافی دیر تک مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوا۔

رات کی نشست میں حضرت مولانا عطاء المحسن صاحب بخاری مرحوم کی تقریر کا رخ یزید کی حمایت کی طرف پھرا تو جلسہ میں بڑی بدمزگی پیدا ہوئی جلسہ بند کرنا پڑا اور سب ہی حضرات کو اس کا بڑا قلق ہوا، اگلے روز حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا پروگرام دار العلوم کبیر والا میں ختم بخاری شریف میں شرکت کا تھا، حضرت مولانا محمد انور صاحب مرحوم مہتمم دار العلوم نے حضرت والد صاحب کو بھی پرزور اصرار کے بعد کبیر والا جانے پر راضی کر لیا، چنانچہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ سے قبل آپ کا بھی مختصر بیان ہوا جس میں آپ نے طلبہ کو بڑی زریں نصائح فرمائیں اور مسلک ومشرب کے حوالہ سے انہیں اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے عقائد پر قائم رہنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ ترجمان اہل السنۃ حضرت مولانا سرفراز صفدر مدظلہم کی تصانیف اس موضوع پر بڑی اہم ہیں طلبہ کو ان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

اس تفصیل سے ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعلق کی نوعیت واضح ہے۔

احقر نے بچپن میں ہی حضرت کا نام سن رکھا تھا ہمارے ہاں چونکہ عوام وخواص میں رسومات وبدعات کا ماحول غالب تھا، باہر سے آنے والے واعظین اور خطباء زیادہ تر حاظر وناظر علم غیب، نور وبشر جیسے مسائل کو غلط انداز میں عوام کے سامنے پیش کر کے انہیں گمراہ کرتے رہتے اور حضرت اقدس والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے جمعہ کے خطبات میں بڑے زوردار انداز میں انکار د فرماتے تھے، اسی دور سے ان موضوعات سے متعلق حضرت شیخ رحمہ اللہ کی مفید ومدلل کتب تبرید النواظر، علم غیب وغیرہ دیکھنے کا موقع ملا، ہم درجہ کتب میں ابتدائی اسباق پڑھنے کے زمانہ سے ہی مطالعہ کے شوقین تھے، درس نظامی کے متوسط درجہ کی کتب پڑھنے

کے دوران کافی محنت سے ہم نے ان کتب کا مطالعہ کیااوران موضوعات پرہمیں سب سے زیادہ فائدہ حضرت ہی کی کتب سے ہوا،اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کا انداز بیان انتہائی آسان عام فہم عبارت بالکل واضح غیر مبہم اور مدلل ہوتا تھا۔

پہلی حضرت کی زیارت محرم الحرام ۱۴۰۴ھ میں ہوئی احقر گجرانوالہ جامعہ نصرۃ العلوم میں حاضر ہوا، حضرت اپنے معمول کے مطابق سبق کے وقت گکھڑ سے تشریف لائے اور آتے ہی آپ نے پہلے قرآن کریم کے ایک رکوع کا درس دیا جس میں آیات کے رواں ترجمہ کے ساتھ مختصر وضاحت فرمائی، پھر بخاری شریف کا سبق پڑھایا، احقر بعد میں ملا تعارف کرایا بہت خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، حضرت والدصاحب کی خیریت دریافت فرمائی اور بڑی شفقت سے گفتگو فرمائی جس کا احقر پر بہت اثر ہوا، ان دنوں حضرت کی تازہ تصنیف'' الشہاب المبین ''طبع ہوکر آئی تھی احقر نے اسی سفر میں اس کا مطالعہ کیااور جناب حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب مرحوم سے بھی ملاقات پر ان کی کتاب ''الہام الباری'' وغیرہ بھی حاصل کی۔

احقر کا عرصہ سے خیال تھا کہ قرآن کریم کی تفسیر حضرت سے پڑھی جائے آپ ہر سال سینکڑوں علماء کرام کو شعبان ررمضان المبارک میں دورہ تفسیر پڑھاتے تھے جامعہ نصرۃ العلوم گجرانوالہ اس کیلئے ایک عظیم مرکز تھا، احقر ہر سال اس میں شرکت کا سوچتااور پھر تراویح میں قرآن کریم سنانے کی وجہ سے پروگرام رہ جاتا، بالآخر شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ میں حضرت والد صاحب کی اجازت سے احقر نے دورہ تفسیر میں داخلہ لے لیا عزیز مکرم مولوی محمد صدیق سلمہ حال مدرس جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا بھی احقر کے ہمراہ تھے، حضرت نے ۲رشعبان المعظم ۱۴۰۹ھ کو دورہ تفسیر کا آغاز فرمایااور رمضان المبارک کی ۱۹ تک یہ سلسلہ جاری رہا، احقر نے پابندی سے اس میں شرکت کی اور قرآن کریم بھی تراویح میں سنانے کا اہتمام کیا، حضرت سے دورہ تفسیر پڑھنے کا بہت فائدہ ہوا، دوران درس حضرت مختلف موضوعات پر بڑی جامع اور مدلل بحث فرماتے تھے اسی طرح غیر مسلموں نے قرآن پر جو شبہات کئے آپ ان کا بھی مدلل رد کرتے اور مشکلات کا حل فرماتے۔

دورہ تفسیر کے دوران حضرت شیخ بڑے شگفتہ رہتے اور بعض دفعہ طلبہ کو از راہ لطافت ظرافت کی باتیں بھی سناتے ایک مرتبہ جب سورہ فاطر شروع ہوئی اس کی پہلی آیت الحمد للّٰہ فاطر السمٰوات والارض کا ترجمہ فرمایا پھر فرمانے لگے ایک صاحب نے ترجمہ قرآن کریم کے نام پر لوگوں کو جمع کیااور اس نے سورہ فاطر کا ترجمہ یوں کیا'' تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے زمین وآسمان میں فطور پیدا کر دیا ہے''نعوذ باللہ، نقل کفر کفر نہ باشد۔

حضرت نے ایک مرتبہ تمام طلبہ سے سوال کیا کہ قرآن کریم میں جاء و، باء و، فاء و بغیر الف کے

ہیں حالانکہ جمع کے صیغے ہیں ان کے آخر میں الف ہونا چاہئے تھا جیسا کہ ہر جمع کے صیغہ میں الف لکھا ہوا ہے ، یہاں الف کیوں نہیں لکھا گیا اس کی وجہ بیان کی جائے ،طلبہ نے مختلف جوابات دیئے حضرت نے فرمایا کہ یہ سب جوابات غلط ہیں صحیح جواب پیش کرنے پر انعام دیا جائے گا لیکن حضرت کی منشاء کے مطابق شاید کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔

یآیھا النبی جاھد الکفار والمنا فقین میں بعض مخالفین اسلام نے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دشمن ہیں انہوں نے واؤ کو مع کے معنی میں لے کر یہ ترجمہ کیا ہے کہ اے نبی آپ منافقین (یعنی صحابہ کرام) کے ساتھ مل کر کفار کے خلاف جہاد کریں یعنی حق تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ساتھ جہاد کا حکم دے رہے ہیں اور حضرات صحابہ کرام کو گویا نعوذ باللہ منافق قرار دیا جا رہا ہے، یہ قرآن کریم کی کس قدر معنوی تحریف ہے جس کے غلط ہونے میں کوئی کلام نہیں لیکن واؤ کو مع کے معنی میں لے کر یہ گل کھلائے گئے ہیں ،حضرت شیخ نے امام نحو علامہ رضی شارح کافیہ جو خیر سے خود اہل تشیع سے تعلق رکھتے ہیں ان کے قول سے ثابت کیا کہ یہاں واؤ مع کے معنی میں نہیں ہے،اس لئے آیت کریمہ کا واضح مفہوم یہی ہے کہ آپ کفار اور منافقین سے جہاد فرمائیں اور ان پر سختی کریں کفار کے ساتھ جہاد تلوار سے ہوگا اور منافقین کے ساتھ زبان سے۔

ایک دن فرمایا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رفع سبابہ کے قائل نہ تھے اور ہم ان کے سامنے کرتے تھے،ایک موقع پر میں نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ رفع سبابہ کیوں نہیں کرتے ،فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں وہ اس کے قائل نہیں، میں نے عرض کیا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے،فرمانے لگے کہ حدیثوں میں اختلاف ہے، میں نے کہا تشہد میں بھی اختلاف ہے پھر اسے بھی ترک فرمادیں ، حضرت اس جواب پر مسکرائے اور مجھے اپنی خاص زبان میں فرمایا ”پترا توں کیتا کر“ (یعنی بیٹے تم کیا کرو) حضرت شیخ نے اس مسئلہ میں خلاصہ کیدانی کے مصنف کا قول بھی ذکر فرمایا اور پھر اشارہ بالسبابہ کے منکرین کا رد فرمایا اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ تـزیـیـن الـعـبـارة فـی تحسین الاشـارة کی تعریف فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے ۴۶ سال قبل اس رسالہ کا مطالعہ کیا تھا،حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت ”یـا بـنـی“ کا ترجمہ اپنی ٹھیٹھ زبان میں ”او میری پتری“ سے کرتے تھے جس میں تصغیر کے صیغہ کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے اور واقعۃً یہ ترجمہ سرائیکی زبان میں بہت ہی زبردست ترجمہ ہے۔

دورہ تفسیر پڑھنے کے زمانہ میں ماہ شعبان المعظم کا ایک جمعہ گکھڑ میں حضرت شیخ کی اقتداء میں پڑھا،حضرت نے بڑے ہی پیارے انداز میں بڑا عمدہ اور جامع بیان فرمایا جو خواتین وحضرات نے بڑی توجہ

سے سنا اس کے بعد خطبہ پڑھا اور جماعت کرائی، حضرت کا بیان اس قدر مدلل اور ٹھوس ہوتا تھا کہ اس میں کسی کو انگلی رکھنے کی گنجائش نہ رہتی تھی، احادیث صحیحہ کے حوالہ اور استدلال بالقرآن والحدیث آپ کا خاص وصف تھا، سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کسی ضعیف روایت کو بیان نہیں فرماتے تھے آپ کے بیانات سن کر خواتین تک کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ فلاں حدیث صحیح ہے اور فلاں ضعیف یا موضوع، اس لئے حضرت شیخ کی مسجد میں بیان بڑے بڑے حضرات کیلئے ایک چیلنج سے کم نہ تھا، اگر کوئی عالم حدیث پاک کا حوالہ دے کر بیان کرتا اور وہ حدیث صحیح نہ ہوتی فوراً خواتین تک انہیں تنبیہ کر دیتیں کہ مولانا آپ نے کس کتاب سے یہ حدیث بیان کی ہے اس کا حوالہ دیں کیونکہ یہ حدیث تو ضعیف ہے ، یہ سب حضرت شیخ کا علمی فیضان اور آپ کی جدوجہد کا نتیجہ تھا ورنہ آج کل اس کا لحاظ بہت کم حضرات کرتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ کثرت سے ضعاف اور موضوعات کو نشر کر دیا جاتا ہے جس کا نقصان واضح ہے۔

احقر نے ۱۴۰۹ھ میں حضرت شیخ سے دورہ تفسیر پڑھا اس سال ۲رشعبان المعظم ۱۴۰۹ھ ۱۱رمارچ ۱۹۸۹ء ہفتہ کے روز دورہ تفسیر کا آپ نے آغاز فرمایا اور ۱۹ررمضان المبارک ۱۴۰۹ھ ۲۶راپریل ۱۹۸۹ء بروز بدھ کو پورے قرآن کریم کا ترجمہ مع مختصر تفسیر کے ختم فرمایا۔

جو طلبہ دورہ تفسیر شریف مکمل کر چکے تھے انہوں نے حضرت سے درخواست کی کہ ہمیں حدیث پاک کی اجازت دی جائے، حضرت نے فرمایا کہ بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث پاک پڑھ کر سنائیں، پھر میری طرف سے اجازت ہے اور یہ اجازت تمام شرکاء کو نہیں بلکہ صرف ان حضرات کو ہوگی جو باقاعدہ درس نظامی کر چکے ہیں اور دورہ حدیث شریف پہلے پڑھ چکے ہیں، چنانچہ بخاری شریف کی آخری حدیث پاک پڑھنے کی سعادت احقر کو حاصل ہوئی اور حضرت نے اجازت دے کر دعا کرا دی اور اس پر نصرۃ العلوم میں پڑھنے کا دورانیہ مکمل ہوا۔

ترجمہ و تفسیر کے ختم پر مدرسہ کی طرف سے امتحان کا اعلان ہوا، امتحان کے بعد جمعۃ المبارک کے روز جلسہ تقسیم اسناد منعقد کیا گیا جس میں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہم نے بیان فرمایا اور حضرت نے اسانید تقسیم فرمائیں، احقر کو خصوصی طور پر دعا دی اور تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ حضرت مولانا کو سلام عرض کرنا۔

حضرت والد صاحب قدس سرہ کی وفات کے بعد گکھڑ آپ کی خدمت میں گھر حاضری ہوئی تعارف کرانے پر پہچان لیا بڑے اہتمام سے خیر و عافیت دریافت کی مدرسہ کے حالات بھی دریافت فرمائے، حضرت والد صاحب کی وفات پر افسوس کا اظہار فرمایا اور ساتھ ہی احقر کو ہدایت فرمائی کہ حضرت کے زمانہ

میں جو کام اور شعبے جاری تھے بطور خاص تصنیف وتالیف کا شعبہ، اس کو اہتمام کے ساتھ جاری رکھا جائے اسے بند نہ کریں یہ بڑا ہی اہم شعبہ ہے، پھر فرمایا کہ میں نے بحمد اللہ تعالیٰ تقریباً ستر سال تک تدریس کی ہے لیکن اب ہمت نہیں رہی۔

ایک دو مرتبہ اس کے بعد بھی حاضری ہوئی پھر متعلقین اور احباب سے برابر حضرت کی خیریت معلوم کرتا رہا جب بھی کسی بڑے عالم کا انتقال ہوتا معاً حضرت کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا کافی عرصہ سے دل میں دھڑکا سا لگا رہتا تھا بالآخر ۹ ر جمادی الاولیٰ منگل کی صبح فجر کی نماز کیلئے بیدار ہوا تو فون کے ذریعہ اطلاع ملی کہ حضرت شیخ رحلت فرما گئے دل پر چوٹ لگی اور بڑا صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا دیگر احباب کو اطلاع کی جسے بھی اس حادثہ فاجعہ کا علم ہوا رنجیدہ ہوا، حضرت کی طویل علالت ضعف اور عمر کے تقاضہ کی وجہ سے ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ نہ جانے کس وقت یہ چراغ سحر خاموش ہو جائے بالآخر ۹۸ سال کی طویل عمر پاکر آپ راہی ملک بقا ہوئے اور حسب ارشاد باری تعالیٰ کل من علیھا فان وقولہ تعالیٰ کل نفس ذائقة الموت وقت موعود آ پہنچا جس سے کسی کو بھی مفر نہیں، بلاشبہ آپ کی موت کسی ایک متنفس کی موت نہیں تھی بلکہ پورے جہاں کی موت تھی کماقیل موت العالِم الصالح موت العالَم۔

ظہر سے قبل ہم جنازہ کیلئے سرگودھا سے گکھڑ روانہ ہوئے اور عصر کے وقت اس گراؤنڈ میں پہنچ گئے جہاں جنازہ کا اعلان تھا اس وقت گراؤنڈ میں آدھے سے بھی کم جگہ پر افراد موجود تھے، بیانات کا سلسلہ جاری تھا احقر حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مد ظلہم (جو اس وقت پہلی صف میں تشریف فرما تھے) کے پاس پہنچ گیا اور تعزیت کی مولانا نے بڑے صبر وتحمل کا مظاہرہ فرمایا اور کلمہ استرجاع کے بعد ''یہ سب کا مشترکہ صدمہ ہے ہر ایک تعزیت کا مستحق ہے'' کے کلمات ارشاد فرمائے، ساڑھے پانچ بجے کا اعلان تھا، حسب اعلان جنازہ حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے پڑھایا اس وقت مجمع کا یہ عالم تھا کہ پورا گراؤنڈ بھر چکا تھا اور تاحد نگاہ آدم ہی آدم تھا، ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ افراد نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی اور ہزاروں افراد وہ تھے جو گراؤنڈ سے باہر ہجوم میں ایسے پھنسے کہ جنازہ میں شرکت نہ کرسکے اسی طرح بروقت جنازہ پڑھانے کی وجہ سے بھی بہت سے ایسے حضرات جو دور سے طویل سفر طے کرکے قدرے تاخیر سے پہنچے جنازہ سے محروم رہے، وکان امر اللّٰہ قدرا مقدورا۔

جنازہ کے بعد شارع عام پر اس قدر بے پناہ رش ہو گیا کہ دونوں طرف کی سڑک بلاک ہو گئی، رش ٹوٹنے میں کئی گھنٹے لگ گئے، امام اہل سنت کے جنازہ میں شرکت کیلئے کہاں کہاں سے لوگ آئے ہوئے تھے اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے اتنے بڑے ہجوم کو دیکھ کر یوں معلوم ہو رہا تھا کہ سارا ملک حضرت کے جنازہ

میں پہنچ گیا ہے، جنازہ میں اتنا ہجوم عنداللہ مقبولیت کی علامت اور نیک فال ہے سچ ہے من کان للہ کان اللہ لــــہ ۔ایسے موقع پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اہل حق کے جنازے حق و باطل میں فیصلہ کرتے ہیں'' کی تائید مزید ہو جاتی ہے وذالك فضل اللّٰہ يؤ تيه من يشاء۔

جامعہ حقانیہ کے اساتذہ کرام اور طلبہ بھی جنازہ میں شریک ہوئے جبکہ جامعہ کے صدر مدرس مولانا محمد ظفر اللہ صاحب اور سلانوالی جامعہ امدادیہ فتحیہ کے مدیر جناب قاری شرافت اللہ صاحب پانی پتی احقر کے ہمراہ تھے برخورداران عبد الناصر ترمذی، عبد الملک ترمذی سلمہما الرحمٰن جو آج کل جامعہ دار العلوم کراچی میں دورہ حدیث شریف کے طالب علم ہیں وہ ساہیوال آئے ہوئے تھے انہیں بھی حضرت شیخ کے جنازہ میں شرکت کی سعادت مل گئی، فللّٰہ الحمد ولہ الشکر اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرماویں اور ہم سب کی مغفرت کا ذریعہ بنائیں آمین۔ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرماویں اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے آپ کے تمام پسماندگان خصوصاً حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب، حضرت مولانا عبد القدوس قارن صاحب، حضرت مولانا عبد الحق خان بشیر صاحب مدظلہم کو صبر جمیل اجر جزیل عطا فرمائیں، آمین۔

احقر عبد القدوس ترمذی غفرلہ......۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

اپنے اصاغر کی تعریف

حضرت انتہا درجہ کے مہمان نواز تھے، مہمانوں کا دل کی گہرائیوں سے اکرام کرتے تھے، ایک مرتبہ بیماری کے ایام میں اپنے بیٹے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد کو مہمانوں کا اکرام کرتے اور حُسن اخلاق سے پیش آتے دیکھ کر حضرت شیخ الحدیث بہت خوش ہوئے اور فرمایا ''مولانا! علم میں تو تم میرے برابر نہیں ہو، البتہ اخلاق میں تم میرے جیسے ہو، مہمانوں کا اکرام بھی کرتے ہو اور حُسن اخلاق سے بھی پیش آتے ہو۔

اصلاح کا انداز

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد فرماتے ہیں۔ ''حضرت کا اصلاح کا انداز عجیب تھا۔ جب ہم پڑھتے تھے، کبھی کبھی اگر کپڑے اچھی طرح استری والے، سفید اور خوبصورت پہن لیتے، حضرت والد صاحب دیکھ لیتے تو سمجھاتے کہ آج اکڑ کر چل رہے ہیں اور شان و شوکت والے کپڑے پہن کر کہیں یہ اترانے نہ لگ جائیں چنانچہ ہمیں بلاتے اور گھر کے باہر سے لے کر باہر کے آخر تک نالی صاف کرواتے، اگر کبھی ہاتھ پر شاپر چڑھانے لگتے تو فوراً منع کر دیتے، شاپر نہ چڑھانے دیتے اور فرماتے پہلے اچھی طرح سے نالی کی صفائی کرو بعد میں ہاتھ دھو لینا۔'' (اللہ اکبر) کیا عجیب انداز ہے اصلاح کا؟ (ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ)

مولانا محمد حسن مدظلہ

حضرت شیخ کا جذبہ محبت وشفقت

......اور......اپنے اکابر پر اعتماد

اللہ رب ذوالجلال کے ان گنت انعامات اور احسانات میں سے ایک بڑا انعام یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بندوں کی صحیح رہنمائی کے لیے اہل حق کی ایک عظیم جماعت کو چن لیا ہے، جو ہر دور میں امت محمد یہ کی دین حق کی طرف رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی۔اس قافلہ حق کی عظیم ہستیوں میں ایک مبارک ہستی امام اہل سنت شیخ المشائخ والمحد ثین حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا،جن کی خدمات جلیلہ سے عوام وخواص کا ہر طبقہ مستفید ہوتا تھا۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے گکھڑ کی مسجد میں درس شروع کیا تو شروع میں ایک آدمی درس سننے والا ہوتا، حضرت پوری تیاری کے ساتھ درس دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کو سننے والا بھیجا ہے، پھر حضرت کے اخلاص کی برکت سے بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہزاروں سننے والے بھیج دیئے ، ہمارے حضرت اقدس حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مجلس میں یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ

''عمل بذات خود نہ چھوٹا ہوتا ہے نہ بڑا،لیکن حُسنِ نیت ایک چھوٹے سے عمل کو بہت بڑا بنا دیتی ہے،''

یعنی کام وہ بڑا نہیں جس کو ہم بڑا سمجھیں،کام وہ بڑا ہے جس کو رب بڑا سمجھے اور رب کی بارگاہ میں بڑائی رب کی طرف رخ کرنے سے ہوگی، کہ ہر عمل میں ان کی رضا وخوشنودی مدنظر رہے، ہمارے اکابر حضرات سے اللہ تعالیٰ نے جو دین کی بہت بڑی خدمت لی ہے اسی پُر خلوص جذبے اور للّٰہیت کی برکت سے لی، حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے اکابر کے اسی پرخلوص جذبہ کے صحیح وارث تھے،آپ کا ایک ایک عمل اخلاص اور للّٰہیت کے جذبے سے سرشار تھا،، ہر ایک ملنے والے کے ساتھ شفقت اور محبت کا معاملہ قابل دید ہوتا۔

بندہ ناچیز بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ایک ادنیٰ شاگرد ہے، الحمد اللہ، اللہ تعالیٰ نے بندہ کو یہ سعادت بخشی کہ دورہ تفسیر میں الحمد سے لیکر والناس تک پورے قرآن پاک کی تلاوت کا موقع نصیب ہوا، حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دورہ تفسیر کی خوبیاں بے شمار ہیں جن کو احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے لیکن ایک نصیحت بندہ کو جو ذہن نشین ہوگئی جس پر حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا زور ہوتا وہ یہ ہے کہ ''اپنے اکابر کے دامن کو کبھی نہ چھوڑنا''

یعنی اپنے اکابر کے قول فعل اور عقیدہ میں ان پر اعتماد کرنا،

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ

''کسی کو بڑا بنانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سارا بوجھ بڑے پہ چلا جاتا ہے، چھوٹوں کو چاہیے کہ وہ اپنے بڑوں سے رہنمائی لیں،، ان کے مشورے پر عمل کریں، بھاگتے ہوئے جنت میں جائیں، لیکن بڑا آدمی خود کہنے سے یا سمجھنے سے نہیں بنتا بلکہ بڑا وہی ہوگا جس پر بڑوں کا سایہ ہو، جو اپنے اکابر واسلاف کے ساتھ قول، فعل، اعتقاد میں موافقت رکھتا ہو۔''

بندہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں زیارت ودعا کے لیے حاضر ہوتا رہتا، ایک مرتبہ بندہ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ

''حضرت! بندہ کا طلبہ کے ساتھ تکرار کا سلسلہ ہوتا ہے آپ دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیں! حضرت شیخ نے دعا بھی دی اور ان لفظوں میں بندہ کے ٹوٹے پھوٹے ظاہری خیر کے سلسلے پر اعتماد فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ تو طلبہ کا ذہن بناتا ہے، طلبہ کو اپنے اکابر کے ساتھ جوڑتا ہے۔''

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات سے چند ماہ قبل بندہ گکھڑ کے قریب ایک گاؤں میں جلسہ میں شرکت کے لیے جارہا تھا، حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوا تو بندہ کو سفر کے دوران حضرت شیخ کے بیٹے حضرت مولانا (منہاج الحق خان) راشد صاحب زید مجدہم کا فون آیا کہ حضرت شیخ یاد فرمارہے ہیں! بندہ جلسہ میں شرکت سے پہلے حضرت شیخ کی خدمت میں زیارت ودعا کے لیے حاضر ہوا، تو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کمال شفقت بندہ گنہ گار پر فرماتے ہوئے اپنے نورانی وروحانی مبارک سلسلے کی اجازت مرحمت فرمائی، بندہ کے سر پر دستار رکھتے ہوئے ان مبارک الفاظ میں اعتماد کا اظہار فرمایا کہ ''آپ اچھا کام کررہے ہیں'' اللہ تعالیٰ بندے کو اور ہم سب کو اپنے اکابر کے اعتماد کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہم کچھ نہیں جو کچھ بھی ہے ہمارے اکابر کا فیض ہے، ہماری حیثیت پرنالے کی سی ہے اگر کوئی خیر کی بات نکلے تو وہ ہماری نہیں وہ اوپر سے آرہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو نفس کی آمیزش سے محفوظ رکھے۔ آمین

آخر میں اللہ پاک کی بارگاہ میں التجا ہے کہ حضرت شیخ کے فیوض وبرکات وسلسلہ کو ان کی نسبی وروحانی اولاد میں قیامت تک جاری وساری فرمائے اور ہم سب کو تادم آخر اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

محتاج دعا...... بندہ محمد حسن عفی عنہ

مولانا منظور احمد مینگل مدظلہ

ایک نابغۂ عصر مفسر ومحدث کی رحلت

اگراس امت کی عبقری شخصیات کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ملے گی جنہیں کسی ایک فن سے زیادہ دلچسپی تھی، اس فن میں مکمل مہارت تھی ایک ملکہ حاصل تھا، اس فن کی تمام جزئیات پر مکمل عبور تھا، اوراس فن میں مرجع اور امامت کے درجے پر فائز تھے جس کی وجہ سے وہ اس فن کے حوالے سے مشہور ہوئے (اگرچہ دوسرے فنون میں بھی وہ کمال رکھتے تھے، مگر شہرت ان کی اسی خاص فن سے ہوئی اوراس سے وہ جانے پہچانے گئے ......) لیکن بعض شخصیات سے اللہ تعالیٰ مختلف میدانوں اور مختلف فنون کے حوالے سے ایسی جامعیت سے کام لیتے ہیں کہ وہ بجائے کسی ایک فن سے خاص ہونے کے ہر فن میں اپنے جوہر دکھاتے ہیں اور ہر فن میں انہیں مرجعیت حاصل ہوتی ہے، جامعیت کی اس صفت سے اللہ تعالیٰ بہت کم لوگوں کو سرفراز فرماتے ہیں......۔

عصرِ حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیت، فقیہ العصر، شیخ التفسیر والحدیث، خاتمة المحققين، قاطعِ شرک وبدعت، امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر صاحب نوراللہ مرقدہ کا شمار بھی انہیں شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے بیک وقت اسلام کے مختلف محاذوں پر معرکہ آرائی کی، اپنی موثرانہ خطابت سے ہزاروں، لاکھوں لوگوں کی زندگیوں میں غیر معمولی تبدیلی پیدا کی، علماء وطلباء کو اسلامی طرز پر سیاست کرنے کا عملی نمونہ پیش کیا، تصوف وسلوک کے ذریعے بہت سے بھٹکے ہوئے گناہ گاروں کو ان کے خالقِ حقیقی سے قریب کیا، درس وتدریس کے ذریعے علماء وفضلاء کی ایک بہت بڑی جماعت تیار کی۔ درسِ قرآن وحدیث کے ذریعے عوام کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کیا، ہر سر اٹھانے والے فتنے کو قلم کی نوک سے ایسا دبایا کہ وہ پھر سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہا۔ بالخصوص نئے اور جدید قسم کے فتنے، جو اکابر کے اعتماد سے بالکل ننگے اور عاری ہو کر اپنے ذاتی اور ناقص مطالعہ وتحقیق کی بنیاد پر دلائل سے بات کرنے پر فخر وناز کرتے تھے۔ حضرت والا رحمہ اللہ نے دلائل کی زبان میں انہیں ایسی عبرت ناک شکست دی جو رہتی دنیا تک تحریر کی صورت میں فتنوں کے سدباب کے لیے آئندہ امت کے لیے بھی سرمایۂ افتخار رہے گا۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت والا کی تحریر اپنے موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے تاہم اتنی

بات تو بلا شک وشبہ اور بلا کسی قسم کے جھجک محسوس کیے کہی جائیگی کہ جب حضرت والا رحمہ اللہ نے کسی فتنے کے سد باب کے لیے قلم اٹھایا تو مخالف کو نہ صرف دلائل نقلیہ وعقلیہ سے لاجواب کیا، بلکہ اسے حق بات پر قائل بھی کیا، (جو ایک بہت مشکل کام ہے) یہ اور بات ہے کہ کسی نے سرِ عام حق قبول کرتے ہوئے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کسی نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔ لیکن دل ان کے بھی مان گئے تھے کہ واقعی بات وہی ہے جو حضرت والا رحمہ اللہ نے تحریر فرمائی۔

کسی بھی مسلک کی کماحقہ ایسی ترجمانی کرنا کہ اس مسلک سے وابستہ اکابر کا اس ترجمانی پر اعتماد ہو اس کے لیے کتنی تحقیق، وسعتِ مطالعہ، نصوص پر گہری نظر، جزئیات پر عبور، مختلف فنون میں کمال اور کتابوں کا استحضار ضروری ہے اس کا اندازہ اہلِ علم خوب لگا سکتے ہیں، اور یہ وہ صفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے حضرت والا رحمہ اللہ کو سرفراز فرمایا تھا، جس کا واضح ثبوت ان کی مختلف تحریرات پر اکابر علمائے دیوبند کی تقریظات ہیں جس سے حضرت والا رحمہ اللہ کے محقق کامل ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ دین ومذہب ومسلک کے حوالے سے مضبوط ومتصلب ضرور تھے لیکن متعصب نہیں تھے، بلکہ ان کا کہنا تھا کہ ''متعصب آدمی قبولِ حق سے محروم رہتا ہے۔'' بہر حال! درجۂ اعتدال ومیانہ روی انہیں کے مقام ومنصب کو زیب دیتا ہے، بہت کم لوگوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہوگا کہ انہوں نے تقریباً تمام فروعی اختلافی مسائل اور فرقِ باطلہ کی تردید میں محقق ومدلل انداز میں لکھا ہو۔

حضرت والا رحمہ اللہ کے دروسِ قرآن تین جگہوں پر ہوتے تھے:

۱۔ آپ نے گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج میں چالیس سال تک درسِ قرآن دیا ہے۔

۲۔ دوسرا درسِ قرآن گکھڑ منڈی کی جامع مسجد میں ہوتا تھا، جو عرصۂ نصف صدی سے زائد پر محیط ہے۔

۳۔ تیسرا سلسلہ دورۂ تفسیر کے نام سے مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ میں ہوتا تھا۔

(ان تین کے علاوہ ایک اور درس بھی تھا جو ''جامعہ نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ میں روزانہ صبح ہوتا تھا اور سال بھر جاری رہتا تھا۔ [خادم، حمزہ])

مفتی اعظم، شیخ الحدیث، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

''قرآن مجید عوامی کتاب ہے اور حدیث خواص کا علم ہے لیکن حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کی کمالِ علمی اور مہارت علمی ہے کہ عوام کو بھی اس نازک اور اہم فن سے آگاہ کردیا''

میں جب حضرت والا کا خود نوشت سوانحی خاکہ پڑھتا ہوں تو یقین نہیں آتا کہ ایسا مزدور ومحنت کش

لڑکا بھی اپنے وقت کا امام بن سکتا ہے، اور میری ہر شخص سے بالخصوص علماء سے اور بالخصوص طلباء سے یہ درد مندانہ التماس ہے کہ وہ حضرت کا خودنوشت مختصر سوانحی خاکہ (جو تقریباً بیس صفحات پر مشتمل ہے) ضرور پڑھیں مجھے سو فیصد یقین ہے اور میں حلفیہ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ جو بھی اسے پڑھے گا اس کے دل میں یقیناً آگے بڑھنے، محنت کرنے اور دین کی خدمت کرنے کا نہ ختم ہونے والا داعیہ پیدا ہوگا۔

آخر میں حضرت والا کی ایک ایسی صفت کا تذکرہ کرنا ضروری ہے جس کے بارے میں نہ صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کے اس بلند مقام پر فائز ہونے میں اس صفت کا بنیادی واساسی کردار ہے بلکہ وہ بہت سے فتنوں کا سدباب بھی ہے اور گمراہی سے بچنے اور راہِ اعتدال پر چلنے کے لیے ایک کسوٹی اور معیار بھی ہے، وہ ہے ''اکابر پر اعتماد''عصرِ حاضر میں محقق بننے کا ایک آسان راستہ ''اکابر پر عدمِ اعتمادی'' اور ''نئی چیز پیش کرنا'' تجویز کر لیا گیا ہے، اور ایک ایسی فضا قائم ہوتی جا رہی ہے کہ کوئی بھی دو چار کتابیں مطالعہ کر کے مسلک سے ہٹ کر کوئی نئی بات کر دے تو وہ اپنی اس بات کو حرفِ آخر سمجھتا ہے اور لوگ اسے محقق سمجھتے ہیں گویا جب تک اکابر اور جمہور علمائے اہل السنۃ والجماعۃ کی کسی بات میں مخالفت نہ کر لی جائے اس وقت تک کسی کو محقق نہیں سمجھا جاتا، جبکہ حقیقت میں یہ ''تحقیق'' نہیں "تحمیق" اور ''تجہیل'' ہے۔ حضرت والا رحمہ اللہ کو اللہ رب العزت نے اس صفت (اکابر پر اعتماد) سے ایسا سرفراز فرمایا تھا کہ نہ صرف اکابر واسلاف اور اہلِ تحقیق کی تحقیقات پر اعتماد تھا، بلکہ ان کی تحقیقات وعبارات پر مخالفین کے وارد کردہ ایک ایک اعتراض واشکال کا نہایت سلیقے سے بہترین، معقول اور مسکت جواب دیتے تھے اور نئی نسل کو اپنے اکابر واسلاف سے وابستہ رہنے اور ان پر مکمل اعتماد کرنے کی تعلیم وتلقین کرتے تھے، حضرت والا رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ تالیف ''عبارات اکابر'' آپ کے اسی فکر کی ترجمانی کرتی ہے، جس نے ہزاروں، بلکہ لاکھوں نوجوانوں اور مسلمانوں کو شکوک وشبہات کی اندھیری وادیوں سے نکال کر ان کے دین وایمان کا تحفظ کیا......۔

اللہ تعالیٰ تمام امت کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنی شایانِ شان انہیں اُخروی نعمتوں سے سرفراز فرمائے، اور ان کے ذی علم صاحبزادگان کو ان کے علم وفضل اور ان کی خدمات کی آگے امت تک پہنچانے اور ان کی فکر کو قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور انہیں ہر قسم کے ظاہری وباطنی فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی مدظلہ

فتن شناس مصلح......ظلمت کشاف محقق

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے زمینی خلیفہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی زوجہ محترمہ حوا رضی اللہ عنہا کو کچھ دن جنت میں مہمان رکھنے کے بعد یہ کہہ کر زمین پر اتارا کہ: آپ کی اولاد میں سے جو اپنی دنیاوی زندگی میری اطاعت میں گزارے گا اسے عالم آخرت میں جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل کیا جائے گا۔ جہاں وہ حقوق واختیارات کے لحاظ سے مالک ووارث اور اعزاز واکرام کے لحاظ سے محترم و معظم مہمان ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک طرف تو انسانوں کے امتحان کے لئے ان کے حاسد اور واضح دشمن شیطان کو گمراہ کن مطلوبہ ذرائع و وسائل سے مزین کیا اور دوسری طرف کمال شفقت ورحمت سے ان کو حق قبول کرنے کی استعداد، صراط مستقیم طلب کرنے کا شعور، ذریعہ ہدایت کی پہچان کی عقلی صلاحیت عطا فرمانے کے علاوہ ان کی ہدایت کے لئے خود ان میں سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے۔ اس سلسلہ نبوت میں سب سے آخر میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ایک تو امت کو عملِ مطلوب یعنی سنت سے آگاہ فرمایا، دوسرے یہ کہ اس کے لئے بطور نمونہ ایمان وعمل صحابہ کرام ؓ کی مثالی، معیاری اور واجب الاتباع جماعت تیار کی اور اس بارے میں تنبیہ فرمائی کہ میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے بنیں گے ان میں سے ناجی فرقہ وہ ہوگا جو (ما انا علیہ واصحابی) صحابہ کرام ؓ کے ذریعے سے اور ان کے طریقے پر میری اتباع کرنے والا ہوگا۔ (ظاہر ہے کہ یہ گروہ صرف اہل السنّت والجماعت ہی کا ہوسکتا ہے) تیسرے یہ کہ آپ ﷺ نے قیامت تک پیش آنے والے نئے مسائل کے احکام قرآن وسنت سے معلوم کرنے کے لئے اجتہاد وقیاس کا طریقہ سکھلایا اور غیر مجتہدین کو تعلیماً یہ تاکید فرمائی کہ وہ نفس وعقل کی بالواسطہ یا بلاواسطہ پیروی کرنے کی بجائے دینی علم وفہم میں پختگی اور ہدایت وتقویٰ میں کمال رکھنے والے حضرات یعنی مجتہدین کی اطاعت واقتدا کریں۔

چونکہ آپ ﷺ کی دنیاوی حیات مبارکہ میں وحی کا نزول اور صحابہ کرام ؓ کا اس کے مطابق ڈھلنے کا عمل جاری تھا۔ اس لئے اس دوران میں تدوین دین کا باقاعدہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ کی وفات کے

بعد سب سے پہلے حضرت فاروقِ اعظم عمر بن خطاب ﷛ کی فتن شناس بصیرت اور ایمانی فراست نے اولین خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق اکبر ﷛ کو قرآنِ مجید تحریری شکل میں یکجا کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ پھر صحابہ کرام ﷡ کے بعد اسلام کی علاقائی اور افرادی وسعت نے دقیق النظر، وسیع الفکر اور اہل بصیرت وفراست علماء دین اور فقہاء مجتہدین میں لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف سے حفاظت کے لئے احادیث مبارکہ اور فقہ (یعنی احکامِ شریعت اور فہمِ قرآن وسنت) کی باقاعدہ تدوین کی ضرورت کا احساس وادراک پختہ کر دیا جس کے نتیجے میں تابعین وتبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے دور میں حدیث وفقہ کے متعدد مجموعے وجود میں آ گئے، جس طرح حدیث میں ابواب وار ترتیب میں اولیت کا شرف سراج المحدثین، امام المجتہدین اور رئیس الفقہاء امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے اسی طرح تدوین فقہ میں بھی وہ اولیت وانفرادیّت اور قبولیّت ومقبولیّت کے لحاظ سے ممتاز اور بلند مقام رکھتے ہیں۔

قرونِ اولیٰ میں ہر علاقے کے لوگ اپنے علاقے کے فقیہِ اعظم کی پیروی کرتے تھے مگر جب باقاعدہ فقہی مجموعے مرتب ہو گئے تو عوام نے اپنے علماء کی وساطت سے ان کی پیروی اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ کا نظامِ حکمت ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد متعدد فقہی مجموعوں میں سے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی صرف چار کی تقلید باقی رہ گئی اور اس دور کے بعد کے مجتہدین، مفسرین، محدثین اور فقہاء نے بحیثیت مجموعی ان میں سے کسی ایک سے وابستگی اختیار کر لی۔ علماء امت کے اس عملی اور سکوتی اجماع سے یہ واضح ہو گیا کہ چوتھی صدی سے قیامت تک احکامِ شریعت معلوم کرنے اور سنت پر عمل کا صحابہ کرام ﷡ سے متصل کوئی ذریعہ ان چار کے سوا باقی نہیں رہا۔ چونکہ برعظیم پاک وہند (پاکستان وبھارت وغیرہ) اور افغانستان وایران وغیرہ میں ان چار ذریعوں میں سے حنفی ذریعہ رائج ہے۔ لہٰذا ان احکامات کے رہنے والوں کا حنفیت کو چھوڑنا گویا کہ سبیل المومنین سے انحراف ہے اور سبیل المومنین سے انحراف پر قرآن مجید (پارہ: ۵، رکوع: ۱۴) میں جہنم کی وعید ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ﷡ کی بے مثال وبے پناہ قربانیوں کے نتیجے میں جب خلافتِ راشدہ کے دور میں غلبہ اسلام کے نقوش واضح سے واضح تر ہونے لگے تو یہودیت کی شیطانی فکر نے غلبہ اسلام کو روکنے کے لئے نبوت کی بیرونی مخالفت کے ساتھ ساتھ اسلام میں داخل ہو کر صحابیّت کو نشانہ بنانا بھی ضروری سمجھا اس کے لئے پہلے وہ سبائیت کی صورت میں اسلام میں داخل ہوئی پھر اس نے مجوسیت کے پیوند اور عیسائیت کی معاونت سے رافضیت کی شکل اختیار کر کے مختلف فتنوں کو جنم دینا شروع کر دیا۔ ہر دور میں متعدد فتنے وجود میں آتے رہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کے توڑ اور ان کے مقابلے میں حق کی وضاحت کا کام اپنے مخلِص ومخلَص بندوں سے لیتا رہا۔ ہمارے دور میں جو فتنے منظر عام پر آئے ان میں سے سب سے نمایاں اور

زیادہ مؤثر فتنے سات ہیں۔اول:شیعت یعنی اہل بیت کے نام پراولین اہل بیت (ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن) سمیت صحابہ کرام ﷡ کی مقدس جماعت کے ایمان اور دین اسلام کے بنیادی عقائد کا انکاراور جملہ اسلامی اعمال میں سبیل المومنین سے انحراف۔ دوم: قادیانیت یعنی رسول اللہ ﷺ کی عظمت' صداقت اورختم نبوت کا انکاراور عقائد واعمال میں صحابہ کرام ﷡ کی اتباع سے انحراف۔سوم: پرویزیت یعنی رسول اللہ ﷺ کے حسی معجزات' نبوت کی تعلیمات' صحابہ کرام ﷡ کی روایت اوران کے دینی فہم کے معتبر اور واجب الاتباع ہونے کا انکار۔ چہارم: غیر مقلدیت یعنی صحابہ کرام ﷡ کے دینی فہم اور معیار سنت ہونے کا انکار' حدیث کے نام پر سنت سے' سلفیت کے نام پر اسلاف سے اور مخالفت تقلید کے نام پر سبیل المومنین سے انحراف۔پنجم: ضعیف الاعتقادی اور بدعیت یعنی صحابہ کرام ﷡ اور حنفیت سے وابستگی کا قولی اقرار مگر لاعلمی پر مبنی افراطِ عقیدت کی مغلوبیت کی وجہ سے عملی انکار وانحراف۔ ششم: مماتیت یعنی رسول اللہ ﷺ کی برزخی حیات' اس حیات کے فیوض وبرکات اور شیخین رضی اللہ عنہما کی آپ ﷺ سے مرقدی رفاقت کی فضیلت عظمیٰ کا انکار' ہفتم: تجددیت یعنی مخالفینِ اسلام متشرقین کے اعتراضات وسوالات پر جہاں ان کو مطمئن کرنے میں خودکو ناکام محسوس کرنا وہاں اسلام کی متعلقہ قطعیات کا انکار کر بیٹھنا یا مغرب سے اپنی مرعوبیت کی وجہ سے خودکو اسلام میں ڈھالنے کی بجائے اسلام کو تبدیل کر کے اسے جدید بنانے کی کوشش کرنا یا اس کی خواہش رکھنا۔

امامِ اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ ان خوش نصیبوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے دورِ حاضر کے فتنوں کی سرکوبی اوران کے تعاقب وابطال کے لئے منتخب فرمایا۔انہوں نے نہ صرف اپنے خطبات و بیانات' دروسِ قرآنِ مجید' تفسیر وحدیث کے اسباق' تدریسی نکات اور متعدد مضامین میں ان فتنوں پر گرفت فرمائی بلکہ ان کے بارے میں مستقل کتابیں بھی تحریر کیں جن کے مطالعہ سے آپ کی متعدد امتیازی خصوصیات سامنے آتی ہیں مثلاً۔۔۔۔۔۔۔

1......اپنے مسلک کی حقانیت پر یقین محکم اوراس سے غیر متزلزل ایسی استقامتی وابستگی جو نہ تو کسی بھی مرحلے میں تذبذب یا مرعوبیت کا شکار ہوتی ہے اور نہ ہی اہل باطلِ کے ابھرتے ہوئے سیلابی جھاگ سے آلودہ ہوتی ہے۔

2......فتنوں کی پہچان میں بصیرتی مہارت: فتنہ خواہ تقیہ کے سیاہ نقاب میں چھپا ہوا ہو یا حجابِ فریب میں ملفوف ہو۔وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مومنانہ فراست سے اس کے حقیقی خدوخال کو دیکھ لیتے اوراس کے اصل عزائم کو جان لیتے ہیں۔

3......تمام فتنوں کا احاطہ: ان کا ناقدانہ تجزیہ کسی ایک فتنے تک محدود نہیں رہتا چاہے وہ اساس

الفتن یعنی شیعیت ہو باب الفتن یعنی غیر مقلدیت ہو طالب الفتن یعنی مماتیت ہو مدقوق الفتن یعنی بریلویت ہو عروج الفتن یعنی تجددیت ہو یا انتہاء الفتن یعنی قادیانیت و پرویزیت ہو ان کا قلم ان سب کے پردہ ہائے فریب کو چاک کرتا چلا جاتا ہے۔

4......سرسری جائزے کی بجائے مکمل تحقیق: جس فتنے پر لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں اس کے کسی ایک پہلو کو سامنے رکھنے کی بجائے اس کے پورے عقائد و نظریات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ سنی سنائی باتوں پر انحصار نہیں کرتے بلکہ خود اس گروہ کے ذمہ دار افراد کے بیانات اور ان کی تحریروں کو سامنے رکھتے ہیں۔ پھر یہ کہ ان مآخذ کا رسمی کی بجائے گہری نظر سے تجزیاتی مطالعہ کرتے ہیں۔

5......کشف ظلمات: جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کے تمام پہلوؤں کو منور کر دیتے ہیں۔ ایک کامیاب ماہر جراح کی طرح تمام فاسد مواد نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً غیر مقلدین کی دعوت کا ذریعہ سورۃ الفاتحہ کی قراءت، رکوع کا رفع یدین اور نماز میں اونچی آواز میں آمین ہے، چوتھے دن کی قربانی اور آٹھ رکعت نماز تراویح ان کا خود کو نمایاں کرنے کا شوشہ ہے، تین طلاق کو ایک قرار دینا ان کی تعداد میں اضافے کا راز ہے۔ ان کا ہدف امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مقصود حنفی مقلدین کو خیر القرون کے امام المجتہدین کی تقلید سے نکال کر اپنی تقلید میں الجھانا ہے۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مقلدین مشرک ہیں اور اہل جنت صرف ہم ہیں۔ امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کا اشہب قلم ان تمام موضوعات میں گھوما ہے اور انہوں نے کسی موضوع کو نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ رفع یدین پر ان کی اپنی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی مگر اس موضوع پر بھی ''پیش لفظ'' کے عنوان سے ان کی تحریر ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع کی کتاب ''نور الصباح'' میں موجود ہے۔

6......جذباتیت کی بجائے شگفتگی آمیز سنجیدگی

7......مدلل اندازِ گفتگو: امام اہل السنّت عقائد میں اس کے چاروں مآخذ یعنی قرآنِ مجید، خبرِ تواتر، اجماع اور عقل سلیم سے اور اسی طرح احکام و مسائل میں ان کے چاروں مآخذ یعنی قرآن مجید، سنت، اجماع اور قیاس سے دلائل پیش کرتے ہیں۔

8......حُسنِ استدلال: امامِ اہل السنّت جس گروہ کے بارے میں گفتگو فرماتے ہیں عموماً دو قسم کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ ایک قسم کے دلائل ان حوالوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن پر اپنے ہم مسلک افراد کو اعتماد ہوتا ہے تاکہ ان کے اطمینانِ قلب کا سامان ہو جائے جبکہ دوسری قسم کے دلائل وہ ہوتے ہیں جن کو ٹھکرانا فریق مخالف کے لئے ممکن نہیں ہوتا کیونکہ ان کا تعلق خود ان کے قابلِ اعتماد مآخذ سے ہوتا ہے۔ مثلاً انہوں

نے بریلویت سے متعلق جو کتابیں تحریر کی ہیں ان میں حنفی اکابرین (یعنی محدثین وفقہاء) کے حوالے دیئے ہیں۔جس کی وجہ سے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والوں کے لئے صرف دو راستے رہ جاتے ہیں یا تو وہ حنفیت کا دعویٰ چھوڑ دیں یا پھر اپنے عقائد واعمال کو حنفیت کے مطابق کرلیں۔اسی طرح قادیانیت کا رد خود مرزا کے متضاد بیانات سے کرتے ہیں اور پرویزیت کے رد میں عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔

9......اعتدال وتوازن: امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ نے جن مذہبی یا مسلکی گروہوں کے نظریات و عقائد پر خامہ فرسائی کی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جو بظاہر ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر اس کے باوجود وہ کسی فریق پر اس انداز سے گرفت نہیں کرتے کہ دوسری طرف کے باطل نظریئے کو تقویت مل جائے۔مثلاً توسل، برزخی حیات وغیرہ میں بڑے محتاط انداز میں افراط وتفریط سے بچتے ہوئے راہ اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔

10......مجادلانہ ومخالفانہ کی بجائے مبلغانہ اور مصلحانہ انداز: اللہ تعالیٰ نے پارہ:۵، رکوع:۲، سورۃ النساء آیت:۶۳ میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان (مخالفین) کے اثرات سے بچتے ہوئے ان کو قول بلیغ یعنی مؤثر کلمات میں نصیحت فرماتے رہیں۔مولانا سرفراز خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عمل اس کے مطابق تھا انہوں نے اپنی کتابوں میں اشخاص کو نہیں عقائد ونظریات اور اعمال کو موضوع بنایا۔انہیں مریض سے نہیں مرض سے نفرت ہے۔وہ اہل باطل کے نہیں ان کے باطل نظریات کے مخالف ہیں۔ان کی تحریروں میں تکفیر (کسی کو کافر کہنے) کی بجائے تفکیر (غور وفکر) کی دعوت پائی جاتی ہے۔ان کا قلم مخالف کا خنجر نہیں۔شفیق و خیر خواہ ماہر سرجن کا نشتر ہے۔

مختصر یہ کہ وہ حق کی علامت اس کے داعی ومحافظ، اہل حق کے ترجمان، اہل السنّت والجماعت کی متاع بے بہا، احناف کے سرخیل، علومِ تفسیر وحدیث کے مشاق، علم وتحقیق کے شہسوار، ماہر فتن شناس، جہالت وضلالت کی ظلمتوں کے کشّاف تھے۔ان کے علمی آثار یعنی بیانات، دروس، مضامین اور کتابیں ہم مسلکوں کے لئے اطمینانِ قلب اور استقامت کا ذریعہ، اغیار ومخالفین کے لئے ذریعہ اصلاح اور دعوتِ غور وفکر، طالبانِ حق کے لئے ہدایت کا مینار، علومِ دینیّہ کے طلبہ کے لئے درسِ اخلاص اور ترغیبِ محنت، علماء کے لئے ذخیرہ معلومات اور محققین کے لئے نمونہ تحقیق ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے استفادے اور ان کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وتحقیقی محنتوں اور اصلاحی کوششوں کو سعی مشکور اور صدقہ جاریہ بنائے۔ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کو اپنے انعام یافتہ بندوں میں شامل فرمائے۔اور ہمیں اپنے دین کے لئے ایسے قبول فرمائے جیسا اُس نے صحابہ کرام ﷺ کو قبول فرمایا۔آمین!!

مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہ

معطر یادیں

حضرت کو پہلی بار بندہ نے اس وقت دیکھا جب وہ مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں تشریف لائے راقم اس وقت درجہ ابتدائیہ کا طالب علم تھا۔ یہ اسّی کی دہائی کی بات ہے۔ ہم نے سنا کہ آج ایک بڑے عالم آرہے ہیں جن کو قرآن کریم کے درس اور مسائل اختلافیہ میں تحقیق و احقاق حق کا بڑا ذوق ہے۔ حضرت جب تشریف لائے تو آپ نے سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ بلکہ ایسا یاد پڑتا ہے کہ نیلے یا مٹیالے رنگ کا تھا جس پر سیاہ پٹیاں اور سنہری لکیریں تھیں۔ پروقار اور بارعب چہرہ، صحت مند اور چاق وچوبند جسم، حلیے سے ایک خاص طرح کی عالمانہ شان ٹپکتی اور اطوار و انداز سے نرمی اور ملاحت جھلکتی محسوس ہوتی تھی۔ اس وقت حضرت نے جامعہ میں بیان نہیں فرمایا۔ ایسا یاد پڑتا ہے حضرت عمرے پر جارہے تھے یا واپس تشریف لائے تھے۔ وقت کم تھا اس لیے کسی بیان یا تقریب کی نوبت نہیں آئی۔ اس وقت اندازہ نہ تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ حضرت کو بہت قریب سے دیکھنے بلکہ ان کی شاگردی اور پھر میزبانی کا شرف حاصل ہوگا۔ اس کا تذکرہ میں کچھ آگے چل کر کروں گا۔

حضرت کی کتابوں سے استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ خصوصاً تخصص فی الفقہ کے زمانے میں ان تحقیقی تحریروں کی بار بار مراجعت نصیب ہوئی۔ حضرت کی بعض کتابیں تو ایسی سکہ بند تصنیف ہیں کہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر ہیں۔ ان کے لفظ لفظ سے تحقیق اور علمیت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اپنا آپ منواتی نظر آتی ہے۔ حوالہ جات کی نقل میں احتیاط، خصوصا مخالفین کی عبارات پر تنقید وتبصرے کے وقت اس کے سیاق و سباق کے لحاظ کے ساتھ محتاط نقل اور معتدل تجزیہ وتعبیر آپ کا خاصہ تھا۔

حضرت کے پاس تفصیل سے کچھ دن گزارنے کا موقع 1992ء میں اس وقت ملا جب دورہ تفسیر کے دوران نصرت العلوم میں حاضری ہوئی۔ حضرت کا سبق کے لیے تشریف لانے کا خاص انداز تھا۔ جب گھر سے تشریف لاتے تو کوئی نہ کوئی معتقد، مرید یا حاجت مند پہلے سے انتظار میں ہوتا۔ تعویذ کی درخواست ہوتی۔ حضرت چھوٹی سی پرچی جیب سے نکالتے، دو انگلیوں کا تکیہ بنا کر اس پر کچھ تحریر فرماتے اور خاص طرز سے لپیٹ کر سائل کے حوالے کر دیتے۔ عجیب بے لوث فقیری کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ حضرت کا مخصوص انداز اب

تک نظروں کے سامنے ہے۔ دورۂ تفسیر کے دران ایک مرتبہ کچھ بچوں کا حفظ القرآن الکریم مکمل ہوا۔ تفسیر کے سبق میں ہی حضرت نے حفاظ بچوں اوران کے ورثا کو بٹھا کر اصلاحی وعظ فرمایا۔ دونوں کو ان کے لحاظ سے نصیحتیں فرمائیں۔ اس دن اندازہ ہوا کہ طلبہ کی طرح عوام کے لیے بھی حضرت کتنے شفیق ہیں۔ اللہ والوں کی بات بھی کیا شان ہوتی ہے؟ جن عناصر سے مل کر صاحبِ قرآن مومن وجود میں آتا ہے وہ ان کے کردار میں یوں رچے بسے ہوتے ہیں کہ اللہ کی برہان آنکھوں سے دکھائی دیتی ہے۔

حضرت کا درس تو سبحان اللہ! ایسے لگے بندھے الفاظ اور ایسا نپا تلا انداز کہ دریا کو کوزے میں سمیٹ دے۔ پھر اس پر اپنے موضوع سے شغف، لگن اور وہ فدائیت وفنائیت کہ جو صاحبِ فن شخصیات کو جاوداں بنا دیتی ہے۔ آپ قرآن کریم کے سبق کو کسی خاص موضوع میں مقید نہیں کرتے تھے۔ ہمہ گیر اور ہمہ پہلو درس دیتے تھے۔ اختلافی مسائل میں احتیاط واعتدال تو قابلِ دید اور قابلِ تقلید تھی۔ یہ عاجز جب حضرت سے پڑھنے گیا تو تدریس کا آغاز کیے ایک دو سال ہو چکے تھے۔ سبق کے دوران روحانیت اور سکینیت کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحے کے لیے سبق سے توجہ ہٹنے نہ پاتی تھی۔ ذہنی ارتکاز اور یک سوئی کی یہ کیفیت کہ ایک سپارہ ایک رکوع جتنا مختصر معلوم ہوتا تھا۔ بندہ نے پانچ سپاروں کی تقریر عربی میں اپنے پاس درج کی۔ پھر واپس آکر اس کی مدد سے ترجمہ اور جلالین کے اسباق پڑھاتا رہا۔

شاگردی کا شرف حاصل ہونے کے بعد ایک مرتبہ حضرت الاستاذ کی میزبانی کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ ہوا یوں کہ حضرت مفتی جمیل احمد خاں صاحب شہید رحمہ اللہ حضرت کے عاشق اور خادم تھے۔ ان کی دعوت پر امام اہل سنت نے کراچی اور اہلیانِ کراچی کو شرف زیارت بخشا تو جناب خاں صاحب نے جہاں مختلف محافل اور تقاریب کا انعقاد فرمایا وہاں ایک دعائیہ تقریب گلشن اقبال میں واقع جامع مسجد قبا کے عین سامنے کے میدان ہوئی۔ یہ قطعہ اراضی جناب خاں صاحب کو ''اقرا'' اسکول قائم کرنے کے لیے عطیہ کیا گیا تھا اورنہوں نے حضرت سے اس جگہ کا سنگ بنیاد رکھوا کر دعائے خیر کے لیے تشریف لانے کی زحمت دی تھی۔ اس کے سامنے ہی وہ مسجد تھی جس میں یہ عاجز امامت ودرس کی خدمات انجام دیتا تھا۔ بڑی خوش نصیبی اور سعادت کا لمحہ تھا وہ دن جب حضرت امام اہل سنت کے قدم اس جگہ لگے اور جناب مفتی صاحب شہید کی وجہ سے ہمیں بھی اپنے فقیری ڈیرے پر حضرت کی زیارت اور میزبانی کی سعادت نصیب ہوئی جس کا عام حالات میں تصور بھی نہ تھا۔

ضرب مومن نے جب پاکستان کے مختلف مدارس کا تعارف اخبار میں دینا شروع کیا تو عکاس اور تبصرہ نویس حضرات کی ایک جماعت حضرت کا ہاں بھی جا پہنچی۔ مدرسہ نصرت العلوم کے علاوہ گکھڑ منڈی

حضرت کی مسجد اور اقامت گاہ کی تصاویر ''شعبہ محفوظات'' میں اہتمام سے رکھی گئی ہیں اور ہم گاہے گاہے ان کو لگا کر حضرت کے تلامذہ ومریدین کی دعائیں اور نیک تمناؤں کا استحقاق تازہ بہ تازہ کرتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب بندہ کے انتہائی مہربان دوست اور مشفق ساتھی ہیں۔ آپ کو حضرت امام اہل سنت نور اللہ مرقدہ سے خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا۔ان کے ذوق کے نمایندہ و ترجمان بھی تھے اور ان سے خاص عقیدت وصحبت بھی تھی۔ جناب شیخوپوری صاحب جب حضرت کی خدمت میں آتے جاتے اور پھر ان کی زبانی حضرت امام اہل سنت کے حالات سنتے یا ان کی تحریروں میں اپنے استاذ گرامی کا تذکرہ پڑھتے تو یقین مانیے لطف آجاتا تھا۔جی کو تسکین مل جاتی تھی۔ اتنے میں ''المصطفیٰ'' کے ''امام اہل سنت نمبر'' کی زیارت نصیب ہوئی جو ماشاءاللہ 900 ضخیم صفحات پر مشتمل ہے اور حضرت کی صحبتوں کی یادگار اور آپ کی علمی واصلاحی مجددانہ خدمات کا خلاصہ ونچوڑ ہے۔انسان اس پڑھتا جائے اور عقیدت ومحبت کے ان پھولوں کی خوشبو سے دل ودماغ کو معطر کرتا چلا جائے، جو ہر صاحب مضمون نے اپنے اپنے انداز میں اپنے استاد اور شیخ کے لیے نچھاور کیے ہیں۔ یہ مجموعہ حضرت کے خانوادے میں سے ہی ایک ہونہار سپوت نے مرتب کیا ہے اور ماشاءاللہ اس عمر میں ادارے کے کرنے کا کام تن تنہا انجام دیا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں ظاہری وباطنی ترقیاں اور کامیابیاں نصیب فرمائے۔ یہ عاجز جب حضرت کی حیات پر اور پھر اس مجموعے پر نظر ڈالتا ہے تو اسے آپ کی علمی خدمات میں وہی دو چیزیں واضح اور ممتاز نظر آتی ہیں جو شروع میں عرض کیں۔علوم قرآن کی تعلیم وتدریس اور تحقیقی تصانیف کا خاص ذوق۔ یہ دونوں چیزیں ناپید ہوتی جارہی ہیں اور ایک ہی شخصیت میں تو شاید ہی یکجا ملیں گی۔حضرت کے جانشینوں، شاگردوں اور مستفیض ہونے والے اہلِ علم کو ان ''اثرات خیر'' کے جاری رکھنے پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت کو اعلیٰ علیین میں اپنے مقربین خاص میں جگہ عطا فرمائے۔آپ کے ظاہری وباطنی فیوضات کو تاقیامت جاری وساری رکھے اور آپ کے تلامذہ ومریدین کو آپ کے صدقات جاریہ کے حسن تسلسل کا ایسا ذریعہ بنائے جس کے ثمرات سے خلق خدا تادیر استفادہ کرتی رہے۔آمین یارب العالمین

مولانا محمد اسلم شیخو پوری مدظلہ

منتشر یادیں

اس ناچیز نے ابتدائی کتب پنجاب کے بعض مدارس میں پڑھیں، چونکہ نہ تو خاندان میں کوئی حافظ اور عالم تھا اور نہ ہی میری حوصلہ افزائی کرنے والا اس لیے فارسی اور صرف ونحو کی چند کتابیں پڑھنے کے بعد مدرسہ چھوڑ دیا ،میرے اپنے گاؤں ہی کا نہیں پورے علاقے کا ماحول ایسا تھا کہ مولویت کو ایک ادنیٰ درجہ کا پیشہ سمجھا جاتا تھا، پیش امام کی ذمہ داری صرف نماز پڑھانے تک محدود نہ تھی بلکہ پنج وقتہ اذان، مسجد کی صفائی، مردوں کو غسل ،نومولود بچوں کے کان میں اذان، مرغ اور بکری ذبح کرنے اور نکاح پڑھانے جیسے اہم ''فرائض'' بھی مولوی صاحب ہی سرانجام دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے کہ لوگ ہمارے بغیر نہ مردوں کو دفن کر سکتے ہیں، نہ جانور ذبح کر سکتے ہیں اور نہ ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں، عام طور پر امام صاحب کو میاں جی یا حافظ جی کہا جاتا تھا، میاں جی کی کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی بلکہ ان کا گزارا قربانیوں کی کھالوں، قضاء عمری کے فدیے، جمعرات اور تیجے، دسویں، چالیسویں کے ختموں اور اناج کی اس وصولی سے ہوتا تھا جو مختلف زمینداروں پر ان کی حیثیت کے مطابق لازم کیا جاتا تھا۔ گندم وغیرہ کی فصل اٹھانے کے موقع پر جب موچی، لوہار، ترکھان، کمہار اور فقیر کو حصہ دیا جاتا تھا تو مولوی صاحب کو بھی دیا جاتا تھا چنانچہ کوئی بھی معزز گھرانہ اپنے بچوں کو مولوی بنانا پسند نہ کرتا تھا۔ میں نے جب مدرسہ چھوڑا تو بجائے اس کے مجھے دوبارہ داخلہ لینے پر مجبور کیا جاتا ایسے لوگ زیادہ تھے جو کوئی دستی ہنر اور پیشہ سیکھنے کی ترغیب دے رہے تھے مگر والدہ کا اصرار تھا کہ مجھے عالم ہی بننا چاہیے مگر کوئی راستہ انہیں سجھائی نہ دیتا تھا، سندھ میں ہماری برادری کے کچھ لوگ آباد تھے ان میں میرے ایک ہم نام بزرگ تھے جو کہ آج کل رائیونڈ کے مقیمین میں سے ہیں ان سے بات کی گئی تو انہوں نے مجھے جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں داخل کروادیا، ثالثہ سے موقوف علیہ تک میں نے کتابیں یہیں پڑھیں اور کہنا چاہیے کہ میں کسی حد تک ٹریک پر آ گیا اور مشہور علماء، خطباء اور مصنفین کے ناموں اور کارناموں سے واقفیت ہوگئی، حضرۃ الشیخ مولانا سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام اور تالیفات سے بھی اسی زمانے میں شناسائی ہوئی عام علماء کے برعکس ان کی کتابوں کا ادبی اسلوب، سلاست وروانی، برمحل اشعار، فریقِ مخالف کا مدلل تعاقب، حسبِ موقع لطائف وظرائف کا استعمال ایسی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے میرے جیسا ادنیٰ طالب علم بھی اپنے اندر ان کتابوں میں کشش محسوس کرتا تھا ویسے بھی جن مسائل پر مولانا نے قلم اٹھایا تھا وہ مسائل اس زمانے میں جلسوں اور عوامی محفلوں میں اکثر زیرِ بحث رہتے تھے اور ان کے حوالے سے چیلنج دینے کا رواج بھی عام تھا اور پاکستان کی حد تک کوئی ایسا

صاحبِ قلم بھی سامنے نہیں آیا تھا جو ان موضوعات پر عام فہم انداز میں لکھتا، پھر یہ کہ حضرت کی کتابوں میں صرف عوامیّت ہی نہ تھی علمیت بھی تھی اور ان دونوں چیزوں کا جمع ہونا قدیم علماء کے ہاں کارے دارد تھا، ان میں سے جو عوامی انداز اختیار کرتے تھے وہ ثقاہت اور سنجیدگی کا دامن چھوڑ دیتے تھے اور جو علمیت کی مسند پر بیٹھ کر کچھ لکھتے تھے وہ عوام کے پلے نہ پڑتا تھا، حضرۃ الشیخ رحمہ اللہ نے کمالِ مہارت سے دونوں میں توازن برقرار رکھا، علمیت کا حال یہ تھا کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی مستند حوالوں کے بغیر نہ لکھتے جس کی وجہ سے بڑے بڑے شیوخ اور جبالِ علم انہیں داد دیے بغیر نہ رہتے اور ان کی تحقیق پر شرحِ صدر سے اعتماد کر لیتے، عوامیت کا یہ حال تھا کہ ان کی کتابیں صرف مدرسین اہلِ مناظرہ اور محققین کے ہاں ہی پسند نہ کی گئیں بلکہ عوام جو جرح وتنقید کے اصولوں اور رجال کے عنوان تک سے بے خبر تھے وہ مولانا کی تحریریں بڑے شوق سے پڑھتے۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں اس وقت اگر ایک طرف فقیہ العصر حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ مسندِ درس وافتاء کو رونق بخشے ہوئے تھے تو دوسری طرف شیخ الادب والتفسیر مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ شہرت کے بامِ عروج پر تھے، ان کے علاوہ بھی بہت سارے اساتذہ تھے جن کے ساتھ رشتۂ تلمذ میں فخر محسوس کیا جاتا تھا مگر ان سب میں بلند تر نام محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کا تھا جنہیں بالاتفاق حضرت العلام محدث کشمیری رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کا سب سے بڑا شارح اور امین سمجھا جاتا تھا، دوسرے بے شمار طلباء کی طرح ہماری بھی تمنا تھی کہ مسندِ انوری کے جانشین سے خوشہ چینی کا موقع ملتا مگر تقدیر کو یہ منظور نہ تھا ہم درجہ سادسہ میں تھے جب تحریک ختمِ نبوت چلی اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کو بالاتفاق ''مجلسِ عمل'' کا صدر منتخب کیا گیا، اس تحریک کو دبانے کے لیے ہزاروں مخلص کارکنوں اور علماء کو جیل میں ڈال دیا گیا، دسیوں کو شہید کر دیا گیا مگر اس تحریک کا راستہ نہ روکا جا سکا، بالآخر ذو الفقار علی بھٹو مرحوم کو قوم کے متفقہ مطالبہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا ہی پڑا، اس تحریک کا اپنے انجام تک پہنچنا شاید حضرت بنوری رحمہ اللہ کی زندگی کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا جس کے حصول کے بعد وہ زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکے، ہم نے درجہ سابعہ کا آغاز ہی کیا تھا کہ حضرت بنوری رحمہ اللہ انتقال فرما گئے، ہم نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ دورۂ حدیث اور دورۂ تفسیر نصرۃ العلوم میں پڑھا جائے تاکہ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ سے استفادہ کا موقع مل جائے، ہم درس دوستوں کو ہمارے ارادے کا علم ہوا تو انہیں اس پر خاصا تعجب ہوا اس لیے کہ پورے پاکستان میں بنوری ٹاؤن کو جو عزت وشہرت حاصل تھی اسکی وجہ سے پاکستان بھر سے ذہین طلباء کراچی کا رخ کیا کرتے تھے، علاوہ ازیں اس وقت تک نصرۃ العلوم وفاق المدارس میں بھی شامل نہ تھا لیکن ہم اپنے فیصلے پر قائم رہے اور اگلے سال گوجرانوالہ پہنچ گئے، ملکی سیاست کے حوالے سے یہ سال بڑی کشمکش کا تھا ،فوجی انقلاب کے ذریعے ضیاء الحق مرحوم اسلام آباد پر قابض ہو چکے تھے، بھٹو صاحب جیل میں تھے اور ان کے خلاف مشہور مقدمہ قتل چل رہا تھا جس میں انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی، حضرت الاستاد دورانِ درس شاذ و نادر ہی

سیاسی معاملات پر بحث فرمایا کرتے تھے ان کی پوری توجہ درس پر مرکوز رہتی تھی، ان کی پابندئ وقت ضرب المثل تھی، ظاہر ہے سیاسی ریجی پٹشن، گاڑیوں کے اژدحام اور موسمی خرابیوں کے باعث غیر اختیاری طور پر تاخیر بھی ہوسکتی ہے مگر مجھے یاد نہیں کہ سال بھر میں ایک بھی دفعہ گکھڑ سے گوجرانوالہ پہنچنے میں انہیں کبھی تاخیر ہوئی ہو وہ وقت سے چند منٹ پہلے مدرسہ میں داخل ہوتے اور سیدھے اپنے چھوٹے بھائی حضرت صوفی عبدالحمید صاحب سواتی نور اللہ مرقدہ کے ہاں تشریف لیجاتے گھنٹہ لگنے سے ایک آدھ منٹ پہلے درسگاہ کی طرف روانہ ہوجاتے، درسگاہ کیا تھی جامع مسجد نور کا برآمدہ، سردی ہو یا گرمی سبق یہیں ہوتا تھا، انتہائی سادہ مسند تھی جس پر آپ تشریف فرما ہوتے، وقت کی پابندی اور سادگی ان کی زندگی کا لازمہ تھی، ایسا تو ہوا کہ طلباء نے درسگاہ میں پہنچنے میں دیر کردی مگر خود آپ سے کبھی دیر نہ ہوئی ،ایک دن آپ تشریف لائے تو مجھ ناچیز کے سوا کوئی طالب علم بھی نہ تھا سب وضو کے لیے گئے ہوئے تھے آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''مولانا آج تو میدان آپ کے قبضے میں ہے۔'' طبعیت میں ظرافت تھی اور وقتاً فوقتاً اس کا اظہار ہوتا رہتا تھا جس کی وجہ سے اکتاہٹ، غفلت اور نیند سے نجات مل جاتی تھی۔

دورانِ درس تحریک ختمِ نبوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے ساتھ ایک ''عاشقِ رسول'' بھی جیل میں تھا، پہلی بار اسے اس تجربے سے گزرنا پڑا تھا، اس نے سوچا بھی نہ ہوگا کہ عشق میں چند مقامات سخت بھی آتے ہیں ،ایک دن وہ نماز کے بعد بڑی عاجزی اور آہ وزاری کے ساتھ اللہ سے دعا کررہا تھا کہ ''میرے اللہ! تو وہ قادرِ مطلق ہے جس نے آدم کو جنت سے نکال دیا کیا مجھ حقیر فقیر کو جیل سے نہیں نکال سکتا۔''

کاتبوں کی کثرتِ اغلاط، من مانی اور دخل در معقولات کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ میں نے اپنی کتاب میں یہ شعر لکھ دیا تھا ۔ یہ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔ اردو میں ''رن'' میدان کے معنی میں مذکر استعمال ہوتا ہے، کاتب صاحب پنجابی تھے اور پنجابی میں ''رن'' بمعنی ''عورت'' مؤنث استعمال ہوتا ہے، وہ کتابت واپس لیکر آئے تو فرمانے لگے کہ آپ چونکہ پٹھان ہیں اس لیے تذکیر وتانیث کا فرق ملحوظ نہیں رکھتے، اس حوالے سے کتاب میں جو اغلاط نظر آئیں وہ میں نے درست کردی ہیں، مثال کے طور پر یہ شعر آپ نے غلط لکھا تھا میں نے اس کی تصحیح کردی ہے۔

یہ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہی ہے

جامعہ نصرۃ العلوم کے ایک محترم استاد مفتی محمد عیسی گورمانی صاحب زید مجدہ جو کہ حضرۃ الشیخ کے شاگرد بھی ہیں وہ فارمی مرغی کے گوشت سے خود بھی پرہیز کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کرتے رہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس کی خوراک حرام اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اس سے بچنا چاہیے ایک دن وہ بھی طلباء کی صف میں آکر بیٹھ گئے، حضرۃ الشیخ نے طلباء سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ ''تم لوگ کسی دن میری اور مفتی صاحب کی دعوت کرو اور اس میں دال کے ساتھ فارمی مرغی کا گوشت بھی پکاؤ میں گوشت کھاؤں گا جبکہ مفتی صاحب دال پر اکتفاء

کریں۔'' حضرت کے ان چٹکلوں اور لطائف وظرائف سے ذہنی تھکاوٹ دور ہوجاتی اور طبیعت میں نشاط پیدا ہوجاتا ، مجھے اکثر اس پر تعجب ہوتا کہ آپ کی دو بیویاں ہیں ، نو بچے پھر پوتے اور پوتیاں ، نواسے اور نواسیاں ، صبح سے شام تک درس وتدریس کی مصروفیت ، تحریک ختمِ نبوت اور جمعیت علماء اسلام سے وابستگی ، جلسوں میں شرکت ملاقاتیوں کا ہجوم ، مناظرہ ، تدریس ، افتاء ، سیاست اور ذاتی معاملات کے سلسلہ میں مشورہ کے لیے آنے والوں کی بکثرت حاضری ، تعویذ اور دم کے لیے آنے والوں کی وقت بے وقت آمد ، ستر سال سے زائد عمر اس سب کچھ کے باوجود ان کے چہرے پر تبسم رہتا ، سال بھر کی حاضری میں میں نے انہیں کبھی بھی نہ تو غضبناک دیکھا ، نہ آداب سے ناآشنا زائرین کو ڈانٹ ڈپٹ کرتے سنا ، تعویذ کے لیے آنے والوں کا حال یہ تھا کہ ایک موقع پر بڑی بیچارگی سے فرمایا '' کیا کروں یہ لوگ بعض اوقات آرام بھی نہیں کرنے دیتے ، کل شب سویا ہوا تھا کہ ایک صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا میں باہر نکلا تو معصوم شکل بنا کر کہنے لگے معذرت چاہتا ہوں راولپنڈی سے تعویذ لینے کے لیے آیا ہوں چنانچہ انہیں تعویذ بنا کر دیا یہ مشقت اس کے باوجود تھی کہ لینا دینا کچھ نہ تھا آپ یہ بھی کر سکتے تھے اس مقصد کے لیے کوئی اور اس دن کا متعین وقت مخصوص کر دیتے ، دروازے پر دربان بھی بٹھا دیا جاتا ، ٹوکن تقسیم کیے جاتے ، ہدیے اور نذرانے وصول کیے جاتے ، مگر ایسا کچھ نہ کیا یہ ان کے مزاج اور افتادِ طبع کے خلاف تھا ، زندگی کا مقصد اللہ کی رضا تھا اور مخلوقِ خدا کی خدمت اور انہیں شرک اور بدعات سے بچانا ، اگر یہاں بھی وہ سب کچھ ہوتا جو موروثی گدی نشینوں ، روایتی پیروں اور کاروباری حضرات کے ہاں ہوتا ہے تو اصل اور نقل عالمِ حقانی اور عالمِ دنیا کا فرق باقی نہ رہتا ، عوام تو عوام حضرۃ الاستاد نے ان خواص کی حاضری اور استفادہ کے لیے بھی کبھی سخت شرائط نہ لگائیں جو آپ سے اصلاحی تعلق یا رشتۂ تلمذ رکھتے تھے باوجودیکہ ہزاروں علماء طلباء اور عوام آپ سے بیعت تھے نہ ان کی کبھی فہرست مرتب کی گئی ، نہ ان کی تشہیر کی گئی ، نہ سالانہ اجتماع نہ کسی کو بیعت ہونے کی ترغیب ، ظاہر ہے بیعت مقصود بالذات ہے بھی نہیں ، اصل چیز تو اصلاح ہے ، اگر بیعت کے بغیر اصلاح ہوجائے تو کامیابی ہے اور اگر رسمی طور پر بیعت تو کر لی جائے مگر اصلاح کی طرف توجہ نہ دی جائے تو حاصل کچھ نہیں ہوتا ، حضرۃ الاستاد مجلسِ ذکر قائم کرتے تھے نہ کسی ایسی ہفتہ واری یا ماہانہ محفل کا اہتمام ہوتا تھا جس میں صرف مریدین ہی شرکت کر سکیں ، آپ کا دروازہ ہر کسی کے لیے اور ہر وقت کھلا رہتا بظاہر آپ نے نہ خانقاہ بنائی نہ خانقاہی معمولات اختیار فرمائے مگر حقیقت میں آپ جہاں تشریف فرما ہوتے وہیں خانقاہ بن جاتی تھی جس سادہ سے کمرے میں آپ نے سخت بیماری اور تکلیف میں زندگی کے آخری سال گزارے وہ کمرہ بھی ایک خانقاہ ہی تھا ، طالبانِ علم واصلاح آتے تھے اور بقدرِ ظرف سیراب ہوکر جاتے تھے ، تلامذہ اور اہلِ ارادت کی اصلاح کے لیے آپ کے ہاں سب سے مؤثر اور کارگر چیز آپ کا عمل اور کردار تھا ، نمود ونمائش سے احتراز ، اپنی قصیدہ خوانی سے مکمل اجتناب اگر دنیا نے ان کے مقام کو جان لیا تو اس لیے نہیں کہ ان کی صلبی اولاد یا روحانی اولاد نے ان کے تعارف میں مقالے لکھے یا رسالوں میں مضامین چھپوائے بلکہ اس لیے کہ خالص عطر کے تعارف کی ضرورت ہوتی

ہی نہیں اس کی خوشبو قدر دانوں کو خود متوجہ کر لیتی ہے، یہاں اس کانفرنس کا ذکر بھی مناسب سمجھتا ہوں جس کی طرف اپنے پہلے تعزیتی مضمون میں اشارہ کر چکا ہوں۔ ہوا یہ کہ مجھے حضرت مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہ کے بعض متعلقین نے بتایا کہ ان کی خواہش تھی کہ حضرۃ الشیخ کو کراچی بلا کر ان کے اعزاز میں عوامی سطح پر ایک بھرپور کانفرنس کی جائے جس میں انہیں اہلِ حق کی طرف سے ''امام اہل السنۃ'' کا لقب دیا جائے، مگر ناگہانی موت نے حضرت مفتی صاحب کو مہلت نہ دی کہ وہ اس نیک ارادے کو عملی جامہ پہنا سکتے، اس ناچیز نے جب یہ سنا تو اسی وقت عزم کر لیا کہ انشاء اللہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس خواہش کی تکمیل میں کروں گا، ان دنوں میں مدینہ مسجد بزنس روڈ میں درسِ قرآن دیا کرتا تھا (یہی وہ مسجد ہے جس میں حضرت مفتی نظام الدین شامزئی اور حضرت مفتی عتیق الرحمٰن رحمہما اللہ بھی درس قرآن دیتے رہے اور دونوں کو جامِ شہادت نصیب ہوا) یہاں کے احباب اور جامعہ بنوریہ (جہاں میں مدرس تھا) کی انتظامیہ کے مشورہ سے ہم نے بزنس روڈ پر ''امام اہل السنۃ کانفرنس'' کا اعلان کر دیا اور اس کے ساتھ کراچی کے تقریباً ہر بڑے ادارے میں بھی ذیلی پروگرام رکھے گئے چنانچہ حضرت کراچی تشریف لائے اور آپ نے مختلف مدارس میں خطاب فرمایا مرکزی پروگرام بھی بڑی شان وشوکت سے ہوا اور کراچی بھر سے ہزاروں لوگوں نے اس میں شرکت کی ،اس تفصیل کا مطلب ہرگز نہیں کہ اس کانفرنس کی وجہ سے حضرت کو عزت ملی یا ''امام اہل السنۃ'' کے لقب کو شہرت حاصل ہو گئی اصل میں تو حضرت کی شرکت سے کانفرنس اور اس کے منتظمین کو عزت ملی جہاں تک ''امام اہل السنۃ'' کے لقب کا تعلق ہے میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ عزت انہیں اللہ کی طرف سے حاصل ہوئی، اس حدیث کے مطابق جس میں فرمایا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل کو بتاتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت رکھو، جبرئیل آسمان والوں میں اعلان کر دیتے ہیں کہ اللہ اپنے فلاں بندے سے محبت رکھتے ہیں تم بھی اس سے محبت رکھو، چنانچہ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں انہیں مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے۔''

اہلِ زمین میں مقبولیت کی ایک دلیل آپ کا وہ تاریخی جنازہ بھی تھا جس میں کم وبیش مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کے لوگوں نے شرکت فرمائی اور آپ کو اس اعزاز واکرام کے ساتھ دنیا سے رخصت کیا جس کے آپ واقعی مستحق تھے، ہم اللہ کی رحمت سے امید کرتے ہیں کہ آپ کو آخرت میں اس سے بھی زیادہ عزت وراحت دی جائے گی۔

مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ

صاحبِ قلمِ باطل شکن

خلاق عالم نے ہمارے مخدوم مکرم شیخ الحدیث والتفسیر جامع المعقول والمنقول مسند العلماء استاذ الفضلاء امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو گونا گوں خوبیوں سے نوازا تھا، آپ کا شمار دار العلوم دیو بند کے عظیم فضلاء میں ہوتا ہے۔ آپ نے طویل عمر پائی اور اپنی ان خداداد صلاحیتوں سے خلقِ خدا کو مستفید فرمایا۔ آپ کی تمام خوبیوں اور کمالات کو تو کما حقہ اہل علم اور اہل قلم حضرات، خصوصاً آپ کی اولاد اور احفاد بیان کریں گے۔ لیکن بندہ عاجز آں موصوف کی صرف ایک خوبی بیان کر کے حضرت کے محبین میں اپنا نام شامل کرانا چاہتا ہے۔ اور وہ خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو "احقاق حق" اور "ابطال باطل" کے پاکیزہ جذبے سے سرشار فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے تادم زیست ہر موقع اور ہر محاذ پر حق کی بھرپور حمایت فرمائی اور اس کو فروغ دیا اور اس کا بول بالا کیا۔ اور ہر قسم کے باطل پرستوں سے پورے جذبہ ایمانی کے ساتھ برسر پیکار رہے۔ اس سلسلہ میں جب ان کے مجاہدانہ کارناموں پر نظر ڈالی جاتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ سنت ابراہیمی پر سختی سے کاربند رہے اور حق کی حمایت اور باطل کی شکست وریخت کے سلسلے میں جب ان کے دلائل وبراہین، قوت استدلال اور علمی نکات، محققانہ اندازِ بیان اور مناظرانہ رنگ، باطل پرستوں کے وساوس کا دندان شکن جواب اور حکیمانہ وادیبانہ اندازِ تحریر پر نظر ڈالی جاتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ جذبہ قربانی اور حکمت محمدی کے وارث ہیں۔ چنانچہ امام اہل السنۃ نے اپنی مدلل تحریروں سے توحید خداوندی کو خوب اجاگر کیا اور ہر قسم کے شرکیات کا قلع قمع کیا۔ اہل شرک نے توحید خداوندی کے سلسلے میں جتنے بھی شبہات پیدا کیے انہوں وزنی دلائل اور براہین سے اُن سب کا صفایا کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پاک اور منزہ کیا۔ اور بدعات کی بڑی بڑی عمارات جن کو اہل بدعت نے اپنے مذمومہ دلائل سے مزخرف اور مزین کر رکھا تھا، امام اہل السنۃ نے بدعات کی ان عمارتوں کو کتاب وسنت کے براہین سے زمین بوس بلکہ ملیامیٹ کر دیا۔ ساتھ ساتھ سنت نبوی کے گلشن کی ایسی آبیاری کی کہ اپنے دور کے علماء اور طلباء کے لیے راہ سنت پر چلنا آسان کر دیا۔ اسی طرح ہمارے حضرت کے دور میں بہت سی ایسی نئی تحریکیں چلیں جنہوں نے صرف قرآن یا قرآن اور حدیث کے نام پر سادہ لوح عوام کو سلف صالحین کی راہ یعنی صراط مستقیم سے ہٹانے

کی ناپاک کوششیں کیں اوران کے دلوں میں اسلاف بیزاری کی تخم ریزی کی۔ سعی نامشکور کی اورا کابر سے بداعتمادی کی فضاء پیدا کی اورنت نئے عقائداور مسائل گھڑےاوراجماعی عقائدومسائل کو چیلنج کیا توامام اہل السنۃ نے اپنی پوری قوت کے ساتھ ان سب بے دینوں، لامذہبوں اورتجدد پسندوں کے عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ اورخیالات ناکسہ کوطشت ازبام کیا۔اورکتاب وسنت کے روشن دلائل سےان کا بطلان واضح کیا۔اوراحسن الکلام، طائفہ منصورہ، مقام ابی حنیفہ اورتسکین الصدور جیسی کتابیں تصنیف فرماکران سب باطل پرستوں کی راہ میں سدِّ سکندری قائم کردی۔ یہ سب لامذہب باطل پرست سرمنہ کازورلگالیں اوراپنی پوری قوت سے ہاتھ پاؤں ماریں بلکہ الٹےبھی لٹک جائیں توامام اہل السنۃ کے دلائل کاجواب قیامت تک نہیں دے سکتے۔حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت مولانا سرفرازخان صفدر رحمہ اللہ کی تصنیفات'' جـاء الـحق وزھـق الباطل، ان الباطل کان زھوقاً'' کامصداق ہیں۔اسی طرح فتنہ قادیانیت اورسبائیت ومماتیت کے خلاف بھی آپ کی قلمی کاروائیاں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔الغرض امام اہل السنۃ کے سامنے جو فتنے بھی اٹھےاور جو باطل تحریکیں چلیں آپ نے ان سب کے خلاف یلغار کی اورقلم اٹھایااورشکست فاش دی۔ اوردنیامیں کوئی ایساباطل نہیں ہے جوہمارے حضرت کے سامنے آیاہواورمنہ کی نہ کھائی ہو، چنانچہ (ہفت روزہ اخبار) وزارت (لاہور) میں آپ کاایک منقولہ نقل کیا گیاہے،فرماتے ہیں''عزیز طلبہ! میں نے جوبھی لڑائی لڑی ہے،یعنی جس جہت سے دین اسلام پرحملہ ہواہے میں نے بحمداللہ اس کا بھرپور جواب دیاہے''۔پس معلوم ہوا کہ میں جوکچھ ان کے بارے میں عرض کررہاہوں گویایہ ان کے ایک ملفوظ کی ترجمانی ہے۔نیز بندہ عاجز کے معروضات کی تصدیق امام اہل السنۃ کے ایک دوسرے ملفوظ سے بھی ہوتی ہےاوروہ ملفوظ بھی اسی اخبار میں موجود ہے۔اور یہ اخبار گویا حضرت کی وفات پرایک خصوصی اشاعت کی حیثیت رکھتاہے۔آپ اپنے تخلص ''صفدر'' کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں دارالعلوم دیوبند میں زیرتعلیم تھا، میں ایک روزکسی وجہ سے کچھ تاخیر سے جماعت میں حاضرہوا،اورطلبہ کی صفوں کے درمیان سے گزرتا ہوااپنی جگہ کی طرف بڑھ رہاتھا،میرے استاذ محترم شیـخ الـعـرب والعجم حضرت مولاناسید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے مجھے یوں جلدی جلدی آتے دیکھا تو فوراً بول اُٹھے ''صف در'' آرہاہے۔تمام طلبہ نیانام سن کرمسکرا پڑے،تو شیخ العرب والعجم نے فرمایا کہ یہ ''صف در'' ہے جوان شاء اللہ حق وباطل کی صفوں میں تمیز کرے گا'' انتہا۔سبحان اللہ کیاسہاناوقت تھااورکتنی مقبولیت کی گھڑی تھی کہ آپ کے استاذ محترم کی زبان مبارک سے نکلاہوالفظ اللہ کی بارگاہ میں ایسا مقبول ہواکہ آپ زندگی بھرحق وباطل کی صفوں میں تمیزکرتے رہے۔تمام فرقِ باطلہ کے عقائدباطلہ کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کاعلمی اندازمیں ردکرتے رہے۔

قارئین کرام!

چونکہ استاذ الاساتذہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ درویش صفت عالم دین، مجاہد فی سبیل اللہ اور برگزیدہ ولی اللہ تھے۔ جن کی یہ پیشین گوئی امام اہل السنۃ کے حق میں بعینہٖ پوری ہوئی، پس یہ ان کی کرامت ہے اور حدیث نبوی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشادفرمایا''رب اشعث مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ''[رواہ مسلم مشکوٰۃ ۴۴۶]

جوالفاظ شیخ مدنی کی زبانِ فیضِ ترجمان سے صادر ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا سرفراز خان صاحب کو ویسے ہی بنادیا۔

بندہ عاجز کے نزدیک امام اہل السنۃ کی قلم حضرت خالد بن ولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرح بابرکت ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے ذریعے کافروں اور مرتدوں کے سر قلم کیے اور امام اہل السنۃ کی قلم نے ملحدوں، زندیقوں اور لامذہبوں کے نظریات وافکار کو جڑ سے اکھاڑ کر رکھ دیا۔ جب ہم امام اہل السنۃ کی باطل پرستوں کے خلاف کامیاب کاروائیاں دیکھتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ سامنے آجاتی ہے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یحمل ھٰذا العلم من کل خلف عدو لہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین''[رواہ البیھقی فی کتاب المدخل مرسلاً][مشکوٰۃ شریف ۳۶]

ترجمہ: سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے اس کے نیک یعنی ثقہ اور معتمد لوگ اس علم کتاب وسنت کو حاصل کریں گے اور وہی لوگ اس علم کے ذریعے آیات واحادیث میں حد سے گزرنے والوں کی تحریف کو باطلوں کی افتراء پردازی اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کریں گے۔

بندہ عاجز کے نزدیک عصر ہٰذا کے جن علماء پر نبی علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی صادق آتی ہے ان میں مولانا سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ اس کے مصداقِ اول ہیں۔ اسی لیے تو اس دور کے علماءِ حق نے ان کو ''امام اہل السنۃ'' کا لقب دیا ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں حق کی حمایت اور باطل کی شکست وریخت کے سلسلے میں جو عظیم کارنامہ امام اہل السنۃ نے سرانجام دیا ہے وہ کئی تنظیمیں مل کر بھی نہیں کرسکتیں۔

چنانچہ مشکوٰۃ شریف کی روایت میں ہے ''عن انس ابن مالک رضی اللہ قال: ''قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم.ھل تدرون من اجود وجوداً، قالو اللہ ورسولہ اعلم قال اللہ تعالی اجود وجوداًثم انا اجود بنی آدم واجودھم من بعدی رجل علمافنشرہ یاتی یوم

القيمه امير او حسه او قال امة واحدة [مشکوۃ شریف ۳۷] ترجمہ: حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کیا تم جانتے ہو سخاوت کے معاملہ میں سب سے بڑا سخی کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا سخاوت کرنے میں اللہ تعالیٰ سب سے بڑا سخی ہے اور بنی آدم میں سب سے بڑا سخی میں ہوں، پھر لوگوں میں میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ شخص ہوگا جس نے علم سیکھا اور اسے پھیلایا۔ وہ شخص قیامت کے دن ایک امیر یا فرمایا کہ ایک گروہ کی طرح آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے '' **ان ابراهيم كان امةً قانتاً لله حنيفاً**'' پس اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے مشن پر چلنے والے اپنے مقبول بندوں سے وہ کام لے لے جو کئی جماعتوں سے بھی نہیں ہوسکتا تو یہ اس کے فضل وکرم سے کوئی بعید بات نہیں ہے

طلباء کے لیے ایک مفید مشورہ:

امام اہل السنۃ کا تصنیفی کام اتنا جاندار ہے کہ اس سے علماء فضلاء اور مناظرین اسلام مستفید ہو رہے ہیں۔ چونکہ بندہ عاجز بھی ایک طالب علم ہے، لہٰذا میرا مشورہ بھی اپنے طالب علم بھائیوں کے لیے ہے کہ وہ امام اہل السنۃ کی تصنیف کردہ کتابوں کا مطالعہ ابتدا ہی سے جاری رکھیں، ان شاء اللہ العزیز حضرت شیخ کی کتابوں کے مطالعہ سے حق کی حمایت، باطل کی شکست اور مسلک حقہ کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اور ہر قسم کے باطل پرستوں کے شبہات اور وساوس کا قلع قمع کرنا اور اُن کو جڑ سے اکھیڑ دینا آپ کے لیے آسان تر ہو جائے گا۔ اور ساتھ ساتھ آپ دینی معلومات کی دولت سے مالا مال ہو جائیں گے، اہل السنۃ والجماعۃ کی حقانیت آپ پر اظہر من الشمس ہو جائیگی اور کتاب وسنت کے معارف اور اسرار آپ پر روز روشن کی طرح کھل جائیں گے۔ آخر میں دعا ہے:

اللهم اغفره وارحمه وعافه واعف عنه، اللهم برد مضجعه ووسع مدخله واكرم نزله واعذه من عذاب القبر وادخله الجنة، اللهم اجزه عنا وعن جميع المومنين والمومنات والمسلمين والمسلمات جزاءً خيراً، اللهم اجعل قبره روضة من الرياض الجنة آمين يارب العالمين۔

مولانا منیر احمد منوّر مدظلہ
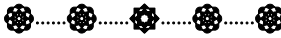
امام اہل سنت......یعنی......ترجمان دیوبند

انگریز نے اپنی عیاری، مکاری اور پرفریب چال بازی کے ذریعہ لیلائے اقتدار کے پوجاری اور مال وزر کے بھکاری ضمیر فروش مسلمانوں کو استعمال کر کے برصغیر پر غاصبانہ قبضہ کیا۔ قبضہ کر کے جہاں اس نے مدارس اسلامیہ کے نظام کو درہم برہم کیا اور علماء کے وقار کو مجروح کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا وہاں مسلمانوں کے دین وایمان کو لوٹنے اور ان کو عیسائی بنانے کے لئے عیسائی مشنریوں اور پادریوں کو بھی اس پروگرام پر لگایا اور ہندوستان جو سونے کی چڑیا تھی اس کو بھی نوچ نوچ کر نیم جان کر دیا۔ ان حالات میں تحریک آزادی یا جہاد آزادی کا آغاز ہوا۔ انگریزی حکومت جہاد آزادی کو کچلنے کے لئے جس قدر مظالم کو کچلتی گئی اس قدر تحریک آزادی زور پکڑتی گئی بالآخر انگریزی حکومت نے تحریک آزادی کو ناکام کرنے کے لئے کچھ زرخرید شخصوں کے ذریعہ نئے فرقے پیدا کر کے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور ان کی قوت کو تقسیم کرنے اور ان کی توجہ کو جہاد آزادی سے ہٹا کر مذہبی لڑائیوں کی طرف لگانے کا پروگرام ترتیب دیا۔ پہلے برٹش حکومت نے آزادی مذہب کا قانون جاری کر کے ان نئے فرقوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا پھر نئے فرقے جاری کیے۔ چنانچہ قادیانیت، بریلویت، غیر مقلدیت وغیرہ نئے فرقے انگریزی حکومت کی منحوس سوغات ہے جو وہ مسلمانان ہند کو دیکر گیا اور وہ ابھی تک اس کی سزا بھگت رہے ہیں اور آپس میں دست وگریباں ہیں۔

علماء دیوبند کی جامعیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص توفیق سے ان مشکل ترین حالات میں علماء دیوبند سے باطل کے ان سب محاذوں پر کام لیا انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لئے تحریک آزادی یہ ایک مستقل میدان تھا جس کی قیادت اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محموس حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کر رہے تھے اور ساتھ ہی باطل فرقوں میں سے قادیانیت، بریلویت، غیر مقلدیت، رافضیت، عیسائیت کے پانچوں مذہبی جفادریوں کا مقابلہ بھی کر رہے تھے نہ تحریک آزادی مذہبی کام میں رکاوٹ بنی اور نہ مذہبی کام تحریک آزادی میں رکاوٹ بنا۔ باطل کے ان سب محاذوں پر علماء دیوبند نے علمی، عملی کارنامے انجام دیئے جو تاریخ اسلام کا روشن ترین باب ہے۔ انگریز کے ایک خودکاشتہ پودے نے جب انگریز کی نمک خواری کا حق ادا

کرتے ہوئے دس سوالات پر مشتمل اشتہار لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر اور چیلنج بازی کے اسٹیج گرما کر مجاہدین آزادی کے راستہ میں کانٹے بچھانے اور رکاوٹے ڈالنے کا فریضہ سرانجام دیا تو اس وقت کی تحریک آزادی کے قائد جہاد آزادی کے علم بردار اسیر مالٹا شیخ الہند محمود حسن دیوبندی کے جذبہ حریت نے ایک طرف تحریک آزادی کو جاری رکھا تو دوسری طرف ان کی غیرت ایمانی اور دفاع دین کے جذبہ نے عملی میدان میں انگریز کے اس خود کاشتہ پودے کے چیلنج کو بھی قبول کیا اس سلسلہ میں حضرت شیخ الہندؒ خود فرماتے ہیں

''اضعف العباد محمود حسن دیوبندی اپنے دینی بھائیوں کی خدمت میں ملتمس ہے کہ کچھ عرصہ ہوا مولوی محمد حسین انبالوی نے ایک اشتہار جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے جو مشتمل بر چند مسائل مختلف فیہ مطبع سفیر ہندوستان امرتسر میں اس مضمون کو چھپوا کر مشتہر کر دیا کہ جو آدمی ان کا جواب دیگا اسے ہر ایک مسئلہ کے جواب کے عوض دس دس روپیہ انعام دیے جاویں گے جو ہمارے مطالعہ سے بھی گذرا......نیز کہتے ہیں جناب من! اب تک ہم بوجہ بے تعصبی کے خاموش رہے آپ نے میدان سنسان دیکھ کر ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کر دیئے اب کی چھیڑ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اشتہار بھی شائع ہو گئے جو دیوبند آنے والوں کے ذریعہ یہاں پہنچے اس فتنہ انگریزی پر کوئی کہاں تک خاموش رہے اس لئے سر دست کچھ نہ کچھ ہم بھی عرض کرتے ہیں اس کے بعد بھی اگر آپ ہاتھ پاؤں ماریں گے تو پھر ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہاتھ دکھائیں گے۔ ورنہ ہم خود اہل اسلام کے نزاع فی مابین کو پسند نہیں کرتے (دیباچہ ادلہ کاملہ ص ۵)''

چنانچہ آپ نے فقہ اور فقہاء کے خلاف اٹھائے جانے والے اس فتنہ کا تعاقب سب سے پہلے رسالہ ادلہ کاملہ لکھا فقہ دشمن عناصر میں سے ایک بدقسمت و منحوس شخص مولوی محمد احسن امروہی نے ادلہ کاملہ کا جواب لکھا مصباح الادلہ (یہ شخص بعد میں مرزائی ہو گیا اور مرزے قادیانی کے چند نامزد اور نامور مفتیوں میں شمار ہوا) حضرت شیخ الہند نے اس کا جواب الجواب لکھا ''ایضاح الادلہ'' جس کا آج تک فقہ دشمن فرقہ جواب نہیں دے سکا حضرت شیخ الہند کا جذبہ حریت اور دفاع دین کا جذبہ دراصل عکس و پرتو ہے ان کے استاد و مربی قطب الاقطاب، فقیہ امت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے جذبہ حریت اور جذبہ دفاع دین کا۔ حضرت گنگوہیؒ ایک طرف تو انگریز کے خلاف عملاً جہاد میں حصہ لے رہے ہیں دوسری طرف تصنیفی مصروفیت کے ساتھ ساتھ تحریراً و تقریراً دفاع دین کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں آپ نے فقہ دشمن فرقہ کے بارے میں جو قلمی کام کیا ہمارے رفیق محترم سید مشتاق علی شاہ نے جمع کر کے مجموعہ رسائل گنگوہی کے نام سے شائع کر دیا ہے اور حضرت کا انداز تدریسی بھی ایسا تھا جس میں دفاع دین کی قوۃ و صلاحیت بھی پیدا ہوتی تھی اور عملا دفاع دین کا جذبہ بھی ابھرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مولانا مناظر احسن گیلانیؒ رقم طراز ہیں

''اہلحدیث کا جو نیا فرقہ ہندوستان میں اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حنفی مذہب کے متعلق یہ شہرت دینے لگا تھا کہ کلیۃً رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے خلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ نے اپنے ذاتی قیاسات سے اسلامی شریعت کا ایک مستقل نظام قائم کر دیا تھا اس مغالطہ کے ازالہ کے لئے اکابر دیوبند میں سب سے پہلے حضرت مولانا گنگوہیؒ نے حدیث کے درس میں اس التزام کا اضافہ کیا کہ حنفی مذہب کے جن مسائل کے متعلق فرقہ اہلحدیث نے مشہور کر رکھا تھا کہ صریح حدیثوں کے وہ مخالف ہیں ان کے اس الزام کا سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا جائے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے ساتھ اس التزام کو باقی رکھا گیا اور بحمد اللہ اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے اگرچہ وہ محاذ جو اہلحدیث طبقہ نے قائم کیا تھا، تقریباً ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو چکا ہے، لیکن مبادا پھر یہ فتنہ سر اٹھائے، دارالعلوم میں اب تک تروتازہ حالت میں درس حدیث کا یہ التزام زندہ و پائندہ ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے اس کو اسی طرح جاری رکھنا چاہئے کہ اس سے جامد تقلید کی تہمت کا ازالہ بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک حنفی اپنے مسلک پر علمی بصیرت کے ساتھ قائم رہتا ہے۔ (احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن ص ۶۹، ۷۰)''

اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے مختلف رسائل کے ذریعہ فقہ دشمن فرقہ کی طرف سے فقہ حنفی کے بارے میں پھیلائے گئے شبہات کا عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ ازالہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے رد رفض پر بھی لاجواب کتب تصنیف فرمائی ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے رضاخانی فرقہ کی طرف سے پھیلائے گئے غلط عقائد ومسائل اور غلط فہمیوں کا خالص علمی انداز میں ازالہ کیا ہے حتیٰ کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اپنے متعدد رسائل میں فرق باطلہ کے شکوک وشبہات کے دقیع و مدلل جوابات دیئے ہیں مسئلہ تقلید پر حضرت کا رسالہ ''الکلام الفرید فی التزام التقلید'' اور ''الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد'' بے مثال ہیں حضرت کے ملفوظات ومواعظ میں جو مواد ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری کا تقرر اسی مقصد کے لئے تھا کہ وہ فرق باطلہ کے مقابلہ میں دفاع حق اور دفاع دین کا کام کر کے سب کی طرف سے فرض ادا کریں۔ ہمارے یہ سب اکابرین نہایت اعلیٰ درجہ کے کامیاب اور بے مثال مدرس بھی تھے اور ہر ایک کا خانقاہی سلسلہ بھی تھا۔ اس کے باوجود دفاع دین کے کام میں پیش پیش رہے سلسلہ تدریس یا خانقاہی نظام ان کے تدریس کے کام میں قطعاً نہیں بنتا تھا بلکہ کافی حد تک معاون ثابت ہوتا کیونکہ دفاع دین کا کام کرنے والے میں جتنی علمی اور روحانی نسبت پختہ ہوتی ہے اتنا ہی دفاع دین کا کام مضبوط اور پختہ ہوتا ہے۔

علماء دیو بند اور دفاع دین:

مدارس اسلامیہ اور خانقاہوں کی اس جامع تعلیم وتربیت کے نتیجہ میں ماضی قریب میں دفاع دین کے لئے امت کو جو اولوالعزم علماء کرام نصیب ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے ذوق اور شرح صدر کے مطابق جس محاذ پر دفاع دین کا فریضہ انجام دیا اس کی ہلکی سی جھلک ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

قادیانیت: امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، فاتح قادیان مولانا محمد حیات، مجاہد ملت امام المتکلمین مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا لال حسین اختر، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا تاج محمود، مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہم اللہ مولانا عزیز الرحمان جالندھری، مولانا اللہ وسایا صاحب، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی۔

رافضیت : مولانا عبدالشکور لکھنویؒ، مولانا السید احمد شاہ بخاری چوکیرویؒ، مولانا عبدالستار تونسوی مدظلہ، مولانا دوست محمد قریشیؒ، مولانا اللہ یار چکڑالویؒ، مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ، السید نور الحسن بخاریؒ، مولانا حق نواز جھنگویؒ، مولانا علی شیر حیدریؒ، مولانا ضیاء الرحمان فاروقیؒ۔

غیر مقلدیت: حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا حبیب الرحمان اعظمیؒ، حضرت مولانا السید محمد اسعد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد امین صفدرؒ، حضرت مولانا ابوبکر غازی پوری مدظلہ، حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیرویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد انور مدظلہ [خیر المدارس ملتان]، مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہ، مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ، مولانا عبدالباقی صاحب چیچہ وطنی، مولانا عبدالغفار ذہبی صاحب، مولانا عبداللہ عابد وڑائچ صاحب، مولانا اسماعیل محمدی صاحب۔

بریلویت: مولانا محمد منظور لکھنویؒ، مولانا قائم الدین علی پوریؒ، مولانا ضیاء القاسمیؒ، مولانا عبدالکریم ندیم مدظلہ، مولانا محمد رمضان نعمانی [احمد پور شرقیہ]، مولانا منیر اختر [جہانیاں]، مولانا رب نواز حنفی [کراچی]، مولانا حماد [لاہور]۔

مودودیت: بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ، حضرت مولانا قاضی عبداللطیف جہلمیؒ، حضرت مولانا بشیر احمد حصاروی مدظلہ [رحیم یار خان]،

جدید معتزلہ یعنی مماتیت:

رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، حضرت مولانا نور محمد تونسوی مدظلہ، حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ، حضرت مولانا ارشد الحسینی مدظلہ، حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر، حضرت مولانا محمد مکی

مدظلہ [علی پور]، حضرت مولانا محمود عالم صفدر، ان کے علاوہ بھی باطل کے جتنے محاذ ہیں ان سب پر دارالعلوم دیوبند کے سپوت کام کرر ہے ہیں۔ان میں سے ہر ایک قابل قدر قیمتی ہیرا ہے۔اوران کی مثال ایک مشین کی طرح ہے جومختلف پرزوں سے بنتی اور چلتی ہے اس مشین کے چلنے میں ہر پرزہ اپنی جگہ ضروری ہے ہر پرزہ مشین کے چلنے میں معاون ہوتا ہے رکاوٹ نہیں بنتا اسی طرح دفاع دین کے یہ سب کل پرزے ہیں سب کا وجود اپنی اپنی جگہ ضروری ہے باطل کا کوئی محاذ بھی ایسا نہیں جس کونظر انداز کیا جاسکے اس لئے ہم عملا کام کریں اس محاذ پر جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کر دیا ہے لیکن دوسروں کے لئے معاون اور مؤید بن کر رہیں یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

چند جامع شخصیات:

علماء دیوبند میں ایک ایک محاذ پر کام کرنے والی شخصیات تو بہت ہیں لیکن کچھ ایسی شخصیات بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہتی دین کا کام لیا ہے انہوں نے باطل کے ہر محاذ پر دفاع دین کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اہل باطل سے چومکھی لڑائی لڑی ہے ماضی قریب کی ان جامع شخصیات میں سے چار شخصیات بہت ہی نمایاں اور سرفہرست ہیں۔

(۱):استاذالمناظرین رئیس المحققین حضرت مولانا امین صفدر اوکاڑویؒ اگرچہ آپ کی دفاع دین کی صلاحیتوں کا اصل ہدف ''فقہ اور فقہاء پر اعتماد کی محنت'' اور ''فقہاء کی تحقیقات کی روشنی میں دین فہمی'' رہا ہے بلاشبہ آپ نے اس میدان میں ''فقہ اور فقہاء پر اعتماد'' کر کے نہ صرف یہ کہ ہزاروں مسلمانوں کو بغض فقہ اور فقہاء کی لعنت سے محفوظ کیا بلکہ عظمت فقہ اور تقدس فقہاء کے اتنے محافظ پیدا کیے ہیں کہ الحمد للہ ہر جگہ فقہ کا دفاع کرنے والے افراد موجود ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو نئے پرانے فتنوں کے مقابلہ کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا آپ نے باطل کے ہر محاذ پر احقاق حق اور ابطال باطل کا حق ادا کیا ہے۔آپ کا تحریری کام تو زیادہ تر غیر مقلدیت پر ہے باقی باطل فرقوں کے مقابلہ میں قلمی کام کم ہے تقریر ومناظرہ کی صورت میں بہت زیادہ ہے آپ کا سب سے بڑا کارنامہ ہر باطل فرقہ کے مقابلہ میں رجال کا پیدا کرنے کا ہے۔ایک موقع پر فرمایا میرا اصل موضوع تو رد قادیانیت اور عیسائیت تھا مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدرؒ اور علامہ خالد محمود صاحب اور حضرت مولانا بشیر احمد پسروری اور شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب رائپوری نے مجھے رد غیر مقلدیت پر لگایا ہے۔

(۲): دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی کے تلمیذ خاص ماہر علوم

عقلیہ ونقلیہ رازی زمان حضرت علامہ خالد محمود صاحب دامت برکاتہم العالیہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور عافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر باطل کے دفاع کی صلاحیت سے نوازا ہے اور آپ نے تقریر وتحریر کے ذریعہ ہر باطل کا تعاقب کیا ہے اور اب بھی کر رہے ہیں تقریر وتحریر کے ذیعہ عقائد عقائد حقہ کے مطابق ذہن سازی کرنا اور باطل کے شکوک وشبہات اور اعتراضات کا عام فہم معقول اور مختصر الزامی جواب دے کر ان کو لاجواب کرنا آپ کا امتیازی وصف اور کمال ہے۔

(۳): شہید اسلام، مرجع الخلائق، مرشد العلماء والطلبہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی بھی انہیں جامع شخصیات میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہر باطل کے مقابلہ احقاق حق اور ابطال باطل کا کام لیا ہے حضرت نہایت کامیاب اور مقبول ترین مدرس تھے لیکن ایوبی دور میں ڈاکٹر فضل الرحمان اور پرویزی فتنہ کے رد میں تحریر کردہ مضامین نے اس یوسف صغیر کو یوسف کبیر (حضرت مولانا یوسف بنوریؒ) منظور نظر بنا دیا۔ چنانچہ حضرت نے تقریر کی شکل میں کم اور اور قلم وتحریر کے ذریعہ ہر باطل فرقہ کے مقابلہ میں جامع، واضح، مدلل اور فیصلہ کن کتب تصنیف کرنے اور مضامین لکھنے کی صورت میں بہت کام کیا ہے۔ آپ نے علمی مواد کو عوامی انداز اور عوامی زبان میں ڈھالنے کا ڈھنگ اپنے خلف کو دیا ہے۔

(۴): شیخ التفسیر وشیخ الحدیث، حسینی نسبت کے علم بردار حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ بھی ان جامع شخصیات میں سے ایک ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمہ جہتی اشاعت دین اور دفاع دین کا کام لیا ہے آپ پورا سال درس نظامی کی بڑی بڑی کتابیں دورۂ حدیث کے اسباق خصوصاً صحیح بخاری، جامع ترمذی جیسے اسباق پڑھاتے تھے پھر شعبان ورمضان میں دورۂ تفسیر کراتے حضرت کا خانقاہی سلسلہ بھی ہے اس کی محنت الگ۔ اتنی مصروفیت کے باوجود برلویت، غیر مقلدیت، قادیانیت، رافضیت، مودودیت، پرویزیت، مماتیت، جدیدیت جیسے فتنوں کا قلمی تعاقب یعنی عقائد حقہ پر قرآن وحدیث سے دلائل اور اسلاف کی کتب سے سینکڑوں تائیدی حوالہ جات اور ہر باطل فرقہ کی طرف سے پیش کیے گئے من کھڑت دلائل اور شکوک وشبہات واعتراضات کے محقق، مدلل باحوالہ عقلی ونقلی جوابات۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور حضرت کی کرامت ہی کہا جا سکتا ہے ورنہ اتنی مصروفیت میں اتنا اونچا اور اتنا وسیع وعمیق کام بہت دشوار ہے۔

حسینی نسبت:

یہاں حسینی نسبت سے مراد مولانا حسین علی آف واں بھچراں سے علمی وروحانی نسبت ہے حضرت شیخ الحدیث کو مولانا حسین علیؒ سے شرف تلمذ اور روحانی تعلق کی سعادت حاصل تھی آپ سلوک وتصوف میں

حضرت مولانا حسین علیؒ کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔ اس لئے آپ کا مولانا حسین علیؒ مرحوم کے ارشد تلامذہ اور اجل خلفاء میں شمار ہوتا ہے اور مولانا حسین علیؒ مرحوم کو علمی و روحانی نسبت حضرت گنگوہیؒ سے حاصل تھی اور حضرت گنگوہیؒ میں توحید وسنت سے محبت اور شرک و بدعت سے نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت گنگوہیؒ بہت اونچی روحانی نسبت اور سلوک وتصوف کے بہت اعلیٰ مقام پر فائز تھے جو حقیقت میں اسی توحید وسنت کی محبت اور شرک و بدعت کی نفرت کا ثمر تھا، پس توحید سنت اور سلوک وتصوف کی مرکب نسبت حضرت گنگوہیؒ سے حضرت مولانا حسین علیؒ کی طرف منتقل ہوئی پھر آپ نے اس فیض کو عام کرنے کے لئے تفسیر قرآن کو ذریعہ بنایا اور جب حضرت مولانا حسین علیؒ صاحب سے یہ توحید وسنت اور سلوک وتصوف کی مرکب نسبت ان کے تلامذہ اور مریدین وخلفاء کی طرف منتقل ہوئی تو تفسیر قرآن کا ذوق بھی منتقل ہوا۔ چنانچہ آپ کے تلامذہ میں ہم دیکھتے ہیں تو اپنے وقت کے جنید وشبلی حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ میں بھی مرکب نسبت اور ذوق تفسیر نظر آتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خانؒ میں بھی توحید وسنت اور سلوک وتصوف کی مرکب نسبت اور نسبت توحید وسنت اور نسبت سلوک وتصوف کا امتزاج نظر آتا ہے اور ساتھ ہی تفسیر قرآن کا اعلیٰ ذوق بھی، چونکہ ان حضرات کو نسبتِ توحید کے ساتھ روحانی نسبت بھی حاصل تھی، توحید وتصوف کا ان میں امتزاج اس لیے ان کے لیے حیات قبر کا مسئلہ بدیہی تھا، بلکہ روحانیت کی نظر سے حیات قبر کا مشاہدہ تھا، حضرت بہلویؒ نے دورہ تفسیر کے دوران ایک موقع پر حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ بیان فرمایا تو ایک طالب علم جو منکر حیات تھا اس نے بحث اور سوال وجواب شروع کر دیے، حضرت بہلویؒ نے اس کو ایسا جواب دیا کہ وہ خاموش ہو کر رہ گیا حضرت نے اپنی سرائیکی میں فرمایا ”میاں جھڑا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کوں اپنی انکھیں نال زندہ ڈیکھ تے آیا بیٹھا اے او تیڈیاں دلیلاں کو کیا کرے!“ جب پاکستان میں انکار حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کا فتنہ شروع ہوا تو اہل علم حضرات نے اس مسئلہ پر محقق ومدلل تصنیف کے لیے حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا، چنانچہ آپ نے تسکین الصدور کے نام سے ایک عظیم کتاب تصنیف فرمائی، جس میں آپ نے حیاتِ قبر، عذابِ قبر، اعادۂ روح، حیاتِ انبیاء علیہم السلام، سماع عند القبر، مسئلہ توسل وشفاعت کو قرآن وحدیث کے دلائل اور اہل السنۃ والجماعۃ کے محققین علماء کی کتب سے حوالہ جات کا انبار لگا دیا، جس کا منکرین حیات آج جواب نہیں دے سکے۔

لیکن مولانا حسین علیؒ کے وہ شاگرد جو صرف قرآن کے لفظ سیکھ کر توحید وسنت کے بارے شدت تو لیکر آ گئے مگر توحیدی اور روحانی نسبت سے تہی دامن رہے ان کو کرامات، حیاۃ قبر، عذابِ قبر، سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر اور سماعِ موتیٰ کا عقیدہ قرآن کے خلاف نظر آنے لگا بلکہ ان کو یہ سب کچھ شرک نظر آیا۔ ان کی

یہ سوچیں اپنی تھیں لیکن انہوں نے بد دیانتی یا غلط فہمی کی وجہ سے ان کو مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا، چونکہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو مولانا حسین علی صاحبؒ سے کامل نسبت حاصل تھی، نسبتِ توحیدی بھی اور نسبتِ تصوف بھی اس لیے آپ موحد بھی تھے اور صوفی بھی، اسی امتزاج کی وجہ سے آپ نقطۂ اعتدال پر قائم رہے توحید وسنت والی نسبت اور صحبت کا اثر تھا کہ آپ نے ازالۃ الریب، تبرید النواظر، گلدستہ توحید، دل کا سرور، راہِ ہدایت، باب جنت، راہِ سنت لکھ کر توحید وسنت کا تحفظ اور شرک وبدعت کا رد کیا ہے اور چونکہ آپ کو حضرت والا سے روحانی نسبت بھی حاصل تھی اس کی برکت سے اعتدال قائم رہا اور آپ نے حیاۃ انبیاء، سماع وصلوٰۃ عند القبر وغیرہ کا انکار اور ان کو شرک کہنا تو کجا ان کے اثبات پر دلائل قائم فرمائے۔

مسلک دیوبند کی ترجمان دو شخصیتیں:

شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے دو شاگرد حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ خلیفہ مجاز: حضرت مدنیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ مسلک دیوبند کے اتنے قابل اعتماد ترجمان ہیں کہ سب علماء دیوبند نے مسلک دیوبند کے حوالہ سے ان پر پورا پورا اعتماد کیا ہے، میرے استاد ومربی استاذ العلماء، حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ مذکورہ بالا ہر دو حضرات کے متعلق فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجمالی ایمان معتبر ہے تو میں کہتا ہوں کہ میرے تمام عقائد وہی ہیں جو قاضی مظہر حسین صاحب اور مولانا سرفراز خان صفدر کے ہیں، لیکن میں ان کے ساتھ ایک تیسری شخصیت کا اضافہ بھی کرتا ہوں میری مراد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ یہ تینوں حضرات بلاشبہ مسلک علماء دیوبند کے سچے ترجمان ہیں ان کی کتب مسلک کے حوالہ سے نہایت قابل اعتماد ہیں اور مسلک دیوبند کے لیے معیار کی حیثیت رکھتی ہیں، خصوصاً حضرت قاری محمد طیبؒ کا رسالہ ''مسلک علماء دیوبند''

علمی مواد عوامی انداز:

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور اسی طرح دوسرے اکابرین نے ہر باطل فرقہ کے مقابلہ میں اتنا مواد دے دیا ہے اور عقائد ومسائل پر اتنی اتنی تحقیق کر دی ہے کہ اب اس پر نہ کسی اضافے کی گنجائش ہے نہ نئی تحقیق کی۔ ہاں اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اکابرین کی ان کتب کا مطالعہ کر کے ان کو اچھی طرح سمجھا جائے، پھر اسی مواد کو تقریر وتحریر کے ذریعے عام فہم عوامی انداز میں پیش کیا جائے۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔

لطیفہ: بحر العلوم حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود زید مجدہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میں نے علماء کی ایک مجلس میں سوال کیا کہ پاکستان میں غیر مقلدیت کے خلاف کس جگہ کام زیادہ ہوا ہے؟ سب نے کہا آپ بتائیں! میں نے کہا گوجرانوالہ میں کہ وہاں پر حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ نے خوب کتابیں لکھی ہیں اور ان کا مقابلہ کیا ہے اتنا کام کسی اور جگہ نہیں ہوا۔ سب نے تائید کی۔ پھر میں نے دوسرا سوال کیا کہ سب سے زیادہ غیر مقلدیت مضبوط کہاں ہے؟ سب علماء نے مجھے کہا کہ اس کا جواب بھی آپ ہی بتائیں! میں نے کہا گوجرانوالہ میں، کہ پہلے وہاں غیر مقلدوں کی ایک مسجد تھی لیکن اب ان کی مساجد کا پورے علاقے میں جال بچھا ہوا ہے۔ میں نے پھر تیسرا سوال کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ گوجرانوالہ میں غیر مقلدیت کے خلاف کام سب سے زیادہ ہوا ہے اور گوجرانوالہ میں ہی غیر مقلدیت سب سے زیادہ مضبوط ہے؟ علماء حضرات نے کہا کہ سوال آپ نے اُٹھایا ہے جواب بھی آپ ہی دیں! میں نے کہا وجہ یہ ہے کہ ہمارا کام خواص میں ہے اور غیر مقلدوں نے کام عوام میں کیا ہے اس لیے غیر مقلدیت عوام میں پھیل گئی۔ علامہ صاحب کی بات بڑے پتہ کی ہے اس لیے اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اکابرین کی کتب کا مطالعہ کر کے ان تحقیقات کو نہایت سہل عوامی انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت پیدا کر کے عوام میں کام کیا جائے۔

حضرت شیخؒ کی پہلی زیارت:

غالباً **1964ء** کی بات ہے دار العلوم عیدگاہ کبیر والہ میں زیر تعلیم تھا، اسباق ہدایہ اول، مختصر المعانی وغیرہ۔ ہمیں پتہ چلا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر جامعہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان تشریف لا رہے ہیں، اور حضرت طلباء سے خطاب بھی فرمائیں گے، ہم چند طلباء حضرت شیخؒ کی زیارت اور بیان سننے کے شوق میں ملتان پہونچے، دور سے حضرت کی زیارت ہوئی، لیکن قریب سے زیارت اور مصافحہ کا شوق باقی تھا، اس جستجو میں لگے کہ بیان کہاں ہوگا؟ پتہ چلا کہ اوپر کی منزل میں خالی کمرہ ہے جہاں بیان ہوگا، ہم اوپر گئے تو انتظام ہو چکا تھا حضرت کے لیے کرسی رکھ دی گئی تھی، ہم وہیں کرسی کے قریب بیٹھ گئے، جب حضرت تشریف لائے تو ہمیں قریب سے زیارت اور مصافحہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی اور ہم قریب بیٹھ کر جی بھر کے زیارت بھی کرتے رہے اور بیان بھی سنتے رہے حضرت والا نے اپنے بیان میں علم دین کے سیکھنے سکھانے کی فضیلت واہمیت پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اس پر زور دیا کہ طالب علم اپنے اندر خوب علمی استعداد پیدا کریں تا کہ اپنے علم کی پختگی اور مضبوط استعداد کے ذریعے فرقِ باطلہ کا مقابلہ کر سکیں، نیز آپ نے فرمایا کہ باطل فرقوں کے رد میں لکھی ہوئی اپنے اکابرین کی کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی ایک فرقہ کے بارہ میں کام

کو متعین کر کے اس میں مہارت تامہ پیدا کریں! اور اگر سب کے متعلق بننا چاہو گے تو کسی کے بارے میں بھی مہارت پیدا نہ کر سکو گے کہ مقولہ مشہور ہے ''من جدللکل فات عند الکل'' جس نے سب کے لیے کوشش کی اس سے سب کچھ فوت ہو گیا۔ مجھے حضرت شیخ کے اس بیان سننے کے بعد فرق باطلہ کے بارے اکابرین کی تصنیفات کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا پھر جوں جوں اکابرین کی کتب دیکھتا گیا توں توں کام کرنے کا ذوق بنتا چلا گیا، آج مسلک کے حوالہ سے تقریر و تحریر کی صورت میں اللہ تعالیٰ اس حقیر پر تقصیر سے جو کام لے رہے ہیں یہ اکابرین کی کتب بینی اور حضرت الاستاد مشفق و مربی حضرت حکیم العصر مولانا عبد المجید صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

بزرگانہ دستِ شفقت:

مسلک کے حوالہ سے چونکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب بہت فکر مند رہتے تھے اس لیے اپنی گوشہ نشینی میں بھی ہندو پاک کے ان افراد کی جستجو رکھتے اور ان کے لیے دعا گو رہتے جو مسلک کے کام میں لگے ہوئے ہیں، جامعہ قاسم العلوم میں حضرت کی زیارت کرنے اور بیان سننے کے بعد عرصہ دراز تک دوبارہ کوئی تعارفی ملاقات و جان پہچان کی نوبت نہیں آئی اس کے باوجود غیر مقلدیت کے محاذ پر کام شروع کرنے کے چھ سات سال بعد جب میں گکھڑ منڈی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں حیران تھا کہ حضرت والا نے نام سنتے ہی مجھے اندر بلا لیا اور ملاقات و مصافحہ کے بعد جب میں نے نیچے بیٹھنا چاہا تو مجھے چارپائی پر اپنے ساتھ بٹھا لیا، فتنۂ غیر مقلدیت اور اس کے خلاف کام کے بارے پوچھتے رہے اور بہت مفید مشورے بھی دیئے۔ میں نے اپنا رسالہ بارہ مسائل حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت دیکھ کر بہت خوش ہوئے، چہرہ جو پھول کی طرح شگفتہ تھا اور کھِل گیا، جب میں واپس آنے لگا تو حضرت والا نے تحفے کی طور پر عطر کا ہدیہ عطا فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا ''مولانا! غیر مقلدیت کا تعاقب نہیں چھوڑنا!'' میں نے عرض کی حضرت! آپ میرے لیے اخلاص، استعداد اور صحت کی دعا فرما دیں، ان شاء اللہ میں ان تعاقب جاری رکھوں گا۔ حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد حاضری ہوئی تو انہی دنوں حضرت کے عزیزوں کو غالباً کار کا حادثہ پیش آیا جس میں ایک صاحب فوت ہو گئے باقی لوگوں کو زخمی حالت میں ہسپتال داخل کیا گیا۔ حضرت والا، مولانا محمد امین صاحب کی وفات کے تذکرے پر فرمانے لگے کہ مجھے اس دوران یہ حادثے کا صدمہ پیش ہے لیکن جتنا مجھے مولانا امین صاحب کے فوت ہونے کا صدمہ ہوا ہے اتنا اپنے عزیز کے فوت ہونے اور دوسرے کے زخمی سے نہیں ہوا۔ یہ تھی حضرت کی مسلک کے کام کرنے والوں پر توجہ اور شفقت۔

دورہ تفسیر کی اجازت:

ہمارے مختلف بزرگوں کے ہاں شعبان، رمضان کی تعطیلات میں دورۂ تفسیر کا اہتما ہوتا تھا، خان پور میں شیخ التفسیر والحدیث مولانا عبداللہ صاحب درخواستی رحمہ اللہ، شجاع آباد میں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ پڑھاتے تھے، گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ دورہ تفسیر پڑھاتے تھے، رحیم یار خان میں مولانا شریف اللہ صاحب۔ ہر ایک کے دورۂ تفسیر کی الگ الگ خصوصیات تھیں، ''ہر گلِ را رنگ و بوئے دیگر است'' لیکن حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا دورۂ تفسیر علمی تحقیقی اور مسلکی بنیاد کے حوالے سے معروف ومقبول تھا، لیکن حضرت درخواستی رحمہ اللہ حضرت بہلوی رحمہ اللہ کی وفات اور حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی علالت کی وجہ سے یہ تفسیری دورے موقوف ہوگئے، بالخصوص مؤخر الذکر دورۂ تفسیر کے موقوف ہونے سے مسلکی حوالے سے بہت نقصان محسوس ہوا، اس لیے دل میں یہ قلق تھا کہ مسلک کی بنیاد پر کسی جگہ دورۂ تفسیر شروع ہونا چاہیے، اس سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے علمی جانشین حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن صاحب سے بات ہوئی لیکن وہ اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے تیار نظر نہ آئے، اسی پیچ وتاب میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس گھمن کو اپنے ہاں دورۂ تفسیر شروع کرنے کی طرف متوجہ کردیا، انہوں نے دورۂ تفسیر کے لیے بندہ عاجز سے رابطہ کیا تو میں نے اپنے استاد ومربی حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم کی اجازت پر موقوف کردیا، مولانا الیاس گھمن نے حضرت حکیم العصر سے درخواست کی تو حضرت نے بخوشی اجازت مرحمت فرمائی، چونکہ مولانا الیاس گھمن صاحب کا حضرت شیخ صفدر رحمہ اللہ کے ساتھ بھی بڑا مضبوط تعلق تھا، اس لیے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور دورۂ تفسیر کی اجازت چاہی اور دورۂ تفسیر کے استاد کے طور پر میرا ذکر کیا تو حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا اور ڈھیروں دعائیں دیں، اگرچہ دارالعلوم کبیر والہ میں اپنے استاد مکرم ومربی حضرت حکیم العصر دامت برکاتہم سے ترجمہ قرآن اور تفسیر پڑھی ہوئی تھی اس لیے میں تعطیلات والے دورۂ تفسیر کی ضرورت محسوس نہ کی، لیکن جب مولانا گھمن صاحب کے ہاں دورۂ تفسیر شروع کرنے کا پروگرام بنا تھا تو جی میں آیا کہ دورۂ تفسیر پڑھانے والی کسی شخصیت سے پہلے رابطہ کرکے ان کی رہنمائی، دعا اور اجازت کے بعد شروع کیا جائے، حضرۃ الشیخ کے ساتھ مسلکی خدمت، دورۂ تفسیر کی مسلکی بنیاد، دورۂ تفسیر کی مقبولیت کے اعتبار سے دل میں حضرت کے ساتھ عقیدت ومحبت کا مضبوط رشتہ جڑا ہوا تھا، اس لیے میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت الشیخ نے بہت دعائیں دیں اور حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی

سند کے ساتھ دورۂ تفسیر کی اجازت مرحمت فرمائی، دورۂ تفسیر ختم کرنے کے بعد تقریباً 20 کے قریب دورۂ تفسیر کے طلباء کی معیت میں حضرت الشیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت بہت خوش ہوئے، بہت شفقت فرمائی، سب کو آب زم زم نوش کرایا اور جب حضرت کے سامنے یہ بات آئی کہ میرے ہاں دورۂ تفسیر میں ترجمہ اور دوسرے تفسیری لوازم کے التزام کے ساتھ ساتھ عقائد ومسلک کے اعتبار سے بھی خوب محنت ہوتی ہے تو اس پر بھی حضرت بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں دی، پھر میں نے حضرۃ الشیخ کی منظوری سے اور حضرت کے دستخطوں کے ساتھ ''رسالہ مسلک علماء دیوبند پر پختہ رہنے کی تلقین کی گئی ہے'' تو حضرت نے فرمایا یہ بہت اچھا کیا ہے اس سے عقائد حقہ کی طرف رہنمائی اور مسلک دیوبند کی تعیین ہوجاتی ہے۔

اجازتِ حدیث:

اسی طرح ایک اور موقع پر سال کے اخیر میں حاضری ہوئی، حضرت کی زیارت اور دعاؤں کی سعادت حاصل کرنے کے بعد اجازت چاہی تو خلافِ معمول حضرت نے فرمایا کہ ابھی ٹھہر جاؤ! کچھ دیر قاری محمد الیاس [مہتمم: مدینۃ العلم فیصل آباد] دورۂ حدیث کے شرکاء سمیت تشریف لے آئے، بعد میں پتہ چلا کہ قاری صاحب نے حضرت سے ختم بخاری کے لیے پرگروام کا تقاضا کیا، حضرت نے اپنی بیماری اور ضعف کا عذر کیا، قاری صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت! اس کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ میں دورۂ حدیث کے طلباء کو لے کر حاضر ہوجاتا ہوں اور حضرت آخری سبق پڑھا دیں، حضرت شیخ نے اس کو منظور فرمالیا، اب مجھے بات سمجھ آگئی کہ حضرت شیخ نے مجھے کیوں فرمایا تھا کہ ٹھہر جاؤ! بیٹھک میں نشست بنی، حضرت الشیخ نے آخری سبق پڑھایا، میں حیران ہوگیا کہ حضرت والا نے اس بڑھاپے اور ضعف کی حالت میں بھی آخری آخری سبق کے متعلق ضروری مضامین بیان فرمائے، پھر ہر ایک سے ایک ایک حدیث سنی، مجھے بھی فرمایا کہ آپ بھی ایک حدیث پڑھ دیں، میں نے ایک حدیث پاک پڑھی تو اس کے بعد آپ نے اجازت حدیث اور اپنی خاص مطبوعہ سند مرحمت فرمائی۔ حضرت شیخ کی اس بزرگانہ شفقت اور اجازتِ حدیث اور سند حدیث کی نعمتِ غیر مترقبہ پر اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا اور حضرت الشیخ کی شفقت اور محبت کو دیکھ کر اکابر کی اپنے چھوٹے پر محبت وشفقت کی کتابی داستان آنکھوں سے نظر آرہی تھی، اور اکابر کے خلق کی پرانی یادیں حضرت الشیخ کے خلق کی صورت میں تازہ ہورہی تھیں، اس لیے اگر میں شیخ صفدر کو علم وعمل، تقویٰ وطہارت، شفقت ومحبت، اخلاق اعمال، حمیت اسلامی، غیرت ایمانی، حفاظتِ دین اور دفاعِ دین کے اعتبار سے نمونہ اسلاف کہوں تو بجا اور اگر عقائد اہل السنۃ والجماعۃ یعنی مسلک دیوبند کے حوالے سے امام اہل سنت اور ترجمان دیوبند کہوں تو بجا۔

مولانا محمد مسعود ازہر مدظلہ

عجائبات کے سمندر

اللہ تعالیٰ کی یہ زمین ''عجائبات'' سے بھری پڑی ہے۔ ہمارے شیخ حضرت اقدس عبدالفتاح ابو غُدّہ رحمہ اللہ نے ایک دلچسپ کتاب تالیف فرمائی ہے۔کتاب کا نام ہے ''**صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم و التحصیل** ''اس کتاب میں انہوں نے ماضی کے علماء کرام کی بلند ہمّتی اور علم حاصل کرنے کی خاطر جھیلی گئی مشقّتوں کو بیان فرمایا ہے۔ یہ کتاب ایمان افروز بھی ہے اور ہمت افزاء بھی۔ اور چونکہ سچے واقعات اور حکایات پر مشتمل ہے اس لئے دلکش بھی ہے۔اس کتاب کے مقدّمے میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ دنیا ''عجائبات'' سے بھری پڑی ہے۔اس پر انہوں نے بہت عجیب وغریب واقعات کو سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے......حضرت شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ کی کتاب اپنی جگہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس زمانے میں ''عجائبات کے ایک سمندر'' کی زیارت نصیب فرمائی ہے...... جی ہاں اللہ تعالیٰ کی مبارک نشانیوں میں سے ایک نشانی امام اہل سنت حضرت مولانا الشیخ سرفراز خان صفدر......نوراللہ مرقدہ......اُن کی پیدائش کا واقعہ بھی عجیب، اُن کا بچپن بھی عجیب، علم کی خاطر اُن کے اسفار اور مشقتیں بھی عجیب، اُن کی علمی صلاحیتیں بھی عجیب، اُن کی تحریریں اور تحقیق بھی عجیب اور اُن کی تدریس وتبلیغ بھی عجیب...... ہمارے ایک پڑوسی ملک میں تو '' آیۃ اللہ'' کا لقب بازار میں بکتا ہے اور ایسے ایسے لوگوں کو آیۃ اللہ کہہ دیا جاتا ہے جو'' آدمی'' کہلانے کے قابل بھی نہیں ہوتے۔لیکن ہمارے حضرت الشیخ سرفراز صاحب رحمہ اللہ واقعی '' آیۃ اللہ'' تھے۔آپ کے والد محترم نے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ساٹھ سال سے زائد عمر میں دوسری شادی کی۔اس عمر میں کم ہی لوگوں کو اولاد نصیب ہوتی ہے۔اور اگر ہو بھی جائے تو بڑھاپے کی اولاد...... جو دھوپ میں بھی مرجھا جائے......مگر یہاں اللہ تعالیٰ کا فضل رہا دو بیٹے ہوئے دونوں ماشاءاللہ جسمانی، قلبی اور ذہنی صحت میں قابل رشک...... بلکہ رشکِ زمانہ......پھر تعلیم کا سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ ''یتیمی'' آ گئی......آقا مدنی ﷺ کے ساتھ اس غیر اختیاری نسبت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب تاثیر رکھی ہے......حضرت شیخ مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے برصغیر کے اولیاء کرام کے حالات زندگی پر ایک کتاب ''تذکرہ اولیاء پاک وہند'' تحریر فرمائی ہے۔اس میں جن بڑے اولیاء کرام کا تذکرہ فرمایا وہ اکثر بچپن میں یتیم

ہو گئے تھے۔اور خود حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ بھی دس گیارہ سال کی عمر میں ''نسبتِ یتیمی'' سے سرفراز ہوئے......

مگر حضرت اقدس مولانا سرفراز صاحب صفدر رحمہ اللہ کی یتیمی بہت سخت اور دلگداز تھی......ایسی یتیمی تو انسان کو لوگوں کی ٹھوکروں اور زمانے کی دھول میں گم کر دیتی ہے......حضرت شیخ کے والد محترم کے انتقال کے بعد آپ کا پورا گھرانہ بکھر گیا۔لوگوں نے مال جائیداد اور زمین پر قبضہ کر لیا۔اور تو اور حضرت شیخ کو رہنے تک کی جگہ نہیں ملتی تھی۔کئی کئی دن اور راتیں مختلف مسجدوں میں قیام کرنا پڑتا تھا......سبحان اللہ ایسے دردناک حالات کی آگ میں سونا کندن بن رہا تھا......اور حضرت شیخ مختلف علاقوں میں علم کی دولت اور موتی چُن رہے تھے......طلبۂ کرام سے گزارش ہے کہ حضرت شیخ کی خودنوشت سوانح دل کی آنکھوں سے پڑھیں۔ حضرت نے تو خود کو چھپا چھپا کر اپنے حالات لکھے ہیں۔لیکن حقیقت میں آپ کے تحصیل علم کا زمانہ طلبۂ علم کے لئے عزم و ہمت کی بہت روشن مثال ہے۔ہم جن تکلیفوں اور مشقتوں کو ایک دن برداشت نہیں کر سکتے، حضرت نے کئی سال تک ان آہن خور شدائد کا نہایت پامردی اور صبر وشکر کے ساتھ مقابلہ فرمایا......اور بالآخر سعادت مندی والا نصیبہ آپ کو دارالعلوم دیوبند لے گیا...... یہاں تک آپ کی زندگی کا ایک باب مکمل ہوتا ہے۔دارالعلوم دیوبند اور پھر آپ عملی زندگی میں آ گئے...... یہاں سے عجائبات کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے شاید ایسے ہی حضرات کے بارے میں کہا ہے۔

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

آپ اپنے گاؤں سے دور گکھڑ (گوجرانوالہ) آ کر بیٹھ گئے۔نہ کوئی خاندانی سہارا اور نہ کوئی سابقہ تعارف......مگر اخلاص تھا، ہمت تھی، محنت تھی......اور علم تھا۔تب دیکھتے ہی دیکھتے آپ کو اللہ تعالیٰ نے ''مرجع الخلائق'' بنا دیا...... اور لوگ دور دور سے اس ''چشمہ شیریں'' سے سیراب ہونے کے لئے آنے لگے......انسان کمزور ہے وہ قلم کی آبرو بچانے میں لگے تو تدریس متاثر ہوتی ہے......اور اگر تدریس کا حق ادا کرے تو قلم پھر صرف طلبہ کی حاضری لینے کے لئے رہ جاتا ہے......مگر یہاں تو عجائبات کا سمندر موجزن تھا۔ تدریس بھی ایسی کہ ماضی کے علمی حلقے یاد آ جائیں......اور تصنیف بھی ایسی کہ ہر کتاب پر اگر دنیا کی بڑی یونیورسٹیاں ''ڈاکٹریٹ'' کی سند دیں تو سند بے چاری کتاب کے سامنے شرمندہ ہو جائے۔ان سب کمالات کے ساتھ گھریلو زندگی بھی بہت عجیب......خود تحریر فرماتے ہیں کہ الحمدللہ میری دونوں بیویاں بہت اتفاق و محبت سے رہتی ہیں اور ایک چولہے پر کھانا پکاتی ہیں......اور پھر اولاد کی تربیت ماشاءاللہ...... پوری اولاد دین

اور علم کے رنگ سے منور......اور آگے اولاد در اولاد یہی سلسلہ...... ماشاء اللہ بارک اللہ۔انسان زیادہ مصروف ہوتا ہے تو اس کی طبیعت میں کچھ تھکاوٹ، اکتاؤ اور خلق سے بیزاری آجاتی ہے......مگر یہاں اس بارے میں بھی معاملہ بہت عجیب ہے۔اعلیٰ درجے کی حقیقی تواضع، مثالی مہمان نوازی...... اور بشاشت نواز خوش اخلاقی......الحمدللہ کئی بار زیارت نصیب ہوئی...... ہر بار آپ کی ان صفات نے بہت متاثر کیا......اللہ تعالیٰ نے چہرے پر ایک خاص نور عطاء فرمایا تھا...... دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ زیارت حرمین کے موقع پر یہ نور بہت چمک اٹھتا تھا اور لوگ دیکھتے ہی رہ جاتے تھے......حضرت شیخ امتِ مسلمہ کے محسن تھے۔پوری زندگی اس اُمتِ مرحومہ کی خدمت کی۔اور جاتے جاتے اس اُمت کے لئے بہت ہی قیمتی سرمایہ چھوڑ گئے......آج جب کہ ہر طرف بدعات اور الحادکی آندھیاں چل رہی ہیں حضرت شیخ کی تصانیف اُمت کے لئے بہترین حفاظتی حصار اور مضبوط قلعہ ہیں......استاذ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالسمیع صاحب شہید رحمہ اللہ طلبۂ علم سے فرمایا کرتے تھے......

''آپ لوگوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے حضرت مولانا سرفراز صاحب صفدر کی کتابیں اچھی طرح سے گھول کر پی لیں پھر انشاء اللہ آگے کے کام آسان ہوجائیں گے......''

اُس وقت تو حضرت شیخ حیات تھے...... ماشاء اللہ زندگی ہی میں اہل علم کے ہاں اتنی ''قدردانی''......یقیناً بہت عجیب ہے۔حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ جیسے اہل علم اہل قلم حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زندگی ہی میں اُن کو حجّت مانتے تھے اور اپنا علمی رہنما قرار دیتے تھے......حضرت شیخ جہاد سے والہانہ محبت رکھتے تھے،اوائل جوانی میں جب زندگی کی پہلی آمدنی ہوئی تو شوق جہاد میں تلوار خریدی......آپ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''طائفہ منصورہ'' میں اہل حق کی دو علامات ثابت فرمائی ہیں(۱) علم (۲) جہاد...... بے شک آج اُمت مسلمہ کو علم اور جہاد کی بے حد ضرورت ہے۔اور علم اور جہاد کے اجتماع سے ہی خلافت قائم ہوتی ہے...... حضرت شیخ کا خواب تھا کہ وہ خلافت کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں......مگر اللہ تعالیٰ اپنے فیصلوں کی حکمت خود ہی جانتا ہے۔حضرت شیخ خلافت کی بنیاد سمجھا کر......اور خوب باسعادت لمبی زندگی گزار کر اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے......اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اُن کے فیض سے محروم نہ فرمائے......اور اُن کے معارف اور علوم سے ہم سب کو خوب خوب استفادے کی توفیق عطاء فرمائے......آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً کثیرا

مولانا محمد ندیم الرشید

اُجالوں کا سفیر

یہ خاندان عشق کے لوگ بھی عجیب ہوتے ہیں، وقت کے الزام سہتے ہیں اور ہنستے رہتے ہیں، دَھن ودولت کے پجاری جسے سر کا تاج بنا رکھتے ہیں یہ اُسے ٹھوکر پہ اُٹھا رکھتے ہیں، نام......شہرت...... دولت...... جاہ...... حشمت......جذبات......خواہشات...... برتری کا احساس......اور فخر وتکبر کے سارے بت ان کے قدموں تلے آ کر مٹی کا ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

دریا کی طرح پُر جوش، مگر سمندر کی طرح خاموش یہ لوگ فطرت کے راز دار ہوتے ہیں، جو نمدیدہ ہوں تو پہاڑوں کے کلیجے منہ کو آئیں اور مسکرائیں تو مادیت کے صحرا میں معصومیت کے ہزاروں پھول کھلائیں۔ان کی روشن جبینوں پہ ثبت سجدوں کے نشان سے برکت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور چشمِ تَر سے وحشت کی زمیں پر خیر کی بارش برستی ہے، تخت نشینوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے والے یہ خاک نشین درباروں میں نہیں لوگوں کے دلوں پہ راج کرتے ہیں۔

رب سے یاری...... اس کے محبوب سے دلداری......مخلوق سے غم خواری...... دنیا سے بیزاری...... اور......آخر شب اللہ کے سامنے آہ وزاری، ان خستہ تنوں کی متاعِ زیست ہوا کرتی ہے، فائیوسٹار ہوٹلوں میں منعقد ہونے والی ایمان فروشوں کی دعوتیں ٹھکرا کے پیاز کے ساتھ خشک روٹی کھا کر کھردری چارپائی پر لیٹنے والے، ستمگروں کے دور میں لیلائے دین کے یہ بیباک مجنوں گمنام سپاہیوں کی طرح اپنے پیچھے داستانیں چھوڑ جاتے ہیں، شجاعت...... بہادری......حق گوئی......اور بیباکی کی ایسی لازوال داستانیں جنکے ہیروز اپنے سنہری کارناموں کے باوجود اہلِ دنیا سے کبھی کسی مفاد، اعزاز، فلیگ، سلوٹ، میڈل، خطاب، تمغے، مرتبے، عہدے اور خراجِ تحسین کی تقریبات کی فرمائش نہیں کرتے۔

اہلِ دل میں سے بھلا کون ہوگا جس نے سرہند شریف...... تھانہ بھون...... رائے پور...... امروٹ شریف...... واں بَھچراں...... دین پور شریف...... موسیٰ زئی ...... خانقاہ سراجیہ...... ہالیجی شریف...... مسکین پور شریف......دارِ بنی تمیم (بہاولپور) کے خدا مست فقیروں کے افسانے نہ سُنے ہوں گے!!

بزمِ جنوں کے دیوانے آج بھی تو...... بالاکوٹ......شاملی...... ریشمی رومال...... کالا پانی...... گوانتا نامو بے......ابوغریب......کوٹ بھلوال......دشت لیلیٰ......گولڑہ موڑ......اور......لال مسجد کے مقام پر فائز ہونے

میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

یہی وہ خاندانِ عشق ہے جس کا ہر فرد تَن پہ خلوص کی قَبا ء......شانوں پہ للّٰہیت کی رِداء...... چہروں پہ تقویٰ کی ضیاء......آستینوں میں یدِ بیضاء......اور......قلب میں ''الا اللہ'' کی صدا رکھتا ہے۔

آہ! اس مقدس خانوادے کا ایک عظیم بزرگ چند دن پہلے ہمیں بھری دنیا میں تنہاء چھوڑ گیا۔

5 مئی 2009ء بروز منگل کی رات ساڑھے تین بجے بڑے استاد جی کے حکم پر جب میں دورہ حدیث کے طلباء کو بیدار کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو اپنے شیخ اور مربی استاذ، (ولی ابن ولی، شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ بن مجاہد ختم نبوت حضرت اقدس مولانا محمد شریف صاحب بہاولپوری رحمہ اللہ) کے گلاب چہرے کو رنج کے اثرات سے کملائے ہوئے پایا، دِل میں فوراً ہی پریشانی کا تیر ترازو ہو گیا، باوجود کوشش کے پوچھنے کی ہمت نہ کر پایا، بوجھل قدموں کے ساتھ وضو کرنے کے لیے جیسے ہی نل کے پاس پہنچا، عقب سے میرے عزیز دوست سرفراز حسن حمزہ احسانی نے میرے شانے پہ ہاتھ رکھ کر متوجہ کرتے ہوئے کہا......ندیم بھائی!......دادا ابو وفات پا گئے ہیں!......کیا......؟؟...... مجھے زمین گھومتی محسوس ہوئی، کچھ دیر میں جب طبیعت ذرا سنبھلی تو ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھنے کے بعد منہ سے یہ بات نکلی ''شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آزمائش آنے والی ہے، کیونکہ ان بزرگوں کا وجود دنیا میں خیر وبرکت کا باعث ہوتا ہے، جس کی وجہ سے بہت سارے فتنے دبے رہتے ہیں، لیکن جب اللہ کے ایسے مقرب بندوں کو اُٹھا لیا جاتا ہے تو ان کے وجود کی برکت اُٹھ جانے کی بناء پر کسی نہ کسی فتنے کا دروازہ کھل جاتا ہے، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

کچھ دیر بعد کمرے میں لوٹ کر آیا تو دماغ کی سکرین پر ماضی کی یادوں کے کچھ نقش اُبھرنے لگے، قاری عمران شاہد صاحب...... گوجرانوالہ کے محترم عالم دین، جامعہ نصرۃ العلوم کے مدرس، مولانا قاری عبید اللہ عامرؔ کے چھوٹے بھائی......میرے ہم سبق اور بے تکلف دوست......دارالعلوم مدنیہ میں وہی پہلا شخص تھا جس نے اولیٰ والے سال حضرت شیخ (امام اہل السنۃ، آبروئے دیوبند، حضرت مولانا علامہ محمد سرفراز خان صفدر) رحمہ اللہ کی شخصیت سے مجھے متعارف کرایا....جس سے میں غائبانہ طور پر حضرت شیخ کا گرویدہ ہو گیا اور میرے دل میں اُس نادر روزگار ہستی کی زیارت کا شوق اُبھرنے لگا۔

آخر اللہ نے میری سُن لی، اور حضرت شیخ کی زیارت کا موقع نصیب فرمایا، 6 مارچ 2004ء کو مولانا مفتی مظہر اسعدی مدظلہ (مدیر: جامعہ اسعد بن زُرارہ، بہاولپور) کی کاوشوں سے بہاولپور کی سرزمین پر ملت اسلامیہ کے لیے دی جانے والی حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی عظیم علمی، دینی، روحانی، سیاسی، سماجی اور بین الاقوامی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے عظیم الشان ''شیخ الاسلام سیمینار'' کا انعقاد کیا گیا، جس میں خاص طور پر شیخ مدنی نور اللہ مرقدہ کے تلامذہ کو مدعو کیا گیا۔

برصغیر پاک وہند کے کبار علماء، مشائخ، مجاہدین اور دینی مدارس کے طلباء کا پر کیف، روح پرور اور ایمان افروز اجتماع، سٹیج پر موجود، اپنے محبوب استاد کا پرنور تذکرہ کرتے اور اُن کے عظیم الشان، بے مثل کارناموں کی ضیاء بکھیرتے......آفتاب چہرے......آسمان ولایت پہ روشن......مہتاب چہرے......عرفان کی شبنم میں بھیگے......گلاب چہرے......مسلکی حمیت سے بے قرار......سیماب چہرے......شیخ مدنی رحمہ اللہ کی یادگار......لاجواب چہرے...... اور......نور کی بارش میں دُھلے......شاداب چہرے......انہیں چہروں میں قائدانہ شباب سے بھرپور ایک شہباز چہرہ جو نمایاں نظر آتا تھا وہ ہمارے امام اہل السنۃ علیہ الرحمۃ کا تھا۔

سیمینار کے اگلے روز ہمارے بخت نے پھر یاوری کی، حضرت شیخ صفدر رحمہ اللہ اور حضرت صوفی سواتی رحمہ اللہ ہر دو شخصیات نے بہاولپور کی عظیم دینی درسگاہ ''دارالعلوم مدنیہ'' میں قدم رنجہ فرمایا، حضرت امام صاحب رحمہ اللہ ضعف کی بنا پر گاڑی ہی میں تشریف فرما رہے، اور مجھے اُنہیں ناشتہ کرانے کی سعادت نصیب ہوئی، دعا کی درخواست کی تو فرمایا ''اللہ آپ کو عالم باعمل بنائے'' میں سمجھتا ہوں اُن کی یہ دعا میرے لیے سرمایۂ حیات ہے۔ آپ کے جانے کے بعد دِل کی جو کیفیت تھی بقولِ شاعر کچھ ایسی ہی تھی

؎ نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں

دوسری مرتبہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زیارت کا شرف فروری 2007ء میں حاصل ہوا، جب بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں سالانہ پنجاب اسٹوڈنٹس کنونشن کے موقع پر پورے پنجاب کی یونیورسٹیز اور بعض دینی مدارس کے مابین تقریری مقابلے کے فائنل راؤنڈ کے لیے ''بین المذاہب مکالمہ امن وسلامتی کا راستہ'' کے عنوان پر تقریر کی تیاری کے سلسلے میں استاد المکرّم حضرت اقدس مولانا زاہد الراشدی دامت برکاتہم العالیہ اور استاد المکرّم حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری کی غرض سے گوجرانوالہ اور پھر گجرات کا سفر کیا، گجرات کی طرف جاتے ہوئے عزیز دوست عمران شاہد کے ہمراہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں گکھڑ حاضر ہوا۔

تیسری اور آخری مرتبہ حضرت شیخ کے پوتے حمزہ اور انس کے ہمراہ گکھڑ پہنچا، آخری ملاقات میں حضرت نے خصوصی شفقت فرمائی، سر پر تین بار ہاتھ بھی پھیرا اور دعا بھی دی۔

آپ کی زیارت اور شخصیت وکردار کے مطالعہ ومشاہدہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ آپ کا وجود مسلک دیوبند کے متعلقین کے لیے سایہ عافیت اور باعثِ رحمت ہے، کیونکہ آپ کے حالات زندگی اور خدمات کا جائزہ لینے سے آدمی کے دِل میں اپنے اسلاف کی محبت، عظمت اور اُن پر اعتماد میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔ آپ کے علم کو دیکھ کر دِل میں خیال آتا جب آپ کا یہ عالم ہے تو حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، شیخ الہند، حضرت مدنی اور علامہ انور شاہ کشمیری اور دیگر اکابرین رحمہم اللہ کا مقام جانے کیا ہوگا؟

آپ کا تقویٰ......آپ کی شرافت......آپ کی فہم وفراست......آپ کی تقریر......آپ کی سیاسی بصیرت......آپ کا فہم حدیث......آپ کی نشست وبرخاست......آپ کا فہم قرآن......آپ کی تواضع......مسلکی حمیت......آپ کی سادگی......آپ کی حق گوئی وبیباکی......آپ کی شجاعت......آپ کی تدریس......آپ کی قائدانہ صلاحیت......فرق باطلہ کے خلاف آپ کا زورِ استدلال اکابر کے فیوض وبرکات، فلاح وہدایت کا پرتَو ہے۔گویا ''آپ علم وتقویٰ کے فیضان کا وہ چشمہ تھے جس کا سرچشمہ اکابر کی ذات تھی۔''

یہی وجہ ہے کہ فکرونظر کے اڑیل گھوڑوں اور کفر کے آلہ کاروں نے جب کبھی اِسلام یا اسلامی تعلیمات اور علومِ نبوت کے نور کو بجھانے کی کوشش کی تو یہ درویش مشعلِ ہدایت لے کر آگے بڑھا اور خرمنِ باطل کو اسی وقت پھونک کر ہمیشہ کے لیے جلا کر راکھ کر کے چہار سُو ہدایت کی کرنیں پھیلا دیں۔

چنانچہ جب طاغوت کے آلہ کاروں نے حجیت حدیث کے نور کو بجھانا چاہا......یا اہلحدیث کے نام پر غیر مقلدیت کی تاریکی پھیلانا چاہی......یا مرزائیت کی صورت میں قصرِ نبوت کی روشنیاں گُل کرنا چاہیں......یا اپنے مکروہ چہرے اصحابِ پیمبر کی طرف موڑنے کی کوشش کی......یا بدعات کی کالی چادر کے ذریعے ایمان والوں کے روشن ضمیروں سے توحید وسنت کا نور بجھانا چاہا تو اُجالوں کے اِس سفیر نے ''شوقِ حدیث''......''الکلام المفید''...... ''مقالہ ختم نبوت''......''ارشاد الشیعہ''......اور ''راہِ سنت'' کی مشعلیں جلا کر باطل کی سازشوں کو ناکام بناتے ہوئے ہر سمت نورانی اُجالا کر کے بدعات کی گھٹاؤں سے مطلع اسلام کو پاک کر دیا۔

آخر اس نفسِ مطمئنہ کا سفر تمام ہوا، کل نفس ذائقة الموت ۔وہ ہمیں چھوڑ کر شہر جاناں کی پرسکون ٹھنڈی، اور خوشبو میں بسی ہواؤں کی طرف جی لگا گیا، پہاڑوں کی طرح بردبار لوگوں کی آنکھیں بھی آج نم ہیں

جن گلین میں پہلے دیکھی لوگن کی رنگ رلیاں تھیں
پھر دیکھا تو اُن لوگاں بن سونی پڑی سب گلیاں تھیں
ایسے اکھیاں میچ پڑے ہیں کروٹ بھی نہیں لے سکتے
جن کی چالیں البیلی اور چلنے میں چھل بلیاں تھیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ صحنِ شیخ کا ہر سرو ومینارہ اور ہر پھول جوالہ ہے، لیکن اس عندلیب کا کیا ہوگا جو فراق کی رُت میں اداسی کی طویل رات سے گھبرا کر شاخ صفدر پہ آ بیٹھے گی اور پھر اُجالوں کے سفیر کو یاد کر کے یہ المیہ گنگنائے گی

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے
تری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

مولانا محمد عمر قریشی مدظلہ

ایک ہمہ جہت شخصیت

مت التقی حیات لانفاذ لها قد مات قوم وهم فی الناس احیاء

امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی سوانح حیات اور اُن کے زریں کارناموں کے لئے بڑے بڑے دفتر بھی ناکافی ہیں آپ قافلۂ اہل حق کے جانباز جرنیل اور علمِ حدیث کے اُفق پر درخشندہ ستارہ کی مانند بین الاقوامی شخصیت تھے، سلاطین علم کو کئی مرتبہ ان کے حلقۂ درس میں تشنگی بجھاتے ہوئے دیکھا، آپ علم وعمل زہد وتقویٰ ایثار وہمدردی کے مجسم پیکر تھے، اخلاق وانسانیت کا مظہر اور سلف صالحین کی ایک زندہ یادگار تھے جن کا ہمسر مثل وعدیل صدیوں میں میسر آنا مشکل ہے۔

مجھے اولاً شرفِ ملاقات 1980ء میں اس وقت نصیب ہوا جب بندہ بمقام جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاون کراچی دورہ حدیث شریف میں تھا جامعہ میں شب وروز کبار علماء، اولیاء کا ورود مسعود ہوتا رہتا تھا وقتاً فوقتاً منتہی طلباء میں بزرگوں کا خطاب بھی ہوجاتا خوش قسمتی سے حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ (جو کہ حج کے مبارک سفر پر تھے) جامعہ تشریف لائے اعلان کیا گیا کہ پہلے پہر کی آخری گھنٹی میں دورہ حدیث اور موقوف علیہ کے طلباء دار الحدیث میں جمع ہوجائیں حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ خطاب فرمائیں گے سب طلباء برسرِ راہ نظریں بچھائے ہوئے ایک جلیل القدر شخصیت کے منتظر تھے کہ سب سے آگے جامعہ کے مدیر حضرت اقدس مفتی احمد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ ان کے جلو میں حضرت شیخ الحدیث مفتی اعظم مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی رحمہ اللہ استاذ الکل محدث جلیل حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ تھے اور ان کے پیچھے سیاہ رنگ کی پشاوری لنگی (عمامہ) زیب سر کیے ہوئے حضرت امام اہل السنۃ والجماعۃ مرحوم، ان کے پیچھے جامعہ کے تمام اساتذہ دار الحدیث میں داخل ہوئے تو ایک عجیب ہیبت علمی دبدبہ ورعب کے سبب پورا ماحول دم بخود ہو کے رہ گیا اس تقریب کی خاص بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ ''جتنی بڑی قد آور شخصیات بھی طلباء کو خطاب کے لیے تشریف لاتیں حضرت الاستاذ مولانا محمد ادریس میرٹھی تلمیذِ خاص سید المحدثین حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ شریکِ محفل نہ ہوتے'' حتی کہ مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تشریف لائے خطاب فرمایا۔ پورے جامعہ کو دلہن کی طرح سجایا گیا خیر مقدمی بینر

آویزاں کیے گئے والہانہ طور پر شایانِ شان استقبال کیا گیا مگر استاذیم حضرت میرٹھی باقی پروگرام میں شریک ہونے کے باوجود بوقت خطاب شریک نہ ہوئے مگر آج خلافِ معمول ہم نے دیکھا حضرت میرٹھی رحمہ اللہ اسٹیج پر تشریف فرما ہیں جو ہمارے لیے انتہائی مقام حیرت تھا اس پروقار علمی تقریب کا افتتاح حضرت الشیخ ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مدظلہ، ناظمِ تعلیمات: جامعہ (اب تو بحمد اللہ شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں) کے فصیح و بلیغ عربی میں مسجی مکفی خطبہ استقبالیہ سے ہوا کچھ دیر کے بعد حضرت والا کا اعلان کیا گیا اور دعوت خطاب دی گئی۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! جس انداز اور دبج سے شیخ وقت نے مائیک سنبھالا وہ منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے درمیانہ قد (مائل بطول) بارعب چہرہ موٹی آنکھیں، ان پر خوشنما پلکیں، کشادہ پیشانی، متناسب اعضاء، مضبوط جسم، سینہ تک بھرنے والی داڑھی مبارک، زیرلب کچھ بالوں میں چاندی، سفید لباس میں ملبوس، سیاہ رنگ کی پشاوری لنگی (عمامہ) زیبِ سر کیے ہوئے ہنس مکھ انسان نے جس کے چہرہ پر سکینت واطمینان کے آثار نمایاں تھے پوری علمی آب وتاب کے ساتھ خطبہ مسنونہ سے گفتگو کا آغاز فرمایا۔ ہمارا بچپن تھا مگر ایک بات اس وقت بھی اور آج بھی محو حیرت کیے ہوئے ہے کہ کلام میں تسلسل، ہر بات با حوالہ، بلا کا حافظہ، علمِ حدیث کی لاینحل گتھیاں سلجھانے کا آسان انداز دیکھ کر طلباء تو خیر طلباء تھے استاذِ حدیث اور جبالِ علم بھی دادِ تحسین دے رہے تھے مگر وہ فکرِ قاسمی، فقہِ گنگوہی، نمرِ محمود (شیخ الہند)، علومِ مدنی، فنونِ بلیاوی، فہمِ دہلوی، فراستِ عثمانی، اور سیاستِ اہل حق کا امین بڑی خوش اسلوبی سے حاضرین کے اذہان وقلوب میں سلف کی علمی امانت منتقل فرما رہا تھا۔ سوا گھنٹے پر محیط پر کیف محفل حضرت شیخ الحدیث مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی پرخلوص دعا پر اختتام پذیر ہوئی مصافحہ کی سعادت نصیب ہوئی اس طرح یہ میری آپ رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات تھی۔

دوسری ملاقات 1989ء میں شہر گوجرانوالہ جامع مسجد ختمِ نبوت میں اس وقت ہوئی جب بندہ تبلیغی پروگرام کے سلسلہ میں وہاں حاضر ہوا تو حضرت رحمہ اللہ نے بعد نماز مغرب تا عشاء ''**لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم**'' [الآیۃ] تلاوت فرما کر تفسیری موتی بکھیرے۔

اختتام درس پر ملاقات ہوئی بلکہ ازراہِ شفقت بالائی حصہ پر خود تشریف لائے تعارف ہوا تو وہی بڑوں کا سا بڑا پن، انتہائی نوازش سے زیر درس اسباق کا استفسار فرمایا بندہ نے گذارش کی تو آپ نے دعائیں دیں پھر باتوں باتوں میں حضرت اقدس والد گرامی قدر استاذ المناظرین شیخ طریقت حضرت العلامہ مولانا دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر آیا تو پھر حضرت شیخ الحدیث نے کچھ ماضی کی یادیں تازہ فرما دیں حضرت والد صاحب سے ملک مختلف علاقوں میں تبلیغی اسفار کا ذکر فرماتے ہوئے فرمانے لگے جب میں نے حضرت قریشی صاحب کا پہلا بیان سنا تو میں نے کہا عمدہ خطیب ہیں، جب ان کی تصنیف ''براہین اہل السنۃ''

دیکھی تو میں نے اندازہ کیا آپ محقق عالم دین ہیں، جب ''اہل السنۃ پاکٹ بک'' دیکھی تو اندازہ ہوا آپ باریک بین عالم ہیں اور جب ''جلاء الاذہان'' کا مطالعہ کیا تو آپ کے عمیق علم کا معترف ہونا پڑا دعائیں دیکر آپ گکھڑ تشریف لے گئے۔

تیسری ملاقات 13 ستمبر 2005ء کو ہوئی جب آپ بستر علالت پر تھے برادرم مولانا گلزار صاحب آزاد خطیب جامع مسجد ختمِ نبوت گوجرانوالہ بھی ساتھ تھے آپ نے ملتے ہی بندہ کے تفصیلی حالات پوچھے مدرسہ مسجد طلباء اسباق کے متعلق معلوم فرمانے کے بعد بڑے دکھ سے فرمانے لگے میرا حافظہ بہت زیادہ کمزور ہوگیا ہے یہ سن کر مجھے قلبی دکھ ہوا کہ اتنے بڑے محدث کا حافظہ کمزور ہونا کہیں ہم جیسے طالب علموں کے لیے محرومی کا سبب نہ بن جائے خیر باتیں ہوتی رہیں میں نے آپ کی طبیعت میں انبساط دیکھ کر صرف اتنی گذارش کی کہ حضرت ابونعیم رحمہ اللہ کے متعلق............ ابھی جملہ پورا نہ کر پایا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس کا نام فضل بن دکین ہے امام بخاری دو مقامات پر اس سے روایت لائے ہیں ایک کتاب العلم میں اور دوسری کتاب الطلاق میں لوگ کہتے ہیں یہ شیعہ تھا مگر یہ اثنا عشری نہ تھا۔'' اللہ اللہ! میں انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا ابھی تو حافظہ متاثر ہے پھر بھی نام یاد ہے روایت کے مقام یاد ہیں اور پھر میرے ذہنی اشکال کو سمجھ کر جواب بھی مرحمت فرمادیا۔

یادایامے درکویت مکانے داشتم ہمچو بلبل درگلستان آشیانے داشتم

اس موقع پر آپ نے حدیث کی اجازت دیکر شہادت (سند) بھی مرحمت فرمائی اور شرف تلمذ سے نوازا۔

چوتھی ملاقات بھی 2006ء میں آپ کے دولت کدہ میں ہوئی میرے ہمراہ خطیب اسلام حضرت مولانا قاری محمد امداد اللہ صاحب قاسمی خطیب جامع مسجد حمزہ برمنگھم یو کے اور عزیز القدر مفتی محمد صادق صاحب (کوٹ ادو) تھے۔ شیخ رحمہ اللہ نے انتہائی شفقت ومحبت اور دعاؤں سے نوازا ایک اعتبار سے یہ آخری ملاقات تھی۔

نظر میں ہے اب تک وہ رنگین زمانہ نشیلا نشیلا سہانا سہانا

پھر جنازہ میں شرکت کا موقع میسر آیا جہاں علماء، قراء، فقراء، حفاظ ومحدثین، مفکرین، اساتذہ وتلامذہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اپنے شیخ کا آخری حق ادا کرنے اور اپنے رب کے حضور انکے اخلاص وللّٰہیت کی گواہی دینے کے لیے حاضر تھا۔

بیٹھا ہوں مست وبیخود خاموش ہیں فضائیں کانوں میں آرہی ہیں بھولی ہوئی صدائیں

دموع العین فاضت من عباد　　　　واظلمت المدارس فی البلاد

حاصل ملاقات:

چند ملاقاتوں، آپ کی مصنفات کی ورق گردانی، اور آپ کے متعلق اساتذہ سے سنے واقعات کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت امام اہل السنۃ والجماعۃ اس دور کی عظیم المرتبت اور مقبول ترین ہستی تھے۔ علم وعمل کے مہر عالم تاب تھے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی قدس سرہ کے صحیح علمی وارث، علم اخلاق اور روحانیت کی مرکزی شخصیت تھے۔ ان کی ذات گرامی بلا امتیاز خواص وعوام کا مرجع ومآب تھی۔ پون صدی کے قریب دینی مذہبی قومی اور سیاسی تاریخ حضرت والا سے وابستہ ہے۔ ان کے مجاہدانہ کارنامے، تعلیم وتصنیف، ارشاد وہدایت کے زریں خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ ان کی ایک زندگی میں بہت سی زندگیاں جمع تھیں۔　　　ولیس علی اللہ بمستنکر　　　ان یجمع العالم فی واحد

ہمہ جہت شخصیت:

گویا آپ ہمہ جہت شخصیت تھے، ایثار و ہمدردی کا مجسم پیکر، خلقِ عظیم کا مظہر، جامعیت علم وفنون، زہد وتقویٰ، مجاہدانہ عزم وعمل میں اسلاف کے صحیح جانشین تھے۔ جب میں حضرت الشیخ رحمہ اللہ کے متنوع علمی کمالات، وباطنی مقامات، بیشمار محاسن اعمال، منفرد بلندی اخلاق وکردار، پر غور کرتا ہوں تو مجھے حضرت کی زندگی کے تین پہلو نظر آتے ہیں (۱)......تدریس (۲)......تصنیف (۳)......سیاست۔

تدریس میں شان محدثانہ:

یوں تو بحمد اللہ آپ کو تمام علوم وفنون میں کمال حاصل تھا مگر علمِ حدیث میں امتیازی مقام کے سبب حضرت شیخ الحدیث کے لقب سے اتنے مشہور ہوئے کہ جب بھی کوئی عالم ''حضرت شیخ الحدیث مدظلہ'' فرماتا تو فوراً ہی ہر خاص وعام کے ذہن میں حضرت رحمہ اللہ کا تصور آجاتا۔ گویا ''شیخ الحدیث'' آپ کا علم بن گیا تھا۔ عموماً قرأتِ حدیث کے بعد رُواۃِ حدیث پر فنِ اسماء رجال کی حیثیت سے ماہرانہ بحث فرماتے، مناسب موقع پر رُواۃ کے حالات بھی بیان فرمادیتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے جس نفسِ قدسی کا ذکر آتا مختصراً اُن کی خصوصیات ذکر فرماتے۔ متن حدیث کا مفہوم آسان انداز میں ذہن نشین فرمانے کے بعد حدیث کے مراتب (صحیح حسن وغیرہ) بیان فرماتے، صرفی نحوی لغوی تحقیق بیان کرنے کا انداز بڑا دل نشین تھا، فنِ حدیث کی اصطلاحات کی تشریح، علل احکام، امورِ شرعیہ کے عقلی ومشاہداتی دلائل، وجہ تخصیص مذاہبِ ائمہ اربعہ، فرقِ حقہ وباطلہ کے عقائد کی تشریح مع دلائل، احوالِ ائمہ حدیث، شرائط معمول بہا محدثین، تراجم ابواب سے احادیثِ مرویہ کی مطابقت، مختلف فیہ مسئلہ میں اختلافِ ائمہ مع ادلہ بیان کرنے کے بعد مذہبِ

حنفی کو قوی دلائل سے مزین کرنے میں طحاویٔ وقت تھے۔آپ کی تقریرِ حدیث سننے کے بعد یہ یقین ہو جاتا کہ واقعی مذہبِ حنفی احادیث نبویہ کے بالکل مطابق ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو تفقہ فی الدین میں دستگاہِ کامل حاصل ہے۔

صدرِ خاصاں در معارف در علوم مسند آراء حدیث مصطفیٰؐ

در مکارم در شمائل منفرد بر تو اخلاق ختم الانبیاء

میدانِ تصنیف میں ثانیٔ حکیم الامت:

ابناءِ دار العلوم دیوبند شریف میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت سیدی وسندی حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے بعد قریب زمانہ میں ہمارے ممدوح ومخدوم حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کو میدان تصنیف میں جو قبولیت تامہ وعامہ نصیب فرمائی بس وہ انہیں کی قسمت تھی۔کونسا مبتدع یا بدعتی فرقہ ہوگا جس کے خلاف قلمی جہاد میں حضرت سباق الغایات نہ ہوں؟ سادہ مگر دل نشین اندازِ تحریر، مضامین میں تسلسل کے ساتھ متانت، شیخی وشوخی، تعلّی وتکبر سے پاک وصاف قلم میں اپنی مثال آپ تھے۔عموماً کسی بھی فرقہ ضالہ کے جواب میں لکھی جانے والی کتاب وتحریر کو آپ دیکھیں تو ضرور کہیں نہ کہیں مؤلف کے طرزِ تخاطب میں سختی محسوس فرمائیں گے اور کسی حد تک یہ اس کی مجبوری بھی ہوتی ہے۔مگر حضرت مرحوم کی بیسیوں کتب کو پڑھیں کہیں بھی اس قسم کی بات کا احساس نہیں ہوتا بلکہ شائستگی، دیانت وامانت خلوص پر مبنی اصلاحی جذبات کار فرما نظر آتے ہیں۔الغرض نوک قلم ان تمام خوبیوں سے متصف تھا جس پر ناقد قاری کی نظر ہوتی ہے۔

اکابر کا اعتماد:

جن چند اشخاص نے اہل السنۃ والجماعۃ کے قرآن وحدیث سے مبرہن ومدلل اجماعی عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام کا انکار کر کے امت میں اختلاف وانتشار پیدا کرنا چاہا تو اس وقت کے جید علماء کرام، محدث جلیل حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ (اکوڑہ خٹک)، شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، شیخ العلماء حضرت مولانا خان محمد صاحب آف کندیاں، زبدۃ المحدثین حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کی نظر انتخاب نے حضرت امام اہل السنۃ والجماعۃ کو منتخب فرمایا کہ وہ اس موضوع پر مسلک حقہ کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے محققانہ کتاب علمی دستاویز مرتب فرمائیں اور آپ نے "تسکین الصدور" لکھ کر امت پر احسانِ عظیم فرمایا جس پر دیگر مشائخ عظام کی تصدیقات کے ساتھ میرے والد گرامی قدر علامہ دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ کی تصدیق بھی

موجود ہے۔

تو ہے اک مرکز تکمیل نگاہ امید　　دیکھتی رہتی ہے منہ چشم تمنا تیرا

سیاستِ اسلامیہ:

برصغیر پاک وہند میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ (متوفی 1034ھ) کی تحریک احیاءِ دین سے ہوا آپ کے بعد منصبِ تجدیدِ دین کی قباءِ خاص حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (متوفی 1176ھ) کو عطا کی گئی ان کا فیض سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ (متوفی 1239ھ) کی شکل میں جلوہ گر ہوا جن سے مجدد اسلام سید احمد شہید (متوفی 1246ھ) نے روشنی حاصل کی ان کے بعد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ (متوفی 1297ھ) اور قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمہ اللہ (1323ھ) نے زمام کار سنبھال کر عالم اسلام کو منور فرمایا۔

ان کے فیض صحبت سے ایک اور بلند وبالا شخصیت معرض وجود میں آئی جسے دنیا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ (متوفی 1339ھ) کے مبارک نام سے جانتی ہے آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد شیخ الاسلام والمسلمین حضرت الشیخ مولانا حسین احمد مدنی (متوفی 1377ھ بمطابق 1957ء) نے خداداد صلاحیت وتوفیق ایزدی سے خلف الرشید ہونے کا حق ادا فرمایا۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت سے ایک قافلہ اہل حق پیدا ہوا جن میں سے ایک ہمارے ممدوح ومخدوم امام اہل السنۃ والجماعۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ (متوفی 2009ء) تھے گویا تحریک حریت اسلام آپ کو گھٹی میں پڑی تھی۔ آپ نے پوری زندگی جمعیت علماء اسلام کی سرپرستی فرمائی اگر کبھی کہیں کسی موڑ پر فکری وجماعتی وحدت کو خطرہ لاحق ہوتا تو اس کی آخری امیدِ اصلاح آپ کی ذات والاصفات ہوتی۔

اکابر پر اعتماد:

ناظرین مکرم! عام طور پر جب انسان علمی اعتبار سے علمی بلندیوں کے اوج کمال کو چھونے لگتا ہے تو افراط وتفریط کا شکار ہوکر رہ جاتا ہے (الامن رحم ربی) مگر لائقِ صد تحسین تھے حضرت شیخ الحدیث جو علم وفضل میں کمال حاصل کرنے کے باوجود اکابر علمائے دیوبند کے مسلک ومشرب سے سرمو انحراف تو جائے خود بلکہ کماحقہ وکالت فرمائی اور وکالت کا حق ادا کیا۔　ع　یہ مرتبہ بلند ملا جسے مل گیا

میں اپنے معروضات ان گلہائے عقیدت پر ختم کرتا ہوں

سلام اے نازشِ محمود و قاسم، انور و اشرف
جوابِ رومی و فخرِ بخاری اشکِ شیرازی
سلام اے ترجماں فاروقی و امداد گنگوہی
ترے دم سے ہی زندہ تھی غزالی کی تگ وتازی
سلام اے قُلزم علم و عمل اے سید ثانی
تری مرہون منت ملک وملت کی سرفرازی
تری محفل ہمیشہ طالبانِ حق کا گہوارہ
وہ ہندی ہوں ایرانی ہوں حجازی ہوں یا افغانی
ترے خِرمن کے خوشہ چیں بقدرِ وسعتِ دامن
فقیہ ومفتی وقاضی محدث، عارف و غازی
چمن والو! نہ جانے اور کیا کیا پھونک ڈالے گی
فلک کی شعلہ ریزی ،برق پاشی ،برق اندازی

مہمان کے اکرام میں کھڑے نہ ہونے پر جھڑکنا

ایک دفعہ گکھڑ کے ہی حاجی نذیر صاحب حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے، حضرت خود چارپائی پر بیٹھے تھے، حاجی نذیر صاحب نے حضرت سے مصافحہ کیا، حضرت کے کمرے میں چند اور مہمانوں کے ہمراہ مولانا عزیز الرحمٰن شاہد بھی موجود تھے چونکہ حاجی نذیر صاحب گکھڑ سے ہی تشریف لائے تھے اور وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے تھے۔ مولانا عزیز الرحمٰن مہمان کے اکرام میں کھڑے ہو کر نہیں ملے، بلکہ بیٹھے بیٹھے ہی مصافحہ کر لیا اس پر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد کو جھڑکا اور غصہ بھی ہوئے اور یہ حدیث مبارک پڑھی۔ ''من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا'' ''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں''، پھر حضرت نے فرمایا مولانا! حاجی صاحب آپ سے بڑے ہیں آپ کو اٹھ کر ملنا چاہیے تھا۔

(ماہنامہ ''ھدی للناس'' گوجرانوالہ)

مولانا مفتی شیر محمد مدظلہ

قافلہ اہل حق کی نشانی

ہمارے اکابر کا ایک خاص طرہ امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے ہر مسئلے کی انتہائی تحقیق کے بعد اس کو اپنایا، مگر پھر بھی بتقاضاء بشریت اگر کوئی کوتاہی ہوگئی اور بعد میں از خود یا کسی کے توجہ دلانے پر حقیقت واضح ہوگئی تو اپنی بات پر ڈٹنے کی بجائے ان حضرات نے حق کو قبول فرمایا اور اپنی بات سے رجوع کرلیا، چنانچہ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ہاں دو سلسلے قائم تھے اور ان کی وقتاً فوقتاً اشاعت ہوتی رہتی تھی [۱] تصحیح اغلاط [۲] ترجیح الراجح۔ اور پھر اپنی اصل کتابوں میں اس کی نشاندہی فرمادیتے کہ پہلے اس طرح لکھا گیا تھا اب اس کی اصلاح کر کے یوں کردیا گیا ہے۔

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے ''اختیار الصواب'' کے عنوان سے بعض مسائل سے رجوع فرمایا۔

اسی سلسلہ ذہبیہ کی ایک کڑی، موجودہ دور کے علماء کے سرخیل، امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ بھی تھے کہ آپ نے اکابر دیوبند کا دفاع اور ان اہل حق کے مسلک کی ترجمانی کا حق ادا کرتے ہوئے مختلف عنوانات پر گراں قدر قیمتی اور تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جب جناب کی کتاب ''ارشاد الشیعہ'' شائع ہوئی تو اس میں ایک فروگزاشت ہوئی کہ ''کتاب ''تحفہ اثناء عشریہ'' کے بارے میں لکھا کہ یہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی کتاب نہیں ہے بلکہ حضرت شاہ صاحب کی مصدقہ ہے'' تو اس پر احقر نے حضرت کو عریضہ لکھا اور حقیقت حال واضح کی تو حضرت قدس سرہ نے فوراً جوابی خط تحریر فرمایا اور آئندہ اشاعت میں اصلاح کا وعدہ فرمایا۔ اور اس نشاندہی پر شکریہ تحریر فرمایا۔ چنانچہ احقر کا عریضہ اور حضرت قدس سرہ کا جوابی گرامی نامہ بعینہ پیش خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان اہلِ حق کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ آمین

بخدمت اقدس حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف؟ عرض آنکہ مدت سے اس بات کا انتظار تھا کہ جناب کے محققانہ قلم سے کچھ ''ردِ روافض'' پر بھی لکھا جائیگا۔ گزشتہ رمضان المبارک کے اواخر میں بعض طلباء

کے ذریعے معلوم ہوا کہ حضرت والا کچھ تحریر فرما رہے ہیں تو بہت مسرت ہوئی۔ پھر کسی رسالہ میں جناب کی کتاب پر تبصرہ نظر سے گزرا تو شوق پیدا ہوا کہ کتاب دیکھی جائے، چنانچہ امسال ''مجلس صیانۃ المسلمین'' لاہور کے اجتماع کے موقع پر جامعہ میں ایک صاحب کے ہاں کتاب دستیاب ہوئی، فوراً خرید کر مطالعہ شروع کیا، ماشاءاللہ حضرت نے تحقیق کا حق ادا فرما دیا۔ اللھم زد فزد۔ مگر ایک جگہ یہ پڑھ کر احقر حیران رہ گیا کہ ''تحفہ اثنا عشریہ مصدقہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ (اس کتاب کے اصل مصنف مولانا حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد ابن شیخ ابوالفیض دہلوی رحمہ اللہ ہیں''۔ [ارشاد الشیعہ ص۲۹]

حالانکہ آج تک یہی پڑھا سنا تھا کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی صرف مصدقہ نہیں بلکہ مصنفہ ہے اور ''غلام حلیم'' حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا تاریخی نام ہے اور قطب الدین احمد حضرت کے والد گرامی شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کا نام ہے۔ [مقدمہ فضائل صحابہ واہل بیت ص۷۵]

(۲) خود حضرت اقدس شاہ صاحب رحمہ اللہ تحفہ کے خاتمے کے طور پر ایک رسالہ ''سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل'' لکھا ہے اس رسالہ کے سبب تالیف میں لکھتے ہیں

''چوں از تسوید و تبییض ''تحفہ اثنا عشریہ'' بعون عنایت الٰہی فراغت حاصل شد، بعضے دوستاں صادق و یاران موافق بآرزوئے تمام اشتیاق لاکلام استدعا نمودند کہ مسئلہ تفیض را..الخ''

اور رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں کہ

''چوں ایں مقامات احدی عشر تمام شد خاتمہ کتاب تحفہ اثنا عشریہ تمام شد۔''

مولوی سید نیاز احمد شاہ فرماتے ہیں ''تحفہ اثنا عشریہ'' درحقیقت تصنیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ہے، اگرچہ انہوں نے اس کو اپنے ایک شاگرد کے نام سے شائع کیا۔ [راز و نیاز حصہ اول حالات وملفوظات شاہ نیاز احمد بریلوی ص۶۹]

(۳) بعض شیعہ علماء نے اس کتاب کو مسروقہ قرار دیا اور کہا کہ ''یہ کتاب خواجہ نصر اللہ خان کابلی کی کتاب ''صواعقِ موبقہ'' کا فارسی ترجمہ ہے'' تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس پروپیگنڈہ کی تردید فرمائی اور ''صواعق'' کو مآخذ قرار دیا اور ''تحفہ'' کو اپنی تصنیف فرمایا۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۳۱/۱۲۹ (بعنوان فرق در ''تحفہ اثنا عشریہ'' و ''صواعق موبقہ'')

(۴) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، اپنی بے سروسامانی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''واقعی اس بے سروسامان کے پاس اس قسم کا سامان کچھ نہ تھا پر ایک ''تحفہ اثنا

عشریہ'' تھا اور جب یہ ''تحفہ'' تھا تو جاننے والے جانتے ہیں کہ سب کچھ تھا۔ موافق مصرعہ مشہور ؎ کافی ہے تسلی کو تری ایک نظر بھی اور کتابیں نہ سہی ایک تحفہ ہی بہت ہے کیونکہ مؤلفِ تحفہ، حجۃ اللہ فی العالمین، خاتم المحدثین والمفسرین، عمدۃ المتکلمین، زبدۃ الناظرین مولانا شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے نام کے سُنّی تو دیوانے ہیں پر علماء شیعہ بھی (جاہلوں کو میں نہیں کہتا) ان کے تبحر وتحقیق کو بہ نسبت دونوں مذہبوں کے اپنے دل میں تو خوب ہی جانتے ہیں...الخ'' [ہدیۃ الشیعہ ص ۱۲۱ طبع جدید لاہور]

(۵) شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہانپوری رحمہ اللہ لاجواب کتابوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''چنانچہ ''صواعق موبقہ''......اور نیز ''تحفہ اثناعشریہ'' از استاذ البریہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی....الخ'' [مطرقۃ الکرامہ ص ۶۴ طبع جدید لاہور]

(۶) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مایہ ناز شاگرد رشید حضرت مولانا حیدر علی صاحب رحمہ اللہ اپنی محققانہ تصانیف میں جگہ جگہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا حوالہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ''استاذ البریہ صاحبِ تحفہ اثناعشریہ''....الخ'' ملاحظہ ہوں مولانا کی کتب منتہی الکلام۔ ازالۃ الغین عن شہادت الحسین رضی اللہ عنہ وغیرہ

(۷) مولانا عبدالمجید خان مرحوم مترجم ''تحفہ'' مولانا ابویحییٰ امام خان نوشہروی کے حوالہ سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تالیفات میں سے ''تحفہ اثناعشریہ'' کو شمار کرتے ہیں۔[تحفہ مترجم مطبوعہ کراچی ص ۳۲]

(۸) حضرت مولانا منظور نعمانی مدظلہ (رحمہ اللہ) تحریر فرماتے ہیں ''اس دور میں علماء اہل السنۃ میں سے بعض خاص ہی حضرات اپنی غیر معمولی کوششوں سے اُن (شیعہ) کتابوں کو کس طرح پاسکے ان میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے صاحبزادے ''تحفہ اثناعشریہ'' کے مصنف شاہ عبدالعزیز بھی ہیں۔(ایرانی انقلاب ص ۲۵)

احقر کا خیال یہ ہے کہ یہ سہو کتابت ہے، اگر یہ سہو کتابت ہے تو آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح کر دی جائے اور اگر بالفرض حضرت والا دامت برکاتہم کی رائے گرامی ہی یہ تو ازراہ شفقت اس کی وضاحت کی جائے تاکہ تشفی ہو جائے۔ سمع خراشی پر معذرت خواہ ہوں۔ فقط والسلام مع الاکرام

کتبہ شیر محمد علوی (نائب مفتی: جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور) ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

باسمہ سبحانہ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام حضرت العلام مولانا مفتی.................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ سامی؟

آپ کا شفقت نامہ موصول ہوا آپ سے قبل حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دام مجدہم کا احمد پور

شرقیہ سے بھی اسی مضمون کا خط ملا تھا کہ ''تحفہ اثنا عشریہ'' حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ ہی کی تالیف ہے۔ دہلی کے حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے حضرت نے توریہ سے کام لیا اور اپنے تاریخی نام پر کتاب شائع فرمائی، آپ دونوں بزرگوں کی رائے صحیح ہے اور اس غلطی پر آگاہ فرمانے کا صمیم قلب سے صد شکریہ۔ ان شاء اللہ العزیز آئندہ طبع میں اس کی اصلاح کر لی جائیگی۔ اور کیا ہی اچھا ہو کہ آپ مزید اغلاط کی نشان دہی بھی فرمائیں تا کہ اُن کی بھی اصلاح کر لی جائے۔ راقم اثیم کی صحت اچھی نہیں رہتی، گھر میں بیماری اور پریشانی ہے دعا فرمائیں اور حاضرین مجلس سے سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ آثم وعاصی بھی داعی ہے۔

والسلام / احقر ابوالزاہد محمد سرفراز ازگکھڑ / ۲۸ ربیع الاول ۱۴۰۹ / 10 نومبر 1988ء

طلباء سے محبت وشفقت اور اندازِ تربیت

قاضی عبدالرحمٰن فرماتے ہیں حضرت امام اہل سنت طلباء کو کبھی تحکمانہ انداز میں یا نام لے کر نہ بلاتے تھے بلکہ ہمیشہ ''مولانا'' کہہ کر پکارتے تھے۔ ہم حضرت کے پاس پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے دن حضرت کے پاس گکھڑ ملاقات کے لیے گئے تو حضرت نے ہمیں بٹھایا، اکرام کیا اور پر تکلف کھانا کھلایا، اس وقت حضرات کے صاحبزادے مولانا عبدالقدوس قارن چھوٹے بچے تھے کچھ ساتھیوں نے مولانا عبدالقدوس قارن کو کچھ رقم دے دی۔ حضرت نے پوچھا عبدالقدوس کو پیسے کس نے دیے ہیں؟ ہم نے عرض کی حضرت ہم نے، تو اس پر فرمایا: ''کہ تمہارا اپنے استاد کے بچے سے محبت کرنا اور اکرام کرنا اپنی جگہ، مگر اس طرح بچے کی عادت خراب ہو جاتی ہے یہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا آئندہ ایسے نہ کرنا''۔ اللہ اکبر! کیسی شان تھی امام اہل سنت کی کہ طلباء کے کام کی تعریف بھی کر دی اور بچے کی اصلاح بھی کر دی۔ (ماہنامہ ''ھدی للناس'')

مولانا مہر محمد مدظلہ

آہ! بڑے استاد محترم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

یہ آخر 1959ء کی بات ہے کہ راقم صرف حافظ قرآن اور مڈل پاس پندرہ سال کا بچہ تھا، اپنے علاقہ کے استاد غلام رسول مرحوم کے ساتھ خان پور کٹورہ آیا تھا، حضرت درخواستی رحمہ اللہ نے چند خاص علماء کرام کو مہمان خانہ میں تفسیر قرآن کے دنوں میں ٹھہرایا جن میں مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ بھی تھے، جن کو ''ڈی سی'' گوجرانوالہ نے مرزائیوں کے خلاف تقریروں کی وجہ سے ضلع بدر کر دیا تھا، مجھے میرے استاد کی وجہ سے اس جگہ بطور خدمت رہنے کی اجازت مل گئی، میری یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ ''میران شاہ'' کے ایک بزرگ مولانا خان حلیم نے ''بوستان'' اور حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے مجھے ''گلستان'' پڑھا کر فارسی کا نصاب مکمل کرا دیا، پھر صوفی صاحب نے بڑی شفقت سے فرمایا تمہاری ''صرف ونحو'' اس بڑے مدرسہ ''مخزن العلوم'' میں اچھی نہ ہوگی، ہمارے پاس گوجرانوالہ آجاؤ! اس پیار کے پیشِ نظر میں اپنے گاؤں ممیوالی (میانوالی کے پہاڑوں) سے گوجرانوالہ پہنچ گیا اور قانونچہ کھیوالی کے علاوہ بہت سے اسباق حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے شروع کروا دیے، ''مسجد نور'' اس وقت کچی، چھوٹی سی تھی، شمالی مغربی سمت حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے دفتر وکمرہ سمیت کچے کمرے تھے، گڑھے اور درخت، چھپڑ والی مسجد کے نشان موجود تھے۔

جہاں بیضوی چہرہ، سانولی رنگت، ہلکی کالی ڈاڑھی، درمیانے قد اور بھاری بھرکم وجود والے ایک بزرگ روزانہ تشریف لاتے جن کا نام نامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تھا۔ آج ان کو دامت برکاتہم کے بجائے ''دامت صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیٰ نبیہ وعلیہ'' مجبوراً کہنا پڑ رہا ہے۔ جن کا جنازے میں سانولا نہیں، سفید نورانی دمکتا ہوا چہرہ دیکھا جو عنداللہ مقبولیت کی دلیل تھی۔ ان گنہگار آنکھوں نے فروری 1962ء یونیورسٹی گراؤنڈ لاہور میں امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے جنازہ کے بعد اتنا بڑا جنازہ کسی بزرگ کا نہ دیکھا تھا۔

دو تین سال بعد دورہ تفسیر اور کچھ کتب میں آپ کے شاگرد بننے کی سعادت حاصل ہوگئی اور 1966ء اور 1386ھ دورہ حدیث شریف بھی آپ سے پڑھا، شاگردی کے اس طویل دور میں آپ کی

بے مثال خوبیاں تو بہت ہیں، تاہم اختصاراً کچھ عرض کرتا ہوں:

......﴾ 1961ء گرمیوں میں امیر شریعت، مجاہد ختم نبوت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ بیماریٔ فالج میں لاہور ماڈل ٹاؤن لائے گئے، حضرت شیخ رحمہ اللہ اور حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے ہم طلباء کو زیارت کی اجازت دے دی۔ کیونکہ

یک زمانہ صحبت باولیاء　　　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

طلباء کا جم غفیر لاہور پہنچا اور زیارت سے مستفید ہوا۔ ہفتہ بعد خبر ملی کہ ''حضرت امیر شریعت وفات پا گئے ہیں'' حضرت شیخ رحمہ اللہ نے تمام طلباء کو جمع کیا اور ''رو، رو'' کر خبرِ وفات سنائی۔ پھر ملتان جنازہ کے لیے تشریف لے گئے۔

......﴾ آپ بڑے بارعب تھے مگر طلباء سے پیار اور دل لگی آپ کو رعب سے نکال لاتی، کسی نہ کسی شاگرد سے مزاح کر لیتے، ہمارا ایک کشمیری ہم درس ''غلام نبی مرحوم'' آپ کے مذاق اور پیار کا خاص نشانہ تھا۔ اسے ''لالہ'' کہتے، وہ بھی بہت خوش ہوتا۔

......﴾ بے پناہ مشغولیت کے باوجود مدارس کے سالانہ جلسوں اور دیگر تبلیغی جلسوں کی دعوت کو حتی الامکان رد نہ فرماتے، جولائی 1973ء میں احقر نے اپنے چھوٹے بھائی ''قاری شیر محمد'' جو آپ کے شاگرد و مرید بھی ہیں، کی شادی پر شرکت کی دعوت دی۔ تو اس موقع پر دو واقعات پیش آئے۔

[۱] سخت بارش کی وجہ سے نظم ونسق ڈوب گیا، سانپ نکل آئے، اتفاقاً ایک معزز سردار سانپ کے ڈسنے سے موقع پر مر گیا۔ دوسری رات بارات کی واپسی پر رات کو ہمارے محلّہ میں ''مسجد فاروق اعظم'' میں حضرت رحمہ اللہ کا بیان جاری تھا، بڑا مجمع تھا، اتفاقاً ایک سانپ جلسہ گاہ میں موجود ایک آدمی کی ران سے گزرا تو اُس نے شور مچاتے ہوئے عربی کا مقولہ ''ایاکم والحیۃ'' سچ کر دکھایا۔ ''بچو! بچو سانپ'' سب مجمع اُٹھ کھڑا ہوا، حضرت رحمہ اللہ اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھے رہے، ایک شخص نے ٹارچ لگائی تو سانپ مسجد کے برآمدہ میں روشنی دیکھ کر رک گیا، دوسرے نے اُسے مار ڈالا، الحمد للہ اُس نے کسی کو ڈسا نہیں اور حضرت رحمہ اللہ کا بیان پھر شروع ہو گیا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو مزاحاً مجھ سے فرماتے کون آئے ہو؟ سانپ نکالنے والے؟

[۲] دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ صبح ناشتہ میں ہم نے دیر لگا دی، گاؤں سے میانوالی کو ایک ہی بس جاتی تھی، وہ چھوٹ گئی، اُس وقت کاروں، ٹیکسیوں کا رواج نہ تھا، ایک اونٹ والے کی خدمات حاصل کیں، اور حضرت رحمہ اللہ اور ایک نعت خواں آمنے سامنے کجاوہ پر سوار ہو گئے اور اسی حالت میں ''رکھی موڑ'' تک دو گھنٹے کا سفر

طے فرمایا۔ میں نے عرض کیا حضرت! حضور علیہ السلام کی ''اونٹ سواری'' کی سنت بھی تازہ ہوگئی، یہ سن کر آپ بہت مسرور ہوئے۔

......﴾1970ء کی بات ہے کہ حضرت رحمہ اللہ غالباً سفر حج سے واپس تشریف لائے تھے، میں اُس وقت کراچی میں مقیم تھا، حضرت رحمہ اللہ کو اپنی مسجد لے آیا، صبح درسِ قرآن دیا، بعدازاں حضرت بنوری رحمہ اللہ سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر فرمایا، صدر ایوب والا استادور تھا، صرف 30 ٹیڈی پیسہ میں رکشہ نے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن پہنچادیا، جہاں دونوں بزرگوں کی ملاقات کا روحانی منظر دیکھنے کو ملا۔

......﴾1991ء میں احقر نے ''بن حافظ جی'' ضلع میانوالی میں 8 کنال کے رقبے پر ''جامعہ قرآن وسنت'' کے نام سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، 1996ء میں ''مسجد صدیق اکبر'' کے سنگ بنیاد کے بہانے حضرت کو دعوت دی، کار پر تشریف لائے اور بے مثال خطاب فرمایا، علاقہ بھر کے ایک جم غفیر نے آپ کا بیان سنا۔ اسی جامعہ میں قائد اہل السنۃ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ، مولانا فداء الرحمٰن درخواستی مدظلہ اور برادر محترم مولانا زاہد الراشدی مدظلہ سمیت دیگر اکابرین بھی مختلف مواقع پر تشریف لائے۔ چند سال قبل حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کو لانے کی کوشش کی مگر پیرانہ سالی وضعف کی بناء پر آپ نے معذرت کرلی۔

......﴾طلباء کے دل ودماغ میں مسئلہ بٹھانے کا مزاج تھا، ترجمہ وتفسیر میں لغوی تحقیق، صرف ونحو کی بحث، فقہی استدلال، اختلافی مسائل کی تخریج وتوضیح، مفسرین کی آراء، علماء دیوبند کے امتیازات اور اعمال صالحہ بجالانے کی ترغیب پر خاص زور دیتے تھے۔ قرآن وحدیث میں تطبیق ثابت کرنے کا خاص ملکہ تھا۔ point To thi ہدایہ پڑھاتے تو نفسِ مسئلہ، اختلافات کی صورتیں، حنفی دلائل، شافعی دلائل کے جوابات، فقہ حنفی کی واقعاتی اور قرآنی دلائل سے ترجیح وغیرہ ظاہر فرماتے، یہی محدث حضرت کشمیری رحمہ اللہ کا طرزِ تدریس تھا۔

حدیث شریف میں بھی اسی طرح دلائل کا استحضار کرکے سمجھاتے، لمبی چوڑی بحثوں اور قصوں سے تطویل نہ فرماتے، جیسے دیگر اکابر کی مشکوٰۃ شریف، بخاری شریف اور دیگر کتابوں کی تدریسی تقاریر کئی جلدوں کی صورت میں چھپی ہیں، مثلاً مشکوٰۃ شریف میں ''کتاب الایمان'' ہو یا ''کتاب الطہارۃ'' و ''کتاب الصلوٰۃ''، آپ اپنے وسیع مطالعہ کی روشنی میں تمام اختلافی اور متقابل احادیث کی الگ الگ فہرست بنالیتے، فقہاء وائمہ کے اختلاف اور اُن کے حدیثی دلائل کو متعین فرمالیتے، مویّد حنفی مذہب، احادیث مرفوعہ یا موقوفہ کو بھی ''صحاح ستہ'' سے بھی جمع کرلیتے، پھر کتب رجال سے توثیق رواۃ اور ''اُصولِ حدیث'' سے فنی امور کو ترجیح دیتے، مذہب احناف کی ترجیح وافضلیت کا پہلا امام اعظم رحمہ اللہ کا اُصول یہ ہے ''اٰخذ بکتاب اللہ، فان

لم اجد فبسنة رسول الله، وان لم اجد فباقاويل الصحابة، ولااخرج منهم....الخ'' کہ سب سے پہلے قرآن سے مسئلہ لیتا ہوں، نہ پاؤں توسنتِ رسول سے لیتا ہوں، نہ ملے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات اور فیصلوں سے لیتا ہوں، وہاں بھی نہ پاؤں تو (حدیث معاذ بن جبل کے مطابق) اپنے اجتہاد اور رائے سے مسئلہ نکالتا ہوں، کوئی کوتاہی نہیں کرتا، تابعین تو میرے جیسے ہیں۔'' ''مشکوٰۃ شریف'' کی جو کاپی آپ نے طلباء حدیث کو لکھوائی اس میں یہی دلائل جمع ہیں۔

بخاری شریف کی فنی اصول سے لبریز مختصر کاپی (لکھواتے) جس میں ''کتاب الایمان'' وغیرہ کی کچھ ابحاث ہیں۔ مگر ترمذی شریف جو تمام مدرسین کا پسینہ نکالتی ہے اور دو کے سوا تمام احادیث متعارضہ ہر ایک کے ہاں واجب العمل ہیں اور امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ ہر باب واحادیث کے آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین، چاروں ائمہ مجتہدین اور دیگر اہلِ علم اور اصحابِ حدیث کا اختلاف ومسلک نقل فرماتے ہیں، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس دریا کو نہروں میں تقسیم کرتے ہوئے ''علامہ ابن رُشد مالکی (المتوفیٰ سات ہجری) کی ''**بداية المجتهد**'' کو معیار بنایا۔ حنفی دلائل سمیت ایک ضخیم کاپی جو مرتب فرمائی اور ہم جیسے کم علموں کو لکھوائی وہ بے نظیر ہے۔ پھر اس پر فن رجال سے رواۃ کی توثیق وتضعیف نے ''علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور امام بیہقی رحمہ اللہ'' کی یاد تازہ کردی۔ اکابر معاصرین میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ (نوٹ: یہ دونوں کاپیاں حضرت داداجان رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی تھیں، تفصیل کے لیے دیکھیے مضمون ''تحریری خدمات''، [خادم، حمزہ])

تمام قارئین دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان دو بھائیوں کی خدمات کو قبول ومنظور فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے اداروں اور فیض کو تا قیامت آباد رکھے۔ آمین۔

خواب کی تعبیر

حضرت رحمہ اللہ کے ایک شاگرد ومرید، دارالعلوم مدنیہ [بہاولپور] کے استاذ الحدیث حضرت مولانا محمد رشید صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ کافی عرصہ قبل میں نے خواب دیکھا کہ میں روضہ رُسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ فاصلے پر کھڑا درود پاک پیش کر رہا ہوں، بذریعہ خط حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ سے تعبیر پوچھی تو جواب میں حضرت نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ حج کی سعادت نصیب فرمائیں گے لیکن ابھی نہیں کچھ عرصہ بعد'' چنانچہ 9 سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔

مولانا امداداللہ انور مدظلہ

محدث العصر، مجدد الوقت، محقق الزماں

شیخ الحدیث والتفسیر محسنِ امت امام اہل السنۃ حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر جب اس دنیائے فانی سے مالک کائنات کی طرف رحلت فرما گئے اس وقت شاید ان جیسا عالم ومحقق پورے برِ صغیر بلکہ ساری دنیا میں کوئی نہیں تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے دنیا کا سب سے بڑا تمغہ ہے آخرت کے انعامات کا تو اندازہ نہیں۔

آپ کا شاید کچھ ایسا اعزاز ہو جیسے حافظ الحدیث حضرت عبدالغنی بن عبدالواحد ابن علی المقدسی المتوفی رحمہ اللہ 600ھ کو اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمایا۔ فقیہ احمد بن محمد بن عبدالغنی رحمہ اللہ سے 612ھ میں سنا گیا کہ میں نے گذشتہ رات آپ کے بھائی کمال الدین کو دیکھا ہے (یہ اسی سال فوت ہوئے تھے) میں نے کہا اے فلاں آپ کہاں ہیں؟ فرمایا جنت عدن میں، میں نے کہا کون افضل ہیں؟ حافظ عبدالغنی یا شیخ ابوعمر؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ مگر حافظ عبدالغنی کے لیے ہر رات عرش کے نیچے کرسی لگائی جاتی ہے، آپ اس پر بیٹھ کر حدیث پڑھتے ہیں اور آپ پر موتی اور جواہر بکھیرے جاتے ہیں یہ جو آپ میری شان دیکھ رہے ہیں انہیں سے حاصل ہوئی ہے۔ یہ جو جواہر دیکھ رہے ہیں مجھے آپ ہی کی مجلس سے حاصل ہوئے تھے۔

فلولا اغتراب المسک ماحل مفرقا

ولولا اغتراب الدر ما حل فی التاج

(ترجمہ) اگر کستوری نادرالوجود نہ ہوتی تو وہ کبھی مانگ میں نہ بھری جاتی اور اگر لعل نادرالوجود نہ ہوتا تو وہ تاج میں نہ سجایا جاتا۔

حضرت امام اہل السنۃ کی مبارک زندگی ایک صدی پر محیط ہے اتنی بڑی عمر اور اس میں احیائے دین کے نمایاں کارنامے اور ساری زندگی انتہائی اونچے اعمال وعبادات ان کی دنیا وآخرت کی سرفرازی کے لیے کافی ہیں۔

آج سے تقریباً تیس سال قبل جب راقم الحروف نے حضرت والا سے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھا تھا اس وقت لوگ بتاتے تھے کہ حضرت کی تقریباً پچاس سال سے جماعت کی تکبیر اولیٰ بھی قضا نہیں

ہوئی۔

انہی خوبیوں کا اثر تھا جب میں گذشتہ رمضان المبارک سے قبل حضرت کی زیارت کے لیے حاضر ہوا اور پندرہ بیس منٹ خدمت عالیہ میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا تو آپ کے وجود سے پورا کمرہ معطر تھا، آپ کی خدمت سے اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا دل چاہتا تھا کہ ان انوار کو دل سمیٹتا رہے۔

جب ہم نے آپ سے دورہ تفسیر پڑھا تھا اس وقت آپ روزانہ گکھڑ سے بروقت تشریف لاتے اور ستر سال کی عمر میں بھی مسلسل چار، پانچ گھنٹے بیٹھ کر قرآن کے علوم کی بارش فرماتے تھے اور دلوں کو منور اور سینوں کو علم تفسیر سے مزین فرماتے تھے۔ تفسیر کی تعلیم میں اس سال تقریباً چار صد طلباء تھے جو پاکستان کے علاوہ بنگلہ دیش، انڈیا اور دیگر ممالک سے آئے ہوئے تھے۔

مجالسهم مثل الرياض انيقة

لقد طاب منها الريح واللون والطعم

(ترجمہ) ان کی مجلس گھنے باغ کی طرح ہے جہاں خوشبو اور رنگ اور ذائقہ پاکیزہ ہوتا ہے۔

کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا تو اختلاف کو بیان کر کے ہر فریق کے ضروری دلائل بیان کرتے پھر فریقِ مخالف کے دلائل کے جواب میں مضبوط جواب ارشاد فرماتے تھے۔ خصوصاً دیوبند، بریلوی، وغیر مقلد، شیعہ کے مشہور مسائل واستدلالات بڑی اہمیت سے بیان کرتے تھے۔ دورہ تفسیر میں ایک ساٹھ سالہ بوڑھا جو مسلکاً غیر مقلد تھا باقاعدگی سے شریک درس ہوتا تھا اور اپنی بساط کے مطابق کوئی بات کر دیتا تھا یہ کوئی علمی شبہ تو ہوتا نہیں تھا تو اس پر حضرت فرماتے بابا جی نے ایک اور شوشہ چھوڑا ہے پھر اس کی تسلی کے لیے جواب مرحمت فرماتے تھے۔

غرضیکہ آپ کا یہ دورہ تفسیر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ مدارس کی سالانہ تعطیلات کے دوران دو ماہ تک جاری رہتا اور آخر میں ہر طالب علم کا امتحان لے کر مدرسہ کی طرف سے طلباء کو دورہ تفسیر کی سند جاری کی جاتی تھی جس پر حضرت امام اہل السنۃ کے دستخط موجود ہوتے تھے دورہ تفسیر کے دوران حضرت نے بہت سی علمی باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ ان میں سے چند متفرق باتیں یہاں ذکر کرتا ہوں۔

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ اکابر علماء دیوبند میں سے تھے سلسلہ حدیث میں ان کی بہت طویل خدمات ہیں ایک دن ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''علم حدیث میں حضرت شیخ الحدیث سے زیادہ مہارت، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کو حاصل ہے''

اگر چہ یہ بزرگ عام علماء اور عوام میں شہرت نہیں رکھتے انہوں نے بھی حدیث کے سلسلہ میں بڑے اہم کام کیے ہیں۔ مثلاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے استاد حضرت امام عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ کی حدیث وآثار صحابہ وتابعین میں معروف کتاب ''مصنف عبد الرزاق'' کی تحقیق وتدوین کر کے اس کو گیارہ ضخیم جلدوں میں چھاپا تھا۔(ایسے ہی علامہ ہیثمی کی کتاب ''کشف الاستار عن زوائد مسند بزار'' کو اور مسند امام حمیدی اور دیگر کئی کتب حدیث کو اپنے تحقیقی علمی کام کے ساتھ شائع کرایا تھا[امداداللہ انور])

(۲) فرمایا: ایک مرتبہ ہم طالب علمی کے زمانہ میں شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عنوان پر ایک شیعہ کی تقریر سننے کے لیے چلے گئے اس کے لیے سورۃ اخلاص پڑھی اور اِدھر اُدھر کی ہانکتا رہا اور ہم اس انتظار میں رہے کہ آخر شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا اس سورۃ سے کیا جوڑ ہے جب اس نے تقریر ختم کی تو کہنے لگا کہ تم سوچتے ہو گے کہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس سورۃ اخلاص کا کیا جوڑ ہے تو میں عرض کرتا ہوں کہ اس کا شہادت حسین رضی اللہ عنہ سے یہ جوڑ ہے کہ جس کی یہ شہادت ہے اسی کے نانا پر یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ پھر حضرت اس کی خرافات پر ہنس پڑے۔

(۳) فرمایا:''علم قیافہ میں یہ بات ہے کہ جس عورت کی پنڈلی پر بال کثرت سے ہوں وہ فساد والی ہوتی ہے۔''

(۴) اپنے صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالقدوس قارن صاحب مدظلہ العالی کے بارہ میں فرمایا یہ درسی کتابوں کی درس وتدریس کے لیے اچھے درجہ کے مدرس ہیں۔(ماشاء اللہ مولانا عبدالقدوس قارن صاحب نے اپنے والد صاحب کے مقام تحقیق وتدریس کو خوب سنبھالا ہے، مخالف فرقوں کے بہت سے علماء نے جب حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب کی کتب پر تنقیدی کتابیں چھاپیں تو انہوں نے زیادہ تر اپنے والد صاحب کی کتب کا دفاع کیا اور مسلک حق کی حفاظت کی۔ جزاہ اللہ خیرا)۔

(۵) فرمایا: اس زمانہ اور قدیم زمانہ کے علماء کے علم میں یہ فرق ہے کہ ہمارے زمانہ میں کتابیں عام ہوگئی ہیں جس کی وجہ سے لوگ کثرت معلومات سے سطحی علم حاصل کر لیتے ہیں مگر اکابر کے علم میں تعمق اور گہرائی ہوتی تھی جو اَب نہیں ہے۔

(۶) فرمایا: کہ جب ہم گکھڑ آئے تو اس شہر میں کوئی سینما نہ تھا چنانچہ جب کوئی یہاں سینما تعمیر کرنا چاہتا تو ہمیں اطلاع ہو جاتی ہم نے مل کر تقریباً بیس سال تک یہاں سینما نہ بننے دیا۔

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ سے کسی کے لیے ایک مرتبہ لڑکا ہونے کے تعویذ کا

عرض کیا تو آپ رحمہ اللہ نے جیب سے کاغذ کا ایک پرزہ نکالا اور اس کو انگلیوں پر رکھ کر ''ویھب لمن یشاء الذکور'' لکھ کر اس کا بڑی مہارت سے تعویذ بنا کر دے دیا۔

ایک مرتبہ نصرۃ العلوم سے گکھڑ روانہ ہو رہے تھے میں نے پوچھا کہ حضرت غیر مقلدین کے ایک عالم مولوی سلطان محمود جلالپوری نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے ائمہ اربعہ کی تقلید کی گمراہی کا استدلال کیا ہے :''عن جابر بن عبد اللہ قال کنا عند النبی ﷺ فخط خطا و خط خطین عن یمینہ و خط خطین عن یسارہٖ ثم وضع یدہ فی الخط الاوسط فقال ھذ اسبیل اللہ ثم تلا ھذہ الایۃ وان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہٖ(ابن ماجہ ص۲)۔یعنی حضور پاک ﷺ نے ایک سیدھی لکیر درمیان میں کھینچی پھر درمیان والی لکیر پر اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے اس کی اتباع کرنا اور اِدھر اُدھر کے راستوں پر نہ چلنا ورنہ اللہ کے راستہ سے ہٹ جاؤ گے۔

اس نے کہا کہ درمیان والا سیدھا راستہ ہے اور آس پاس کے چار راستے چاروں ائمہ مجتہدین کے راستے ہیں حضور پاک ﷺ نے جیسے باقی فتنوں سے خبردار کیا ہے اسی طرح سے ائمہ اربعہ کی تقلید کے فتنہ سے بھی خبردار کیا ہے اور ان کی تقلید سے منع کیا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ نے یہ حوالہ سنتے ہی فوراً فرمایا کہ اس حدیث کی سند میں مجالد بن سعید راوی ہے جس کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے اس لیے ائمہ اربعہ کی تقلید کی نفی پر استدلال درست نہیں ہے۔ بعد میں مَیں نے اس حدیث کی سند دیکھی تو واقعی مجالد بن سعید راوی اس میں موجود تھا اور اس پر محدثین کی جرح ہے۔

حضرت کی زندگی کا مجددانہ پہلو:

ردفرق باطلہ اور احقاق حق کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص منصب عطاء فرمایا تھا چنانچہ آپ نے تمام فرقِ کے رد میں وہ شاہکار تصنیف فرمائیں جو رہتی دنیا تک لوگوں کو ان فرقوں کے فتنوں سے تحفظ فراہم کریں گی۔

یہی وہ کارنامہ ہے جس کی وجہ سے اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے عقائد ونظریات قرآن وسنت اور علماء سلف صالحین کے دلائل واقوال سے مزین کرنے سے اور ملت اسلامیہ کو تحفظ دینے سے آپ کو علماء وخواص نے ''امام اہل السنۃ'' کا لقب دیا۔ واقعی آپ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اصلاح عقائد کے لیے کھڑا کیا تھا آپ کی کتابیں اپنے اپنے عنوانات پر فیصلہ کن تصانیف کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کتابوں کو اکابر کا اعتماد حاصل ہے، یہ کتب مسلک اہل السنۃ کی صحیح ترجمان ہیں اس یگانہ روزگار تصانیف سے معلوم ہوتا ہے جیسے کہ آپ

قرونِ اولیٰ کے قافلہ کے فرد تھے، اکابر کی نشانی تھے۔

محقق، صاحبِ بصیرت جب آپ کی تصانیف کو دیکھتے ہیں تو ان کی وسعتِ علم سے حیران ہوکر رہ جاتے ہیں آپ کی تصانیف میں امتیاز وِرعلم ہے کسی بھی مسئلہ کی کسی بھی دلیل کے ہمہ جہت پہلو کا احاطہ کرکے ان کے متعلق ذخیرہ کتب حدیث وتفسیر وغیرہ سے ایسے ایسے مقامات سے دلائل وجوابات لے آتے تھے کہ آدمی ان کی محنت، حافظہ اور وسعتِ مطالعہ کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا اس وسعت مطالعہ کے لیے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کی تین منزلہ وسیع ترین لائبریری بھی شاہد ہے۔ بلا مبالغہ ہزاروں کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔

اپنی تصانیف کو اپنے مسلک کا ترجمان بنانے کے لیے آپ اپنے مسلک کے اکابر علماء کو ایک ایک کتاب روانہ فرماتے وہ اس کو ملاحظہ کرکے اپنے تأثرات، تائیدات اور اصلاحات حضرت کو روانہ فرماتے حضرت ان تاثرات وتقاریظ کو ہو بہو اپنی کتابوں کے شروع میں شامل کردیتے اصلاح طلب مقامات کی اصلاح کردیتے۔

آج سے چوبیس سال قبل جب راقم الحروف حضرت اقدس مفتی جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس تفسیر احکام القرآن للتھانوی کا جمع وترتیب کا کام کررہا تھا، حضرت مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے کتاب کی تقریظ کے لیے میرے پاس اپنی کتاب ''مقام ابی حنیفہ'' بھیجی تھی میں نے اس کو مکمل دیکھ کر اس کی تقریظ لکھی تھی اس میں بعض اصلاح طلب امور بھی تھے میں نے وہ بھی ان کو لکھ کر روانہ کیے تھے معلوم نہیں انہوں نے کیا کیا میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا نے آپ کی تقریظ بمع ان قابلِ اصلاح مقامات کی نشاندہی کے اپنی کتاب کے شروع میں لاحق فرمائی ہے تو حضرت مفتی صاحب بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ ان کا یہ معمول تھا کہ اکابر کی طرف سے ایسے مقامات کی اصلاح کرتے تھے اور ان کی نسبت ان اکابر کی طرف کردیتے تھے اور اس کو وہ اپنے لیے باعثِ عار نہیں سمجھتے تھے۔

تصانیف میں مخالف پر تنقید کا اسلوب نہایت مہذب اور عالمانہ ہوتا تھا، اعتراضات کے جوابات علم سے لبریز ہوتے تھے جس نے آپ کی علمی شخصیت کو اہل علم میں چمکا دیا تھا۔

اذا مـــا الـــمسک طیـــب ریـــح قـــوم

کـــفـــانـــی ذاک رائـــحة الـــمـــداد

فـــمـــا شـــیٔ بـــأ حســـن مـــن ثیـــاب

علـــــی حـــافـــاتهـــا حـــمـــم الســـواد

ترجمہ:(ا) جب مشک قوم کی خوشبو کو پاکیزہ کردیتی ہے تو مجھے قلم کی خوشبو کافی ہوتی ہے۔

(۲) کوئی چیز ان کپڑوں سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے جس کے کناروں پر سیاہی کے نشانات لگے ہوئے ہوں۔

دلائل کا یہی اسلوب آپ نے درس وتدریس میں بھی جاری رکھا جس کی برکت سے آپ کے تلامذہ وتصانیف ملک و بیرونِ ملک میں پھیل گئے اور ایک ایک کتاب کئی کئی ہزار کی تعداد میں اشاعت پذیر ہوئی جس کے یہ نتائج برآمد ہوئے کہ مخالف فرقوں کے مقابلہ میں آپ کی تصانیف کی مدد سے علماء نے ان کا پر زور مقابلہ کیا اور مخالف ہر میدان میں شکست خوردہ ہوا، چنانچہ آپ کی سب کتب احقاقِ حق اور ردِ باطل کا بہترین سرمایہ ہیں، خصوصاً آپ نے یہ تحقیقی کام ایسے شہر سے شروع کیا جو غیر مقلدین اور مماتیوں کا مرکز شمار ہوتا تھا، آپ اللہ کے فضل سے اپنے اس مشن میں مکمل طور پر کامیاب وکامران رہے۔

بہت سے لوگوں نے آپ کی کتابوں کے جواب لکھنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہے حضرت کے دلائل کا صحیح معنی میں ان سے کوئی نہ بن سکا اور ظاہر ہے کہ حق کے سامنے باطل دب ہی جاتا ہے۔

مجمع الشیخین:

حضرت کو حدیث میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ تھا اور تفسیر میں استاذ المفسرین حضرت مولانا حسین علی واں بچھراں سے اس طرح سے آپ ''مجمع الشیخین'' بن گئے تھے۔ بہت سے حضرات نے مولانا حسین علی واں بچھراں کی طرف عدمِ سماعِ اموات اور عدمِ حیاۃ فی القبر کا عقیدہ منسوب کیا تھا لیکن حضرت مولانا سرفراز خان صاحب اور حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ جیسے شاگردوں نے آپ کی طرف اس کی نسبت کرنے والوں کی تغلیط ظاہر فرمائی۔

راقم الحروف کی محسن کتاب:

میں نے 1399ھ میں جلال پور پیروالا (ضلع ملتان) میں ہدایت النحو اور قدوری کے لیے کسی مولوی صاحب کی وجہ سے غیر مقلدین کے مدرسہ دارالحدیث محمدیہ میں داخلہ لے لیا، وہاں تقریباً ہر روز لڑکے بلکہ بعض استاذ بھی احناف پر تنقید کرتے تھے، اسی شہر میں احناف علمائے دیوبند کا مدرسہ رحمانیہ بھی تھا اس میں قراءۃ خلف الامام کے مسئلہ پر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی معرکۃ الآراء کتاب ''احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام'' موجود تھی میں نے اس کو لے کر مطالعہ شروع کیا اس کی مباحث یاد کیں اور غیر مقلدین کے دوبدو ہوکر جواب شروع کردیا اس کتاب سے میں نے بہت سے لڑکوں بلکہ بعض اساتذہ کو بھی

چپ کرایا۔

اس کتاب کے مطالعہ سے مجھے تصنیفی اسلوب سے اور اکابر کے تعارفی حالات سے کافی واقفیت حاصل ہوگئی خصوصاً حضرت کی طرف سے محولہ کتابوں اوران کے تعارف سے بھی چنانچہ میں نے اسی سال غیر مقلدین کے پاس موجود بہت سی اکابر کی اصلاحی کتابوں سے شناسائی پیدا کرلی تھی۔جس نے مجھے بعد میں بہت کام دیا۔اساتذہ کے دورہ حدیث کی مباحث بھی آسانی سے سمجھ آجاتی تھی بلکہ اس کتاب کے طرز نے کتب بینی اور لکھنے کا شوق پیدا کردیا،اللہ کا شکر ہے اورحضرت مولانا سرفراز خان صاحب قدس اللہ سرہ کی رکھی ہوئی خشت اول ہے جس نے مجھے اکابر کی کتابوں کی اورعلوم کی خدمات وتراجم کا حوصلہ دیا۔

اللہ تعالیٰ بشمول حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خانصاحب صفدر رحمہ اللہ کے تمام اکابرامت کو دنیا اور آخرت میں خوب سرفرازی عطاء فرمائے اورحضرت اقدس استاذی المکرّم کی خوشنودی کا ذریعہ بنائے۔

شاگردوں کا اکرام

مدرسہ ریحان المدارس میں جلسہ تھا،جلسہ کے بعد ویگن میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے واپس جانا تھا،قاری محمد عبیداللہ عامر نے مولانا محمد نواز بلوچ سے پوچھا حضرت استاد صاحب کو چھوڑنے کے لیے ساتھ کون جارہا ہے؟ بلوچ صاحب نے فرمایا،قاری صاحب آپ تشریف لے جائیں! قاری صاحب ویگن میں پیچھے بیٹھ گئے اور حضرت امام اہل السنۃ ویگن میں اگلی سیٹ پر بیٹھ گئے،گکھڑ جاکر حضرت امام اہل السنۃ ویگن سے اتر کر گھر کی طرف چل پڑے،ان کے پیچھے پیچھے قاری صاحب جاتے رہے جب حضرت گھر کے دروازے پر پہنچے تو تب ان کو قاری صاحب کی آمد کا پتہ چلا،تو حضرت امام اہل السنۃ نے فرمایا:''تم کب آئے؟'' قاری صاحب نے عرض کی استاد جی میں تو گوجرانوالہ سے آپ کے ساتھ آیا ہوں،فرمایا گاڑی والا واقف ہے قاری صاحب نے عرض کیا نہیں تو حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے کھانا کھلایا،پھر خود چارپائی اٹھا کرلائے اور بچھائی،خود بستر لگایا اور کہا کہ آرام کرو،پانی کا ایک لوٹا بھر کالادیا اور کہا کہ اگر پیشاب کی حاجت ہو تو پانی بھر دیا ہے اسے استعمال میں لے آنا،یہ تھی حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی اپنے تلامذہ سے محبت اور شفقت آج ہم اپنے رویوں پرغور کریں پھر دیکھیں کہ یہ ہمارے اکابر تھے جن کا ہم نام لیتے ہیں۔اور ہم کیا ہیں۔اللہ تعالیٰ حضرت امام اہل السنۃ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔(ماہنامہ ھدی للناس)

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

امام اہل سنت: ایک نابغۂ روزگار عالم

رات کے 1:58 منٹ پر موبائل کی گھنٹی بجی، دھڑکتے دل کے ساتھ موبائل کان سے لگا یا تو صاحبزادۂ امام اہل السنۃ حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کی سسکیوں بھری گلوگیر آواز دل پر بجلیاں گراتی چلی گئی کہ ''اباجی (امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر) فوت ہوگئے''

''انا للہ وانا الیہ راجعون'' ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ، وکل شئی عندہ باجل مسمیٰ''

بلاشبہہ یہ کربناک، اندوہناک اور جاں گسل خبر ایک عالم کی ہی نہیں پورے عالَم کی ''رحلت'' کی خبر تھی، اُن کے فراق سے ہم ایک محقق سے ہی نہیں، آسمانِ تحقیق کے ایک نیر تاباں سے محروم ہوگئے، ......ایک محدث ہی نہیں، مسندِ حدیث کا صدر نشین ہم سے بچھڑ گیا، ......ایک مصنف ہی نہیں، تصنیفی دنیا کا مایۂ ناز سرتاج ہم گُم کر بیٹھے، ......عالم فنِ رجال ہی نہیں، اس فن کے بحر کا بےنظیر شناور حوالۂ خاک ہوگیا، ......ایک خطیب ہی نہیں، گلستانِ خطابت کا شیریں نوا عندلیب خاموش ہوگیا، ......ایک مدرس ہی نہیں، مثالی کتب خانہ زیرزمین دفن ہوگیا، ......ایک مرجعِ خاص وعام ہی نہیں، مراجع کا دائرہ معارف دفن ہوگیا، ......تحفظ دین کا ایک سپاہی ہی نہیں، سپہ سالار ہم کھو چکے، ......ایک مفسر ہی نہیں علم تفسیر کا امام نہیں رہا، ......ایک مربی ہی نہیں، سراپا تربیت نظروں سے اوجھل ہوگیا، ......ایک قائد ہی نہیں، قائدین کا سربراہ چھن گیا، ......ایک شیخِ طریقت ہی نہیں، طریقت کی شناخت نہ رہے، ......تشنگانِ علوم تڑپ رہے ہیں، بحرِ علوم کے کنارے غائب ہیں، ......اصلاح کے طالب بے تاب ہیں، رہبرِ کامل نہ رہا، ......درسِ قرآن کے شیدائی منتظر ہیں، رازئ زمانہ نظر نہیں آتا، ......علمِ حدیث کے محبّ ترس رہے ہیں، محدثِ جلیل دکھائی نہیں دیتا، ......منبر کی نگاہیں سرِ راہ ٹکی ہیں، خطیب کی تشریف آوری نہیں، ......منصۂ علم وحکمت پہ اس دلہا کی جلوہ گری نہیں جسے بزمِ مدنی میں سنوارا گیا، ......تصنیف کا میدان اُداس ہے، قلم کا شہسوار وارد نہیں، ......تلامذہ کی اشتیاق بھری نگاہیں گردش کر رہی ہیں، استاد کے رُخِ انور کا نظارہ نہیں، ......علم فقہ کے پیاسے ہجوم کی شکل میں ہیں، گنگوہئ زمانہ نہیں رہا، ......ذکرِ اکابر سننے کے کان متمنی ہیں، اسلاف کے ترانے گانے والا دلربا ''نغمہ سرا'' روٹھ گیا، ......مسلکِ اہل السنۃ پہ اعتزال وزندقہ کے حملے جاری ہیں، اس کا چاک وچوبند محافظ اُٹھ گیا، ......اب نظریں ڈھونڈتی رہیں گی وہ مجلسیں جن کی خوشبو سے کبھی

مدرسہ نصرۃ العلوم اور جامع مسجد گکھڑ کے بام ودر معطر رہتے تھے،......اب نگاہیں تلاش کرتی رہیں گی اُس رخِ انور کو جس کی ایک دل آویز مسکراہٹ سے ہجوم غم کافور ہو جاتے تھے،......اب آنکھیں جستجو کرتی رہیں گی اُس صدرِ محفل کی، جس کی ایک جنبشِ لب بہت سی علمی گتھیاں سلجھا دیتی تھی،......اب سماعتیں ترستی رہیں گی اُس شیریں آواز کو جو کانوں میں حکمتوں کا رس گھولتی رہتی تھی،......باطل وسوسوں سے پریشان ہونے والا ہر فرد اب تڑپے گا اُس سپوت کی یاد میں جس کی ایک دید ہر سوال کا جواب ہوتی تھی،......اہلِ حق کا ہر مناظر ہر موڑ پر یاد کرے گا اُس سراپا علم کو جس کی ذات حوالوں کا ”انسائیکلوپیڈیا“ تھی،......اتحاد کے علم بردار اب صدیوں رویا کریں گے اُس ہر دلعزیز شخصیت کو جس کی محفل میں اختلافات دم توڑ جاتے تھے،......اب اُس جیسے سجدہ کناں کو سجدہ گاہیں ترستی رہیں گی،......مسندِ تحقیق وتدریس کے اُس سرتاج کی جلوہ گری کے لیے بے تاب رہیں گی،......درس گاہیں قال اللہ وقال الرسول کے اُس عاشق زار عندلیب کے ترانوں کے لیے بے چین رہیں گی،......منبر ومحراب اُس کی حق گوئی وبیباکی کے مظاہرہ کے مشاہدہ کے لیے مضطرب رہیں گے،......قلم وقرطاس اُس خوگرِ تحقیق کے تابناک حروف کے سدا منتظر رہیں گے،......گوجرانوالہ اور گکھڑ اُس ہر دلعزیز اور ہمہ جہت دینی خدمات سرانجام دینے والی شخصیت کے گم ہونے پر زمانہ بھر سوگوار رہیں گے،......”مدرسہ نصرۃ العلوم“ کے در و دیوار جانِ حزیں سے اس کا بارہا تذکرہ کرتے رہیں گے، اُس کی فضا تا ابد اُن کی طرف سے مہکائی گئی خوشبو سے معطر رہے گی

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

شیخ صفدر رحمہ اللہ کیا گئے!!! کہ علم وفضل کی ایک محفل اجڑ گئی،......اصلاح کی ایک مسند ویران ہوگئی،......تفقہ اور تدین کا ایک تابناک زمانہ گزر گیا،......اصابتِ رائے اور دینی بصیرت کا ایک سرچشمہ چھن گیا،......آسمانِ علم کا آفتاب عالمتاب غروب ہوگیا،......گلستانِ عمل کا گلابِ تازہ ٹوٹ گیا،......بزمِ فقہ کا فروزاں چراغ گل ہوگیا،......کتاب حکمت کا ایک روشن باب بند ہوگیا،......تصنیف وتالیف کا ایک زریں دور بیت گیا،......نکتہ دانی ونکتہ بینی کا ماہتاب روپوش ہوگیا،......شوقِ مطالعہ وذوقِ جستجو کا سدا بہار گلشن پنہاں ہوگیا۔

بلاشبہ آپ رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تحصیل علم، وسعتِ مطالعہ، احقاقِ حق، ابطال باطل، فروغِ دین، رد بدعات، دفاعِ اسلام، احیاء سنت، اطاعتِ الٰہی، عشقِ نبوی، حب اصحاب رسول، فقہاء سے وابستگی، محدثین سے لگاؤ، اولیاء سے عقیدت، اسلاف سے محبت، اساتذہ سے وارفتگی، اصلاحِ خلق، تلامذہ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے اور انہیں بام عروج تک پہنچانے کی مسلسل جد وجہد سے عبارت تھی۔ ان گوناگوں خوبیوں کے

حامل، متنوع کمالات کے مرقع، مختلف اوصافِ حسنہ کے جامع اور بہت سی صفاتِ جمیلہ سے متصف ہونے کے باوجود آپ کے انداز واقوال سے انکساری برستی، عاجزی ٹپکتی اور فروتنی جھلکتی تھی، بے نفسی آپ پر بس تھی اور سادگی آپ پرختم۔

بات صرف یہ نہیں کہ علمی وادبی گلشن سے ایک گلابِ تازہ ٹوٹ گیا، جب گلستاں ہی نہ رہے تو....؟ بات ساقی وساغر کی ہی نہیں، جب میخانہ ہی نہ رہے تو....؟ بات ایک محقق کے بچھڑنے کی ہی نہیں، جب کتب خانہ ہی خاک کی زینت بن جائے تو....؟ بات ایک خوشنوا عندلیب کے خاموش ہوجانے کی ہی نہیں، جب نغمہ سرائی کا انداز ہی دفن ہوجائے تو....؟ بات ایک سنجیدہ والبیلے قلم کے رک جانے ہی کی نہیں، جب تصنیف وتالیف کی شناخت ہی گم ہوجائے تو....؟ بات اپنے اوقات کی پابند ایک شخصیت کی ہی نہیں، جب وقت کا معیار ہی نہ رہے تو....؟ بات گرداب کی زد اور موجوں کی لپیٹ میں آجانے کی نہیں، جب ناخدا ہی چھن جائے تو....؟ فکر کسی گم کردہ راہ کی ہی نہیں، جب رہبرِ کامل ہی جدا ہو چکا تو....؟ بات اپنوں کا شیرازہ بکھر جانے کی ہی نہیں، جب شیرازہ بندی کا سرچشمہ ہی نہ مل رہا ہو تو....؟ بات صرف یہ نہیں کہ علمی اُفق پہ ایک ستارہ نہیں رہا، جب محفل انجم ہی نہ رہے تو....؟

داغ ہی داغ نظر آتے ہیں، کس طرح قلب وجگر کو دیکھوں
نہ وہ محفل ہے نہ وہ پروانے، خاک اے شمع! سحر کو دیکھوں

کئی دماغوں کا ایک انساں میں سوچتا ہوں کہاں گیا ہے
قلم کی عظمت اجڑ گئی ہے، زباں کا زورِ بیان گیا ہے

بجا ہے کہ اب مدرسہ نصرۃ العلوم کے در ودیوار آہ وفغاں کریں، کہ سراپا علم وعمل اُن کا شیخ الحدیث اُن سے بچھڑ گیا،......درست ہے کہ جامع مسجد گکھڑ کی ایک ایک اینٹ نالہ وفریاد کرے کہ حق وصداقت کی صدائیں بلند کرنے والا اُس کا بے باک خطیب اور قرآن وسنت کے ترانوں سے منبر ومحراب کی رونق دوبالا کرنے والا اُس کا دلربا نغمہ سرا اسے داغِ فراق دے گیا ہے،......حق ہے کہ آسماں کا وہ دروازہ بلکتا رہے جو اس خدا رسیدہ کے اعمال صالحہ کی گزرگاہ رہا ہے اور فلک کا وہ در بھی چیخیں مارتا رہے، جس سے ان کا رزق اُترتا تھا،...... صحیح ہے کہ مدارس اور تحریکات کے سربراہان اشک بار ہوں کہ اُن کا شفیق، ہمدرد، باخدا اور دوررس سرپرست لحد کی زینت بن گیا،......اُن کی مسند ارشاد پھوٹ پھوٹ کر رونے کا حق رکھتی ہے کہ یوں اس سے معرفت کے چشمے نہ پھوٹ سکیں گے،......نوکِ قلم کو ماتم کناں ہونے کی اجازت ہے کہ اب اس سے علم وحکمت کے پھوارے نمودار نہ ہوسکیں گے،......مریدین کی آنکھیں نمناک ہونے میں حق بجانب ہیں کہ شاید بہت سے سال

وماہ کی گردش سے بھی ان سا شیخ کامل نہ پاسکیں،......ان کی جلوہ گاہیں، خواب گاہیں، سجدہ گاہیں بجا طور پر تڑپ سکتی ہیں، سسک سکتی ہیں کہ اب اُنہیں انوارات کا مشاہدہ کہاں نصیب، حلاوتوں کی چشیدگی کہاں میسر......

آہ شیخ! تیرے جانے کے بعد بہت سے خدشات بھیانک روپ میں دماغ ماؤف کرنے دوڑتے ہیں کہ انگریزی کوکھ سے جنم لینے والی قادیانی نبوت اور ابلیسی کردار کی حامل اس کی ذریت اب بھی مختلف روپ میں اسلام کی بیخ کنی اور فسادات کو ہوا دینے کے شیطانی کارنامے سرانجام دینے میں محو ہے، ختم نبوت پہ ڈاکہ، توہین انبیاء کرام اور امت مسلمہ کے دلوں سے جہاد کے جذبات سرد کرنا اب بھی اس کا دلچسپ مشغلہ ہے، مگر ان کی اسلام دشمنی، حیاباختگی اور کفریہ عقائد کی قلعی کون کھولے گا؟......عیسائیت کے ظاہری طُمطُراق سے تو آنکھیں اب بھی چکا چوند اور حیرت زدہ رہتی ہیں، مگر اس کے حقیقی اسباب سے قوم کو کون آگاہ کرے گا؟......اسلام کے لبادہ اور اہلِ بیت کی آڑ میں رافضیت اب بھی اسلام کی عمارت منہدم کرنے کے لیے بھیانک طوفان برپا کرتی ہے مگر اس کی داغدار تاریخ اور بدنما چہرہ سے سرِ عام نقاب کون اُلٹے گا؟......اور تقیہ کے پیراہن کے بخیے چورا ہے پر کون اُدھیڑے گا؟......منکرین حدیث تو اب بھی حدیث ومحدثین کی تابناک حیثیت کو مشکوک کرنے کی جسارت کرتے ہیں، مگر حدیث کی عظمت، ضرورت، صحت اور مقام کو اُجاگر کرنے کے لیے کس کا ہاتھ تاریخ کے روشن ورق اُلٹے گا؟......رِجالِ حدیث اور محدثین کے بے داغ اور اُجلے کردار کی مہک کس کی نوکِ قلم سے پھوٹے گی؟......منکرین فقہ، قرآن وحدیث کی اوٹ میں اب بھی اجماع صحابہ پر ناشائستہ حملے کرتے ہیں، ائمہ فقہاء پر طعن وتشنیع کے نشتر اب بھی چلاتے ہیں، تقلید کا مذاق اور فقہی مسائل پر پھبتیاں اڑا کر معاشرہ کو اب بھی متعفن کرتے ہیں، سلف بیزاری اور خودرائی کی آلودگی سے اب بھی ماحول کو بدبودار کرتے ہیں، مگر حجیت اجماع کو مستند حوالوں سے کون مبرہن کرے گا؟......فقہاء کی عظمتوں کی قندیلیں کون روشن کرے گا؟......اسلاف سے وابستگی کے دیپ کون جلائے گا؟......تقلید اور فقہی مسائل کی ضرورت کو مسکت دلائل اور دندان شکن براہین سے کون مدلل کرے گا؟......عشقِ نبی کا جھوٹا لبادہ اوڑھ کر رضاخانی اب بھی شرک کے محلات تعمیر کرتے ہیں، بدعات ورسومات کو رواج دینے کی تگ ودو اب بھی شب وروز جاری رکھے ہوئے ہیں، علماء دیوبند ان کے نازیبا الزامات اور بہتان تراشی کا اب بھی نشانہ اور ہدف بنتے رہتے ہیں، سنت کے روشن چہرے پر بدعات کی تاریک دبیز تہیں جمانے کی سعی میں وہ اب بھی مگن رہتے ہیں، مگر شرک کے ایوانوں کو پیوندِ خاک اور زمین دوز کون کرے گا؟......بدعت کی تاریکیاں کس کے جلائے ہوئے چراغوں سے چھٹ جائیں گی؟......علماء دیوبند کی ناقابل فراموش خدمات اور فلک بوس کردار کی داستانیں سُنا کر ان پر لگائے جانے والے الزامات کی حقیقت کون طشت ازبام کرے گا؟......سنت کے منوّر رُخ سے بدعات کی سیاہ چادر تار تار کرکے کون بکھیرے گا؟......

توحید وسنت کی اشاعت کے پردہ میں مماتی اب بھی بہت سے اجماعی مسائل سے انحراف کرتے ہیں، قائلین حیاتِ انبیاء کرام علیہم السلام اب بھی ان کی تنقیدوں کی زد میں رہتے ہیں، سماع موتی اور کرامات اولیاء کو برحق سمجھنے والے اب بھی ان کی مشرک سازسٹین گنوں کی گولیوں سے مجروح ہوتے رہتے ہیں، اپنے باطل نظریات اور گمراہ کن مؤقف کی حمایت میں ارشادات ربانی اور فرموداتِ نبوی کو خودساختہ تفسیر اور خانہ زاد مفہوم اب بھی پہناتے رہتے ہیں، مگر مماتی نظریات کے تاریک اور خوفناک راستوں میں دلائل کے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر کون سینہ سپر ہوگا؟......حیات انبیاء کرام علیہم السلام کے ثبوت میں کس کا بے مثال قلم ناقابلِ تردید شواہد اور براہین قاطعہ کے ذریعہ مماتی کیمپوں میں کھلبلی اور ایوانوں میں تہلکہ مچادے گا؟......مشرک سازٹینکوں کے دہانے کس کے اشہبِ خامہ سے خاموشی سادھ لیں گے؟......تحریفِ غالین، انتحالِ مبطلین اور تاویلِ جاہلین کے پرخچے اڑا کر معتزلی ٹولہ کی حقیقت کون آشکارا کرے گا؟......اسلامی جماعت کے نام اور آزادیٔ اظہارِ رائے کے عنوان سے مودودی اب بھی اصحابِ پیغمبر رضی اللہ عنہم کے درخشندہ کردار پر کیچڑ اچھالتے رہتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد کے درخشندہ کردار اور فاتح قبرص کے تابندہ کارناموں کو دھندلا کرنے کی سبائی روش اب بھی جاری رکھے ہوئے ہیں، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہما جیسے اسلام کے ہیروز اب بھی ان کی بے باکانہ تنقیدوں کا ہدف رہتے ہیں، سنت کا مضحکہ اب بھی وہ بے دریغ اڑاتے رہتے ہیں، روشن خیالی کے نام پر تاریکیاں پھیلانے کے راستوں پر اب بھی چلتے اور چلاتے رہتے ہیں، مگر ان زہریلی تحریرات کے خرمن کو کس کے شعلہائے حروف جلا کر خاکستر کریں گے؟...... مودودی طنطنہ کی پرواہ کیے بغیر کون سا شہسوار اب دفاع صحابہ کے میدان اور رزم گاہ کی طرف بڑھتا جائیگا؟......نظامِ الٰہی کے حقیقی خدوخال سے امت کو کون روشناس کرائے گا؟......سنت بیزار تنظیم کے کروفر سے بے پرواہو کر تحفظ سنت کے دیے کُو بہ کُو کون روشن کرے گا؟......ہاں مگر جس وقت آپ کی کتابوں پر نظر پڑتی ہے تو یہ تمام خدشات دم توڑ جاتے ہیں، آپ کے تلامذہ کی طرف نگاہ اُٹھتی ہے تو یہ تمام مایوسیاں ریت کی دیوار ثابت ہوتی ہیں، آپ کے دروس ومواعظ کی روشنی میں کفر والحاد، شرک وبدعت اور ضلالت کی تمام تاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں

کتابوں سے شاگردوں سے، دروس و وعظ وخلفاء سے
وہ صدیوں تک جہاں کو کر منور ہم سے بچھڑے ہیں

حضرت امام اہل سنت کی زیارت کا شوق تو اس زمانہ سے انگڑائیاں لے رہا تھا جب میں دارالعلوم مدنیہ بہاولپور میں ابتدائی کلاسوں میں تھا اور حضرت کی کتب سے استفادہ کر رہا تھا، مگر زیارت سے شرف یاب ہونے کی سعادت فراغت کے دوسرے سال ہوئی۔1425ھ کے شش ماہی امتحان کی تعطیلات میرے لیے

انتہائی خوشگوار اور یادگار ہیں، مفتی راشد مبارک پوری، مفتی محمد معاویہ کی معیت میں بہاولپور سے حضرت کی زیارت کے لیے گکھڑ پہنچے، قاری ساجد صاحب نے زیارت کروائی، میں نے ''بے خود'' ہوکر حضرت کے ہاتھ چوم لیے، جی ہاں! وہی ہاتھ جنھوں نے ہر باطل قلعہ میں شگاف کیے، گمراہی کی بنیاد کو کھوکھلا کیا، تلبیس کے ہر پیراہن کے بخیے ادھیڑے، ضلالت کے ہر بگولے کو پیوند خاک کیا، دجل کی ہر عمارت پر تابڑ توڑ حملے کیے ہیں

وہ نشترِ زبانِ حق جہاں جہاں بھی چل گیا

مریض کفر ودجل کا غلیظ خوں نکل گیا

حضرت صاحبِ فراش تھے، میں کبھی خوشی سے پھول جاتا کہ زندگی میں خیر القرون کی ایک یادگار کا جلوہ ہے اور کبھی افسردہ ہوتا کہ

میں تب پہنچا جب اس بزم سے رخصت کا ساماں تھا

اجازتِ حدیث کی خواہش کا اظہار کیا تو دریافت فرمایا کہ ''کس مدرسہ سے فراغت ہے؟'' ''جامعہ مدنیہ بہاولپور'' کا بتایا، تو مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ اور اُن کے بچوں کے احوال دریافت فرمائے، پھر اجازتِ حدیث کی سند عنایت فرمادی، حضرت کی زیارت اور اُن کی گفتگو سننے کا یہ پہلا موقع تھا، جس کی حلاوت آج تک محسوس ہوتی ہے۔ اُس کے بعد پھر متعدد بار حضرت کی زیارت کی سعادت حاصل کرتا رہا، جب بھی لاہور گوجرانوالہ جانے کا اتفاق ہوتا حضرت کی زیارت کے بغیر واپس نہ آتا، آخری بار حضرت کی زیارت جمادی الاخریٰ 1428ھ جمعہ کے دن ہوئی، مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر مدظلہ کے صاحبزادہ مولوی احسن صاحب نے ملاقات کرائی، مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی بھی ساتھ تھے، اس موقع پر حضرت سے چند سوالات بھی احسن صاحب کی وساطت سے کیے، مثلاً حضرت سے اُن کے اساتذہ کے متعلق پوچھا کہ کس سے زیادہ محبت ہے؟ فرمایا سب سے محبت ہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ کا نام بھی لیا، اپنی فراغت کا سال اور گرفتاریوں کے متعلق بھی بتایا، میں نے پوچھا کہ اگر حضرت کو اللہ تعالیٰ صحت دے تو کیا کرنا پسند فرمائیں گے؟ فرمایا ''چھوٹی کتابیں پڑھاؤں گا'' میں نے پوچھا کون سی کتب؟ فرمایا ''منطق، نحو، ادب'' میں نے عرض کیا چھوٹی کتب پڑھانے کی کیا وجہ؟ فرمایا ''بس، شوق ہے''، کیا کہیے اس بلند ہمتی کا کہ تقریباً نصف صدی پوری آب وتاب کے ساتھ مسندِ حدیث پر جلوہ گر رہنے والا شخص چھوٹی کتب پڑھانے کا شائق اور مبتدی طلبہ کی استعداد کو پروان چڑھانے کے لیے فکر مند ہے اور ذرا بھی عار نہیں اور ایک ہم ہیں کہ معمولی حرف شناسی سے بھی شیخ الحدیث بننے کا شوق چرانے لگتا ہے اور چھوٹی کتب کی تدریس اپنے منصب کی توہین محسوس ہوتی ہے

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حضرت رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے کمال کا حافظہ عطا فرمایا تھا، مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی (شیخ الحدیث: جامعہ صدیقیہ بہاولپور) فرماتے ہیں کہ ''ایک بار ہم مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تا کہ ''اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ'' کی سرپرستی قبول فرمانے کی گزارش کریں، حضرت نے مجھ سے نام پوچھا، میں نے بتایا تو معاً بول اُٹھے'' آپ وہی ہیں جو سترہ سال پہلے ''صلوٰۃ الرسول'' پر تقریظ لکھوانے کے لیے آئے تھے''؟ میں نے تصدیق کی پھر میں نے حساب لگایا تو اس واقعہ کو واقعۃً سترہ برس گزر چکے تھے، حضرت کی یاد داشت پر میں ششدر رہ گیا۔

مسلکی تصلب میں آپ کی کتب شاہد ہیں، نمونہ کے طور پر ایک واقعہ بھی پیشِ خدمت ہے۔ بہاولپور شیخ الاسلام سیمینار کے موقع پر تشریف لائے تو جامعہ عثمانیہ رحیم یار خان کے مولانا یوسف صاحب نے بھی اپنے مدرسہ کے لیے وقت لے لیا اور پورے رحیم یار خان کو بینروں، وال چاکنگ اور اشتہارات سے سجا دیا، مگر حضرت نے جانے سے اس لیے انکار کر دیا کہ مولانا یوسف صاحب نے ''عقیدہ حیات النبی'' کی تحریر پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے خادم کا مضمون۔ [خادم، حمزہ])

آپ اپنی مایہ ناز کتاب ''ارشاد الشیعہ'' [ص ۱۸] پر رقم طراز ہیں ہوش سنبھلنے کے بعد کوشش ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ اعجاب کل ذی رأی برأیہ سے گریز کرتے ہوئے حضرات سلف وخلف کے دامن سے وابستہ رہ کر اپنا شوق پورا کیا جائے اور اس پر بجا فخر ہے کہ اس سلسلہ میں بے حد کامیابی ہوئی ہے، نفس امّارہ نے بعض مقامات پر سرکشی کی تلقین بھی کی ہے، لیکن بحمد اللہ تعالیٰ اپنی ناقص دانست کے مطابق حضرات اکابر کا دامن کہیں بھی نہیں چھوڑا۔

......﴾اتباع سنت کے جذبہ سے بھی آپ سرشار تھے، بلکہ اتباع شریعت آپ کی فطرت بن چکی تھی، مولانا سید معاویہ شاہ صاحب بخاری (بن سید ابوذر شاہ صاحب) نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ ''میں مولانا سرفراز خان صاحب سے بہت متأثر ہوں''، کہنے لگے ''میں ایک بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے میرے احوال، شادی اور بچوں کے متعلق پوچھا تو الفاظ بھی وہی استعمال کیے جو سنت سے ثابت ہیں۔

......﴾اردو ادب میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، ایک جھلک ملاحظہ ہو! اپنی بے نظیر تالیف آنکھوں کی ٹھنڈک میں فریق مخالف کے دلائل کا رد کرتے ہوئے سرخیاں قائم کرتے ہیں

''فریقِ مخالف کا پہلا استدلال اور اس کا پسِ منظر، دوسری دلیل اور اس کا حال، تیسری دلیل اور اس کا بیان، چوتھی دلیل اور اس کا بطلان، پانچویں دلیل اور اس کی تردید، چھٹی دلیل کی حقیقت، ساتویں دلیل کا حشر، آٹھویں دلیل کا انجام، نویں دلیل کا ابطال، دسویں دلیل کا رد،

گیارہویں دلیل کی ماہیت، بارہویں دلیل کا جواب، تیرہویں دلیل کی مدافعت، چودہویں دلیل پر ایراد، پندرہویں دلیل کا ازالہ، سولہویں دلیل کا دفعیہ، سترہویں دلیل کا دفاع، اٹھارویں دلیل کا قلع قمع۔''

حضرت کو جو اکابر و معاصرین کا اعتماد حاصل ہے وہ ان تصدیقات و تقریظات سے واضح ہے جو آپ کی کتب پر ثبت ہیں۔ دو شہادتیں ملاحظہ ہوں....

اکابر میں سے حضرت قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں....

''رسالہ کی وقعت وعظمت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مولانا سرفراز خان صاحب کی تالیف ہے جو اپنی محققانہ اور معتدلانہ طرزِ تالیف میں معروف ہیں''۔[تسکین الصدور 20]

اور معاصرین میں سے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ رقمطراز ہیں....

''آنجناب کی ہر تالیف ہم جیسے طالب علموں کے لیے علمی مواد کا گراں قدر ذخیرہ ہوتی ہے، اس لیے احقر نے بڑے اہتمام سے آنجناب کی تقریباً تمام تالیفات جمع کی ہوئی ہیں''

مزید لکھتے ہیں کہ

''حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اپنے علم وفضل اور تحقیقی ذوق کے لحاظ سے ہمارے ملک کی قیمتی متاع ہیں، انہوں نے اپنے قلم سے دین کی جو خدمات انجام دی ہیں اور مسلکِ حق کے اثبات اور عہد حاضر کے مختلف مکاتب فکر پر جو عالمانہ تنقیدیں فرمائی ہیں وہ ہمارے علمی اور دینی لٹریچر کا بہت بڑا سرمایہ ہیں، مولانا کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں اسکی پشت پر مستند حوالوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اور ان کی کتاب کا ہر صفحہ ان حوالوں سے سجا ہوا ہوتا ہے۔[الکلام المفید]

حضرت کے مطالعہ کی وسعت کی ایک تصویر دیکھنے کے لیے دو چیلنج ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں جو اپنے لاجواب ہونے کا لوہا آج بھی منوا رہے ہیں اور فریق مخالف کے اکابر واصاغر سرتوڑ کوشش کے باوصف آج تک اس کا جواب دینے سے بےبس اور عاجز ہیں، حضرت رقم طراز ہیں:

''بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً 1374ھ تک اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطے سے اس کا قائل نہیں رہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، کسی

اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث وفقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصووف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، ''من ادعیٰ خلافه فعليه البيان ولا يمكنه ان شاء الله تعالىٰ الیٰ يوم البعث والجزاء والميزان''[تسکین 290]

اسی طرح آپ اپنی معرکۃ الآرا تالیف ''احسن الکلام''[۴۳۱] پر تحریر فرماتے ہیں

''یقین کیجئے کہ دنیا کے کسی اسلامی کتب خانہ میں کوئی ایسی اسلامی کتاب موجود ہی نہیں ہے جس میں کسی صحابی سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہو کہ فلاں آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ کی قرات ضروری ہے، ورنہ نماز باطل اور کالعدم ہوگی.....ایسی کوئی آیت فریق ثانی پیش نہیں کرسکتا جس کا حضرات صحابہ کرام اور تابعین سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ شان نزول یہ ثابت ہو چکا ہو کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرات ضروری ہے۔''

......﴾ آپ کو اکابر کی تحقیقات کی روشنی میں اپنے مسلک کی صداقت پر کس قدر اعتماد تھا؟ اس کی ایک جھلک نظر نواز ہے:

''اگر کسی صاحب کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق اور عندالقبر سماع صلوٰۃ وسلام کے بارے میں تردد یا شک ہے تو ''تسکین الصدور'' کا مطالعہ کرے اور اگر روح مبارک کے جسد اطہر کے تعلق اور سماع صلوٰۃ وسلام عندالقبر کا منکر ہے تو ہم مباہلہ کے لیے تیار ہیں جہاں کوئی چاہے ان شاءاللہ العزیز کرسکتے ہیں۔''[الشہاب المبین ص۲۶]

الغرض آپ اپنی ذات میں انجمن تھے، ہر میدان میں آپ نے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں، تدریس کا میدان ہو یا تصنیف وتالیف کا، خطابت کا میدان ہو یا امامت کا، جہاد کا میدان ہو یا تبلیغ کا، دفاعِ اسلام، احیاءِ سنت کا میدان ہو یا تردید فرقِ باطلہ وضالہ کا، تحریکات کا میدان ہو یا تصوف کا، ہر میدان میں آپ نامور شہسوار کی صورت میں شریک رہے ہیں۔ علمِ تفسیر پر عبور ایسا کہ اپنے شیخ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی تصویر پیش کریں، علمِ حدیث وفقہ کی جامعیت پر نظر کریں تو آپ میں امام طحاوی رحمہ اللہ کی جھلک محسوس ہوتی ہے، مسلکِ ارشاد پر جلوہ گری اور ردِّ بدعات میں نمایاں کردار شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا زمانہ یاد دلاتا ہے، اسماء الرجال پر گہری نظر علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا نقش پیش کرتی ہے، قوتِ حافظہ دیکھیں تو مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی شبیہہ معلوم ہوتی ہے، تعلیمی اور تحریکی زندگی میں پیش آنے والی طلاطم خیز موجیں آپ کے عزائم میں تزلزل پیدا نہ کرسکیں اور

استقلال میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مثیل دکھائی دیتے رہے، وقت کی پابندی دیکھ کر لوگ مولانا ظفر علی خان کی مثال پیش کرنا بھول گئے، بے باکی اور شجاعت کے چشم دید گواہ آج بھی گکھڑ کے سینکڑوں عوام موجود ہیں، اپنی ہر بات پر حوالہ جات کا انبار لگا دینا آپ کا امتیازی نشان اور اکابر پر بے لچک اعتماد آپ کا خصوصی وصف ہے، سیاسی سوجھ بوجھ میں مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے وارث قرار پاتے ہیں، تصنیف وتالیف کی مسند پر بیٹھتے ہیں تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی جانشینی کے منصب پر فائز محسوس ہوتے ہیں، علم کلام پر قلم اٹھاتے ہیں تو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا چہرہ نظروں میں گھوم جاتا ہے، فتویٰ نویسی کے میدان میں اترتے ہیں تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا تفقہ جھلکتا ہے، آپ کی اولاد کی طرف نگاہ اٹھے تو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مثال سامنے ہوتی ہے، اگر شاگردوں پر نظر پڑے تو شیخ الہند رحمہ اللہ کا نمونہ پیش ہوتا ہے۔ حضرت نے سیاست کی پر خار وادی میں بھی قدم رکھا مگر بقول کیفی مرحوم

ہم نے بھی طے کی ہیں راہِ عشق کی منزلیں   لیکن بچے ہوئے روشِ عام سے رہے

آخر میں اپنے مضمون کو انہی الفاظ پر ختم کرتا ہوں جو حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کے متعلق فرمائے، کیونکہ شیخ صفدر رحمہ اللہ ان کا کامل مصداق دکھائی دیتے ہیں:

''وقار میں کوہِ گراں،......تواضع میں مشتِ خاک،......دلداری میں لطیف پانی، ......بغض فی اللہ میں آتش مجسم،......سخاوت میں باریک ہوا،......شجاعت قلب میں آہن،...... بھاری بھر کم ہونے میں وزن دار قطعۂ زمین،......خود داری میں بلند آسمان،......جلوت میں نمایاں،......خلوت میں پنہاں،......قلب میں سب سے الگ،......قالب میں سب کے ساتھ، ......عالم جلوت نشین،......صوفی خلوت نشین......، مدرسہ میں مدرس، ......خانقاہ میں شیخ، ......سیاست میں سپاہی، ......میدان میں مردِ مجاہد، ......فقیروں میں درویش،......عوام میں لیڈر،......خواص میں مقتداء،......وزراء میں مشیر،......غرض ہر میدان میں امتیازی شان کے ساتھ موجود، مگر سب شانوں میں تعلق مع اللہ بدستور اور خلوت اور انجمن کا صحیح مصداق......

؎ یوں بہم کس نے کیے ساغر وسنداں دونوں

مولانا محمود الرشید حدوٹی

حضرت شیخ رحمہ اللہ

5 مئی کی صبح مسلم امہ پہ یہ دلگداز خبر بجلی بن کر گری کہ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب قضائے الٰہی سے جوارِ رحمت میں داخل ہو گئے۔ عصرِ حاضر کے سبک رفتار ذریعۂ مواصلات موبائل کی سکرین پہ بنے خط کے لفافے کو دیکھا، اسے کھولا اور پڑھا تو پتہ چلا کہ حضرت آج ہم میں نہیں رہے، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

وہ امام اہل السنۃ تھے، غزالی دوراں تھے، محدث عصر تھے، فرقہائے باطلہ کے خلاف شمشیرِ تابدار تھے، حقانیت وصداقتِ اسلام کے لیے قدرت کی برہان تھے، جلوت سے خلوت کو زیادہ محبوب رکھتے تھے، تحریر ،تقریر، تدریس ان کی حیاتِ مستعار کا نشیب وفراز تھا۔

حضرت امام اہل السنۃ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مرحوم کا اسم گرامی اس وقت سنا جب راقم طفلِ مکتب تھا، علماء، عالم یا مفتی کی مروجہ اصطلاحات سے ناواقف تھا، جس مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھا اس کی لائبریری میں کتب بینی کے دوران حضرت شیخ رحمہ اللہ کی بعض کتابوں پہ بھی نگاہ پڑی جو اُس زمانہ میں میرے ذوق کے مطابق اور میرے احساسات وجذبات کی ترجمان تھیں، ان کتابوں میں ''ازالۃ الریب '' اور ''تبرید النواظر ـ'' بڑے عرصے تک میرے مطالعہ میں رہیں، انہی اساسی کتب نے حضرت کا والہ وشیدا بنا دیا، یہ دور وہ تھا جب میں 1980ء سے 1984ء تک جامعہ اشاعت اسلام نیو مری میں زیرِ تعلیم تھا۔

1984ء میں بندہ ملکہ کوہسار مری کے فلک بوس، سرسبز شاداب، دلکش اور حسین پہاڑوں کو چھوڑ کر دریائے جہلم کے ساحل پہ پہنچا، جہاں خطیبِ جہلم حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ بادۂ عرفان لنڈھا رہے تھے، 1984ء سے 1988ء تک جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم میں تعلیم حاصل کرتا رہا، اس دوران حضرت شیخ رحمہ اللہ کا نام کثرت سے سننے میں آیا، اشتہارات پہ نمایاں نام انہی کا جگمگاتا تھا، جامعہ حنفیہ کے سالانہ جلسہ کے لیے ان کا نام جب لیا جاتا تو ہر شخص مسرت سے جھوم اٹھتا تھا۔

حضرت مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور حضرت مولانا

سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ دیو بندی مسلکِ اعتدال کے سخت پر چارک تھے، افراط وتفریط کی راہوں سے بچ بچا کر جادۂ مستقیم پر ہمیشہ گامزن ہونے کی کوشش کی اور اسی صراطِ مستقیم پر دوسروں کو چلانے کی کوشش کی اور تادمِ واپسیں کوشش کرتے رہے، جہاں محسوس کیا کہ اس مقام پہ دیو بند مسلک کی آبرو خاک آلود ہو جائے گی وہاں بڑی جرأتِ رندانہ اور حریتِ فکر سے اسلاف کے طریقہ پر اپنا مؤقف پیش کرتے رہے۔ تاویلات وتسویلات سنتے ہی کنارہ کش ہو جایا کرتے تھے، ان لوگوں کی بات پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور ہمالیہ سے زیادہ بڑی ہوتی تھی۔

جماعتِ اسلامی کے ساتھ اُصولی اختلافات کی بناء پر جمعیت علمائے اسلام کے سیاہ وسفید دھاری والے پرچم کو خیر آباد کہا جب جمعیت علماء اسلام کی قیادت نے جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد کیا۔ اشاعت التوحید والسنۃ کی تنظیم کو اُس وقت چھوڑ دیا جب اُن کے ایک سرکردہ راہنما سید عنایت اللہ نے مسلک دیو بند کے حصے بخیے کرنے کے لیے حیات النبی ﷺ کا انکار کیا اور بڑی شدومد سے ساتھ مشرکین پاکستان کا تعاقب چھوڑ کر مسئلہ حیات النبی ﷺ اور سماعِ موتی کو اپنی سرگرمیوں کا موضوع بنایا، یہی وہ موقع تھا جب ایک غریب خاندان سے تعلق رکھنے والے مردِ حق آگاہ حضرت مولانا سرفراز رحمہ اللہ نے ''تسکین الصدور'' لکھ کر اس نئے فتنے کے سدباب کی کوشش کی اور دوسری طرف لاکھوں دکھی دلوں کو سکون وقرار دیا۔

یہ تینوں حضرات کبھی بھی کسی بھی لمحہ کسی مصلحت کا شکار نہیں ہوئے، مال وزران کی گردنیں خم نہ کر سکا، کسی طاغوت کا جور استبداد ان کی سرگرمیوں کے سامنے سد سکندری نہ بن سکا، یہ لوگ توکل علی اللہ وصداقت کا پھریرا لہراتے رہے، نتیجہ ان کی دوستی وتعلق کا یہاں تک جا پہنچا کہ ان لوگوں نے مسلکی درودیوار کی حفاظت کے لیے خاندانی رشتے استوار کر لیے، مولانا نے اپنی چہیتی بیٹی کا نکاح مولانا جہلمی رحمہ اللہ کے ہونہار فرزند مولانا خبیب احمد عمر رحمہ اللہ سے کر دیا، جب کہ حضرت قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنی نورِ نظر بیٹی شیخ سرفراز صاحب کے ذہین وفطین فرزند مولانا عبدالحق خان کے نکاح میں دے دی، یوں مسلکی قصرِ عالی شان کی حفاظت کے ساتھ ان لوگوں کی خاندانی زنجیریں بھی مضبوط ہو گئیں۔

یہ لوگ دین اسلام، مذہب اہل السنۃ والجماعۃ اور مشرب دیو بند کو نجات کی ضمانت سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ساری زندگی حصول نجات کے لیے کھپا دی تھی قرآن کے نام پر اگر کسی سرکش نے فتنہ انگیزی کی تو آپ رحمہ اللہ میدان عمل میں اترے، حدیث کا نام لے کر اگر کسی نے اپنے خیالات فاسدہ کو پروان چڑھانے کی سعی کی تو آپ رحمہ اللہ نے حق وصداقت کو مبرہن کیا، امت کے متفقات کو ''طائفہ منصورہ'' سے جلا بخشی، خرافات اور بدعات کے قصرہائے بوسیدہ کو پیوند خاک کرنے کا جتن کیا، منکرین ختمِ نبوت کے خلاف

شمشیر برّان لے کر میدان کارزار میں کود ے، بے خوف لومۃ لائم آگے کی سمت بڑھتے رہے۔

پاکستان کے گلی کوچے میں پھیلے لوگوں کی اکثریت آج بھی قرآن وسنت کی روشن تعلیمات سے ناآشنا ہے،نصف صدی پہلے یہاں خرافات اور بدعات کا دوردورہ تھا،لوگ من پسند باتوں کودین کا نام دے کر ان پر عمل پیرا تھے، سنت کی بجائے بدعت کا رواج تھا،حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بڑی جرأت اور استقامت کے ساتھ لوگوں کو سمجھایا کہ سنت سے دین زندہ ہوتا ہے، بدعت سے دین مسخ ہوتا ہے،''راہِ سنت'' نامی کتاب میں آپ نے دلائل وبراہین سے سنت کی افادیت واہمیت پر روشنی ڈالی اور بدعات پہ نکیر،اہل بدعت کی طرف سے پیش کی جانے والی خانہ ساز تاویلات کا مدلل مسکت اور دندان شکن جواب دیا،آج تک کسی بدعتی میں ہمت پیدا نہ ہوئی کہ وہ اس کتاب کا کماحقہ جواب دے سکے۔

مسئلہ عالم غیب، مسئلہ حاضر وناظر، مسئلہ مختارِ کل کی غلط سلط تاویلات،توجیہات اور تشریحات کر کے بعض ناعاقبت اندیشوں نے امت مسلمہ کے مسلمات کو نزاعی بنانے کی سعی کی تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے قرآنی روشن آیات اور نبوی روشن فرمودات سے حل پیش کیا کہ ظاہر وباطن کی کل طور پر ہر چیز کی جانکاری صرف ذات وحدہٗ لاشریک کو ہے، عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، ہر جگہ ہر وقت دیکھنے والی اور موجود رہنے والی ہستی صرف اللہ کی ہے،اسی طرح آپ رحمہ اللہ نے ''مختارِ کل'' کتاب لکھ کر اتمام حجت کر دیا کہ ہر چیز کا ہر وقت اختیار اور مکمل اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، عشق ومحبت نبوی کا نام نہاد نعرہ لگا کر امت کے جہلاء نے خرافات کے کانٹے بوئے، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے تادم واپسیں ان کانٹوں کو صاف کرنے کی کوشش کی۔

ایران میں 11 فروری 1979ء کو ایک خونی انقلاب برپا ہوا، جسے ''اسلامی انقلاب'' کا نام دیا گیا،حضرت مرحوم کسی صورت میں اس انقلاب کو اسلامی ماننے کے لیے آمادہ اور تیار نہ تھے اور نہ آخر دم تک آپ رحمہ اللہ نے اس انقلاب کو اسلامی انقلاب کہا،شیعہ کے امام خمینی آنجہانی نے اپنی مختلف کتب میں اپنے جس خبث باطن کا اظہار کیا،صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو گالیاں دیں،امہات المؤمنین پر جملے کسے، خمینی کے ملک سے جس طرح ہفوات بھری کتب شائع ہوئیں ان کا حضرت شیخ نے علمی انداز میں تعاقب کیا، ''ارشاد الشیعہ'' نامی کتاب میں جس احسن،اعلیٰ اور ارفع انداز میں آپ نے خمینی،خمینیت ،شیعہ اور شیعیت کا تعاقب کیا،عصرِ حاضر میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

آپ رحمہ اللہ دفاعِ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے لیے کام کرنے والی تحریکوں اور تنظیموں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے،ساتھ ہی ساتھ انہیں تلقین کرتے تھے کہ'' مدحِ صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے

میدان میں کام کرنے والے حضرات اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں''، خدام اہل السنۃ، تنظیم اہل السنۃ اور دیگر تنظیموں کے علاوہ سپاہِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) بھی مدحِ صحابہ (رضی اللہ عنہم)، دفاعِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور تعاقبِ دشمنان صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے لیے میدان میں آئی تھی، پہلی تنظیموں کی بہ نسبت سپاہِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے جارحانہ جرأت مندانہ، بہادرانہ اور دلیرانہ قدم اٹھایا، سپاہِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بانی حضرت مولانا حق نواز رحمہ اللہ جنہوں نے اس عظیم مشن کی خاطر جان دے دی، شہادت کا تمغہ حاصل کیا وہ فرماتے تھے کہ خمینی اور اس کے حاشیہ برادروں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے خلاف سخت طوفان بدتمیزی برپا کیا ہے، اس لیے مجھ سے اِن کے خلاف کوئی شخص نرمی کی توقع نہ رکھے، انہوں نے ''کافر کافر شیعہ کافر'' کا نعرہ زبان زدِ خاص وعام کر دیا تھا، اس نعرے کو سننے کی تاب اپنوں میں تھی اور نہ دوسروں میں، اپنے جہاندیدہ یہ کہتے تھے کہ اس کا سخت ردِّعمل ممکن ہے اور دوسرے اسے انتہا پسندی کا نام دیتے تھے، چنانچہ اس نعرے کی گھن گرج پاکستان کے گلی کوچے میں سنائی دینے لگی، کراچی سے خیبر تک ایک گونج تھی، نوجوان خون حرکت میں آ گیا، دیوانہ وار نوجوان سپاہِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے پرچم تلے یکجا ہونے لگا، شباب کی حرارت، صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی محبت نوجوانوں کو مارنے مرنے پہ لے آئی تھی، مولانا حق نواز رحمہ اللہ ہر جلسے میں دشمنان صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو عدالتی کٹہرے میں جانے کا مشورہ دیتے تھے، سپاہِ صحابہ رضی اللہ کی بنیاد سے لے کر مولانا حق نواز رحمہ اللہ کی المناک شہادت تک کے پانچ سالوں میں سنی قوم کے بپھرے نوجوان دشمنانِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو تلاش کرنے اور انہیں عبرت ناک انجام سے دوچار کرنے کے عزائم سے سرشار ہو گئے، نعرے کی آواز بلند سے بلندتر ہوتی گئی، مولانا حق نواز رحمہ اللہ نے اس نعرۂ رستاخیز کو جماعت کی اساس قرار دیا، ادھر دشمنان صحابہ (رضی اللہ عنہم) بھی مقابلے کی تیاری میں لگ گئے، دونوں طرف ایک آگ سی لگ چکی تھی، دشمن مولانا حق نواز کو راستے سے ہٹانا چاہتا تھا، مولانا حق نواز رحمہ اللہ دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو کسی منطقی نتیجے تک لانا چاہتے تھے، دونوں طرف لفظوں کی بمباری شروع ہو گئی، پھر شخصیات کے خون سے دھرتی لالہ زار بنتی چلی گئی، حضرت مولانا سرفراز رحمہ اللہ ان علماء میں سے ایک تھے جنہوں نے بار بار مشورہ دیا کہ ''سپاہِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) عظمتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے لیے کام کرے، مثبت انداز میں دفاعِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کرے، معتدلانہ طریقے سے اپنی آواز پہنچائے، اس مخصوص نعرے سے اشتعال پھیلتا ہے، جس سے نقصان ہو گا فائدہ نہیں ہو گا'' ''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید''، سپاہِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) اور دشمنانِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے درمیان پندرہ سال تک ایک سخت ترین معرکہ گرم رہا، بالآخر دونوں طرف کی سرگرمیوں کو حکومت نے روک دیا، یوں اس نعرے کی گونج ختم ہوئی اور خونی سیلاب رک گیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کمالِ ذہانت وفطانت سے نواز رکھا تھا، ان کی شُستہ وبرجستہ تحریر انسانی دل ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی تھی، پاکستان میں دستیاب یا موجود کوئی فرقہ ضالہ ایسا ہوگا جس کے خلاف حضرت مرحوم نے اپنا قلمی فریضہ ادا نہ کیا ہو، ردوتنقید پہ آپ کی جتنی بھی تصانیف یا تالیفات دستیاب ہیں ان کے مطالعہ سے کوئی شخص، کوئی گروہ یا کوئی فرقہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ فلاں مقام پہ مولانا مرحوم جذبات کی رو میں بہہ گئے، خلاف حقیقت لکھ گئے یا کسی کی دلآزاری کر گئے، آپ نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے جذبات سے سرشار ہونے کے باوجود اس حدیث پاک کا مفہوم ہمیشہ ذہن میں رکھا کہ اگر مدمقابل کی ہمارے ہاں عزت وتوقیر نہیں تو اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ اپنے لوگوں کے ہاں بھی معتوب، مغضوب، بے توقیر یا مستوجب سزا ہے، ان کی کسی تحریر پہ انگشت نمائی نہیں کی جاسکتی، ان کی تحریر کے اسی کمال نے بہت سوں کو پلٹ ڈالا، دماغی فتور نکل گئے، جذبات وخیالات کی فرسودگی دم توڑ گئی، اندھیرے چھٹ گئے، ہرسو روشنی کی کرنیں پھیلنے لگیں۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کو قدرت نے عجیب حافظہ ودماغ عطاء فرما رکھا تھا، ایک مرتبہ ہم جامعہ اشرفیہ لاہور کے کچھ اساتذہ ختمِ بخاری کی تقریب میں نصرۃ العلوم گئے، جہاں حضرت شیخ رحمہ اللہ آخری حدیث بخاری کا درس دے رہے تھے، سبحان اللہ علماء کرام ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے، سادگی اور اخلاص کا پیکر یہ شخص بڑی بڑی کتابوں کے زبانی حوالے دے رہا تھا اور ساتھ ہی جلد اور صفحہ نمبر بھی بتارہا تھا، ہم حیران ہوتے کہ اس عمر میں بھی بے شمار کتابوں کے حوالجات زبانی ازبر ہیں۔

شعبان اور رمضان میں آپ نصرۃ العلوم میں دورۂ تفسیر کرواتے تھے، آپ رحمہ اللہ کا یہ دورۂ تفسیر ملک کے اطراف اکناف میں شہرت رکھتا تھا، شائقین داخلے کے لیے بے تاب ہوتے تھے، داخلہ ملنے کی صورت میں شاداں وفرحاں نصرۃ العلوم میں آجاتے تھے، جہاں حضرت شیخ رحمہ اللہ ان واردین کی علمی تشنگی کو قرآن کریم کے آبِ حیات سے دور کرتے تھے، جن لوگوں نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا وہ کبھی کبھی حضرت مرحوم کے ارشادات اور ملفوظات سناتے ہیں تو عقل انسانی ششدر رہ جاتی ہے، عربی کی اکثر تفاسیر پہ آپ گہری نظر رکھتے تھے، ان تفسیروں کے اکثر حوالے پیش کرتے تھے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کئی سالوں سے علیل اور صاحبِ فراموش تھے، نصرۃ العلوم میں تدریس کا سلسلہ موقوف کردیا تھا اور گکھڑ میں ہی قیام پذیر تھے، اسی عرصہ میں جامعہ اشرفیہ کے ہمارے ساتھی مولانا احمد علی صاحب اور راقم الحروف نے پروگرام بنایا کہ حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے جانا چاہیے، چنانچہ ہم یہاں جامعہ سے چند احباب نکلے جی ٹی روڈ سے گزرتے ہمیں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ لگ گیا تھا، ہم سیدھا گکھڑ پہنچے، ایک

گلی میں حضرت کا مکان تھا وہاں پہنچ کر معلوم کیا، تو پتہ چلا کہ حضرت آرام فرما ہیں، ہمیں ساتھ والے کمرے بٹھا دیا گیا کراچی سے پشاور تک کے چند چیدہ علماء کرام کی طرف سے حضرت کی خدمت میں پیش کیے گئے سپاسنامے دکھائی دے رہے تھے۔

کچھ دیر گزری تھی کہ ہمیں اس کمرے میں لے جایا گیا جہاں مرحوم آرام فرماتے تھے، ہم نے سلام کیا حضرت سے مصافحہ ومعانقہ کیا، حضرت نے خیر وعافیت کی، باہمی تعارف ہوا، مولانا احمد علی نے راقم الحروف کا تعارف کروایا اور حضرت کو بتایا کہ ماشاء اللہ مولانا حدوٹی ہمارے ان نوجوان ساتھیوں میں سے ایک ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے جوانی میں اتنا کام لیا، مولانا حدوٹی نے اس عمر میں کئی کتابیں لکھ دی ہیں، اس پر حضرت مرحوم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اللہ تعالیٰ زورِ قلم بڑھائے اور ترقی دے''

پھر فرمایا کہ مولانا جس وقت ہم لکھتے تھے تو اس زمانہ میں کتابیں نہیں ملتی تھیں اب تو بازاروں میں کتابیں عام ہیں، اب بہت وسیع ماحول بن رہا ہے، ہمارا دور مشکل دور تھا، ایک ایک حوالے کی تلاش کے لیے دور دور تک کتاب نہیں ملتی تھی۔ ہمارے پاس اس وقت قلم تھا نہ ریکارڈر، بس جتنا یاد رہا اتنا لکھ دیا ہے، چند لمحوں کی یہ محفل یادگار بن گئی، حضرت کافی کمزور تھے بینائی بھی رخصت ہو رہی تھی، بہرحال حضرت سے ملاقات نے ہمارا ایمان تازہ کر دیا۔

جنازے والے دن میں نے مولانا احمد علی، مولانا حافظ اجود عبید کو فون کیا کہ ''جناب! حضرت کے جنازے پہ جانا ہے!''، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر دے وہ پہلے ہی تیار تھے، حافظ اجود عبید صاحب کو اپنا امیر بنایا اور چلنے کی تیاری کی، نماز ظہر جامعہ اشرفیہ کی مسجد میں ادا کی اور روانگی کے لیے تیار ہو گئے، ہمارے ساتھ مولانا مفتی محمد زکریا، مولانا احمد عمر خان، مولانا سمیع اللہ حقانی اور قاری احمد بھی تھے، جونہی ہم موٹر وے سے ''کالا شاہ کاکو'' کی طرف روانہ ہوئے تو حیران ہوئے کہ آج ہر گاڑی کا رخ گکھڑ کی طرف ہے، جنازے سے پہلے ہم گکھڑ پہنچے، وہاں خلق خدا دیکھ کر ہماری حیرانی میں مزید اضافہ ہوا، اتنے بڑے مجمع کا اندازہ گکھڑ والوں کو بالکل نہیں تھا اور نہ ہی انتظامیہ کو تھا آج جدھر نظر پڑ رہی تھی ادھر ہی انسانی سر نظر آ رہے تھے، بقول کسے ہماری عظمت کی گواہی ہمارے جنازے دیں گے۔ بلا مبالغہ جنازے کا اجتماع ہزاروں سے متجاوز تھا۔

مولانا مفتی محمد اسماعیل

شیخی ومرشدی

غالباً 1978ء کی بات ہے جب بندہ نے اپنے دادا مرحوم خلیفہ احمد دین رحمہ اللہ (جو سید فضل علی شاہ مسکین پوری رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے تھے) کی تحریک وتحریض پر بی، ایس، سی چھوڑ کر عربی مدارس کا رُخ کیا، مختلف مدارس میں چونکہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے دورہ تفسیر کی شہرت تھی تو غالباً درجہ رابعہ (ثانویہ خاصہ) والے سال چند ساتھیوں کے ہمراہ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ پہنچا، اسی سال حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا تھا، اس سال دورہ تفسیر میں تقریباً اڑھائی سو طلباء تھے، مولانا انیس الرحمٰن درخواستی مرحوم (خانپور)، مولانا عبید اللہ عامؔر صاحب (گوجرانوالہ) وغیرہم بندہ کے دورہ تفسیر کے ساتھی ہیں۔

پہلے دن حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے شرکاء دورہ تفسیر کو ہدایات ارشاد فرمائیں، جس میں وقت کی قدر، مطالعہ وتکرار کی پابندی، اکابر کی محنت کے واقعات جن میں مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کا یہ واقعہ سنایا کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں ایک رات کچھ طلبہ کو مچھر دانی لگا کر سوتے دیکھ کر فرمایا کہ ہمیں تو زمانہ طالب علمی میں ہفتہ میں ایک رات سونا نصیب ہوتا تھا اور مچھروں وغیرہ کے کاٹنے کا کچھ ہوش نہ ہوتا تھا، آجکل کے طلباء بڑے عیش پرست ہیں‘‘۔ بالخصوص [حضرت شیخ رحمہ اللہ نے] سر پر اُسترہ (بلیڈ) پھرانے کی زوردار ترغیب دی، حتیٰ کہ فرمایا کہ بعض علماء اور طلبہ مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں کہ آپ کا حافظہ اس قدر قوی اور مضبوط کیوں ہے، کہ ایک ایک روایت اور مسئلہ کا حوالہ درجنوں کتابوں سے دیا ہوتا ہے؟ پھر سر مبارک سے گول بڑی ٹوپی اتار کر فرمایا کہ اِس پر تقریباً 45 سال سے ہر جمعرات کو اُسترہ پھرتا ہے، یہ اس کی برکت ہے،، غالباً یہ جملہ بھی ساتھ ہی ارشاد فرمایا تھا کہ ’’جب سر پر اُسترہ پھرتا ہے تو ساتھ ہی دِل کے خیالات (فاسدہ) پر بھی اُسترہ پھر جاتا ہے‘‘۔ حضرت رحمہ اللہ کی ذات میں پابندیٔ وقت ایسی دیکھی کہ باید وشاید، ٹھیک صبح سات بجے

حضرت کی گاڑی مدرسہ کے گیٹ میں داخل ہوتی نظر آتی، کم از کم بندہ کو یہ یاد نہیں کہ اس معمول میں کبھی منٹ دو منٹ کی تاخیر بھی ہوئی ہو۔

تفسیر کا سبق چونکہ تقریباً ساڑھے تین، چار گھنٹے جاری رہتا تو دورانِ سبق کوئی چٹکلہ یا لطیفہ بیان فرما دیتے، جس سے ذہنی بوجھ اور طبعی تھکاوٹ دور ہو جاتی، ہمارے ساتھیوں میں ایک صاحب کبیر والہ ضلع خانیوال کے بہت بھاری بھرکم جسم والے تھے، ذہین بھی تھے، جب حضرت طالوت کا ذکر دوسرے پارے کے آخر میں آیا، ''**وزاده بسطة فی العلم والجسم**'' [الآیۃ] تو حضرت نے دورانِ تفسیر ایسا لطیف اشارہ اُن صاحب کی طرف فرمایا کہ اُن صاحب سمیت تمام طلبہ ہنس پڑے اور حضرت بھی مسکراتے ہوئے آگے چل دیئے، ایک دوسرے موقع پر خاصہ سبق ہو جانے پر ایک لطیفہ سنایا کہ ہمارے خاندان میں ایک بی بی تھیں، اُن کا نام تھا ''قیامت بی بی'' جب کوئی بچہ روتے چُپ نہ کرتا تو اُسے ڈرانے کے لیے ماں کہتی ''چُپ کڑے دے، چُپ کڑے دے، قیامت بی بی راغلے دے'' کہ خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ! قیامت بی بی آ رہی ہے تو وہ بچہ فوراً چُپ ہو جاتا، اور یہ جملہ پشتو زبان میں ایسے مخصوص لہجے میں ذکر فرمایا کہ پوری محفل کشت زار بن گئی۔

سبق کے آخر میں طلبہ کی سوالاتی پرچیوں کا جواب دیتے، ایک دن کسی طالب علم نے پرچی لکھی کہ رحیم یار خان کے ایک عالم (غالباً مولانا عبدالغنی جاجروی مرحوم) آپ سے مسئلہ حیات وسماع الانبیاء پر مناظرہ کرنا چاہتے ہیں، اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ تو نہایت اطمینان اور پورے وثوق سے فرمایا کہ ''میں تو نہیں جانتا کہ وہ صاحب کون ہیں! مگر اس مسئلہ میں بحمد اللہ چودہ سو سال کی پوری امت بندہ کے ساتھ ہے جس کا جی چاہے بات کر لے!'' رہا مسئلہ عام سمعِ اموات کا تو اس میں دونوں طرف ہمارے اکابر ہیں، اگرچہ اکثریت قائلین ہی کی ہے اس میں مَیں تشدد کا قائل نہیں ہوں۔

دورۂ تفسیر میں ایک بڑی عمر کے بابا صاحب شریک تھے، جو کئی بار مختلف جگہوں میں دورۂ تفسیر پڑھ چکے تھے، حضرت رحمہ اللہ نے ایک جگہ تفسیر میں تقریباً چھ سات تفسیروں کا حوالہ دیا اور آخر میں فرمایا حتیٰ کہ مشکوٰۃ شریف میں فلاں صفحہ پر بین السطور یہ بات لکھی ہوئی ہے''۔ اس پر اُس بابا جی نے عدم اطمینان کا اظہار کیا تو اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ مدرسہ میں چھٹی ہے، کتب خانہ بند ہو گا، اس لیے تفسیری کتابیں تو

نہیں دکھائی جاسکتیں، البتہ مشکوٰۃ شریف دیکھو! مسجد کے اندر مل جائیگی، چنانچہ ایک طالب علم جا کر مشکوٰۃ شریف لے آیا، خدا کی قدرت جس صفحہ پر جہاں وہ بین السطور بتلایا تھا وہیں پایا گیا دیکھ کر تب اُس بابا جی نے سر ہلایا کہ ہاں بات موجود ہے، غرض حضرت کا ذہن کتب خانۂ اسلام کا کمپیوٹر تھا۔

ایک مرتبہ طلبہ کو ترغیب وتشویق کے لیے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ایک حدیث کا حوالہ دینا تھا، اتنا تو یقین تھا کہ یہ روایت مسند احمد میں ہے، مگر جلد یاد نہ تھی، تو عشاء کی نماز پڑھا کر ڈھونڈنے بیٹھ گیا، مسند احمد کی ساتوں جلدیں کھنگال ڈالیں، خدا کی قدرت صبح صادق کے قریب آخری جلد میں وہ روایت مل گئی تو جلد کا حوالہ دے کر اطمینان ہوا، فرمایا سالہا سال سے یہ معمول ہے کہ رات کو تین گھنٹے (گیارہ تا دو بجے) اور دن کو ایک گھنٹہ سوتا ہوں۔

ایک دفعہ دورانِ سبق رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی نور اللہ مرقدہ کا ذکر آ گیا تو فرمایا ''الحمد للہ بندہ ان کا خاتم المریدین ہے'' اور اپنے استفادہ واستفاضہ کا ذکر فرمایا۔

دورۂ تفسیر کے بعد مشکوٰۃ شریف بندہ نے فیصل آباد حضرت مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ کی خدمت میں پڑھی، مگر دورہ حدیث کے لیے بندہ مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ حضرت کی خدمت میں پہنچا، تا کہ سند حضرت کے واسطہ سے حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ سے جُڑے، بحمد اللہ حضرت شیخ کے پاس صحیح بخاری اور جامع ترمذی کا سبق تھا، حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے پاس مسلم شریف کا سبق تھا، سنن ابوداؤد کا سبق حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ کے پاس تھا، اسباق جاری تھے بندہ نے حضرت مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ کی خدمت میں دعا واطلاع کے لیے عریضہ لکھا تو کچھ دنوں بعد اُن کا والا نامہ رنجیدگی وناراضگی کا موصول ہوا کہ میرے ادارے کی ابتداء ہے اور حضرت کے ہاں تو طلبہ کی کمی نہیں، (لہٰذا یہاں آجاؤ!) بندہ کچھ دن تو اسی کشمکش میں رہا اور حضرت شیخ کو چھوڑ کر فیصل آباد جانے پر دل راضی نہ ہوا، دوسرا سند کے عالی ہونے کا بھی خیال تھا، مگر جب مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ کے اصرار اور ناراضگی کا خیال آتا تو طبیعت پریشان ہو جاتی، بالآخر ایک دن نمازِ مغرب گکھڑ حضرت کے پیچھے جا کر پڑھی، نماز کے بعد ملا تو فرمایا ''ایسا کیا ضروری کام تھا کہ مطالعہ چھوڑ کر آ گئے؟'' بندہ نے ساری صورتِ حال عرض کر دی، سُن کر نہایت وُسعتِ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مولانا! اگر آپ کے اُستاد صاحب یہاں آنے اور پڑھنے پر ناراض ہیں

تو اُنہیں راضی کریں! آپ کے وہاں چلے جانے پر ہم ناراض نہ ہوں گے!'' بندہ نے حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، درخواستِ دعا کی اور پُرنم آنکھوں سے روانہ ہوآیا۔ البتہ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں جب اجازت کے لیے حاضری دی تو حضرت نے خفگی کا اظہار فرمایا کہ اختتام سال کے بعد ہر طالب علم آزاد ہوتا ہے کہ آئندہ سال جہاں اُس کا اطمینان اور علمی فائدہ زیادہ ہو وہاں جا کر پڑھے، یہ کیا طریقہ ہے.....؟ غرض یوں بندہ کے دورہ حدیث شریف کی ابتداء حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے اور انتہاء مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ کے ہاں ہوئی۔

دورہ سے فراغت کے بعد بندہ تعلیمی خدمات کے لیے دارالعلوم کورنگی چلا گیا، قبل ازیں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے بیعت کا تعلق بھی بندہ جوڑ چکا تھا، دارالعلوم کورنگی میں دوسرے سال کے آخر (1406ھ 1985ء) میں حضرت شیخ سے دوری وجدائی کچھ زیادہ شاق گزرنے لگی، تو اس سلسلہ میں عریضہ لکھا جس میں یہ بھی تحریر کیا کہ اگر آں محترم کی سرپرستی اور قرب وجوار میں تعلیمی خدمات کا موقع مل جاتا تو کیا خوب ہوتا....! کے قرب کے ساتھ اکثر وبیشتر زیارت بھی اور ظاہری وباطنی استفادہ واستفاضہ بھی.... اس کے جواب میں حضرت شیخ نے والا نامہ روانہ فرمایا

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

من ابی الزاہد الی محترم المقام حضرۃ العلام مولانا......................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی؟

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا، یادآوری وکرم فرمائی، حسن ظنی اور ذرہ نوازی کا صمیمِ قلب سے ہزار شکریہ، ورنہ ''من آنم کہ من دانم'' محترم! دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے نیک مقاصد میں جلدی کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔ فی الحال کوئی موزوں جگہ پیشِ نظر نہیں ہے، تا کہ عرض کی جائے۔ حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں، بفضلہٖ تعالیٰ راقم اثیم بھی دعا جو ہونے کے ساتھ دعا گو ہے۔

والسلام احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

10 محرم 1406ھ 26 ستمبر 1985ء

اس سے آئندہ سال 1986ء میں اچانک حضرت والد صاحب رحمہ اللہ ایک حادثہ میں شہید ہوگئے، اس سے والدہ صاحبہ کا اصرار کراچی چھوڑنے کا ہوا، اختتام سال پر مولانا رفیع عثمانی مدظلہ صدر دارالعلوم کراچی کی خدمت میں استعفاء پیش کردیا۔

والدہ محترمہ کے اصرار پر دارالعلوم کورنگی چھوڑ کر بندہ ''دارالعلوم اسلامی مشن'' بہاولپور آ گیا دو سال ابھی مکمل نہ ہوئے تھے کہ مولانا ظفر احمد قاسم مدظلہ (مدیر: جامعہ خالد بن ولید ٹھنگی) نے میرے بڑے بھائی سے کہا کہ اسے ''جامعہ خالد بن ولید'' بھجواؤ! اور ادھر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں جا کر اصرار کیا کہ آپ اسے (یعنی بندہ کو) ٹھنگی آنے کا فرمائیں، تو حضرت نے بندہ کو یہ والا نامہ تحریر فرمایا

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد   الیٰ محترم المقام جناب حضرت العلام مولانا............دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی؟

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قاسمی دام مجدہم جامعہ خالد بن ولید ٹھینگی ضلع وہاڑی (پاکستان) سے تشریف لائے تھے، انہوں نے راقم اثیم سے یہ کہا کہ آپ سفارش کریں کہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بطورِ مدرس ہمارے پاس تشریف لے آویں، چونکہ موصوف خود یہاں گکھڑ تشریف لائے تھے اور مجھ سے وعدہ لیا تھا اس لیے عرض ہے کہ اگر آپ کا مدرسہ والوں سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور حالات ٹھینگی جانے کی اجازت دیتے ہوں تو آپ مولانا موصوف سے رابطہ رکھیں، خوب غور وفکر کے بعد نفی یا اثبات کے فیصلہ سے راقم اثیم کو بھی آگاہ کردیں، طبیعت اچھی نہیں رہتی، نیک دعاؤں میں نہ بھولیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ خاطی بھی داعی ہے۔ حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں۔

میری اہلیہ کا انتقال ہو چکا ہے، اس کی مغفرت کی دعا بھی کریں۔

والسلام احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

17 جمادی الاُخریٰ 1408ء 26 جنوری 1989ء

چونکہ بندہ کے حالات بہاولپور چھوڑ کر ٹھینگی جانے کے موافق نہ تھے، سو بندہ نے حضرت شیخ کی خدمت میں عریضہ روانہ کیا جسکا جواب حضرت شیخ نے یوں دیا

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد الی محترم المقام جناب حضرت مولانا..........صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا محبت نامہ ملا، یادآوری کا تہہ دل سے صد شکریہ، محترم! میں نے حسب وعدہ آپ کو ایک پیغام پہنچایا تھا نہ جبر ہے اور نہ کوئی کرسکتا ہے، ''صاحب البیت ادریٰ بما فیه'' آپ نے جو فیصلہ کیا ہے ان شاء اللہ العزیز اسی میں آپ کی بھلائی اور ترقی ہوگی، مولانا کو خط لکھ دیں کہ میں اپنے حالات سے مجبور ہوں گو سفارش بھی ہوئی تھی، انکو اطلاع ضرور دے دیں، حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں، راقم علیل ہے، اور یہ عاصی بھی داعی ہے۔

والسلام احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

16 رجب 1409ھ 23 فروری 1989ء

بندہ جب کبھی حاضر ہوتا تو کچھ پھل وغیرہ لے جاتا، تو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ عموماً فرماتے کہ مولانا! یہ آپ کیا تکلف کرتے ہیں؟ حالانکہ آنمحترم کے بندہ پر دو حق تھے، تعلیم (اصلاح ظاہر کے لیے) اور تزکیہ (اصلاح باطن کے لیے) مگر بالکل بے غرض اور بے لوث، حضرت کی اہلیہ مرحومہ کے انتقال پر حاضر ہوا اور اس خیال سے کہ گھر میں پریشانی ہے بوقتِ عشاء واپسی کی اجازت چاہی، فرمایا مولانا! یہ کونسا وقت ہے جانے کا؟ میں نے بغیر لگی لپٹی کے عرض کی کہ آن محترم کی تکلیف کے خیال سے! فرمانے لگے مولانا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ بحمداللہ بارش کی طرح مہمان برستے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کا انتظام کرادیتا ہے، آپ اطمینان سے رہیے، کھانا کھائیں، صبح ناشتے کے بعد جانا، غرض وہیں بیٹھک میں رہنے اور سونے کا حکم فرمایا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً

ایک دفعہ دوران سبق فرمایا کہ میں ایک دفعہ حج کو جارہا تھا، لاہور اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں بیٹھا تھا اور پریشان سا تھا کہ اس دفعہ زائد رقم پاس نہیں، وہاں مہمان ملنے کو آئینگے تو ان کی تواضع کیسے کروں گا؟ اچانک ایک شخص آیا اور پوچھا مولانا آپ کہاں جارہے ہیں؟ میں نے کہا حرمین شریفین! تو اس نے جیب سے اچھی خاصی رقم نکال کر ہاتھ میں تھمادی کہ یہ سفر میں خرچ کے لیے رکھ لیں، کام آئیگی، فرمایا فوراً دل میں خیال آیا حق تعالیٰ نے مہمانوں کا انتظام فرمادیا۔

خدا تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور حضرت کی اولاد، تلامذہ اور مریدین ومتعلقین کو ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے مشن کو تاقیامت زندہ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

مولانا محمد نواز بلوچ

میرے استاد......میرے شیخ

میرا بڑا بیٹا جس کا نام میں نے شیخ رحمہ اللہ کے نام پر محمد سرفراز خان رکھا تھا ڈیڑھ سال کی عمر میں وفات پا گیا، چوتھے دن میں گاؤں سے واپس آ گیا، حسبِ سابق حضرت رحمہ اللہ گاڑی (میری مسجد کے جو حضرت کے راستہ میں آتی تھی اور آپ کبھی کبھی رُک کر حال احوال دریافت کرتے تھے۔) باہر رکی، ہم سب دوڑتے ہوئے باہر گئے لیکن حضرت رحمہ اللہ گاڑی سے اتر کر اندر کی طرف آ رہے تھے، اندر تشریف لائے ہم نے مسجد کے ساتھ والے کمرے میں بٹھایا، آپ رحمہ اللہ نے مجھ سے تعزیت کی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اس سے پہلے میرا ذہن یہ تھا کہ تعزیت کے موقع پر ہاتھ اٹھانا صحیح نہیں ہے، میں نے سوال کیا کہ حضرت! کیا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح ہے؟ تو فرمایا کہ ’’حضرت شاہ اسحاق رحمہ اللہ نے ’’چالیس مسائل‘‘ کے اندر لکھا ہے کہ جائز ہے۔‘‘ (حضرت دادا جان رحمہ اللہ کا اس بارے میں مؤقف یہ تھا کہ تعزیت کے موقع پر ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا اگرچہ جائز ہے لیکن اسے ضروی خیال کرنا، اور واجب قرار دینا، اس کے خلاف دعا مانگنے کو غیر مسنون کہنا جائز نہیں۔[خادم حمزہ)۔ حضرت رحمہ اللہ مسائل میں اپنے بزرگوں پر کلی اعتماد کرتے تھے اور اپنے شاگردوں اور متعلقین کو بھی یہی سبق دیتے تھے کہ ’’بزرگوں کا دامن نہ چھوڑنا‘‘ چنانچہ ایک دفعہ حسب معمول بندہ [راقم] اور حضرت کے معالج ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اور خادم خاص جناب لقمان اللہ میر صاحب بیٹھے تھے کہ حضرت رحمہ اللہ کا پوتا ’’عمار خان ناصر‘‘ آ گیا، جس کے متعلق حضرت رحمہ اللہ کو یہ شکایات ملی تھیں کہ وہ ’’بے راہ روی‘‘ اختیار کرتا جا رہا ہے، اپنے بزرگوں کے خلاف لب کشائی بھی کرتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے اس کو سمجھایا اور فرمایا کہ ’’اپنے اکابر کے خلاف کبھی بات نہ کرنا، اگرچہ اُن میں کوئی غلطی بھی ہو! ان کی نیکیوں کی بوریاں بھری ہوئی ہیں، اگر اُن میں ایک چٹکی مٹی بھی پڑ گئی تو کیا فرق پڑتا ہے‘‘۔ پہلے پہل میں اکیلا یا کسی مولوی ساتھی کو ساتھ لیکر حضرت کی خدمت میں جاتا تھا حضرت کے مرید لقمان صاحب سے بھی وہاں ملاقات ہو جاتی تھی، پھر ان کے ساتھ جانے لگ گیا۔ ایک دن لقمان صاحب مجھے کہنے لگے کہ ہمارے دیگر رشتہ داروں کے گھر علماء کرام اور بزرگ تشریف لاتے ہیں میری والدہ ان پر رشک کرتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ کاش! ہمارے گھر بھی کوئی بزرگ تشریف لائیں!، لہٰذا حضرت رحمہ اللہ کو گھر لے جانے کا پروگرام بناؤ! میں نے حضرت رحمہ

اللہ سے درخواست کی، حضرت نے قبول فرمائی 19 اپریل 2002ء کو حضرت رحمہ اللہ لقمان صاحب کے گھر تشریف لے گئے اوران کی والدہ کی دعا قبول ہوئی۔

اسفار میں معیت کی سعادت:

حضرت رحمہ اللہ لمبے لمبے سفروں پر مجھے ساتھ لے جاتے تھے، ایک وجہ تو یہ تھی کہ میں خادم بن کر رہنا پسند کرتا تھا عالم بن کر نہیں، دوسرا یہ کہ میں نے حضرت کو کبھی بیچا نہیں تھا۔ 1997ء کی بات ہے ایک دن ہم حضرت رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ ''مجلس عمل علماء اسلام'' کے اجلاس میں شرکت کے لیے مری جانا ہے! میر لقمان صاحب نے کہا کہ حضرت گاڑی کے لیے کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہم اپنی گاڑی پر آپ کو لے جائیں گے، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا ''ٹھیک ہے''۔ پھر میر صاحب نے مجھے کہا کہ ''میں لمبے سفر پر گاڑی نہیں چلا سکتا، ڈرائیونگ آپ نے کرنی ہے!'' میں نے کہا آپ فکر نہ کریں ڈرائیونگ میں ہی کروں گا! چنانچہ مقررہ تاریخ کو ہم حضرت رحمہ اللہ کو لے کر مری ''حاجی محمد شعیب صاحب'' کے گھر پہنچ گئے، کیونکہ مشائخ کا یہ خصوصی اجلاس اُن کے ہاں رکھا گیا تھا، جب میر صاحب کی نگاہ حضرت خواجہ خان محمد صاحب مدظلہ کی گاڑی پر پڑی تو کہنے لگے ہماری گاڑی حضرت رحمہ اللہ کے شان کے لائق نہیں، کہ ہمارے پاس گاڑی ''مارگلہ'' تھی، آئندہ جو سفر ہوگا نئی گاڑی پر ہوگا [ان شاء اللہ]۔ چنانچہ واپس آ کر انہوں نے زیرو میٹر ''ٹوڈی'' خریدی۔ اجلاس کے اختتام پر میزبان حاجی محمد شعیب صاحب اور مقامی علماء کرام خصوصاً قاری محمد سعید صاحب کے اصرار پر دو تین دن مزید وہاں ٹھہرے، جب ان حضرات نے مزید اصرار کیا تو حضرت نے وعدہ فرمایا کہ ''ان شاء اللہ پھر آئیں گے''۔ اگلے سال پھر ایک ہفتہ کے لیے مری لے گئے، قیام کے دوران حضرت نفلی عبادات معمول کے مطابق ادا کرتے تھے اور فرماتے کہ ہمارے بزرگوں کا یہی معمول رہا ہے کہ سفر جاری ہوتا تو نفلی عبادات کو چھوڑ دیتے تھے اور اگر ٹھہراؤ ہوتا تو فرضوں میں تو رخصت پر عمل کرتے لیکن نفل وسنن پورے ادا کرتے۔ عصر کی نماز کے بعد تلاوت قرآن کریم کا معمول تھا اور فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عصر ومغرب کے درمیان پیدا فرمایا تھا، لہٰذا یہ وقت اللہ تعالیٰ کے شکریے کا ہے۔ وہاں قیام کے دوران مختلف مساجد میں درس ہوئے، کہیں ظہر کے بعد اور کہیں مغرب کے بعد، کہیں عشاء کے بعد، درس میں لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے اور بڑے شوق کے ساتھ سنتے، میں بھی سامنے بیٹھ کر سُنتا تھا اور لوگوں کے تأثرات بھی معلوم کرتا، لوگ کہتے تھے کہ ''بابا بڑے سخت مسئلے بیان کرتا ہے'' ان دنوں حضرت ان مسائل پر بہت زور دیتے تھے۔ [۱] جس کے ناخن بڑھے ہوئے ہوں اُس کی نماز نہیں ہوتی، کیونکہ ناخنوں کے نیچے میل جم جاتی ہے جس سے وضوء نہیں ہوتا۔ [۲] عورتیں ناخن پالش نہ لگائیں

کیونکہ ناخن پالش کے ہوتے ہوئے وضوء اور غسل نہیں ہوتا کیونکہ اس کے نیچے پانی نہیں جاتا، نمازیں پڑھی ہوئی بھی ذمہ میں باقی رہتی ہیں۔[۳] یا اگر لگائیں تو نماز کے وقت سے پہلے پہلے صاف کرلیں۔[۴] وضو کرتے وقت انگوٹھی کو ہلائیں تاکہ نیچے پانی چلا جائے اور انگوٹھی والی جگہ خشک نہ رہے، ورنہ وضو نہیں ہوگا۔ [۵] عورتیں کوکے اور بالی کے سوراخ میں پانی پہنچائیں ورنہ وضو، غسل نہیں ہوگا۔[۶] عورت اگر باریک دوپٹہ پہن کر نماز پڑھے کہ جس سے سر کے بال نظر آتے ہوں تو نماز نہیں ہوگی چاہے بند کمرے میں ہی کیوں نہ پڑھے، کیونکہ سر عورت کے ستر میں داخل ہے۔

القاءِ رحمانی وکشفِ ربانی:

حضرت رحمہ اللہ کی برکت سے میں بھی تہجد پڑھ لیتا تھا ورنہ میں تہجد گزار نہیں ہوں۔ایک دن میں نے تہجد کی نماز کے بعد دعا کی ''اے پروردگار! مال وافر مقدار میں عطا فرما!'' حضرت رحمہ اللہ نے صبح کی نماز میں سورت بنی اسرائیل کے دوسرے رکوع کی تلاوت کی جس میں ہے ''**ویدعوا لانسان باالشر دعاءہ بالخیر وکان الانسان عجولا**'' اور مانگتا ہے انسان برائی کو جیسا کہ وہ مانگتا ہے بھلائی کو، اور ہے انسان جلد باز۔ میں نے میر صاحب کو قصہ سنایا تو بڑے ہنسے، میں نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لیے حضرت کو یہ القاء فرمایا ہے۔''

واپسی سے دو دن پہلے کی بات ہے کہ میں نے اپنے جی میں فیصلہ کیا کہ پرسوں واپس جانا ہے، کل میں خوب خریداری کرلوں گا۔صبح حضرت نے نماز پڑھائی تو سورت بنی اسرائیل کا تیسرا رکوع تلاوت فرمایا جس میں ہے ''**ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربه کفورا**'' ۔بے شک بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔تو میں نے فوراً اپنے ارادے سے توبہ کی۔

ایک دفعہ میں اور خاور بٹ (کاتب) صاحب تفسیر ''**ذخیرۃ الجنان**'' کے متعلق کچھ چیزیں پوچھنے کے لیے گئے، بھوک بڑی لگی ہوئی تھی، جبکہ کھانے کا ٹائم بھی نہیں تھا، میں نے بٹ صاحب کو کہا کہ آج حضرت رحمہ اللہ کھانا کھلا دیں تو کیا ہی بات ہے! ہم ابھی مصافحہ کرکے بیٹھے ہی تھے کہ حضرت نے فوراً گھر حکم بھیجا کہ ان کو کھانا کھلاؤ! میں نے بٹ صاحب کو کہا کہ شریعت میں اگر دھمال ڈالنے کی اجازت ہوتی تو آج میں اس القاء پر دھمال ڈالتا۔

تو خیر میں بات کررہا تھا مری کے سفر کی۔ہم چار سال مسلسل ایک ہفتہ کے لیے حضرت کو مری لے جاتے رہے اور حاجی محمد شعیب صاحب بھی خدمت کی حد کردیتے تھے۔اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کی

بھلائیاں نصیب فرمائے۔

کشمیر کا سفر:

چوتھے سال جب مری گئے تو حضرت نے فرمایا کہ ''آگے کشمیر چلنا ہے!'' اور مولانا محمد اسحاق صاحب جھالر بازار والے کو فون کر کے اطلاع دو کہ اُس نے ہمارے ساتھ رہنا ہے!'' کشمیر کی طرف سفر شروع ہوا، اور میں باکرہ گاڑی ''ٹوڈی'' چلا رہا تھا، جب دریائے ''کنار'' ہم نے کراس کیا، پہاڑی سفر، کے اندھے موڑ تھے، میر صاحب نے حضرت رحمہ اللہ سے دریافت کیا کہ ''حضرت! بلوچ ڈرائیونگ میں پاس ہے یا نہیں؟'' حضرت نے فرمایا کہ ''پاس ہے''۔ جب ہم مدرسہ انوار العلوم دھیر کوٹ پہنچے تو مولانا محمد اسحاق صاحب وہاں پہنچے ہوئے تھے، وہاں کچھ دیر ٹھہرے، حضرت نے بیان بھی فرمایا، پھر مجاہدہ آباد، ہاڑی گیل، ارجہ، نعمان پورہ، ملوٹ، نیلہ بٹ، غنی آباد، تھب اور باغ کے سبزہ زاروں میں عازم سفر رہے، باغ سے مولانا مفتی عبدالشکور صاحب [تحصیل مفتی: باغ] بھی قافلہ میں شامل ہو گئے، جگہ جگہ حضرت کے بیان ہوئے۔

عرب وعجم میں مقبولیت:

ایک دفعہ سبق کے دوران حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''ایک دفعہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ کے علماء کو میرے متعلق کسی نے بتایا تو وہ میرے پاس آگئے، کافی دیر گفتگو ہوتی رہی، آخر میں ان حضرات نے مجھ سے تقاضا کیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ منہ اور زبان جس سے اللہ تعالیٰ نے دین کا اتنا کام لیا ہے، اس کا لعاب ہمارے منہ میں ڈالیں! فرمایا ''میں نے کہا کہ یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظمت عطا فرمائی ہے''، لیکن انہوں نے مجھے تھوکنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''مولوی صاحب! مجھے مجبوراً یہ کام بھی کرنا پڑا'' کہ میں نے اپنا لعاب ان کے منہ میں ڈالا، جس طرح دوسرے کو دم کیا جاتا ہے۔

ایک دن بندہ راقم معمول کے مطابق بعد از نماز ظہر حضرت کی تفسیر ''ذخیرۃ الجنان'' ترتیب دے رہا تھا اچانک استاذ زادہ مولانا احمد اللہ خان صاحب کا جدہ سے فون آیا کہ اباجی (استاد محترم مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ العالی) سے بات کرو! علیک سلیک کے بعد حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ یہاں مقیم ہمارے ساتھیوں نے مقامی احباب کو میرا تعارف کرایا تو انہوں نے تقاضا کیا کہ ''ہمیں کچھ اسباق حدیث کے پڑھا دو!'' اس دوران میں نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کا تعارف کرایا تو جدہ کے بڑے عالم شیخ احمد ہمدان اور ان کے ساتھیوں نے تقاضا کیا ہے کہ حضرت شیخ سے فون پر ہماری بات بھی کراؤ اور اجازت حدیث بھی دلواؤ! لہٰذا آپ گکھڑ جائیں اور حضرت سے ہماری بات کرائیں! میں اسی وقت میر صاحب اور ڈاکٹر صاحب کو لیکر

گکھڑ پہنچ گیا اور حضرت شیخ کی استاد مفتی صاحب سے بات کرائی، پھر ان عرب علماء نے بھی بات کی، حال احوال دریافت کیے تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں علیل ہوں! انہوں نے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ اجازتِ حدیث طلب کی تو حضرت رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ آپ ان کو میری طرف سے کہہ دیں کہ'' اجازت ہے!'' میں نے ان کو بتایا کہ حضرت نے آپ کو اجازت دے دی ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت خود اپنی آواز میں اجازت عنایت فرمائیں! میں نے حضرت رحمہ اللہ سے ان کا مطالبہ عرض کیا تو اشارہ سے فون قریب کرنے کا کہا، میں نے موبائیل آپ کے قریب کیا حتیٰ کہ کان سے لگا دیا تو آپ نے ان کو عربی میں فرمایا کہ ''میں آپ کو اجازت دیتا ہوں!''

وفات سے تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے تلونڈی موسیٰ خان مولوی نذیر صاحب سرگودھوی کی مسجد میں تبلیغی جماعت آئی جس میں کچھ علماء بھی تھے، مولوی نذیر صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے کہا کہ ہم نے حضرت شیخ کی زیارت کرنی ہے، چنانچہ میں ان کو لیکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ملاقات کے بعد علماء نے سند اجازتِ حدیث کا تقاضا کیا، تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے حسب معمول ایک ایک سے پوچھا کہ'' آپ نے دورہ کہاں کیا ہے؟'' ایک نے اکوڑہ خٹک اور دوسرے نے دارالعلوم کراچی کا بتایا تو آپ نے دونوں کو سند دے دی، ایک اور صاحب سے پوچھا تو انہوں نے رائے ونڈ کا بتایا تو فرمایا کہ ''اس کو باہر نکال دو! اس کے لیے کوئی سند نہیں ہے۔'' اور پھر باہر نکلوا دیا۔ (حضرت دادا جان رحمہ اللہ کو بعض لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ رائے ونڈ کے فاضل تو نہ تھے لیکن رائے ونڈ کا کہہ کر آپ سے سند لے گئے ہیں، یہ سن کر آپ بہت غمگین ہوئے اور فرمایا مولویوں کو اللہ ہدایت دے! یہ ہی جھوٹ بولنے اور دھوکہ دینے سے باز نہیں آتے! اس کے بعد آپ رحمہ اللہ ان حضرات کو جو رائے ونڈ کا نام لیتے اُن کو سند دینے میں احتیاط فرماتے تھے۔'' [خادم، حمزہ])

حاجی لقمان اللہ میر

میرے مشفق اور مہربان مرشد

مخدوم العلماء، امام اہل سنت، قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ ان یگانہ روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام اوصاف کے ساتھ متصف کیا ہوتا ہے اور جو ظاہر و باطن کی خوبیوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ حضرت بے مثال خطیب بھی تھے اور بے نظیر محدث بھی، بہترین ادیب اور مصنف بھی تھے اور تقویٰ وطہارت کے بادشاہ بھی، اعلیٰ پائے کے مدرس بھی تھے اور رہبر کامل بھی۔ انھوں نے ایک صدی کے لگ بھگ ایسی زندگی گزاری کہ اس کے کسی پہلو پر بدنمائی کا دھبہ نہیں ہے۔ تقریر فرماتے تو یوں لگتا تھا کہ علم کا سمندر موج زن ہے۔ تحقیق کے میدان میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ان کے انہی اوصاف کی وجہ سے میں ان کا معتقد تھا۔

میں کوئی عالم فاضل نہیں ہوں، بلکہ خالص کاروباری آدمی ہوں، اس لیے میں ان کے اوصاف کی صحیح معنی میں عکاسی بھی نہیں کرسکتا۔ میرے سسرال گکھڑ میں ہیں۔ میں وہاں جاتا تو حضرت کے درس میں بیٹھنے کا موقع ملتا۔ حضرت کے کردار کو دیکھ کر میں حضرت سے متاثر ہوا۔ جب کسی مسئلہ میں الجھن ہوتا تو دریافت کرنے کے لیے عام آدمی کی حیثیت سے حضرت کے پاس گکھڑ جاتا اور رہنمائی حاصل کرتا۔ پھر جس طرح فرماتے، اسی طرح کرتا۔

حضرت کے ساتھ قریبی تعلق کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت کے بڑے صاحب زادے مولانا علامہ زاہد الراشدی کے ساتھ اسلام آباد جانے کا اتفاق ہوا تو میں نے مولانا سے کہا کہ میں حضرت سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ واپسی پر علامہ صاحب مجھے گکھڑ حضرت کے گھر لے گئے اور مجھے بیٹھک میں بٹھا کر کہا کہ میں حضرت سے پوچھ کر آتا ہوں۔ پھر مجھے حضرت کے پاس لے گئے اور حضرت نے شفقت فرماتے ہوئے اسی وقت بیعت کرلیا۔ حضرت کی شفقت نے مجھے بہت زیادہ قریب کردیا۔ حضرت کے شاگرد اور مرید مولانا محمد نواز بلوچ صاحب سے بھی وہاں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

ایک دن حضرت نے فرمایا کہ مری میں اکابر کا اجتماع ہے، اس میں شرکت کے لیے جانا ہے۔ میں نے کہا

کہ حضرت، اجازت ہو تو میں آپ کو اپنی گاڑی میں لے جاؤں۔ حضرت نے آمادگی کا اظہار فرمایا۔ میں نے کہا کہ حضرت، میں لمبے سفر پر گاڑی نہیں چلا سکتا۔ خصوصاً رات کو مجھے نیند آ جاتی ہے، اس لیے بلوچ صاحب سے کہیں کہ وہ بھی ہمارے ساتھ چلیں اور گاڑی ڈرائیو کریں۔ حضرت کے کہنے پر وہ تیار ہو گئے اور ہم مشائخ کے اجتماع میں حاجی محمد شعیب صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ یہ میرا حضرت کے ساتھ پہلا سفر تھا۔ پھر حضرت کے اتنا قریب ہو گیا کہ ایک آدھ سفر کے سوا تقریباً ہر سفر میں آپ کی خدمت کے لیے ساتھ ہوتا تھا۔ سفر کے دوران میں نے حضرت کو ہر وقت ذکر ہی کرتے دیکھا ہے۔ سفر کے دوران یا اقامت کی صورت میں بھی جب کوئی سوال کرتا تو حضرت بڑا مختصر اور جامع جواب دیتے تھے جس سے آدمی کی تشفی ہو جاتی تھی۔ صرف مقصد کی بات فرماتے۔ میں نے کبھی حضرت کی زبان سے فضول بات نہیں سنی۔ چترال اور گلگت کے سفر میں، میں کسی وجہ سے حضرت کے ساتھ نہ جا سکا، لیکن واپسی پر استقبال کے لیے گکھڑ پہنچ گیا۔ حضرت گاڑی سے اترے۔ میں نے سلام کیا تو فرمایا حاجی صاحب، اچھا کیا کہ تم سفر پر ساتھ نہیں گئے۔ یہ مفتی جمیل دیو ہے، اس نے ہمیں بہت مشکل مشکل راستوں پر پھرایا ہے۔ یہ جو کہتا ہے، کر گزرتا ہے۔

مجھے حضرت کے ساتھ تین عمرے اور ایک حج کرنے اور حضرت کی خدمت کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ پہلا عمرہ اس طرح ہوا کہ جب حضرت پر فالج کا حملہ ہوا تو علاج کے دوران شہید ختم نبوت حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب تشریف لائے اور حضرت سے اصرار کیا کہ علاج کے لیے کراچی تشریف لے چلیں۔ حضرت نے آمادگی ظاہر فرمائی۔ حضرت کے ساتھ بندۂ گنہگار، مولانا محمد نواز بلوچ اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن بھی کراچی گئے۔ ڈاکٹر صاحب تو حضرت کو پہنچا کر واپس آ گئے، جبکہ میں اور بلوچ صاحب حضرت کی خدمت کے لیے وہیں رہے۔ ڈاکٹر حضرات حضرت کا علاج کرتے رہے اور علما وطلبہ اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ روزانہ عصر سے مغرب تک مفتی صاحب کے گھر پر علمی مجلس ہوتی جس میں علما اور طلبہ شریک ہوتے۔ اس دوران مفتی صاحب نے حضرت سے عمرہ کا وعدہ لے لیا۔ رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ ہم نے حضرت کے ساتھ حرمین شریفین میں گزارا۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ حضرت کے خلیفہ مُجاز قاری سعید الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (سابق صوبائی وزیر) بھی تھے۔ اس سفر میں ہم نے حضرت کی بہت سی کرامات کا مشاہدہ کیا جن کو احاطہ تحریر میں لانے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔

عمرے کے ایک سفر میں جب ہم جدہ ایئر پورٹ پر پہنچے تو سامان کی چیکنگ پر اتنا وقت لگا کہ حضرت کے پاؤں سوج گئے، کیونکہ حضرت ویل چیئر پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ جب ہم وہاں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت کے پاس پہنچے تو حضرت نے نہایت عجیب انداز میں فرمایا، حاجی صاحب! دنیا کے حساب کتاب میں

اتنی پریشانی اور دقت ہوتی ہے تو آخرت کے حساب کتاب کا کیا بنے گا؟ میں نے خوش طبعی کے طور پر کہا کہ حضرت، یہاں جو واقفیت رکھتا ہو، وہ جلدی فارغ ہو جاتا ہے، لہٰذا آخرت میں ہمیں آپ کی وجہ سے نہایت آسانی ہوگی۔ حضرت یہ بات سن کر خاموش ہو گئے۔

حضرت کی دیانت داری ضرب المثل ہے۔ ایک دفعہ میں نے حضرت سے گزارش کی کہ آپ مجھے اپنی کتابوں کا مکمل سیٹ عنایت فرمائیں اور ان پر کچھ تحریر بھی فرما دیں تا کہ یادگار رہے۔ حضرت نے مجھے کتابیں عنایت فرمائیں، مگر کچھ کتابیں کم تھیں۔ میں نے سیٹ مکمل کرنے کے لیے وہ کتابیں بازار سے خریدیں اور حضرت کے پاس لے گیا۔ عرض کیا کہ ان پر بھی کچھ لکھ دیں تو حضرت نے ان پر ہدیہ نہیں لکھا، بلکہ تحریر کیا کہ یہ کتابیں میر لقمان صاحب کی ملکیت ہیں اور لکھا میں نے ہے۔ اللہ اللہ! کتنی احتیاط ہے۔

میری اہلیہ گکھڑ کی رہنے والی ہے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ حضرت کے گھر گئی ہے۔ جب دروازے پر پہنچی تو حضرت پھلوں کے چھلکے ہاتھ میں پکڑے انھیں پھینکنے کے لیے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ میری اہلیہ نے کہا کہ مولوی صاحب، یہ چھلکے مجھے دے دیں۔ (حضرت کو گکھڑ والے مولوی صاحب کہتے تھے)۔ میں نے اہلیہ کا یہ خواب حضرت کو سنایا اور تعبیر پوچھی تو حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علم ہمیں دیا ہے، اس میں سے آپ کو بھی حصہ ملے گا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت کی کوئی تفسیر ہونی چاہیے۔ اس کا تذکرہ میں نے بلوچ صاحب سے کیا تو مولانا محمد نواز بلوچ نے اس خیال کو سراہتے ہوئے کہا کہ حضرت، جو درس جامع مسجد بوہڑ والی میں دیتے تھے، اس کا سراغ لگاتے ہیں کہ آیا کسی نے اس کی ریکارڈنگ کی ہے یا نہیں۔ اگر کی ہے تو اس کو نقل کر کے شائع کرنا چاہیے۔ اس طرح حضرت کی تفسیر معرض وجود میں آ سکتی ہے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس کا پورا ریکارڈ محمد سرور منہاس صاحب کے پاس موجود ہے۔ ہم ان کے پاس گئے تو انھوں نے کہا کہ حضرت صاحب کی اجازت کے بغیر نہیں دے سکتا۔ منہاس صاحب کو ہم حضرت کے پاس لے گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ کیسٹیں ان کے حوالے کر دیں، میں نے ان کو اجازت دی ہے۔

جب پہلی جلد چھپی تو کچھ لوگوں نے شکوک وشبہات پیدا کیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت کے بعد کوئی استحقاق کا دعویٰ کر دے، لہٰذا حضرت سے کچھ لکھوا لو۔ اس بات کا تذکرہ بلوچ صاحب نے حضرت شیخ صاحب سے کیا تو حضرت نے فرمایا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ روپے لقمان اللہ میر خرچ کرے اور مستحق کوئی اور بن جائے۔ میں نے کہا کہ حضرت، میں تو یہ کام اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہوں، لیکن حضرت نے ایک کاغذ منگوا کر تفسیر کے حقوق میرے نام لکھ دیے۔ تفسیر کا نام بھی حضرت نے خود تجویز فرمایا اور اس کی جلد کے لیے

کپڑے کا رنگ بھی حضرت نے خود پسند فرمایا۔ وہ یوں کہ کراچی کے سفر کے دوران اقرا روضۃ الاطفال کی ایک لائبریری میں بیٹھے تھے کہ مختلف کتابیں حضرت کے سامنے پیش کی گئیں تو حضرت نے یہ رنگ پسند فرمایا۔ الحمدللہ اب تک سورۃ التوبہ تک آٹھ جلدیں چھپ چکی ہیں جبکہ نویں جلد، جس میں سورۂ یونس اور سورۂ ہود ہے، صفحہ قرطاس پر منتقل ہو چکی ہے۔

حضرت خواب کی تعبیر کے امام تھے۔ ایک دفعہ مری کے سفر میں، میں نے خواب میں حضرت کو پریشان بیٹھے دیکھا۔ فجر کی نماز کے بعد میں نے آپ کو خواب سنایا تو فرمایا کہ میرے گھر فون کر کے حالات معلوم کرو۔ معلوم کیا تو خیر خیریت تھی، لیکن دو دن کے بعد حضرت کے صاحب زادے قاری ماجد صاحب وفات پا گئے۔

حضرت کی مہمان نوازی مشہور ہے۔ کھانے کے وقت کوئی مہمان آیا ہو اور کھانا کھائے بغیر چلا گیا ہو، یہ ناممکن تھا۔ ایک دفعہ میں حضرت شیخ کے پاس گیا تو حضرت مکئی کی روٹی ساگ کے ساتھ کھا رہے تھے۔ مجھے بھی ساتھ بٹھا کر فرمایا کہ حاجی صاحب، آیئے، آپ بھی کھائیں۔ یہ مکئی گاؤں سے آئی ہے۔ یقین جانیے اس کا ایسا مزہ تھا کہ آج بھی محسوس ہوتا ہے۔ میں نے حضرت کے ساتھ جتنے بھی سفر کیے ہیں، ان سے واپسی پر حضرت بذریعہ فون کھانے کے لیے حاضر ہونے کا حکم دیتے۔ جب ہم پہنچتے تو کھانا تیار ہوتا۔ حضرت کھانا کھلاتے، پھر شکریہ ادا فرماتے اور رخصت کرتے۔

حضرت کے اصل معالج تو ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب تھے جو روزانہ حضرت کی خبر گیری کے لیے گکھڑ جاتے تھے، لیکن کسی دن اگر مجبوری کی وجہ سے نہ جا سکتے تو ڈاکٹر سہیل انجم بٹ صاحب یہ خدمت سرانجام دیتے۔ بعض اوقات ڈاکٹر صاحب روانہ ہوتے وقت یہ خواہش ظاہر کرتے کہ آج حضرت ہمیں کھانا کھلا دیں۔ جب وہاں پہنچتے تو حضرت فرماتے کہ ڈاکٹر صاحب، کھانا کھائے بغیر نہیں جانا، حالانکہ ہم نے زبان سے کبھی اپنی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔

حضرت چونکہ میرے ساتھ بہت محبت رکھتے تھے، اس لیے ادب کے ساتھ کبھی کبھی بے تکلفی کی بات بھی کر لیتا تھا۔ ایک دن میں نے کہا کہ حضرت، شعرا میں سے آپ کس شاعر کو پسند کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اقبال اور غالب۔ میرا مقصد مذہبی شعرا کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ میں نے کہا کہ حضرت مذہبی شعرا میں سے؟ تو فرمایا کہ امین گیلانی اچھا شاعر تھا۔ سرائیکی میں کمتر صاحب کا کلام پسند فرماتے تھے۔ ایک دن میں نے کہا کہ حضرت، زندگی کے اچھے اور پیارے دن کون سے گزرے ہیں؟ تو فرمایا کہ حج اور عمرہ کے دن۔

حضرت میں مداہنت بالکل نہیں تھی اور حق گوئی میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایک دن ہم حضرت کے

پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ تبلیغی ساتھی آ گئے۔ کچھ ساتھیوں نے کہا کہ یہ ہر طرح کے بدعقیدہ لوگوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم ایسا جوڑ کے لیے کرتے ہیں تا کہ وہ اس طریقے سے ہدایت پر آ جائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہارا کام تبلیغ کرنا ہے، ہدایت دینا نہیں۔ ہدایت دینا اللہ کے پاس ہے۔ یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا کہ اس کے لیے آپ غلط کام کریں۔

حضرت کے علمی مقام کو تو دوست دشمن سب ہی تسلیم کرتے ہیں۔ بڑے بڑے علما حضرت کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھتے تھے۔ کراچی میں علاج کے دوران حضرت دار العلوم کراچی تشریف لے گئے تو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے تمام علما وطلبہ کو ایک جگہ، غالباً مسجد میں جمع کیا اور حضرت سے کچھ وعظ اور اجازت حدیث کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا کہ کوئی طالب علم حدیث شریف پڑھے تو مولانا تقی عثمانی صاحب نے خود حدیث کی کتاب لی اور حدیث پڑھنی شروع کر دی اور مجلس میں یہ بھی فرمایا کہ حضرت، آپ میرے دادا استاد ہیں۔ حضرت اکابر کا کتنا احترام فرماتے تھے، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ دار العلوم کے دفتر میں بیٹھے تھے تو مولانا تقی عثمانی صاحب نے فرمایا کہ حضرت، یہ ڈیسک جو پڑا ہے، اس پر والد محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب لکھا کرتے تھے اور یہ ڈیسک حکیم الامت حضرت تھانوی کا تھا۔ حضرت نے احتراماً اور برکت حاصل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھا کر ڈیسک کو چھوا۔

حضرت کو میرے ساتھ کتنی محبت تھی، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ میری بیٹی کو تکلیف ہو گئی۔ حضرت سے دم کرایا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔ اس کے بعد جب بھی ملتا، بچی کے بارے میں پوچھتے کہ اس کا کیا حال ہے؟ اپنے سب سے چھوٹے فرزند منہاج الحق راشد کی شادی کے موقع پر میرے گھر فون کیا اور فرمایا کہ حاجی صاحب کو بلاؤ، میں نے بات کرنی ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت، میں خود بات کر رہا ہوں۔ مجھے حیرانی بھی ہوئی کہ اس سے پہلے حضرت نے کبھی فون نہیں کیا تھا۔ فرمایا کہ حاجی صاحب، راشد کی شادی ہے تو آپ جلدی اپنی گاڑی لے کر آ جائیں۔ میں تو خوشی سے کھل گیا کہ میری تمنا پوری ہو گئی۔ میں چاہتا تھا کہ حضرت شادی میں مجھے بلائیں۔ میں جلدی جلدی خوشی کے ساتھ گکھڑ روانہ ہوا۔ سوء اتفاق سے ابھی راہوالی پہنچا تھا کہ گاڑی کا کچھ اس انداز سے ایکسیڈنٹ ہو گیا کہ گاڑی کا بونٹ ہی اڑ گیا، لیکن بحمد اللہ مجھے خراش تک نہ آئی۔ پریشانی کی حالت میں حضرت کے پاس پہنچا۔ حضرت میری حالت دیکھ کر سمجھ گئے کہ کوئی پریشانی ہے۔ پوچھا تو میں نے حادثہ سے آگاہ کیا۔ چائے پلانے کے بعد فرمایا کہ آپ واپس چلے جائیں اور گاڑی کو ٹھیک کرائیں۔ شادی کے بعد ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور شادی کا حال پوچھا تو حضرت نے فرمایا کہ بیٹے کی شادی کی خوشی تھی اور آپ کے نقصان کا غم بھی تھا۔ حضرت کی اس بات سے میرا سارا غم غلط ہو گیا۔

حضرت کا میرے ساتھ ایسا برتاؤ تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے۔ میں نے بھی حضرت کی تکلیف اور دکھ کو اپنی تکلیف اور دکھ سمجھا اور حضرت نے جو فرمایا، اسی وقت کیا، کل پر نہیں ڈالا، چاہے گوجرانوالہ اور گکھڑ کے کتنے ہی چکر لگانے پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود معذوری کے، میرے بیٹوں حافظ عمر اور حافظ اسامہ کی دستار بندی کے لیے حضرت خود تشریف لائے۔ حضرت کو کئی مرتبہ برکت کے لیے اپنے کارخانہ بھی لے گیا۔ ایک دفعہ تانبا پگھلانے والی بھٹی کے پاس لے گیا تو حضرت جتنی دیر وہاں بیٹھے رہے، اللھم اجرنی من النار بار بار پڑھتے رہے۔ اور ہماری بدحالی کا یہ عالم ہے کہ ہم روزانہ بھٹی کے پاس بیٹھے ہوتے ہیں اور کبھی دوزخ یاد نہیں آئی۔ واقعی اللہ والے اللہ والے ہی ہوتے ہیں۔ ان کے ہر فعل میں آخرت نظر آتی ہے۔

حضرت مجھے اتنے پیارے انداز میں بلاتے تھے کہ میں دل میں شرمندہ ہو جاتا تھا۔ جب معذوری کی وجہ سے حضرت کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتے تھے تو جو بھی عالم اور حافظ موجود ہوتا، اس کو فرماتے کہ نماز پڑھاؤ۔ ایک دن اتفاقاً مجلس میں کوئی عالم اور حافظ نہیں تھا تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ حاجی صاحب، نماز پڑھاؤ۔ میں تو پانی پانی ہو گیا کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی نماز نہیں پڑھائی تھی۔ نماز کے بعد ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کہا کہ اب آپ مصلیٰ ہی سنبھال لیں کیونکہ حضرت نے آپ کو امام بنا دیا ہے۔ یہ سب حضرت کی محبت اور شفقت تھی، ورنہ میں اس قابل کہاں تھا کہ حضرت کو نماز پڑھاتا۔

ایک واقعہ جو میں خاص طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ بے حد قابل رشک اور سبق آموز ہے۔ حضرت شیخ نے جب مدرسہ نصرۃ العلوم میں تدریس سے معذرت کر لی تو مدرسہ کی انتظامیہ نے باہم مشورہ سے یہ طے کیا کہ حضرت کی خدمات کے پیش نظر حضرت کا وظیفہ جاری رہنا چاہیے اور حضرت سے گزارش کرنی چاہیے کہ وہ اس پیش کش کو قبول فرمالیں۔ چنانچہ ایک دن ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے مجھ سے کہا کہ آج نصرۃ العلوم کی انتظامیہ کے صدر میاں محمد عارف ایڈووکیٹ صاحب نے بھی ہمارے ساتھ جانا ہے۔ ان کے حضرت کے پاس جانے کا مقصد میرے علم میں نہیں تھا۔ جب ہم پہنچے تو حضرت سے خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد میاں محمد عارف صاحب نے کہا کہ حضرت، آپ نے ایک عرصہ تک نصرۃ العلوم میں دین کی خدمت انجام دی ہے، لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ کا وظیفہ برقرار رکھا جائے۔ حضرت نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میاں صاحب نے دوبارہ بات کی تو حضرت نے فرمایا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ کہیں کہ مولوی کام کے بغیر پیسے لیتے ہیں۔ میاں صاحب نے کہا کہ سرکاری ملازم بھی تو پنشن لیتے ہیں اور آپ نے تو دین کی خدمت کی ہے۔ حضرت نے غصے سے فرمایا کہ میں کوئی نئی مثال قائم نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے ساری زندگی یہ سبق دیا ہے کہ

رازق اللہ ہے اور اب تم سے پنشن لوں! ہرگز نہیں۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا جسے لوگ اپنے لیے حجت بنا لیں۔ اکابر کی ایسی کوئی مثال میرے سامنے نہیں ہے۔

حضرت جیسے لوگ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا وجود مسعود ہمارے لیے ایک بڑی نعمت تھا جس سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ مجھے تیرہ چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل رہی۔ بہت سی باتیں اور واقعات بھول چکا ہوں۔ جو تھوڑی بہت یاد تھیں، قارئین کی خدمت میں پیش کر دی ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں نہیں تھی کہ کسی وقت مجھے حضرت سے متعلق مضمون لکھنا پڑے گا، ورنہ موقع پر ہی ہر بات لکھ لیتا۔ حضرت کو دنیا سے رخصت ہوئے اتنے دن ہو گئے ہیں، مگر میری طبیعت ابھی تک سنبھل نہیں سکی۔ دماغ میں ایک قسم کی ہلچل سی ہے۔ حضرت کی یادیں تر و تازہ ہی ہیں اور جدائی کا صدمہ ہرا ہے۔ کوئی دن اور کوئی لمحہ ان کی یاد سے خالی نہیں ہے۔ حضرت کی محبت اور شفقت ہر وقت دل پر دستک دیتی رہتی ہے۔

قیمتی نصائح

بندہ نے آج سے کم و بیش پینتالیس سال قبل جامع مسجد گکھڑ میں خطبہ جمعہ کے موقع پر جو تقریر پہلی مرتبہ سنی وہ آج تک کانوں میں گونج رہی ہے۔ آپ نے خطبہ جمعہ سے قبل اردو میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''مونچھیں کٹانا سنت ہے اور ڈاڑھی بڑھانا سنت ہے''۔ پھر فرمایا کہ ''مونچھیں کٹانے کا حکم ہے جو کہ استرے سے بھی کاٹی جاتی ہیں اور قینچی سے بھی کاٹی جاتی ہیں، مشین سے بھی کٹوائی جا سکتی ہیں، جس طرح بھی کر لیں سنت پر عمل ہو جائے گا''، اور فرمایا کہ ''وصیت شریعت کے مطابق کرنا چاہیے، ایک شخص ساری زندگی عبادت و ریاضت میں گزارتا ہے لیکن موت کے وقت اگر وصیت میں کوئی شریعت کے خلاف وصیت کر کے مرتا ہے تو جہنم میں جائے گا۔ وصی اگر شریعت کیخلاف کرے تو وارث شریعت کے مطابق وراثت تقسیم کریں، خلاف شریعت وصیت پر عمل نہ کریں۔ حافظ عبدالوحید الحنفی

علامہ کا لقب

حضرت رحمہ اللہ کی شخصیت میں ایک محبوبیت تھی۔ قائد اہل السنۃ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ شاگرد رشید و خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے مدرسہ جامعہ عربیہ اظہار الاسلام کے سالانہ جلسے کے اشتہار میں بندہ نے حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے قلم سے صرف دو بزرگوں کے نام کے ساتھ ''علامہ'' لکھا ہوا پایا، [۱] حضرت شیخ سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ [۲] علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ۔ ان کے علاوہ دور حاضر کے کسی بزرگ کے نام کے ساتھ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کو ''علامہ'' لکھتے نہیں دیکھا۔ حافظ عبدالوحید الحنفی

ڈاکٹر فضل الرحمٰن

میرے شیخ......سب کے رہبر

عظیم شخصیات توفیقات ایزدی سے پیدا ہوتی ہیں۔ان کا وجود قدرت کاملہ کے معمولی قوانین کا کرشمہ نہیں ہوتا بلکہ وہ تو قدرت کے کسی غیر معمولی اور پر اسرار عمل سے ظہور میں آتی ہیں۔

اللہ عزوجل کی بے شمار مخلوقات ہیں مگر تخلیقات فائقہ کی کائنات کے عظیم انسان اس کا خاص اور اہم جزو ہیں۔ خدائے مصور الاجسام والا رواح کا ایک بھید ہے۔یعنی ایک جہاں راز جسکا مرکز ومحور خود خدائے عزوجل کی ذاتِ ہے۔جس کے انعکاسات عظیم فائق انسانوں کا روپ دھارے رہتے ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق بقول شاعر:

مت سہل ہمیں جانوں پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

جب بھی حضرت اقدس کا ذکر سنتا ہوں اوران کے کمالات فائقہ کا تصور کرتا ہوں۔تو مندرجہ بالا شعر فوراً میری زبان پر وارد ہو جاتا ہے۔اللھم اغفرہ وارحمہ

کسی سے عقیدت اور محبت اس عظیم ہستی کی خود ذاتی عظمت وکمال کا نشان ہے۔خاک کی افلاک کے ساتھ کیا نسبت کہاں امام زماں اور کہاں مجھ جیسا روسیاہ۔

میرا تعلق حضرت اقدس سے مثلِ سگ اصحابِ کہف تھا۔پاکستان بالخصوص ہزارہ کی مردم خیز زمین کو اہلِ اسلام میں بے شمار مشاہیر پیدا کرنے کا فخر وشرف حاصل ہے۔ان کی تعداداگرچہ کم نہیں لیکن ان میں ایسی بلاشبہ چند ہستیاں ملیں گی۔جنہیں اپنی حیات مبارکہ ہی میں ہم عصر علماءء وفضلاء کی اکثریت کی طرف سے اعتراف عظمت کا افتخار حاصل ہو۔حضرت اقدس،وقت کے عظیم محقق مدقق،میدان تصنیف کے شہسوار حضرت اقدس مولانا سید حسین علی احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی عظیم ترین یادگار قاطع شرک وبدعت،مظہر شریعت وطریقت، فخر العلماء، برکت العصر، امام زماں، شیخ کامل، فقیہ ملت، پاسبان مسلکِ اہلِ حق، اسوۃ العلماء، سراپا علم وعمل، پیکر خلوص واخلاص، مرجعِ السالکین، قدوۃ المحدثین، امام اہل السنۃ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اِنہیں چند عظیم القدر ومرتبت شخصیات میں شامل ہیں جنہیں یہ نعمت خداوندی حاصل ہوئی، حضرت موصوف کی شخصیت

اور انکی سیرت و اخلاق کے بارے میں خود انکی حیات مبارک اور وفات پر مشاہیر ملک نیز عالم اسلام کی مختلف حلقوں میں جس خلوص اور فراخ دلی سے ان کی علمیت، فضیلت، عظمت اور عزیمت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ حضرت اقدس کی شخصیت کے لیے بہت بڑا اخراج تحسین ہے۔

الحمد للہ احقر کو بھی (بحثیت سگ) سفر وحضر میں حضرت کی سیرت وفضیلت کے مطالعہ ومشاہدہ کا موقع حاصل ہوا۔ حضرت جیسی با کمالات شخصیات کہیں صدیوں میں پیدا ہوتیں ہیں۔ وہ اپنے کمالات میں ائمہ سلف کی یادگار تھے جملہ اسلامی علوم پر ان کی نظر نہایت گہری اور وسیع تر تھی اور اکثر علوم میں امامت واجتہاد کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ حضرت اقدس نے اپنی عملی اور دینی بصیرت اور تلاش و تحقیق کی ایسی یادگاریں چھوڑیں جو مدتوں عملی دنیا اور متلاش حق کی راہنمائی کا کام دیتی رہیں گی۔ قرآن وحدیث، فقہ کے سوا جن موضوعات پر حضرت اقدس نے قلم اٹھایا وہ اس صدی کے تمام عقائد باطلہ کا رد ہے۔ عصرِ حاضر میں جہاں بھی کسی سرکش نے امتِ مسلمہ میں کوئی فتنہ اٹھایا یا بدعت نکالی جس طرح سے حضرت اقدس نے اس کی سرکوبی کی یہ حضرت اقدس ہی کا خاصا تھا۔

حضرت اقدس کی بیشمار تصنیفات ہزاروں خطبات، مقالات اور مکاتیب ایک گنجِ گراں مایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کی دینی، اخلاقی، مسلکی، عملی راہنمائی کے لیے بڑا قیمتی اثاثہ ہیں۔ حضرت اقدس کی تفسیر ذخیرۃ الجنان وقت کی انمول اور بے مثل تفسیر ہے۔

حضرت اقدس کی ذاتِ سے متعارف سب سے پہلے مجھے بھائی عبدالحمید صاحب نے کروایا تھا۔ میں آٹھویں جماعت میں تھا جب بھائی عبدالحمید صاحب کے ساتھ حضرت اقدس کی زیارت کے لیے ایک مسجد میں جہاں حضرت درس کے لیے تشریف لاتے تھے لے گئے۔ حضرت منبر پر تشریف فرما تھے۔ خوبصورت فرشتہ نما روحانیت سے مزین چہرہ کالے فریم والی عینک، کالا عمامہ سر بکف کیے، سفید کپڑوں میں ملبوس ٹھیٹھ پنجابی میں درس دے رہے تھے، یہ میری زندگی میں حضرت کی پہلی زیارت تھی۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ یہ فرماتے تھے کہ قرآن پاک اول سے آخر تک پڑھیں۔ خواہ آدھ رکوع روزانہ پڑھیں لیکن ترجمہ کے ساتھ پڑھیں وہ حضرات جو مخصوص سورتیں روزانہ تلاوت کرتے ہیں۔ ان حضرات کی نسبت وہ جو الحمد للہ سے والناس تک پڑھنے والے زیادہ قابلِ قدر ہیں۔ آپ نے چالیس سال سے زیادہ عرصہ قرآن پاک کا درس دیا۔ اول سے آخر تک قرآن پاک کئی مرتبہ ختم کیا حضرت یہ درس پنجابی میں ارشاد فرماتے۔

حضرت کی زندگی کا ایک اور پہلو وقت کی پابندی تھی حضرت گھڑی سے وقت دیکھ کر کلاس میں جاتے

اور طالبعلموں کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ فرماتے اور نہ ہی باتوں میں وقت صرف کرتے اور نہ ہی پانچ یا دس منٹ پہلے کلاس چھوڑتے یہی وجہ ہے کہ دورانِ تدریس سردی ہو یا گرمی حضرت کی طبیعت ٹھیک ہو یا بوجھل کبھی چھٹی نہ فرماتے (اور اوائل میں اگر احقر دن کے وقت حضرت کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو فرماتے کہ چھٹی لے کر آئے ہیں؟ (کیونکہ وہ احقر کی ڈیوٹی کا وقت ہے)

حضرت کی زندگی کا ایک پہلو نبی پاک ﷺ کی مبارک حدیث افشو السلام پر عمل تھا۔حضرت جہاں بھی جاتے سلام میں پہل فرماتے اگر ہم حضرت کے ساتھ کسی ہسپتال ،مجلس ،ائیر پورٹ ،لیبارٹری جاتے تو حضرت اقدس رحمہ اللہ ہر کسی کو پہلے السلام علیکم کہتے۔

حضرت کی زندگی نہایت سادہ تھی۔وہ زمانے کی چالاکیوں سے کوسوں دور بہت معصوم انسان تھے۔ جب گھر پر ٹیلیفون لگوایا تو شروع شروع میں جب فون آتا تو السلام علیکم کا جواب دے کر پوچھتے کون صاحب ہیں؟ اور زائد بات کیے بغیر فوراً فون بند کر دیتے آخر گھر والوں نے حضرت علامہ زاہد الراشدی صاحب سے معاملہ عرض کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ٹیلیفون سننے کا بل تو نہیں آتا؟ زاہد صاحب نے عرض کیا کہ سننے کا نہیں صرف کرنے کا بل آتا ہے۔تو پھر حضرت نے فون سننا شروع کیا۔ایسے ہی حضرت کے کمرے میں جوائے سی لگا ہوا تھا حضرت اسے سخت گرمیوں کے چنددن دوپہر میں کچھ دیر چلاتے اور گھر کے سب افراد بالخصوص بچوں کو بھی اپنے کمرے میں بلا لیتے اور کچھ دیر بعد بند فرما دیتے۔علامہ زاہد صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالحق خان صاحب کی شادی سے واپسی پر نماز کے لیے ایک جگہ ہوٹل پر رکے تو حضرت ایک کرسی پر بیٹھ گئے ،سامنے ٹی وی پر کارٹون لگے ہوئے تھے (حضرت نے اس سے قبل ٹی وی نہیں دیکھا تھا) حضرت کچھ دیر ان کی طرف دیکھتے رہے پھر مجھے بلایا اور پوچھا زاہد یہ کیا ہے؟ میں نے کہا حضرت یہ ٹی۔وی ہے ،حضرت نے استغفار پڑھا اور فوراً کرسی کا رخ دوسری طرف پھیر لیا۔آخری ایام میں ضعف کی وجہ سے ہم حضرت کو خون لگوانے کے لیے آمادہ کرتے مگر حضرت بار بار انکار فرمادیتے کیونکہ ہم کہتے تھے کہ بلڈ بینک سے خون لانا ہے۔میرے خیال میں اس کی وجہ بلڈ بینک تھی کیونکہ حضرت اقدس بلڈ بینک کو عام بینک کی طرح بینک سمجھتے تھے۔

2001ء میں جب حضرت نے مدرسہ سے استعفاء دے دیا تو حضرت صوفی عبدالحمید صاحب کے حکم کی تعمیل میں میاں عارف صدر انجمن نصرۃ العلوم ،احقر اور الحاج لقمان اللہ میر صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استعفاء واپس لینے کی دخواست کی۔حضرت نے فرمایا میری صحت اجازت نہیں دیتی کہ میں اپنے کام کے ساتھ انصاف کرسکوں۔ہم نے عرض کی کہ طالبعلم آپ کے ہاں آجایا کریں گے۔حضرت نے اس کی اجازت بھی نہ دی کہ ان کا آنے جانے میں وقت ضائع ہوگا۔اور ان کو مشکل ہوگی۔پھر ہم نے عرض کی کہ ہم آپکو

پندرہ لاکھ روپیہ بطور پنشن پیش کرنا چاہتے ہیں آپ قبول فرمالیں۔ حضرت نے انکار فرمایا اور فرمادیا کہ یہ ہمارے اکابرین کا شیوہ نہیں۔ اور میں کوئی اسلاف سے ہٹ کر نئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ پھر ہمیں شربت چائے پلا کر رخصت کردیا۔ (مولانا عبدالقدوس قارن صاحب بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ کسی کام کی وجہ سے حضرت کے پاس تشریف لائے تھے)

حضرت اقدس تمام معاملات پر باریک بینی سے نظر رکھتے اور وقتاً فوقتاً نہایت ہی اچھے انداز میں اصلاح فرمایا کرتے تھے۔

آپ تمام عالم اسلام کے ہاں مسلم بزرگ تھے، سب ہی آپ کو اپنا پیشوا اور مقتدا تسلیم کرتے تھے، چنانچہ طالبان کی دعوت پر شہید اسلام حضرت لدھیانوی شہید، مولانا مفتی جمیل خان شہید اور دیگر احباب کے ساتھ کابل تشریف لے گئے اور امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کی درخواست پر ان کو نصائح ارشاد فرمائیں۔

اسی طرح رائے ونڈ کے علماء کرام نے بھی بالاتفاق آپ کو اپنا بڑا تسلیم کیا چنانچہ آپ مولانا مفتی رفیع عثمانی، مولانا سلیم اللہ خان، مولانا سعید احمد جلال پوری اور مولانا زاہد الراشدی وغیرہ کے ساتھ رائیونڈ تشریف لے گئے تو مولانا سعید، مولانا احمد لاٹ، مولانا جمشید اور حاجی عبدالوہاب صاحب اور دوسرے اکابر تبلیغ سے ملاقات کی اور ان میں بیان فرمایا۔

ایک بزرگ احمد سعید بھیرہ میں رہتے تھے۔ وہ قرآن پاک کی آیت ''رحماء بینھم'' کو دلیل بنا کر واقعہ جمل کا انکار کرتے۔ حضرت خود ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور سارا معاملہ سمجھایا۔

دراصل حضرت اقدس رحمہ اللہ سب کے بڑے تھے، علماء ہوں یا مشائخ، مبلغین ہوں یا مناظرین، مجاہدین ہوں یا مدرسین، ائمہ ہوں یا خطباء سب ہی نے آپ کو اپنا مقتدا تسلیم کرنے میں اپنی خوش بختی سمجھی اور واقعی یہ بہت بڑی خوش نصیبی تھی۔

دستر خوان پر بیٹھ کر حضرت پہلے پانی سے ہاتھ دھوتے اور تولیہ استعمال کیے بغیر کھانا شروع فرماتے، آرام سے چھوٹے چھوٹے نوالے چبا چبا کر کھاتے اپنی پلیٹ میں ضرورت کے مطابق سالن ڈالتے اور پلیٹ کو اسطرح صاف کرتے جیسے دھوئی ہوئی ہو کھانے کے بعد دو کپ چائے پرچ میں ڈال کر سیدھے ہاتھ سے پیتے، کھانے سے فراغت کے بعد حضرت اقدس کلی فرماتے اور اپنے دانت خود صاف کرتے اور قمیص کے ساتھ لگائے ہوئے بکسوئے سے دانتوں میں خلال فرماتے، دوران سفر حضرت جاگتے رہتے اور ذکر میں مشغول رہتے۔

گمراہ لوگ اپنے وسائل کے بل بوتے خوب محنت کر رہے ہیں تاکہ دنیا کو غلیظ عقائد میں ملوث کیا جائے اور امت مسلمہ کو راہِ حق سے بھٹکایا جاسکے اس صدی کے خوارج، روافض، غیر مقلدین، منکرینِ احادیث،

قادیانی، فرقہ بریلویہ اور عیسائیت تمام کے تمام اپنی تنظیمی سرگرمیاں اور وسیع نیٹ ورک دکھا کر بھولے بھالے مسلمانوں کو متأثر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن اصل چیز تحریکی وسعت مضبوط نیٹ ورک، کثرت تصانیف اور چرب زبانی نہیں ہوتی بلکہ قرآن وسنت، اجماع کی پابندی، سواد اعظم سے لزوم اور حضور ﷺ کے غلاموں کی غلامی اصل چیز ہے۔

یزیدی، روافض، غیر مقلد ہوں یا اہلِ قادیان
مماتی، خارجی، ناصبی، مودودی یا ملتِ احمد رضا خان
منکرینِ حدیث ہوں یا حیاۃ نبی آخر زمان
قلم نے انکے کر دیے ہر باطل کے خطا اوسان

اپنے عقائد افکار اور نظریات کی دعوت وتبلیغ کے بارے میں آزادی ہر انسان کا بنیادی حق ہے لیکن انسانی معاشرہ کا یہ بھی مسلمہ قاعدہ ہے کہ مبلغ، داعی اور مصنف کو سچ اور اخلاص کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔

حضرت نے مدلل اور بہترین انداز سے اسلام کے اصل نظریات اور عقائد کو بیان فرمایا ہے۔ اور منکرین ومخالفین کے تمام شکوک وشبہات کو زائل فرما دیا ہے اور اہل السنۃ کے مذہب ومسلک کو مہر نیمروز کی طرح روشن اور واضح فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمیں ان کے فیوض وبرکات اور علمی جواہرے پاروں سے بیش از بیش استفادہ کی توفیق اور سعادت بخشے (آمین ثم آمین)

حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اپنی حیات مبارکہ میں بہت سے ممالک کے سفر کیے جن میں جنوبی افریقہ، انگلینڈ، بنگلہ دیش، انڈیا، افغانستان اور سعودی عرب وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن کسی سفر میں مقصد درہم، دینار، روپیہ، پونڈ یا ڈالر نہیں تھا۔ بلکہ وہاں پر موجود کام کرنے والوں کے کام کی نہج دیکھنا اور ان میں اپنے اکابر اسلاف کے بنائے ہوئے راہنما اصولوں کو اجاگر کرنا ان کا مقصد تھا۔ اور ان کی اصلاح فرمانا مقصد تھا۔

بقول حضرت، حرمین الشریفین کے سفر میری زندگی کے یادگار لمحات تھے۔ 2002ء میں حضرت مفتی جمیل احمد خان شہید رحمہ اللہ کی دعوت پر حضرت رحمہ اللہ، مولانا قاری سعید الرحمٰن، مفتی سعید احمد جلالپوری اور دیگر اکابرین کے ساتھ رمضان المبارک میں حرمین شریفین کی حاضری کا موقع ملا۔ شارع ابراہیم خلیل پر واقع ایک ہوٹل میں قیام تھا۔ ایک کمرے ہی میں سب کا قیام تھا، قاری صاحب کا بستر حضرت کے بالکل سامنے، احقر حضرت کے قدموں کی طرف اور سامنے حضرت مفتی صاحب شہید کا بستر تھا۔ مگر درمیان میں خالی جگہ زمین پر الحاج لقمان اللہ میر صاحب لیٹے تھے۔ کیونکہ حضرت کا مزاج تھا کہ ساتھیوں کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔ لقمان

صاحب کا احقر کے قدموں میں یا راستے میں لیٹنے کا مقصد یہ تھا کہ جیسے ہی حضرت کسی تقاضے کے لیے اٹھیں تو اکیلے نہ ہوں۔ اس سفر میں پہلے پندرہ دن مکہ معظّمہ کا قیام تھا۔ اشراق کے بعد الحاج لقمان اللہ میر صاحب اور بھائی وسیم غزالی صاحب حضرت کو نہلا کر احرام بندھواتے خود تیار ہوتے اور پھر مفتی صاحب شہید حضرت کو وہیل چیئر پر بٹھا کر لفٹ سے نیچے لاتے اتنے میں ہم ٹیکسی کھڑی کرتے اور حضرت مسجد عائشہ تشریف لے جاتے وہاں نیت فرماتے اور ظہر سے قبل طواف سے فارغ ہو جاتے سعی ظہر کی نماز کے بعد فرماتے۔ جمعرات جمعہ کے دن رش کی وجہ سے حضرت کو چھت پر طواف کرواتے جس کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب کے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے حضرت مفتی صاحب سعی کے دوران غزالی صاحب کو (جو قرآن پاک کھول کر سنتے) اپنی منزل سناتے۔

عمرہ کے بعد کمرے میں پہنچ کر حضرت کو نہلاتے اور پھر حضرت عصر تک آرام فرماتے۔ حضرت مفتی صاحب شہید عصر کی نماز جماعت کے ساتھ کمرے ہی میں ادا فرماتے اس دوران حضرت قرآن پاک کی تلاوت فرماتے۔ مغرب سے تیس چالیس منٹ قبل حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ وسیم غزالی صاحب اور دوسرے احباب حضرت کو مطاف میں میزاب رحمت کے سامنے والے حصے میں لے جاتے جہاں سب احباب مل کر روزہ افطار کرتے۔ نماز مغرب کے بعد ہم سب لوگ حضرت کے ساتھ ہوٹل آ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے۔ غزالی بھائی، حضرت مفتی صاحب اور دو ساتھی وہاں رہ جاتے۔ باقی سب حضرات نماز عشاء اور تراویح کے لیے حرم آ جاتے۔ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے بتایا کہ حضرت تراویح کے دوران میری زبر زیر کی غلطی بھی پکڑ لیتے اور اگلے رکوع میں وہ آیت دوبارہ پڑھواتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم کراچی ائیر پورٹ پر تھے فلائٹ کا وقت کم تھا۔ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے جلدی جلدی مغرب کی نماز پڑھوائی جیسے ہی مفتی صاحب سلام سے فارغ ہو کر اٹھے تو فوراً حضرت نے اپنا عصا مفتی صاحب کے ٹخنے میں ڈال کر اپنی طرف متوجہ کیا اور فرمایا (میاں واجبات کا لحاظ بھی رکھنا چاہیے)۔ اسی سفر میں جب ہم لوگ رات جدہ میں پہنچے تو سب لوگ نماز عشاء قصر پڑھ کر جہاں جگہ ملی وہاں سو گئے۔ مگر حضرت نے اپنی تراویح ادا کیں اور تہجد کے وقت اپنے معمول کے مطابق نوافل ادا کیے۔ حضرت کی عادت شریفہ (رمضان میں) بارہ رکعت تہجد پڑھنے کی تھی ہر رکعت میں نہ ہی بہت لمبی اور نہ بہت چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے۔ پندرہ دن مکہ مکرمہ میں گزارنے کے بعد حضرت کی معیت میں یہ قافلہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ میں حضرت کے ساتھ گزرے ہوئے دن میری زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ ہیں۔ ہماری رہائش رباط مکی کے قریب تھی، حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ حضرت اقدس کو سنتیں رہائش گاہ پر ادا کروانے کے بعد مسجد نبوی ﷺ میں جماعت کھڑی ہونے سے قبل لاتے اور فجر، ظہر اور عصر میں نماز کے فوراً بعد لے جاتے۔ مغرب میں پچھلی چھتریوں والے صحن میں پچھلی درمیان والی چھتری کے

نیچے روزہ افطار فرمانے کا معمول تھا تراویح سے فراغت کے ایک گھنٹہ بعد حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ حضرت اقدس کو وہیل چیئر پر لاتے۔ حضرت مسجد میں آ کر نوافل ادا کرتے اس کے بعد ہم بھی پیچھے پیچھے باب جبرائیل سے داخل ہونے کے بعد سے لے کر امام صاحب کے کھڑے ہونے کی جگہ تک حضرت اقدس وہیل چیئر پر رہتے۔ اس کے بعد حضرت وہیل چیئر سے اتر جاتے۔ ایک طرف سے حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ اور دوسری طرف سے الحاج لقمان اللہ میر صاحب حضرت کے ساتھ ہوتے اور حضرت نہایت عجز و نیاز کے ساتھ بارگاہ شفیع المذنبین، شافعِ محشر امام الانبیاء وجہ تخلیق کائنات رؤف رحیم حضرت محمد مصطفیٰ سرکارِ مدینہ کی بارگاہ میں سلام عرض کرتے۔ میں وہیل چیئر پکڑے بالکل پیچھے ہوتا۔ حضرت نہایت ہی پست آواز میں عربی میں سلام عرض کرتے اور اپنی طرف سے والدین احباب کی طرف سے سلام عرض کرتے۔ اور کچھ دیر نظریں جھکائے اشک بار آنکھوں سے بارگاہِ نبوت میں سر جھکائے کھڑے رہتے۔

اس سفر میں الحاج لقمان اللہ میر صاحب کا اصرار اور خواہش تھی کہ 27 کی شب کو حضرت کے ساتھ عمرہ ادا کریں۔ حضرت ساتھیوں کی تکلیف اور اس دن کے رش کو مدنظر رکھتے ہوئے خاموش تھے بہر حال مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کے اصرار پر حضرت تیار ہوگئے، ترتیب کے مطابق عصر سے دو گھنٹے بعد روانگی تھی مگر گاڑی خراب ہونے کی وجہ سے روانگی میں تاخیر ہوئی اور مغرب کے بعد مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی سارا راستہ مسلسل بارش تھی جبکہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو سڑکوں پر بارش کا پانی جمع تھا اور گاڑیوں کا زبردست رش تھا اور پیدل چلنا محال تھا حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے اپنے تجربے کی بنیاد پر مکہ میں داخل ہونے سے قبل دائیں ہاتھ پٹرول پمپ کی مسجد کے قریب ٹیکسی رکوائی اور حضرت کو تمام ضروریات سے فارغ کروا کر وضو کروادیا۔ جیسے ہی ہم ٹیکسی سے اتر کر حضرت کو حرم کی طرف لے جا رہے تھے تو بہت زیادہ رش تھا، قیام لیل شروع ہوئی ہی تھی بہت مشکل سے کئی دفعہ تہہ خانوں کے راستوں سے مطاف میں داخل ہونے کی کوشش کی۔ مگر ہر سعی لاحاصل۔ پھر ہم حضرت کو لے کر پہلی منزل پر گئے تو وہاں زیادہ رش تھا۔ اوپر والی منزل میں بھی اندر مطاف تک پہنچنا ناممکن تھا چھت پر پہنچے تو وہاں کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی یہ صورت حال دیکھ کر حضرت پریشان ہوگئے اور فرمانے لگے مفتی صاحب رحمہ اللہ آپ نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا اور میرے ساتھ بھی زیادتی کی۔ بہتر یہی ہے کہ واپس چلیں اور دم ادا کر دیں۔ حضرت کی یہ بات سن کر حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کی کیفیت عجیب سی ہوگئی۔ (میں نے ایسے مواقع پر حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کو ایک خاص وظیفہ پڑھتے سنا جس کی وجہ سے اللہ رب العزت مطلوبہ کام فوراً آسان فرما دیتے تھے) حضرت کی یہ بات سن کر ہم حضرت کو نیچے لے آئے۔ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کے دل میں نجانے کیا آیا؟ کہ حضرت کو لے کر سخت رش میں باب صفاء سے اندر داخل

ہو گئے جہاں تین شرطوں نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو سختی سے روکنے کوشش کی مگر وہ ان کی داڑھی کو ہاتھ لگاتے ہوئے عربی میں شیبہ شیبہ (بوڑھا آدمی) کہتے ہوئے مطاف میں داخل ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کی عجیب کیفیت تھی وہ حضرت کو طواف کروارہے تھے مگر ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے اوراس بات کا بہت لحاظ کررہے تھے کہ کسی کو وہیل چیئر نہ لگ جائے، حضرت بھی بڑے اطمینان سے وہیل چیئر پر تشریف فرما تھے یہ دونوں بزرگوں کی کرامت تھی کہ اللہ رب العزت نے ایک ناممکن کام کو ممکن کر دیا۔طواف سے فراغت کے بعد ہم حضرت کو درمیان والی صفاء مروہ میں لے گئے اس رات مولانا شُریم صاحب قیام لیل پڑھارہے تھے ابھی ہم صفاء مروہ کے تیسرے چکر میں تھے کہ دعا شروع ہو گئی۔اللہ رب العزت کی حمد ثناء کے بعد مولانا نے یہ دعا شروع کی(اللھم انك تسمع كلامي وترى مكاني وتعلم سري وعلانيتي لا يخفى عليك شئى ......الخ) اورتھوڑی ہی دیر میں ان کی ہچکی بندھ گئی باقی سعی ہم نے دعا ہی کے دوران پوری کی اس کے بعد حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ حضرت کو لے کر کے ہوٹل تشریف لے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم نے اپنے نوافل نیچے مطاف میں ادا کیے اس وقت خدام مطاف دھو رہے تھے الغرض اس رات کی کیفیت بیان سے باہر ہے اسکے بعد ہم دونوں قضائے حاجت کے لیے الحاج لقمان اللہ میر صاحب کی سابقہ حج والی رہائش جبل کعبہ کے نزدیک چلے گئے اتنے میں غزالی صاحب حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ حضرت کو گاڑی میں بٹھا کر وہاں پہنچ گئے اور ہم مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ہم دونوں حضرات احرام ہی میں تھے اور ہم نے حلق بھی نہیں کروایا تھا، تب حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حدود حرم سے باہر جانے سے پہلے حلق ضروری ہے ورنہ دم آجاتا ہے لہذا ہم نے فوراً حلق کروایا۔

میں نے پہلی دفعہ حضرت مفتی صاحب کو گھبرائے ہوئے دیکھا شاید اسکی وجہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو اپنی نہیں بلکہ حضرت کی فکر تھی اسی سفر میں اللہ رب العزت نے مجھ پر جاگتی ہوئی حالت میں حضرت کے درجات منکشف کیے وہ کیفیت اور وہ مرتبہ میں کسی کو بیان نہیں کرسکتا حضرت اللہ رب العزت کے ہاں مقربین کی درجہ پر تھے حضرت کی علالت کے دوران حضرت کو کسی بھی دوائی یا انجکشن یا خوراک کی ضرورت پیش آتی تو میں حضرت سے دریافت کرتا، حضرت بہ نفس نفیس اسکی اجازت مرحمت فرماتے تو وہ کام کرتا ورنہ جیسے حضرت کی منشاء ہوتی ویسے ہی ہوتا اس بات پر حضرت کے سب سے چھوٹے صاحب زادے مولانا منہاج الحق خان راشد صاحب مجھ سے اکثر نالاں رہتے۔ وہ اکثر مجھے کہتے کہ آپ ڈاکٹر بنیں مرید نہ بنیں۔لیکن اصل بات کا علم تو انہیں بھی نہیں تھا مولانا منہاج الحق خان راشد صاحب نے حضرت کی بہت خدمت کی اور تمام بھائیوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔تمام دنیا کے علماء کی طرف سے فرض کفایہ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے اور

مولانا بلوچ صاحب نے ادا کیا۔ ڈاکٹر حضرات میں ڈاکٹر امین ملک صاحب، ڈاکٹر سہیل انجم، ڈاکٹر آصف جاوید قابلِ ذکر ہیں۔عمومی افراد کی طرف سے یہ سعادت الحاج لقمان اللہ میر صاحب کو نصیب ہوئی۔حضرت انہیں حاجی صاحب کہہ کر پکارتے تھے سفر وحضر میں یہ حضرت کے امام تھے،حضرت کے ساتھ ان کی عقیدت اور محبت والہانہ تھی مجھے یاد ہے کہ حضرت کے پاس جب ہم گوجرانوالہ سے آتے تو صبح سے لے کر عصر تک یہ مجھے کئی مرتبہ فون کرتے اور بسا اوقات ہسپتال میں پہنچ کر آدھ پون گھنٹہ نیچے کھڑے میرے منتظر رہتے، کیونکہ بعض اوقات ایمرجنسی میں مجھے دیر ہو جاتی لیکن کبھی بھی میرے ساتھ تلخی سے پیش نہ آتے یہ میرے بھی بڑے محسن ہیں اور حضرت کی برکت سے میرے اوپر بھی ان کے بیشمار احسانات ہیں۔ مجھے فون کرنے کے علاوہ مولانا بلوچ صاحب کو بھی فون کرتے، مجھے لینے کے بعد پھر مولانا بلوچ صاحب کو لیتے۔اسی ترتیب سے واپسی پر جہاں جہاں ہم نے جانا ہوتا وہاں ہمیں پہنچاتے اور حضرت کی کیفیت بھی یہ ہوتی کہ وہ بھی ہم سب کے لیے منتظر رہتے۔کبھی تھوڑی بہت دیر ہو جاتی تو حضرت اقدس مولانا منہاج الحق خان راشد صاحب سے ہمیں فون کرواتے۔اکثر ایسے ہوتا کہ جیسے ہی فون آتا تو میں انہیں عرض کرتا کہ ہم قریب ہی ہیں حضرت کی مجلس میں پہنچ کر ہم دونوں حضرت سے مصافحہ کرتے اور حضرت کا ہاتھ چومتے مگر مولانا بلوچ صاحب صرف حضرت سے مصافحہ فرماتے۔ میں تو خاموشی سے حضرت کے سامنے بیٹھ جاتا۔مگر لقمان اللہ میر صاحب حضرت سے باتیں کرتے۔اور تھوڑی دیر کے بعد ہم حضرت سے اجازت لیتے،مگر جب چوہدری احسن جاوید صاحب (SSP) نے ہمارے ساتھ حضرت کی خدمت میں جانا شروع کیا تو انہوں نے ہمیں اس چیز کا احساس دلایا کہ آپ حضرات کو حضرت کو ٹائم دینا چاہیے۔

حج کے ایک سفر میں ہم مولانا اسعد مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ میدان عرفات میں اکٹھے تھے اس مرتبہ حضرت کو علی الصباح گاڑی پر میدانِ عرفات لے گئے۔حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ نے کافی گدّے ایک دوسرے پر رکھ کر حضرت کو اوپر بیٹھنے کے لیے کہا مگر حضرت وہیل چیئر پر ہی تشریف فرما رہے۔ یومِ عرفہ بہت مبارک دن ہے حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کی کیفیات اس دن میں مختلف وقت میں مختلف ہوتی تھیں۔صبح صبح صبر وشکر کی کیفیت،سب حجاج کرام کی عرفات میں پہنچنے پر پرمسرت کیفیت،ظہر کے وقت اس طالبعلم جیسی کیفیت جو کہ کمرہ امتحان میں ہو اور آگے چل کر اسی نے بورڈ میں ٹاپ کرنا ہو ایک گھنٹہ کے بعد حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کی کیفیت اضطراری اور شرمیلے دولہا جیسے ہوتی تھی کہ جس کے بہت سے تائے،چچے،ماموں،کزن ہوں اور وہ ابھی دولہا بن کے اسٹیج پر آئے گا اور ساری بارات اس کے ساتھ ہوگی۔اور پھر آناً فاناً حضرت کی وہیل چیئر کو پکڑا،مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کو کرسی پر بٹھایا کھلے آسمان کے کے نیچے سب

لوگوں کے ساتھ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں مناجات آنسوؤں، سسکیوں میں شروع کردی دعا کے ختم ہونے کے بعد عجیب اطمینان قلب والی کیفیت اور سو فیصد یقینی کہ جیسے اللہ رب العزت نے سب کو معاف فرمادیا اور سب کی حاضری قبول فرمالی۔ اس مرتبہ مزدلفہ میں رات گزارنے کے بعد جب یہ حضرات حضرت رحمہ اللہ کو لے کر منیٰ آرہے تھے تو راستہ میں شدید اژدھام میں پھنس گئے ایسے موقع پر حضرت مفتی شہید رحمہ اللہ نے حضرت کو فوراً اٹھالیا اور باقی تمام حضرات بھی اردگرد ہولیے اور اللہ کے فضل وکرم سے حضرت کو منیٰ میں لے آئے۔ ہم منیٰ میں حضرت کے پاس بیٹھے تھے کہ مولانا اعظم طارق شہید رحمہ اللہ تشریف لائے اور بار بار حضرت سے اصرار فرماتے رہے کہ حضرت میری دیرینہ خواہش ہے کہ میں آپ کو کندھوں پر بٹھا کر طواف کرواؤں۔ حضرت مسکرائے اور فرمایا ان شاء اللہ میں رمی بھی خود کروں گا اور طواف زیارت بھی۔ طوافِ زیارت کے لیے جب حضرت تشریف لے گئے تو رات ایک ڈیڑھ بجے فارغ ہوئے۔ حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ کی منشاء یہ تھی کہ حضرت رات ہوٹل میں آرام فرمالیں مگر حضرت مفتی صاحب سے حکماً فرمایا کہ منی میں رات کا قیام واجب ہے چنانچہ ڈرائیور حسن کے ساتھ ہم سب لوگ منیٰ کے لیے روانہ ہوئے۔ کسی طرف سے بھی منیٰ کے راستے کھلے نہ تھے بے انتہا رش تھا بہرحال ہم ایک طرف ہوکر اترے تقریباً اڑھائی گھنٹے کی پیدل مسافت کے بعد منیٰ میں پہنچے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک جگہ پر مسلسل دو کلومیٹر چڑھائی تھی اور وہیل چیئر بھائی شاہ نواز صاحب چلارہے تھے۔ فجر سے کچھ پہلے تہجد کے قریب ہم منیٰ میں پہنچے تو حضرت نے اللہ رب العزت کا شکریہ ادا کیا تمام ساتھیوں کو بہت دعائیں دیں۔

حضرت رحمہ اللہ بہت بڑے انسان تھے۔ کبھی زبان پر شکوہ نہ آیا۔ مظلوم مسلمانوں کے لیے حضرت رحمہ اللہ کا دل انہیں لوگوں کے دل کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ واقعہ لال مسجد کے دنوں میں حضرت رحمہ اللہ پریشان رہتے۔ افغانستان اور سرحدی مسلمانوں کے لیے ہر وقت ذی غور تھے۔ میں نے کبھی زوردار قہقہہ لگا کر حضرت رحمہ اللہ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ کسی کو برا نہیں کہتے تھے۔ (ہاں موجودہ مسلمان حکمرانوں کو گنگا شیطان کہتے تھے)۔

حضرت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد بہت لوگ احقر کے پاس تعزیت کے لیے آئے۔ باہر کے ممالک سے دوست احباب نے فون کیے۔ ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئی اور رونا شروع کردیا اور کہنے لگی (ڈاکٹر صاحب اک دیوا بلدا سی ہائے اوہ وی بجھ گیا) یعنی ایک چراغ ہدایت ہم میں موجود تھا آج وہ بھی گل ہوگیا۔

حضرت اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنے ساتھ نیکیوں اور سعادتوں کی ایک دنیا لے گئے۔ جو گوناگوں اوصاف وخصائل اللہ رب العزت نے انہیں عطا کیے تھے وہ انہیں کی ذات کا حصہ تھے جو اللہ رب

العزت نے ان کے وجود اطہر میں جمع کیے تھے۔اب تو زمانہ اوصاف وخصائل تربیت ہی سے بظاہر محروم نظر آتا ہے۔کہ کس بنا پر امید رکھی جا سکتی ہے کہ ویسی کوئی شخصیت ہمیں ہماری زندگی میں دیکھنی نصیب ہوگی۔جس دور سے میں گزر کر آیا ہوں اس میں عظیم القدر شخصیات گو کہ خال خال نظر آتی تھیں جن میں سے ایک ایک شخص علم وفضل، ہمت وشجاعت، ایثار ونظریات اور علم وعمل کا ایک ایسا عجیب وغریب پیکر تھا کہ اسے دیکھتے ہی فرطِ ادب واحترام سے گردنیں جھک جاتی تھیں۔آج ایسے وجود کہاں نظر آتے ہیں؟اگر ہوں گے تو وہی جوا کا دکا بقائے دنیا کے لیے رہ گئے ہیں۔حضرت رحمہ اللہ مرحوم مغفور کو بھی اس مجمع عظم میں ایک معزز مقام حاصل تھا۔میں آج ان کی مثال کہاں تلاش کروں ایک وسیع ظلمت زار میں، روشنی کی کرنیں کس امید پر ڈھونڈوں۔عربی کا ایک شعر ہے جس کا ترجمہ ہے۔

ترجمہ: اگر زندگی طویل ہوگئی تو لازم تمام احباب کی موت کے غم برداشت کیے بغیر تیرے لیے چارہ نہ رہے گا۔اس وجہ سے تیری زندگی اندوہ وقلق کا ایک دردانگیز مرقع بن جائے گی)۔

اس اندوہ وقلق کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے احباب ورفقاء کا قافلہ منازل حیات سے تیزی سے گزر گیا اور وہ گرد وپیش کارواں کی حیثیت میں پیچھے رہ گئے۔میں کیا عرض کروں کہ کن کن بزرگوں محبوں اور ہمدردوں کی مفارقت کے داغوں سے سینہ ودل شعلہ زار بنے ہوئے ہیں۔ان حضرات کی مثال ایک مالا کی سی تھی کہ اجل نے دھاگا توڑا ایک ایک گوہر نایاب نکلتا گیا۔

1: حضرت مفتی خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ

2: حضرت مولانا اسلم صاحب رحمہ اللہ ملتان والے

3: حضرت قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ

4: چوہدری بہادر علی صاحب رحمہ اللہ (نانا جان)

5: مولوی یٰسین صاحب رحمہ اللہ

6: حافظ نظام الدین صاحب رحمہ اللہ

7: حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ

8: ڈاکٹر محمد نواز صاحب رحمہ اللہ (راولپنڈی)

9: حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب رحمہ اللہ

10: حضرت مفتی جمیل خان صاحب رحمہ اللہ

11: حضرت مولانا سعید خان صاحب رحمہ اللہ مدنی

12: حضرت مولانا عبدالحمید خان صاحب رحمہ اللہ سواتی

13: حضرت مولانا سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ

14: ڈاکٹر اشتیاق احمد تارڑ صاحب رحمہ اللہ

15: محترمہ نانی جان مرحومہ

کان جن صداؤں سے عمر بھر آشنا رہے وہ اب کہیں سننے میں نہیں آتیں نگاہیں جن مناظر کی خوگر ہو چکیں ناکام واپس آتی ہیں۔کوئی گذری ہوئی دنیا کو کہاں سے لوٹا لائے۔

حضرت کی وفات کے چار دن بعد ہم مولانا شاہد صاحب سے ملے ان کے اصرار پر انکے ساتھ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے گھر حاضری ہوئی......وہی کمرہ جو میرے لیے دنیا میں گوشۂ عافیت تھا اور اس میں گزرے ہوئے لمحات میری متاعِ زیست تھی......آج جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے......چارپائی خالی دیکھ کر کلیجہ منہ کو آیا......دل پھٹنے لگا......عجیب کیفیت تھی...... الحاج لقمان اللہ میر صاحب بھی اونچی اونچی آواز میں رونے لگے......مولانا شاہد صاحب بھی رو رہے تھے......میری بھی سسکیاں بند گئیں اور جلد ہی ہم کمرے سے باہر آ گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کو کروٹ کروٹ راحت واطمینان نصیب فرمائے،اس حادثۂ فاجعہ پر ہم سب اہلِ اسلام کو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت کے علوم وفیوض سے مستفید ہوتے ہوئے اُن کے نقش قدم پر پوری طرح کاربند رہ کر اُن کے مشن اور کاز کو تا قیامت زندہ رکھنے کی توفیق سے نوازے۔آمین۔

(نوٹ:محترم ڈاکٹر صاحب کا درج ذیل مضمون بعد اشاعت موصول ہوا،اسے سابقہ مضمون کے حصے کے طور پر شامل اشاعت کیا جارہا ہے۔قارئین سے معمولی تکرار کی معذرت چاہتا ہوں [خادم،حمزہ])

میرے حضرت،میرے شیخ،میرے مرشد،امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ بہت بلند مقامات اور ملکوتی صفات کے حامل تھے۔آپ عقائدِ اہل السنۃ کے محافظ و پاسبان اور علمائے اہل السنۃ کے سرخیل وسالار تھے۔کوئی اختلافی مسئلہ کتنا ہی دقیق،باریک اور مشکل کیوں نہ ہو،آپ کی سیمابی نظر اس کی گہرائی تک ضرور پہنچتی تھی اور آپ اسے شکوک وشبہات کی گرد وغبار سے صاف کر کے یوں نکھار دیتے تھے کہ وہ نصف النہار کے سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا اور پھر اس میں کوئی ابہام باقی نہیں رہ جاتا تھا۔ آپ کو مسلک اور عقاید کے بارے میں اتھارٹی کی حیثیت حاصل تھی اور اس موضوع پر آپ کے فرمان مبارک کو حرفِ آخر کی طرح تسلیم کی جاتا تھا۔حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا

عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم کا ارشاد مشہور ہے کہ

''اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجمالی ایمان مقبول ہے تو میرے عقائد وہی ہیں جو مولانا قاضی مظہر حسین اور مولانا سرفراز خان صفدر کے ہیں۔''

اس سے علمائے کرام کے آپ پر اعتماد اور عقیدت ومحبت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

اس ناچیز پر حضرت کے اتنے احسانات ہیں جنہیں حیطۂ شمار میں لانا ناممکن ہے۔آپ سے تعلق رکھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ شاید حضرت کو سب سے زیادہ تعلق اور محبت مجھ سے ہے۔میں بھی اسی خیال میں ہوں کہ حضرت کو اگر سب سے زیادہ نہیں تو بہت زیادہ محبت مجھ سے ضرور تھی۔اور میرا یہ خیال شاید کچھ بے جا بھی نہیں ہے۔جتنی محبتیں حضرت نے مجھے دیں اور جتنی شفقتیں نچھاور کیں وہ شاید سگے ماں باپ بھی اپنی اولاد کو نہیں دے سکتے۔حضرت کی مہربانیوں اور شفقتوں کی بناء پر مجھے ان سے اتنی محبت ہوگئی تھی کہ جسے بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ ہر روز میں جناب میر لقمان صاحب (جو حضرت کے خصوصی خادم تھے، حضرت کے ساتھ عقیدت ومحبت کا والہانہ تعلق رکھتے تھے اور مسلسل کئی سال دل وجان سے حضرت کی خدمت میں مصروف رہے) ان کے ساتھ اور مولانا محمد نواز بلوچ صاحب کے ساتھ حضرت کے آستانہ پر حاضر ہو جاتا۔حضرت کا طبی معاینہ کرتا،تھوڑی دیر تک گپ شپ کی محفل جمتی اور پھر ہم حضرت سے اجازت لے کر واپس آجاتے۔ کراچی سے پشاور اور آزاد کشمیر تک اور پھر حرمین شریفین کے متعدد اسفار میں حضرت کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ان اسفار میں بھی حضرت کو انتہائی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور لحہ بہ لحہ حضرت کی محبت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔سفر میں حضرت رات کے معمولات کی سختی سے پابندی فرماتے تھے اور تھکاوٹ اور کم خوابی کے باوجود آخر شب میں محبوبِ حقیقی سے راز ونیاز کی دولت سے دست بردار ہونے کو تیار نہ ہوتے تھے۔خوراک بہت کم تناول فرماتے اور ہم سفر ساتھیوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔تواضع بہت تھی اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ ایسا سلوک فرماتے تھے کہ انہیں اپنے بڑا ہونے کا احساس ہونے لگتا تھا۔ حرمین شریفین کی حاضری کے دوران بدر کے سفر میں حضرت نے بندہ کو جماعت کا امام بنا دیا۔ یہ سب حضرت کی ذرہ نوازی تھی۔ حضرت کے کمرے میں ایک جنتری یعنی نمازوں کا نظام الاوقات کھڑکی کے ساتھ لٹکا رہتا تھا۔نمازوں کے اوقات اس میں سے دیکھا کرتے تھے۔آج فلاں تاریخ ہے،طلوعِ فجر اتنے بجے ہے، طلوعِ شمس کا وقت یہ ہے اور نصف النہار زوال اخیر مثلِ اول،غروبِ شمس اتنے بجے ہوگا۔ یہ سب حضرت ایک دن پہلے دیکھ لیتے۔سفر میں تشریف لے جاتے تو منزل پر پہنچتے ہی پہلا کام یہ کرتے کہ لاہور سے اس شہر کا فرق معلوم کر کے جتنے دن کا وہاں قیام ہوتا اتنے دن کا نظام الاوقات ایک کاغذ پر بناتے تا کہ وہاں

نمازوں کے نظام الاوقات معلوم کرنے میں پریشانی نہ ہو۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ اور حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کی آپس میں محبت بہت مثالی تھی۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ اکثر فرماتے تھے کہ ''حضرت شیخ میرے محسن، استاد اور والد محترم کی جگہ ہیں۔ وہ بڑے اللہ والے ہیں، مستجاب الدعوات ہیں۔'' دونوں حضرات کا پیار مثالی تھا، متعدد مجالس میں شیخین کی موجودگی میں جو روحانی کیفیت ہوتی، بیان سے باہر ہے۔ مگر وہ منظر کہ جب حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کا جسدِ خاکی زائرین کے لیے رکھا ہوا تھا۔ نمازِ عصر کے بعد حضرت اقدس گکھڑ سے تشریف لائے، حضرت کو کرسی پر بٹھا کر حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کی چارپائی کے پاس لایا گیا۔ اس وقت حضرت کی کیفیت ناقابلِ بیان تھی۔ صوفی صاحب کے چہرے پر ہاتھ رکھ کر حضرت رونے لگے اور اضطرار و بے قراری کی کیفیت میں آسمان کی طرف دیکھتے۔ علامہ زاہد صاحب نے عرض کیا کہ آج آپ دونوں کی جوڑی ٹوٹ گئی۔ اس کے بعد علامہ صاحب کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے اور پھر حضرت کی کرسی اٹھا کر دفتر میں لے گئے۔

حضرت رحمہ اللہ کو مفتی جمیل خان شہید رحمہ اللہ سے بھی بیحد محبت تھی۔ مفتی صاحب رحمہ اللہ اور آپ کا تعلق پیار و محبت کے بہت سے واقعات گردش کر رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی بات کو بالکل نہیں ٹالتے تھے۔ جب حضرت پر فالج کا حملہ ہوا تو اس وقت کے صدر پاکستان جناب محمد رفیق تارڑ نے جو حضرت کے شاگردوں میں سے ہیں، فون پر حضرت سے عرض کیا کہ میں نے پمز ہسپتال اسلام آباد میں ماہر ڈاکٹرز کا ایک بورڈ مقرر کر دیا ہے اور ہسپتال ہذا میں ایک عدد پرائیویٹ کمرہ آپ کے لیے مختص ہے۔ اگر آپ فرمائیں تو اسلام آباد سے ایک ایمبولینس آپ کی سہولت کے لیے بھجوا دیتے ہیں، حضرت نے صدر صاحب کی ساری بات سن کر شکریہ کے ساتھ معذرت کر لی لیکن مفتی صاحب کے تھوڑے اصرار پر کراچی جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

مئی 2001ء میں حضرت کے ساتھ احقر، لقمان اللہ میر صاحب، مولانا محمد نواز بلوچ اور مفتی جمیل شہید صبح کی فلائٹ سے لاہور سے کراچی پہنچے۔ وہاں ائیرپورٹ پر کافی لوگ استقبال کے لیے موجود تھے۔ ہم ایک ہجوم کی شکل میں حضرت مفتی صاحب کے گھر پہنچے، حضرت کی آمد پر مفتی صاحب کے گھر عید کا سماں تھا۔ حضرت کی آمد پر یہ گھر خانقاہ اور مدرسہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ حضرت کو گاڑی پر بٹھا کر کبھی ساحل سمندر، کبھی ہل پارک، کبھی کلفٹن لے جاتے، حضرتِ اقدس وہیل چیئر پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے اور ہم حضرت مفتی صاحب شہید کے دائیں بائیں چہل قدمی کرتے اور مفتی صاحب کی باتوں سے محظوظ ہوتے۔ جیسے ہی اشراق کا وقت ہوتا، وہ حضرت کو

اشراق کی نماز پڑھوا کر واپس لے آتے۔ ناشتے سے فراغت کے بعد حضرت کچھ دیر آرام فرماتے۔ اتنے میں مفتی صاحب کے گھر جمع شدہ احباب حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا شروع ہو جاتے۔ یہ نشست ابھی جاری ہوتی کہ ڈاکٹری معائینے کا وقت ہو جاتا اور ہم حضرت کو لے کر ڈاکٹر صاحب کے پاس لے جاتے، وہاں روزانہ حضرت کا چیک اپ ہوتا اور فزیو تھراپی ہوتی۔ وہاں سے واپسی پر حضرت چاشت کے نوافل ادا فرماتے اور پھر ظہر تک آرام فرماتے۔ کھانے اور ظہر کی نماز سے فراغت کے بعد حضرت قیلولہ فرماتے عصر کی نماز کے بعد مغرب تک طلبہ کرام کی آمد و رفت رہتی اور حضرت انہیں نصائح سے نوازتے۔ مغرب سے عشاء تک لوگ حضرت کی خدمت میں رہتے۔ کچھ لوگ حضرت سے بیعت ہوتے، وظائف پوچھتے اور مسائل دریافت کرتے۔ اس کے بعد حضرت آرام فرماتے۔ مفتی صاحب شہید رحمہ اللہ حضرت کے کمرے میں رہتے اور ہم لوگ دوسرے کمرے میں چلے جاتے۔

کراچی میں قیام کے دوران ہی حضرت مفتی صاحب شہید نے حضرت شیخ رحمہ اللہ سے رمضان المبارک میں عمرے کا وعدہ لیا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے حضرت کا میرا اور میر لقمان صاحب کا پاسپورٹ لے لیا۔ یکم رمضان المبارک 2002ء کو میں اور میر لقمان صاحب حضرت کو لے کر کراچی مفتی صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ اس سفر میں مفتی صاحب نے حضرت کے لیے لکڑی کی چوکی بنوا رکھی تھی اور غسل خانے میں اٹھنے بیٹھنے میں سہولت کے لیے لکڑی کے دو خصوصی ہینڈل بھی بنوا رکھے تھے۔ حضرت مفتی صاحب حضرت کو جہاز چلنے سے دس منٹ پہلے لے کر ائیر پورٹ پہنچے اور حضرت کو سیدھا جہاز میں لے گئے۔ روزہ ہم نے جہاز میں افطار کیا اور اذان دے کر نماز مغرب جہاز میں باجماعت ادا کی۔ جدہ پہنچ کر ہم نے رات جدہ میں قیام کیا اور سحری کے بعد مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے۔ وہاں شارع ابراہیم خلیل پر واقع دارِام ہانی میں مفتی صاحب نے ہمارے لیے پورا ایک فلور بک کرا رکھا تھا۔ سامان وغیرہ کمرے میں رکھ کر وضو کر کے ہم نے عمرہ ادا کیا۔ مکہ معظّمہ پہنچتے ہی میں نے حضرت مفتی صاحب شہید کے اندر ایک ایسی جذب کی کیفیت دیکھی جس کو میں بیان نہیں کر سکتا، حضرت مفتی صاحب نے حضرت اقدس کی وہیل چیئر پکڑی ہوئی تھی۔ راقم اور لقمان اللہ میر صاحب ان کے دائیں بائیں تھے۔ باب عبد العزیز سے حرم میں داخل ہوئے، جب ہم بالکل بیت اللہ شریف کے سامنے پہنچے تو حضرت مفتی صاحب کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ یہاں تک کہ ان پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے جو آنسو پہلے جھلملا رہے تھے، اب موتیوں کی طرح ٹوٹ کر گرنے لگے اور زار و قطار روتے ہوئے وہ بہت دیر تک دعا میں مشغول رہے۔ اس کے بعد حضرت مفتی صاحب شہید نے ہمیں نیچے مطاف میں بھیج دیا اور خود حضرت کو لے کر اوپر والی منزل پر تشریف لے گئے، پھر عمرے سے فارغ ہو کر کمرے میں

آ گئے۔ شام کو حرم شریف میں روزہ افطار کرنے اور تراویح پڑھنے کے بعد جب میں اور میر لقمان صاحب واپس آئے تو کمرے کو تالا لگا ہوا پایا۔ آدھی رات کے قریب حضرت مفتی صاحب، حضرت کو لے کر آئے تو پتہ چلا کہ عمرہ کر کے آئے ہیں۔

اگلے روز مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ اشراق پڑھ کر آجائیں تو عمرے کے لیے چلیں گے۔ جب ہم آئے تو سب لوگ تیار تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں ہمیں جلدی جلدی احرام باندھنے کے لیے کہا اور خود حضرت کی وہیل چیئر کو لفٹ سے نیچے اتارا۔ تھوڑی دیر بعد ہم لوگ ٹیکسی میں سوار تھے۔ حضرت اقدس کو آگے والی سیٹ پر بٹھایا گیا اور ہم پچھلی سیٹوں پر بیٹھے۔ مسجد عائشہ پہنچ کر نوافل ادا کرنے کے بعد اسی ٹیکسی سے واپس حرام پہنچے گئے۔ حضرت کی وہیل چیئر مفتی صاحب جس شان سے چلاتے تھے وہ انہی کا خاصہ تھا۔ مجھے وہ منظر بھی یاد ہے کہ حضرت مفتی صاحب حضرت اقدس کی وہیل چیئر چلاتے ہوئے اپنی منزل محمد وسیل غزالی کو سناتے۔ چونکہ حضرتِ اقدس کو پیشاب بار بار تنگ کرتا تھا، اس لیے مفتی صاحب حضرت کو تراویح گھر پر ہی پڑھاتے تھے۔ نمازِ مغرب سے کچھ دیر پہلے مفتی صاحب حضرت اقدس کو وہیل چیئر پر لاتے اور میزابِ رحمت کے بالکل سامنے روزہ کھولنے کے لیے بٹھا دیتے۔

مکہ معظّمہ میں ڈیڑھ عشرہ کے بعد مدینہ منورہ کی طرف رختِ سفر باندھا۔ مدینہ منورہ میں ہماری رہائش رباطِ مکی کے قریب تھی۔ مفتی صاحب شہید، حضرت کو رہائش گاہ پر سنتیں ادا کروانے کے بعد مسجد نبوی میں جماعت کھڑی ہونے سے چند منٹ قبل لاتے اور فجر، ظہر، عصر میں نماز کے بعد فوراً واپس لے جاتے۔ مغرب کی نماز میں پچھلی چھتریوں والے صحن میں درمیان والی پچھلی چھتری کے نیچے روزہ افطار فرمانے کا معمول تھا۔ عشاء کی نماز کے ایک گھنٹے بعد مفتی صاحب شہید حضرت کی وہیل چیئر لاتے، ہم بھی پیچھے پیچھے ہوتے۔ بابِ جبرئیل سے داخل ہونے کے بعد امام کے کھڑے ہونے کی جگہ پر پہنچ کر حضرت وہی چیئر سے اتر جاتے اور مفتی صاحب شہید اور میر لقمان صاحب دونوں طرف سے حضرت کو سہارا دیتے اور عجز و نیاز کے ساتھ شفیع المذنبین، شافعِ محشر، امام الانبیاء، خاتم النبیین، رحمۃ للعٰلمین، رؤف و رحیم ﷺ کی بارگہ میں سلام عرض کرتے۔ اسکے بعد حضرت کو واپس رہائش گاہ پر لے جاتے۔

کیا سہانی راتیں تھیں

خواب تھا جو بکھر گیا یوں ہی

27 رمضان المبارک کی شب، افطار اور نمازِ مغرب کے بعد ہم سب حضرت اقدس اور مفتی صاحب شہید کی معیت میں عمرہ کے لیے مکہ معظّمہ روانہ ہوئے۔ مفتی صاحب شہید کی عجیب کیفیت تھی۔ وہ

حضرت کوطواف کروارہے تھے لیکن ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔طواف سے فارغ ہونے کے بعد صفا،مروہ کے درمیان حضرت کو پیشاب کا تقاضہ ہوا تو حضرت مفتی صاحب نے ہمیں حکماً فرمایا کہ آپ لوگ اپنی سعی پوری کریں اور وہ اکیلے ہی حضرت کو ہوٹل لے گئے اور وضو کروا کر دوبارہ سعی کروائی۔

عیدالفطر ہم نے مدینہ طیبہ میں ادا کی اور اگلے روز بدر کے راستے جدہ کے لیے روانہ ہوئے۔سخت گرمی تھی۔مقام بدر پہنچ کر شہدائے بدر کے مزارات کی زیارت سے فراغت پر وہاں کی مسجد میں نوافل ادا کیے۔پھر بدر شہر میں ذرا قیام اور کھانے کے بعد جدہ،اور پھر واپس پاکستان پہنچ گئے۔

اگست 2003ء میں ایک مرتبہ پھر ہم حضرتِ اقدس اور حضرت مفتی صاحب شہید کی معیت میں عمرے کے لیے روانہ ہوئے اور جمعرات کو جدہ پہنچے۔اس مرتبہ حضرتِ اقدس کے سب سے چھوٹے اور خدمتگار صاحبزادے منہاج الحق خان راشد صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔اس مرتبہ حضرت کی طبیعت سخت ناساز تھی،نیم بے ہوشی کی کیفیت تھی۔مگر چند دن بعد ہی حضرت کی طبیعت بحمداللہ سنبھل گئی اور آپ نے ہر روز عمرے ادا کرنے شروع کر دیے۔حضرت اقدس اور مفتی شہید رحمہ اللہ کی معیت میں حرمین شریفین کے یہ اسفار میری زندگی کی عزیز ترین یادگاروں میں سے ہیں اور ان دونوں بزرگوں کو قریب سے دیکھا اور اپنے اکابر کی محبت وعقیدت میں اضافہ ہوا کہ جب یہ حضرات ایسی یکتائے روزگار ہیں تو ان کے بڑوں اور اساتذہ کا کیا عالم ہوگا؟

تواضع،مسکنت اور سادگی گویا حضرت کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔حضرت نے ایک مجلس میں باتوں باتوں میں بتایا کہ ایک مرتبہ آپ گوجرانوالہ سے گکھڑ پیدل تشریف لائے۔آپ کو اللہ رب العزت نے تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ کے میدان میں بھی قبولیت عطا فرمائی تھی۔آپ نے حرمین شریفین کے علاوہ افغانستان،انڈیا،بنگلہ دیش،افریقہ اور برطانیہ کے بھی اسفار فرمائے۔

آپ کو تبلیغی جماعت اور ان کے کام سے بھی بہت محبت تھی۔بھائی احسن (بلکہ دیگر خدام) بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ جب تبلیغی جماعت کے ساتھی آپ کے پاس حاضر ہو کر نصیحت کی درخواست کرتے تو آپ انہیں اسی کام میں لگے رہنے کی نصیحت فرماتے۔رائیونڈ مرکز سے اگر طلبہ حاضر ہوتے تو آپ ان سے حاجی عبدالوہاب صاحب،مولانا جمشید صاحب،مولانا احسان صاحب وغیرہ کا حال احوال ضرور پوچھتے اور ان کی خدمت میں سلام بھی بھجواتے۔

وہ دن بھی کیا دردناک تھا جب حضرت نے ہم سب کو چھوڑ چھاڑ کر آخرت کے کے لیے رختِ سفر باندھ لیا۔حضرت کے جنازے کے بعد اسی میدان میں جب میری نظر حضرت کے پوتے عمار ناصر پر پڑی تو

میں نے روتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر ان سے کہا کہ عمار صاحب آپ کو اللہ کا واسطہ آپ ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے حضرت کی شخصیت پر کوئی حرف آئے۔اس وقت میں زاروقطار رو رہا تھا اور حاجی لقمان صاحب اور مولانا محمد نواز بلوچ صاحب بھی پاس کھڑے تھے۔عمار ناصر صاحب نے مجھ سے وعدہ بھی کیا کہ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا۔عمار ناصر صاحب حضرت کے خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ملنسار طبیعت کے اور علم دوست آدمی ہیں مگر کیا کیجیے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

اسرار زخم دل نہ دکھائیں تو کیا کریں
قاتل کا کام اپنی ہی تلوار کر گئی

آخر میں حضرت کے سب سے چھوٹے فرزند مولانا منہاج راشد صاحب کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے جس طرح حضرت کی خدمت کی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔انہوں نے حضرت کی خاطر اپنی راحت وآرام اور آرائش کو قربان کر دیا اور مسلسل کئی سال تک لگا تار حضرت کی خدمت میں حاضر باش رہے اللہ رب العزت انہیں اس کی بہترین جزاعطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

حضرت رحمہ اللہ کا تقویٰ

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے آنکھوں کا آپریشن کروایا، پھر اپنے خادم محمد نواز بلوچ، میر لقمان اور اپنے اور اپنے صاحبزادوں سے فرمانے لگے کہ اب میں تیمّم کروں یا وضو کر کے چہرے کا مسح کر لوں؟ پھر فرمایا صوفی (اپنے برادر صغیر اور شاگرد مفسر قرآن حضرت صوفی عبدالحمید سواتی صاحب رحمہ اللہ) سے پوچھ لو فون پر حضرت امام اہل السنۃ نے حضرت صوفی صاحب سے مسئلہ دریافت کیا تو صوفی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا تیمّم کریں۔ پھر مفتی محمد عیسیٰ صاحب سے (جو حضرت کے شاگرد ہیں) یہ مسئلہ دریافت کیا انہوں نے بھی تیمّم کا کہا تو حضرت امام اہل السنۃ فرمایا ''مسئلہ مجھے بھی معلوم تھا کہ آدھا غسل اور آدھا مسح نہیں بلکہ تیمّم ہی کرنا ہے''۔میں چونکہ مبتلیٰ بہ ہوں اس لیے حضرت صوفی صاحب اور مفتی صاحب سے مسئلہ دریافت کرنا ضروری سمجھا۔اس ایک واقعہ سے حضرت رحمہ اللہ کے تقویٰ، عاجزی وانکساری، شاگرد اور چھوٹوں سے سوال اور تربیت کا انداز کس طرف معلوم ہو رہا ہے۔(ماہنامہ ھدی للناس گوجرانوالہ)

خادم امام اہل سنت قاری اسماعیل صاحب [گکھڑ]

اباجی رحمہ اللہ...... چند یادیں چند باتیں

۷ فروری ۱۹۹۹ء جب میں حفظ سے فارغ ہوا تو میں نے اپنے محترم استاد قاری محمد یعقوب صاحب سے مشورہ کیا کہ میں تجوید پڑھنے کے لیے کہاں داخلہ لوں؟ آپ نے حکماً فرمایا کہ میری دلی خواہش ہے کہ میں آپ کو اپنے استادوں کے مدرسے میں گکھڑ چھوڑ کر آؤں۔ استاد جی کا حکم تھا، میں نے سر آنکھوں پر رکھا چنانچہ استادِ محترم مجھے اور میرے ساتھی عبدالوحید اور عظیم عرف چھوٹو کو لے کر گکھڑ پہنچ گئے۔ گکھڑ پہنچ کر استادِ محترم نے ہم تینوں طلبہ کو نصیحت کی کہ بیٹا یہ آپ کا بہت قیمتی وقت ہے آپ نے وقت کو ضائع نہیں کرنا، جونہی تعلیم سے فارغ ہوں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو جانا! اور مجھے تو حکماً فرمایا کہ آپ کو استادوں کی خدمت کا بہت شوق ہے آپ ضرور حضرت کی خدمت کریں۔ لہٰذا ایک روز میں نے حضرت سے اجازت طلب کی کہ میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں کوٹ پنڈی داس سے ہوں اور یہاں تجوید پڑھنے آیا ہوں۔ حضرت نے خدمت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ بس پھر حضرت نے اتنی شفقت فرمائی کہ مجھے والدین سے بھی زیادہ ان سے محبت ہوگئی۔ اس کے بعد سے میرے پاس تعلیم سے جو بھی وقت ملتا میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ صبح فجر کی نماز حضرت کی مسجد میں ادا کر کے حضرت کا درس سنتا۔ ظہر کے بعد مدرسے میں چھٹی ہوتی۔ میں ظہر کی نماز ادا کر کے فوراً حضرت کے پاس پہنچ جاتا۔ حضرت کا معمول تھا۔ کہ ظہر کے بعد تلاوت فرماتے اور پھر کھانا پھل وغیرہ تناول فرماتے۔ پہلی مرتبہ جب میں کمرے میں گیا تو حضرت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ میں نے سلام کیا، حضرت نے جواب نہ دیا۔ رکوع پورا کرنے کے بعد فرمایا کہ ''بیٹا! مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کو سلام نہ کیا جائے۔'' پھر حضرت نے میرے سلام کا جواب دیا۔ حضرت ہر آنے والے سے پوچھتے کیا نام ہے؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ والدین زندہ ہیں؟ والد صاحب کیا کرتے ہیں؟......اور پھر خوب دعائیں بھی دیتے۔ ہر آنے والا سمجھتا کہ اتنی زیادہ محبت حضرت کی میرے ساتھ ہی ہے۔ 2001ء میں میں حضرت کی اجازت اور مشورے سے تبلیغی جماعت کے ساتھ بلوچستان گیا۔ بلوچستان مرکز والوں نے ہماری تشکیل ''گجر کے'' نامی گاؤں میں کی۔ گاؤں کی مسجد کے امیر ماسٹر یوسف یا یونس صاحب تھے۔ انہوں نے ساری جماعت سے حال احوال پوچھنا شروع کیا۔

جماعت دائرے کی شکل میں بیٹھی تھی، پہلا نمبر میرا تھا، میں نے اپنا مکمل پتہ کوٹ پنڈی داس ضلع شیخو پورہ کا بتایا۔ تیسرے اور چوتھے نمبر پر گوجرانوالہ کے دونو جوان عمران اور خرم شہزاد بیٹھے تھے۔ جب انہوں نے بتلایا کہ ہم گوجرانوالہ سے تعلق رکھتے ہیں تو امیر صاحب نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں کے ہاتھوں اور آنکھوں کو چوما اور ان سے حضرت کے متعلق دریافت کرنے لگے۔ وہ دونوں حضرت کو نہیں جانتے تھے، جب انہوں نے حضرت سے لاعلمی کا اظہار کیا تو امیر صاحب بہت مایوس ہوئے۔ تب میں نے عرض کیا کہ میں حضرت کو جانتا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے حضرت اور آپ کے مکان وغیرہ کے بارے میں کچھ نشانیاں پوچھیں جو میں نے ٹھیک ٹھیک بتا دیں۔ امیر صاحب نے میرے ہاتھوں اور آنکھوں کو چوما اور فرمایا کہ جب تک آپ یہاں ہیں آپ کی پوری جماعت کا تینوں وقت کا کھانا میرے پاس ہوگا۔ جب ہم اگلی مسجد میں تبلیغ کے لیے گئے تو انہوں نے مجھ سے جمعہ پڑھوایا۔ میں بلوچی بالکل نہیں جانتا تھا اس لیے میں نے اردو میں جمعہ پڑھایا۔ یہ سب عزت اور سعادت حضرت کے ساتھ نسبت کی برکت سے نصیب ہوئی۔ امیر صاحب نے ہمیں بتایا کہ آج سے تقریباً بیس بائیس سال پہلے رات کے دو بجے ہم حضرت کی زیارت کے لیے حضرت کے گھر جا پہنچے۔ ہمیں ڈر تھا کہ شاید کوئی دروازہ بھی نہ کھولے۔ ہم نے گھنٹی بجائی تو حضرت خود تشریف لائے، ہمیں مہمان خانے میں بٹھایا اور رات کے اس پہر ہمیں اتنا پر تکلف اور بابرکت کھانا کھلایا کہ اس کی لذت ہمیں آج بھی محسوس ہوتی ہے۔

حضرت رحمہ اللہ بچوں سے بھی بہت پیار کرتے تھے۔ جب میری شادی ہوئی تو میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے بیٹا عطا فرمائیں۔ حضرت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ حضرت کی دعا کی برکت سے اللہ پاک نے مجھے بیٹا عطا فرمایا جس کا نام حضرت ہی نے اپنے استاذِ گرامی کی نسبت سے عبد القدیر رکھا۔ جب بھی میں بیٹے کو حضرت کے پاس لے کر جاتا تو حضرت بہت پیار کرتے، گود میں بٹھاتے اور فرماتے بیٹا میں نے آپ کا نام اپنے استادِ محترم کی نسبت سے رکھا ہے۔ اس نام کی لاج رکھنا! لیکن اللہ کی مرضی یہی تھی کہ وہ بیٹا اڑھائی سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ میں نے پھر حضرت سے دعا کے لیے عرض کیا، اللہ نے پھر مجھے بیٹا عطا کیا۔ اس کا نام بھی حضرت نے ہی محمد احمد تجویز کیا۔ پھر ایک روز میں نے حضرت سے عمرے کی سعادت کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت کی وہ دعا بھی قبول ہوئی اور 2006ء میں مَیں، میری اہلیہ اور بیٹا محمد احمد عمرے کے لیے گئے۔ پھر وہ بیٹا بھی اڑھائی سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ پھر میں حضرت سے بیٹے کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے دعا کی اور پھر اللہ نے مجھے بیٹا دیا۔ اب وہ بیٹا الحمد للہ حیات ہے اور حضرت کی میرے لیے آخری دعا کا صلہ ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کتنے مستجاب الدعوات تھے۔

میرے حضرت کو خوابوں کی تعبیر کا اللہ نے بہت ملکہ دیا تھا۔ جب بھی کسی خواب کی تعبیر پوچھی بالکل

ویسے ہی سامنے آئی جیسے آپ نے بتائی تھی۔ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اپنے کمرے سے بغیر تہبند کے باہر آجاتے ہیں۔گھر کے صحن میں ہم سب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔میں بھاگ کر حضرت کو تہبند باندھ دیتا ہوں۔تین مرتبہ ایسا ہی ہوا اور پھر میری آنکھ کھل گئی۔آنکھ کھلنے پر میں بہت پریشان ہوا کہ حضرت تو لوگوں کو ستر ڈھانکنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن خود بار بار برہنہ آنا، یا اللہ! یہ کیسا خواب ہے؟۔تین چار روز تو میں پریشان رہا کسی سے کوئی بات نہ کی لیکن پھر میں نے سوچا کہ اس کی تعبیر حضرت سے پوچھتے ہیں۔حضرت کو گکھڑ کے مردوں اور عورتوں کی اکثریت ابا جی کہتی تھی، میں بھی ابا جی کہتا تھا۔اور حضرت بھی والدین ہی کی طرح شفقت فرماتے تھے۔خیر میں نے عرض کیا کہ ابا جی! ایک ساتھی نے خواب میں اپنے گاؤں کے ایک نیک آدمی کو دیکھا ہے کہ وہ برہنہ باہر آجاتے ہیں اور دیکھنے والا انہیں تہبند باندھ دیتا ہے۔تین مرتبہ یہی معاملہ ہوا اور پھر دیکھنے والے کی آنکھ کھل گئی۔ابا جی نے فرمایا کہ ''خواب میں بار بار برہنہ آنے والا اللہ کا بہت نیک اور برگزیدہ بندہ ہے اور خواب دیکھنے والے کی بھی سعادت ہے کہ وہ اسی سے تعلق جوڑے رکھے۔'' آج تک میں نے یہ خواب کسی کو نہیں سنایا لیکن وہ وقت یاد آتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔آج پوری امتِ مسلمہ حضرت کی دعاؤں سے محروم ہوگئی۔

حضرت بچوں اور بڑوں سے سوال بہت کیا کرتے تھے۔ایک دن میں اور میری آٹھ سالہ بیٹی بریرہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے پوچھا ''بیٹا بریرہ! کی کرنی ایں؟'' بیٹی نے جواب دیا ''دادا ابو میں پڑھنی آں'' حضرت نے فرمایا ''پڑھنی ایں یا لڑنی ایں؟'' تو بیٹی بہت خوش ہوئی، میرے کان میں سرگوشی کرنے لگی کہ ''دادا ابو کتنی پیاری باتیں کرتے ہیں''۔پھر حضرت نے پوچھا کہ بریرہ! توں وڈی ایں یا تیری امی!'' بولی ''میری امی'' حضرت نے پوچھا ''تیری امی وڈی اے یا تیرا ابا'' تو بیٹی نے کہا ''میرا ابا'' حضرت نے فرمایا ''تیرا ابا وڈا اے کہ میں'' بولی ''دادا ابو تسی وڈے او!'' تو حضرت نے فرمایا ''بیٹا میں وڈا نہیں اللہ وڈا اے'' میری بیٹی آج بھی یہ بات یاد کر کے ہم سب کو رلاتی ہے اور حضرت کی یہ بات اس کے دل پر نقش کر چکی ہے کہ ''اللہ وڈا اے'' اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود بڑوں اور چھوٹوں سے بہت پیار کرتے تھے اور اپنی پیاری باتوں سے ہر ایک کا دل موہ لیتے تھے اور ہر ایک کو اپنا بنا لیتے تھے اور یہ بات 5 مئی 2009ء کو دنیا والوں کی آنکھوں نے دیکھی کہ حضرت لوگوں کے دلوں میں بسے ہوئے تھے۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز　　　یہی رختِ سفر کارواں کے لیے

حضرت کی برکت سے آپ کے خادموں کو بھی ہر جگہ بہت عزت ملتی تھی۔2006ء میں جب میں عمرے کے لیے گیا تو مسجدِ نبوی میں حضور ﷺ کی روضہ مبارک کے بالکل سامنے میں اور میرا بیٹا بیٹھے دعا کر رہے تھے۔ایک خوبصورت اور سفید لباس والے بزرگ ساتھ بیٹھے تھے۔جونہی میں دعا سے فارغ ہوا انہوں نے

مجھ سے مصافحہ کیا اور پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ پاکستان سے۔ کہنے لگے کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔ میں نے کہا ''دیکھا ہوگا'' میں اٹھنے لگا تو کہنے لگے تھوڑی دیر بیٹھو! میں نے کہا کہ چھوٹا بچہ تنگ کر رہا ہے۔ کہنے لگے میں بھی آپ کے ساتھ ساتھ باتیں کرتے ہوئے چلاتا ہوں۔ پھر پوچھنے لگے کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے بتایا کہ ''امامت کرتا ہوں''۔ پوچھا، ''کس جگہ؟'' میں گکھڑ منڈی کا نام ہی لیا تو انہوں نے مجھے گلے لگالیا۔ اور بتایا کہ میں حضرت کی زیارت کے لیے 2005ء میں گکھڑ گیا تھا، میں نے آپ کو وہاں دیکھا تھا۔ پھر میں نے ان سے نام پتہ پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میرا نام شیر گل ہے اور میرا علاقہ بونیر ہے۔ اب انہوں نے اصرار کرنا شروع کیا کہ دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیں۔ میں نے کہا کہ میرے ساتھ میرے گھر والے بھی ہیں اور ہم کھانا گھر میں کھاتے ہیں انہوں نے بہت اصرار کیا مگر میں نہ مانا۔ آخر اس نے کہا کہ دیکھو ہدیہ تو ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی لیا کرتے تھے اور ہم سب آپ ﷺ کے امتی ہیں اس لیے آپ میرا ہدیہ ضرور قبول کریں۔ یہ کہ کر انہوں نے دوپہر کے کھانے کے لیے کچھ ہدیہ دے دیا۔ یہ سب حضرت کی خدمت اور نسبت کا صلہ تھا ورنہ ہم جیسے خادموں کی کیا حیثیت ہے۔

ہمارے گاؤں میں ایک بہت بڑے عالمِ دین حضرت مولانا محمد یٰسین کرنالوی مرحوم ہوا کرتے تھے۔ وہ اور میرے خالو اور سسر منیر صاحب تبلیغی جماعت کے ساتھ بدو کی گوسائیاں آئے ہوئے تھے جو گکھڑ سے تقریباً دس پندرہ کلومیٹر دور ہوگا۔ ان دنوں بدو کی سے حضرت کے درس کے لیے سحری کے وقت ٹانگے چلتے تھے جن میں بیٹھ کر لوگ فجر کے وقت گکھڑ پہنچ کر حضرت کے درس میں شریک ہوتے۔ مولانا محمد یٰسین صاحب کرنالوی اور میری خالو جی بھی علی الصباح ٹانگے میں سوار ہو کر گکھڑ پہنچے اور درس میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ درس کے بعد مولانا محمد یاسین صاحب صاحب نے فرمایا ''مولوی صاحب! اٹھارہ سال ہوگئے مسجدوں مدرسوں کی چٹائیاں توڑتے ہوئے، لیکن جو باتیں اس آدھ گھنٹے میں ملیں وہ اٹھارہ سال میں نہیں ملیں''

ایک مرتبہ میرے خالو یہاں تشریف لائے ہوئے تھے، میں انہیں حضرت کی خدمت میں لے گیا اور زیارت کروائی۔ جب ہم واپس مسجد میں پہنچے تو خالو جان نے کہا! قاری صاحب! آپ کی قسمت آپ کو یہاں لے آئی ہے، حضرت بہت بڑی شخصیت ہیں''۔

بس اب تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں بھی حضرت کے قدموں میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا قاری عبیداللہ عامرؔ

حضرت شیخ کی چند یادیں

1974ء میں درس نظامی میں داخلہ لیا۔ یہ مدرسہ منڈیالہ تیگہ مضافات گوجرانوالہ میں واقع ہے، ایک سال یا دو سال گزرے تو کانوں میں ایک آواز پہنچی، جمعیت علماء اسلام کے دورے پر ایک وفد آرہا ہے، جس کی قیادت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر فرمارہے ہیں۔ میری عمر اس وقت 12-13 سال کے لگ بھگ تھی، دیہاتی علاقہ تھا، اتنا شعوری زمانہ بھی نہ تھا۔ جونہی یہ وفد مدرسہ پہنچا اور علماء سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، تو ایک بزرگ سفید لباس زیب تن فرمائے، سفید کپڑے کی ٹوپی سر پر سجائے، شلوار ٹخنوں سے اوپر کیے خوبصورت نورانی وروحانی چہرہ والے دکھائی دیے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہی مولانا سرفراز خان صفدر صاحب [شیخ الحدیث: جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ] ہیں۔

حضرت شیخ سے غائبانہ تعارف تو پہلے سے تھا مگر زیارت کا یہ پہلا موقع تھا۔ داداجان حاجی عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ اور والد محترم حضرت قاری عبداللہ صاحب [مدرس: جامعہ نصرۃ العلوم] اکثر حضرت شیخ کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے داداجان علماء سے بہت محبت رکھتے تھے، حضرت مولانا مفتی عبدالواحد صاحب رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھنے والے اور اپنے معاملات ومعاشرت میں انہیں سے راہنمائی حاصل کرنے والے تھے، حضرت شیخ سے بھی ان کا نہایت گہرا تعلق تھا، خصوصاً عقیدہ حیات النبی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ میں داداجان جب بھی بات کرتے حضرت شیخ رحمہ اللہ کا حوالہ ضرور دیتے تھے۔ اسی طرح حضرت شیخ بھی داداجان کا تذکرہ اچھے الفاظ سے کیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ داداجان حضرت شیخ سے ملنے مدرسہ نصرۃ العلوم گئے، تو حضرت شیخ نے دل لگی کرتے ہوئے فرمایا کہ ''حاجی صاحب! آپ عمر میں مجھ سے 5 سال بڑے ہیں، پھر بھی آپ چلتے پھرتے ہیں اور میرے تو چلنا دشوار ہے، آپ کیا کھاتے ہیں؟'' حقیقت بھی یہی تھی کہ داداجان کافی عمر میں بھی صحت مند تھے اور ان کی صحت کا راز پابندی سے ورکنگ اور پیدل چلنے میں تھا۔

داداجان کو اللہ نے علماء سے محبت کے صلہ میں عبادت میں استغراق نصیب فرمایا تھا، فرائض وسنن کے علاوہ نوافل کی بھی پابندی فرماتے تھے، تہجد، اشراق، چاشت اور اوابین وغیرہ کا خوب اہتمام فرماتے

تھے۔ایک دفعہ فرمانے لگے کہ مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوا ہے، پوچھنے پر بتایا کہ جب مجھے دیدار ہوا تو میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن جسم پر کپکپی طاری ہوگئی اور کچھ نہ کہہ پایا۔ پھر اللہ رب العزت نے فرمایا میرے بندے جو تو کہنا چاہتا ہے میں کہتا ہوں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی اور میں نے سنی۔

غالباً میری پیدائش سے پہلے کی بات ہے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دادا جان نے گاؤں میں سالانہ جلسہ کے لیے وقت لیا۔ جب لینے کے لیے گئے۔تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے مہمانوں کے ساتھ شدید مصروفیت کی وجہ سے معذرت چاہی، دادا جان مایوس ہو کر واپس آگئے۔لیکن حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بعجلت تمام اپنی مصروفیات کو سمیٹا اور گکھڑ سے روانہ ہوگئے۔، پرانا زمانہ تھا روڈ بھی نہیں تھا گاڑیاں بھی نہیں چلا کرتی تھیں۔ خال خال تانگے چلا کرتے تھے۔ گکھڑ سے گوجرانوالہ تک گاڑی پر تشریف لائے، آگے گوجرانوالہ سے گاؤں پرانے پندرہ میل کے فاصلے پر تھا، صرف تانگے کا سفر ہوتا تھا۔اڈے میں آخری تانگہ تھا وہ بھی آخر تک جانیوالا نہیں تھا، کم وبیش ۳ میل پہلے ہی تانگے والے نے اتار دیا، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ راستہ پوچھتے ہوئے عشاء کے قریب جب اچانک پہنچے تو جلسہ گاہ میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔شاید یہی وہ ایفائے عہد تھا جس کی وجہ سے ہمارے گھر والے انتہائی عقیدت مند تھے۔اور پھر بیعت کا تعلق بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ہوا۔ دادا جان رحمہ اللہ ۱۹۹۶ء میں فالج کے حملے میں بیمار ہوئے اور ۱۹۹۷ء ۵ جنوری صبح صادق کے وقت انتقال فرما گئے۔

دورانِ علالت مجھے بلا کر کہا میری سب کو وصیت ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کا دامن نہ چھوڑنا یہ لوگ حق پہ ہیں۔اور والدہ محترمہ کا بیان ہے کہ آخری علالت کے ایام میں مجھے بلا کر کہا ''بچوں کو کہہ دینا اپنے عقیدہ (مسلک علماء دیو بند) پر پکے رہیں اور نماز کی پابندی کرتے رہیں! ورنہ آگے جا کر شرمندگی ہوگی۔'' گو دادا جان کسی مدرسہ کے فاضل نہیں تھے۔لیکن علماء حق کے تعلق اور شرکت مجالس علماء حق کی وجہ سے اکابر کی تصنیفات اور فتاویٰ جات کا مطالعہ خوب تھا۔ علاقہ کے متدین لوگ اور بعض علماء بھی مسائل پر گفتگو کے لیے رجوع کیا کرتے تھے۔

دین اور دین داروں کی برکت سے حرام تو حرام، مشکوک مال کے قریب بھی نہیں جاتے۔ایک دفعہ بھینس کا ایک سال یا دو سال کا بچہ جسے بھینسا کہا جا سکتا ہے۔گلا بند ہونے کی وجہ سے موت حیات کی کشمکش میں تھا (پنجابی میں جسے گل گوٹو کہتے ہیں) رات کے وقت دادا جان چھری ساتھ لے کر سوئے۔ کہ اگر تکلیف کی وجہ سے مرنے لگے تو ذبح کر دوں گا تا کہ کھال کا فروخت کرنا حلال ہو جائے۔لیکن ایسا نہ ہو سکا آخر وہ مر گیا، دادا جان فرمانے لگے، چھری چلانے کی ہمت نہ کر سکا چونکہ خود پالا تھا اس سے محبت ہو چکی تھی، غیر مسلم

لوگ بلائے گئے کہ کھال اتار دیں، جب کھال اتار دی تو کھال کے پیسے دینے لگے دادا جان نے کہا مردار کی کھال فروخت کرنا حرام ہے، یا اسے دباغت دی جائے، یا نمک لگا کر خشک کیا جائے، چنانچہ اپنی زمین پر دو بانس گاڑے گئے ان پر ایک بانس باندھا گیا پھر کھال کو نمک لگا کر اوپر ڈال دیا گیا، 17/18 دنوں میں وہ خشک ہوئی، پھر اتار کر اسے 50 روپے میں فروخت کیا گیا۔

1978ء میں میں جب مدرسہ نصرۃ العلوم میں داخل ہوا، تو میری خوش بختی کہ جن کے دامن سے وابستگی کی وصیت ہو رہی تھی اُن کی وابستگی مل گئی (اس وقت حضرت شیخ رحمہ اللہ کے پاس دورہ کے اسباق کے ساتھ ایک آدھ سبق وسطانی درجات کا بھی ہوتا تھا) حضرت شیخ رحمہ اللہ کے پاس پہلی حاضری جو بطور تلمذ کے ہوئی وہ ''اصول الشاشی'' کا سبق تھا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کا معمول تھا روزانہ سبق سننا اور نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ ادا کرنے کی تلقین کرنا۔ میری جماعت میں قابل تذکرہ شخصیات میں مخدوم زادہ حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر، حضرت مولانا عبدالقیوم طاہر، حضرت مولانا مفتی محمد اقبال صاحب [مدرس: مدرسہ نصرۃ العلوم] حضرت مولانا ظہور عالم، حضرت مولانا محمد بشیر سیالکوٹی [سربراہ: شعبہ عربی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی فیصل مسجد اسلام آباد]، حضرت مولانا رشید الحق عابد، حضرت مولانا شرف الدین حامد وغیرہم حضرات ہیں۔

1984ء تک درس نظامی کی تعلیم میں مصروف رہا۔

1986ء تک تجوید کے اسباق چلتے رہے۔

1987ء سے 2000ء تک ملک کے مختلف حصوں میں بطور خادم اسفار میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ رہا اور ان کی معیت نصیب ہوئی۔

1988ء میں بہاولپور کا سفر کیا، گوجرانوالہ سے چلے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی علی محمد صاحب رحمہ اللہ کی دعوت پر دارالعلوم کبیروالہ میں ختم بخاری کی تقریب میں شرکت کی اور حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بخاری کا آخری سبق پڑھایا۔ پھر مولانا ظفر احمد قاسم صاحب کی دعوت پر جامعہ خالد بن ولید کے سنگ بنیاد کے لیے ٹھنگی [وہاڑی] پہنچے، ٹھنگی سے چلے تو دارالعلوم مدنیہ بہاولپور میں تقریب ختم بخاری میں شرکت فرمائی اور آخری سبق پڑھایا، وہیں حضرت شیخ کو کسی نے اطلاع دی کہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا عبدالرحیم انتقال فرما گئے ہیں، حضرت شیخ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ کیا مشورہ ہے؟ مجھے خانپور میں حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے ہاں اس سفر میں جانا چاہیے یا نہیں؟ میں نے مؤدبانہ عرض کیا کہ استاد جی! کیا آپ پہلے کبھی خان پور گئے ہیں؟ تو حضرت شیخ نے نفی میں جواب دیا، میں نے کہا کہ آپ کو ضرور جانا چاہیے! چنانچہ

مشاورت سے طے پایا کہ اب خان پور چلتے ہیں میں نے دارالعلوم مدنیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ سے گزارش کی کہ حضرت شیخ کا خان پور جانے کا پروگرام ہے سواری کا انتظام فرمادیں، نامعلوم حضرت کوکس نے بتایا؟ یا حضرت نے ازخود محسوس کیا کہ عبیداللہ عامر[احقر] نے میزبانوں سے سواری کا مطالبہ کیا ہے، حضرت شیخ نے مجھے بلا کرناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمانے لگے کہ پتہ نہیں یہ لوگ اپنا سرکل کیسے چلاتے ہیں اور تو نے ان سے سواری کا مطالبہ کردیا ہے! ہم پرائیویٹ سواری پر سفر کریں گے، اسی دوران مجھے مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ نے بلا کر بطور مشورہ پوچھا کہ حضرت شیخ کی کیا خدمت کریں؟ میں نے کہا میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اگر میں زیادہ کہہ دوں تو آپ پر بوجھ ہوگا، اگر کم کہوں تو شیخ رحمہ اللہ کی شایان شان نہ ہوگا، بہرحال مولانا غلام مصطفیٰ نے حضرت شیخ کی خدمت میں کچھ رقم پیش کی، حضرت شیخ نے رقم لینے سے انکار فرمادیا۔ مولانا غلام مصطفیٰ فرمانے لگے، حضرت میرا دل مت توڑیئے! حضرت شیخ نے قبول فرمالیے، جب مدنیہ سے روانہ ہونے لگے تو دو موٹر سائیکل لائے گئے، ایک مولانا شفیق الرحمٰن بہاولپوری تھے، ان کو یہ شرف ملا کہ حضرت شیخ ان کے موٹر سائیکل پر سوار ہو کر ٹیوٹا ہائی ایس کے سٹینڈ پر پہنچے، وہاں سے ہم خان پور کے لیے روانہ ہوگئے، تین گھنٹے کے قریب سفر تھا، دوران سفر شیخ رحمہ اللہ مجھے فرمانے لگے کہ بہاولپور والوں نے بڑی زیادتی کی ہے، انہوں نے مجھے کچھ پیسے دے دیئے ہیں، میں نے کہا استاد جی! گن لیجیے کتنے دیئے ہیں؟ حضرت شیخ نے شمار کرنے شروع کیے تو گنتے جاتے اور ساتھ ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے جاتے تھے، بہت پریشان ہوئے، فرمانے لگے کہ ''جب میں کسی کو وقت دیتا ہوں تو اپنی جیب دیکھ کر دیتا ہوں، جب میری جیب میں پیسے نہیں ہوتے تو میں وقت نہیں دیتا۔ (اسی سفر کے آغاز میں حضرت شیخ نے مجھے دو ہزار روپے دیئے کہ خرچ کرتے رہو اور حساب لکھتے رہنا) لوگ سمجھتے ہیں کہ مولوی صاحب نخرے کرتے ہیں حالانکہ نخرے نہیں ہوتے بلکہ جیب اجازت نہیں دے رہی ہوتی۔'' بہرحال حضرت شیخ اس قدر پریشان ہوئے کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں حضرت یہ نہ فرمادیں کہ آپ یہیں سے واپس بہاولپور جا کر ان کی امانت واپس کر آئیں، جون ہی خان پور پہنچے جمعہ کا دن تھا، مخزن العلوم خان پور میں ختم بخاری کی تقریب تھی، بعد جمعہ پروگرام جاری تھا، مولانا مفتی ولی حسن کی آمد تھی لیکن علالت کی وجہ سے وہ تشریف نہ لاسکے۔ (1982ء میں میں نے مخزن میں دورۂ تفسیر کیا تھا اس لیے بعض احباب سے تعارف تھا) ایک ساتھی نے مجھ سے حضرت شیخ کے بارے میں پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ تو میں نے کہا کہ محدث اعظم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ ہیں۔ سٹیج پر جب اطلاع پہنچائی گئی تو مولانا فضل الرحمٰن درخواستی صاحب نے اعلان کردیا کہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ بغیر کسی طے شدہ پروگرام کے محدث اعظم حضرت مولانا

محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ تشریف لا چکے ہیں، وہ بخاری شریف کا آخری سبق پڑھائیں گے، حضرت شیخ نے جب اعلان سنا تو ڈانٹتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اعلان کروایا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا، تھوڑی ہی دیر گزری کہ یکا یک علماء کرام جمع ہونے شروع ہوگئے ان علماء میں حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ [طاہر والی]، حضرت مولانا عبدالکریم شاہ رحمہ اللہ، اور مولانا فداء الرحمٰن درخواستی مدظلہ، استاد محترم حضرت مولانا شفیق الرحمٰن درخواستی رحمہ اللہ بھی تھے، دیکھتے دیکھتے مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری بھی پہنچ گئے، حضرت شیخ نے باقی علماء سے درخواست کی کمرہ سے باہر چلے جائیں، صرف حضرت مولانا غلام مصطفیٰ اور محمد عبیداللہ عامر ٹھہر جائیں، سب حضرات کمرہ سے باہر چلے گئے حضرت شیخ رحمہ اللہ مولانا غلام مصطفیٰ سے فرمانے لگے کہ ''آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے! یہ رقم آپ واپس لیں'' مولانا غلام مصطفیٰ مُصر تھے جبکہ حضرت شیخ رکھنے سے انکاری تھے، میں نے حضرت شیخ سے گزارش کی کہ ''استاد جی ایسا کریں کہ آدھے رکھ لیں، آدھے واپس کردیں!'' شیخ رحمہ اللہ ہنس کر فرمانے لگے کہ ''اس کی نیت خراب ہے'' چنانچہ مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کو آدھی رقم واپس کردی۔ پھر علماء حضرات کو اندر بلا لیا گیا۔ سب تشریف لے آئے۔ اسی روز بعد عشاء جمعیت علماء اسلام کے زیرِ اہتمام جلسہ بھی تھا۔ حضرت مولانا فداء الرحمٰن درخواستی رحمہ اللہ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کو بڑے حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ کا پیغام دیا کہ ختمِ بخاری کے لیے حضرت مولانا مفتی ولی حسن رحمہ اللہ نے کراچی سے تشریف لانا تھا نہیں لا سکے۔ بخاری کا آخری سبق آپ پڑھائیں گے اور بعد عشاء جلسہ عام میں آپ بیان بھی کریں گے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میں تعزیت کے لیے آیا ہوں اور سفر کی وجہ سے میری کمر میں بھی تکلیف ہے نہ سبق پڑھاؤں گا نہ بیان کروں گا، جب علماء کرام نے زیادہ اصرار کیا اور کہا یہاں کہ غیر مقلدین نے احناف کو کافر بنا رکھا ہے۔ آپ احناف کی طرف سے وکالت فرمادیں۔ پھر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے رات کا بیان قبول کرلیا اور ختمِ بخاری کی تقریب میں شرکت سے معذرت کرلی اور حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمانے لگے حضرت درخواستی رحمہ اللہ خود ہی ختم بخاری فرمائیں۔ بڑے حضرت درخواستی رحمہ اللہ نے بخاری کا آخری سبق پڑھایا اب رات کے پروگرام کی تیاری شروع ہوگئی۔ بعد عصر حضرت مولانا فضل الرحمٰن درخواستی مدظلہ فرمانے لگے آپ نے دین پور جانے کا فرمایا ہے گاڑی تیار ہے، پھر ہم دین پور شریف کے لیے روانہ ہوگئے اور ساتھ ہی خطیب اسلام حضرت مولانا قاری اجمل خان لاہوری صاحب بھی۔ جب دین پور پہنچے تو حضرت میاں سراج احمد دین پوری کی گاڑی دین پور سے باہر نکل رہی تھی۔ آگے حضرت مولانا میاں مسعود مدظلہ سے ملاقات ہوگئی۔ ان سے حضرت میاں سراج احمد دین پوری کے بارے میں دریافت کیا تو فرمانے لگے ابھی آجاتے ہیں۔ ہم مسجد میں چلے گئے تھوڑی دیر بعد اذان

مغرب ہوگئی، جماعت کھڑی ہوئی تو اچانک حضرت میاں سراج احمد صاحب مصلّے پر تشریف فرما ہوئے، خود ہی انہوں نے تکبیر پڑھی، اور نماز پڑھائی۔ ذہن میں خیال آیا کہ ایسے تکبیر سے نماز ہو جائے گی، لیکن پھر سوچا کہ میرے ساتھ نماز میں ایک علم کا پہاڑ جسے آج امام اہل السنۃ کے نام سے دنیا یاد کرتی ہے اور دوسرے علم کی بہت بڑی چٹان جسے آج خطیب الاسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے موجود ہیں یہ حضرات نہیں بولے میں کون ہوتا ہوں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب جمعیت علماء اسلام میں ایم آر ڈی کیوجہ سے دراڑیں پڑ رہی تھیں، حضرت میاں سراج احمد دین پوری کا جھکاؤ ایم آر ڈی کی طرف تھا، نماز کے بعد حضرت میاں سراج احمد دین پوری نوافل میں مشغول تھے مرید خاص نے مہمانوں کی آمد بتلائی، حضرت میاں سراج احمد دین پوری ہماری طرف متوجہ ہوئے اور کھیس بچھا دیا یہ وہاں کی میزبانی کی ثقافت ہے۔ اور قاری اجمل خان صاحب رحمہ اللہ نے کھیس اکٹھا کر دیا۔ حضرت میاں سراج احمد دین پوری نے فرمایا کہ کھیس پاک ہے اور حضرت قاری اجمل خان رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ نیچے پھوڑ ناپاک نہیں ہے۔ اسکے بعد کچھ دیر خاموشی رہی نہ ہماری طرف سے کوئی بات ہوئی، حضرت شیخ رحمہ اللہ بھی بالکل خاموش اور نہ ہی حضرت میاں سراج احمد دین پوری کی طرف سے کوئی بات ہوئی۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اجازت مانگی حضرت میاں سراج احمد دین پوری نے اجازت دے دی۔ پھر دین پور قبرستان میں حاضری ہوئی اور دعا کی، اور واپس خانپور کے لیے روانہ ہو گئے عشاء کے قریب خانپور اور مخزن العلوم میں پہنچے بعد عشاء پروگرام شروع ہوا۔ مقامی علماء کرام کے بیانات ہو۔ پھر ایک بیان شیریں حضرت مولانا عبدالکریم کا ہوا۔ پھر حضرت شیخ رحمہ اللہ کو مدعو کیا گیا۔ موضوع تھا ''مقامِ ابی حنیفہ'' میں نے دیکھا مدرس، علماء، خطیب، مصنف قلم کاغذ لیے حوالہ جات نوٹ کر رہے ہیں جو ہمارے شیخ کی عظمت اور محقق ہونے کی دلیل ہے باوجود علالت کے ایک گھنٹہ شیخ رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ بعد جلسہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ کا گھر سے پیغام آیا کہ مولانا سرفراز خان صفدر کو لے کر آؤ۔ لیکن حضرت شیخ رحمہ اللہ نے معذرت کر لی کہ صبح انشاء اللہ العزیز ملاقات ہو جائے گی، شیخ رحمہ اللہ کا مقصد یہ تھا کہ میری وجہ سے حضرت کی نیند خراب ہو گی۔ رات کو میری طبیعت خراب ہوئی قے شروع ہو گئی تو شیخ رحمہ اللہ مجھے فرمانے لگے ''سنگیا (یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کا تکیہ کلام تھا) تو میری خدمت واسطے آیا سیں میں نوں تیری خدمت کرنی پے گئی اے۔'' اس محبت بھرے جملے کی مٹھاس آج تک محسوس کر رہا ہوں۔ صبح ناشتے کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ اور قاری محمد اجمل خان لاہوری رحمہ اللہ اور بندہ مخزن العلوم سے روانہ ہوئے۔۔ حضرت درخواستی رحمہ اللہ کی ملاقات کے لیے حضرت کے گھر پہنچے۔ کم بیش آدھ گھنٹہ ملاقات کے بعد میں نے حضرت شیخ رحمہ اللہ سے گذارش کی کہ حضرت درخواستی رحمہ اللہ سے اجازت لے لیں ہماری گاڑی (ٹرین) کا وقت ہو چکا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے حضرت درخواستی رحمہ اللہ سے فرمایا حضرت ہمیں اجازت دیں گاڑی کا وقت ہو چکا ہے۔ جواب میں حضرت درخواستی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ''مولوی صاحب بیٹھ جاؤ! اسمِ اعظم پڑھ کر پھونک ماروں گا، گاڑی نہیں جائے گی۔ مزید پندرہ منٹ بیٹھ کر اجازت مانگی اور اسٹیشن کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب اسٹیشن پر پہنچے تو گاڑی کھڑی تھی۔ میں نے اور حضرت شیخ رحمہ اللہ نے پتوکی اسٹیشن پر اترنا تھا۔ اور حضرت قاری محمد اجمل خان نے لاہور تک آنا تھا۔ اس لیے پتوکی اسٹیشن تک حضرت قاری محمد اجمل خان رحمہ اللہ ہمارے ساتھ رہے۔ حضرت قاری محمد اجمل خان رحمہ اللہ فرمانے لگے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی طبیعت ٹھیک نہیں مسلسل سفر کی وجہ سے تھکن زیادہ ہوگئی ہے۔ لہٰذا سلیپر کے ٹکٹ بنوائیں۔ حضرت قاری محمد اجمل خان صاحب رحمہ اللہ نے اپنا ٹکٹ ۵۰۰ روپے میں خود خریدا جبکہ ہم دونوں کا ٹکٹ پتوکی تک ۷۰۰ روپے میں بنا۔ خانپور اسٹیشن سے سوار ہوتے وقت ہمارے ساتھ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری رحمہ اللہ بھی سوار ہوئے لیکن حضرت شیخ رحمہا اللہ سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ دروازے میں سوار ہوتے وقت مجھ سے پوچھا ٹکٹ کتنے کا بنا ہے۔ میں نے کہا ۷۰۰ روپے کا۔ فرمانے لگے ۲۰۰ روپے مجھ سے اور لے لو کم ازکم ٹکٹ میری طرف سے ہوجائے۔ دورانِ سفر قاری محمد اجمل خان رحمہ اللہ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ آپ کا کیا خیال ہے ان مقررین کے بارے میں جو رقم طے کر کے پھر وقت دیتے ہیں؟۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا اچھا نہیں کرتے اور ساتھ ہی فرمایا کہ بہاولپور والوں نے زیادتی کی ہے۔ کہ مجھ ۱۰۰۰ روپے دیے ہیں۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے تو واپس کردیے تھے۔ لیکن وہ پھر بھی نصف ۵۰۰ روپے دے گئے ہیں۔ میں نے کہا حضرت شیخ رحمہ اللہ سے کہ ابھی مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ ۲۰۰ روپے اور دے گئے ہیں۔ کہ کم ازکم ٹکٹ میری طرف سے ہوجائے۔ تو حضرت شیخ رحمہ اللہ ناراض ہوئے اور مجھے ڈانٹا کہ تو نے کیوں وصول کیے ہیں؟ اور بھی بہت سارے مسائل زیرِ بحث آئے۔ آخر ہم پتوکی اسٹیشن پر اترے اور پرائیویٹ گاڑی پر سوار ہوکر ٹھینگی موڑی پہنچے۔ وہاں ایک بہت بڑا مدرسہ ہے جس کے بانی ہیں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب زید مجدہ فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔ (ان کی دعوت پر حاضری تھی)۔ غالباً ظہر سے پہلے مدرسہ پہنچ گئے۔ بعد ظہر حضرت شیخ رحمہ اللہ کا بیان تھا۔ بیان سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا عبدالعزیز مہتمم مدرسہ نے گاڑی کا انتظام کردیا۔ اور فرمانے لگے کہ یہ گاڑی آپ کو گکھڑ پہنچائے گی۔ گاڑی بھی کمزور تھی لیکن گاڑی سے زیادہ ڈرائیور کی نظر کمزور تھی، کچھ سفر طے کیا غالباً کھرڑیاں آبادی میں پہنچے تو گاڑی پنچر ہوگئی۔ قریب ایک مسجد تھی۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ ڈرائیور سے فرمانے لگے آپ گاڑی کو پنچر لگوالیں۔ ہم نماز عصر ادا کر لیتے ہیں۔ مسجد میں پہنچے تو امام صاحب نے پہچان لیا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ ہیں، نماز کے بعد اپنے کمرے

میں لے گئے۔اور کھیر کے دو پیالے لے کر آئے۔کھانے کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمانے لگے،مولانا یہ کھیر ہمارے مقدر میں تھی۔اگر ہم نہ آتے تو یہ کھیر آپ کو گکھڑ پہنچانی پڑتی مولانا خوب ہنسے باہر نکلے تو گاڑی کو پنچر لگ چکا تھا۔گاڑی میں سوار ہوئے اور چل دیے۔راستہ میں مغرب ادا کی۔پھر روانہ ہو گئے۔بعد مغرب اندھیرا ہو چکا تھا۔ڈرائیور کی نظر کمزور تھی۔سامنے سے آنے والی گاڑی کی لائٹ اتنی تیز ہوتی کہ ہمارا ڈرائیور اپنی گاڑی روڈ سے نیچے اتار لیتا۔جب آنے والی گاڑی گذر جاتی تو پھر گاڑی روڈ پر چڑھا لیتا۔کم وبیش پانچ گھنٹے میں قصور سے لاہور پہنچے۔حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمانے لگے بیٹا اس سے جان چھڑا لیں۔یہ تو ہمیں بعد فجر گکھڑ پہنچائے گا۔اور ساتھ ہی فرمانے لگے،جتنا ہم سفر طے کر چکے ہیں حساب کر کے طے شدہ رقم میں سے ان کا حساب مکمل کر دو بلکہ پچیس روپے زیادہ دے دو۔پھر گجرات فلائینگ کوچ اڈا پر پہنچے ڈرائیور کو حساب دیا۔مزید پچیس روپے کا مطالبہ کیا۔وہ بھی ادا کر دیے۔لاہور سے گجرات کے دو ٹکٹ بنوائے تو باقی ۸۲ روپے بچ گئے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ مولانا عبدالعزایز کو منی آڈر کر دو۔میں نے صبح ہوتے ۸۲ روپے منی آڈر کر دیے۔ابھی تین دن ہی گزر رہے تھے کہ مولانا عبدالعزیز منی آڈر وصول کرتے ہی نصرۃ العلوم گوجرانوالہ پہنچ گئے۔معمول کے مطابق مدرسہ پہنچا تو۔کیا دیکھتا ہوں گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہیں مسجد نور کے برآمدے میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب عمامہ باندھے کھڑے ہیں مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے بھائی عبیداللہ عامر آپ نے ۸۲ روپے منی آرڈر کس چیز کے کیے ہیں تو میں نے سارا قصہ دہرایا اور بتایا کہ گاڑی والے کو ہم نے لاہور ہی سے رخصت کر دیا تھا اسے حساب دیکر جو پیسے بچ گئے تھے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حکم سے میں نے منی آڈر کر دیے تو مولانا عبدعبدالعزیز صاحب سر پکڑ کہ فرش پر بیٹھ گئے۔اور فرمانے لگے ''اف !اللہ تبھی تو آسمان قائم ہے۔تھوڑی دیر کے بعد مولانا واپس رخصت ہو گئے اور وہ متحیر ہی رہے۔ یاد رہے کہ آغاز سفر میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے مجھے جاتے ہوئے سفری خرچہ دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ حساب لکھتے رہنا۔واپسی پر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے حساب مانگا تو فرمانے لگے گڑبڑ ہے میں پریشان ہو گیا۔اس لیے کہ میں نے جان بوجھ کر کوئی خیانت نہیں کی تھی۔میں نے پوچھا حضرت کہاں گڑبڑ ہے۔فرمانے لگے اسٹیشن پر ایک بوڑھیا مانگنے والی آئی تھی۔تو میں نے کہا تھا اسے ایک روپیہ دیدو۔احقر نے عرض کیا کہ وہ میں نے اپنی طرف سے ادا کر دیئے تھے تو فرمایا کہ نہیں! میں نے آپ سے کہا تھا اس لیے وہ میرے کھاتے میں لکھو۔یہ تھے وہ تقوے کا پیکر۔جسے دنیا امام اہل سنت کہتی ہے۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

مولانا عبدالغنی طارق

امام اہل سنت رحمہ اللہ کیا تھے؟ اور کون تھے؟

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی النبی واصحابہٖ وعلی ابی حنیفۃ واحبابہٖ

وبعد :**قال اللہ عز وجل** :"کل نفس ذائقۃ الموت"،

وقال جل وعلا:"کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذوالجلالِ والاکرام"

وقال الحبیب ﷺ:"الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"**وقیل**

لو کانت الدنیا تدوم لواحد

لکان رسول اللہ فیھا مخلداً

موت ایک اٹل حقیقت ہے، جس سے کسی کو مفر نہیں، مگر بعض جانے والے اس شان سے جاتے ہیں کہ ان کی حیات وخدمات کے چرچے دیر تک رہتے ہیں۔میرے شیخ اپنے زمانے کے باکمال انسان، جید عالم، فاضل تھے، جنہوں نے ہر میدان میں اپنے اکابر کی روایات کو زندہ کیا، بلاشبہہ وہ اکابرین کے صحیح اور سچے جانشین تھے۔

خصوصیاتِ شیخ:

امام اہل السنۃ کا وجود مسعود فتنوں اور باطل نظریات کے ہمارے اس دور میں بڑی نعمت تھا، اس پرفتن دور میں سلف صالحین کے صحیح مسلک، اہل السنۃ والجماعۃ کے صحیح عقائد کی حفاظت، باطل نظریات اور من گھڑت افکار کی نشاندہی اور انکا تحریری تعاقب کرنے کی خاص توفیق اللہ جل وعلا اپنے بعض خاص بندوں کو عطا فرماتے ہیں، امام اہل السنۃ ان ہی باتوفیق رجالِ علم میں سے تھے۔

امام اہل سنت صدق نبوت کی دلیل تھے:

میرے نزدیک امام اہل السنۃ حضور ﷺ کی صدق نبوت کی ایک دلیل تھے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ "لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق" کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ رہے گی جو حق وصداقت کو غالب کرتی رہے گی، امام اہل السنۃ اس پیشین گوئی کے کامل مصداق تھے، اور آپ پر یہ پیش گوئی کامل طور پر صادق آتی ہے، اور سچی پیشین گوئیاں سرورِ دو عالم ﷺ کی صدق کی دلیل ہوتی ہیں۔آپ بیک

وقت تمام اہل باطل کی تردید کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، تمام فرقوں پر اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی حقانیت ثابت کرتے اور حق کو غالب کرتے تھے، یہ امام اہل السنۃ کا فن تھا، اگر یوں کہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کرامت تھی تو بے جا نہ ہوگا۔

سلف صالحین کی اتباع:

امام اہل السنۃ فاضل دیوبند تھے، حدیث وتفسیر میں درس کا چرچا تھا، تفہیم جاندار تھی، صاحبِ قلم تھے، کثیر التصانیف تھے، علماء دیوبند کے نیز چھوٹے اور بڑے عالم وغیر عالم کے دل میں اترے ہوئے تھے، اس بے پناہ خصوصیات اور بے پناہ مقبولیت کے باوجود عقائد ونظریات واعمال میں نہایت شدت کے ساتھ سلف صالحین اور اپنے اکابر کے قدم بقدم متبع تھے، اس دور میں اہل کمال کے اندر یہ امر تقریباً گم ہو رہا ہے، اپنی اپنی معمولی مقبولیت دیکھ کر ابنائے زمانہ مجتہدین بن بیٹھتے ہیں، ایسے کم ظرفوں کے ہاں اکابر کی تحقیقات کا کوئی وزن نہیں، انکے نزدیک تحقیق وہی ہے جو ان کی سمجھ میں آئے، حالانکہ یہ امر گمراہیوں کا دروازہ کھولتا ہے، اتباعِ صحابہ کو چھوڑ کر اپنے خام اجتہاد ہی کی بناء پر معتزلہ، مرجیہ، کرامیہ وغیرہ گمراہ فرقے ظاہر ہوئے، امام اہل السنۃ اس سے کوسوں دور تھے۔

امام اہل سنت رسمی باتوں پر اکتفاء نہ کرتے تھے:

امام اہل السنۃ جیسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے، انہوں نے اپنی پوری زندگی تردید باطل کے لیے وقف فرمادی تھی، جس پیغام کو عام علماء نے مصالح کے پردے میں لپیٹا ہوا تھا، امام اہل السنۃ نے ساری دنیا کی ناراضگی کو اپنی ہتھیلی پر رکھا اور اس طرح میدان میں کود پڑے کہ واقعی دین کو انہوں نے امانت سمجھا، اور اس امانت کو ادا کر کے چلے گئے، دنیا آج بھی ان کو یاد کرتی ہے اور کرتی رہی گی۔

ہمارے مسلک کا پہلا بڑا وکیل امام طحاوی رحمہ اللہ ہے۔ اور ہمارے زمانہ کے طحاوی امام اہل السنۃ تھے، ان حضرات سے یہ بات پوشیدہ نہیں جو امام اہل السنۃ کی کتب کو بنظرِ عمیق دیکھ چکے ہیں''۔

جامع شخصیت:

امام اہل السنۃ ایک جامع الصفات شخصیت تھے، ہم جب آپ کو دینی جد وجہد، علمی اشتغال اور قوۃ حفظ کے اعتبار سے دیکھتے ہیں تو شاہ کشمیری کا عکس نظر آتا ہے، جب وُسعتِ مطالعہ اور کثرتِ معلومات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو علامہ سیوطیؒ اور ملا علی قاری کے رنگ دکھائی دیتے ہیں، جب فن رجال اور روایت حدیث، احاطہ حدیث میں مہارت پر نظر دوڑاتے ہیں تو عینیؒ دوراں، ذہبیؒ زمان اور وقت کے ابن حجر معلوم ہوتے ہیں، جب روانیٔ قلم کی جولانیوں پر نظر کرتے ہیں تو عصر کے ابوالکلام معلوم ہوتے ہیں، جب زہد وتقویٰ، اخلاص وتوکل،

عاجزی واستغناء، جرأت واستقامت اور رضاوصبر پر نظر پڑتی ہے تو شیخ مدنی کی نسبت کے نورانی اثرات کا رنگ خوب خوب نظر آتا ہے، جب قوت اعصاب اور کثرت تالیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو حضرت تھانوی اور شیخ زکریا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

امام اہل سنت سے میری شناسائی:

بندہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں درجہ ثانیہ کا متعلم تھا، اس وقت امام اہل السنۃ کی کتب سے واقفیت حاصل ہوئی، پھر رفتہ رفتہ تعارف بڑھتا گیا، اور حضرت کی تصانیف سے خوب فائدہ اٹھایا اور تاحال اٹھارہا ہوں، پھر دورہ سے فراغت کے بعد جامعہ نصرۃ العلوم میں دورہ تفسیر پڑھا تو تعلق اور بھی بڑھ گیا، جو تادم آخر قائم ودائم رہا، حضرت کی شفقتیں بھی خوب رہیں، بندہ بھی گاہے بگاہے حاضری کی سعادت حاصل کرتا رہا۔

امام اہل سنت کی رحیم یارخان آمد:

بندہ کی یہ خواہش رہی کہ استادمکرم حضرت شیخ رحمہ اللہ رحیم یارخان تشریف لائیں، ہر ملاقات میں حضرت سے درخواست کرتا لیکن حضرت بیماری ومعذوری کا عذر کردیتے اور واقعتاً حضرت کی صحت اس قدر طویل سفر کی اجازت بھی نہ دیتی تھی لہٰذا میں خاموش چلا آتا۔ بالآخر اللہ نے ہماری سن لی اور ''شیخ الاسلام سیمینار'' بہاولپور کے موقع پر آپ نے ہماری درخواست قبول فرمائی اور سیمینار سے اگلے روز کا وقت ہمیں عنایت فرمادیا، ہم نے اگلے روز رحیم یارخان میں ''امام اہل السنۃ سیمینار'' منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور زور وشور سے تیاریاں شروع کردیں۔

امام اہل سنت سیمینار اور رحیم یارخان کے علماء کی حالت زار:

جامعہ حمیرا کی طرف سے جب ''امام اہل السنۃ سیمینار'' کا اشتہار دیواروں پر لگا نظر آیا تو رحیم یارخان کے علماء وطلباء اور مسلک دیوبند سے وابستہ دیگر افراد کے چہرے خوشی سے کھِل اُٹھے، دل ودماغ مسرت سے لبریز ہوگئے، ہر دن امام اہل السنۃ کی انتظار میں گزرنے لگا، سرور وخوشی بڑھتی ہی جارہی تھی کہ اچانک خبر ملی کہ ''جامعہ عثمانیہ'' رحیم یارخان کے مماتی دھوکہ سے حضرت سے وقت لے آئے ہیں حضرت نے اُسی روز شام کا ٹائم اُن کو دے دیا ہے، یہ سنتے ہی بے چینی اور اضطراب کا پھیلنا ایک فطری عمل تھا، شہر بھر کے اہلِ حق میں سخت بے چینی اور حیرت تھی کہ جن کے خلاف حضرت کی کتب لکھی گئیں آج وہی حضرت کو اپنے پاس بلا رہے ہیں ''**فیا للعجب**''

مماتیوں کے وکیل سے رابطہ: بندہ نے مماتیوں کے وکیل سے رابطہ کر کے کہا کہ خدا کا خوف کرو! حضرت کو اپنے پاس بلا رہے ہو یہ اچھا نہیں ہے! یا تو حضرت کا مسلک اپناؤ! اور سرِ عام اس کا اعلان کرو! یہ منافقت اور

دھوکہ بازی تو نہ کرو! فراڈ سے باز آؤ! مگر وہ بڑے پر اعتماد لہجے میں کہنے لگے ''ہمارا بھی حق ہے، حضرت شیخ میرے بھی استاد ہیں،'' میں نے اُن سے کہا کہ ان شاء اللہ آپ اپنے مذموم مقاصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، حضرت اگر آپ کے ہاں تشریف لے آئے تو بھی آپ کو کوئی فائدہ نہ ملے گا اور اگر آپ نے اشتہارات طبع کرادیئے اور حضرت نہ آئے تو بھی نقصان ہوگا۔ لیکن انہوں نے شاید اپنے زعم میں میری بات کو ''کالعھن المنفوش'' خیال کیا۔

بندہ نے حضرت شیخ کے صاحبزادوں میں سے مولانا منہاج الحق خان راشؔد صاحب اور مولانا عبدالحق خان بشیؔر صاحب سے رابطہ کیا اور ان کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کرکے رب کعبہ کے حضور دعا کی یارب! اس میں ہماری عزت کا مسئلہ نہیں، حضرت امام اہل السنۃ کی ساری زندگی کی محنت کا مسئلہ ہے، اور سرزمین رحیم یار خان پر حق وباطل کے خلط ملط ہونے کا مسئلہ ہے، اگر امام اہل السنۃ اُن کے ہاں چلے گئے تو ہماری بات پر کون کان دھرے گا (کہ وہ بدعقیدہ ہیں؟)

ادھر حال یہ تھا کہ دارالعلوم عثمانیہ کے مہتمم (مولانا محمد یوسف صاحب) جمعیت علماء اسلام کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں، وہ جمعیت کے امراء اور مختلف شہر کے عہدے داروں کی طرف سے حضرت کے پاس سفارشیں کرا رہے ہیں، گوجرانوالہ کے ایک صاحب مولانا عبدالمالک صاحب جو مجھے نہیں پہچانتے تھے، میرے کندھے پر وزن دیکر انکی سفارش کررہے ہیں اور ان سے سنی سنائی باتیں میرے بارے میں ان کو بتلا رہے ہیں، انہیں یہ خبر بھی نہیں کہ جس فریق کی مخالفت کررہے ہیں انہی کا سہارا لیکر دوسروں کی سفارش کررہے ہیں، میرے سامنے بیٹھے امام اہل السنۃ کے صاحبزادے میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں، میں نے اشارے سے منع کیا کہ خاموش رہو! ان کو میرے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں، بزرگ آدمی ہیں خوانخواہ شرمندہ ہوں گے۔

امام اہل سنت بہاولپور میں:

حضرت شیخ رحمہ اللہ 6 مارچ کو ''شیخ الاسلام سیمینار'' میں شرکت کے لیے بہاولپور تشریف لاچکے تھے، ہم جب حاضر ہوئے تو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ مولانا یوسف صاحب اپنے اولعزم شاگردوں کے ساتھ قافلہ لیکر بڑے بڑے عمامے باندھ کر ''تسکین الصدور'' کی عبارات چھانٹ کر اپنے مطلب کی عبارات تلاش کرکے (ایک استقبالی خطبہ تیار کرچکے ہیں اور) امام اہل السنۃ سے پہلے ہی مل چکے ہیں۔ ''تلك الایام نداولھا بین الناس'' ہمارے چہرے شرمندگی سے جھک گئے، مسلکی معاملہ میں ایک عظیم نقصان کے تصور سے ہماری کیفیت ''وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا، ھنالك ابتلی المؤ

مـنـون [الآیۃ] '' کا مصداق تھی، کہ اچانک رحمت خداوندی نے ساتھ دیا اور استاذ مکرم رازیٔ وقت، جانشین امام الھدیٰ حضرت شاہ ولی اللہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ نے حالات کا بغور جائزہ لے کر حضرت شیخ رحمہ اللہ کو یہ رائے دی کہ عقیدہ پر ایک تحریر تیار کر لی جائے، جو حضرات اس پر دستخط کردیں اُن کے ہاں تشریف لے جائیں اور جو دستخط نہ کریں وہاں جانا تو مسلک کو نقصان پہنچانا ہے۔

شیخین کا اتفاق اور اتفاق میں برکت:

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کی رائے گرامی سے امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے اتفاق فرمایا اور اپنے ذمہ دار صاحبزادوں کو ایک تحریر تیار کرنے کا حکم دیا، صاحبزادوں نے (شیخ رحمہ اللہ کی کتاب ''تسکین الصدور'' سے ہی) ایک تحریر تیار کی جو شیخ کو پڑھ کر سنائی گئی، شیخ نے اس پر تائیدی دستخط فرمائے، بندہ اسوقت وہاں موجود تھا، حضرت شیخ کے دستخط کردینے کے بعد وہ تحریر مولانا یوسف صاحب کے شاگردوں کے سپرد کردی گئی کہ اپنے استاد سے اس پر دستخط کرالیں! (حضرت داداجان رحمہ اللہ کی تحریر اور اس واقعہ کی مزید تفصیل والد مکرم مدظلہ کے مضمون ''عقیدہ حیات النبی پر ایک تحریر اور مخالفین کا پروپیگنڈہ'' [باب 3] میں ملاحظہ فرمائیں۔[خادم، حمزہ])

جاء الحق وزهق الباطل:

اس آیت کا مصداق اس وقت سامنے آیا جب یہ تحریر ان کے حوالے کی گئی تو جلسہ گاہ سے ایسے گم ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، دوسری جگہ جا کر لیت ولعل کرتے رہے، خلاصہ یہ کہ انہوں نے اُس تحریر پر دستخط نہ کیے اور زبان حال سے یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے "فرجعوا الیٰ انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون"

رحیم یارخان کے مشرق ومغرب کی حالت:

رحیم یارخان کے مشرق (جامعہ عثمانیہ) میں ذلت، رسوائی، پریشانی اور پشیمانی نے ڈیرے ڈال دیئے جو آج تک ڈالے ہوئے ہیں، جبکہ مغرب میں خوشی، شادمانی، فرحت اور مسرت کے گیت گائے جارہے تھے، ہر نظر اس روڈ پر لگی ہوئی تھی جہاں سے امام اہل السنۃ کی تشریف آوری ہونی تھی، جامعہ حمیرا کے سامنے کی طویل سڑک، علماء کرام، مفتیان عظام، ائمہ، طلبہ اور دینی ذوق رکھنے والی عوام سے بھری ہوئی تھی، شیخ کی آمد سے قبل اُن کے نواسے مولانا محمد داؤدخان نوید مدظلہ، اور صاحبزادے مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ مسئلہ حیات النبی پر تفصیلی خطاب فرما چکے تھے۔

امام اہل سنت کی آمد: امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی گاڑی نے جونہی رُخ جلسہ گاہ کی طرف کیا، کثرت اژدہام کی وجہ سے مولانا منہاج الحق خان راشد مدظلہ کو گاڑی وہیں روکنی پڑی، سارا مجمع شیخ کے استقبال کے لیے اُٹھ کھڑا

ہوا، اسٹیج پر موجود مولانا عبدالروف ربانی نے پرزور نعروں سے سماں باندھ دیا، مجمع کے جذبات پر قابو پاتے ہوئے سٹیج سیکٹری (مولانا عطاء المنعم) صاحب نے سب حضرات سے اپنی اپنی جگہ کھڑا رہنے کی درخواست کی، شیخ کو گاڑی سے اُتار کر وہیل چیئر کے ذریعے جلسہ گاہ سے متصل ہی مہمان خانہ میں لے جایا گیا، کچھ دیر بعد جب دوبارہ شیخ کو سٹیج کی طرف لایا گیا تو مجمع ایک بار پھر آپے سے باہر ہوگیا، پھر شیخ کے نواسے مولانا داؤ خان نوابد نے مدظلہ نے بہاولپور میں تیار کی جانے والی تحریر شیخ کی موجودگی میں علاقہ بھر کے علماء کے سامنے پڑھ کر سنائی، اور مولانا عبدالروف ربانی نے سپاس نامہ پیش کیا جو آج بھی شیخ کے گھر کے مہمان خانے کی زینت بنا ہوا ہے۔

امام اہل سنت کا بیان:

اب سب کی نظریں امام اہل السنۃ کے مسکراتے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، جب مائیک سامنے کیا گیا تو حضرت شیخ نے مختصر خطبہ کے بعد چند کلمات ارشاد فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ "امریکا کتنا بے وقوف ہے، یہ مسلمان مجھ جیسے ناکارہ کو نہیں چھوڑتے کیا یہ اسلام کو چھوڑ دیں گے؟"

امام اہل السنۃ کا اعلان: بعد ازاں امام اہل السنۃ کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو علماء وعالمات اس تحریر پر دستخط کریں گے حضرت شیخ کی طرف سے صرف ان کو اجازتِ حدیث دی جائیگی۔

دیگر مدارس کا دورہ:

بعد ازاں رحیم یار خان کے وہ مدارس جن کے مہتمم حضرات نے اس تحریر پر دستخط کر دیئے تھے ان سب کے ہاں دو دو، چار چار منٹ کے لیے حضرت تشریف لے گئے اور ہر جگہ دعا فرمائی، ان جامعات ومدارس میں جامعہ تفسیریہ شمس العلوم، جامعہ قادریہ، جامعہ رحیمیہ، جامعہ انوار القرآن، جامعہ حسینیہ ربانیہ، ادارہ صوت القرآن، وغیرہ شامل ہیں۔

آخری زیارت:

وفات سے 15/20 روز قبل حاضری ہوئی، طبیعت ذرا سنبھلی ہوئی تھی، موقع پا کر مولانا منہاج الحق راشد مدظلہ نے عرض کیا کہ "اس دفعہ سفر پر چلیں گے؟ تو بلا تکلف فرمایا "چلیں گے!" ہم دنیا کا سفر تصور کر رہے تھے جبکہ وہ اپنے سفرِ آخرت کی خبر دے رہے تھے۔

اللہ رب العزت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ ساتھ اس سیہ کار کے درجات کو بھی بلند فرمائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے بندہ اپنی خطاؤں کی معافی چاہتے ہوئے اس مضمون کو ختم کرتا ہے۔

وصلی اللہ علی النبی الامی الکریم والہ وصحبہ اجمعین

مولانا عبدالجبار سلفی

سفینۂ اہلِ حق......کا......ناخدا چل بسا!

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کہ ''اقلیمِ علوم وفنون'' پر ان کی حکمرانی تھی۔ وہ مال ودولت سے تہی داماں تھے مگر مال ودولت والے ان کے نام کی ''مالا جپتے'' تھے....امام اہل السنۃ وہ خوش نصیب وخوش بخت عالمِ دین تھے جن کا علم ان کے سینے میں بند نہیں رہا اور ان کے ساتھ ہی قبر میں نہیں چلا گیا.... بلکہ امام کے ''سینے'' سے کاغذ کے ''سفینے'' میں منتقل ہوتا رہا۔ اور صفحاتِ قرطاس نے قیامت کی صبح تک کے لیے ان کے علمی جواہرات کو اپنے دامن میں محفوظ کرلیا....امام اہل السنۃ ''قدیم وجدید کے پیکر حسین'' اور فضل وکمال کی ایسی کائنات تھے کہ اس دورِ قحط الرجال میں علم وعرفان کی اس قسم کی مثال پیدا ہونے کی توقع نہیں....چشمِ فلک، محشر تک یہ نظارا کرے گا کہ کیا اپنے....اور کیا بیگانے اس ''قناعت پیشہ'' عالمِ ربانی کی تصانیف سے استفادہ کرتے رہیں گے۔

خدا رکھے بہت اونچا ہے معیارِ نظر اس کا
فیض جس نے اپنے بیگانے نہیں دیکھے

اپنے گوناگوں اوصاف اور ''کمالاتِ بوقلموں'' کی بنا پر امام اہل السنۃ موجودہ کاروانِ علم کے آخری مسافر تھے....شرق سے غرب تک اپنا علمی لوہا منوانے والے امام اہل السنۃ اس طائفہ انکسار کے رکن تھے جو مسجد کی چٹائیوں پر ''گلیم پوش'' اور ''درویش منش'' اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں۔

شاہراہِ تحقیق اور صفت اعتدال!

امام اہل السنۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا ''راہوارِ قلم'' کم وبیش پچاس سال تک ''محوِ خرام'' رہا۔ مگر اس شاہراہ تحقیق پر چلتے ہوئے آپ رحمہ اللہ کے قلم سے ایک سطر بھی اشتعال کی رو سے نہیں نکلی، باطل فرقوں کے اہلِ قلم نے بہت کچھ لکھا، پھبتیاں کسیں تنقید کی باڑ کھڑی کی، نفرتوں کے بیج بوئے، مگر اس مردِ قلندر نے اعتدال کا دامن نہیں چھوڑا....اور تادمِ آخر اپنے اکابر واسلاف کی اس صفتِ اعتدال کی لاج رکھ کر آنیوالے محققین کو اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کا سلیقہ سکھا دیا......سب سے پہلی کتاب ''الکلام الحاوی فی تحقیق عبارت الطحاوی'' سے لیکر زندگی کی آخری کتاب ''توضیح المرام فی

نزول مسیح علیہ السلام۔'' تک آپکو یہ خصوصیت نمایاں نظر آئے گی۔ باقی سچ کو کتنا ہی نرم وملائم کر کے پیش کرو یہ چنگاریاں ضرور اڑاتا ہے۔اس لیے مخالفین کا ''چیں بجبیں'' ہونا ایک فطری امر ہے۔

امام اہل السنۃ کا اسلوبِ نگارش!

ہر شخص میں ایک ذہنی صلاحیت اور دماغی استعداد ہوتی ہے۔ یہ کم اور زیادہ ہوسکتی ہے۔اس میں کمی بیشی ممکن ہے۔ یہ حقیقت ہم اپنی عملی زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔ طبعیات میں اور کیمیاء میں اور دیگر کئی ایک علوم میں ماسٹر کی ڈگریاں حاصل کرنے والے سب ایک جیسی ذہنی صلاحیت کے مالک نہیں ہوتے۔اور ایسا ہر علمی میدان میں ہوتا ہے۔لیکن ایک اور چیز ہوتی ہے جو لوگوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہے،اور وہ ہے وژن! یہ ''وژن'' ہرانسان کے پاس نہیں ہوتا بلکہ یہ وھبی چیز ہوتی ہے۔ یہ ایسا انعامِ خداوندی ہے جو انسان کو بہت آگے لے جاتا ہے۔اسی عطاء نے ،اسی وژن نے مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو''امام اہل السنۃ'' اور''محقق زمان'' بنا دیا تھا......جن لوگوں کو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی جملہ تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے،وہ بخوبی جانتے ہیں ہوں گے کہ مناظرانہ طرز کی تحریریں لکھتے وقت اکثر اہل قلم اور اہل علم میں ''تعلّی'' آجاتی ہے۔ چیلنج بازی کرنا ،انعامی اشتہارات دینا اور حریف کے بت بنا بنا کر انہیں توڑنا اور پھر ''بت شکن'' کہلانا رواج سا بن جاتا ہے۔ یہ چیزیں وہاں ہوتی ہیں جہاں خوفِ خدا اور فکرِ آخرت مفقود ہوتی ہے اور پھر ایسے لوگوں پر ہمہ قسم کی نصیحت بھی بے سود ہوتی ہے۔مگر ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی کتب میں تواضع انکسار اور عاجزی چھلکتی ہے......اور انہی صفات سے شخصیت چمکتی ہے۔ کیونکہ غرور یا گھمنڈ عقلِ انسانی کے سب سے بڑے دشمن اور صلاحیتوں کو ملیامیٹ کر دینے والے ہوتے ہیں۔

گجرات کے مفتی احمد یار خانصاحب نے''راہِ جنت'' لکھ کر اپنے برخوردار مولانا اقتدار احمد خان کی طرف منسوب کر دی......امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق کتاب'' راہِ سنت'' کے جواب کے طور پر یہ کتاب لکھی گئی تھی۔جواب کیا تھا کذب وافتراء کا مجموعہ تھا،مفتی احمد یار خانصاحب کتاب''راہِ سنت'' کے متعلق لکھتے ہیں۔

> ''آخری گذارش :مسلمانو !ہوشیار، ہوشیار،نجدی دیوبندی وہابی علماء سے اپنا دین بچاؤ،ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آؤ۔انکی بہت زیادہ قرآن خوانی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔کتاب''راہِ سنت'' مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کیخلاف ہے اسلام کے خلاف ہے،مسلمانوں کے عقیدہ کے خلاف ہے،فقہاء کے اقوال احادیث وقرآن کے ارشادات کے بالکل منافی ہے۔کوئی سنی اس کتاب سے فریب نہ کھائے یہ کتاب اعتزال،خروج،نجدیت ملعونہ کا مجموعہ ہے......الخ (راہِ جنت ص۱۰۴)

مذکورہ بالا عبارت سے جو''سڑاند کے بھبکے''اٹھ رہے ہیں، وہ ہر ایک پر عیاں ہیں۔لیکن امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی ''غزارتِ علمیہ'' کی داد دیجیے کہ آپ رحمہ اللہ نے اس دلآزار عبارت کا جواب ''بابِ جنت'' پر انتہائی متانت وسنجیدگی کی ساتھ یوں دیا......

''مفتی صاحب غصہ جانے دیجیے راہِ سنت میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک مسئلہ بھی بلا حوالہ درج نہیں کیا گیا۔اوراس کا ایک مسئلہ بھی کتاب وسنت کے منافی نہیں بلکہ عین مطابق ہے۔اوراس کا ایک مسئلہ بھی فقہاءعظام اور خصوصاً علماءِ احناف کثر اللہ جماعتہم کے خلاف نہیں ہے۔اس میں جو کچھ ہے اور جتنا کچھ ہے وہ قرآن وسنت کے عین مطابق خالص اسلام اور فقہ حنفی کے نا قابلِ تردید حوالوں کے موافق ہے۔ مفتی صاحب! محض لفظی قلعوں کے بچاؤ سے کیا بنتا ہے ؟ آخر حقیقت حقیقت ہی ہوتی ہے......الخ

قارئین کرام ! ہمارے شیخ رحمہ اللہ کے اسلوب نگارش کی یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے۔ بلاشبہ اسی اندازِ تحقیق کی بدولت آپ رحمہ اللہ آسمان علم وعظمت کے درخشندہ ستارے سمجھے جاتے ہیں ......اور امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی تصانیف کے تذکروں سے بحر و بر چھلک رہے ہیں ......مسئلہ حیات النبی ﷺ پر آپکی تصنیف ''تسکین الصدور'' کو جو مقبولیت ملی ، وہ اس عنوان پر لکھی جانے والی کسی کتاب کو نصیب نہ ہوسکی۔ منکرین حیات النبی ﷺ کے ایک بزرگ عالم مولانا محمد حسین نیلوی صاحب نے اپنی کتاب ''ندائے حق ''میں جب تند و تیز لہجہ استعمال کیا اور خشونت آمیز قسم کی بحث کی تو آپ رحمہ اللہ نے''تسکین الصدور''طبع دوم کے دیباچہ میں لکھا

''ہم نے ندائے حق میں پیش کردہ صرف اس بات کے جواب کو ملحوظ رکھا ہے جس سے کسی طالب حق کے مغالطہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہوگا دیگر باتوں کا جواب ہم نے''سماعِ الموتیٰ''میں دیدیا ہے۔ باقی باتوں کو ہم نے سرے سے درخور اعتناء اور قابلِ التفات ہی نہیں سمجھا۔ اور نہ لایعنی اور نری مجذوبانہ باتوں کو نقل کرکے ان کے جوابات دیکر عوام کے اذہان کو مشوش کرنا مناسب سمجھا ہے۔ اور جو زبان انہوں نے استعمال کی ہے ہم نے علمی سطح سے گری ہوئی وہ زبان استعمال نہیں کی ......اللہ تعالیٰ کا جہان بڑا وسیع ہے ہوسکتا کہ کوئی صاحبِ ہمت انہی کی بولی میں ان سے ہمکلام ہوں ، ہم اس میدان کے شہسوار نہیں ہیں اور نہ ہی ہمارے پاس ایسی مجذوبانہ باتوں کے رد کرنے کے لیے فالتو وقت ہے۔(تسکین الصدور ص ۶۷، ۶۸)

بہر حال امام اہل السنۃ کی وثاقت وجلالت ، فضل ونیابت ، زہد و دیانت اور ورع وامانت اس سے

فزوں تر ہے کہ قلم ان کا احاطہ کر سکے۔انہوں نے مذہب اہل السنۃ والجماعت اورفکرِ دیوبند کے دفاع میں ایسے ایسے علمی جوابات ابناء ملک وملت کے سامنے پیش کیے کہ فریق مخالف کی ''رگِ حیات'' کو گویا کاٹ کر رکھ دیا......دارالعلوم دیوبند سے کسبِ فیض کرنیوالے بیشمار لوگ یگانۂ روزگار اور ''فریدِ اعصار'' بن کر فضل وکمال پر چمکے،مگر آپ جیسا عالم وعامل،فاضل کام اور ''متکلم ماہر'' کا ''دنیائے آب وگل'' میں آنا مشکل دکھائی دے رہا ہے کیونکہ......''ان الزمان بمثله لبخیل'' بیشک زمانہ ان کی مثال پیش کرنے میں بخیل ہے۔

تصانیف امام اہل سنت کی انفرادیت:

امام اہل السنۃ نے اپنے چمنستان افادات میں رنگارنگ تحقیقات کی جو پر بہار روشیں بنائی ہیں وہ ان کے بہترین سلیقۂ ترتیب کی آئینہ دار تو ہیں ہی،اس کے علاوہ آپکی تصانیف کی ایک خاص انفرادیت اور امتیاز ہے وہ یہ کہ بڑی سے بڑی کتاب میں تمام عناوین ومضامین کا چند سطروں میں خلاصہ نکال کر اس کو عکسِ ٹائیٹل پر درج کرنا ہے۔(جس کا نمونہ ''قلمی جہاد'' نامی مضمون میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے[خادم،حمزہ]) آپ رحمہ اللہ کی ہر کتاب میں خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی،آپکو یہ امتیازی وصف نظر آئے گا......برعکس اس کے آپ فرقہائے مخالف کی جوابی کتب بھی پڑھیں تو ان میں آپکو بے ربط،گنجلک،غیر منطقی،الجھے ہوئے خیالات اور ناقص انشاء نیز علمی فرومائیگی،بلکہ ابلہی اور ''بلید الفہمی'' جگہ جگہ نظر آئے گی......ہم یہ نہیں کہتے کہ اپنا نقطہ نظر بیان کرنا کوئی جرم ہے،سوچوں پر پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے،اختلاف ایک طبعی چیز ہے،مگر ''علمی'' اور ''شکمی'' اختلاف میں فرق ہوتا ہے۔امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے علمی اختلاف کیا اور اختلاف علمی پیرائے میں رکھا نیز حق پر چلتے ہوئے آپ نے حق کا دفاع کیا ہے......آپکے قلم سے نکلی ہوئی ایک ایک سطر سے مشک وعنبر کی خوشبو اس لیے آتی ہے کہ آپ رحمہ اللہ کو بڑے باکمال اساتذہ اور جہابذہ کی ایک جماعت کثیرہ سے علمی استفادہ کرنے کا موقع ملا ہے۔اس لیے آپکے خیالات میں کوئی جھول نہیں،کوئی لچک نہیں،آپکی فکر میں پاکیزگی تھی،گدلا پن نہیں،بڑے سے بڑا عالم یا دانشور جب کبھی کھلم کھلا اور واضح غلطی کی حمایت میں کمر بستہ ہو جاتا ہے اور لگامِ قلم باطل کے دفاع میں کھینچ لیتا ہے تو اس کے خیالات میں الجھاؤ،بیان میں ''گل جھڑیاں'' اور استدلال میں ''خامیاں'' ضرور ہونگی......اور جب امام اہل السنۃ رحمہ اللہ جیسے ذی علم وذی وقار حق کے دفاع کے لیے خود کو وقف کر دیتے ہیں تو نہ صرف ان کی شکل وشمائل سے بلکہ ان کی آئندہ نسلوں سے بھی ''فاطر السمٰوٰت والارض'' عمل وفضل کے آثار ہویدا وآشکارا کر دیتے ہیں۔

ایک عجیب خواب اور اس کی تعبیر!

راقم الحروف کی بیعت کا تعلق حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز شیخ العرب والعجم

مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ) سے تھا۔ مرشد کامل کی نگاہِ فیض نے فتنوں کے تعاقب کا جذبہ پیدا کیا۔ ایک مرتبہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''خارجی فتنہ'' حصہ دوم کا مطالعہ کررہا تھا، یہ حصہ ''فسقِ یزید'' سے متعلق ہے۔ قاضی صاحب رحمہ اللہ نے افراط وتفریط سے دامن بچائے ہوئے نہایت سلیقے اور قرینے سے یزید کے متعلق اکابرین اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ پیش کیا۔ دورانِ مطالعہ اچانک خیال آیا کہ امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا یزید کے بارے میں نظریہ ان کی کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذرا۔ اسکی وجہ یہ ہوگی کہ آپ رحمہ اللہ نے شرک وبدعت کی تردید میں زیادہ لکھا ہے یا پھر احناف کے دفاع میں شاید اس قسم کی بحث کرنے کا آپ رحمہ اللہ کو موقع نہ مل سکا ہو، اسی دوران ''لیلیٰ شب'' نے اپنے گیسو پھیلائے اور راقم نیند کی وادی میں اتر گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید ریش وسفید پوش بزرگ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتاب ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' ہاتھ میں اٹھائے ہوئے ہیں اور بار بار مجھے اس کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں...... جب آنکھ کھلی تو حیران تھا کہ اس کی تعبیر کیا ہوسکتی ہے؟ اول تو یہ کتاب بندہ نے بارہا پڑھ رکھی ہے۔ پھر مسئلہ یزید کے ساتھ تو اس کا دور سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ بہرکیف اگلے دن ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' اٹھائی اور ایک بار پھر مطالعہ کرنے لگا۔ یقین جانئے! کہ مجھے اپنے سوال کا جواب مل گیا، چنانچہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ **''تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر''** المعروف ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کے صفحہ نمبر 146 پر یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت معقل رضی اللہ عنہ بن سنان رضی اللہ عنہ اور حضرت مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہما کی آپس میں ایک مرتبہ ملاقات ہوئی، حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **''انی خرجت کرھا لبیعۃ ھذا الرجل''** ......میں اس شخص کی بیعت کرنے کے لیے مجبوراً نکلا ہوں ،حالانکہ وہ شراب بھی پیتا ہے اور حرم میں زنا بھی کرتا ہے، پھر حضرت معقل رضی اللہ عنہ حضرت مسلم بن عقبہ رضی اللہ عنہما سے عہد وپیان لیتے ہیں کہ میری اس گفتگو کا ذکر یزید سے نہ کرنا......الخ''

اسی طرح آپ رحمہ اللہ اپنی زندگی کی سب سے پہلی کتاب **''الکلام الحاوی فی تحقیق عبارت الطحاوی''** کے صفحہ نمبر 161 پر لکھتے ہیں

''امام حسین رضی اللہ عنہ پر رونا سنت یزید ہے، اس سنتِ یزید پر شیعہ قائم ہیں......

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی تحقیق پر اندھا اعتماد رکھنے کے دعویدار ذرا یزید کے بارے میں بھی حضرت رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کریں۔ جب فسقِ یزید کی بحث ہوتی ہے تو بعض لوگ ''آتشِ زیر پا'' ہوجاتے ہیں اور خوانخواہ قہر آلود نگاہوں سے گھورنے لگتے ہیں۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے برملا

فرمایا ''اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے، تفسیق میں نہیں''۔(شہید کربلا اور یزید ص ۱۴۰)

مسئلہ تکفیر میں امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا ایک زریں قول:

مسئلہ تکفیر تحقیقی ہے، تقلیدی نہیں۔اکابرین اہل السنۃ اس مسئلہ میں جتنے حساس تھے بد قسمتی سے آج کی نسل اس میں اتنی جری اور بیباک ہے۔ بات بات پر کفر کا گولہ داغ دینا ایک بازیچۂ اطفال بن چکا ہے......رد پر کام کرنیوالے علماء کرام کے اندر اشتعال و جذبات کا پیدا ہونا ایک طبعی چیز ہے۔اس موقع پر نہایت صبر وتحمل حوصلہ اور بردباری کی ضرورت ہوتی ہے۔ہمارے شیخ امام اہل السنۃ کا ایک یہ امتیاز بھی ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے ساری زندگی ردِ شرک وبدعت اور دیگر فرقوں کے خلاف قلم چلایا مگر آپ رحمہ اللہ نے فتوے کی زبان استعمال نہیں کی۔اس سلسلہ میں آپ رحمہ اللہ کی کتاب ''بابِ جنت'' کی ایک عبارت ''سلکِ مروارید'' میں پرونے کے قابل ہے:

> ''دین کے بارے میں ہم کسی کا پاس نہیں رکھتے۔الحمدللہ کہ یہ ورثہ ہمیں اپنے اکابر سے حاصل ہوا ہے۔لیکن قطعی اور واضح ثبوت کے بغیر ہم کسی کی تکفیر کرنے کے لیے بھی ہرگز تیار نہیں ہیں، اختلاف کا مقام اور ہوتا ہے اور تکفیر کا اور، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔(بابِ جنت ص ۱۷۱)

سبحان اللہ !غور کریں علمی وقار اور متانت وسنجیدگی کو کس طرح داغدار ہونے سے بچایا جا رہا ہے۔ باطل فرقوں کی ''ہنگامہ آرائی'' اور ''غوغہ نوائی'' میں خود کو اعتدال پر رکھنا بڑا مشکل مرحلہ ہوتا ہے مگر امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے یہاں بھی ایک مثال قائم کر دی، اس لیے راقم الحروف نے بغیر کسی حیلہ وحجت کے آپ کو ''سفینۂ اہل السنۃ کا ناخدا'' کہہ کر اپنے جذبات اور عقیدت کو تسکین دی ہے......افسوس کہ آج لیل ونہار کی گردشوں نے علم وتحقیق کی جگہ ''جہل وتحمیق'' اور ''توسع ورواداری'' کی جگہ ''عصبیت اور فرقہ بندیوں'' کو کھڑا کر دیا ہے۔امام اہل السنۃ رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ نے بدعات ومحدثات کے جھلملوں میں سنت کے روشن چراغ جلائے، اب ان کو جلائے رکھنا اور چراغ سے چراغ روشن کرتے چلے جانا ہماری ذمہ داری ہے اور حلقہ دیوبند سے تعلق رکھنے والے اہل علم کا فرض منصبی ہے۔

معاصرانہ چشمک سے کلی اجتناب:

شورش کاشمیری مرحوم نے ایک نہایت ''خیال افروز'' جملہ کہا ہے کہ:''خدا جانے علم، سیاست اور شعر میں حسد ورقابت کا ایندھن کہاں سے آیا ہے کہ فطرتِ انسانی اکثر وبیشتر اس کی آگ میں تپتی اور دھواں دیتی ہے''۔(بوئے گل، نالۂ دل، دودِ چراغِ محفل، جلد اول صفحہ نمبر 814)

ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی پڑھنے کے لائق ہے:

''علماء کی صحبت سے علم حاصل کرو! لیکن معاصرین کے متعلق ان کی آراء پر دھیان مت دو کہ ان میں باہمی حسد ہوتا ہے اور یہ مینڈھوں کی طرح ایک دوسرے سے سینگ لڑاتے ہیں......''

اہل علم میں بڑے عالی ظرف وعالی دماغ حسد ورقابت کے مریض نظر آتے ہیں۔ معاصرانہ چشمک ہر دور میں رہی ہے اب بھی ہے اور آئندہ رہے گی، مگر ماضی میں یہ مرض قابلِ علاج تھا، اب یہ روحانی مرض نا قابلِ علاج دکھائی دے رہا ہے۔ اسکی واضح علامت اور بین دلیل یہ ہے کہ ماضی میں معاصرت کی انتہا سر پھٹول، کردار کشی اور قتل پر جا کر نہیں ہوتی تھی۔ فتح الباری اور عمدۃ القاری پڑھنے والے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور حافظ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کی نوک جھونک سے خوب محظوظ ہوتے ہیں۔ وکیل احناف علامہ ملا علی القاری رحمہ کے تبحر علمی کو دیکھ کر علامہ عصامی رحمہ اللہ (مالکی) ایک جگہ کہتے ہیں:

''**الجامع للعلوم النقلية والعقلية المتصنع من السنة النبوية ،احد جماهير العلماء ومشاهير اولى الحفظ الافهام**'' ......یعنی (ملا علی قاری رحمہ اللہ) علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے، سنتِ نبوی ﷺ میں وافر حصہ رکھتے تھے، جمہور علماء میں سے ایک تھے اور قوتِ حافظہ نیز عقل وفہم میں شہرت رکھنے والوں میں سے ایک تھے......الخ، اور پھر ساتھ ہی اگلا جملہ ارشاد فرماتے ہیں ''**ولهٰذا تجد مولفاته ليس عليها نور العلم ،ومن ثم نهى عن مطالعتها كثير من العلماء والاولياء**'' ......تو ملا علی قاری کی کتب میں نورانیت نہیں پائے گا اسی وجہ سے بہت سارے علماء واولیاء ان کی کتب پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ (بحوالہ شم العوارض فی ذم الروافض مطبوعہ بیروت ص ۳۵)

نوٹ! امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ فرض نمازوں میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جائے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس پر علمی جرح کی تھی جسکی وجہ سے علامہ عصامی مالکی رحمہ اللہ برہم ہو گئے۔ پہلے تعریف کی انتہا کر دی اور پھر تحریض کرنے میں کسر نہ چھوڑی۔

خیر معاصرانہ چشمک پر تو ماضی وحال کے بیشمار واقعات اور مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور ایک مستقل کتاب منصۂ شہود پر آ سکتی ہے۔

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو خالقِ ارض وسماء نے اس مرض سے بھی محفوظ رکھا تھا، معاصر علماء کرام کے مرتبہ ومقام کا آپکو پورا احساس تھا، چھوٹوں پر ذرہ نوازی اور حوصلہ افزائی آپ رحمہ اللہ کا شیوہ تھا......تقلید کے اثبات میں جب آپ رحمہ اللہ نے ''الکلام المفید'' لکھی تو مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے اس پر ماہ نامہ ''البلاغ'' بابت دسمبر 1987ء ایک جاندار تبصرہ لکھا، چنانچہ امام اہل السنۃ

رحمہ اللہ نے الکلام المفید کے آئندہ ایڈیشن میں اس تبصرہ کو جب زینت کتاب بنایا تو مولانا تقی عثمانی صاحب کے نام کی ساتھ ''شیخ الحدیث، علامہ، فہامہ'' جیسے القاب لگائے ...... پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کتاب پر مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ سے تقریظ لکھوائی، (دیکھئے الکلام المفید)

اس کے علاوہ ہر ایک کے خط کا جواب دینا اور شدید علمی مصروفیات کے باوجود راہنمائی کرنا آپ کے عجز وانکسار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ آپ رحمہ اللہ کے عالی اوصاف میں سے ایک یہ بھی اہم وصف ہے کہ آپ رحمہ اللہ معاصرانہ چشمک سے بالکل پاک تھے اور آپ کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اپنے ایک جوابی مکتوب میں لکھتے ہیں

''محترم! آپ نے راقم اثیم کی تصانیف کی جو تعریف وتوصیف کی ہے تو یہ آپ کا حسن ظن اور علو ظرف ہے ورنہ حقیقت اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ من آنم کہ من دانم ......راقم اثیم کی کتابوں میں جو دلائل وبراہین اور ٹھوس حوالے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے اور پھر آپ جیسے مخلص بزرگوں ساتھیوں اور عزیزوں کی مخلصانہ دعاؤں کا نتیجہ اور فیض ہے ورنہ علمی اور تحقیقی مسائل کہاں؟ اور یہ ناچیز کہاں؟ (ارشاد الشیعہ ص ۸)

اور اسی کتاب یعنی ''ارشاد الشیعہ'' میں شیعی عقائد سے آگاہی کے لیے جن علماء اہل السنۃ کی کتب کی فہرست دی گئی ہے ان میں سے مولانا مہر محمد کا نام بھی ہے۔ حالانکہ یہ آپ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں......آپکی اسی منکسر المزاجی نے آپکی شخصیت کو بام عروج تک پہنچا دیا تھا۔ اور مسلکِ دیوبند سے وابستہ ہر تحریک، ہر جماعت اور ہر انجمن آپ کو اپنا سرپرست سمجھتی تھی۔ آپ رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے......اور روزِ روشن دلائل وبراہین کا محتاج نہیں ہوتا۔

ؔ وکیف یصح فی الاذھان شئی

ذا احتاج النھار الی الدلیل

(اگر روزِ روشن بھی دلیل وبرہان کا محتاج ہو جائے تو پھر کوئی اور چیز کیسے ذہن میں آسکتی ہے)

تحریر میں تبلیغی رنگ کا غلبہ:

امام اہل السنۃ کے اوصاف میں سے ایک عالی وصف یہ بھی ہے کہ باوجود ایک ماہر نقاد اور مناظر ہونے کے آپ کی تمام تصانیف میں تبلیغی واصلاحی پہلو غالب ہوتا ہے، ہلکی پھلکی تنقید ہوتی ہے مگر ''تحقیر وتحریص'' قطعاً نہیں......مناظر میں ایک نقص یہ ہوتا ہے کہ وہ باجود ذہانت اور جودتِ طبع کے اس قابل نہیں ہو پاتا کہ دین کے مزاجِ کلی پر غور کر سکے۔ یا مصالح دین پر نظرِ عمیق ڈال سکے۔ اسکی نظر میں کچھ ٹیڑھا پن آجاتا

ہے جسکی وجہ سے وہ جزئیات کے ٹٹولنے میں مصروف رہتا ہے اور ''اصول'' اس سے مخفی ہی رہتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نظر کی جزئیت کی وجہ سے اسلام پر غور کرے گا بھی تو جزئی حیثیت سے۔وہ جن مسائل پر مناظرہ کرنے میں ملکہ رکھتا ہے اسی کی تائید میں آیات واحادیث تلاش کرتا پھرے گا۔اسکو اس سے کچھ غرض نہیں کہ اسلام بحیثیت مجموعی کیا ہے؟ یا ہم سے کیا چاہتا ہے؟......جب مناظرہ کی غرض وغایت یہ قرار پائے کہ مخالف پر فتح کیسے پائی جاسکتی ہے؟ تو اس کا مزاج، دعوت دین کے مزاج سے متصادم ٹھہرے گا......لیکن امام اہل السنۃ رحمہ اللہ جن کی ساری زندگی تحریری مناظروں میں گذری (جو تقریری مناظرے سے کسی قدر مشکل ہوتا ہے) لیکن آپ کے مزاج میں دینی مزاج کی شیرینی اور مٹھاس تادمِ آخر موجود رہی، یہی وجہ یہ کہ آپکے خامہ عنبر شامہ سے نکلنے والی ہر سطر دلوں پر اثر کر جاتی ہے۔سچ ہے کہ ''**ما یخرج من القلب یقع فی القلب**'' یعنی جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر ثبت ہوتی ہے۔اسی عربی مقولے کی روشنی میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے......؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

اور اگر مخالفین نے بیہودہ اور لغو قسم کی گفتگو کر کے آپ کو بھڑکانا اور اکسانہ بھی چاہا تو آپ نے نہایت جزالت اور متانت کی ساتھ کہا......

''ہرواہی اور لچر بات کا جواب دینا ہم علمی اور تحقیقی سطح سے بہت فروتر سمجھتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس میدان میں بھی ان کا حریف کوئی شہسوار نکل آئے، کیونکہ ''**لِکُلِّ فَنٍ رِجَالٌ**......الخ (بحوالہ سماع الموتی ص ۲۳)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے عقیدت کا رشتہ:

علمی دنیا میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اسمِ گرامی محتاج تعارف نہیں ہے۔آج بھی ان کی علمی صلاحیتیں علمی آفاق پر اپنی ضیاء بار کرنوں کی پھوٹ ڈال کر تاریک شبستانوں کو منور کر رہی ہیں۔ان کے بعض علمی تفردات بھی ہیں۔لیکن بہرحال ان کی غزارتِ علمی مسلّم ہے اور ان کے علم وتحقیق کے افکار چڑھتے سورج کی طرح صدیوں سے نور پھیلا رہے ہیں۔ہمارے ممدوح وشیخ امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے قلبی ووالہانہ عقیدت رکھتے تھے۔اور اس کا اظہار آپ رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تبحرِ علمی سے متاثر ہیں۔ ؎

برستی ہے نگاہوں سے ٹپکتی ہے اداؤں سے　　محبت کون کہتا ہے پہچانی نہیں جاتی

چنانچہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ برملا اس کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''راقم الحروف ان کی بہت سے کتابوں سی مستفید ہوا ہے اوران کا بڑمدّ اح ہے اوران کے بے شمار علمی اور مجاہدانہ کارناموں کا قائل ہے۔لیکن ان کے تفردات میں ان کا حامی نہیں ہے......الخ (سماع الموتی ص۱۳۴)

بڑوں کے احترام کی تلقین:

گذشتہ سطور میں ہم نے ''معاصرانہ چشمک'' کا عنوان قائم کرکے آپ رحمہ اللہ کی ایک قابلِ تقلید صفت پر تبصرہ کیا تھا۔حضرت شیخ رحمہ اللہ کے دل میں اپنے اسلاف کی قدر اور احترام کس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا؟ ذیل کے اقتباسات پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔علامہ ذہبی رحمہ اللہ،علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ اور امام سبکی رحمہ اللہ کی امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ ناقدانہ ومعاصرانہ کچھ باتیں ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں'

''یہ بڑوں کی آپس میں معاصرانہ یا ناقدانہ باتیں ہیں ۔ہمارے لیے سبھی حضرات قابل قدر ہیں۔اور معاذ اللہ ہمارا مقصد ان حوالوں سے حافظ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کی توھین وتنقیص نہیں ہے۔بتانا صرف یہ ہے کہ کئی مسائل میں وہ متفرد ہیں۔'' (سماعِ الموتی ص۱۳۷)

ایک اور مقام پر اپنے علمی وتحقیقی جوہر دکھانے کے بعد رقمطراز ہیں:

''ہم نے امام بخاری رحمہ اللہ،حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ اور امام دارِقطنی رحمہ اللہ وغیرہ کے پیش کردہ دلائل پر جو گرفت کی ہے تو اس سے مقصد صرف ان کے دلائل کی خامی کا اظہار ہے ورنہ خدا تعالیٰ شاہد کہ ہمارے دل میں ان کی بڑی قدر ومنزلت ہے......الخ (احسن الکلام ص۵۹۳)

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتب سے ایسے قیمتی جواہرات الگ کیے جائیں تو مستقل کتاب وجود میں آسکتی ہے۔غرضیکہ آپ رحمہ اللہ کی ذات بقول شخصے اس شش جہات ہیرے کی مانند ہے جسکی ہر نوک سے آفتابِ زمانہ کی شعاعوں کے باعث مختلف رنگ کی روشنیاں جھلک رہی ہیں اور ہر آئینہ اسے اپنا ہمرنگ سمجھ رہا ہے۔اور آج اس ہمہ گیر شخصیت کا تصور آتے ہی امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول دروازۂ دل پر دستک دیتا ہے:

''این العلم؟واین اھلہ ؟ما کدت ان اری العلم الا فی کتاب او تحت تراب......'' علم کہاں ہے؟ اور اہل علم کہاں ہیں؟ مجھے تو علم صرف کتابوں میں یا مٹی میں دفن نظر آرہا ہے۔

چند علمی سرقوں کا انکشاف:

کوئی بھی کام اس وقت تک بنظرِ استحسان نہیں دیکھا جاتا جب تک وہ اصول وضوابط کا خیال رکھ کر نہ کیا جائے۔اور پھر علم تو خود اصول دینے والا ہے۔جب علم وتحقیق کے کاموں میں ''چور بازاری'' شروع ہوجائے تو بہت صدمہ ہوتا ہے۔فی زمانہ جبکہ علمی ذوق مفقود ہوتا چلا جارہا ہے۔ ؎ نمرِ عمیق کتب بینی کرنے والے اپنا زمانہ لد گئے۔کچھ لوگ مفت میں اپنا نام ''محققین'' میں اندراج کروانے کے لیے اصول وضوابط کو خوب پامال کررہے ہیں۔مصنفین کا عام دستور سلف صالحین کی کتابوں سے استفادہ کرنا ہے،حوالے کی نسبت اصل قائل کی طرف کرنا یہ ایک اصولی ذمہ داری ہوتی ہے......کوئی ایک آدھ عبارت اصل قائل کی طرف نسبت کرنے سے عمداً یا قصداً رہ بھی جائے تو قابلِ برداشت ہوتی ہے۔لیکن سلف کی کتب سے صفحات کے صفحات نقل کرکے ناجائز طریقے سے اپنی علمی دھاک بٹھانا کسی طور بھی درست نہیں ہے۔علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اس عنوان پر مستقل ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام ''الفارق بین المؤلف والسارق'' ہے۔بہرحال زیرِ نظر سطور میں ہم صرف ایک،دو ''علمی سارقین کے چہروں سے پردہ اٹھائیں گے کیونکہ بعض صورتوں میں ''عیوب'' کا فاش کرنا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتاب ''اظہار العیب'' سے بخوبی عیاں ہے......کتاب ''مرکز تحقیق اسلامی احمد پور شرقیہ بہاولپور'' سے شائع ہوئی ہے۔جس کے مصنف کے طور پر ''علامہ محمد رمضان نعمانی صاحب'' کا نام درج ہے۔اس کتاب کے صفحہ نمبر 397 سے لے کر صفحہ نمبر 412 تک امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتاب ''راہ سنت'' سے پورا باب بعنوان ''بدعت لغوی اور شرعی کی تعریف'' سرقہ کرلیا گیا ہے۔اور کتاب ''راہِ سنت'' یا اس کے مصنف رحمہ اللہ کا نام تک نہیں لیا گیا،کیا یہ علمی بدیانتی نہیں؟اسی طرح صفحہ نمبر 524 تا صفحہ نمبر 538 تک ''قبر پراذان'' کے متعلق بحث کی گئی ہے۔یہ بھی کتاب ''راہِ سنت کے صفحہ نمبر 224 تا صفحہ نمبر 238 سے من وعن مضمون اٹھایا گیا ہے۔حیرت ہوئی کہ دن دیہاڑے اتنی بیباکی کی ساتھ نقب زنی؟......اسی طرح مولانا سید امین الحق شاہ صاحب رحمہ اللہ کی حجیت حدیث پر ایک کتاب ''بصائر السنۃ''حال ہی میں مردان سے دوجلدوں میں شائع ہوئی ہے۔استدلال واستنباط کے اعتبار سے لاجواب کتاب ہے۔اس کتاب کی تحقیق وتعلیق کرنے والے ڈاکٹر ابو سلمان سراج الاسلام حنیف صاحب ہیں،انہوں نے بھی ''مقدمہ المحقق'' کے عنوان سے کتاب ''بصائر السنۃ'' کے مقدمہ صفحہ نمبر 8 سے لیکر صفحہ نمبر 11 تک کی من وعن عبارات امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتاب ''انکارِ حدیث کے نتائج'' کے صفحہ نمبر 29 سے لی ہیں جبکہ کتاب یا مصنف علیہ الرحمۃ کا نام تک نہیں لیا گیا ہے۔

قارئین کرام! اس ''اینچ پینچ'' اور خلجان میں پڑنے اور دوسروں کو ڈالنے کا مدعا فقط یہ ہے کہ علمی میدان میں ایسی ''کاروائیاں'' کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اصلاح کی نیت سے ان کو آگاہ کر کے اصل وضوابط کی شاہراہ پر ڈالنا چاہیے۔ ممکن ہے یہ احباب ہماری اس جسارت پر اپنی بھنویں تان لیں، اس لیے ان کی خدمت میں خوشحال خان خٹک کے ایک پشتو شعر کا ترجمہ ہدیہ کریں گے۔

''اپنے گاؤں میں ایک شخص بھی میرا خیر خواہ نہیں ہے۔ میرا گناہ فقط اتنا ہے کہ میں سچ بولتا ہوں۔

امام اہل السنۃ کا شاعرانہ ذوق: حضرت الامام رحمہ اللہ نے اپنی بھر پور زندگی میں شعر وشاعری کی ہے یا نہیں ؟ یہ آپکی ذاتی ڈائریوں سے پتہ لگایا جاسکتا ہے جو یقیناً افرادِ خانہ کے پاس محفوظ ہوں گی۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے اندر یہ ذوق ضرور تھا۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے اپنی تمام تصانیف میں بڑے شعراء کے اشعار برمحل درج کیے ہیں۔ دوران تقریر یا تحریر بے موقع شعر پوری بحث کو گدلا کر دیتا ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے مرزا غالب، اقبال، فیض سیماب اکبر آبادی رحمہ اللہ اور اکبر الہٰ آبادی کے اشعار ایسی خوبصورتی اور سجاوٹ کی ساتھ اپنی گفتگو کی زینت بنائے ہیں کہ یہ شعراء آج زندہ ہوتے تو خوشی سے بغلیں بجاتے۔ حضرت الامام رحمہ اللہ کے پاس قیمتی اشعار کا کتنا ذخیرہ تھا اور ان کو برموقع استعمال میں لانے کا کیسا ملکہ تھا؟ اس کا اندازہ آپ یہاں سے لگائیں کہ صرف ایک کتاب ''ازالۃ الریب'' میں تقریباً 131 اشعار درج کیے ہیں۔ جن میں سے چند ایک عربی کچھ فارسی اور باقی اردو زبان میں ہیں۔ نیز امام اہل السنۃ رحمہ اللہ خود بھی اشعار کہنے کی استعداد وصلاحیت رکھتے تھے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ عموماً شیعہ حضرات اپنے گھروں پر یہ عربی شعر آویزاں کرتے ہیں۔ ؎

لی خمسةٌ اُطْفِی بِها حرَّالْوَباَءِ الحاطِمَهُ

المُصطفیٰ وَالمَرتَضیٰ و ابْنَا هُمَاوَالفَاطِمَه

(ترجمہ) میرے لیے پانچ ہیں میں ان کی مدد سے توڑ دینے والی وباء کی گرمی بجھاتا ہوں، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان کے دو بیٹے حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا۔

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اس کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں:

''اگر اس شعر میں کہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا تو ہم اس کی تاویل کر دیتے کہ ان پانچ حضرات کو بطور توسل پیش کیا گیا ہے لیکن اس کا ذکر نہیں اور ظاہری الفاظ آپ سمجھتے ہی ہیں کہ کیسے ہیں ؟ موحّد کو بھی حق حاصل ہے کہ کہے

لی واحد اطفی به حر الوباء الحاطمه　　　الله رب المصفی اصحابه و الفاطمة

(ترجمہ) میرے لیے صرف ایک ہی ذات ہے جسکی مدد سے میں سخت وباء کی گرمی بجھاتا ہوں۔
وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رب ہے۔'' (بحوالہ گلدستۂ توحید صفحہ نمبر ۱۵۳)

امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کی جملہ خوبیوں میں سے ایک خوبی خودداری وخوداعتمادی اور مستقل مزاجی ہے۔ خوشامد اور تملق کے لیے ان کی فطرت میں ذرہ بھر بھی جگہ نہیں تھی۔ انہوں نے ایک عالمِ ربانی عامل روحانی، مردِ شجاع اور مردِ حق پرست کے طور پر زندگی گذاری انہوں نے شروع دن سے ہی خود کو ''گملے کا پودا'' بنائے رکھنے کے قائل نہ سمجھا، بلکہ وہ اپنی ذات کو کھلی فضاء میں پلا ہوا تناور درخت دیکھنا چاہتے تھے۔ اور پھر چشمِ فلک نے ان کو تناور درخت کی صورت میں دیکھا، ایسا گھنا شجر کہ جس کے سائے میں علم وفضل کے بادشاہ آکر سکون محسوس کرتے اور اسکے میٹھے آثار سے لطف اندوز ہوتے۔

امام اہل سنت کی دست بوسی:

متعدد بار گکھڑ جا کر شیخ رحمہ اللہ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک مرتبہ مولانا احسان اللہ فاروقی (ونڈالہ سندھواں سیالکوٹ) برادرم قاری دلدار احمد صدیقی اور قاری رشید احمد کے ہمراہ جانا ہوا اور آخری مرتبہ مورخہ 5 اگست 2007ء کو اپنے بھائی طارق عزیز اور حاجی الیاس صاحب کے ساتھ جانے کا موقع ملا۔ یہ آخری دیدار تھا اس کے بعد اتفاق نہ ہوسکا۔

مورخہ 5 مئی کو رات تقریباً تین بجے مولانا جمیل الرحمٰن اختر صاحب (باغبانپورہ لاہور) کا فون آیا کہ حضرت شیخ انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. ایک مرتبہ تو آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا لیکن پھر ضمیر نے فیصلہ دیا کہ جسم وجان کے اعتبار سے تو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اس دنیائے آب وگل میں نہیں رہے لیکن ان کا کام ہمیشہ باقی رہیگا اور کام کی وجہ سے ہمیشہ نام روشن رہے گا۔ موت وحیات کے ہمہ گیر قاعدے کے مطابق ہر متنفس نے ایک دن مرنا ہے۔ لیکن جس طرح انسان، انسان میں فرق ہوتا ہے ایسے ہی موت، موت میں بھی فرق ہوتا ہے۔

قضا کس کو نہیں آتی، یوں تو سب مرتے ہیں پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے

اللہ تعالیٰ ہم سب کو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے علوم وافکار کا پرچار کرنیکی اور ان کے مشرب پر رہنے کی توفیق نصیب فرمائے اور زمانۂ حال کے جملہ فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

مولانا نور محمد آصف

چند یادیں

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

تصنیف اور تحریر میں بندہ کوئی تجربہ اور اہلیت نہیں رکھتا لیکن حضرت استاذی المکرّم نور اللہ مرقدہ سے متعلق چند یادیں جو ذہن میں ہیں تحریر کر رہا ہوں کہ شاید یہی مغفرت کا بہانہ بن جائے

شعبان، رمضان المبارک 1407ھ مطابق اپریل ،مئی 1989ء احقر کو دورۂ حدیث شریف جامعہ اشرفیہ لاہور سے فراغت کے بعد نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے دورۂ تفسیر پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

......﴾کئی دفعہ اسباق میں فرماتے کہ قرآن مجید سمجھنے کے لیے یہ کتابیں ضروری ہیں۔تفسیر عثمانی رحمہ اللہ،لغات القرآن مصنفہ مولانا عبد الرشید نعمانی رحمہ اللہ،ارض القرآن مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ اور مفردات القران مصنفہ علامہ اصفہانی۔

......﴾شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ اسلامیہ کہروڑ پکا کا فرمان مبارک مشہور ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجمالی ایمان مقبول ہے تو میرا وہی عقیدہ اور ایمان ہے جو ان دو بزرگوں کا ہے یعنی قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ مجاز حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ اور امام اہل السنۃ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر نور اللہ مرقدہ کا ہے۔

......﴾حضرت رحمہ اللہ نے ایک دفعہ اپنا واقعہ سنایا کہ میں مولوی فاضل کرنے والوں کو پڑھاتا تھا تو خود بھی امتحان دینے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تجھے پڑھایا کہ دین کی خدمت کرو گے تم انگریزی کے اندر گھستے ہو؟ فرماتے تھے پھر سرکاری ملازمت وغیرہ کا کبھی خیال نہ آیا۔

......﴾کئی ساتھیوں نے حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی قبر مبارک کے متعلق اپنا مشاہدہ بتایا کہ آپ کی قبر سے بھی خوشبو آئی۔ہمارے اکابر میں سے حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور بھی کئی بزرگوں کی قبور مبارک سے بھی خوشبو

آئی۔ ہمارے اکابر میں سے حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور بھی کئی بزرگوں کی قبور مبارکہ سے خوشبو کا آنا یہ انکی واضح کرامت اور حقانیت کی دلیل ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ غیر مقلدین اور منکرین حیات النبی ﷺ ان بزرگوں پر شرک وبدعت کے فتوے لگاتے ہیں اور اہل بدعت ان پر گستاخی اور بے ادبی کے الزام لگاتے ہیں ان اکابرین کی قبروں کی خوشبوئیں ان لوگوں پر اتمام حجت کررہی ہیں کہ یہ حضرات نہ تو مشرک وبدعتی تھے نہ بے ادب وگستاخ کیونکہ کسی مشرک وبدعتی یا بے ادب گستاخ رسول ﷺ کی قبر سے جنت کی خوشبو نہیں آسکتی

......﴾ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کثرت سے فرماتے تھے ایک دفعہ ہم چند طالب علم رمضان شریف میں گکھڑ حاضر ہوئے نماز عصر حضرت رحمہ اللہ کے پیچھے پڑھی اس دور میں ساری نمازیں حضرت رحمہ اللہ خود پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد جب حضرت رحمہ اللہ اٹھنے لگے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت ہم چند سوالات کرنا چاہتے ہیں تو فرمایا کہ جلدی کریں کیونکہ اس وقت مجھے قرآن مجید کے دو پارے پڑھنے ہوتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ کتنی کثرت سے تلاوت فرماتے ہوں گے۔

وہ سوالات بھی علمی فائدے سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان کا ذکر بھی مناسب ہے۔ [۱] ایک سوال تھا کہ ہمارے ایک ساتھی کہتے تھے کہ شیعہ اثناعشریہ امامیہ کو کافر نہیں کہنا چاہیے کیونکہ ازہر یونیورسٹی کے پرنسپل انکو کافر نہیں کہتے۔ حالانکہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تو سبق کے اندر بھی فرماتے تھے شیعہ اثناعشریہ امامیہ جو کہ تحریف قرآن کے قائل ہیں اور امام کے مرتبہ کو نبوت سے افضل سمجھتے ہیں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایمان تک کے منکر ہیں (معاذ اللہ) ان کو کافر کہنا فرض ہے اس پر حضرت رحمہ اللہ نے مستقل کتاب ''ارشاد الشیعہ'' نامی تحریر فرمائی ہے۔ اس لیے میں نے اس ساتھی کو کہا کہ آؤ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی خدمت میں گکھڑ جا کر پوچھ لیتے ہیں جب ہم نے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ'' ان کو کافر کہنا فرض ہے'' ہمارے اس ساتھی نے اعتراض کیا کہ ازھر یونیورسٹی کے پرنسپل انکو کافر نہیں کہتے تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر وہ ان کے عقائد جانتے ہیں اور انکو کافر نہیں کہتے تو خود کافر ہیں اور اگر ان کو ان کے عقائد معلوم نہیں تو پرنسپل کس بات کے ہیں؟۔ [۲] دوسرا سوال ہم نے یہ کیا کہ بعض علماء مودودی جماعت والوں سے اتحاد کر لیتے ہیں حالانکہ ان کے خلاف ہمارے اکابر حضرت مدنی رحمہ اللہ، لاہوری رحمہ اللہ، حضرت ہزاروی رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے بڑی محنت کی اور یہاں تک فرمایا کہ محمدی اسلام اور ہے اور مودودی اسلام اور ہے تو ان سے اتحاد سے تو یہ نفرت ختم ہو جائیگی تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ واقعی ان سے نفرت تو ضرور قائم رہنی چاہیے تاکہ لوگ اس فتنہ سے محفوظ رہ سکیں۔ شیعہ اثناعشریہ فرقہ کے عقائد کو سمجھے کے لیے حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کے والد ماجد رئیس

المناظرین حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کی کتاب آفتاب ہدایت کا مطالعہ کریں اس کتاب پر حضرت رحمہ اللہ کی تقریظ بھی ہے۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے استاد ومرشد کا جذبہ اشاعتِ توحید وسنت، وردشرک وبدعت اور تواضع واخلاص خوب جذب کیا اور ان کے فیض کو خوب پھیلایا۔اور ان کے عقائد کے متبع رہے۔ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اپنی نسبت شاگردی کی رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحب نوراللہ مرقدہ کی طرف کرتے ہیں لیکن ان کے عقائد سے ہٹ چکے ہیں۔حیات النبی ﷺ اور توسل کا انکار کررہے ہیں جبکہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ عقیدہ حیات النبی ﷺ اور سماع عندالقبر النبی ﷺ کے قائل تھے انکی کتابیں تحریرات حدیث اور ''فیوضات حسینی'' المعروف ''تحفہ ابراہیمہ'' جسکا ترجمہ اور مقدمہ میں اس کی وضاحت موجود ہے بڑا تعجب ہوتا ہے ان کے کئی نام لیوا حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عقیدت سے محروم ہیں اور ان مبارک ناموں سے بھی عقیدت نہیں رکھتے بلکہ معاذ اللہ ناپسند کرتے ہیں اور حضرت کا تو نام ہی حسین علی ہے۔جسمیں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کی عقیدت کی خوشبو آرہی ہے۔تحفہ ابراہیمہ کتاب میں اکابر اولیاء اللہ کے شجرے موجود ہیں جن میں اپنے پیر ومرشد سے رحمت دوعالم ﷺ تک تمام بزرگوں کے وسیلہ سے دعا کرنا ذکر ہے الٰہی بحرمت کے الفاظ سے تحریر ہے۔

ہم عصر بزرگوں سے تعلق: دورِ حاضر کے تمام اکابر علماء کے ساتھ آپ کو تعلق اور محبت تھی اور تمام دینی جماعتوں کی سرپرستی فرماتے تھے اور سب کو ہدایات اور دعوات صالحہ سے نوازتے تھے۔میرے پیر ومرشد قائد اہل السنۃ وکیل صحابہ پیرطریقت رہبرِ شریعت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نوراللہ مرقدہ سے خاص تعلق تھا حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی جماعت تحریک خدام اہل السنۃ کے متعلق کسی نے پوچھا تو حضرت رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ خدام اہل السنۃ والجماعۃ بھی اپنی ہی جماعت ہے بڑے شوق سے اس میں کام کریں اور محترم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام مجدہم ہمارے مخلص دوست ہیں شیعہ شنیعہ کے مقابلہ میں اچھا کام کیا ہے اور کررہے ہیں اللہ تعالیٰ مزید توفیق بخشے۔آمین اسی طرح حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کی جماعت تحریک خدام اہل السنۃ کے جرنیل عظیم مجاہد عالم ربانی وکیل کامل حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب رحمہ اللہ بانی جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے ساتھ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کو خصوصی تعلق اور محبت تھی جب صحت تھی تو ہر سال جامعہ کے سالانہ جلسہ میں تشریف لاتے تھے ہم نے پہلی دفعہ جہلم کے سالانہ جلسہ میں حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی زیارت کی جب بھی حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں

حاضری ہوتی تو ان دونوں بزرگوں کا ذکر ہوتا اوران کی خیریت دریافت فرماتے اور میں اپنے علاقے ''دھمن'' کا ذکر کرتا تو یہاں کے بزرگ عالم حضرت مولانا امام غزالی رحمہ اللہ جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے انکا ضرور پوچھتے۔حضرت اقدس جہلمی رحمہ اللہ کے صاحبزادے جو کہ میرے استاذ بھی ہیں زینت القراءفخر اہل السنۃ حضرت مولانا قاری خبیب احمد صاحب عمر نور اللہ مرقدہ جو تھوڑا ہی عرصہ پہلے وفات پا گئے ہیں۔وہ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے داماد تھے جب حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوا تو حضرت امام اہل السنۃ تشریف لائے چونکہ سالانہ جلسہ میں تشریف نہ لا سکے تھے اس لیے حضرت جہلمی رحمہ اللہ کی زیارت کرتے وقت یہ جملہ ارشاد فرمایا جس کو میں نے خود سنا تھا۔''بھائی میں آپ کا مقروض ہوں آپ نے مجھے سالانہ جلسہ میں آنے کی دعوت دی تھی اور میں حاضر نہ ہو سکا۔''ایک دفعہ میں بھی حضرت جہلمی رحمہ اللہ کے پاس دفتر میں تھا حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ تقریر فرما کر واپس جانے لگے تو فرمایا کہ مجھے لاری اڈا بھی پہنچا دیں تو حضرت جہلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت آپ کو توڑ اڈے تک پہنچا کر آئیں گے۔یعنی گکھڑ تو ڑتک ساتھی گاڑی لیکر آپکو گھر پہنچا کر واپس آئیں گے۔اور وہ منظر بھی کیا خوب تھا کہ حضرت جہلمی رحمہ اللہ کی وصال کے موقع پر حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ جامعہ حنفیہ تعلیم السلام میں تقریر فرما رہے تھے اور حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ تشریف لائے تو حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی کرسی کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھ گئے جب مدرسہ میں سالانہ جلسہ پر یہ سارے بزرگ مل کر طلباء کی دستار بندیاں کرتے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کا آپس میں کیسا تعلق اور محبت اور ایک دوسرے کا کیسا ادب فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلائے ان جیسا علم وتقویٰ، اخلاص اور دین کی خدمت کا جذبہ، اکابر کی اتباع نصیب فرمائے (آمین)

سنت سے محبت اور بدعات سے نفرت: ساری زندگی حضرت رحمہ اللہ نے توحید وسنت کی خدمت کی نشر واشاعت فرمائی جس پر آپکی کتب واضح دلیل ہیں۔جو سنت کا عاشق ہوتا ہے اتنا ہی بدعت کا مخالف ہوتا ہے کیونکہ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ ہر بدعت رافع سنت ہے جو قوم کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے وہ سنت سے محروم ہو جاتی ہے۔راقم اثیم جب گجرات کے علاقہ میں ایک جگہ خطیب تھا وہاں دعا بعد الجنازہ کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی اور خواب میں حضرت رحمہ اللہ کو اپنے کندھے پر اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے جو لوگ دعا کرتے ہیں اجتماعی شکل میں یہ صرف رواج اور رسم ہے سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرام علیہم السلام اور خیر القرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ فقہاء احناف نے ان کو خلافِ سنت اور مکروہ لکھا ہے حضرت رحمہ اللہ

نے خواب میں نصیحت کرتے ہوئے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ''میں نے اپنے ایک رشتہ دار کے جنازہ کے بعد دعا نہیں کی لوگوں نے بڑا اصرار کیا لیکن میں نے جواب دیا کہ جان دے سکتا ہوں بدعت نہیں کر سکتا۔اس کے بعد اس ناچیز نے عرض کیا کہ حضرت کئی دیوبندی علماء بھی یہ کہتے ہیں کہ عوام میں فتنہ پیدا ہوتا ہے اس لیے ہم یہ دعا مانگتے ہیں۔صرف دعا کی وجہ سے قوم کو بالکل بریلویوں کے حوالہ کر دینا درست نہیں عوام کو بڑے فتنے سے بچانے کے لیے معمولی غلطی کی جا سکتی ہے۔میرے عرض کرنے پر آپ نے یہ فرمایا کہ اس کا جواب میں آپکو گکھڑ جا کر لکھوں گا اس پر عمل کرنا اور دو مصیبتوں میں سے ہلکی کو اختیار کرنا یہ ہر جگہ نہیں ہوتا۔یہ سارا واقعہ تو خواب کا تھا۔اس پر میں نے حضرت رحمہ اللہ عریضہ لکھا کہ میں الحمد للہ اس بدعت کے خلاف مضبوط ہوں محض اپنے ذہن کے عوام وعلماء کو مطمئن کرنے کے لیے عریضہ لکھ رہا ہوں تا کہ ان لوگوں کی اس تاویل کا ٹھوس جواب مل جائے۔آپ کا فیض ہے کہ میں نے اس بدعت کو ختم کیا ہے مخالفت بڑی ہو رہی ہے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائیں اور زندگی میں اہل حق کی سرپرستی میں خلوص سے دین کی خدمت نصیب فرمائیں اور خاتمہ بالخیر نصیب فرمادیں (آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ)

اس عریضہ کے جواب میں جو شفقت سے گرامی نامہ تحریر فرمایا وہ سارا نقل کر رہا ہوں۔تا کہ حضرت کے الفاظ ہی سے برکت حاصل ہو۔

باسمہ سبحانہ / من ابی الزاہد

الی محترم المقام حضرت العلام مولانا صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی؟

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا یاد آوری کرم فرمائی،حسنِ ظن اور ذرہ نوازی کا تہ دل صد شکریہ ''ورنہ من آنم کہ من دانم''۔کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ

محترم! آپ جس عمل پر ہیں اس پر ڈٹ جائیں اللہ تعالیٰ استقامت عطاء فرمائے اور کسی کی حق کے مقابلہ میں پروانہ کریں۔

محترم! دو مصیبتوں والا معاملہ یہاں فٹ کرنا سخت نادانی ہے۔''معصیت'' اور ہے ''مصیبت'' اور ہے آپ نے گلستان میں ایک بزرگ کا واقعہ پڑھا ہوگا جنہوں نے کہا کہ الحمد للہ کہ بمصیبتے گرفتار ہستم نہ بمعصیتے۔سو گناہ ایک طرف ایک بدعت اس پر بھاری ہے،گناہ کی وجہ سے دین کا نقشہ نہیں بدلتا اور بدعت سے نقشہ بدلتا ہے۔ہمت سے کام لیں صحت اچھی نہیں گھر میں بھی بیماری ہے دعا کریں یہ خاطی بھی داعی ہے والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

17 ذوالقعدہ 1409ھ بمطابق 22 جون 1989ء

مکتوب مبارک سے چھوٹوں پر شفقت حسنِ ظن اوراپنے بارے میں انتہائی تواضع ،انکساری ظاہر ہے۔اور بدعت سے نفرت کا اظہار کس درجہ میں فرمایا۔سبق میں بھی حضرت رحمہ اللہ کئی دفعہ فرماتے تھے کہ بدعت پر عمل نہ کرنا ورنہ حق بیان کرنے سے زبان گنگ ہوجائے گی۔جب خود بدعت کا مرتکب ہوگا تو جرأت سے اس کا رد کیسے کرے گا۔

گلستان میں مذکور جس واقعہ کا ذکر حضرت رحمہ اللہ نے مکتوب مبارک میں کیا ہے وہ واقعہ اس طرح ہے کہ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پارسا کو دریا کے کنارے پر دیکھا کہ تیندوے کا زخم رکھتا تھا اور کسی دوا سے وہ زخم اچھا نہیں ہوتا تھا مدتوں اس کی تکلیف میں مبتلا رہے اور ہمیشہ خدائے بزرگ وبرتر کا شکر ادا کرتے رہتے تھے لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ کس بات کا شکر ادا کرتے ہیں تو اس بزرگ نے فرمایا''اس بات کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مصیبت میں پھنسا ہوں کسی گناہ میں نہیں۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ والے ہر حال میں راضی برضا رہتے ہیں مصائب پر صبر کرتے ہیں۔گناہوں سے بچنے کا ہر حال میں اہتمام کرتے ہیں۔جب گناہ سے بچنے کا اہتمام ضروری ہے تو بدعات کا گناہ تو کفر وشرک کے بعد سب سے بڑا جرم ہے۔لیکن اب عجیب ہی مسلمانوں کا حال ہے کہ گناہ کے مرتکب سے تو نفرت بہت سے دیندار کرتے ہیں لیکن بدعتی اور بدعت سے بہت سے دیندار کہلانے والے نفرت نہیں کرتے۔

امین ملت رئیس المناظرین مولانا محمد امین صاحب صفدرؔ اوکاڑوی رحمہ اللہ اکثر فرماتے تھے کہ گمراہی کے دو اصول ہیں الحاد اور بدعت۔الحاد کہتے ہیں کہ دین حق کے مسلمہ عقائد جن پر امت کے علماء کا اجماع ہے اور قرآن وسنت سے صراحتاً ثابت ہے ان میں سے کسی عقیدہ کا انکار کرنا۔جیسے ختمِ نبوت،خلافت راشدہ،عذابِ قبر،حیات النبی ﷺ،فسقِ یزید،تقلیدِ ائمہ کا وجوب وغیرہ جیسے عقائد۔ملحد کی مثال کیڑے کی ہے جو فصل کو لگ جاتا ہے۔اس پر سپرے کرنا اور اس سے فصل کو بچانا ضروری ہے اس طرح ملحدین کا رد بھی ضروری ہے۔اور بدعت کی مثال خودرو جڑی بوٹیوں جیسی ہے خواہ ظاہر میں کتنی خوبصورت ہوں تب بھی سمجھدار کسان ان کو اکھاڑ کر کے باہر پھینکتا ہے تاکہ اصل فصل محفوظ ہو۔یہی وجہ ہے کہ جس طرح ہر علاقہ کی جڑی بوٹیاں علیحدہ ہوتی ہیں اس طرح بدعات بھی ہر علاقہ میں مختلف ہوتی ہیں۔سنت کی مثال فصل کی ہے فصل ہر جگہ ایک ہوتی ہے سنت ہر جگہ ہر دور میں ایک ہی ہوتی ہے۔

اس طرح فرماتے تھے کہ بدعت کی مثال نقلی جعلی نوٹ جیسی ہے جس سے ناسمجھ بچوں کو بہلا دیا جاتا ہے سنت کی مثال اصل نوٹ کی طرح ہے۔تو بدعتی اصل نوٹ لوگوں سے چھین کر نقلی وجعلی نوٹ دے کر دھوکہ دے رہے ہیں۔اس لیے علماء حق کو الحاد اور بدعت دونوں کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے۔

یہی اکابر دیوبند کا امتیاز ہے کہ انہوں نے الحاد اور بدعت دونوں سے دین حق کی حفاظت فرمائی۔

حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ دین کو لانے والے ہیں اور صحابہ کرام علیہم الرضوان دین کو پھیلانے والے ہیں اور ائمہ فقہاء دین کو لکھوانے والے ہیں جنہوں نے سنتوں کو یکجا جمع فرمایا تمام عبادات معاملات وغیرہ کے مسائل یکجا ترتیب سے لکھوائے جو کہ بکھرے ہوئے تھے۔اور علمائے دیوبند دین کو الحاد اور بدعت سے بچانے والے ہیں۔اس موجودہ دور کے اکابرین علمائے دیوبند میں سے حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ساری زندگی تحریر اور تقریر کے ذریعے امت کی بہت زیادہ رہنمائی فرمائی ہر ملحد اور بدعتی سے بچایا جس پر آپ کی کتب شاہد ہیں۔مشکل مسائل کو بھی عام فہم انداز میں تحریر فرمایا ایک ایک عقیدہ کے تحفظ پر مستقل کتاب لکھ کر علماء طلباء اور عوام پر بڑا احسان فرمایا جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

اس دور میں شرک وبدعت کے خلاف اور غیر مقلدین ،منکرینِ حیات النبی ﷺ وغیرہ کے خلاف آپ کی کتابیں بہت ہی اہم ہیں۔

اسی طرح روافض ،خوارج ،مودودیت کے رد میں حضرت قائد اہل السنۃ وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتابیں بہت ہی مفید ہیں علماء، طلباء اور عوام سب کے لیے اہم ہیں۔

اور غیر مقلدین اور منکرین حیات النبی ﷺ وغیرہ کے رد میں امین ملت حضرت مولانا محمد امین صاحب صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی کتابیں ،رسائل بہت ہی اہم اور مفید ہیں،حضرت تونسوی مدظلہ، علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ کی کتابیں اور اسی طرح قادیانیوں کے خلاف خصوصیت سے حضرت اقدس مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی شہید اور دوسرے اکابرین کی کتابیں بہت مفید ہیں۔اسی طرح اس دور میں عثمانیہ فرقہ اور مماتیوں کے رد میں حضرت مولانا نور محمد صاحب قادری تونسوی مدظلہم العالی کی کتابیں بہت مدلل اور عام فہم ہیں اسی طرح فضائل اعمال اور اصلاحی سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ وغیرہ اکابرین کی کتب بہت مفید ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے مکتوبات شریف بھی بہت ہی اہم ہیں۔

آجکل ہمارے طلباء اور میرے جیسے کم علم مولوی بھی اپنے اکابر کی کتابیں کم پڑھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے اکابر کے مسلک اور ان کے دلائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور اہل باطل کی کتابیں پڑھ کر

ان سے متأثر ہو جاتے ہیں۔ اگر اپنے اکابر جن میں سے چند ایک کا ذکر ابھی ہوا ہے اور بھی ہمارے اکابر نے بڑی محنت سے بڑی اہم کتب تصنیف فرمائیں یہاں سب کا ذکر اور احاطہ مقصود نہیں مثال کے طور پر چند ایک اکابر کا ذکر کیا ہے۔ اگر ہمارے حضرات اپنے مسلک اور دلائل سے واقف ہوں تو اہل باطل کے پروپیگنڈے اور دلائل جو مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہوتے ہیں ان سے متأثر نہ ہوں۔ ان اکابر سے پہلے سلف صالحین علماء کرام رحمہم اللہ نے بھی کتنی محنتیں فرمائیں اس لیے آجکل مسلمہ عقائد میں نئی تحقیق کی ضرورت نہیں بلکہ اپنے اکابر پر اعتماد ضروری ہے تب ہی ہر فتنہ سے آدمی بچ سکتا ہے اکابر سے بغاوت اور بد اعتمادی ہر فتنہ کی جڑ ہے ، پرویزی، مودودی، غیر مقلدین، مماتی، یزیدی وغیرہ فتنوں کا انجام دیکھ لیں کہ اکابرین سے بغاوت کے نتیجے میں کن کن گمراہیوں میں بھٹک رہے ہیں۔

زہد وقناعت: حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ایک دفعہ فرمایا کہ کثرت عیال اور مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے دو دو مہینوں تک پھل اور دودھ جیسی چیزیں ویسے نہیں استعمال کر سکتے بطور دوا کے استعمال کرتے ہیں۔

ایک دفعہ فرمایا کہ ہمارے پڑوسی ایک دفعہ کہنے لگے کہ آپ سارے گھر والے رات کو سو جاتے ہیں ہم تو باری باری جاگتے رہتے ہیں کہ کہیں کوئی چور نہ آجائے، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ ہمارے پاس تو صرف دینی کتابیں ہی ہیں چور اُن کو کیا کریں گے اس لیے ہم تو سارے گھر والے رات کو اطمینان سے سو جاتے ہیں۔

یہ تو حضرت رحمہ اللہ کو من جانب اللہ اطمینان تھا اور توکل تھا کہ چوروں سے مطمئن تھے۔ ورنہ آجکل کے چور تو مسجدوں سے کہیں کہیں سے نئے قرآن مجید تک چوری کر لیتے ہیں اور بیچ کر پیسے کماتے ہیں۔

مہمان نوازی: ایک دفعہ بیمار تھے ہم چند ساتھی حاضر ہوئے اس وقت کچھ سہارے سے چلتے تھے ایک دفعہ بیٹھک میں تشریف لائے ہم نے زیارت کی حالات پوچھے کچھ دیر ارشادات فرماتے رہے پھر گھر کے اندر تشریف لے گئے چائے وغیرہ بھجوائی۔ ہم فارغ ہوئے تو ہم نے پیغام بھیجا کہ اب حضرت رحمہ اللہ باہر تشریف نہ لائیں آپ کو تکلیف ہوگی ہم اجازت چاہتے ہیں لیکن پھر بھی ہمیں رخصت کرنے کے لیے دیوار کے سہارے پر چلتے ہوئے تشریف لائے، اور اپنی تکلیف کی پروا نہ فرمائی۔

ایک دفعہ ہم حاضر ہوئے اس وقت خود چلنے پھرنے سے معذور تھے بار بار پوچھتے مہمانوں کو کھانا کھلا دیا ہے چائے پلا دی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے چلانے کی توفیق عطا فرمائے (آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ)

مولانا محمد ایوب سعدی

دارالعلوم دیوبند کے در یتیم

دنیا میں انسان آتے بھی ہیں اور جاتے بھی۔ آنا ہر کسی کا اشرف المخلوقات کی شکل میں ہوتا ہے۔ لیکن جانا ہر کسی کا اشرف نہیں ہوتا بلکہ کسی کا اشرف اور کسی کا ارزل، بعض منعم علیہم اور بعض مغضوب علیہم کے مصداق ہوتے ہیں بعض لوگوں پر صرف دو، چار، دس روتے ہیں بعض پر ایک جم غفیر اور بعض پر پوری دنیا روتی ہے بعض کو تین چار پانچ دن کے بعد لوگ بھول جاتے ہیں بعض کے صدیوں تک مجالس میں تذکرے ہوتے ہیں۔ پوری کائنات کے سردار کے وصال کے وقت کائنات کی حالت کیا تھی؟ ایک اللہ والے نے یوں نقشہ کھینچا ہے۔

صحرا کی تیز دھوپ کے منظر بھی رو پڑے
ہجر نبی میں ٹوٹ کے پتھر بھی روپڑے
خالی مصلی دیکھ کے گو پڑھ تو لی نماز
صدیق رویا مسجد ومبر بھی روپڑے

بے جان ''استوانہ حنانہ'' بھی فراق کے صدمہ کو برداشت نہیں کر سکا اس نے عقلمندوں جیسا رونا شروع کر دیا، مولانا روم رحمہ اللہ نے فرمایا

اُستنِ حنا نه درهجرِ رسول
ناله میزد همچو اربابِ عقول

ہمارے حضرت ہمارے شیخ امام اہل السنۃ، شیخ الشیوخ، استاذ المحدثین والمفسرین، حضرت العلام مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ بھی تو ورثۃ الانبیاء کے سرخیل تھے کیونکہ وہ دارالعلوم دیوبند کے در یتیم تھے، وہ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ کے روحانی فرزند تھے، وہ چمنستان دارالعلوم دیوبند کے کلیوں سے نکلے ہوئے پھول تھے۔ دارالعلوم کے چمنستان میں علوم نبوت کے پھول تو بہت تھے لیکن وہ گلاب تھے۔ دار العلوم کے آسمان میں علوم نبوت کے ستارے تو بہت تھے لیکن وہ چودھویں رات کے ماہتاب تھے۔ جو تصنیف کے میدان میں شہسوار تھے۔ بدعت سے متنفر اور بے زار تھے۔ سنت کے پیروکار تھے۔ اپنے شیوخ کے امین

اور راز دار تھے۔ یہی تو وجہ تھی کہ میں نے جنازہ میں کئی جوانوں کو دیکھا کہ اپنے چہروں کو دونوں ہتھیلیوں سے چھپائے ہوئے زاروقطار رورہے تھے۔ جیسا کہ انکا اپنا والد فوت ہو چکا ہو۔ کیوں نہیں؟ اس لیے کہ وہ قافلہ اہلِ حق کے سپہ سالار تھے، اس لیے کہ وہ ہزاروں علماء کے روحانی باپ تھے، اس لیے کہ وہ اہل السنۃ کے امام تھے، عالم اسلام کے صفِ اول کے عالم وخطیب، محقق ومؤرخ، اسماء الرجال کے ماہر، علمی رموز کے شناور اور با کرامت بزرگ تھے۔ حضرت کی کرامت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ ”جامعہ عربیہ سراج العلوم“ صفدر ٹاؤن لکی مروت کے نئے تعلیمی سال کے افتتاح کے موقع پر حضرت رحمہ اللہ کو مدعو کیا۔ دعوت دینے کے لیے شعبان کے آخری ہفتہ میں حاضر ہوا۔ حضرت رحمہ اللہ ”نصرۃ العلوم“ سے گکھڑ جارہے تھے۔ مجھے انتہائی شفقت سے اپنے ساتھ گاڑی میں بٹھالیا۔ تفصیلات پوچھیں، پھر فرمایا کہ فکر نہ کرو، شوال میں تاریخ طے کرینگے، میں نے شوال میں خط بھیجا تو حضرت رحمہ اللہ نے 6 مارچ 1996ء کی تاریخ طے کر دیا۔ حضرت رحمہ اللہ 5 مارچ 1996ء کو بوقت عصر 8 گھنٹے سفر طے کر کے پہنچے۔ 6 مارچ کو جلسہ ہونے والا تھا۔ مدرسہ میں ایک ہی پریشر پمپ تھا وہ بھی ایک مہینے سے خراب پڑا تھا۔ مدرسے کا پانی تو ہم ریڑی کے ذریعے ڈرموں میں لاتے تھے، لیکن جلسہ تمام مہمانوں کو اور پھر امام اہل السنۃ جیسے بزرگ عالمِ دین کی زیارت کے لیے 6 مارچ کی صبح سے لیکر عشاء تک عوام وخواص کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر متیقن تھا۔ پریشر پمپ مسجد کے نزدیک ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا، حضرت رحمہ اللہ نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے مسجد کے نزدیک کسی کمرے میں جگہ تیار کروادو! میں اکیلا سوؤنگا۔ حضرت کے ساتھ استاذ العلماء حضرت مولانا عبد القدوس قارن صاحب بھی تھے لیکن ان کو بھی اپنے پاس نہیں چھوڑتے تھے۔ ہم نے بامرِ مجبوری اسی کمرے کا انتخاب کیا جسمیں یہ پریشر پمپ لگا ہوا تھا۔ ہمارے ایک دوست محمد زبیر جس کو جلسہ کے لیے لاؤڈ سپیکر اور دیگر بجلی کے کام پر مأمور کیا تھا، اس نے کہا ”ناظم صاحب! تجربہ کرتے ہیں ہوسکتا ہے حضرت کی برکت سے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ورنہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے کافی مشکلات پیدا ہو جائیں گی“۔ ہم نے لوٹا پانی کا بھروایا، زبیر صاحب نے ڈھکن کھولا اور پانی پریشر پمپ میں ڈالا، پھر ڈھکن بند کر دیا اور بولا ”یا اللہ! حضرت شیخ صاحب کی برکت سے رحم فرما“۔ ادھر جلسہ ہے اور پانی کی قلت بھی ہے تو بسم اللہ پڑھ کر بٹن آن کیا، پریشر پمپ چلا اور پورے ایک گھنٹہ تک چلایا تاکہ ٹینکی کچھ نہ کچھ بھر جائے ہم حضرت کو اندر لائے اور عرض کیا کہ دیکھیں حضرت آپ کی برکت سے خراب پریشر پمپ چالو ہو گیا! حضرت نے ہنس کر کر فرمایا ”چھوڑو مولانا! یہ آپ کی کرامت ہے“۔ پھر پریشر پمپ بند کیا، صبح پھر چلایا بہت سا پانی جمع کیا ہم انتہائی خوش ہوئے جلسہ ختم ہوا اور پانی کافی ہوا۔ 7 مارچ کو صبح چائے پینے کے بعد لکی مروت سے گاڑی میں روانہ ہوئے۔ بہت

شفقت اور دعاؤں کے ساتھ الوداعی کلمات ادا فرمائے اور وہ پریشر پمپ بعد میں بہت دیر تک چلتا رہا۔

حضرت رحمہ اللہ کا بیان ریکارڈ کروایا تھا لیکن افسوس کہ وہ کیسٹ کہیں اِدھر اُدھر ہوگئی۔ حضرت نے جب بیان کے لیے خطبہ پڑھا تو تمہید میں فرمایا کہ میں نے الحمدللہ ایسی ایسی ہستیوں سے پڑھا ہے جو علم وعمل کے پہاڑ تھے۔ پھر ایک ایک استاذ کا نام لیا کہ میں نے فلاں کتاب فلاں استاذ اور فلاں کتاب فلاں استاذ سے پڑھی۔ جلسہ میں ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ عوام اور خواص تشریف لائے تھے جن میں اہلِ علم طبقہ خاصی تعداد میں تھا۔

حضرت رحمہ اللہ نے پوری زندگی مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کی صحیح ترجمانی کے لیے وقف کر دی تھی۔ اس لیے تو اپنے دور میں فخریہ طور پر امام اہل السنۃ کے اعزاز ایوارڈ سے نوازے گئے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حقائق کی روشنی میں اہل السنۃ والجماعۃ کے مؤقف کو مدلل انداز میں پیش کر دیا اور اپنے مخالفین کو لاجواب کر دیا۔ ہر ایک مسئلہ پر ایسی گہری نظر رکھتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ ایک مرتبہ درس میں فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان فرماتے ہوئے بعض کے ساتھ لکھا ہے ''مناقب فلاں'' اور بعض کے ساتھ لکھا ہے ''فضائل فلاں'' امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ فرق کس وجہ سے کیا ہے؟ میرے پاس وقت نہیں ہے آپ میں سے کوئی باذوق یہ فرق معلوم کرے، پھر مجھے بتائے۔ اگر میں مر گیا تو میری قبر پر آ کر مجھے بتائے کیونکہ میں سماعِ موتی کا قائل ہوں۔ سبحان اللہ کتنے باریک مسئلہ کی طرف دھیان دلایا۔ حضرت رحمہ اللہ ان عظیم صفات کے ساتھ ساتھ انتہائی منکسر المزاج بھی تھے، عاجزی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہمارے دورۂ حدیث 1984ء اور 1985ء کے درمیانی سال میں ہمیں بخاری شریف پڑھاتے اور پھر بخاری شریف سے فارغ ہونے کے بعد اپنی مسند سے اٹھکر مسجد کے ہال میں تشریف لے جاتے اور پھر سادہ چٹائی پر بیٹھ کر ہدایۃ النحو پڑھاتے تھے کیسی عجیب انکساری تھی؟ ایسی عظیم ہستی نے ہمیں داغ مفارقت دے کر ہم کو یتیم کر دیا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے استاذ محترم حضرت امام اہل السنۃ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرما کر اعلیٰ علیین کے درجات سے سرفراز فرمائے اور انکی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرماوے۔ آمین بجاہ النبی الکریم۔

اشتیاق احمد

پہلی......اور......آخری ملاقات

میں اس وقت دس بارہ سال کا تھا، ایک دن، رات کے وقت میری آنکھ کھلی تو کانوں میں کچھ گانے کی آواز سنی۔ کمرے میں لالٹین جل رہی تھی، اس زمانہ میں بجلی بہت کم گھروں میں تھی، مٹی کے تیل کے دیئے یا لالٹین سے روشنی کی جاتی تھی۔

میں نے دیکھا، میرے والد صاحب، میرے پھوپھا اور پھوپھا کے چاروں بھائی ایک آواز میں کچھ گا رہے تھے، میں سنتا رہا، کانوں کو تو بہت اچھا لگا، جب وہ خاموش ہو گئے تو میں نے پوچھا

''ابا جی! یہ آپ کیا گا رہے تھے؟''

''بیٹے! ہم نعت پڑھ رہے تھے، کل ہمیں ایک جگہ میلاد شریف میں جانا ہے!''

''میں بھی چلوں گا!''

''نہیں بیٹا! رات کا پروگرام ہوتا ہے، ہم رات گئے لوٹتے ہیں!''

''کوئی بات نہیں......میں بھی چلوں گا!''

اس طرح پہلی بار میلاد کی ایک محفل میں شرکت کی......میرے والد اور پھوپھا صاحبان جھنگ شہر کے مشہور میلاد خواں تھے، جہاں کہیں کسی کو میلاد کرانا ہوتا، انہیں ضرور بلایا جاتا تھا، میلاد کے دوران اُن پر ایک ایک روپے والے نوٹ بھی برسائے جاتے، ہم گھر آ کر ان کو گنا کرتے اور خوش ہوا کرتے کہ آج اتنے پیسے ملے، پھر وہ ان نوٹوں کو آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔

یہ ان کا شوق تھا، جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا، اسکول کی تعلیم میں آگے بڑھتا گیا......ان نعتوں کا مطلب بھی سمجھنے لگا......میں بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ خوب جھوما کرتا، یعنی سر دھنا کرتا۔

ملازمت کے سلسلے میں لاہور جانا ہوا، ایک دوست کے بڑے بھائی نے اپنے گھر کی ایک چھوٹی سی گیلری رہائش کے لیے مجھے دے دی، جب وہ نماز کے لیے جاتے تو مجھے بھی نماز کے لیے کہتے،

اس طرح میں ان کے ساتھ نماز کے لیے جانے لگا، اسلام پورہ میں عمر روڈ کی جامع مسجد تھی، اس مسجد میں ایک دن اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا، میرے اندر سے ایک آواز اُٹھی:

''یہ کیا؟''......کل تک تو اذان ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' سے شروع ہوتی تھی......آج کیسے شروع ہوئی؟......اس بات نے میرے اندر کچھ کھلبلی سی مچادی...... میں نے اور تو کچھ نہ کیا، اس مسجد میں جانا چھوڑ دیا، وہاں سے کچھ فاصلے پر ہرن روڈ پر ایک اور مسجد تھی، وہاں نماز پڑھنے لگا، دوست کے بھائی محمد مونس کو جب اس بات کا پتہ چلا تو بہت بگڑے، کہنے لگے ''وہ مسجد تو دیوبندیوں کی ہے!......وہاں نہ جایا کرو!'' میں نے وہاں جانا نہ چھوڑا، اس پر انہوں نے مجھے ایک کتاب پڑھنے کے لیے دی، یہ کتاب ''ارشد القادری'' کی لکھی ہوئی تھی اور اس کا نام تھا ''زلزلہ''۔

میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا، دیوبندی بہت بڑے ''گستاخِ رسول'' ہیں......اس پر میں بہت پریشان ہوا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے میرا ہاتھ تھاما، میں آج تک حیران ہوں...... میری اس چھوٹی سی گیلری کی الماری میں چند کتابیں رکھی ہوئی تھیں، ان کو پڑھنے کا بھی کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا، پریشانی کے عالم میں الماری کی صفائی شروع کر دی......اس وقت وہاں ایک کتاب پہ نظر پڑی، اس کا نام دیکھ کر چونک اٹھا، لکھا تھا ''ارشد القادری کی کتاب ''زلزلہ'' کا دندان شکن جواب، بریلوی فتنے کا نیا روپ'' حیرت انگیز خوشی ہوئی......آج تک نہیں معلوم ہوسکا کہ وہ کتاب الماری میں کیسے پہنچی؟ یعنی بھائی مونس نے کتاب بعد میں دی، اس کتاب کا جواب اللہ تعالیٰ کی مدد سے پہلے پہنچ گیا، اب میں نے اس کا مطالعہ کیا تو ذہن صاف ہوتا چلا گیا......اب شوق شروع، ایسی کتب کا، اس سلسلے میں سب سے پہلے مولانا سرفراز صفدر صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''راہِ سنت'' خریدی، اس کا مطالعہ کیا...... پتہ چلا، یہ میلاد کی محفلیں بھی غلط ہیں۔ مطالعے کا شوق بڑھا، امام اہل السنۃ کی کتب خریدتا چلا گیا......ان کا مطالعہ کرتا چلا گیا......پھر میرے ناولوں کا دور شروع ہوا، لیکن بریلویوں کو بہت چبھا، انہوں نے مناظرانہ انداز میں مجھے خطوط لکھے، چیلنج کیے، اس سلسلے میں مولانا صاحب رحمہ اللہ کی کتب ''عباراتِ اکابر'' اور ''ازالۃ الریب، فی علم الغیب'' کام آئیں، غیر مقلدوں نے بات شروع کی تو ''احسن الکلام'' سے خوب فائدہ اٹھایا، ''مقامِ ابی حنیفہ'' کا بھی مطالعہ کیا، ''تسکین الصدور''، ''الکلام المفید''، ''آنکھوں کی ٹھنڈک''، ''دل کا سرور''، ''سماعِ موتیٰ''، ''حکم الذکر بالجھر''، ان کے علاوہ بھی کتب خرید خرید کر لائبریری سی بنالی اور جنون

کی حد تک ان کتب کا مطالعہ کرنے لگا......ادھر باطل فرقے چھیڑ چھاڑ سے باز نہیں آتے تھے، ان کتب کے مطالعے کی بنیاد پر ان سب سے خوب دھڑلے سے بات کرنے لگا......

یہ سب تھا لیکن میں زندگی میں امام اہل السنۃ سے ملاقات نہیں کر سکا تھا......محترم سرفراز حمزہ صاحب (پوتے امام اہل السنۃ) نے بہت بہت مرتبہ اس سلسلے میں دعوت دی کہ ان کے ساتھ چلوں......آپ رحمہ اللہ سے ملاقات کرلوں......لیکن پروگرام نہ بن سکا، اللہ تعالیٰ کو ملاقات کسی اور ذریعے سے منظور تھی......ہوا یہ کہ حافظ آصف محمود ''نو دراتِ اکابر گیلری والے'' ملاقات کے لیے جھنگ آئے، انہوں نے لائبریری میں امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتب دیکھ کر پوچھا،

''ان سے کبھی ملاقات بھی کی ہے؟''

میں نے فوراً کہا

''ملاقات کی تو نہیں......خواہش بہت ہے''

انہوں نے بھی فوراً کہا

''لاہور آجائیں!......میرے ساتھ چلیے گا!......ملاقات کرلیں گے!''

اس طرح میں نے لاہور کا پروگرام ترتیب دیا، وہاں سے ہم گوجرانوالہ کی طرف روانہ ہوئے، گوجرانوالہ سے گکھڑ منڈی پہنچے اور امام صاحب رحمہ اللہ کے ''درِ دولت'' پر حاضر ہو گئے، کچھ دیر انتظار کے بعد اندر جانے کی اجازت ملی......حضرت رحمہ اللہ ان دنوں بھی صاحب فراش تھے، اُٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے، لہٰذا نیم دراز حالت میں مصافحہ کیا، حافظ آصف محمود نے میرا نام بتایا، ''بچوں کا اسلام'' کے بارے میں بتایا، تب انہوں نے ایک بار پھر مصافحہ کیا، آنکھوں سے خوشی کا اظہار بھی کیا، بات چیت تو مشکل سے کر پاتے تھے......ہم تقریباً 15 منٹ ان کی خدمت میں حاضر رہے......

یہ میری امام صاحب رحمہ اللہ سے پہلی اور آخری ملاقات تھی......اس ملاقات کے تقریباً ایک سال بعد اچانک اطلاع ملی کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے......امام اہل السنۃ کا انتقال ضرور ہو گیا ہے، لیکن وہ اپنی کتب کی صورت میں، آج بھی ہمارے ساتھ ہیں، اور یہ ساتھ کبھی چھوٹنے والا نہیں......زندگی میں بھی رہے گا اور زندگی کے بعد بھی ان شاء اللہ۔

مولانا شفیق احمد سلیم

حضرت الاستاذ امام اہل سنت رحمہ اللہ

جہد مسلسل، عملِ پیہم، جاں سوزی، لگن، پُرخلوص جذبہ، حمیت وشجاعت، کام کی دُھن اور مجسم علم وعمل جیسے بھاری بھرکم عنوانات اگر غلط اور بے محل استعمال ہو ہو کر اپنی حقیقت کھو نہیں گئے تو یہ سب کے سب عنوانات اپنے پورے مصداقات کے ساتھ عصرِ حاضر بلکہ خوفناک قحط الرجال دور میں پورے طور پر اگر صادق آتے ہیں تو حضرت الاستاذ الشیخ محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ پر صادق آتے ہیں۔ نور الله مرقده وبرد الله مضجعه

گکھڑ میں خطابت، نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں پورے تعلیمی سال تدریس، تدریس کے لیے روزانہ کا آنا جانا، شعبان ورمضان المبارک میں نصرۃ العلوم ہی میں دورۂ تفسیر، گھر میں تصنیف وتالیفات اور روزانہ کا تعویذات کا سلسلہ اور دور وقریب سے تشریف لانے والے احباب ومتعلقین اور تلامذہ سے ملاقات، بس زندگی ان ہی سے عبارت تھی۔ اور کام میں تخلف اور معمولات میں ناغہ کا تصور ہی نہ تھا۔

زندگانی کی حقیقت کوہکن سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ وسنگ گراں ہے زندگی

حضرت الاستاذ نور اللہ مرقدہ کا اسم گرامی اور اجمالی تعارف تو راقم آثم کو اپنی مدرسی زندگی کے بالکل اوائل میں ہی ہو گیا تھا کہ اپنے اساتذہ کرام سے حضرت رحمہ اللہ کا ذکرِ جمیل سن کر اور حضرت رحمہ اللہ کی تصنیفات وتالیفات دیکھ کر اور پڑھ کر عزت واحترام اور عظمت کا سکہ دل ودماغ اور قلبی دنیا میں رواں ہو چکا تھا۔ لیکن باقاعدہ زیارت، ملاقات، دید شنید، شرفِ تلمذ اور بالکل قریب سے دیکھنے ہی کی بات نہیں بلکہ آنکھوں کو نور وسرور، جلا بخشنے اور ٹھنڈا کرنے کا موقع اس وقت میسر آیا جب احقر کو 1405ھ کے شعبان المعظم اور رمضان المبارک میں جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں حضرت الاستاذ رحمہ اللہ سے دورۂ تفسیر القرآن الکریم پڑھنے اور اس میں شرکت کا زریں موقع میسر آیا۔ فالحمد لله على ذالك۔

بخیر اسی شعبان میں امام الہدیٰ جانشینِ امام لاہوری رحمہ اللہ حضرت مولانا عبید اللہ انور نور اللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال پیش آیا جامعہ والوں نے ہر طالبعلم کو مبلغ پچیس روپے عنایت کیے تھے تاکہ لاہور نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت تمام طلباء کو میسر آ جائے۔

راقم دورۂ تفسیر القرآن الکریم میں شعبان میں کچھ تاخیر سے پہنچا تھا۔ شروع کے اڑھائی تین پارے

پڑھنے سے رہ گئے تھے۔اس محرومی اور حرمان نصیبی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے کہ یہ دولت پھر نصیب نہ ہوئی۔ مگر بحمداللہ پھر ناغہ نہیں ہوا۔یومیہ ایک ہی مجلس میں ایک پارہ کا درس ہوتا۔اول اول نصف پارہ کی تلاوت ہوتی پھر اس کا ترجمہ وتشریح ہوتی پھر باقی نصف پارہ کی تلاوت ہوتی طلباء اتنی دیر کے لیے درس گاہ سے چہل قدمی کرنے کے لیے باہر نکل جاتے مگر حضرت الاستاذ رحمہ اللہ اپنی اسی ہیئت پر تشریف فرما ہوتے،تلاوت کے بعد پھر ترجمہ وتشریح ہوتا یہ یومیہ ساڑھے چار پانچ گھنٹے کا درس کیا ہوتا؟حقیقت یہ ہے کہ علم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ایسا سمندر موجزن ہوتا جس کی حقیقت اور تہہ تک رسائی ان ہی حضرات کو میسر آئی ہوگی جنہیں درس میں شرکت کی سعادت میسر آئی۔جس کی فی زمانہ مثال نہیں۔بالاستیعاب ترجمہ آیات وسور کا ربط،شان نزول،تفسیر میں آیات واحادیث سے استدلال اور حضرات مفسرین کرام کے باحوالہ تفسیری اقوال اس انداز سے پیش فرماتے کہ ایسا لگتا تھا کہ آپ کتابوں کے انبار میں اور کتب خانہ میں تشریف فرما ہیں اور دیکھ دیکھ کر عبارتیں سنا رہے ہیں۔حالانکہ یہ سب زبانی ہوتا،بایں ہمہ بڑی حسرت وافسوس سے فرماتے کہ بیماری کی وجہ سے حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔

آپ ہر موضوع پر جامع، پر مغز اور مدلل بحث اور گفتگو فرماتے۔جہاں کہیں غیر مسلموں اور مستشرقوں نے قرآن مجید پر اعتراضات کیے اور انہوں نے جو شکوک وشبہات پیدا کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے اور اسلام اور قرآن کریم سے برگشتہ کرنیکی سعی لاحاصل کی ہے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ ان شبہات اور اعتراضات کا مدلل رد فرماتے جو غیر متعنت،منصف مزاج اور اعتدال پسند طبائع کے لیے کافی وشافی ہوتا۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ قرآنی تفسیری ذوق اپنے معروف استاذ شیخ القرآن محدث کبیر، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور دیگر علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کے خوشہ چیں حضرت مولانا حسین علی واںؔ بچھرانوی نور اللہ مرقدہ سے ملا جنہیں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ سے براہِ راست شرفِ تلمذ حاصل رہا۔حضرت الاستاذ شیخ صفدر رحمہ اللہ نے مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے مکمل ترجمۃ القرآن اور تفسیر پڑھی۔مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے علوم وفنون کے امین تھے بالخصوص ترجمۃ القرآن اور تفسیر کے حوالہ سے جو کچھ آپ کو اپنے استاذ سے حاصل ہوا اسے قرض کے طور پر اگلی نسل تک پہنچایا اور اس میں الحمدللہ مکمل طور پر کامیابی وسرفرازی سے ہمکنار ہوئے۔فالحمد لله على ذالك ۔

اوراب!آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

داغِ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

عالِم کا اٹھ جانا اور اس کا اس بے ثبات اور ناپائیدار دنیا سے رخصت ہو جانا صرف اس کی ذات کا اٹھ

جانا اور رخصت ہونا ہی نہیں ہوتا بلکہ متاعِ کائنات علم کا اٹھ جانا ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ان الله لا يقبض العلم انتزاعاً ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالماً اتخذ الناس رؤساً جهالاً فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا ا(متفق علیہ)

قحط الرجال کے اس دور میں کسی بھی محقق باعمل عالم کا اس دنیا سے کوچ کر جانا جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں اور اندھیروں کا پھیلنا ہی ہے جو امت کے لیے ایک سانحہ سے کم نہیں۔

گوجرانوالہ دو عظیم ہستیوں سے معمور تھا دونوں ایسے آفتاب و ماہتاب تھے جن سے صرف گوجرانوالہ ہی نہیں بلکہ ایک عالم مستنیر تھا۔ میری مراد حضرت شیخ الحدیث التفسیر صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ ہیں۔ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ بفضلہٖ ومنہٖ تعالیٰ دونوں عالم، مدرس، محدث اور مفسر اور شیخ وقت تھے۔ مگر حضرت شیخ صفدر رحمہ اللہ کی بات ہی کچھ اور تھی۔ جد امجد گل احمد خان سواتی مرحوم کا یہ گل سر سبد بے شمار خوبیوں، صفات اور متنوع کمالات کا حامل تھا۔ وہ محقق بھی تھا اور متکلم اسلام بھی اور اپنی برادری اہل السنۃ والجماعۃ کا ترجمان بھی تھا۔ جس کی آواز سب کی آواز تھی۔ آج کوئی اہل زیغ و باطل کے خلاف کام کرنے والا حضرت ممدوح رحمہ اللہ کی تصنیفات و تالیفات اور علمی الباقیات الصالحات سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ اور کفر و ایمان، حق و باطل ہدایت و ضلالت، صراطِ مستقیم و طریق ضلال اور سنت و بدعت کے مابین ایسے امتیازات اور فروق و فصول اور ایسی حدِ فاصل قائم فرما گئے کہ ان شاء اللہ تا دیر کوئی بد باطن، بد مزاج و بد مذاق، علم و آگہی سے کورا اور ٹنڈ منڈ فہم کا مالک ان میں اختلاط و التباس نہیں کر پائیگا۔

حضرت صوفی رحمہ اللہ کچھ ہی پہلے عالم بقاء کو رواں دواں ہوئے تھے ان کی جدائی اور فراق کا غم والم بھولنے کہاں پایا تھا بلکہ تازہ زخم تھا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ چل دیے۔ ویسے دنیا تو ساری فانی ہے اس کی کسی چیز کو کوئی قرار، دوام اور استحکام نہیں، حدوث و تغیر اس جہاں کا لازمۂ لاینفک ہے۔ اس عالم مست و جود میں جو آیا جانے ہی کے لیے آیا اور موت جیسی اٹل حقیقت کا شکار رہا حتی کہ سید الکائنات علیہ الف الف التحیۃ والتسلیمات، '' الله الرفيق الاعلىٰ، الله الرفيق الاعلىٰ'' کہتے کہتے تشریف لے گئے۔

لو كانت الدنيا تدوم لواحدٍ
لكان محمد فيه مخلدا

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بھی ایک دن جانا تھا اور چلے گئے۔ لیکن آپ کے اس فراق اور جدائی کا غم کسی فرد، خاندان، قبیلہ اور اہلِ علاقہ کا غم نہیں بلکہ ایک ملت اور امت کا غم ہے۔ آپ کی موت سے ایک امت متاثر ہوئی۔

وما کان قیس هلکه هلک واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

انا لله وانا الیه راجعون ۔ان لله ما اخذ وله ما اعطی و کل شئ له اجل مسمّٰی۔

معروف ادیب وشاعر مرحوم احسان دانش نے اپنے ''جہان'' میں حضرات علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم سے متعلق ایک ایسا عجیب جملہ کہا جو علماء دیوبند پر ان کے حالات، واقعات اور دینی مراسم کے نبھانے کے حوالے سے سو فیصد منطبق ہوتا ہے۔ موصوف نے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ سے ایک ملاقات کے بعد اپنی خودنوشت سوانح ''جہانِ دانش'' میں رقمطراز ہیں

''مجھے اس دن یقین ہوا کہ علماء دیوبند جو کھاعلم رکھتے ہیں ان سے نزدیک ہوکر دیکھا جائے تو صرف شعروادب کے علاوہ ان کے وضعدارانہ مراسم بھی عوام کے جگری دوستی سے زیادہ ایثار پسند ملیں گے اور ناموس رسالت پر تو ان کی جان نثاریوں اور مصائب طلبیوں سے تاریخ کا سینہ اٹا پڑا ہے۔ (ص ۵۲۷)

اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جو فتنہ جہاں اور جس شکل میں اٹھا علماء دیوبند نے اس کا بھر پور تعاقب کیا۔ تن من اور دھن کسی بھی چیز کے قربان کرنے سے دریغ نہیں کیا اور مقابلہ میں ہراول دستہ کا کردار ادا کیا اور الحمد للہ اعدائے دین کو منہ کی کھانی پڑی۔ شریعۃ غرّا اور ''امت وسط'' کی حفاظت اور اسے اپنی پوری بہار کے ساتھ بقائے دوام بخشنے کے لیے جاں سپاسی اور جاں سپردگی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ حضرت الاستاذ شیخ محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ قصرِ دیوبند کے ایک روشن مینار تھے اور الحمد للہ اس کی آبیاری میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھے اور ایسے ہی قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح میں اور دینیات کی تعبیر میں جو منہج اور طرز فکر ورثے میں ملا تھا اس سے سرمو انحراف قطعاً گوارا نہ تھا بلکہ اس موروثی دولت سے تا حیات وابستہ رہے اور اس پر سختی سے کاربند تھے۔ یہی وجہ کہ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے کسی بھی عنوان کے جس کسی مسئلہ کی جو تشریح وتعبیر پیش فرمائی نگارخانۂ علم کے کسی گوشہ سے بھی اس کے خلاف کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ ہاں یہ تو ہوا اور ہے کہ آپ کی تعبیرات وتشریحات کی اعاظم رجال علم اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کے اساتذہ کرام تک نے تائید وتصویب فرمائی اور معاصرین نے ان تعبیرات وتشریحات کو اپنی بات کی تصویب، تائید اور حجۃ کے طور پر پیش کیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی علمی ودینی خدمات کا دائرہ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ہے۔ اشاعتِ اسلام، تبلیغ دین اور فروغِ علم کے لیے کوئی جہت متعین نہیں تھی۔ صرف نصرۃ العلوم میں تعلیم وتدریس آپ کی منزل نہ تھی، قصبہ گکھڑ کی مسجد کے محراب ومنبر ہی کدوکاوش اور کارِ دین کی آخری قرارگاہ نہیں تھے اور نہ

قلم وکاغذاور دستا تیر ہی آپ کی مساعی جمیلہ اور پر ولولہ و پر جوش زندگی کا آخری محور تھے بلکہ یہ مردِ مجاہد کارِ دین کے لیے نت نئی راہوں کا متلاشی رہا اور خدمت دین کے حوالے سے جب اور جو کچھ بن پڑا اس سے دریغ نہیں کیا ایک مرتبہ طلباء کرام سے کہا کہ:

عزیز طلبہ! میں نے چومکھی لڑائی لڑی ہے یعنی جس جہت سے دین اسلام پر حملہ ہوا میں نے بحمداللہ اس کا بھرپور جواب دیا ہے۔

عادت اللہ اور سنۃ اللہ یہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ذات سے اپنے دین کا خصوصی اور نمایاں کام لینے کا ارادہ فرماتے ہیں تو بچپن ،نوعمری اور لڑکپن سے ہی اس کی جبین سعادت گزیں پر آثار نجابت ہویدا فرماتے ہیں۔تاریخ اسلام ایسے واقعات سے بھر پڑی ہے

ایک واقعہ: برصغیر کی اسلامی تاریخ کے عظیم سپوت مجاہدِ جلیل حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ اپنے لڑکپن کے زمانے میں اپنے عم مکرم شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے ایک مرید صوفی صاحب کے ساتھ سیر کو نکلے ہوئے تھے کہ ایک ''آزاد روشن خیال'' جو اپنے ساتھ کتے کو بھی لیے ہوئے تھے سے آمنا سامنا ہوا وہ تمسخرانہ اندازیا ہلکے پھلکے انداز میں یوں کہیئے کہ ازراہ تفنن اور بطور ضیافت طبع کے صوفی صاحب سے کہنے لگے کہ سنا ہے کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتے نہیں آتے تو میں آئندہ کتے کو اپنے ساتھ رکھا کرونگا''وللناس فی ما یعشقون مذاهبٌ'' تاکہ موت کا فرشتہ میرے قریب نہ آئے یوں مرنے سے بچ جاؤنگا۔اس پر وہ صوفی صاحب تو خاموش رہے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ فوراً بولے فرمایا ہاں جو فرشتہ کتے کی روح قبض کرنے آئیگا وہی آپ کی روح بھی قبض کرلے گا۔یہ ایسا مسکت جواب دیا کہ وہ صاحب ہکا بکا رہ گئے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی طالبعلمی کا زمانہ ہے بچپن کا دور ہے۔اپنے علاقہ کے مختلف درو بام کی خاک چھان کر اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر اور زمانہ اور ابنائے زمانہ کی ستم رسی کا ذائقہ چکھ کر آخری تعلیمی درجہ کی تعلیم کے لیے ازھر الہند مرکز دین ودانش دار العلوم دیوبند آئے تاکہ علم وعمل کی ایسی نابغۂ روزگار شخصیات کہ جن کا خمیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بچی کھچی مٹی سے اٹھایا گیا تھا سے بھی استفادہ کا موقع میسر آئے۔اس دار العلوم کی مقدس ومعطر علمی ،عملی اور دل آویز روحانی فضا اور ماحول جسے غنیمت باردہ سے تعبیر کرنا بالکل بجا ہے سے آپ خوب خوب متمتع ہوئے اور لازوال سرمدی نعمتوں سے مالا مال ہوئے اس دور کا ایک واقعہ ہے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ

''میں دار العلوم میں زیرِ تعلیم تھا۔میں ایک روز کسی وجہ سے کچھ تاخیر سے جماعت میں حاضر ہوا اور طلباء کی صفوں کے درمیان سے گذرتا ہوا اپنی جگہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔میرے

استاد محترم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یوں جلدی جلدی آتے دیکھا تو فوراً بول اٹھے ''صف دَر'' آرہا ہے، تمام طلباء نیا نام سن کر مسکرا اُٹھے تو شیخ العرب والعجم رحمہ اللہ نے فرمایا ''یہ وہ ''صف دَر'' ہے جو ان شاء اللہ حق وباطل کی صفوں میں تمیز کریگا۔''

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی، مثل مشہور ہے، ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید''۔اور حدیث میں آتا ہے "اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله"(اوکما قال)

ہر زمانے میں علم کی مسند پر اس قسم کے لوگ فائز رہے ہیں کہ انکا نام ان شاء اللہ قیامت تک جگمگاتا رہے گا۔ ماضی قریب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، قاسم العلوم حضرت نانوتوی رحمہ اللہ، شیخ الہند محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی اور حکیم الاسلام حضرت اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ جو گونا گوں خوبیوں، صفات اور مزایا کے مالک تھے۔ان میں ہر ایک اس کا مصداق تھا کہ ''جہانے را دگر گوں کر د یا مرد خود آ گاہے'' اور ان تمام کو ان کی علمی، عملی دینی، تبلیغی، تصنیفی اور دیگر متنوع کمالات وخدمات جلیلہ اور مساعی جمیلہ کی بناء پر کب اور کیسے بھلایا جاسکتا ہے۔ حضرت علامہ محمد انور شاہ الکشمیری رحمہ اللہ جنکا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھا۔

اسی سلسلۃ الذھب میں ہمارے شیخ استاذنا المکرّم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔حق تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا مجموعہ کمالات اور چوکھا علم رکھتے تھے جو عالم بقا کو سدھار گئے۔شمیم گل بھی نسیم سحر کے ساتھ گئی

ہم ایسا پھر کوئی خاک چمن سے شاذ اٹھے گا
پھر وگے ڈھونڈتے لیکن ہمیں ہر گز نہ پاؤ گے
تمہاری سر بلندی ایک دن مجبور کر دے گی
ہمارے نقش پا ہوں گے جہاں تم سر جھکاؤ گے
زمین پر جب کوئی افتاد سر اٹھائے گی
ہماری جرأتوں کی داستانیں گنگناؤ گے
ہم ایسے لوگ یاروآئے دن پیدا نہیں ہوتے
وفا کی آرزو لے کر ہمارے گیت گاؤ گے

مولانا رب نواز حنفی

وہ چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

قومیں اپنی شخصیات کی وجہ سے زندہ رہی ہیں، ان کے کارناموں کی وجہ سے پروان چڑھتی، ترقی کے زینے عبور کرتی اور حیاتِ جاوداں کی منزل سے ہم کنار ہوکر تاریخ کے سینے پر گہرا نقش چھوڑ جاتی ہیں۔

پھر کیا کہنا مسلمان قوم کا! جن کے روحانی باپ، سیاسی قائد اور مذہبی پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو آفتابِ رشد وہدایت بن کر افق عالم پر طلوع ہوئے اور چشم زدن میں اپنی نورانی کرنوں کے ذریعے باطل کے اندھیروں کو پچھاڑتے چلے گئے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے بارے میں خالق کائنات نے ''ان الدین عنداللہ الاسلام'' اور ''ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه'' [الآیۃ] فرما کر تا قیام قیامت ان کی بقاء اور ابدیت پر مہر ثبت فرما دی ہے، نیز خود شارع علیہ السلام کی زبان اطہر سے اس امت کیلئے یہ فرمانا: ''لایزال من امتی امة قائمة بامر الله لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتیٰ یاتی امر الله وهم علیٰ ذالک'' بھی یہ مژدہ سناتا ہے کہ اس امت کا گلشن سدا بہار رہے گا، یہ امت کبھی بانجھ نہیں ہوگی، بلکہ یہ اپنی کوکھ سے ایسی عہد ساز شخصیات جنم دیتی رہے گی جو نامساعد حالات کے باوجود وقت کا دھارا بدلنے، باطل کے طوفانوں کا رخ موڑنے اور فکری گمراہی کے زیغ وضلال سے امت مسلمہ کے ناؤ کو بچالے جانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہوں گی۔

چنانچہ اسلام کا تابناک ماضی اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ جس دور میں بھی، جب بھی باطل اسلام کے قلب وجگر پر حملہ آور ہوا تب اہل حق کی طرف سے کچھ مردان حق ضرور میدان عمل میں نظر آئے جنہوں نے اسباب سے تہی دامنی کے باوجود محض اللہ کی توفیق اور خداداد صلاحیتوں کی بناء پر باطل کے نشیمن کے ایک ایک تنک پر حق کی ایسی بجلیاں گرائیں کہ اس کے تار پود بکھیر کے رکھ دیئے۔ انہی نابغۂ روزگار شخصیات میں امام اہل السنۃ، محدث عرب وعجم، سرتاج الأولیاء، استاذ المحدثین، زبدۃ الموحدین، شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جو گزشتہ ماہ جمادی الاولی کی ۸ تاریخ 1430ء بمطابق ۵ مئی ۲۰۰۹ء کو ایک طویل عرصۂ علالت کے بعد تقریباً ۹۸ سال کی عمر میں اس دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیه راجعون

سرزمین ہزارہ کی ایک گمنام بستی میں پلنے والے سرفراز خان کے بارے میں کسے خبر تھی کہ قدرت اسے ان گنت خصوصیات، بے شمار صفات اور ہمہ جہت صلاحیتوں سے سرفراز فرما کر اسلامی تاریخ کے عہد ساز شخصیات کے

دھارے میں شامل کرے گی! لیکن قدرت کے فیصلوں میں کون مزاحم ہوسکتا ہے!! چنانچہ آگے چل اگر ایک طرف آپ عزم واستقلال کی چٹان بن کر ظلم واستبداد کے سامنے سینہ سپر ہوئے تو دوسری طرف علم وعمل کے آفتاب بن کر آپ نے سرزمینِ ہندو پاک کو اپنی روشن کرنوں سے منور کیا، ایک طرف اگر آپ کے سینے میں قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر اور علوم اسلامیہ کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر موجزن تھے جس سے ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں انسانوں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنی علمی پیاس بجھائی تو دوسری طرف وسعت مطالعہ، ذہانت وفطانت اور فکر وتدبر کے اعتبار سے ظاہر وباطن میں یکساں سنجیدگی آپ کا طرۂ امتیاز تھا علم آپ کا کمال، عمل آپ کا جمال، شرافت آپ کا وقار، سادگی آپ کا شعار اور گفتار وکردار کی پختگی آپ کے اسلامی افکار کی ترجمان تھی۔ اللہ جل شانہ نے آپ کو مضبوط بدن کی طرح مضبوط عزم بھی عطا فرمایا تھا ، آپ نے عمر عزیز کا ایک وافر حصہ اسلام کے خلاف زہر اُگلنے والی زبانوں اور تحریروں کا مقابلہ کرنے میں صرف کیا، آپ کے علم اور زبان کی چاشنی سے لاکھوں لوگ مستفید، اپنی زندگیوں کا رخ بدلنے پر آمادہ اور گمراہی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں داخل ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: اس وقت تمام روئے زمین پر شیطان سب سے زیادہ مجھ سے بغض و دشمنی اور میری موت کی تمنائے خام دل میں رکھتا ہے، اس لئے کہ میں بدعات کا رد سب سے زیادہ کرتا ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذکورہ بالا قول امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی زندگی کا ترجمان ہے۔ یوں تو ان کی دینی خدمات کا دائرہ تمام شعبہ ہائے دین کا احاطہ کیے ہوئے ہے، لیکن ردِّ بدعات وفرقِ باطلہ کے میدان میں آپ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اور جس طرح آپ تمام فرق باطلہ کے عقائدِ باطلہ کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کا علمی انداز میں مدلل رد فرماتے رہے، وہ یقیناً آپ کا خاصہ ہے، اس موضوع پر آپ کی تصانیف اور بیانات اس کے گواہ ہیں جو علمائے دیوبند کی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے جنہیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا اس موضوع پر انہی خدمات کی وجہ سے ہی بجا طور پر آپ کو اہل السنۃ والجماعۃ کا امام اور ترجمان کہا جاتا ہے۔

آپ کی تصانیف میں قاری کے لیے تمام دلچسپیوں کا سامان فراہم ہوتا ہے، اردو ادب کی چاشنی، موتیوں کی طرح جڑے ہوئے برمحل اشعار، دلائل وبراہین کی بھرمار، ظرافت، اندازِ بیان میں شائستگی اور نفسِ مسئلہ کے ہر پہلو پر نظر آپ کی تصانیف کی انفرادی اور بے مثل خصوصیات ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائیں، ان کی تربت کو ماجگاہِ رحمت بنائیں اور پسماندگان کو ان کا بدل عطا فرمائیں...... فلک برسوں پھرتا ہے، تب کہیں خاک کے پردے سے ایسے نادرِ روزگار محققین جنم لیتے ہیں!

بجھا چراغ، اُٹھی بزم، کھل کے روائے دل! وہ چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

مولانا محمد عطاء الحق قلبی

امام اہل سنت رحمہ اللہ بحیثیت ''مفسرِ قرآن کریم''

حامداً و مصلیا و مسلما :۔اما بعد اس وقت بندہ کے سامنے، تاج کمپنی کا مطبوعہ، اٹھارہ سطری قرآن کریم کھلا ہوا ہے، جس پر اٹھارہ سال قبل، حضرت اقدس کے ہاں ''دورۂ تفسیر'' پڑھنے کی سعادت ملی تھی، مدرسہ نصرۃ العلوم کی مسجد نور کا وہ قرآنی منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے جگمگا رہا ہے اور حضرت اقدس کے روح پرور ارشادات کانوں میں رس گھول رہے ہیں: ''یاد رکھنا! سلف صالحین کا دامن نہ چھوڑنا''، ''عمل میں تین چیزیں وزن پیدا کرتی ہیں [۱] ایمان [۲] اخلاص [۳] اتباعِ سنت''۔ یہ اور اس قسم کے بیسیوں قیمتی جملے تھے، جنہیں احقر نے دورانِ درس مصحف مبارک کے حاشیہ پر لکھ لیا تھا۔ آج جبکہ حضرت دار الفناء سے دار البقاء کا سفر اختیار فرما گئے ہیں تو مناسب معلوم ہوا کہ یہ ''علمی نوادرات'' اہلِ علم حضرات تک پہنچا کر ''ذکرِ حبیب'' سے ''وصلِ حبیب'' کا تصور پیدا کر لوں

؎ جوڑتا رہتا ہوں، ٹوٹے ہوئے رابطوں کا سلسلہ
وقت کے سرابوں نے مجھے اکیلا کر دیا

......﴿ حضرت اقدس ''بحیثیت مفسرِ قرآن کریم'' انتہائی جامع اور مسحور کن اندازِ تفسیر کے مخترع تھے۔

بحیثیت ترجمہ : آپ ایک سادہ اور جامع ترجمہ کے عادی تھے مثلاً: سورۂ کہف کی آیت نمبر 19 میں ''ولیتلطف'' کا ترجمہ آپ نے یہ فرمایا تھا: ''اور چاہیے کہ باریک بینی سے کام لیں''۔

تفسیر وتشریح : یہی روش آپ کو تفسیر وتشریح میں بھی پسند تھی، چنانچہ ایک روز آپ نے سورۂ بقرہ کی آیت 257 میں لفظ ''طاغوت'' کی تفسیر وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: طاغوت کے معنیٰ کسی نے شیطان سے کیے ہیں اور کسی نے اصنام سے کیے ہیں۔ ہمارے نزدیک سب سے بہتر تعریف وہ ہے جو حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے کی، وہ فرماتے ہیں ''کل ما یشغلک عن الحق فهو طاغوتک'' سورۂ دخان کی آیت مبارکہ نمبر 49 ''ذق انک انت العزیز الکریم'' کا یہ ترجمہ تو

”دنیائے تفسیر“ میں شاہکار رہے گا: ”چکھیے صاحب! آپ تو عزیز وکریم ہیں“۔ سورۂ یوسف کی آیت شریفہ نمبر24 ”لولا ان راٰبرھان ربہ“ میں لفظ ”برھان“ معرکۃ الآراء اور اہم مباحث علمیہ کے مقام پر واقع ہے اور اہلِ علم حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں ہمارے حضرت نے اس سلسلہ میں یہ وضاحتی جملہ ارشاد فرمایا تھا:۔ ”رب سے جو عصمت انبیاء ”علیہم السلام“ کو حاصل ہوتی ہے، وہ نہ ہوتی تو....“۔ اسی طرح کلام پاک کی سورتوں اور آیات کے مابین ”ربط“ بتلاتے ،تو یوں محسوس ہوتا جیسے جملہ کتب تفسیر آپ کے آگے کھلی ہوئی ہیں، وہ ”ربط“ انتہائی خصوصیت کے حامل ہوتے جن میں آپ کے ”وہبی علم“ یا ”وجدان“ کی آمیزش ہوتی۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں آپ نے یہ ربط لکھوایا تھا: ”پہلی سورۃ میں طلبِ ہدایت ہے (یعنی اھدنا الصراط المستقیم) اور اس سورۃ میں اجابت ہے“ (یعنی ھدًی للمتقین)۔ سورۂ مؤمنون کی آیاتِ مبارکہ ”وعلیھا وعلی الفلک تحملون“ اور ”ولقد ارسلنانوحاً الی قومہ ....الخ“ پر فرمایا ”اوپر گذرا ہے ”وعلی الفلک تحملون“ آگے کشتی والے پیغمبر (حضرت) نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ نمبر27 ”واتل علیھم نبأ بنی اٰدم بالحق“ ....کے سلسلہ میں فرمایا: ”یہود کہتے ہیں کہ ”نحن ابناء اللہ واحباء ہ“ جیسے کہ ابھی گذرا ہے (آیت نمبر18) رب تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ولیوں کے بیٹے ہو گے نا، دور سے، آؤ! اب ذرا تمہیں حضرت آدم علیہ السلام کے حقیقی بیٹوں کے متعلق بتائیں کہ فرمانبردار اور نافرمان میں کیا فرق ہے“ آپ رحمہ اللہ کتبِ تفسیر کے حوالہ میں نہایت احتیاط سے کام لیتے اور بعض اوقات اپنی آراء بھی پیش کرتے۔ سورۃ القیامہ کی آیت مبارکہ نمبر10 ”یقول الانسان یومئذ این المفر“ کے تحت ارشاد فرمایا: ”بعض نے ”مفر“ کو ظرف قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں اس لیے کہ ظرف تو ”مفِر“ ہونا چاہیے بلکہ یہ مصدر میمی ہے“

......❁ ایک مقام پر یہ قیمتی علمی جملہ ارشاد فرمایا ”نحاۃ کوفیین کے نزدیک مطلقاً حروفِ جارہ ایک دوسرے کی جگہ آتے رہتے ہیں“

......❁ بعض اوقات اہم تاریخی یادداشتوں کو ذکر فرمادیتے، سورۂ ذاریات کی آیت مبارکہ نمبر36 ”فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین“ پر فرمایا:۔ ”یہ حضرت لوط علیہ السلام کا گھر تھا جس کے مختلف کمرے تھے“۔ سورہ کہف میں آیت مبارکہ نمبر83 ”ویسئلونک عن ذی القرنین“ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:۔ ”پوری دنیا پر چار بادشاہوں نے حکومت کی دو مسلمان دو کافر تھے (مسلمان) حضرت سلیمان

علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین۔ (کافر) نمرود اور بختِ نصر۔''

......﴿ کبھی کبھی ایک لفظ پر وضاحت کے لیے چند ایسے کلمات فرماتے کہ پوری محفل جھوم جاتی، سورۂ یونس کی آیت شریفہ نمبر 2 ''وبشر الذین اٰمنوا ان لهم قدم صدق عند ربهم'' کے تحت لفظ ''قدم'' پر فرمایا ''بشر ہیں، انسان ہیں، ہاشمی ہیں، سید ہیں آدمی ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔''

......﴿ اربابِ علم پر مخفی نہیں کہ بعض مفسرین نے یہ تفسیر بھی فرمائی ہے جیسا کہ امام جلیل ابو محمد حسین بغوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''وقال زيد بن اسلم هو شفاعة الرسول صلى الله عليه وسلم.'' (تفسیر بغوی رحمہ اللہ ص ۳۴۳ ج ۲)

......﴿ فرقِ باطلہ کی تردید موقع مناسبت سے، لیکن بہت مختصر فرماتے، اور اپنے موضوع کی اہمیت جاننے والا دوسری طرف جا بھی کب سکتا ہے؟ ایک دفعہ سورۂ حجر کی آیت شریف نمبر 32 ''قال يا ابليس ما لك الا تكون مع السٰجدين'' پر فرمایا:۔ ''یہ پہلی شخصیت ملعونہ ہے جس نے سب سے پہلے بشر کو حقیر سمجھا اور جس نے سب سے پہلے ''بشر'' کی توقیر کی وہ ملائکہ ہیں گویا بشر کو حقیر سمجھنے والا ابلیس صفت ہے اور بشر کو معزز سمجھنے والا فرشتہ صفت ہے''

......﴿ اسی طرح ایک مقام پر آپ نے ایک گمراہ فرقہ کی مختصر مگر جامع انداز میں تردید فرما کر آگے چلے تو بعض طلبہ کو تعجب سا ہوا۔ کیونکہ ان دنوں وہ مسئلہ چھڑا ہوا تھا، حضرت معاملہ بھانپ گئے، چنانچہ فرمانے لگے:۔ ''ہم تفسیر کے مقام میں دوسرے مسائل پر آستینیں نہیں چڑھاتے، اس کے لیے دوسرے مواقع موجود ہیں''۔

......﴿ حضرۃ اقدس کے اس ارشاد کا تجزیہ، آپکے ہزارہا شاگردوں، سینکڑوں علمی حلقوں، اور ہزارہا صفحات پر مبنی کتب سے کیا جا سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ آپنے ہر محاذ پر شاگرد اور کتاب چھوڑی ہے، جو انشاء اللہ العزیز قیامت تک آپ کا بہترین صدقۂ جاریہ ہے۔ یوں تو آپ کا سارا ورثہ قابلِ دیدوداد ہے، لیکن بحیثیت مفسرِ قرآن مجید آپ کی میراث لائقِ صد دیدوداد اور سزاوارِ حفظ وعمل بھی ہے۔

آہ! قلم اٹھاتے اٹھاتے سوچ رہا ہوں کہ مدرسہ نصرۃ العلوم کی وہ قرآنی محفل جو صبح سویرے 14 مارچ 1989ء کو شروع ہوئی تھی، پتہ بھی نہ چلا کہ 26 اپریل 1989ء کو بوقت 7 بج کر 21 منٹ پر اختتام پذیر ہوگئی۔

مولانا رومان حکیم صفدر

قائد اہل سنت کے ہم فکر ساتھی

امام فنِ اسماء الرجال، شیخ القرآن والحدیث، نمونہ اسلاف امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی یگانہ روزگار ہستی اس قحط الرجال کے دور میں علوم ومعارف، تحقیق وتدقیق، تصنیف وتالیف اور فضل وکمال میں متقدمین اور سلف صالحین کا کامل نمونہ تھی۔

حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا نام پہلی بار اُس وقت سنا جب بندہ تبلیغی جماعت کے ساتھ چار مہینے کی ترتیب میں چل رہا تھا، ہم اس وقت حضرو (ضلع اٹک) میں تھے، جہاں حضرات شیخین امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اور قائد اہل السنۃ (مولانا قاضی مظہر حسین) رحمہ اللہ کا نام اس تعارف کے ساتھ سنا کہ ہر دو حضرات شیخ مدنی نور اللہ مرقدہ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور بہت بڑے عالم، عظیم محقق ہونے ساتھ ساتھ دونوں ہی مسلک دیوبند کے صحیح ترجمان ہیں، دل میں زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا۔ چار مہینوں کے دوران کئی علماء سے ان دونوں کے بارے میں پوچھتا رہا، ہر کسی کو ان کی عظیم دینی اور مسلکی خدمات کا معترف پایا، اشتیاق بڑھتا رہا، چار ماہ سے واپسی پر مدرسہ میں داخلہ لیا، خوش قسمتی سے ہمارے صرف ونحو کے استاد مولانا محمد قاسم مدظلہ تفسیر میں امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، استاد صاحب بھی گاہے بگاہے حضرت کی باتیں بتاتے رہتے تھے، جن سے اشتیاق اور بھی بڑھا۔ اسی مدرسہ میں کچھ مماتی بھی تھے، جو اکثر مسئلہ حیات النبی چھیڑتے رہتے تھے، مجھے کیونکہ کوئی معلومات نہ تھیں لہٰذا کنارہ کش رہتا تھا، پھر مردان کے ایک مہربان ساتھی مولانا مفتی خلیق الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ اس مسئلہ پر حضرت نے ''تسکین الصدور'' تصنیف فرمائی ہے، جو نہایت ہی شاندار ہے، میں نے کتاب خریدی، دیکھا تو اس پر برصغیر کے بڑے بڑے اکابرین امت اور سلاطین علم وفضل کی تقاریظ اور تائیدی تحاریر موجود تھیں، حضرت سے عقیدت میں مزید اضافہ ہوا، کتاب پڑھی تو مسئلہ سمجھ آیا کہ اختلاف کیا ہے؟۔ اکتوبر 2000ء میں حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے گکھڑ حاضری دی، نورانیت چہرے سے خوب عیاں تھی، غیر مقلدین سے متعلق کچھ سوالات تھے، حضرت سے دریافت کیے تو ایسے جوابات دیئے کہ عقل حیران وششدر رہ گئی، دوسری ملاقات میں بیعت کا تعلق قائم کیا، پھر گاہے بگاہے زیارت کے لیے حاضری دیتا رہا، ان ملاقاتوں کے دوران حضرت سے بہت سے سوالات کرتا رہا چند ایک قارئین کی خدمت میں پیش ہیں

احقر: مشہور ہے کہ قاضی شمس الدین صاحب آپ کے استاد ہیں کیا یہ درست ہے؟ **حضرت شیخ:** نہیں،

قاضی صاحب میرے استاذ نہیں ہیں، میں نے ان سے کچھ نہیں پڑھا۔ **احقر**: قطر کے مولانا خان بادشاہ (تلمیذ: مولانا طاہر پنج پیری) نے کبھی آپ سے ملاقات کی ہے؟ **حضرت شیخ**: وہ یہاں آیا تھا، مجھ سے اسماء الرجال پر بحث بھی کر رہا تھا، جب میں نے اکابرین کے حوالے سے بات کی تو گستاخی پر اُتر آیا، بڑا ضدی اور پاگل قسم کا آدمی ہے، لگتا ہے کہ اُس کا دماغ خراب ہے۔ **احقر**: خان بادشاہ نے اپنی کتاب ''التنقید الجوھری'' میں لکھا ہے کہ ''مدین سے قاری عبدالحلیم صاحب (جو 14 سال مدرسہ تجوید القرآن گکھڑ میں رہ چکے تھے،) میرے پاس آئے اور یہ بات بتائی کہ مولانا سرفراز پہلے کہتے تھے کہ مردے نہیں سُنتے، اب انہوں نے ''سماع الموتیٰ'' لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مردے سنتے ہیں'' کیا یہ بات درست ہے؟ **حضرت شیخ**: (حضرت نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا) لاحول ولاقوۃ الا باللہ، میں پہلے بھی سماع الموتیٰ کا قائل تھا، اب بھی ہوں۔ **احقر**: جب آپ مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے پاس پڑھتے تھے اُس وقت بھی آپ سماع الموتیٰ کے قائل تھے؟ **حضرت شیخ**: جی، میں اُس وقت بھی قائل تھا۔ **احقر**: یزید کے بارے میں مولانا قاضی مظہر حسین نے لکھا ہے کہ ''وہ فاسق تھا'' یہ نظریہ کیسا ہے؟ **حضرت شیخ**: بالکل درست اور جمہور کے مسلک کے مطابق ہے، ہمارا بھی وہی نظریہ ہے جو قاضی صاحب کا ہے۔ **احقر**: مولانا خان بادشاہ نے آپ کے خلاف کئی کتب لکھی ہیں کیا وہ آپ تک پہنچی ہیں؟ **حضرت شیخ**: نہیں! **احقر**: وہ کتب جواب کے لیے کس کو پہنچاؤں؟ **حضرت شیخ**: میرے شاگرد مولانا حبیب اللہ ڈیروی صاحب کو پہنچا دیں۔

بندہ نے حضرت ڈیروی رحمہ اللہ کو کتب پہنچا دیں، اُنہوں نے کام بھی شروع کیا مگر زندگی نے وفا نہ کی، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ کسی اور کو اس کام کے لیے جلد از جلد منتخب فرمالے۔

ایک بار نصرۃ العلوم میں ختم بخاری شریف کے موقع پر فرمایا کہ ''بندہ نے تقریباً 70 سال تدریس کی ہے، اب بھی ایک حرف کا ترجمہ بھی کروں تو دیکھتا ہوں کہ اکابر نے کیا لکھا ہے، میرے عزیز طلبہ! جو اکابر نے لکھا اس پر سر جھکا دینا۔

چکوال، تلہ گنگ وغیرہ سے جب بھی کوئی ساتھی حاضر ہوتا تو حضرت قاضی صاحب کا حال ضرور دریافت فرماتے، ایک دفعہ حج پر تشریف لے گئے تو واپسی پر فرمایا کہ میں بیت اللہ کے سامنے رو رو کر قاضی صاحب اور صوفی کے لیے دعائیں کرتا رہا کہ ''یا اللہ! مجھ سے تو کچھ نہ ہو سکا، یہ لوگ دین کے صحیح خادم ہیں، ان کو صحت دے اور لمبی زندگی سے نواز دے'' لیکن خدا کی قدرت شیخ کی دعا ان کے اپنے حق میں زیادہ قبول ہوئی اور حضرت قاضی صاحب اور صوفی صاحب رحمہما اللہ ان سے پہلے عالم بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو حضرت کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تا دمِ آخر مسلک حقہ پر کاربند رہنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین، یارب العالمین، بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

حافظ تنویر الحسن

امام اہل سنت......میرے لیے ہدایت کا سبب

5 مئی 2009 کی صبح علم وعمل کا آفتاب وماہتاب، امام اہل السنۃ، شیخ المحد ثین ہزاروں شاگردوں اور اپنی حقیقی اولاد کو سوگوار چھوڑ کر عالمِ بقا کا رختِ سفر باندھ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

امام اہل سنت، شیخ المحد ثین، فخرِ دیوبند، قافلہ حسینی کے سپاہی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ وجسدہ موجودہ دور میں سب سے بڑی علمی شخصیت تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ اور ہر علم میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ علم تفسیر ہو یا اصول تفسیر، علمِ حدیث ہو یا اصولِ حدیث، علم اسماء الرجال، علم فقہ واصولِ فقہ،، مذاہب باطلہ وادیانِ باطلہ کا رد، علمِ تصوف ہو یا علمِ شریعت، دنیا کے تمام علوم سے اللہ نے نوازا تھا۔ یہاں علمی حوالے سے بات نہیں کرنی بلکہ چند اہم واقعات جو بندہ کے ساتھ پیش آئے بالخصوص وہ واقعہ جو بندہ گناہگار کی ہدایت کا سبب بنا سپردِ قلم کرتا ہوں۔

مختصراً عرض کردوں کہ بندہ نے حفظِ قرآن وتجوید ''اشاعتِ التوحید السنۃ'' (پنجپری گروہ) سے منسلکہ مدرسہ سے کیا۔ اور ظاہر ہے جو بات بچپن میں سنی ہو وہ ذہن میں گھر کر جاتی ہے تو بندہ بھی باوجود اس کے کہ ثانیہ کا طالبعلم تھا مگر آقا علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کا انکار معمولی بات سمجھتا تھا۔ احقر جامعہ ''حق چار یار رضی اللہ'' ڈڈیال میں درجہ ثانیہ کا طالب علم تھا۔ وہاں کے مدرس مولانا محمد علی بونیری صاحب نے مکمل درسِ نظامی کی کتب حضرت الشیخ رحمہ اللہ سے پڑھیں، اور بیعت کا تعلق بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ سے تھا۔ ایک دن احقر کو فرمایا کہ چل تجھے حضرت کے پاس لے چلوں! بادلِ نخواستہ استاذ محترم کا حکم ماننا پڑا اور تھکے دل سے ہاں کر دی مگر دل میں نفرت موجود تھی (معاذ اللہ) گوجرانوالہ پہنچے وہاں ''مدرسہ احسان القرآن'' کے مہتمم قاری ضیاء الحق صاحب کے ساتھ گکھڑ بیت الشیخ رحمہ اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جوں جوں گاڑی چل رہی تھی دل میں نفرت بھڑک رہی تھی۔ جامع مسجد اہل السنۃ والجماعۃ گکھڑ میں نمازِ عصر ادا کی اور بیت الشیخ رحمہ اللہ روانہ ہوئے۔ وہاں حضرت کے صاحبزادے مولانا حماد الزہراوی صاحب جو خدمت شیخ پہ مقرر تھے سے ملاقات ہوئی اور نمبر آنے پر بیٹھک میں چلے گئے۔ حضرت شیخ نے سب سے فرداً فرداً مصافحہ کیا اور حال احوال پوچھا، میں بھی لٹکا ہوا منہ لیکر ایک سائیڈ پہ بیٹھ گیا، حضرت نے میری طرف بالکل توجہ نہ دی، حالانکہ باقی احباب سے باتیں کرتے رہے (۲۰۰۲ء شعبان تھا اور حضرت کی صحت قدرے بہتر تھی کبھی کبھی سبق پڑھانے بھی تشریف لاتے تھے) جب سب احباب اجازت لے کر وہاں سے اٹھے تو میرے اوپر قیامت ٹوٹ گئی، حضرت کے ایک

جملے نے دنیا بدل ڈالی، ذہن پہ سوار بھوت اتر گیا، اور اندھیرے سے نکل کر روشنی کی طرف سفر شروع ہوا، یوں کہ شیخ رحمہ اللہ نے دورانِ وداعی مصافحہ فرمایا ''اپنا دل صاف کرو!'' کمرے سے باہر نکلتے ہی استاد جی نے مجھے فرمایا کہ شیخ رحمہ اللہ کے ان جملوں پہ غور کیا ہے؟ اب اپنے دل سے گندگی نکال دو! اکابر کی دشمنی کا بت توڑ دو! غلط عقیدے کو چھوڑ کر اجتماعی عقیدے کے پابند ہو جاؤ! یہ جملے اور ان کی وضاحت سنی تھی کہ میں نے مولانا محمد علی بونیری صاحب کو کہا مجھے شیخ رحمہ اللہ کے پاس لے چلو! توبہ کا دروازہ کھلا ہے مبادا یہ بند ہو جائے، توبہ کروا دو، ہم دوبارہ لوٹے حضرت شیخ دیکھ کر ہنس پڑے، مصافحہ کیا اور فرمایا ''اکابر پر اعتماد کرو اکابر کا دامن تھام کر رکھو، اکابر کے طریقے کو چھوڑو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔'' آج میں سوچتا ہوں، وہ کتنا عجیب دن تھا؟ اللہ نے مجھے توبہ کی توفیق دی اور میری زندگی کا دھارا بدل دیا، میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کرامت ہے۔ وہ مولانا محمد علی بونیری صاحب، اور قاری ضیاء الحق صاحب سے میری آخری ملاقات تھی۔ اللہ نے ان کی وساطت سے مجھے درِ شیخ پہ لے کر جانا تھا میری اصلاح اور تصحیح عقائد کا بندوبست کرنا تھا۔ میرے اللہ کا کرم ہے کہ اس دن کے بعد الحمدللہ اکابرین علماء دیوبند اور مسلک اہل السنۃ الجماعۃ کے متفقہ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قائل ہوں۔ اور اسی کو اپنی نجات کا ذریعہ وسبب سمجھتا ہوں۔

مجھے راہ ھدایت کے وہ راہبر یاد آتے ہیں　　کرم سے جن کے منزل تک رسائی ہوگئی تنویر

دوسرا واقعہ : مئی 2008 میں سنی نوجوانوں کی تنظیم مسلم سٹوڈنٹس آرگنائیزیشن کا صوبائی کنونشن گکھڑ میں منعقد ہوا۔ دوروزہ کنونشن کے دوسرے دن جمعۃ المبارک تھا اور جمعہ سے قبل دعا ہوئی۔ نمازِ جمعہ مرکزی جامع مسجد اہل السنۃ والجماعۃ گکھڑ میں ادا کی۔ بعد از جمعہ شیخ زادہ مولانا حماد الزاہراوی صاحب حفظہ اللہ سے ملے میرے ساتھ تقریباً لاہور سے 16 احباب تھے۔ شیخ زادہ صاحب نے مسجد میں ہی تواضع کی اور تقریباً پون گھنٹہ مختلف حوالوں سے گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ ہم نے گزارش کی حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ تو صاحبزادہ صاحب ہمیں لے گھر روانہ ہوئے، حضرت آرام فرما تھے، صاحبزادہ صاحب حضرت کی چارپائی کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو حضرت گویا ہوئے میرے بیٹوں کو اندر بلاؤ۔ ہم بیٹھک میں حاضر ہوئے۔ شیخ زادہ حماد الزاہراوی صاحب نے تعارف کروایا۔ حضرت نے تنظیم کے حوالے سے معلومات دیں اسی دوران یکسر حضرت نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی جو تھوڑے سے الفاظ سنائی دیے نقل کرتا ہوں۔ ''یا اللہ یہ نوجوان تیرے دین کے تحفظ، ختم نبوت ﷺ کے تحفظ اور عشقِ صحابہ رضی اللہ کا وعدہ کیے ہوئے ہیں ان کی مدد فرما۔'' بعد میں احباب نے اجازتِ حدیث شریف کے لیے گزارش کی اور حضرت نے بعد از فراغت اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔ میں سوچتا ہوں میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے اللہ نے ہدایت نصیب فرمائی تو شیخ کے قدموں کی برکت سے۔ اور انشاء اللہ شیخ کی دعاؤں کی برکت سے مشن تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ کے لیے تاحیات کوشاں رہوں گا۔ اب میرے شیخ تو نہیں ہیں مگر ان کی دعاؤں کے سہارے زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جنت میں بھی شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کا ساتھ نصیب فرمادے۔ آمین۔

مولانا زاہد حسین رشیدی

شیخ کے ساتھ محبت وتعلق کا اولین حق

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر رحمہ اللہ کے حادثۂ وفات (5 مئی 2009) کے بعد ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر تسلسل کے ساتھ لکھا جا رہا ہے۔ ماہنامہ ''الشریعہ'' گوجرانوالہ اور مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کی طرف سے خصوصی اشاعتوں کا اہتمام بھی کیا گیا ہے یقیناً حضرت موصوف علیہ الرحمۃ کے اعزہ واقارب، تلامذہ اور عقیدت مند ہر دو اشاعتوں میں آنجناب رحمہ اللہ کی ہمہ جہت شخصیت سے پورا فائدہ اٹھائیں گے اور آپ کی پون صدی پر مشتمل علمی، دینی، مسلکی جدوجہد کو ریکارڈ میں محفوظ کر کے بعد والوں کی راہنمائی کے لیے ایک ذخیرہ تیار کریں گے۔

بلا شبہ ایسا ہی ہونا چاہیے اور یقیناً حضرت شیخ رحمہ اللہ کی حیاتِ مستعار اسی لائق ہے کہ اسے مشعلِ راہ بنایا جائے۔

تاہم ایسی شخصیت کی رحلت کے بعد عموماً شدتِ جذبات اور گہرے صدمے کی بنیاد پر ایسے تأثرات درج کر دیے جاتے ہیں جن کی وجہ سے قاری پر مایوسی کی فضا طاری ہو جاتی ہے اسے امت کی ناؤ صاف ڈوبتی محسوس ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جانے والوں کی دینی کاوشوں کو خراجِ تحسین پیش کیا جائے ان کی پر سعی زندگی سے راہنمائی کے پہلو تلاش کیے جائیں اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا و آخرت کو سنوارا جائے۔

کیونکہ ایسے بابرکت لوگ احمد ندیم قاسمی کے اس تخیل کا حقیقی مصداق ہوتے ہیں ؎

زندگی شمع کی مانند جلاتا ہوں ندیم　　　بجھ تو جاؤں گا مگر صبح تو کر جاؤں گا

میرے مدعیٰ کی وضاحت سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ سے بخوبی ہو رہی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم ومن ینقلب علیٰ عقبیه فلن یضر الله شیأ وسیجزی الله الشٰکرین☆

اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول پر اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو (ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اسی افراتفری میں ابنِ قیمہ نے ایک بھاری پتھر نبیٔ کریم ﷺ پر پھینکا جس سے دندانِ مبارک شہید اور چہرۂ انور زخمی ہوا۔ ابنِ قیمہ نے چاہا کہ آپ کو قتل کرے مگر مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے (جن کی ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا) نے مدافعت کی نبیٔ کریم ﷺ زخم کی شدت سے زمین پر گر پڑے۔ کسی شیطان نے آواز لگا دی کہ آپ ﷺ قتل کر دیے گئے یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہو گئے اور پاؤں اکھڑ گئے۔ بعض مسلمان ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ بعض ضعفاء کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کرلیں۔ بعض منافقین کہنے لگے جب محمد قتل کر دیے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلے جانا چاہیے۔ اس وقت انس بن مالک کے چچا انس بن النضر نے کہا اگر محمد مقتول ہو گئے تو ربِ محمد تو مقتول نہیں ہوا۔ حضور ﷺ کے بعد تمہارا زندہ رہنا کس کام کا ہے جس چیز پر آپ نے جان دے دی ہے اسی پر تم بھی جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے حملہ کیا لڑے اور مارے گئے (رضی اللہ عنہ)۔

وما محمد الا رسول الخ یعنی محمد بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے کتنے ہی رسول گذر چکے۔ جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے قائم رکھا آپ ﷺ کا دنیا سے گذرنا بھی کوئی اچنبھا نہیں۔ اس وقت نہ صحیح اگر کسی وقت آپ کی وفات ہو گئی تو کیا تم دین کی خدمت وحفاظت کے راستے سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو گے یا منافقین کے موافق (العیاذ باللہ) میرے سے دین کو خیر باد کہہ دو گے تم سے ایسی امید ہرگز نہیں۔

حاصلِ کلام اور سو باتوں کی ایک بات یہی ہے کہ سالارِ قافلہ کی رحلت کے بعد شرکائے قافلہ کو انہی کے طے کردہ راستے پر اپنا سفر جاری رکھنا چاہیے۔ ان کے مزاج و مذاق کا لحاظ رکھنا چاہیے اور اس سے سرمو انحراف نہ کرنا چاہیے۔ یقیناً ان کے ساتھ محبت و تعلق کا اولین حق یہی ہے۔ ؎

جو حق کے ساتھ رہے حشر خیز طوفان میں سلامتی پہ ہے اس کی دلیل کشتیٔ نوح

(عزیز فیضانی)

لطیف الرحمٰن

قافلۂ حسین علی کا بوڑھا جرنیل

مؤرخہ 5 مئی 2009 بروز منگل اچانک اس اندوہناک بلکہ کربناک خبر نے دل کو چیر کر رکھ دیا کہ اہل السنۃ کے امام، قافلۂ حسین علی کے آخری چراغ، بزمِ حسین احمد کا مہکتا پھول، طبقہ علماء کے سرخیل، مدنی عزم واستقلال کے مالک، افغانی علوم کے وارث، بلیاوی ذخار کے جانشین، مسند علم کے شہ نشین، حسینی معارف کی پہچان، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا علامہ ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے، اس ہولناک خبر نے دل پر ایسی بجلیاں گرائیں کہ میں جہانِ ہوش وحواس سے باہر جا گرا، دل چیخ چیخ کر اس دلدوز اور روح فرسا خبر کی تکذیب کر رہا تھا، مگر یہ سانحہ واقعی پیش آ چکا تھا۔

وہ شخصیت آج ہم میں نہیں تھی جس پر امت کے مایہ ناز لوگوں کو ناز تھا، جو دین حق کا شاہباز تھا، جس نے اپنے شیخین حسینین (حضرت شیخ حسین احمد مدنی، حضرت شیخ حسین علی رحمہما اللہ) کی نسبت کی لاج رکھتے ہوئے دین اسلام، مذہب احناف، مسلک دیو بند اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ونظریات کا ایسا دفاع کیا کہ اہل باطل کی صفیں الٹ دیں ایوانِ غیر مقلدیت کی بلند وبالا عمارات زمین بوس ہو کر رہ گئیں، مماتیت کے خرمن میں آگ لگ گئی، شیعیت چیخ اُٹھی، قادیانیت کی ہڈیاں تڑخنے لگیں، مودودیت کو مکروہ چہرہ چھپانے کی جگہ نہ مل سکی، منکرین حدیث پر زمین تنگ ہوگئی، بریلویت کی اصلیت طشت از بام ہوتی دکھائی دینے لگی، عیسائیت کی حقیقت وا ہوتی نظر آئی، پرویزیت پر مخلوق خدا لعنت بھیجنے لگی، خارجیت کے پرخچے اُڑ گئے، غرضیکہ دلائل کی دنیا میں ہر فتنے پر ایسے تابڑ توڑ حملے ہوئے کہ کسی کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی، حتیٰ کہ ہر ایک کے تابوت میں آخری کیلیں ٹھونکی جانے لگیں۔ پھر دنیا نے حق کی شاندار فتح کا روح پرور اور باطل کی عبرتناک وذلت ناک شکست کا تاریخی منظر دیکھا۔

یہ سب اسی شیخ صفدر کے باطل شکن قلم کی بدولت ممکن ہوا، جس نے اپنے علم وفضل اور تحقیق وتالیف کا لوہا ہر میدان میں منوایا، کہ دوست ودشمن سب نے قابلیت تسلیم کی، اور قبولیت تو رب نے جنازے پر

دکھادی کہ اسلام کے اس بوڑھے جرنیل کو رخصت کرنے چار لاکھ فرزندانِ اسلام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر امڈ آیا۔

اعدائے اسلام کی نیندیں حرام کرنے والا آج خود ابدی نیند سو چکا تھا، دنیائے کفر کو تگنی کا ناچ نچانے والا آج ملائکہ کے جھرمٹ میں پر سکون سفر طے کر رہا تھا، دین اسلام کی خاطر تمام تر راحتیں اور آسائشیں قربان کر دینے والا ہمہ قسم کی مصیبتوں اور خطرات کو ہنس کر گلے لگانے والا آج انعام پانے پہنچ چکا تھا۔

یقیناً وہ بوڑھا جرنیل ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہا ہوگا، اور اس کے لیے ان نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہی چلا جائیگا، کیونکہ وہ اپنی کتب، تلامذہ، دروس اور قابل فخر اولاد وغیرہ کی صورت میں بے شمار صدقات جاریہ چھوڑ گئے ہیں، جو ان شاء اللہ تا قیامت پھلتے پھولتے رہیں گے، خدا تعالیٰ ہمیں ان کے علوم وفیوض سے مستفید ہونے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

غلط نظریات پر گرفت

مری میں حاجی محمد شعیب صاحب کے گھر وفاق المدارس کی میٹنگ تھی، حضرت امام اہل السنۃ اس سلسلہ میں مری گئے ہوئے تھے۔

مولانا محمد نواز بلوچ فرماتے ہیں کہ وہاں کسی نے اطلاع دی کہ یہاں فکری رہتے ہیں اور اپنے مشن کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اپنا تعلق نصرۃ العلوم سے بتاتے ہیں۔ ہم نے مشورہ کیا کہ ان کو بلوا لیا جائے اور حضرت الشیخ سے ملاقات کروائی جائے، حضرت نے دوران ملاقات ان حضرات سے پوچھا بھئی نصرۃ العلوم کو کیوں بدنام کرتے ہو انہوں کہا ہم وہاں پڑھے ہیں اور نصرۃ العلوم کے ایک استاد کا نام لیا کہ انہوں نے ہماری ذہن سازی کی ہے اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا فکری گمراہ لوگ ہیں اگر کوئی استاد ایسا کرتا ہے تو اسکا اپنا فعل ہے ہمارا نظریہ اور موقف وہی ہے جو بتا دیا ہے۔

(ماہنامہ ھدی للناس گوجرانوالہ)

مولانا شفیق احمد سلیم

حیاتِ مستعار کے چند واقعات

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ ایک باکمال انسان تھے، عمدہ صفات اور خوبیاں اپنی پوری آن بان اور سج دھج کے ساتھ ان کے دامن سے وابستہ تھیں۔ لاتعداد ان سے خیر کے چشمے پھوٹے اپنی باقیات الصالحات میں جہاں نیک صالح چھوڑی خوبصورت اور اچھے اچھے طور طریقے چھوڑے اور تدریسی، تبلیغی اور تصنیفی صورت میں علم چھوڑا اور ہاں اس دنیائے رنگ و بو سے جاتے جاتے نوحہ کناں ایک امت کو چھوڑا۔ ہائے اب ؎

پکارتی ہیں فرصتیں کہاں گئیں وہ صحبتیں
زمین نگل گئی انہیں کہ آسماں کھا گیا

بااخلاص صلاح وتقویٰ کا حامل، مجسم علم وعمل، بلاخوف لومۃ لائم دین حق کی صحیح خدمت کرنے والا اور اپنے تئیں اس کا حق ادا کرنے والا اب ہم میں نہیں رہا۔ انا للہ الیہ راجعون ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ و کل عندہ باجل مسمیٰ۔

حضرۃ الاستاذ رحمہ اللہ اپنی جامعیت، گوناگوں اور تنوع کمالات کے باعث اپنے دور کے ایک عبقری انسان تھے جن کی زندگی کے تمام گوشوں سے پردہ اٹھانا اور ان کے حالات سے مکمل آگاہی اور قلم و قرطاس کے ذریعہ سے حضرت ممدوح کے تمام حالات سے دوسروں کو روشناس کرانا ممکن ہی نہیں۔ ارے جس محبوب کو حسن و جمال انتہائی وفور کے ساتھ ہو اور اس کا بحر حسن متلاطم ہو اور وہاں سے جلووں کے طوفان اٹھ اٹھ آتے ہوں اور خوبیاں اس افراط کے ساتھ ہوں کہ اسے حاجت مشاطہ بھی نہ ہو اور پھر گلستان اور بزم چمن کے زمزمے ان کے دم سے وابستہ بھی ہوں تو ایسا شناورِ بحر حسن ہے جو اسے پاٹ سکے اور کون ایسا غواص اور غوطہ زن ہے جو بحر حسن کی گہرائی تک آنے کا حوصلہ رکھتا ہو اور کون ایسا گل چین ہے جو ایسے گلستان سے اس طرح کے پھول اس طرح کے پھول توڑ سکے جو اپنے اندر پوری بہار رکھتے ہوں کیا ہوا جو اگر کسی قلم و قرطاس کے دھنی نے حضرۃ الاستاذ کی زندگی کے چند شگوفوں کو آشکارا کیا ہو، چند شگوفے کھلا دیئے ہوں اور

چند کلیوں سے کاغذ وقرطاس کے صفحات رنگین کر دیئے ہوں۔ کیا ایسے کہا جا سکتا ہے کہ الشیخ مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ یہی کچھ تھے؟ نہیں اور ہرگز نہیں

اگر کسی عاشق نا ہنجار کی درونِ دل کی سوزش سے اگر آنکھوں سے آنسوؤں کی چند بوندیں ٹپک پڑیں تو کیا اس کو محبوب پر شبنم کی بارش کا نام دیا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی ستم ظریف کسی کنجِ قفس میں چند پھول کلیوں کو قرینے سے بچھا دے تو اس سے دوسروں پر یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ اسے آشیاں کہیں! اور کیا رخِ جاناں سے نقاب کا اٹھانا بس یہی ہے؟ حضرت کیفی مرحوم فرماتے ہیں۔

تشبیہ تجھے دیں گل تر سے
خوشبو تری اور دامن اغیار سے آئے

بس بزم صفدر میں شریک ہونے کے ناطے سے یہ راقم آثم، مجمع الکمالات حضرت الاستاذؒ کی زندگی کے چند واقعات ہی پیش کر سکتا ہے جن سے اجمالاً اس کا اندازہ ہو ہی جائے گا کہ یہ ہشت پہلو شخصیت کس قدر علوم ومرتبت کی حامل تھی۔

﴿۱﴾

اسلاف سے متعلق سنتے اور پڑھتے آئے ہیں کہ حصول علم کے لئے جہاں انہوں نے اپنی زندگی کا ایک معتد بہ حصہ صرف کیا بلکہ مرتے دم تک عملاً طالب علم ہی بن کر رہے وہاں ان کی دیدہ کا جہاں بھی بڑا وسیع تر ہے۔ اسلامی قلمرو میں جہاں جہاں مرکز علم وآگہی کی اطلاع ملی اور جس کسی رجل شدید کا کھوج لگا کشاں کشاں وہاں پہنچے۔ ہمارے حضرت الاستاذ نے بھی انتہائی کسم پرسی کے عالم میں حصول علم کے لئے دور وقریب کے بہت سے شہروں اور علاقوں کا سفر کیا۔ مثلاً لمبی، بٹل ضلع مانسہرہ، مانسہرہ، کوئٹہ، ہری پور ہزارہ، لاہور، گوجرانوالہ، انہی ضلع منڈی بہاؤالدین، خانپور کٹورہ، واں بچھراں ضلع میانوالی، اجمیر شریف اور دیوبند وغیرہ کی خاک چھانی اور کسب فیض کیا۔

رحاب علم اور جولانگاہِ شہسواران علم سے مدتوں جتنا کچھ اور جو کچھ ملا اسے گرہیں لگا لگا کر اور بہزار سامانِ حفاظت سنبھال سنبھال کر رکھا کہ ''داشتہ بکار آید''۔

مجھ کو مے سے بڑی محبت ہے
میں بصد احترام پیتا ہوں

اوراس جمع پونجی سے سلطنت علم کو کتنی وسعت ملی اس کا صحیح اندازہ اہل علم کو ہی ہے کہ جن کی بدولت آپ کو امام اہل سنت، شیخ التفسیر، شیخ القرآن، شیخ الحدیث اور آبروئے دیوبند تک کہا گیا۔اور میں شاعرانہ زبان سے بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ

زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی
ہائے کیا لوگ تھے جو دام اجل میں آئے

علم اور علم سے دلیل مہر و وفا اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اپنی حیات مستعار کے آخری سالوں میں جب اسفار تو بہت دور کی بات ہے گھر میں چلنا پھرنا بھی نہ تھا مگر زیارت وملاقات کے لئے آنے والے اہل علم سے مسائل پر گفتگو فرماتے اگر کسی مسئلہ میں خود کو کوئی الجھن ہوتی تو اپنی تسلی اور تشفی کے لئے اپنے سے بہر صورت چھوٹوں سے بھی استفسار سے عار نہ تھی۔زندگی کے انہیں آخری دنوں میں اہم کتب کی فراہمی اور دستیابی کے لئے بھی کوشاں رہے ایسے میں اس دنیا دوں سے جاتے جاتے بھی اپنے متعلقین اور امت کو بھی کیا سبق پڑھا گئے۔

گل ریز میری نالہ کشی سے ہے شاخ شاخ

﴿۲﴾

جامع مسجد نور گوجرانوالہ میں مدرسہ نصرۃ العلوم نام کا ایک چھوٹا سا ادارہ حضرت سواتیؒ نے قائم فرمایا تھا لیکن اس کے جامعہ بننے میں حضرت الاستاذ کی انتھک محنتوں اور کاوشوں کا بڑا دخل ہے۔گکھڑ منڈی سے روزانہ بروقت حاضری ہوتی اور ناغہ کا تو تصور ہی نہ تھا۔صاحبزادہ محترم عزیز الرحمان خان شاہد زید مجدہ فرماتے ہیں کہ ''ایک سام جب احقر تقریباً چودہ سبق تھے دیر تک مطالعہ کی وجہ سے صبح فجر کی نماز کے وقت تاخیر ہوگئی۔والد محترم سے ڈانٹ پڑی، عذر پیش کیا کہ رات شرح تہذیب کا مطالعہ ذرا دشوار تھا اس لئے بے ترتیبی ہوگئی۔فرمانے لگے جب میں صحت مند تھا مدرسہ نصرۃ العلوم میں تیس تک اسباق پڑھاتا تھا اور سب سے چھوٹا سبق شرح تہذیب ہوتا تھا۔'' یوں گلشن علم کا یہ نونہال (نصرۃ العلوم) نوخیز پودا سے ایک شجر سایہ دار بنا اور بارآور ہوا اور جامعہ قرار پایا اور ملک وملت کے بڑے جامعات میں شمار ہونے لگا ۔

ہم سے پہلے زمینِ شہرِ وفا
خاک تھی کیمیا ہمیں سے ہوئی

﴿۳﴾

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بہت سوں کو بہت کچھ سے نوازااور اللہ تعالیٰ ہی کے فضل بے پایاں سے ان اعیان واشخاص نے حق بندگی بھی ادا کیااور خوب ادا کیالیکن کچھ حضرات اختصاصات کے حامل ہوتے ہیں اور ایسا ہوتا آرہاہے اور آئندہ بھی ہوگا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''اللہ یجتبی الیه من یشاء ویهدی الیه من ینیب'' اور ایسے ہی ایک مشہور جملہ ہے ''گرفرق مراتب نہ کنی زندیقی'' بھی اسی مفہوم کوادا کرتا ہے۔ ہمارے حضرت الاستاذؒ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم کا معاملہ تھا۔ جوعنایات الٰہی کا خاص مورد تھے۔علم بے شمار اشخاص کے مقدر ہوااور بلاشبہ ان سے اشاعت علم بھی ہوئی اور اب بھی ایسا ہورہاہے اور انشاء اللہ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہے تا دیر ایسا ہوتا ہی رہیگا لیکن جس شان اور آن بان کے ساتھ اشاعت علم حضرت الاستاذؒ سے ہوئی ایسوں کے لئے تو انگلیوں کی مقدار بھی زیادہ ہے۔اور ''وقلیل من عبادی الشکور'' اپنے خاص الخاص معنیٰ میں ان ہی پر صادق آتا ہے۔تحصیل علم کا حال اجمالی طور پر تو ابھی پڑھ آئے کہ کس کس در کی خاک چھانی اور علمی کاسہ گدائی کہاں کہاں لئے پھرے اور متاعِ علم بانٹنے والوں کو عطاء ونوال میں بھی بخل تو دور کی بات تھی کسی درجے کی ہچکچاہٹ تھی اور نہ ہی اس فقیر کا کاسہ علم تنگ دامنی کا شکار ہوا ۔

ہے رگِ گل صبح کے اشکوں سے موتی کی لڑی
کوئی سورج کی کرن شبنم میں الجھی ہوئی

اور جہاں تک اشاعت علم کی بات ہے تو اس کی جو صورت جیسے کیسے بن پڑی دریغ نہیں کیا نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط پڑھانے کا زمانہ ہے اور حیرت افزا بات یہ ہے کہ صرف الجامع الصحیح للامام بخاری ۱۹۶۰ءسے ۲۰۰۱ءتک پورے چالیس سال پڑھائی ذالک فضل اللہ یوتیه من یشاء اور اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے بے شمار فتاویٰ جاری کیئے، زبانی مسائل کے بتانے کی بھی کیا شمار اور گکھڑ منڈی کی جامع مسجد میں ہفتہ واری جمعہ کے بیان وخطاب کے علاوہ وہاں اسی مسجد میں درس قرآن! دور قریب کی علاقوں میں بے شمار خطابات و تقریروں سے بھی عوام وخواص کو نوازااور ہدایت کے راستے دکھائے اور ایسے ہی گکھڑ منڈی میں زیر تربیت اساتذہ کے لئے عرصہ دراز سے ایک کالج قائم ہے جسے اب گورنمنٹ ایلیمنٹری کالج آف دی ٹیچرز کا نام دیا گیا ہے میں بھی مسلسل ومتواتر درس دیا اس کا قدرے تفصیلی حال صاحبزادہ مکرم مولانا عبدالحق خان بشیر

زید مجدہٗ سے سنیے فرماتے ہیں کہ ''اس کالج میں زیر تربیت اساتذہ کے لئے ۱۹۴۳ء میں درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا آپ کے عالمانہ اور محققانہ طرز کی بدولت اس درس کی خوب کی شہرت ہوئی اس درس کے حوالے سے ابتداء میں صرف دس روپے ملتے تھے پھر پچاس روپے ہوئے اس سے زیادہ نہیں ہوئے اور آخری سالوں میں ایک پرنسپل صاحب کی ذاتی دلچسپی اور خصوصی عنایت کی بدولت یہ بھی بند ہوگئے پھر کئی سال تک مفت درس ہوتا رہا جب گھٹنوں کی تکلیف شروع ہوئی تو درس موقوف ہوا۔ اور یہ درس قرآن کریم بھی (درس بخاری شریف کی طرح) چالیس سال تک ہوتا رہا۔ چلتے چلتے یہ بھی سنتے چلیں کہ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ملتان جیل میں اپنے صاحبزادہ مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب کو ترجمۃ القرآن الکریم، مؤطا امام مالک، حجۃ اللہ البالغہ اور ہدایہ وغیرہ کتب پڑھاتے رہے'' (ملخص) مگر اب چمن علم سونا پڑ گیا، گلستان علم مرجھا گیا، مسند تدریس اجڑ گئی، عندلیب بہار علم چپ ہوگئی اور مہر سکوت لگ گئی اور ردائے ہزار رنگ اس قدر چاک ہوئی کہ رفو تو کیا پیوند لگانے کے بھی کوئی مشکل بنتی نظر نہیں آتی۔ حضرت غالبؔ فرماتے ہیں ''کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوار چمن''

باغ باقی ہے باغباں نہ رہا ۔۔۔ اپنے پھولوں کا پاسباں نہ رہا
کارواں تو رواں رہے گا مگر ۔۔۔ ہائے وہ میر کارواں نہ رہا

﴿۴﴾

علماء حق اور جرت وشجاعت دونوں لازم وملزوم ہیں۔ روباہی مزاج، کاسہ لیسی اور چاپلوسی کی یہاں جگہ نہیں ہے۔ علماء دیوبند کثر اللہ سوادھم کی دینی، ملی تاریخ جرأت، شجاعت، ہمت اور بہادری سے عبارت ہے جس سے بیگانے بھی صرف واقف ہی نہیں بلکہ معترف ہیں۔ الفضل ما شھدت بہ الاعداء۔

صرف ایک مثال عرض کئے دیتے ہیں پھر حضرت الاستاذؒ کی حیات مستعار سے ''آئین جواں مرداں'' کا ہی ایک واقعہ ذکر کر کے ان سطور کو سمیٹ دونگا۔

خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ الکشمیری نور اللہ مرقدہٗ طبعاً بڑے حلیم اور بردبار تھے لیکن دینی معاملات میں کسی طرح کے تساہل یا غفلت شعاری کو گوارہ نہ فرماتے۔ مقدمۂ بہاولپور میں مرزائی وکیل ایک دفعہ کہنے لگا کہ ''فلاں بزگ'' مرزا غلام احمد قادیانی (علیہ ماعلیہ) کو کافر نہیں کہتے آپ نے فرمایا ''نہ کہتے ہونگے اس سے کیا فرق پڑتا ہے'' مرزایہ وکیل نے اس بات کی تکرار کی کہ ''آں بزگ'' سے نواب بہاولپور کا روحانی تعلق

تھامرزائی وکیل چاہتا تھا کہ شاہ صاحب کوئی سخت بات کہیں جس سے مقدمہ پر کوئی اثر پڑے۔حضرت شاہ صاحب سمجھ گئے تھے اس لئے نرمی سے کیا کہتے رہے کہ ’’اس سے کیا فرق پڑتا ہے‘‘ جب اس مرزائی وکیل نے تکرار کی تو شاہ صاحب جلال میں آگئے اور تن کر فرمایا

’’اللہ کی جہنم بڑی وسیع ہے اس میں (اس بزگ کا نام لے کر) وہ بھی جاسکتا ہے۔ فبھت الذی کفر مرزائی حیران رہ گیا۔‘‘

واقعات وکرامات ص۲۰۳

ہمارے حضرت الاستاذؒ اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھے اور زندگی کے نشیب وفراز میں اپنے اکابر کے کندھوں سے کندھا ملائے رکھتے تھے یہ نہیں کہ وہ صرف درسگاہ کے بہترین مدرس واستاذ تھے، یا قلم وقرطاس کے حوالہ سے صرف ایک کتابی آدمی تھے اور بلند پایہ علمی تصانیف تک محدود تھے یا منبر ومحراب پر بیٹھ کر علمی نکات پیش کرتے تھے اوران کا کام صرف جویائے علم اورارباب علم ودانش کی علمی، دینی اوردانشی تشنگی دور کرنا اور پیاس بجھانا اور سیرابی کا سامان فراہم کرنا ہی نہ تھا بلکہ ان تمام صفات ومزایا کے باوصف اپنے اکابرواسلاف کی طرح ہمارے حضرت الاستاذؒ میں جرأت، ہمت وشجاعت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ذیل کا واقعہ بطوردلیل کے پیش خدمت ہے۔

مولان محمد فیاض خان سواتی مہتمم جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانولہ تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں جلوس کو رکنے کے لئے فوجی کمانڈر نے ایک لکیر کھینچی کہ جو اسے عبور کرے گا اسے گولی سے اڑ دیا جائے گا آپنے یہ کہتے ہوئے لکیر عبور کر لی کہ

’’میں تریسٹھ سال کی مسنون عمر پوری کر چکا ہوں اور شہادت کی تمنا اور آرزو رکھتا ہوں‘‘

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیبا کی
اللہ کے شہیدوں کو آتی نہیں روباہی

قلم ایں جارسید وبشکست

مولانا احسان اللہ احسان

محافظ سفینۂ امت

پہلی بار حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زیارت کا شرف آج سے 6/7 سال قبل ۱۴۲۳ھ میں حاصل ہوا، حضرت اپنی بیٹھک میں چارپائی پر پاؤں لٹکا کر تشریف فرما تھے، جوں ہی چہرہ پر نظر پڑی بے اختیار میری زبان پر اللہ کا نام آ گیا، النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہی ہستیوں کے بارے فرمایا تھا کہ ان کو دیکھو تو خدا یاد آ جائے۔

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پُتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظلِ رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

ہم مصافحہ کر کے قدموں میں بیٹھ گئے، ملاقاتی سوال پوچھ رہے تھے، حضرت جواب دے رہے تھے، اس وقت طالبان پر امریکہ کے حملے شروع ہوئے تھے، اس حوالے سے کسی نے جنرل مشرف کے بارے سوال کیا کہ اسلام مخالف جنگ میں یہ کفر کا حامی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ''یہ ظالم ہے، جتنا بھی ناحق خون ہوا ہے وہ سارا اس کی گردن پر ہوگا، جو اس کا حمایتی ہے قیامت کے دن وہ بھی اس کے ساتھ ہوگا۔ کسی اور نے سوال کیا کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ ارشاد ہوا یہ دعا پڑھنی چاہیے! "اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذبك من نشرورھم" اور "یا حی یاقیوم برحمتك استغیث" ۔ پھر کسی نے سوال کیا کہ غیر مقلد کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟ فرمایا کسی غیر مقلد اور بریلوی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی کیونکہ نماز بڑی اہم چیز ہے۔ ایک ساتھی نے نصیحت کی گزارش کی تو فرمایا کہ ''پڑھنے پڑھانے سے بہتر کام کوئی نہیں ہے۔'' آخر میں دعا کی درخواست کی آپ نے دعا فرمائی اور ہم وہاں سے نورانیت وروحانیت سمیٹتے رخصت ہوئے۔

جاتے ہوئے ارادہ تھا کہ بیعت بھی ہو جاؤں گا مگر وہاں جا کر ہمت نہیں ہوئی، کئی بار دوبارہ پروگرام بنایا مگر ناکام رہا، ایک بار قائد اہلِ السنۃ، وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ (خلیفہ مُجاز: حضرت مدنی رحمہ اللہ) کی کتاب ''خارجی فتنہ'' پڑھ رہا تھا، اس میں حضرت نے لکھا تھا ''میں نے جیل سے

حضرت مدنی کو خط لکھا اور خط کے ذریعے بیعت ہوا''، چنانچہ میں نے بھی حضرت شیخ رحمہ اللہ کو بیعت کے لیے خط لکھا، حضرت نے درخواست قبول فرمائی اور وظائف بھی لکھ دیئے، یہ پہلا سبق تھا، پھر ایک موقع پر حاضر ہو کر تجدید بیعت کی۔ گزشتہ سال حاضری دی، عرض کیا حضرت! سلسلہ کا دوسرا سبق عنایت فرما دیں! تھوڑی دیر سوچنے کے بعد فرمایا کہ ''قرآن شریف کثرت سے پڑھا کرو!''۔

حضرت شیخ سے آخری ملاقات گزشتہ سال ۱۸ ذوالحج کو استادی شیخ الحدیث محدث ڈیروی، حضرت مولانا علاؤالدین صاحب دامت برکاتہم (فاضل دارالعلوم دیوبند، تلمیذ شیخ مدنی رحمہ اللہ) کے ہمراہ ہوئی، ہم مغرب کے وقت حضرت کے ہاں پہنچے، استاد محترم نے عاجزی کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے فرمایا حضرت! علاؤالدین حاضر ہوا ہے! اللہ، اللہ کیا عجیب منظر تھا، میرے دونوں شیخ آمنے سامنے کبھی ادھر نگاہ اُٹھتی تھی کبھی اُدھر، جی چاہتا تھا کہ کاش! وقت کچھ دیر کے لیے رک جائے اور ہم شیخین کریمین کی پُر سکینہ محفل سے مزید مستفیض ہوں۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حال احوال دریافت فرمانے کے بعد جو گفتگو ہوئی پیش خدمت ہے...... حضرت شیخ رحمہ اللہ: آپ نے دورہ کب کیا تھا؟ ...... استاد مکرم: صحیح تو یاد نہیں اندازاً 1938ء ہوگا...... استاد جی: آپ نے کب دورہ کیا تھا؟ ...... حضرت شیخ: 40/41 میں۔ ...... حضرت شیخ: آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟ ...... استاد مکرم: 1913ء ...... حضرت شیخ رحمہ اللہ: (بڑے تعجب سے) اچھا؟ ...... استاد مکرم: آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟ ...... حضرت شیخ رحمہ اللہ: 1914ء ...... استاد مکرم: ہم تو دعا کرتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہو تو وہ ہماری بقیہ عمر بھی آپ کو عطا فرما دے، کیونکہ کام کے لوگ تو آپ ہی ہیں، ہم تو بے کار لوگ ہیں۔ (یہ الفاظ اس انسان کے ہیں جو آج بھی بخاری شریف پڑھا رہا ہے، اور ڈیرہ اسماعیل خان میں ہر فتنہ کے آگے سد سکندری ہے، لیکن عاجزی اور تواضع کی حد دیکھیے! اپنے آپ کو فرماتے ہیں کہ ہم تو بے کار لوگ ہیں؟ اللہ ہمیں بھی انہیں بزرگوں کی اتباع نصیب کرے اور ان جیسا اخلاص اور عاجزی عطا فرمائے۔ آمین)

استاد مکرم نے اپنے اساتذہ حضرت مدنی، حضرت افغانی وغیرہم رحمہم اللہ کا تذکرہ بڑے درد سے فرمایا، حضرت شیخ، استاد مکرم کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے، آخر میں استاد مکرم نے آبدیدہ ہو کر فرمایا ''خدا جانے پاکستان کا کیا ہونے والا ہے؟ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ ابوالکلام کی پیش گوئی پوری ہوا چاہتی ہے کہ ''پاکستان ٹکڑے ہوگا!'' اللہ کرے ایسا نہ ہو!۔

حضرت شیخ استاد مکرم کی باتیں بڑے غور سے سنتے ہوئے بار بار اپنی شہادت کی انگلی کو مخصوص انداز میں حرکت دے کر استاد جی کی تائید فرما رہے تھے۔

پھر استاد مکرم نے شیخ سے دعاؤں کی درخواست کی شیخ نے دعا فرمائی اور ہم حضرت صوفی صاحب

کی تعزیت کے لیے نصرۃ العلوم روانہ ہوگئے۔

ہمارے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے بعد ہم حضرت سے ملاقات نہیں کرسکیں گے! لیکن قضاء وقدر کو کون ٹال سکتا ہے؟ اجل مسمی اپنے وقت پر آ کے رہتی ہے۔''لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون''

لو کانت الدنیا تدوم لواحد　　　لکان رسول اللہ فیھا مخلدا

اللہ کرے روزِ قیامت ان کی رفاقت میسر ہوجائے اور ان کے ساتھ خدا ہمارا حشر فرمادے۔

احب الصالحین ولست منھم　　　لعل اللہ یرزقنی صلاحاً

اللھم اغفر لہ وارحمہ اکرم نزلہ ووسع مدخلہ...... آمین بجاہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والسلام

☆......☆......☆......☆

مفتی صاحب کو اس فتویٰ سے رجوع کرنا چاہیے!

ایک مرتبہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی، خالہ نے کہا تھا میرے لیے تعویذ لے آنا، گھر میں جھگڑا رہتا ہے، میں نے جب حضرت سے گزارش کی تو فرمایا''بھئی بڑے اچھے لوگ ہیں جھگڑا کرتے ہیں'' حضرت کے پیارے الفاظ کی چاشنی آج بھی محسوس کرتا ہوں، پھر آپ نے تعویذ دیا، تعویذ بند کرنے کا انداز نہایت ہی نرالا تھا۔

ایک ملاقات کے دوران ایک ساتھی نے سوال کیا کہ''مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب (شہید رحمہ اللہ) نے فتویٰ دیا ہے (جو ضربِ مومن میں شہ سرخی سے شائع ہوا تھا) کہ''ہندوستان کے مسلمانوں پر جہاد فرض (عین) ہے!'' آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟'' فوراً فرمایا کہ مفتی صاحب کو اس فتویٰ سے رجوع کرنا چاہیے! ہندوستان میں بڑے بڑے علماء ہیں، وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں۔

جیسے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ اپنے اکابر کے لاڈلے تھے ایسے ہی حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اپنے اکابر کے معتمد تھے، اکابر کا جو اعتماد ان کے حصے میں آیا ان کے ہم عصروں میں شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو، حضرت نے بھی اس اعتماد کی لاج رکھی اور کبھی اکابر کی راہ سے سرمو بھی انحراف گوارا نہ کیا۔ اللہ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

محمد اسلم معاویہ[ڈیرہ اسماعیل خان]

باب 6

تحریری خدمات

تفسیر قرآن کریم، شروحاتِ حدیث، سیرت، تبلیغ و جہاد پر

اور

فرق ضالہ باطلہ کے رد میں

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی...... وقیع تحریری خدمات

''بلاخوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً 1374ھ تک اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطے سے اس کا قائل نہیں رہا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث وفقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصووف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عندالقبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، ''**من ادعیٰ خلافہ فعلیہ البیان ولا یمکنہ ان شاء اللہ تعالیٰ الیٰ یوم البعث والجزاء والمیزان**''[تسکین الصدور 290]

''یقین کیجئے کہ دنیا کے کسی اسلامی کتب خانہ میں کوئی ایسی اسلامی کتاب موجود ہی نہیں ہے جس میں کسی صحابی سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہو کہ فلاں آیت اس بارے میں نازل ہوئی ہے کہ امام کے پیچھے مقتدیوں پر سورۃ فاتحہ کی قرات ضروری ہے، ورنہ نماز باطل اور کالعدم ہوگی.....ایسی کوئی آیت فریق ثانی پیش نہیں کرسکتا جس کا حضرات صحابہ کرام اور تابعین سے صحیح اور متصل سند کے ساتھ شان نزول یہ ثابت ہو چکا ہو کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرات ضروری ہے۔''[احسن الکلام ج2 ص8]

تحریر: مولانا مفتی محمد عیسیٰ گورمانی مدظلہ

آدابِ افتاء

افادات: حضرت امام اہل سنت نور اللہ مرقدہ

الف......﴾ حل طلب سوالات کے جواب میں یہ انداز بہتر نہیں ہے کہ ''اس مذکورہ بالا دلیل سے اس طرح معلوم ہوتا ہے، یہ مستنبط ہوتا ہے اور یہ لازم آتا ہے''۔ بلکہ ضروری ہے کہ در پیش مسئلہ میں مطابقی دلیل کا استقرار کیا جائے۔ تضمنی اور التزامی دلیل پر اکتفا نہ کیا جائے۔

ب......﴾ یہ مسئلہ پیش ہوا ''بیوی نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں، گواہ نہیں ہیں اور شوہر منکر ہیں'' راقم الحروف (محمد عیسیٰ) نے جواب میں لکھا کہ ''ایسی صورت میں مدعیہ پر طلاق واقع ہوگئی، شرعاً وہ اپنے آپ کو مطلقہ سمجھے اور حتی الوسع شوہر کو اپنے سے قربت نہ کرنے دے'' اور ''فتاویٰ عالمگیری'' کی پوری عبارت نقل کر دی

''واذا شهد شاهدان عند المرأة بالطلاق فان كان الزوج غائباً وسعها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر، وان كان حاضراً ليس لها ذاك، ولكن ليس لها ان تمكن من زوجها، وكذالك ان سمعت انه طلقها ثلاثاً وجحد الزوج ذالك وحلف، فردها عليه القاضى لم يسعها المقام معه وينبغى لها ان تفتدى بما لها وتهرب منه وان لم تقدر علىٰ ذالك قتلته، واذا هربت منه لم يسعها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر، قال شمس الائمة السرخسى رحمه الله تعالىٰ ما ذكر انها اذا هربت ليس لها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر ، جواب القضاء واما فيما بينها وبين الله تعالىٰ فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد ما اعتدت كذا فى المحيط[الفتاویٰ الہندیہ جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 347 مطبعہ میمنہ مصر]

''جب عورت کو دو شخص طلاق کی شہادت دیدیں، اس کا شوہر غائب ہو اس کے لیے جائز ہے کہ عدت گزار کر وہ دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور اگر شوہر حاضر ہو تو وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، لیکن اسے چاہیے کہ ایسے شوہر کو اپنے پر جماع کی قدرت نہ دے، ایسے ہی اگر اس نے سنا کہ شوہر نے اسے تین طلاقیں دے دی ہیں شوہر اس کا انکار کرتا اور اس نے اسی پر حلف اٹھا لیا ہو، اور قاضی شوہر کو عورت واپس کر دے تو اس عورت کا اس مرد کے ہاں رہنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ مناسب ہے کہ خلع کے طور پر جرمانہ ادا

کرے یا اس سے بھاگ جائے۔ اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو اسے قتل کر ڈالے لیکن بھاگ کر اور عدت کے ایام بسر کر کے وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کے حق میں نہیں ہے۔ امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''مذکورہ بالا حکم بطور قضاء کے ہے دیانۃً'' (اللہ اور بندے کے درمیان جو معاملہ ہے اس کے اعتبار سے) عورت عدت گزار کر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے۔''

اس پر شیخ رحمہ اللہ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ''مکمل عبارت نقل کرنے کی بجائے عبارت کا اشارہ دے دیتے!'' **واذا شهد شاهدان عند المرأة بالطلاق فان كان الزوج غائبا الخ**'' جس سے میں سمجھا ہوں کہ ہمارا دور اس قسم کے فوداری افتاء کے مسائل کا متحمل نہیں ہے۔

نوٹ: اگر بعینہ یہ مسئلہ بطور قضاء کے پیش ہو اور ان کے مابین فیصلہ مطلوب ہو تو پھر اس کا جواب صرف یہ ہوگا ''شوہر پر حلف لازم ہوگا اور عورت کا دعویٰ خارج ہو جائیگا'' فتاویٰ شامیہ میں ہے ''**واما اذا كان الدعوىٰ بالطلاق الثلاث فقال الاسبيجابى "يحلف بالله ما طلقها ثلاثاً فى لنكاح الذى بينكما**'' عورت کی طرف سے شوہر پر تین طلاق کا دعویٰ ہو اور شوہر منکر ہو تو علامہ اسبیجابی کہتے ہیں کہ اسے قسم دی جائے کہ میں نے اسے تین طلاقیں نہیں دیں اس نکاح میں جو تمہارے مابین ہے۔ [فتاویٰ شامیہ ص 593 دار السعادت طبع مصر]

ج...... ﴾ مسئلہ دلیل طلب ہو یا مستفتی نے حوالہ دریافت کیا ہو تو حوالہ کے طور پر لکھی گئی عربی یا فارسی عبارت کے ساتھ اس کا ترجمہ لکھنا چاہیے۔ صرف جواب پر اکتفاء نہ کیا جائے۔ تاکہ سائل کی تسلی وتشفی کا باعث ہو۔

د...... ﴾ اپنی تحقیق کا دائرہ اپنے اکابر خصوصاً علماء دیوبند کے تحت وسیع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان کے فقہی موقف اور ان کے مسلک ومشرب سے نہیں ہٹنا چاہیے۔

ہ...... ﴾ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا ''آپ نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے قلمی فتاویٰ دیکھے ہوں گے، ان میں کیسی خوشخطی اور لطافت ہوتی ہے! مفتی حضرات کو ایسے صاف اور دلکش انداز میں فتویٰ لکھنا چاہیے۔

و...... ﴾ سوالیہ پرچے میں جگہ خالی ہو تو جواب کے لیے اس کا صفحہ اول اور سوالیہ پرچے کی پشت زیادہ موزوں ہے۔ بلا وجہ دوسرے کاغذ پر جواب لکھنے کا تکلف نہیں کرنا چاہیے۔

ز...... ﴾ اگر کسی درپیش مسئلہ میں اپنے بزرگوں میں سے کسی نے کچھ لکھا ہو تو پہلے اجمالاً یا تفصیلاً انہی کی عبارت اور ان کے طریق تحقیق کی جستجو کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً مختلف فیہ مسائل میں کسی پہلو اور نفی اور انکار کرنے میں عجلت اچھی نہیں ہے۔

ح...... ﴾ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر اور سنت، صحابہ کرام کے اقوال وافعال، ائمہ مجتہدین کے اصول

وکلیات اور فقہاء کرام کی فروع اور جزئیات میں بحمد اللہ شیخ رحمہ اللہ کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ ہر فکری معاملے میں آپ کی انتہائی کوشش ہوتی تھی کہ اس دائرہ سے نہ نکلا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کے مشرب اور موقف پر بھی آپ کو توقف اور تصلب مثالی تھا۔ بایں ہمہ تحقیقی مسائل میں نہ غلو حضرت شیخ رحمہ اللہ کے دامن گیر ہوتا تھا اور نہ تشدد۔ اور اس منصب جلیل میں نہ تقلید آپ کے آڑے آتی تھی اور نہ آزادی وتفرد۔ بلکہ شریعت کے اصل اصول کو اپنائے ہوئے آپ بزرگوں کے اقوال کی ایسی توجیہہ بیان کرتے تھے جس سے اتباع سنت کا پہلو اُجاگر ہو۔ چند ایک شواہد پیش خدمت ہیں۔

[ا] قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ مردے کو ایصال ثواب کے لیے قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''ثواب پہنچانے کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی ضروت نہیں اور اگر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ہو تو قبر کی طرف پشت کر لینی چاہیے''۔ [فتاویٰ رشیدیہ کامل ص 234 طبع قرآن محل کراچی]

شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا حدیث شب برأت سے ثابت ہے۔ ''ثم انطلقت علیٰ اثرہ حتیٰ جاء البقیع فقام واطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مراتٍ ثم انحرف فانحرفت فاسرع فاسرعت فھرول فھرولت فاحضر فاحضرت فسبقتہ فلیس الا ان اضطجعت فدخل ''[مسلم شریف ج1 ص313]

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر پر تھے، رات کو تھوڑی دیر بستر پر لیٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے، جنت البقیع میں آئے، اتنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چادر اوڑھے پیچھے پہنچ گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کافی دیر کھڑے رہے پھر تین مرتبہ دونوں ہاتھ اٹھائے پھر واپس آنے لگے میں بھی واپس ہوگئی، آپ تیز تیز چل دیے۔ میں نے بھی جلدی کی، تیز رفتاری دکھائی۔ میں بھی تیز چلی پھر دوڑے، میں بھی دوڑی، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہنچ گئی۔ میں بستر پر لیٹی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچ گئے۔''

شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا ''احیاناً تین مرتبہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا بھی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر اسے لازم سمجھا جائے تو بدعت بن جاتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ حضرت گنگوہی کا منع کرنا اس اندیشہ سے ہے کہ کہیں عوام یہ نہ سمجھ لیں کہ میت سے مانگ رہے ہیں۔''

ط......﴾ تعزیت کے لیے دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ ''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت عبید ابی عامر رضی اللہ کی شہادت کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ اس کی کوئی تمنا بھی تھی؟ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ

عنہ نے عرض کیا“ انہوں نے کہا تھا:

”یا ابن اخی! اقرئی النبی صلی الله علیه وسلم السلام وقل له استغفر لی ، فدعا بماء، فتوضأ ، ثم رفع یدیه، فقال اللهم اغفر لعبید ابی عامر، ورأیت بیاض ابطیه، قال اللهم اجعله یوم القیامة فوق کثیر من خلقک من الناس“ ۔[بخاری ج 2 ص619]

”میرے بھتیجے! نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر میرا سلام کہنا اور کہنا کہ آپ میرے لیے استغفار کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب فرمایا، وضو فرمایا، پھر دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا، اے اللہ! عبید ابی عامر کی مغفرت فرما“۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا میں، میں نے آپ کی دونوں بغلوں میں چمک اور سفیدی دیکھ لی۔“

ہمارے شیخ المشائخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمہ اللہ مسایل اربعین میں تحریر فرماتے ہیں:

”اما دست بر داشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہر أجواز است، زیرا کہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ۔ پس دریں وقت ہم مضائقہ ندارد۔ لیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست۔[مسائل اربعین، ص34 طبع دہلی]

یعنی ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں داخل ہے۔ تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھانے میں مضائقہ نہیں، البتہ بالخصوص تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ البتہ رواج بنانا اور یہ سمجھنا کہ اس کے بغیر تعزیت نہیں ہوتی یہ غلط ہے۔ اگر اتفاقاً کسی بزرگ سے مجلس میں دعائے مغفرت کی درخواست کی جائے اور وہ میت کے لیے دعا کرتے ہوئے ہاتھ اٹھائے تو اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ ابھی مذکور ہوا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ اپنی معرکۃ الآراء کتاب ”راہِ سنت“ [ص278] میں لکھتے ہیں:

”صحیح یہی ہے کہ تعزیت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبید ابی عامر رضی اللہ عنہ کے لیے ان کی وفات کی خبر سن کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تھی۔ **”رفع یدیه ثم قال اللهم اغفر لعبید ابی عامر“**[مسلم شریف ج2 ص303]

صورت مسئولہ میں ہر آنے والا شخص اہل میت سے کہتا ہے فاتحہ پڑھ لیجیے اور ورثاء ہاتھ اٹھا کر دعا شروع کر دیتے ہیں، ان کے ساتھ باقی لوگ بھی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں یا بعض لوگ تعزیت کے چند کلمات کہہ کر چند لمحے ٹھہر کر کہتے ہیں، دعا کر دیجیے۔ اس طرح آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے اور یہی سمجھا جاتا ہے کہ دعا اور تعزیت ہاتھ اٹھائے بغیر نہیں ہوتی، بلا شبہ ایسا سمجھ لینا غلط اور یہ عمل بدعت ہے۔ حضرت مولانا فاضل خلیل احمد انبیٹھوی رحمہ اللہ

ی......﴾ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی بڑے عالم کے بارے میں شخصی سوال کیا

جائے (جوحیات ہوں) تو جواب میں لکھیے ''موصوف بحمداللہ حیات ہیں آپ براہِ راست ان سے رجوع کریں۔'' تلک عشرۃ کاملہ

یہاں بطور تبرک طرداًللباب چند ایک اشارات ذکر کردیئے ہیں، ورنہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے افادات کا میدان تو بے حد وسیع ہے، بدعت اور سنت کی پہچان کے جو اُصول شیخ نے ''راہِ سنت'' کے مقدمہ میں تحریر کیے ہیں (وہ) اہل علم کے لیے نوادرات میں سے ہیں، احیاءِ سنت کے سلسلہ میں ''راہِ سنت'' ایک علمی شاہکار ہے، اس دور میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، امام شاطبی کی "الاعتصام بالسنة" اور محدث اعظم شیخ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی رحمہ اللہ کی ''براہین قاطعہ'' کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔" ولله دره حيث لم يؤلف علىٰ نمطه منواله مثله"۔ بفضلہٖ تعالیٰ شیخ رحمہ اللہ کا ایک مقام تھا، جو اپنے مقتدیان دین اور پیشویان اسلام کو حاصل ہوتا ہے۔

اصحاب علم ومعرفت میں امام احمد رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا ہے۔ابو حاتم نے کہا:

"اذا رايتم الرجل يحب احمد بن حنبل فاعلموا انه صاحب سنة" [تہذیب جلد۲ تاریخ دمشق کبیر جلد۲ص ۳۷ بیروت، تہذیب الکمال ج اص ۴۵۷ طبع بغداد۔]

اگر کسی کو دیکھو کہ امام احمد بن حنبل سے محبت کرتا ہے تو یقین کرو کہ وہ صاحب سنت ہے۔

ابو جعفر نے کہا:

"اذارايت الرجل يقع فى احمد بن حنبل فاعلم انه مبتدع" [تہذیب جلد۲ تاریخ دمشق کبیر جلد۲ص ۳۷ بیروت، تہذیب الکمال ج اص ۴۵۷ طبع بغداد۔]

احمد دورقی نے کہا:

من سمعتموه يذكر احمد بن حنبل بسوء اتهموه على الاسلام" [تہذیب الکمال ج ا ص ۴۵۷]

''جس کسی کو دیکھو کہ امام احمد کا شکوہ کرتا ہے تو سمجھ لو بدعتی ہے۔''

ابوالحسن ہمدانی نے کہا:

"به يعرف المسلم من الزنديق" [تہذیب الکمال ج اص ۴۵۷]

''امام احمد ایک کسوٹی ہیں، جس سے مسلم کو زندیق سے پرکھا جاتا ہے۔''

بلاشبہہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ بھی عصر حاضر کے امام اہل السنۃ تھے، جس سے محبت والفت مژدہ ایمان اور علامت اتباع سنت ہے اور جن سے بعد وتنافر، فسق وبدعت کی ضمانت ہے۔

مولانا مفتی محمد زرولی خان

مختصر تعارف کتب امام اہل سنت

ان عشت تفجع بالاحبة کلهم　　　　وفناء نفسک لأبا لک افجع

داغِ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

آہ! بتکوینِ الٰہی کہ ہر خلق اور دنیا میں آنے والے نے ایک نہ ایک دن جانا ہے، چنانچہ امام اہل السنۃ، محقق العصر، ترجمانِ احناف، آفاقی وکیل برائے مسلکِ دیوبند، شیخ المشائخ، فخر المحد ثین، عمدۃ المفسرین، سند الفقہاء والمفتیین، مدرسہ نصرۃ العلوم کے سابق شیخ الحدیث وشیخ التفسیر، شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید، ہمارے شیخ اور مرشد، ایک طویل عرصہ سے بستر علالت پر چراغِ سحری کی طرح ٹمٹماتے ہوئے، آخر کار علوم کا یہ دریائے موجزن، مشکل اور مغلق مسائل میں کامل دستگاہ رکھنے والے یہ محقق، حنفی مؤقف وطرزِ استدلال کے منفرد بحاث اور محجاج، مسلکِ دیوبند کو طائفہ منصورہ اور جماعتِ ناجیہ اور اقرب الیٰ القرآن والسنۃ واجماعِ امہ اور اپنے دور میں ہر حق کی حمایت اور تائید کرنے والے مدقق اور ہر زیغ وضلال اور باطل کی سرکوبی کے لیے شمشیر برہنہ اور ان سب اوصافِ جمیلہ اور خصالِ حمیدہ پر مستزاد وصف، منہجِ اعتدال کی تقویم کو حبل اللہ متین کی طرح مضبوط پکڑنے والے یعنی اس دور کی نابغۂ روزگار شخصیت حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر سفرِ آخرت فرما گئے۔

مختلف باطل فرقوں کا تعاقب:

حضرت مولانا نے عمر بھر اسدِ علم اور تحقیق کے اندر گزاری ہے ویسے تو آپ نے دینِ اسلام کی بہت خدمت فرمائی ہے اور جو بھی چیز مانع بنی اس کا آپ نے تحریراً اور تقریراً دِ بلیغ فرمایا ہے۔ چنانچہ قادیانیت کے خلاف آپ کی تصنیفات موجود ہیں، پرویزیت فتنۂ انکارِ حدیث کے خلاف آپ کا قلم سیال اور تحقیق برمحل ہے۔ لیکن تین فرقوں کا تعاقب آپ کی زندگی کا منفرد سرمایہ ہے۔ ایک غیر مقلدیت جنکے تمام افکارِ باطلہ اور

دعوائے بلند بانگ آپ کی تحقیق کے سامنے مٹی کا ڈھیر ثابت ہوئے اور آپ کی شاہکار کتاب ''مقامِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ'' اور ''احسن الکلام فی ترك القرأة خلف الامام '' اس موضوع پر انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مناظر ملت حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی صاحب مرحوم نے مجھ عاجز سے فرمایا کہ فتنہ غیر مقلدیت کے خلاف مجھے اس میدان میں لانے والے تو حضرت شیخ کے استاد اپنے وقت کے محدث اعظم اور جمیع علوم وفنون کے جرنیل حضرت مولانا عبد القدیر صاحب اور شیخ المشائخ حضرت مولانا عبد الحنان صاحب [تاجک ضلع اٹک] تھے لیکن اس مسئلے کی تحقیق میں میرا سرمایہ شیخ کی تصنیفات اور بالخصوص یہ دو کتابیں ہیں۔

بریلویت ورضا خانیت کا تعاقب:

آپ نے فتنہ آخرزمان سابقہ مشرکین ومبتدعین کا مجموعہ بریلویت اور رضا خانیت کا وہ تعاقب کیا ہے کہ شاید قیامت تک وہ علمی طور پر سر نہ اٹھا سکے یہ موضوع آپ کا بہت طویل عرصہ تک مشغلۂ حیات رہا ہے اور بدعتی فرقے کے اکابر واصاغر کے ساتھ آپ نے وہ طاقت آزمائی فرمائی کہ ان کے بڑے بڑے اعلیٰ حضرت، شیر بیشہ اور غزالی دوراں بھی آپ کی محققانہ تنقید اور تنقیح سے لرزہ براندام رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس قسم کے میادین میں اپنوں کے بڑے محبوب اور معتمد اور مخالفین کے منصفین کے یہاں بھی منصبِ اعتدال اور حرفِ آخر قسم کی تحقیق کے سالار مانے گئے ہیں۔ شاید ہی بریلویت کا کوئی ایسا مسئلہ ہو جس میں انہوں نے شرک یا بدعت کا ارتکاب نہ کیا، مگر آپ نے ضرور اور بروقت اس کا علمی اور مثالی رد فرمایا ہے جس سے ان کے بڑے بڑے مناظرین کی گردن ٹوٹی ہوئی اور کمر شق نظر آئی ہے۔

ذیل میں ہم چند نمونے بطور مثال کے پیش کرتے ہیں تاکہ علماء کے علاوہ عام طبقے کے مسلمانوں کو بھی حضرت کے مقام اور مرتبہ کا اندازہ ہو سکے اور وہ بھی حضرت کے حق میں دعا گو رہیں۔

مسئلہ علمِ غیب کا تعاقب:

مثلاً بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علوم غیبیہ جانتے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ معجزات اور کرامات یا وحی اور دیگر اشارات ہاتف وغیرہ کو کودک خوردسال کی طرح علومِ غیبیہ سمجھنے لگے۔ احمد رضا خان کی کتاب المـادة الـغيبيـه وغیرہ اس کا آئینہ اور شواہد ہیں حضرت مولانا نے اس کے رد میں ”ازالة الـريـب عـن عقيدةعلم الغيب “ جو 400 سے متجاوز صفحات پر مشتمل ہے لکھی۔ اس کتاب میں ان کے مشرکانہ عقائد اور مبتدعانہ خیالات کو تارِ عنکبوت کی طرح کمزور اور بھونڈا دکھایا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک حضرت کی سب سے تحقیقی کتاب اور اپنے موضوع پر انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھنے والی یہی ''ازالة الريب'' ہے۔

مسئلہ حاضرو ناظر کا تعاقب:

مبتدعین کے خیال میں نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء و مرسلین بلکہ اولیاء کرام تک ہر جگہ موجود رہتے ہیں، جب کہ یہ خیال قرآن سنت اور اجماعِ امت کی نظر میں کافرانہ ہے مگر وہ اس کو ادب واحترام اور انبیاء و اولیاء کی تعظیم کے عنوان سے ایک سازشی انداز سے پھیلا رہے ہیں۔ حضرت شیخ نے ان کے تعاقب میں "تبريد النواظر فی تحقيق الحاضر و الناظر" لکھ کران کا گھونسلہ تارتار کر دیا اوران کے مغالطات اور شبہات کو مسکت اور مسقط جوابات دیے ہیں مگر وہ نابینا کی آنکھوں میں سرمہ ڈالنے کے علاوہ کوئی اور حیثیت نہیں رکھتے۔

مسئلہ مشکل کشا وحاجت روا کا تعاقب:

مبتدعین کا خیال ہے کہ انبیاء و اولیاء مشکل کشاء اور حاجت روا ہیں خود بریلوی اعلیٰ حضرت نے ''الامن و العلیٰ فی دافع البلاء'' جیسی مغالطہ آفرین کتابیں لکھیں مگر حضرت شیخ نے ''راہِ ہدایت'' میں ان کے داؤ پیچ بکھیر دیے۔ اوراس کو بیتِ عنکبوت کا مصداق ظاہر فرمایا۔ مزید بدعتیوں کا یہ خیال بھی ہے کہ اللہ کے نبی یا دیگر انبیاء اور اولیاء مشکل کشائی اور کارسازی کرتے ہیں آپ نے ان کے رد میں ''دل کا سرور'' اور ''مختارِ کل'' نامی کتابیں لکھیں جس میں ان کے کمزور استدلالات اور جھوٹی حکایات کے پول کھولے ہیں نیز یہ ثابت کیا گیا کہ مخلوق کو مشکل کشا یا حاجت روا اور کارساز سمجھنا کفر وشرک کا ارتکاب ہے۔

بدعتیوں کی تفسیر وترجمہ کا تعاقب:

بدعتیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ان کے نظریات قرآن وسنت سے ثابت ہیں اوراس کے لیے مجدد بدعات حاضرہ اور سرغنہ کفریات قاہرہ مولوی احمد رضا خان نے کنز الایمان میں قرآن کے ترجمہ کے بجائے ایک تحریف نامہ لکھا ہے اور ان کے شرک وبدعت میں ڈھلے ہوئے صدر الافاضل مولوی نعیم الدین مرادآبادی نے اس پر تفسیری حاشیہ خزائن العرفان کے نام سے لکھا اور جلدی سے سورۂ بقرہ شروع ہوتے ہی ''ومما رزقنٰهم ينفقون'' کے نیچے مشرکانہ تیجے، چہلم، برسیاں اور دیگر خرافات ڈال دیے تاکہ قرآن جو توحید وسنت کے لیے آیا ہے اس کا پڑھنے والا ان کے جال میں پھنس کر یہ نیا دین ومذہب جو اعلیٰ حضرت نے عمر بھر جعل سازی کر کے آگے بڑھایا ہے وہ کسی طرح قرآن کے پردوں میں چھپ چھپا کر لوگوں کے گلے سے اتارا جائے ایسے موقع پر حضرت شیخ ان کے بارے میں بڑے افسوس ودرد کے ساتھ لکھتے ہیں

''واہ خان صاحب تیری مسلمانی''

نہ پہنچ سکے گا کبھی منزل حقیقت تک

صراطِ عشق میں جو تیز گام ہو نہ سکا

آپ نے ان کے ترجمہ اور تفسیر کا پوری تحقیق اور توجہ سے رد فرمایا اور ''تنقیدِ متین بر تفسیرِ نعیم الدین ''شائع فرمائی جو ان کی بہت ساری تحریفاتِ قرآن کو آئینہ میں دکھانے والی کتاب ہے۔

عباراتِ اکابر کا دفاع:

بریلویوں کا خیال ہے کہ ان کے بڑوں نے وحی کے قلم سے لکھا ہے جبکہ وہ شرک وبدعت کے مرتکب ہیں اور دیوبند اور دہلی کے اکابر معاذ اللہ غلط عبارات لکھنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شاہ شہید رحمہ اللہ اور سید احمد شہید رحمہ اللہ کی کتاب ''صراطِ مستقیم'' اور فقیہ الہند مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی بعض عبارات کو خیانت اور دروغ گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نشانہ بنایا ہے۔ حضرت شیخ نے ان کے تعاقب میں ''عباراتِ اکابر'' کے نام سے محقق کتاب لکھی اور ان کی تمام دروغ گوئیاں، کذب اور بہتانات کو خود انہی کی طرف لوٹایا ہے یہ کتاب محقق اور مناظر دونوں کے لیے قوام ناموس ہے۔

توحید وسنت پر تصنیفات:

مبتدعین جس شرک اور بدعت کی دلدل میں گرے ہوئے ہیں اس کی وجہ سے انہیں توحید سے صرف دوری نہیں بلکہ دشمنی ہوئی ہے۔ چنانچہ مولوی احمد یار خان گجراتی نے تفسیر نعیمی سورۃ مائدہ میں اس کی بھڑاس نکالی ہے۔ ہمارے پاس انکی مسجد کمیٹیوں کی طبع شدہ فارم موجود ہیں جن پر امام اور مؤذن رکھنے کے لیے یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ توحید وسنت کا نام نہیں لیں گے (معاذ اللہ واستغفر اللہ)۔ الغرض بریلویت اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ایک سینہ میں جمع نہیں ہو سکتے ''ضدان مفترقان، اَیت تفرق''۔ چنانچہ حضرت شیخ نے اس موضوع پر ''گلدستۂ توحید'' لکھی ہے جو موحد کی ثابت قدمی کے لیے اور بدعتی کی راہنمائی کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کتاب حافظ ابن قیم کی ''**اغاثة اللهفان عن مكايد الشيطان**'' سے زیادہ مفید ہے۔

آپ نے مبتدعین کی بدعات کا فرداً فرداً ایک ایک کر کے تفصیل اور تحقیق کے ساتھ رد کیا ہے اور کوئی بھی غیرتی مسلمان عقیدۂ توحید اور جادۂ سنت پر قائم رہتے ہوئے اس کتاب کی افادیت کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ کتاب دیوبندی امام، خطیب، مؤذن، مناظر، مدرس اور محقق سب کے لیے یکساں ضروری ہے بلکہ خام خیال شخص اور میانہ روی کا دعویدار جو کہ میلانِ بدعت رکھتا ہو اس کتاب کے مطالعہ سے صراطِ مستقیم اختیار کرلے گا۔ حضرت شیخ کی اس شہرۂ آفاق کتاب کا نام ہے ''**المنهاج الواضح یعنی راہِ سنت**''۔ کتاب اسمِ بامسمیٰ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''منهاج السنة النبوية فى نقض كلام الشيعة و القدرية''

لکھ کر جس طرح اہل السنۃ کو اس زمانے کے بے دین فرقوں سے بچایا تھا اسی طرح حضرت شیخ نے ''راہِ سنت'' لکھ کر بریلوی فتنے سے رہتی دنیا تک اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد بچائے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ الاسلام کے شاگردِ خاص دنیائے حدیث کے منفرد حافظ امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ نے "مھناج السنة" کے بارے میں کہا ہے کہ "حری بان یکتب بماء الذھب" یعنی یہ کتاب اس قابل ہے کہ سونے کی روشنائی سے لکھی جائے۔ امام ذہبی نے اس کتاب کی تلخیص کی ہے اور اس کا نام ہے 'المنتقیٰ'' ۔ یہ عاجز وفقیر حضرت شیخ رحمہ اللہ کی ''راہِ سنت'' کو شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے "منھاج "کی طرح نہایت مفید اور جامع سمجھتا ہے۔

تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور:

بعض اہل حق بزرگ([۱] اگر تو اہل حق سے حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کی مراد اہل اسلام ہے تو یہ بلاشبہہ درست ہے وگرنہ منکرین حیات انبیاء (مماتی) اکابرین دیوبند کے اجتماعی فیصلے کے مطابق ہرگز اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل نہیں۔ [ملاحظہ ہو تسکین الصدور] [خادم، حمزہ]) اور خود حضرت شیخ کے شیخِ اجل رئیس الموحدین مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد اور ہم نسبت جیسے قاضی شمس الدین رحمہ اللہ، مولانا عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی، شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ اور شیخ القرآن حضرت مولانا طاہر صاحب پنجپیری وغیرہ نے حیاتِ برزخی میں کچھ ایسا کلام اختیار فرمایا جس سے انکار کا پہلو نکلتا تھا یا اس تعبیر میں کچھ سقم مان لیا گیا اور اندیشہ تھا کہ خود اہل حق بلا وجہ مختلف اور متفرق ہو جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے مغربی پاکستان کے اجلاءِ علماء جمعیت علماء اسلام کی دعوت پر ملتان وغیرہ میں اکٹھے ہوئے اور اس کے لیے اتفاقِ رائے سے ایک نمائندہ کتاب لکھنا تجویز کیا گیا، جس میں مبتدعانہ خیالات سے بچتے ہوئے اہل حق بزرگوں کے شبہات کے شافی جوابات دیے جائیں۔ اس کے لیے تین بزرگ علماء جن کا علم اور تحقیق مسلمہ تھی تجویز کیا گیا، محدثِ عالم حضرت الاستاذ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ جیسے شہرۂ آفاق محدث اور استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ اور محقق العصر حضرت شیخ رحمہ اللہ۔ چنانچہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر جو تحقیق اور علم جمع کیا اسے سب نے پسند فرمایا اور اسے اس موضوع پر حرفِ آخر کتاب کی طرح تسلیم کیا گیا، حضرت شیخ کی اس کتاب کا نام ''تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور'' ہے۔ کتاب امام قرطبی کی "التذکرہ" سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اس وقت کے تمام جلیل القدر علماء یہاں تک کہ دار العلوم دیوبند کے اساتذہ نے بھی اس پر تصدیقات اور تقریظات ثبت فرمائی ہیں۔ اگر چہ بزرگوار قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت نیلوی نے اس کے مندرجات سے بوجوہ اختلاف کیا ہے مگر کتاب ابدنشان ہے اور " والفضل ما شھدت به الاعداء "کا مصداق ہے۔

سماع الموتی ۱: مسئلہ سماع الموتیٰ زمانہ اصحابِ رسول سے مختلف فیہا ہے حضرت عمر،

حضرت ابن عمر، حضرت جابر، حضرت ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ سماع الموتیٰ کے قائلین ہیں جبکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے اور بعض دیگر حضرات کا میلان بظاہر انکار کی طرف ہے، اگرچہ علی التحقیق مانعین کا تقریباً رجوع ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ علیہ کے حوالہ سے پاکستان کے شیخ الاسلام مشہور مفسر، متکلم اور محدث حضرت مولانا شبیر احمد عثانی صاحب رحمہ اللہ نے فتح الملھم شرح صحیح المسلم میں ام المؤمنین کا رجوع ثابت کیا ہے

"واخرجه احمد باسناد حسن فان كان محفوظا فكانها رجعت عن الانكار لما ثبت عندها من روايات هؤلاء الصحابة لكونها هم تشهد القصة" (ص۴۷۸ فتح الملھم شرح صحیح المسلم)

بہر حال محقق العصر نے اس مسئلے پر ''سماع الموتیٰ'' کے نام سے ایک باقاعدہ تصنیف فرمائی تھی جس میں مخالفین کے استدلالات پر علمی نظر ڈالی تھی اور تقریباً سب مواطن میں جواب شافی دے دیا۔

درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ:

بریلوی فرقے کا خیال ہے کہ وہ ہی درود شریف پڑھنے والے ہیں اور وہ اپنے مخالفین علماء اہل السنۃ والجماعۃ حضرات دیوبند کو یہ الزام دیتے ہیں کہ یہ درود نہیں پڑھتے ہیں، بلکہ درود شریف پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ جبکہ ان کا یہ سارا خیال ابلیس کا وسوسہ ہے اور اس کا علمی میدان میں کوئی مقام نہیں ہے قرآن کریم نے ان جیسے مغالطہ آفرین یہود کو کہا تھا "ولا تلبسوا الحق بالباطل وتكتموا الحق وانتم تعلمون" (سورۃ بقرہ آیت ۴۲) کہ کیوں حق کو باطل سے ملاتے ہو اور حق چھپاتے ہو جبکہ تم یہ جانتے ہو۔ درحقیقت علماء اہل السنۃ حضرات دیوبند درود شریف پڑھنے کو عبادت سمجھتے ہیں اور عبادت میں جعلسازی بدعت کہلاتی ہے۔

حدیث صحیحین "من احدث في امرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (بخاری شریف ج۱ص۳۷۱) کا یہی مطلب ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا "اما السلام عليك قد عرفناه فكيف الصلوٰة" (بخاری ومسلم) تو آپ ﷺ نے فرمایا "قولوا اللهم صل على (الخ)" ''الحدیث'' (بخاری شریف ج۲ص۷۰۸)۔ واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بنانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ وہ اہل السنۃ تھے اور نبی کریم ﷺ نے بھی انہیں بنانے کی اجازت نہیں دی، بلکہ خود تعلیم فرمائی، اس قسم کے تمام مسائل اور احکام اس سے ثابت ہیں۔ اس بارے میں بریلویانہ مغالطات اور دیگر ان کی سعئ لاحاصل اور اس بارے میں تاریخی اور تحقیقی مقتدر مقالہ کتابی شکل میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے تصنیف فرمایا ہے۔ یہ کتاب ''درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

ضوء السراج فی تحقیق المعراج: حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گنت معجزات نصیب فرمائے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وحیات کی بقاء اور دوام اور آپ

کو ملنے والی کتاب قرآن کریم یہ سب عظیم الشان معجزات ہیں۔ علماء امت نے اس موضوع پر مستقل تصنیفات تحریر فرمائی ہیں، حق تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں کی اور سبع سماوات سے اوپر ملاء اعلیٰ اور لامکان تک کی سیر کرائی۔ بزرگانِ دین کی اصطلاح میں مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک کے سفر کو ''اسراء''، جبکہ بیت المقدس سے سبع سمٰوٰت تک کی سیر کو ''معراج'' اور سبع سمٰوٰت سے لامکان تک کے سفر کو ''اعراج'' کہتے ہیں۔ بعض روایات کے بارے میں سوءِ فہم کے نتیجے میں اور احسن الدرایت نہ ہونے کی وجہ سے اس تمام عز و شرف کو رؤیا اور منام تک محدود کر دیا گیا، جبکہ یہ قوی دلائل کی روشنی میں غلط اور بے ہودہ قول ہے۔

اس قسم کے دیگر بہت سے شبہات اور شکوک اور تاویلات باردہ کے رد میں حضرت شیخ نے یہ کتاب ''ضوء السراج فی تحقیق المعراج'' تحریر فرمائی جو کہ تحقیق اور تاریخ کا ابدنشان برہان قاطع ہے اور بے ہدایت اور بے نور افراد کے لیے روح ہدایت اور ''نورٌ علیٰ نور'' کا باعث ہے۔ یہ کتاب علماء طلباء اور عوام کے لیے مسئلہ معراج سمجھنے کے لیے اور اس سلسلے کے عجیب و غریب فوائد و برکات کو جاننے کے لیے انمول اور نادر خزانہ ہے۔

حکم الذکر باالجھر:

اللہ تعالیٰ کا ذکر جہراً بھی ہوا ہے اور سراً بھی، جہر کے اکثر مواقع خود شریعت نے متعین فرمائے ہیں جیسے اذان، اقامت، جہر قراءت، وعظ، نصیحت اور خطبوں میں حق تعالیٰ شانہ کا ذکر، جبکہ اخفاء ذکر زیادہ پسند ہے کیونکہ اس میں ریاء وغیرہ جیسی تباہ کاریوں سے عافیت ہے۔ بزرگانِ دین کے ہاں اصل تو ذکر بالسر رہا ہے خیر الذکر الخفی وغیرہ پیش نظر اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قاعدہ مشہور ہے ''الاصل فی الدعوات والاذکار الاسرار'' (ہندیہ) اور کہیں کہیں ''ولا یجھر بھا الا احیانا تعلیما'' (بزازیہ) بعض بزرگانِ دین کے سلاسل میں حسب المصلحت ذکر بالجہر ہوا ہے مگر پسندیدہ ان کے ہاں بھی ذکرِ اخفاء تھا۔ بدعتی فرقے نے حدود و آداب پامال کرتے ہوئے وقت بے وقت ذکر بالجہر کو اصل عبادت سمجھا اور پھر یہ باور کرنے لگے کہ یہ اہل السنۃ والجماعۃ احناف کا شعار ہے۔ جبکہ یہ سارا غلط اور خلافِ شرع اور خلافِ تحقیق ہے۔ چنانچہ امام اہل السنۃ محقق العصر نے اس موضوع پر ایک رسالہ ''حکم الذکر بالجھر'' تصنیف فرمایا اور اس میں متقدمین اور متأخرین اور علماء تفسیر حدیث اور فقہ اور اہل نسبت بزرگوں کی تحقیقات سے ثابت کیا ہے کہ اصل ذکر بالسر ہے، جہر کسی مصلحت ترغیب یا تشویق یا تعلیم کے علاوہ مفید نہیں ہے اور اور اس سے عبادت حبط ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس عاجز کے نزدیک اس مسئلہ پر ایک جگہ میں اتنی سیر حاصل بحث اس سے پہلے کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری۔ والعلم عنداللہ

شوقِ حدیث:

حضرت شیخ نے منکرین حدیث اور محرفین حدیث کے پروپیگنڈے سے متاثرین کے لیے احادیث رسول ﷺ کے شوق اور رغبت دلانے کے لیے یہ تصنیف فرمائی ہے۔ یہ کتاب اپنے بعض اطراف اور تحقیقات کی وجہ سے خطیب کی ''الرحلہ فی الحدیث'' وغیرہ سے نافع اور فائدہ بخش ہے۔ کتاب ایک دفعہ دیکھی جائے تو رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ شوقِ حدیث، حدیث سے محبت رکھنے والوں، علماءِ حدیث اور طلباء حدیث کے لیے ایک کامل رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس عاجز کے خیال میں اردو مبین جاننے والے اگر اس کتاب کو ایک بار اول سے آخر تک پڑھ لیں تو وہ حدیث کے قدر دان طالب علم اور شاہکار عالم بن کر نکلیں گے، حضرت شیخ کی تصنیفات میں سے یہ بھی آپ کے لیے بہترین ذخیرہ ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

بانیٔ دارالعلوم دیوبند:

بعض بے دینوں کے پروپیگنڈے سے دارالعلوم دیوبند اور اس کے بانی مبانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ پر کچھ کیچڑ اچھالی گئی اس کے جواب میں حضرت شیخ نے کتاب لکھی اس کا نام ہے ''بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات'' کتاب میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ علیہ کے اجلۂ مشائخ اور مشہور تلامذۃ اور ان کی گراں قدر تحقیقات اور تصنیفات خاص طور پر دارالعلوم کا قیام اور اس سلسلہ رشد وہدایت کے چشم ہائے فیضان کے انوار وبرکات کو اس انداز میں بیان فرمایا ہے کہ گویا میدان کو قیمتی ہیروں اور جواہر سے لبریز کر دیا گیا ہو اور ہر خوشہ چیین کو موقع فراہم کیا گیا ہے کہ وہ اس سے قسمت اور شوق کی جھولیاں بھرے۔ کتاب جہاں تک حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے سلسلے میں سلسلۃ الذہب ہے وہاں دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور قیام اور مقاصد میں بھی واضح اور جلیل برہان ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے سلسلے میں ''تحذیر الناس'' کی بعض عبارات کی بھی شافی شرح کی گئی ہے جو اَب تک کے دیے گئے جوابات سے زیادہ طاقتور اور مثالی ہے۔

الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی:

امام طحاوی رحمہ اللہ کی شرح معانی الآثار میں بعض عبارات سے بلا وجہ یہ سمجھا گیا کہ وہ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے کے حق میں ہیں، جبکہ طحاوی پڑھانے والے اور سمجھنے والے کے لیے یہ بات مضحکہ خیز ہے۔

کسی شاعر نے خوب کہا ہے

وکم من عائب قولا صحیحاً

وآفتہ من الفہم السقیم

چنانچہ حضرت شیخ کو اوائل میں، کوئٹہ وغیرہ کے اسفار میں بعض ایسے علماء سے واسطہ پڑا جو کہ اس غلط عندیہ پر قائم تھے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ان کے رد میں طحاوی کی عبارات کا ایسا بہترین حل اور شرح پیش کی کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ اگر مغالطہ کھانے والوں میں انصاف اور لحاظ ہو تو ان کے لیے حق مؤقف کی طرف رجوع کا اس میں خاصہ سامان تھا۔ اس ضمن میں فتاویٰ شام لابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت بھی بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ جائز کرنے والوں نے خاص کج فہمی کا ثبوت دیا ہے۔ حضرت شیخ نے اس قسم کی علمی فروگذاشتوں اور تحقیق سے بعید مغالطوں کی اصلاح کے لیے امام طحاوی رحمہ اللہ کی متنازع فیہ عبارت کی ایسی شرح اور وضاحت فرمائی جس سے فضاء کی کدورت خوش رنگی میں تبدیل ہوگئی اور ساتھ ہی ابن عابدین کی فتاویٰ شام (رد المحتار) اور دیگر فقہاءِ احناف کی عبارات اور تحقیقات کا انبار لگا دیا۔

چونکہ اس عاجز نے بھی اس موضوع پر "احسن القربات بمنع الزکوٰۃ الیٰ السادات" کے نام سے ایک مختصر رسالہ ترتیب دیا ہے اور اس دوران سب سے زیادہ استفادہ حضرت شیخ کی کتاب سے نصیب ہوا۔ یہ تصنیف حضرت شیخ کے محدث کبیر ہونے اور فقیہ علی الاطلاق ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ کتاب فقہاء اور محدثین، طلبہ اور مفتیین کے لیے علمی خزانے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ کتاب بھی حضرت شیخ کے لیے دیگر کتابوں کی طرح ذخیرۂ آخرت اور عملِ شافع اور مشفع بنائے۔

امام اہل سنت محقق العصر ترجمان احناف وفخر مسلک دیوبند شیخ الحدیث و التفسیر حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ علم وعمل کے منازل کے اعتبار سے مفاخر الرجال میں سے تھے۔ آپ پر اپنے وقت کے تمام اکابر علماء نے خواہ وہ پاکستان کے ہوں یا ہندوستان کے اعتماد فرمایا ہے۔ جن کی تصدیقات و تائیدات آپ کی اہم مہم کتابوں پر ثبت ہیں۔ جن میں خود آپ کے اساتذہ، علماء دیوبند اور بعض دیگر حضرات بھی ہیں۔ ہمارے استاذ شارح البخاری والترمذی محدث العالم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جیسے شہرۂ آفاق اور علماء حق کے چوٹی کے عالم سے میں نے سنا کہ حضرت نے فرمایا ''مولانا سرفراز کام کے دیوبندی ہیں'' ''کلام الملوک ملوک الکلام ''۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مرحوم کو علم دین کے میادین میں واقعتاً سرفرازی عطاء فرمائی تھی، آپ نے تمام دقیق اور مشکل مسائل پر محققانہ قلم سے ابدی تحقیقات فرمائیں اور جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا اسے معراج منتہا تک پہنچایا۔

توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام

اس کتاب میں آپنے قرآن وسنت کے پیش نظر چودہ سوسالہ اجماعی مسئلہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی تحقیق فرمائی ہے، گو اس سے پہلے امام العصر محدث زمانہ مفسر علام فقیہ علی الاطلاق آیۃ من آیات اللہ حضرت مولانا محمد انور

شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ دیوبندی نے ''التصریح بماتواتر فی نزول المسیح علیہ السلام'' لکھی تھی، جس میں ۱۰۱ کے قریب مرفوع اور موقوف احادیث وآثار جمع ہیں، جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرب قیامت میں آسمان سے جسد عنصری کے تشریف آوری ثابت ہے۔

ضروری وضاحت: اصل اساس اس موضوع پر یہی ہے۔ شیخ عبد الفتاح ابوغدہ نے جو مزید دس روایات کا اضافہ کیا ہے شاید وہ امام عصر کے معیار نظر پر نہ ہوں، یہ توجیہ زیادہ انسب والیق ہے اس سے کہ یہ کہا جائے کہ ''شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے مزید دس کی نشاندہی کی جو حضرت شاہ صاحبؒ سے باوجود وسعت نظری اور قوت حافظہ کے چھوٹ گئیں تھیں اور اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے دور میں کتابیں بہت نایاب تھیں، بعد میں کتابوں کی طباعت واشاعت میں فراوانی ہوگئی''۔

[توضیح المرام ص۱۲]

خود امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں شدت شرائط کی وجہ سے طویل ذخیرہ چھوٹ گیا ہے جو ترمذی، ابو داؤد اور ابن ماجہ وغیرہ کے یہاں موجود ہے، وہاں یہ جواب موزوں نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے چھوٹ گئی ہیں بلکہ احتیاط فی التحدیث اور دیگر حِکَم اور اسرار کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے صرف نظر فرمایا ہے۔ بہر حال توضیح المرام میں حضرت شیخ کے تین اہداف ہیں:

(۱) آیات واحادیث کے پیش نظر نزول مسیح کو مبرہن کرنا۔

(۲) مرزائیوں کی طرف سے بعض اشکالات کا علمی دفاع اور جواب دینا۔

(۳) مرزائی اور قادیانی مغالطّوں اور حیانتوں پر سے ڈھکن اٹھانا اور ان کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کرنا۔

یہ مختصر ۹۶ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے مگر الشاۃ نظیفۃ کا مصداق ہے، نزول کے ضمن میں حیات عیسیٰ علیہ السلام پر بھی سیر حاصل اور محققانہ کلام رہا ہے، والحمد للہ علیٰ ھذہ۔

ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں:

امام اہل سنت محقق زمانہ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ تصنیف بھی مختصر اور صرف ۷۲ صفحات کا ایک جامع اور مانع رسالہ ہے جو ختم نبوت کے موضوع پر دستاویز ہے۔ مولانا کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:

''نصوص قطعیہ احادیث صحیحہ متواترہ اور اجماع امت سے مسئلہ ختم نبوت کا اتنا اور ایسا قطعی ثبوت ہے کہ اس میں تأمل کرنے والا بھی کافر ہے، بلکہ صحیح اور صریح احادیث کی رو سے مدعی نبوت اور اس کو نبی ماننے والا (زیادت: ہمارے نبی کے بعد حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے علاوہ) واجب القتل ہے مگر یہ قتل

صرف اسلامی حکومت کا کام ہے، نہ کہ رعایہ اورافراد کا''

(ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں صفحہ ۳۰)

غور فرمالیا جائے تو کہنا پڑے گا کہ ''واللہ در الشیخ جمع البحر فی الکوز'' ایک مقام پر حضرت محقق العصر انگریزوں کے تسلط کے بعد ہندوستان دارالحرب ہونے کے سلسلے میں مسند وقت راس مرجع الاحادیث شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ جہاد بابت ہندوستان دارالحرب کی تائیداورحمایت کرتے ہوئے انگریز نواز اورانگریزی تخم کی آبیاری کرنے والوں کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان نے رسالہ اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام لکھ کر انگریز کا کچھ غم ہلکا کیا، اور پھر ان کے فرزند مولوی مصطفیٰ رضا خان اوران کے تقریباً ۱۴۳ ہمنوا علماء انگریز کے خلاف جہاد کو حرام، حرام، حرام قرار دے دیا(دیکھئے طرق الھدیٰ والارشاد ص ۱۳۱ طبع بریلی) (ختم نبوت ص ۳۸)

جبکہ غیر مقلدوں نے بھی انگریز کی نمک حلالی کرتے ہوئے کہ آج تک کوئی موحد متبع سنت حدیث وقرآن پر چلنے والا بے وفائی اور اقرار توڑنے کا مرتکب ہوا ہو یا فتنہ انگریزی اور بغاوت پر آمادہ ہوا ہو۔ جتنے لوگوں نے غدر میں شر وفساد کیا اور انگریز حکام سے برسر عناد ہوئے سب کے سب مقلد اور حنفی ہیں (ترجمان وہابیہ ص ۲۵) گویا بریلوی اور غیر مقلد انگریز پرستی میں شیطان کے دوسینگ ہیں، جس سے وہ ہمیشہ انگریز اور ہر باطل کے خلاف جہاد کرنے والوں کو تنقیداور مخالفت کا نشانہ بناتے ہیں۔

واضح رہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کے خلاف کتاب لکھی ہے اور دھوکہ دہی کے لئے اس کا نام ''جنگ مقدس'' رکھا ہے حضرت محقق العصر نے ختم نبوت میں مرزا صاحب کا اپنا ایک اقرار نقل کیا ہے کہ اس نے زندگی بھر انگریز کے خلاف جہاد کرنے والوں کے خلاف گذاری ہے، ملاحظہ ہو

مرزا صاحب لکھتے ہیں ''میری عمر کا اکثر حصہ سلطنت انگریز کی تائیداورحمایت میں گذرا ہے اور میں نے ممانعت جہاداورانگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکھٹی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔(تریاق القلوب طبع اول ص ۱۵ وطبع دوم ص ۲۷)'' (ختم نبوت ص ۴۰)

راہِ ھدایت :

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ یہ گراں قدر تصنیف بریلوی افتنان اورافتراق کے بعض مغالطوں اور علمی خیانتوں کے رد میں لکھی گئی ہے، جس میں بدعتیوں نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات اوراولیاء کرام کی کرامات کو افعال

اللہ کی بجائے افعال العباد سمجھ کر آگے اس پر مشرکانہ اور مبتدعانہ خیال خامی کی تعمیرات شروع کر دیں اور یوں قرآن وسنت چودہ سوسالہ اجماع امت اور قیاس شرعی کے حدود کو پامال کرتے ہوئے اور خالق ومخلوق کے درمیان عظمت وحدت پر مشتمل اداب روندتے ہوئے کئی قسم کے تباہ کار نظریات کے مرتکب ہوئے۔ ضرورت تھی کہ ان کے غلط استدلال کی نشاندہی اور بے موقع اور بے محل تنقید وتنقیح کی بے مائیگی کو طشت از بام کیا جاتا۔

چنانچہ حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''راہ ہدایت'' مبتدعین کو راہ راست پر لانے اور انہیں ہدایت کی تلقین کرنے کے لئے لکھی ہے۔ کتاب کے سرورق پر حضرت شیخ کے قلم سے اس کا نچوڑ شربت شیریں کی طرح نوش جان فرمالیجئے اور اس سے پہلے اگر تمہیں ذوق سلیم اور ادب کی وادیوں میں چلنا نصیب ہو تو یہ شعر سنیے۔

عُناب لب لعاب دہن شربتِ وصال
یہ نسخہ چاہیے تیرے بیمار کے لئے

''راہِ ہدایت جس میں بڑی تحقیق اور جستجو اور عرق ریزی سے قرآنِ کریم اور صحیح احادیث اور آئمہ اہل سنت والجماعت کی معتبر اور مستند عبارات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، جو نبی اور ولی کے حال پر صادر ہوتا ہے، ان کا اس کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور نیز یہ کہ معجزات وکرامات علی الصحیح امور غیر عادیہ ہیں، ان کے لئے اسباب خفیہ ہیں اور یہ کہ مافوق الاسباب طریق پر مختار کل متصرف فی الامور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ نیز ''فالمدبرات امرا'' کی احسن طریق پر تفسیر کردی گئی اور معجزات وکرامات اور مافوق الاسباب تصرفات کے سلسلے میں فریق مخالف کے جملہ پیش کردا استدلالت کا مسکت جوابات دئے گئے ہیں، حضرت مرشدنا ومولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ پر بلغتہ الحیر ان کی ایک عبارت کے پیش نظر فریق مخالف کی طرف سے جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا دندان شکن جواب بھی دیا گیا ہے، جو صرف اسی کتاب میں آپ کو ملے گا، علاوہ ازیں متعدد ابحاث اس میں مذکور ہیں جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں،

واللہ یقوم الحق وھو یھدی السبیل احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر''

یہ کتاب درحقیقت حضرت شیخ کی مشہور کتاب دل کا سرور کے جواب میں ایک بدعتی نے نور ہدایت کے نام سے کچھ مغالطہ آفرینیاں جمع کی تھیں اور اس نام نہاد کتاب نور ہدایت کے جواب میں حضرت شیخ کی علمی اور تحقیقی تصنیف راہ ہدایت ہے۔

باب جنت: باب جنت بجواب راہ جنت یہ کتاب بھی حضرت شیخ ومرشد محقق العصر رحمہ اللہ تعالیٰ نے

بریلوی مبتدعین کے مشرکانہ نظریات ومبتدعانہ خیالات اور غلط سلط استدلالات کے جواب میں لکھی ہے۔ اس کتاب کی وجہ تالیف کے طور پر خود حضرت شیخ کا عرض حال ملاحضہ ہوتا کہ کتاب کی قدر ومنزلت اچھی طرح سامنے آئے۔

''ہماری کتاب دل کا سرور کا ایک صاحب نے جواب لکھا تھا، ہم نے اس کا جواب الجواب ''راہ ہدایت'' سے دیا مگر وہ صاحب پھر خاموش ہوکر رہ گئے اب گجرات میں مفتی صاحب واولادہ کو اس کے جواب کا خیال دامن گیر ہوا اور منت اور خوشامد کرنے والوں نے بھی ان کو جواب دینے پر مجبور کیا۔ چنانچہ انہوں نے صرف ایک ہی کتاب راہ سنت کے محض چند حوالوں کو پیش نظر رکھ کر جواب لکھا اور جواب کیا لکھا کہ کتاب کا منہ چڑایا ہے، باقی کتابیں اور راہ سنت کے بقیہ دلائل اور براہین جواب کے لئے ان کا منہ تک رہے ہیں اور جس حصہ کا انہوں نے جواب دیا ہے وہ بھی آپ کے سامنے اس کتاب میں پیش کیا جارہا ہے، ہم خود کچھ نہیں کہنا چاہتے، انصاف قارئین کرام پر چھوڑتے ہیں، راہ جنت کے پیش لفظ میں لکھا ہے اصل نام تو لطمۂ شیر ببر برنجدی زادہ گکھڑ تھا لیکن بعد کو اس کا نام راہ جنت رکھا گیا ہے اگر وہ کتاب کا نام یہ رکھ دیتے تو ہمیں بھی حق حاصل تھا کہ ہم اپنی کتاب کا نام ''لطمات شیر سوات بررخِ مبتدع زادہ گجرات'' رکھ دیتے لیکن چونکہ انہوں نے یہ نام نہیں رکھا اس لئے ہم بھی یہ نام رکھتے انہوں نے اپنی کتاب کا نام راہ جنت رکھا ہے اور ہم اپنی کتاب کا نام باب جنت رکھتے ہیں۔

(باب جنت بجواب راہ جنت ص۱۰)

حضرت شیخ نے ان کو الزاماً یہ شعر لکھا

جفائیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں مجھ سا اہل وفا
تیرا جواب تو میں تھا میرا جواب نہ تھا

المسلک المنصور فی رد کتاب المسطور

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ مرشدِ برحق، امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ کے فاضلانہ قلم سے اور گنجینۂ ہائے علوم سے متعدد بیش بہا کتابیں صادر فرمائی ہیں، مگر کتاب '' تسکین الصدور '' کو جو مقبولیت عامہ وخاصہ نصیب ہوئی اور بہت ہی ممتاز اور منفرد ہے، کتاب جہاں اہل حق کی حمایت ونصرت کے لیے اور امور برزخیہ قبریہ کی تحقیق اور کشف کے لیے تیر بہدف اور تریاق وقت ثابت ہوئی ہے، وہاں بعض منحرفین اور مخالفین (ضالین) کے لیے دندان شکن بھی ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کے رد میں مخالف سمت (پنچری گروہ کی طرف) سے ایک کتاب ''الکتاب المسطور'' کے نام سے شائع ہوئی، حضرت شیخ نے اس کے رد میں ''المسلک المنصور'' تصنیف فرمائی۔ اس کتاب کے بارے میں حضرت شیخ ''المسلک

المنصور'' کے سرورق میں لکھتے ہیں

''تسکین الصدور میں امت مسلمہ کے اتفاقی اوراجماعی عقیدہ کوصریح اور مضبوط دلائل سے اجاگر کیا گیاہے۔کہ '' الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' اور یہ حیات گواس دنیاکے رہنے والوں کے ادراک وشعوراورحس سے بالاتر ''ولکن لاتشعرون'' میں داخل ہےان اجساد مطہرہ کے بواسطہ ارواح طیبہ کے تعلق سے جودنیامیں حضرات انبیاءکرام علیہم السلام کوحاصل تھےاوراسی حیات کے آثار میں سے ہے،کہ عندالقبر آنحضرت ﷺ صلاۃ وسلام سنتے اوراس کا جواب دیتے ہیں لیکن جناب نیلوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ قبور میں حیات الانبیاء کاعقیدہ معتزلہ،جہمیہ،معطلہ منافقوں،روافض، قادیانیوں،ہندوؤں اور بریلویوں کاہے(معاذاللہ تعالیٰ)اس پیش نظرکتاب میں ان کے باطل نظریہ کوبحوالہ نقل کرکےاس کاعلمی اورتحقیقی تجزیہ کیاگیاہے(الخ)

(سرورق المسلک المنصور)

حضرت شیخ اپنے ایک مخالف سے مخاطب ہیں اورفرماتے ہیں

''جناب نیلوی صاحب آخرت کی فکر کیجئے اور مرنے سے قبل ہی صحیح اور متواتر احادیث حضرات فقہاءکرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضرات متکلمین رحمہم اللہ تعالیٰ اور جمہورامت پراعتماد بحال کرلیجئے ان شاءاللہ العزیز پشیمان توآپ ضرور ہونگے مگر بہت سے سادہ لوح ضدی اورمتعصب لوگوں کوگمراہ کرکے بقول مرزاغالب

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

(المسلک المنصورص ۷۸،۷۹)

الشہاب المبین

مسئلہ سماع الاموات قرون اولیٰ سے اختلافی رہاہے قائلین اور مانعین دونوں اہل حق جانے گئے ہیں،کچھ عرصہ سے خوداہل حق حضرات (اگرتواہل حق سے حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کی مراداہل اسلام ہےتو یہ بلا شبہہ درست ہے وگرنہ منکرین حیات انبیاء(مماتی)اکابرین دیوبند کے اجتماعی فیصلے کے مطابق ہرگز اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل نہیں۔[ملاحظہ ہوتسکین الصدور][خادم،حمزہ])میں سے قائلین سمع الاموات کوشرک،ابوجہل کاٹبروغیرہ کہنا شروع کردیا۔چنانچہ امام اہل سنت حضرت شیخ ومرشد محقق العصر رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہج اعتدال پر رہتے ہوئے ایک کتاب سماع الموتی لکھی جوغررنقول اور جواہرالاصول پر مشتمل ہے۔مگراس کے رد میں فریق مخالف کی طرف سے الشہاب الثاقب کے نام سے ایک کتاب لکھی گئی،چنانچہ اس کے رد میں حضرت محقق العصر نے

الشہاب المبین لکھی۔ حضرت شیخ ومرشد اپنی کتاب سماع الموتیٰ کی تعریف ومنقبت کرتے ہوئے بڑے حسین طریقے سے اپنے بزرگوں پر محکم اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''بفضلہٖ تعالیٰ راقم اثیم کی کتاب ''سماع الموتیٰ ملک کے کونے کونے میں پہنچ چکی ہے اور جید علماء کرام سے داد تحسین وصول کر چکی ہے اور پاک و ہند میں علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے اس وقت کے چوٹی کے دو بزرگوں حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید احمد رضا شاہ صاحب بجنوری دامت برکاتہم دامادِ حضرت رئیس المحدثین مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصدیقات بھی شامل ہیں۔

(الشہاب المبین ص ۱۱،۱۲)

الشہاب المبین سے پہلے سماع الموتیٰ کے اہل حق کے معیار پر پورا اترنے اور اس کے خلاف قول کو رد کرتے ہوئے حضرت شیخ ومرشد امام اہل سنت کیا عجیب اور عظیم استدلال فرماتے ہیں،

''اگر اس کتاب میں درج شدہ مسائل اور دلائل مسلک دیوبند کے معیار پر پورا نہ اترتے تو حضرت مولانا بنوریؒ اور حضرت مولانا بجنوری دام مجدہم جیسی وسیع النظر شخصیتیں کبھی اس کی تائید نہ کرتیں۔ کتاب دفع الشبہ کی ایک عبارت کے ترجمہ میں مرجع کے تعین کی غلطی طبع اول میں ہوگئی تھی اور ان دونوں بزرگوں نے الگ الگ تحریریں اس کی اصلاح کی لکھیں اور معاف نہیں کیا اور اب اس غلطی کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ اگر اس کتاب میں کہیں بھی مسلک دیوبند کی مخالفت ہوتی تو یقیناً یہ حضرات گرفت کرتے اور اصلاح کی تلقین کرتے کیونکہ ضمیر کے مرجع کے تعین کی غلطی سے مسلک کی غلطی تو کہیں زیادہ ہے (الشہاب المبین ص ۲۶،۲۷)

اکابر کا احترام

مسلک اور مذہب میں مداہنت کو حضرت امام اہل سنت ناجائز سمجھتے تھے، اگر کوئی بات ہوتی تو فوراً تردید کرتے، اسی طرح اپنے اکابر اور اساتذہ کا بے حد احترام کرتے ان کے خلاف کبھی کوئی بات سننا گوارہ نہ کرتے۔

مولانا محمد نواز بلوچ فرماتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ مولانا محمد ریاض انور گجراتی نے حضرت قاضی شمس الدین رحمہ اللہ کے متعلق کوئی بات کی تو حضرت امام اہل سنت سخت ناراض ہوئے اور مولانا گجراتی کو فوراً جھڑکتے ہوئے بات جاری رکھنے سے منع فرمادیا۔'' (اگرچہ قاضی صاحب رحمہ اللہ آپ کے استاد نہ تھے اور آپس میں اختلاف بھی تھا، مگر اس کے باوجود بڑوں کے احترام کی ایسی مثال آج کل کہاں؟ [خادم، حمزہ])

مولانا عبدالروف چشتی

''صفدر دواخانہ'' کی ''سکہ بند'' دوائیں

شہرت اور نیک نامی بازار میں نہیں بکتی اور نہ ہی مزاروں پر تقسیم ہوتی ہے، نام کمانے کے لیے کام کرنا پڑتا ہے، اور کام میں کامیابی کے لیے خلوص، محنت، دیانت اور استقامت جیسے اوصاف بطورِ ہتھیار استعمال ہوتے ہیں، ان چاروں اوصاف میں سے کسی ایک کی کمی، کام خراب اور بدنام کر دیتے ہیں۔ اور جب کوئی ان چاروں خوبیوں سے مسلح ہوکر آگے بڑھتا ہے تو شہرت اور نیک نامی اُس کے قدم چومتی ہے۔ یاد رکھیے! سچائی تعارف کی محتاج نہیں ہوتی، حقیقت ڈھنڈورا نہیں پیٹا کرتی، شہد مکھیوں کو بلاتی نہیں، نہ شمع پروانوں کو آواز دیتی ہے، شہد رکھ دیجیے! مکھیاں آجائیں گی، شمع جلا دیجیے! پروانے پہنچ جائیں گے، گلاب کے پھول کا تعارف نہیں کرایا جاتا، دیسی گھی کی خوشبو ہی بتا دیتی ہے کہ خالص ہے، عطر مہک سے، سونا لہک سے پہچانا جاتا ہے، آفتاب چمک رہا ہو تو کیا دلیل کی ضرورت ہے؟ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب''، سورج کرنیں بکھیر رہا ہو تو بتانے کی ضروت نہیں، علم اپنی خوشبو پھیلا رہا ہو تو تعارف کی ضرورت نہیں، علم کی وجاہت ہی اس کا تعارف ہے، اور یہ تعارف ہی حقیقی، سچی شہرت ہے۔ دیکھیے! شہد ہوگا تو مکھیاں آئیں گی، کنواں ہوگا تو پیاسے آئیں گے، شمع جلے گی تو پروانے مریں گے، علم ہوگا تو طالب علم آئیں گے، استاد ہوگا تو شاگرد بھی آئیں گے، جس طرح گلاب کے پھول کو جہاں مرضی رکھ دو وہ پھول ہی رہتا ہے اور خوشبوئیں بکھیرتا ہے۔ اسی طرح صاحب علم کو جہاں مرضی بٹھا دو، وہ اسی طرح علم کی مہکتی کلیاں تقسیم کرتا ہے، دریا اپنا راستہ خود بناتا ہے اور علم اپنی خوشبو خود پھیلاتا ہے، علم پھیلانے کے لیے صرف بیٹھنے کی ضرورت ہوتی ہے، صاحب علم جگہ کے مناسب اور غیر مناسب ہونے کی بحث میں نہیں پڑتا، صاحب علم چھپڑ میں بیٹھے یا گکھڑ میں، اُسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر غور کیجیے! جو صوفی تھا اُسے چھپڑ میں بٹھا دیا، جو مولوی تھا اُسے گکھڑ میں ٹکا دیا، چھپڑ کے حشرات الارض سے نبٹنا صوفی کا کام تھا اور گکھڑ میں بدعات و رسم و رواج کے جھکڑ کو روکنا مولوی کا کام تھا، جوہڑ میں بیٹھنے والا جب اٹھا تو جوہڑ کو قرآن و سنت کا گوہر بنا گیا اور گکھڑ میں بیٹھنے والا جب اُٹھا تو علمی، فقہی دلائل کی روشنی سے ''راہِ سنت'' دکھا گیا، چھپڑ والی مسجد کو حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی صوفیانہ اداؤں سے ''مسجد نور'' بنا دیا اور گکھڑ میں مولوی سرفراز خان رحمہ اللہ نے ''بوہڑ والی مسجد'' کو اپنی علمی

خوبیوں سے علمی جواہر والی مسجد بنادیا بلکہ گکھڑ منڈی کو ہی تحقیق کی منڈی بنا دیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

میں کہتا ہوں جس طرح نور مسجد کے نور کو بدعات ورسومات کی تاریکیاں باوجود کوشش کے ختم نہ کرسکیں اور ناکام ونامراد ہوگئیں، اسی طرح گکھڑ میں علمی دلائل وبراہین کے طوفان کے سامنے شرکیہ عقائد اور رسومات وبدعات کے تناور درخت نہ ٹھہر سکے اور جڑوں سے اکھڑ گئے۔ گکھڑ میں نہ صرف بدعات ورسومات کے درخت گرے بلکہ ''عدمِ تقلید'' کی دوکانیں اور فرمیں یکلخت زمیں بوس ہوگئیں۔ دنیا نے دیکھا کہ شرکیہ عقائد اور رسم ورواج کے تناور درختوں کے سائے میں بیٹھ کر اپنے پیٹ کی آگ بجھانے والے اور غیر مقلدیت کی دوکانوں اور مارکیٹوں میں بیٹھ کر ''عدمِ تقلید'' کے بلبلے بیچنے والے سرنگوں ہوگئے اور مانسہرہ سے آنے والا ''سنگی''، ''سرفراز'' ہوگیا۔ میں کہتا ہوں کہ کسے خبر تھی کہ یتیمی، مسکینی کی ردائیں اوڑھ کر، غربت وافلاس کے دکھ سہہ کر، بھوک اور پیاس برداشت کرکے گجروں کی مسجد میں امامت کرنے والا گھر سے بے گھر ہوکر، لوہاروں کی مسجد میں، راتیں گزارنے والا ''سنگی'' حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ''سنگت'' اور توجہ سے ''سکہ بند'' مولوی سرفراز بن جائے گا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں

مولوی سرفراز صاحب گکھڑ والے:

حسن ابدال ضلع اٹک میں میرے ایک استاد بھی فاضل دیو بند تھے۔ مولانا قاری محمد امین صاحب رحمہ اللہ (ورکشاپی محلّہ پنڈی والے) ہمارے استاد مولانا عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے ہم سبق تھے۔ ہر کوئی انہیں ''مولوی عبدالقادر صاحب'' ہی کہتا تھا، صاحبِ علم تھے، پڑھانے میں ماہر تھے لیکن تقریر بالکل نہیں کرسکتے تھے، کبھی کسی جلسہ وغیرہ میں تقریر نہیں کرتے تھے، اگر کبھی ''مسجد محلّہ اندرون'' میں جمعہ پڑھانا پڑجاتا تو حالات دیدنی ہوتے تھے، گزر بسر کے لیے لوہے کی دوکان بنائی تھی اور دوکان پر ہی ہم چند ساتھی سبق پڑھا کرتے تھے، اسی دوکان پر اپنے استاد کی زبان سے ''مولوی سرفراز صاحب گکھڑ والے'' کا نام سنا، انہیں کانفرنس میں دعوت دی گئی تھی، مگر مجھے پتہ نہیں انہوں نے کیا بیان کیا تھا، کیونکہ ان کی تقریر ''پُر مغز'' ہوتی تھی اور ہم ''کوڑھ مغز'' تھے، بھائی! پُر مغز تقریر سمجھنے کے لیے بھی تو مغز چاہیے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ ضروری نہیں کہ جو بھی فاضل دیو بند ہو وہ زبان وبیان میں ماہر ہو، بہت کم ایسی شخصیتیں ہیں جو تحریر وتقریر، زبان وبیان اور مناظرہ ومباحثہ میں ماہر ہوں اور چو مکھی لڑائی میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں، لیکن امام اہل السنۃ مولانا سرفراز رحمہ اللہ ہر فن مولا تھے، اندازہ لگائیے! ہمارے استاد مولوی عبدالقادر صاحب قاسمی رحمہ اللہ فاضل دیو بند تھے اور بول نہیں سکتے تھے، لیکن مولوی سرفراز صاحب رحمہ اللہ بھی فاضل دیو بند تھے مگر ایسا بولتے تھے

کہ کسی کو بولنے نہیں دیتے تھے۔ دراصل یہ تقسیم اس خالق کائنات کی ہے۔

ہر پھول کی قسمت میں کہاں نازِ عروساں
کچھ پھول تو کھلتے ہی مزاروں کے لیے ہیں

میں یہاں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں ممکن ہے کسی کو بارِ خاطر گزرے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج سے پچپن سال پہلے بہت بڑے عالم دین کو مولوی کہا جاتا تھا، مولوی ہونا ایک اعزاز اور باعزت لقب تھا۔ خیر میں یہ کہہ رہا تھا کہ جیسے کسی کے متعلق کہا جائے کہ فلاں بہت حسین ہے تو یہ سنتے ہی حسن و جمال کی تمام خوبیاں، رفتار و گفتار کی تمام رعنائیاں اور دلربانہ ادائیں ذہن میں گھومنے لگتی ہیں۔ اسی طرح مولوی سرفراز صاحب رحمہ اللہ کا نام سنتے ہی ایسی شخصیت سامنے آتی ہے جس کا نہ صرف جسم ہی مضبوط تھا بلکہ علم و حلم بھی راسخ تھا، فہم و تدبر بھی راسخ تھا، جو مطالعہ و مشاہدہ میں راسخ تھا اور متانت و دیانت میں راسخ تھا، جو ذہانت و فطانت میں راسخ تھا اور کردار و گفتار میں بھی راسخ تھا، جو فکر و نظر میں سُچا تھا اور اقوال و اعمال میں سچا تھا، جو ارادہ و عزم میں مضبوط تھا اور اظہار و افکار میں پکا تھا، جس کا نام ہی سند کا درجہ رکھتا تھا، جس طرح آج کل کمپنیاں اپنی مصنوعات کی پائیداری میں مشہور و معروف ہیں اور عوام کے اعتماد کے لیے کمپنی کا ''نام ہی کافی'' ہوتا ہے، اسی طرح مسلک دیوبند کی تمام تنظیموں میں حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا ''نام ہی کافی'' سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ''مولوی سرفراز صاحب رحمہ اللہ'' ایسے مولوی تھے جو علم کی منڈی اور دلائل و براہین کی ''کان'' تھے۔ زہد و تقویٰ کی ''مارکیٹ'' اور معلومات کی ''دوکان'' تھے، حق و صداقت کی پہچان تھے، مسلک دیوبند کے ترجمان تھے، ہمت و استقامت کی چٹان تھے، نفیس مہمان تھے، اعلیٰ میزبان تھے اور اپنے اساتذہ کے تابع فرمان تھے، محنتی علماء کے قدردان تھے، ایسا کیوں نہ ہوتا آخر خود بھی شیخ الحدیث مولوی سرفراز خان تھے۔

صبر کی برکات:

عزیزو! امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کو یہ سرفرازی و سربلندی کسی نے پلیٹ میں رکھ کر نہیں دی، نہ خیرات میں ملی تھی اور نہ ہی وراثت میں ملی ہے، وراثت میں تو صرف ایک دعا ملی تھی جو آپ کے صوفی منش والد جناب نور احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مرشد کامل خواجہ عبدالغفور رحمہ اللہ سے کرائی تھی کہ ''میری اولاد عالم دین ہو!'' سبحان اللہ! کتنی مختصر اور جامع دعا تھی، اللہ کے ولی کے اٹھے ہاتھ اور زبان سے نکلے الفاظ، بارگاہِ صمدیت میں شرف قبولیت پا گئے اور پھر ساری زندگی یہ دعا مولوی سرفراز کا تعاقب کرتی رہی اور مولوی سرفراز ہر فن، ہر درجہ اور ہر امتحان میں ''سرفراز'' ہوتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، اس کے اپنے فیصلے اور اپنے ضابطے ہیں، وہ کسی کے فیصلوں اور ضابطوں کا پابند نہیں، وہ جب کسی کو نوازنے پر آتا ہے تو اس کی ماں سے کہتا

ہے کہ اپنے بیٹے کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دے، اور سن لے! اب یہ تیرا بیٹا ہے اور خرچہ بھی تیرا ہے، لیکن جب اسے میں واپس تیری گود میں لاؤں گا تو یہ بیٹا تیرا ہوگا، اور خرچہ فرعون کا ہوگا، اسی طرح جب وہ کسی سنگلاخ وادی کے ''سنگی'' کو ''سرفراز'' کرنے پر آتا ہے تو اسے اکیلا کر دیتا ہے، باپ کا سایہ رہتا ہے نہ ماں کی آغوش، گھر رہتا ہے نہ در، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پاؤں میں جوتی نہیں رہتی، مشکلات ومصائب کی دشوار ترین راہوں پر چلا کر اسے کندن بنا دیتا ہے، جب کبھی سرفراز کٹھن لمحات اور مشکلات دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوتا ہوگا تو تقدیر مسکرا کر کہہ دیتی ہوگی کہ ''سرفراز! گھبرانا نہیں، آج تیری پاؤں میں جوتے نہیں تو رنجیدہ نہ ہونا، ایک وقت ایسا آئیگا کہ بڑے بڑے عالم اور امراء تیرے جوتے سیدھے کیا کریں گے۔'' پیارے سنگیو! یتیمی کے شب وروز ہی ناقابل برداشت ہوتے ہیں اور ساتھ اگر مسکینی اور غربت بھی آگھیرے تو لمحات بھی سالوں میں گزرتے ہیں، بہار، خزاں میں بدل جاتی ہے، پھول، کانٹے محسوس ہوتے ہیں، بھرے شہر ویران نظر آتے ہیں، لیکن جن کے ہاتھ بارگاہِ ربوبیت میں اٹھنے کے عادی ہو چکے ہوں ان کے لیے یہ مصائب وآلام کی گھڑیاں، سونے کی لڑیاں بن جاتی ہیں، وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ روکھی، سوکھی کھا کر سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، ایسے تلخ دور میں جب سر پر باپ کا سایہ نہ رہا ہو اور ماں بھی خاموشی سے داغِ مفارقت دے گئی ہو، اور کوئی عفیفہ ضعیفہ ''سرفراز'' کو یتیم طالب علم سمجھ کر مکئی کی روٹی، کڑھی کے ساتھ کھلا دیتی تھی تو اس کھانے کی لذت اور ذائقہ کو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ ساری عمر فراموش نہیں کرتے، شاگردوں کی محفل میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں، مزے مزے سے اس کھانے کی تعریف کرتے ہیں، بلکہ میں کہتا ہوں وہ عفیفہ، وہ ضعیفہ کتنی خوش بخت ہے جس کے لیے امام اہل السنۃ رحمہ اللہ ساری زندگی دعائیں کرتے ہیں۔ میں آج سوچتا ہوں تو اشکبار ہو جاتا ہوں کہ نہ جانے اس وقت ہمارے شیخ کو کس قدر بھوک لگی ہوگی جب آپ کو یہ سادہ سا کھانا ملا ہوگا! کیونکہ بھوک کی شدت میں آدمی کو جو بھی مل جائے وہ اس کے لیے نعمت عظمیٰ ہوتی ہے، کہاوت ہے کہ ''بھوک سب سے میٹھی ہے''، یعنی بھوک میں ہر چیز مزیدار معلوم ہوتی ہے، دیکھنے، سننے میں یہ ''مکئی کی روٹی اور کڑھی'' پر مشتمل کھانا کسی خاص ڈش میں شمار نہیں ہوتا، اور نہ ہی جوڑ رکھتا ہے، کیونکہ مکئی کی روٹی کا اصل جوڑ تو سرسوں کے ساگ کے ساتھ ہی ہے، اور اگر مکھن بھی ساتھ ہو تو سونے پر سہاگہ ہے، لیکن مکئی کی روٹی اور کڑھی! یہ تو کوئی جوڑ ہی نہیں، میں نے ساری زندگی (تقریباً 60 سال) مکئی کی روٹی، کڑھی کے ساتھ نہیں کھائی۔ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے حالات پڑھ کر میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ ''کسی دن مکئی کی روٹی اور کڑھی بنانی ہے!'' تو کہنے لگی کہ یہ کیا جوڑ ہے؟ یہ کون کھاتا ہے؟ میں نے قدرے تفصیل بتائی تو دل گرفتہ سی ہو کر کہنے لگی ''جب خیال رکھنے والی ماں سر پر نہ رہے تو یتیمی میں بے جوڑ چیزیں

کھانی ہی پڑتی ہیں''، میں نے کہا بے جوڑ سہی! لیکن اس بے جوڑ کھانے نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کو قرآن وحدیث سے جوڑ دیا تھا اور اسی بے جوڑ کھانے کو امام اہل السنۃ ساری زندگی یاد کرتے رہے، میں سوچتا ہوں تو دل سے دعا نکلتی ہے کہ اے اللہ! اس عفیفہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرما جس نے مکئی کی روٹی اور کڑھی کھلا کر یتیم سرفراز طالب علم کو رَجا دیا تھا۔ میں کہتا ہوں کسی کو کیا علم کہ یہ بے جوڑ کھانا کھا کر صبر کرنے والا کیا بنے گا؟ یہ تو خدا کی ذات جانتی تھی کہ یہ بے جوڑ کھانے پر صبر کرنے والا، ایک وقت آئیگا جب ہزاروں انسانوں کو قرآن وسنت سے جوڑ دے گا اور صبر کی برکات وثمرات سے اپنی جھولیاں بھرلے گا، مجھے کہنے دیجئے! کہ یہ بے جوڑ کھانا جسے کوئی انسان اپنے مہمان کو بطور گفٹ اور تحفہ پیش نہیں کرسکتا، لیکن جب امام اہل السنۃ رحمہ اللہ یہ بے جوڑ کھانا تناول فرمارہے تھے اس وقت قدرت مسکرار کر یہ کہہ رہی ہوگی کہ اے سرفراز بن نور احمد بن گل احمد! فکر نہ کر، ایک وقت ایسا بھی آرہا ہے کہ تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ''گل'' بن کر علم کی خوشبوئیں پھیلائے گا اور کبھی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی ''نور'' کو طلباء میں تقسیم کرے گا' طلباء تجھ سے علمی نور کو تحفہ سمجھ کر حاصل کریں گے، بلکہ تیرے وجود کو ہی علم وحکمت اور ''فہم وفراست'' کا تحفہ بنا دیا جائے گا۔

گکھڑ کا تحفہ:

عزیز از جاں! ویسے تو کئی شہروں کے تحفے مشہور ہیں اور لوگوں میں مقبول بھی ہیں مثلاً چکوال کی ریوڑیاں، بھیرہ کی پھیونیاں، لاہور میں پَجے کی دوکان کے پائے، قصور کی میتھی، ملتان کا ملتانی حلوہ، خوشاب کا ڈھوڈا، بھلوال کے کنو، راہوالی کی قلفی، کمالیہ کا کھدر، کوہاٹ کی چپل، کامونکی کے چاول اور گوجرانوالہ شہر کی سوغات اور تحفے کے متعلق سوچتا رہا مگر کچھ سمجھ نہیں آیا کہ یہاں کی کون سی شے مشہور ہے، کبھی سیالکوٹی دروازہ کا قلفہ اور اللہ رکھا کی دوکان کے تکے بہت مشہور تھے، باذوق لوگ لاہور سے ''اللہ رکھا'' کی دوکان کے تکے کھانے گوجرانوالہ آتے تھے، گوجرانوالہ تو لوگ اب بھی آتے ہیں لیکن تکے کھانے نہیں بلکہ دھکے کھانے، کیونکہ گوجرانوالہ میں ہر چیز بنتی ہے لیکن سڑکیں نہیں بنتی، یہی اس شہر کا ''تحفہ'' ہے، میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس طرح تقریباً ہر شہر کی کوئی نہ کوئی سوغات اور تحفہ مشہور ہے اسی طرح مانسہرہ کے چپن (چپل) کباب اپنا جواب نہیں رکھتے، چپل کباب مانسہرہ کا ایک خاص تحفہ ہے، اور ایسا تحفہ ہے کہ اس کے سامنے تکے پائے تو رہے ایک طرف بھنے چڑے بٹیرے نہیں ٹھہر سکتے، چپل کباب دیکھتے ہی اڑ جاتے ہیں۔ میرے دوست! بات لمبی ہوگئی، دراصل میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ جتنے بھی تحفے میں نے بتائے ہیں یہ سب تحفے پیٹ بھرنے چسکے اور چٹخارے کے لیے ہیں، ان کی لذت عارضی اور ذائقہ وقتی ہے، لیکن جس تحفے کا میں ذکر کرنے لگا ہوں، وہ چسکے چٹخارے والا نہیں بلکہ درس وتدریس والا ہے، وہ چٹ پٹے مصالحے والا نہیں ''کھٹ مٹھے'' دلائل والا

نہیں،اسے کھاتے نہیں اسے سنتے ہیں،اسے لے جاتے نہیں وہ خود جاتا ہے،اور مزے کی بات یہ ہے کہ اسے جہاں مرضی لے جاؤ! جتنی دیر رکھ لو،قلفیوں کی طرح پگھلتا نہیں،کباب کی طرح خراب نہیں ہوتا،کھدر کی طرح رنگ خراب نہیں ہوتا،بفضل خدا ہر آن صبح ہو یا شام ہمیشہ تازہ؛ پاکیزہ رہتا ہے،قرآن سنتا بھی ہے سناتا بھی ہے،بخاری پڑھتا بھی ہے پڑھاتا بھی ہے،مسائل پر بولتا بھی ہے بولاتا بھی ہے،حقائق دیکھتا بھی ہے دکھاتا بھی ہے،سنت پر چلتا بھی ہے چلاتا بھی ہے،صحابہ کو معیارِ حق مانتا بھی ہے منواتا بھی ہے،مسلک دیوبند کی ترجمانی کرتا بھی ہے کراتا بھی ہے،اختلافی امور سمجھتا بھی ہے سمجھاتا بھی ہے،وقت کی پابندی کرتا بھی ہے کراتا بھی ہے۔

جب 1943ء میں گکھڑ آیا تھا تو خود ایک ''تحفہ'' تھا،اب گیا ہے تو بیسیوں،درجنوں تحفے دے گیا ہے،جس طرح خود لاجواب تھا اسی طرح اس کے تحفے بھی لاجواب ہیں،کس کس تحفے کا ذکر کروں! کچھ ساکت ہیں کچھ ناطق ہیں،کچھ حامی ہیں کچھ حامل ہیں،کچھ جامد ہیں کچھ حامد ہیں،کچھ گوہر ہیں کچھ جوہر ہیں،کچھ لؤلؤ ہیں کچھ لالہ ہیں،کچھ روحی ہیں کچھ جسمی ہیں،کچھ قلمی ہیں کچھ نسبی ہیں،کچھ سنگت ہیں کچھ سنگی ہیں،کچھ سپنے ہیں کچھ اپنے ہیں،کچھ المباری کی زینت ہیں کچھ مساجد کی زینت ہیں،کچھ ''تالیفات'' ہیں کچھ ''تصنیفات'' ہیں،یعنی کچھ کتابیں ہیں اور کچھ اولادیں ہیں۔کتابیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں،اولادیں دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتی ہیں،کتابوں میں خالص دینی بحث ملتی ہے،اولادوں میں خالص دینی مزاج ملتا ہے،جس طرح کتابوں میں مختلف موضوعات پر بیان پڑھنے کو ملتا ہے اسی طرح اولاد میں مختلف عنوانات پر بیان سننے کو ملتا ہے،جس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی ساری کتابیں اپنے عنوانات پر زبردست مواد فراہم کرتی ہیں اور قابل مطالعہ ہیں اسی طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اولادیں بھی اپنے اپنے مقام پر خطباتِ جمعہ اور مذہبی اجتماعات میں زبردست بیان کرتے ہیں اور ان کے خطبات قابل سماعت ہیں،جس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کتابیں مشہور ہیں اسی طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اولاد بھی مشہور ہے،کتابیں دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ کسی صاحب علم نے لکھی ہیں اولاد دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ کسی شیخ الحدیث کے بیٹے ہیں،ماشاء اللہ! جس طرح کتابوں میں ''راہِ سنت''،''احسن الکلام'' اور ''تسکین الصدور'' بہت مشہور ہیں اسی طرح فرزندوں میں مولانا زاہد الراشدی،مولانا عبد القدوس قارن اور مولانا عبد الحق خان بشیر بہت مشہور ہیں،کتابوں کا ''مواد'' مختلف ہے اور بیٹوں کے ''مزاج'' مختلف ہیں،مولانا زاہد الراشدی صاحب دین ومذہب پر،عقائد ومسائل پر زبردست بول لیتے ہیں لیکن ان کا پسندیدہ موضوع سیاست ہے،لوگ انہیں ''شیخ الحدیث'' کہتے ہیں میں انہیں ''شیخ سیاست'' کہتا ہوں،یہ بین الاقوامی سیاست پر تبصرہ کرنے کا حوصلہ اور عالم اسلام کے مسائل

وحالات پر بولنے اور لکھنے کا ملکہ رکھتے ہیں، ''جوڑ، توڑ'' میں نواب زادہ نصر اللہ کے داؤ پیچ استعمال کرنا جانتے ہیں، جبکہ آدمی کو پرکھنے کا طریقہ انہوں نے مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ سے سیکھا ہے اور مخالف کو برداشت کرنے کا سلیقہ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی رفاقت کا نتیجہ ہے۔ مولانا عبدالقدوس قارن، صاحبِ علم اور معاملہ فہم ہیں، لیڈرانہ ادائیں اور عالمانہ وفائیں رکھتے ہیں، صوفیانہ طرزِ تکلم میں محدثانہ گفتگو کرتے ہیں، اغیار سے تقریراً' تحریراً نبٹنا جانتے ہیں۔ مولانا عبدالحق خان بشیر واعظانہ' مقررانہ' اور خطیبانہ صلاحیتیں رکھتے ہیں، جنہیں موقع محل کے مطابق بھرپور استعمال کرتے ہیں، تعمیری اور تنقیدی تحریر کے ماہر ہیں، تحریر میں مٹھاس اور کاٹ پیدا کرنے کا فن جانتے ہیں، میں ان کی تحریر سے زیادہ متاثر ہوں۔ بہرحال مال اگرچہ ایک ہی منڈی (مسلک دیوبند) کا خالص اور نفیس ہوتا ہے لیکن اسے تینوں بھائی اپنی اپنی پسند اور مزاج کے مطابق عوام میں تقسیم کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی عرض کرتا جاؤں کہ جس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی بعض کتابیں اگرچہ علمی مواد والی ہیں' علماء میں معروف ہیں مگر عوام میں زیادہ مشہور نہیں اسی طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کے اور بیٹے بھی صاحب علم ہیں لیکن زیادہ مشہور نہیں، ان میں قاری حماد صاحب، قاری محمد اشرف خان ماجد مرحوم، پیر رشید الحق عابد، مولانا قاری عزیز الرحمٰن خان شاہد، قاری عنایت الوہاب ساجد صاحب اور مولانا منہاج الحق خان راشد ہیں جو علماء کے حلقے میں تو خاصے معروف ہیں لیکن عوام میں زیادہ مشہور نہیں ہیں۔ خوشی اس بات کی ہے کہ کوئی معروف ہو یا غیر معروف' عوام میں مشہور ہو یا نہ ہو لیکن سب کی سمت ایک ہے' جہت ایک ہے' مسلک ایک ہے' مشرب ایک ہے' منزل ایک ہے' نشانِ منزل ایک ہے' مشعلِ راہ ایک ہے' رہبر ایک ہے' راستہ ایک ہے، اور جب سب کا راستہ ایک ہے تو اس راستے کا نام بھی تو کوئی ہوگا؟ جی ہاں! اس راستے کا نام ''راہِ سنت'' ہے۔ خاندان نور احمد رحمہ اللہ کا ہر سپوت اسی راستے پر گامزن ہے۔ ماشاءاللہ

اچھے سنگ تَرے:

حضرت شیخ رحمہ اللہ ہر کسی کو ''سنگی'' کہہ کر بلاتے تھے، تو بین الاقوامی اصول ہے کہ ''دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے'' تو جب دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے تو ''سنگی کا سنگی بھی تو سنگی ہوتا ہے نا''؟ لہٰذا میں کہتا ہوں کہ ''سنگی'' (حضرت شیخ رحمہ اللہ) نے اپنے ''سنگ'' (رفاقت) سے ''سنگوں'' (پتھروں) کو تراش کر ہیرا بنا دیا۔ ''سنگی'' سنگ تراشنے میں خاصا ملکہ رکھتے تھے، زمانہ طالب علمی کی مشکلات سہہ سہہ کر ''سنگی'' کی خوب تربیت ہوگئی تھی، یہی وجہ ہے کہ پھر آپ نے اپنے زمانہ تدریس میں بڑے بڑے بگڑے ہوؤں کو تحمل و بردباری سے تراش کر مساجد کا خطیب، مدارس کا مدرس بنا دیا۔ آپ نے دیکھا نہیں ''تلون

مزاجی کا بادشاہ'' تحمل مزاجی سے نا آشنا جو اپنے علاقہ کی چٹانوں کا کھنکھرے پتھر تھا، سنگی رحمہ اللہ نے اس ''سنگ'' کو اپنی سنگت سے ایسا تراشا کہ اسے مولانا محمد نواز بلوچ بنا دیا، سبحان اللہ! آج وہی بلوچ قوم کا اتھر سپوت حضرت مولانا محمد نواز بلوچ صاحب کے نام سے ''مسجد ریحان'' میں اپنے سنگی کی عطا کردہ علمی کلیاں عوام اور طلباء میں تقسیم کررہا ہے اور ایک زمانہ اس کا معترف ہے۔ مولوی نواز بلوچ ایسا بلوچ تھا کہ اس کی مہاروں کو کوئی نہ موڑ سکا، حتیٰ کہ ایک دفعہ ایک مغنّیہ کی زبان سے یہ کہلوایا گیا ''ڈھول بلوچا موڑ مہاراں'' لیکن یہ ایسا اکھڑ تھا کہ اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی، لیکن جب یہی اتھر بلوچ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی سنگت میں آیا تو پھر ''سنگی'' کی سنگت نے اسے آتش بیاں خطیب بنا دیا۔

یہاں مجھے حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ یاد آ گئے انہوں نے ایک مرتبہ تقریر میں بیان کیا کہ ''دہلی کے بازار میں ایک شخص سنگترے بیچ رہا تھا، اور آواز لگا رہا تھا کہ ''اچھے سنگترے'' کسی اللہ والے نے سنا تو تڑپ گئے، کسی نے پوچھا حضرت! کیا ہوا؟ فرمایا سنتے نہیں وہ کیا کہہ رہا ہے؟ عرض کیا کہ سنگترے بیچ رہا ہے! فرمایا نہیں! وہ کہہ رہا ہے کہ ''اچھے سنگ تَرے''! یعنی جنہیں اچھا سنگ مل گیا وہ ''تَر'' گئے، کامیاب ہو گئے، جن سنگیوں کو ''سنگی'' کی سنگت نصیب ہو گئی وہ اس سنگت کے طفیل کامیاب وکامران ہو گئے۔ یہاں ایک جملہ ذہن میں آ گیا ہے کہتا جاؤں کہ جن کو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی سنگت نصیب ہو گئی، وہ خطیب اور مدرس بن گئے اور جن کو امام الانبیاء کی سنگت نصیب ہوئی وہ آنے والی نسلوں کے لیے ''مشعلِ راہ'' اور ''معیارِ حق'' بن گئے۔

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالع ترا طالع کند

یہ شعر ہر کوئی سنتا سناتا ہے، میں کہتا ہوں آج کل کے صالح کی صحبت اگر صالح کرتی ہے تو مجھے کوئی بتائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی صالح ہے؟ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ پیغمبر اسلام کی صحبت نے تمام ساتھیوں، سنگیوں یعنی صحابہ کو صالح بنا دیا تھا اور صالح ایسا بنایا تھا کہ پھر خدا تعالیٰ نے انہیں ''معیارِ حق'' قرار دے دیا، آج جسے استنجاء کرنے کا ڈھنگ نہیں، کتاب اٹھانے کا سلیقہ نہیں وہ صحابہ کے ایمان وایقان، قول وعمل کو پرکھتا ہے ''اناللہ وانا الیہ راجعون'' ۔ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ، معاف کیجئے گا! میں تحریر سے تقریر کی طرف چلا گیا تھا، بہرحال تحریر ہو یا تقریر! یہ مسلمہ حقیقت ہے اور کوئی مائی کا لال اس کی تردید نہیں کر سکتا کہ صحابہ ''معیارِ حق'' ہیں، امت کے مقتداء ہیں، اور رہنما ہیں، صحابہ حضور کی کمائی ہیں اور صحابہ ہی کے طفیل آج ہم مسلمان ہیں، آج جو کوئی صحابہ کے ''معیارِ حق'' ہونے کا انکار کرتا ہے وہ از روئے قرآن جہنمی ہے ''نولہ ماتولیٰ ونصلہ جہنم وساء ت مصیراً'' (پ۵ رکوع ۱۴) میرے عزیز! بات

اچھے ''سنگترے'' سے چلی تھی اور صحابہ تک پہنچ گئی اور پہنچنی بھی چاہیے تھی، کیونکہ جب یہ کہا جائے گا ''اچھے سنگ تَرے'' تو لازمی طور پر ذہن صحابہ کی طرف جائے گا کہ انہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنگت ملی اور ایسی سچی، سُچی سنگت کسی اور کو میسر نہ آئی اور یہی بات حضرت شیخ رحمہ اللہ پڑھاتے، سکھاتے اور سمجھاتے تھے کہ اچھے ''سنگ تَرے'' اور جو نہ مانے وہ جہاں مرضی مرے۔

نوراحمد تمہیں مبارک ہو!

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے والد صوفی نوراحمد صاحب رحمہ اللہ تم کہاں ہو؟

میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تم بارگاہ ربوبیت میں اپنی اولاد کے عالمِ دین بننے کی دعا کر کے اور اپنے مرشد خواجہ عبدالغفور رحمہ للہ سے دعائیں کروا کے خاموشی سے جا کے ابدی نیند سو گئے تھے۔ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے جانے کے بعد تمہارے دونوں بیٹوں سرفراز رحمہ اللہ اور عبدالحمید رحمہ اللہ پر کیا گذری؟ تمہیں نہیں معلوم، میں تمہیں بتاتا ہوں، تمہارے دونوں بیٹے دربدر ہو گئے تھے۔ انہیں دن کھانے کو اور رات کاٹنے کو دوڑتی تھی۔ ان کے پاؤں میں جوتیاں نہیں رہی تھیں۔ ان کے پاؤں ننگے اور ان کے کپڑے بہت پرانے ہو گئے تھے۔ انہیں پتہ نہیں رہا تھا کہ عید کیا ہوتی ہے اور یہ بھول گئے تھے شب رات کسے کہتے ہیں۔ انہیں غربت وافلاس اور بھوک و پیاس نے آ گھیرا تھا۔ یہ کئی دن سیر ہو کر کھانا نہیں کھا سکتے تھے اس لیے کہ انہیں زیادہ کھانا ملتا ہی نہیں تھا، جتنا ملتا تھا صبر، شکر سے کھاتے تھے۔ نوراحمد رحمہ اللہ تم جانتے ہو کہ جس باغ کا مالی نہ رہے وہ باغ اجڑ جایا کرتا ہے اور جس خاندان کا سربراہ نہ رہے وہ خاندان بکھر جاتا ہے۔ یتیمی کے دن بھی کالی راتوں سے زیادہ تاریک ہوتے ہیں، ہر کوئی یتیموں سے نظریں چراتا ہے اور ان سے اپنے بچوں کو بچاتا ہے۔ تم نے مولوی عبدالستار کا یہ شعر سنا ہوگا۔

عبد الستارا' ماں پیو پیارا جاوے چھڈ جنہاں نوں
وَسدا ملک تمامی دسدا' قبرستان انہاں نوں

تمہارے جانے کے بعد گھر کا شیرازہ ایسا بکھرا کہ پھر سب ایک گھر میں اکٹھے نہ ہو سکے جس گھر میں تم مہمانوں کی ضیافت کیا کرتے تھے اور بٹ کس کی ندی سے مچھلیاں پکڑ کر مہمانوں کو کھلایا کرتے تھے، مرغ اور گوشت سے انکی تواضع کرتے تھے' وہ سب حالات خواب وخیال ہو گئے۔ اب اس گھر میں انہیں کا ٹھہرنا مشکل ہو گیا تھا۔ تیرے دونوں لختِ جگر سرفراز رحمہ اللہ اور عبدالحمید رحمہ اللہ زیادہ تر راتیں مسجدوں میں گذارتے تھے۔ اور یہ راتیں مسجدوں میں کیوں نہ گذارتے، جب یہ اللہ کے توکل پر جی رہے تھے تو پھر

انہوں نے اللہ کے گھر میں ہی ٹھہرنا تھا، لہٰذا مسجدوں میں ہی گرمی، سردی کی راتیں گذارتے رہے۔ تم کہتے ہوگے کہ جو گھر بار، مال، مویشی، رہنے سہنے کا سامان جو میں چھوڑ آیا تھا۔ وہ سب کہاں گیا؟ نور احمد! آپ کا چھوڑا ہوا تمام اثاثہ تقسیم کرنے والوں نے تقسیم کر لیا لیکن تیرے فرزندوں کو ان میں سے کچھ نہیں ملا۔ تیرے بیٹوں کے پاس تو صرف تیرے مرشد کی دعا تھی وہ اسی کو ساری زندگی متاعِ عزیز سمجھتے رہے۔ وہ اسی دعا کی برکت سے حصولِ علم کے لیے بتدریج آگے بڑھتے رہے۔ تقریباً پندرہ، سولہ مقامات پر تو علم کے حصول کے لیے گئے۔ پھر جب وڈالہ سندھواں میں دونوں بھائی علم کی دولت سمیٹ رہے تھے اور شب و روز' خوشی اور شادمانی سے گذر رہے تھے کہ ایک حادثہ پیش آ گیا۔ کہ آپ کا چھوٹا بیٹا عبدالحمید رحمہ اللہ اپنے ایک ساتھی سید امیر حسین شاہ کے ساتھ اپنے بڑے بھائی کو بتائے بغیر مدرسہ چھوڑ چلا گیا۔ آپ کو شائد نہیں پتہ! اس طرح جو لڑکے بغیر اطلاع مدرسہ چھوڑ کر چلے جائیں انہیں طلباء کی زبان میں کہتے ہیں کہ ''نَس گئے''۔ یعنی بھاگ گئے۔ صبح جب بڑے بھائی کو سرفراز کو پتہ چلا ہوگا تو اسکو کتنا رنج پہنچا ہوگا۔ اور وہ کسقدر صدمہ سے دوچار ہوا ہوگا۔ کیونکہ ماں باپ تو پہلے ہی داغِ مفارقت دے چکے تھے، صرف ایک بھائی تھا جو ساتھی بھی تھا اور سنگی بھی تھا، اسی سے کبھی کبھار دل کی باتیں کر لیا کرتا تھا اور والدین کی محبتوں، شفقتوں کے واقعات سن سنا لیا کرتا تھا، ماضی کے واقعات پر تبصرہ کر لیا کرتا تھا، لیکن جب چھوٹا بھائی بغیر اطلاع چلا گیا تو نور احمد رحمہ اللہ! یقین کرو، میرا دل کہتا ہے کہ آپ کا بیٹا سرفراز رحمہ اللہ بہت رنجیدہ خاطر ہوا ہوگا، اور یقیناً پہلی رات تو وہ رویا بھی ہوگا اور اسے نیند بھی نہیں آتی ہوگی۔ اور اس نے آنکھیں بند کر کے یقیناً نور احمد رحمہ اللہ آپ کو اور اپنی مرحومہ والدہ کو ضرور یاد کیا ہوگا، دکھ اگر کسی کو بتا دیا جائے تو بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، لیکن تیرا بیٹا سرفراز رحمہ اللہ اپنا دکھ کسے بتاتا۔ کون تھا جو اس کے آنسو پونچھتا، آخر تہجد کے وقت اُٹھ کر اس نے اپنے مالک کے در پر سر جھکا کر لرزتے ہونٹوں اور اشکبار آنکھوں سے عرض کیا ہوگا کہ اے اللہ! ماں باپ نہیں رہے ایک چھوٹا بھائی تھا جو پتہ نہیں کہاں چلا گیا، اے اللہ! وہی میرا غمگسار تھا، وہی میرا سہارا تھا، تو قدرت نے مسکرا کر کہا ہوگا کہ اسی لیے تو اسے علیحدہ کیا ہے تم ایک دوسرے کا سہارا بنے ہوئے تھے، میں نے وہ ظاہری سہارے بھی ختم کر دیے ہیں اب تم دونوں میرے ہی سہارے پر علیحدہ رہ کر علم حاصل کرو گے۔ میں کہتا ہوں صوفی عبدالحمید رحمہ اللہ بھاگے نہیں تھے بلکہ قدرت نے انہیں بھگایا تھا اور جب آپ کا بیٹا مولوی سرفراز رحمہ اللہ اپنے بھائی کی تلاش کے لیے نکلا تو قدرت اسے برصغیر کی ایسی درسگاہ میں لے گئی جسے ''اُمّ‌ِ‌ہِی'' کی درسگاہ کہا جاتا تھا۔ اگر صوفی عبدالحمید رحمہ اللہ مدرسہ چھوڑ کر نہ جاتے، یہ اپنے بھائی کی تلاش میں نہ نکلتے تو اُنہی کی معروف درسگاہ میں کیسے پہنچتے۔ بس یہ قدرت کے فیصلے ہیں واللہ غالب عالیٰ امرہ۔ نور احمد رحمہ اللہ صاحب! خوشی اس بات

کی ہے کہ یہ دونوں بھائی اکٹھے رہے یا علیحدہ ہو کے مگران دونوں نے سلسلہ تعلیم جاری رکھا، دینی تعلیم سے وابستہ رہے۔ اور آپ کی دعائیں رنگ لائیں نور احمد رحمہ اللہ! تمہیں مبارک ہو کہ تمہارے دونوں بیٹے اعلیٰ پائے کے عالم بنے ایک شیخ الحدیث بن گیا ایک شیخ التفسیر بن گیا۔ اور ہاں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ آپ رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے مولوی سرفراز رحمہ اللہ نے بھی آپ کی طرح دو شادیاں کی تھیں۔ دونوں بیویوں کی اولاد میں سب کے سب حافظ، قاری اور اکثر عالم دین بھی ہیں۔ آپ کا بیٹا مولوی سرفراز رحمہ اللہ حافظ تو نہیں تھا لیکن اگر کوئی ان سے پوچھتا کہ آپ رحمہ اللہ حافظ ہیں تو جواب دیتے تھے کہ ''میں حافظ تو نہیں ہوں لیکن حافظوں کا باپ ہوں۔'' میں کہتا ہوں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر اگر حافظوں کے باپ تھے تو آپ تو حافظوں، قاریوں، عالموں، واعظوں، مقرروں، خطیبوں کے جدّ امجد ہیں۔ آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ جو اثاثہ، مال، مویشی، گھر بار، جائیداد، حویلی چھوڑ گئے تھے وہ تو سب کا سب عارضی اور فانی تھا لیکن یہ جو اثاثہ اب آپ کو آپ کے مرشد کی دعا سے نصیب ہوا ہے، یہ ایسا اثاثہ ہے کہ نہ اس کے چوری ہونے کا خطرہ ہے اور نہ اسے کوئی لوٹ سکتا ہے۔ اور نہ کوئی دیگر اثاثہ جات کی طرح اپنی مرضی سے تقسیم کر سکتا ہے۔ یہ ایسا اثاثہ ہے کہ آپ کی اولاد شب و روز اسے تقسیم کر رہی ہے، نعمت بانٹ رہی ہے، لیکن یہ کم ہونے کی بجائے بڑھ رہا ہے، یہ سب آپ کی مخلصانہ دعاؤں کی برکت ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے۔ آمین

صفدر رحمہ اللہ دواخانہ کی سکہ بند دوائیں:

میرے عزیز! بیماریاں کئی قسم کی ہوتی ہیں، جسمانی بھی روحانی بھی، ذہنی بھی اور وہمی بھی، اندرونی بھی اور بیرونی بھی، کوئی علم نہیں ہوتا کہ نہ جانے کب اور کس وقت کون سا مریض آجائے! ایک ماہر طبیب وہی ہوتا ہو جو ہر مریض کی دوا ہر وقت تیار رکھے، اگر دوا تیار نہ ہو تو اُس دوا کے اجزاء اُسے ازبر ہوں تا کہ آنے والے مریض کو فوراً ''دوا'' یا ''نسخہ'' دے کر اُسے مطمئن کیا جا سکے۔ میرے نزدیک دوا تیار کرنا کوئی مسئلہ نہیں، اصل کام مرض کی تشخیص ہے، جو طبیب اصل مرض کی تشخیص کر لے وہی بہتر علاج بھی کر سکتا ہے، کسی کا علاج غذا بدلنے سے ہی ہو جاتا ہے اور کسی کو ساتھ دوا کی ضرورت ہوتی ہے، سب سے بہتر طریقہ تو ''علاج بالغذاء'' ہے، پھر ''علاج بالدواء'' کی باری آتی ہے، بعض مریض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انہیں علاج بالغذاء سے فائدہ نہیں ہوتا، انہیں صرف دوا ہی دی جاتی ہے، پھر امراض کی نوعیت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ بعض مریضوں کو کھلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور لگانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، پھر دوائیں مختلف ہوتی ہیں، بعض رنگت میں بڑی ''خوش نظر'' ہوتی ہیں، لیکن کھانے میں ''بدذائقہ'' ہوتی ہیں اور بعض دیکھنے میں تو کوئی خاص نہیں جچتی، لیکن کھانے میں لذیذ اور ذائقہ دار ہوتی ہیں۔ بہر حال دوا تو دوا ہے، یہ ضروری نہیں کہ

ہر دوا ’’خوش ذائقہ‘‘ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر دوا ہی ’’بدذائقہ‘‘ ہو، یہ تو طبیب کی تشخیص پر ہے کہ وہ کس مرض کے لیے کیا اور کون سی دوا تجویز کرتا ہے؟ اور ساتھ مریض کے مزاج کو بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ آیا اُس کا مزاج کیسا ہے؟ گرم مزاج ہے یا سرد مزاج؟ بلغمی ہے یا صفراوی ہے؟ وغیرہ وغیرہ....پھر اس کے بعد علاج شروع کیا جاتا ہے۔

عزیزم! صفدر رحمہ اللہ دواخانہ 1943ء میں چند خدا ترس اہلِ حق کی خواہش اور پرزور اصرار پر گکھڑ منڈی میں قائم کیا گیا تھا، پہلے پہل تو کوئی مریض صفدر دواخانہ میں نہیں آتا تھا، اس لیے کہ کئی ’’عطائی قسم‘‘ کے لوگوں نے اپنے اپنے کلینک اور دواخانے مختلف ناموں سے کھول رکھے تھے، مثلاً....’’شرکیہ کلینک‘‘....’’بدعتی پنسار سٹور‘‘....’’تیجہ فری ڈسپنسری‘‘....اور ’’رسم ورواج شفاخانہ‘‘....وغیرہ۔ ان عطائیوں نے عوام میں مشہور کر رکھا تھا کہ ’’صفدر دواخانہ‘‘ میں ’’گانگرس سیرپ‘‘ اور ’’وہابی کیپسول‘‘ دیئے جاتے ہیں، اس لیے کوئی مریض اس دواخانہ پر نہ جائے اور نہ ہی کوئی ’’حکیم صفدر‘‘ سے ملاقات کرے، لیکن جب ’’بدعتی پھوڑے‘‘ کا ستایا ہوا ایک مریض مجبوراً ’’صفدر دواخانہ‘‘ پر آیا تو ’’حکیم صفدر‘‘ صاحب نے معجونِ فلاسفہ (درسِ قرآن) اور لبوبِ کبیر (حدیث شریف) سے اس مریض کا علاج شروع کیا، ہفتہ عشرہ کے بعد اسے خواطر خواہ فائدہ ہوا تو اُس نے دیگر مریضوں کو بھی بتایا، اس طرح پورے گکھڑ منڈی میں شہرت ہوگئی کہ ’’صفدر دواخانہ‘‘ سے خالص ادویات ملتی ہیں اور بدعتی پھوڑوں کا شافی علاج کیا جاتا ہے اور کئی مریض یہاں سے شفا پا چکے ہیں۔ یہ بات اہلِ فہم اور اہلِ بصیرت کے لیے تو باعثِ مسرت تھی مگر اُن عطائیوں کو پریشانی لاحق ہوگئی جو ہر مریض کو ’’تیجے کی گولیاں‘‘، ’’ساتے کا چورن‘‘، ’’چہلم کا معجون‘‘ اور ’’گیارہویں کا جوشاندہ‘‘ دیا کرتے تھے۔ پرہیز یہ بتایا جاتا تھا کہ ’’صفدر دواخانہ‘‘ سے بچنا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھیئے کہ جس قدر لوگوں کو یہ عطائی (بدعتی) روکتے تھے اُسی قدر عوام میں ’’صفدر دواخانہ‘‘ کی شہرت ہوتی تھی، عطائیوں کا منفی پروپیگنڈہ ’’صفدر دواخانہ‘‘ کی شہرت کا باعث بن گیا، علامہ اقبال نے خوب کہا ہے

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے

سرمہ ’’آنکھوں کی ٹھنڈک‘‘:

’’صفدر دواخانہ‘‘ میں ’’حکیم صفدر‘‘ نے اگرچہ اپنے اکابر کی دواخانوں کی تیار کردہ دوائیں بھی رکھی تھیں، مثلاً....’’نانوتوی فیضِ عام دواخانہ‘‘ کا تیار کردہ شربت ’’آبِ حیات‘‘....’’گنگوہی دواخانہ‘‘ کا سیرپ ’’فتاویٰ رشیدیہ‘‘....’’سہارنپوری دواخانہ‘‘ کا خمیرہ مروارید ’’المہند علی المفند‘‘....’’تھانوی دواخانہ‘‘

کے عرقیات ''نشر الطیب''، ''بیان القرآن''.... ''مدنی دواخانہ'' کا سفوف ''نقشِ حیات''....وغیرہ وغیرہ۔
لیکن اس دواخانہ کو شہرت اُس وقت ملی جب ''حکیم صفدر صاحب'' نے اپنا تیار کردہ خالص ''سرمہ'' (آنکھوں کی ٹھنڈک) پیش کیا، سرمہ ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' جب مارکیٹ میں آیا تو جن کی آنکھوں میں ''شرک کا پھولا'' تھا ''بدعت کی سرخی'' تھی اور جن آنکھوں میں ''رسم ورواج کا موتیا'' اُتر رہا تھا اُن کے لیے ''تیر بہدف'' ثابت ہوا۔ اور جس جس مریض نے بھی یہ سرمہ استعمال کیا اسے شاندار افاقہ ہوا، بلکہ اکثر مریضوں کی آنکھیں ''شرک وبدعت'' اور ''رسم ورواج'' کی بیماریوں سے صاف ہوگئیں، ایک عرصہ تک اہلِ علم طبقہ میں اس کا شہرہ رہا۔ تقریباً بیس سال تک کسی ''بازاری'' یا ''لاری'' سرمہ فروش کو جرأت نہ ہوئی کہ وہ اس کے مقابلے میں کوئی سرمہ تیار کرتا، 20 سال کی مکمل خاموشی کے بعد آخر نوجوان نسل نے ''نیم حکماء'' کو غیرت دلائی کہ تم خود کو بڑے ''حاذق، حکیم'' سمجھتے ہو اور اپنے دواخانوں کی تیار شدہ دواؤں کو معیاری کہتے ہو، آج تک تم سرمہ ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کے مقابلہ میں کوئی آنکھوں کا دوا تیار نہ کر سکے! نوجوانوں کی بات سُن کر اُن کے ایک عطائی صوفی اللہ دتہ کو جوش آیا اور صوفی اللہ دتہ کو جوش محض اس لیے آیا کہ اُن کا نام ''اللہ دتہ'' تھا، ورنہ جو ''پیراں دتے'' تھے وہ تو سرمہ لگاتے ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گئے تھے۔ صوفی اللہ دتہ نے جو دوا تیار کی وہ انسانوں کی آنکھوں کے لیے کجا چوپاؤں کے استعمال کے بھی قابل نہ تھی، الحمد للہ آج تک ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کے مقابلہ کی دوا (کتاب) کسی سے تیار نہ ہوسکی، مزے کی بات یہ ہے کہ سرمہ ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' جہاں ''شرک کے پھولے''، ''بدعت کی سرخی'' اور ''رسم ورواج کے سفید موتیا'' کے لیے تیر بہدف ثابت ہوا تھا وہاں یہ سرمہ آنکھوں میں ''خارجیت کی خارش'' ''یزیدیت کا جالا'' جیسی آنکھوں کی تمام بیماریوں کے لیے شافی ثابت ہوا، جن لوگوں کی آنکھوں میں ''خارجیت کی خارش'' اور ''یزیدیت کا جالا'' تھا اُنہوں نے بڑا واویلا کیا کہ یہ سرمہ ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' صحیح نہیں ہے، اس سے آنکھیں خراب ہوجاتی ہیں لیکن ان ''خارجیت کی خارش'' اور ''یزیدیت کے جالا'' والوں کے شور شرابے پر کسی نے بھی دھیان نہیں دیا بلکہ واشگاف الفاظ میں کہا کہ اس سرمہ (آنکھوں کی ٹھنڈک) میں آنکھوں کی تمام بیماریوں کا شافی علاج ہے اور یہ سرمہ واقعی ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' ہے۔

جوارش ''راہِ سنت'':

''صفدر دواخانہ'' کی طرف سے ایک بہت ہی بہترین ''جوارش'' تیار کی گئی، جسے جوارش ''راہِ سنت'' کا نام دیا گیا۔ اس جوارش کی خاصیت یہ ہے کہ یہ ''رسم ورواج کی فاسد رطوبات'' کو جذب کرتی ہے، عقیدے کو طاقت دیتی ہے، نظریہ کی اصلاح کرتی ہے، عمل کا شوق پیدا کرتی ہے، مطالعہ کی بھوک بڑھاتی

ہے، ''بدعت کی ریح'' خارج کرتی ہے، ''تولیدِ شرکیہ جراثیم'' کو روکتی ہے، ''وجدنا آباءنا'' جیسی کمزوریوں کے لیے بہترین ٹانک ہے، ''تیجے کا ہیضہ''، ''ساتے کا اپھارہ''، ''دسویں کا دردِ شقیقہ'' اور ''چہلم کے دردِ قولنج'' کے لیے یکساں مفید ہے۔ضعیف الاعتقاد اور وہمی مردوں، عورتوں کے لیے بہترین دوا اور ہر موسم میں قابل استعمال ہے۔ اس جوارش ''راہِ سنت'' کو استاذ الحکماء (مولانا قاری) محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ، (مولنا مفتی) مہدی حسن رحمہ اللہ اور (مولانا) شمس الحق افغانی رحمہ اللہ جیسے طبیب حضرات نے بہترین ''جوارش'' قرار دیا ہے اور اس کے ''اجزاء'' (مواد) کے خالص ہونے کی تصدیق کی ہے۔

شربت ''تسکین الصدور'':

''شربتِ تسکین الصدور'' ''صفدر دواخانہ'' کی بڑی خاص ایجاد ہے، اہلِ فہم، اہلِ بصیرت میں زبردست مقبول ہے۔مماتیت کی خارش، ''عدمِ اعتماد علی السلف کے بخار'' کے لیے شافی ہے۔''خود ساختہ تحقیقی مالیخولیا'' میں مبتلا اشخاص کا بہترین علاج ہے۔

وقتِ استعمال: جب تہجد سے فارغ ہو تو خالی الذہن ہو کر اپنے خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اور ڈوب کر اس کا استعمال (مطالعہ) کرے۔ان شاء اللہ چند دنوں کی خوراکوں سے ''ضد کی یبوست'' ختم ہو کر ''اعترافِ حق کی فرحت'' نصیب ہوگی۔ ''شربتِ تسکین الصدور'' کا مسلسل استعمال ''فاسد خیالات'' کو دماغ سے نکال دیتا ہے، ''جمہور علماء امت کی محبت'' پیدا کرتا ہے، ''اکابر علماء دیوبند کے موَقف'' کو ذہن نشین کر کے ''اعتقادی طبیعت'' کو نشاط بخشتا ہے۔''انانیت کے سُدّے وں'' کو کھولتا ہے اور ''خود پسندی کے درد'' کو رفع کرتا ہے۔تمام پڑھے لکھے اس کا استعمال (مطالعہ) کر سکتے ہیں۔ ہر موسم میں مفید ہے۔اس کا مسلسل استعمال (مطالعہ) ''عقائد صالحہ'' اور ''اعمالِ صالحہ'' پیدا کرتا ہے اور ''اکابرین کا اعتماد'' پیدا کرتا ہے، ''عقیدہ حیات النبی'' کو پختہ کرتا ہے، صداقت کے متلاشی اشخاص کی ''بینائی'' کو قوت دیتا ہے، عقل و ذہن کو تیز کرتا ہے کہ جس سے ''سچ'' اور ''جھوٹ'' کا واضح فرق نظر آتا ہے۔اعتماد علی السلف کا حوصلہ پیدا کر کے ''گفتگو'' کا ملکہ پیدا کرتا ہے۔''شربتِ تسکین الصدور'' کی چند خوراکیں ہی ''دل و دماغ'' اور ''جگر و سینہ'' کو تسکین دیتی ہیں۔''شربتِ تسکین الصدور'' کے اجزاء (مواد) پر اکابرین دیوبند نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔اسے ''منکرین حیات النبی'' کے مریضوں کے لیے بہترین علاج قرار دیا ہے۔ اس کے ''ذائقہ'' اور ''لذت'' (اسلوب) کی زبردست تعریف کی گئی ہے۔

شربت ''تسکین الصدور'' کی ایجاد کی وجہ:

عزیزو! ''بخاری دواخانہ'' گجرات کے ایک معروف طبیب (سید عنایت اللہ شاہ بخاری) تھے، وہ

''بدعتی پھوڑے'' اور ''شرکیہ خارش'' کا زبردست علاج کرتے تھے، ان کے دواخانہ میں اکابر علماء دیوبند کے اداروں کی تیار کردہ ادویات دی جاتی تھیں اور بفضل خدا مریض شفایاب بھی ہوتے تھے، جہاں بھی جاتے تھے، دیوبندی اداروں کی تیار کردہ مستند ادویات ہی دیا کرتے تھے، تمام مایہ ناز اطباء انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے، پھر نہ جانے انہیں بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی کہ انہوں نے اپنے ''بخاری دواخانہ'' میں ''کُشتۂ عقیق'' (اپنی تحقیق، عقیدہ مماتیت وغیرہ) تیار کیا۔ لیکن وہ کچا رہا (جمہور علماء امت کے نظریات کے خلاف) لیکن ان کے نزدیک بہترین تھا، اس ''کُشتۂ عقیق'' کی تیاری کے بعد گجراتی حکیم صاحب، ملتان خیر المدارس کے جلسہ پر آئے تو اپنے خطاب میں اپنے تیار کردہ ''کُشتہ'' کے فوائد بیان کرنا شروع کر دیئے اور اسی ''کشتہ'' کو استعمال کرنے پر زور دیا اور دیگر دواؤں مثلاً.... ''شربتِ آبِ حیات''.... ''سیرپِ فتاویٰ رشیدیہ''.... ''خمیرہ المہند علی المفند''.... ''عرق نشر الطیب''.... اور ''سفوفِ نقشِ حیات''.... جیسی ''سر بند'' ادویات کو سراسر جعلی اور ناقابل استعمال (ناقابل عمل) قرار دے دیا، ''شفاخانہ خیر المدارس'' کے انچارج، استاذ الحکماء مولانا حکیم خیر محمد رحمہ اللہ نے بروقت اُس ''کُشتہ'' کو چکھ کر (سن کر) فوراً کشتہ کے ناقابل استعمال ہونے کی وضاحت کی، اور گجراتی حکیم صاحب کی تردید کی، مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کو اندازہ ہوا کہ گجراتی حکیم صاحب کو اپنے اکابر علماء دیوبند پر ''عدم اعتماد'' کی حرارت ہے، لہٰذا انہوں نے ''نانوتوی دواخانہ'' کا تیار کردہ مشہور زمانہ ''شربتِ آبِ حیات'' ان کے لیے تجویز کیا اور پرہیز یہ بتایا کہ وہ ''کشتۂ عقیق'' (اپنا مماتی عقیدہ) عوام میں بیان نہیں کرنا تاکہ عوام انتشار کا شکار نہ ہوں، لیکن گجراتی حکیم صاحب اول درجہ کے بد پرہیز تھے، اسی بد پرہیزی کی وجہ سے تو ''عدمِ اعتماد علی السلف'' کا ''بخار'' ہوا تھا، لہٰذا مستند ادویات سے انکار (اکابرین کی کتابیں) اپنے تیار کردہ ''کشتۂ عقیق'' پر اصرار (خود ساختہ عقیدہ) اور جلسوں میں اس کی تشہیر کی مسلسل بد پرہیزی کی وجہ سے ''عدمِ اعتماد علی السلف'' کا بخار تیز ہو گیا، چنانچہ مسلک دیوبند کے جید علماء وحکماء نے مشورہ کر کے گجراتی حکیم صاحب کے علاج معالجہ کے لیے ''طبیہ یونیورسٹی'' دیوبند سے حکیم قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ کو بلوایا، انہوں نے تشخیص وتحقیق کے بعد بہت ہی مختصر اور کارآمد ''نسخہ'' تجویز کیا، جس کے اجزاء یہ ہیں ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روزہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں'' اس شافی نسخہ پر حضرت قاری طیب صاحب رحمہ اللہ، مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ، مولانا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ، شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ نے دستخط کر دیئے۔ [تسکین الصدور ص ۴۷] لیکن گجراتی حکیم صاحب نے اس نسخہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا، انہیں علم

تھا کہ اگر میں نے اس نسخہ پر دستخط کردیئے تو میرا تیار کردہ ''تحقیقی کشتہ'' کوئی نہیں استعمال کرے گا، اور اس تحقیقی کشتہ کی ''پرِ کاہ'' کے برابر حیثیت نہیں رہے گی۔ چنانچہ گجراتی حکیم صاحب اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضرت قاری طیب رحمہ اللہ کی خدمت میں لاہور پہنچتے ہیں اور اس نسخہ (معاہدہ) کو منسوخ کرانے پر زور دیتے ہیں اور شدید اصرار کرتے ہیں، حضرت قاری طیب صاحب رحمہ اللہ جواب میں فرماتے ہیں کہ میری سمجھ میں جو بات آسکتی تھی وہ میں کر چکا ہوں اگر مزید آپ کچھ کرنا اور کہنا چاہتے ہیں تو مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ سے ملتان میں ملاقات کریں! حضرت قاری طیب صاحب نے اپنے پروگرام کے مطابق ہندوستان واپس جانا تھا اور مزید پاکستان ٹھہرنے کی گنجائش نہ تھی، اس لیے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ دیوبند روانہ ہو گئے۔

گجراتی حکیم صاحب کے بخار کی شدت:

عزیزو! حضرت قاری محمد طیب صاحب کی ہدایت پر ''خیر المدارس'' ملتان میں گجراتی حکیم صاحب کو بلایا گیا، فریقین سے ملاقات کر کے وقت کی تعیین کی ذمہ داری اس وقت کے مشہور ''سرجن'' اور تمام امراض کے ''سپیشلسٹ'' مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کو سونپی گئی، حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے گجراتی حکیم صاحب سے کہا کہ صرف پانچ آدمی لیکر آئیں، دوسری طرف سے بھی پانچ ہی ہوں گے، لیکن حکیم گجراتی صاحب وقت مقررہ پر تقریباً 25/30 افراد لے کر آپہنچے، حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ نے حکیم گجرات حضرت شاہ صاحب سے کہا کہ مولانا خیر محمد نے صرف پانچ آدمی لانے کا حکم فرمایا ہے تو ہمیں حضرت کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے تھی! تو گجراتی حکیم صاحب نے کہا کہ ''حضرت کا حکم نامہ کوئی آسمانی صحیفہ ہے کہ جس کی تعمیل واجب ہے؟'' حکیمِ گجرات کے اس جملہ کو بخار کی تیزی وجہ سمجھ لیا گیا، لیکن جب حضرت جالندھری رحمہ اللہ نے اپنے موقف پر اصرار کیا تو گجراتی حکیم جو کہ ''عدمِ اعتماد علی السلف'' کے ''بخار'' سے جھلس رہے تھے، انہوں نے مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ کے منہ پر طمانچہ مارا، قربان جائیں مولانا جالندھری رحمہ اللہ کے تحمل پر، انہوں نے جواباً ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ سید سے بدلہ لینے کے لیے سید امین شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی آگے بڑھے اور کہا کہ ''فوراً مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ سے معافی مانگ لو! ورنہ میں اپنے ہاتھ سے بدلہ لوں گا!'' چنانچہ حکیم گجرات فوراً مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے قریب جا کر ان کی منتیں کرنے لگے کہ مجھے سید امین شاہ صاحب رحمہ اللہ سے بچایئے! مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا ''گجراتی حکیم صاحب! آپ کو مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ سے اپنی حرکت کی معافی مانگنا ہو گی! چنانچہ گجراتی حکیم صاحب نے بار بار مولانا جالندھری رحمہ اللہ سے معافی مانگی، تب جان چھوٹی [حق چار یار، قائد اہل السنۃ نمبر

ص404]

میں کہتا ہوں یہ حرکت دراصل ''اعترافِ شکست'' تھا، ہر سنجیدہ، متین اور معقول آدمی اس امر کو انتہائی گھٹیا حرکت کہے گا، جو کسی بھی صاحب علم کو زیب نہیں دیتی۔ اور شاید یہی وہ موڑ ہے جب شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ نے ذہنی طور پر گجراتی حکیم صاحب سے اپنا راستہ الگ کرنے کا فیصلہ کرلیا، پھر بتدریج حکیم گجرات سے علیحدہ ہوتے چلے گئے۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی قبر پر کھڑے ہوکر دعا کرتے اور روتے ہوئے اپنے اردگرد کھڑے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ ''تم سب لوگ گواہ رہنا کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو اس قبر والے کا ہے''۔ [مناظرہ حیات النبی، از قلم مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہ ص 91]

گجراتی حکیم صاحب کے علاج کی کوشش:

میرے عزیزو! جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ گجراتی حکیم صاحب اپنے ہی تھے، اور مسلک دیوبند سے منسلک تمام علماء حضرات ان سے محبت کرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، حکیم گجرات بھی دل وجان سے سب کی عزت وتکریم کرتے تھے۔ اس لیے ان کے ''مرض کی شدت''' کے پیش نظر ہر حکیم، طبیب اور ڈاکٹر کو تشویش تھی اور تمام اطباء (علماء) صدقِ نیت سے حکیم صاحب کے مرض کا علاج کرنا چاہتے تھے، لہٰذا سب حکماء کی یہ کوشش تھی کہ انہیں کسی نہ کسی طرح ''نانوتوی دواخانہ'' کا ''شربت آب حیات'' استعمال کرایا جائے تاکہ انہیں مکمل شفا ملے، لیکن بخار کی شدت (اسلاف پر عدمِ اعتماد) اور مناسب خوراک کی کمی (مخلص دوستوں کی بات نہ سننا) نے حکیم گجرات کے اندر ''خشکی'' اور ''چڑچڑاپن'' پیدا کردیا' ایک مرتبہ جہلم کے مشہور طبیب مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ یہ سوچ کر کہ گجراتی حکیم صاحب میرے پرانے ساتھی ہیں اور میری بات ضرور مان لیں گے، گجراتی حکیم صاحب کو پلانے کے لیے (مطالعہ کے لیے) ''شربت آب حیات'' لے گئے، جب مولانا جہلمی رحمہ اللہ نے ''شربت آب حیات'' ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے اٹھا کر جوتیوں پر پھینک دیا۔ حکیم جہلمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس روز میں انتہائی مایوس ہوگیا کہ اب حکیم گجرات لاعلاج ہوچکے ہیں۔ اب ان کا علاج بہت مشکل ہے۔ حکیم گجرات کے علاج کے لیے چکوال شہر کے مشہور طبیب اور نامور سرجن حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے بھی بھرپور کوشش کی کہ ان کا علاج ہو اور گجراتی حکیم صاحب شفایاب ہوں، طبیب چکوال نے حکیم گجرات سے یہ بھی کہا کہ آپ کو جو جو ''بیماریاں'' ہیں وہ تحریری طور پر ہمیں بتائیں، ہم ان کے علاج کے لیے نسخہ جات لکھ دیں گے، لیکن باوجود کوشش کے گجراتی حکیم صاحب اپنے امراض (اپنا عقیدہ) لکھ کر دینے کو تیار نہ ہوئے۔ چونکہ گجراتی حکیم حضرت شاہ

صاحب کے متعلق ہر طرف تشویش پائی جاتی تھی اور ہر طبیب (عالم) ان کی صحت کے لیے فکر مند تھا، چنانچہ ''مسلک دیوبند'' کے مایہ ناز عالم دین، طبیہ یونیورسٹی ''دارالعلوم دیوبند'' کے بااعتماد ''سرجن'' مشہور ومعروف جرّاح حضرت مولانا ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب نے گجراتی حکیم صاحب کے علاج کے لیے ''معجون مقام حیات'' تیار کیا تا کہ کسی نہ کسی طرح ''عدم اعتماد علی السلف'' کے ''بخار'' میں افاقہ ہو، ''معجون مقام حیات'' سے بخاری حکیم کا بخار تو کیا اترنا تھا، مرض میں اور اضافہ ہوگیا، دراصل ''معجون مقام حیات'' کے تمام اجزاء خالص تھے، ان اجزاء کو دیکھ کر مریض کا سیخ پا ہونا لازمی امر تھا، چنانچہ مرض کی شدت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ بعض لوگ اسے ''ہذیانی کیفیت'' سمجھنے لگے، لیکن میرے نزدیک یہ ہذیانی کیفیت نہیں تھی بلکہ مرض کا شدید حملہ تھا، ہذیانی کیفیت میں تو آدمی بے ہوش ہوجاتا ہے، لیکن یہاں بے ہوشی نہیں تھی بلکہ ہوش تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ ''سماع موتی'' کے تمام قائلین کو وہ ''ابوجہل کا ٹبر'' کہتے تھے۔ اب دیکھئے! اگر ہذیانی کیفیت ہوتی تو پھر کسی کا بھی نام لیا جاسکتا تھا، ابوجہل کا جو نام لیا، اس کا مطلب ہے یہ ہے کہ وہ ہوش میں تھے، اگر بے ہوش ہوتے تو ''ابوبکر کا ٹبر'' بھی کہہ سکتے تھے، لیکن تمام قائلین سماع کو ''ابوجہل کا ٹبر'' کہنا یہ ان کے ہذیان اور بے ہوشی کی نفی کرتا ہے۔ البتہ سلف پر عدم اعتماد کا ''بخار'' اس قدر تیز تھا کہ تمام ''قائلینِ سماعِ موتی'' کو ''ابوجہل کا ٹبر'' کہتے ہوئے یہ بھول گئے کہ ''سماعِ موتی'' کے قائلین میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ کے نام آتے ہیں اور جمہور ائمہ کرام سماع موتی کے قائل ہیں، کیا یہ سب ''ابوجہل کا ٹبر'' ہیں؟ [مناظرہ حیات النبی، از مولانا عبدالجبار سلفی ص 86]

لیکن چونکہ ''بخار'' کی شدت، (عدمِ اعتماد علی السلف) خوراک کی کمی (ساتھیوں کی بات نہ سننا) نے ان کے اندر پریشان کن حد تک ''خشکی'' پیدا کردی کہ گجراتی حکیم صاحب نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں **''شربت آب حیات''، ''سیرپ فتاویٰ رشیدیہ''، ''خمیرہ المہند علی المفند''، ''عرق نشر الطیب''، ''سفوف نقش حیات''** وغیرہ استعمال نہیں کرونگا مجھے ان پر قطعاً اعتماد نہیں بلکہ اسی ''خشکی'' اور ''ترشی'' میں یہ بھی کہہ دیا کہ میں ''وانؔ بچراں دواخانہ'' کے تیار کردہ ''عرق'' (**تحریراتِ حدیث**) اور ''شیخ القرآن دواخانہ'' کی ''سلاجیت'' (ماہنامہ **تعلیم القرآن** ستمبر 1959 میں فتویٰ) بھی استعمال (مطالعہ) نہیں کرونگا۔ گجراتی حکیم صاحب کے ''سکہ بند ادویات'' سے نفرت کی حد تک پرہیز نے ان کے ''عدم اعتماد علی السلف'' کے ''بخار'' میں تشویش ناک حد تک اضافہ کردیا اور ساتھ ''ضدی چنبل'' کا ایسا مرض لگا کہ اس مرض نے انہیں اپنے پرانے ساتھیوں سے دور کردیا، اسی شدت مرض میں وہ نسخہ جات (آیات) جو اہل بدعت کے لیے استعمال کیا کرتے تھے اب انہی موحدین اور اپنے ساتھیوں پر چسپاں

کرنے لگے، اس ہیجانی کیفیت میں پتہ نہیں کیا کچھ کہہ جاتے تھے، چنانچہ 4 اگست 1962ء کو لاہور میں جمعیت علماء اسلام کے ایک اجلاس میں ایک کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا جو حکیم گجرات کے تیار کردہ ’’کشتہ‘‘ کے نقصانات سے عوام الناس کو آگاہ کرے، چنانچہ گکھڑ کے مشہور طبیب، حکیم حاذق، ’’صفدر دواخانہ‘‘ کے انچارج حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو اس کمیٹی کا چیرمین بنا کر یہ کام انہی کے سپرد کر دیا گیا، انہوں نے اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے ’’تسکین الصدور‘‘ کے نام سے ایسا شربت تیار کیا جو ذائقہ اور لذت (دلائل و براہین) سے بھر پور تھا، اس شربت نے اہلِ حق کے سینوں میں سکون و راحت پیدا کر دی، لیکن ’’مماتی خارش‘‘ اور ’’ضدی چنبل‘‘ کے مریضوں کے لیے یہ ’’تسکین‘‘ ’’سکین‘‘ (چھری) ثابت ہوئی اور آج تک اس ’’تسکین الصدور‘‘ کو ’’سکین الصدور‘‘ سمجھتے ہیں۔ شربت ’’تسکین الصدور‘‘ کا استعمال (مطالعہ) تو کجا! اس کو ہاتھ لگانے سے ڈرتے ہیں، بلکہ اگر کسی کے ہاتھ میں ہو تو دیکھ کر منہ دوسری طرف پھیر لیتے ہیں۔ میرے عزیزو! یہ ایک ایسی دستاویز ہے، ایک ایسی تالیف ہے، ایک ایسی کتاب ہے، ایک ایسا نسخہ ہے جو مماتیت زدہ اشخاص کے علاج کے لیے تیر بہدف ہے، ’’شربت تسکین الصدور‘‘ کا ہر طالب علم اور ہر عالم کے پاس ہونا ضروری ہے۔ ’’شربت تسکین الصدور‘‘ کے مقابلہ میں (جواب میں) ’’جام تسکین القلوب‘‘، ’’سیرپ ندائے حق‘‘ اور ’’عرق آئینہ تسکین الصدور‘‘ کے نام سے بعض نسخے مارکیٹ میں آئے لیکن ’’شربت تسکین الصدور‘‘ کی خاصیت، افادیت اور اہمیت کم نہ کر سکے اور نہ ان شاء اللہ کر سکیں گے۔

عزیزو! خدا لگتی بات تو یہ ہے کہ ’’تسکین الصدور‘‘ کا جواب کسی سے ہو بھی نہیں سکتا، تمام علماء، محدثین تو امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی علمیت اور فقاہت کے معترف ہیں، حضرت قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ جنہوں نے مماتی لوگوں کے شدید اصرار پر ’’تسکین القلوب‘‘ لکھی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام اہل السنۃ تین چیزوں میں مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں، [۱] اسماء الرجال [۲] ادب [۳] فقہی جزئیات اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ جو فن اسماء الرجال کا ماہر ہو، ادب میں فائق ہو، فقہی جزئیات میں تاک ہو، اس کی کتاب کا جواب پھر کون دے سکتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ یہی وجہ تھی کہ حضرت عنایت اللہ شاہ بخاری کو بھی ’’تسکین الصدور‘‘ پر جرح کی جرأت نہ ہوئی، وہ امام اہل السنۃ کی علمی، فقہی حیثیت جانتے تھے اور مانتے بھی تھے تبھی تو ’’بیہقیٔ وقت‘‘ کے لقب سے پکارا تھا۔ [ماہنامہ الخیر جون 2009]

’’صفدر دواخانہ‘‘ کی دیگر دوائیں:

عزیزو! ’’صفدر دواخانہ‘‘ کی تیار کردہ اگرچہ بیسیوں نسخہ جات اور دوائیں ہیں لیکن یہاں صرف

چند دواؤں کا تعارف کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

[۱] اطریفل ''خزائن السنن'':

تحقیقی، تفسیری اور تدریسی کام کرنے والوں کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ علمی کمزوری دور کر کے بیان میں طاقت پیدا کرتی ہے۔ نئے مدرسین کے لیے استاد کا درجہ رکھتی ہے۔ ایسی خالص دوا ہے جو ساتھ علمی غذا کا کام بھی کرتی ہے۔

[۲] جوشاندہ ''احسن الکلام'':

کھانسی، نزلہ اور زکام (بحثِ فاتحہ خلف الامام) کے لیے مفید ہے، ''ضد کی قبض'' کا شافی علاج ہے، ''مقتدی اور امام'' کا فرق واضح کر کے ''دل اور دماغ'' میں نشاط پیدا کرتا ہے، اس کا مسلسل استعمال ''غیر مقلدیت کی خارش'' کے لیے مجرب ہے۔ لسانی بواسیر (نہیں ہوتی، نہیں ہوتی) کے لیے انتہائی مجرب ہے۔

[۳] جوارش ''الکلام المفید'':

''غیر مقلدیت کے بخارات'' کا شافی علاج ہے، ''ہٹ دھرمی کے سُدّے'' کھولتی ہے، ''رعونت کی فاسد رطوبات'' کو جذب کر کے ''ائمہ کی گستاخی'' سے روکتی ہے، اس کا مسلسل استعمال ''تقلید کا شوق'' اور ''عمل کا ذوق'' پیدا کرتا ہے۔

[۴] سفوف ''ازالۃ الریب''

مخلوق میں ہر ایک کو عالم الغیب سمجھنے والے مریضوں کا بہترین علاج ہے، دل و دماغ میں پیدا ہونے والے شرکیہ خیالات کو رفع کرتا ہے، ''جوتشیوں''، ''نجومیوں'' کے شر سے بچاتا ہے، اس کا مسلسل استعمال ''عقیدہ'' کو ''تقویت'' دیتا ہے۔

[۵] سیرپ ''سماع موتی''

''قبر کے پجاریوں'' اور ''سماع کے انکاریوں'' کے لیے زبردست ٹانک ہے، اکابرین اور اسلاف کی عظمت پیدا کرتا ہے، ''منافقت کے جراثیم'' کا مکمل خاتمہ کرتا ہے، اسلاف دشمنی کی ''چنبل'' اور ''ضدی ٹائیفائیڈ'' کا بہترین علاج ہے۔

[۶] تریاق ''ارشاد الشیعہ'' :

''دل و دماغ'' (عقائد) سے صحابہ کرام کے خلاف زہریلے جراثیم (نظریات) ختم کر کے مزاج (عقیدہ) کو معتدل بناتا ہے، ''رافضیت کی ریح'' خارج کرتا ہے، بھوک لگاتا ہے (صحابہ کی محبت پیدا

کرتا ہے)، ''عقیدتِ صحابہ'' اور ''محبت اہلِ بیت'' کے نظریہ کو تقویت دیتا ہے۔

[۷] لعوق ''گلد ستہ توحید''

''کفریہ کھانسی''، ''شرکیہ بلغم'' کے لیے مجرب ''لعوق'' ہے، سینے (عقیدہ) سے ''شرکیہ بلغم'' صاف کرتا ہے، ''رسم ورواج'' کے اپھارہ کے لیے مفید ہے۔ کھٹے ڈکار (شرکیہ باتیں) روک کر معدہ (عقیدہ) کی اصلاح کرتا ہے، اس کا مسلسل استعمال (مطالعہ) ''سکہ بند'' موٗحد بناتا ہے۔

[۸] کُشتہ ''دل کا سرور:

معدہ (عقیدہ) سے ''فاسد رطوبات'' (نظریات) ختم کر کے دل (عقیدہ توحید) کو تقویت دیتا ہے۔ ''شرک وبدعت کی یبوست'' کا مکمل خاتمہ کر کے سچ اور حق سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، اس کے مسلسل استعمال سے گفتگو میں شرک کی بدبو ختم ہو جاتی ہے، کمزور عقیدہ والوں کے لیے بہترین ٹانک ہے۔

☆ ''علماءِ دیوبند'' کا ''امام اہل السنۃ'' پر اعتماد:

عزیزو! حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ ایسی شخصیت ہیں کہ اُن پر اکابر علماء دیوبند نے اعتماد کا اظہار کیا ہے، حضرت شیخ کی تصنیفات وتالیفات کو ''حق وصداقت'' کا شاہکار قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں کہ ''پاک وہند کے جید علماء کرام نے حضرت مولانا قاری طیب قاسمی رحمہ اللہ پر اعتماد کیا تھا اور قاری طیب صاحب رحمہ اللہ نے حضرت امام اہل السنۃ پر بھرپور اعتماد کیا تھا، اب مزید کسی کی تائید وتصدیق کی ضروت نہیں رہتی۔ اگر حضرت شیخ کے چند شاگرد (یا عزیز) حضرت شیخ پر اعتماد نہیں کرتے تو نہ کریں، حدیث حضرت شیخ سے پڑھ کر اور حدیث سمجھنے کے لیے کسی بے استادے ''عطائی'' اور ''منکرِ حدیث'' کے پاس جاتے ہیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ (''ھدی للنّاس'' امام اہل السنۃ نمبر ص 40 بیان: مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ)

خاطر جمع رکھیے! یہ ضروری نہیں کہ مرغی کے نیچے جتنے انڈے رکھے جائیں اُن سب سے چوزے نکل آئیں! اُن میں سے کچھ انڈے ''گندے'' بھی نکل جاتے ہیں، بد اعتماد لوگوں اور بے پیندے لوگوں کا بھی کوئی رُخ ہوتا ہے؟ انہیں تو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اُنہیں استعمال کون کر گیا ہے؟

تعجب ہے ہمیں وہ لوگ بھی آوارہ کہتے ہیں
جو رہتے اور گھر میں ہیں پتہ کچھ اور ہوتا ہے

چوہے کے ہاتھ ہلدی لگی تو وہ بھی پنساری بن بیٹھا، جس اُستاد نے پڑھایا، لکھایا، چمکایا، سجایا، بٹھایا اور اٹھایا اُس پر اعتماد نہیں! جس اُستاد نے فنِ تفسیر کے اُصول، فنِ حدیث کے اُصول، فقہ اور فقہ کے اُصول بتائے، سمجھائے، اُس پر اعتماد نہیں؟ ''لاحول ولا قوۃ''، جس اُستاد نے عبارت پڑھنے کی صلاحیت پیدا کی،

جس اُستاد نے کتاب اُٹھانے کا طریقہ اور بیٹھنے کا سلیقہ بتایا، جس اُستاد نے توجہ اور محنت سے، دل لگی اور دلجمعی سے، پابندی اور پاسداری سے تمہیں اس قابل بنایا کہ تم میں لکھنے، بولنے کا ملکہ پیدا ہوگیا تو اب ان پر تمہیں اعتماد نہیں؟ جس استاد کی انگلی پکڑ کر اب تک تم چلتے رہے ہو اور صحیح راستہ پر رہے تو اب تمہیں اُن کی راہنمائی پر بھروسہ نہیں ہے؟''**معاذالله ثم معاذالله**''

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھی دھڑکنیں
اُن کو زباں ملی تو ہمیں پر برس پڑے

چشتی کی بات کان کھول کر سن لو! میں واشگاف الفاظ میں کہتا ہوں کہ استاد کی جان بوجھ کر توہین کرنے والے کا انجام عبرتناک ہوتا ہے۔ ہم نے بڑے بڑے طرم خان اور سکالروں کی مٹی پلید ہوتے دیکھی ہے، حق اور سچ ہمیشہ ''سرفراز'' رہتا ہے، اہلِ حق سے ذہناً، مسلکاً، مشرباً ٹکرانے والے سرنگوں ہوجاتے ہیں۔ سنڈاس کے باسی، خناس کے ساتھی عطرداں کا قرب برداشت نہیں کر سکتے اور اپنی ''علمی موت'' آپ مرجاتے ہیں۔''**خسر الدنیا و لاٗخرة**''۔

''قاضی''، ''سنگی'':

اسے حُسنِ اتفاق کہوں یا خدائی فیصلہ سمجھوں! کہ **1914**ء میں دو بچوں کی ولادت ہوتی ہے، ایک چکوال کے علاقہ بھیں میں پرورش پاتا ہے اور ایک مانسہرہ کے علاقہ ڈھکی چیڑاں میں پروان چڑھتا ہے۔ ایک کا نام ''مظہر حسین'' رکھا جاتا ہے، جبکہ دوسرے کا نام ''محمد سرفراز خان'' تجویز ہوتا ہے۔ دونوں مشکلات کے دور سے گزرتے ہیں، دونوں مصائب کا سامنا کرتے ہیں، دونوں ''سکہ بند'' مولوی بنتے ہیں، دونوں حضرت مدنی کی شاگردی اختیار کرتے ہیں، دونوں تحقیقی میدان کا انتخاب کرتے ہیں، دونوں چومکھی لڑائی لڑتے ہیں، دونوں ''نرم لہجہ میں سخت اختلاف'' کرتے ہیں، دونوں مسلکِ دیوبند کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں، دونوں پر اکابرینِ علماء دیوبند اعتماد کرتے ہیں، دونوں اکابرین کی روایات کے امین ہیں، دونوں مسلکِ دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے کبھی بھی کسی بڑی سے بڑی علمی شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے، دونوں نے اپنے مسلک و مشرب کی خوب وکالت کی ہے، دونوں ہی صحابہ واہلِ بیت کا بھرپور دفاع کرتے ہیں، دونوں مودودیت، خارجیت، رافضیت، مماتیت اور غیر مقلدیت کی تقریر و تحریر کے ذریعے تردید کرتے ہیں، دونوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور مسلک دیوبند پر اعتراض کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا ہے، دونوں جب کسی پر تنقید کرتے تھے تو اکابرین علماء دیوبند کی اتفاقی اور اجماعی تحقیقات کی بنیاد پر کرتے تھے، دونوں

اختلاف کرتے ہوئے نہ کسی سے دبتے تھے نہ ڈرتے تھے، دونوں مناظر تھے، دونوں اکابر علماء دیوبند کے مشن کا دم بھرتے تھے، دونوں اکابر علماء کے طریقے کو فوقیت اور اہمیت دیتے تھے، دونوں پاکستان میں صحیح مسلک حق، مسلک دیوبند کے علمبردار تھے، دونوں آپس میں وفادار تھے، دونوں ایک دوسرے کے دلدار تھے، دونوں کھرے، بہترین، نفیس انسان تھے، دونوں دیانت دار تھے، دونوں معاملات میں پاک، صاف اور اُجلے تھے، دونوں صاف گو، حق گو اور بیباک تھے، دونوں عالم باعمل تھے، دونوں پاکیزہ اطوار تھے، دونوں خلیفہ مجاز تھے، دونوں بیعت کرتے تھے، دونوں نے مریدوں کے رجسٹر نہیں بنائے تھے، دونوں سراپا اخلاص تھے، دونوں نیک سیرت اور نیک خصلت تھے، دونوں ناظرہ خواں تھے، دونوں حافظ نہیں تھے، دونوں متقی پرہیز گار تھے، دونوں مہمان نواز تھے، دونوں بہترین میزبان تھے، دونوں اعلیٰ مہمان تھے، دونوں اپنے اپنے علاقے میں جمعیت علماء اسلام کے امیر رہے، دونوں کو منافقانہ سیاست سے نفرت تھی، دونوں مخالف کا نام احترام سے لیتے تھے، دونوں، مخالف فرقہ کے کسی بزرگ کی اہانت وتذلیل کے قائل نہ تھے، دونوں اپنے شیخ سے قلبی محبت کرتے تھے، دونوں اپنے شیخ کا نام ادب سے لیتے تھے، دونوں دین کا سچا درد رکھنے والے تھے، دونوں ہی گناہوں میں ڈوبے انسانوں کے لیے ہدایت کا روشن مینار تھے، دونوں ہی استقامت کا کوہِ گراں تھے، دونوں کے نظریات سَچے اور سُچے تھے، دونوں کی تعلیمات طلباء کے لیے مشعلِ راہ تھیں اور ان شاء اللہ رہیں گی، دونوں ایک دوسرے کے سمدھی تھے، دونوں مجلس کے روح رواں تھے، دونوں کو ''علماء دیوبند'' نے خطاب سے نوازا تھا، ایک کو ''قائد اہل السنۃ'' اور دوسرے کو ''امام اہل السنۃ'' کا لقب دیا گیا، دونوں خدا تعالیٰ کی رضا چاہتے تھے، دونوں کو عوام کی خوشی یا ناراضگی کی پرواہ نہ تھی، دونوں مستغنی تھے، دونوں صاحب علم تھے، دونوں میدانِ بلاغت کے شہسوار تھے، دونوں دریائے فصاحت کے شناور تھے، دونوں بچھڑ گئے، دونوں داغِ مفارقت دے گئے، دونوں کے جنازے تاریخی تھے، دونوں کو میں عالم تصور میں، مسکرا کر یہ کہتے ہوئے دیکھ رہا ہوں

خدا کی قسم یاد آیا کریں گے
کہو گے وہ ''قاضی''، ''سنگی'' کہاں ہیں

سنگی کا جنازہ:

عزیزو! فی زمانہ موبائل سسٹم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، زحمت اُن کے لیے ہے جو اس کا غلط استعمال کرتے ہیں، ورنہ یہ انتہائی مفید ایجاد ہے، موبائل نے پوری دنیا کو ایک صحن بنا دیا ہے، یہ موبائل ہی کا تو کمال تھا کہ آفتاب طلوع ہونے سے پہلے پہلے پورے ملک میں یہ اطلاع ہو چکی تھی کہ علم کا آفتاب غروب

ہو چکا ہے اور عصر کے بعد ہمیشہ کے لیے محو خواب ہو جائیگا۔ مجھے تقریباً تین بجے شب اطلاع ملی، تہجد کا وقت تھا، حضرت شیخ رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر علماء، طلباء اور قراء حضرات کے موبائلوں میں گھوم رہی تھی، شب زندہ دار اشکوں کا نذرانہ لیے مناجات میں مصروف تھے اور مجھ جیسا گناہگار سفر کا پروگرام ترتیب دے کر صبح ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ صبح احباب کے ہمراہ گکھڑ کی طرف چل پڑا، راستہ میں بسوں، ویگنوں، کوسٹروں اور کاروں میں علماء، طلباء اور قراء حضرات کے قافلے گکھڑ کی طرف رواں دواں ہیں، ان کے مرجھائے چہرے بتا رہے تھے کہ کدھر جا رہے ہیں، گکھڑ ڈی سی ہائی سکول گراؤنڈ میں پہنچے تو نظم وضبط مفقود تھا، اسٹیج سیکٹری بیچارگی اور بے بسی کی حالت میں بار بار نظم وضبط قائم رکھنے کی اپیل کر رہے تھے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ کا دو مرتبہ اسٹیج سے نام پکارا گیا مگر وہ بد نظمی کی وجہ سے اسٹیج تک نہ پہنچ سکے، یہ بات نہیں کہ انتظام نہیں تھا، انتظام بہترین تھا لیکن اس نظم پر عمل تو ہم نے کرنا تھا۔ لیکن پتہ نہیں یہ کون لوگ ہوتے ہیں جو ہر بڑے جنازے پر کسی کی بات نہیں سنتے، بلکہ بڑے بڑے بزرگوں کی اپیل اور درخواست کو رد کر دیتے ہیں، ان کی ہر بات سنی ان سنی کر دیتے ہیں، کیا گستاخ اور بے ادب لوگوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اکابر کا احترام کرنے اور نظم وضبط قائم کرنے، قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ جنازہ گاہ میں انسانوں کا سمندر دیکھ کر دل کہہ رہا تھا کہ ہر شخص کو حضرت شیخ کی عقیدت، محبت اور علمی وجاہت کھینچ لائی ہے، کوئی زبردستی نہیں لایا گیا۔ جنازہ ہو گیا، جنازہ کے بعد لاکھوں کا اجتماع دیکھ کر میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ

''سنگی'' کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے نکلا
''سنگیوں'' کے سمندر میں ذرا گھوم کے نکلا

امام اہل سنت رحمہ اللہ کی امیر شریعت سے عقیدت

2008ء میں تلونڈی کھجوروالی (گوجرانوالہ) میں ایک تبلیغی پروگرام تھا، گوجرانوالہ کے مبلغ برادرِ عزیز مولانا محمد عارف شامی سے پوچھا کہ براستہ گکھڑ جائیں گے؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا، تو حضرت والا کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، بندہ نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی تقاریر پر مشتمل نئی کتاب ''خطبات امیرِ شریعت'' پیش کی، شاہ جی رحمہ اللہ کا نام دیکھ کر چوما، آنکھوں سے لگایا، اور ورق گردانی فرماتے رہے۔ اللہ پاک حضرت والا کے تمام صاحبزادگان، بیٹیوں، پوتوں، پوتیوں، نواسوں، نواسیوں کو ان کے علوم ومعارف کا وارث بنائے اور ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ [مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی مدظلہ]

مولانا عطاءاللہ

جس کی زندگی محمود اس کی موت بھی محمود

امام اہل سنت، شیخ التفسیر والحدیث، استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی زندگی اشاعت اسلام اور دینِ حق کے لیے وقف تھی، اس کا اندازہ کئی باتوں سے ہوسکتا ہے، مثال کے طور پر[ا] حضرت اقدس رحمہ اللہ نے "توضیح المرام، فی نزول مسیح علیه السلام" کتاب لکھی اس میں عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے نزول پر بہت عمدہ دلائل دیئے اور اور منکرین نزول کا رد بھی کیا، اس کتاب کے صفحہ 7 پر لکھا ہے کہ

''بعض مصنفین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنی تالیف کی نسبت کسی بزرگ شخصیت کی طرف کیا کرتے ہیں، تاکہ اس سے اُن کو شرف بھی حاصل ہوجائے اور اُس شخصیت سے عقیدت ومحبت کا اظہار بھی ہوجائے، راقم اثیم اپنی اس ناچیز تالیف ''توضیح المرام'' کا انتساب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی طرف کرتا ہے، کیونکہ یہ تالیف اُن کے رفع الی السماء اور حیات اور نزول کے بارہ میں ہی مرتب کی گئی ہے، اگر راقمِ اثیم زندہ رہا تو ان شاء اللہ العزیز یہ حقیر سا ''تحفہ'' خود حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کرے گا، اور سعادت حاصل کرے گا اور اگر اُن کی آمد سے پہلے ہی اس حقیر کی وفات ہوگئی تو راقمِ اثیم کے اپنے متعلقین میں سے کوئی نیک بخت یہ تالیف حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کردے اور ساتھ ہی راقمِ اثیم کا نام لے کر عاجزانہ اور عقیدت مندانہ سلام مسنون بھی عرض کردے۔

"البقاء للہ تعالیٰ وحدہ" العبد الحقیر ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب مرکزی جامع مسجد اہل السنۃ والجماعۃ (بوہڑ والی) گکھڑ واستاذ حدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ یکم محرم الحرام 1417ھ 19 مئی 1996ء

سبحان اللہ! کیا جذبہ اور دین سے محبت ہے۔ میں عطاء اللہ حضرت استاذ رحمہ اللہ کے تمام ورثاء اور متعلقین کو حضرت کی وصیت یاد دلاتا ہوں، بلکہ اولاد دراولاد کو یہ کتاب دی جائے اور وصیت نامہ بھی۔

[۲] حضرت رحمہ اللہ نے خود تحریر فرمایا کہ ''تحریک ختم نبوت'' کے دور میں پہلے گوجرانوالہ جیل پھر نیو سنٹرل جیل ملتان میں کمرہ نمبر 14 میں مقید رہا، ہماری بارک نمبر 6 دو منزلہ تھی اور اس میں چار اضلاع کے قیدی تھے اور سبھی علماء، طلباء، تاجر اور پڑھے لکھے لوگ تھے، جو دین دار تھے، بحمد اللہ جیل میں بھی پڑھنے پڑھانے کا

سلسلہ جاری تھا، قرآن کریم کا ترجمہ، موطا امام مالک، شرح نخبۃ الفکر، حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کتب پڑھاتا رہا، اور علماء بھی پڑھتے پڑھاتے تھے، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا میں قدرے بڑا مجرم تھا، علیحدہ رہتا تھا، تقریباً دس ماہ جیل میں رہا اور ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ کی تردید میں بجواب ''دو اسلام''، ''صرف ایک اسلام'' ملتان جیل میں لکھی''۔ سبحان اللہ کیا شان ہے علماء دیوبند کی کہ جیل میں بھی اسلام کی خدمت کی ہے۔

1942ء میں مراد آباد جیل کے اندر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ نے ''قصص القرآن'' تحریر کی، [صحابہ کرام کا عہد زریں، 1/288 حاشیہ نمبر 1] حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ نے مالٹا کی جیل میں قرآن مقدس کا ترجمہ لکھا، مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید رحمہ اللہ نے ''رہبر و رہنما'' جیل میں لکھی، اس کے علاوہ بھی بہت سے اکابرین نے جیلوں میں دین کی خدمت کر کے امت پر احسانِ عظیم فرمایا۔ ''**فجزاهم الله تعالىٰ فى الدارين احسن الجزاء**''

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کو جیل میں خواب کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی، قہوہ پیش کیا، ایک خادم بھی ساتھ تھا، دوسری مرتبہ زیارت ہوئی، مغموم دیکھا وجہ کیا تھی؟ تفصیل ملاحظہ فرمائیں ''توضیح المرام'' ص13/14/15

[۳] امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی کتاب ''**المنهاج الواضح**'' (''راہِ سنت'') جس میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل کا معیار اور بدعت لغوی و شرعی کا مفہوم اور حکم قرآن کریم صحیح احادیث اور صدہا عبارات سے واضح کیا گیا ہے، اور تمام مشہور بدعات مثلاً میلہ، عرس، چراغاں، پختہ قبر وغیرہ پر فرداً فرداً مفصل بحث کی گئی ہے اور فریقِ مخالف کو مسقط اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکابر علماء دیوبند پکے حنفی اور سنی مسلمان ہیں، ان کو وہابی وغیرہ کہنا سراسر بہتان خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے''۔ یہ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے اپنے الفاظ ہیں جو سرورق پر تحریر ہیں، اور یہ بھی لکھا کہ یہ کتاب بڑی محنت، جستجو اور عرق ریزی سے لکھی تھی اس کو حد سے زیادہ شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی۔ اس کتاب کا ایک حوالہ ذکر کرتے ہیں جس سے حضرت کی محنت اور علم کا اندازہ ہوگا۔

1- فریق مخالف کا کہنا ہے کہ میت کے گھر سے کھانا ناجائز اور مکروہ نہیں ہے، کیونکہ مشکوٰۃ [جلد دوم ص 544] میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک میت کو دفن کیا اور فارغ ہوئے تو ''**اِسْتَقْبَلَه دَاعِى اِمْرَأتِه**'' میت کی بیوی کا ایک قاصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی دعوت دینے آیا....الخ

الجواب: اس روایت سے استدلال صحیح نہیں، اولاً اس لیے کہ ''**امرأته**'' کا نسخہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم یا کسی

کاتب کی غلطی ہے، اصل الفاظ ''داعی امرأۃٍ'' کہ کسی عورت کے قاصد نے آپ کو دعوت دی تھی، باقی ''داعی امرته'' (کہ میت کی بیوی کے داعی نے دعوت دی) یہ غلط ہے، چنانچہ یہی روایت ابو داؤد جلد 2 ص117 ......مشکل الآثار جلد 2 ص132،...... معتصر ص169،...... شرح معانی الآثار جلد 2 ص320،...... دارِ قطنی جلد 2 ص 545،...... مسندِ احمد جلد5 ص293،......سنن الکبریٰ جلد6 ص97، ......عقود الجواهر المنیفه جلد2 ص62،...... خصائص الکبریٰ جلد 2 ص103،...... مستدرك حاکم جلد4 ص234،...... محلی بن حزم جلد7 ص415،...... عون المعبود جلد3 ص249 ......اور...... بذل المجهود جلد 4 ص239......وغیرہ کتابوں میں موجود ہے، لیکن ان تمام میں ''امرأۃٍ'' کے الفاظ ہیں اور یہی صحیح ہے، ''ہ'' ضمیر والی روایت غلط ہے۔ سبحان اللہ یہ کمال علم وتحقیق ہے کہ صرف ''ہ'' ضمیر کے لیے اتنی کتب کے حوالجات، کیا یہ وسعت علم ومطالعہ کی دلیل نہیں؟

امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اور مسائل کا استحضار:

حضرت اقدس رحمہ اللہ اپنے جمعہ کے خطبات میں مردوں، عورتوں اور نماز ولباس، زکوٰۃ وغیرہ اور بدعات کے متعلق بہت کچھ مسائل بیان فرماتے تھے، حضرت کے خطبات ''خطباتِ امام اہل السنۃ'' کے نام سے ''قاری گلزار احمد قاسمی'' کی زیرنگرانی مکتبہ ''الحسن'' لاہور کی طرف سے تین جلدوں میں چھپ چکے ہیں، مگر افسوس ان تینوں جلدوں میں عربی عبارات بہت غلط لکھی ہیں بلکہ آیات اور احادیث بھی بہت غلط لکھی ہیں، بہتر ہوتا کہ حضرت قاری صاحب حضرت امام اہل السنۃ کے مزاج سے ناواقف محض حافظوں سے یہ کام لینے کی بجائے حضرت امام اہل السنۃ کے مزاج اور اندازِ بیان سے واقف کسی فاضل عالم دین سے یہ خدمت لیتے اور حضرت کے فرزندان گرامی مولانا زاہد الراشدی مدظلہ، مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ، مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ وغیرہم سے نظر ثانی کا اہتمام کرتے، امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہوئے کسی عربی دان سے کمپوزنگ کرا کے اس کی تصحیح کا اہتمام ضرور کیا جائے گا۔

ہر خطبہ میں کئی واقعات، کئی کتب کے حوالہ جات سے اور مسائل تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ نمونہ کے لیے ان مسائل میں سے ایک مسئلہ ذکر کرتے ہیں:

مونچھوں کا حکم؟

کہ مونچھوں کا مونڈنا افضل ہے یا کترانا؟ اس مسئلہ میں بہت غلو پایا جاتا ہے، بعض نے مونڈنے والوں کو اہل السنۃ سے خارج کر دیا ہے، معاذ اللہ، حضرت اقدس رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کو کھولا اور شفاف کر

کے علماء پر احسان فرما دیا ہے، بریلوی مسلک کے مولوی محمد عمر اچھروی نے اپنی کتاب "مقیاس حنفیت" میں ص 571 پر "غنیة الطالبین" کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ''جس نے مونچھیں مونڈوائیں وہ ہم میں سے نہیں ہے''۔ یہ لکھ کر جوش میں آ کر لکھتے ہیں کہ ''اب تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچو کہ تمام فرقہ وہابیہ عموماً مونچھیں منڈواتے ہیں، کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہیں یا خارج؟''۔

الجواب: امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے حوالوں کے انبار لگا دیئے اور خوب عمدہ طریقہ سے یہ جواب دیا

[۱] ''غنیۃ الطالبین'' میں جعلی حدیثوں اور کمزور مسائل کی بھرمار ہے، ناقد فن رجال علامہ ذہبی نے اس کی تصریح کی ہے۔[میزان الاعتدال ص 200] اس حدیث کا کسی صحیح سند سے ثبوت نہیں تو ایسی بے ثبوت روایت کی وجہ سے وہابیہ کو اُمت سے نکالنے کا کیا معنیٰ؟

[۲] صحاح الستہ وغیرہا کی صریح اور صحیح روایات میں "احفاء الشارب" مونچھوں کے بالکل صاف کرنے اور منڈوانے کی تصریح ہے، وہابیہ ان کو کہاں لے جائیں؟

[۳] وکیل احناف امام احمد بن محمد الطحاوی الحنفی رحمہ اللہ المتوفیٰ 330ھ حضرت ابوسعید خدری رحمہ اللہ، حضرت ابو اُسید، حضرت رافع بن خدیج، حضرت سہل بن سعد، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کے بارے لکھتے ہیں کہ "یحفون شواربھم" [طحاوی جلد 2 ص 278] کہ یہ حضرات مونچھیں بالکل صاف کرتے اور مونڈواتے تھے، ان حضرات کے بارے میں کیا فیصلہ صادر ہوگا؟ کیا یہ ملت اور امت میں شامل ہیں یا خارج؟ معاذ اللہ تعالیٰ

[۴] امام طحاوی رحمہ اللہ پانچ سندوں کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں کہ وہ مونچھوں کو بالکل صاف کیا کرتے تھے، چنانچہ ایک روایت میں لفاظ یہ ہیں ''ابن عمر یحفی شاربه کانه ینتفه'' کہ حضرت ابن عمر مونچھوں کو ایسا صاف کرتے تھے کہ گویا کہ وہ ان کو موچنے سے اکھاڑتے ہیں۔ اور ایک روایت میں آتا ہے کہ "کان یحفیه حتی ان الجلد لیریٰ'' کہ وہ مونچھوں کو ایسا صاف کرتے تھے کہ چمڑا بالکل نظر آتا تھا۔[طحاوی جلد 2 ص 279] اگر "غنیة الطالبین" میں ان سے نقل کردہ روایت صحیح ہوتی تو وہ ہرگز ان کی مخالفت نہ کرتے۔

[۵] مولوی محمد عمر صاحب حنفی ہونے کا بھی دعویٰ کرتے اور اس نظریہ سے "مقیاس الحنفیة" لکھی ہے، مگر ان پر جہالت کا اتنا غلبہ ہے کہ مونچھوں کے بارے میں ان کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک بھی معلوم نہیں، علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ المتوفیٰ 855ھ لکھتے ہیں کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے

کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مونچھوں کا مونڈوانا ہی سنت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''مونچھیں مونڈواؤ!'' [شرح العینی علی الکنز ص82] الفاظ یہ ہیں ''وذکر الطحاوی ان حلق الشارب ھوالسنة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ لقوله علیه السلام ''**احفوا الشارب**''۔''

حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ اپنی بے نظیر کتاب ''شرح معانی الآثار'' میں اس عنوان سے باب قائم کرتے ہیں، ''باب حلق الشارب'' یعنی وہ باب جس میں مونچھیں مونڈوانے کا ذکر ہے، پھر آگے اپنی عادت کے مطابق علمی بحث کرتے ہوئے عقلی اور نقلی دلائل سے مونچھوں کے مونڈوانے کو ترجیح دیتے ہوئے فیصلہ یہ درج کرتے ہیں ''حکم الشارب قصّه حسن، واخفائه احسنٌ وافضلٌ ھذا مذھب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمھم الله تعالیٰ'' [طحاوی جلد2 ص278] مونچھوں کے بارے میں فیصلہ اور حکم یہ ہے کہ مونچھوں کو قینچی سے کاٹنا اچھا ہے، اور مونڈوانا احسن اور افضل ہے، اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔

اب مولوی عمر صاحب ہی یہ بتائیں کہ حضرت امام اعظم اور صاحبین مونچھوں کے مونڈوانے کا مسلک اختیار کر کے امت میں رہے یا امت سے خارج ہوگئے؟ بات بالکل صاف صاف ہو! لگی لپٹی نہ ہو! اہلِ حق کو امت سے خارج کرنے والے کاش کہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود اپنا انجام بھی دیکھ لیں شاید ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا

شیشے کے گھر میں رہ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھیے!

[گلدستہ توحید، ص136 تا 138]

عربی کی ایک کتاب ''حلیة المسلمین'' کا اردو ترجمہ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ''اللحیة فی نظر الدین'' کے نام سے کیا۔ اس کا مختصر مقدمہ بھی لکھا جس میں تین مسئلے لکھے [۱] داڑھی کا حکم۔ [۲] مونچھوں کا مسئلہ۔ [۳] داڑھی مونڈے حافظ کے پیچھے تراویح اور نماز کا مسئلہ۔ مونچھوں کے بارے میں حضرات ائمہ فقہاء کا خاصا اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ ان کا ہونٹ کے برابر تک رکھ کر کٹانا بہتر ہے، بعض کے نزدیک ناک کے سامنے صاف کرنا اور دائیں بائیں سے داڑھی کی طرح چھوڑنا بہتر ہے، بعض فرماتے ہیں کہ قینچی کے ساتھ خوب صاف کر دی جائیں۔ حضرت امام صاحب اور ان کے جلیل القدر شاگرد فرماتے ہیں کہ اُسترے کے ساتھ مونچھیں مونڈوانا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی نے کہا کہ مونچھوں کو منڈوانا امام صاحب اور صاحبین کا مذہب ہے۔ [فتح الملهم جلد1

ص420]   (اللحیة فی نظرالدین ص12 تا14)

حضرت رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا کہ ''یادرہے! سنت سے ثابت شدہ کسی چیز کے ساتھ (گو اس کا فقہی درجہ استحباب ہی کا کیوں نہ ہو) استہزاء وتمسخر کرنا موجب کفر ہے، حتیٰ کہ اگر کسی نے مونچھیں صاف کرائیں اور کسی نے اسپر استہزاء کیا (مثلاً [نعوذ باللہ] یوں کہا کہ کیا چپاٹا بنایا ہوا ہے؟[خادم]) تو وہ کافر ہوجائیگا۔[المسامرہ جلد2 ص203 طبع مصر]

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''مونچھوں کا کاٹنا اور صاف کرنا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہے، سو اس کو بُرا سمجھنا باتفاقِ علماء کفر ہے۔[شرح الفقہ الاکبر ص173 مکتبہ حقانیہ]

قارئین کو اس سے بحمداللہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ باطل کی گرفت اور حدیث وفقہ پر حضرت کو کتنا عبور تھا، اور شریعت پاک کے دفاع کا جذبہ کس قدر آپ کے دل میں موجزن تھا! یہ کتب اُن کی باقیات الصالحات میں تا قیامت منور رہیں گی اور قبر مبارک ''رَوضَۃٌ مِّن رِّیَاضِ الْجَنَّۃ'' بن چکی ہے اور بنی رہے گی۔ان شاءاللہ

حضرت اقدس کی غیرت ایمانی:

[۱]فرمایا: ''1932/33ء کا واقعہ ہے کہ جہانیاں منڈی میں ہم پڑھتے تھے، مسجد کے پاس کمرے تھے، ایک کمرے میں ایک پیر صاحب تھے جنہوں نے داڑھی منڈوائی ہوئی تھی، چیلے اُن کے خاصے تھے، گرمی کا زمانہ تھا، وہ مہتمم صاحب کے کمرے میں تھے ظہر کی اذان ہوئی میں نے جا کر کہا پیر صاحب اذان ہوگئی ہے نماز کی تیاری کریں، تو کہنے لگے کہ ''نماز دل کی ہوتی ہے''۔ خیر میں چلا آیا، وضو کیا نماز پڑھی، نماز کے بعد جارہا تھا کہ پیر صاحب نے مجھے بلایا اور پوچھا یہاں کوئی ''بیت الخلاء'' ہے؟ میں نے کہا (نماز دل میں پڑھی ہے تو تقاضا بھی) دل میں کرلیں! اُنہوں نے میرے اُستادوں کو میری شکایت لگادی کہ آپ کا ایک شاگرد بڑا گستاخ ہے، استادوں نے بلایا اور کہا کہ تم نے پیر صاحب کی توہین کی ہے؟ میں نے واقعہ سنایا اور عرض کیا کہ اگر نماز دل میں ہوسکتی ہے تو یہ کام بھی دل میں ہونا چاہیے، یہ کیوں ظاہر کرتے ہیں؟''

[خطبات امام اہل السنۃ جلد2 ص176]

[۲]فرمایا ''ایک بار ایک جگہ دو تین نکاح پڑھانے تھے، میزبان مجھے لینے آئے اور گاڑی میں بٹھا کر لے گئے، پہلے سے اُن سے وعدہ تھا، میں چلا گیا، جب اسٹیشن تک پہنچا تو دیکھا کہ باجے اور آتش بازی ہو رہی ہے، میں نے اُن سے کہا مجھے واپس لے چلو! میں نکاح نہیں پڑھاؤں گا! وہ سمجھ گئے اور منت سماجت

کرنے لگے کہ ہم انہیں بھیج دیتے ہیں آپ نکاح پڑھا دیں! میں نے کہا جو کچھ بھی ہو جائے میں نکاح نہیں پڑھاؤں گا۔'' پھر فرمایا ''عرصہ دراز سے میرا معمول ہے کہ جس نے سر پہ سہرا لگایا ہو میں اس کا نکاح نہیں پڑھاتا''۔[ایضاص248]

[۳] فرمایا ''تحریک ختم نبوت کے دوران میں جیل میں تھا، ہم چھ نمبر بیرک میں تھے، 200 قیدی اور بھی تھے، عید کا دن تھا، افسر ہمارے پاس آیا اور کہنے لگا''' عید کی نماز پڑھا دیں!'' ہم نے کہا جیل میں نہ جمعہ کی نماز ہے نہ عید کی! جمعہ کے لیے شرط ہے اذن عام کی، کہ لوگ آسکیں، اور یہاں تو حال یہ ہے کہ ہم بی کلاس والے سی کلاس والوں سے نہیں مل سکتے، نہ وہ ادھر آ سکتے ہیں نہ ہم ادھر جا سکتے ہیں! ہم نے جمعہ نہیں پڑھا، جہاں جمعہ نہیں وہاں عید بھی نہیں۔ یہ سن کر وہ افسر چلا گیا۔ میرے استاد مولانا عبدالقدیر رحمہ اللہ بھی ہمارے ساتھ جیل میں تھے، وہ اوپر تھے، تھوڑی دیر بعد اچانک انہوں نے مجھے بلایا، جب میں اوپر گیا تو دیکھا کہ عید کی اذانیں ہو رہی ہیں نماز کی تیاری ہے، 200 افسران ہیں، آئی جی جیل بھی موجود تھا۔(استغفراللہ)۔''[ایضاً ص249]

[۴] مسئلہ ''حاضروناظر'' اور ''السلام عليك ايها النبى'' سمجھاتے ہوئے تیسرا جواب بڑا عجیب دیا، اسمیں پہلے احمد رضا خان کے اشعار لائے اور پھر اشعار ہی میں ان کا دلچسپ جواب دیا، ملاحظہ فرمایئے!

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا
دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا
بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے
یارسول اللہ کہا پھر تجھ کو کیا
یاعبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے
بندہ اپنا کرلیا پھر تجھ کو کیا
دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
نہ تو ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا
نجدی مرتا ہے کیوں تعظیم کی
یہ ہمارا دین ہے پھر تجھ کوکیا
دیوکے بندوں سے ہم کو کیا غرض
ہم ہیں عبدالمصطفیٰ پھر تجھ کو کیا

[حدائق بخشش جلد 2 ص 50]

امام اہل السنۃ کا جواب

تو اگر مشرک ہوا پھر ہم کو کیا
پیٹ کا بندہ بنا پھر ہم کو کیا
تُو نے کی تحریفِ قرآن وحدیث
راندۂ درگاہ ہوا پھر ہم کو کیا
خالقِ کون ومکاں کو چھوڑ کر
غیر کے در پر جھکا پھر ہم کو کیا
شرک وبدعت کو کیا تو نے پسند
توحید وسنت سے پھِرا پھر ہم کو کیا
آیۃ ایاک نستعین کو ! !
گر دیا تو نے بھُلا پھر ہم کو کیا
ہم تو اللہ کے بندے سبھی
تو ہے عبدالمصطفیٰ پھر ہم کو کیا

[آنکھوں کی ٹھنڈک ص 171]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کما تحیون تموتون و کما تموتون تحشرون'' یعنی جس حالت میں تم اپنی زندگی گزارو گے اسی پر موت آئیگی اور جس حالت میں موت آئیگی اسی حالت میں حشر میں کھڑے کیے جاؤ گے۔[معارف القرآن جلد 2 ص 128] الحمد للہ اس حدیث کی بنیاد پر پورے وثوق سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زندگی محمود تھی اسی طرح موت بھی محمود تھی، ان شاءاللہ آخرت بھی محمود ہوگی۔

ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں قدم بوسی کے لیے گکھڑ مکان پر حاضری دی، تو ایک ساتھی حضرت کے سامنے حدیث پاک کی تلاوت کر رہے تھے، حضرت کافی احادیث سننے کے بعد فرماتے کہ'' کچھ آگے پڑھ یا کچھ ورق پیچھے کھولو!'' وہ نوجوان مسلسل ورق الٹتے اور تلاوت کرتے جا رہے تھے۔

حضرت نے اشارہ فرمایا، سب ساتھی باہر چلے گئے، میں نے اس سے پوچھا کہ کون سی کتاب ہے اور کیا تلاش کر رہے ہیں؟ انہوں نے بتلایا کہ مسند احمد ہے اور یہ حدیث تلاش کر رہا ہوں ''اذا اراد اللــــــه

عبـــــداً. . . الخ'' حضرت اپنی حالت کی وجہ سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک الفاظ سے تسلی چاہ رہے تھے۔(سبحان اللہ)

اس طرح کی احادیث کئی طرق اور کئی الفاظ سے مختلف کتب حدیث میں موجود ہیں ہر ایک میں معذور، مجبور اور مریض کے لیے تسلی کے کلمات ہیں

[ا] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث یہ ہے "اذا ارادالله لعبده الخير عجل له العقوبة فى الدنيا"[ترمذی، مشکوٰۃ جلد 1 ص 136]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اسکے گناہوں کی سزا جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے....الخ''

دنیا میں مصیبت و تکلیف یا بیماری وغیرہ کی صورت میں سزا دینا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دنیا کا عذاب ہلکا ہوتا ہے، بایں طور کہ دنیا کی مدت کم ہوتی ہے جو کسی نہ کسی طرح گزر جاتی ہے۔[مظاہر حق جدید جلد 2 ص 49]

سرمایۂ جان ہیں شہ ابرار کی باتیں
کس درجہ سکون دیتی ہیں سرکار کی باتیں
جی چاہے ہر آن کروں ذکر پیمبر
ہوتی رہیں کونین کے سردار کی باتیں
صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے کچھ دنوں بعد لبیک کہتے ہوئے اللہ کے مہمان بنے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام بالخصوص حضرت کے متعلقین، ورثاء، تلامذہ، مریدین، معتقدین اور خاندان والوں پر خصوصی کرم فرماوے اور حضرت اقدس رحمہ اللہ کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرماوے۔ آمین "اللهم لا تحرمنا اجره، ولا تفتنا بعده"

تبلیغ اور جھاد

راقم کے ایک ہم کلاس قاری محمد سمیع اللہ [آف کولار] راوی ہیں کہ ایک بار حاجی عبدالوہاب صاحب اور مولانا جمشید صاحب مدظلہما گکھڑ تشریف لائے تو دوران ملاقات دادا جان نے حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ'' دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے صحت اور طاقت دے میرا جی چاہتا ہے کہ ایک چلہ تبلیغی جماعت کے ساتھ لگاؤں اور ایک چلہ میدانِ جہاد میں لگاؤں۔''

مولانا محبوب احمد

کچھ یادیں......کچھ باتیں

اللہ تعالیٰ نے جہانِ رنگ و بو کو تضادات سے مزین کیا ہے۔ زمین ہے تو آسمان بھی ہے' شب کی تاریکی وظلمت ہے تو دن کا اجالا بھی ہے۔ پستی ہے تو بلندی بھی ہے نیکی ہے تو بدی بھی ہے' امیری ہے تو غریبی بھی ہے' ہر صف وطبقہ میں ہر تقابل ضرور پایا جاتا ہے۔ اسی طرح روز ازل سے یہ بھی ہے کہ حق کے مقابلے میں باطل ضرور موجود ہوتا ہے اہل حق اپنے میدان وطریقہ کار میں مصروف عمل رہے' اور اہل باطل اپنی سرگرمیوں میں مگن رہے۔

عصر حاضر میں اہل حق کے مخدوم وامام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اپنی حیات مستعار کے لمحات نذر حق فرما گئے' اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا اشاعت اور ترویج حق بنائے رکھا اپنی خداداد صلاحیتوں سے بڑے کڑے وقت میں امت کی رہنمائی فرمائی حق کا بول بالا فرمایا' راہ اعتدال کو تھاما' علم ومطالعہ کی بلندیوں پر جا پہنچے' غیر معمولی اور قابل رشک حافظہ نے وفات تک ساتھ نبھایا تفسیر وحدیث اور تقابل ادیان میں ید طولیٰ نصیب ہوا' تقوی کی سواری کے شاہسوار ہوئے۔ ملک وملت کی غم خواری کو اپنا شعار بنایا حب جاہ اور حب مال جیسے امراض سے محفوظ رہے اہل حق کے اتحاد کے خواہاں وکوشاں رہے۔ الغرض حق تعالی نے امت کی امامت کی ہر صفت سے نوازا۔

میرے جیسا کوتاہ نظر اور علم وعمل سے خالی' حضرت کے بارے میں کیا لکھ سکتا ہے، آپکی قابل فخر صلبی اور روحانی اولاد ہی اسکے اہل وحقدار ہیں۔ صرف اپنے لیے سعادت ونیک بختی کے حصول کیلئے چند سطور کرنا چاہتا ہوں' شاید یہ ذریعہ نجات بن جائے تین چیزیں عرض کرنا پیش نظر ہے۔

ا۔ حضرت کی زیارت اور مختلف یادیں

۲۔ حضرت کی تصانیف کے مطالعہ سے سمجھ میں آنے والی پہلی راہ اعتدال

۳۔ حضرت کی رحلت کے بعد حضرت کی اولاد، تلامذہ، مریدین، متعلقین، علماء اور طلباء کی ذمہ داری

حضرت کی پہلی زیارت اور مختلف یادیں:

حضرت رحمہ اللہ کی سب سے پہلی زیارت غالباً 1995ء میں ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے زیر

اہتمام چناب نگر میں منعقدہ ''ختم نبوت کانفرنس'' کے موقع پر ہوئی، حضرت کی صدارت میں وہ نشست اختتام پذیر ہوئی، آپ نے دعا کرائی تھی۔

دوسری اور بالتفصیل زیارت 1999ء میں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں ''مجلس عمل علماء اسلام'' کے کنونشن میں ہوئی، اس کنونشن میں ملک بھر کے جید علماء کرام تشریف لائے ہوئے تھے، آپ کے خطاب سے قبل اچانک آسمان پر بادل چھا گئے، وہ منظر کبھی نہیں بھولے گا جب آپ نے ایک دفعہ ہی نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، پھر پتہ نہ چلا کہ بادل کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔

آپ نے اپنے صدارتی خطبے میں اسلام کی حقانیت وابدیت پر انتہائی جامع اور فکر انگیز گفتگو فرمائی، ابتداء ہی میں یہ شعر پڑھا

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

تیسری زیارت 2002ء میں مدرسہ حسینیہ سرگودہا میں ہوئی، جہاں آپ نے اپنے پوتے عزیزم سرفراز حسن خان حمزہ سلمہ کے حفظِ قرآن کی تکمیل کے موقع پر منعقدہ تقریب میں شرکت اور تقریر فرمائی، تقریر کیا تھی؟ پندونصائح کا مجموعہ تھی۔ پرفتن وقت میں عقائد کے تحفظ پر زور دیا، مسئلہ قضاءِ عمری سمجھایا کہ فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی ضروری ہے، معمولات میں استقلال اور دوام پر زور دیا اور اپنا واقعہ سنایا کہ مَری میں میرا ایک دوست تھا میں اس سے ملنے گیا، اسے اچانک کسی کام سے جانا پڑا تو اس نے مجھے وہاں چھوڑا اور رقم والی دراز بند کر کے چلتا بنا، جب واپس آیا تو میں نے پوچھا کہ آپ نے دراز کیوں بند کی؟ پہلے تو مزاحاً کہنے لگا کہ ''مولوی پر اور تو ہر معاملے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے لیکن پیسوں کے معاملے میں کبھی بھی اعتماد نہیں کرنا چاہیے'' پھر کہنے لگا کہ ''مولانا! دراز آپ پر بداعتمادی کی وجہ سے بند نہیں کی آپ پر تو مجھے اپنے باپ سے بھی زیادہ اعتماد ہے میں نے اپنی عادت خراب ہونے سے بچانے کے لیے دراز بند کی تھی، اگر آج آپ کی موجودگی میں مَیں دراز بند نہ کرتا تو کل میں کسی اور کے سامنے بھی ایسا ہی کروں گا، اور میری عادت خراب ہوگی لہٰذا میں نے اپنے مزاج ومعمول کی حفاظت کے لیے ایسا کیا ہے۔

اسکے ساتھ ہی عظمت وحفاظت قرآن پر کلکتہ ہائیکورٹ کے فیصلہ کا واقعہ سنایا جس میں فاضل عدالت نے ایک انتہاء پسند ہندو کی درخواست خارج کردی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ قرآن مجید پر پابندی عائد کردی جائے۔ اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ارشاد الشیعہ [43/44] کا حوالہ بتلایا۔

اس یادگار تقریب میں برکۃ العصر، حجۃ الخلف، قطب الاقطاب، خواجہ خواجگان حضرت مولانا

خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم بھی تشریف فرما تھے، دعا کے لیے حضرت خواجہ صاحب نے مائیک حضرت شیخ رحمہ اللہ کی طرف پھیرا، حضرت نے اسے حضرت خواجہ صاحب دامت برکاتہم کی طرف پھیر دیا، حضرت خواجہ صاحب نے مکرراً باصرار مائیک حضرت کی طرف پھیر دیا، پھر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے دعا کرائی۔

دو دفعہ گکھڑ (گوجرانوالہ) میں حضرت کے دولت کدہ پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، ایک دفعہ حضرت نے زیرِ درس کتابوں کی تفصیل دریافت فرمائی، وہ لمحات گھڑیاں انتہائی مشکل تھیں، دل دھڑک رہا تھا، خدا خیر کرے، حضرت نے امتحان لے لیا تو کیا بنے گا؟ لیکن ناسازیٔ طبع کی وجہ سے حضرت پر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی، دونوں مرتبہ مختصر ملاقات و دعا پر اکتفا ہوا۔

اس کے علاوہ جامعہ مفتاح العلوم سرگودہا میں بھی دو مرتبہ ''ختم بخاری شریف'' کے پروگرام پر زیارت کا موقع ملا۔

حضرت کی رحلت کی اطلاع بذریعہ موبائل سب سے پہلے عزیزم سرفراز حسن خان حمزہ سلمہ کے ذریعے ملی، پہلے سے لالیاں (چنیوٹ) کا ایک سفر طے تھا، وہاں ایک بجے پہنچا، ڈیڑھ بجے لالیاں سے موٹر سائیکل پر رخت سفر باندھا، اندازہ یہ تھا کہ عصر کی نماز کے بعد تقریباً 6 بجے جنازہ کی نماز ہوگی، لیکن گکھڑ سے صرف تین کلومیٹر دور پانچ بج کر چالیس منٹ پر اطلاع ملی کہ حضرت کی نماز جنازہ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ادا ہو چکی ہے، فوراً دل نے کہا

فتح و شکست تو مقدر میں ہے وے امیر
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

حضرت کے جنازہ میں شرکت اپنی سعادت و بخشش کے نقطہ نظر سے تھی، آپ کی وفات سے علم کا ایک گلستان اجڑ گیا، درسگاہ کی رونق رخصت ہوگئی، تحقیق کا ایک باب بند ہو گیا، پرفتن دور میں آپ کی شخصیت ایک انتہائی گنجان سایہ تھی، ملک وملت کے درپیش مسائل میں آپ امید کی کرن تصور ہوئے، آپ کے تصور سے تشنگان علم و تحقیق کو سکون نصیب ہوتا۔

بندہ نے دفتر ''تنظیم اہل السنۃ'' ملتان میں تقابل ادیان کورس کے دوران حضرت علامہ عبدالستار تونسوی صاحب سے فرق باطلہ کے بارے میں مطالعہ کے کتب دریافت کیں تو فرمایا کہ ''شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب کی کتابیں انتہائی جامع ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے''۔

نماز جنازہ کی ادائیگی میں شرکت سے محرومی پر یہ خیال ہوا کہ اب تدفین میں ضرور شرکت کرنی ہے، ہر طرف سر ہی سر تھے، ٹریفک بلاک تھی، کچھ دیر بعد حضرت کا جسد اقدس گاڑی پر لایا گیا، قبرستان کا

احاطہ اور گلی کوچے، (حتی کے چھتیں، دیواریں اور کھمبے وغیرہ بھی [خادم، حمزہ]) لوگوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے، کافی دھکم پیل اور مشقت سے جسد اقدس کو گاڑی سے اتار کر فوراً قبر میں اتار دیا گیا، مغرب کا وقت قریب تھا، آسمان دنیا کا سورج چھپ رہا تھا، عین اسی وقت علم وعمل کا آفتاب بھی منوں مٹی تلے چھپا دیا گیا۔

یہ رحلت ہے کس آفتابِ ہُدیٰ کی؟
یہ ہرسمت ظلمت ہے کیوں اس بلا کی؟
یہ کس قطب الارشاد نے منہ چھپایا؟
کہ دنیا ہے تاریک صدق وصفا کی
اُٹھا کون عالم سے محبوبِ عالم؟
صدا کیوں ہے ہر سمت آہ وبکا کی؟
یہ کس کا ہے سوگ آج گھر گھر جہاں میں
احباء کی قید اور نہ قید اقرباء کی
یہ رہ رہ کے اُف کس کی یاد آرہی ہے؟
یہ کیوں دِل میں ٹیسیں ہیں اُف اس بلا کی؟
کلیجے ہیں کیوں آج شق اہلِ دل کے؟
جدائی ہے یہ آج کس دلربا کی؟

حضرت رحمہ اللہ کا راہِ اعتدال پر گامزن وسرفراز ہونا:

زندگی بھر کا افسوس ہمیشہ رہے گا کہ حضرت سے بلاواسطہ شاگردی کا شرف نصیب نہ ہوا، حضرت کی نسبت ہی بہت بابرکت ہے، حضرت کی تصانیف کے مطالعہ سے جس خیال کو سب سے زیادہ تقویت ملی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے ''راہِ عتدال'' سے کبھی سرمو انحراف نہیں فرمایا، اختلاف کو حدود میں رکھتے ہوئے ردّ وقدح کے مضامین وعناوین میں سرخروئی وسرفرازی محض حق تعالیٰ کے فضل اور ''راہِ اعتدال'' کے سفر کا نتیجہ ہے، مخاطب کو اس کی حیثیت سے خطاب کرنا، دلائل کی دنیا میں بات کرنا، اور متعلقہ موضوع کی سیر حاصل تحقیق آپ کی تصانیف کا خصوصی طرہ امتیازی ہے۔ غور کیلئے ''صرف ایک اسلام'' بجواب ''دو اسلام'' کے طبع سوم کے دیباچہ میں برق جیلانی کے خط کو درج کیا جاتا ہے اس سے حضرت کے اعتدال اور دردمندی کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپکے قلم وانداز تحریر کے بارے میں آپکے مخالفین کیا کہتے تھے

[ا] آپ خود رقمطراز ہیں:

راقم الحروف نے آج سے تقریبا دس سال پہلے نیوسنٹرل جیل ملتان میں صرف ایک اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے حدیث اور اسلام کے واضح عقائد اور مسلمات کے برعکس چند غلط نظریات پر تنقید کی گئی تھی بسلسلہ تحریک ختم نبوۃ قید و بند کا زمانہ تھا کتابوں کا ذخیرہ پاس وافر نہ تھا تاہم جو تنقید اور گرفت راقم نے اس بے سروسامان کی تھی وہ بحمد اللہ تعالی نہایت ٹھوس اور بڑی معقول ثابت ہوئی علماء کرام اور تعلیم یافتہ لوگوں نے اسے بڑا سراہا اور اسکی بڑی تحسین کی حتی کہ خود برق صاحب نے باوجود کڑی تنقید کے اس کو پسند کیا اور 15 جولائی 1957ء کو راقم کے نام ذیل کا خط شکریہ کے طور پر روانہ کیا۔اس خط کا متن یہ ہے

محترم۔السلام علیکم۔دو اسلام کے جواب میں نصف درجن کے قریب کتابیں نکل چکی ہیں جن میں سے مجھے آپ کی کتاب صرف ایک اسلام بوجوہ پسند آئی اول اس لیے کہ اس میں گالیاں کم تھیں (بلکہ بالکل نہ تھیں۔صفدر) دوم انداز تحریر ادیبانہ تھا۔سوم میری اغلاط کی وضاحت عالمانہ تھی میں طبع نو کے حرف ثانی میں آپ کا شکریہ خاص طور سے ادا کر رہا ہوں طبع نو سے اغلاط نکال دی ہیں اور انداز بیان کو بہت نرم کر دیا گیا ہے مجھ سے جو غلطیاں ہوئیں اُن میں بدنیتی کو دخل نہیں۔[صرف ایک اسلام ص 7/8]

ان اقتباسات کے پیش نظر دیگر امور کے علاوہ عامۃ المسلمین کی خیر خواہی اور ان کے رشد و ہدایت کی فکر دین ہے کیونکہ جب صحیح دین اور قرآن وسنت کے مطابق اعمال ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے اور باطل امور کی نشاندہی کی جائے گی تو عوام کے حق میں یہ نصیحت اور خیر خواہی ہوگی کیونکہ وہ اپنے عقائد و اعمال کو درست کریں گے اور راہ راست پر گامزن ہو کر تقرب خداوندی حاصل کریں گے اور عذاب الہی سے نجات پائیں گے اور ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی خوشیاں نصیب ہوں گی، اور آپ کی مخالفت سے بچ کر آتشِ دوزخ سے دستگاری ملے گی، اور حضرات انبیاء کا یہی محبوب مشغلہ تھا، کہ وہ ہر وقت مخلوق خدا بھلائی اور ان کی خیر خواہی کو ملحوظ رکھتے تھے اور ہر دور کے علماء حق کا یہی فریضہ رہا ہے۔اس فریضہ کی اہمیت اس قدر واضح ہے کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے بھی اپنی تفسیر میں جا بجا ذکر کیا ہے۔

[۲] اپنی گراں قدر تالیف ''مقامِ ابی حنیفہ'' میں لکھتے ہیں:

اس لیے ہم نے اس کتاب کا نام ''مقام ابی حنیفہ'' تجویز کیا ہے اور پورے بسط کے ساتھ ہم نے اپنے دعاوی پر ٹھوس حوالجات نقل کیے ہیں اور فریق ثانی سے ہم نے محض

علمی مناقشہ کیا ہے مؤلف ''نتائج التقلید'' اور اس کے اکثر تصدیق کنندگان حضرات کی طرح سوقیانہ اور دل آزار زبان اور لب ولہجہ اختیار نہیں کیا۔شاید اس انداز میں بھی کوئی زندہ دل جواب دینے کیلئے میدان میں نکل آئے مگر ہم اسکو پسند نہیں کرتے ۔فریق ثانی کی بعض تعصب آمیز باتوں کا جواب ہم نے ''طائفہ منصورہ'' اور ''الکلام المفید'' میں دیا ہے۔[''مقام ابی حنیفہ'' ص 34]

حضرت کی بعض تصانیف کے اقتباسات سے جو پیغام بندہ کو میسر آیا ہے۔وہ اقتباسات پیش نظر ہیں۔شاید کسی راہ رو منزل کا سفر آسان ہو جائے۔گم گشتہ راہ منزل کو رستہ مل جائے۔اور منزل پر پہنچے ہوؤں کو کامیابی کی صدا سنائی دے۔

تعلق مع اللہ کی کمی و بیزاری کو تمام مسائل کی جڑ اور اسکے ازالہ کے بارے حضرت رحمہ اللہ یوں رقم طراز ہیں:

مال و دولت کی بہتات ،حکومت طاقت کی دستیابی ،لہو ولعب کی فراوانی ،اور دین الٰہی سے غفلت کی زندگی سرکشی و سرتابی کا مادہ ہے۔جس سے شہوانی اور غضبی قوتیں رگوں میں خون بن کر جوش کھانے لگتی ہیں۔فحش و بدکاری ان کا محبوب پیشہ قرار پاتا ہے اور رہزنی و غارت گری دل چسپ مشغلہ ،خودغرضی و بے رحمی کا غلبہ اور تسلط ہو جاتا ہے۔پرہیز گاری اور رحمدلی کا نام ونشان تک مٹ جاتا ہے اور دولت وثروت والے شوکت وحشمت والے ،قوت ونخوت والے ،خدائے بزرگ و برتر کی قدوسیت سے منہ موڑ لیتے ہیں ،جب قوم کی کجی و سرکشی ،تمرد وتعنت ،غرور وتکبر نافرمانی اور بدلگامی حد سے گزر جاتی ہے تو خدائے قدوس کی جانب سے تنبیہ ہوتی ہے۔وہ کبھی قتل و غارت کا عبرتناک انقلاب پیدا کر دیتا ہے ،اور کبھی قحط و خشک سالی کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے وہ کبھی تو لگاتار بارش کیوجہ سے سیلاب لاکر دکانوں اور مکانوں ،کھیتوں اور حیوانوں ،سامانوں اور جانوں کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اور کبھی آندھی کے طوفان سے کبھی بجلی کی کڑک سے اور کبھی زلزلہ سے اور کبھی اشیاء کی گرانی کا غیر مختتم سلسلہ شروع کر دیتا ہے کبھی وہ ظالم قوتوں کا تسلط قائم کر دیتا ہے ،اور کبھی غیر قانونی نظم وضبط سے بھی واسطہ پڑتا ہے اور کبھی وہ اپنی بدکاریوں کی وجہ سے سخت تر قانون کے پنجہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔مگر عبرت کسی سے حاصل نہیں کرتے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

لیکن بایں ہمہ انسانوں کی ہنگامہ خیریوں کی ہر جگہ گہما ہمی ہے چہل پہل ہے۔رونق اور رنگ رلیاں ہیں حق فراموشیاں اور فرعونیاں ہیں۔اگر غفلت اور لا پروائی ہے تو صرف ذاتِ

خدوندی سے اوراس کی یاد سے اوراسکے دین سے اوراسکے آئین سے۔غیر اللہ کی پوجا پاٹ کی زنجیریں پاؤں میں ہیں ایمان باللہ کے ثبات سے دل خالی ہیں۔اوراعمال حقہ وحسنہ کی روشنی سے روح محروم۔حیف بر حیف کہ ہماری غفلت اور بداعمالی کی وجہ سے، ہماری بے وفائی اور بدبختی کے سبب ہمارا حقیقی آقا ہم سے روٹھ گیا ہے اوراس نے ہمیں صرف اپنی ہی غلامی کیلئے نہ رکھا۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا کیا اس نے اپنا رشتہ ہم سے توڑ دیا یا اس کا وعدہ جھوٹا ہے یا کیا وہ رحیم یا رؤف وکریم نہیں رہا؟ حاشا وکلا وہ سچا، اس کا وعدہ برحق، اسکی رضا اب بھی موجود، غیروں کو چھوڑ کر صرف اس کیلئے ہو جائیں۔

سرور نور و جدو حال ہو جائے گا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا
نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب!
وہی پیدا کرے گا دن بھی کی ہے جس نے شب پیدا

اگر کسی کا نفسانی اور مجازی محبوب روٹھ جائے تو کیا ہوتا ہے؟ دل ہی دل میں بے چینی اور بے قراری کے طوفان اٹھتے ہیں اوراپنے سمندروں میں وصل وشوق کی امیدوں کو غرق کر دیتے ہیں۔رات بھر آنکھیں جاگتی ہیں۔یاس وسراسیمگی کے آثار چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔طالع خفتہ نظر آتا ہے۔اوردل کی بستی اجڑی ہوئی دکھائی دیتی ہے اوروہ مجسم حیرت بن کر محبوب کی گلیوں کا طواف کرتا ہے اسکو دیکھنے کیلئے آنکھیں بیتاب اور اس سے سرگوشیاں کرنے کیلئے زبان بے قابو ہوجاتی ہے۔مگر محبوب حقیقی روٹھ جائے تو دل میں اسکے منانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔نہ جذبہ، نہ اسکے گھر کا طواف ہے نہ آمد ورفت۔مگر جو اسکے حقیقی عاشق ہیں اورسچے بندے ہیں، وہ اس سے ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اوراسکی نصرت کے طالب ہوتے ہیں اور کیوں نہ ہوں؟''**والذین اٰمنوا اشد حباً للہ**'' اورمومنوں کی محبت سب سے بڑھ کر اللہ سے ہی ہوتی ہے، آج ہم محض اس لیے پست اورذلیل ہیں کہ ہم نے اس کی ذات اوریاد کو فراموش کر دیا ہے، اگر یاد بھی کرتے ہیں تو ہمارا دل اورزبان ایک نہیں، ورنہ اس کی نوازشیں اب بھی ہمارا ساتھ دینے کے لیے بے تاب ہیں

خدا سے تم دل ملاؤ اپنا، زبان کو پھر ملاؤ دل سے
تو دیکھ لینا کہ کیا اثر ہے زباں سے جو نکل رہا ہے

[چالیس دعائیں ص5]

اپنی مایہ ناز تالیف ’’ازالۃ الریب‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس کتاب میں کچھ حوالجات ’’اکفار الملحدین‘‘ مصنفہ حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (1352ء) سے، اور چند حوالجات حضرت مرشدنا مولانا حسین علی رحمہ اللہ (المتوفی 1363ھ) کی املائی تقریر ’’بلغۃ الحیران‘‘ اور ان کی تفسیر بے نظیر سے، اور کچھ ’’بوارق الغیب‘‘ مصنفہ حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ العالی سے مأخوذ ہیں، اور بقیہ جتنے حوالجات ہیں وہ سب اس ناچیز کی تلاش اور تفحص اور دماغ سوزی کا نتیجہ ہے، جن میں غلطی کا واقع ہونا غیر اغلب نہیں ہے، جو حضرات غلطیوں سے آگاہ فرمائیں گے وہ عنداللہ ، ماجور اور عندالفقیر مشکور ہوں گے، کیونکہ اول تو انسان کا کوئی کام اور فعل بھی لغزش اور خطا سے محفوظ نہیں ہوتا، اور پھر کام بھی اس بندہ عاجز کا جو سراپا تقصیر اور خطا ہو، لہٰذا گزارش ہے کہ مجھے ہدف ملامت بنانے کی بجائے متانت اور سنجیدگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے میری غلطی پر مجھے آگاہ کریں، حق کے تسلیم کرنے میں کبھی تأمل نہیں کروں گا، ان شاءاللہ العزیز ’’ان أُرید الا الاصلاح مااستطعت وماتوفیقی الا باللہ ‘‘ [ازالۃ الریب 26]

موجودہ حالات میں حضرت کے متعلقین علماء اور طلباء کی ذمہ داریاں

حضرت کا پیغام:

مجھے حضرت رحمۃ اللہ کی بعض تصانیف کے اقتباسات یوں محسوس ہوتے ہیں کہ وہ گویا کہ حضرت کا پیغامِ درد ہیں، حضرت کی وصیت وتلقین ہیں، حضرت کا سانحۂ ارتحال بھی قیامت کی علامت محسوس ہوتا ہے، ان حضرات کے وجود سے فتنے ختم ہوجاتے ہیں، ظلمتیں اور اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، ان حضرات کے تمام متوسلین، متعلقین اور علماء وطلباء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس خلاء کو پُر کریں، امت کے سفینہ کو سنبھالیں، اور اپنے دل میں درد وفکر کو اُجاگر کریں۔ کلام کم ہو، کام زیادہ، جوش سے زیادہ ہوش ہو، مستقل مزاجی اور استقامت کو اپنا شعار بنائیں، اکابر سے وابستگی کو عروج وفلاح سمجھیں، حضرت رحمہ اللہ کی پوری زندگی کا اگر خلاصہ دیکھا جائے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اعتدال کی راہوں پر چلے اور اکابر سے وابستہ رہے۔ تفردات کا راستہ منزل کے لیے منتخب نہیں کیا، بلکہ ’’البرکۃ مع اکابرکم‘‘ کے فرمان نبوی کے مطابق جمہور اکابر سے جڑے رہے۔ آپ نے ہر طبقہ کی راہنمائی کی، انہیں صراطِ مستقیم دکھلایا، دردِ دل سے سمجھایا، محبتیں بانٹیں، شفقت سے پیش آئے، اور تواضع کو شعار بنایا۔

ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

ہماری شقاوت اور بدبختی کے لیے یہ کیا کم تھا کہ ہم مالک حقیقی سے غافل اور بے خبر ہو چکے ہیں، اور دنیا میں اپنی آمد کا صحیح مقصد بھول چکے ہیں، مگر ہائے افسوس! کہ اب تو خداوند کریم کی یاد سے غفلت گناہ نہیں بلکہ اس کا ذکر اور اس کا نام لینا گناہ، حد درجہ لغو، مہمل اور احمقانہ حرکت اور ایک ذلیل وحقیر فعل سمجھا جاتا ہے۔(العیاذ باللہ)

امت مسلمہ کو خواب غفلت سے جھنجوڑتے ہوئے اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے اور اس پر عمدہ نتائج کے مرتب ہونے کو یوں بیان فرماتے تھے:

''اسلام ایک ابرِ کرم ہے، جو عرب کی ایک وادی ''غیر ذرعٍ'' سے اُبلا اور شمال وجنوب میں موجیں مارتا، مشرق ومغرب کے دور افتادہ علاقوں پر فیض وعطا کی بارش برساتا، تہذیب وتمدن کے جواہر لٹاتا اور علم وحکمت کے خوشنما پھول کھلاتا چلا گیا، تمام قوموں کی قدیم تہذیب چند سال میں بدل گئی، دنیا کی تاریخ کا نقشہ کچھ سے کچھ ہو گیا، ایک طرف افریقہ کے صحراؤں میں اور دوسری طرف چین کے میدانوں میں توحید وسنت کے نعرے گونج اُٹھے، روم کے عظیم الشان گرجوں، جرمنی کے فلک بوس عبادت خانوں اور انگلستان کے عالی مرتبت کلیساؤں میں ''اللہ اکبر'' کے مخلصانہ نعروں نے پادریوں کو لرزا دیا، ہنگری اور بوسینا کے شہروں اور آبادیوں میں اذان اسلامی کے خوشگوار اور دلچسپ لہجوں نے خواب غفلت میں مدہوش لوگوں کے کانوں کو سرمست کیا، اسلام کی ہیبت اور محمدی بجلی کی کڑک نے یورپ کے سنگ دل بادشاہوں کے کلیجوں کو کپکپا دیا، فدایان اسلام نے یورپ کے بیشتر حصہ میں اسلامی جھنڈے اور ہلالی پھریرے اڑاتے ہوئے دوَل یورپ کی متکبرانہ گردنیں خم کر دیں، اور یورپ کے سفید بھیڑیوں سے ایشیا کی بھولی بھالی بھیڑوں اور بکریوں کی حفاظت کرتے ہوئے یورپ کے وحشی اور خونخواروں کی تلواروں اور نیزوں سے اپنی چھاتی کو چھلنی کرایا، اور کفر وشرک، ظلم وجور، اور خواہشات نفسانی سے اَٹی اور بھری ہوئی بنجر زمین کو اسلام کی عمدہ اور پاکیزہ تعلیم اور عالی اخلاق کی بدولت سرسبز وشاداب کیا، حتیٰ کہ اسلام کی شراب طہور پینے والوں نے اپنا سر ساقیٔ حجاز کے قدموں پر رکھ دیا۔

اے غیور مسلم! تو نے خداداد قوت اور شوکت سے اسلامی اقدار اور محاسن کو شرق سے غرب تک پھیلایا تھا، تقویت اسلام اور ہمدردی خلائق میں بے حد دلچسپی لی تھی، تو نے حمایت اسلام میں فقط اپنی جان ہی نہیں بلکہ اہل وعیال اور عزت ومال کی بے پناہ قربانیاں پیش کر کے شجرِ اسلام کو سینچا اور ثمر آور بنایا تھا، قرآن وسنت اور اخلاق حسنہ کی پاسبانی کی تھی تو توحید وسنت اور مکارم وروحانیت کا پرزور مبلغ اور حامی تھا، اور شرک وبدعت اور قبائح اور نری مادیت کا

قامع اور محافظ آئین ختم نبوت رہا، پھر آج تُو دنیا کی نگاہ میں کیوں اتنا حقیر ہے؟ دنیا میں تیری ساکھ اور قدر و قیمت کیوں نہیں رہی؟ دنیا تیرے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو کیوں بالائے طاق رکھ رہی ہے؟ اگر تو بُرا نہ مانے تو اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے!

اے مسلم! جب سے تو اقامتِ دین میں سستی اور حفاظتِ اسلام میں کاہلی کرنے لگا اور جب سے تو نے توحید و سنت سے اغماض و بے اعتنائی کی جب سے تو شب و روز عیش و راحت پسندی میں گزارنے لگا، جب سے تیرے روشن دل سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی اور رعایت نیست و نابود ہونے لگی، اور جب سے باغِ عدل و انصاف میں تیرے ظلم و عصیاں کی بادِ صرصر اور آندھی چلنے لگی، اور ٹھیک اسی وقت سے تیری عزت و آبرو، اور جاہ و جلال کے سبزہ زاروں پر تیری غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے قہرِ خداوندی کی ژالہ باری ہونے لگی اور اطاعت رسول کے خوشنما چمن میں نسیم سحری کی بجائے بادِ خزاں چلنے لگی اور اسی وقت سے تو خدا شناسی اور قوت اخلاق کے صحیح جذبے سے عاری ہو گیا اور تیری رہی سہی ساکھ خاک میں ملنے لگی، تیرا آئینہ کی طرح صاف و شفاف دل اندھیری رات کی طرح تیرہ و تاریک ہو گیا، آہ! تو کون تھا؟ اور کیا ہو گیا!

کیسے بیاں کروں یہ حکایت دراز ہے

اے غیور مسلم! تیری روح کیوں مردہ ہو چکی ہے؟ اور کیوں تیری روحانیت اور اسلامی قدریں نابود ہو چکی ہیں؟ تیرے عمدہ اخلاق کے تو دنیا میں چرچے تھے جو صفحاتِ تاریخ میں زریں حروف میں لکھے ہوئے آج بھی چمک رہے ہیں، تو ہی بتا کہ تیری مدفون عزت و شہرت اور دینی جامعیت کو کون زندہ کرے گا؟ اور تیرے اعلیٰ ترین اخلاق کی چمکدار اور قاطع تلوار جس کی ایک ہی ضرب سے عصیان و تعدی، بدی و بدکرداری کا مغرور سر قلم ہو جاتا ہے، آج کیوں نیام میں بند ہو کر رہ گئی ہے؟ اے حریت و استقبال کے مجسمے! تو کیوں غیروں کی ذہنی غلامی کا شکار ہو کر رہ گیا؟ اور کیوں اہلِ مغرب کی بے جا تقلید کے عمیق گڑھے میں گر چکا ہے؟ اور کیوں ان کے مکر و خداع کے دامن میں ہم رنگ زمین میں الجھ کر رہ گیا ہے؟ اور تو ہی بتا تجھے عزت و آبرو کی اعلیٰ و ارفع سطح اور بامِ عروج پر کون لا کھڑا کرے گا؟ اے بہادر مسلم! تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہو اور تلاطم خیز طوفانی موجوں کا مردانہ وار مقابلہ کر! اور مادہ پرستوں سے یوں کہہ کہ

نہیں ڈر کچھ حوادثِ زمانہ کا دلِ جرأت بداماں کو
یہ ساحل جذب کر لیتا ہے ہر اک موج طوفانی کو

اے خواب غفلت میں مخمور مسلم! تجھے معلوم نہیں کہ دنیا دارالعمل، دارالامتحان اور مزرعۃ الآخرۃ ہے اور تجھے خبر نہیں کہ یہ عالم سراپا سراب، بے ثبات اور بے قرار ہے اور تجھے یقین نہیں کہ اگر خلود وابدیت حاصل ہے تو صرف عقبیٰ وآخرت کو، اگر بقاو پائیداری ہے تو محض اُس جہان کی سرمگیں زندگی کو، تو اپنی عارضی اور فانی زندگی کو سنوارنے کے لیے سَو جتن کرتا ہے، اس بے وفا دنیا کی ترقی کے لیے تو سینکڑوں اعمال اور اشغال اختیار کرتا ہے اور دن بھر تیری تمام تر عملی قوتیں اور جمیع سرگرمیاں اسی مرکز کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہیں۔ مگر مذہب اسلام، عقل وبصیرت اور فہم ودانش کا تقاضا اور فطرت صحیحہ کا (بشرطیکہ وہ مردہ نہ ہو چکا ہو) مطالبہ یہ ہو کہ تو حیات ابدی اور حقیقی زندگی کے حاصل کرنے کے لیے بلیغ کوشش اور ہر ممکن سعی سے کام لے اور عقبی کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے میں کوئی کسر فروگزاشت نہ کر اور صرف اسلام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا اور دین کی سچی پیروی اور اطاعت کر، تا کہ مرنے کے بعد غیر متناہی زمانہ میں تو امن واطمینان اور نشاط وانبساط کے ساتھ رہے اور ابدی زندگی میں ہمیشہ کیلئے تو بے حزن وملال اور بے خوف وخطر رہے۔ اور رضائے الٰہی حاصل کر کے اپنی عاقبت کو محمود ومستحسن بنا تا کہ وقتِ وفات تیری یہ کیفیت ہو کہ تیرے مال اور اعزہ واقارب تیری جدائی اور فراق صدمہ سے رو رہے ہوں اور تو اپنے محبوب حقیقی کے لقاء اور جنت کی خوشیوں اور رحمت خداوندی کی بشارت کو سن کر اور بچشم خود اس کا نقشہ دیکھ کر مسکرا رہا ہو، جیسا کہ تیری ولادت کے وقت تیرے تمام اقارب فرحاں اور خنداں تھے اور تو رو رہا تھا۔ کسی عارف کامل نے اس کی کیا ہی اچھی تصویر پیش کی ہے کہ

یاد داری کہ وقت زادن تو
ہمہ خنداں بدندو تو گریاں
آں چناں زی کہ وقت مردن تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

تیری خوش نصیبی صرف اسی میں ہے کہ اپنی مستعار زندگی کو رضائے الٰہی اور اتباع سنت کیلئے وقف کر دے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں خوابیدہ فطرت کو پیدا کر اور اپنی قبر اور آخرت کا فکر کرے۔ [تبلیغ اسلام ص 7 تا 11]

قارئین کرام! مذکورہ بالا عنوانات پر چند متفرق باتیں رقم کی ہیں۔ خدا کرے کہ ہم حضرت رحمۃ اللہ کی حیات مقدس کے روشن پہلوؤں کو اختیار کر سکیں۔ ان کے قدموں کے نشانوں پر اپنی منزلوں کے راستے طے کریں۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا محمد اسماعیل محمدی

باطل شکن شخصیت

میرے شیخ رحمہ اللہ مفسرِ قرآن بھی تھے، شیخ الحدیث بھی...... قابلِ فخر مصنف بھی تھے محدث بھی ......صوفی بھی تھے مہمان نواز بھی ......مسلک حق اہل السنۃ کے سچے ترجمان بھی تھے، اہل حق کی پہچان بھی...... ہماری شان بھی تھے، ہماری جان بھی......متبع سنت بھی تھے، اہل بدعت اور ملحدین کے لیے ننگی تلوار بھی......قاطعِ شرک وبدعت کے صحیح مصداق بھی تھے، غریب دوستوں کے لیے مونس ومددگار بھی......اہل السنۃ کے امام بھی تھے، فخر بھی...... صفِ باطل کے لیے صفدر بھی تھے، عاشق رسول ﷺ بھی......تمام ہم عصر اہل السنۃ دیوبند کے معتمد علیہ بھی تھے، سرپرست بھی۔

کیا کہوں کیا لکھوں میں اس قابل کہاں کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے متعلق خامہ فرسائی کرسکوں البتہ حضرت استاذ جی کی کچھ ملاقاتیں اور کچھ یادیں کچھ شفقتیں جو میرے لیے باعثِ فخر ہیں عرض کرتا ہوں۔

1986ء میں بندہ دورہ صرف کے لیے ریحان المدارس گوجرانوالہ میں حاضر ہوا، میرے استاذ حضرت مولانا محمد نواز بلوچ صاحب دامت فیوضہم دوران اسباق حضرت کا تذکرہ بڑے عشق کے ساتھ کرتے ایک دو دن ٹھہرنے کے بعد استاذ جی سے ہم نے اجازت مانگی کہ ہم حضرت کی زیارت کے لیے جانا چاہتے ہیں۔استاذ جی نے فرمایا ''ضرور جاؤ جی!'' ہم نصرۃ العلوم پہنچے حضرت تفسیر کا سبق پڑھا رہے تھے زیارت کرتے ہی دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

حضرت جب تفسیر کا سبق پڑھاتے حوالہ جات کی بھرمار کر دیتے جلالین کا نام اس طرح لیتے جیسے چھوٹا سا قاعدہ ہو فرماتے یہ حوالہ تو جلالین میں بھی مل جائے گا۔حضرت شیخ رحمہ اللہ کا مطالعہ کے ساتھ حافظہ بلا کا تھا ایک دفعہ گکھڑ حاضری ہوئی میں نے عرض کیا کہ آپ نے ایک حوالہ لکھا ہے اصل کتاب میں نہیں ملا فرمانے لگے ذرا آگے پیچھے دیکھو ضرور ملے گا میں نے تلاش کیا حوالہ مل گیا، ایک اور حوالہ کے متعلق فرمانے لگے مؤطا مالک کے حاشیہ پر ہے میں نے وہاں دیکھا حوالہ مل گیا۔

ایک دفعہ میں ریحان المدارس تقریر کر کے گکھڑ پہنچا حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے عرض کیا بیان کر کے، فرمایا کیا موضوع تھا؟ میں نے عرض کیا استاذ جی ''عورت اور مرد کی نماز میں

فرق'' کے موضوع پر بیان تھا فرمانے لگے مجھے بیان سناؤ جو کر کے آئے ہو اب حضرت کے سامنے بیان کرنا بہت مشکل تھا خیر ڈرتے ڈرتے میں نے تقریر دہرانی شروع کی سارا بیان سنا دیا، فرمانے لگے بخاری (ص ۱۱۴) پر ام درداء رضی اللہ عنہا والی روایت کو کس طرح بیان کیا؟ میں نے عرض کیا کہ ''وہاں تو بطور تعجب کے بیان کیا جا رہا ہے کہ ام درداء تو مردوں کی طرح بیٹھتی ہے؟ کبھی کسی نے نہیں کہا کہ فلاں عورت مردوں کی طرح کھاتی ہے، کیونکہ مرد وزن کے کھانے کا انداز ایک جیسا ہوتا ہے۔ ہاں اگر کوئی عورت مردوں کی طرح چلے یا لباس مردانہ پہن لے تو پھر کہا جائیگا۔ خیر القرون میں بھی نماز میں مردوں اور عورتوں کے بیٹھنے کا انداز جُدا جُدا تھا، یہاں بطورِ تعجب کے بیان ہوا کہ ''ام درداء مردوں کی طرح بیٹھتی ہے؟ اور احناف کی یہی دلیل ہے کہ مرد وزن کی نماز کا طریقہ مختلف ہے۔'' یہ سُن کر حضرت مسکرائے اور تائیداً سر ہلایا۔

ہمارے حضرت کا فیضان ایسا ہے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی اس سے مستغنی نہیں رہ سکتے، ایک معتبر دوست نے مجھے بتایا کہ ایک بریلوی مناظر ''احسن الکلام'' کا مطالعہ کر رہا تھا، کسی نے پوچھ لیا کہ جناب! آپ دیوبندی کی کتاب کا مطالعہ کیوں کر رہے ہیں؟ کہنے لگا اپنوں نے کچھ لکھا ہی نہیں ہے تو میں کہاں سے مطالعہ کروں؟

حضرت نے 40 سال بخاری پڑھائی، 40 ہزار آپ کے شاگرد ہیں، بیسیوں کتب کے مصنف ہیں ایسی شخصیت کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے مماتیوں نے کھڑا کیا عنایت اللہ شاہ کو جس کو ایک دن بھی پڑھانا نصیب نہیں ہوا۔ عنایت اللہ شاہ گجراتی کہتا تھا کہ میں علامہ انور شاہ کشمیری کا شاگرد ہوں لیکن مجھے اُن سے نہ دین سمجھ آیا نہ ایمان، بے چارہ انور شاہ کے پاس سے بھی بغیر ایمان کے واپس آ گیا، اور پاکستان آ کر علماء دیوبند کے ساتھ محاذ آرائی قائم کر لی، ایسے بدعقیدہ لوگوں کے باطل عقائد کا جب شیخ نے رد کیا تو کمر توڑ کر رکھ دی۔

شیخ کی مایہ ناز تصنیف **''تسکین الصدور''** جب منظر عام پر آئی تو بعض معتزلہ نے اس کا جواب دینا چاہا، فرقہ مماتیہ کا مشہور مصنف محمد حسین شاہ نیلوی جواب دینے لگا تو حضرت کے ذکر کردہ دلائل و براہین سے ایسا مخبوط الحواس ہوا کہ اپنا مؤقف ہی بھول گیا اور لکھ گیا کہ ''روح کا تعلق قبر میں اجزائے اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔'' [ندائے حق ص 41/44/33/271] بس لڑائی ختم یہی تو ہمارا مسلک ہے جسے اس نے بھی مان لیا۔ اب یا تو اس پر بھی شرک کا فتویٰ لگاؤ یا ہمارے اکابرین کو بھی مؤحد تسلیم کرو! نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن

دوسری جگہ لکھتا ہے کہ ''میت میں نوع من الحیوۃ'' ہوتی ہے۔ [ندائے حق 36/37] غور فرمائیں کہ عام

اموات میں حیات تسلیم کر چکے ہیں لیکن نبوت کے ساتھ ایسا بغض ہے کہ وہاں حیات تسلیم کرنے سے انکار ہے۔

اسی طرح شیخ کے دلائل سے بوکھلا کر ایک اور مماتی شہاب الدین خالدی سماع موتی کا انکار کرتے کرتے لکھتا ہے ''میت کا سننا صحیح صریح حدیث سے ثابت ہے۔''

قاضی شمس الدین صاحب جن کو مماتی اپنا بڑا کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، انہوں حضرت شیخ کی کتاب ''**تسکین الصدور**'' کے جواب میں ''**تسکین القلوب**'' لکھی، جس میں جا بجا حضرت شیخ رحمہ اللہ پر طنز کیا ہے، اسی میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون، لاشک فیہ۔" [تسکین القلوب 47]

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ ''ارواح طیبہ کا ابدان سے تعلق [جسکی کنہہ ہم نہیں جانتے] اس کو تسلیم کرتے ہیں۔'' [مسالک العلماء 228]

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ ''سلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواز ہی کے قائل نہیں بلکہ اس کو باعث سعادت سمجھتے ہیں۔'' [مسالک العلماء 247]

دیکھیے! اب مماتی ان پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں؟ لیکن ایک اور بات آگے لکھ دی کہ ''یہ سماع روحانی ہے۔'' اگر روحانی بھی ہو تو ثابت ہو گیا کہ روح قبر میں ہے جو سن لیتی ہے اور قبر یہی زمینی ہے ورنہ علیین کی قبر میں رہ کر دُور و سننا تو مماتیوں کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوگا۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی ''**تسکین الصدور**'' نے واقعۃً ان کے چھکے چھڑا دیئے، ایسے شکنجے میں آئے کہ جب بھی اس سے نکلنے کا ارادہ کیا مزید پھنستے چلے گئے، ایک مماتی فون پر مجھ سے کہنے لگا کہ تم حیاتیوں کے خلاف ایک اور کتاب شائع ہوئی ہے جس پر تمام اکابر کے دستخط موجود ہیں، میں نے پوچھا کون سی کتاب؟ جواب ملا ''کشف المغالطات'' میں نے پوچھا اس کتاب کو مانتے ہو؟ کہنے لگا کیوں نہیں! میں نے کہا [۱] اُس کے صفحہ 144 پر لکھا ہے کہ ''حیات فی القبر کا مسئلہ ضروریات دین میں سے ہے!'' اور ضروریات دین کا منکر تو کافر ہوتا ہے، تم بتاؤ تم اس کے منکر ہو کر کیا بنے؟

[۲] صفحہ 175 پر لکھا ہے ''عذابِ قبر کا منکر معتزلی، رافضی اور مرتد ہے!'' اب بتاؤ تم کون ہو؟ اس نے فون بند کر دیا۔

عنایت اللہ شاہ کے منظورِ نظر، بدنامِ زمانہ، گستاخِ رسول احمد سعید چتروڑ گڑھی نے کتاب لکھی ''وقع الاحناف'' حضرت شیخ رحمہ اللہ کے دلائل کا جواب تو کیا دینا ایسی شدید بوکھلاہٹ اور گڑبڑاہٹ کا

شکار ہوا اور ایسا دماغ پھرا کہ جگہ جگہ خود کو اور اپنے فرقے والوں کو ہی کافر، شیطان اور ہندو لکھ گیا۔

[۱] زمینی گڑھا ہی قبر ہے۔[صفحہ 137]

[۲] زمینی قبر کا منکر کافر ہے۔[صفحہ 154] (اس فتویٰ سے کون سا مماتی بچ سکا؟)

[۳] قبر کو گڑھا کہنے والا کافر ہے۔[صفحہ 101] (تمہارے ہی بڑے قاضی شمس الدین صاحب نے کہا تھا؟[شرح مشکوٰۃ ص39][محمدی])

[۴] روح اور جسم کے عذاب کا ثبوت قرآن سے ثابت ہے۔[صفحہ 125]

[۵] جسم کے عذاب کا منکر شیطان ہے۔[صفحہ 38] (سارے مماتی ہی منکر ہیں؟)

[۶] صرف روح کو عذاب ماننے والا کافر ہے۔[صفحہ 78] (سارے مماتی کیا بنے؟)

[۷] جسم مثالی کو عذاب ماننا ہندو کا عقیدہ ہے۔[صفحہ 128]

سبحان اللہ! رب دو عالم نے نیلی چھت کے نیچے حق کی فتح اور باطل کی عبرتناک شکست کا وہ منظر دکھایا کہ مماتیوں کے فخر یہ عالم نے اہلِ حق کی تائید کرتے ہوئے اپنے سارے ٹبر کو ہی کافر، ہندو اور شیطان بنا دیا، پھر بھی اس پر خوش ہیں۔ یہ سب رب تعالیٰ کا فضل اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کرامت ہے۔

اسی طرح ایک غیر مقلد نے شیخ کی کتاب ''احسن الکلام'' کا جواب لکھنے کی ٹھانی، اور ''توضیح الکلام'' کے نام سے کچھ لکھا بھی، لیکن خدا کی قدرت، تردید کے بجائے تائید ہوتی چلی گئی، ملاحظہ فرمائیں

[۱] امام بخاری سے لیکر دورِ قریب کے محققین علماء اہلحدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ ''فاتحہ نہ پڑھنے والی نماز باطل ہے، وہ بے نماز ہے۔''[ص43]

[۲] فتویٰ بازی کا آغاز فریق مخالف کی طرف سے ہوا، جس کے جواب میں ''تحقیق الکلام'' لکھنا پڑی، آپ اسے حرف بحرف پڑھ جائیں کہیں بھی آپ فاتحہ نہ پڑھنے والے کو بے نمازی اور جہنمی لکھا ہوا نہیں پائیں گے۔[ص44]

[۳] اثری صاحب اپنے استاد مولانا حافظ محمد گوندلوی مرحوم سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں.... نیز فرماتے ہیں کہ ''ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی، اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے، پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں، خواہ نماز جہری ہو یا سری، اور اپنی تحقیق پر عمل کرتے ہوئے فاتحہ نہ پڑھے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔[ص45][خیر الکلام 33]

[۴] ہم سابقہ صفحات میں عرض کر آئے ہیں کہ ''فاتحہ نہ پڑھنے والوں پر تکفیر کا فتویٰ یا اس کے بے نماز ہونے کا

فتویٰ امام شافعی رحمہ اللہ سے لیکر مؤلف خیر الکلام تک کسی ذمہ دار محقق نے نہیں دیا۔[ص99]

[۵]امام بخاری سے لیکر تمام محققین علماء اہلِ حدیث میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ جو فاتحہ نہ پڑھے وہ بے نماز ہے۔کافر ہے۔[ص517]

[٦]مولانا ارشادالحق اثری صاحب لکھتے ہیں ''بلاشبہ جمہور، امام کے پیچھے وجوب فاتحہ کے قائل نہیں۔[ص100]

توضیح الکلام کی مندرجہ بالا عبارات غیر مقلدین کو غور سے پڑھ لینی چاہیں اور احناف کی نماز کو درست ماننا چاہیے،اس کتاب کو تردید کے بجائے تائید سمجھیں۔

قارئین! عبارات آپ دیکھ چکے ہیں، اللہ کی مدد اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کے دلائل کی بھرمار سے غیر مقلد ایسے سٹپٹائے اور لاجواب ہوئے کہ ان دلائل کو تسلیم کر کے ہی جان چھڑائی۔ وہی جو پہلے فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو ''کافر'' اور ''بے نمازی'' کہتے نہ تھکتے تھے، آج بار بار صفائیاں پیش کر رہے ہیں اور وضاحت کرنے پر مجبور ہیں کہ ہم فاتحہ نہ پڑھنے والے کی تکفیر نہیں کرتے۔اس کا کریڈٹ لامحالہ حضرت شیخ رحمہ اللہ اور آپ کی شاہکار تصنیف ''احسن الکلام'' کو ہی جاتا ہے۔فجز اہ اللہ احسن الجزاء فی الدارین

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ایک نام نہاد [یزیدی] معتقد کے سامنے جب میں نے ''سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ'' کہا تو آگ بگولہ ہوگیا اور کہنے لگا آپ تو حضرت شیخ کے بڑے معتقد ہیں انہوں نے تو کہیں ''امام حسین'' نہیں لکھا، آپ بھی صرف حسین بن علی کہا کریں! میں نے فوراً اُس کے سامنے حضرت کی کتاب ''راہِ سنت'' رکھی جس کے ص51 اور 169 پر حضرت نے ''امام حسین رضی اللہ عنہ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں! وہ خاموش ہوگیا۔

ایک اور یزیدی ملا کہنے لگا فسقِ یزید کا مسئلہ اتنا اہم تھا تو حضرت شیخ نے اس پر کیوں نہیں لکھا؟ معلوم ہوا یہ کوئی ضروری نہیں، ہم حضرت شیخ کو ہی مانتے ہیں اور بس! میں نے حضرت کی کتاب ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' کا ص146 دکھایا جہاں لکھا ہوا تھا کہ ''یزید وہ شخص تھا جو شراب بھی پیتا تھا اور حرم میں زنا بھی کرتا تھا۔'' اب یزیدی صاحب کو سانپ سونگھ گیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کو کروٹ کروٹ سکون جنت نصیب فرمائے۔آمین بحرمت النبی الکریم علیہ التحیة والتسلیم الیٰ یوم الدین

مولانا رب نواز

مصنف ''احسن الکلام''

''احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام'' کے مصنف جلیل حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ الی یوم القیٰمہ کے نام سے میری شناسائی 90 عیسوی میں ہوئی جب میں فیصل آباد میں درجہ قرآن کا طالب علم تھا اس دور میں حسبِ دستور رجب کے مہینہ میں ختمِ بخاری کے اشتہارات دیواروں پر چسپاں کیے گئے، ان اشتہارات میں سب سے بڑا نام حضرت کا تھا جس سے میں نے محسوس کیا کہ حضرت ملک کے چیدہ اور نامی گرامی علماء میں سے ہیں جبھی تو ختمِ بخاری کے لیے انہیں بلایا جاتا ہے۔قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد میں نے درجہ کتب کی تعلیم کے لیے اہل السنۃ والجماعۃ کی عظیم دینی درس گاہ ''دار العلوم فتحیہ'' احمد پور شرقیہ میں داخلہ لے لیا یہاں ہمارے اساتذہ کرام میں سے ایک استاذ حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب دام فیضہ ہیں جو حضرت رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں انہوں نے دورہ تفسیر ان کے پاس پڑھا، استاذ محترم وقتاً فوقتاً ان کے علمی کمالات بیان فرماتے رہتے۔منجملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی کہ حضرت رحمہ اللہ جب دورہ تفسیر پڑھاتے تو مختلف عربی تفسیروں کی پانچ پانچ، چھ چھ سطریں زبانی پڑھ دیا کرتے تھے۔

کتاب کا استیناد :

استاذِ محترم نے یہ بھی فرمایا کہ عموماً جب کوئی کتاب خریدی جاتی ہے تو اس کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے کہ وہ مستند ہے یا نہیں؟ یا کم از کم اس کی فہرست دیکھ کر تسلی کر لی جاتی ہے مگر جس کتاب پر ''حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر'' تحریر ہو تو اس کتاب کے مستند ہونے کے لیے یہی بات ہی کافی ہے کہ وہ حضرت کی کتاب ہے لہٰذا اسے بلا تامل خرید لینا چاہیے۔

یہ تو استاذ محترم کی رائے تھی عرصہ دراز کے بعد اس طرح کی بات حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کی طرف سے پڑھنے میں آئی قاری صاحب لکھتے ہیں ''رسالہ نافعہ ''تسکین الصدور'' مؤلفہ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر سے استفادہ نصیب ہوا۔رسالہ کی وقعت وعظمت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مولانا سرفراز خان صاحب کی تالیف ہے جو اپنی محققانہ اور معتدلانہ طرزِ

تالیف میں معروف ہیں۔'' (تسکین الصدور ص ۲۰)

ایک خواہش جو پوری نہ ہو سکی:

غرض استاذ محترم کے مبنی بر حقیقت بیانات سن کر حضرت رحمہ اللہ کی عظمت دل میں گھر کرتی چلی گئی، یہاں تک کہ ہماری پوری جماعت نے ان کے پاس دورہ تفسیر پڑھنے کا فیصلہ کر لیا اور استاذِ محترم کو بھی اس سے آگاہ کر دیا مگر معلوم ہوا کہ حضرت نے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے دورۂ تفسیر پڑھانا چھوڑ دیا ہے بس ہماری یہ حسرت یوں ہی دل میں رہ گئی، پھر یہ سوچا کہ اگر براہِ راست ان سے فیض یاب نہیں ہو سکتے تو ان کی کتابوں سے تو مستفید ہوا جا سکتا ہے لہٰذا ہم ان کی کتابوں کی طرف متوجہ ہونے لگے۔

علماء کرام کا خراجِ تحسین:

جب حضرت کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تو آغاز ہی میں پاک و ہند کے جید علماء کرام کی تقاریظ پڑھنے میں آئیں جن سے معلوم ہوا کہ صرف ہم چند ساتھی حضرت کے عقیدت مند نہیں بلکہ علم و عمل کے پہاڑ علماء کرام ان کے معتقد اور ان کے علمی کمالات پر خراجِ تحسین پیش کر رہے ہیں۔

حضرت کی کتابیں:

حضرت رحمہ اللہ کی کتب کیا تھیں؟ ان پر طائرانہ نظر ڈالنے سے محسوس ہوا کہ علوم و معارف اور حوالہ کا ایک بے کراں سمندر موجزن ہے، جس کا اظہار ان کتب پر ثبت متبحر علماء کی تقاریظ سے جھلک رہا تھا، تقاریظ پڑھنے کے بعد جب آگے پہنچے تو حضرت رحمہ اللہ کے تحقیقی شہ پاروں کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ جیسے وہ صرف، نحو، منطق، بلاغت، تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ وغیرہ سبھی فنون میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اسی طرح فرقِ باطلہ وضالہ کیخلاف یلغار کرنے میں بھی مہارت تامہ کے مالک ہیں انہوں نے ہمہ جہت ان سے قلمی جہاد جاری رکھا۔ اگر انہوں نے ''عیسائیت کا پسِ منظر'' لکھ کر عیسائیت کے پول کھولے ہیں تو ''چراغ کی روشنی، مقالہ ختمِ نبوۃ اور توضیح المرام'' کی صورت میں مرزائیت کی بھی نیندیں حرام کی ہیں، ''ارشاد الشیعہ'' اور ''الکلام الحاوی'' تحریر کر کے شیعیت کے بخیئے ادھیڑے ہیں تو ''مودودی صاحب کا غلط فتویٰ'' وغیرہ لکھ کر مودودیت کو بھی چار شانوں چت کیا۔ اسی طرح ''شوقِ حدیث'' ''انکارِ حدیث کے نتائج'' اور ''صرف ایک اسلام'' تصنیف کر کے فتنہ انکارِ حدیث کا سدِ باب کیا ہے تو ''احسن الکلام'' ''الکلام المفید'' ''مقامِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ'' ''طائفہ منصورہ'' ''مسئلہ قربانی'' ''ینابیع'' اور ''عمدۃ الاثاث کتابیں تالیف کر کے نام نہاد اہل حدیث یعنی فتنہ غیر مقلدیت پر بھی تابڑ توڑ حملے کیے یہاں تک کہ قصرِ غیر مقلدیت کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں۔ اپنا زورِ قلم ''ازالۃ الریب'' ''راہِ سنت'' ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' ''عباراتِ اکابر'' ''گلدستہ توحید'' ''دل کا سرور'' ''اتمام البرھان'' ''اظہار العیب'' اور ''تنقیدِ متین'' وغیرہ کتب میں صرف کر کے بریلوی عقائد

وبدعات کا رد کیا ہے تو ''تسکین الصدور'' ''سماعِ موتی'' امت کے ہاتھوں پکڑا کر مماتیت کا بھی قلع قمع کیا ہے۔غرض یہ کہ حضرت رحمہ اللہ نے تقریباً تمام باطل اور گمراہ فرقوں کی دسیسہ کاریوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں یوں تو حضرت کی ہر کتاب تحقیق وتدقیق،علم ومعرفت کا خزانہ اور مستند حوالہ جات کا مخزن ہے لیکن جس کتاب سے میں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا اور متأثر ہوا وہ ''**احسن الکلام فی ترکِ القراءۃ خلف الامام**'' جو شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے جس کا سبب تالیف اور مختصر تعارف آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

''احسن الکلام'' کا سببِ تالیف:

پاک وہند میں جب غیر مقلدین نے کسی درجہ اثر رسوخ بنالیا تو فتویٰ دینا شروع کردیا کہ جو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز باطل ہے بلکہ اس فتویٰ کو وہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ باور کرانے لگے چنانچہ ان کے فتاوٰی میں لکھا ہے:

''رسولِ خدا ﷺ نے بامر اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا میرے پیچھے سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو ورنہ تمہاری نماز باطل ہوجائے گی'' (فتاوٰی ثنائیہ جلد ا ص ۴۸۹)

صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کو بے نماز،کافر اور جہنمی تک قرار دے دیا چنانچہ ایک غیر مقلد عالم لکھتے ہیں:

''اول تحریر ایک ہمارے ہی علماء اہل حدیث کی پرچہ تنظیم میں طبع ہوئی تھی جس میں مولانا موصوف نے مدرک رکوع کے اعتداد والوں کو مخلد فی النار تک کا حکم صادر فرمادیا تھا نتیجہ اس طرح نکالا کہ مدرک رکوع سے فاتحہ مفقود ہوتی ہے لہٰذا اس کی نماز نہیں۔جس کی نماز نہیں وہ بے نماز ہے،بے نماز کافر ہے اور وہ مخلد فی النار ہے۔'' (اتمام الرکوع فی ادراک الرکوع ص اطبع کردہ مینجر رسالہ صحیفہ اہل حدیث صدر دہلی بحوالہ احسن الکلام ص ۵۵)

اس کے ساتھ ساتھ غیر مقلدین نے چیلنج بازی شروع کردی کہ روئے زمین کا کوئی حنفی امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی حدیث نہیں دکھا سکتا۔کتب خانہ اہل حدیث 119 نیو کلاتھ مارکیٹ کراچی سے ایک رسالہ بہ عنوان ''فصل الخطاب فی قراءۃ فاتحہ الکتاب'' سے شائع ہوا،اس میں درج ذیل الفاظ میں چیلنج کیا گیا ہے:

''انعامی چیلنج: تمام دنیا کے حنفی حضرات کو کھلا اور انعامی چیلنج دیا جاتا ہے جیسا کہ ہم اہلِ حدیث امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا خاص لفظ حدیثِ مرفوع صریح صحیح حسن سے (بحوالہ کتب صحاح ستہ وماوافق بھا) دکھاتے ہیں ایسا ہی وہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کا خاص لفظ حدیث مرفوع صریح صحیح حسن سے (بحوالہ

کتب صحاح ستہ وما وافق بھا) میدان مناظرہ میں دکھا دیں تو ہم ان کو اس حقِ محنت، دادِ ہمت، تمغۂ صداقت کے صلہ میں فاتحہ کے ہر حرف کے بدلہ میں مبلغ ایک سو روپے دینے کو تیار ہیں انشاء اللہ تعالیٰ۔

کیا ہے روئے زمین پر کوئی زندہ دل حنفی جو میدان مناظرہ میں کودے اور امام کے پیچھے خاص لفظ ،فاتحہ کے نہ پڑھنے کا دکھا کر مبلغ پانچ سو روپیہ انعام حاصل کرے (دیدہ باید) اس انعامی چیلنج کو شائع کیے ہوئے تیرہ سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے اور تقریباً یہ چیلنج بارہ ہزار کی تعداد میں طبع کرا کر علماء اور جہلاء کے ہاتھوں میں پہنچا چکے ہیں۔ دیوبند، ڈابھیل، ہندوستان، پاکستان کے احناف کے بڑے بڑے مدارس میں بھی پہنچ چکا ہے احناف کے مقتدر علماء مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ، مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش ہو چکا ہے لیکن اس وقت تک کسی حنفی کو یہ جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی آئندہ ہوگی انشاء اللہ، کہ وہ دنیا کی کسی کتاب سے ایک حدیث ہی بموجب شرائط چیلنج پیش کر کے انعام حاصل کرنے کے علاوہ مذہب حنفی پر احسان کرتا لیکن کرتا کہاں سے جب کہ اس طرح کی حدیث کسی دنیا کی اسلامی کتب میں موجود نہ ہو اور یقیناً نہ ہو'' (فصل الخطاب ص۲،۳ بحوالہ احسن الکلام ص ۵۶)

احسن الکلام کا مختصر تعارف:

جب غیر مقلدین نے اس قسم کے چیلنجوں سے فضاء کو آلودہ کر دیا تو حضرت رحمہ اللہ ان کے چیلنجز کو قبول کرتے ہوئے میدان میں اترے اور احسن الکلام کتاب تصنیف کی جو ابتدا میں قریباً چار سو صفحات پر مشتمل تھی مگر بعد میں جواب الجواب کے اضافہ کی وجہ سے اس کے صفحات کی تعداد چھ سو تک پہنچ گئی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں چار باب ہیں پہلا باب قرآن کریم، دوسرا باب احادیثِ نبویہ، تیسرا باب آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آثارِ تابعین پر مشتمل ہے ان تین ابواب میں قرآن کی ایک آیت، نبی کریم ﷺ کی بیس احادیث، گیارہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سترہ آثارِ تابعین کی روشنی میں ثابت کیا کہ ہے مقتدی کو امام کے پیچھے قراءۃ (فاتحہ وغیرہا کی) نہیں کرنی چاہیے، چوتھا باب عقلی، ترجیحی اور قیاسی دلائل پر مشتمل ہے اور کتاب کے دوسرے حصہ میں مخالفین کے دلائل کا تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے۔ کتاب ہٰذا میں جہاں علماءِ اہل السنۃ کی تحقیقات سامنے لائی گئی ہیں وہاں غیر مقلدین کے مستند علماء کے بھی کافی تعداد میں حوالہ جات پیش کیے ہیں۔

مصنف کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں اس کی پشت پر مستند حوالوں کا ایک بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اور ان کی کتاب کا ہر صفحہ ان حوالوں سے سجا ہوا ہوتا ہے یہی اسلوب اس کتاب ''احسن الکلام'' میں بھی پوری قوت کے ساتھ جلوہ گر ہے اور یہ کتاب ہزاروں اوراق کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے مصنف خود بیان کرتے ہیں ''راقم الحروف کو خالی الذہن ہو کر محض اپنی قلبی تسکین اور سنتِ رسول ﷺ کی پیروی کرنے کی خاطر

سینکڑوں کتابوں کے ہزاروں اوراق الٹنے پڑے ہیں اور صد ہا رسائل اور کتابچوں کی ورق گردانی کرنا پڑی ہے تاکہ دلائل کی صحت وسقم کا موازنہ کرکے نجاتِ اخروی کی فکر کی جائے لیکن میں نے فریقِ ثانی کے جملہ دعووں کو بالکل بے حقیقت، مبالغہ آمیز اور انتہائی غلو پر مبنی پایا ہے'' (احسن الکلام ص ۵۸)

اعترافِ شکست:

''احسن الکلام'' کا شائع ہونا تھا کہ غیر مقلدین کے حلقہ میں کہرام مچ گیا اس کے جواب کے لیے مشورے ہونے لگے یہاں تک کہ مقابلہ کے لیے غیر مقلدیت کے امام العصر محمد گوندلوی کو سامنے لایا گیا جنہوں نے خیر الکلام کے عنوان سے جواب لکھا اس پر تقریظ عطاء اللہ بھوجیانی غیر مقلد کی ہے بھوجیانی صاحب ''احسن الکلام'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''پونے چار سو صفحات کی یہ کتاب بڑی دلچسپ ہے ساری بنیاد اس پر کھڑی کی گئی ہے کہ اہلِ حدیث امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے والے کو ''بے نماز'' سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر محققین علماءِ اہل حدیث تک کسی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا'' (خیر الکلام ص ۱۴)

خود گوندلوی صاحب ''احسن الکلام'' کے ٹھوس علمی دلائل کی تاب نہ لاتے ہوئے یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ ''ہمارا تو یہ مسلک ہے فاتحہ خلف الامام مسئلہ فرعی اختلافی ہونے کی بناء پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سری اپنی تحقیق پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں'' (خیر الکلام ص ۳۳)

جب غیر مقلدیت کے ''امام العصر'' نے یوں کھلے لفظوں اپنی شکست کو مان لیا تو غیر مقلدین کے حلقہ میں یہ کتاب مقبولیت نہ پا سکی۔ اس کے ایک عرصہ بعد گوندلوی صاحب کے شاگردِ رشید ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلدیت کو دلاسہ دینے کے لیے میدان میں آئے اور توضیح الکلام کے عنوان سے احسن الکلام کا بزعمِ خود جواب لکھا مگر احسن الکلام کے زوردار دلائل کے سامنے انہوں نے بھی اپنے استاذ کی طرح ہتھیار ڈال دیئے اور درج ذیل عبارت لکھ کر غیر مقلدین کی پریشانی میں اور اضافہ کر دیا:

''امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر دورِ قریب کے محققین اہلِ حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے اور وہ بے نماز ہے آج بعض حضرات نے جو قدم اٹھایا ہے جماعت کے نامور اور ذمہ دار حضرات میں بھی ان کا شمار نہیں ہوتا'' (توضیح الکلام جلد ۱ ص ۴۳)

حالانکہ فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۴۸۹ پر غیر مقلد مفتی کا فتویٰ موجود ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے۔ گویا اثری صاحب کے نزدیک وہ اور اس جیسے دیگر غیر مقلدین غیر ذمہ دار ہیں۔ اثری صاحب مزید لکھتے ہیں:

''فاتحہ نہ پڑھنے والے پر تکفیر کا فتویٰ یا اس کے بے نماز ہونے کا فتویٰ امام شافعی رحمہ اللہ سے لے کر مؤلف خیر الکلام تک کسی ذمہ دار محقق عالم نے نہیں دیا'' (توضیح الکلام ج ا ص ۹۹)

جب غیر مقلدین کے ذمہ دار حضرات نے یہ مان لیا کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے، اس کی نماز باطل نہیں اور وہ بے نماز نہیں تو مصنف احسن الکلام مولانا صفدر صاحب رحمہ اللہ نے اس پر یوں تبصرہ کیا:

''کاش کہ یہ حضرات پہلے ہی اس حق گوئی سے کام لیتے اور اپنے غالی دوستوں کو چیلنج بازی اور احناف کی صحیح نماز کے باطل، بے کار اور کالعدم ہونے کے ناروا فتویٰ سے باز رکھتے تو ہمیں احسن الکلام لکھنے کی سرے سے ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ احسن الکلام کے ٹھوس اور محکم دلائل ہی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے ترک القراءۃ خلف الامام کرنے والوں کی نماز کے باطل نہ ہونے کا اقرار کیا ورنہ غیر مقلدین حضرات کبھی کھلے لفظوں میں اپنی شکست فاش کو تسلیم نہ کرتے اور نہ یہ ان کا شیوہ اور عادت ہے'' (مقدمہ تدقیق الکلام)

غیر مقلدین کی پریشانی : غیر مقلد مناظر دعویٰ کرتا ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی، اہل السنۃ مناظر خیر الکلام اور توضیح الکلام سامنے کر دیتا ہے کہ یہ آپ کے علماء لکھ رہے ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے اس کی نماز باطل ہرگز نہیں، ان عبارتوں کے سنتے ہی غیر مقلد مناظر کو پسینہ آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نوجوان حضرات خیر الکلام اور توضیح الکلام کے مطلوبہ صفحہ کی فوٹو کاپی کرا کر کسی غیر مقلد شیخ الحدیث کے پاس چلے جاتے ہیں اس سے سوال کرتے ہیں کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ وہ کہتا کہ بغیر فاتحہ کے نماز باطل ہے نوجوان فوراً خیر الکلام اور توضیح الکلام کی فوٹو کاپی آگے رکھ دیتے ہیں شیخ الحدیث حیرانی کے عالم میں کبھی فوٹو کاپی کو دیکھتا ہے اور کبھی نوجوانوں کے چہروں کو، بالآخر یہ کہنے پہ اکتفا کرتا ہے کہ میں ان علماء کو نہیں مانتا۔

بلکہ کہا گیا ہے کہ لوگوں نے خود ارشاد الحق اثری سے سوال کیا کہ آپ نے کتاب کا نام رکھا ''**توضیح الکلام فی وجوب القراء ۃ خلف الامام**'' جس سے پتہ چلتا ہے قراءۃ کرنا واجب ہے مگر کتاب کے اندر لکھتے ہیں کہ فاتحہ کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے یہ تضاد بیانی کیوں؟ اثری صاحب نے جواب دیا کہ میں آئندہ ایڈیشن میں ایسی عبارات حذف کر دوں گا۔ (توضیح الکلام پر ایک نظر صفحہ ۱۲)

حدیث مسلم پر ضعف کی چھاپ:

اہل السنۃ احناف حدیث نبوی ﷺ ''**اذا قرأ فانصتوا**'' جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو، سے استدلال کیا کرتے ہیں۔ [احسن الکلام] یہ حدیث نسائی وغیرہ حدیث کی کئی کتب کے علاوہ مسلم

شریف (ج ا ص ۱۷۴) میں بھی ہے چونکہ یہ حدیث غیر مقلدین کے مذہب کے خلاف ہے اس لیے ارشاد الحق اثری صاحب نے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کی ٹھان لی اور اپنی کتاب توضیح الکلام کے 59 صفحات اس کی تضعیف میں خرچ کر دیئے من جملہ اور باتوں کے ایک بات یہ بھی لکھی کہ یہ حدیث شاذ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (توضیح الکلام طبع جدید صفحہ ۶۶۷)

کسی نے اثری صاحب کی یہی تحقیق غیر مقلدیت کے مایہ ناز مصنف زبیر علی زئی کے پاس بھجوادی تو علی زئی نے اس پر یوں تبصرہ کیا:

''مولانا اثری صاحب کی یہ بات صحیح نہیں ہے کسی زیادت کو ذکر نہ کرنا مخالفت نہیں ہوتی اور نہ اسے شاذ کہنا صحیح ہے.... صحیح مسلم میں سلیمان التیمی رحمہ اللہ کی بیان کردہ حدیث ''واذا قرأ فانصتوا''، ''اور جب وہ قراءۃ کرے تو تم خاموش ہو جاؤ'' صحیح محفوظ ہے بعض ائمہ کا اسے ضعیف و معلول قرار دینا صحیح نہیں ہے اور نہ صحیح مسلم کی احادیث کو ضعیف اور شاذ کہنا جائز ہے'' (ماہنامہ الحدیث شمارہ ۴۷ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ ص ۱۰)

حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب بلکہ جمہور کی طرح زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی اسے صحیح تسلیم کر لیا ہے علامہ البانی غیر مقلد کے نزدیک بھی یہ حدیث صحیح ہے بلکہ انہوں نے اس سے استدلال بھی کیا ہے۔ (صفہ صلوۃ النبی ص ۸۰)

معلوم ہوا کہ اثری صاحب کا حدیثِ مسلم کو ضعیف قرار دینا سینہ زوری ہے ان پر اعتراض ہوا کہ یہ حدیث تو مسلم شریف کی ہے اور مسلم اسی طرح بخاری کی حدیث کے صحیح ہونے پر امت کا اجماع ہے تو اثری صاحب نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا ''بعض محدثین نے صحیحین کی بعض روایات پر تنقید کی ہے'' (توضیح الکلام ص ۲۰۷) گویا وہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب بعض محدثین نے بخاری و مسلم کی روایات پر تنقید کی ہے تو میں نے حدیث مسلم کو تنقید کا نشانہ بنایا تو کیا مضائقہ ہے؟

مؤلف توضیح الکلام کا اہلحدیث سے اختلاف:

ارشاد الحق اثری صاحب نے یوں دیکھنے کو تو ایک ہزار صفحات پر مشتمل کتاب 'توضیح الکلام'' لکھ ماری مگر دلائل کے لحاظ سے یہ کتاب اس مقام کی حامل نہیں جس کی اثری صاحب امید رکھے ہوئے ہیں اس کتاب میں تو بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جن سے خود اہلحدیث علماء کو اختلاف ہے بطور نمونہ چند ایسی باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

[۱] اسحاق بھٹی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تقلید نہ کرتے تھے۔ (برصغیر میں اہلحدیث کی آمد ص ۱۷۶) لیکن اثری صاحب عبدالرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شاہ

ولی اللہ حنفی المذہب تھے۔(توضیح الکلام ص ۶۵ طبع دوم)

[۲] ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد کا فتویٰ ہے کہ فاتحہ کے بعد والی قراءۃ بھی فرض ہے اور اس کی فرضیت حدیث کے لفظ ''فصاعداً'' سے اخذ کی ہے (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص ۵۸۷) لیکن اثری صاحب کی رائے ہے کہ نہ فصاعداً سے وجوب ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی ما زاد علی الفاتحہ واجب ہے ۔(توضیح الکلام ص ۱۳۶، ۵۵۱) بلکہ لفظ ''فصاعداً'' ثابت ہی نہیں یہ تو معمر کی غلطی ہے کہ وہ اسے روایت کرتے ہیں۔ (توضیح الکلام صفحہ ۱۳۱)

نوٹ: لفظ ''فصاعداً''، صحیح سند سے ثابت ہے۔(مسلم ج ا ص ۱۶۹۔ نسائی ج ا ص ۱۰۵) عمر فاروق سعیدی غیر مقلد نے بھی ''فصاعداً ''کی زیادت والی حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے (شرح ابوداؤد ج ا ص ۶۰۹)

[۳] غیر مقلدین کے فتاوٰی ستاریہ [جلد ا ص ۵۴] میں کئی حدیثوں سے ثابت کر کے لکھا ہے کہ جو امام کو رکوع میں پالے اس کی وہ رکعت ہوگئی۔لیکن اثری صاحب اس کے منکر ہیں۔(توضیح الکلام ص ۱۴۶)

[۴] محمد افضل اثری غیر مقلد کی تحقیق یہ ہے کہ بقیۃ بن الولید مجروح اور نا قابلِ اعتماد راوی ہے۔ (ھدیۃ المسلمین ضمیمہ ص ۱۰۰ تا ۱۰۳ طبع کراچی) عبدالرحمٰن مبارکپوری کے نزدیک بھی بقیہ بن ولید ضعیف راوی ہے (القول السدید فیما یتعلق بتکبیرات العید ص ۱۷) لیکن مؤلف توضیح الکلام کے نزدیک بقیۃ بن الولید ثقہ راوی ہے۔(توضیح الکلام ص ۲۹۸)

[۵] دار قطنی، المستدرک، السنن الکبریٰ اور جزء القراءۃ وغیرہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر وعصر کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو ضعیف قرار دیتے ہیں (مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص ۲۷، ۹۰) لیکن اثری صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر سند کے اعتبار سے حسن صحیح ہے اور اس پر اعتراض محض مذہبی حمیت کا شاخسانہ ہے'' (توضیح الکلام صفحہ ۴۳۵)

[۶] زبیر علی زئی کے نزدیک امام زہری رحمہ اللہ کی تدلیس ضعف کا سبب ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کا حکم مروی ہے لیکن اس کی سند امام زہری کے عنعنہ کی وجہ سے معلول ہے لہٰذا میں اس ضعیف روایت سے استدلال نہیں کرتا ؟ (فاتحہ خلف الامام ص ۲۷)'' اگر چہ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر یہ سند امام زہری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ان پر تدلیس کا الزام ثابت ہے'' (مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص ۹۰) لیکن اثری صاحب لکھتے ہیں: ''یہ روایت زہری عن انس کی سند سے ہے راقم اثیم کی تحقیق میں زہری کی تدلیس مضر نہیں'' (توضیح الکلام ص ۲۴۷)

[۷] عبدالرؤف سندھو غیر مقلد، مؤمل بن اسماعیل کو مجروح قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں ''یہ سند ضعیف

ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سیئ الحفظ ہے'' (القول المقبول ص۳۴۰ طبع چہارم) لیکن اثری صاحب مؤمل بن اسماعیل سے مروی حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں ''یہ سند بھی درجہ حسن سے کم نہیں'' (توضیح الکلام ص۵۵۷) صرف اسی پر بس نہیں اثری صاحب نے مؤمل پر کی گئی جرح کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے اور یہ جواب کئی صفحات پر مشتمل ہے۔ (توضیح الکلام ص۵۵۷ تا ۵۶۱)

[۸] داؤد راز غیر مقلد لکھتے ہیں ''آنحضرت ﷺ نے بحالت بیماری بیٹھ کر نماز پڑھی اور مقتدیوں کی طرف نماز میں اشارہ کر کے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھیں لیکن وفات کی بیماری میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ پہلا امر منسوخ ہے'' (شرح بخاری اردو جلد۲ صفحہ ۳۱۵) ''امام کے ساتھ مقتدیوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا بعد میں منسوخ ہو گیا'' (ایضاً صفحہ ۲۳۳) امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام حمیدی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ حدیث (فصلو جلوساً) منسوخ ہے۔ (بخاری شریف ص۹۶۔ صفحہ ۸۴۵) لیکن اثری صاحب مقتدیوں کے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق لکھتے ہیں ''یہ حکم منسوخ نہیں ہے'' (توضیح الکلام ص۱۴۱۷)

[۹] ناصر الدین البانی غیر مقلد کا فتویٰ ہے کہ جہری نماز میں قراءۃ کرنا منسوخ ہے۔ (صفہ صلوۃ النبی ص۸۰) صادق خلیل غیر مقلد لکھتے ہیں ''شیخ البانی نے نسخ قراءۃ پر "اذاقرأ فانصتوا" اور "من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة" سے بھی استدلال کیا ہے'' (حاشیہ مترجم صفہ صلوۃ النبی ص۹۱) لیکن اثری صاحب، البانی مرحوم کی بیان کردہ ناسخ حدیث "من كان له ...." کے متعلق لکھتے ہیں ''یہ حدیث اپنے جمیع طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے'' (توضیح الکلام ص۸۴۴) اثری صاحب نے ''البانی'' کی بیان کردہ ناسخ حدیث "اذاقرأ فانصتوا" کو بھی ضعیف قرار دیا کما مرّ۔

[۱۰] وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں ''محدثین کسی کے مقلد نہیں'' (رفع العجاجه عن سنن ابن ماجه ج۱ ص۳۶) زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں ''ایک محدث بھی مقلد نہیں تھا'' (اوکاڑوی کا تعاقب ص۵۲) لیکن اثری صاحب محدثین کی جگہ بہ جگہ تقلیدی نسبتیں ذکر کر کے ان کے مقلد ہونے کا اقرار کرتے چلے گئے مثلاً:

''امام مزنی، امام بویطی، امام شیرازی اور نووی رحمہم اللہ شافعی ہیں (توضیح الکلام صفحہ ۹۸) علامہ عینی حنفی، علامہ ماردینی حنفی ص۱۳۷۔ ابن عبد البر مالکی ص۵۴۶، ۸۶۴۔ زیلعی حنفی ص۶۷۰۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ شافعی ص۶۲۲۔ علامہ طاہر حنفی پٹنی ص۴۵۸

مؤلف ''توضیح الکلام'' کا اپنی ذات سے اختلاف:

توضیح الکلام کے مندرجات پر نہ صرف عام غیر مقلدین کو اختلاف ہے بلکہ اثری صاحب کی ذات

ستودہ صفات بھی مطمئن نظر نہیں آتی بطور نمونہ چند باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

[۱] اثری صاحب توضیح الکلام میں لکھتے ہیں ''امام بخاری سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے'' (توضیح الکلام ص۴۳ طبع جدید ص۱۷)

لیکن اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں ''بلاشبہ علمائے اہل حدیث نے امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز کو باطل قرار دیا ہے'' (آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے ص۲۵)

[۲] اثری صاحب لکھتے ہیں ''تقلید نا سدید خیر القرون کے بعد کی ایجاد ہے'' (تنقیح الکلام فی تائید توضیح الکلام ص۳۶۰)

لیکن توضیح میں امام شیرازی کے حوالے سے امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں ''ابتداءً وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب میں سے تھے پھر انہیں چھوڑ دیا اور ان کے مذہب سے رجوع کر لیا'' (ص۹۳۴)

پھر قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھتے ہیں ''خراسان اور ماوراء العراق کے علاقہ میں امام مالک کے مسلک کی ترویج امام ابن مبارک رحمہ اللہ وغیرہ کی کوشش کا نتیجہ ہے'' (ص۹۳۴)

اگر خیر القرون میں تقلید نہ تھی تو ابن مبارک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک سے رجوع کیسے کیا؟ رجوع تو تب متصور ہوسکتا ہے جب وہ پہلے ان کے مذہب میں داخل ہوں۔ اسی طرح اگر خیر القرون میں تقلید نہ تھی تو انہوں نے مالکی مسلک کیسے پھیلا دیا کیا ابن مبارک رحمہ اللہ خیر القرون کے محدث اور بزرگ نہیں؟

اثری صاحب نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ''میں تمام صحابہ کی تقلید کرتا ہوں اور ان کے خلاف اپنی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا سوائے تین کے ''انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ'' (توضیح الکلام ص۹۸۸)

اگر خیر القرون میں تقلید نہ تھی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صحابہ کرام کی تقلید کیسے کر لی؟ کیا امام صاحب خیر القرون کے بزرگ نہیں؟ یہ بات بھی بڑی دلچسپ رہے گی کہ عام غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے لوگوں کو تقلید کرنے سے روکا ہے۔ مگر اثری صاحب کا انکشاف بتا رہا ہے کہ وہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید کیا کرتے تھے۔

[۳] اثری صاحب علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ کو توضیح میں ''حنفی'' قرار دیتے ہیں.... ''علامہ طاہر حنفی پٹنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں'' (توضیح الکلام ص۷۵۸)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ''سکوت کے معنیٰ یہاں ''اسر'' کے علامہ عینی رحمہ اللہ اور علامہ فتنی رحمہ اللہ حنفی بزرگوں کو بھی مسلم ہیں'' (توضیح الکلام ص ۶۴۱)

پٹنی کو عربی میں ''فتنی'' کہتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ توضیح کی تصریح کے مطابق علامہ طاہر پٹنی رحمہ اللہ حنفی تھے۔ لیکن اثری صاحب اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں ''علامہ پٹنی رحمہ اللہ کی یہ تصریحات وتبصرے اس بات کے غماز ہیں کہ وہ فقہی مکاتب میں سے کسی ایک مکتبِ فکر کے دلدادہ نہ تھے'' (پاک وہند میں علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث ص ۱۷)

یہ ہے جی توضیح الکلام کتاب جس سے عام غیر مقلدین کو اختلاف ہے اور خود مصنف بھی تضاد بیانی کے سمندر میں غوطہ زن نظر آتے ہیں مگر اس کے باوجود ان (مصنف) کا اسکے بارے میں گمان اور خوش فہمی یہ ہے ''توضیح کے ٹھوس علمی اور اصولی دلائل ہمالیہ کی طرح قائم ہیں'' (تنقیح الکلام ص ۱۹)

مولانا سرفراز کی طرف کتاب کا انتساب:

کہا جاتا ہے کہ ''**تعرف الاشیاء باضدادها**''. ''اشیاء کی پہچان ان کی اضداد سے ہوتی ہے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب سے عقیدت تو پہلے سے ان کی کتاب ''احسن الکلام'' کے مطالعہ سے ہوگئی تھی لیکن جب اس کے جواب ''توضیح الکلام'' کا کھوکھلا پن سامنے آیا تو ''احسن الکلام'' اور اس کے مصنف کی عقیدت اور بھی دل میں مستحکم ہوتی چلی گئی، جب عقیدت نے عروج حاصل کیا تو دل میں یہ آرزو اٹھی کہ اپنی کسی کتاب کا انتساب مصنف احسن الکلام کی طرف کرنے کی سعادت حاصل کی جائے چنانچہ بندہ نے ایک کتاب ''غیر مقلدین کا جنازہ'' لکھی تو اس کا انتساب انہی کی طرف کر دیا انتساب کی عبارت یہ ہے۔

انتساب:

چھان ڈالی کتاب تم نے تمام   پیار کی بات انتساب میں تھی

بندہ اپنے اس رسالہ کا انتساب اپنے شیخ الشیخ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم العالیہ کی طرف کرتا ہے جن کے تحقیقی قلم سے بے راہ روی کے خلاف ''**احسن الکلام فی ترک القراءۃ خلف الامام**''، ''**الکلام المفید فی اثبات التقلید**''، ''**مقامِ ابی حنیفہ رحمہ اللہ**''، ''**طائفہ منصورہ**'' اور ''**عمدۃ الاثاث**'' وغیرہ کئی کتابیں معرضِ وجود میں آئیں ان کے ٹھوس علمی دلائل سے مخالف ہراساں ہے اور اہلِ حق ان سے مشعلِ راہ کا کام لے رہے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت کو امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین   ؎ **رحم اللہ عبدا قال آمینا**

حضرت کی زیارت کا شرف: حضرت کی کتب کے مطالعہ اور اکابر علماء کی مدح سرائی کی وجہ

سے ان کی عقیدت بارہ سال سے دل میں موجزن تھی، ان کی طرف کتاب کے انتساب کی حسرت تو پوری ہوگئی لیکن ان کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوسکا، رفتہ رفتہ یہ نوبت بھی آگئی کہ ان کی زیارت کا شوق زندگی کی ایک بہت بڑی آرزو اور خواہش بن کر دل میں مچلنے لگا، طویل عرصہ تک ان کی زیارت کے لیے بے تاب رہا بالآخر اللہ نے کرم فرمایا دل بے تاب کی بے قراری ختم ہوئی اور حضرت کی زیارت سے مستفید ہوا۔ اس کی صورت یوں بنی کہ حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی حفظہ اللہ (مدیر دوماہی مجلّہ نورِ بصیرت بہاول پور واستاذِ حدیث جامعہ صدیقیہ بہاولپور) نے حضرت کے بیٹے مولانا منہاج الحق خان راشد سے ان کی ملاقات کا وقت دلوادیا بندہ نے گکھڑ منڈی گوجرانوالہ ان کے آستانہ عالیہ پر 12 اپریل 2009ء بروز اتوار بعد نمازِ ظہر حاضری دی اور حضرت کی زیارت وہمکلامی سے فیض یاب ہوا یوں دل کے ارمان پورے ہوئے۔ حضرت کی عمر اگرچہ اس وقت قریباً 98 برس کی تھی مگر اس کے باوجود ہوش وحواس ٹھیک اور جان پہچان کی صلاحیت بدستور موجود تھی ۔حضرت نے اس موقع پر بندہ کو اجازتِ حدیث کی سند بھی مرحمت فرمائی جو بندہ کے پاس الحمد للہ محفوظ ہے حضرت کے ساتھ اس حیاتِ مستعار میں یہ میری پہلی اور آخری ملاقات ثابت ہوئی۔

سانحۂ وفات: حضرت سے میری ملاقات کو 23 دن گزرے تھے 5 مئی کو منگل کی شب سوا دو بجے حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب دام ظلہ نے فون کے ذریعہ بتایا کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کی ابھی تھوڑی دیر پہلے وفات ہوگئی یہ خبر سنتے ہی زبان سے فوراً بے ساختہ ''**انا للہ وانا الیہ راجعون**'' نکلا ۔دل پر ان کی وفات کا غم چھا گیا اور نیند اڑ گئی کافی دیر بستر پہ بیٹھا جاگتا رہا۔

عموماً ہوتا یوں ہے کہ جب کوئی بزرگ تدریس، تصنیف وتقریر وغیرہ کاموں میں مصروف ہوں اور اچانک ان کی وفات ہوجائے تو اس پر بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے اور اگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے ایسے کارنامے سرانجام دینے سے معذور ہوگئے ہوں تو اُن کی موت پر افسوس کم ہوتا ہے مگر حضرت کی وفات اگرچہ اس زمانہ میں ہوئی جب وہ تدریس، تصنیف اور تقریر وخطابت وغیرہ کام کے نہیں رہے لیکن اس کے باوجود ان کی وفات پر صدمہ بہت ہی زیادہ محسوس ہوا یہ تو میرا اپنا حال تھا بعد میں جب اخبار وجرائد کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ ملک بھر کے اہل السنۃ والجماعۃ حضرات ''وفاتِ صفدر'' پر غم سے نڈھال ہیں میں نے حضرت کی وفات کے بعد سے انہیں ثواب ایصال کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب ان کی روح کو ایصال کر دیا کرتا ہوں ۔اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت کے اعلیٰ درجہ میں جگہ عطا فرمائے آمین بجاہ رسولہ الکریم ﷺ

مولانا ثناءاللہ سعد شجاع آبادی

صاحب ارشاد الشیعہ

مناصب اور اعزازات اللہ کی بارگاہ سے تقسیم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی کو جس انسان کے ذریعے دیگر انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی مقصود ہوتی ہے، اسے اس ہدایت کا مکمل نمونہ اور مجسم پیکر بنا دیا جاتا ہے، ایسے انسان پر شروع ہی سے اس سمیع وبصیر ذات کی خصوصی نظر رحمت وعنایت ہوتی ہے، چنانچہ اس کی پرورش و پرداخت، نشست و برخاست، گفتار وکردار اور انداز و اطوار ایک خاص سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں۔ قدرت اس کے ذہن کے بند دریچوں کو کھولتی اور اسے شرحِ صدر کی دولت سے نواز دیتی ہے، انسانی معاشرے میں پلنے بڑھنے والے اس انسان کو اس کے وجود کی مضرتوں اور نفس امارہ کی آلائشوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے اس کے اعضاء وجوارح کو ایک غیبی نظام کے تحت الٰہی حدود وقیود کا مطیع بنا کر، اس کے باطن کو مانجھ کر آئینے کی طرح صاف وشفاف کر دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ ''**المومن مرأة المومن**'' کا مصداق ٹھہرتا ہے اور عملی زندگی میں قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ ملکوتی صفات کی بناء پر خود اپنے پروردگار کا بھی محبوب بن جاتا ہے۔ چنانچہ جب وہ اس منزل تک پہنچ جائے تو پھر ارشاد نبوی کے مطابق ''**اذا احب اللّٰہ العبد**'' جب بندہ اپنے پروردگار کا محبوب بن جاتا ہے۔۔ ''**قال لجبریل انی احب فلاناً فا حبه**'' اللہ تعالی اپنے مقرب ترین فرشتے جبرئیل علیہ الاسلام سے فرماتے ہیں کہ فلاں بندے سے مجھے محبت ہوگئی ہے تم بھی اس سے محبت کرو!۔۔''**فیحبه جبریل**'' ۔۔پس جبرائیل بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔۔ ''**ثم ینادی جبریل فی اهل السماء**''۔۔ پھر جبرائیل علیہ السلام تمام آسمانی مخلوقات میں اللہ اور اس کے بندے کے باہمی تعلق کا اعلان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔۔''**ان الله قد احب فلان فاحبوه**'' ۔۔ بے شک اللہ تعالی کو اپنے فلاں بندے سے محبت ہے تم بھی اس سے محبت کرو!۔۔''**فیحبو نه**'' ۔۔ چنانچہ تمام آسمانی مخلوقات بھی اس بندے سے محبت کرنے لگتی ہیں۔۔ ''**ثم یضع له القبول فی الارض**'' ۔۔پھر اہلِ زمین میں اس بندے کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے، یوں وہ شخص زمین میں اولیاء اللہ کا محبوب بن جاتا ہے!

ایسے شخص کا علم وعمل اور زبان وبیان کی قوتیں خیر وشر میں تفریق کر کے لوگوں کو اپنے استدلال اور موعظۂ حسنہ کے ذریعے خیر کی دعوت دینے اور شر سے بچانے والی بن جاتی ہیں یہ شخص دنیا کے جس علاقے میں پیدا ہوا ہو، اور اس کے والدین نے اس کا جو بھی نام تجویز کیا ہو، اپنی امتیازی صفات وکمال کی بناء پر اپنے ہم عصروں میں ''سرفراز'' اور مخالفین ومعاندین کیلئے اپنے دور کا ''صفدر'' ہوتا ہے۔

ایک طرف اس کی ہستی جذب وکشش کا مرکز ہوتی ہے کہ خلق خدا اس کی طرف کھنچتی چلی آتی ہے، دوسری طرف اس کے مقابلے میں کھڑا ہوا کوئی بھی عوج ابن عنق، کبھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، جبکہ وہ خود اپنے استدلال کے ہتھیار سے مخالف کے ٹخنے کو بھی چھو لے تو اس ''ضرب یداللہی'' کے صدقے مخالف اپنی موت آپ مر جاتا ہے۔

ہمارے حضرت شیخ المحدثین امام اہل السنۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو رب ذوالجلال نے انہی خصوصیات سے نوازا تھا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کے کئی حوالوں سے آپ اپنے دور کے ''فردِ فرید'' تھے آپ کی شخصیت اور کارناموں پر حقیقی اور تحقیقی آراء تو اصحاب علم ہی کی ہوسکتی ہیں، جو اپنا حق یقیناً ادا کریں گے بعض دوستوں کے اصرار پر ناچیز بھی اہل علم کی اس مجلس میں شرکت کی جسارت کر رہا ہے اللھم و فقنالما تحب و ترضیٰ۔

حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی علمی خدمات جو کہ نصف صدی سے زیادہ عرصے پر محیط ہیں، دین کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں، بالخصوص تفسیر قرآن اور اشاعت حدیثِ رسول کیلئے آپ کی زندگی بھر کی ''تگ وتاز'' آپ کی عظمت پر دلالت کرتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

''نضر اللہ امرا سمع مقالتی فوعاھا و ادھا کماسمعھا''

اللہ تعالی اس شخص کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے جس نے میرے پیغام کو سنا اور پھر اس کی اس طرح اشاعت کی جس طرح اس کو سنا تھا۔

حضرت امام اہل السنۃ کی خدمتِ حدیث کے حوالے سے زندگی بھر کی قابل رشک کارکردگی کا زمانہ شاہد ہے آپ نے چودہ صدیوں کا سفر طے کر کے اپنے زمانے تک پہنچنے والے نبوی پیغام کو سلف صالحین کی تحقیقات کی روشنی میں اسماء الرجال کی چھان پھٹک کے ساتھ عام کیا، ہزاروں شاگردوں کے سینے آپ کے ذریعے اس نور سے منور ہوئے۔ اور اب وہ شاگرد برصغیر پاک وہند کے علاوہ صرف عالم اسلام ہی میں نہیں بلکہ کفرستان یورپ میں بھی حدیثِ رسول کی محفل سجائے ہوئے ہیں۔

قرآن وسنت کی تدریس کے علاوہ آپ کی ایک اہم ترین دینی خدمت آپ کی بلند معیار و بلند مرتبہ تصنیفات ہیں۔اس خدمت کا دورانیہ بھی کم وبیش نصف صدی پر محیط ہے اس عرصے میں آپ کے قلم سے وہ شہکار برآمد ہوئے جنہوں نے دنیائے رفض و بدعت والحاد کولرزا دیا،جس زمانے میں آپ نے قلم تھاما اس وقت صورتحال کچھ یوں تھی کہ ایک طرف بدعت پرستوں کا زور تھا جو عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے رسوم ورواج کو دین کے نام سے متعارف کروار ہے تھےاوراس کیلئے قرآن کریم کی تفسیر کی آڑ لینے سے بھی نہیں شرماتے تھے،مولانا احمد رضا خان کے خلفاءاوران کے حلقہ کےلوگ تقریروں اورتحریروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے ترانے گاتے اورسُریں سیدھی کرتے کرتے اس مقام پر جانکلتے جہاں اللہ ورسول علیحدہ علیحدہ دوہستیوں کی بجائے ایک ہی ہستی کی صورت میں دکھائی دیتے،عوام بیچارے حیران و پریشان ہوکر منہ میں انگلیاں داب لیتے تو خطیب صاحب ان کی حیرت بھانپ کرمزید حیرت زدہ کرتے کہ بھائیو! آپ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کیا معلوم،آپ سے تو ''دیو'' کے ''بندوں''اور''بندیوں'' نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو چھپایا ہے،آپ کومعلوم ہونا چاہے کہ اللہ ورسول میں کوئی فرق نہیں صرف احداوراحمد کی میم کا پردہ تھا،جسے معراج کی رات ہٹا دیا گیا احد احمد اوراحمد احد ہو گیادونوں میں کوئی فرق نہیں،پھر بتایا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضرناظر بھی ہیں،عالم الغیب بھی ہیں اورمختارکل بھی! پھرقرآن کریم کی آیات پڑھ پڑھ دلائل کے انبارلگادیئے جاتے ساتھ ہی ہرتقریراورتحریر کا انجام اوراختتام اس پر ہوتا کہ دیوبندی گستاخ رسول ہیں،یہ حضور کو بشر مانتے ہیں نورنہیں مانتے۔عالم الغیب،حاضرناظراورمختارکل نہیں مانتے،یہ حضور کی شان گھٹاتے ہیں لہٰذا کافر ہیں۔

بریلوی حضرات کی اس روش پرحوالہ جات دینے کی ضرورت نہیں،یہ ایک عام چلن تھا،جس کے آگے مضبوط علمی استدلال کا بند باندھنا ضروری تھا اگراس سے مزید تغافل برتا جاتا تو نتائج اس قدر خطرناک ہوتے کہ شاید حق کا دفاع مشکل ترین صورت اختیار کر جاتا،چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان حالات میں جوہستی اس خطرناک ترین سیلاب کے آگے بند باندھنے کیلئے قدرت کی طرف سے مامور کی گئی اور جس نے ازالۃ الریب،راہِ سنت،آنکھوں کی ٹھنڈک اوردل کا سرور جیسی کتابیں لکھ کرنہ صرف ان مسائل کی تفہیم کوعلماء بلکہ عوام تک کی دسترس میں لاکررکھ دیا وہ ہستی امام اہل السنۃ مولانا سرفراز صفدر ہی کی تھی جس نے اس طوفان بلاخیز کے سرچشموں تک پہنچ کران سوراخوں کو بھی بند کر دیا جن سے بدعت وضلالت کے یہ چشمے پھوٹتے تھے۔

آج اگر بریلویوں کے مقابل دیوبندیوں کوعلمی برتری حاصل ہےاوراسے ہر کہہ ومہ تسلیم کرتا ہےتو یقیناًاس کا کریڈٹ حضرت امام اہل السنۃ ہی کو دیا جاتا ہے۔

امام اہل السنۃ کا دوسرا بڑا محاذ رد غیر مقلدیت رہا ہے ملکہ وکٹوریہ کے نرم و نازک ہاتھوں سے ''اہلحدیث'' کا نام الاٹ کروا کر اسی معصومہ کی آغوش شفقت میں پلنے والے اس فرقے نے اپنے وقت ولادت سے تاحال جو کارنامے سرانجام دیئے یا گذشتہ نصف صدی میں جو اودھم برپا کیا وہ اہل علم سے مخفی نہیں ، چنانچہ حضرت امام اہل السنۃ نے مسئلہ تقلید، فاتحہ خلف الامام اور دیگر مسائل کے علاوہ طلاق ثلاثہ کے موضوع پر جو مباحث لکھے ہیں، حق یہ ہے کہ غیر مقلدین کی علمی زنبیل سے ان کا صحیح جواب کبھی برآمد نہیں ہوسکتا۔

حضرت امام اہل السنۃ نے تمام فرق و ادیان باطلہ کے عقائد کا رد کیا عیسائیت، مرزائیت اور رافضیت کے خلاف کتابیں لکھیں ان کتابوں کی بنیادی افادیت یہ ہے کہ ان سے علماء کو ٹھوس مواد ملتا ہے، اور ان کیلئے تحریری وتقریری طور پر باطل کا تعاقب آسان ہو جاتا ہے۔

فروری 1979ء میں ایران میں برپا ہونے والے شیعی انقلاب نے پاکستان کے معاشرے پر اثر انداز ہونا شروع کیا تو ملک بھر میں اضطراب کی لہریں نمودار ہونے لگیں ، رہنمایان ملک و ملت نے اس انقلاب کی مدح وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے شروع کر دیئے تو امام اہل السنّت نے مولانا غلام اکبر گورمانی کی استدعا پر ''ارشاد الشیعہ'' تصنیف فرمائی آپ کی یہ تصنیف جو دوسو سے کچھ زیادہ صفحات پر مشتمل ہے اپنی مختصر ضخامت کے باوجود شیعیت کے زہر کا مکمل تریاق ہے! امام اہل السنّت نے شیعیت کی تین وجوہ تکفیر پر سیر حاسل بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ شیعیت کو ان عقائد کی موجودگی میں مسلمانوں کا فرقہ قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ تین وجوہ حسب ذیل ہیں (۱) عقیدۂ تحریف قرآن (۲) خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر (۳) عقیدہ امامت۔

اس موقع پر مناسب رہے گا کہ حضرت امام اہل السنّت کی اس کتاب سے چند اقتباسات قارئین کی نظر کئے جائیں، چنانچہ امام اہل السنۃ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ فرمائیں اور اس کی نگرانی اپنے ذمہ لیں اور کھلے کافر بھی اس کی اصلی صورت میں محفوظ رہنے کا اقرار کریں مگر شیعہ شنیعہ یہ کہیں کہ ہمارے علماء اور مجتہدین کی تحقیق سے تواتر کے ساتھ اس میں تحریف اور کمی بیشی ثابت ہے اور شیعہ کے چار علماء کے بغیر ان کے باقی تمام متقدمین اور متاخرین کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ موجودہ قرآن محرف اور مبدل ہے کیا شیعہ شنیعہ کی تکفیر کے لیے یہی ایک نص قطعی کافی نہیں ہے؟ الغرض دیگر بے بنیاد اور باطل عقائد

شیعہ کے اپنے مقام پر ہیں جو سبب کفر ہیں اور قرآن کریم کی تحریف کا دعویٰ اپنی جگہ قطعاً اور یقیناً ان کی تکفیر کا موجب ہے جس میں ایک رتی بھر بھی شک وشبہ نہیں۔ ''لا ریب فیہ''

یہی وجہ ہے کہ جملہ اہل حق کھلے طور پر شیعہ کی تکفیر کرتے ہیں اور یہ ان کا اسلامی اور قانونی حق ہے مگر بایں ہمہ وہ امن عامہ کو بگاڑنے اور خراب کرنے کی پالیسی پر گامزن نہیں ہیں کیونکہ وہ مسئلہ کے ساتھ مصلحت کو نظر انداز نہیں کرتے

ہم ہیں خاموش کہ برہم نہ ہو عالم کا نظام
وہ سمجھتے ہیں کہ ہم میں طاقت فریاد نہیں

(ارشاد الشیعہ ص 38)

اب امامت کے باب میں حضرت کا طرز استدلال ملاحظہ ہو!

علامہ مجلسی اپنی کتاب حق الیقین میں گیارہویں امام حضرت حسن عسکری سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ

حمل ما اوصیائے پیغمبراں در شکم مادر نمی باشد در پہلوے باشد واز رحم بیروں نمی آئیم، بلکہ از رانِ مادراں فرود مے آئیم........الخ

(ترجمہ) ہم ائمہ کرام جو پیغمبروں کے وصی ہیں ہمارا حمل ماؤں کے پیٹ ورحم میں قرار نہیں پاتا بلکہ ہمارا قرار تو ماؤں کے پہلوؤں میں ہوتا ہے، ہم رحم سے باہر نہیں آتے بلکہ ہم ماؤں کی رانوں سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ہم خدا تعالیٰ کا نور ہیں، لہٰذا ہم کو گندگی اور غلاظت ونجاست سے اُس نے دور رکھا ہے۔ (حق الیقین ص 126 طبع ایران)

حضرت امام اہل السنۃ اس عبارت پر تبصرہ فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں

''قران کریم اور حدیث شریف اور فقہ اسلامی میں نطفہ سے لیکر بچے کی ولادت تک اس کا مستقر رحم مادر بتلایا ہے، مگر شیعہ کے نزدیک حضرات ائمہ کرام کا مستقر ان کی ماؤں کی رانیں ہیں اور وہیں سے وہ پیدا ہوتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ عالم اسباب میں باپ اور ماں کے ملنے اور ہمبستری سے بچے کی خلقت ہوتی ہے تو کیا حضرات آئمہ کرام کے آباء کرام اپنی ازواج سے ہمبستری اور مجامعت کرتے رہے اور وہ راستہ جو رب عالی نے فطری طور پر پیدا کیا ہے اس کو ترک کرتے رہے؟ یہ عجیب قسم کا اعجوبہ بلکہ گورکھ دھندا ہے بس صرف شیعہ ہی اس کو حل کر سکتے ہیں اور دنیا والوں کو اس کی کیا خبر؟

اس کے بعد حضرت امام اہل السنّت نے حضرت شاہ ولی اللہ کی ایک عبارت پیش کی ہے،

حضرت قطب الدین احمد بن عبدالرحیم المعروف بشاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ 1176ھ) فرماتے ہیں کہ

''سئالته صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ۔سوالاً ۔روحانیا عن الشیعة فاوحی الیّ ان مذهبهم باطل وبطلان مذهبهم یعرف من لفظ الامام ولما افقدت عرفت ان الامام عندهم هو المعصوم المفترض طاعته الموحیٰ الیه وحیاً باطنیاً وهٰذاهو معنی النبی فمذهبهم یستلزم انکار ختم نبوت، قبحهم الله تعالی'' [تفہیماتِ الٰہیہ جلد2 ص250]

''میں نے روحانی (اور کشفی) طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعہ کے بارے سوال کیا تو آپ نے مجھے اشارہ کیا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا بطلان لفظ امام سے معلوم ہوتا ہے جب مجھے افاقہ ہوا تو میں نے جان لیا کہ شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتا ہے جس کی اطاعت فرض ہوتی ہے اور امام کی طرف باطنی طور پر وحی آتی ہے اور اس معنی میں امام نبی ہی ہوتا ہے سو شیعہ کا مذہب انکار ختم نبوت کو مستلزم ہے اللہ تعالیٰ انکا ناس کرے''۔

امام اہل السنّت اس عبارت کو درج کرنے کے بعد نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ظاہر امر ہے کہ جب امام معصوم ہوا اور اس کی طرف وحی بھی آتی ہو اور اسکی طاعت بھی فرض ہو تو نبی اور امام میں کیا فرق رہ گیا؟ غرضیکہ شیعہ بارہ ۱۲ بلکہ بعض چودہ امام تسلیم کر کے گویا بارہ یا چودہ نبی فرماتے ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کیسے ختم ہوئی؟ اگر شیعہ ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں تو محض تقیہ کے طور پر''۔(ارشاد الشیعہ ص88)

قارئین! ملاحظہ فرمائیں! امام اہل السنّت کے اخذ کردہ اسی نتیجہ کو آج سے کچھ عرصہ قبل علامہ علی شیر حیدری دامت فیوضہم نے اپنی تقریروں میں اٹھایا تو بعض کرمفرماؤں نے آسمان سر پر اُٹھالیا اور کہا گیا کہ اس سے مرزائیت کو تقویت پہنچے گی! کیوں جناب ایسا کیوں ہونے لگا؟ کیا صرف اس وجہ سے کہ حیدری کی زبان پر بھی یہ بات آگئی تھی؟

برادران ذی وقار! حوصلہ رکھیے! یہ کوئی الجبرا کا لاینحل یا دماغ سوز کلیہ نہیں ہے جو آپ حضرات کی سمجھ میں نہ آسکا ہو! یہ تو 2+2=4 کی طرح آسان واضح صاف اور شفاف نتیجہ ہے جو امام اہل السنۃ نے بیان فرمادیا تو کوئی طوفان نہیں آیا، نہ ہی مرزائیت کو تقویت ملی تو اگر علامہ حیدری بیان کردیں تو اس سے مرزائیت کو تقویت

ملے گی؟ حق تو یہ ہے کہ اندیشہ ہائے دور دراز سے لرزاں وترساں قلوب ان درفتنطنیوں میں الجھ کر شیعیت کی تقویت کا سبب بن رہے ہیں۔ جبکہ اسلام کی چودہ سوسالہ تاریخ کا دامن پہلے ہی شیعیت کے دیئے ہوئے زخموں سے داغ داغ ہے اور حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں

راقم اثیم دیانۃً اس کا قائل ہے کہ اسلام کو جتنا نقصان روافض نے پہنچایا ہے وہ مجموعی لحاظ سے کسی کلمہ گو فرقے سے نہیں پہنچا۔ (ارشادالشیعہ ص 30)

تکفیر شیعیت کے تین اصولی مباحث لکھنے کے بعد ''ارشادالشیعہ'' کے باب چہارم سے امام اہل السنۃ نے ایرانی شیعی انقلاب کے بانی آیت اللہ خمینی کی کتب بالخصوص کشف الاسرار کے چند اہم مغالطوں کا کافی ووافی جواب رقم فرمایا ہے۔ ص 93 سے ''کشف الاسرار'' کی مشہور بحث ''مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآن'' (معاذ اللہ) کے عنوان کے تحت وراثت رسول اور فدک وغیرہ سے متعلق شیعی مطاعن کا جواب شروع ہو رہا ہے۔ جو ص نمبر 124 تک پھیلا ہوا ہے راقم کا خیال یہ ہے کہ جاگیر فدک کے موضوع پر 32 صفحات میں پھیلی ہوئی یہ بحث اپنی سلاست اور جامعیت کی بناء پر اپنے موضوع کے اعتبار سے حرفِ آخر ہے، اتنے دلنشین انداز میں اس بحث کو سمیٹ کر معترض کو ساکت وجامد کر دینا امام اہل السنۃ رحمہ اللہ ہی کا حصہ تھا۔ ص 117 کے آخر میں علامہ ابن کثیر (المتوفیٰ 774) کی اپنی سند کے ساتھ سیدنا زید بن علی (بن الحسین بن علی) کا یہ فرمان کہ اگر حضرت ابوبکر کی جگہ میں خلیفہ ہوتا تو فدک وغیرہ کے بارے میں وہی فیصلہ کرتا جو حضرت اجوبکر نے کیا ہے (البدایہ والنہایہ ج ص 290) پیش کرنے کے بعد حضرت امام اہل السنۃ ان دلائل کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''اگر معاذ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر کا یہ فیصلہ ظلم پر مبنی تھا تو بصورت اقتدار یہی ظالمانہ فیصلہ اہل بیت کے برگزیدہ امام زید بن علی کا بھی ہوتا تو ایسے موقع پر اگر بالفرض حضرت فاطمہ زندہ ہوتیں تو حضرت امام زید بن علی سے ان کا معاملہ اور سلوک کیا ہوتا؟ پھر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت فاطمہ خود امیر اور دولتمند تھیں ان کو وراثت کا حصہ طلب کرنیکی کیا ضرورت تھی اور یہ بھی انہیں معلوم تھا کہ ان کی زندگی اب بالکل تھوڑی ہے اور اپنی جائداد میں بھی انہوں نے وہی فیصلہ کیا جو خلیفہ اول حضرت ابوبکر نے کیا تھا چنانچہ کوفہ میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات گاؤں حضرت فاطمہ کو بلاشرکت غیرے دیے تھے جن کے نام یہ ہیں [۱] دلال، [۲] عفاف، [۳] حسنی، [۴] صافیۃ، [۵] مالام ابراہیم، [۶] مبیت اور [۷] برقہ۔ ان گاؤں کے بارے میں جب حضرت عباس نے میراث کا دعویٰ کیا تو حضرت فاطمہ نے ان کو کچھ بھی نہ دیا اور وہی

جواب دیا جو حضرت ابوبکر نے فدک وغیرہ کے بارے میں دیا تھا کہ یہ وقف ہیں اوران میں وراثت جاری نہیں ہوسکتی اور حضرت علی نے گواہی دی کہ واقعی یہ گاؤں حضرت فاطمہ پر وقف ہیں اوران سات گاؤں کے متعلق حضرت فاطمہ نے ایک وصیت نامہ لکھ کر دیا کہ میرے بعد حضرت علی ان پر قابض رہیں، ان کے بعد حضرت حسن، پھر حضرت حسین پھر جو حضرت حسین کی اولاد میں بڑا ہووہ، حضرت مقداد اور حضرت زبیر کی اس پر گواہی ہے اور حضرت علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ وصیت نامہ فروع کافی (جلد سوم کتاب الوصایا ص 28] میں موجود ہے۔''

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ حضرت فاطمہ سات گاؤں کی مالکہ تھیں اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت عباس کو وراثت سے محروم کرنے کے بارے انہوں نے وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکر نے دیا تھا اور تیسری یہ ثابت ہوئی کہ حضرت فاطمہ نے حضرت حسن کی اولاد اور نیز حضرت حسین کی چھوٹی اولاد کو حق وراثت سے محروم کر دیا اور اہل بیت کی حق تلفی کا جو مزعوم حکم حضرت ابوبکر وحضرت عمر نے صادر کیا تھا بعینہ وہی حضرت فاطمہ نے بھی صادر کیا اور معاذ اللہ تعالیٰ وہ بھی ظالموں کی فہرست میں شامل ہوگئیں

حقیقت کھل کے رہتی ہے بہر طور
زباں چپ ہو تو چہرہ بولتا ہے

[ارشاد الشیعہ ص119]

اب آخر میں امام اہل السنۃ کی ایک وصیت ملاحظہ ہو!

''**وفی کتاب السنة للآجری من طریق الولید بن مسلم عن معاذ بن جبل قال.....الخ**[کتاب الاعتصام ص52 للشاطبی]

ترجمہ:''امام آجری رحمہ اللہ کی کتاب السنۃ میں ولید بن مسلم کے طریق سے حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں بدعات ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو عالم پر لازم ہے کہ اپنا علم ظاہر کرے، جس نے ایسا نہ کیا تو اُس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہوگی۔''

یہ حدیث مبارکہ بمع ترجمہ پیش کرنے کے بعد حضرت امام اہل السنۃ فرماتے ہیں:

''عقلی اور عرفی قاعدہ ہے کہ جب کسی خزانہ اور دولت پر چور اور ڈاکو آپڑتے ہیں تو چوکیدار اور پہرہ دار ہی اصحاب دولت کو آگاہ کرتے ہیں اگر ایسا نہ کریں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بھی چوروں اور ڈاکوؤں سے ملے

ہوئے ہیں اور جس سزا کے چور اور ڈاکو مستحق ہیں اس کے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سزا کے چوکیدار حقدار ہیں۔ ایسے دور میں جس میں بدعات و رسوم کا خوب زور ہو اور وہ نقطۂ عروج پر ہوں اور حضرات صحابہ کرام کو برملا برا کہا جاتا ہو تو علماء کا شرعی اور علمی فریضہ ہے کہ وہ باطل کی تردید کریں اور تبلیغ کا فریضہ ادا کریں۔ کیونکہ علماء دین کے چوکیدار اور پہرہ دار ہیں اگر علماء خاموشی اختیار کریں گے تو وہ اللہ تعالی اور تمام فرشتوں انسانوں کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی ڈیوٹی ادا نہیں کی اور وہ لالچ یا ڈر کے اسیر ہو گئے۔''

مسافر ان شبِ غم، اسیر دار ہوئے
جو رہنما تھے بکے اور شہر یار ہوئے

(ارشاد الشیعہ ص76، 77)

مذکورہ بالا سطور کو ایک مرتبہ پھر غور سے پڑھیے، یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد گرامی کی روشنی میں امام اہل السنۃ کی طرف سے علماء عصر کو نصیحت اور وصیت ہے کہ صحابہ کرام کے دفاع کو اپنا شرعی فریضہ سمجھتے ہوئے بجا لائیں، چوروں اور ڈاکوؤں نے مسئلہ ناموس صحابہ کی بنیادوں کو کھودنا گزشتہ ربع صدی سے اپنا خصوصی مشغلہ بنا لیا ہے لیکن علماء اہل السنۃ رواداری اور مصلحت کے خوشنما جال کے اسیر ہیں بالخصوص تحریر کے میدان میں ہمارا کام دشمنان صحابہ کے کام سے کہیں کم ہے! اور اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ دشمنانِ صحابہ جن مسائل کو عوام میں بیان کر کے صحابہ کرام کی سیرت و کردار پر دھول اڑاتے ہیں، ان مسائل پر ہمارا لٹریچر اس انداز سے عام ہونا چاہیے جس انداز سے مرزائیت کیخلاف ہمارا لٹریچر عام ہے، اور یہ لٹریچر **''کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم''** کے معیار پر پورا اُترنے والا ہو، عوامی زبان میں لٹریچر کا یہ فائدہ بہر حال ہوگا کہ ہم عوام الناس کو اصحابِ رسول کی عظمت و اہمیت اور ان کے دشمنوں کے مکر و فریب سے آگاہ کر کے صحیح معنوں میں عوام کے ایمان و عقائد کی حفاظت کر سکیں گے!

آخر میں راقم السطور حضرت امام اہل السنۃ کے اعلی و بالا طرز تحریر اور اس کی اہمیت و افادیت پر چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہے

حضرت امام اہل السنۃ کا طرز تحریر ایک طرف نہایت عالمانہ ہے جس میں استدلال کی قوت اپنی تمام تر خوبیوں سمیت جلوہ افروز ہے دوسری طرف اس میں یہ خوبی نمایاں ہے کہ خشک سے خشک تر علمی مباحث میں بھی آپ نے انشائیت اور ادبیت کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ موقع بہ موقع اشعار آپ کی تمام تحریروں میں نگینوں کی طرح جڑے ہیں جو پڑھنے والے کی طبعیت میں بشاشت پیدا کرتے چلے جاتے ہیں اور کہیں

بھی اس کو اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتے ان اشعار میں ایک خاص مقدار تو اردو ادب کے اساتذہ کے اشعار کی ہے لیکن اگر تحقیق کی جائے تو بیسیوں اشعار آپ کے طبع زاد نکلیں گے اس پر کمال یہ ہے کہ غالباً کسی بھی موقع پر آپ نے خود کو بحیثیت شاعر متعارف نہیں کروایا۔ اور یہ کمال استغنا ہے، ویسے بھی قرآن وسنت اور الٰہی علوم کے حاملِ کامل کو اپنا آپ بطور شاعر پیش کرنا فن شاعری کیلئے باعث اعزاز تو ہوسکتا ہے اس کی اپنی ذات کیلئے نہیں!

آپ کے طرزِ تحریر کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ فریق مخالف سے مخاطب ہوتے یا اس کی کسی علمی غلطی پر گرفت کرتے وقت آپ کا لب ولہجہ اس قدر شائستہ رہا کہ مخالف بھی عش عش کرا ٹھے، آپ کی کوئی سی کتاب دیکھ لیجئے یہ خوبی ہر مقام پر نظر آئے گی، کہیں بھی معاندانہ یا سوقیانہ لب ولہجہ آپ نے استعمال نہیں کیا جسے پڑھ کر مخالف تلملا جائے اور گالم گلوچ اُگلنے کا مستحق قرار پائے، بلکہ آپ نے تو مخالفین کو بھی تہذیب سکھائی اور شائستگی کا درس دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق جیسے برق وشرر انسان کو بھی آپ کی علمی شرافت وقلمی وضع داری کو تسلیم کرنا پڑا جیسا کہ آپ کی کتاب ''صرف ایک اسلام'' کے مقدمہ میں شامل ڈاکٹر برق کے مکتوب سے واضح ہے چنانچہ وہ بہت دور سے آپ کے قریب ہوا، اور انکارِ حدیث کے نتائج سے آگاہ ہو کر اپنے غلط موقف سے دستبردار ہو گیا۔

آج امام اہل السنۃ کے بہت سے نام لیوا بالخصوص نئی پود کے نوجوان علماء آپ کے اس اصول کو بھول کر مخالفین سے نبرد آزما ہیں، نتائج کیا ہونگے ان غریبوں کو اس کا ادراک نہیں!۔ جب آپ علمی دلائل سے مالا مال ہیں اور آپ کا دل اس یقین سے لبریز ہے کہ مخالف آپ کے دلائل کی صداقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکے گا تو کیا وجہ ہے کہ آپ گالم گلوچ سے اپنی تحریر کا آغاز کرتے ہیں؟ شاید آپ اس بات پر تل گئے ہیں کہ مخالف معاند بن جائے اور آپ کی تحریر سے پیدا ہونے والا اشتعال اسے عناد وفساد کے اس مقام پر لے جائے جہاں سے واپسی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں کیا آپ کو احساس نہیں کہ یہ طرزِ عمل کس قدر خوفناک ہے کہ آپ مخالف کو حق کے قریب لانے کی بجائے دور دھکیل رہے ہیں، آپ چاہتے ہیں کہ اگر وہ جہنم سے کچھ فاصلے پر ہے یا اس کے کنارے پر پہنچ چکا ہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے کی بجائے اسے مشتعل کر دیں کہ وہ خود جہنم میں چھلانگ لگا دے یا آپ اپنے دست مبارک سے اسے اندر دھکیل دیں۔ لگتا ہے آپ نے اپنی حیثیت کو نہیں سمجھا اور غلطی سے خود کو جہنم کا داروغہ باور کرنے لگے ہیں حالانکہ آپ رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں اور آپ کو اپنی شان ہر آن یاد رہنی چاہیے اللہ رب العالمین ہم سب کو اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مومن خان عثمانی

امام اہل سنت کا اندازِ تحقیق وتصنیف

امام اہل السنۃ، شیخ القرآن والحدیث، محقق زماں حضرت مولانا علامہ محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ عظیم محقق تھے، آپ کی تحقیقات کے تمام موافق ومخالف علماء معترف ہیں، آپ نے جو مدلل اندازِ تحقیق اپنایا وہ آپ ہی کا خاصہ ہے، آپ نے 45 سے زائد تحقیقی کتب اور رسائل تصنیف فرمائے۔ ذیل میں آپ کے اندازِ تحقیق کی ایک جھلک دکھانے کے لیے قارئین کے سامنے آپ کی مشہور زمانہ کتاب ''ازالۃ الریب'' کا سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے جس سے آپ کی علمی گہرائی، وسعتِ مطالعہ، تمام علوم وفنون پر مکمل عبور ومہارت تامہ، قرآن وحدیث اور فقہ پر کامل دسترس، مخالفین کے دلائل کو تارِ عنکبوت کی طرح تار تار کرنے کا فن اور اپنے دعویٰ پر دلائل کے انبار لگانے کا سلیقہ اور بیک وقت مسئلہ کے کئی کئی پہلوؤں پر نگاہ رکھنے کے فہم وتدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔

''ازالۃ الریب'' میں آپ نے علم غیب کے متعلق امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ثابت کیا ہے کہ ''علم غیب خاصہ خداوندی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی بھی عالم الغیب نہیں ہے۔'' جبکہ مخالفین کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام اولیاء عالم الغیب ہیں بلکہ اولیاء کے کتے بلیاں بھی علم غیب سے واقفیت رکھتی ہیں۔'' یہ ایسا عقیدہ ہے جو ایمان وتوحید کا بالکل الٹ اور یکسر منافی ہے، جاہل عوام اسے جلد قبول کر لیتے ہیں اور پھر شرک کی جو گرم بازاری ہوتی ہے اس سے ہر صاحبِ عقل واقف ہے۔

اس کتاب میں حضرت شیخ نے 10 باب قائم فرمائے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے....

باب 1 انباء الغیب: اس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ علم غیب، عالم الغیب، عالم ما کان وما یکون اور علیم بذات الصدور کا مفہوم الگ اور جدا ہے، اخبارِ غیب اور انباء غیب پر مطلع ہونا الگ اور جدا مفہوم ہے۔ جسے فریق مخالف نے خلط ملط کر کے اپنی جہالت ونادانی کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں آپ نے اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لیے 41 احادیث 82 حوالوں کے ساتھ پیش کی ہیں۔

باب 2 علم غیب خاصہ خداوندی ہے: اس میں آپ نے ثابت کیا ہے کہ اگرچہ بہت سے علوم واسرار ورموز اللہ نے اپنے بندوں پر منکشف کیے ہیں جن میں خصوصیت سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور علی الخصوص

جناب امام الانبیاء، فخر الرسل، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہیں، تاہم غیب کے اصول اور کلیات کا علم جن کو ''مفاتیح الغیب'' کہا جاتا ہے، حق تعالیٰ نے اپنے لیے ہی مخصوص رکھا ہے اور اس میں وہ ہر طرح اور ہر لحاظ سے متفرد ہے، کوئی بھی اس صفت میں اس کا شریک نہیں ہے۔ اس پر آپ نے 5 آیات بطور دلیل کے پیش کی ہیں اور ان کی تشریح میں احادیث وتفسیر اور فقہ سے 45 حوالے پیش ہیں، ایک اعتراض کا جواب دیا ہے اور ائمہ لغت سے غیب کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

باب 3 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر علم غیب عطائی نہیں دیا گیا: اس میں اپنے مدعیٰ پر 1 آیت پیش کر کے 2 احادیث اور ان کی تشریح وتوضیح کے لیے 102 حوالے پیش کیے ہیں۔

باب 4 علم غیب عطائی کی نفی میں ہے: دعویٰ کے اثبات میں 2 قرآنی آیات، ان کی تشریح وتفسیر میں احادیث، فقہ، اصول فقہ اور عقائد وغیرہ کتب کے 145 حوالے پیش کیے ہیں، فریق مخالف کے مغالطوں، تحریف وتلبیس کے 14 حوالے پیش کیے ہیں۔

باب 5 انبیاء کرام جمیع ما کان وما یکون کے عالم نہیں اور نہ ہی وہ عالم الغیب ہیں: اس پر 34 آیات سے استدلال کیا ہے اور ان کی تفسیر وتشریح میں احادیث وتفاسیر اور دیگر علوم سے 75 حوالے پیش کیے ہیں۔ فریق مخالف کی جہالت وتلبیسات کے 15 حوالے ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔

باب 6 قرآن پاک سے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ ووسلم کے عالم الغیب ہونے کی نفی: اس پر 12 آیات قرآنی استدلال میں پیش کر کے ان کی تفسیر وتشریح میں مختلف کتب سے 436 حوالے پیش کیے ہیں۔ فریق مخالف کے دجل وتلبیس کے 83 حوالے پیش کر کے ان کے اعتراضات کے 27 جوابات دیئے ہیں۔

باب 7 احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے کی نفی: اس میں 26 احادیث 171 حوالوں سے پیش کر کے ان کی تشریح میں 221 حوالے پیش کیے ہیں۔ فریق مخالف کی تحریفات وتاویلات کے 30 حوالے پیش کر کے ان کے اعتراضات کے 12 جوابات دیئے ہیں۔

باب 8 اس میں مختلف عنوان ہیں۔ [۱] عقائد کی غلطی: اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ فروعی مسائل میں خطاء اجتہادی قابل مؤاخذہ نہیں، لیکن اصول دین ضروریات اور عقائد کا معاملہ الگ ہے، اس میں دیانت کے ساتھ غلطی بھی قابل عفو نہیں، اس پر کتب حدیث وعقائد سے 9 حوالے پیش کیے ہیں۔ [۲] مدارِ تکفیر: فقہاء کے نزدیک موجب کفر ضروریات دین، اصول دین اور قطعی دلائل کا انکار ہے۔ اس پر 17 حوالے پیش کیے ہیں۔ [۳] کیا ضروریات دین میں تاویل کفر سے بچا سکتی ہے؟: اس پر 11 حوالے پیش کیے ہیں۔ [۴] اہلِ قبلہ کون ہیں؟: اس پر 6 حوالے پیش کیے ہیں۔ [۵] احتیاط فقہاء کرام: اس پر 5 حوالے پیش کیے ہیں۔ [۶] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ ترین توہین بھی کفر ہے: اس پر 8 حوالے پیش کیے ہیں۔ [۷] فقہاء

کرام کا تفوّق[کہ علم حلال وحرام اور احکام ومعانی میں جو تحقیق ورائے حضرات فقہاء کرام کی ہو سکتی ہے وہ حضرات محدثین عظام کی نہیں ہو سکتی۔اس پر احناف کے جید فقہاء کے 18 حوالے پیش کیے ہیں۔فریق مخالف کے 16 حوالوں سے 15 اعتراضات نقل کر کے 25 حوالوں سے ان کے جوابات دیئے ہیں۔

باب 9 فریق مخالف کے قرآنی استدلالات کی حقیقت: اس میں 34 حوالوں سے فریق مخالف کے تحریف قرآن کے 8 دلائل ذکر کیے ہیں اور 14 آیات قرآنی سمیت 109 حوالوں سے ان کا رد کیا ہے۔

باب 10 فریق مخالف کے حدیثی استدلالات: اس میں فریق مخالف کے احادیث میں تحریف کے 27 حوالوں سے خود ساختہ دلائل ذکر کر کے 60 حوالوں سے ان کا رد کیا ہے۔اس کے علاوہ مقدمہ میں 33 حوالے دیئے ہیں۔

77 قرآنی آیات کے علاوہ یہ 1836 حوالے بنتے ہیں، جن میں ''تفسیر ابن کثیر'' 98، ''بخاری شریف'' 87، ''مسلم شریف'' 81، ''مستدرک حاکم'' 57، ''مشکوٰۃ شریف'' 41، ''فتح الباری'' 42، ''عمدۃ القاری'' 31، ''درمنثور'' 33، ''تفسیر معالم التنزیل'' 26، ''تفسیر خازن'' 27، ''تفسیر مدارک'' 27، ''تفسیر سراج المنیر'' 21، ''ترمذی'' 22، ''ابوداؤد'' 28، ''نسائی'' 21، ''ابن ماجہ'' 20، ''مسند احمد'' 32، ''شرح مسلم'' 21، ''روح المعانی'' 20، ''تفسیر مظہری'' 18، ''بیضاوی'' 18، ''جلالین'' 16، ''تفسیر ابوسعود'' 15، ''تفسیر کبیر'' 16، ''ارشاد الساری'' 12، ''مقدمہ ابن خلدون'' 15، ''ابوداؤد طیالسی'' 17، ''اشعۃ اللمعات'' 14، ''تہذیب التہذیب'' 10، ''البدایہ والنہایہ'' 10، ''الاتقان'' 10، ''شرح فقہ اکبر'' 10، ''جامع البیان'' 9، ''موارد الظمآن'' 9، ''فتاویٰ رشیدیہ'' 7، ''المسائرہ مع المسامرۃ'' 6، ''تنویر المقیاس'' 6، ''تفسیر طبری'' 6، ''سنن الکبریٰ'' 6، ''مرقات'' 12، ''صحیح ابوعوانہ'' 7، ''تفسیر احمدی'' 8، [فریق مخالف کے] ''جاء الحق'' 76، ''مقیاس حنفیت'' 72، ''خالص الاعتقاد'' 21، ''انباالمصطفیٰ'' 17، حوالوں کے علاوہ 245 کتب کے حوالے مع صفحہ نمبر موجود ہیں، کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کیا چیز ہے اور اہلِ علم کسے کہتے ہیں؟ اسی وسعت مطالعہ، علمی استحضار اور گہرائی کو دیکھ کر حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید مولانا مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ [ساہیوال] لکھتے ہیں کہ آپ کے حوالہ جات بقید صفحات لکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پیر جھنڈا کے مکتبہ میں لکھ رہے ہیں یا مکتبہ مدرسہ دیوبند میں۔[احسن الکلام 22]

حضرت امام اہل السنۃ کی کتب عظیم ترین علمی سرمایہ ہیں، اللہ تعالیٰ اس بیش بہا علمی سرمایہ سے ہمیں بہتر انداز میں مستفید ہونے اور اگلی نسلوں تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

مرتبہ: نثار احمد الحسینی

امام اہل سنت رحمہ اللہ اور ان کے مرشد حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی عقیدہ و مسلک میں یکسانیّت

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ (م ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۳ء) اپنے وقت کے امام الموٴحدین اور رئیس تھے آپکا شمار تفسیر قرآن کے ماہر اساتذہ میں ہوتا ہے مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے منطق وفلسفہ مولانا احمد حسن کانپوری رحمہ اللہ سے حدیث قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے اور تفسیر حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ تصوف وسلوک میں آپ حضرت مولانا خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ (۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء) سے بیعت ہوئے سلوک نقشبندیّہ طے کیا اور اجازت خاصہ سے نوازے گئے حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادہ اور جانشین اور اپنے شاگرد حضرت مولانا خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ (۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء) سے بیعت ہوئے اور خلافت عامہ سے سرفراز کیے گئے۔ آپ نے تمام عمر اپنے اساتذہ اور مشائخ کے فیوضیات سے خلق خدا کو نوازا حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کو اپنے اساتذہ اور مشائخ پر اتنا اعتماد اور اپنے شیخ کی خانقاہ ''خانقاہ احمدیّہ سعدیّہ'' موسیٰ زئی شریف، ڈیرہ اسماعیل خان سے آپ کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ مرشد کے وصال کے بعد ان کے جانشین اور اپنے شاگرد حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے اور حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد ابراہیم رحمہ اللہ (م ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء) جو آپ کے مرشد کے پوتے آپ کے شاگرد اور عمر میں اٹھائیس سال چھوٹے تھے۔ ان سے بیعت ہوئے آپ نے اپنے اساتذہ اور خانقاہ سے نہ صرف عقیدت مندانہ تعلق باقی رکھا بلکہ آپ نے اپنے شیوخ کے متبع اور مقلد تھے آپ نے اصول وفروع میں کبھی اپنے اکابر سے الگ راہ نہ نکالی آج آپ کے بعض منتسبین اپنے اکابر سے اپنی نکالی ہوئی الگ راہ کو حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے نام سے بیان کرتے ہیں حالانکہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ

اللہ کو ان افکار جدیدہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ انہوں نے ایسے امور میں اکابر سے ہٹ کر اپنے ذاتی اجتہادات بیان فرمائے۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ بھی شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے واسطہ سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد اور تصوف وسلوک میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے بیعت ومجاز ہیں آپ نے بھی ان نسبتوں کے اتباع میں اور اپنے اکابر کے عقائد ومسلک کی تبلیغ میں اپنی عمر گزاری حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اور حضرت امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے عقیدہ ومسلک میں بال برابر تفاوت نہ تھا آپ اپنے اساتذہ اور شیخ طریقت کے ساتھ عقائد واعمال میں یکسانیت کا نمونہ تھے۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے بعض منتسبین اپنے جن ذاتی اجتہادات وتفرّدات (ظلالات) کو آپ رحمہ اللہ سے منسوب کر کے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے اپنے شیخ طریقت کے راستہ سے جدا ہونے کا تأثر دینے کی کوشش کرتے ہیں ان مسائل میں عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ،عقیدہ سماع موتی اور توسل سرفہرست ہیں اس لیے یہاں ان مسائل پر حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی رائے کو پیش کیا جاتا ہے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے بھی اپنے شیخ رحمہ اللہ کی اسی رائے کو اپنی تصانیف اور درس ووعظ کا عنوان بنایا۔

عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام عندالقبر الشریف:

عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سماع صلوٰۃ وسلام عندالقبر الشریف امت کا اجماعی عقیدہ ہے۔عقیدہ سماع صلوٰۃ وسلام عندالقبر الشریف کی بنیادعقیدۃ حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عندالقبر الشریف سماعِ صلوٰۃ وسلام کے قائل تھے۔آپ سے منسوب آپ کے تفسیری افادات جنہیں مولانا نذر شاہ عباسی مرحوم اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے قلم بند کیا آپ کی زندگی میں چھپے ''بلغۃ الحیران ''میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے اپنے مکاشفات بھی ''مبشرات'' کے عنوان سے لکھے سفرِ حج کے مبشرات میں لکھتے ہیں:

دعوتُ عندبیتِ اللہ الحرام ثُمَّ جِئتُ عِندَرَسُوْل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فَقُلتُ:''الصّلوٰۃ والسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ''۔ا فَعَانَقَنِیْ صَلّٰی

اللّٰه عليه وَسَلَّمُ وَعَلَّمَنِى اللَّطَائِفَ وَالْاَذْكَارَورائيتُ أَنَّهٗ يَسْقُطُ فامسكتُهٗ واعصمتُهٗ عن السقوط فعبرتُ فى ذلك الوقتِ أنّ المرادَاِقامتُه دينَهٗ ....وَمحُوَالشِّرْكِ قِيْلَ لِىْ مَنْ يُّخَالِفُكَ فِى التَّوْحِيْدِہُمْ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ۔ ۲

۲ ''بلغۃ الحیر ان'' طبع اوّل ص۸ طبع جدید ''تسہیل بلغۃ الحیر ان'' اشاعت اکیڈمی، پشاور۔ص ۵۹

میں نے بیت اللہ الحرام میں دعائیں مانگیں پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

اَلصَّلٰوۃ وَالسّلامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ

پس رسول اللہ ﷺ نے مجھے معانقہ فرمایا اور مجھے لطائف اوراذ کار تعلیم فرمائے۔

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ گرنے لگے ہیں میں نے پکڑ لیا اور گرنے سے بچایا پس میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ اس سے مراد اقامت دین اور شرک کا مٹانا ہے۔......

مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بھی توحید میں تیرے مخالف ہیں وہ دجال اور کذاب ہیں۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے نقل کردہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف حضورِ انور ﷺ کے دربار عالیہ میں کلمہ ندا کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے قائل تھے بلکہ آپ ﷺ کی طرف سے جواب کے بھی قائل تھے کہ اپنے اس واقعہ میں حضور انور ﷺ کے جواب کو بھی نقل فرمایا۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی حیاتِ مبارکہ میں مطبوعہ ''بلغة الحيران'' کے اس واقعہ میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ ''دعوت عندبيت الله الحرام ثُمَّ جِئْتُ عِنْدَرَسُوْلِ الله صلى الله عليه وسلم'' لکھا جو اس واقعہ کے محض کشف یا مکاشفہ پر دلالت نہیں کرتا بلکہ ''جِئْتُ'' بالعزم آپ کے مدینہ منوّرہ حضور انور ﷺ کے روضہ انور پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرنے پر دلالت کرتا ہے صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد مکاشفہ کی کیفیت ہے جس کی وضاحت آپ نے ''فعبرت'' سے فرمائی۔

جو حضرات حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا عقیدہ جمہور امت سے جُدا عدمِ سماع صلوٰۃ وسلام کا بتاتے ہیں وہ اس واقعہ میں ''فعبرت'' کے کلمہ سے پورے واقعہ کو خواب اور کشف بتاتے ہیں اور ''دعوت عندبيت الله الحرام'' کے بعد'' ثُمَّ جِئْتُ'' سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ ان کلمات میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ بیت اللہ کے بعد اپنے عازم مدینہ ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کلمہ ندا کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کو بیان فرما رہے ہیں۔ نہ کہ تمام واقعہ کو کشف کے طور پر بیان

فرمارہے ہیں۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے خلیفہ اعظم مُحشی مشکوٰۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ (۱۳۸۸ھ/۱۹۶۹ء) اپنے شیخ حضرت مولانا محمد حسین علی رحمہ اللہ کے عقیدہ سماع صلوٰۃ وسماع کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

اگر قبر کے پاس کوئی مسلمان درود شریف، جہراً اسلام ڈالے ،تو حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں،اور اگر کوئی دور سے درود شریف پڑھے تو فرشتے رسول اکرم ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔

میں اس مسئلہ کو حق اور صحیح سمجھتا ہوں،احادیث شریف ،فقہائے عظام،سلف صالحین سے بھی اس مسئلہ کی حقانیت اور صحت ثابت ہے۔

میں نے مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ سے اس مسئلہ کا کبھی اختلاف نہیں سُنا اور نہ ہی میں نے کبھی ان سے پوچھا تھا، یہ تو ایک اہل السنّت و الجماعت کا متفقہ مسئلہ ہے۔ مسکین نصیر الدین غورغشتوی ۔ ۔ مقامِ حیات،ص۶۹۶،۶۹۷۔طبع ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء

حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ کے اس اقتباس سے جہاں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے عقیدہ کی وضاحت ہوتی ہے وہیں حضرت صاحب کے ہاں ان مسائل پر ان کا یہ رجحان بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے اساتذہ مشائخ کے متبع تھے ان مسائل کا عمومی بیان آپ کے ہاں معمول نہیں تھا اس لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی رحمہ اللہ کی شہادت کے مطابق ان مسائل پر آپ نے کبھی اکابر سے اختلاف نہیں کیا اب حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے خود کو منسوب کرنے والے گروہ ''اشاعة التوحيدو السنہ'' نے اپنا مشغلہ اکابر کے ان متفقہ عقائد کی تردید کو بنایا ہوا ہے

حضرت مولانا عبد القدیر رحمہ اللہ سابق شیخ الحدیث ''تعلیم القرآن'' راجہ بازار، راولپنڈی لکھتے ہیں:

اور یہ (انکار حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سماع موتی) انجمن اشاعت التوحید والسنہ کا وظیفہ ہے۔

اسی وجہ سے یہ مخالفین کو کوستے ہیں............انہوں نے اس مسئلہ (انکار سماع موتی) کو پارٹی بازی تک پہنچا دیا ہے۔جلسوں کی زینت اور طعن وتشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

''ارشاد العلماء الیٰ تحقیق مسئلہ سماع موتی وحیات الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام''ص ۷،۳۱

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید اور رفیق کار حضرت مولانا عبد السلام صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث ''جامعہ عربیّہ اشاعة القرآن''حضرو، اٹک۔

"اشاعة التوحيدو السنه" کی اس روش کا شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اشاعة التوحيدو السنه" کا ''مابه الامتياز'' ''مسئلہ الٰہ'' تھا جب کہ اب انہوں نے (اپنے اصل مقصد کو چھوڑتے ہوئے) اپنا مابہ الامتیاز ''مسئلہ سماع'' بنالیا ہے۔

بیان موضع ''غور غشتی''، اٹک ۱۸ اگست ۲۰۰۸ء

عقیدہ استشفاع:

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، سماع صلوٰۃ وسلام کے ساتھ عقیدہ استشفاع کے بھی قائل تھے امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اپنے پیرومرشد کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ہمارے پیرومرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ، علّامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''الجوهر المنظوم'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:

روى عن علي رضی اللہ عنہ انه بعددفنه صلّى الله عليه وآلهٖ وسلّم جاء اعرابي فقال يارسول اللّٰه جئتك لتستغفرلي الىٰ ربّي فنودي من القبرالشريف قدغفرلك واتت صفية عمّة النبي صلّى اللّٰه عليه وآلهٖ وسلّم بعدوفاتهٖ (فقالت)أَلَايارسول الله انت رجائيا-وكنت بنابرًاولم تك جافيا-وسمع الصحابة رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم ولم ينكرهااحد-

(تحریرات حدیث ص ۲۵۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دفن کئے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا سو اس نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت طلب فرمائیں پس قبر مبارک سے آواز آئی کہ بیشک تیری مغفرت ہوچکی ہے اور آنحضرت ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی وفات کے بعد آئیں اور اس نے یہ شعر پڑھا خبردار! اے رسول ﷺ آپ میری امید ہیں اور آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ ﷺ سخت مزاج نہ تھے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سُنا اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔

سند اور تاریخ کے لحاظ سے یہ واقعہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ مگر حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو مقام استدلال میں پیش کیا ہے اور اس کی یہاں تردید نہیں فرمائی اور تعامل اُمّت کی وجہ سے گویا انہوں نے اس کو صحیح سمجھا ہے اور ہمارا استدلال بھی اسی پہلو سے ہے۔ ''تسکین الصدور'' ص ۳۷۶، ۳۷۷ طبع ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء

عقیدہ سماع موتیٰ:

حضور نبی کریم ﷺ کا سماع تو سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ تو عام اموات کے سماع کے بھی قائل ہیں۔ حضرت مولانا عبدالقدیر مومن پوری رحمہ اللہ شیخ الحدیث "جامعہ تعلیم القرآن" راولپنڈی لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ تفسیر میں فرماتے ہیں: بدن نہیں سنتے، روح زندہ ہے وہ سنتا ہے اگر قریب ہو''

حضرت مولانا عبدالقدیر مومن پوری رحمہ اللہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے اس عقیدہ کو نقل کرنے کے بعد منکرین سماع موتیٰ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

''جناب من! روح کا قریب سے سننا جیسے انہوں نے فرمایا، یہ سماع پر دلالت کرتا ہے یا عدم سماع پر یہ توجیه القول بمالا یرضیٰ به قائلهٗ کیوں؟

جولوگ سماع موتیٰ کے قائل ہیں وہ بھی قریب سے ہی سماع کہتے ہیں۔ رہا بدن کے اجزاء کا سننا تو یہ کوئی بھی نہیں کہتا۔ ہاں تعلق روح بالبدن کے قائل ہیں۔

اس حیثیت سے مردوں کا سننا کہتے ہیں۔

''ارشاد العلماء الی تحقیق مسئلہ سماع موتیٰ وحیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام'' ص ۴۴

مسئلہ اعادہ روح اور حقیقت قبر:

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ قبر میں اعادہ روح اور اس کے قائل تھے کہ میت زائر کو پہچانتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

المنکر والنکیر یأتیان المیّت فیرسل فی ذٰلك المیّت روح ثم یقعد فاذا سُئِل رُسلت روحه بلاالم ونؤمن بان

المیّت یعرف من یزورهٗ اذا اتاه وآكده یوم الجمعة بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس۔ (تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

منکر نکیر میّت کے پاس آتے ہیں تو اس میّت میں روح ڈال دی جاتی ہے پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے جب اس سے سوال ہو چکتا ہے تو اس کی روح بلا تکلیف کے نکال لی جاتی ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جب میّت کے پاس کوئی شخص زیارت کرنے کو آتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتی ہے خصوصا جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے۔

''تسکین الصدور'' ص ۱۵۶ طبع ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے مذکورہ حوالہ سے اعادہ روح اور میت کے زائر کو پہچاننے کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ آپ اسی قبرِ ارضی کو قبر شرعی مانتے تھے اور اسی قبرِ ارضی میں ثواب اور عذاب کے قائل تھے اب جو لوگ حضرت حسین علی رحمہ اللہ سے اپنا انتساب کرتے ہوئے قبر ارضی میں عذاب وثواب کے قائل نہیں وہ کس منہ سے اپنا انتساب حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے کر سکتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ حدیث مبارکہ:

عن کعب بن مالک رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ اَنَّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم قال نسمۃ المؤمن طیر یعلق فی شجرۃ الجنۃ حتّٰی یرجعہ اللّٰہ الیٰ جسدہ یوم یبعثہٗ۔

(مسند احمد ج۳ ص۴۵۵، وسنن ابن ماجہ ص۳۱۶، موطا امام مالک ص۸۴ واللفظہ لہ وموارد الظمان ص۱۸۷)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندوں کی طرح اُڑتے ہوئے جنت کے درختوں سے کھاتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے جسم کی طرف اس کو لوٹائے۔

''تسکین الصدور'' ص۱۹۵ طبع ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء

کی تشریح میں اپنے عقیدہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یعنی بجمیع جسدہٖ یوم یبعثہٗ وھو یوم القیٰمۃ۔

(تحریرات حدیث ص۲۰۹)

یعنی تمام جسد کے ساتھ روح کا تعلق اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ اس کو کھڑا کریگا اور وہ قیامت کا دن ہے۔اور بعض جسم کے ساتھ فی الحال موجود ہے۔

''تسکین الصدور'' ص۱۹۶ طبع ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۳ء

عقیدہ توسل:

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اکابر اہل السنّت والجماعت علمائے دیوبند رحمہ اللہ اور اپنے شیوخ طریقت نقشبندیہ مجددیہ کے اتباع میں اولیاء اللہ سے توسل کے قائل تھے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے بعض منتسبین اہل سنت کے جن عقائد میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے مخالف ہیں ان میں ایک عقیدہ توسل بھی ہے امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور حضرت (مولانا حسین علی) مرحوم نے اپنے ہاتھ مبارک سے علم تصوف وسلوک پر ایک نہایت مفید اور بہترین رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''تحفہ ابراہیمیہ'' اور ''فیوضات حسینی'' ہے۔اس کے آخر میں سلاسل اربعہ (قادری،نقشبندی چشتی اور سہروردی) کے شجرے بتائے ہیں اور ان میں الٰہی بحرمت فلاں الخ کے صریح الفاظ موجود ہیں جو زمین پر چمکدار موتیوں کی مانند اور آسمان میں درخشندہ ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں مگر صد افسوس کہ اب مؤلف ''تسکین القلوب'' نے یہ سارے شجرے حذف کر دیئے ہیں فوا اَسَفًا و یا عَجَبًا اور خود کتاب میں بھی توسل کا صریح الفاظ میں ذکر موجود ہے۔

''تسکین الصدور'' ص ۳۷۶، ۳۷۷ طبع ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء

حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے قلم سے اپنے پیرومرشد اور استاذ گرامی کے عقیدہ کی وضاحت:

حضرت امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اپنے پیرومرشد کی خدمت میں عقیدت مندانہ حاضر ہوئے آپ کسی تحقیق وتفتیش نہیں بلکہ اتباع اور استفادہ کی غرض سے ''واں بھچراں'' گئے اس عقیدت واتباع نے آپ کو اپنے شیخ کے علمی اور روحانی فیض سے نوازا اس کی برکت تھی کہ آپ نے اپنی عمر اپنے شیخ طریقت اور اساتذہ کرام رحمہم اللہ کے فیوضات کے اتباع اور اسی کی نشرواشاعت میں گزار دی۔حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ اپنے مرشد حضرت حسین علی رحمہ اللہ کے عقائد کی تفصیل لکھنے کے بعد اجمال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت مرحوم عند القبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ وسلام سننے اور جواب دینے کے تو قائل ہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اسی طرح وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ میّت زیارت کرنے والے کو (جو کہ السلام علیکم یا اہل القبور الخ سے خطاب کرتا ہے کیونکہ شرعًا قبور کی زیارت کا یہی معہود طریقہ ہے اور اس پر صحیح احادیث دلالت کرتی ہیں۔صفدر) پہچانتی ہے۔خاص طور پر جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل (کمامرّ) تو اس تحقیق کے پیش نظر مطلب یہ ہوگا کہ مُردے سلام تو سنتے ہیں مگر لوگوں کی استمداد واستعانت کے لئے آوازیں نہیں سنتے۔

''الشہاب المبین'' ص ۱۴۳، ۱۴۲ طبع ۱۹۸۳ء

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے تلامذہ کا عقیدہ:

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا علمی شہرہ دور، دور تک پہنچا ہوا تھا طلبہ دور دراز سے آپ کی

خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ان طلبہ میں عقیدہ اور مسلک کے اعتبار سے اکابر کے متبع بھی ہوتے تھے اور اپنے جدید نظریات کے حامل بھی جنہوں نے بعد میں اپنے ذاتی اجتہادات کو حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے منسوب کر کے بیان کیا مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت رحمہ اللہ کے تلامذہ کو جنہوں نے اپنے شیخ طریقت اور استاذِ حدیث وتفسیر کے عقائد کا تحفظ کرتے ہوئے ان کے صحیح عقائد کو بیان فرمایا اور ان سے غلط عقائد کو منسوب کرنے والوں کی تردید کی یہاں حضرت رحمہ اللہ کے مشہور تلامذہ میں سے چند کا تذکرہ پیش کرتے ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم صدر وفاق المدارس العربیہّ پاکستان۔ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کے عقائد کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا جاتا ہے کہ وہ ممات کے قائل تھے اور ممات کو ترجیح دیتے تھے، یہ غلط ہے۔ اس کے غلط ہونے کے دو دلائل آپ کو بتاؤں گا، ایک دلیل یہ ہے کہ وہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اور حضرت گنگوہی مماتی نہیں تھے حیاتی تھے، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگرد حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب ہیں اور صرف شاگرد ہی نہیں ہیں بلکہ اُن کے خلیفہ بھی ہیں اور سب جانتے ہیں کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب مماتی نہیں ہیں بلکہ حیاتی ہیں تو جو حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے وابستہ ہیں، ان کے مرید ہیں، اُن کے خلیفہ بھی ہیں اگر مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا مسلک مماتی ہے تو پھر ان کے خلیفہ اور مرید نے حیاتی مسلک کیوں اختیار کیا ہے؟ ایک مرید کو اپنے مرشد کے ساتھ جتنا تعلق ہوتا ہے معلوم ہے آپ کو؟ اتنا شاگرد کا اپنے اُستاد کے ساتھ نہیں ہوتا، تو حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب اُن کے مرید بھی ہیں اور اُن کے شاگرد بھی ہیں اور اُن کے خلیفہ بھی ہیں، اور وہ حیاتی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ سے مماتیت کی نسبت دُرست نہیں۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ جو بہت بڑے عالم گزرے ہیں، وہ بھی حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کو حیاتی بتاتے ہیں، مماتی نہیں بتاتے، حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ مماتی نہیں تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب دامت برکاتہم بھی اُن کے شاگرد، مرید اور خلیفہ ہیں، وہ حیاتی ہیں، تو پھر اُن کے پیر کو بھی حیاتی ماننا پڑے گا۔

اُن کو مماتی کیوں کہا جا رہا ہے؟

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ بہت بڑے عالم ہیں۔ پیر طریقت بھی

ہیں،اوران کا بہت بلند مقام ہے۔ان کے ارشاداتِ عالیہ کی تشہیر حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری نے چار جلدوں میں شائع کی ہے۔وہ تصوف کے نکات واُمور پر مشتمل ہے۔یہ بھی بہت بڑے بزرگ عالم ہیں اوروہ بھی مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں،وہ حیاتی ہیں ۱؎۔ ۱؎ ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ، جلد۱۲، شمارہ ۵، ۶ رمضان، شوال ۱۴۲۹ھ/ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۸ء۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں ایک اہم نام شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ (۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) کا ہے آپ ہی نے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی نماز جنازہ پڑھائی ۱۹۵۷ء میں عقیدہ حیات النبی ﷺ پر پیدا ہونے والے بحران کو آپ ہی نے حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریر پر دستخط کر کے ختم فرمایا۔حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کی یہ تحریر حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ اورامام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے اساتذہ ومشائخ ہی کے عقیدہ کی وضاحت میں ہے شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ کی دستخط کردہ تحریر کا متن درج ذیل ہے۔

''وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔اوراس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوۃ وسلام سنتے ہیں''۔

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ نے اس تحریر پر دستخط کر کے نہ صرف اپنے اساتذہ بلکہ اپنے شیخ طریقت کا حقِ اتباع بھی ادا کیا۔شیخ القرآن مرحوم کے بعض پیروکاروں نے ایک نئی بحث اورالجھاؤ کی ایک عجیب صورت چھیڑ رکھی ہے کہ شیخ القرآن مرحوم نے وقتی دفعیہ کے طور پر دستخط کیے تھے ان کا اپنا یہ عقیدہ نہ تھا حضرت شیخ القرآن مرحوم جب شیر براں، شمشیر بے نیام اورقائد جری تھے توانہیں حالات سے ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔یہ شیخ القرآن مرحوم پر محض بہتان ہے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جس عقیدہ پر دستخط کیے ان سے اس عقیدہ سے رجوع ثابت ہی نہیں ثبوت کے لیے کچھ حضرات تفسیر ''جواھر القرآن'' کو پیش کرتے ہیں تفسیر ''جواھر القرآن'' کی حضرت شیخ القرآن مرحوم سے نسبت کی حقیقت شیخ القرآن مرحوم کے سوانح نگار میاں محمد الیاس صاحب کے حوالہ سے ملاحظہ ہو۔

میاں صاحب لکھتے ہیں:

حضرت مولانا (حسین علی رحمہ اللہ) اُردو اُسلوب تحریر میں لکھنے پر قادر نہ تھے اورمولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ بھی (زمانہ تصنیف ''بلغة الحیران'' میں) ایک طالب علم ہی تھے وہ تو بعد میں بھی اُردو اُسلوبِ تحریر پر قادر نہ ہوئے۔اور یہ کوئی عیب نہیں۔مولانا موصوف نے اپنا سارا تصنیفی اورتحریری کام

مولانا سیّد سجاد بخاری سے کروایا۔

مقدمہ ''تسهيل بلغة الحيران'' ص۵۱۲،مطبوعہ،اشاعت اکیڈمی، پشاور،طبع اوّل رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ/ستمبر ۲۰۰۸ء

ان کتب کے اصل مؤلّف چونکہ سجاد بخاری صاحب ہیں اس لئے وہ آخر تک ان میں تبدیلیاں کرتے رہے اور بقول ان کے خود شیخ القرآن مرحوم ''تفسیر جواہر القرآن'' سے مطمئن نہ تھے۔ملاحظہ ہو ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی بابت نومبر ۱۹۸۱ء۔بحوالہ ماہنامہ ''نغمہ توحید'' گجرات۔جلد نمبر۴،شمارہ نمبر۳،صفحہ نمبر ۵۶۔بابت ربیع الاوّل ۱۴۱۳ھ/ستمبر ۱۹۹۲ء۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت حسین علی رحمہ اللہ کے دوسرے مشہور تلامذہ کی طرح شیخ القرآن مرحوم کا عقیدہ بھی اپنے شیخ طریقت کی طرح تھا۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں حضرت مولانا قاضی نور محمد رحمہ اللہ (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) جو حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز بھی ہیں نے بھی حضرت مولانا قاری طیّب صاحب رحمہ اللہ کے فیصلہ ۱۹۶۲ء راولپنڈی پر دستخط فرما کر اپنے عقیدہ کو واضح فرمایا۔اسی طرح آپ کے بھائی حضرت مولانا قاضی شمس الدین رحمہ اللہ (۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) جو حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگرد اور خلیفہ مجاز بھی ہیں انہوں نے سماع صلوٰۃ وسلام عندالقبرالشریف کے متعلق اپنے عقیدہ کی وضاحت میں لکھا:

سلام عند قبر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جواز ہی کے قائل نہیں بلکہ اس کو باعثِ ہزار سعادت سمجھتے ہیں رزقنا اللّٰہ ایاہ اور سماع سلام عند القبر جیسا حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا اس کو تسلیم کرتے ہیں مگر سماع روحانی ہے جیسے حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی۔

مسالک العلماء فی حیاۃ الانبیاء ص۲۴۷

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ نے تلامذہ اور خلفاء میں ایک مشہور نام حضرت مولانا عبدالہادی عرف شاہ منصور باباجی رحمہ اللہ (م ۲۳ اگست ۱۹۸۷ء) کا بھی ہیں آپ سرحد کے مشہور مشائخ اور جید علماء میں سے ہیں آپ بھی عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام،سماع النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم عندالقبرالشریف ،سماع موتی،عقیدہ استشفاع اور توسل کے قائل تھے۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالرؤف

شاہ ڈھیروی رحمہ اللہ (م ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کے فیصلہ کی تائید واشاعت فرماتے تھے ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء میں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہٗ حضرو نے جب فیصلہ راولپنڈی ۱۹۶۲ء کی دوبارہ اشاعت فرمائی تو حضرت مولانا عبدالرؤف شاہ ڈھیروی رحمہ اللہ نے اس پر تائیدی دستخط فرمائے۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ حضرت قاضی غلام مصطفیٰ مرجانی رحمہ اللہ (م ۱۹۷۷) شارح بخاری، حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری رحمہ اللہ حضرت مولانا خواجہ محمد اسماعیل (م ۱۹۹۳ء) موسیٰ زئی شریف، حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ (۱۹۹۴ء) حضرت مولانا احمد خان رحمہ اللہ (م ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء) کندیاں شریف، حضرت علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ (م ۱۹۷۴ء) شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ (رجب ۱۴۰۰ھ/ مئی ۱۹۸۰ء) حضرت مولانا سید احمد حسین سجاد بخاری رحمہ اللہ (م ۱۹۹۲ء) مولانا حضرت مولانا مفتی عبدالرشید رحمہ اللہ (م ۱۹۹۲ء) صدر مفتی تعلیم القرآن، راولپنڈی حضرت خواجہ غلام حسن، لعل عیسن (م ۱۹۶۵ء) حضرت خواجہ محمد ابراہیم رحمہ اللہ موسیٰ زئی شریف وغیرہ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے مشہور تلامذہ کا عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سماع صلوۃ وسلام عند القبر الشریف پر اکابر اہل السنّت والا تھا۔

اس مختصر مضمون میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے مشہور خلفاء اور تلامذہ میں سے حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ اور دوسری اہم شخصیات کے عقیدہ کی وضاحت پیش کر دی گئی ہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جمہور اہل السنّت والجماعت اور اہل السنّت کے ترجمان اکابر علمائے دیوبند رحمہ اللہ اور اکابر کے عقیدہ ومسلک کے داعی حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ ان کے تلامذہ وخلفاء کے عقیدہ ومسلک میں کوئی فرق نہیں کہیں تعبیر کا اختلاف اور اندازِ بیان کا فرق ممکن ہے مگر اصولی طور پر اس قبر ارضی میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ سماع الصلوٰۃ والسلام عند القبر الشریف کا کوئی منکر نہیں اب انکار کرنے والا اسے اپنا ذاتی تفرد تو کہہ سکتا ہے مگر اسے اکابر اہل سنت اور مولانا حسین علی رحمہ اللہ کا عقیدہ نہیں قرار دے سکتا۔

تفسیر بلغۃ الحیران اور مولانا حسین علی رحمہ اللہ:

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے اپنے اختراعی عقائد کی نسبت کرنے والے حضرات اپنے تفرّدات کی تائید میں حضرت حسین علی رحمہ اللہ کے املائی تفسیری افادات ’’بُلغۃ الحیران‘‘ پیش کرتے

ہیں۔''بلغة الحیران ''حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی مستقل ذاتی تالیف نہیں بلکہ ان کے تلامذہ کے جمع کردہ ملفوظات ہیں جبکہ حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے عقیدہ کی وضاحت میں ان کی اپنی تصنیف ''تحریراتِ حدیث'' کو پیش کیا ہے۔

تفسیر ''بلغة الحیران '' کے بعض مسائل سے اکابر علمائے دیوبند رحمہ اللہ نے ہمیشہ اختلاف کیا ہے۔حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ،حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ،حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند،حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا علامہ محمد انورشاہ کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند،مفتی اعظم پاکستان،حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم،''بلغة الحیران '' کے تمام مندرجات سے اتفاق نہیں کرتے۔تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو''ھدایت الحیران ''مؤلفہ مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ جب دارالعلوم دیوبند پڑھ رہے تھے تفسیر ''بلغة الحیران '' چھپ چکی تھی اس وقت بھی یہ تفسیر دارالعلوم دیوبند میں موضوع بحث رہی حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ سے میری تعلیم کا واقعہ بھی عجیب ہے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ تفسیر قرآن کا خصوصی درس فرمایا کرتے تھے۔علماء کرام اس درس میں خصوصی طور پر شریک ہوتے۔اس درس کی کاپیاں بھی شاگرد لکھا کرتے تھے،انہی دنوں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم راولپنڈی والے اور مولانا نذر شاہ صاحب جو کھالیاں ضلع گجرات نے حضرت کے دروس کی تحریر کردہ کاپیوں کی مدد سے ایک تفسیر مرتب کی جس کا نام ''بلغة الحیران '' رکھا۔وہ تفسیر ان دنوں علماء کرام کے درمیان موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔بہت سی باتیں اس میں اکابر علماء کرام کے مسلک کے مطابق نہیں تھیں۔غالباً طلباء سے نقل میں غلطیاں ہوئیں تھیں۔اس وجہ سے میرے دل میں بھی حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے لیے اچھے جذبات نہیں تھے۔ایک دن شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے تو انہوں نے بہت افسردہ اور غمزدہ انداز میں یہ خبر سنائی کہ ہمارے بزرگ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ رحلت فرما گئے۔بہت نیک اور بلند پایہ بزرگ تھے اور بہت زیادہ تعریفیں کیں اور ایصال ثواب کے بعد دعائے مغفرت فرمائی اسی طرح دیگر اساتذہ کرام نے بھی انہیں خیالات کا اظہار فرمایا۔میں اپنے دل میں بہت شرمندہ اور افسردہ ہوا کہ اتنے عظیم بزرگ کے متعلق میرے دل میں اچھے خیالات نہیں تھے لیکن اب کیا کرسکتا تھا سوائے دعائے خیر کے۔کچھ

دنوں بعد مولانا محمد منظور نعمانی کے رسالے میں حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی وفات کی تردید چھپی تو میں بہت زیادہ خوش ہوا اور طے کیا کہ اسباق سے فارغ ہوکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا اوران سے بیعت بھی کروں گا۔ ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۱ء میں میں حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی خدمت میں ان کے گاؤں واںؔ بھچراں گیا اور حضرت رحمہ اللہ سے تفسیر قرآن بھی پڑھی اور سند تفسیر قرآن اور سند حدیث شریف سے سرفراز ہوا۔ حضرت اقدس سے بیعت بھی کی اور سلوک کی منزلیں حضرت کی نگرانی میں طے کیں اوراسی سفر میں حضرت نے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اور تلقین کی کہ درس قرآن علماء کرام اورعوام کے لیے جاری رکھوں اور قرآن مجید کے علوم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کروں۔

ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرنوالہ جلد نمبر۱ شمارہ نمبر۶ ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ/ اپریل ۱۹۹۷ء،۶،۷

خود ''بلغۃ الحیران'' مرتب کے نزدیک بھی بلغۃ الحیران کا انتساب بطور تالیف حضرت حسین علی رحمہ اللہ کی طرف غلط ہے چنانچہ ''بلغۃ الحیران'' کے مرتب مولانا نذر شاہ عباسی مرحوم حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

بخدمت شریف اعلیٰ حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب مدظلۂ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہٗ منجانب محمد نذر شاہ عباسی، عرض ہے کہ تفسیر ''بلغۃ الحیران'' میری اور غلام اللہ خان کی تصنیف ہے۔ چنانچہ دیباچہ سے ظاہر ہے مولانا حسین علی صاحب مدظلہٗ سے ترجمہ پڑھا اوران کی تقریریں لکھی اااور بعض مقام پر کچھ اپنی تقریر بھی لکھ دی ہیں۔(امدادالفتاویٰ ۶/ ۱۱۸)

خود مرتب ''بلغۃ الحیران'' کی اس شہادت کے بعد ''بلغۃ الحیران'' سے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے عقائد کا انتساب کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔

عقیدہ کا ثبوت درست مأخذ سے ہوتا ہے محض کسی منسوب چیز سے عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا اس لیے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے عقائد اور مسلک ومشرب وہی ہے جو جمہور اہل سنت اور اہل سنت کے ترجمان اکابر علماء دیوبند رحمھم اللہ کا ہے اور حضرت امامِ اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا عقیدہ بھی اپنے اساتذہ اور شیخِ طریقت کے اتباع میں وہی تھا آپ نے نہ ذاتی اجتہادات اختیار کیے اور نہ آپ کو تفرّدات کا شوق تھا آپ نے تمام عمر اپنے اکابر کے علوم وفیوض کی خدمت کی اوراسی کے اتباع کی نصیحت ووصیّت فرماتے تھے۔

حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا جلیل القدر تلامذہ اور خلفاء عقیدہ حیاۃ الانبیاء

علیھم الصلوٰۃ و السلام اور سماع صلوٰۃ وسلام عند القبر الشریف کے قائل ہیں۔ان حضرات کے علاوہ صرف دو حضرات مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی مرحوم مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی مرحوم (م فروری ۲۰۰۶ء) اس اجماعی عقیدہ کا انکار کرتے ہیں اور اس انکار کو حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔اب حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے عقیدہ کی وضاحت میں مذکورہ بالا جلیل القدر تلامذہ اور خلفاء کے مقابلہ میں صرف دو آدمیوں کی بات کس طرح معتبر ہوسکتی ہے؟ مذکورہ بالا جلیل القدر حضرات برس ہا برس حضرت صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں رہے اور استفادہ کیا جب کہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی مرحوم اور مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی مرحوم حضرت صاحب کے آخر زمانہ حیات میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت صاحب رحمہ اللہ کی طرف یہ انکار والا عقیدہ منسوب کرنے والے اصل محرّک مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی مرحوم تو محض حضرت صاحب سے بیعت ہونے کے مدعی ہیں۔وہ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو اس کے تقریباً تین سال بعد ۱۹۴۴ء میں حضرت صاحب رحمہ اللہ کا وصال ہوگیا، جب کہ ۱۹۴۷ء تک مولانا نیلوی دہلی میں رہے۔اس لیے وہ کس طرح حضرت صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کرسکتے ہیں!

پھر ان دونوں حضرات میں بھی دلچسپ امر یہ ہے کہ مولانا سید عنایت اللہ شاہ گجراتی مرحوم قائلین سماع کی تکفیر کرتے ہیں جب کہ مولانا سید محمد حسین شاہ نیلوی قائلین سماع کی تکفیر کے قائل نہیں مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ مولانا نیلوی مرحوم خود تکفیر کے قائل نہیں مگر ''تفسیر بے نظیر'' میں انہوں نے تکفیر کی نسبت حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کی طرف کی ہے۔چنانچہ یہ دو حضرات خود بھی نکتہ اختلاف پر متفق نہیں۔اس لیے حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے متعلق ان کے جلیل القدر تلامذہ کے مقابلہ میں ان کی بات کس طرح تسلیم کی جاسکتی ہے؟

غلط نظریات پر گرفت: مری میں حاجی محمد شعیب صاحب کے گھر وفاق المدارس کی میٹنگ تھی، حضرت امام اہل سنت اس سلسلہ میں مری گئے ہوئے تھے۔

مولانا محمد نواز بلوچ فرماتے ہیں کہ وہاں کسی نے اطلاع دی کہ یہاں فکری رہتے ہیں اور اپنے مشن کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اپنا تعلق نصرۃ العلوم سے بتاتے ہیں۔ہم نے مشورہ کیا کہ ان کو بلوالیا جائے اور حضرت الشیخ سے ملاقات کروائی جائے، حضرت نے دوران ملاقات ان حضرات سے پوچھا بھئی نصرۃ العلوم کو کیوں بدنام کرتے ہو انہوں کہا ہم وہاں پڑھے ہیں اور نصرۃ العلوم کے ایک استاد کا نام لیا کہ انہوں نے ہماری ذہن سازی کی ہے اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا فکری گمراہ لوگ ہیں اگر کوئی استاد ایسا کرتا ہے تو اسکا اپنا فعل ہے ہمارا نظریہ اور موقف وہی ہے جو بتا دیا ہے۔

مرسلہ: ریاض احمد قاسمی

عقائد ونظریات اہل السنۃ والجماعۃ

مصدّ قہ امامِ اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر قدس سرّ ہٗ

مرتبہ: ابن امام اہل سنت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ

توحید باری تعالیٰ: خدا تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے وحدہ لاشریک اور کل کائنات کا بلاشرکت غیر معبود برحق ہے یعنی عالم الغیب، حاضر وناظر، مختارِ کل، حاجت روا، مشکل کشا ہونا صرف اسی کا خاصہ ہے۔ لہٰذا اس کے سوا کسی کی عبادت کرنا یا کسی سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔

ملائکہ: فرشتے خدا تعالیٰ کی نورانی مخلوق ہیں جو اسکے حکم سے خوراک، ہوا اور قبضِ روح وغیرہ ڈیوٹیوں پر مامور ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام ان کے سردار ہیں۔

کتب سماویہ: تورات، زبور، انجیل وغیرہ تمام آسمانی کتب برحق ہیں لیکن اس وقت نہ وہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں اور نہ ان کے احکامات قابلِ عمل ہیں اب صرف قرآن پاک ہی ہر تحریف سے محفوظ ہے اور اسی کی اتباع میں انسانیت کی نجات ہے۔

انبیاء ورسل علیہم السلام: حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت ﷺ تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام برحق ہیں۔ اور بشر وانسان ہیں۔ ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے معصوم ہیں، نہ ان سے فریضۂ رسالت میں کوتاہی ہوتی ہے اور نہ ہی وہ کسی بشری کمزوری میں مبتلا ہوتے ہیں علم اور مرتبہ میں وہ غیر انبیاء علیہم السلام کے مجموعی علم ومرتبہ سے افضل ہوتے ہیں اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا علم ومرتبہ خدا تعالیٰ کے بعد پوری کائنات سے برتر ہے۔ کسی نبی کا انکار کرنے والا کافر اور توہین کرنے والا واجب القتل ہے۔

ختم نبوت: آنحضرت ﷺ آخری نبی ہیں آپ کے بعد نبوت کا دعوی کرنے والا یا اس کو نبی ماننے والا اس کے کفر مین شک کرنے والا کافر اور مرتد ہے۔ جیسے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی قادیانی امت کافر ومرتد ہے۔

حیاتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ ہیں۔ قربِ قیامت میں نازل ہوکر

چالیس سال شریعت اسلامیہ کے مطابق حکومت کریں گے۔ پھر ان کی وفات ہوگی اور وہ روضہ اقدس میں بچی ہوئی جگہ کے اندر مدفون ہوں گے۔

حیاتِ انبیاء علیہم السلام: تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں بہ تعلق روح زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور عند القبر پڑھا جانے والا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

معجزات وکرامات: باوثوق اسلامی ذرائع سے ثابت ہونے والے تمام معجزات وکرامات برحق ہیں جن میں ہاتھ نبی یا ولی کا اور قدرت خدا کی ہوتی ہے۔

حجیت سنت: جو حدیث نبوی ﷺ مسلمہ اصول حدیث کے مطابق صحیح ثابت ہو جائے وہ یقین کا فائدہ دیتی ہے اگر وہ منسوخ نہیں اور امت کے متواتر واجماعی عمل میں داخل ہے تو اسکے مطابق عقیدہ وعمل اختیار کرنا واجب ہے۔ اور یہی سنت ہے جس پر تا قیامت کاربند رہنے کی قرآنی ونبوی تاکید موجود ہے۔ سنت کا ترک کرنا گناہ اور اسکا مذاق اڑانا کفر ہے۔

خلافت راشدہ: قرآن پاک کی موعودہ خلافت راشدہ اور اسکے چاروں تاجدار (امام ابوبکر صدیق، امام عمر فاروق، امام عثمان غنی اور امام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم) برحق ہیں۔ جنکی اتباع فرمان نبوی **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الرشدین المهديين** کے مطابق سنت نبوی کی طرح لازم ہے۔

صحابہ کرام واہل بیت عظام: تمام اصحاب رسول قرآنی ونبوی تعلیمات کے مطابق کامل الایمان، متقی، عادل، راشد، معیار حق وصداقت، تنقید سے بالاتر، رضائے الٰہی کے سند یافتہ، قیامت تک کی انسانیت کے لیے نجوم ہدایت، ہر قسم کے عذاب اخروی سے محفوظ اور قطعی ویقینی جنتی ہیں۔ البتہ ترتیب مراتب کے اعتبار سے ان میں اصحاب بیعت رضوان، ان میں اصحاب بدر، ان میں مہاجرین، ان میں عشرہ مبشرہ اور ان میں خلفاء راشدین بہ ترتیب خلافت سب سے افضل ہیں۔ اسی طرح آپ کی تمام اہل بیت (جس میں آپ کی تمام ازواج مطہرات، چاروں بیٹیاں، تینوں داماد، ان کی اولادیں اور آپکے دیگر مسلمان اقرباء شامل ہیں) بھی جماعت صحابہ میں داخل اور مذکورہ تمام قرآنی اوصاف سے متصف ہیں۔ جماعت صحابہ کے کسی فرد کے مذکورہ قرآنی اوصاف سے انکار تعلیمات قرآنیہ سے بغاوت اور اس کی توہین وتنقیص ہے، جو کہ صریح گمراہی ہے۔

قیامت وعذاب قبر: قیامت اپنے تمام لوازمات (یعنی موت، صورِ اسرافیل، نظام عالم کی تباہی، میدان محشر کا اجتماع، قیام میزان، حساب وکتاب، اہل ایمان کے لیے مختلف شفاعتیں، حوض کوثر، جنت ودوزخ وغیرہ) سمیت برحق ہے۔ اور قبل از قیامت قبروں کے اندر عالم برزخ میں عذاب اور راحت میت کے جسم وروح دونوں کو حاصل ہوتے ہیں، اگرچہ میت کا جسم ریزہ ریزہ اور اس کے ذرات منتشر ہو چکے ہوں۔ یہی جمہور

اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

تقدیر: تقدیر برحق ہے، یعنی خیر وشر کی تخلیق اور اسباب عالم میں تاثیر من جانب اللہ ہے۔ البتہ انسان اپنے اختیاری عمل سے جو چیز اختیار کرتا ہے اس کی جزا وسزا کا حق دار ہے۔ کائنات کے اندر خالق کی طرف سے وہبی طور پر عطا ہونے والے یا مخلوق کی طرف سے اختیاری طور پر رونما ہونے والے تمام امور خدا تعالیٰ نے اپنے لامحدود علم کے ذریعے تخلیق کائنات سے پہلے لوح محفوظ پر تحریر کر دیے ہیں۔ اسی کا نام تقدیر ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

اجماع امت: فرمان نبوی ''ان اللہ لایجمع امتی علی الضلالۃ'' کے مطابق اجماع امت دلیل قطعی اور کسی قسم کی غلطی وگمراہی سے پاک ہے۔ اس اعتبار سے قرآن وسنت کی تشریحات، تعامل خیر القرون کی تعبیرات یا تاریخی واقعات کہ جس مسئلہ پر امت کے اصحاب علم وفضل کا اجماع منعقد ہو چکا ہو، اس میں اختلاف نری گمراہی ہے۔ البتہ غیر اجماعی مسائل میں فرمان نبوی ''اتبعوا سوادالاعظم'' کی روشنی میں اصحاب علم وفضل کی اکثریت کا راستہ اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔

اجتہاد وتقلید: فقہ کے چاروں امام (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلمہ مجتہد اور ان کے مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) برحق ہیں، لہٰذا اجماع امت کی روشنی میں ہر عامی وغیر مجتہد کے لیے ان چاروں میں سے کسی ایک امام کی تقلید شخصی واجب ہے اور برصغیر کے تمام بزرگان دین حضرت علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت شیخ بہاوالدین نقشبند، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ وغیرہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد اور فقہ حنفی پر عمل پیرا تھے۔

تصوف وطریقت: تصوف وطریقت کے چاروں سلسلے (نقشبندی، چشتی، قادری، سہروردی) برحق، مذہب اہل السنۃ والجماعۃ سے وابستہ اور کروڑوں مسلمانوں کے تزکیہ نفس کا ذریعہ بن چکے ہیں، لہٰذا ان کو قرآن وسنت کے منافی قرار دینا گمراہی ہے۔ آج کل مزارات اولیا رحمہم اللہ پر اور عمومی خانقاہوں میں شرک وبدعات جاری ہیں (مثلاً مزارات پر چادریں چڑھانا، ان کو غسل دینا، ان کے طواف کرنا، ان کے سامنے سجدے کرنا، وہاں موسیقی کی محفلیں سجانا، وہاں بے پردہ عورتوں کا جمع ہونا، وہاں چڑھاوے چڑھانا وغیرہ) امور سب عوامی خرافات ہیں، ان کا تصوف کے پاکیزہ سلسلوں سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔

☆......☆......☆......☆

ضبط وترتیب: حمزہ احسانی

قلمی جہاد......تحریری خدمات......اور......
اکابرین کا خراج تحسین

حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ نے فرق ضالہ باطلہ کے رد میں بیسیوں کتب تصنیف فرمائیں، ہر کتاب کے شروع میں آپ اپنی کتاب کا چند سطری مگر نہایت ہی جامع تعارف تحریر فرماتے تھے، جس سے قاری کے سامنے گویا پوری کتاب کا خلاصہ آجاتا تھا۔ قارئین کے افادہ کے لیے ہر کتاب کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔ ساتھ میں آپ رحمہ اللہ کی کتب پر اکابرین کی تقاریظ کا خلاصہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کا درس قرآن اور ترمذی شریف کی تقاریر بھی زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ نیز بخاری شریف کی ابتدائی املائی کاپی بھی طبع ہوکر منظر عام پر آچکی ہے ان کا مختصر تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

نوٹ: ہر فتنہ سے متعلق کتب کو ایک باب میں بند کیا گیا ہے، تاکہ قارئین بآسانی ایک فتنہ کے متعلق کتب یکجا ملاحظہ فرماسکیں۔ اور ہر فتنہ سے متعلق چند سطری تعارف داداجان رحمہ اللہ کی تفسیر **''ذخیرۃ الجنان فی فھم القرآن''** اور خادم کے والد گرامی کی تالیف لطیف ''برصغیر میں اسلام کی آمد واشاعت'' سے شذرات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ واللہ المؤفق

﴿1﴾............﴿دروس القرآن﴾............

جیسا کہ قارئین کرام سوانح میں ملاحظہ فرماچکے ہیں کہ حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ کے چار قسم کے دروس قرآن میں سے سب سے عام فہم اور عوامی درس جامع مسجد اہل السنۃ والجماعۃ (گکھڑ منڈی) میں مسلسل نصف صدی تک بعد نماز فجر دیا جانے والا درس ہوتا تھا۔ جسے پابندی سے ریکارڈ کیا جاتا رہا وہ درس پنجابی زبان میں ہوتا تھا، اب مولانا محمد نواز بلوچ صاحب اسے کیسٹوں سے نقل کرکے اس کا اردو ترجمہ کررہے ہیں اور اس قیمتی سرمایہ کو کتابی شکل میں عوام تک پہنچانے کی سعادت حضرت رحمہ اللہ کے خادم خاص میر محمد لقمان اللہ صاحب حاصل کررہے ہیں۔ **فجزاھما اللہ تعالیٰ خیراً.**

''ذخیرۃ الجنان، فی فھم القرآن'' کے نام سے چھپنے والے ان دروس کی آٹھویں جلد جو سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ پر مشتمل ہے منظرِ عام پر آچکی ہے۔

اور حضرت داداجان رحمہ اللہ رمضان شعبان کی سالانہ چھٹیوں میں جو دورہ تفسیر پڑھایا کرتے تھے وہ بھی کاپیوں اور کیسٹوں کی صورت میں محفوظ ہے جس پر عم مکرم، جانشین امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ کام کررہے ہیں ان شاء اللہ العزیز عنقریب وہ بھی ''الخیرات'' کے نام سے منظر عام پر آجائیگا۔

﴿2﴾............﴿شروحات حدیث﴾............

﴿1﴾ **اِحسَانُ البَارِیْ لِفَھمِ البُخَارِیْ**: [صفحات 172] (مرتب: مولانا رشید الحق خان عابد مدظلہ)

جس میں بخاری شریف کی ابتدائی اور بنیادی باتیں اور اصطلاحات، علم حدیث کی حجیت، تعریف، موضوع اور غرض و غایت اور دیگر کئی ضروری اصطلاحات اور حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کے ضروری حالات، صحیح بخاری کا درجہ، کتاب الوحی اور کتاب الایمان کی ضروری ابحاث اس میں باحوالہ قارئین کرام کو ملیں گی۔

یہ حصہ طبع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ بھی داداجان رحمہ اللہ جو بخاری شریف پڑھاتے رہے آپ کے اسباق کیسٹوں میں محفوظ ہیں، انہیں کیسٹوں سے نقل کر کے قابل اشاعت بنانے کا کام احقر کے تایاجان مولانا عبدالقدوس خان قارن انجام دے رہے ہیں ان شاء اللہ عنقریب وہ بھی منظر عام پر آجائے گا۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

﴿2﴾ ''**خزائن السنن**'' مع مقدمہ ''دفائن السنن'' (جلد اول): [صفحات 560]
(مرتب: مولانا رشید الحق خان عابد مدظلہ)

ترمذی شریف کی مع اضافات کی تقریروں کا مجموعہ جو حضرت دادا جان رحمہ اللہ ترمذی شریف پڑھاتے وقت مختلف سالوں میں بیان کرتے رہے۔ جن کو خادم (راقم) کے چچا مولانا رشید الحق خان عابد مدظلہ (سابق مدرس: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ) نے مرتب کیا اور کئی مقامات پر اصل عبارات کے ساتھ تقابل بڑی محنت کے ساتھ خادم (راقم) کے تایاجان شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ نے کیا۔ اور بعض اغلاط کی تصحیح کی، مگر پھر بھی طبع اول میں کتابت کی اور بعض حوالہ جات کی اغلاط رہ گئی تھیں طبع دوم کے لیے حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ نے بیماری، پیرانہ سالی اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود خود اُن اغلاط کی تصحیح فرمائی اور فن حدیث اور سند سے متعلق ضروری اصطلاحات پر مشتمل نہایت علمی مقدمہ کا

اضافہ فرمایا۔شائقین علم حدیث کے لیے یہ تقاریر گرانقدر علمی ذخیرہ ہے۔

اس کے علاوہ شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ نے ترمذی شریف کی بیوع (خرید وفروخت) سے متعلق ابحاث جن کا شمار مشکل ترین ابحاث میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے طلبہ وطالبات کو خاصی دشواری پیش آتی ہے۔بفضلہٖ تعالیٰ ان ابحاث کو عام فہم وآسان انداز میں بیان کردیا ہے،جس سے نہ صرف حدیث پڑھنے والے طلبہ وطالبات بلکہ عام پڑھے لکھے حضرات بالخصوص تاجر حضرات بھی استفادہ کرسکتے ہیں اور اپنی تجارت کو شرعی احکامات کے دائرہ میں رکھنے کے لیے اس کتاب سے راہنمائی حاصل کرسکتے ہیں۔

﴿3﴾............﴿سیرت﴾............

﴿3﴾آئینۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم:

حفظ وناظرہ وابتدائی مدارس کے طلبہ وطالبات اور عام مسلمانوں کے لیے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (عقائد وعبادات اور اخلاق ومعاملات جیسے موضاعات پر فرامین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں مختصر مگر ضروری بحث) پر مشتمل رسالہ۔

جس طرح آئینہ اور شیشہ دیکھ کر انسان اپنے چہرے بشرے کے خدوخال ملاحظہ کرسکتا ہے اسی طرح ایک عام مسلمان اس کتابچہ میں درج شدہ عقائد واعمال، اخلاق ومعاملات کے محمدی آئینہ میں اپنی روحانی اور باطنی صورت بھی دیکھ لینی چاہیے کہ کہاں تک اس میں حسن وزیبائش موجود ہے اور کہاں تک اس میں بدعقیدتی اور سوٗ معاملہ کے بدنما داغ ہیں۔

﴿4﴾............﴿تبلیغ وجہاد﴾............

﴿4﴾تبلیغ اسلام:

جس میں قرآن کریم اور حدیث شریف کے روشن حوالوں سے ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کی اہمیت،صداقت،اسلام،طریقۂ تبلیغ،امت مرحومہ کی حق گوئی،جماعتی زندگی کا مفہوم، مبلغین کا رتبہ،ہستیٔ باری تعالیٰ کا عقلی ونقلی ثبوت،ایمان مفصل کی ضروری تشریح وغرض رسالت،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اور شان اور کتب سابقہ سے آپ کے حق میں بشارات اور آپ سے پہلے دنیا کی حالت اور اس سلسلہ کے دیگر کئی اہم مسائل واحکام نہایت سلجھے ہوئے رنگ میں پیش کیے گئے ہیں۔یہ کتاب خالص تبلیغی اور اصلاحی جذبہ سے لکھی گئی ہے۔

﴿5﴾شوق جہاد:

یہ رسالہ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے موقع پر تحریر کیا گیا تھا۔(اور گکھڑ کے ایک صاحب نے چھپوا کر پاک فوج میں تقسیم کیا تھا۔)اس مختصر کتابچہ میں جنگ اور اُس کے بعض ضروری پہلوؤں (فضائل

واصول وغیرہ) پر باحوالہ بحث کی گئی ہے۔ تا کہ ایک طرف مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ جو اس وقت خاصا ابھر چکا ہے، مزید فروغ پائے اور مجاہدین اسلام ان ٹھوس واقعات کو پڑھ کر اپنے ایمان کو تازہ کریں اور جہاد کی تڑپ کو جلا دیں اور دوسری طرف باحوالہ تاریخی واقعات کو پڑھ پڑھ کر لطف اندوز ہوں اور ان کے پاس ہر واقعہ کا باقاعدہ ثبوت اور سند موجود ہو، واقعہ محض افسانہ ہی نہ ہو۔

تبلیغ وجہاد کے بارے میں دادا جان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''جہاد کی کئی قسمیں ہیں۔[۱] سب سے بڑا جہاد قرآن کریم پڑھنا پڑھانا، اس کو سمجھنا سمجھانا، اس کی تبلیغ کرنا اور اس کی نشر واشاعت کرنا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاد کبیر فرمایا ہے ''**وجاھدھم بہ جھاداً کبیراً**'' [پ:۱۹]۔ ''اور جہاد کرو ان کے ساتھ اس قرآن کے ذریعے بڑا جہاد''۔[۲] پھر کفار کے مقابلے میں لڑنا بھی جہاد ہے کہ اس کے بغیر بھی چارہ نہیں ہے۔ لڑنے والے مجاہد ہیں۔[۳] تقریر وتحریر کے ذریعے اسلام کا دفاع کرنا بھی جہاد ہے۔ (اسی طرح تبلیغ کی بھی کئی قسمیں ہیں۔)[۱] سب سے بڑا شعبہ تو دین کی تعلیم ہے[۲] لوگوں کو تقریر کے ذریعے دین کی دعوت دینا بھی تبلیغ ہے۔[۳] تحریر کے ذریعے دین کی دعوت دینا بھی تبلیغ ہے۔ بعض سادہ قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''تبلیغ صرف وہ ہے جو تبلیغی جماعت والے کرتے ہیں اور کوئی تبلیغ نہیں کرتا''۔ (یہ غلط ہے) جو وقت نکال کر باہر جاتے ہیں وہ بھی مبلغ ہیں اور جو اپنی جگہ رہ کر اصلاح کرتے ہیں وہ بھی مبلغ ہیں۔ اصل جہاد اور تبلیغ قرآن پاک کی تعلیم اور اس کے لیے مدرسے قائم کرنا ہے باقی ان کے شعبے ہیں۔[ذخیرۃ الجنان جلد۸ص 65]

فلسفۂ جہاد:

سورۃ الانفال کی آیت ''**وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ**'' کی تفسیر میں فلسفۂ جہاد بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''جہاد سے مقصود نہ ملک حاصل کرنا ہے نہ قتل وغارت مقصود ہے اور نہ ہی مالِ غنیمت کا حصول مقصود ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنا اور اللہ کے نام کو بلند کرنا مقصود ہے۔ فرمایا ''تم لڑو یہاں تک کہ نہ رہے کوئی فتنہ'' سب سے بڑا فتنہ کفر اور شرک ہے۔ کفر وشرک باقی نہ رہے اس کے علاوہ بھی جتنے فتنے ہیں سب ختم ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو نافذ کرنے کے لیے جو شخص لڑتا ہے وہ مجاہد ہے۔ جیسے افغانستان کے طالبان۔[''ذخیرۃ الجنان'' جلد۸ صفحہ۶۵]

فرضیت جہاد:

سورۃ النساء کی آیت ''**فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین....الخ**'' کی تفسیر میں ''جہاد'' کی فرضیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جہاد اپنے ملک میں ہو تو فرض ہے، مثلاً ہندوستان یا اور کوئی ہمارے ملک پر حملہ کر دے تو فرض عین ہو جائے گا، اور جب فرض عین ہو جائے تو پھر کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، حتیٰ کہ اولاد کو ماں باپ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، جس طرح نماز فرض عین ہے، روزہ فرض عین ہے، لہٰذا ان چیزوں میں آدمی کسی سے اجازت لینے کا پابند نہیں ہے کہ یہ کام وہ ماں باپ سے پوچھ کر کرے یا عورت اپنے خاوند سے پوچھ کر کرے، بالکل نہیں! مسلمان مرد وعورت جب عاقل بالغ ہوا اُس پر نماز، روزہ فرض ہے، از خود کرے اور عام حالات میں (جہاد) اگر ملک سے باہر ہو تو فرض کفایہ ہے، جیسے کشمیر، عراق یا افغانستان وغیرہ ممالک میں۔ فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کر رہی ہے تو یہ دوسروں کی طرف سے کفایت ہے، باقی گنہ گار نہیں ہوں گے، جس طرح تبلیغ فرض کفایہ ہے۔[ذخیرۃ الجنان جلد۴ ص۱۵۲]

﴿5﴾......﴿رد رافضیت﴾......

یہ فتنہ امت مسلمہ میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا اور قدیم فتنہ ہے۔ تین وجوہ سے اس پر علماء امت اور اکابرین اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند نے فتویٰ کفر جاری کیا۔

چنانچہ حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ''ردِ روافض'' میں رافضیوں کے مسلمان نہ ہونے کے تین وجوہ بیان فرمائے ہیں۔ [۱] وہ اس قرآن کو اصلی قرآن نہیں مانتے۔ اور ظاہر بات ہے کہ جو شخص موجودہ قرآن کو اصلی قرآن نہ مانے وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟ [۲] یہ مہاجرین وانصار صحابہ کو کافر کہتے ہیں جبکہ رب تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے ''اولٓئک هم المؤمنون حقاً'' یہ پکے مومن ہیں۔ اور چھبیسویں پارے میں فرمایا ''لقد رضی الله عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرة'' البتہ تحقیق راضی ہو گیا اللہ ان ایمان والوں سے جنہوں نے آپ کی بیعت کی درخت کے نیچے۔ [۳] یہ ائمہ کو معصوم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اماموں پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تو پھر نبی اور امام میں کیا فرق ہوا؟ گویا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ نبی مانتے ہیں یہ ختم نبوت کا انکار ہوا۔[ذخیرۃ الجنان جلد۸ ص۱۲۸]

اور ''فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع'' کے تحت رافضیوں اور خارجیوں کے باطل نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خارجی اور رافضی کہتے ہیں کہ ایک آدمی بیک وقت اٹھارہ (18) بیویاں رکھ سکتا ہے'' اور وہ مغالطہ اس طرح دیتے ہیں کہ ''دیکھو! ''مثنیٰ'' کا معنیٰ ہے ''دو، دو'' تو ''چار'' (4) ہو گئیں، اور ''ثلٰث'' کا معنیٰ ہے ''تین، تین'' تو ''چھ'' (6) ہو گئیں، اور ''چھ'' (6) اور ''چار'' (4) ''دس'' (10) اور ''ربٰع'' کے

معنیٰ ہیں ''چار، چار'' تو ''آٹھ'' (8) ہوگئیں، اور ''دس'' (10) اور ''آٹھ'' (8) ''اٹھارہ'' (18) ہوگئیں۔۔۔۔! لہٰذا ایک آدمی کے لیے بیک وقت اٹھارہ (18) بیویوں سے نکاح جائز ہے۔ جبکہ ''امام علی ابن حسین'' جن کو ''زین العابدین'' کہتے ہیں اور اہل تشیع کے چوتھے امام ہیں ان سے اس آیت کریمہ کی تفسیر ''بخاری شریف'' میں اس طرح منقول ہے ''وہ فرماتے ہیں کہ ''مثنیٰ'' سے مراد ''دو، دو'' نہیں ہے بلکہ صرف ''دو'' مراد ہیں اور یہاں ''واؤ'' بمعنیٰ ''اوٗ'' کے ہے۔'' اور مطلب یہ ہوگا کہ دو سے نکاح کرو یا تین سے یا چار سے۔ [ذخیرۃ الجنان جلد ۴ص ۵]

﴿6﴾ اَلْکَلَامُ الحَاوِیْ فی تحقیق عبارۃ الطحاوی:

فقہ حنفی کے چوتھے بڑے امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلمہ (المتوفیٰ ۳۲۱ھ) کی معروف کتاب ''شرح معانی الآثار''، المعروف ''طحاوی شریف'' کی ایک عبارت سے بعض اکابر کو یہ شبہ گزرا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ شاید دیگر ائمہ اہل السنۃ کے برعکس اہل بیت رسول (سادات و بنی ہاشم) کے لیے زکوٰۃ و صدقات لینا جائز خیال کرتے ہیں، داداجان نے اُن کے اس مغالطے کی تردید کی ہے۔ کتاب کے آخر میں ''تشیع کا اجمالی نقشہ'' کے عنوان سے شیعہ کے عقائد و نظریات پر مشتمل 21 صفحات پر مشتمل ضمیمہ بھی شامل ہے۔

اس کتاب میں بڑی تحقیق اور جستجو سے صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ اربعہؒ، اور مختلف مکتب فکر کے جمہور فقہاء کرامؒ سے باحوالہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ سادات کے لیے زکوٰۃ، عشر، نذر اور اسی طرح واجب قسم کا کوئی بھی صدقہ جائز نہیں اور جن حضرات کو حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ کی جس عبارت سے جواز کا شبہ ہوا ہے اس کو خوب واضح کیا گیا ہے کہ وہ ہرگز جواز کے قائل نہیں ہیں، نیز دیگر کئی ضمنی اور علمی و تحقیقی ابحاث ہیں جو صرف پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

مصنف ممدوح نے موجودہ وقت کی بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی سعید صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مصنف نے جس تحقیق اور تدقیق سے کام لیا ہے وہ قابل داد ہے۔ اور ضرورت تھی کہ تحقیق اور وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ منظر عام پر آئے اور عام و خاص اس سے مستفید ہوں۔

﴿7﴾ ارشاد الشیعہ:

جس میں شیعہ اور امامیہ اور ان کے جناب خمینی صاحب کے چند اصولی اور بنیادی عقائد و نظریات اور ان کے بعض مسائل باحوالہ عرض کیے ہیں، تاکہ وہ خود بھی ان پر غور کر سکیں اور اہل السنۃ والجماعۃ کے ناظرین کرام بھی ان سے بخوبی آگاہی حاصل کرلیں۔ اور پھر اکابر علماء امت کے فتوے بھی جو شیعہ و امامیہ

کے بارے صادر کیے گئے ہیں، ملاحظہ کرلیں۔تا کہ اپنے ایمان کو بچایا جاسکے۔اس دورِالحادوزندقہ میں ایمان کی حفاظت بہت ہی مشکل کام ہے۔ ''واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل''

رئیس المناظرین وکیل صحابہ حضرت مولانا عبدالستار تونسوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''ارشادالشیعہ'' دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی بلکہ بندہ ناچیز کی قلبی خواہش پوری ہوئی اور دل سے ان کے حق میں خوب دعائیں نکلیں۔ ماشاء اللہ اس عنوان پر مدلل اور جامع تالیف ہے۔اللہ تعالیٰ نے فاضل محقق کو تدریسی اور تصنیفی لحاظ سے جو صلاحیت اور قابلیت عطا فرمائی ہے اس کے امثال ونظائر موصوف کی تالیفات میں موجود ہیں۔مولانا ممدوح قلمی جہاد کے ذریعے ایک طویل عرصہ سے باطل قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہیں۔انہوں نے اس کتاب سے ''احقاقِ حق'' و''ابطالِ باطل'' کا حق ادا کردیا ہے۔کتاب ہٰذا جہاں مؤلف مدظلہ کا تحقیقی شاہکار ہے وہاں مسلک حق حقہ اہل السنۃ والجماعۃ کی حقیقی ترجمان اور شیعہ امامیہ کے کفر وضلالت پر ''ضربِ کاری'' ہے۔عقلِ سلیم وفہمِ مستقیم رکھنے والے حضرات کے لیے باعثِ ہدایت اور اہلِ باطل پر اتمام حجت ہے۔

﴿6﴾..................﴿رد قادیانیت﴾..................

1891ء میں انگریز کے اشارہ اور حکم پر مرزا غلام احمد قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا، 1899ء میں ظلی بروزی نبی ہونے کا اور بالآخر 1901ء میں مستقل صاحب شریعت نبی ہونے دعویٰ کیا۔یہ فتنہ انگریزی اقتدار کی سرپرستی میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا چلا گیا۔چنانچہ علماء دیوبند نے ہر میدان اور ہر مقام پر اس کا بھرپور مقابلہ کیا اور اسے عدالتوں تک میں ذلیل کیا۔حتیٰ کہ اکابرین دیوبند بالخصوص مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اور قائد ختم نبوت حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی محنتوں، قربانیوں اور انتھک کاوشوں سے 1974ء میں پاکستانی پارلیمنٹ میں قادیانی اور لاہوری (مرزائی) دونوں گروہوں کو کافر اور خارج از اسلام قرار دے دیا گیا۔ ہندوستان میں جب اس فتنہ نے از سرنو سر اٹھانا شروع کیا تو اکابرین دیوبند نے دارالعلوم دیوبند میں ''تحفظ ختم نبوت'' کے موضوع پر ایک عالمی اجلاس منعقد کیا، جس میں دنیا بھر کے بڑے بڑے علماء کو اس موضوع پر مقالات پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔چنانچہ اسی سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دادا جان کے نام بھی ایک مکتوب روانہ کیا اور مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی۔چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے خود بھی اس کی وضاحت فرمادی۔جو درج ذیل ہے۔

﴿8﴾مقالہ...... **ختم نبوت**، کتاب وسنت کی روشنی میں:

یہ مقالہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین کے حکم دارالعلوم کے سالانہ اجلاس کے لیے لکھا گیا تھا۔مگر

وہاں نہ پہنچ سکا، جسے بعد میں افادۂ عام کی غرض سے شائع کیا گیا۔

اس رسالے میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ، احادیثِ صحیحہ اور اجماع کی روشنی میں مضبوط اور قطعی دلائل سے مسئلہ ختم نبوت واضح کیا گیا ہے۔ اور لفظ رسول اور نبی کا فرق، لفظ خاتم کی صیغوی ولغوی بحث، نزول عیسیٰ پر متعدد حوالے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ مرزا صاحب کی اپنی کتب سے اُن کا انگریزی ایجنٹ ہونا بھی ثابت کیا گیا ہے۔

﴿9﴾چراغ کی روشنی: (ضوء السراج فی تحقیق المعراج)

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، اجماع حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور سلف وخلف اور تحریرات مرزا صاحب سے یہ ثابت کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں جسم عنصری کے ساتھ معراج کرائی گئی، نیز معجزات کی کچھ تحقیق بھی عرض کردی گئی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی طرف جو معراجِ جسمانی کا انکار منسوب کیا جاتا ہے، اس کے دندان شکن جوابات بھی عرض کردیے گئے ہیں۔ الغرض مسئلہ معراج پر جو بھی اہم نقلی اور عقلی اعتراضات ہوسکتے تھے سب کا اللہ کے فضل وکرم سے قلع قمع کیا گیا ہے۔

﴿10﴾بانی دارالعلوم دیوبند:

جس میں بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی زندگی کے ضروری حالات، علمی خدمات اور عشق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عمدہ جذبات کا باحوالہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور قیام دارالعلوم دیوبند کے اسباب، جہاد ۱۸۵۷ء میں مسلمان مجاہدوں کے کارنامے، انگریز کے عزائم اور پادریوں اور آریوں کے فتنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور (قادیانیوں اور بریلویوں کی طرف سے) حضرت نانوتوی رحمہ اللہ پر عائد کیے گئے بعض سنگین الزامات مثلاً یہ کہ'' آپ ختم نبوت زمانی کے منکر تھے'' (معاذ اللہ) اور یہ کہ ''امتی نبی سے اعمال میں مطلقاً بڑھ جاتے ہیں''، وغیرہ باتوں کے مفصل اور مسکت جوابات خود ان کی اپنی عبارات سے پیش کیے گئے ہیں۔

﴿11﴾مرزائی کا جنازہ اور مسلمان:

گوجرانوالہ میں ایک مشہور مرزائی کے جنازہ میں بدقسمتی سے بعض بے ضمیر اور نام کے مسلمان صرف برادری سسٹم کی رعایت رکھتے ہوئے شریک ہوئے اور سب سے زیادہ غمزدہ بات یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب نے اجازت لے کر اس مرزائی پر مسلمانوں کو الگ جنازہ پڑھایا۔ اس کی بابت جب اصحاب علم وفن سے فتویٰ طلب کیا گیا تو سبھی نے اپنے اپنے انداز میں فتویٰ دیا ان سب فتاویٰ میں سب سے جاندار اور مدلل

ومفصل فتویٰ حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ تھا۔ جسے بعد میں افادہ عام کی غرض سے شائع کیا گیا۔

اس رسالے میں ٹھوس دلائل اورناقابل تردید حوالوں سے مرزا صاحب کے کفر کے تین اصول[۱] دعویٰ نبوت،[۲] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ونزول کا انکار،[۳] حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین۔ اوراس کی روشنی میں اس کے ماننے والوں کا جنازہ پڑھنے کا حکم واضح کیا گیا ہے۔

﴿12﴾**توضیح المرام** فی نزول المسیح علیہ السلام:

اس کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اورقربِ قیامت میں نازل ہونے اورنزول کے بعد دجال کوقتل کرنے اورشریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق حکومت کرنے اورزمین کوعدل وانصاف سے پُرکرنے کا ثبوت صحیح احادیث کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اورثابت کیا گیا ہے کہ یہی تمام اہلِ اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے اوراس کے برخلاف بعض فلاسفہ ملاحدہ اورقادیانیوں اور لاہوری مرزائیوں وغیرہ ملحد فرقوں کا عقیدہ باطل اورخلاف اسلام ہے۔

نوٹ: حضرت داداجان رحمہ اللہ کی اس کتاب کے حوالے سے عوام الناس، بالخصوص دینی حلقہ میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ کئی من گھڑت اور بے اصل باتیں مشہور ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ داداجان رحمہ اللہ نے 1953ء میں خواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت کی تھی۔ آپ نے اپنے استادمحترم سے خواب ذکر کیا تو انہوں فرمایا کہ ''میاں! ممکن ہے اُن کا نزول تمہاری زندگی میں ہی ہوجائے'' اوربس.... اتنی سی بات کا عوام نے بتنگڑ بنادیا اورمشہور کردیا کہ حضرت شیخ سرفراز صاحب (رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے کہ میں اُس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دنیا میں نہ آجائیں۔ ''**سبحانک ھٰذا بھتان عظیم**'' اورپھر کم عقلوں نے اس کی دلیل یہ دی کہ انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ''میں اپنی کتاب ''توضیح المرام'' خودحضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کروں گا'' **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ حالانکہ داداجان رحمہ اللہ نے فقط اتنا لکھا تھا کہ ''اگرراقم اثیم زندہ رہا توان شاء اللہ العزیز یہ حقیر ساتحفہ خودحضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعی کرے گا اوران کی آمد سے پہلے ہی اس حقیر کی وفات ہوگئی توراقم اثیم کے اپنے متعلقین میں سے کوئی نیک بخت یہ تالیف حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کردے اورساتھ ہی راقم اثیم کا نام لے کر عاجزانہ اور عقیدت مندانہ سلام مسنون بھی عرض کردے۔ ''**البقاء للہ واحدالقھار**'' (توضیح المرام صفحہ 7)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے وہ تین خواب جواس کتاب میں مذکور ہیں نقل کردیے جائیں۔

''**التحدیث بالنعمة**'' تین مبارک خواب:

اللہ تعالیٰ نے راقم اثیم پر جواحسانات اورانعامات کیے ہیں راقم اثیم قطعاً ویقیناً اپنے آپ کوان کا

اہل نہیں سمجھتا یہ صرف اور صرف منعم حقیقی کا فضل وکرم ہے کہ حضرات علماء اور طلباء اور خواص وعوام اس ناچیز سے محبت بھی کرتے ہیں اور قدردانی بھی کرتے ہیں ڈھول اندر سے تو خالی ہوتا ہے مگر اس کی آواز دور دور تک جاتی ہے یہی حال میرا ہے کہ علم وعمل تقویٰ اور ورع سے اندر خالی ہے اور حقیقت اس کے سوا نہیں کہ من آنم کہ من دانم راقم اثیم تحریک ختمِ نبوت کے دور میں پہلے گوجرانوالہ جیل میں پھر نیو سنٹرل جیل ملتان میں کمرہ نمبر 14 رہا ہماری بارک نمبر 6 دو منزلہ تھی اور اس میں چار اضلاع کے قیدی تھے اور سبھی ہی علماء طلباء تاجر اور پڑھے لکھے لوگ تھے جو دیندار تھے اضلاع یہ ہیں ضلع گوجرانوالہ ضلع سیالکوٹ ضلع سرگودھا اور ضلع کیمبل پور (فی الحال ضلع اٹک) بحمد اللہ تعالیٰ جیل میں بھی پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری تھا راقم اثیم قرآن کریم کا ترجمہ موطا امام مالک شرح نخبۃ الفکر اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کتابیں پڑھاتا رہا دیگر حضرات علماء کرام بھی اپنے اپنے ذوق کے اسباق پڑھتے پڑھاتے رہے آخر میں راقم اثیم کمرہ میں اکیلا رہتا تھا کیوں کہ باقی ساتھی رہا ہو چکے تھے اور میں قدرے بڑا مجرم تھا تقریباً دس ماہ جیل میں رہا اور ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق کی تردید میں بجواب دو اسلام صرف ایک اسلام وہاں ملتان ہی میں جیل راقم اثیم نے لکھی تھی۔

خواب نمبر 1: 1373ھ 1953ء میں تقریباً سحری کا وقت تھا کہ خواب میں مجھ سے کسی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آرہے ہیں میں نے پوچھا کہ کہاں آرہے ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہاں تمہارے پاس تشریف لائیں گے میں خوش بھی ہوا کہ حضرت کی ملاقات کا شرف حاصل ہوگا اور کچھ پریشانی بھی ہوئی کہ میں تو قیدی ہوں حضرت کو بٹھاؤں گا کہاں؟ اور کھلاؤں گا کیا؟ پھر خواب ہی میں یہ خیال آیا کہ راقم کے نیچے جو دری نمدہ اور چادر ہے یہ پاک ہیں ان پر بٹھاؤں گا خواب میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھ ان کا ایک خادم تشریف لائے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر مبارک ننگا تھا چہرہ اقدس سرخ اور داڑھی مبارک سیاہ تھی لمبا سفید عربی طرز کا کرتا زیب تن تھا اور نظر نہیں آتا تھا مگر محسوس یہ ہوتا تھا کہ نیچے حضرت نے جانگیہ اور نیکر پہنی ہوئی ہے اور آپ کے خادم کا لباس سفید تھا فِٹ کرتا اور تنگ شلوار اور سر پر سفید اور اوپر کو ابھری ہوئی نوک دار ٹوپی پہنے ہوئے نہایت ہی عقیدت مندانہ طریقہ سے علیک سلیک کے بعد راقم اثیم نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مؤدبانہ طور پر کہا کہ حضرت! میں قیدی ہوں اور کوئی خدمت نہیں کر سکتا صرف قہوہ پلا سکتا ہوں حضرت نے فرمایا لاؤ میں خواب ہی میں فوراً تنور پر پہنچا جہاں روٹیاں پکتی تھیں میں نے اس تنور پر گھڑا رکھا اور اس میں پانی چائے کی پتی اور کھانڈ ڈالی، تنور خوب گرم تھا جلدی ہی میں قہوہ تیار ہو گیا راقم اثیم خوشی خوشی لے کر کمرہ میں پہنچا اور قہوہ دو پیالیوں میں ڈالا اور یوں محسوس ہوا کہ اس میں دودھ بھی پڑا ہوا ہے بڑی خوشی ہوئی ان دونوں بزرگوں نے چائے پی پھر جلدی سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھ کھڑے ہوئے اور خادم بھی ساتھ اٹھ گیا میں نے التجاء کی کہ

حضرت ذرا آرام کریں اور ٹھہریں تو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہمیں جلدی جانا ہے پھر انشاء اللہ العزیز جلدی آجائیں گے یہ فرما کر رخصت ہو گئے راقم اثیم اس خواب سے بہت ہی خوش ہوا فجر ہوئی اور ہمارے کمرے کھلے تو راقم اثیم استاد محترم حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت بھی تحریک ختمِ نبوت کے سلسلہ میں ہمارے ساتھ جیل میں مقید تھے اور ان کے سامنے خواب بیان کیا حضرت نے فرمایا میاں! تمہیں معلوم ہے کہ حضرات انبیاء کرام اور فرشتوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (جو تمام معصوم ہیں) شکل وصورت میں شیطان نہیں آسکتا واقعی تم نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو دیکھا ہے اور میاں! ہوسکتا ہے کہ تمہاری زندگی ہی میں تشریف لے آئیں استاد محترم کا راقم اثیم سے بہت گہرا تعلق تھا اور ان کے حکم سے ان کی علمی کتاب تدقیق الکلام کی ترتیب میں راقم اثیم نے خاصا کام کیا ہے حضرت کی قبل از وفات اپنی خواہش اور ان کے جملہ لواحقین اور متعلقین کی قلبی آرزو کے مطابق 16 جمادی الاول 1411ھ 4 دسمبر 1990ء کو مومن پور علاقہ چھچھ ضلع اٹک میں راقم اثیم نے ان کا جنازہ پڑھایا اور دفن کرنے کے بعد ان کی قبر پر سنت کے موافق دعاء مانگی اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے آمین ثم آمین۔

خواب نمبر 2: راقم اثیم نے دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ حضرت شلوار پہنے ہوئے تھے اور گھٹنوں سے ذرا نیچے تک قمیص زیب تن تھی اور سر مبارک پر سادہ سا کلہ اوپر پگڑی باندھے ہوئے تھے اور کوٹ میں جو گھٹنوں سے نیچے تھا ملبوس تھے اور بڑی تیزی سے چل رہے تھے راقم اثیم کو پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جا رہے ہیں تو راقم اثیم بھی پیچھے پیچھے چل پڑا اور سلام عرض کیا یوں محسوس ہوا کہ بہت آہستہ سے جواب دیا اور رفتار برقرار رکھی راقم بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا کافی دور جانے کے بعد زور زور کی بارش شروع ہو گئی حضرت اس بارش میں بیٹھ گئے اور اوپر ایک سفید رنگ کی چادر تان لی کافی دیر تک مغموم اور پریشان حالت میں بیٹھے رہے پھر بارش میں ہی اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے اور پھر نظر نہ آئے اس خواب کے چند دنوں بعد مہاجرین فلسطین کے دو کیمپوں صابرہ اور شتیلہ کا واقعہ پیش آیا کہ یہودیوں نے تقریباً بتیس ہزار مظلوم مسلمان مردوں عورتوں بوڑھوں بچوں اور مریضوں کو گولیوں سے بھون ڈالا اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد رقم اثیم خواب کی تعبیر سمجھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شدید بارش میں چادر اوڑھ کر بیٹھنا اور پریشان ہونا اس کی طرف اشارہ تھا کہ تقریباً تیرہ کروڑ کی آس پاس مسلمان حکومتوں کی موجودگی میں جنہوں نے بے غیرتی کا مظاہرہ کیا اور مصلحت کی چادر اوڑھ رکھی ہے مظلوم مسلمانوں پر بارش کی طرح گولیوں کی بوچھاڑ ہو رہی ہے مگر یہ بے غیرت خاموش ہیں اور ان کی بے غیرتی اور بے حسی وامریکہ پرستی کی لعنت تاہنوز ان پر چھائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ان کو شرم وغیرت کی دولت عطا فرمائے آمین

ان دو خوابوں میں راقم اثیم نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات کا شرف حاصل کیا۔

خواب نمبر 3: اور بحمداللہ تعالیٰ کارگل کی لڑائی سے چند دن پہلے تیسری مرتبہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا ہے آپ سفید لباس میں ملبوس تھے اور واسکٹ تھا سر مبارک ننگا تھا اور عینک لگائے ہوئے تھے ملاقات ہوتے ہی آپ فوراً کہیں چلے گئے اور آپ کے ارد گرد کچھ مستعد نوجوان تھے اور خاصی تعداد میں میلے اور ڈھیلے لباس والے طالبان قسم کی مخلوق تھی جو آپ کے حکم کی منتظر تھی۔(توضیح المرام)

راقم کے تایا جان مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت امام اہل سنت کا حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر یہ کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول کے فرمانے کے بعد تمام فتن اور اسلام مخالف جماعتوں کا مقابلہ کریں گے اور کامیاب ہوں گے اسی طرح حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے بھی اپنے دور کے تمام فتنوں اور خلاف اسلام جماعتوں کا مقابلہ کیا اور بحمداللہ تعالیٰ ان پر غلبہ پایا۔

﴿7﴾............﴿رد عیسائیت﴾............

دور حاضر میں عیسائیت ایک مسخ شدہ آسمانی مذہب ہے۔ آج کل کے عیسائی بزعم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار رہیں، انجیل ان کی آسمانی کتاب ہے۔ ان کے عقائد کفر وشرک پر مبنی ہیں۔ چنانچہ حضرت دادا جان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اصولی طور پر عیسائیوں کے تین گروہ ہیں:

[۱] ایک ''**نسطوریہ**'' ہے، ان کا نظریہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کے بیٹے ہیں ''**قالت النصاری مسیح ابن الله**''، میں ان کا ذکر ہے۔

[۲] دوسرا گروہ ''**یعقوبیہ**'' ہے، ان کا نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں حلول کیا ہوا ہے، یعنی رب تعالیٰ اور عیسیٰ ایک ہی ہیں، وہی عیسیٰ ہیں وہی اللہ ہے۔ ''**لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح ابن مریم**'' البتہ تحقیق کافر ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا ''اللہ'' وہی ''عیسیٰ بن مریم'' ہے۔ دیکھو! رب تعالیٰ نے پہلے انہیں کافر کہا پھر ان کا عقیدہ بیان فرمایا۔

[۳] تیسرا گروہ ''**مُلعائیہ**'' ہے، ان کا نظریہ ہے کہ خدائی نظام تین سے چلتا ہے۔ [۱] اللہ تعالیٰ [۲] جبرائیل علیہ السلام [۳] حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ ان کو وہ ''**اقانیم ثلاثه**'' کہتے ہیں۔ اقانیم جمع ہے ''**اُقنُوم**'' کی۔ اور ''**اُقنُوم**'' کا معنیٰ ہے ''رکن'' (گویا) یہ تین خدائی کے ارکان ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس سے شرک لازم آتا ہے! تو کہتے ہیں کہ ''نہیں، تین ایک ہوتے ہیں''۔ بے وقوفو! عقل کی بات کرو، جب ایک دو نہیں ہوسکتا، ایک چار نہیں ہوسکتا، دو ایک نہیں ہوسکتے، چار ایک نہیں ہوسکتے تو تین کیسے ایک ہو سکتے ہیں؟ اور ان کا ایک گروہ حضرت جبرائیل کی جگہ تیسرا رکن حضرت مریم علیہا السلام کو مانتا ہے۔ اور ان کا ایک گروہ

اس بات کا قائل ہے کہ ''عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) آپس میں گڈ مڈ ہیں، ظاہری طور پر عیسیٰ اور اندر اللہ تعالیٰ ہے''۔اور عموماً(99فیصد) عیسائی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ بالکل عقل کے خلاف ہے کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو تقریباً 2010 سال ہو چکے ہیں اب سوال یہ ہے کہ ''عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے نظام کائنات چلتا تھا یا نہیں؟'' اگر چلتا تھا اور یقیناً چلتا تھا تو کس طرح چلتا تھا؟ ان کی پیدائش کے بعد کون سی کمی آئی کہ (نعوذ باللہ) خدا اُن کا محتاج ہو گیا؟ اور پھر یہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی چڑھ جانے اور ان کی سزا کا پوری عیسائی امت کا کفارہ بن جانے کے بھی قائل ہیں۔ہم ان سے یہ پوچھتے ہیں کہ بقول تمہارے جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی لٹکایا گیا تو اللہ تعالیٰ ان کے اندر تھا اس کو بھی سولی لٹا دیا گیا اگر ایسا ہوا ہے تو پھر تو اللہ تعالیٰ بھی ختم ہو گیا؟ اور اگر اللہ اندر سے نکل گیا تو پھر گڈ مڈ تو نہ ہوئے![ذخیرۃ الجنان جلد۴ص ۳۴۸/ جلد۸ص ۳۷]

اس وقت اصل انجیل کا ملنا مشکل ہے، ہمارے ہاں چار انجیلیں موجود ہیں[۱]متی [۲]یوحنا [۳]مرقس [۴] لوقا ان کے علاوہ ایک انجیل ''برنباس'' بھی ہے۔وہ بھی میرے پاس موجود ہے، برنباس رحمہ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابی ہیں اور متی، یوحنا، مرقس اور لوقا یہ چاروں تابعی ہیں۔ پادری صاحبان کہتے ہیں کہ برنباس کی انجیل صحیح نہیں ہے، باقی چاروں صحیح ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جو براہ راست عیسیٰ علیہ السلام کا صحابی اور شاگرد ہے اس کی انجیل تو صحیح نہیں اور جو تابعی ہیں ان کی صحیح ہیں؟ انجیل برنباس کو غیر معتبر قرار دینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اُس میں دو تین جگہ پر صراحتاً یہ الفاظ موجود ہیں کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''لوگ مجھے رب کا بیٹا اور رب کا شریک قرار دیں گے، پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ کر میری صفائی پیش کریں گے'' یہ الفاظ چونکہ ان کے خلاف جاتے ہیں اس وجہ سے وہ اس انجیل کی اصلیت کا انکار کرتے ہیں۔[ذخیرۃ 6/3]

آپ رحمہ اللہ اس کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ:

''اس مادی دور میں عیسائیت پورے آب و تاب کے ساتھ امریکی دولت کے بل بوتے پر رفاہی کاموں کی آڑ لے کر پاکستان میں اپنے پاؤں پھیلانا چاہتی ہے۔اور کافی حد تک پھیلا بھی چکی ہے''۔ چنانچہ حالات کی نزاکت اور وقت کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ نے ''رد عیسائیت'' میں یہ تحقیقی کتاب تالیف فرمائی۔

《13》عیسائیت کا پس منظر:

اس کتاب میں ٹھوس حوالجات کے ساتھ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے اور تمام جہانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے سردار اور روح حق حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کو بھیجا ہے، نیز عیسائیت کی ترقی کا راز بتایا گیا ہے اور اسلام کی خوبی خود عیسائیوں کے قلم سے ثابت کی گئی ہے۔ حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کے حواریوں اور دنیا کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کا تقابل اور فرق بتایا گیا ہے۔ اور توہین انبیاء کرام علیہم السلام (معاذ اللہ) تحریف بائیبل، تثلیث، ابنیّت مسیح اور مسئلہ کفارہ وغیرہ پر سیر حاصل، مدلل اور باحوالہ بحث کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ بھی بیسیوں ایسے مسائل کھل کر سامنے آگئے ہیں اور پادری صاحبان کی بعض فرسودہ اور بے جا تاویلات کی حقیقت بھی بفضلہٖ تعالیٰ طشت از بام کر کے رکھ دی گئی ہے۔ اس موضوع پر اس قدر مختصر اور جامع کتاب آج تک اردو زبان میں طبع نہیں ہوئی۔

﴿8﴾......﴿رد مودودیت﴾

مودودی صاحب سے علماء دیوبند کے اختلاف کے دیگر اسباب کے علاوہ بنیادی سبب دو ہیں:

[۱] انکار عصمتِ انبیاء۔ وہ حیات پیغمبر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دعویٰ نبوت سے پہلے والے زمانے میں غیر معصوم اور بعد والے زمانے میں معصوم مانتے ہیں۔ جبکہ اسلاف دیوبند کا عقیدہ ہے کہ نبی ولادت سے وفات تک معصوم ہوتا ہے۔

چنانچہ دادا جان رحمہ اللہ ساتویں پارے کی آیت ''فلمارا لقمر بازغاً'' الخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ

''یہاں مودودی صاحب نے ''تفہیم القرآن'' کی پہلی اشاعت میں بڑی ٹھوکر کھائی ہے، لفاظی سے لوگوں پر رعب ڈالا، کہ ایک ہوتا ہے راستہ اور ایک ہوتی ہے منزل، پیغمبر منزل میں تو شرک نہیں کرتا البتہ اگر راستے میں رب کی تلاش میں شرک ہو جائے تو کوئی حرج نہیں (العیاذ باللہ) **لاحول ولا قوۃ الا باللہ.** حالانکہ پیغمبر نہ راستے میں شرک کرتا ہے اور نہ منزل میں، پیغمبر سے تو ''طرفۃ عین'' بھی شرک صادر نہیں ہوتا۔''
[مأخوذ: کیسٹ دورہ تفسیر]

[۲] (دوسرا بنیادی سبب) توہینِ صحابہؓ۔ مودی صاحب نہ صحابہ کو معیار حق مانتے ہیں اور نہ ان کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلاف دیوبند کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت قیامت تک کی انسانیت کے لیے معیار حق وصداقت اور ہر قسم کی تنقید سے بالاتر ہے۔ مودودی صاحب نے ان عقائد ونظریات کو اپنایا جن کا رد صدیوں پہلے اہل السنۃ کے علماء کر چکے ہیں۔

﴿14﴾ مودودی صاحب کا ایک غلط فتویٰ (اور ان کے چند دیگر باطل نظریات):

1968ء میں مودودی صاحب نے لاہوری مرزائیوں کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں لکھا کہ ''مرزائیوں کی لاہوری جماعت کفر واسلام کے درمیان معلق ہے'' الخ کہ لاہوری مرزائی نہ کافر ہیں نہ مسلمان۔ وقت کے علماء کرام نے تقریراً وتحریراً مودودی صاحب کو اس فحش غلطی سے آگاہ کیا مگر وہ

آخر دم تک اپنے موقف پر قائم رہے۔ حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ نے 1970ء میں اس غلط فتویٰ کے خلاف یہ رسالہ لکھا جو مقبول عام ہوا اور بہت حضرات اس رسالہ کو پڑھ کر مودودی صاحب کے نظریات سے کنارہ کش بھی ہوئے۔

اس رسالہ میں ٹھوس حوالجات کے ذریعے مودودی صاحب کے فتویٰ کے بطلان کے وجوہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کے دیگر مذموم اور باطل نظریات کا مدلل رد کیا گیا ہے۔

﴿15﴾ **طیبة المسلمین** (ترجمہ اللحیة فی نظر الدین، معہ رسالہ ''اعفاء اللحیة''):

جب مودودی صاحب نے (ایک مشت) ڈاڑھی کے عدم وجوب کا خالص اختراعی نظریہ پیش کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس ''سنت صحیحہ'' پر اصرار کو ایک سخت قسم کی ''بدعت'' اور ''تحریفِ دین'' قرار دیا تو اہل حق نے مختلف رسائل اور فتاویٰ کے ذریعے ان کی موشگافیوں اور دسیسہ کاریوں کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیں اور ان کے تمام شبہات کے مدلل ومبرہن جواب دے کے اس باطل وغلط نظریہ کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے۔

اس مختصر کتابچہ میں ڈاڑھی کے ایک مشت کے وجوب پر بیرونی ممالک کے چار جید علماء دین کے مدلل فتوے اور حضرت داداجان کے قلم سے اُن کا ترجمہ درج ہے۔ ڈاڑھی کو سنت کے مطابق رکھنے کا اہم ترین مسئلہ صحیح احادیث کی روشنی میں مذکور ہے اور تسلیم کرنے والوں کے لیے یہ دلائل اصولی طور پر کافی اور وافی ہیں۔ آخر میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا ڈاڑھی کے بارہ میں ایک معنیٰ خیز بیان ہے جو ہر مسلمان کی روح کو جلا بخشتا ہے۔

﴿9﴾......﴿رد غیر مقلدیت﴾......

اسلامی تاریخ کا بنظرِ غور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام فتنوں کی جڑ اور بنیاد ''ترکِ تقلید'' ہی ہے۔ اس لیے اسے ''ام الفتن'' کہا جاتا ہے۔ آج سے دوصدیاں قبل اس فرقہ کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہ بھی انگریزی تخم ریزی کی پیداوار ہے جسے اکابرین اہل السنة والجماعة علماء دیوبند کے خلاف استعمال کرنے اور جہاد کے خلاف فتوے جاری کرنے کے لیے وجود بخشا گیا۔ اور پھر اس کے بانیین کی خواہش پر لفظ ''اہل حدیث'' کی ان کے لیے الاٹمنٹ ہوئی۔ اور ان حضرات نے انگریز کے عطا کردہ اس لقب کے تحت حضرات فقہاء مجتہدین، ائمہ اربعہ بالخصوص حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے خلاف وہ زہر اُگلا جو اِن کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ چنانچہ ان زرخرید غلاموں نے ''تقلید''، ''فاتحہ خلف الامام''، ''آمین بالجہر'' اور ''طلاق ثلاثہ'' و''مسئلہ تراویح'' کو آڑ بنا کر حضرات مجتہدین اور مقلدین کو خوب طعن وتشنیع کا نشانہ

بنایا۔حضرت دادا جان رحمہ اللہ نے اپنے اکابرین کی یاد تازہ کرتے ہوئے اور ان کی عمدہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے ''الکلام المفید''، ''احسن الکلام'' اور ''مقام ابی حنیفہ'' جیسی عظیم الشان، لاجواب اور بے مثال کتب تصنیف فرمائیں۔جن میں ان کے تمام اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر امت پر احسان عظیم فرمایا۔کتب کی تفصیل درج ذیل ہے۔

﴿16﴾الکلام المفیدفی اثبات التقلید:

جس میں ٹھوس اور صریح حوالوں سے قرآن وحدیث کے مقابلہ میں تقلید کی قطعی حرمت، حضرات ائمہ کے معصوم عن الخطاء ہونے کی واضح دلائل سے تردید، عقائد واصولِ دین میں تقلید کا بطلان اور رد، غیر منصوص مسائل میں اجتہاد اور قیاس کا جائز ہونا اور ایسے مسائل میں تقلید کا اثبات، حضرات غیر مقلدین سے بھی اس کا اقرار، تقلید شخصی اور غیر شخصی کی اُصولی بحث، تقلید کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ، اور بعض غیر مقلدین حضرات کی خالص تعدی اور ان میں سے بعض منصف مزاج حضرات کی میانہ روی، تقلید کے اثبات ونفی کے نقلی وعقلی دلائل اور ان کی اصلیت وحقیقت، جمہور اہل اسلام کا مقلد ہونا، تقلید کے آغاز وترویج کا باحوالہ تذکرہ، حضرات امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مجتہد مطلق اور تابعی ہونا، فقہ حنفی کی مقبولیت، ترک تقلید کے نتائج اور فریق ثانی کی طرف سے تقلید پر کیے گئے جملہ اصولی اعتراضات کے جوابات اور احناف پر قیاس اور رائے کو حدیث پر پرمقدم کرنے کے الزام کی محکم اور باحوالہ تردید اور دیگر کئی ضمنی مسائل پر بفضل اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔'' واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل''.

شیخ المنقول والمعقول حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی، کتاب اپنی ظاہری زیبائش کے ساتھ باطنی موتیوں کا خزانہ نظر آیا۔کتاب صحیح معنوں میں ''حجۃ اللہ علیٰ اعداء'' اور ''شفاء المرضیٰ'' ہے۔صحیح المزاج، سلیم الدماغ لوگوں کے لیے سرچشمۂ ہدایت اور مفید بصیرت وبصارت ہے۔

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

واقعۃً آپ (حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ) نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے، اللہ پاک اجر عظیم سے نوازے۔

حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مولانا صفدر صاحب (رحمہ اللہ) کی سب ہی تصانیف علم وتحقیق کا مظہر ہوتی ہیں۔''الکلام المفید'' ماشاء اللہ حوالوں سے بھرپور ہے اور بڑی محنت وتحقیق سے لکھی گئی ہے۔

حضرت العلام مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''الکلام المفید''......اپنے موضوع پر ماشاء اللہ منفرد اور یگانہ حیثیت کی حامل ہے۔طرزِ استدلال نہایت مضبوط ومحکم اور طریقِ جواب، غایت صحیح اور حکیمانہ ہے۔آپ نے ''الکلام المفید'' جیسی لاجواب کتاب تصنیف فرما کر اُمت پر احسانِ عظیم فرمایا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

آنجناب کی ہر تالیف ہم جیسے طالب علموں کے لیے علمی مواد کا گراں ذخیرہ ہوتی ہے اس لیے احقر نے بڑے اہتمام سے آنجناب کی تقریباً تمام تالیفات جمع کی ہوئی ہیں۔

(البلاغ کے ایک شمارے میں ''الکلام المفید'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:) حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر (رحمہ اللہ) اپنے علم وفضل اور تحقیقی ذوق کے لحاظ سے ہمارے ملک کی قیمتی متاع ہیں۔مولانا کا اسلوب یہ ہے کہ وہ جو بات کہتے ہیں اُس کی پشت پر مستند حوالوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہوتا ہے اوران کی کتاب کا ہر صفحہ ان حوالوں سے سجا ہوا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالدیان کلیم صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:

''الکلام المفید'' کے مصنف ولی اللہی قافلہ کے ایک فرد ہیں اور موجودہ دور میں دینِ اسلام کے صاف چہرے سے بدعت والحاد کے گرد وغبار جھاڑنے اور دینِ حق ،قرآن وسنت کی روشنی دنیا میں پھیلانے والے علماء حق کے ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

امین ملت، محقق وقت، مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

امام العصر، فقیہہ وقت، المحقق المدقق حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب (رحمہ اللہ) نے اس (تقلید کے) موضوع پر قلم اٹھایا اور الحمد اللہ موضوع کا حق ادا فرمادیا۔مسئلہ تقلید کے تقریباً ہر پہلو پر سیر حاصل اور باحوالہ بحث ہے اور ضمنی طور پر بے شمار مزید وساوس کی نقاب کشائی فرمائی ہے۔

﴿17﴾ **احسن الکلام** فی ترک القرأۃ خلف الامام (جلد اول):

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین واتباع تابعین اور دیگر جمہور فقہاء اور محدثین عظام رحمہم اللہ سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ امام کے پیچھے کسی بھی نماز میں کسی بھی قسم کی قرأت عموماً اور سورۂ فاتحہ کی قرأت خصوصاً ممنوع ہے اور جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا قرآن کریم، حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے اور فی نفسہٖ منکر اور شاذ ہے اور جہری نمازوں میں حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔ نیز عقلی اور قیاسی دلائل سے اس مسئلہ پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے اور فریقِ ثانی کو مسکت جوابات دیے گئے ہیں اور اس طبع میں (احسن الکلام کے جواب میں غیر مقلدین کی

طرف سے لکھی گئی کتب) "خیر الکلام" اور "الاعتصام" میں کیے گئے اعتراضات کے جوابات کو خصوصیت سے ملحوظ رکھا گیا ہے۔

﴿18﴾ **احسن الکلام** فی ترک القرأة خلف الامام (جلد دوم):

جس میں امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو رکن اور ضروری ٹھہرانے والے فریق کے پیش کردہ نقلی اور عقلی دلائل پر روایۃً ودرایۃً سیر حاصل کلام کیا گیا ہے۔ اور یہ امر واضح تر براہین سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامتؓ وغیرہ کی اس روایت کے علاوہ جس میں "فصاعداً ما تیسر" اور "مازاد" کی زیادت یا "الاوراء الامام" کی استثناء بھی مذکور ہے اور کوئی روایت صحیح نہیں ہے، خصوصاً وہ روایات جن میں خلف الامام کی قید اور "الا بفاتحة الکتاب" کی استثناء موجود ہے وہ تمام ضعیف، کمزور اور معلول ہیں۔ نیز حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین وغیرہم کے آثار کا پسِ منظر بھی آشکارا کیا گیا ہے اور مؤلف "خیر الکلام" کے اعتراضات کا ''تانابانا'' بھی پیش کیا گیا ہے۔

<u>حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:</u>

ماشاء اللہ تعالیٰ مسئلہ فاتحہ میں اسے (احسن الکلام کو) بحر ذخّار پایا۔ مطالعہ کے وقت ہر اگلی سطر پر آنکھوں میں نور، دل میں سرور اور روح میں ثلج یقین بڑھتا جاتا تھا، اثبات مسئلہ کے سلسلہ میں مصنف نے سلاستِ بیان، زورِ استدلال، منصفانہ تنقید اور عادلانہ مدافعت سے مسئلہ کے تحقیقی اور الزامی دونوں پہلوؤں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ ''احسن الکلام'' بحیثیت مجموعی حقیقتاً ''احسن الکلام'' ہے۔

<u>سند العلماء حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن رحمہ اللہ تعالیٰ (سابق مفتئ اعظم: دار العلوم دیوبند) لکھتے ہیں:</u>

خوبیِ اسلوب واندازِ بیان، زبان کی صفائی کے ساتھ دلائل وبراہین پر منصفانہ نظر ڈالی ہے۔ فاضل مؤلف نے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ معترضین کے شبہات کا جواب عالمانہ دیا ہے اور تحقیق کے ساتھ مجادلانہ طریق اختیار نہیں کیا کہ کتاب کی افادیت میں کمی واقع ہو۔

<u>شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:</u>

حضرت سید مفتی مہدی حسن صاحب کی تحریر سے میں حرف بحرف موافقت کرتا ہوں۔

<u>رئیس المحققین حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی لکھتے ہیں:</u>

آپ کی محنت اور جانکاہی پر دل سے دعا نکلی۔ آپ خاص طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

<u>حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:</u>

احسن الکلام'' میں نے پڑھوا کر سنی ہے۔ ماشاء اللہ آپ بہت وسیع النظر ہیں اور ذہین (بھی۔

اور) حافظہ وفہم بہت پایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پیر جھنڈا کے مکتبہ میں لکھ رہے ہیں یا مکتبہ مدرسہ عالیہ دیوبند میں....کیا یہ سب کتب آپ کے پاس (موجود) ہیں؟؟

فقیہہ وقت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''احسن الکلام'' اپنے موضوع میں بے نظیر کتاب ہے۔ طرزِ بیان نہایت سلیس ہے اوراس مسئلہ میں غلو وتعدی کرنے والوں کا بہترین جواب ہے۔اس کتاب میں فاضل مؤلف نے ماشاء اللہ بڑی خوبی سے تمام جوانب کی رعایت رکھ کراس کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ کے مذہب کی تحقیق انیق اور رواۃ حدیث کے تراجم ووفیات اور ہر ہر مبحث پر محققانہ ومنصفانہ تفصیلی دلائل وبراہین اس کتاب کی خصوصیات ہیں۔ یہ کتاب اس مسئلہ کے تمام مباحث پر حاوی اور جامع ہے۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مولانا ممدوح نے جس محنت اور عرق ریزی سے اپنے مجوزہ موضوع کو دلائل وبراہین سے مدلل فرمایا ہے۔ اگراس عنوان کے مخالفین انصاف اور تقویٰ سے کام لیں تو انہیں سوائے سکوت اور سرتسلیم کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہ ہو۔

امیر المؤحدین حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں:

مطالعہ کے بعد میں کتاب کی مندرجہ خوبیوں اور خصوصیات پر مطلع ہوا۔[۱] استیعاب اطراف میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔[۲] زورِ استدلال میں بے مثال ہے۔[۳] جامعیت مضامین میں بحرِ محیط ہے۔[۴] معترضین کے جوابات میں دیوارِ فولاد ہے۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فقدرأيت رسالة "احسن الکلام" من تاليف المولوی محمد سرفراز خان صفدر فراته موشحاً بدلائل وخالياً عن الجدل.

محقق وقت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (سابق صدر مدرس: مظاہر العلوم سہانپور) رقمطراز ہیں:

مؤلف نے استدلال اور تنقید میں تحقیق اور متانت سے کام لیا ہے۔ طعن وتشنیع سے اجتناب کیا ہے۔

شیخ القرآن حضرت مولانا محمد سلطان محمود صاحب رحمہ اللہ (سابق صدر مدرس: مدرسہ عالیہ فتح پوردہلی) لکھتے ہیں:

مؤلف نے اپنے دعوے کو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔ فریق

مقابل کو ان کے جوابات عقلیہ ونقلیہ کا وہ نظارہ دکھایا ہے جو تادم زیست ان کی نظروں سے غائب ہو ہی نہیں سکے گا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ایسی جامع اور مسئلہ کے ہر پہلو پر حاوی کتاب پر تقریظی جملے لکھنا میرے خیال میں سورج کے سامنے چراغ دکھانا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پچھلی تمام ان کتابوں سے یہ کتاب مستغنی کردینے والی ہے جو اس مسئلہ کے متعلق لکھی گئی ہیں۔ کتاب اپنے حُسن ترتیب اور مضامین کی شائستگی اور مکمل تشریحِ مسئلہ کے علاوہ اور بھی بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔

پیر کامل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

اس (کتاب، احسن الکلام) میں بلا مبالغہ محقق مصنف نے بغیر تعصب کے سیر حاصل بحثیں فرمائی ہیں اور اس مسئلہ کے مالہٗ وماعلیہ پر کلام مشبع فرمائی ہے۔ **آخر آمد بود فخر الاولین!**

شیخ المشائخ حضرت مولانا نصیرالدین غورغشتی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''احسن الکلام'' نہایت عمدہ اور مفید کتاب ہے، اہل اسلام بالخصوص احناف کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

استاذ العلماء، حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مصنف علام کو حفاظتِ ''اصولِ دین'' و''فروعِ دین'' ورَدِّ غلو غالین وتحریفاتِ مبتدعین میں ایک ممتاز ملکہ حاصل ہے۔ یہ کتاب بلحاظ کثرتِ مواد، سلاستِ بیان وضبطِ دلائل وردِّ اشکالاتِ مخالفین اور جامعیتِ جمیع ابحاث متعلقہ بالموضوع کے لحاظ سے سے اپنی شان میں بے نظیر ہے۔

محقق جلیل حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

آپ نے بحث کا خوب احاطہ کیا، بڑی اچھی کتاب لکھی، تحقیق الکلام کے جواب کا قرض جو حنفیوں کے ذمّے چلا آ رہا تھا مع شئے زائد ادا کردیا۔

فقیہہ جلیل حضرت مولانا مفتی رشید احمد رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

احسن الکلام کی تحقیق عمیق اور جامعیت دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

﴿19﴾ مقامِ ابی حنیفہ:

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور علماء اسلام کے ٹھوس حوالجات سے ''فقہ'' اور ''فقہاء'' کی فضیلت اور اس کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے اور فقہاء کرامؒ اور اہل کوفہ کی حدیث دانی اور فقہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقام فقہ، حدیث اور علم کلام میں صریح حوالوں

سے بتایا گیا ہے۔ نیز ان کی دیانت، امانت، استقامت اور ثقاہت پر واضح حوالے پیش کیے گئے ہیں۔ ان پر مرجیۂ، اہل الرائی، مخالف اسلام وحدیث اور قلتِ عربیت وغیرہ کے جتنے اُصولی اعتراضات قدیماً وحدیثاً کیے گئے ہیں ان کے اُصولی جوابات دیے گئے ہیں اور اس میں معترضین کا تعصب، عناد اور اجتہادی غلطی بھی آشکارا کی گئی ہے۔ نیز ہدایہ اور فقہ حنفی کی دیگر کتب اور احناف پر کیے گئے بعض اعتراضات کے دندان شکن جواب بھی دیے گئے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بھی بیسیوں ضمنی ابحاث ہیں جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل.

استاذ العلماء شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

یہ کتاب مخالفین کے تمام اعتراضات کی جڑ کاٹنے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصلی مقام کو واضح کرنے میں لاجواب ہے۔ اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔ جس سے واضح ہوجاتا ہے کہ امام موصوفؒ پر اعتراض کرنا آفتاب پر تھوکنے کے مترادف ہے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

مکرم محترم ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ علامۃ الدھر حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب (رحمہ اللہ) نے ’’مقام ابی حنیفہ‘‘ لکھ کر ایک طرف تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ عقیدت مندی اور محبت ومودت کا اظہار کیا، تو دوسری طرف غیر مقلدین کے تمام اعتراضات، شبہات ومناقشات کا دندان شکن نہایت متانت اور تسلی سے عالمانہ جواب دے کر عام احناف پر احسان کیا۔ **فجزاہ اللہ خیر الجزاء**

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

(آپ کے) سبھی رسالے قابل قدر ہیں، مگر ’’مقام ابی حنیفہ‘‘ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، امام عالی مقام سے بغض رکھنے والوں کی الزام تراشیوں کا ایسا دندان شکن مسکت جواب آپ نے دیا ہے اور اس سلسلہ میں ان کی فریب کاریوں کا پردہ اس طرح چاک کیا ہے، کہ اس کے بعد کسی حیادار کو اس قسم کی حرکتوں کی جرأت نہیں ہوسکتی، پھر بڑی خوبی یہ ہے کہ اس سخت مرحلہ پر بھی سنجیدگی ومتانت کا دامن آپ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔

فقیہہ دوراں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

(کتاب دیکھ کر) بار بار دل سے دعا نکلی، بحمد اللہ میری آرزو پوری ہوگئی، بلا مبالغہ عرض ہے کہ میں خود لکھتا تو ایسی جامع کتاب نہ لکھ سکتا، اس موضوع پر یہ کتاب بالکل کافی شافی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ رقم طراز ہیں کہ:

مولانا موصوف کا تصنیفی انداز بہت سلجھا ہوا اور تحقیقی ہوتا ہے، وہ عام طور پر دقیق مسائل پر قلم

اٹھاتے ہیں اور نہایت سلیقہ اور خوبصورتی کے ساتھ اہل حق کی تائید میں قرآن وسنت، اقوال صحابہ وائمہ تابعین وفقہاء سے دلائل پیش کرتے ہیں۔ ''مقام ابی حنیفہ'' میں مصنف نے امام اعظم رحمہ اللہ کی شان، تقویٰ وورع اور علمی مقام ان کی مجتہدانہ خصوصیات، اور علم فقہ وحدیث وکلام میں ان کی امامت کو نہایت مستند اور ناقابل انکار شواہد اور حوالجات کے ساتھ پیش کیا ہے۔

محدث کبیر حضرت مولانا سید یوسف بنوری رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

جناب محترم مولانا محمد سرفراز صاحب (رحمہ اللہ) ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ موصوف نے ''مقام ابی حنیفہ'' تالیف فرما کر امت محمدیہ کی طرف سے فرض کفایہ کا حق نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ انداز تحریر عالمانہ ہے، اردو شگفتہ ہے، اسلوب بیان مؤثر ہے، کہیں کہیں ادیبانہ ہے۔

عالم جلیل، حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

ماشاء اللہ آپ نے خوب لکھا اور معترضین کے اعتراضات کا کھوکھلا پن اچھی طرح ظاہر کر دیا ہے۔

جزاك الله عنا وعن سائر المسلمين خير الجزاء

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

احقر نے کتاب مستطاب ''مقام ابی حنیفہ'' کا بغور وبنظر امعان مطالعہ کیا، بے ساختہ زبان سے نکلا ''لمثل هذا فليعمل العاملون'' افادیت کتاب کی شان یہ ہے کہ گویا تاریخ واسماء الرجال کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اہل علم اس کتاب سے مستغنی نہ ہوں۔ بہت معلومات عجیبہ وانکشافات غریبہ پائیں گے۔

حضرت مولانا سید امین الحق شاہ صاحب رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ:

کتاب مذکور (مقام ابی حنیفہ) متلاشیان حق کے لیے بصیرت اور مشعل ہدایت ہے۔ حضرت مولانا موصوف نے کتاب وسنت میں فقہ اور فقہاء کی ضرورت اور خصوصاً فقہ حنفیہ کی ترجیح اور تقدیم کی وجوہ پر بہتر، لطیف اور مبسوط بحث فرمائی ہے۔

حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

نادرۃ الدھر، انموذج العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب (رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب مستطاب میں فقہ حنفی کی قدر وقیمت اور فقہ وحدیث وکلام میں مقام امام کو جس نرالے اور عام فہم انداز میں تحریر فرمایا ہے یہ جناب ہی کا حصہ ہے۔ یہ کتاب بہت سے علوم کا ذخیرہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر (رحمہ اللہ) نے ''مقام ابی حنیفہ'' کے نام سے نہایت محنت کے ساتھ بے حد تحقیقات پر مشتمل وہ کتاب لکھی ہے کہ پڑھنے والا حیرت میں رہ جاتا ہے، اور آجکل کے دریدہ

ذہن لوگوں کی دیانت وعلمیت کا راز فاش ہوجاتا ہے، ہر بات پر تحقیق کا انبار، اسلاف سے تحقیق اور خودفرقہ مدعی اہلحدیث کے بزرگوں سے تحقیقات کرکے ہر ہر بات کی اصلیت اوراس میں بددیانتی یا غلط فہمی کی راہوں کی نشان دہی موجود ہے، اس کے مطالعہ سے حضور کے ارشاد خیر القرون پر ایمان تازہ ہوگا، بدگمانی وغیبت اور مسلمانوں کو مشرک وفاسق بنانے سے نجات حاصل ہوگی۔ قرآن وحدیث کے مفہومات میں سے ناسخ ومنسوخ، قوی وضعیف، ظاہر وباطن راجح ومرجوح میں ہزار سالہ تنقیح شدہ تحقیقات یعنی ائمہ اربعہ کے فقہ میں تابعی فقہ اور راجح ترین فقہ معلوم ہوکر صحیح راہ ہدایت معلوم ہوگی، اس فقہ کی دوسرے فقہوں سے فوقیت سمجھ میں آئیگی اور راہ دین میں ایک بصیرت حاصل ہوگی۔

﴿20﴾طائفہ منصورہ:

جس میں ٹھوس حوالجات کے ساتھ اس جماعت کے خدوخال اور حدود اربعہ بیان کیے گئے ہیں جو بفحوائے حدیث قیامت تک حق پر ڈٹی رہے گی اوراس کو مخالفین کی کوشش ہراساں نہیں کرسکے گی۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ دیگر مقلدین حضرات عموماً اور احناف خصوصاً اس کا مصداق اوّلین ہیں، اور محدثینِ احناف وموالک، شوافع اور حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی چیدہ چیدہ شخصیتوں کے مختصر سے تراجم بھی بیان کیے گئے ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ اکابر باوجود مقلد ہونے کے اہل الحدیث، اصحاب الحدیث اور محدثین تھے۔ اوراس باطل نظریہ کی پرزور تردید کی گئی کہ ''اہلِ حدیث کسی کے مقلد نہیں ہوتے اور شخصی رائے سے آزاد ہوتے ہیں'' اور نیز زمانہ حال کے نام نہاد اہل حدیث کا غلو اور تعصب بھی طشت از بام کیا گیا ہے اوران کے آغاز کی کہانی بھی آشکارا کی گئی ہے اور متعدد دیگر گوشے بھی واضح کیے گئے ہیں۔

﴿21﴾ ینابیع ترجمہ رسالۂ تراویح:

مصنفہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب مرحوم غیر مقلد قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ جس میں انہوں نے مفتی محمد حسین صاحب بٹالوی کے اس فتویٰ کا علمی اور تحقیقی طور پر خوب رد کیا ہے کہ ''بیس تراویح کا کوئی ثبوت نہیں اور بیس رکعت تراویح ادا کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی'' (معاذ اللہ تعالیٰ) مولانا غلام رسول صاحب نے اس بے بنیاد فتویٰ کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور مفتی محمد حسین صاحب کو غالی کا لقب دیا ہے۔

(مصنف: حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مترجم: امام اہل السنۃ والجماعۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ)

﴿22﴾ ''مسئلہ قربانی'' مع رسالہ ''سیف یزدانی'':

''مسئلہ قربانی'' اس مختصر رسالہ میں قرآن کریم اور صحیح احادیث اور تاریخ اسلام کے ٹھوس حوالوں

سے ثابت کیا گیا ہے کہ قربانی ''حاجی''اور''حرم شریف'' کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہر جگہ صاحب استطاعت مسلمان کے لیے اس کا حکم عام ہے اور منکرین قربانی نے بزعم خود عقلی واور نقلی جو دلائل پیش کیے تھے، اُن کا ''تانابانا'' بھی عرض کیا گی اہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان میں ایک بات کے اندر بھی وزن نہیں ہے۔''سیف یزدانی'' جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ قربانی کے دن صرف تین ہی ہیں۔اور یہی ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اور جمہور سلف وخلف کا مسلک ہے۔اور غیر مقلدین حضرات نے اس کے خلاف جو دلائل قربانی کے چار دن ہونے کے پیش کیے ہیں ان کی حقیقت بھی روایۃً اور درایۃً واضح کردی گئی ہے۔اس رسالہ کے جواب میں حافظ ابراہیم (غیر مقلد) نے ایک رسالہ لکھا جس کا جواب مولانا عبدالقیوم مدظلہ [سابق: استادالحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ] نے ''سیف یزدانی'' کے نام سے دیا جو اسی رسالہ کے آخر میں شامل ہے۔

﴿23﴾**عمدة الاثاث** فی حکم الطلقات الثلاث:

جس میں قرآن کریم ،صحیح احادیث اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام اور ائمہ اربعہ اورامت مسلمہ کے مسلّم فقہاء کرام اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ سے باحوالہ یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک ہی کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ یہی حق ہے اور یہی صحیح ہے۔اور جن حضرات نے بعض روایات سے غلطی کھا کر تین طلاقوں کو ایک قرار دیا ہے،ان کے تسلی بخش جوابات بھی بفضلہٖ تعالیٰ باحوالہ عرض کردیے گئے ہیں جو ماننے والوں کے لیے موجبِ بصیرت ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) اور نہ ماننے والوں کے لیے اتمام حجت ہوں گے۔

<u>افضل العلماء الراسخین حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری رقم طراز ہیں:</u>

''عـمـدة الاثـاث'' مختصر ہونے کے ساتھ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ذریعے تین طلاق دینے کے بارے میں جمہور سلف وخلف کی تائید میں نہایت بیش قیمت ذخیرہ ہے۔جن حضرات اکابر علماء امت کی علمی وتالیفی گراں قدر خدمات سے مطلع ومتاثر ہوا ہوں ان میں حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب (رحمہ اللہ) کا بہت نمایاں مقام ہے اور ہم سب ہندوپاک کے مسلمان ممنون ہیں کہ وہ اہل باطل کے رد میں بہت بڑا فرضِ کفایہ ادا کررہے ہیں ان کے قلم میں نہ صرف استدلال وبیان کی قوت ہے بلکہ نہایت اعتدال ووقار بھی ہے۔

﴿10﴾......﴿رد مماتیت﴾..................

خادم کے والد گرامی (مناظر اسلام،حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ) اس فتنہ کی بنیاد اور''تســکیــن

الصدور'' کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں''سنی دیوبندی مکتبہ فکر کی ہمہ جہت، عظیم الشان خدمات دشمنان اسلام کی نگاہوں میں جب کانٹا بن کر کھٹکنے لگیں تو بعض شر پسند عناصر نے اس متحدہ قوت کو تقسیم ومنتشر کرنے کے لیے خفیہ منصوبہ بندی کرلی۔اور عین اس وقت جب کہ ۱۹۵۳ء کے دس ہزار شہدائے ختم نبوت کے مقدس لہو کی سرخی بھی سرزمین لاہور سے مدھم نہ پڑی تھی، انہوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت چند بااثر افراد کے ذریعہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماعی واتفاقی عقیدہ ''حیات النبیؐ'' سے انکار کر کے ایک نئے مکتبِ فکر کی بنیاد رکھ دی۔

چنانچہ 1956ء کے قریب جامعہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نے''عقیدہ حیات النبیؐ'' سے انکار کر کے اس نئے مکتبہ فکر کی بنیاد رکھتے ہوئے انکار حیات النبی کو اپنی تقریر کا موضوع بنالیا۔ دیوبندی حلقے اس فکر جدید سے قطعاً غیر مانوس تھے، لہذا عوام کو اس نئی گمراہی سے بچانے کیلئے حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے حکم پر حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے اپنی تقریر میں شاہ صاحب کو نشانہ بنائے بغیر اس عقیدہ کی وضاحت فرمادی کہ اسلاف دیوبند، انبیاء کرام علیہم السلام کو انکی قبور مبارکہ میں روح مع الجسد زندہ مانتے ہیں۔اور عند القبر سماع صلوۃ وسلام کا عقیدہ رکھتے ہیں ۔جس پر شاہ صاحب نے برہمی کا اظہار فرمایا چنانچہ جامعہ کے میزبانوں کی طرف سے اسی موقع پر علماء کی ایک محفل سجالی گئی۔تا کہ شاہ صاحب کو''مسلک دیوبند'' سمجھایا جاسکے۔لیکن شاہ صاحب نے مسلک دیوبند قبول کرنے کے بجائے اس مسئلہ کو اپنی عزت نفس کا مسئلہ بنالیا۔اور پورے ملک میں تقریر کیلئے مستقل یہی عنوان اختیار کرلیا۔

تصفیہ کی پہلی نا کام کوشش!

مسلک دیوبند کی وحدت پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ ۱۹،۱۸ جون ۱۹۶۰ء کو اپنے مرکز شیرانوالہ دروازہ لاہور میں فریقین کے چیدہ چیدہ علماء کا ایک خاص اجلاس طلب فرمالیا۔تا کہ افہام وتفہیم کے ذریعے اس مسئلہ کا کوئی حل تلاش کیا جاسکے،لیکن شاہ صاحب اوران کے رفقاء اس خالص افہام وتفہیم کی مجلس کو مناظرانہ ومجادلانہ رنگ دینے کے لیے مختلف علاقوں سے عام لوگوں کی بسیں بھر کر لے گئے۔جس کی وجہ تصفیہ کی یہ پہلی کوشش نا کام ہو کر رہ گئی۔

تصفیہ کی دوسری ناکام کوشش!

اس کے بعد ملک بھر میں جنگ وجدل کا بازار گرم ہوگیا۔تو ایک بار پھر چند اکابر نے مصالحت کی کوششیں شروع کردیں۔ چنانچہ ۵ جنوری ۱۹۶۱ء کو سکھر کے اندر فریقین کا اجتماع ہوا جس میں فریقین نے متفقہ طور پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہما اللہ کو ثالث تسلیم کیا

اور ثالثوں نے اس مقصد کے لیے ۱۷، ۱۸ جنوری کو سکھر میں فریقین کو طلب کر لیا۔ اتفاقاً ان تاریخوں میں مولانا محمد علی ایک تقریر کے سلسلے میں گرفتار کر لیے گئے اور سکھر کا اجتماع مؤخر ہو گیا۔ اس کے بعد ثالثوں نے اپنی سہولت کے لیے فریقین سے تحریری مؤقف طلب کر لیے تا کہ اُن کی روشنی میں وجہ اختلاف تک رسائی آسان ہو سکے۔ مولانا محمد علی جالندھری اور مولانا لال حسین اختر رحمہما اللہ نے اپنا تحریری مؤقف ارسال کر دیا۔ لیکن شاہ صاحب نے اپنا مؤقف ونظریہ تحریری طور پر دینے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ مصالحت کی یہ دوسری کوشش بھی ناکام ہو کر رہ گئی۔

تصفیہ کی تیسری ناکام کوشش!

اس کے بعد ۱۹۶۲ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ دیوبند سے پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے بھی فریقین کے درمیان مصالحت کی کوششیں شروع کر دیں۔ چنانچہ ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی کے اجلاس میں انہوں نے درج ذیل تحریر فریقین کے سامنے رکھی۔

’’وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔‘‘

اس تحریر پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب......حضرت مولانا محمد علی جالندھری......حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب......اور حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمہم اللہ نے دستخط ثبت فرمائے۔

نــوٹ: اجلاس راولپنڈی کی مذکورہ تمام کاروائی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اپنے مضمون بعنوان ’’مسئلہ حیات النبی سے متعلق چارسالہ نزاع کا خاتمہ‘‘ میں تحریر فرما دی ہے، جو ماہنامہ دار العلوم دیوبند (ستمبر ۱۹۶۲ء) اور ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی (اگست ۱۹۶۲ء) میں شائع ہو چکا ہے۔

سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری نہ مذکورہ اجلاس میں شریک ہوئے اور نہ مذکورہ تحریر پر انہوں نے دستخط فرمائے۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نے ان کے بارہ میں درج ذیل تحریر علیحدہ لکھ کر دی۔

’’ہم (حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحب اور مولانا غلام اللہ خان صاحب) اس کی پوری کوشش کریں گے کہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب سے اس تحریر (مندرجہ بالا) پر دستخط کرائیں، جس پر ہم نے دستخط کیے ہیں۔ اگر ممدوح اس پر دستخط نہ کریں گے تو ہم مسئلہ حیات النبی میں اس تحریر کی حد تک ان سے برأت کا اعلان کر دیں گے۔ نیز اپنے جلسوں میں ان سے مسئلہ حیات النبی پر تقریر نہ کرائیں گے۔ اور اگر اس مسئلہ میں وہ کوئی مناظرہ وغیرہ کریں گے تو ہم اس بارے میں ان کو مدد نہ دیں گے......

نور محمد خطیب قلعہ دیدا سنگھ......لاشئی غلام اللہ خان ۲۲ جون ۱۹۶۲ء۔......(بحوالہ ماہنامہ دار العلوم، ستمبر ۱۹۶۲

ص ۱۵)

البتہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ چونکہ اپنے ایک مکتوب کے ذریعے اپنے ''عقیدہ حیات النبی'' کی وضاحت فرما چکے تھے، اس لیے مذکورہ تحریر پر اُن کے دستخط کرانے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ چنانچہ مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اس کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ اس مختصر عبارت کی کافی تفصیل کیونکہ قاضی شمس الدین (حضرات برادر خورد، مولانا قاضی نور محمد صاحب) اپنے مکتوب میں لکھ کر مولانا محمد علی صاحب جالندھری کے پاس بھیج چکے تھے، اس لیے یہ عبارت بالا ان کی مسلمہ ہے۔ بنابریں اس عبارت پر ان کے دستخط کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، عبارت بالا کو ان کی مسلمہ سمجھا جائے۔......(ایضاً ص ۱۵)

اس اعتبار سے گویا جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ کے تین ذمہ دار حضرات (مولانا قاضی نور محمد صاحب، مولانا غلام اللہ خان صاحب، مولانا قاضی شمس الدین صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ) عقیدہ حیات النبی کی مذکورہ تحریر پر متفق تھے۔ لیکن بدقسمتی سے سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اور اور ان کے بعض شدت پسند رفقاء اس سے اتفاق نہ کر سکے۔ اور اس طرح مصالحت کی یہ تیسری کوشش بھی ناکام ہو کر رہ گئی۔

جمعیت علماء اسلام کا فیصلہ اور ''تسکین الصدور'' کی تالیف!

افہام و تفہیم کے ذریعے جب مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہو چکیں اور سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری، اپنی جماعت کے مرکزی امیر (حضرت مولنا قاضی نور محمد صاحب رحمہ اللہ) اور ناظم اعلیٰ (مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ) کی تائیدی تحریر بھی مسترد کر چکے تو اکابر دیوبند نے مصالحت کی جملہ کوششیں ترک کر کے ''مسلک دیوبند'' کو شاہ صاحب کے پیدا کردہ شکوک وشبہات سے بچانے اور قرآن وسنت واجماع امت کی روشنی میں اسے واضح کرنے وآشکارا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ۴ اگست ۱۹۶۲ء کو جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی شوریٰ کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی تحریک اور دیگر علماء کی تائید سے امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو منتخب کیا گیا کہ وہ قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں دلائل وبراہین کے ساتھ مسلک دیوبند کی ترجمانی کرتے ہوئے ''عقیدہ حیات النبی'' کو واضح کریں۔ چنانچہ جمعیۃ کی مرکزی شوریٰ کے فیصلے کے مطابق حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے ''**تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور**'' تالیف فرمائی، جسے اکابرین جمعیۃ کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اور پھر درج ذیل اکابر علماء نے اس پر تصدیقات ثبت فرمائیں۔

اس اعتبار سے (''**المہند علی المفند**'' کے بعد) عقیدہ حیات النبی کے بارہ میں یہ کتاب اکابرین

دیوبند کی دوسری اجماعی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس پر اس وقت کے تقریباً تمام قابل ذکر اکابر علماء کی تصدیقات آچکی ہیں۔(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مولانا عبدالروف چشتی کا مضمون، ''صفدر دواخانہ کی دوائیں'' [باب 6])

﴿24﴾**تسکین الصدور** فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور:

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور حضرات سلفِ صالحین رحمہم اللہ کی واضح عبارات سے قبر کا مفہوم اور راحت اور عذابِ قبر کے بارے میں اسلامی نظریہ بیان کیا گیا ہے۔ اور صحیح احادیث اور ٹھوس عبارات سے قبر میں اعادۂ روح پر نفیس اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ نیز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور میں حیات اور عندالقبور ان کے سماع پر واضح دلائل اور براہین سے تحقیق کی گئی ہے اور عام سماعِ موتی پر مختصر مگر اصولی بحث کی گئی ہے۔ اور مسئلہ توسل پر بھی بحمداللہ تعالیٰ سیر حاصل اور باحوالہ بحث کی گئی ہے۔ اور اس سلسلہ میں کیے گئے جملہ اعتراضات کے کتبِ تفسیر وعقائد، شروح حدیث اور فقہ سے بفضلہٖ تعالیٰ مسکت جوابات عرض کیے گئے ہیں۔ نیز تسکین الصدور پر کیے گئے قابل توجہ اعتراضات کا خوب جائزہ لیا گیا ہے۔

رأس الاتقیاء حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ (سابق شیخ الحدیث: دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں کہ:

کتاب اپنے لحاظ سے بے مثل ہے اور واقعی اسم بامسمی۔ تسکین الصدور ہی سے ہر مسئلہ نہایت واضح طریق پر دلائل سے آراستہ وپیراستہ ہے۔ اور مخالفین کے دلائل کا صحیح رد، جس سے دیکھنے والے کو حق معلوم کرنے میں زبردست امداد حاصل ہو سکے۔

صدر المفتیین حضرت مولانا مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ (مفتیٔ اعظم: دارالعلوم دیوبند) لکھتے ہیں کہ:

کتاب تحقیقات سے مملو اور دلائل سے مشحون ہے، عوام وخواص دونوں طبقوں کے لیے بہت مفید ہے۔ پڑھنے کے بعد مجھ جیسے نااہل کے صدر کو تسکین، دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا کر دیا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ (مہتمم: دارالعلوم دیوبند) رقمطراز ہیں کہ:

اس کتاب کی عظمت ووقعت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ مولانا سرفراز خان صاحب کی تالیف ہے، جو اپنی محققانہ اور معتدلانہ طرزِ تالیف میں معروف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ (یہ کتاب) اس موضوع کے مسائل میں تسکین الصدور ہی ہے۔ اس سے دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔

رئیس المحققین حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ماشاءاللہ خوب لکھا ہے، ہر ہر گوشے پر سیر حاصل بحث ہے اور ہر ہر دعویٰ کو مدلل ومبرہن کیا ہے۔

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مسائل کو ادلہ کثیرہ سے ایسا مبرہن کیا ہے کہ اس سے زائد کی گنجائش نہیں۔

محدث کبیر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے۔

فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے میری دلی تمنا مولانا (رحمہ اللہ) کے ہاتھوں پوری فرمادی۔ اس لیے حرف حرف مزے لے لے کر پڑھتا چلا گیا، ہر ہر بحث پر دل باغ باغ ہوتا گیا اور دعاؤں میں سرشار ہوتا رہا۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ:

''تسکین الصدور'' اپنے موضوع اور مسلک اہل السنۃ والجماعۃ میں کافی وشافی ہے۔ اور پچھلی تصانیف سے مغنی ہے۔

عمدۃ الفقہاء حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

ماشاء اللہ آپ نے حیات النبی اور سماع موتی پر خوب کلام کیا ہے اور درمیان درمیان میں اصولِ حدیث اور تنقید حدیث کا طریقہ بھی اچھا بیان کیا ہے۔

یادگارِ سلف حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

کتاب ''تسکین الصدور''، سرورِ قلب اور تبرید بصر کا موجب بنی۔

سید العلماء حضرت مولنا عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ (مظفر گڑھی) تحریر فرماتے ہیں کہ:

(تسکین الصدور میں) مسائل کو نہایت محققانہ طور پر بیان کی گیا ہے اور اس سلسلہ میں کیے گئے جملہ اعتراضات کے مسکت جواب دیے گئے ہیں۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''تسکین الصدور'' کا بڑی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا اور ماشاء اللہ اس کو اسم بامسمیٰ پایا۔ مولانا سرفراز خان صفدر (رحمہ اللہ) نے یہ کتاب تالیف فرما کر پوری پوری داد تحقیق دی۔ اور پوری جماعت پر عائد شدہ فریضہ کو دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ انجام دے کر سب کو سبکدوش کر دیا۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''تسکین الصدور'' کو جوں جوں دیکھتا جاتا تھا دل سے دعائیں نکلتی تھیں کہ ماشاء اللہ تحقیق کا حق بھی پورا ادا کر دیا اور دوسروں پر تنقید کا طرز بھی بہت اچھا اور متین ہے۔

مجاہد حق گو حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

علماء حق مسلمانوں کے ایمان کے محافظ ہیں۔آپ نے اس حفاظت کا پورا فریضہ ادا کیا۔ ہمارا پختون علاقہ جو کل کے کل اہل السنۃ والجماعۃ حنفی مسلمان ہیں آپ کی اس کتاب سے ان کو پوری تسکین ہوگی۔

امام المناظرین حضرت مولانا دوست محمد قریشی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

جناب نے اس کتاب میں ہمارے اسلاف کی صحیح ترجمانی اور تشریح فرمائی ہے۔

فاضل بے نظیر حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

الحمد للہ کتاب ''تسکین الصدور'' دفعِ وساوس کے لیے کافی اور اطمینانِ قلب کے لیے وافی ہے۔منصف کے ہاتھ ایک مشعلِ ہدایت ہے اور متردد کے لیے برہان ساطع۔ بلا ریب یہ کتاب اسم با مسمیٰ ہے۔

مقتدائے انام حضرت مولانا نذیر اللہ خان صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

بحمد اللہ ''تسکین الصدور'' اہلِ انابت کے لیے اسم با مسمیٰ ثابت ہوئی۔حوالجات کا ذخیرہ موجود ہے۔اور مستحکم دلائل اور واضح حجج سے مسئلہ حیاۃ انبیاء علیہم السلام کو مبرہن اور واضح فرمایا۔

﴿25﴾ **سماع الموتیٰ** (المقلب ''باثبات السماع والشعور لحملة اهل القبور''):

بحمد اللہ تعالیٰ وحُسن توفیقہ جس میں بے حد کوشش اور خاصی کاوش کے ساتھ قرآن کریم، صحیح احادیث، کتب تفسیر، کتب فقہ اور فتاویٰ سے مسئلہ سماع موتی کا مثبت و منفی پہلو واضح سے واضح تر کیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جمہور امت عند القبو رسماع الموتی کی قائل ہے اور حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ کا معتد بہ طبقہ اور اکابر علماء دیوبند کی اکثریت سماع الموتی کی قائل ہے۔اور عدم سماع الموتی کے قائلین حضرات کے دلائل بھی نقل کر کے کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں ان کے واضح جوابات عرض کر دیے گئے ہیں۔اور یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ حضرات ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام اور خصوصاً امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ سماع الموتی کے منکر نہیں، بلکہ مقر ہیں اور ان کی طرف عدم سماع الموتی کی جو روایتیں منسوب کی جاتی ہیں وہ سب شاذ اور غیر معتبر ہیں۔الغرض ٹھوس حوالوں کے ساتھ اردو زبان میں بفضلہٖ تعالیٰ یہ جامع کتاب ہے۔

فخر الامثال، عمدۃ المحققین حضرت مولانا سید احمد رضا شاہ صاحب بجنوری لکھتے ہیں:

سماع الموتی کا مطالعہ کیا، دل خوش ہوا، خوب خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء

عالم جلیل، فقیہ کامل، رئیس المحدثین حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

سماع الموتی موصول ہو کر باعث شکر گزاری ہوئی۔ ماشاء اللہ عمدہ ہے۔تسکین الصدور کے بعد یہ تصنیف مزید سکون صدر کا ذریعہ ہوئی۔

عالم باعمل حضرت مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

سماع الموتیٰ نہایت مبرہن و مدلل ہے حوالہ جات اور ادلہ کاملہ کے ذخائر سے بھرپور ہے۔طلبہ وعلماء کے لیے ایک بہترین علمی تحفہ ہے۔

﴿26﴾ **المسلک المنصور** فی رد الکتاب المسطور:

تسکین الصدور میں امت مسلمہ کے اتفاقی و اجماعی عقیدہ کو مضبوط دلائل سے اجاگر کیا گیا ہے کہ "**الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون**" اور یہ حیات گو اس دنیا میں رہنے والوں کے ادراک وشعور اور حس سے بالاتر اور "**ولکن لا تشعرون**" میں داخل مگر ہے ان اجساد مطہرہ کے بواسطہ ارواح طیبہ کے تعلق سے جو دنیا میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل تھے اور اسی حیات کے آثار میں سے ہے کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں لیکن جناب (محمد حسین) نیلوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ قبور میں حیات انبیاء کا عقیدہ معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، منافقوں، روافض، قادیانیوں، ہندوؤں اور بریلویوں کا ہے (معاذ اللہ) (لہٰذا انہوں نے "تسکین الصدور" کا جواب ''الکتاب المسطور'' کے نام سے لکھا۔) اس کتاب میں انہی کے باطل نظریہ کو باحوالہ نقل کر کے اس کا علمی اور تحقیقی تجزیہ کیا گیا ہے۔قارئین کرام خود فیصلہ کر لیں۔

﴿27﴾ **الشھاب المبین** علی من انکر الحق الثابت بالادلۃ والبراھین:

بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ اس کتاب میں رسالہ " **الشھاب الثاقب علی من حرف الاقوال والمذاھب**" کا نہایت ہی احسن اور سلجھے ہوئے انداز میں علمی اور تحقیقی طور پر جائزہ لیا گیا ہے اور صریح حوالوں سے مصنف "الشھاب الثاقب" کی غلطیاں اور علمی مغالطے اجاگر کر کے ان کا رد کیا گیا ہے۔ حضرت علماء اور طلباء کو بفضلہٖ تعالیٰ اس میں کئی ٹھوس اور جدید علمی اور تحقیقی بحثیں نظر آئیں گی جن سے علمی مغالطے اور جہل کافور ہوگا۔

حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ کی مایہ ناز تصنیف لطیف ''سماع الموتیٰ'' منظر عام پر آنے کے بعد پتھریوں (مماتیوں) میں کھلبلی مچ گئی اور نام نہاد توحیدیوں کی صفوں میں قیامت برپا ہوگئی، پتھری طبقہ فکر نے عوام کو مطمئن کرنے اور اپنی خفت مٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے "الشھاب الثاقب" کے نام سے کتاب لکھ کر مؤلف "سماع الموتیٰ" اور ان کی جماعت کو نیچا دکھانے کی بہت کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکے۔اس کتاب میں حضرت داداجان رحمہ اللہ نے اس کا ''تانا بانا'' اور ''حدود اربعہ'' کی وضاحت کی ہے قارئین خود ہی جان لیں گے کہ مؤلف "الشھاب الثاقب" اور ان کی جماعت دلائل کے اعتبار سے کتنے پانی میں ہے۔

﴿11﴾..................﴿رد بریلویت﴾..................

یہ وہ فتنہ ہے جس نے ہمارے خانقاہی نظام کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔قبر پرستی اور سماع بالمزامیر کے رجحان نے مزارات کا تقدس پامال کر کے رکھ دیا۔ ہمارا خانقاہی نظام جو کبھی تزکیۂ نفس کے لیے اصلاح نفس کا ضامن تھا، شرک و بدعات کا نمونہ بن کر رہ گیا۔اس فتنہ کو بھی ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت انگریزی مفادات کے حصول کے لیے وجود میں لایا گیا اور پھر ان کے اعلیٰ حضرت خانصاحب بریلوی کے ذریعے حضرات اکابرین دیوبند پر کفر وارتداد کے فتووں کی مشین چلائی گئی اور ان کو وہابی کہہ کر مسلمانوں کو ان سے سخت نفرت دلانے کی کوششیں کی گئیں۔ چنانچہ "راہ سنت" کے آغاز میں حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''انگریز کے لیے کم وبیش 100 (سوسال) تک اکابرین دیوبند، کیا ہندوستان اور کیا بیرون از ہند ایک ناگہانی مصیبت بنے رہے۔ان اکابر نے تقریر و تحریر اور اپنے عمل سے برطانیہ کی حکومت کی بنیادیں کھوکھلی کرنا شروع کر دیں۔مگر برطانیہ تو ابلیسِ سیاست تھا، اس نے ان اکابر کو مسلمانوں کی نگاہوں میں حقیر و ذلیل کرنے کے لیے ایسے ایسے حربے استعمال کیے کہ " الامان والحفیظ" اور ان کی تکفیر کے لیے بڑے بڑے مولوی اور مفتی خریدے گئے اور ان اکابر پر جس طرح افتراء اور بہتان مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی نے باندھے ہیں اور کسی سے یہ خدمت ادا نہ ہو سکی۔[''راہِ سنت''ص ۷]

چنانچہ اہل بدعت نے نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ امور کے انکار اور نت نئے من گھڑت مسائل (بدعات) میں عوام کو الجھا کر انگریز کا حق نمک خوب ادا کیا۔اور ''مختارِ کل''، ''علم الغیب''، ''حاضروناظر'' اور ''نور و بشر'' وغیرہ مسائل میں اہل السنۃ والجماعۃ اور احناف کے خلاف نظریہ رکھنے کے باوجود اپنے آپ کو "اهل السنة والجماعة حنفی" کہلوانے پر مصر ہیں۔تاکہ بے چاری سادی عوام کو اس مبارک عنوان سے دھوکہ دے کر علماء دیوبند کی نفرت ان کے دل و ماغ میں بٹھانے میں کامیاب ہو سکیں۔ اسی مقصد کی تکمیل کی خاطر عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ دیوبندی (نعوذ باللہ) گستاخِ رسول، درود کے منکر اور صلوٰۃ وسلام کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ

چنانچہ داداجان رحمہ اللہ نے اس فتنۂ ضال و مضل کے رد میں "راہِ سنت"، "دل کا سرور"، "آنکھوں کی ٹھنڈك"، گلدستۂ توحید"، اور"ازالۃ الریب" وغیرہ کتب تصنیف فرما کر ان کی حقیقت اور اصلیت کو واشگاف فرمایا۔اور ان کی من گھڑت قبیح و مذموم بدعات و رسومات کا مدلل رد کیا۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

﴿28﴾**راہ سنت** (المنهاج الواضح):

جس میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل کا معیار اور بدعتِ لغوی اور شرعی کا مفہوم اور حکم، قرآن کریم، صحیح احادیث اور صدہا عبارات سے واضح کیا گیا ہے اور تمام مشہور بدعات (مثلاً میلاد، عرس، قبروں پر چراغاں کرنا، قبروں کو پختہ بنانا، قبر پر اذان کہنا، نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا، تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں، حیلۂ اسقاط، دورانِ قرآن وغیرہ وغیرہ) پر فرداً فرداً مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور فریق مخالف کو مسقط اور مسکت جواب دیے گئے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکابر علماء دیوبند پکے حنفی اور سنّی مسلمان ہیں، ان کو وہابی وغیرہ کہنا سراسر بہتان، خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

آج اسلاف صالحین کے ایک خلفِ رشید مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر (رحمہ اللہ) نے اسی (سنت و بدعت کے) فرق کو اس دور کے عام مخترعات و محدثات میں مثبت و منفی پہلو سے محققانہ دلائل کی روشنی میں نہایت ہی واضح اور پاکیزہ انداز میں واشگاف کیا ہے، جس کی شاہدِ عدل ان کی حالیہ تصنیف ''راہِ سنت'' ہے۔ یہ اسم با مسمیٰ کتاب ''راہِ سنت'' حقیقتاً راہِ سنت کی داعی ہے۔ اس متین انداز اور علمی رنگ پر کوئی شبہ نہیں کہ مصنف ممدوح نے نہ صرف مسائل کا اثبات ہی کر دیا ہے بلکہ خصوم پر حجت بھی قائم کر دی ہے۔

حضرت مولانا السید مفتی مہدی حسن رحمہ اللہ [صدر مفتی: دار العلوم دیوبند] لکھتے ہیں:

''راہِ سنت'' کو پڑھا، زبان شُستہ و صاف، جدال و رنگِ مناظرانہ سے دور اور مضامین کی جامع کتاب ہے۔ بدعات کے سلسلہ کی اپنے رنگ کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں بدعات کا رد نئے اسلوب سے کیا گیا ہے اور اتباع سنت کو بطریقِ احسن ثابت کیا گیا ہے۔ ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اہل اہواء کے لیے بھی مفید ہے۔

استاذ العلماء شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ [شیخ التفسیر: دار العلوم دیوبند] تحریر فرماتے ہیں:

عصر حاضر کی اکثر بدعات کی محققانہ تردید اس میں موجود ہے۔ مبتدعین کے اعتراضات اور دلائل کے جوابات نہایت عالمانہ اور دلکش انداز میں دیے گئے ہیں۔ بدعت شرعیہ کے حدود کو متعین کرنا ایک علمی اور دقیق مبحث ہے، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ مصنف موصوف نے اس اہم مورچہ کو ایک بہت بڑی حد تک سر کر لیا ہے۔

﴿29﴾**بابِ جنت** (بجواب راہِ جنت):

جس میں ٹھوس حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ کتاب ''راہِ جنت'' میں جو ''راہِ سنت'' کے

جواب میں لکھی گئی ہے،'' راہِ سنت'' کے بیسیوں مسائل اور حوالے ایسے ہیں جن کا کوئی جواب نہیں دیا گیا اور اصولِ جواب کے طور پر گویا تسلیم کرلیا گیا کہ ''راہِ سنت'' کے دلائل اور حوالے بالکل لاجواب ہیں۔جن کا فریقِ مخالف کے پاس کوئی جواب نہیں اور جن بعض مسائل اور دلائل کا جواب ''راہِ جنت'' میں دیا گیا ہے اُن کا ''تانابانا'' بھی عرض کیا گیا ہے۔اور ثابت کیا گیا ہے کہ ''راہِ سنت'' کے کسی مسئلے کا یہ جواب نہیں ہے، محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے اور اپنے ناخواندہ حواریوں کو صرف لفظوں میں خوش کرنے کے لیے یہ باور کرایا گیا ہے کہ ''راہِ سنت'' کا جواب ہوگیا ہے۔اور مفتی صاحب کے علم دیانت کے کئی مخفی گوشوں کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے کہ ہر ذی علم انگشت بدانداں رہ جاتا ہے۔

دادا جان رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''''راہِ جنت'' کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ اصل نام تو ''لطمۂ شیرِ ببر، برنجدی زادہ گکھڑ'' تھا۔لیکن بعد کو اس کا نام ''راہِ جنت'' رکھا گیا ہے۔اگر وہ کتاب کا نام یہ رکھ لیتے تو ہمیں بھی حق حاصل تھا کہ ہم اپنی کتاب کا نام ''لطمات شیرِ سوات، برزُخِ مبتدع زادہ گجرات'''' رکھ دیتے۔لیکن چونکہ انہوں نے وہ نام نہیں رکھا اس لیے ہم بھی یہ نام نہیں رکھتے انہوں نے اپنی کتاب کا نام ''راہِ جنت'' رکھا ہے ہم اپنی کتاب کا نام ''بابِ جنت'' رکھتے ہیں۔[بابِ جنت ص۱۰]

﴿30﴾دل کا سُرور:

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، عقائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور سلف وخلف سے ثابت کیا گیا ہے کہ تکوینی اور تشریعی طور پر حاکم اور مختار کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔کسی دوسرے کو نہ ذاتی طور پر اختیار حاصل ہے اور نہ عطائی طور پر، فریقِ مخالف نے جن آیات واحادیث سے استدلالات کیے ہیں نہایت تحقیق سے ان کے جوابات بھی عرض کردیے گئے ہیں۔

﴿31﴾آنکھوں کی ٹھنڈک(تبرید النواظر، فی تحقیق الحاضر والناظر):

جس میں بڑی تحقیق وجستجو سے قرآن کریم، صحیح احادیث، عقائد حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہور حضرات سلف وخلف اور حضرات فقہاء احنافؒ کے صریح فتووں سے یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ حضرات انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ حاضر وناظر (اور عالم الغیب) نہیں ہیں اور فریقِ مخالف کے دلائل کے دندان شکن جوابات بھی درج کیے گئے ہیں۔''**واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل**''

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مولانا ممدوح نے قرآن مجید کی شہادتوں، صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی احادیث کے ساتھ ساتھ احناف حضرات کے فتاویٰ کے حوالوں سے بھی حضرات دیوبند کے عقیدہ کی تائید ثابت کی

ہے۔اس کے علاوہ مولانا ممدوح نے مخالفین کی اٹھارہ دلیلوں کے بہترین جوابات دیے ہیں۔ ہر حنفی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کتاب کو پڑھیں۔

استاذ العلماء شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

یہ کتاب اپنے موضوع میں بے مثال ہے۔اس موضوع پر ایسی عمدہ جامع وپُر از معلومات کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جناب کی تالیفات بحمداللہ محققانہ ہوتی ہیں نہ ہم جیسوں کی تقریظ کی محتاج ہیں اور ترمیم کی تو کیا ہوتیں؟

﴿32﴾**تفریح الخواطر** فی رد تنویرالخواطر:

مسئلہ ’’الحاضر والناظر‘‘ پر داداجان رحمہ اللہ کی شاہکار اور لاجواب تصنیف تبرید النواظر (’’آنکھوں کی ٹھنڈک‘‘) کے میدان میں آنے کے بعد جہاں اہل حق کو خوشی اور طمانیت ہوئی وہاں اہل باطل کے پیٹ میں مروڑ شروع ہوگئے۔اُن کو اس عظیم الشان تالیف سے بڑی سخت کوفت ہوئی، کچھ عرصہ تو انہوں نے خاموشی اختیار کی مگر داداجان رحمہ اللہ کے بقول ’’اُن کی باسی کڑھی میں بالآخر اُبال آہی گیا‘‘، چنانچہ اُن کے نام نہاد مناظر اسلام صوفی اللہ دتہ صاحب نے ’’تنویر الخواطر‘‘ کے نام سے اس کا رد لکھا۔اس کتاب میں حضرت داداجان رحمہ اللہ نے اُن کے دلائل کی کل کائنات اور کے شبہات کا ’’تانا بانا‘‘ باحوالہ پیش کیا ہے۔جو واقعی اہل علم کے پڑھنے کے قابل ہے۔

﴿33﴾**عبارات اکابر**:

جس میں اُن بعض اصولی اور بنیادی عبارات کو پیش کر کے ان کے قدرے مفصل جوابات دیے گئے ہیں، جنکی وجہ سے مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی اور ان کے متبعین، حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی تکفیر کرتے ہیں بلکہ دیوبندی اور بریلوی اختلاف اور نزاع کا راز ہی ان کو قرار دیتے ہیں۔اور ان پر بلاوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام واولیاء عظام علیہم السلام کی گستاخی اور توہین کا بے بنیاد الزام لگاتے ہیں (العیاذ باللہ) اور بعض پر ختم نبوت کے انکار کا باطل اور جھوٹا افتراء باندھتے ہیں، خانصاحب نے ان اکابر کی عبارات میں قطع وبرید کر کے اور اپنی طرف سے ان کے معانی کشید کر کے علماء حرمین شریفین سے ان کی تکفیر بھی کرائی مگر بعد کو اس مکر وفریب کی قلعی ’’المہند علی المفند‘‘ کے ذریعہ کھولی گئی۔الغرض نہایت سلیس اور سہل طریقہ سے اس کتاب میں اصل

حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے۔

﴿34﴾ازالة الريب عن عقیده علم الغيب:

جس میں بڑی تحقیق و جستجو اور محنت شاقہ سے قرآن حکیم، صحیح احادیث، صحابہؓ، تابعین، فقہاء کرام، محدثین اور متکلمین اور بزرگانِ دین وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی واضح اور روشن تر عبارات اور اقوال، ٹھوس حوالجات سے مستحکم دلائل اور مضبوط براہین کے ساتھ یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور بس، کسی اور بزرگ، کسی نبی اور فرشتہ حتیٰ کہ جناب امام الانبیاء، خاتم النبیین، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی علم غیب نہیں تھا۔ اور اس کے برعکس عقیدہ سراسر غیر اسلامی ہے اور اس عقیدہ کے مخالف حضرات کے تمام تر نقلی و عقلی شبہات کے مسکت جواب دے کر بفضلہ تعالیٰ اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو کی علمی بحث کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ کتاب پڑھنے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے اور ذاتی اور عطائی وغیرہ کی تمام دورازکار بحثیں بیک نظر سامنے آجاتی ہیں۔

﴿35﴾اظهار العيب فی کتاب اثبات علم الغيب:

بریلوی عالم مولوی غلام فرید ہزاروی نے اپنے تئیں ''ازالة الريب'' کا جواب دینے کی کوشش کی تو داداجان رحمہ اللہ نے یہ کتاب تالیف فرمائی۔ جس میں بتوفیق اللہ تعالیٰ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی اور علم غیب کے صرف خاصۂ باری تعالیٰ ہونے کے مضبوط دلائل بیان کیے گئے ہیں اور غیر اللہ کے لیے اور علی الخصوص امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب ثابت کرنے والوں کے اصولی شبہات اور نام نہاد دلائل کا بفضلہ تعالیٰ خوب رد کیا گیا ہے اور ''ازالة الريب'' پر کیے گئے اعتراضات کی کائنات اور ''تانابانا'' خوب اجاگر کیا گیا ہے۔ اور ان کے دندان شکن جوابات دیے گئے ہیں۔

نوٹ: اس کتاب کے تیسرے باب کے طور پر حضرت داداجان رحمہ اللہ نے راقم کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کا ایک مضمون ''البيان الحق ،لحافظ عبدالحق'' کے نام سے شامل کیا، جس کے بارہ میں آپ لکھتے ہیں کہ (''مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کے نام نہاد محقق چونکہ تاریخی حقائق کو بالکل مسخ کرنے کے درپے ہیں، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم الحافظ القاری المولوی محمد عبدالحق خان بشیر سلمہ اللہ تعالیٰ کا علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی دینی، ملی اور سیاسی خدمات کے سلسلہ میں ایک مفصل تاریخی اور محقق مضمون بھی عرض کر دیں۔ صفدرؔ'')

<u>حضرت مولانا علامہ عبدالدیان کلیم صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:</u>

کتاب ''اظهار العيب'' بہت عمدہ، عالمانہ اور محققانہ تصنیف ہے جس میں اہل بدعت کے مزعومہ

عقائد کا قرآن وحدیث سے بطلان واضح کر کے اُن قرآنی آیات کا صحیح محل مفسرین کے حوالے سے ثابت کیا گیا ہے۔

﴿36﴾چالیس دعائیں:

جس میں منکرین دعا کی معقول تردید کی گئی ہے اور فلسفہ دعا پر بصیرت افروز تبصرہ کیا گیا ہے۔ نیز کلمات ادعیہ کا سلیس ترجمہ اور بہترین ربط بیان کیا گیا ہے۔

﴿37﴾گلدستۂ توحید:

جس میں قرآن کریم، احادیثِ صحیحہ، کتب تواریخ اور حضرات فقہائے احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مصیبت کے وقت مافوق الاسباب طریق پر غیر اللہ کو پکارنا ناجائز ہے۔ شرک کی تردید کے علاوہ معترضین کے جملہ قابل ذکر استدلالات کے جوابات بھی درج کر دیے گئے ہیں اور اصنام اور اوثان کی پوری حقیقت بھی بیان کر دی گئی ہے۔

﴿38﴾حکم الذکر بالجھر:

جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، کتب تفسیر وفقہ ومستند حضرات صوفیاء کرام کے ٹھوس حوالوں سے یہ امر ثابت کیا گیا ہے کہ جن جن مواقع میں بلند آواز سے ذکر اور دعا ثابت ہے وہاں بلند آواز سے اور دعا کرنے سے شریعت کی منشا پوری ہوگی اور جہاں آواز بلند سے شرعاً دعا اور ذکر ثابت نہیں وہاں آہستہ دعا اور ذکر ہی بہتر اور افضل ہے بلکہ بعض صریح عبارات کے پیش نظر ایسے مواقع میں خصوصاً جبکہ لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو ذکر بالجہر حرام، بدعت اور مکروہ ہے اور حضرات صحابہ اور تابعین کا عمل بھی ذکر بالسر ہی کا رہا ہے۔ اور یہی مسلک حضرات ائمہ اربعہ کا ہے۔ مساجد میں بلند آواز سے ذکر اور بلند آوز سے درود شریف کا حکم بھی اس میں واضح حوالوں سے بیان کر دیا گیا ہے اور دیگر کئی مسائل ضمناً اس میں آ گئے ہیں۔ اور مجوّزین ذکر بالجہر (اور بریلوی عالم مولانا رسول سعیدی کے رسالہ ''ذکر بالجہر'') کا خالص علمی اور تحقیقی طور پر مسکت جواب بھی دیا گیا ہے اور اس سلسلے میں مختلف پہلو باحوالہ اس کتاب میں آ گئے ہیں۔

﴿39﴾اِخفَاءُ الذِّکرِ:

جس میں کتاب ''حکم الذکر بالجہر'' پر (مولانا رسول سعیدی بریلوی کی جناب سے) کیے گئے قابل قدر اعتراضات کے مسکت جواب دیے گئے ہیں اور باحوالہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنے کی بدعت 216ھ میں خلیفہ مامون کے دور میں جاری ہوئی، جو معتزلی اور رافضی تھا اور وہ حکومت کی سطح پر لوگوں کو بدعات پر مجبور کیا کرتا تھا۔ اور صلوٰۃ التسبیح کی روایات اور اس کے راویوں کی نشان

دہی بھی کی گئی ہے کہ ان کی بعض احادیث حسن بلکہ صحیح ہیں اور یہ کہ امام ابن الجوزی متشدد ہیں۔ نیز فریق مخالف کے بزرگوں اور خصوصاً ان کے اعلیٰ حضرت کے فتوے اور صریح حوالے بھی اس میں درج کر دیے گئے ہیں جن کی رو سے ذکر بالجہر اور اذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنے کا بدعت ہونا ثابت ہے۔ اور جب تلاوت اور ذکر بالجہر سے نمازیوں، سونے والوں اور مریضوں وغیرہم کو اذیت ہوتی ہو تو اس سے رکنا کہاں تک واجب ہے؟ ان کے علاوہ دیگر کئی اہم مسائل اور حوالے بھی اس میں درج کیے گئے ہیں۔ ''**ان اُرید الا الاصلاح ماستطعت وما توفیقی الا بالله**''

﴿40﴾**تنقید متین** بر تفسیر نعیم الدین:

اس کتاب میں مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ترجمۂ قرآن کریم اور ان کے مایہ ناز شاگرد مولوی نعیم الدین صاحب مرد آبادی کی تفسیر پر باحوالہ اور ٹھوس دلائل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اور روشن براہین کے ساتھ یہ بات واشگاف کی گئی ہے کہ اس ترجمہ اور تفسیر میں ایسی ایسی باتیں بھی کہی گئی ہیں جو روح اسلام کے سراسر خلاف ہیں، خود قرآن کریم اور صاحبِ قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں سے بیزار ہیں اور ان میں ایسی باتیں بھی ہیں جو امت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہیں اور فقہاء اسلام بالخصوص فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم ان باتوں سے سخت نالاں ہیں۔ ''**والله یقول الحق وهو یهدی السبیل**''

﴿41﴾**اتمام البرهان** فی رد توضیح البیان:

علماء کرام نے قرآن کریم کے مختلف زبانوں میں متعدد تراجم امت مسلمہ کی سہولت کے لیے کیے ہیں، اردو زبان میں بھی کئی تراجم ہیں اور متعدد تراجم میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اغلاط بھی موجود ہیں۔ لیکن بریلوی حضرات کے اعلیٰ حضرت نے قرآن کریم کے لفظی ترجمہ میں جو اپنے من مانے اور باطل عقائد درج کیے ہیں اور ان لائق شاگرد مرادآبادی صاحب نے اپنی تفسیر میں ان تراجم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے جو ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا ہے کسی زبان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ہم نے فرضِ کفایہ ادا کرتے ہوئے بعض بزرگوں کے حکم اور مشورہ سے ''تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین'' میں خالص علمی انداز میں ان غلط تراجم اور ان کی خود ساختہ تفاسیر پر گرفت کی تھی، جس سے اُن کی جماعت کے ایک نام نہاد محقق اور مدقق (مولوی غلام رسول سعیدی) کی باسی کڑی میں اُبال آ گیا اور ''توضیح البیان'' کے نام سے رطب و یابس اکٹھا کر کے ایک ضخیم کتاب لکھ ماری، اس ''توضیح البیان'' کا خالص علمی انداز سے رد اس زیر نظر کتاب ''اتمام البرھان'' میں کیا گیا ہے۔ اس کے کل چار حصے ہیں۔ جو یان حق کو اس میں خاصا علمی مواد ملے گا اور ٹھوس حوالوں کو پڑھ کر وہ بڑے مطمئن ہوں گے۔ اس کو پڑھ کر کچھ چہرے ضرور اُداس بھی ہوں گے، مگر یہ ایک

فطری بات ہے جو ہمارے بس کی نہیں ہے۔

حضرت مولانا علامہ عبدالدیان کلیم صاحب (فاضل دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:

"اتمام البرھان" کا مطالعہ بہت ذوق وشوق سے کیا، بعض مقامات مکرّر، سہ کرّر پڑھے اور ہر مرتبہ نیا کیف حاصل ہوا۔"اتمام البرھان" صوری اعتبار سے خوب اور معنوی اعتبار سے خوب تر ہے۔اہل بدعت کے مخصوص مسائل پر یکجا اتنا مواد "اتمام البرھان" کے چاروں حصوں کے علاوہ شاید ہی کسی کتاب میں مل سکے۔

﴿42﴾درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ:

جس میں قرآن شریف اور حدیث شریف سے درود شریف، دعا اور ذکر کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور ٹھوس تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان سے پہلے اور بعد بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے کا خیرالقرون میں کہیں بھی وجود نہ تھا بلکہ یہ آٹھویں صدی ہجری میں مصر کے بعض رافضیوں کی ایجاد کا چربہ ہے اور اس بدعت کے ثبوت پر بزعم خود فریق مخالف کے ایک مولوی صاحب نے (اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کے جواز پر ایک اشتہار میں) جو دلائل پیش کیے ہیں ان کا ''تانابانا'' بھی عرض کر دیا گیا ہے کہ ان میں کوئی وزن نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سنت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔آمین۔

﴿43﴾راہ ہدایت(ھدیۃ المرتاب الیٰ طریق الصواب):

جس میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے قرآن کریم، صحیح احادیث اور ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ کی معتبر اور مستند عبارات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ معجزہ اور کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی اور ولی کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے ان کا اس کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا اور نیز یہ کہ معجزات وکرامات علی الصحیح امور غیر عادیہ اور ان کے لیے اسباب خفیہ ہیں اور یہ کہ مافوق الاسباب طریقہ پر ''مختار کل'' اور ''متصرف فی الامور'' صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور نیز "فالمدبرات امراً" کی احسن طریق پر تفسیر کر دی گئی ہے اور معجزات وکرامات اور مافوق الاسباب تصرفات کے سلسلہ میں فریق مخالف کے (''دل کا سرور'' کے جواب میں لکھی گئی کتاب ھدیۃ الاحباب فی التصرف مافوق الاسباب المعروف ''نورِ ہدایت'' مصنفہ مولوی سید حسین الدین شاہ بریلوی میں) جملہ پیش کردہ استدلالات کے مسکت جوابات دیے گئے ہیں اور حضرت مرشدنا ومولانا حسین علی رحمہ اللہ پر "بلغۃ الحیران" کی ایک عبارت کے پیش نظر فریق مخالف کی طرف سے جو اعتراض کیا گیا ہے اس کا دندان شکن جواب بھی دیا گیا ہے جو اسی کتاب میں آپ کو ملے گا۔علاوہ ازیں متعدد

ابحاث اس میں مذکور ہیں جو بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔

﴿44﴾ حضرت **ملا علی قاری** اور مسئلہ ''**علم غیب**'' و ''**حاضر وناظر**'':

۱۳۸٦ھ میں حضرت اقدس داداجان رحمہ اللہ کو لائیلپور (فیصل آباد) میں ایک مولانا صاحب ملے اورانہوں ایک بریلوی مولوی کے حوالے سے بتایا کہ اُس نے اپنی کتب میں مسئلہ ''علم غیب'' اور ''حاضر وناظر'' میں حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ کو اپنا ہم خیال وہم مسلک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ ''حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں موجود اور حاضر ہوتی ہے'' الخ۔اس پر دادا جان نے حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ کا مسلک اور نظریہ واضح کرنے کی خاطر یہ رسالہ تصنیف فرمایا۔

اس رسالے میں حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی کتب سے واضح اور شفاف عبارات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس کے علاوہ کسی بھی ذات کو ''عالم الغیب'' اور ''حاضر ناظر'' نہیں مانتے، بلکہ دوٹوک الفاظ میں اُن کا یہ نظریہ اُن کی کتب میں موجود ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب اور حاضر وناظر ہے۔اوران صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔نیز علم غیب کا مفہوم اور دیگر کئی چیزیں بھی ضمناً بیان کی گئی ہیں۔

﴿12﴾......﴿رد منکرین حدیث﴾......

برصغیر کے اندر ترک تقلید کی ترقی یافتہ صورت میں فتنۂ انکارِ حدیث نمودار ہوا۔منکرین حدیث میں ''سرسید احمد خان''، ''مولوی عبداللہ چکڑالوی''، ''حافظ اسلم جیراجپوری''، ''نیاز فتح پوری''، ''عنایت اللہ مشرقی''، ''غلام احمد پرویز'' اور ''ڈاکٹر غلام جیلانی برق'' کے نام نمایاں ہیں۔[جیلانی صاحب تائب ہو چکے ہیں۔] جنہوں نے حدیث کو تاریخ اورامت کے اندر انتشار قرار دے کر اس کی شرعی حیثیت سے انکار کر دیا۔چنانچہ داداجان رحمہ اللہ ''انکار حدیث کے نتائج'' کے آغاز میں سبب تالیف بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس ناچیز تالیف کا سبب یہ ہے کہ کافی عرصہ سے منکرین حدیث کی طرف سے حدیث کو ناقابل اعتبار قرار دینے کے لیے نت نئے شوشے چھوڑے جاتے ہیں۔کبھی یہ کہ حدیث ظنی چیز ہے اور ظنی چیز دین نہیں ہوسکتی۔کبھی یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مستند مجموعہ لکھ کر امت کے حوالے نہیں کیا، اگر حدیث حجت ہوتی تو آپ کیوں منع کرتے؟ کبھی یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خصوصیت سے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما حدیثوں کے اشد مخالف تھے، حتیٰ کہ انہوں نے تو حدیثوں کے مجموعے ہی جلا ڈالے تھے اور حدیث بیان کرنے والوں پر سخت نگرانی اور کڑی پابندی عائد کر دی تھی'' وغیرھم ذالک''۔

ان کے مختلف بے ہودہ اورفرسودہ نظریات دیکھ کرافسوس بھی ہوتا ہے اورحیرت بھی کہ انہوں نے حدیث کے انکار کے لیے بیشتر وہی دلیلیں پیش کی ہیں جو کسی وقت عیسائی اوراسی طرح باطل اور بدمذہب فرقے پیش کر چکے ہیں۔شراب تو وہی پرانی ہے البتہ بوتلوں کی رنگت بالکل نئی ہے۔[انکار حدیث کے نتائج ص٦]

﴿45﴾ **''صرف ایک اسلام''** بجواب ''دو اسلام'':

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کسی دور میں منکرین حدیث ہو گئے تھے،اس وقت انہوں نے ''دو قرآن'' اور''دو اسلام'' کے نام سے دو کتابیں لکھیں، دادا جان رحمہ اللہ تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں ملتان جیل میں تھے کہ آپ کو ان میں سے ایک کتاب ''دو اسلام'' ملی، آپ نے جیل ہی میں اس کا جواب لکھا، رہائی کے بعد اسے شائع کیا، جسے پڑھ کر جیلانی صاحب نے اپنے باطل نظریات سے رجوع کیا اور بعد میں ''حجیتِ حدیث'' کے نام سے کتاب لکھی۔

اس کتاب میں میں قرآن کریم، صحیح احایث اورصدہا تاریخی اور عقلی دلائل سے غلام جیلانی صاحب برق کی پیچ در پیچ غلطیوں اور مغالطہ آفرینیوں کے دندان شکن جوابات دے کرامت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کفر والحاد اور زندقہ سے محفوظ رکھنے کا صحیح راستہ اورمقام بتلایا گیا ہے۔

<u>استاد العلماء، شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:</u>

یہ کتاب مسٹر غلام جیلانی برق کی کتاب دو اسلام کی تردید میں لکھی گئی ہے مسٹر موصوف بظاہر منکر حدیث اوردر پردہ منکر اسلام معلوم ہوتا ہے اس نے شانِ برقیت کی نمود کے جوش میں احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم یاخرمن اسلام پر جو 36 (چھتیس) تیر برسائے ہیں اس کتاب میں ان کا محققانہ اور دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

<u>حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:</u>

منکرین حدیث کے مقابلہ کی تحریر بھی پڑھی، سبحان اللہ بہت ہی تحقیق کے ساتھ آپ نے مواد قلمبند فرمایا ہے۔

﴿46﴾ **انکار حدیث کے نتائج:**

جس میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے منکرین حدیث کی مختلف کتابوں اوررسالوں سے خود ان کی اپنی عبارات اورتحریرات کے آئینہ میں اُن کے عقائد واعمال اور افکار ونظریات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اُن کا دعویٰ تو صرف حدیث کے انکار کا ہے لیکن اصول دین کو کوئی چیز ایسی باقی

نہیں رہ جاتی جس کا انکار ان کے کسی طبقہ نے نہ کیا ہو۔اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جامعیت پر قدر مفصل بحث کی گئی ہے۔نیز دیگر اہم گوشوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔اور منکرین حدیث کے باطل خیالات کا خوب جائزہ لیا گیا ہے۔

﴿47﴾شوقِ حدیث:

جس میں بڑی محنت اور جستجو کے ساتھ کتب حدیث، کتب اسماء الرجال (بیوگرافی) اور مستند کتب تاریخ وسیر سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تحصیل علم حدیث میں حضرات محدثین کرام رحمہم اللہ کو بے حد محنت اور بڑی مشقت اور تکالیف ومصائب کا سامنا ہوا ہے اور ایک ایک حدیث کے لیے ان میں سے بعض نے دور دراز کے اسفار طے کیے ہیں نیز محدثین کرام کی قوت یاداشت اور یاد کی ہوئی احادیث میں ان کے امتحانات اس کے ساتھ ان کی عبادت، شب بیداری، مذاکرۂ حدیث، دین کے بے لوث خدمت، وعظ ونصیحت وغیرہ ایسی بے شمار باتوں کا باحوالہ بیان کیا گیا ہے جو قارئین کرام کو آسانی کے ساتھ بڑی بڑی کتابوں میں بھی یکجا دستیاب نہیں ہوسکیں گی۔ہم نے ذات خداوندی پر بھروسہ کرتے ہوئے بڑی کوشش اور کاوش اور تحقیق اور عرق ریزی سے ان جواہر پاروں کو قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ کرنے کے لیے مرتب کیا ہے۔"واما بنعمة ربک فحدث"

﴿13﴾..................﴿رد یزیدیت﴾..................

رافضیت کے ردعمل میں خارجیت کا فتنہ نمودار ہوا، جس کے سکہ بند طبقہ نے تو کھل کر خلافت علی، صحابیتِ حسنین اور سیدہ فاطمہ کے خاتون جنت ہونے سے انکار کردیا۔ بلکہ ان عنوانات سے متعلق احادیث صحیحہ سے بھی برأت ظاہر کردی۔لیکن ان کے نچلے طبقہ نے اپنی سرگرمیاں صرف عدالت یزید ثابت کرنے تک ہی محدود رکھیں اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ''فسقِ یزید'' کے بارہ میں جمہور ائمہ اہل السنۃ کے فیصلہ کو شیعی اثرات کا نتیجہ قرار دے دیا۔یاد رہے کہ برصغیر کے اندر حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے لے کر (شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبدالعزیز دہلوی، سید احمد شہید، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی، علامہ انور شاہ کشمیری اور مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سمیت) امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ تک تمام اکابرین اہل السنۃ ''فسقِ یزید'' پر متفق ہیں اور کسی کو بھی اس سے اختلاف وانکار نہیں۔چنانچہ احقر کے والد مکرم مدظلہ کی مرتب کردہ ''حق چار یار جنتری'' 1991ء میں درج حوالہ جات اور اس کے علاوہ دیگر کتب جو احقر نے خود دیکھیں ان کے مطابق

''مکتوبات[مترجم] مجدد الف ثانی[بحوالہ ''آفتاب ہدایت'']، فتاویٰ عالمگیری مقدمہ ص 2 1 / 1 1]، ''حجۃ اللہ البالغۃ'' از شاہ ولی اللہ، ''فتاویٰ عزیزی'' [اردو][ص 222] و ''تحفہ اثنا عشریہ'' [ص 11] از شاہ عبدالعزیز، ''مجموعہ فتاویٰ مترجم'' [ص 151] از علامہ عبدالحی لکھنوی، ''صراط مستقیم مترجم'' [ص 123] از شاہ اسماعیل شہید، ''مکتوبات سید احمد مترجم'' [مکتوب 50، 268] از سید احمد شہید، ''قاسم العلوم'' [مترجم][ص 173]، و ''اجوبہ اربعین'' [ص 185] از حضرت نانوتوی، ''فتاویٰ رشیدیہ'' [ص 78، 50] و ''ہدایۃ الشیعہ'' [ص 55] از حضرت گنگوہی، ''مکتوبات شیخ الاسلام'' از حضرت مدنی[288]، ''امداد الفتاویٰ'' از حضرت تھانوی[465/4]، ''اکفار الملحدین مترجم'' [ص 28] از حضرت کشمیری، ''اعلاء السنن'' از علامہ ظفر احمد عثمانی[618]، ''فتاویٰ مفتی محمود'' [320/1.... 250/1]، ''سواطع الالہام'' 103] از امیر شریعت، ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' از حضرت لدھیانوی[230/1] اور ''خارجی فتنہ'' از مولانا قاضی مظہر حسین وغیرہ کتب میں اکابرین نے یزید کو فاسق، فاجر، پلید، بدبخت اور شرابی لکھا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے جمہور ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کا ''فسقِ یزید'' پر اجماع ہے، البتہ اس کے کفر کے بارے میں سکوت کا مسلک ضرور ہے، اسی لیے اُس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ تعالیٰ نہ صرف قرآن وسنت اور فقہ کے مسائل میں اپنے اکابرین کے پیروکار تھے، بلکہ تاریخ کے بھی تمام افکار ونظریات میں وہ اپنے اکابر کے کفش بردار ہی تھے۔ چنانچہ آپ اپنے تلامذۃ ومریدین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عزیزان گرامی قدر!

میں کسی مسئلہ میں بھی اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا بلکہ قرآن وسنت اور فقہ وتاریخ کے تمام افکار ومسائل میں اکابرین علماء دیوبند کی اجماعی تحقیق پر اعتماد کرتا ہوں۔ اور ان کی تمام اجماعی تعلیمات کو حق جانتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہونے کو اپنے لیے ہدایت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

چنانچہ ''فسقِ یزید'' کے مسئلہ میں بھی حضرت دادا جان رحمہ اللہ نے اپنے اکابرین کا نظریہ ہی اپنایا۔

چنانچہ اپنی مایہ ناز تصنیف ''آنکھوں کی ٹھنڈک'' [ص146] میں ''یزید'' کو ''فاسق'' لکھا ہے۔[دیکھیے مضمون مولانا عبدالجبار سلفی صاحب] اور جب آپ سے اس بارے میں فتویٰ طلب کیا گیا تو آپ نے اپنی نگرانی میں درج ذیل فتویٰ اپنی تائید ودستخط سے جاری کرایا، جو ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ [جلد 2 شمارہ 1 نومبر 1996ء] میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

یزید کے متعلق اکابر علماء دیوبند کا نظریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاستفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ

اکابر اہل السنۃ اور اسلاف دیوبند کا یزید کے بارہ میں کیا نظریہ ہے؟ وہ خلیفہ راشد تھا یا نہیں؟ اور اس کو فاسق وپلید کہنا کیسا ہے؟ نیز واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ میں یزید ملوث تھا یا نہیں؟ واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔ بینوا وتوجروا

سائل عبدالقیوم طاہر، عرفات ٹاؤن گوجرانوالہ

الجواب ومنہ الصدق والصواب

(۱) آج تک کسی نے یزید کے دور حکومت کو خلافت راشدہ میں شمار نہیں کیا اور نہ ہی اس کو خلیفہ راشد کہا ہے۔

(۲) تاریخی حقائق کی روشنی میں یزید کا فسق تواتر تک پہنچا ہوا ہے، اس بنا پر علماء محدثین نے اس کے فسق کا اظہار کیا ہے، مشہور حنفی عالم علامہ ابوبکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں یزید کے فسق کا اظہار کیا ہے ملاحظہ ہو ''احکام القرآن ص 119'' مذہب حنفی کے بلند پایہ محدث حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فسقِ یزید کا اظہار کیا ملاحظہ ہو ''شرح فقہ اکبر ص88'' اکابر علماء دیوبند میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو ظالم اور پلید لکھا ہے ملاحظہ ہو ''فیوض قاسمی ص 32'' ''اجوبہ اربعین ص3 ج2''، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو فاسق لکھا ہے ملاحظہ ہو ''فتاویٰ رشیدیہ ص10 ج1''، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو فاسق لکھا ہے ملاحظہ ہو ''امداد الفتاویٰ ص416 ج4''۔

(۳) واقع کربلا اور واقع حرہ یزید کے دور حکومت میں ہی ہوئے اس لیے اس کو ان واقعات سے بالکل علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، ان کی ذمہ داری اسی پر آتی ہے، کیونکہ ان واقعات میں ملوث کسی کو اس نے

سزا نہیں دی، واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالشکور عفا اللہ عنہ — الجواب صواب

دارالافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ — ابوالزاہد محمد سرفراز

۷/۲/۱۴۰۸ھ — صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مہر دارالافتاء مدرسہ نصرۃ العلوم — ۷صفر ۱۴۰۸ھ یکم اکتوبر 1980ء

۞......۞......۞......۞......۞

جیسا کہ راقم اپنے تفصیلی مضمون میں عرض کر چکا ہے کہ گزشتہ سے پیوستہ سال خادم نے والد مکرم مدظلہ کی کتاب ''برصغیر میں اسلام کی آمد واشاعت......اور......اسلامی عقائد ونظریات'' مکمل پڑھ کر سنائی، تو دادا جان رحمہ اللہ نے اس کی نہ صرف پوری پوری تائید وتصویب فرمائی بلکہ اسے طلباء کے لیے نہایت نفع مند اور ضروری قرار دیا۔ اسی کا ایک باب جو ''فسقِ یزید'' سے متعلق ہے پیش خدمت ہے:

فسقِ یزید

......﴿ یزید کو اپنے بعد ولی عہد مقرر کرنا سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ کی اجتہادی خطا تھی، کیونکہ واقعاتی طور پر وہ امت کے مفاد میں نہیں رہی بلکہ امت کو اس سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا، البتہ اس تقرر میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بددیانتی، خودغرضی یا مفاد پرستی کا دخل ہرگز نہ تھا، انہوں نے وقتی مصلحت کے تحت یہ فیصلہ پوری دیانت داری کے ساتھ کیا تھا۔

......﴿ تقرر کے وقت عملی اعتبار سے یزید اچھی پوزیشن میں تھا لیکن تقرر کے بعد مفاد پرست ''مشاورت'' کی وجہ سے اس میں عملی خرابیاں پیدا ہوگئیں، جس کی ذمہ داری سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں ڈالی جاسکتی۔

......﴿ واقعہ کربلا میں شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی اصل ذمہ داری اگرچہ گورنرِ کوفہ عبیداللہ بن زیاد پر ہے، لیکن یزید کو بھی بحیثیت حکمران وقت اس سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ اُس نے نہ ابن زیاد کو اس جرم میں معزول کیا اور نہ سزا دی۔

......﴿ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ پر چڑھائی، ان کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی قتل وغارت گری بھی یزید کا سیاہ کارنامہ ہے۔

......﴿ جمہور اہل السنۃ اور تمام اکابرین دیوبند کے نزدیک یزید ''فاسق وفاجر'' تھا البتہ اُس پر لعنت کرنا

درست نہیں۔اسی لیے امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یزید کو''امیر المؤمنین'' قرار دینے والے شخص کو 20 کوڑوں کی سزا دی۔[لسان المیز ان ج6 ص 294]

......﴾ تاریخی اعتبار سے یزید کو فاسق قرار دینے کے تین اسباب بیان کیے گئے ہیں، پہلا یہ کہ وہ ذاتی طور پر شدید قسم کی معصیتوں میں مبتلا تھا۔دوسرا یہ کہ وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ''واقعۂ کربلا'' کے جرم میں ملوث تھا۔تیسرا یہ کہ اس نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کی حرمت پامال کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سمیت ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

......﴾ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وصحابیت کی آڑ میں''فسقِ یزید'' سے انکار، یا ''فسقِ یزید'' کی آڑ میں امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین وتحقیر دونوں گمراہی ہیں۔واللہ اعلم [برصغیر میں اسلام کی آمد واشاعت.....ص 172]

تکبیر اولیٰ کا اہتمام

مدرسہ نصرۃ العلوم میں حفظ کے استاد اور قاری محمد عبداللہ صاحب کے صاحب زادے قاری محمد عبیداللہ عامر فرماتے ہیں''میں نے 1984ء میں مدرسہ نصرۃ العلوم سے دورہ حدیث کیا، حدیث کے سبق میں کسی نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو طلباء کی شکایت لگائی کہ طلباء نماز میں سستی کرتے ہیں، اس پر حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا میرا یہاں گھر نہیں ہے۔اگر میں یہاں رہتا ہوتا تو پھر دیکھتا کہ طلباء نماز میں کیسے سستی اور کوتاہی کرتے ہیں اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا:''الحمد للہ 53 برس سے میری تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔'' کہنا اور سننا آسان ہے مگر 53 برس تکبیر اولیٰ کا اہتمام ہم جیسوں کے لیے ناممکن ہے، یہ بات حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے 1984ء کو بیان کی اس کے بعد جب تک صحت ٹھیک رہی اور حضرت مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے آتے رہے۔اس وقت تک نماز کا باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ اہتمام فرماتے رہے۔

1984ء کے بعد اگر حضرت کی صحت کا باقی زمانہ بھی شامل کرلیا جائے تو کل 70 برس بنتے ہیں، 70 برس تک تکبیر اولی کا اہتمام، اسی کی برکت تھی کہ حضرت کی تقریر اور تحریر میں اتنا اثر تھا کہ ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں کتب کے مطالعہ سے انقلاب آیا اور شرک وبدعت اور باطل نظریات سے توبہ کی۔

باب 7

منتخب مکاتیب و مضامین

حضرۃ امام اہل السنۃ نور اللہ مرقدہ

تلامذۃ، مریدین، معتقدین کے نام لکھے گئے چند خطوط

اور

اصلاح امت کے لیے لکھے گئے چند نایاب قیمتی مضامین

مکتوب امام اہل سنتؒ بنام مولانا زاہد الراشدی

سنا ہے کہ دیوبندی بریلوی مصالحت ہوا چاہتی ہے۔ راقم کا وہ بیان جو جناب نیازی صاحب کے نکات کے جواب میں تھا، ابھی تک کیوں شائع نہیں ہوا؟ یہ بہت غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ چونکہ ان کے ''کنز الایمان''، ''خزائن العرفان'' اور مولویوں پر پابندی ہے، وہ اس بھنور سے اس حیلہ اور تدبیر سے اپنی راہ ہموار کرتے ہیں کہ ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' کو سامنے رکھ کر اپنا کام ڈھیلے ڈھالے دیوبندیوں کے ذریعے نکالیں۔ اگر وہ اس پر فیصلہ چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے یہ شرط ہوگی کہ وہ یہ تحریر کردیں کہ تمام علمائے دیوبند مسلمان ہیں اور ہم ان کی تکفیر کرنے والوں کی تائید نہیں کرتے۔ اگر عبارات کا مسئلہ سامنے آئے تو ہماری طرف سے یہ شرط ہے کہ ان کے اکابر کی جو عبارات خلاف شرع اور قابل اعتراض ہیں، ان کی بھی وہ اصلاح کریں۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارے اکابر کی عبارات خلاف شرع اور قابل اعتراض نہیں ہیں تو ہمارا یہ مطالبہ ہے کہ اس کے لیے فریقین ثالث مقرر کریں جن میں علماء کے علاوہ جج صاحبان بھی ہوں۔ جو فیصلہ وہ کریں سب کو منظور ہو۔ اگر ہماری پیش کردہ شرائط وہ تسلیم نہیں کرتے تو ون وے ٹریفک اور ایک ہاتھ سے تالی بجانے کے ہم قائل نہیں ہیں۔ ہم اس کو کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ وہ تو بدستور ہمارے اکابر کی تکفیر کرتے رہیں اور ہم بے غیرت ہوکر برداشت کرتے رہیں اور ان کا وقت پاس ہوجائے۔ ان مذکورہ شرائط کے خلاف صلح کرنے والے دیوبندیوں کی ہم علی الاعلان مخالفت کریں گے۔ ان شاء اللہ العزیز۔ [حضرت امام اہل سنتؒ]

﴿1﴾......﴿شیخ الحدیث مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے نام﴾......

14 اگست 1968ء

الیٰ محترم المقام جناب حضرت مولانا صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ کہ کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور طبع ہوچکی ہے ایک نسخہ ہدیۃً بذریعہ رجسٹری پارسل ارسال خدمت ہے۔ اپنی زریں رائے مبارک اورقابلِ اصلاح مواضع کی اصلاح سے جلدی آگاہ فرمائیں تاکہ اور آراء کے ساتھ اسکی بھی جلدی طباعت ہوجائے اور تصدیقات کتاب کے ساتھ شامل کردی جائیں۔ جتنی جلدی ہوسکے بہتر ہوگا۔ صحت ان دنوں بفضلہٖ تعالیٰ قدرے اچھی ہے مزید دعا فرمائیں۔

والسلام احقر محمد سرفراز گکھڑ گوجرانوالہ

نوٹ: اس خط کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے جو جواب بھیجا وہ ''تسکین الصدور'' کے ابتدائی صفحات پر علماء کی آراء وتقاریظ کے ساتھ شائع ہوچکا ہے۔

﴿2﴾......﴿شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کے نام﴾......

4 ذوالقعدہ بمطابق 23 جنوری 1969ء

الیٰ محترم المقام جناب حضرت مولانا......................................صاحب دام مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی!

ماہنامہ الحق کوخراجِ تحسین، عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے آپ کا مایہ ناز رسالہ ''الحق'' مستقل مطالعہ کرنے کا موقع نہیں مل سکتا کبھی کبھار کوئی مضمون سامنے آجاتا ہے۔ الحمدللہ تعالیٰ بہت اچھے انداز سے آپ اسے مرتب فرماتے اور مضامین لکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مزید سے مزید احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

ماہِ مارچ 1975ء کے شمارہ میں حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدرس ومفتی دارالعلوم حقانیہ کا دعا کے بارے میں ایک مضمون ہے۔ جو صفحہ 48 سے شروع ہوتا ہے اور صفحہ 54 پر ختم ہوتا اس میں بعض امور

اپنے اکابر کی تحقیق اور عمل کے سراسر خلاف ہیں اور پھر صوبہ سرحد میں بعض بلکہ اکثر علاقوں میں اس پر اصرار کرنے والوں کے لیے حقانیہ کے مفتی صاحب کا یہ فتویٰ سونے پر سہاگہ کا کام دیگا اس لیے اکابر کی تحقیق کے پیشِ نظر خیر خواہی کے طور پر گزارش ہے کہ مفتی محمد فرید صاحب لکھتے ہیں ''علماء پر مخفی نہیں کہ خیر القرون میں ہیئت مروجہ سے (کہ امام اور قوم ہاتھ اٹھائیں) دعا کرنا معمول نہ تھا نہ فرائض کے بعد اور نہ سنن مؤکدہ کے بعد نہ اللهم انت السلام پڑھنے کے وقت اور نہ دیگر ذکرودعا کرنے کے وقت ومن ادعیٰ فعليه الدليل ولن يأتوا به ولو كان بعضهم لبعض ظهيراً (الخ بلفظہٖ ص ۵۲) نیز لکھتے ہیں ''پس ہیئت اجتماعی کے ساتھ دعا کرنا فرائض کے بعد ہو یا رواتب کے بعد بدعت ہے جبکہ بطور التزام جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے (ص ۵۴) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب سنن اور نوافل کے بعد اجتماعی صورت میں دعا ثابت کرنے کے لیے پہلے تو فرائض کے بعد کی دعا کو کمزور کرتے ہیں پھر فرائض اور رواتب کے بعد کی اجتماعی طور پر دعا کو (جو ان کا مقصد) ایک سا درجہ دیتے ہیں اور پھر بلا وجہ چیلنج بازی پر اتر آئے ہیں۔ مفتی ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کا مشہور رسالہ نفائس مرغوبہ اسی مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو پر لکھا گیا ہے۔ اور دیگر متعدد اکابر کی اس پر تصدیقات بھی ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرائض کے بعد اجتماعی صورت میں دعا جائز اور ثابت ہے اور سنن ونوافل کے بعد اجتماعی صورت میں دعا بدعت اور مکروہ ہے۔ راقم اس پر حوالے اور عبارات نقل کرنا تطویل سمجھتا ہے اسی رسالہ کا مطالعہ کرلیا جائے اور نور الایضاح وغیرہ کی مجمل عبارت پر بنیاد رکھ کر اس بدعت کو ہرگز تقویت نہ پہنچائی جائے وماعلینا الا البلاغ۔ حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور دعوات صالحات کی التجاء پیش کریں راقم اثیم بھی بفضلہٖ تعالیٰ دعا گو ہے۔ (حضرت مفتی محمد فرید صاحب نے بعض روایات کے ترجمہ میں بھی مطلب براری سے کام لیا ہے مگر ہمارا مقصد مناظرانہ موشگافیوں سے گریز کرتے ہوئے صرف اکابر کے مسلک کی حفاظت کرنا ہے۔ واللہ علیٰ ما نقول وکیل)

والسلام......احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

صدر مدرس: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

وخطیب جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

......﴿جمعیۃ کے دو دھڑوں میں مصالحت کی کوشش﴾......

باسمہ سبحانہٗ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب حضرت العلام مولانا الحاج سمیع الحق صاحب دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیر و عافیت سے ہونگے۔ اللہ تعالیٰ عافیت ہی رکھے آمین۔ محترم جب آپ تشریف لائے تھے تو میں نے جمعیۃ کے دو دھڑوں میں مصالحت کی التجاء کی تھی آپ کے انداز بیان میں خاص لچک تھی اس کے بعد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدرسہ نصرۃ العلوم تعزیت کے سلسلہ میں حاضر ہوئے چونکہ دن کا وقت تھا اور اخبارات میں بھی انکی آمد کی اطلاع طبع ہو چکی تھی بنا بریں علماء کرام اور عوام کی خاصی تعداد جمع ہوگئی۔ تعزیت اور طلبہ کو تعلیم پر توجہ کرنے کے بارے میں چند منٹ بیان بھی ہوا۔ راقم الحروف نے ان سے مصالحت کے بارے میں گفتگو کی انہوں نے یہ تحریر لکھ کر مجمع کے سامنے پڑھی اور میرے حوالہ کی جس میں غیر مشروط طور پر شرکت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جس پر حاضرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی مجمع برخاست ہونے کے بعد ایک بزرگ نے جو مکہ مکرمہ سے آئے تھے مجھے الگ کر کے یہ کہا کہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے تو ایثار وقربانی کا ثبوت دیدیا ہے۔ مگر مولانا سمیع الحق صاحب آمادہ نہیں ہونگے میں نے تعجب کے طور پر کہا کیوں؟ انہوں نے کہا دیکھ لینا، پھر فیصل آباد کے ایک صاحب نے بھی ایسی ہی بات کہی جس سے راقم نے یہ اندازہ لگایا کہ ان کا ذہن یہ بن چکا ہے یا بنا دیا گیا ہے کہ مصالحت میں رکاوٹ صرف مولانا سمیع الحق صاحب ہیں۔ راقم اثیم خود تو معذور ہے ورنہ اس اصلاحِ بین الناس کے کارِ خیر میں خود حاضر ہوتا اس لیے اپنے لڑکے قاری محمد اشرف ماجد کو خدمت اقدس میں بھیجا جا رہا ہے اور راقم اثیم کو آپ سے اس ایثار اور قربانی سے زیادہ کی توقع ہے جس کا اظہار مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے کیا ہے اگر ایسی پر امید تحریر آپ عنایت فرما دیں تو پھر اگلا قدم اٹھانے اور مصالحت میں کوئی دیر نہیں بہت جلد یہ دینی قوت جمع ہو جائے گی اور اتفاق و اتحاد کی برکت سے دینی اور دنیوی کامیابی حاصل ہوگی وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ حاضرین مجلس سے سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں بفضلہٖ تعالیٰ یہ عاصی وخاطی بھی داعی ہے۔

والسلام   احقر محمد سرفراز از گکھڑ 26 جمادی الاخریٰ 1401ھ / بمطابق 24 جنوری 1990ء

......﴿جمعیۃ علماء اسلام کے اتحاد کے لیے اکابر علماء کی اپیل﴾......

بخدمت جناب اکابرین وزعماء جمعیت علماء اسلام پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت ملک کے حالات جو رخ اختیار کر رہے ہیں اور دینی اقدار کے خلاف جو سازشیں بین الاقوامی اور ملکی سطح پر منظم انداز میں آگے بڑھ رہی ہیں، ان کے پیشِ نظر اسلام کی سربلندی ملکی سالمیت قومی خود مختاری کے لیے علماء حق کی جدوجہد کے تسلسل کو باقی رکھنے کی غرض سے اکابر اہلِ حق کی روایات کی امین اور علماءِ حق کی نمائندہ جماعت جمعیت علماء اسلام پاکستان کا اتحاد وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اور ملک بھر کے علماء کرام اور جماعتی کارکنوں کے دلوں کی آرزو ہے، اس لیے ہم جمعیۃ علماء اسلام کے دونوں دھڑوں کے ذمہ دار حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ خدا کے لیے وقت کی سنگینی کا احساس کریں اور باہم مل بیٹھ کر جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کے لیے عملی اقدامات کریں۔ ہم اس سلسہ میں جماعتی اتحاد کے لیے اپنے تعاون کا یقین دلاتے ہیں اور دونوں جمعیتوں کے ذمہ دار حضرات سے فوری اور مؤثر پیشِ رفت کی اپیل کرتے ہیں۔ جماعتی اتحاد میں جو رکاوٹیں ہیں، انہیں دور کرنے کے لیے دونوں جمعیتوں کے ذمہ دار حضرات مل بیٹھ کر کوئی راستہ نکالیں اور اس کارِ خیر میں تاخیر نہ فرمائیں۔ نیز اس موقع پر اس امر سے بھی خبردار کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جمعیۃ کے متحد نہ ہونے کی صورت میں پاکستان میں دینی جدوجہد کو جو نقصان ہوگا اس کی ذمہ داری دونوں جمعیتوں کے ذمہ دار حضرات پر ہوگی۔ اور وہ عنداللہ اور عند الناس اس ذمہ داری سے سرخرو نہیں ہوسکیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ذمہ دار اور متعلقہ حضرات اس کے مثبت جواب سے جلد نوازیں گے۔ اس سلسلہ میں دونوں جمعیتوں کے ذمہ دار حضرات سے رابطہ کے لیے ہماری طرف سے وفد تشکیل دیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اتحاد واتفاق اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف خان، امیر آل جموں کشمیر جمعیۃ علماء اسلام، شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر، شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ پاکستان، حضرت السید مولانا نفیس الحسینی شاہ دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت رائے پوری رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان مدظلہ جامعہ امدادالعلوم صدر روڈ پشاور...... 17 شعبان 1415ھ

......﴿مسلک حق کے علماء کا دینی اتحاد مجلس عمل﴾......

محترم ومکرم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مسلک حق کی تمام جماعتوں کا متحدہ دینی محاذ ''مجلس عمل علماء اسلام پاکستان'' کے نام سے 1997ء میں تشکیل پایا تھا۔ جس کے ذریعہ تمام جماعتوں کے درمیان اتحاد و یگانگت کی فضاء قائم کرنے کے سلسلہ میں اہم پیش رفت ہوئی اور مجلس عمل کے اعلیٰ اہداف ومقاصد کے حصول کے لیے ذہن سازی ہوئی۔۔۔افسوسناک امر یہ ہے کہ پریس کے عدمِ تعاون کی وجہ سے اس کی سرگرمیاں عامۃ المسلمین تک نہ پہنچ سکیں۔ موجودہ حالات کی روشنی میں مجلس عمل کے کردار کا تعین اور اہداف کے حصول کی خاطر اپنی جدوجہد کو منظّم کرنے کے لیے تمام جماعتوں اور اداروں کے مرکزی رہنماؤں کا اہم مشاورتی اجلاس (27 ستمبر بدھ صبح دس بجے بمقام مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن جامع مسجد کبریٰ نیوسمن آباد لاہور) میں منعقد ہوگا۔ آپ کو خصوصی دعوت دی جارہی ہے امید ہے شرکت فرما کر مسلک حق کے اتحاد و یگانگت کے سلسلہ میں مجلس عمل علماء اسلام کیساتھ اپنی وابستگی کا ثبوت دیں گے۔

والسلام   ابوالزاہد محمد سرفراز

(امیر مجلس عمل علماء اسلام پاکستان)

7 جمادی الاخریٰ 1421ء بمطابق 7 ستمبر 2000ء

﴿3﴾......﴿مولانا عبدالقیوم حقانی کے نام﴾......

حقائق السنن شرح آثار السنن پر تبصرہ وتعارف

مبسملا ومحمدلا و مصلیا و مسلما اما بعد!

اسلام کا مدار اور اساس قرآنِ حکیم کے بعد حدیث شریف ہے۔ حدیث کی تشریح کے بغیر فہم قرآن کریم ناممکن ہے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرات محدثین کرامؒ اور حضرات فقہاءِ عظامؒ کو کہ انہوں نے اپنی زندگیاں حدیث کی خدمت کے لئے وقف کیں۔ ایک گروہ نے سند روایت اور راستہ کی حفاظت کی اور دوسرے طبقہ نے متن، درایت اور منزل کی نگرانی کی اور اُمت کے لئے سہولت پیدا کر کے دین کو سمجھنا اور

اس پر چلنا آسان بنا گئے۔ علم حدیث کی بے شمار کتابیں ہیں، ان میں چھ کتابیں صحاحِ ستہ کے نام سے مشہور ہیں، ان میں ایک سنن ترمذی ہے جو اپنے نرالے انداز اور فوائد کے لحاظ سے بقیہ کتب سے ممتاز ہے جن میں سے بعض یہ ہیں :

۱۔ حضرت امام ترمذیؒ کے نقل کردہ تمام احادیث کے بارے میں الا ماشاءاللہ صحیح، حسن، صحیح غریب، حسن غریب وغیرہ کے الفاظ سے حدیث کے صحت وسقم کے بارے میں اپنی دانست کے مطابق رائے بیان فرمادیتے ہیں۔

۲۔ و فی الباب عن فلاں ...... الخ فرما کر یہ واضح فرمادیتے ہیں کہ اس باب میں اور اس مضمون کی حدیث فلاں فلاں صحابی سے مروی ہے، جس سے باب کی حدیث کی تقویت کے علاوہ کھوج لگانے والے کے لئے کافی آسانی پیدا ہوتی ہے کہ وہ ان دیگر روایات کی جستجو کر سکتا ہے۔

۳۔ جب حدیث کا ضعف بیان فرماتے ہیں تو اس کی سند میں متکلم فیہ راوی کی نشاندہی فرما کر حضرات محدثینِ کرام سے اس پر جرح نقل کرتے ہیں جس سے متعلّم کو فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ کم وبیش ہر اختلافی حدیث کے بارے میں فقہی مذاہب بیان فرماتے ہیں کہ فلاں امام کا اس بارے میں یہ نظریہ ہے اور فلاں کی یہ رائے ہے، گویا ایک ساتھ روایت اور درایت، سند اور متن کا مفہوم سامنے آجاتا ہے، اس کے علاوہ اور بہت سے فوائد ہیں یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے۔

ترمذی کی بے شمار شروح اور حواشی ہیں جن کا اجمالی اور سرسری تذکرہ بھی خاصہ وقت خور ہے، اکثر مدارس میں مسالک اور مذاہب کی بیشتر تحقیق ترمذی کی تدریس میں ہوتی ہے، طلبۂ کرام کی سہولت کے لئے اردو زبان میں بھی اس کی شرح وقت کی اہم ضرورت تھی اور ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ان حضرات خصوصاً (حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دام مجدھم اور حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دام مجدھم) کو جنہوں نے کہنہ مشق استاذ اور اپنے دور کے بہترین معلم اور نمونۂ سلف شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کی تقریر ترمذی کو مرتب کر کے مزید حواشی سے مزین کر کے زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے۔ راقم اثیم نے اس کا تھوڑا سا حصہ دیکھا ہے مگر دیگ کا ایک دانہ بھی بقیہ دانوں کی حالت پر دال ہوتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو حضرت ممدوح کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور جملہ معاونین اور

مرتبین کو نیک صلہ عطا فرمائے اور طلبۂ علم کے لئے اسے روشنی کا مینار بنائے اس سے استفادہ کرنے کا موقع بخشے۔آمین ثم آمین۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ رسولہ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ و اصحابہ و اتباعہ الیٰ یوم الدین

ارباب علم وکمال اور پیشۂ رزقِ حلال

مبسملاً و محمدلاً ومصلیا و مسلما، اما بعد!

مذہب اسلام سچا اور عالمگیر مذہب ہے۔اس کے اُصول وفروع عین فطرت کے مطابق ہیں۔ہر باہوش اور عقلمند کو نجات کی دعوت دیتا ہے اور کارِ خیر کی احسن طریقہ سے ترغیب دیتا ہے، جس سے بہتر طریقہ عقلاً متصور نہیں قوموں اور ملکوں، پیشوں اور حرفتوں کے اکتسابی طرق کو بالائے طاق رکھ کر ہر ایک کے لئے دینِ حق کے سمجھنے، تعلق مع اللہ تعالیٰ جوڑنے اور تقویٰ کے دروازے وارکھتا ہے، کسی کے لئے اکتسابِ فیض کی پابندی نہیں لگاتا اور ہندوؤں کے باطل نظریہ کی طرح یہ رُکاوٹ پیدا نہیں کرتا کہ اگر شودر کے کان میں وید کا لفظ پڑ جائے تو قلعی سے ان کے کان بند کردو بلکہ جائز پیشہ اور حرفت اختیار کرنے والے ہر فرد بشر کے لئے علم وتحقیق اور فضل وکمال کے ہمہ وقت دروازے کھلے رکھتا ہے۔حضرت مفتی ہند مولانا محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد فرید اللہ صاحبؒ بانی جامعہ رشیدیہ کی قومیت سے کون عالم ناواقف ہے کہ حجام قوم اور موچی قوم سے ہوتے ہوئے وہ علم وکمال ربّ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا کہ تہذیب وتمدن کے گیت گاتے ہوئے بھی سیاہ فام اور سفید فام کا غیر انسانی فرق کرتے اور اسے فخر کی چیز سمجھتے ہیں۔

حالانکہ اسلام کا یہ سبق ہے :

وعن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ان ربکم واحد و اباکم واحد فلا فضل لعربی علٰی اعجمی ولااحمر علٰی اسود اِلّا بالتقویٰ رواه الطبرانی فی الاوسط والبزار بنحوهٖ الا انه قال ان اباکم واحد و ان دینکم واحد ابوکم آدم و آدم خلق من تراب... و رجال البزار رجال الصحیح. (مجمع الزوائد ج:۸،ص:۸۴، و راجع ج:۳،ص:۲۶۶ ایضًا)

اللہ تعالیٰ جزاءِ خیر عطا فرمائے حضرت العلامہ مولانا عبدالقیوم حقانی دام مجدھم کو جنہوں نے اسماء

الرجال کی مستند کتاب کتاب الانساب علامہ سمعانیؒ سے مختلف صنعتوں، حرفتوں اور پیشوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کے علم وعمل، تقویٰ اور ورع اور اخلاق کے بلند اقدار کو اُجاگر کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ اسلام میں ترقی کا دروازہ کسی بھی جائز پیشے والے کے لئے بند نہیں ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی کتاب ''ارباب علم وکمال اور پیشۂ رزقِ حلال'' کو علماء طلباء اور خواص وعوام کے لئے مفید اور موصوف کے لئے زادِ آخرت بنائے کہ اس پُرفتن دور میں انہوں نے یہ چراغ جلا کر راستہ بتایا ہے ......؎

اندھیری شب ہے رستہ گم ہے
لیکن نظر آتے ہیں منزل کے اُجالے

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین و علیٰ آلہ و اصحابہ و ازواجہ و ذریاتہ و اتباعہ الیٰ یوم الدین۔ (آمین)

احقر الناس ابوالزاہد محمد سرفراز

۲۴ رمحرم ۱۴۰۹ھ / ۷ رستمبر ۱۹۸۸ء

عبدیت، فنائیت اور انکسار و تواضع کی انتہاء

۳۰ ر رمضان ۱۴۱۴ھ / ۱۳ ر مارچ ۱۹۹۴ء

مولانا محترم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ! مزاج

آپ کا مسودہ کافی دنوں سے آیا ہوا تھا، مگر دورۂ تفسیر شریف کی وجہ اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے بالکل موقع نہ مل سکا، اب کچھ موقع ملا مگر تبخیر اور گیس کی وجہ سے اوسان خطا ہیں، اگر یہ تحریر مزاج کے موافق ہو تو درج کر دیں ورنہ کوئی جگہ نہیں ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز

﴿4﴾......﴿مولانا ابوطاہر فتح خان کے خط کا جواب﴾......

استادِ مکرم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم العالیہ

سلام مسنون!

گزارش ہے کہ آپ تلہ گنگ [ضلع چکوال] مولانا عبدالرحیم صاحب کے مدرسہ میں تشریف لے گئے تھے، بعد میں مماتی ٹولہ نے شور مچادیا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے حیاتی عقیدہ چھوڑ دیا ہے،(دلیل یہ دی کہ)[۱] انہوں نے (عنایت اللہ) شاہ صاحب کی امامت میں حضرت قاضی شمس الدین صاحب رحمہ اللہ کی نماز جنازہ ادا کی۔[۲] اب مولانا عبدالرحیم صاحب کے پاس تشریف لائے۔(اس پر انہوں نے پروپیگنڈہ کیا کہ) پہلے ان کا عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سماع موتی کا تھا، اب چھوڑ دیا ہے۔

حضرت! آپ ارشاد فرمائیں کہ

[۱] (کیا) آپ نے شاہ صاحب کی امامت میں نمازِ جنازہ ادا کی؟ [۲] مولانا عبدالرحیم صاحب کے پاس (اس سلسلے میں) کوئی بات ہوئی؟ [۳] آپ کا مذہب (مسلک) کے لحاظ سے مماتی ٹولے کے ساتھ کوئی تعلق ہے؟ [۴] آپ کا حیات النبی اور سماع موتی کے بارے میں وہی پہلے والا عقیدہ ہے یا اب بدل گیا ہے؟ [۵] حیات النبی کے منکر کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ [۶] حیات النبی کا منکر اہل السنۃ والجماعۃ میں ہے یا نہیں؟

ان چھ نمبر کا نہایت ہی مختصر جواب اسی کے نیچے سطور میں ارشاد فرما کر مشکور فرمائیں، تاکہ بندہ اپنی جماعت کے ساتھیوں کو تسلی کرا سکے، نوازش ہوگی!　　　المستفتی

ابوطاہر فتح خان صابر اعوان عربی مدرس گونمنٹ سرسید ہائی سکول کٹائیں

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا..................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　مزاج سامی؟

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا، یادآوری کا ہزار شکریہ۔

محترم! راقم اثیم کا وہی عقیدہ ہے جو ''المہند'' اور راقم اثیم کی کتابوں ''تسکین الصدور'' اور ''سماع الموتی'' وغیرہ میں درج ہے اور اسی پر قائم ہے۔ حضرت قاضی نور محمد صاحب، حضرت قاضی شمس

الدین صاحب اور حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات کا عندالقبر صلواۃ وسلام کے سماع کا وہی عقیدہ تھا جو راقم کا ہے، ہاں! عام سماع موتیٰ جو خود اختلافی مسئلہ ہے اس میں وہ دوسری طرف تھے۔

[۱] طے یہ ہوا تھا کہ جنازہ قاضی عصمت اللہ صاحب پڑھائیں گے، مگر عین موقع پر شاہ صاحب آگے کھڑے ہو گئے اور مجبوراً مجھے بھی کھڑا رہنا پڑا۔[۲] مولانا عبدالرحیم صاحب کا حیات الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بارے وہی عقیدہ ہے جو راقم کا ہے، انہوں نے اپنے والد محترم ومرحوم کا رسالہ بھی طبع کرایا ہے جس میں اس مسئلہ کی تصریح ہے۔[۳] مسلک کے لحاظ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔[۴] بحمداللہ تعالیٰ وہی ہے جو راقم کی کتابوں میں درج ہے اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہے۔[۵] و[۶] میں راقم کا وہی جواب ہے جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے، (کہ نماز مکروہ تحریمی ہے[خادم،حمزہ]) جو ''**تسکین الصدور**'' کی ابتداء میں درج ہے۔

حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ عاصی وخاطی بھی داعی ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز

۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ 6 اگست 1987ء

﴿5﴾......﴿بنام محترم علی جان صاحب﴾......

حضرت اقدس دادا جان رحمہ اللہ کے انتہائی قیمتی خطوط جو محترم علی جان صاحب کے نام ہیں ہمیں عم مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارنؔ مدظلہ کی وساطت سے موصول ہوئے، ان کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔احقر کے نام عم مکرم کا مکتوب ملاحظہ فرمائیں۔[خادم،حمزہ]

باسمہٖ تعالیٰ

از حافظ عبدالقدوس خان قارنؔ

عزیز القدر حافظ حمزہ صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم علی جان صاحب حضرت والد صاحب کے معتقد اور مرید ہیں اور بلوچستان ہائیکورٹ میں رجسٹرار ہیں، ان کے نام حضرت والد صاحب کے خطوط بھیج رہا ہوں، یہ خطوط انتہائی قیمتی ہیں، اس لیے ان کو سنبھال کر رکھنا اور پھر مجھے واپس کرنا، خیال کرنا ضائع نہ ہوں، اگر سارے شائع ہو جائیں تو بہت بہتر ہے ورنہ جو مناسب سمجھیں لگا دیں۔

قائد اہل السنۃ حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری صاحب کی شہادت کی خبر سن کر جسم میں جان نہ ہونے کے باوجود آپ کا امانت نامہ بھیج رہا ہوں، نیک دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

فقط والسلام

عبدالقدوس قارنؔ

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا............صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　مزاج گرامی؟

آپ کا اور حضرت مولانا ولی محمد صاحب دام مجدہم کا شفقت نامہ موصول ہوا اللہ تعالیٰ ان کے والد بزرگوار کو اور آپ کی والدہ ماجدہ کو صحت کاملہ وعاجلہ مرحمت فرمائے اور بزرگوں کا سایہ تادیر قائم رکھے اور ان کی خدمت کر کے رفعِ درجات کا موقع عنایت فرمائے آمین ثم آمین۔

ہمارے گھر میں عزیزم ماجد کی والدہ اور بیوی کچھ زیادہ ہی بیمار ہیں ان کے حق میں خصوصی دعا کریں علاج دونوں کا شروع ہے اور بھی بخار وغیرہ کی شکایت گھر میں ہے راقم اثیم کی طبیعت چند دن سے کچھ زیادہ ہی خراب ہے دماغ کچھ معطل سا ہو گیا ہے دعا فرمائیں جناب نیلوی صاحب کی جو اغلاط آپ نے تحریر کی ہیں آئندہ کتاب میں ان کو ملحوظ رکھا جائیگا انشاء اللہ العزیز۔

آپ کو ذوق وشوق بھی ہے اور غالباً فرصت بھی ہوگی ان کی کتاب سے ایسے تعارضات اور خامیاں مرتب کر کے ارسال فرمائیں تا کہ ہم عدیم الفرصت بھی استفادہ کر سکیں یہی عریضہ مولانا ولی محمد

صاحب دام مجدہم کو دکھا دینا۔

جملہ اہلِ خانہ درجہ بدرجہ سلام مسنون عرض کرتے ہیں دعا گو ہیں اور طالب دعا بھی ہیں بچوں کو پیار

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

23 ذوالقعدہ 1406ھ/ 31 جولائی 1984ء

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب حضرت العلام مولانا...............................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا یاد آوری، کرم فرمائی، حسن ظنی اور ذرہ نوازی کا تہ دل صد شکریہ

محترم! اختصاراً آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

1۔ اعمش رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں اس لیے اضطراب نہیں ہوا کہ وہ بہ نسبت دوسرے اساتذہ کے اعمش رحمہ اللہ کی خدمت میں زیادہ رہے اور انکی احادیث کو خوب یاد کیا اور یاد رکھا تذکرۃ الحفاظ [ج اص ۲۷۱] میں ہے

''قال ابو نعیم رحمه الله لزم ابو معاویة رحمه الله الاعمش رحمه الله عشرین سنة.''

2۔ اضطراب کا الزام لگانے والے (فی غیر اعمش رحمہ اللہ) حضرت امام احمد رحمہ اللہ ہیں (تذکرۃ ج اص ۲۷۱) اور امام ابن خراش رحمہ اللہ ہیں (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۹)

3۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ ان کو حافظ متقن کہہ کر (تہذیب ج ۹ ص ۱۳۹) اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ انہیں الحافظ الثبت کہہ کر (تذکرہ ج اص ۲۷۱) اضطراب کا رد کرتے ہیں اسی طرح دیگر بعض محدثین کرام رحمہ اللہ نے بھی فرمایا ہے۔

محترم! بالٹی یا کوزے میں پانی ہو اور اس میں پلید چیز کے چند قطرے بھی پڑ جائیں تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے لیکن اگر سمندر میں بالٹیاں بھی پلیدی کی ڈال دی جائیں تو سمندر کا کچھ نہیں بگڑتا اسی طرح جن

راویوں کی ثقاہت جمہور محدثین کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مسلم ہو (جیسے ابو معاویہ محمد بن حازم رحمہ اللہ جو صحیحین بلکہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں) تو ان پر بعض حضرات کا الزام یا انکی تضعیف کچھ اثر نہیں رکھتی۔
حاضرین مجلس سے سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں گنہگار بھی دعا گو ہے۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

15 ذوالقعدہ 1405ھ / 3 اگست 1985ء

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب..صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　　مزاج گرامی

آپ کا گرامی نامہ تو کافی دنوں سے موصول ہو چکا تھا مگر مہمانوں کی کثرت اور دیگر بے حد مصروفیت کی وجہ سے جواب جلدی نہ دیا جاسکا امید ہے کہ بارِ خاطر نہ ہوگا۔

محترم! مردے کے رؤیت بصری کے ساتھ دیکھنے اور نہ دیکھنے کے بارے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ میں اختلاف ہے ایک قلیل طبقہ یہ کہتا ہے کہ مردہ کو رؤیت بصری حاصل ہے، صاحبِ تحفۃ النصائح فرماتے ہیں کنجشک نشیند برقبر مردہ بداند مادہ نر......ایسا لگتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے اس تحقیق پر اعتماد کیا ہے جب تحقیق جدا جدا ہو اور قائل الگ الگ ہوں تو تعارض نہیں ہوتا اور کتب فقہ واختلاف میں اسکی بکثرت مثالیں موجود ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دعواتِ صالحات میں نہ بھولیں ہم بھی دعا گو ہیں حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

20 ذوالحجہ 1405ھ / 6 ستمبر 1985ء

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الی محترم المقام جناب مولانا..صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا اور حضرت مولانا ولی محمد صاحب دام مجدہم کا گرامی نامی نامہ موصول ہوا شکریہ

محترم! راقم اثیم ایک اشد مجبوری کے تحت برطانیہ چلا گیا تھا چند دن ہوئے ہیں کہ واپس آیا ہے پاؤں میں بدستور تکلیف ہے اور وہاں علاج نہیں ہوسکا دعا فرمائیں عزیزم صوفی عبدالحمید کی آنکھ کا آپریشن ہوا ہے اور ابھی تک تعلیم موقوف ہے عزیزم ماجد کی والدہ بھی علیل ہے اور آج گوجرانوالہ ڈاکٹر کے پاس معائنہ کے لیے گئی ہے غرضیکہ ہم سبھی ہی آپ حضرات کی مخلصانہ دعاؤں کے سخت محتاج ہیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ وحسن توفیقہ ''المسلک المنصور'' کا پہلا حصہ طبع ہو چکا ہے چار نسخے ہدیۃ آج ہی آپ کے نام ارسال کر دیے گئے ہیں۔ آپ کے لیے اور حضرت مولانا ولی صاحب دام مجدہم کے لیے اور جناب سید عبدالقوی صاحب وغیرہ کے لیے مولانا ولی محمد صاحب سے کہیں کہ اسے ناقدانہ نظر سے دیکھیں اور اغلاط کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ اصلاح کی جا سکے تمام حاضرین کو سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے طالبِ دعا بھی داعی ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

26 محرم 1407ھ/2 اکتوبر 1986ء

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الی محترم المقام جناب مولانا..صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا اور محترم جناب مولانا ولی محمد صاحب دام مجدہم کا نوازش نامہ ملا شکریہ

راقم تقریباً ایک ہفتہ سے تکلیف میں ہے صحت کی دعا فرمائیں۔

محترم! راقم اثیم نے ابھی تک جناب نیلوی صاحب کی کتاب نہیں دیکھی بغیر دیکھنے کے کچھ عرض کرنا مشکل ہے دیکھنے کے بعد ہی پتہ چل سکتا ہے۔ کہ راقم اثیم نے کیا کہا ہے؟ اور وہ کیا کہتے ہیں؟ آئندہ ہفتہ انشاء اللہ العزیز م صحت رہی تو ششماہی امتحان کے پرچے تیار کرنے ہیں اور اسکے بعد والے ہفتہ میں امتحان ہے، ایک ہفتہ تقریباً جاری رہے گا پھر پرچے دیکھنے ہوتے ہیں پھر اسباق شروع ہو جائیں گے، سر کھجلانے کی فرصت بھی نہیں ملتی جب ''کتاب مسطور'' کو دیکھنے کا موقع ملا تو آپ حضرات کے ارسال کردہ سوالات پیش نظر رکھے جائیں گے انشاء اللہ۔ نیک دعاؤں میں یاد رکھیں عزیزوں کو دعوات و پیار حضرت مولانا ولی محمد صاحب اور جناب سید عبد القوی شاہ صاحب اور دیگر حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں گھر میں بھی خاصی پریشانی اور تکلیف ہے دعا کریں۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

27 ربیع الثانی 1406ھ / 9 جنوری 1986

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام حضرت العلام مولانا ولی محمد صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا شفقت فرمائی کا صد شکریہ

محترم! عند القبور سماع حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجماعی مسئلہ کے منکرین اور نیز عام سماع موتی کے اختلافی مسئلہ کے منکر ''ون وے'' ٹریفک چلاتے تھے اور امت مسلمہ کو کافر مشرک اور بدعتی قرار دیتے تھے ''**تسکین الصدور، سماع الموتیٰ اور شھاب المبین**'' کے سامنے آنے سے ان کے لیے بلا شبہ بے شمار مشکلات پیدا ہو گئی ہیں اور اب وہ ہماری کتابوں میں کیڑے نکالنے پر اور دفاع پر مجبور ہو گئے ہیں جارحانہ کاروائی ختم ہو چکی ہے اس لیے ان کا پارہ چڑھنا ایک فطری امر ہے۔ بلکہ راقم اثیم کو صریح الفاظ میں گالیاں دیتے ہیں میں تو یہی کہہ سکتا ہوں **فصبر جمیل واللہ المستعان** وہ جو چاہیں کریں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سماعِ موتیٰ کے ہر گز منکر نہیں، سماعِ موتیٰ میں تفصیل ملاحظہ کریں البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا انکار فرماتی ہیں لیکن راقم اثیم کی کسی عبارت سے قطعاً کسی کی تکفیر لازم نہیں آتی اور متکلم اپنی مراد کو خود بہتر جانتا ہے کسی دوسرے کو اس کے کلام سے اپنی مرضی سے مراد لینے کا حق نہیں پہنچتا۔ سماع موتیٰ طبع اول میں کتابت کی غلطی رہ گئی تھی اصل عبارت یوں تھی حقیقت یہ ہے کہ ''اسلام کا نام لینے والا کوئی بھی شخص عام سماع موتیٰ کے اختلافی ہونے کا منکر نہیں'' اب اس کی اصلاح کر لی گئی ہے۔ ہم نے اپنے اکابر مثلاً حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ کو دیکھا ہے کہ وہ تلقین کرتے وقت آہستہ اور سرًّا پڑھتے تھے جہر نہیں کرتے اور اسی کاروائی کو بدعت کہا گیا ہے اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا مقصد بھی یہی ہے کہ جہر سے نہ ہو آہستہ ہو جیسے قبور پر سلام وغیرہ آہستہ ہوتا ہے۔ گھر میں بھی کچھ علالت ہے اور راقم اثیم خود بھی علیل و مصروف رہتا ہے نیک دعاؤں میں نہ بھولیں بفضلہٖ تعالیٰ راقم اثیم بھی دعا گو ہے اور حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں۔

والسلام

احقر ابو الزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

28 شوال 1406ھ / 6 جولائی 1986ء

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا..صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا رجسٹری لفافہ موصول ہوا جس میں جناب نیلوی صاحب کی عبارات پر گرفت کی گئی اور تعارض بتلایا گیا ہے راقم اثیم بے حد مصروف رہتا ہے ابھی تک ''**الکتاب المسطور** حصہ اول'' کے چند صفحات ہی پڑھے ہیں جس کا رد ''**المسلک المنصور** حصہ اول'' میں کیا ہے کتاب پریس میں جا چکی ہے ان شاء اللہ العزیز چند دنوں تک طبع ہو جائیگی دعا فرمائیں حضرت مولانا ولی محمد صاحب دامت برکاتہم کی نظر بحمد اللہ تعالیٰ خاصی گہری ہے اور مطالعہ کا ذوق بھی خوب ہے دعا ہے **اللھم زد فزد**

مزید مطالعہ فرما کر اور حوالے ارسال کریں انشاء اللہ العزیز ان سے استفادہ کیا جائے گا اور خود اپنے پاس وقت نہیں ہے۔ یہ پڑھکر خوشی ہوئی کہ آپ کی والدہ ماجدہ اب بہتر حالت میں ہیں اور عزیزم بدر عالم ان کو وطن ساتھ لے گیا ہے اور نیز خوشی ہوئی کہ حضرت ولی محمد صاحب دام مجدہم صاحب کے والد محترم دامت برکاتہم اب تندرست ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بزرگوں کا سایہ تادیر قائم رکھے یہاں عزیزم ماجد کی والدہ اور عزیزم صوفی عبدالحمید ان دنوں خاصے بیمار ہیں علاج شروع ہے خصوصی اوقات میں خصوصی دعا فرمائیں تمام حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں حضرت مولانا ولی محمد صاحب دام مجدہم اور محترم جناب سید عبدالقوی شاہ صاحب دام مجدہم سے خصوصی سلام عرض کریں۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

19 ذوالحجہ 1406ھ / 26 اگست 1986ء

باسمہٖ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام حضرت العلام مولانا.................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   مزاج گرامی؟

آپ کا گرامی نامہ تو کافی دنوں سے موصول ہو چکا ہے مگر عدیم الفرصتی سے جواب نہ دیا جا سکا ''ترجمۂ قرآن کریم'' اور ''بخاری شریف'' تو بحمد اللہ تعالیٰ ختم ہوگئی ہے مگر ترمذی شریف خاصی باقی ہے اور اب سارا زور اس پر صرف ہو رہا ہے ارادہ ہے کہ پندرہ رجب تک اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ختم ہو جائے دعا فرمائیں۔

محترم! ابھی تک جناب نیلوی صاحب کی کتاب ''**الکتاب المسطور**'' کے تفصیلاً پڑھنے کا موقع نہیں ملا اور راقم کے پاس مکمل ہے بھی نہیں اس لیے بغیر دیکھے کچھ کہنا غلط ہے۔ اصولی طور پر آپ کو ''**تسکین الصدور**'' ''**سماع الموتیٰ**'' اور ''**الشھاب المبین**'' سے ان کے جوابات مل سکتے ہیں اور خود ان کی اپنی کتابوں سے ان کے جوابات مل سکتے ایک عالم اور ذہین آدمی کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں ہے اگر وقت مل گیا تو انشاء اللہ العزیز ''**الکتاب المسطور**'' پر ضرور تبصرہ کیا جائیگا راقم کے پاس جلد دوم نہیں تا کہ

راوی عبیداللہ بن مولیٰ یا عبداللہ الخ کی تعیین کر کے کتب رجال کی طرف مراجعت کی جائے۔ ''تسکین الصدور'' ص ۳۲۹ میں کتابت کی غلطی کی وجہ (اور کتابت کی اور بھی کافی غلطیاں رہ گئی ہیں انشاء اللہ العزیز طبع سوم میں اصلاح کی کوشش کی جائیگی دعا فرمائیں) الدر المنثور ج 2 ص 245 کی جگہ مسند احمد ج 2 ص 290 طبع ہو گیا ہے۔

اور استدلال کا مدار ''محمد بن اسحاق'' کی روایت پر نہیں بلکہ اسکے بعد جو روایت مجمع الزوائد کے حوالہ سے صحیح بخاری کے رجال کے حوالہ سے ہے اس سے ہے ابنِ اسحاق کی روایت تو صرف بطور شاہد اور تائید کے ہے ہاں اتنی غلطی ضرور ہوئی ہے کہ ثانی حدیث کو پہلے بیان کرنا چاہیے تھا اور ابن اسحاق کی روایت کو بعد میں۔ صرف قارئین کرام کے اعتماد پر یہ غلطی ہوئی کہ خود یہ سمجھ لیں گے کہ ساتویں دلیل کا مدار صرف ایک روایت پر نہیں بلکہ دونوں کو ملانے پر ہے بہرحال اب انشاء اللہ العزیز اس کی اصلاح کر لی جائیگی حاضرین مجلس سے سلام مسنون ارشاد فرمائیں ار نیک دعاؤں میں نہ بھولیں بفضلہٖ تعالیٰ راقم اثیم بھی دعا گو ہے۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

24 جمادی الاخری 1406ء / 6 مارچ 1986ء

باسمہٖ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.......................................صاحب دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج گرامی؟

حضرت مولانا ولی صاحب دام مجدہم کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کا چھوٹا فرزند انتقال کر چکا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو والدین اور دیگر اعزہ واقارب کے لیے ذخیرہ آخرت اور شفیع بنائے اور جملہ پس ماندگان کو خصوصاً والدہ اور والد کو صبر جمیل کی توفیق بخشے آمین ثم آمین یہاں فی الجملہ خیریت ہے عزیزم قارن کی خالہ کا انتقال ہو چکا ہے اور عزیزم ماجد کی نانی سخت بیمار اور داخل ہسپتال ہے ایبٹ آباد میں کیا خبر کیا خبر آتی ہے؟ اور بھی گھر میں علالت ہے راقم کی طبیعت بھی ناساز رہتی ہے دعا کریں۔

حضرت مولانا ولی صاحب دام مجدہم سے کہدیں کہ وظائف جاری رکھیں اور یہ وظائف زیادہ کر

دیں سبحان اللہ وبحمدہٖ عدد خلقہٖ .سبحان اللہ وبحمدہٖ رضیٰ نفسہٖ .سبحان اللہ وبحمدہٖ مداد کلماتہٖ.سبحان اللہ وبحمدہٖ زنۃ عرشہٖ

عید کے دن سے آج تک بہت ہی مصروفیت رہی ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ”المسلک المنصور حصہ دوم“ اور دیگر زیرِ ارادہ کتابوں کی تکمیل کی توفیق بخشے حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں ہم خطا کار بھی داعی ہیں۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

17 رمضان 1407ھ / 14 جون 1987ء

باسمہٖ سبحانہ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

حضرت مولانا ولی محمد صاحب دام مجدہم کا خط ملا اور خالہ زاد بھائی کی اچانک وفات کا پڑھ کر صدمہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون

محترم! جو بھی دنیا میں آتا ہے جانے ہی کے لیے آتا ہے البقاء للہ تعالیٰ وحدہٗ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس مرحمت فرمائے اور تمام پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے آمین ثم آمین

محترم! راقم اثیم باوجود کافی علاج ومعالجہ کے تاہنوز علیل اور محتاجِ دعا ہے اکثر نمازیں گھر ہی پڑھتا ہے درس وجمعہ اور تدریس کے لیے بتکلیف پہنچتا ہے خلوصِ دل سے دعا کریں اور حضرت مولانا عبدالمالک صاحب اور جناب عبدالقوی صاحب اور دیگر تمام واقف کار حضرات سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں یاد رکھیں یہ خاطی بھی داعی ہے۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

28 ذوالقعدہ 1408ھ / 13 جولائی 1988ء

باسمہٖ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا۔صحت چند دن پہلے خاصی بگڑ گئی تھی اب بحمد اللہ تعالیٰ قدرے اچھی ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج دورۂ تفسیر شریف ختم ہوا ہے۔

محترم! ہماری بیعت کا سلسلہ نقشبندی مجددی ہے آپ بارہ دفعہ سورۃ الاخلاص پڑھا کریں مزید ہو جائے تو کوئی پابندی نہیں بلکہ بہتر ہوگا۔تمام ساتھیوں سے سلام مسنون عرض کریں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ عاصی بھی داعی ہے۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

19 رمضان 1409ھ / 26 اپریل 1989ء

باسمہٖ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج گرامی؟

آپکا محبت نامہ موصول ہوا یاد آوری کا تہ دل صد شکریہ

محترم! گھر میں بھی کافی تکلیف رہی ہے دو تین فرد بہت بیمار تھے اور راقم اثیم کو بھی خاصی تکلیف تھی اب گھر میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قدرے افاقہ ہے اور راقم بھی اکثر نمازیں مسجد میں پڑھتا ہے گو تکلیف ہے دعا کریں۔

محترم! استاد محترم نے ایک کتاب کی تصحیح سپرد کی ہے اس سے ہی فرصت نہیں ملتی کوئی نئی کتاب زیرِ تالیف نہیں ہے "**ارشاد الشیعه**" کے بعد صرف "**احسان الباری**" کا حصہ اول طبع ہوا ہے۔بڑی مشکل سے اپنی درس وتدریس اور جمعہ کی ڈیوٹی دیتا ہوں اب ہمت نہیں رہی۔

محترم! سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ فرائض وواجبات وسنن کی پابندی کرتے ہوئے اکل حلال اور تقویٰ

وورع کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھیں اور آخرت وقبر کو کبھی نہ بھولیں اللہ تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔

مولانا عبدالمالک صاحب اور دیگر تمام واقف ساتھیوں کو سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ فراموش کریں بفضلہٖ تعالیٰ یہ خاطی وعاصی بھی داعی ہے۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز

7محرم1410ھ/ 10اگست1989ء

باسمہٖ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.....................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج سامی؟

آپکا محبت نامہ موصول ہوا یادآوری کا صد شکریہ

محترم! راقم اثیم کی طبیعت بھی اچھی نہیں اور گھر میں جو بہو کھانا پکاتی ہے وہ بھی بیمار ہے دعا کریں بیویوں کی وفات کے بعد میں خانگی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا ہوں اب مہمان آتے ہیں تو ہوٹل سے کھانا لا کر کھلاتے ہیں قریبی رشتہ داروں میں تین چار وفات پا گئے ہیں۔ انکا صدمہ الگ ہے دو تین سال سے کوئی کتاب نہیں لکھ سکا اور نہ ہمت پڑتی ہے صحت کے لیے دعا کریں اور دوستوں سے سلام مسنون عرض کریں یہ خاطی بھی داعی ہے۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

28شوال1410ھ/ 24مئی1990ء

باسمہٖ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الی محترم المقام جناب مولانا..................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

حسنِ اتفاق سے آپ کا محبت نامہ اسی دن ملا جس دن مولانا عبدالمالک صاحب اور ان کے خسر فضل مولد صاحب برائے تعزیت یہاں گکھڑ تشریف لائے ہوئے تھے آپ کا یادآوری کا صمیمِ قلب سے

ہزار شکریہ

محترم! راقم ان دنوں خاصی تکلیف میں ہے دعا فرمائیں اس لیے تفصیل نہیں لکھ سکتا اختصاراً جواب عرض ہے کہ

1۔ جنونی مولوی صاحب کا وتیرہ کافی عرصہ سے ایسا ہی ہے کہ وہ تصویر کا صرف ایک ہی رخ دیکھتے ہیں اور دوسرے کو دیکھنا گوارا بھی نہیں کرتے حالانکہ اخلاقی اور علمی طور پر ان کو دوسرا پہلو بھی دیکھنا چاہیے۔

2۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بہت اونچا مقام ہے لاشک فیہ لیکن آنحضرت ﷺ کا درجہ تو سب مخلوق سے اعلیٰ وارفع ہے لاریب فیہ۔

3۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ دفن کے بعد جب لوگ واپس آتے ہیں تو مردہ (جس میں جان پڑ چکی ہوتی ہے) قرعِ نعال سنتا ہے۔ بخاری مسلم وغیرہ اور جب کوئی زائر سلام کرتا ہے تو مردہ سنتا ہے اور جواب دیتا ہے صحیح حدیث ہے سماع الموتی وغیرہ میں دیکھیں اس کے برعکس حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نہیں سنتا انصاف سے فرمائیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بات کس کی مانیں؟ فیصلہ سامعین پر ہے۔

4۔ فتح الباری عمدۃ القاری اور تفسیر ابنِ کثیر وغیرہ میں تصریح موجود ہے کہ خالفہا الجمہور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور امت نے اس مسئلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مخالفت کی ہے اب غور سے فرمائیں کہ جمہور کا ساتھ دیں یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ مجتہدہ تھیں اور مجتہد سے غلطی بھی صادر ہو جائے تو اسے گناہ نہیں ہوتا بلکہ اجر ملتا ہے (بخاری ومسلم کی حدیث ہے) اور غیر مجتہد دلائل واضح ہونے کے بعد غلط بات کو لے تو گنہگار ہوتا ہے اسکی ضد سے گناہ نہیں ٹلتا۔

5۔ حضرت عائشہ رضی اللہ سفر میں نماز پوری پڑھتی تھیں یہ فرماتے ہوئے کہ میں مؤمنوں کی ماں ہوں میں مسافر نہیں اور آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی سفر میں رباعی نماز پوری نہیں پڑھی اور امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پوری پڑھنے والا گنہگار ہوگا اس مسئلہ میں یہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ کیا وجہ ہے؟

6۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام ذکوان رحمہ اللہ کی اقتداء میں نماز پڑھتی تھیں اور وہ قرآن کے حافظ نہ تھے قرآن کھول کر اس سے پڑھتے تھے (بخاری ج ۱ ص ۹۶) اس مسئلہ میں وہ حضرت عائشہ رضی

اللہ کی پیروی نہیں کرتے ان کے علماء سے کہیں کہ کم از کم رمضان مبارک میں اس مسئلہ پر عمل کریں پھر عوام کا ردِّعمل دیکھیں۔فقہ حنفی کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ عملِ کثیر ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے دیکھیے حاشیہ بخاری ص96وغیرہ

محترم! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کافی تفردات ہیں اور ان کو نہ ماننے سے ان کی توہین نہیں ہوتی وہ مجتہدہ تھیں

7۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جنگ جمل کے لیے روانہ ہوئیں تو اس موقع پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں مجمع عام کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنے سے معذرت فرمائی اور یہ فرمایا''وتعلمون وهن النساء وضعف رأيهن الى التلاشى ومن اجل ذٰلک جعل الله الرجال قوامين على النساء '' (الامامة السياسة لابن قتيبة رحمہ اللہ ج ا ص ٦٧) یعنی تم عورتوں کی خلقی کمزوری اور ان کی رائے کا ضعف بخوبی جانتے ہو کہ کبھی ان کی رائے صفر درجہ کی ہوتی ہے'' الخ

محترم! یہ حوالہ میں نے سماع الموتیٰ میں درج کیا ہے مگر افسوس ہے کہ جنونی مولوی صاحب نہ تو اس حوالہ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ دیگر ٹھوس حوالوں کا، محض سادہ لوح کم علم اور جذباتی لوگوں کے جذبات ابھارتے اور اہلِ حق سے نفرت دلاتے ہیں مگر قیامت برحق ہے وہاں انشاء اللہ العزیز دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آئیگا بحمداللہ تعالیٰ آپ کا حافظہ بھی اچھا ہے۔مطالعہ بھی وسیع ہے ''سماع الموتی، تسکین الصدور، الشهاب المبين اور المسلک المنصور وغیرہ کتابیں آپ کے پاس ہیں حوالے ان میں درج ہیں۔اس خط کو ضائع نہ کرنا ہو سکے تو خوشخط لکھوا کر ساتھیوں میں جو غلط فہمی کا شکار ہیں تقسیم کرنا واللہ الموفق۔حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں بفضلہٖ تعالی یہ عاصی وخاطی بھی داعی رہتا ہے۔

والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

25ذوالحجہ 1410ھ/ 19 جولائی 1990ء

باسمہ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   مزاج گرامی؟

رمضان مبارک میں آپ کا خط اور فوٹو سٹیٹ کاپی موصول ہوئی تھی اور جواب بھی وصولی کا آپ کو دیا گیا ہے جو ڈائری پر درج ہے۔ نہ معلوم وہ آپ کو کیوں نہیں ملا؟ دورۂ تفسیر میں تقریباً سات سو حضرات تھے پندرہ رمضان سے قبل ہی ان کو فارغ کر دیا گیا تھا پھر راقم اثیم عمرہ پر چلا گیا تھا عید سے قبل آیا ہے طبیعت اچھی نہیں عزیزم صوفی عبدالحمید بھی خاصا بیمار تھے خصوصی دعا کریں۔

میں نے ابھی تک وہ پلندہ نہیں پڑھا اور شاید قریب موقع بھی نہ ملے آپ کو راقم کی مصروفیات بخوبی معلوم ہیں بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ذکر جو زبان اور قلب دونوں سے ہو وہی عوام کے لیے افضل ہے، ذکر قلبی کے حصول کے لیے متعدد طرق ہیں ایک یہ ہے کہ منہ سے سانس بند کر کے بائیں نتھنے کو قلب کی طرف پھیر کر لفظ اللہ کی ضرب دل پر لگائیں کچھ عرصہ کرنے کے بعد انشاء اللہ العزیز دل خود بخود اللہ کی ضربیں لگائے گا۔

لیکن ظاہری اوراد وظائف نہ چھوڑیں مولانا عبد المالک صاحب اور دیگر تمام پرسان حال حضرات سے سلام مسنون عرض کریں دعاؤں میں نہ بھولیں بفضلہٖ تعالیٰ یہ عاصی وخاطی بھی داعی ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

10 شوال 1411ھ / 25 اپریل 1991ء

باسمہٖ سبحانہ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ   مزاج؟

آپ کا محبت نامہ ملا صد شکریہ

محترم! عزیزم عابد جب سے گیا ہے میرے ساتھ کوئی ملاقات نہیں ہوئی پریشان ہوں بیمار بھی

ہوں آج ہی مولانا عبدالمالک صاحب سے مدرسہ میں ملاقات ہوئی حالات معلوم ہوئے ایک نسخہ خزائن السنن کا آپ کے لیے ہدیۃً ارسال ہے حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں یہ خاطی بھی داعی ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز

3 ذوالقعدہ 1412ھ / 7 مئی 1992ء

باسمہ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب حضرت مولانا..................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمہ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا یاد آوری کا صد شکریہ

محترم! راقم کی طبیعت چند دن قبل کافی خراب تھی اب بفضلہٖ تعالیٰ کچھ افاقہ ہے مگر کبر سنی کی وجہ سے کمزوری دن بدن بڑھتی چلی جا رہی ہے۔اب اخلاص سے یہ دعا کریں کہ خاتمہ ایمان پر ہو۔

آپ جو وظائف کرتے ہیں کافی ہیں مزید قرآن کریم اور حدیث شریف کے وظیفے کر سکتے ہوں تو اجازت ہے حضرت مولانا عبدالمالک صاحب اور مولانا عبدالقوی صاحب اور دیگر سب ساتھیوں سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں یہ گنہگار بھی دعا گو ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز۔از گکھڑ

29 صفر 1414ھ / 19 اگست 1993ء

باسمہ سبحانہ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا..................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا یاد آوری کا ہزار شکریہ محترم! چند دن پہلے راقم اثیم کو خاصی تکلیف تھی

اور بعض مجبوریوں کی وجہ سے مدرسہ بھی نہیں جا سکا اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فرق ہے گو بیماریاں بدستور موجود ہیں، مدرسہ میں حاضری ہوتی ہے مزید صحت اور خاص طور پر خاتمہ علی الایمان کے لیے دعا کریں یہ خاطی وعاصی بھی آپ کی دنیا وآخرت کی کامیابی اور استقامت علی الدین کے لیے دعا گو ہے مولانا عبد المالک صاحب اور دیگر تمام واقف حضرات سے سلام مسنون عرض کریں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

11 ربیع الثانی 1416ھ / 9 ستمبر 1995ء

باسمہ سبحانہ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا..................................صاحب دام مجدہم

محترم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج؟

راقم سفر پر تھا کل شام ہی واپس ہوا ہے اس لیے جواب میں تأخیر ہوگئی ہے۔

محترم! آجکل مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں تعطیلات ہیں اس لیے راقم حاضر نہیں ہوتا اور مسند احمد مدرسہ میں ہے یہاں گکھڑ میں میرے پاس نہیں ہے یقیناً یہ روایت مسند احمد میں موجود ہے غور سے دیکھیں یہ ہوسکتا ہے کہ کتابت کی وجہ سے صفحہ کا نمبر غلط لکھا گیا ہو اور ''کادیانی'' غلط نہیں ہے بالکل صحیح ہے ''کید'' کے معنیٰ مکر اور فریب کے ہوتے ہیں اور مرزا مکار اور فریب کار تھا آپ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ کی کتاب قصص القرآن دیکھیں انہوں نے ہر جگہ ''کادیانی'' ہی لکھا ہے۔ حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز

14 رجب 1417ھ / 27 نومبر 1996ء

باسمہ سبحانہٗ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب حضرت مولانا..................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

ابھی تک نیلوی صاحب کی کتاب مسطور پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا انشاءاللہ العزیز پڑھنے کے بعد ان کی صحیح باتوں کو تسلیم کیا جائیگا اور غلط باتوں کا جواب دیا جائیگا دعا فرمائیں۔ دیگر بے حد مصروفیات کے علاوہ ''الکلام المفید'' اور ''اتمام البرھان حصہ چہارم'' کو طبع کرایا گیا اب ''اظھار العیب فی کتاب اثبات علم الغیب حصہ اول'' کی تالیف سے فراغت ہوئی ہے جو انشاءاللہ العزیز چند دنوں تک طبع ہو جائیگی، حاضرین مجلس سے سلام مسنون عرض کریں اور نیک دعاؤں میں نہ بھولیں، ہم بھی دعا گو ہیں۔

والسلام

﴿6﴾......﴿مولانا مجیب الرحمٰن کے خط کا جواب﴾......

محترمی محسنی مکرمی بخدمت اقدس حضرت استاذیم صاحب سلکم الرحمٰن ودام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ بندہ نے حضرت سے شرفِ تلمذ الحمدللہ حاصل کیا ہے اور بندہ اس پر اللہ کا بہت شکر کرتا ہے کہ اس نے توفیق بخشی اکابر کی نشانی سے شرفِ تلمذ حاصل کرنیکی، 92ء میں بندہ شعبان کو دورۂ تفسیر میں شریک ہوا تھا جسمیں حضرت نے اجازت حدیث بھی عنایت فرمادی تھی بہرحال اساتذہ کرام کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ آج ہم الحمدللہ اعدادیہ اور اولیٰ کراچی میں پڑھا رہے ہیں۔ بندہ نے ایک کتاب لکھنی شروع کی ہے جسمیں شیعہ کے مجتہد غلام حسین نجفی کی دو کتب ''کیا ناصبی مسلمان ہیں؟'' اور ''عظمتِ قرآن'' کا جواب دینے کی کوشش کی ہے ایک دوجگہ بندہ جواب دینے سے عاجز ہے امید ہے کہ حضرت ہمیں مایوس نہیں فرمائیں گے اور ضرور جواب مرحمت فرمائیں گے۔ وہ عبارات یہ ہیں:

۱۔ ''مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اپنی کتاب فیض الباری ج۳ باب الشھادۃ عند الحاکم ج۳ ص۳۹۵ میں فرماتے ہیں **وعندی ان التحریف فیه لفظی ام المغلظة او عن عمد منهم**''

اس عبارت میں شیعہ نے تحریف قرآن پر استدلال کیا ہے۔

۲۔ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **القرآن الف الف صرف وسبعة وعشرون الف صرف**'' (تفسیر اتقان ص۸۸)

۳۔ ''تفسیر کبیر میں فوجدک ضالاً آیت کے تحت ہے **فاعلم ان بعض الناس ذهب الی انه کان**

کافراً فی اول الامر ثم ھداہ اللہ وجعلہ نبیاً قال الکلبی ووجدک ضالاً یعنی کافراً فی قوم ضلال فھداک للتوحید وقال السری کان علی کان علی دین قوم اربعین سنۃً''

یہ شانِ پیغمبر کے خلاف اقوال ہیں

۴۔ **کبیریت احمر برحاشیہ یواقیت وجواہرص۴۲اولولا مایسبق للقلوب الضعیفۃ وضع الحکمۃ فی غیر اھلھابینت جمیع ماسقط من مصحف عثمان واما ما استقر فی مصحف عثمان فلم ینازع احدفیہ ''**

اس سے تحریف کا استدلال کیا ہے۔

۵۔ تفسیر حقانی کے مقدمہ میں اور علامہ شمس الحق افغانی نے علام القرآن میں شیعہ کو منکر تحریف قرار دیا ہے اور شیعہ سے انکارِ تحریف کو ثابت کیا ہے اس کا جواب کیا ہے۔

امید ہے کہ جوابات دیکر بندہ کو مشکور فرمائیں گے۔گزارش ہے کہ پہلی فرصت میں موقع ملے تو بہتر ہوگا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

جھوک لعل خان گاڈی ڈاکخانہ پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

باسمہ تعالیٰ/ من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب مولانا.................................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج؟

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا یاد آوری کا ہزار شکریہ۔

محترم! نگاہ بھی کمزور ہوگئی ہے اور صحت بھی اچھی نہیں خاتمہ علی الایمان کے لیے دعا کریں۔

مختصر جوابات عرض ہیں

۱۔ کتابت کی غلطی کی وجہ سے بجائے **فیھا** کے جو ضمیر کتب سماویۃ کی طرف راجع ہے فیہ لکھا گیا ہے جو بظاہر قرآن کریم کی طرف راجع سمجھی جاتی ہے جو قطعی غلط ہے۔فیض الباری ج۴ص۵۳۷ میں **قال ابن عباس رضی اللہ** سے لیکر **فکان التفسیر یختلط بالتوراۃ من ھذا الطریق** تک عبارت دیکھیں بات بخوبی واضح ہوجائیگی۔

۲۔ اس بے سند اور بے ثبوت قول سے قرآن کریم میں تحریف کیسے ثابت ہوگی؟

۳۔ بعضھم سے رافضی مراد ہیں اور وہ تو تحریف کے قائل ہیں ان مردودوں کے قول سے قرآن کریم میں تحریف کیونکر ثابت ہوسکتی ہے؟ کلبی اور سُری دونوں رافضی کذاب اور وضاع ہیں ان کی نقل اہلِ حق کے لیے کیسے حجت ہوسکتی ہے؟

۴۔ کبیریت احمر میرے پاس نہیں ہے اور آجکل میں مدرسہ نہیں جاتا سیاق وسباق سے پتہ چلے گا کہ اس کا قائل کون ہے؟ تائید کرتا ہے، یا تردید کرتا ہے؟ پھر ایک غیر معصوم کے غلط قول سے قرآن کریم میں تحریف کیسے تسلیم ہوسکتی ہے؟

۵۔ شیعہ واقعی تحریف کے قائل ہیں، راقم اثیم کی کتاب ارشاد الشیعہ میں اس کی مفصل باحوالہ بحث درج ہے اس کو ضرور ملاحظہ کریں۔

مکتبۂ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے مل سکتی ہے۔

حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں بفضلہٖ تعالیٰ یہ عاصی وخاطی بھی داعی ہے۔

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز، از گکھڑ

۱۵رمضان ۱۴۱۵ھ، ۱۶فروری ۱۹۹۶ء

﴿7﴾......﴿بنام حافظ عبدالوحید الحنفی صاحب چکوال﴾......

''باسمہٖ سبحانہٗ''

منجانب ابی الزاہد....

الی محترم المقام جناب...............صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا، اور ذرہ نوازی کا تہ دل صد شکریہ۔

محترم! آپ نے جس انداز سے کتاب لکھنے کی ہدایت فرمائی ہے واقعی بہت ضروری ہے۔ مگر صد افسوس کہ فرصت کہاں سے لاؤں؟ دعا فرمائیں کہ رب العزت توفیق مرحمت فرمائے۔ اپنی نیک دعاؤں میں یاد

رکھیں۔ والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

۱۳ شعبان ۱۳۸۹ھ / بمطابق 26 اکتوبر 1969ء

﴿2﴾

''باسمہ سبحانہ''

منجانب: ابی الزاہد الیٰ محترم المقام..................صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ گرامی! آپ کا محبت نامہ موصول ہوا، یادآوری، کرم فرمائی، حسن ظنی اور ذرہ نوازی کا تہہ دل صد شکریہ۔

محترم! راقم کے خیال میں آپ کا نظریہ بہت صحیح اور قابل مبارک باد ہے۔ واقعی ہمارے علماء کرام میں وقت کے تقاضے کے ماتحت یہ مصلحت اندیشی اور کمی ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے درگزر فرمائے۔ اور راقم تائید کرتا کہ ضرور ایسے رسالے اور پمفلٹ شائع کرنے چاہییں، مگر کرے کون؟ یہ بات خاصی مشکل ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو راقم بے حد مصروف رہتا اور دائمی علالت اس پر مستزاد ہے۔ آپ جیسے مخلص ساتھیوں کی مخلصانہ دعاؤں کا محتاج ہے۔ اور ان دنوں میں بھی اکثر صاحب فراش رہتا ہے۔ نیک دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

والسلام ابوالزاہد محمد سرفراز

از گکھڑ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ / بمطابق 19 جولائی 1971ء

﴿8﴾......﴿قائدین سپاہ صحابہ کے نام خط﴾......

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام حضرت العلام جناب مولانا........................صاحب دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاجِ سامی؟

گزارش ہے کہ ''سپاہِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے حضرات نے ایران کی طاغوتی طاقت کے بل بوتے اور شہ پر چلنے اور ناچنے والی رافضیت کا پاکستان میں جو دروازہ بند کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ وقت کی اہم ضرورت ہے بلکہ دینی لحاظ سے بھی فرضِ کفایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اس مبارک کوشش کو کامیاب

کرے اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

اگر بارِ خاطر نہ ہو تو چند ضروری باتیں عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں:

[۱] جو ذہن آپ حضرات نے نوجوانوں کا بنایا ہے یا بنائیں گے وہی وہ اپنائیں گے۔ کیونکہ اکثریت اُن کی علم دین بھی نہیں رکھتی اور اکابر کو بھی نہیں دیکھا، جو آپ اُن کو بتائیں گے اُسی کو وہ حرفِ آخر سمجھیں گے اور تن من دھن کی بازی لگائیں گے۔ واللہ المؤفق

[۲] نوجوان جذباتی ہوتے ہیں اور جذبات میں بہت کچھ ''کر'' اور ''کہہ'' جاتے ہیں۔ شدت اور سختی سے کبھی مسائل حل نہیں ہوئے اور نہ قوت وطاقت سے کسی فرد یا نظریہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ صدر صدام حسین کی ضد اور نادانی کی وجہ سے تیس سے زائد طاقتور حکومتیں بھی اُسے ختم نہ کر سکیں اور وہ ابھی تک جیتا جاگتا ہے۔ اس لیے گزارش ہے کہ نوجوانوں کو قولاً اور فعلاً شدت اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ روکیں، رافضیوں کے کفر میں تو شک ہی نہیں مگر ''درودیوار'' پر ''کافر، کافر'' لکھنے اور ''نعرہ بازی'' سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا ۔

عیاں راچہ بیاں

[۳] ممکن ہے بعض جذباتی اور سطحی اذہان میری اس تحریر سے یہ اخذ کریں کہ میں ''بِک'' گیا ہوں یا ''دَب'' گیا ہوں تو یہ نظریہ درست نہ ہوگا۔ بفضلہٖ تعالیٰ یہ گناہگار انتہائی غربت اور جوانی کے زمانہ میں بھی نہ بکا ہے نہ دبا ہے، اب اسی (80) سال کی عمر میں قبر کے پاس پہنچ کر کیسے ''بِک'' یا ''دَب'' سکتا ہے؟

[۴] کافی عرصہ ہوا ہے حضرت مولانا عطاء المنعم شاہ صاحب دام مجدہم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سرکاری طور پر یوم منانے کی تحریک شروع کرنے کا ارادہ کیا تھا، میں نے اُن کو مفصل خط لکھا تھا کہ آپ کے والد محترم امیر شریعت رحمہ اللہ تو بدعات کو مٹانے کے لیے لٹھ لیے پھرتے تھے آپ اس بدعت کو کیسے جاری کرتے ہیں۔ میرے خیال میں میرا عریضہ ضرور مؤثر ہوا اور اُس کے بعد اُن کا کوئی بیان اس بدعت کے ایجاد کرنے کا میرے علم میں نہیں۔

[۵] آپ حضرات کی طرف سے زور وشور کے ساتھ حضرات خلفاء راشدین کے ایام سرکاری طور پر منوانے کا مطالبہ آتا ہے، آپ جن اکابر کے دامن سے وابستہ ہیں اُن کی تاریخ دیکھ لیجئے کبھی ایسی بدعات کے ایجاد کا تصور بھی اُنہیں نہیں آیا، عوام تو نہیں جانتے مگر آپ تو علماء ہیں، وسیع مطالعہ کے مالک ہیں اس کاروائی کے بدعت ہونے کے بارے میں آپ حضرات کے سامنے کتابوں کے حوالہ پیش کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ ولاریب فیہ

[۶] آپ حضرات کا مطالبہ صرف اور صرف ''خلافت راشدہ'' کا نظام قائم کرنے کا ہونا چاہیے جو حکمران اور

سرمایہ دار طبقوں کے لیے پیام موت ہے۔ایام منوانے کی بدعت کے پیچھے ہرگز نہ پڑیں،خلافت راشدہ کے نظام کے نافذ کرنے کے مطالبہ میں عنداللہ تعالیٰ بھی آپ سرخرو ہوں گے اور عوام کا تعاون بھی حاصل رہے گا۔

[۷]اگر خدانخواستہ آپ کے ایام منانے کی کوئی شق منظور کر لی گئی تو حکمران طبقہ بھی اور عوام بھی یہ باور کریں گے کہ ''اِن کو اَب خاموش رہنا چاہیے،ان کا مطالبہ پورا ہو گیا ہے''،اِس سے آپ کے اصل مقصد پر زد پڑے گی۔بھٹو صاحب نے جمعہ کے دن کی چھٹی کرنے پر کہہ دیا تھا کہ ''لو!اب اسلام نافذ ہو گیا ہے اور کیا چاہتے ہو؟''اور ہاں میں ہاں ملانے والے ہر دور میں رہتے ہیں،اب بھی کمی نہیں ہے۔

[۸]زہریلے قسم کے اہل بدعت سخت پروپیگنڈا کر رہے ہیں ۔ماہ جنوری 1991ء کا ''رضائے مصطفیٰ'' ضرور برضرور دیکھیں۔وما علینا الاالبلاغ

والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز

۷ارجب۱۴۱۲ھ/23 جنوری 1991ء

اس خط کے جواب میں آپ کو ایک خط موصول ہوا،جو ہمیں برادر عزیز حافظ شمس الدین خان طلحہ سلمہ کی وساطت سے موصول ہوا،ان کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہے،ملاحظہ فرمائیں۔

بخدمت جناب مولانا شیخ الحدیث ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاجِ گرامی؟

معلوم ہوا ہے کہ آپ نے انجمن سپاہِ صحابہ رضی اللہ اور جمعیۃ علماء اسلام کے سرکردہ حضرات کو ایک خط بھیجا ہے جس میں آپ نے ان کے اس مطالبہ کہ ''سرکاری طور پر حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ایام منائے جائیں'' کی تردید کی ہے اور اس کاروائی کو بدعت قرار دیا ہے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی آپ نے ایسا تحریر کیا ہے؟اگر کیا ہے تو کیا امورِ ذیل آپ کے ذہن میں ہیں یا نہیں؟

1۔ اثنا عشری فرقہ ایران وغیرہ بیرونی قوتوں کی مالی امداد کے بل بوتے پر نیچے سے اوپر کی سطح تک کسی موقع پر بھی اپنی مذہبی تشہیر کا موقع ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور اس مسلک سے وابستہ وزراء بھی انکی سرپرستی کرتے ہیں اور پروپیگنڈہ کی دنیا میں سطحی قسم کے لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔اس کا توڑ کیا ہے؟

2۔ نویں اور دسویں محرم کو سرکاری چھٹی ہوتی ہے اور اس میں پوری سرکار بشمولیت فوجی گاڑیوں کے انکی امداد کرتی ہے اس کے مقابلہ میں سنیوں کو کون سی سرکاری سہولت میسر ہے؟

3۔ یکم محرم سے دس محرم تک ریڈیو پر موسیقی اور گانے کے تمام پروگرام معطل ہوتے ہیں اور اسلامی حکومت میں یہ بارہ ماہ معطل ہونے چاہییں مگر حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہ کے ایام وفات میں گانے بجانے کی تمام دنیوی خوشیاں برقرار رہتی ہوتی ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

4۔ ایران اور اثنا عشری فرقہ کو خوش کرنے کے لیے جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کے مناقب وفضائل بیان کرنے کے لیے ریڈیو اور ٹی وی وغیر پر جتنا موقع دیا جاتا ہے کیا اتنا اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ وغیر کے فضائل بیان کرنے کا موقع بھی اسی شدومد سے دیا جاتا ہے؟ یا صرف ون وے ٹریفک چلتی ہے؟ کیا یہ خدشات بھی آپ کے ذہن میں ہیں یا نہیں؟ آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے بھرپور توقع ہے کہ آپ ان امور کا بھی گو مختصر ہو ضرور جواب دیں گے۔ فقط والسلام

دادا جان رحمہ اللہ نے اس خط کا مفصل جواب لکھا جو درج ذیل ہے

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ / من ابی الزاہد

الیٰ محترم المقام جناب..................وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ سامی! آپ کا مکتوب موصول ہوا۔ یاد آوری اور ذرہ نوازی کا تہ دل ہزار شکریہ، ورنہ من آنم کہ من دانم،

محترم! میں نے واقعی انجمن سپاہِ صحابہ رضی اللہ عنہ اور جمعیۃ علماءِ اسلام کے بعض حضرات کو تحریر بھیجی ہے۔ نتیجہ کا مجھے علم نہیں۔

ضروری تمہید:

آپ کو معلوم ہے کہ راقم اثیم دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتا ہے اور اس مکتبِ فکر کے حضرات نے توحید وسنت کی نشر واشاعت اور شرک وبدعت کی علمی اور عملی لحاظ سے جس طرح تردید اور سرکوبی کی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے اور خود راقم اثیم نے بھی ''راہِ سنت'' وغیرہ میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ آپ کے پیشِ نظر ہوگا۔ عیاں راچہ بیاں۔ پورے ہفتہ کے دنوں میں جمعہ کا دن سید الایام ہے۔ ان یوم الجمعة سيد الايام (ابنِ ماجہ ص ۷۷ ومشکوٰۃ ص ۱۲۵) اور لیلۃ الجمعۃ کی فضیلت کا کون مسلمان انکار کرسکتا ہے؟ مگر بایں ہمہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ (صرف ترجمہ ملاحظہ فرمائیں_ خادم) ترجمہ آپ نے فرمایا کہ تم راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام اور عبادت کے لیے مختص نہ کرو اور دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص نہ کرو ہاں مگر جب جمعہ ان دنوں میں آجائے جن میں تم روزہ رکھتے ہو (یعنی رمضان اور ایام بیض وغیرہ) (مسلم شریف ص ۳۶۱ ج ۱)۔ کون مسلمان رات کی عبادت اور قیام کا

انکار کر سکتا ہے؟ اور کون روزہ کی فضیلت کا منکر ہو سکتا ہے؟ مگر آنحضرت ﷺ نے امت کو یہ سبق دیا کہ تم اپنی طرف سے کسی نیکی کے لیے رات اور دن کے متعین کرنے کے مجاز نہیں حضرت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم تو کجا ہم اس کے قائل ہیں کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے کا ذکر ہوا وہاں خدا تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے ان حضرات کا ذکر تو دین ہی کا ایک پہلو اور شعبہ ہے مگر غیر قوتوں کی نقالی کر کے حضرات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے پیش کردہ نظام کو نہ اپنانا اور صرف مخصوص دنوں میں ایام منا لینا ان سے مذاق کے مترادف ہے، ایام تو نکمی قومیں منایا کرتی ہیں جنکو صرف بزرگوں کے نام سے تعلق ہوتا ہے کام سے نہیں، بزرگوں کی صحیح پیروی کرنے والی قومیں تو اپنے بزرگوں کے کام اور ان کے لائے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہوتی ہیں نری محبت اور دعوائے عقیدت سے کچھ نہیں بنتا محض غیروں کی نقالی کہ وہ خاص دن مناتے ہیں ہم بھی منائیں اسلامی روح کے خلاف ہے، حضرت ابو واقد اللیثی (الحارث بن عوف المتوفیٰ ۶۸ھ) سے روایت ہے۔ ترجمہ: کہ جب آنحضرت ﷺ حنین کی طرف نکلے تو ایک درخت کے قریب سے اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے (بعض) صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہمارے لیے بھی ذاتِ انواط مقرر کریں جیسا کہ ان کا ہے آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو ایسا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایک الٰہ بنائیں جیسا کہ ان (کنعانیوں) کا ہے پھر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ان لوگوں کے طریقہ پر چلو گے جو تم سے پہلے ہوئے (ترمذی ص۴۱ ج۲، مسند احمد ص۲۱۸ ج۵) مشرکین کا عقیدہ تو ان کے ساتھ تھا مگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارہ میں جو آنحضرت ﷺ سے فیض یافتہ اور آپ سے تربیت پانے والے تھے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ درخت کو الٰہ بنانے کے درپے تھے اور آپ سے اس کی اجازت چاہتے تھے کہ کسی درخت کو ان کا الٰہ بنایا جائے۔ معاذ اللہ تعالیٰ یہی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے محض تبرک کے لیے کسی درخت کی تعیین کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپ نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور لفظ سبحان اللہ فرما کر ان کی تردید فرمائی اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا حوالہ دیا اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو غیروں کی نقالی نہیں کرنی چاہیے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دن منایا اور مناتے ہیں اور اس امت کے بعض لوگوں نے ’’لتر کبن سنة من کان قبلکم‘‘ پر عمل پیرا ہو کر آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن بعنوان میلاد منانا شروع کر دیا جو شریعت کے لحاظ سے تو بدعت ہے ہی عشق و محبت کے اعتبار سے بھی بدعت ہے تو اپنے محبوب کی ہر دن اور ہر آن یاد کرنے کی بجائے ایک ہی دن مقرر کیا جائے اور اس میں خوشی کا اظہار کیا جائے۔ محبوب کی محبت کا تو یہ تقاضا ہرگز نہیں۔ محبوب کا ذکر تو پورے سال، ہر ماہ، ہر دن، ہر گھڑی، ہر آن مطلوب ہے یہاں سال کی انتظار کا کیا معنیٰ؟

قاصد پیامِ شوق کو اتنا نہ کر طویل
کہنا فقط یہ اُن سے کہ آنکھیں ترس گئیں

معلوم نہیں کہ آپ کی عمر کیا ہے؟ راقم اثیم جوان تھا 1929 کے لگ بھگ جناب حاجی عنایت اللہ صاحب قادری جو پہلے ہندو تھے پھر مسلمان ہوئے جب ہندو تھے تو رام لیلیٰ کا جلوس نکالتے تھے مسلمان ہوئے تو انہوں نے میلا دالنبی ﷺ کا جلوس ایجاد کیا اس کے موجد جناب قادری صاحب تاہنوز لاہور میں زندہ ہیں ان کے اس کاروائی میں دستِ راست مولوی عبدالمجید صاحب ساکن پٹی جو ’’ایمان‘‘ رسالہ بھی نکالتے تھے اور دستِ چپ سابق میئر لاہور میاں شجاع الرحمٰن کے والد الحاج عبدالقادر صاحب تھے جو دونوں بزرگ وفات پا چکے ہیں بانی ابھی تک زندہ ہیں۔ عجیب بات ہے کہ یہ جلوس بریلوی مسلک کے علماء مشائخ اور مفتیوں کو حتیٰ کہ انکے اعلیٰ حضرت کو بھی نہیں سوجھا۔ مگر ایک نومسلم ہندو کی یہ کاروائی اب عشق، محبت اور دین بن گئی ہے اور جلوس نہ نکالنے والوں پر آوازے کسے جاتے ہیں اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے فالیٰ اللہ تعالیٰ المشتکی ۔ان چاروں نے یہ کاروائی آنحضرت ﷺ کی محبت میں کی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کی شریعت میں کیا قدر ہے؟ اگر واقعی یہ محبت ہوتی تو حضرات خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم اور بقیہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ، تبع تابعین رحمہم اللہ اور تاہنوز حضرات سلف رحمہم اللہ سے یہ ہرگز نہ چھوٹتی۔ حافظ ابنِ کثیر (المتوفیٰ ۷۷۴ھ) نے کیا خوب فرمایا ہے، ترجمہ: بہر حال اہل السنۃ والجماعۃ یہ کہتے ہیں کہ جو فعل اور قول حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں وہ بدعت ہے کیونکہ اگر وہ فعل اور قول بہتر ہوتا تو وہ اس کی طرف سبقت کرتے اس لیے کہ خیر کی کوئی خصلت ایسی نہیں جس کی طرف انہوں نے مبادرت نہ کی ہو (تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۴ ج ۱)

سنت اور بدعت پرکھنے کے لیے یہ بہترین کسوٹی ہے بشرطیکہ کوئی شخص ضد اور عناد کو نہ چھوڑنے کی قسم نہ کھا چکا ہو اور بدعت کی نحوست سے اس کی قلبی استعداد ختم نہ ہو چکی ہو حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی کے لیے توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ”ان اللہ حجب التوبة عن کل صاحب بدعة“ ۔(کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔) ایک تو بدعت کی سیاہی اور نحوست سے حق قبول کرنے کی استعداد ہی ختم ہو جاتی ہے اور دوسرے جب بدعت کو آدمی کارِثواب سمجھے گا تو توبہ کیوں کریگا؟ توبہ تو گناہ اور کارِ بد سے ہوتی ہے نہ کہ نیکی اور کارِثواب سے مگر اس کے لیے حقیقت شناسی ضروری ہے ہر نگاہ کام نہیں دیتی

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن

جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

مومن کا شیوہ ہے کہ اپنی ذاتی محبت اور اپنے پسند کو شریعت اور آنحضرت ﷺ کی محبت اور پسند پر قربان کر دے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ترجمہ: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی اور نہ تھا اور فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس کو پسند نہیں کرتے۔

(شمائلِ ترمذی ص ۲۴ و مسند احمد ص ۱۳۲ ج ۳)

یہ ہے اصلی اور صحیح محبت کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب سمجھتے ہوئے بھی آپ ﷺ کے تشریف لانے پر احتراماً و تعظیماً نہیں کھڑے ہوتے تھے حالانکہ شرعاً یہ جائز تھا اور ہے مگر آنحضرت ﷺ چونکہ اس کاروائی کو پسند نہ فرماتے تھے اس لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی پسند پر آپ ﷺ کی پسند کو ترجیح دیتے تھے اور مطیع و فرمانبردار مومن کا یہی کام ہے اور صرف یہی ہونا چاہیے۔

وہی بالا ہیں دنیا میں جو اپنا نیک و بد سمجھیں
یہ نکتہ وہ ہے جس کو اہل ِدل اہلِ خرد سمجھیں

اس ضروری تمہید کے بعد شق وار جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

جوابات۔1۔اثنا عشری فرقہ ہو یا کوئی اور باطل فرقہ ان میں باہمی اتحاد، اپنے مسلک سے گہری وابستگی، مالی ایثار اور قربانی کا جو جذبہ ہے وہ مجموعی لحاظ سے اہل حق میں مفقود ہے ان کی اپنی اپنی تنظیمیں ہیں اور مشترک نقطہ پر بھی انکا اتفاق مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے افسر ہوں یا وزیر اپنے مسلک والوں کی رعایت ہمدردی اور انکی ترقی برملا کرتے ہیں جبکہ اپنے آپ کو سنی کہلانے والے برملا اپنے کو سنی کہنے کی ہمت اور جرأت بھی نہیں کرتے اور رافضیوں کا تقیہ مفت میں انکو الاٹ ہو گیا ہے اور عموماً اہلِ حق کے جلسوں اور محفلوں میں شریک ہونا اپنے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں نتیجہ بالکل واضح ہے کہ فعال گروہ اور غیر فعال کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

2۔اہل السنۃ والجماعۃ میں اتفاق اتحاد یکجہتی اور مسلکی جذبہ نہ ہونے کی وجہ سے اثنا عشری ساری سرکار کو استعمال کرتے ہیں اور انکی شنوائی ہوتی ہے حالانکہ تقریباً تین فیصد ان کی آبادی ہے اور آپ حضرات ستانوے فیصد ہوتے ہوئے بھی اپنے مطالبات نہیں منوا سکتے اتنا مطالبہ تو قانوناً آپ کا حق ہے کہ قومی خزانہ اور سرکاری گاڑیاں ایک فرقہ کے لیے کیوں استعمال ہوتی ہیں؟

3۔آپ کا یہ مطالبہ ہونا چاہیے کہ جس طرح محرم کے ابتدائی دنوں میں گانے بجانے کے پروگرام معطل ہوتے

ہیں اسی طرح بارہ مہینے یہ خرافات بند ہونے چاہییں کیونکہ اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا۔

4۔اور جس طرح ریڈیو، ٹی وی وغیرہ سرکاری اداروں میں حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مناقب اور فضائل بیان کیے جاتے ہیں اور کھلی اجازت ملتی ہے اسی طرح حضرات خلفاءِ راشدین اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فضل وکمال کے بیان کی بھی کھلی اجازت ہو اور ایسا لٹریچر جو فارسی زبان میں ہو یا اردو وغیرہ میں قدیم کتابوں میں ہو یا جدید میں (جس میں اصحاب رسول کی شان میں گستاخانہ کلمات ہیں) سب ضبط ہونا چاہیے۔ ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ ملک میں امن کو برقرار رکھتے ہوئے اور قانون کی پابندی کرتے ہوئے اپنے مطالبات آپ منوا سکیں اور نوجوان طبقہ کی ذہنی تربیت اور ان کو جادۂ اعتدال میں رکھنے کی سعی کرتے رہیں۔

وما علینا الا البلاغ

احقر: ابوالزاہد محمد سرفراز

24 رجب 1412ھ، 30 جنوری 1992ء

۞......۞......۞......۞......۞

﴿9﴾......﴿ایک مرید کے نام﴾......

باسمہ سبحانہ / من ابی الزاہد

الی عزیز القدر! جناب مولانا حافظ ....صاحب دام مجدھم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا، آپ کے اصرار وذرہ نوازی کا شکریہ

عزیز القدر! ہمارا سلسلہ نقشبندی مجددی ہے اور ہمارے مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے شاگرد اور حضرت خواجہ سراج الدین صاحب موسیٰ زئی شریف کے خلیفہ تھے، ہمارے ابتدائی وظائف پانچ ہیں

[۱] تیسرا کلمہ	چوبیس گھنٹے میں دوسو مرتبہ
[۲] سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم	چوبیس گھنٹے میں دوسو مرتبہ
[۳] درود شریف نماز والا	چوبیس گھنٹے میں دوسو مرتبہ
[۴] استغفر اللہ من کل ذنب واتوب الیہ	چوبیس گھنٹے میں دوسو مرتبہ
[۵] قرآن کریم کی حسب توفیق تلاوت	چوبیس گھنٹے میں دوسو مرتبہ

اس کے علاوہ جو وظائف اوراذکار آپ کرتے یا کرسکتے ہیں کوئی پابندی نہیں، وضوء ہوتو نورٌ علیٰ نور، نہ ہوتو پھر بھی وظائف کرسکتے ہیں۔آپ کوتحریری طور پر بیعت میں شامل کرلیا گیا ہے۔
حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں۔

والسلام

العبدالضعیف ابوالزاہد محمد سرفراز۔از گکھڑ

۲۱محرم الحرام ۱۴۲۴ھ/۲۵مارچ ۲۰۰۳ء

❁......❁......❁......❁......❁

﴿10﴾......﴿بنام مولانا عبدالروف چشتی اوکاڑوی﴾......

باسمہ سبحانہ/من ابی الزاہد

الی محترم المقام حضرت العلام جناب مولانا.........................صاحب دام مجدھم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج سامی؟

آپ کا ارسال کردہ کتابی تحفہ اور مکتوب گرامی موصول ہوچکے ہیں۔کرم فرمائی،حسن ظنی اور ذرہ نوازی کا تہ دل ہزار شکریہ

محترم! رجب شریف کے آخری ایام میں مختلف مقامات پرختم بخاری شریف کے پروگرام تھے، جن میں کراچی،فیصل آباداورسیالکوٹ وغیرہ شامل ہیں، پھر دوتین مدرسوں میں طلبہ کی دستار بندی کی تقاریب تھیں، پھر یکم شعبان سے دورۂ تفسیر شرف شروع ہےاورآخررمضان تک سرکھجلانے کا موقع بھی نہیں ملتا،زندگی رہی تو آخررمضان ان شاء اللہ العزیز ایک اورسفرہوگا، واپسی پر اسباق شروع ہوجائیں گے،کتاب دیکھے بغیر تصدیق یارائے کا اظہار آپ جانتے ہیں کہ شہادۃ الزور میں داخل ہے،اگرکسی موقع پرفرصت ملی تو ان شاءاللہ العزیز استفادہ کروں گا،حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں، نیک دعاؤں میں نہ بھولیں، بفضلہٖ تعالیٰ یہ عاصی وخاطی بھی داعی ہے۔

والسلام ابوالزاہد محمد سرفراز

۴شعبان ۱۴۱۳ھ/۲۸جنوری ۱۹۹۳ء

❁......❁......❁......❁......❁

﴿11﴾......﴿بنام جناب محمد منیب سلیم صاحب﴾......

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الی محترم المقام جناب حضرت مولانا........................صاحب دام مجدھم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا اوراس سے قبل شجاع آباد سے مولانا عبدالرشید صاحب کا گرامی نامہ بمع ایک فوٹوسٹیٹ کاپی جس پر جعلی طور پر راقم اثیم کا دستخط بھی ثبت تھا دیکھ کراور پڑھ کراس دجل اور جعل سازی پر سخت افسوس ہوا، میں نے ان کو خط لکھ دیا ہے اور بصورت اشتہار شائع کرنے کی اجازت بھی دیدی ہے راقم اثیم کا من وعن وہی نظریہ ہے جو علماء دیوبند کا ہے اور جو راقم اثیم کی کتاب ''تسکین الصدور'' اور ''سماع الموتی'' میں درج ہے اس کے خلاف کسی تحریر پر راقم نے کوئی دستخط نہیں کیا، ایسا لگتا ہے کہ دجالوں نے کسی خط سے ''احقر ابو الزاہد محمد سرفراز از گکھڑ'' کاٹ کر وہاں چٹ لگا کر اس کی کاپی بنا لی ہے۔ آپ بھی مولانا عبدالرشید صاحب کو لکھ دیں کہ وہ شائع کر دیں ورنہ فوٹوسٹیٹ کاپی آپ کو ارسال کر دیں۔ نیک دعاؤں میں نہ بھولیں، بفضلہٖ تعالیٰ راقم اثیم بھی دعا گو ہے۔

والسلام ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ / ۱۰ مارچ ۱۹۸۲ء

﴿12﴾......﴿اہم اعلان﴾......

(ان خیالات کا اظہار حضرت امام اہل سنت جمعہ کے موقع پر فرمایا جسے بعد میں آپ کے ذاتی پیڈ پر تحریر کر کے آپ سے تائیدی دستخط کرائے گئے۔)

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد محمد سرفراز خان صفدر

خطیب: مرکزی جامع مسجد گکھڑ،

مدرس: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

الرشید ٹرسٹ اور الاختر ٹرسٹ پر پابندی بلا جواز ہے، یہ سب امریکہ بہادر کے اشارے پر ہو رہا ہے، آج پاکستان امریکہ کی کالونی بن چکا ہے، آج کے مسلمان اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر امریکہ وبرطانیہ کی مکمل ترجمانی کر رہے ہیں جس کی تازہ مثال الرشید اور الاختر ٹرسٹ پر پابندی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ

'' کچھ لوگ میری خلافت کو اپنی طرف منسوب کر کے عوام کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں، حالانکہ میرے خلفاء میں میرے بیٹوں کے علاوہ [۱] مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہ [۲] مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحبؒ [۳] مولانا مفتی جمیل خان شہیدؒ [۴] مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب مدظلہ [۵] مولانا سعید احمد جلالپوری صاحب مدظلہ اور [۶] مولانا قاری جمیل الرحمٰن اختر صاحب شامل ہیں۔

(نوٹ: اس تحریر کے بعد حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد حسن صاحب مدظلہ [لاہور] کو بھی خلافت عطا فرمائی۔)

ان کے علاوہ اگر کوئی میری خلافت کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو غلط ہے اگر پھر بھی کوئی غلط فہمی کا شکار ہے تو وہ اپنی خلافت منسوخ سمجھے۔

ابوالزاہد محمد سرفراز

جمعۃ المبارک ۵ صفر المظفر ۱۴۲۸ھ/ ۲۳ فروری ۲۰۰۷ء/۱۱ پھاگن

نصیحت

حضرت امام اہل سنت حق گو تھے اور اس میں اکابر کے طریقۂ کار پر عمل پیرا تھے۔ حضرت کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن شاہد صاحب جب گوجرانوالہ کے پوش ایریا واپڈا ٹاؤن کی مرکزی جامع مسجد میں خطیب مقرر ہوئے تو حضرت امام اہل السنۃ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: '' دیکھو بیٹا! نوکری اور ملازمت نہیں کرنی، واپڈا ٹاؤن پوش ایریا ہے وہاں پر امیر اور دولت مند لوگ رہتے ہیں وہاں حق گوئی سے کام کرنا، بات سچ کرنا ہمارے اکابر کا یہی طریقہ کار رہا ہے، وہاں کی دولت کی وجہ سے، روپے پیسے کی وجہ سے کہیں زبان لڑکھڑا نہ جائے، اپنے اکابر کا دامن نہ چھوڑنا، تیری زبان سے حق سچ ہی ہمیشہ نکلنا چاہیے، البتہ زبان کا لب ولہجہ نرم رکھنا، حضرت امام اہل السنۃ کا اپنا طریقہ کار بھی یہی تھا، ہمیشہ حق گوئی ہی سے کام لیا، حضرت کی تحریر بھی ہمیشہ ایسی ہی ہوتی تھی کہ جب کسی باطل کے خلاف لکھنا شروع کرتے تو حضرت کے دلائل کے سامنے باطل کے دلائل کرچی کرچی ہوتے محسوس ہوتے مگر اس کے باوجود زبان اور قلم کے استعمال میں اعتدال کا دامن نہ چھوڑتے۔ (ماہنامہ ھدی للناس، امام اہل سنت نمبر)

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ تعالیٰ

نفاذِ شریعت کی اہمیت اور برکات

(محترم قارئین! ذیل میں حضرت اقدس داداجان نوراللہ مرقدہ کی ایک نایاب تحریر پیش خدمت ہے جو کافی عرصہ قبل ایک پمفلٹ کی صورت میں کراچی سے طبع ہوئی تھی، اب ناپید ہے، مولانا عطاء اللہ صاحب مدظلہ [خانقاہ شریف، بہاولپور] کی وساطت سے یہ ہمیں موصول ہوئی ان کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ بندہ معذرت خواہ ہے کہ اس پمفلٹ کے ایک صفحے کا کونا حوادثات زمانہ کی نذر ہوگیا باوجود کوشش کے اورنسخہ کہیں سے دستیاب نہ ہوسکا، افادیت کے پیش نظر اسے اسی طرح پیش کیا جارہا ہے، جتنا حصہ غائب ہے اتنے حصہ پر خالی جگہ چھوڑ دی گئی ہے اگلی پچھلی عبارت دیکھنے سے شاید معنیٰ سمجھ آجائے۔ [خادم، حمزہ])

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد!

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا رشاد ہے ''للہ ملک السمٰوات والارض'' کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک صرف اللہ تعالی کے لیے ہے، کیونکہ وہی خالق وہی مالک اور وہی متصرف ہے، تو یہ بات فطرت اور انصاف کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کما حقہ ماننے والوں کے ملک میں قانون کسی اور کا نافذ ہو۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے بڑھ کر کوئی بھی علیم وخبیر نہیں اور اس سے زیادہ کوئی حکیم ورحیم بھی نہیں، اس نے جو احکام دیئے ہیں سب حق اور صحیح ہیں اور کوئی بھی حکم مصلحت اور حکمت سے خالی نہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو کیا جانیں؟ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ؟ اللہ تعالیٰ کو رحمٰن ورحیم اور حکیم تسلیم کر لینے کے بعد اس کا کوئی حکم بھی ظالمانہ جابرانہ اور وحشیانہ نظر نہیں آئے گا، ایسا نظریہ صرف ان لوگوں کا ہوسکتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں اور وہ مغربیت زدہ ذہن رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ڈاکہ چوری زنا قذف وغیرہ جرائم کی واضح الفاظ میں سزائیں اور حدود بیان کی ہیں تاکہ کوئی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرے اور امن وامان کے ساتھ ہر آدمی پرسکون زندگی بسر کرسکے۔ اگر یہ سزائیں نہ دی جائیں تو آج ہم اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہے ہیں اور روزانہ ملکی اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ نہ تو کسی کی جان محفوظ ہے،

نہ مال محفوظ ہے اور نہ عزت وآبرو محفوظ ہے، ڈاکوؤں چوروں اور بدمعاشوں کا دور دورہ ہے اور وہ دندناتے پھرتے ہیں اور جب پکڑے جاتے ہیں تو بڑی آسانی اور آنکھوں کے اشاروں سے مک مکاؤ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی قدرے اکڑ جائے تو اس کو پولیس مقابلہ میں ختم کر دیا جاتا ہے، کوئی محکمہ رشوت اور گھپلوں سے خالی نہیں، عوام ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں اور بعض تو پیٹ بھر کر کھانے سے بھی محروم ہیں، اور بلوں اور ٹیکسوں کی اتنی بھر مار ہے کہ عوام بے چارے سوئی گیس بجلی ٹیلی فون اور پانی وغیرہ کے بل ادا کرتے بھی بلبلاتے ہیں، اور حکمران طبقہ ہے جو **صم بکم عمی** کا مصداق ہے، عوام کی خیر خواہی کے لیے کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی اور ان کو حلال وحرام کی تمیز سے بالاتر ہو کر دولت جمع کرنے اور لوٹنے کھسوٹنے کی فکر ہے، موت قبر آخرت اور یوم الحساب کی فکر سے اکثریت بے نیاز ہے، سب کچھ اس ملک میں ہو رہا ہے، جس کے حاصل کرنے کا مقصد ہی اسلام اور صرف اسلام تھا، اور بچہ بچہ جانتا ہے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ'' مگر صد افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ کے واضح اور صریح احکام کو رد کر کے امریکہ بہادر کی مرضی کو ترجیح دی جا رہی ہے، جس پر ہر مسلمان دردمند ہے

میرے درد کی حقیقت میرے آنسوؤں سے پوچھو
میرے قہقہوں کی دنیا میری ترجماں نہیں ہے

اسلام میں ظلم کا تصور بھی نہیں!

مذہب اسلام نے کسی مرحلہ میں بھی کسی پر رتی برابر ظلم کو روا نہیں رکھا، خود ظلم کرنا تو درکنار اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ظالموں کے ساتھ میل جول بھی نہ رکھو! ارشاد ہے **''ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون''** [پارہ 13 ہود 10] اور مت جھکو ان کی طرف جو ظالم ہیں پھر تم کو لے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے، ترجمہ از شیخ الہند

اس کی تفسیر میں وہ بزرگ جس نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پاکستان کا جھنڈا لہرایا تھا شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ [المتوفی ۱۳۶۹ھ] فرماتے ہیں کہ پہلے ''لا تطغوا'' میں حد سے نکلنے کو منع کیا تھا اب بتلاتے ہیں کہ جو لوگ ظالم (حد سے نکلنے والے) ہیں ان کی طرف تمہارا ذرا سا میلان اور جھکاؤ بھی نہ ہو، ان کی موالات مصاحبت، تعظیم وتکریم مدح وثنا، ظاہری تشبہ، اشتراک عمل، ہر بات سے

حسب مقدور محترز رہو! مبادا آگ کی لپیٹ تم کو نہ لگ جائے، پھر نہ خدا کے سوا تم کو کوئی مددگار ملے گا اور نہ خدا کی طرف سے کچھ مدد پہنچے گی۔ [فوائد عثمانیہ 303 ف 5]

آج ظالموں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کا جو تعاون ہو رہا ہے اور ان کی مدح وثنا کے جو گیت گائے جا رہے ہیں جن کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہے، وہ کسی بھی اہل حق اور منصف مزاج سے مخفی نہیں ہے

سفر کی سمت کا کوئی تعین ہو تو کیسے ہو؟

غبارِ کارواں کچھ راستہ کچھ اور کہتا ہے

عورت کی حکمرانی (جو شرعاً ناجائز ہے) میں جو قتل وغارت، گرانی اور ملکی فسادات برپا ہیں وہ بالکل ختم ہوتے دکھائی نہیں دیتے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہری سزا ہے کہ قوم نے اپنے ووٹ کی گواہی اور شہادت سے نااہل لوگوں کو عوام پر حکمرانی کا حق دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''**الا لــه الـخـلـق والامـر تبـارک الله رب العالمين**'' سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا [ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ] مولانا شبیر احمد عثمانی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ پیدا کرنا خلق ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا یہ امر ہے اور دونوں اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہیں، اس طرح وہی ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہے [فوائد عثمانیہ ص 204]

نفاذ شریعت کی برکات:

دنیا ومافیہا کے تمام خزانوں کا خالق، مالک اور متصرف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سب کچھ اس کے قبضے میں ہے، وہ جیسے چاہتا ہے ان میں تصرف اور تدبیر کرتا ہے، جب وہ راضی ہوتا ہے تو تمام اشیاء میں برکات ہی برکات ہوتی ہیں اور جب وہ ناراض ہوتا ہے اور زمین میں گناہوں کی وجہ سے اس کی نافرمانی ہوتی ہے تو وہ ناراض ہو کر اپنی رحمت اور برکت روک لیتا ہے، حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر [المتوفی ۷۷۴ھ] مشہور مفسر ابوالعالیہ [الریاحی رفیع بن مہران المتوفی ۹۳ھ] سے **ظهـر الفساد في البر والبحر** [الآیہ] کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:

''جس شخص نے زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تو اس نے زمین میں فساد برپا کیا، کیونکہ زمین وآسمان کی اصلاح اطاعت سے ہے، اور اسی لیے ابوداؤد کی حدیث میں آتا ہے کہ زمین پر شرعی طور پر ایک حد کا قائم کرنا زمین کے باشندوں کے لیے چالیس دن کی [مناسب] بارش سے زیادہ محبوب وبہتر ہے، اور اس

کی وجہ یہ ہے کہ جب حدود قائم کی جائیں گی تو لوگ یا ان میں سے اکثر حرام کاریوں سے رک جائیں گے، اور گناہ ترک کردیئے جائیں گے تو آسمان وزمین کی برکات حاصل ہوں گی اور یہی وجہ ہے کہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوکر اس پاکیزہ شریعت کے مطابق فیصلے صادر فرمائیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے (اور یہود ونصاریٰ کی قوت ختم کرڈالیں گے) اور جزیہ لینا موقوف کردیں گے اور اسلام اور جہاد بالسیف کے بغیر کوئی چیز قبول نہیں کریں گے تو ان کے دور میں اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے پیروکاروں اور یاجوج ماجوج کو ہلاک کردے گا اور زمین کو حکم ہوگا کہ اپنی برکات نکال! اس وقت ایک انار کو کئی گھرانے کھائیں گے اور اس کے چھلکے کے سایہ میں کئی لوگ بیٹھ سکیں گے اور ایک اونٹی کا دودھ لوگوں کی خاص جماعت کو کفایت کرے گا اور یہ سب کچھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے نفاذ کی برکت سے ہوگا، اور جب بھی عدل قائم کیا جائے اس کی برکات اور خیر زیادہ ہوتی ہے اسی واسطے بخاری اور مسلم (جلد 1 ص 308) کی روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی نافرمان مرتا ہے تو اس سے بندوں کو شہروں کو درختوں کو اور جانوروں کو راحت حاصل ہوتی ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سے محمد رحمہ اللہ اور حسین دو راویوں نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عوف، وہ ابومخزم سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زیاد، یا ابن زیاد کے زمانہ میں ایک تھیلا ملا جس میں کھجور کی گٹھلیوں کے برابر (ایک گٹھلی کا وزن نو ماشے اور تولہ بھی نکلا ہے) گندم کا ایک ایک دانہ تھا ان پر لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے کے دانے ہیں جس میں عدل وانصاف پر عمل ہوتا تھا[تفسیر ابن کثیر ج 3 ص 435] ابوداؤد کی جس روایت کا حوالہ حافظ ابن کثیر نے دیا ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے نسائی [جلد 2 ص 223] اور ابن ماجہ [ص 185] وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے، امام سیوطی [المتوفی ۹۱۱ھ] فرماتے ہیں کہ "صحیح" ہے [الجامع ج 1 ص 187] مادہ پرست اور ظاہر بین جنھوں نے اپنے قلوب اذہان کو مغربی تہذیب وتمدن کے ہاں گروی رکھ دیا ہے ان نفس الامری باتوں کا مذاق اڑائیں گے مگر اہلِ ایمان، اہلِ خرد اور پختہ عقیدہ رکھنے والے مسلمان ایسے واقعات کو بلا چون وچرا تسلیم کرتے ہیں، اور ان شاء اللہ العزیز کرتے رہیں گے۔

عدل وانصاف کے دور کی ترا ورسنگترہ:

جس زمانے میں عدل وانصاف ہوتا تھا اس زمانہ میں سبزیوں اور پھلوں وغیرہ ہر چیز میں برکت ہوتی تھی امام ابوداؤد (سلیمان بن اشعث [المتوفی ۲۷۵ھ]) فرماتے ہیں کہ:

''شبرت قثاء ة بمصر ثلاثة عشر شبرا ورايت اترجه علىٰ بعير قطعت قصيرت علىٰ مثل عدلين'' [ابو داؤد ج1 ص226]

میں نے مصر میں ایک تر کو ماپا تو وہ تیرہ (13) بالشت نکلی، اور ایک سنگترہ اتنا بڑا دیکھا کہ اس کو دو حصے کر کے ایک اونٹ پر دو طرف لادا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز خارج اور بعید نہیں ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر یقین رکھتے ہیں وہ اہلِ نظر ایسی چیزوں کے ماننے میں تامل نہیں کرتے، ضد عناد اور حق سے انکار کا مخلوق کے پاس کوئی علاج نہیں ہے

اے اہلِ نظر ذوق خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟

عدل وانصاف کی برکت سے فقر وفاقہ اور ڈاکہ اور بدی مٹتی ہے:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ [المتوفی ۲۸ھ] فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فقر فاقہ کا شکوہ کیا اس کے بعد ایک دوسرا آیا اس نے ڈاکہ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا اے عدی! تو نے حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ دیکھا تو نہیں لیکن اس کے بارے مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ حیرہ (کوفہ کے قریب ایک مشہور شہر تھا، جس کو نعمان نامی شخص نے آباد کیا تھا) ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تیری زندگی لمبی ہوئی تو تو ضرور دیکھے گا کہ اونٹ کے کجاوہ میں سوار عورت حیرہ سے چل کر کعبۃ اللہ کا طواف کرے گی اور اللہ تعالیٰ کے سوا سے کسی کا خوف اور ڈر نہ ہوگا، حضرت عدی رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا بنو طے (حاتم طائی کا خاندان جو سخاوت میں مشہور تھا اور حضرت عدی کا والد تھا) کے غنڈے بدمعاش اور ڈاکو اس وقت کہاں ہوں گے جنہوں نے شہروں میں فتنہ وفساد اور شرارت کی آگ جلا رکھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اگر تیری زندگی طویل ہوئی تو کسریٰ کے (ایران کا بادشاہ تھا) کے خزانے ضرور فتح کیے جائیں گے، میں نے کہا کسریٰ بن ہرمز کے؟ آپ نے فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز کے! پھر آپ نے فرمایا اگر تیری زندگی زیادہ ہوئی تو دیکھے گا کہ آدمی ہاتھ بھر کر سونا اور چاندی (زکوٰۃ اور صدقہ کے طور پر) لیے لیے پھرے گا مگر اسے کوئی لینے والا نہیں ملے گا۔ (پھر آگے حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا) میں نے آنکھوں کے ساتھ کجاوئی سوار عوت کو دیکھا کہ حیرہ سے چل کر بیت اللہ کا طواف کر رہی

ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہیں اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کے فتح کرنے والوں میں میں بھی شریک تھا، اور فرمایا اے سامعین! اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی صداقت بھی دیکھ لو گے کہ اوکھ(لپ) بھرا ہوا مال بھی کوئی وصول نہیں کرے گا، [بخاری ج1 ص507/508] ومختصراً[ج1 ص190]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ[المتوفی ۸۵۲ھ]''فلا یجد احداً یقبلہ '' کی شرح میں کہتے ہیں کہ فقراء اس زمانے میں نہ ہوں گے اس لیے مال لینے والا بھی کوئی نہ پایا جائے گا، پہلے کتاب الزکوٰۃ میں ان حضرات کا قول بیان ہو چکا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کاروائی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے نزول کے بعد ہوگی اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس میں اس کی طرف اشارہ ہو جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ کے دور میں ہوا اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں یعقوب بن سفیان رحمہما اللہ سے ان کی سند کے ساتھ عمر بن اسید بن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو صرف 30 ماہ ہی خلافت کرنے کا موقع ملا لیکن بخدا ان کی اس وقت تک وفات نہیں ہوئی جب تک کہ آدمی (زکوٰۃ کا) کثیر مال لیے لیے پھرتا تھا اور کہتا تھا کہ اس مال کو جہاں مناسب سمجھو فقراء میں تقسیم کر دو اور اسی لگن میں وہ مصارف کو ڈھونڈنے اور تلاش کرنے میں لگا رہتا تھا، مگر اس کو لینے والا کوئی نہ ملتا، کیونکہ حضرت عمر رحمہ اللہ نے لوگوں کو مالدار کر دیا تھا، تو وہ مال لے کر گھر واپس آجاتا [فتح الباری جلد 6 ص312 وللفظ لہ البدایۃ والنہایہ ج5 ص64 لحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ]

اس سے خلیفہ راشد و عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عدل حسن انتظام اور عوام کی خیر خواہی کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ زکوٰۃ و صدقات وصول کرنے والوں کا ڈھونڈنے کے باوجود بھی نشان نہیں ملتا تھا اور دینے والے افسردہ ہو کر گھر کو واپس ہوتے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی علامہ ابن التین رحمہ اللہ[عبدالواحد بن التین شارح بخاری] کے حوالے سے لکھتے ہیں امام ابن التین فرماتے ہیں کہ یہ کاروائی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے نزول کے بعد ہوگی کہ جس وقت زمین اپنی تمام برکات نکالے گی یہاں تک کہ ایک انار سے ایک گھرانہ سیر شکم ہو جائے گا اور زمین میں کوئی کافر باقی نہ رہے گا۔[فتح الباری ج3 ص282] امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ [المتوفیٰ ۲۲۴ھ] اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل [التوفی ۱۸ھ] (جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 10 ھجری میں یمن کے ایک صوبہ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا

اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی یمن کے گورنر تھے) نے وہاں کے صدقات کا تیسرا حصہ مدینہ طیبہ ارسال کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''ولکن بعثتک لتاخذ من اغنیاء الناس فترد ھا علیٰ فقراء ھم'' لیکن میں نے تو تجھے اس لیے (یمن) بھیجا تھا تاکہ تو اغنیاء سے مال لے کر ان کے محتاجوں پر تقسیم کرے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یمن میں فقراء پر تقسیم کرنے کے بعد جو بچ گیا ہے وہ مرکزی بیت المال میں جمع کرانے کے لیے ارسال ہے دوسرے سال حضرت معاذ نے نصف صدقہ مدینہ طیبہ بھیج دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر وہی سوال کیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی پھر وہی جواب دیا، تیسرے سال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن سے اپنے صوبے کا سارا صدقہ مدینہ طیبہ بھیج دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (غالباً ذرا سختی سے) سوال کیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یمن کے لوگ (اسلام کے اقتصادی اور معاشی نظام کی بدولت) اس قدر خوش حال اور آسودہ ہو گئے ہیں کہ یہاں ایک شخص بھی اب ایسا نہیں رہا جس کو میں صدقہ دوں۔ [کتاب الاموال ص 596]

صرف اس ایک واقعہ سے خلافت راشدہ کے سنہری دور کی برکات اور اسلام کے عادلانہ اور منصفانہ اقتصادی اور معاشی نظام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، پورے صوبے میں ایک بھی فقیر اور محتاج اور صدقات کا مصرف نہ رہا اور اس سے لینے والوں کے ضمیر، خودداری اور خدا خوفی کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے، خدانخواستہ ہمارا زمانہ ہوتا تو غیر مستحق اور غیر مصرف لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر خود زکوٰتیں اور صدقات مانگتے اور سب کچھ ناجائز طور پر ہڑپ کر جاتے اور صدقات کی رقموں سے اپنی گلی، نالی اور سڑک ٹھیک کرتے، بلکہ الیکشن میں صرف کر دیتے بہت قربانی اور ایثار سے کام لیتے تو ہسپتال اور برائے نام رفاہ عام کے کاموں کی عمارات اور مشینوں پر صرف کر دیتے، راقم اثیم کہتا ہے کہ ان بظاہر مختلف اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہے، اسلام کے عدل وانصاف اور اقتصادی نظام کی برکت سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ایسا ہو چکا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ....اشارہ ہے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً..............پھر اللہ تعالیٰ زمین سے فرمائے گا..............کو ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے..............کے گا حتیٰ کہ ایک اونٹنی کا دودھ لوگوں کی متعدد..............اور ایک بکری کا دودھ ایک خاندان کو کافی ہوگا.......................... [ابن ماجہ ص 307، مستدرک ج 4 ص 493]..............

اس صحیح اور صریح حدیث سے عدل کی برکت سے پھلوں............... برکت کا ثبوت ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے ایک اور مرفوع حدیث میں یوں......................

حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں اور جزیہ لینا بند کردیں گے اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں گے اللہ تعالیٰ ان کے دور میں مسیح دجال کو ہلاک کرے گا اور زمین میں امن ہوگا، یہاں تک کہ شیر اونٹوں کے ساتھ اور چیتے بیلوں اور گایوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بھیڑ بکریوں کے ساتھ اکٹھے چریں گے، اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے، وہ ان کو کوئی ضرر نہ دیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد 40 سال رہیں گے پھر ان کی وفات ہوگی اور اہل اسلام ان کا جنازہ پڑھیں گے۔

[المستدرک ج 2 ص 595، قال الحاکم و الذھبی رحمہما اللہ ’’صحیح‘‘]

عدل وانصاف کا اثر موذی حیوانات پر بھی ہوتا ہے:

شیر چیتا اور بھیڑیا کیسے موذی درندے ہیں! عام آدمی تو ان کا نام سن کر ہی بدحواس ہو جاتا ہے اور بیچارے کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں مگر جب زمین پر عدل وانصاف ہو تو نہ تو درندے کسی کو تکلیف دیتے ہیں اور نہ مال ومویشی ان سے گھبراتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد عدل کے دور میں بچوں کا سانپوں سے کھیلنا اور بچوں کا ان سے نہ ڈرنا اور اُن کا بچوں کو نہ کاٹنا صحیح احادیث کے حوالے سے آپ پڑھ چکے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پیغمبر ہیں، رسول اور نبی کا درجہ تو بہت ہی بلند ہوتا ہے اور ان کی برکات بھی بے حد و بے حساب ہوتی ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز جو صحابی بھی نہ تھے بلکہ تابعی تھے مگر خلیفہ راشد تھے ان کے مبارک دور کے بعض تاریخی واقعات ملاحظہ فرمائیں:

(ا)................. ملک شام کی طرف روانہ ہوئے شام.................... کے ہاں ٹھہرے جس کے پاس کثیر تعداد میں................ بکریاں دن کو چر کر رات کو گھر آتیں، ان مہمانوں نے..................... دیکھی، یہی دیکھا کہ اس کو آسودہ زندگی حاصل ہے۔ اسی.................. اس کے چرواہوں میں سے ایک آیا اور اس نے کہا کہ آج ایک..................... میری بکریوں پر حملہ کیا ہے اور ایک بکری لے گیا ہے، اس کے مالک نے ’’انا للہ وانا الیہ راجعون‘‘ پڑھا، پھر بہت ہی سخت افسوس کرنے لگا، ہم میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ اس شخص کے پاس کوئی خیر اور حوصلہ نہیں ہے ایک بکری کے لیے ایسا افسوس اور غم کر رہا ہے جس کو درندہ کھا گیا ہے،، بعض ساتھیوں نے اس سے گفتگو کی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تو اتنی وسعت اور فراخی عطا

فرمائی ہے ایک بکری کے لیے اتنا غم اورافسوس کیوں؟ اس نے کہا کہ تم جو میری پریشانی دیکھ رہے ہو یہ بکری کی وجہ سے نہیں بلکہ مجھے خوف ہے کہ اس رات کہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز وفات نہ پا گئے ہوں، بخدا درندے نے بکری پر حملہ نہیں کیا مگر ان کی موت کے بعد، انہوں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ واقعی اسی دن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی وفات ہوئی۔ [الامامہ والسیاسہ ج2 ص123 طبع مصر]

اس سے عیاں ہوا کہ عدل وانصاف کا اثر صرف انسانوں اور مکلّف مخلوق تک ہی محدود نہیں بلکہ موذی قسم کے درندوں پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے کہ عادل کے مرنے کے بعد ہی ان کو حوصلہ ہوا۔

(۲) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (اپنی) سند کے ساتھ موسیٰ بن ایمن الراعی سے نقل کرتے ہیں:

''انہوں نے فرمایا کہ میں (علاقہ کرمان میں) محمد بن عیینہ کی بکریاں چراتا تھا اور فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت میں شیر وحشی جانور اور بھیڑ بکریاں ایک ہی جگہ پر چرتی تھیں ایک دن ایک بھیڑیا ایک بکری پر حملہ آور ہوا تو میں نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھا اور کہا کہ میں یہی سمجھتا ہوں کہ مرد صالح فوت ہوگیا ہے۔'' [البدایہ والنہایہ ج 9 ص203]

یعنی جس وقت تک خلیفہ راشد وعادل زندہ تھا بھیڑیوں کو بھی بکریوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، علامہ ابن سعد رحمہ اللہ اپنی سند کے ساتھ موسیٰ بن ایمن الراعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

جو محمد بن عیینہ کے چرواہے تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم کروان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دورِ خلافت میں بھیڑ بکریاں چراتے تھے، اس زمانہ بھیڑ بکریاں، بھیڑیئے اور وحشی جانور ایک جگہ چرتے تھے، اسی حالت میں ہم تھے کہ ایک رات بھیڑیا بکری پر حملہ آور ہوا، ہم نے کہا کہ ہم یہی خیال رکھتے ہیں کہ نیک آدمی وفات پا گیا ہے۔'' [طبقات ابن سعد ج5 ص387 طبع بیروت]

آگے لکھا ہے کہ ''تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ واقعی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اسی رات وفات پا گئے تھے۔''

یہ واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی تھوڑے سے تغیر الفاظ کے ساتھ [البدایہ والنہایہ ج9 ص203 میں] نقل کیا ہے۔

الحافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی [المتوفی ۴۳۰ھ] اپنی سند کے ساتھ جسر القصاب رحمہ اللہ [میمون الکوفی ابوحمزہ القصاب] کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

''وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت میں بکریوں کا دودھ دوہا کرتا تھا، میں نے ایک چرواہے کی بھیڑ بکریوں میں 30 بھیڑیئے دیکھے مگر میں ان کو کتے سمجھا اور میں نے اس سے قبل بھیڑیئے نہیں دیکھے تھے، میں نے اس چرواہے سے کہا کہ اتنے کتوں سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ اس نے کہا اے پیارے بیٹے! یہ کتے نہیں یہ تو بھیڑیئے ہیں! میں نے کہا سبحان اللہ! بکریوں میں بھیڑیئے ان کو ضرر نہیں دیتے؟ اس نے کہا اے پیارے بیٹے! جب سر (یعنی بادشاہ) درست ہو تو باقی جسم (یعنی رعیت) پر کوئی حرج نہیں اور یہ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دورِ خلافت کا ہے۔'' [حلیۃ الاولیاء ج5 ص255]

جب بادشاہ اور حکمران عادل ہوں تو پھر شیر، چیتے، ریچھ، وحشی جانور اور بھیڑیئے بھی بھیڑ بکریوں کو کچھ نہیں کہتے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا عدل وانصاف اور دینی امور میں احتیاط تاریخ اسلام میں سنہرے حروف سے مرقوم ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت دو سال اور پانچ ماہ تھی۔ [طبقات ابن سعد ج5 ص407] اور پانچ ماہ سے بھی دس دن کم تھے۔ [ایضاً ج5 ص346] اور اس قلیل مدت میں انہوں نے خدا خوفی، موت، فکر آخرت اور احتیاط کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، چند واقعات ملاحظہ ہوں:

[۱] جب رات کو وہ عوام اور پبلک کا کام کرتے تو بیت المال کا چراغ استعمال کرتے، لیکن جب اپنا ذاتی کام اور گھریلو معاملہ اور گفتگو ہوتی تو اپنا ذاتی چراغ جلاتے۔ [طبقات ابن سعد ج5 ص 399]

[۲] ولید نے ان کو ایک نگینہ دیا تھا جو انہوں نے اپنی انگوٹھی میں لگا لیا تھا، جب خلافت کا بوجھ سر پر پڑا تو وہ نگینہ بھی واپس کر دیا اور فرمایا کہ ولید نے یہ مجھے ناحق دیا تھا۔ [البدایہ والنہایہ ج9 ص208]

[۳] ایک مرتبہ اپنے غلام کو تھوڑا گوشت دیا وہ جلدی میں بھون لایا، فرمایا کہ اتنی جلدی میں بھون لائے؟ اس نے کہا کہ نادار مسلمانوں کے لیے جہاں مطبخ میں کھانا پکتا ہے میں اس میں بھون لایا ہوں، فرمایا کہ اس گوشت کو تو کھا تو مستحق ہے، اس مطبخ میں میرا کوئی حق نہیں۔ [ایضاً ص202]

[۴] ایک دفعہ وضو کا پانی اس مطبخ کی آگ سے گرم کر کے دیا گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک درھم کا ایندھن اس کے عوض میں وہاں بھیجا۔ [ایضاً]

[۵] ریاح بن عبیدہ کہتے ہیں کہ بیت المال کے خزانہ سے ایک دفعہ کستوری نکالی گئی اور ان کے سامنے رکھی گئی تو انہوں نے فوراً اپنی ناک بند کر لی، اس خوف سے کہ خوشبو نہ محسوس ہو، مجلس میں حاضر ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین! اگر کستوری کی خوشبو سونگھ لیتے تو کیا نقصان ہوتا؟ تو فرمایا کہ کستوری سونگھنے کی ہی تو چیز ہے!

(میں کیوں استفادہ کروں؟)[طبقات ابن سعد ج5 ص368]

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے حکام کو یہ لکھا "**ان اقامة الحدود عندی کاقامة الصلوٰة والزکوٰة**" [طبقات بن سعد ج5 ص378] کہ بے شک حدود کا قائم کرنا میرے نزدیک ایسا ہی (ضروری) ہے جیسے نماز وزکوٰۃ کا ادا کرنا۔اور یہ شرعی حدود کے اجراء کی برکت ہی تھی کہ بکریاں بھیڑیں اور بھیڑیئے اکٹھے رہتے تھے اور ملک میں زکوٰۃ لینے والا کوئی غریب نہیں ملتا تھا اور سب کی جانیں، اموال اور آبروئیں محفوظ تھیں اور اگر اس دور کے حکمرانوں کی طرح گھپلے بازی، رشوت ستانی، اقرباء نوازی اور احکام شرع سے تنفر ہوتا تو پھر یہ برکات کہاں ہوتیں؟ اور آج ہم خالق اور خلق کے ساتھ وعدہ خلافی اور حدود وتعزیرات کے عدم اجراء کی وجہ سے ذیل کی مصیبتوں میں مبتلا ہیں جن کے ازالہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

حدود وتعزیرات اسلامی کو نافذ نہ کرنے کی نحوست:

اس سے قبل آپ نے احکام خداوندی اور حدود شرعیہ کے اجراء ونفاذ کی برکات ملاحظہ کیں اب عدم اجراء کی نحوست بھی دیکھ لیں۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب کہ مجلس میں مہاجرین کی اکثریت تھی اور خلافت بھی انہی کو ملنی تھی) اے مہاجرین کے گروہ! پانچ چیزیں ہیں جبکہ تم ان میں مبتلا ہو گے اور یہ تم پر وارد ہوں گی اور میں اللہ تعالیٰ سے پناہ لیتا ہوں کہ یہ چیزیں تم میں ظاہر ہوں [۱] جب بھی کسی قوم میں بے حیائی ظاہر ہو گی اور وہ اس میں آلودہ ہو گی تو اس قوم میں طاعون کی بیماری اور ایسے درد ظاہر ہونگے جو اس سے پہلے اس کے بڑوں میں نہ تھے۔اور [۲] جب وہ ماپ اور تول میں کمی کرے گی تو مہنگائی، سخت تکلیف اور حکمرانوں کے طرف سے ظلم وجبر میں مبتلا ہو گی۔اور [۳] جب بھی (پوری) زکوٰۃ ادا نہیں کرے گی وہ خشک سالی کا شکار ہو گی، اگر حیوانات نہ ہوں تو اس قوم پر بارش نہ برسے، اور [۴] جب بھی کوئی قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کیے ہوئے وعدے کو نظر انداز کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمنوں کو مسلط کرے گا اور وہ دشمن اس کے ملک کے بعض حصہ پر قبضہ کر لے گا۔اور [۵] جب حکمران طبقہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (اور اس کے قانون) کو ترک کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان میں آپس کے اختلافات پیدا کر دے گا۔[مستدرک ج4 ص540 قال الحاکم والذہبی صحیح]

اس صحیح حدیث کا ایک ایک حرف دیگر مسلمانوں کے ملکوں پر عموماً اور پاکستان پر خصوصاً فٹ آتا ہے جس کے بنانے کا مقصد ہی اسلام کا نفاذ تھا، مگر صد افسوس ہے کہ پاکستان بنانے والوں میں بغیر چند بھولے بھالے بزرگوں کے کوئی بھی اسلام کے نفاذ کے لیے مخلص نہ تھا صرف بعض مصلحتوں کے پیش نظر ملک کا اقتدار ہی حاصل کرنا تھا، اور نصف صدی گزرنے کے باوجود بھی اسلام کے نفاذ کے لیے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اور عوام کو طفل تسلیوں میں الجھا دیا گیا، بعض سطحی ذہن رکھنے والوں کو جمعہ کی چھٹی کا مژدہ سنا کر خوش کیا گیا جب کہ بین الاقوامی یہودی کمپنی نے (یوم السبت) اپنے ہفتہ کے دن کی چھٹی بھی حکمران طبقہ سے منوالی اور نادان حکمرانوں کے ذریعہ رافضیوں کو زکوٰۃ اور عشر سے مستثنیٰ کر کے اہلِ اسلام کے دینی مدارس کو زک پہنچانے کی ناپاک سعی کی گئی، مگر اس سے کیا حاصل ہوا یا ہوگا یا ہوسکتا ہے؟ **واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون**

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بحمداللہ تعالیٰ باوجود شدید پابندیوں کے پہلے سے دینی مدارس بھی زیادہ ہیں معلمین کی تعداد بھی زیادہ ہے اور متعلمین بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہیں، ان ناجائز پابندیوں کا اہلِ اسلام اور اہل حق پر کوئی اثر نہیں پڑا اور نہ ان شاء اللہ العزیز پڑے گا، کیونکہ صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زبان سے یہ الفاظ نکلے ہیں: **"ولن تزال هٰذه الامة قائمة علىٰ امر الله لا يضرهم من خالفهم حتى ياتى امر الله"** [بخاری ج1ص16] اور ہمیشہ یہ امت اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہے گی، قیامت تک اس کو کوئی مخالف ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج تک اور قیامت تک یہ ارشاد برحق وبرقرار رہے گا، دنیا کی کوئی طاقت اس کو ٹال نہیں سکتی۔

عدل وانصاف کی بدولت زمین وآسمان قائم ہیں:

محرم ۷ ھجری میں جب خیبر فتح ہوا اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں کا ظاہری اقتدار عطا فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو (جو غزوہ موتہ ۸ ھجری میں شہید ہوگئے تھے) محصل (زمینوں اور باغات کی پیداوار کا ٹیکس اور خراج وصول کرنے کے لیے) بنا کر بھیجا تا کہ وہ اندازہ

اور تخمینہ لگا کر یہودیوں سے خراج وصول کر کے مدینہ طیبہ لائیں، تو خیبر کے یہودیوں نے ان کے لیے اپنی عورتوں کے زیورات میں کچھ زیور جمع کیے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ سے کہا کہ یہ آپ کے لیے (ہدیہ) ہے، ہمارے خراج اور ٹیکس میں تخفیف اور کمی کریں، انہوں نے فرمایا اے یہود کے گروہ! بخدا تم اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں میرے نزدیک مبغوض تر ہو مگر یہ بغض مجھے اس پر آمادہ نہیں کرتا کہ میں تم پر زیادتی کروں اور جو کچھ تم نے پیش کیا ہے یہ رشوت اور حرام ہے اور ہم حرام نہیں کھاتے، یہود نے کہا کہ اسی عدل وانصاف کی بدولت آسمانوں اور زمینوں کا نظام قائم ہے۔[موطا امام مالک 293 وبمعناہ موارد الظمآن ص 412] امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ اپنی سند کے ساتھ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا **یا معشر الیھود! انتم ابغض الخلق الیّ قتلتم الانبیاء و کذبتم علی اللہ ولیس یحملنی بغضی ایاکم ان اُحیف علیکم ....الخ''** [طحاوی ج1 ص266]

اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے تم مجھے زیادہ مبغوض ہو، تم نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کیا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا (مثلاً یہ کہ حضرت عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں) لیکن تمہارے ساتھ میرا یہ بغض مجھے اس پر آمادہ نہیں کرتا کہ میں تم پر ظلم کروں۔

قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی ہیں **''لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین اٰمنوا الیھود''** [الآیہ] مگر مسلمانوں کے بدترین دشمن بھی یہ کہنے اور ماننے پر مجبور ہیں کہ اسلامی عدل وانصاف سے ہی زمین وآسمان کا نظام قائم ہے، اگر یہ عدل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو کر نظام عالم کو تہہ وبالا کر دے اور ہر جاندار کو موت کے گھاٹ اتار دے اور جو موت سے بھاگتے پھرتے ہیں ان کو بھی موت کا مزہ چکھا دے

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آتے تھے اک دن جان جانی ہے

❁......❁......❁......❁......❁

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ

رسول اللہ ﷺ کی محبت ایمان کا اولین تقاضا

مؤمن کے صاف اور شفاف دل میں سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر خالقِ کائنات، منعم حقیقی اور رب ذوالجلال کی محبت ہوتی ہے۔ اس کے دل کے اس خانہ میں کسی اور کی محبت کے لیے مطلقاً کوئی جگہ اور گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''والذین اٰمنوا اشد حباللہ'' اور وہ لوگ جو ایمان لائے ان کی سب سے بڑھ کر محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس کے بعد مؤمن کے دل میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت گہرے سمندر کے موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہے اور اس محبت کے مقابلے میں مخلوق میں سے کسی بھی فرد کی محبت اور عقیدت کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ مؤمن اس کو قابلِ التفات ہی سمجھتا ہے۔ یہ محبت محض عشق وعقیدت کے درجہ کی نہیں بلکہ تصدیق واذعان اور پختہ عقیدہ کی آخری حد ہے اور مدارِ ایمان اور باعثِ نجات ہے۔ اس محبت کا ظاہری طور پر اظہار آپ ﷺ کی صحیح فرمانبرداری اور اطاعت سے ہوتا ہے اور جس درجہ کی محبت دل میں موجزن ہوتی ہے اسی انداز کی اطاعت کا محبّ سے صدور ہوتا ہے۔

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ (المتوفی 90ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

''تم میں سے کوئی ایک شخص بھی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے ماں باپ اور اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں'' (بخاری ج ا ص ۷، مسلم ج ا ص ۴۹)

اس صحیح حدیث شریف میں جناب نبی کریم ﷺ نے مؤمن ہونے کے لیے ایک بنیادی شرط اور واضح علامت بیان فرمائی ہے کہ وہ آپ ﷺ کی ذات گرامی سے ماں باپ، اہل وعیال اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت کرے۔ اگر معاذ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں تو وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۷ھ) کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایک شخص بھی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ہاں میں اس کے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں'' (بخاری ج ا ص ۷)

آنحضرت ﷺ کا ارشاد قسم اٹھائے بغیر بھی بالکل سچا ہے، مگر آپ ﷺ نے یہ مضمون اور حکم مؤکد کرنے کے لیے قسم سے بیان فرمایا ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۲۳ھ) کی روایت ہے:

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آپ مجھے اپنے نفس کے بغیر ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت تک ایمان حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں تیرے نفس سے بھی زیادہ تجھے محبوب نہ ہو جاؤں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اب آپ مجھے میرے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ہاں عمر! اب بات بن گئی۔'' (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۸۱)

امام نووی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی ٦٧٦ھ) سیدنا حضرت انس رضی اللہ کی حدیث کی شرح میں محدث ابن بطال رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''بلاشبہ جس نے دین کو مکمل کر لیا تو وہ یہ جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا حق اپنے ماں باپ، اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ موکد ہے کیونکہ ہم آنحضرت ﷺ ہی کی بدولت دوزخ سے بچے اور ہم نے آپ ہی کی وجہ سے گمراہی سے ہدایت حاصل کی۔'' (شرح مسلم ج ا ص ۴۹)

مؤمن کی نگاہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب اس کی ناراضگی اور آتش دوزخ سے بچنے اور گمراہی کے گڑھے سے نکل کر راہِ ہدایت پر آجانے سے بڑھ کر اور کیا خوشی اور کامیابی ہو سکتی ہے؟ بلاشبہ ماں باپ اور بسا اوقات اولاد سے بڑے بڑے فوائد ومنافع حاصل ہوتے ہیں لیکن گمراہی کے عمیق اور گہرے کنوئیں

سے نکل کر ہدایت کے سرسبز وشاداب چمن میں آجانا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ اور گونا گوں عذاب سے بچ جانا بہت بڑی سعادت اور اعلیٰ ترین کامیابی ہے اور یہ امت مسلمہ کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی کوشش اور آپ ﷺ ہی کی سعی سے حاصل ہوئی ہے۔ جب اتنی بڑی دولت آپ ﷺ کے طفیل سے حاصل ہوتی ہے تو شرعی لحاظ سے تو ضروری ہے ہی، فطری طور پر بھی آپ ﷺ سے محبت بہت ضروری ہے اور یہ محبت تمام اعزہ واقارب سے بڑھ کر آپ سے وابستہ ہونی لازم ہے اور یہ محبت ایمان کی اصل الاصول بھی ہے اور مدار بھی۔ مخلوق میں باقی سب کا حق اس کے بعد ہے، مقدم صرف آپ ہی کا حق ہے صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔

حضرت امام نووی رحمہ اللہ ہی جلیل القدر شارح حدیث علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

''ایمان کی حقیقت سوائے اس کے مکمل نہیں ہوسکتی اور ایمان اس کے بغیر صحیح ہی نہیں ہوسکتا جب تک آنحضرت ﷺ کی قدر ومنزلت کو اپنے ماں باپ اور اولاد اور محسن اور مہربان سب پر بلند کرنا متحقق نہ ہو جائے اور جس شخص نے یہ اعتقاد نہ کیا اور اس کے علاوہ کچھ اور اعتقاد رکھا تو وہ مؤمن نہیں ہے۔'' (شرح مسلم ج۱ص۴۹)

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ماں باپ اور اعزہ اقارب کے ساتھ محبت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ نفس اور جسم کا تعلق ہوتا ہے لیکن جناب نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت اور لگاؤ جسم اور روح دونوں کے ساتھ وابستہ ہے جس کے نتیجہ میں جہاں مومن کا یہ جہاں بنتا ہے وہاں آخرت کا ابدی جہاں بھی صرف بنتا ہی نہیں بلکہ خوب اجاگر ہوتا ہے اسی پر موقوف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مؤمن کے دل میں آنحضرت ﷺ کی محبت سے جو نشاط وسرور اور وجد کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں وہ ظاہری حسن وجمال کے شیدائی کو کب حاصل ہوسکتی ہیں، جو انسانوں اور حیوانوں سے آگے نکل کر بہتی ہوئی ندیوں اور لہلہاتے ہوئے مرغزاروں، چہچہاتی ہوئی چڑیوں، کھلے ہوئے شگفتہ ونیم شگفتہ پھولوں وادیوں کے نشیب وفراز، دامنِ کوہ کی ابھرتی ہوئی بلندیوں اور ڈھلتی ہوئی پستیوں کی جمالی تجلیوں میں تلاش کرتا ہے اور اسی محبت کی وجد آفریں کیفیت دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے حافظہ سے مٹانا چاہتے ہیں، لیکن وہ بجائے مٹنے کے ہر دم تازہ سے تازہ ہو کر ابھرتی رہتی ہے۔ سچ ہے ؎

مجھے پستیوں کا گلہ نہیں کہ ملی ہیں ان سے بلندیاں

میرے حق میں دونوں مفید ہیں کہ نشیب ہی سے فراز ہے

توہینِ رسول ﷺ کفر اور قابلِ گردن زدنی ہے:

فقہائے اسلام نے نہایت وضاحت سے یہ بات کتابوں میں لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تنقیص وتوہین اور سب وشتم اور تکذیب وعیب جوئی صریح طور پر کفر ہے۔ چنانچہ قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الحنفی رحمہ اللہ المتوفی ۱۸۲ھ) لکھتے ہیں کہ:

''جس شخص نے بھی مسلمان ہو کر جناب رسول اللہ ﷺ کو گالی دی یا آپ کی تکذیب کی یا آپ پر کوئی عیب لگایا، آپ کی تنقیص کی تو بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کافر ہے اور اسکی بیوی اس سے بائن اور جدا ہو جائے گی۔ سو اگر وہ توبہ کر لے تو فبہا ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا۔'' (کتاب الخراج ص ۱۸۲)

اور اس سے بصراحت معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی شان رفیع کو گالی دینا یا آپ کی تکذیب وعیب جوئی کرنا یا توہین وتنقیص کرنا خالص کفر ہے جس سے اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے۔

مشہور مالکی امام قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض رحمہ اللہ (المتوفی ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

''حضرت امام محمد بن سحنون رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام علماء کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو سب وشتم کرنے والا اور آپ ﷺ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید اس پر جاری ہے اور امت کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور جو شخص اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔'' (الشفاء ج ۲ ص ۱۹۰ طبع مصر)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحنبلی رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

''قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی جناب رسول کریم ﷺ کو سبّ کرے یا آپ کو عیب لگائے یا آپ کی ذات پاک نسب یا دین یا آپکی خصلتوں میں سے کسی خصلت میں کوئی عیب نکالے یا کسی بھی شخص کو آپ کے متعلق سبّ وتنقیص یا بغض یا عداوت کے طور پر کوئی شبہہ پیدا ہوا تو وہ گالی ہی ہوگی اور ایسے شخص کا حکم وہی ہے جو گالی دینے والے کا ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ (جس کا انتظام اسلامی حکومت کرے گی)'' (الصارم المسلول ص ۵۲۸ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن)

یہ تمام عبارات اپنے مفہوم اور مضمون کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں، مزید کسی توضیح وتشریح کی محتاج نہیں ہیں۔

حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ

بدعت اور اس کا وبال

جُوں جُوں زمانہ آنحضرت ﷺ اور قرونِ مشہود لہا بالخیر سے دور ہوتا جا رہا ہے وُوں وُوں امورِ دین اور سنت میں رخنے پڑتے جا رہے ہیں۔ ہر گروہ اور ہر شخص اپنے من مانے نظریات کو خالص دین بنانے پر تلا ہوا ہے اور تمام نفسانی خواہشات اور طبعی میلانات کو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر دین اور سنت ثابت کرنے کا ادھار کھائے بیٹھا ہے، الا ماشاء اللہ اور ایسی ایسی باتیں دین اور کارِ ثواب قرار دی جا رہی ہیں کہ سلف صالحین رحمہ اللہ کے وہم وگمان میں بھی وہ نہ ہوں گی، حالانکہ دین صرف وہی ہے جو ان حضرات سے ثابت ہوا ہے اور انہی کے دامن تحقیق سے وابستہ رہنے میں نجات منحصر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس طرح شرک وبدعت کی تردید فرمائی ہے اتنی تردید کسی اور چیز کی نہیں فرمائی ہے اور خصوصاً وہ بدعات جو قیامت کے قریب رونما ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

> ''آخر زمانے میں کچھ ایسے دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں اور باتیں پیش کریں گے جو نہ تو تم نے سنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباؤ اجداد نے۔ پس تم ان سے بچو اور ان کو اپنے قریب نہ آنے دو تاکہ وہ تمہیں نہ تو گمراہ کر سکیں اور نہ فتنے میں ڈال سکیں۔'' (مسلم ج۱ص۱۰، مشکوٰۃ ج۱ص۲۸)

اور ان کی ایک روایت میں ہے:

> ''تمہارے پاس وہ گھڑ گھڑ کر حدیثیں پیش کریں گے۔'' (البدع والنہی عنہا امام محمد بن وضاح قرطبی اندلسی رحمہ اللہ ص۲۷ طبع مصر)

اہلِ بدعت کے جتنے فرقے ہیں وہ اپنے مزعوم افعال کی بنیاد ایسی بے سروپا احادیث پر رکھتے ہیں جن کا معتبر کتب حدیث میں کوئی وجود نہیں اور اگر کہیں ہے بھی تو محدثین نے ان کو ضعیف اور معلول قرار دیا

ہوتا ہے اور اہلِ بدعت ایسی ایسی بدعات آئے دن نکالتے رہتے ہیں کہ پہلے ان سے کوئی شناسا نہ تھا اور جیسے قیامت نزدیک آتی رہے گی نئی نئی بدعات جنم لیتی رہیں گی اور سنت مظلومہ اٹھتی چلی جائے گی۔ فوا اسفا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''جو نیا سال لوگوں پر آئے گا اس میں وہ کوئی نہ کوئی نئی بدعت گھڑیں گے اور سنت کو مٹا دیں گے حتیٰ کہ بدعتیں زندہ کی جائیں گی اور سنتیں مٹ جائیں گی۔'' (البدع والنہی عنہا ص ۳۸)

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے اور یہ جو کچھ فرمایا بالکل بجا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''تمہاری کیا حالت ہوگی جبکہ تم پر فتنہ چھا جائے گا۔ اس فتنہ میں بچے بڑے ہوں گے اور عمر رسیدہ بوڑھے ہو جائیں گے اور اپنی طرف سے ایک سنت گھڑی جائے گی جس پر عمل ہوتا رہے گا۔ جب اس کو بدلنے کی کوشش ہوگی تو کہا جائے گا، ہائے سنت بدل دی۔ دریافت کیا گیا اے ابو عبدالرحمٰن یہ کب ہوگا؟ فرمایا کہ جب تمہارے قاری زیادہ ہو جائیں گے اور فقیہ کم ہوں گے اور مال زیادہ ہوگا، اور امین کم ہوں گے اور آخرت کے عمل کے بدلہ میں دنیا طلب کی جائیگی۔ اور دین کا علم محض دنیا کمانے کا ذریعہ بن جائے گا۔'' (البدع والنہی عنہا ص ۸۹)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ:

''آخر زمانہ میں جاہل عابد ہوں گے اور فاسق قاری ہوں گے۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۰۶ طبع مصر)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت حکماً مرفوع ہے اور اس میں بدعت کے بعض اسباب کا خوب نقشہ کھینچا گیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''ایسا فتنہ برپا ہوگا جس میں مال زیادہ ہو جائے گا اور قرآن اس میں کھول کر پڑھا جائے گا۔ یہاں تک کہ مؤمن و منافق اور عورت و مرد اور چھوٹے اور بڑے تقریباً سبھی قرآن پڑھیں گے۔ سو ان میں ایک شخص آہستہ قرآن پڑھے گا تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی تو وہ کہے گا کہ کیوں میری بات نہیں مانی جاتی، بخدا میں بلند آواز سے قرآن پڑھوں گا تو وہ چلا چلا کر قرآن پڑھے گا پھر بھی لوگ اس کی طرف مائل نہ ہوں گے تو وہ الگ مسجد بنائے گا اور ایسی ایسی بدعت کی باتیں ایجاد کرے گا کہ قرآن

وسنت میں نہ ہوں گی، تو تم اس سے بچو اور اس کو اپنے نزدیک نہ آنے دو کیونکہ اس کی یہ کاروائی بدعت ضلالہ ہوگی۔ (تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے)۔‘‘ (البدع والنہی عنہا ص ۲۶)

اور یہ روایت ان سے ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

’’قریب ہوگا کہ کہنے والا کہے گا کہ لوگ میری طرف مائل نہیں ہوتے، حالانکہ میں بھی قرآن پڑھتا ہوں۔ کیوں یہ لوگ میری پیروی نہیں کرتے؟ یہاں تک کہ وہ ان کے لیے بدعت گھڑے گا تاکہ لوگ اس کی طرف مائل ہوں۔ سو تم اس کی بدعت سے بچنا، کیونکہ اس کی کاروائی نری بدعت ضلالہ ہوگی۔‘‘ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۶)

الغرض بدعت اور بدعتی سے بچنے کی اشد تاکید آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور بدعت کی ایسی نحوست پڑتی ہے کہ دنیا میں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی اور آخرت میں آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے محرومی ہے (العیاذ باللہ) چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔‘‘ (البدع والنہی عنہا ص: ۵۵ ومجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۸۹)

ایک تو بدعت کی نحوست سے دل کی بصیرت اور نیکی کی استعداد مفقود ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے جب بدعتی بدعت کو دین اور کارِ ثواب سمجھے گا تو توبہ کیوں کرے گا؟

حضرت بکر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

’’میری شفاعت میری ساری امت کے لیے ثابت ہے مگر بدعتی کے لیے نہیں ہوگی۔‘‘ (البدع والنہی عنہا ص ۳۶)

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کے لیے تو آپ کی شفاعت ہوگی لیکن بدعتی کے لیے نہیں ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں بدعت کبیرہ گناہ سے بھی بدتر ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو تمام گناہوں سے اور خصوصاً شرک و بدعت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

اکابر کے روحانی فرزند

قائد اہل سنت، وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین.

اسلام اپنے اصول وفروع کے لحاظ سے سب سے سچا دین ہے۔ عالم اسباب میں جس کی حفاظت علمائے حق نے ہمیشہ کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بڑی جانفشانی کے ساتھ دین حق کی حفاظت کی۔ پھر تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، حضرات فقہائے کرام، محدثین، مفسرین، اولیائے کرام رحمہم اللہ نے اپنی جانیں کھپا کر مذہب اسلام کی حفاظت کی۔ ہر دور میں بڑی بڑی تکلیفیں اور مصائب برداشت کیے۔

ان اکابر کے روحانی فرزند حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے چکوال، جہلم کے پسماندہ علاقوں میں اکابر کی یاد تازہ کر دی۔ اب ان علاقوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے توحید وسنت کو جاننے والے اور حضرات صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے والے وافر مقدار میں لوگ موجود ہیں۔ کہنے والے نے کیا ہی اچھا کہا ہے......

کامیابی کامرانی اہل محنت کے لیے مقدر ہوتی ہے مگر
رنگ لاتی ہے پتھر پہ گھس جانے کے بعد

حضرت مرحوم فاضل دیو بند اور حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے۔ جو بیک وقت چوٹی کے محدث، فقیہہ، صوفی اور مجاہد تھے۔ جو کام حضرت مرحوم نے کیا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیروکاروں کو بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم۔

قطب وقت......شیخ المشائخ

شیخ المشائخ، خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد نور اللہ مرقدہ

''الحمد للہ وحدہ، والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ، وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین، الذین اوفوا بالعھد. اما بعد. فاعوذباللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم، لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم آیٰتِہ ویزکیھم

ویعلمهم الکتاب والحکمة، وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین''

اللہ تعالیٰ نے مومنین اور مسلمانوں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو احسان اور انعام قرار دیتے ہوئے آپ کی تشریف آوری کے چار مقاصد، تلاوت و تعلیمِ قرآن کریم، تعلیمِ سنت، تعلیمِ حکمت، تزکیہ بیان فرمائے اور قرآن کریم میں ان مقاصدِ اربعہ کا مختلف آیات میں کئی جگہ تکرار بھی فرمایا ہے۔ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقاصدِ اربعہ کو امت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ذریعہ پہنچایا۔ اہلِ ایمان نے اپنے اپنے اذواق کے مطابق ان مقاصد میں کسی ایک یا ایک سے زائد اور بعض علوالمرتبت شخصیات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور خدائی عطیہ کی بناء پر چاروں مقاصد پر کام کیا۔ لیکن عام طور پر امت کے علماء کرام، قراء عظام، مفسرین، محدثین اور فقہاء گرامی نے پہلے تین مقاصد کی طرف زیادہ توجہ دی اور قرآن کریم کے حفظ سے لے کر تفسیری نکات تک مختلف انداز میں پہلے اور احادیث نبویہ کے الفاظ و معانی کی حفاظت اور ان کو تحریف و کذب سے بچانے اور ان کو امت کے سامنے مدون کر کے پیش کرنے اور تعلیم حکمت جس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیر کثیر دیا گیا، اس کی تدوین واشاعت کے لیے فقہاء کرام نے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا چوتھا مقصد تزکیۂ نفس، جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''تصوف وسلوک'' کہا جاتا ہے انسان کو مجاہدات کے ذریعہ مرتبۂ کمال تک پہنچاتا ہے تا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے مطابق مرتبۂ احسان تک پہنچ جائے اور اس پر عمل کرتے وقت اس کی کیفیت یہ ہو کہ وہ حالِ دل سے خدا تعالیٰ کی معرفت کے مشاہدہ کے درجہ پر فائز المرام ہو۔ سلوک کی ترویج واشاعت کے لیے مشائخ عظام نے نہ صرف اپنی زندگیاں وقف کیں بلکہ انہوں نے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر امت کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ دارالعلوم دیوبند نے جس طرح علمی میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور آج دنیا بھر میں اس کے فرزندانِ علمی دین مبین کی خدمت میں مصروف ہیں، نیز دعوت و تبلیغ کے ذریعہ امت مسلمہ میں دین کی اشاعت کا جذبہ حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ کی کوششوں سے اجاگر ہوا اور آج پوری دنیا میں مسلمانوں میں اس کے ذریعہ دینی بیداری کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔ اسی طرح ہمارے اکابرین عظام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے تزکیۂ نفس کے سلسلہ میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں اور برصغیر پاک و ہند میں بڑے بڑے اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام نے خانقاہیں آباد کیں اور تصوف وسلوک کی راہ پر گامزن کر کے امت کی ایک بہت بڑی جماعت کو دین کی طرف لگا دیا اور آج ہم برِصغیر پاک و ہند اور دنیا کے مختلف گوشوں میں ''اللہ، اللہ'' اور ''محاسبۂ نفس'' کی جو رونقیں ملاحظہ کرتے ہیں یہ سب ہمارے مشائخ عظام کی عظیم قربانیوں اور محنتوں کا

ثمرہ ہے۔ ان مبارک اور مقدس خانقاہوں میں خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ کندیاں، ضلع میانوالی سلسلہ نقشبندیہ کی وہ عظیم خانقاہ ہے جس کی دینی خدمات کا ایک طویل سنہری دورانیہ ہے۔ قدیم ترین خانقاہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس خانقاہ کی امتیازی شان یہ ہے کہ آج جبکہ مسلمان عام طور پر ضعف کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور بیشتر خانقاہوں نے اپنے مجاہدات کا طرز عمل بدل کر آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ ہماری اس خانقاہ کے موجودہ سجادہ نشین اور وقت کے قطب، شیخ المشائخ، خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم (رحمہ اللہ) نے خانقاہ کو اپنی قدیم روش پر رکھا ہوا ہے۔ اور آج بھی اس خانقاہ میں نقشبندیہ طریقے کے مطابق لطائف کے اجراء اور مجاہدات و ریاضیات کے ذریعہ اصلاحِ نفس کا طریقہ رائج ہے اور مراقبہ کے ذریعہ احسان کے درجہ تک پہنچانے کا عمل جاری ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت پاکستان میں یہ واحد خانقاہ ہے جو تصوف اور سلوک کے اسی راستہ کو اپنائے ہوئے ہے جس کی بنیاد ہمارے اکابر نے رکھی تھی۔ اس بناء پر اس کا فیض پورے پاکستان میں سب سے زیادہ پھیل رہا ہے۔ ہمارے مخدوم بزرگ اور عالمی مجلس ختم نبوت کے امیر مرکزی، شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ اس وقت اپنے اکابر بزرگوں کے مسند نشین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت کے درجہ پر فائز فرمایا ہے۔ اور بقول شہید ختمِ نبوت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ آپ قطبِ وقت ہیں۔ آپ نے اکابر کی امانت سلسلہ نقشبندیہ کو جس انداز میں اس خانقاہ کے ذریعہ قدیم طریقے سے جاری رکھا ہوا ہے وہ آپ کی عظمت اور اولوالعزمی کا واضح ثبوت ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما۔

(تقریظ بر کتاب: تاریخ و تذکرہ، خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ)

جامع شخصیت

امام المجاہدین، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ

مولانا مفتی نظام الدین شامزی رحمہ اللہ کی شہادت کی خبر عزیزم مولوی راشد نے سنائی اور پھر عزیز ان لقمان میر، ڈاکٹر فضل الرحمٰن، مولانا نواز بلوچ نے اس کی تفصیلات بیان کیں۔ مفتی محمد جمیل خان اور مولانا سعید احمد جلال پوری سے تعزیتی جملے کہنا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ مفتی نظام الدین شامزیؒ رحمہ اللہ میرے براہ راست شاگرد نہیں تھے، البتہ انہوں نے اتنے بڑے عالم، مدرس، شیخ الحدیث، رئیس دارالافتاء، نگران شعبہ تخصص، محقق، مفسر اور شہرت اور قبولیت کی سربلندیوں کے باوجود اپنے حسن ظن کی بناء پر

مجھ سے اجازت حدیث طلب کی، مجھے ان کی تواضع، انکساری اور فنائیت پر رشک آیا اور میں نے ان کو دعائیہ کلمات کے ساتھ اجازت حدیث دی۔

مفتی صاحب صرف ایک مدرس ہی نہیں بلکہ ایک دردمند دل رکھنے والے، امت کا غم کھانے والے اور عالم اسلام کی سربلندی کی خواہش رکھنے والے ایک عظیم انسان تھے۔ ان کی زندگی سربلندی اسلام کیلئے وقف تھی۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی احمد الرحمٰن، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہم اللہ کی طرح جامع شخصیت تھے۔ کامیاب تدریس کے ساتھ ان کے مجاہدانہ کارنامے، ان کی جرات وشجاعت، حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق کہنے کی ادا اور مشن ومقصد کیلئے تن ومن قربان کرنے کا وصف، علماء اور مسلمانوں کیلئے مشعل راہ ہیں۔ ان کے اخلاص اور للٰہیت نے علمائے کرام کو ان کا گرویدہ کیا ہوا تھا۔ بزرگوں سے محبت وعقیدت، اپنے علمی اور مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے وہ بزرگوں کی نظروں میں قابل احترام تھے۔ ان کی شہادت، امت مسلمہ کیلئے عمومی طور پر اور طلباء مجاہدین اہل دل اور اس درد کیلئے خصوصی طور پر عظیم نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ علمائے کرام کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادگان اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

نصیحت اور تحریری کلمات خیر

ایک مجلس کے اختتام پر احقر نے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرمائیے! تو آپ نے فرمایا کہ جس کام (دین اور علوم دینیہ) میں لگے ہو اس سے بڑھ کر کوئی کام نہیں، رسول اقدس ﷺ نے فرمایا کہ "خیر کم من تعلم القرآن وعلمه" علوم دینیہ قرآن کے خادم علوم ہیں انکے بدون قرآن کا سمجھنا اور سمجھانا ناممکن ہے، تو اس لیے ان علوم کا حکم بھی قرآن کی مانند ہے، حضرت کی شفقت ومحبت کے پیش نظر جرات کر کے عرض کی کہ کاغذ پر کچھ کلمات خیر ونصیحت تحریر فرمائیے تو آپ نے لکھا

وکن ارضاً لینبت فیک ورده فان الورد منبته تراب

(زمین بن جاؤ تا کہ پھول کھلاؤ اس لیے کہ پھول اگانے والی مٹی ہی ہوتی ہے۔ یعنی تواضع وعجز وانکساری اختیار کرنا مراد ہے) ہمیشہ آخرت اور قبر کو پیش نظر رکھیے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ واللہ الموفق

العبد الضعیف ابوالزاہد محمد سرفراز عفی عنہ......(18 شعبان المعظم 1422ھ/ نومبر 2001ء)

(مولانا عرفان الحق حقانی)

باب 8

رسائل وجرائد کا خراجِ تحسین

سانحۂ ارتحال پر مختلف رسائل وجرائد کا خراجِ عقیدت

انہوں نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی ذہنی مرعوبیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔مغرب کی فکری یلغار ہو یا مغربی فکر سے فریب خوردہ مشرق کی فکری یلغار انہوں نے کبھی بھی کسی فکر جدید کی تائید وپذیرائی نہیں کی۔ انہوں نے بیسیوں موضوعات پر قلم اٹھایا اور ہر موضوع پر تحقیق کا پورا حق ادا کیا۔لیکن کسی بھی موضوع پر نہ انہیں کوئی جدید اصول وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی اور نہ اس کے لیے اسلاف امت کی متواتر واجمالی تعلیمات وتحقیقات سے اغماض برتنے تک نوبت پہنچی ۔انہوں نے جوعلوم ونظریات جن تعبیرات وتشریحات کے ساتھ اپنے اساتذہ سے حاصل کیے ان میں کوئی کمی ،بیشی اور کوئی تغیر تبدل پیدا کیے بغیر اپنے تلامذہ ومریدین اور متعلقین ومتوسلین تک پہنچادیے ۔اوران کی تعلیمات وتحقیقات سے آگاہی وواقفیت رکھنے والا ہر شخص اس بات کی شہادت دے سکتا ہے کہ ان کے پیچھے جوفکر وفلسفہ اور جو اصول وضوابط کارفرما ہیں وہ ان کے اساتذہ وشیوخ کے فکر وفلسفہ اوراصول وضوابط سے ہرگز مختلف نہیں ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے گزشتہ تقریباً 15 سال سے ان کی شدید علالت ونقاہت نے بزدل جدت پسندوں کو بھی شیر اور دلیر کردیا۔وہ میدان خالی دیکھ کر دندناتے پھر رہے ہیں اور یہی وہ تشویشناک واذیت ناک مرحلہ ہے جوقرنِ اول سے اپنی فکری واعتقادی وابستگی قائم رکھنے والوں کوخون کے آنسو رلا رہا ہے۔غالباً یہ تاریخ کا وہ خطرناک موڑ ہے جہاں اپنے خودساختہ اصولوں کی بنیاد پر تحقیقات کے نام سے مفروضات قائم کرنے والے پروفیسرز اورڈاکٹرز کے ہاتھوں اہلِ حق کی پسپائی شروع ہوچکی ہے۔جرأت واستقامت کے ساتھ اس الحادی یلغار کا راستہ روکنے والے حکیم ودانشور علماء تیزی سے رخصت ہورہے ہیں....ابھی سید یوسف بنوری ،مفتی محمد شفیع ،مولانا خیر محمد جالندھری،علامہ شمس الحق افغانی ،مولانا مفتی محمود،مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہم اللہ اجمعین کورخصت ہوئے زمانہ ہی کیا گزرا تھا کہ علامہ یوسف لدھیانوی شہید،مفتی نظام الدین شامزئی اور مولانا حسن جان شہید رحمہم اللہ اجمعین کے خون سے سرزمین پاک سرخ کردی گئی۔ مولانا قاضی مظہر حسین ،مولانا محمد امین اوکاڑوی اور مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہم اللہ اجمعین ہمیں داغِ مفارقت دے کے گئے ہی تھے اور ابھی ان کی جدائی کا صدمہ ہمارے قلب وذہن سے محو نہ ہوا تھا کہ قضا ہم سے ایک اور کھیل کھیل گئی۔

ضبط وترتیب: خادم اہل سنت سرفراز حسن خان حمزہ

اخبارات، رسائل اور جرائد کا......خراج تحسین

حضرت دادا جان رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات پر ملال پر ملک بھر کے تقریباً تمام رسائل وجرائد، مجلّات سمیت قومی اخبارات ہفت روزہ، پندرہ روزہ، اور سہ ماہی رسائل میں مضامین شائع ہوئے، اکثر نے حضرت کی خودنوشت سوانح کا خلاصہ ذکر کیا اس کے علاوہ بھی مضامین، اداریے، تعزیتی پیغامات، بیانات اور منظوم کلام شائع ہوئے، ان سب میں ماہنامہ ''ھدی اللناس'' گوجرانوالہ اور ماہنامہ ''مدینۃ العلم'' فیصل آباد، خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے خصوصی نمبر کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ طوالت اور تکرار در تکرار کے خوف سے مکمل مضامین تو شامل اشاعت نہیں کیے جا سکے البتہ چند ایک مضامین کے خلاصے حاضر خدمت ہیں۔

ہفت روزہ ''وزارت'' لاہور

﴿1﴾مَوتُ العالِمِ موتُ العَالَم

برصغیر پاک وہند کے ممتاز محقق عالم دین اور محدث شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر آج صبح سوا ایک بجے کے لگ بھگ گکھڑ میں انتقال کر گئے۔ ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے امیر مولانا فضل الرحمٰن نے جوان دنوں مکہ مکرمہ میں ہیں آج صبح فون پر حضرت مرحوم کے بڑے صاحبزادے مولانا زاہد الراشدی صاحب سے تعزیت کی اور کہا کہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر کی پون صدی پر محیط علمی ودینی خدمات ہم سب کے لیے مشعلِ راہ ہیں اور ان کی وفات سے تمام دینی حلقوں کو بالعموم اور دیوبند مکتب فکر کو خاص طور پر بہت بڑے نقصان اور صدمہ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔۔انہوں نے بتایا کہ حرمین شریفین میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے لیے دعاؤں کا سلسلہ صبح سے جاری ہے۔

﴿2﴾آہ!!! میرے مرشد میرے شیخ!

لگ بھگ 31\32 سال قبل کی بات ہے جب راقم الحروف مدرسہ نصرۃ العلوم میں حصولِ علم کی غرض سے داخل ہوا اور تقریباً آٹھ سال تک میں اپنے حضرات شیخین حضرت اقدس مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی رحمہ اللہ اور میرے مربی میرے محسن استاذ، میرے مرشد کامل اور شیخ وقت

محدث عرب وعجم حضرت اقدس حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ جیسے اکابرین صلحاء وقت کے قدموں اور جوتوں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل کی جو میرے لیے سب سے بڑا سرمایہ حیات اور باعث فخر ہے میں آج جو کچھ بھی ہوں اپنے ان اکابرین کے جوتوں کے صدقے ہوں ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کا تکیہ کلام تھا جس کو بھی بلاتے ''سنگی'' کہہ کر بلاتے انتہائی پابند وقت، پابند شریعت، پابند سنت تھے فرائض کا تو کیا کہنا، بڑی ہی نفیس طبیعت کے مالک تھے ہمیشہ سفید سوٹ، شلوار قمیص زیب تن کرتے۔ قمیص کی سامنے والی جیب اور بین پر مشینی دھاگے سے سلائیاں سی ہوتی تھیں۔ سامنے والی جیب میں ایک قلم اور تعویذات کے لیے کاغذات ہوتے، ایک اندر کی جیب ہوتی جس میں زنجیر والی گھڑی ہوتی۔ سر پر پگڑی یا پھر کپڑے کی سادہ سفید ٹوپی پہنتے جو آپ کے نورانی وروحانی چہرے کو چار چاند لگا دیتی۔ نظر قریب ودور کی دونوں کمزور تھیں اس لیے ہمیشہ صاف ستھری عینک پہنتے۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں ایسی صاف ستھری نفیس شخصیت نہیں دیکھی۔ کیا نفاست کیا صفائی اللہ اللہ

آپ انتہائی ملنسار، خوش اخلاق اور مہمان نواز تھے۔ زمانہ طالب علمی میں راقم الحروف اور برادرم مولانا ظہور احمد رانجھا حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ملنے گکھڑ چلے گئے آپ ہم سے بغلگیر ہو کر ایسے ملے جیسے مہینوں کے بچھڑے باپ بیٹے ملتے ہوں۔ آپ نے ہمیں بیٹھک میں بٹھایا اور خود باہر تشریف لے گئے۔ جب دس پندرہ منٹ تک آپ تشریف نہ لائے تو ہم سمجھے کہ شاید حضرت ہمیں بٹھا کر بھول گئے یا کسی اور کام میں مصروف ہو گئے۔ ہم واپسی کے لیے گھر سے باہر نکلے تو حضرت شیخ کو ہم نے دیکھا جو ہمارے لیے دوکان سے دو بوتلیں پانی لیکر آ رہے تھے اور فرمایا ''سنگیو! کتھے چلے او؟ (دوستو! کہاں جا رہے ہو؟) میں تو تمہارے لیے پانی لیکر آ رہا ہوں۔ کیونکہ گھر میں کوئی بچہ وغیرہ نہیں تھا (لہٰذا خود ہی جانا پڑا)۔ میں نے کہا مہمان خالی نہیں جانا چاہیے۔'' یہ تھے میرے شیخ...... یہ تھیں ان کی شفقتیں اور محبتیں...... دنیا میں کوئی ایسا کسی کا شیخ ہو سکتا ہے؟ نہیں یہ وصف اللہ نے میرے شیخ کو ہی دیے تھے۔ اے اللہ! میرے شیخ کی تمام دینی ودنیاوی خدمات قبول فرما۔ آمین ثم آمین!

﴿3﴾ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اور جدید دور کے فتنوں کی سرکوبی:

جوں جوں وقت زمانہ نبوت سے دور ہٹتا جا رہا ہے ہر چیز سے برکت ختم ہو رہی ہے۔ خیر مغلوب ہو رہی ہے اور شر غالب آ رہا ہے۔ وقت کی طنابیں ڈھیلی ہو چکی ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے شب وروز بدلتے عالمی حالات اور عالمِ اسلام کے گرداں کے تنگ ہوتے گھیرے نے پوری امت مسلمہ پر ایک خوف ودہشت کی فضا طاری کر رکھی ہے۔ مسلم حکمرانوں کی بے حسی، مذہبی پیشواؤں کی غیر سنجیدگی اور سیاسی راہنماؤں

کی خودغرضی وابن الوقتی نے شرق وغرب کے مسلمانوں کو مایوسی میں مبتلا کر رکھا ہے۔شاید وہی وقت آن پہنچا ہے جس کے بارہ میں پیغمبر برحق ﷺ نے چودہ سو سال پہلے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ فتنے اندھیری رات کی طرح پھیل جائیں گے۔لوگ علم اور علماء سے محروم ہوتے چلے جائیں گے۔علم کی لگامیں ان لوگوں کے ہاتھ میں چلی جائیں گی جو جاہل ہونے کی بناء پر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔اسلام دشمن قوتیں متحد ہو کر امت مسلمہ پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکا دسترخوان کے کھانوں پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

اس فرمانِ نبوی ﷺ کو اگر موجودہ قومی وعالمی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو دو چیزیں بڑی حد تک واضح ہو کر سامنے آجاتی ہیں....پہلی یہ کہ اسلام کی متواتر تعلیم وتعبیر کا درس دینے والے اور متواتر تعلیم وتعبیر کے ذریعہ امت مسلمہ کا قرونِ اولیٰ سے فکری ونظریاتی رشتہ جوڑنے والے اصحاب علم وفکر تیزی کے ساتھ دنیا خالی کرتے جا رہے ہیں....اور دوسری یہ کہ ان کی جگہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ پروفیسرز اور ڈاکٹرز کی صورت میں وہ لوگ سامنے آرہے ہیں جو روشن خیالی اور ماڈرن ازم کے دلفریب تصور کے ذریعہ اسلام کی وہ مسخ شدہ تصویر پیش کر رہے ہیں جس کے خدوخال کا کوئی پہلو بھی قرونِ اولیٰ سے کسی قسم کی فکری ونظریاتی مطابقت ومناسبت نہیں رکھتا۔یعنی وہ اپنے جدید فکر وفلسفہ کے ذریعہ امت مرحومہ کا فکری رشتہ قرونِ اولیٰ سے بالکل کاٹ دینا چاہتے ہیں۔اگرچہ ایسے جدت پسند ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں لیکن عصرِ حاضر میں تو وہ برساتی مینڈکوں کی طرح جگہ جگہ نمودار ہو رہے ہیں۔

ہر دور میں ان جدت پسند قوتوں کے مقابلہ میں اہلِ حق اور حقیقی اسلام کی ترجمان شخصیات آتی رہی ہیں۔جنہوں نے ان جدت پسند قوتوں کے مذموم مقاصد کو ناکام بنادیا۔برِصغیر پاک وہند کے اندر حضرت علامہ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ جیسی شخصیات کی ان خدمات سے کوئی صاحبِ علم ناواقف وبے خبر نہ ہوگا۔شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا وہی فکر ان کے تلامذہ کے ذریعہ نسل در نسل اور قرن در قرن امام اہلِ السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تک پہنچا۔اور عصرِ حاضر میں وہ اپنے اکابر واسلاف کی متواتر تعلیمات وتحقیقات کے حقیقی وارث وامین قرار پائے۔یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنی جملہ تعلیمات وتحریرات کے اندر اپنے اساتذہ اور ہم عصر علماء حق کا اعتماد حاصل رہا۔

انہوں نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی ذہنی مرعوبیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔مغرب کی فکری یلغار ہو یا مغربی فکر سے فریب خوردہ مشرق کی فکری یلغار انہوں نے کبھی بھی کسی فکر جدید کی تائید وپذیرائی نہیں کی۔انہوں نے بیسیوں موضوعات پر قلم اٹھایا اور ہر موضوع پر تحقیق کا پورا حق ادا کیا۔لیکن کسی بھی موضوع پر نہ انہیں کوئی جدید اصول وضع کرنے کی ضرورت پیش آئی اور نہ اس کے لیے اسلاف امت کی متواتر واجمالی

تعلیمات وتحقیقات سے اغماض برتنے تک نوبت پہنچی۔انہوں نے جو علوم ونظریات جن تعبیرات وتشریحات کے ساتھ اپنے اساتذہ سے حاصل کیے ان میں کوئی کمی ،بیشی اور کوئی تغیر تبدل پیدا کیے بغیر اپنے تلامذہ ومریدین اور متعلقین ومتوسلین تک پہنچادیے۔اوران کی تعلیمات وتحقیقات سے آگاہی وواقفیت رکھنے والا ہر شخص اس بات کی شہادت دے سکتا ہے کہ ان کے پیچھے جو فکر وفلسفہ اور جو اصول وضوابط کارفرما ہیں وہ ان کے اساتذہ وشیوخ کے فکر وفلسفہ اور اصول وضوابط سے ہرگز مختلف نہیں ہیں۔

لیکن بدقسمتی سے گزشتہ تقریباً 15 سال سے ان کی شدید علالت ونقاہت نے بزدل جدت پسندوں کو بھی شیر اور دلیر کردیا۔وہ میدان خالی دیکھ کر دندناتے پھر رہے ہیں اور یہی وہ تشویشناک واذیت ناک مرحلہ ہے جو قرنِ اول سے اپنی فکری واعتقادی وابستگی قائم رکھنے والوں کو خون کے آنسو رلا رہا ہے۔ غالبًا یہ تاریخ کا وہ خطرناک موڑ ہے جہاں اپنے خودساختہ اصولوں کی بنیاد پر تحقیقات کے نام سے مفروضات قائم کرنے والے پروفیسرز اور ڈاکٹرز کے ہاتھوں اہلِ حق کی پسپائی شروع ہوچکی ہے۔جرأت واستقامت کے ساتھ اس الحادی یلغار کا راستہ روکنے والے حکیم ودانشور علماء تیزی سے رخصت ہورہے ہیں....ابھی سید یوسف بنوری، مفتی محمد شفیع ،مولانا خیر محمد جالندھری، علامہ شمس الحق افغانی ،مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہم اللہ اجمعین کو رخصت ہوئے زمانہ ہی کیا گزرا تھا کہ علامہ یوسف لدھیانوی شہید، مفتی نظام الدین شامزئی اور مولانا حسن جان شہید رحمہم اللہ اجمعین کے خون سے سرزمین پاک سرخ کردی گئی۔مولانا قاضی مظہر حسین ،مولانا محمد امین اوکاڑوی اور مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہم اللہ اجمعین ہمیں داغِ مفارقت دے کے گئے ہی تھے اور ابھی ان کی جدائی کا صدمہ ہمارے قلب وذہن سے محو نہ ہوا تھا کہ قضا ہم سے ایک اور کھیل کھیل گئی۔

امام اہلِ السنۃ رحمہ اللہ کی جدائی یقیناً ایک ایسا صدمہ ہے جسے سالوں میں بھی ذہنوں سے محو نہ کیا جا سکے گا۔لیکن باشعور قومیں کیا صدموں کو سینوں میں رکھ کر جیا کرتی ہیں؟ کیا زندہ قوموں کا چلن یہی ہے کہ مصائب والم کے زخموں میں ہی زندگی کھپادیں؟....نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ باشعور قومیں ان منزلوں کی طرف رواں دواں رہتی ہیں جن منزلوں کی راہوں میں ان کا میرِ کارواں ان کو چھوڑ کے گیا ہے۔امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے علمی خوشہ چینوں اوران کے روحانی فرزندوں سے ہم یہی امید رکھتے ہیں اوران سے یہی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنے شیخ ومرشد کے مشن کو سینہ سے لگالیں۔اس کے لیے باطل قوتوں سے اسی طرح ٹکراتے رہیں جس طرح ان کے شیخ ومربی ٹکراتے رہے ہیں۔اگر وہ ایسا کرسکیں تو ماضی کی طرح حال سے بھی مایوسی کے بادل چھٹ سکتے ہیں۔(انشاء اللہ العزیز)

محترم جناب طاہر قیوم صاحب ایڈیٹر ہفت روزہ ''وزارت'' سے گزارش:

ہفت روزہ وزارت کی طرف سے چار خصوصی شمارے شائع کیے گئے جو مکمل امام اہل السنۃ کی سوانح اور حالات زندگی پر مبنی تھے۔''وزارت'' کے ایڈیٹر جناب طاہر قیوم چوہدری صاحب کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں اس قدر وسیع پیمانے پر خصوصی نمبر کی اشاعت کی اور اسے فی سبیل اللہ تقسیم کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔لیکن ان تینوں ایڈیشنوں میں حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی تصاویر دیکھ کر انتہائی افسوس اور دکھ ہوا، حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے توحج اور عمرہ کی اشد ضرورت کے علاوہ شاید زندگی بھر کبھی تصویر نہ بنوائی ہو اور نہ وہ اس کو جائز سمجھتے تھے۔محترم طاہر قیوم چوہدری صاحب سے میں گزارش کروں گا کہ آپ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں آپ کو تو کم از کم شرعی حدود کی پاسداری اور رکھوالی کرنا چاہیے تھی۔نہ کہ آپ خود حرام اور ناجائز کام کرنے لگ جائیں اور بالخصوص ایسا مسئلہ جس میں خود حضرت رحمہ اللہ کسی بھی قسم کی معمولی سی لچک اور نرمی کے بھی روادار نہ تھے۔اس میں تو آپ ان کی روح کو خوش کر سکتے تھے کاش کہ اپنی خواہش پوری کرنے اور عوام کو خوش کرنے کے بجائے حضرت رحمہ اللہ کی روح کو خوش کرنے کی کوشش کرتے۔۔۔۔!!!

ہفت روزہ ''القلم'' پشاور

ہفت روزہ ''القلم'' کی جانب سے حضرت داداجان رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر خصوصی ایڈیشن کا اہتمام کیا گیا، جس میں انکی خود نوشت سوانح حیات کے علاوہ دیگر کئی مضامین شائع ہوئے، ہم ادارہ اور اس کی انتظامیہ کے شکر گزار اور ممنون ہیں۔اللہ رب العزت قبول و منظور فرمائیں۔

''موت العالِم موتُ العالَم''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات میں سے ایک علامات یہ بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے قریب علم کم اور جہل عام ہو جائے گا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ علم اٹھانے کا یہ مطلب نہیں کہ علم سینوں سے نکال لیا جائیگا بلکہ اہل علم کو اٹھا لیا جائیگا یعنی اہل علم بہت کم وقفے سے دار فانی سے رخصت ہوتے جائینگے اور اہل عالَم بھی اس علم سے بے پروائی برتنے کی وجہ سے ان سے یہ علم حاصل نہیں کریں گے۔اس طرح اہل علم کے اٹھنے سے علم ہی اٹھ جائیگا۔علماء ربانیین امت کے لیے غنیمت کبریٰ ہیں۔یہی اہل علم جو شریعت وطریقت کے جامع ہوں انبیاء کے وارث وجانشین قرار دیے گئے ہیں۔حدیث پاک میں علماء ربانیین کی علامات واوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''اس علم (دین) کو بعد میں آنے والوں میں

سے عادل لوگ حاصل کریں گے۔ وہ اس علم سے غلو پسند طبیعتوں کی تحریفات، باطل پرستوں کے غلط انتسابات اور جہلاء کی تاویلات کو دور کرتے رہیں گے'' (اور اس علم کی حفاظت کرتے رہیں گے)۔

ایسے ہی وارثان علوم نبوت اور علماء ربانیین کے قافلہ کے سالار امام اہل السنۃ، شیخ الحدیث مفسر قرآن حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نوراللہ مرقدہ تھے جو 5 مئی بروز منگل نصف شب کے قریب ہزاروں شاگردان اور لاکھوں عقیدت مندان اور عوام اہل السنۃ کو سوگوار چھوڑ کر دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

''انا للہ وانا الیہ راجعون''

ایسے علماء ربانیین کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ایک بہت بڑا ملی اور مذہبی المیہ اور ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ امام اہل السنۃ حضرت شیخ الحدیث کے شاگرد اور فیض یافتگان کو حضرت کے مشن کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

ادارہ ''القلم'' اس مشکل اور صبر آزما موقع پر حضرت کے تمام پسماندگان اور متعلقین ومتوسلین کے غم میں برابر کا شریک ہوتے ہوئے تعزیت کے ساتھ ساتھ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے اور حضرت شیخ الحدیث کی مغفرت کاملہ اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔ آمین

ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کراچی

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر طویل علالت کے بعد انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہفت روزہ ضرب مومن نے مورخہ 15 مئی 2009ء کو امام اہل السنۃ رحمہ اللہ سے متعلق خصوصی نمبر شائع کیا تھا جس میں ''امام اہل السنۃ'' کے عنوان سے مولانا محمد اسلم شیخو پوری مدظلہ، ''غم حسین احمد، غم حسین علی'' کے عنوان سے مولانا عدنان کاکاخیل مدظلہ کا اور ''موجاں ای موجاں'' کے عنوان سے مولانا قاری منصور احمد مدظلہ کا مضمون شائع ہوا تھا، ملاحظہ فرمائیے

[کالم نمبر 1]

موجاں ای موجاں

قاری منصور احمد

ماسٹر جمیل جماعت اسلامی کا رکن تھا۔ اونچا لمبا قد اور متانت کے ساتھ مسکراتا چہرہ مطالعہ کا دلدادہ اور ہر علمی مجلس میں شرکت کا شائق۔ افراد اور جماعتوں کا تجزیہ اور ان پر تبصرہ بھی جاندار ہوتا اس کی رائے

سے اختلاف کے باوجود اس کی نکتہ آفرینی کی داد دیے بغیر نہ رہا جاتا۔ سب سے پہلے ماسٹر جمیل نے ہی بتایا تھا کہ یہ مطالعہ کا شوق اور چھان پھٹک کا ذوق اسے گکھڑ کی ایک مسجد کے مولوی صاحب کے درس میں شرکت سے نصیب ہوا تھا۔ مولوی صاحب دورانِ درس جو بات کہتے، حوالے سے کہتے۔ کتاب کا نام، صفحہ اور پھر اس کا مستند ہونا بھی ثابت کرتے ابتدا میں ان کے درس میں گنے چنے لوگ ہوتے مگر مولوی صاحب پوری تیاری، وقت کی پابندی اور استقامت سے درس دیتے۔ نتیجتاً پڑھے لکھے لوگوں کا رجوع ہوتا گیا اور پھر یہ فیض نصف صدی تک جاری رہا۔ مولوی صاحب کو قرآن پاک سے عشق تھا۔ وہ پورے درد کے ساتھ قرآن کی اشاعت کے خواہاں تھے۔

اس درد کو اپنے حلقہ میں منتقل کرنے کا جذبہ کیسا تھا؟ وہ ارادت مندوں کے عمل نے ثابت کر دیا۔ مولوی صاحب کے درس میں شریک ایک تاجر رمضان المبارک میں عمرہ کرنے گئے۔ ایک مسجد میں تراویح پڑھنے گئے تو امام صاحب قرآن ہاتھ میں لیے دیکھ دیکھ کر پڑھ رہے تھے۔ کسی اور مسجد میں جانا ہوا تو پتا چلا کہ یہاں بھی آخری سورتوں سے گزارا چلایا جاتا ہے۔ مزید معلومات ہوئیں تو یہ انکشاف ہوا کہ سوائے حرمین شریفین اور مسجدِ قبا کے پورے سعودی عرب میں کسی مسجد میں قرآن پاک ختم نہیں ہوتا نزولِ قرآن کی سرزمین پر قرآن سے اس بے رغبتی پر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر فقط افسوس اور تبصروں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کمی کو دور کرنے پر جت گئے۔ ذمہ دار لوگوں اور حکومتی اہل کاروں سے ملے انہیں اس کا احساس دلایا۔ وہ لوگ بھی ایک عجمی کے اس جذبے سے متاثر ہوئے۔ قابل عمل راہ پر غور وفکر ہوا۔ تاجر نے کہا: ''میں یہ کر سکتا ہوں کہ پاکستان سے قرآن کے معلمین فراہم کروں اور پھر ان کی تنخواہ کا 3 / 1 بھی میں اپنی جیب سے ادا کروں گا۔'' اس پر عربی غیرت جوش میں آئی اور طے ہوا کہ سرمایہ حکومت لگائے گی، وہ فقط معلمین ومدرسین کا انتظام کریں۔ اس تاجر نے یہ کام کس لگن سے انجام تک پہنچایا اس کا مشاہدہ حرمین شریفین کے ہر ستون کے ساتھ قرآن پاک کی درس گاہوں سے کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس تاجر نے یہ مہم پاکستان کے سرکاری سکولوں میں شروع کی۔ پاکستان کے کسی سکول میں ناظرہ قرآن پاک پڑھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ پہلی جماعت سے ایم اے تک پہنچنے والا قرآن پاک کے درست الفاظ کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھتا تھا۔ اس تاجر نے کار پردازانِ تعلیم کو پیش کش کی کہ ہر سکول میں ایک قاری رکھیں اور ہر جماعت کے لیے ایک پیریڈ مقرر کریں۔ ہر قاری کی تنخواہ کا تیسرا حصہ وہ خود ادا کریں گے، ایک حصہ محکمہ تعلیم اور ایک حصہ اسکول انتظامیہ فراہم کرے۔ پھر ملک کے اطراف سے قرآن پاک کے معلمین کی فراہمی اور ان کو سکولوں میں پڑھانے کی تربیت کی ذمہ داری بھی قبول کی اور اپنے جیتے جی اس کو

خوب خوب نبھایا۔

یہ محض دو نمونے ہیں۔ ان مولوی صاحب کی محنت، لگن، شوق اور خدمت کہ جو انہیں قرآن پاک کے ساتھ تھی جس کو وہ اپنے درسِ قرآن کے ذریعہ سامعین میں منتقل کرتے رہے۔ یہ تاجر (گوجرانوالہ کے قریب علاقہ) ''راہوالی'' کے حاجی محمد یوسف سیٹھی تھے۔ اور مولوی صاحب کا کیا بتائیں....؟ بمصداقِ حدیث جو قرآن پاک سے جڑ جائے، اللہ اسے اونچا ہی اونچا کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ مولوی صاحب شیخ القرآن، شیخ التفسیر، شیخ الحدیث، محقق اسلام اور نجانے کیا کیا مدارج طے کرتے چلے گئے۔ آخر کار امام اہل السنۃ قرار پائے۔ اللہ نے ان کو ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ زبان سے، قلم سے، علم سے، عمل سے، اعزہ واقارب سے، اولاد واحفاد سے، قرآن وسنت کی خدمت کے چشمے پھوٹتے چلے گئے۔ ایک دنیا اس سے سیراب ہوئی۔ گکھڑ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں درس دینے والے مولوی صاحب کے شاگرد ان کی زندگی میں شیخ الحدیث، شیخ القرآن اور محقق بن گئے۔ دس بیس نہیں، سینکڑوں اور ہزاروں، ان کے نام پر بیسیوں دارالعلوم کھل گئے۔ ان کی ان کی اولاد اور ان کے شاگردوں کی تصانیف سے کتب خانے بھر گئے۔ وہ مولوی صاحب عرصہ سے اپنی خدمات سے دست بردار ہو کر بظاہر بعارضہ جسمانی اور بباطن ''والیٰ ربک فارغب'' خانہ نشین تھے، مگر اطراف ملک آنے جانے والے گکھڑ کے ایک محلے کی تنگ گلی کے ایک سادہ مکان کی بیٹھک میں ضرور حاضری دیتے اور مولوی صاحب اپنی زندگی میں اپنی آنکھوں سے اپنی بوئی ہوئی کھیتی کو لہلہاتی دیکھ کر ''یعجب الزراع'' کی کیفیت سے سرشار رہتے۔ اب بڑے مطمئن، شاداں وفرحاں اپنے مالک کے حضور انعام پانے چلے گئے ہیں۔

ان مولوی صاحب کا نام تو محمد سرفراز خان تھا مگر دنیا نے ان کو بڑے بڑے القابات دیے جن کے وہ یقیناً مستحق تھے لیکن وہ خود ہمیشہ اپنی وضع قطع اور بود وباش سے ایک عام مولوی بن کر رہے۔ اس کا نمونہ ان کے لائق وفائق فرزند بھی ہیں۔ ان کے جانے پر کس سے تعزیت کریں اور کیوں کریں....؟ ان کی تو دنیا میں بھی موجیں تھیں اور اب آخرت میں بھی ''موجاں ای موجاں۔''

[کالم نمبر 2]

غمِ حسین احمد رحمہ اللہ، غمِ حسین علی رحمہ اللہ

مولانا سید عدنان کاکاخیل

لگتا ہے چند روز قبل ہم نے گکھڑ کے قبرستان میں تاریخ اسلام کی دو عظیم شخصیات کو دوبارہ دفن

کیا ہے۔ جی ہاں! یوں نہیں لگتا کہ منگل کی شب امام اہل السنۃ کے جنازے کی چارپائی پر فقط ان کا جسد خاکی ہی آرام فرما تھا بلکہ لگتا تھا کہ ایک طرف حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا علم وتقویٰ، تبحر وتعمق، جہادو حریت، اخلاق وعادات اور تواضع اور انکسار اور پھر اس کے دوسرے پہلو میں حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کی قرآنی خدمات، مے توحید سے لبریز جام دل، تصوف وسلوک کی امامت وسیادت، ذکر وشغل کی گرمیاں اور زہد واستغناء کی مستیاں، یہ سب کچھ بلکہ اور بہت کچھ اپنے دل میں لے کر ایک مجموعہ کمالات، پیکر اخلاص، دلربا و دلنواز ہستی ہم سے رخصت ہوئی۔

نہ جانے کیوں مجھے ''امام اہل السنۃ'' کی وفات حسرت آیات پر ان کے شیخ ومرشد ومربی حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ بہت یاد آئے۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ بزمِ حسین علی کا آخری مسند نشین رخصت ہوا۔ حضرت امام اہل السنۃ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے آخری خلیفہ تھے۔ اس چراغ کے گل ہونے سے اس نیر تاباں کی یاد بہت بے طرح آئی جس کے انوارات نے ان سارے چراغوں کو روشن رکھا تھا۔

حضرت مولانا حسین علی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حدیث شریف کے لیے قطب عالم، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ جیسا محدثِ بے نظیر، تفسیرِ قرآن کے لیے حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی صاحب جیسا بحرِ بے کنار اور تصوف وسلوک کے لیے سلطان الاولیاء حضرت خواجہ عثمان دامانی رحمہ اللہ اور پھر ان کے قابل صد فخر فرزندِ ارجمند حضرت خواجہ سراج الدین رحمہ اللہ جیسی یگانہ روزگار ہستیاں مہیا فرمائی تھیں اور پھر کمال جامعیت دیکھیں کہ تینوں شعبوں میں اللہ نے حضرت کو وہ مقام ومرتبہ نصیب کیا جو خال خال کسی کو نصیب ہوتا ہے۔

ہمیشہ سے یہ ہوتا چلا آیا ہے کہ جس انسان کو اللہ تعالیٰ کئی کمالات سے نوازے تو ان میں سے کسی ایک کمال کی غیر معمولی شہرت دوسرے کمال کو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ کر دیتی ہے۔ جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شان تفقہ نے ان کی شان تحدیث کو مستور کر دیا۔ حضرت مدنی کی شان جہاد وسیاست نے ان کی شان ولایت کو عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا۔ ایسے ہی حضرت مولانا حسین علی صاحب کی تفسیری خدمات کی شان نے ان کی ولایت اور تصوف وسلوک میں ان کے اعلیٰ ترین مقام کے تذکرے کو ثانوی کر دیا۔ جو کسی طور پر ثانوی نہ تھا۔ پوری دنیا میں عموماً اور اس تحتی براعظم میں خصوصاً جب بھی اصلاح اور ارشاد اور فقہ باطن اور اصلاح قلب کا تذکرہ ہوگا تو خاندان نقشبند کا نام اور کام فوراً انسان کے ذہن میں اور مؤرخ کے قلم پر آئیگا۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب کا تعلق معروف نقشبندی خانقاہ ''احمدیہ سعیدیہ'' موسیٰ زئی شریف سے تھا۔ اس خانقاہ کے بانی خواجہ خوجگان حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ تھے، جو حضرت

شاہ احمد سعید رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ وہ اپنے والد حضرت شاہ ابوسعید دہلوی اور وہ حضرت شاہ غلام علی اور وہ فخر خاندان نقشبند حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ کے خلیفہ وجانشین تھے۔

بانی خانقاہ احمد یہ سعید یہ موسیٰ زئی شریف میں حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری کی مسند پر سید الاولیاء سند الاتقیاء حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمہ اللہ تھے جو حضرت مولانا حسین علی صاحب کے پیرومرشد تھے اور ان سے آپ کو خلافت اور اجازت تھی۔ خواجہ عثمان دامانی کے آپ پر اعتماد اور علم وفضل کے اعتراف کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنے صاحب زادے خواجہ سراج الدین کو پڑھانے کے لیے آپ کا انتخاب کیا۔

نوعمر وکمسن پیرزادے کو آپ نے بڑی توجہ، شفقت اور دل سوزی سے چھوٹی بڑی بے شمار کتابیں پڑھائیں۔ خدا کی شان اس نوعمر صاحب زادے نے فقط چودہ برس کی عمر میں عربی اور فارسی کی متداول کتب اور علوم معقول منقول سے نہ صرف فراغت حاصل کی بلکہ والد نے ان کے باطنی مقامات کو دیکھتے ہوئے ان کو اجازت اور خلافت سے سرفراز کرتے ہوئے اپنی نیابت اور جانشینی بھی سپرد کردی۔ اس کے فقط تین سال بعد والد ماجد خواجہ عثمان دامانی کی وفات حسرت آیات ہوگئی اور حسب ارشاد خواجہ سراج الدین سترہ سال سات ماہ کی عمر میں مسند نشین ہوئے تو ان کے ہاتھ پر تجدید بیعت کرنے والوں میں ان کے نامور وباکمال استاد حضرت مولانا حسین علی صاحب بھی تھے۔ اللہ، اللہ کتنا اخلاص ہے۔ ذرا تصور تو کیجیے، ایک سن رسیدہ فاضل یگانہ، ظاہری وباطنی علوم کا ماہ تمام اپنے سترہ سالہ نوخیز ونوجوان شاگرد کے ہاتھ پر بیعت کر رہا ہے۔ اور پھر ساری زندگی ان کے ساتھ ایک جانثار مرید کا سا معاملہ کیا۔ اور اب تو مولانا حسین علی صاحب کے وہ خط چھپ چکے ہیں جو انہوں نے حضرت خواجہ سراج الدین کو لکھے۔ ان خطوط کے سرنامے میں جس طرح کے القاب ہیں ان کو پڑھ کر حضرت مولانا حسین علی کی تواضع وانکسار اور ادب واحترام پر انسان دم بخود رہ جاتا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان دامانی کے ملفوظات، مکتوبات اور معمولات ان کے ایک خادم خاص حضرت سید اکبر علی دہلوی نے ''مجموعہ فوائدِ عثمانیہ'' کے نام سے مرتب کیے تھے۔ اس کتاب میں خلفاء کے تذکرے کے ذیل میں حضرت مولانا حسین علی صاحب کا تذکرہ بھی ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا حسین علی کی حیات مبارکہ میں چھپی تھی اور اس پر حضرت نے گراں قدر حواشی تحریر فرمائے تھے جو چھپ چکے ہیں۔ اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان دامانی کے خلفاء کے ذیل میں حضرت مولانا حسین علی صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت سید اکبر علی دہلوی لکھتے ہیں: آپ ہمارے حضرت قبلہ ''وروحی فداہ'' کے خاص ترین اور اعظم خلفاء میں سے ہیں۔ جید عالم فاضل، صوفی کامل، خوش استعداد ظاہری وباطنی اور حضرات صاحبزادگان کے استاد ہیں۔ آپ نے

علم ''صرف''، ''نحو'' تا ''حمد اللہ'' اپنے ملک میں پڑھا۔ علاوہ ازیں علم ''حدیث''، ''اصول فقہ''، ''منطق'' و ''فلسفہ''، ''چغمینی''، ''اقلیدس'' وغیرہ ہندوستان میں حاصل کیا۔ تحصیل علم کے بعد 20 سال کی عمر ہو چکی تھی کہ پیر کی تلاش کا شوق و ذوق دامن گیر ہوا اور استخارے شروع کر دیے۔ خواب میں ایک درویش دیکھے۔ اسطرح درویشوں کے حالات و منزل کے بارے میں پوچھنے لگے۔ آخر کار ایک طالب علم، جو آپ سے حدیث شریف کا علم حاصل کرتا تھا، اس نے ان درویشوں کی جگہ خانقاہ ''سون'' کا پتہ اور حضرت قبلہ کی صورت (مبارک) کی نشانی بتائی۔ یہ فرحت بخش خبر سن کر چل پڑے۔ جب خانقاہ شریف ''سون'' پہنچے تو وہی صورت حضرت قبلہ کی، جیسے کہ خواب میں زیارت ہوئی تھی موجود پائی۔ حضرت قبلہ نے پوچھا:

''کہاں کے رہنے والے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''قصبہ واں بچھراں سے آیا ہوں۔'' حضرت قبلہ نے فرمایا: ''مولوی حسین علی کو جانتے ہو؟ وہ کیسے تھے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''بخیریت تھے'' حضرت قبلہ نے فرمایا: ''تم ان کے عزیزوں سے ہو یا نہ؟'' انہوں نے عرض کیا: ''قبلہ میں ہی حسین علی ہوں۔'' حضرت قبلہ نے پھر انہیں دوسری جگہ بڑی عزت سے بٹھایا۔ انہوں نے ایک لحظہ کے بعد بیعت کے لیے عرض کی۔

حضرت قبلہ نے فرمایا: ''اس طریقہ میں کشف و کرامت نہیں ہے۔ اس طریقہ میں جلنا ہے۔ تم نے اتنی عمر تحصیل علم کی زحمت میں گزاری ہے، پھر (یعنی اب) جلنا کیوں چاہتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''قبلہ میں صرف دین (سیکھنے) کے لیے آیا ہوں۔ پس آخر کار حضرت قبلہ نے انہیں بیعت کر کے طریقہ عالیہ میں داخل فرما لیا اور آپ بہت زیادہ مورد التفات ہوئے۔ جب آپ کا سبق کمالات نبوت کے مقام پر پہنچا تو حضرت قبلہ ان کے لیے سراپا عطا بنے اور شرفِ اجازت سے مشرف فرماتے ہوئے اجازت نامہ لکھ کر عنایت فرمایا۔ (نیز) ''دلائل الخیرات'' اور ''حزب البحر'' کی اجازت (بھی) عطا ہوئی۔

(آپ نے) صاحب زادگان (گرامی) کے ساتھ کمال الفت فرمائی کہ حضرت قبلہ کی وفات (مبارک) کے بعد ایک روز مولوی صاحب ممدوح (مولانا حسین علی صاحب) فرماتے تھے کہ میں حقائق و معارف آگاہ جناب حضرت صاحبزادہ مولانا مولوی محمد سراج الدین صاحب کے حلقہ میں بیٹھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں حضرت صاحبزادہ کی طرف متوجہ ہوں اور دو آدمی حضرت قبلہ کی جانب متوجہ ہیں۔ ایک خدائی آواز آئی کہ ان دونوں کو خانقاہ شریف سے باہر نکال دو۔ اس کے بعد میں حضرت قبلہ کی طرف توجہ نہیں کرتا اور حضرت صاحبزادہ صاحب جو کہ اپنی ہستی میں بعینہٖ حضرت قبلہ ہیں، کی جانب متوجہ رہتا ہوں۔

آپ صاحب حالات ہیں، صحیح کشوف کے حامل ہیں اور اکثر اوقات (بڑے) اچھے اچھے خواب دیکھتے ہیں۔ اگرچہ آپ کے باطنی حالات بہت (زیادہ) ہیں۔ لیکن طوالت عبارت کی وجہ سے مختصر لکھے گئے

ہیں۔

بارک اللہ تعالیٰ فی عمرھم وعملھم، ونفع بعلومھم، وعرفانھم المسلمین. (اللہ تعالیٰ ان کی عمراوران کے عمل میں برکت عطافرمائے اوران کے علوم اوران کے عرفان سے مسلمانوں کونفع بخشے۔)'' (جاری ہے)

(افسوس کہ 4 ماہ کے طویل انتظار کے باوجوداسکی اگلی قسط نہ آسکی۔[خادم،حمزہ])

روزنامہ ''اسلام'' لاہور

[کالم نمبر 1]

شیخ سرفرازخان صفدرکی جدائی

دوائے دل.......................مولانامحمد شفیع چترالی

رات کے سوادوبجے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو زبان پر بے ساختہ یااللہ خیرکاوِردجاری ہوا،سکرین پر مخدوم محترم مولنازاہدالراشدی کانام دیکھ ہی دل ودماغ پراس قیامت کی دستک محسوس ہوئی جسے مزید کچھ عرصہ ٹالنے کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔فون پرحضرت نے انااللہ پڑھی توایک لمحے کے لیےایسامحسوس ہواکہ زمین اپنے مدارسے ہٹ گئی ہواورآسمان بےنورہوگیاہو،شیخ الحدیث مولانامحمدسرفرازخان صفدررحمہ اللہ کی رحلت محض ایک فردیاشخصیت کے بابِ زندگی کی تکمیل نہیں کہ یہ علم ومعرفت، زہدوتقویٰ،عزم وہمت اور جرأت واستقامت کےایک زریں عہدکےخاتمےکااعلان تھا۔جس پرانس وجان توانس وجان شایدکارکنان قضاوقدرت بھی روپڑے ہوں گے۔حضرت شیخ کی ذات خلق خداکے کتنے بڑےانبوہ کی عقیدتوں کامرجع تھی،اس کااندازہ دنیانے ان کے جنازے میں ملک بھرسےامنڈآنے والےانسانی سمندرسےلگایاہوگا۔ حضرت شیخ کاشماران چندگنی چنی شخصیات میں ہوتاتھا،جن کاوجودِ مسعودشروفسادکےاس دورمیں تشنگانِ علم ومعرفت کے لیےآب حیات کےایک چشمہ شیریں کی حیثیت رکھتاتھا۔اورجن کی نورانی شخصیت کے ضوفشانیوں سےایک عالم منورتھا۔آج سے کوئی پانچ چھ سال قبل حضرت کی خدمت میں حاضری سعادت حاصل ہوئی،حضرت صاحبِ فراش ہوچکے تھےاورباقاعدہ تدریس وتصنیف کاسلسلہ رک گیاتھا۔ہمارامقصد صرف حضرت کی زیارت اورممکن ہونے کی صورت میں حضرت سے دعاؤں کی درخواست کرناتھا۔حضرت کے خدام نے ''ضرب مومن'' اورروزنامہ ''اسلام'' کے حوالے سےتعارف کرایاتوحضرت کی آنکھوں میں

شفقت ومحبت کی ایک خاص چمک محسوس کی، حضرت نے اپنے قریب بلایا اور خصوصی دعاؤں اور نیک تمناؤں سے نوازا، میں نے شوقِ حضوری میں داستان کو طول دیتے ہوئے عرض کیا ''حضرت! میڈیا کے محاذ پر کام کرتے ہوئے ہر قسم کا رطب ویابس مواد پڑھنا پڑھتا ہے بسا اوقات ذہنی انتشار میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی محسوس ہوتا ہے، اگر کچھ ارشاد ہو، اس فتنے سے کیسے محفوظ رہا جائے؟ حضرت نے میرا ہاتھ اپنی طرف کھینچ کر مضبوطی سے پکڑا، اور فرمایا اپنے اکابر کا دامن کبھی نہ چھوڑنا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے سر سے پراگندہ خیالات اور الجھے ہوئے افکار کا کوئی بھاری بوراہٹ گیا ہو

؎ روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی کا مصرع ذہن کے کسی نہاں خانے سے نکل کر دل ودماغ میں گونجا اور پہلی بار سمجھ میں آیا کہ

؎ یک زمانِ صحبتے باولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ یہ میری زندگی کا یادگار ترین لمحہ تھا۔ زندگی کے کچھ لمحات ایسے ہوتے ہیں جن پر آدمی ساری زندگی بھی قربان کرسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ آپ میری زندگی کی تمام نیکیوں کا ثواب لے لیں اور مجھے اپنے ان تین دنوں کا ثواب دے دیں جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غارِ ثور میں گزارے تھے۔

حضرت صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ کے بعد حضرت شیخ سرفراز خان صفدر کی جدائی ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کے نقوشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

[کالم نمبر 2]

روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

گردشِ دوراں.. پروفیسر خباب احمد خان

''ترمذ'' روسی ترکستان کا اک ایک شہر جو دریائے ''آموُ'' کے ایک کنارے آباد ہے، اسے موسیٰ بن عبداللہ بن حازم نے 690ھ میں فتح کیا، اور اسلامی سلطنت میں شامل کیا، امام ترمذی کا تعلق اسی شہر سے تھا، اگر چہ آپ کا اصل وطن ''بوغ'' نامی بستی تھا، جو ترمذ سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر تھی۔ مگر آپ کے دادا یہاں آکر آباد ہوگئے تھے، آپ کا نام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ہے۔ دورۂ حدیث کی تمام کتب اپنے اپنے مقام پر امتیازی تدریس کی متقاضی ہوتی ہیں۔ بخاری کا اپنا رنگ ہے، مسلم کا اپنا ذوق، ابوداؤد کا الگ انداز ہے۔ لیکن ترمذی کے لیے اختلاف مذاہب اوران کے ادلہ، اصول حدیث، اسماء الرجال اور جرح وتعدیل کے فن میں یدطولیٰ کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولنا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کو اللہ نے جو

قوت حافظہ، دقتِ فہم، سیلانِ ذہن اور اعلیٰ فقاہت عطا فرمائی تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ ترمذی پڑھاتے ہوئے اختلاف ائمہ، ان کے طرز استدلال اور جوابی دلائل میں روایت وسند حدیث پر جو گرفت آپ کو حاصل تھی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ پھر اس میں اعتدال آپ کا خاصہ تھا۔ آپ کے تدریسی انداز میں عُجب کا پہلو نہیں بلکہ عجز کا انداز تھا۔ مشکل مقامات اور دقیق نکات کو اتنے آسان انداز میں بیان فرماتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی ان سے مستفید ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے راقم کو دورۂ حدیث، دورۂ تفسیر دونوں میں حضرت شیخ سے استفادہ کا موقع فراہم کیا، آپ کئی کئی گھنٹے بے تکان بولتے، اول سے آخر تک ایک ہی انداز، ایک جیسا لب ولہجہ رہتا، طلباء کے ساتھ ان کی شفقت ومحبت اس درجہ تھی کہ ہر طالب علم برابر یہ سمجھتا کہ شیخ کی توجہ اسے حاصل ہے، رسوخ فی العلم وتصلب فی الدین کے باوجود حس مزاح سے کام لیتے اور محفل کو کشتِ زعفران بنادیتے۔ ان کی محفل میں کوئی چھوٹا بڑا نہ ہوتا، وہ سب کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرتے، ہمیشہ سفید اجلا لباس زیبِ تن فرماتے، تقویٰ اور ورع کا سارا نور ان کے چہرے میں اُمنڈتا ہوا نظر آتا اور یہ سلسلہ تادم آخریں رہا، کہ ہر دیکھنے والا ان کے چہرے کو دیکھ کر عش عش کر اٹھتا، تدریس ہو یا تقریر، وقت کی پابندی آپ کا طرۂ امتیاز تھا، گکھڑ منڈی جہاں آپ نصف صدی سے زائد خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے، وہاں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ ہم اپنی گھڑیاں شیخ کی آمد سے درست کیا کرتے تھے۔ جو وقت مقرر ہوتا اس میں ایک سیکنڈ کا فرق بھی نہ آنے دیتے۔ میں نے اپنے والد مرحوم سے وقت کی پابندی کے حوالے سے جن بزرگ کا تذکرہ سنا وہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری تھے، ان کے متعلق والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ کے دن تقریر کے لیے تشریف لاتے تو لوگ اپنی گھڑیوں کا فرق حضرت لاہوری کی آمد سے دور کیا کرتے تھے۔ گوجرانوالہ نشیبی علاقہ ہے، عام بارشوں اور خصوصاً موسمِ برسات کی بارشوں سے سرکلر روڈ تالاب کا منظر پیش کرتا ہے۔ دورہ حدیث کے دوران کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم نے بارش کی کثرت کے باعث یہ سمجھ لیا کہ آج شیخ تشریف نہیں لاسکیں گے، ایک آدھ بار ہم نے کمرے کی راہ بھی لی، مگر ابھی کمرے میں بیٹھے نہ ہوتے کہ گھنٹی بجتی اور ہم دیکھتے کہ حضرت شیخ بھیگے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ طلباء کے ساتھ ان کا مشفقانہ برتاؤ ایسا تھا کہ اس سے پہلے دیکھا نہ اس کے بعد میسر ہوسکا، ہم حیران ہوتے کہ اساتذہ کی شفقت سے کہیں زیادہ آپ کا برتاؤ تھا یہ عقدہ اُس وقت کھلا جب حضرت شیخ کی ایک تحریر پڑھنے کو ملی جو انہوں نے 1971ء میں لکھی، جس میں اپنے اور چھوٹے بھائی حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کے حالات قلمبند فرمائے تھے۔ اور اپنے تعلیمی دور کا تذکرہ بھی فرمایا تھا۔ جو خاصی طویل داستان ہے، آج کے طبقہ علماء وطلباء کے لیے ضروری ہے کہ آسمان علم وفضل کے اس آفتاب کے حالات زندگی اُن کے سامنے آئیں تا کہ انہیں معلوم ہو کہ ان کو دار عقبیٰ کی

طرف روانہ کرتے وقت لاکھوں کا ہجوم کیوں امنڈ آیا، اور ایک دور افتادہ اور غیر معروف علاقے ڈھکی چیڑ اں (مانسہرہ) کا باسی کیسے مرجع خلائق بنا۔

؎ کہ روح تک اتر گئی تاثیر مسیحائی کی

❁......❁......❁......❁......❁

ماہنامہ ''بینات'' کراچی

سیّدی ومرشدی امام اہل سنت رحمہ اللہ

مولانا سعید احمد جلالپوری شہید نوراللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے صدر مدرس، شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، رئیس دارالافتاء، جامع مسجد گکھڑ کے خطیب، خانقاہ موسیٰ زئی کے جرعہ نوش، سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے گل سرسبد، امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی وانؒ بھچراں کے تلمیذ ومجاز، ان کی فکر وسوچ کے امین اور سلوک واحسان اور تفسیر وبیان میں ان کے علمی جانشین، دارالعلوم دیوبند کے نامور سپوت، شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید اور علمائے ہند وپاک کے ترجمان، حلقہ دیوبند کے معتمد ومرجع، علم وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے ماتھے کا جھومر، تحریر وبیان کے ماہر، حق گوئی وبے باکی کی تصویر، اسلاف واکابر کی روایات کے امین، عزم وہمت اور جرأت وشجاعت کے کوہ گراں، سرمایہ ملت کے نگہبان، بیسیوں دینی مدارس ومساجد کے سرپرست، ہر دینی تحریک کے روح رواں، باطل پرستوں کے مقابلہ میں ابراہیمی استقامت کے علم بردار، دین حنیف کے پاسبان، اکابر دیوبند اور بالخصوص: محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن خان، رئیس دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا فخر الدین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، خیر العلماءؒ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ جامعہ اشرفیہ لاہور، حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی، زبدۃ الفقہاء حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، یادگار اسلاف حضرت مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، سیّد العلماء حضرت مولانا عبدالخالق مظفر گڑھی، خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد خانقاہ کندیاں شریف، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ بانی ومدیر جامعہ اشرفیہ لاہور

،حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور محمود الملۃ والدین مولانا مفتی محمود قدس اللہ اسرارہم جیسے اکابر کی لسان اوران کے معتمد وترجمان، دنیا بھر کے اہل حق اور اصحاب علم کے دلوں کی دھڑکن اور عالم اسلام کی مایہ ناز علمی و تحقیقی شخصیت، ہمارے مخدوم ومحبوب، شیخ ومرشد امام اہل سنت حضرت اقدس مولانا ابوزاہد محمد سرفراز خان صفدر ۵/مئی ۲۰۰۹ء مطابق ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ پیر اور منگل کی درمیانی شب دو بجے رحلت فرما کر راہی عالم آخرت ہوگئے۔انا للّٰہ وانا الیہ راجعون . ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمّٰی.

ہمارے شیخ ومرشد اور امام اہل سنت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے بے پناہ کمالات، خصوصیات ومزایا سے سرفراز فرمایا تھا، سمجھ نہیں آتا کہ حضرت کے کس کس کمال، خصوصیت اور امتیاز کو ذکر کیا جائے؟ اور کس کو چھوڑا جائے؟ حضرتؒ کی ایک ایک ادا دل نواز اور ایک ایک قول، فعل اور عمل حجت وسند کا درجہ رکھتا تھا، آپ نے جس میدان میں قدم رکھا کامیابی وکامرانی نے آپ کی قدم بوسی کی اور آپ نے جس فتنہ اور فتنہ پرور کا تعاقب کیا، اس کو گھر تک پہنچا کر دم لیا، مگر بایں ہمہ آپ نے ہمیشہ متانت وسنجیدگی اور قوت استدلال سے بات کی، کٹر سے کٹر مخالف بھی آپ کی حذاقت وصداقت اور اعتدال کا قائل اور آپ کے زور استدلال کا معترف تھا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف کو سند وحجت کا درجہ حاصل تھا اور ایسے تمام اختلافی مسائل جن پر ہندوپاک میں ایک عرصہ سے میدان کارزار اور جنگ وجدل کا اکھاڑہ برپا تھا، آپ نے نہایت مدلل ومحقق انداز میں نہ صرف ان کو مبرہن فرمایا بلکہ مخالفین کے دانت کھٹے کردیئے اور فریق مخالف کو چاروں شانے چت کردیا۔

یوں تو جب سے شعور اور ہوش آیا، حضرت امام اہل سنتؒ سے تعارف اور عقیدت اساتذہ اور اکابر کی برکت سے ورثہ میں ملی تھی، مگر حضرت کو دیکھنے کی سعادت تب میسر آئی جب حضرت کی کراچی آمد ورفت شروع ہوئی اور آپ کو بالمشافہ سننے کا موقع بھی تب ہی میسر آیا، سچی بات یہ ہے کہ جب تک ہمارے شیخ حضرت اقدس حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ حیات رہے ہم نے کسی دوسرے بزرگ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارانہ کیا، جب حضرت شہیدؒ کی شفقتوں کا سائبان ہمارے سروں سے ہٹا تو شفقت ومحبت کے سائے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا، تو بحمد اللہ! بہت جلد محبت وعقیدت اور شفقت والفت کے درج ذیل تین مراکز پر جا کر نگاہیں رک گئیں: امام الاولیاء حضرت خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد مدظلہ کندیاں شریف، امام اہل سنت حضرت اقدس مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور قطب الارشاد

حضرت اقدس سیّد نفیس شاہ الحسینی رحمہ اللہ۔

بلا مبالغہ ان مراکز رشد وہدایت پر پہنچ کر ماں باپ کی محبت وشفقت کا احساس تازہ ہو جاتا تھا۔

''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' کے مصداق ان اکابر کی محبت وشفقت اور سرپرستی کا اپنا اپنا انداز تھا، حضرت قبلہ سیّد نفیس شاہ الحسینی قدس سرہ کا رائے پوری انداز تھا تو امام اہل سنت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہ کے رنگ کا غلبہ تھا جبکہ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم کا ان سب سے نرالا انداز تھا، اے کاش کہ اب ہم اول الذکر ہر دو حضرات کی محبتوں اور شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ خدا کرے کہ حضرت خواجہ صاحب کا سایہ عاطفت صحت و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رہے۔ آمین۔

حضرت امام اہل سنت قدس سرہ کی سیرت وسوانح اور خصوصیات پر بہت کچھ لکھا جائے گا بلکہ لکھا جاتا رہے گا، سچ پوچھئے تو میں اپنے اکابر کی شخصیت اور ان کی سیرت وسوانح پر لکھنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتا ہوں، کیونکہ بڑوں پر لکھنے کے لئے بڑا علم، بڑی عقل، بڑی فہم، بڑا تدبر، بڑا سلیقہ اور بڑا حوصلہ چاہئے ... نہیں تو کم از کم اتنا تو ہو کہ لکھنے والا ان اکابر کی سیرت وسوانح اور اخلاق وکردار، علم وعمل، جہد، مجاہدہ، فہم و فراست، زہد، تقویٰ، ایثار وقربانی، توکل وتبطل، جود وسخا، صدق وصفا، حلم وتحمل اور صبر وشکر وغیرہ کمالات سے آگاہ وآشنا ہو، جبکہ ادھر تو مذکورہ عنوانات اور ان ملکات کی حقیقت تو کجا ان الفاظ کا معنی آجائے تو بڑی بات ہے۔

بہر حال حضرت اقدس امام اہل سنت کو اللہ تعالیٰ نے جتنا بڑا مقام عطا فرمایا تھا اس سے کہیں زیادہ آپ کو ظرف بھی عطا فرمایا تھا، چنانچہ آپ اگرچہ بیک وقت علوم عقلی ونقلی: قرآن، سنت، تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، اسمائے رجال، جرح وتعدیل، فقہ، اصول فقہ، ادب، معانی، بیان، بدیع، بلاغت، کلام، صرف، نحو، منطق، فلسفہ، ناسخ، منسوخ، عروض وکافیہ وغیرہ تمام علوم متداولہ وغیر متداولہ کے ماہر وشناور تھے، لیکن مجال ہے کہ ان کے کسی قول، فعل، عمل، چال، ڈھال، رنگ، ڈھنگ یا کسی اشارے اور کنائے سے اس کا اندازہ یا پتہ چلتا ہو، کہ آپ اتنا بڑے مدرس، محدث، مفسر، محقق اور مصنف ہیں، یا اتنا بڑی تعداد میں آپ کی کتب اور تصانیف ہیں! یا آپ اتنا بڑے مناظر وباحث اور قادر الکلام مقرر ہیں!

بلاشبہ ہمارے حضرت سو فیصد اکابر واسلاف کی یادگار تھے، سیدھا سادا رہن سہن، مسنون پگڑی، جھکی نگاہیں، سوچ میں ڈوبی گہری خاموشی اور یادِ الٰہی میں مستغرق دل ودماغ، اتباع سنت میں چلتے تیز قدم اور ہاتھ میں عصا، آپ کی پہچان تھی۔

بلاشبہ ہمارے شیخ آیت من آیات اللہ اور حجۃ اللہ فی الخلق تھے، آپ پکے سچے دیوبندی اور مضبوط و متصلب حنفی تھے، آپ مسلک اعتدال کے داعی و علمبردار اور اپنے اسلاف و اکابر کی تحقیقات کے مقلد محض تھے، آپ اپنے اکابر کی تحقیقات کو علی وجہ البصیرت اپنانے اور ان پر عمل پیرا ہونے میں خوشی اور فخر محسوس کرتے اور آپ کے ہاں اپنے اکابر کی تحقیقات سے سرموانحراف نا قابل برداشت تھا، یہ ان کا امتیاز و اختصاص تھا کہ وہ اجماعی عقائد و نظریات اور مسائل و تحقیقات کو اپناتے، مگر شذوذ و تفردات سے اپنے آپ کو دور رکھتے، بلاشبہ یہ ان کی عظمت، تفوق اور بڑائی کی علامت و دلیل ہے کہ اتنے بڑے عالم اور عظیم محقق ہونے کے باوجود اخیار امت کی تحقیقات کو اپنے لئے حرف آخر اور باعث فوز و فلاح سمجھتے۔

جبکہ اس کے مقابلہ میں آج کل کا عام چلن یہ ہے اور عموماً دیکھنے میں بھی یہی آیا ہے کہ جس کسی کو دو چار حرف لکھنا پڑھنا آجائیں وہ مجتہد مطلق کہلانے کی سعی و کوشش شروع کر دیتے ہیں اور ان کو جدید تحقیقات اور نئی نئی جدتیں سوجھنے لگتی ہیں، انہیں اپنے اسلاف و اکابر کی تحقیقات، مجموعہ اغلاط نظر آنے لگتی ہیں اور دل ہی دل میں وہ اپنے بزرگوں کی ''جہالت'' و ''لاعلمی'' پر روشن خیالوں سے شرمندہ شرمندہ سے رہنے لگتے ہیں، چنانچہ وہ پہلی فرصت میں اپنے مافوق الفطرت ''علم و فہم''، غیر معمولی ''اجتہادی ملکہ'' اور ''زور اجتہاد'' کی برکت سے اسلاف و اکابر کی تحقیقات میں موجود خامیوں اور اغلاط و اسقام کی ''تصحیح'' کی اہم ''علمی و تحقیقی'' خدمت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کبھی ان ''مجتہدین'' کا ''اجتہادی ملکہ'' یا ''تحقیقی دماغ'' اسلاف و اکابر کی عبارات، علمی تحقیقات، طرز استدلال اور طریق استشہاد وغیرہ کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے یا وہ اسے ہضم نہ کر سکیں تو بجائے اس کے کہ اپنی جہالت و لاعلمی کا اظہار و اعتراف کر لیں، ان کی کج فکری، انہیں اکابر و اسلاف سے بغاوت کی راہ سجھاتی ہے، یوں وہ خوارج و معتزلہ کی طرح نصوص قطعیہ کے انکار سے بھی نہیں چوکتے، چنانچہ ایسے لوگ اکثر و بیشتر اپنی کج راہی اور خام عقلی کی بدولت نصوص قطعیہ کا انکار کر کے خوارج و معتزلہ کی مانند اسلاف امت سے الگ راہِ اعتزال اختیار کر کے ایک نئی فکر، نئے دین، نئے فرقے، نئے گروہ اور نئے مسلک کی بنیاد رکھ لیتے ہیں، اور چلتے چلتے **"لکل ساقطة لاقطها"** ... ہر گری پڑی چیز کو کوئی نہ کوئی اٹھانے والا مل ہی جاتا ہے... کے مصداق وہ اپنا ایک نیا حلقہ، اور نئی جماعت بنا کر اسلاف امت کی تغلیط کر کے نئی نسل کو اسلاف سے کاٹ کر گمراہ کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

غور کیجئے! تو آج کل جتنے باطل فرقے، جماعتیں، حلقے اور طرز فکر نظر آتے ہیں، وہ سب اسی کجراہی غلط فکر و سوچ اور نام نہاد ''اجتہادی ملکہ'' یا ''تحقیقی دماغ'' کے ثمرات و نتائج ہیں۔

دور کیوں جائیے! تھلہ سادات ضلع ملتان کے ابوالخیر اسدی نامی اسی طرح کے ایک جدت پسند کو لے

لیجئے کہ اس کو جب کسی مناظرہ میں اس کے حریف نے کسی نامور بزرگ کی کوئی عبارت پیش کرتے ہوئے لاجواب کیا، تو نہ صرف یہ کہ وہ مناظرہ ہار گیا، بلکہ اسی دن سے وہ ایمان کی بازی بھی ہار بیٹھا، اس لئے کہ اس عبارت کا مطلب و مفہوم اس کی سمجھ سے بالاتر تھا، شروع شروع میں تو ابوالخیر نے اپنی جدت پسند عقل کا ماتم کرنے کی بجائے صاحبِ عبارت بزرگ کو ہدف تنقید بنایا اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کیا، لیکن افسوس کہ رفتہ رفتہ اس اللہ والے کی گستاخی اسے لے ڈوبی اور آخرش وہ منکر حدیث بلکہ ایک گمراہ فرقہ کا بانی وسربراہ ہو کر مرا۔

الغرض ہمارے شیخ ومرشد اور امام اہل سنت قدس سرہ نے ساری زندگی نہ صرف اکابر، اسلاف اور اہل تحقیق کی تحقیقات پر اعتماد کیا، بلکہ ان کی تحقیقات وعبارات پر مخالفین کے وارد کردہ ایک ایک اعتراض و اشکال کا نہایت سلیقہ سے بہترین، معقول اور دندان شکن جواب دیا اور نئی نسل کو اپنے اکابر واسلاف سے وابستہ رہنے اور ان پر مکمل اعتماد کرنے کی تعلیم وتلقین فرمائی۔ امام اہل سنت قدس سرہ کی مشہور زمانہ کتاب ''عبارات اکابر'' آپ کے انہیں جوابات پر مشتمل نہایت ہی ایمان افروز تحقیقی گلدستہ ہے، جس نے بلامبالغہ سینکڑوں ڈانواں ڈول نوجوانوں کو شکوک وشبہات سے بچایا اور ان کے دین وایمان کا تحفظ کیا۔

بلاشبہ ہمارے شیخ ومرشد امام اہل سنت نوراللہ مرقدہ دین ومذہب اور مسلک کے معاملہ میں مضبوط و متصلب ضرور تھے، لیکن متعصب نہیں تھے۔

ایک بار راقم الحروف نے کسی سلسلہ کلام میں عرض کیا کہ حضرت میرا خیال ہے کہ آج کل کے حالات میں جب تک کوئی آدمی اپنے مسلک وموقف میں متعصب نہ ہو، اس وقت تک اس کا اپنے مسلک وموقف پر کاربند رہنا ناممکن نہیں تو کم از کم مشکل ضرور ہے، میری اس حماقت پر حضرت نے بغیر کسی ناگواری کے نہایت شفقت سے فرمایا:

''نہیں! نہیں! آدمی کو متعصب نہیں، متصلب ہونا چاہئے، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: متصلب کا معنی یہ ہے کہ اپنے اسلاف واکابر کی تحقیقات پر مضبوطی سے کاربند ہو، لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اس کو کہیں سے کوئی حق وسچ کی بات ملے تو ازارہ تعصب اس کا انکار کردے، پھر فرمایا کہ جو شخص متعصب ہوگا وہ قبول حق سے محروم ہوگا، لیکن جو متعصب کی بجائے متصلب ہوگا وہ اگرچہ کسی سے متاثر تو نہیں ہوگا، لیکن اس پر جب دلائل و براہین کی روشنی میں حقیقت حال منکشف ہوگی، وہ اس کے قبول کرنے سے انکار بھی نہیں کرے گا۔

لاریب ان حضرات کا جو منصب ومقام تھا ان کو اسی درجہ کا اعتدال ومیانہ روی زیب دیتا تھا، یہی وہ

اعتدال تھا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عزیز جہاں بنادیا تھا، اپنے تو اپنے پرائے اور مخالف بھی آپ کی عظمت کے قائل تھے، بہت کم لوگوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہوگا کہ جس نے قریب قریب تمام فروعی مسائل اور فرق باطلہ کی تردید میں مدلل ومحقق انداز میں لکھا ہو، اور ان کی کھل کر تردید کی ہو، مگر بایں ہمہ اسے ہر فرقہ کے لوگ بلکہ عوام وخواص اور جاہل وعالم، عظمت وقدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔

آپ کے اسی حسن اعتدال، علم وتحقیق اور تصنیف وتالیف میں مہارت وکمال کی برکت تھی کہ جب اجماعی عقیدہ مسئلہ حیات انبیاء میں اختلاف پیدا کیا جانے لگا تو اس وقت کے اکابر واساطین امت کی باہمی مشاورت اور غور وخوض سے اس عنوان پر لکھنے کے لئے بالاتفاق آپ کا انتخاب عمل میں آیا، جیسا کہ محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف و متفقہ مسئلہ تھا۔ شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارت النص کے ذریعہ ثابت تھی، لیکن بُرا ہوا اختلافات اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آ کر مشتبہ ہوگئی، کتنے تاریخی بدیہات کو کج بحثیوں نے نظری بنادیا اور کتنے حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا، یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی۔ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں، اور کیا امام حسینؓ کو باغی واجب القتل اور یزید بن معاویہ کو امیر المومنین خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا، کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لئے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھا بس کافی تھا کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے، اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ تمام کے تمام ائمہ مجروح ہوکر دین کا سرمایہ ہی ختم ہوجائے گا۔ الغرض حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کے کج بحثوں میں الجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا، عصمت تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے، علماء معصوم تو ہیں نہیں، کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی وکلامی بحثیں پیدا کردیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سی بدعات کا خاتمہ ہوجائے گا گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاء کرام سے انکار کرنے ہی سے یہ مفاسد ختم

ہو سکتے ہیں، اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لئے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ بہر حال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں، اس خلفشار کو ختم کرنے کے لئے ارباب فکر واخلاص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے ختم کرنے کی کوشش کریں، راقم الحروف کا نام بھی ان میں شامل تھا، تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب موثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کے جواب بھی دیئے جائیں اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے، باتفاق رائے اس کام کے انجام دہی کے لئے جناب برادر گرامی مآ ثر مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہو گئے، جن کے دماغ میں بحث وتمحیص کی صلاحیت بھی ہے، قلم میں پختگی بھی، علوم دینیہ اور حدیث ورجال سے اچھی قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے، مختلف مکان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی۔ الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع وواضح وعالمانہ بلکہ محققانہ ہے، اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو خلعتِ قبول سے نوازے اور مزید اس قسم کی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت شیخ ومرشد کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی رحلت کے بعد کسی آزمائش میں مبتلا نہ کرے اور ان کے اجر سے محروم نہ کرے اور ان کے پسماندگان اور روحانی ونسبی اولاد کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ادارہ بینات اور جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ، مدیر، نائب مدیر اور تمام اساتذہ کرام اس سانحہ کو اپنا ذاتی سانحہ سمجھتے ہیں اور حضرت مرحوم کے ابناء اور جمیع پسماندگان سے دلی تعزیت کرتے ہیں اور قارئین بینات سے درخواست کرتے ہیں کہ حضرتؒ کو اپنی دعاؤں اور ایصال ثواب میں فراموش نہ فرماویں۔ آمین۔

ماہنامہ ’’حق چاریار‘‘ لاہور

چھوڑے ہیں اہلِ دل نے قیامت کے نقشِ پا!

مولانا زاہد حسین رشیدی

بلاشبہ ''موت العالِم موت العالَم'' کا اعزاز ایسے ہی چیدہ چنیدہ لوگوں کے حصہ میں آتا ہے جن کا وجود پوری امت کے لیے گنجینۂ علم وعمل ہوتا ہے، ان بزرگوں کے اقوال وافعال سے استدلال کیا جاتا ہے اوران کی نشست وبرخاست، اخلاق وکردار، تقریر وتحریر سے فیض کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

آہ! یہ نابغۂ روزگار ہستی پون صدی سے زائد کی طویل اور انتھک جدوجہد کے بعد 5 مئی 2009ء کی تاریک شب کے پچھلے پہر محبوب حقیقی کی طرف وصال فرماتے ہوئے قرار پا گئی......

ایسے میں ہمارے لیے ''الذین اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون'' ہی ''تسکین قلب'' کا سامان ہے اوراس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں۔

صبر کر اپنے مقدر کے لکھے پر اے بحر
رونے دھونے سے بھلا ہوگی یہ تحریر سفید؟

امام اہل السنۃ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے بعد ''امام اہل السنۃ'' کے لقب سے شہرت پانے والی اس شخصیت کا بچپن نہ تو ناز ونعمت سے گزرا اور نہ آپ کا تعلق کسی معروف علمی خاندان سے تھا۔آپ کا اس مقام تک پہنچنا انتخابِ خداوندی کے بعد طویل جدوجہد کا نتیجہ ہے۔آپ کے بچپن اور زمانۂ تعلیم میں بڑے کٹھن مراحل آئے جن سے آپ نبرد آزما رہے اور عظیم الشان ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔آپ کے بچپن اور زمانۂ تعلیم کے صبر آزما لمحات کا مطالعہ کرنے سے جہاں موصوف کی طرف علم کے لیے حوادثِ زمانہ کے باوجود ہمت واستقامت کی مثالی داستان نکھر کر سامنے آجاتی ہے وہیں ان پر مزید غور کرنے سے بعدوالوں کے لیے رانمائی کے بے شمار پہلو ''وا'' ہوجاتے ہیں۔

اک اک قدم ہے آئینہ منزلِ حبیب
چھوڑے ہیں اہلِ دل نے قیامت کے نقشِ پا

بلاشبہ جامعہ نصرۃ العلوم کو ملکی سطح پر متعارف کروانے میں جہاں بانی جامعہ کے خلوص اور حسن انتظام کا بڑا دخل ہے وہیں حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے علمی رسوخ، بلند پایہ عزم واستقلال اور شبانہ روز جدوجہد کا بھی اہم کردار ہے۔شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ''جامعہ نصرۃ العلوم'' کی شناخت اوراس حوالہ سے متبادر ذہن کے کہکشاں پر حضرت موصوف کا نام ہی ابھرتا ہے۔

آپ کے تلامذہ کا حلقہ عرب وعجم تک پھیلا ہوا ہے۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ شیخ کی ذات والا صفات ہی ایک جامعہ اور علمی مرکز کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

درس وتدریس کے ساتھ آپ نے اصلاح وسلوک کے حوالے سے بھی گراں قدر خدمات سرانجام

دیں اور اپنے شیخ عمدۃ المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاب رحمہ اللہ کے روحانی فیض کو خوب عام کیا۔
اس کے ساتھ آپ نے ''مرزائیت''''نیچریت''،''غیر مقلدیت''،''بریلویت''،''مماتیت'' ودیگر فتنوں کے تعاقب میں مذہب اہل السنۃ کے تحفظ وتبلیغ کی غرض سے وہ راہنما تحاریر چھوڑی ہیں جو صدیوں تک حوالہ بنتی رہیں گی اور امت ان سے استفادہ کرتی رہے گی۔

تعجب ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی شاگردی اور قریبی تعلق کے دعویٰ دار ہمارے ایک مخدوم دوست نے نماز جنازہ سے قبل اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے یہ کیسے کہہ دیا؟''ہم حضرت شیخ کے موقف پر قائم رہیں گے یعنی اپنا مسلک چھوڑو نہیں اور دوسرے کو چھیڑو نہیں۔''

اگر میرے بزرگ کے ارشاد کا یہ مطلب ہو کہ دلائل وبراہین سے ہٹ کر محض تصادم کی راہ اختیار کرنا ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا موقف نہیں رہا تو بلا شبہ ایسے ہی ہے اور اس پر بیسیوں شواہد موجود ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ مطلب ہو کہ شیخ رحمہ اللہ نے اپنے مسلک پر کاربند رہتے ہوئے دوسرے فرقوں کی تردید نہ کی اور''وضاحتِ حق'' کا فریضہ سرانجام نہ دیا تو یقیناً ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت شیخ کی تصانیف کردہ کتب کی اگر سردست فہرست ہی ملاحظہ کر لی جائے تو شاید ہی دورِ حاضر کا کوئی فتنہ بچا ہو جس کی حضرت موصوف رحمہ اللہ نے سرکوبی نہ فرمائی ہو اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس باب میں حضرت شیخ رحمہ اللہ نے قلم کو اہل السنۃ کا نمائندہ قلم خیال کیا جاتا ہے۔اس حوالے سے قائد اہل السنۃ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''لاہور میں 2 ربیع الاول 1382ھ بمطابق 4 اگست 1962ء کو''جمعیت علماء اسلام'' مرکزی اجلاس منعقد ہوا جس میں یہ قرارداد پاس کی گئی کہ مسئلہ''حیات النبی ﷺ'' کے موضوع پر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر شیخ الحدیث نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ایک مدلل جامع کتاب لکھیں اور ضروری مشورہ کے لیے آپ مولانا محمد یوسف محمد بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے رجوع کریں۔اس اجلاس میں بندہ بھی حاضر تھا چنانچہ شیخ الحدیث صاحب موصوف نے اس مسئلہ پر ایک مفصل کتاب بنام''تسکین الصدور'' تصنیف فرمائی۔ کتاب مکمل ہونے کے بعد''مدرسہ خیر المدارس'' ملتان میں 28/29 نومبر 1976ء (۲۸/۲۹ شعبان ۱۳۸۷ھ) دو روزہ اجلاس منعقد ہوا اور حاضرین کو شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب زید فضلہم (رحمہ اللہ) نے اپنی کتاب سنائی اور حسبِ ذیل حضرات نے اس پر تصدیقی دستخط کر دیے۔مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، مولانا مفتی محمود صاحب، مولانا مفتی عبداللہ صاحب ملتان، مولانا عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال، مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا نذیر اللہ خان صاحب۔اور خادمِ اہل السنۃ مظہر حسین غفرلہ کے بھی اس

پر دستخط ہیں۔طبع دوم میں پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند کی تقاریظ بھی شائع کی گئی ہیں۔[کشف خارجیت 183]''

خوشا وہ وقت کہ ''جمعیت'' کے مرکزی اجلاسز میں مذہب اہل السنۃ کے دفاع کے لیے کتاب لکھی جانے کی قرارداد پاس ہوتی تھی اور ''خیر المدارس'' ملتان میں منعقدہ اجلاس میں بانی جامعہ سمیت اکابر اس پر غور وخوض کے بعد اسے اپنا اجتماعی مؤقف قرار دیتے تھے۔

ہمارے مخدوم حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ اور ناظم اعلیٰ ''وفاق المدارس العربیہ'' پاکستان، محترم مولانا قاری حنیف جالندھری مدظلہ سمیت اکابرینِ وفاق کو اپنا ''یہ ماضی'' پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ مذہب اہل السنۃ کے ناقدین کے حوالے سے ایک ٹھوس اور اجماعی لائحۂ عمل تیار کرنا چاہیے۔ بالخصوص جن کے لیے تسکین الصدور لکھی جانے کی ضرورت پیش آئی اور جنہیں ''دارالعلوم دیوبند'' کی طرف سے مذہبِ اہل السنۃ سے خارج بزرگانِ دیوبند کا باغی قرار دیا گیا، انہیں ''وفاق''، ''جمعیت'' یا کسی بھی سٹیج سے ''دیوبندی'' عنوان سے قبول نہیں کرنا چاہیے۔

ثمر تو تھے ہی مگر سنگ بھی تھے شاخوں پر
وہ جن کا بوجھ مسلسل شجر کی جان پہ تھا

شیخ مدنی رحمہ اللہ کے تلامذہ کا اجتماعی وصف: چندسال قبل رمضان المبارک میں خدا تعالیٰ کی عنایت سے بندہ کو عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی اس موقع پر ایک مقدس ونورانی شب کے درمیانے پہر مسجد نبوی کے صحن میں مخدوم ومحترم حضرت مولانا رشید میاں صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوگئی، آپ نے فرمایا چلو تمہیں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نواسہ حضرت مولانا سید اشہد مدنی مدظلہ سے ملواتے ہیں۔ایک کونے میں بیٹھے سفید لباس میں ملبوس سیدزادہ کے چہرہ سے نورانیت کی بوندیں صاف ٹپک رہی تھیں۔حضرت قائد اہل السنۃ رحمہ اللہ کی نسبت سے تعارف کروایا گیا۔پھر کیا تھا؟ ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے۔حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ پھر شیخ مدنی رحمہ اللہ کا ذکر شروع ہوگیا۔اس موقع پر آپ کی گفتگو کا کچھ حصہ جو ہمارے ممدوح حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ سے متعلق ہے ملاحظہ کیجیے۔

''حضرت مدنی رحمہ اللہ میں دوخوبیاں تھیں ایک باوجود علمی اور روحانی مقام کے ''تواضع'' اور ''اخفاء'' اور دوسرا ''مہمان نوازی'' اور ''اصاغر نوازی''۔تواضع اخفاء کا یہ عالم تھا کہ سلہٹ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے، انہوں نے مجلس میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کو ''شیخ العالم'' کہہ دیا تو آپ ناراض ہوگئے۔وہ بزرگ بھی جلالی تھے انہوں نے کہا ''حضرت! میں نے بیت اللہ شریف سے ایسے سنا ہے'' تو آپ

خاموش ہو گئے۔

مہمان نوازی کے حوالہ سے تو آپ کا طرز ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔آپ کے دسترخوان پر مہمانوں کی ہمہ وقت آمد رہتی تھی۔ایسے لگتا تھا کہ کسی خاص تقریب کا موقع ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے جملہ شاگردوں میں یہ خوبیاں مشترکہ طور پر موجود ہوتی ہیں۔''

بلاشبہ ''تواضع''و''للّٰہیت'' اور''مہمان نوازی'' کے یہ مدنی اوصاف محدث کبیر حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ میں بھی بدرجۂ اتم موجود تھے۔

تحریک خدام کے لیے پرخلوص دعائیں: حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی عیادت کے لیے حضرت قائد اہل السنۃ رحمہ اللہ کے وصال کے بعد کم وبیش سات مرتبہ امیر تحریک حضرت مولانا قاضی ظہور الحسین صاحب اظہر مدظلہ کی معیت میں گکھڑ جانے کا اتفاق ہوا۔چونکہ امیر مرکزیہ،حضرت شیخ کے شاگرد اور''نصرۃ العلوم'' کے فاضل ہیں۔علاوہ ازیں باہمی رشتہ داری اور دوسرے کئی حوالوں سے قرب رہا ہے،اس لیے حضرت شیخ بہت شفقت فرماتے اور ہر ملاقات میں حضرت قاضی صاحب کی رحلت کے بعد کے حال احوال دریافت فرمانے کے بعد زریں نصائح اور دعاؤں سے ضرور نوازتے۔

یقیناً بزرگانِ امت کا شیوہ رہا ہے کہ ان کی دعائیں جملہ''اہلِ حق'' کے لیے اور ان کا دستِ شفقت ہر ایک کے سر پر ہوتا ہے۔تاہم اس موقع پر''تحریک خدام اہل السنۃ'' ان کی جدائی اور ان کی پرخلوص دعاؤں سے محرومی کو اپنا بہت بڑا نقصان سمجھتی ہے۔

خدا تعالیٰ عالمِ اسباب میں اس عظیم خلا کے پر ہونے کے لیے کوئی صورت پیدا فرمائیں۔

ایک ذوق کے حامل افراد کی ٹیم کے آخری فرد: حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ،قائد اہل السنۃ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ اور فخر اہل السنۃ حضرت مولانا قاضی عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ باہم نسبی رشتہ داریوں میں منسلک تھے ہی،تاہم حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ ان مشائخ کے ساتھ چند دیگر بزرگوں کو''ایک ذوق کی حامل ٹیم'' قرار دیتے ہیں۔چنانچہ مخدوم ومکرم حضرت مولانا قاری خبیب احمد عمر رحمہ اللہ کے نمازِ جنازہ سے قبل تعزیتی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا......

> ''مجھ سے کئی مواقع پر پوچھا جاتا ہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے متعلق آپ کے کیا تاثرات ہیں؟ تو میں ہمیشہ عرض کرتا ہوں کہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ،مولانا عبد اللطیف جہلمی رحمہ اللہ،میرے والد شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ،مولانا حکیم سید علی شاہ رحمہ اللہ،مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ،مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ اور مولانا سید محمد امین شاہ رحمہ اللہ ایک

ذوق کے حامل افراد کی ٹیم ہے جو چار چیزوں سے وجود پاتی ہے۔

[۱] دینی حمیت [۲] مسلکی صلابت [۳] عزم واستقامت [۴] جہدِ مسلسل''

آہ! اب اس ٹیم کے آخری فرد حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ بھی ہم سے جدا ہوکر اپنی ٹیم سے مل چکے ہیں۔ یقیناً اعلیٰ علیین میں ان کی روح کا ان کی ٹیم کی ارواح نے پرتپاک استقبال کیا ہوگا۔

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ

امتِ مرحوم سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

❁......❁......❁......❁......❁

ماہنامہ ''علم وعمل'' لاہور

امام اہل سنت استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

مدیر کے قلم سے

ایک عالم کی وفات جہاں کی وفات ہوتی ہے ۔لیکن اگر شیخ العرب والعجم امام اہل السنۃ والجماعۃ ،محققِ زمانہ ،محیُّ السنۃ ،نمونہ اکابر ،تواضع کے پیکر ،عالم باعمل ،شیخ المشائخ ،استاذ الاساتذہ ،مناظرِ اسلام ،مبلغِ اسلام ،تمام دینی ودیوبندی جماعتوں کے سربراہ ،مفسرِ قرآن ،عظیم محدث ،استاذ المحدثین ،زبدۃ الموحدین ،سرتاج الاولیاء ،وقت کے امام ،شیخ الحدیث حضرت مولانا الحاج علامہ محمد سرفراز خان صفدر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی عظیم ہستی دنیا سے رخصت ہوجائے تو جہاں کی موت کیسے نہ بنے گی......؟ علمی ،ملی ،روحانی ،دینی شخصیت کا یہ انتقال پوری دنیا کے لیے بہت بڑا سانحہ ہے ،خصوصاً اہلِ مدارس کو بہت بڑا دھچکہ ہے ،بہت سے اکابرین کے دادا استاذ کی یہ رحلت غیر معمولی صدمہ ہے ،اللہ تعالیٰ حضرت کی لغزشات سے درگزر فرمائے اور نسبی وروحانی خاندانوں کو صبر وتحمل نصیب فرمائے۔(آمین) اور اللہ تعالیٰ ایسی ہستیاں پیدا فرماتے رہیں اور ان حضرات کی عملی کوششیں قیامت تک جاری وساری وقبول ومنظور فرمائیں۔آمین

آپ کی خصوصیات:

1۔عالم باعمل 2۔تمام دینی حلقوں میں مقبولیت رکھنے والی شخصیت 3۔تواضع کے پیکر 4۔زہد وتقویٰ کے حامل 5۔حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی میں انتہائی مخلص 6۔سنت کے عاشق وشیدائی 7۔خوب مہمان نواز وملن سار ،راقم الحروف بھی کبھی دو ماہ ،کبھی تین ماہ بعد بغرض دعاء وزیارت حاضرِ خدمت ہوتا تھا ،تو حضرت ہمیشہ محبت وشفقت اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ مہمان نوازی فرمایا کرتے تھے 8۔اسلام کے مایہ ناز مناظرہ کرنے والی شخصیت 9۔حضرت کا سبق یا درس یا حضرت کی لکھی ہوئی کتاب پڑھنا راقم الحروف کی

ناقص رائے کے مطابق بیک وقت پچاس کتابوں کا مطالعہ کرنے کے برابر ہے، کیوں کہ حضرت علمی شخصیت تو تھے ہی انتہائی تحقیق سے باحوالہ بات کرنے والے تھے۔کوئی بھی سبق پڑھاتے، یادرس دیتے یا کتاب لکھتے تو خوب مطالعہ کے بعد تاکہ اس موضوع پر سیر حاصل بات فراہم ہو سکے، اس لحاظ سے واقعی حضرت کے درس وسبق یا کتاب کا مطالعہ کرنا یقیناً بہت سی کتب کا مطالعہ ہو جاتا ہے 10۔حضرت حافظہ کے بہت قوی اور حاضر جواب تھے، بہت سارے مناظرے کیے کسی مناظرے میں ہارنا ان کے حصے میں نہیں آیا 11۔وقت کے انتہائی پابند فضولیات سے بالکل الگ 12۔معاملات کے انتہائی صاف 13۔1977ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ کے دوران باوجود گولی مارنے کی دھمکی کے آپ نے کلمہ پڑھتے ہوئے ریڈ لائن پار کرلی۔حضرت مولانا حسین علی صاحب ضلع میانوالی سلسلہ نقشبندی کے آپ خلیفہ مجاز ہوئے۔

آپ نصیحت فرمایا کرتے تھے: 1۔بغیر مطالعہ کے کبھی کوئی چھوٹا سا سبق بھی نہ پڑھانا 2۔دین کے جس شعبے میں لگے ہو اس پر اخلاص کے ساتھ مضبوطی کے ساتھ لگے رہنا 3۔اپنے اکابر کا دامن کبھی نہ چھوڑنا 4۔ہمیشہ باحوالہ بات کرنا 5۔کسی کی حق تلفی نہ کرنا بے جا زیادتی نہ کرنا 6۔چھوٹوں پر شفقت بڑوں کا اکرام ضرور کرنا 7۔تعویذ بنا کر خود کسی سے پیسے نہ مانگنا خود کوئی ہدیہ دے تو خاموشی سے لے لینا 8۔اپنے اساتذہ ، کتابوں اور مدرسہ کا ہمیشہ ادب کرنا 9۔حضرت اپنے شاگردوں اور متعلقین سے ختمِ نبوت کا کام کرتے رہنے کا پیغام بھی دے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگوں سے فیض حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دیں، آمین۔

❁......❁......❁......❁......❁

ماہنامہ ''لولاک'' ملتان

شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان رحمہ اللہ کا سفرِ آخرت!

مولانا اللہ وسایا مدظلہ

5 مئی 2009ء پونے دو بجے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک کو بقعۂ نور فرمائیں اور ان کو قبر میں جنت کی راحتیں وآسائشیں نصیب فرمائیں ۔ان کے جملہ پسماندگان کو صبرِ جمیل کے ساتھ ساتھ ان کی مکمل حفاظت ونصرت فرمائیں. ''اللھم ارحمه واجعل قبره روضة من رياض الجنة امين بحرمة خاتم النبيين ''

شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر کے والد گرامی کا نام نور احمد خان تھا۔وہ مانسہرہ کے ایک گاؤں ڈھکی

چیڑاں داخلی کٹر منگ کے رہنے والے تھے۔ان کے گھر مولانا سرفراز خان 1914ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم ہزارہ وگردونواح میں حاصل کی اور حصول تعلیم کے لیے تکلیف دہ اور صبر آزما مراحل سے آپ کو گذرنا پڑا :''حنا رنگ لاتی ہے پتھر پے پس جانے کے بعد'' ان مصائب کو جھیل کر بڑے مجاہدہ سے آپ وادی علم کو طے کرتے رہے۔1941ء میں آپ گکھڑ میں تشریف لائے۔اوّلاً جس مسجد میں پڑھنا پڑھانا، درس دینا، جمعہ پڑھانا شروع کیا۔تادمِ واپسی اسی مسجد کو ہی اپنی علمی سرگرمیوں کا مرکز بنائے رکھا۔یہاں پر مکان بنایا اور یہیں سے جنازہ اٹھا۔استقلال ووفاء کی دنیا میں ایک مثال قائم کرگئے۔

مولانا محمد سرفراز خان صفدر، گھنا کسرتی جسم، درمیانہ قد، داڑھی مبارک دراز، چہرہ پر علم کا جلال اور عمل کا نور، پیشانی کشادہ، نگاہ عقابی، ناک ستواں، خدوخال محبوبانہ، رنگ پکا سرخی وسفیدی مائل، حفاظت نظر کے لیے گردن ہمیشہ جھکی ہوئی، کپڑے اکثر سفید، جوانی میں سر پر ہمیشہ پگڑی، اس کے نیچے کپڑے کی ٹوپی، خندہ رو، بولیں تو علم، ابلتے چشمہ کی مانند رواں دواں، مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکیوں میں حل کرنے کے ماہر، پاکستان میں اس وقت فن حدیث کے سب سے بڑے ماہر وامام، قلم شستہ، تحریر میں پختگی وروانگی، تمام اختلافی مسائل پر قلم اٹھایا۔لیکن متانت کے ساتھ، قرآن وسنت کے دلائل سے ان مسائل میں علماء دیوبند کے عقائد کی تشریح فرمائی کہ دوست ودشمن اہل علم حضرات عش عش کراٹھے۔

بعض مقامات پر جواب آں غزل آیا ہو تو اس سے انکار نہیں۔لیکن اس میں بھی انہوں نے علمی وقار متانت کو داغ دار نہیں ہونے دیا۔بلکہ مثال قائم فرمائی کہ اہلِ علم کے اختلاف کی حدیں یوں ہوتی ہیں۔راقم نے اوّلاً آپ کی زیارت 68-1967ء میں مدرسہ مخزن العلوم خانپور میں کی۔ختمِ بخاری کے موقع پر حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے سالانہ جلسہ عام کا اہتمام کیا۔سہ روزہ اجتماع میں اس وقت کی تمام چوٹی کی دینی قیادت شمولیت فرما تھی۔

راقم کو اللہ رب العزت نے مجلس تحفظ ختم نبوت کی شمولیت سے سرفراز کیا تو تقریباً اکثر وبیشتر چنیوٹ کی سالانہ آل پاکستان ختمِ نبوت کانفرنس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان کی زیارت کا موقع مل جاتا۔یہ کانفرنس دسمبر میں منعقد ہوتی تھی۔آپ نصرۃ العلوم میں پہلے وقت پڑھا کر کانفرنس میں شرکت کے لیے چنیوٹ کا سفر کرتے۔ظہر کے بعد اجلاس میں آخری بیان کرتے۔عصر پڑھ کر واپسی ہوجاتی۔سردیوں کے دن ہوتے، اکثر سواتی دھسّہ پہنے ہوئے، سر پر پشاوری پگڑی، عینک لگائے، ہاتھ میں عصا لیے سٹیج پر تشریف لاتے۔تمام تر سادگی کے باوجود ہر خورد وکلاں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتے۔

نمازِ عصر کے بعد بسا اوقات چائے کے دوران علیحدگی میں مجاہدِ ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ

اللہ اور حضرت کی ایک دوسرے سے مشاورت کا منظر بھی راقم کی آنکھوں میں گھومتا نظر آ رہا ہے۔ایک بار اپنی صحت کے آخری دور میں آپ جامعہ قاسم العلوم میں ختمِ بخاری کے موقع پر تشریف لائے۔اتفاق کی بات ہے کہ مجلس کے بڑے حضرات سب سفر پر تھے۔راقم دفتر میں اکیلا تھا۔عشاء سے قبل قاسم العلوم ملتان حاضر ہوا۔حضرت کے ساتھ آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالقدوس قارن استاذ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم تھے۔ان سے عرض کیا کہ عشاء کے متصل بعد ختمِ بخاری ہے۔اس کے بعد رات گئے تک جلسہ جاری رہے گا۔حضرت آرام نہیں کر سکیں گے۔اگر قیام دفتر ختمِ نبوت ہو جائے تو بہت مناسب رہے گا۔مولانا قارن صاحب نے فقیر کی طرف سے حضرت کی خدمت میں درخواست پیش کی۔خندہ پیشانی سے قبول فرمالی۔ہمارے بخت جاگ اٹھے۔آپ نے جامعہ قاسم العلوم کے شیخ الحدیث مولانا محمد اکبر خان صاحب دامت برکاتہ سے فرمایا کہ ختمِ بخاری کے بعد مجھے آرام ختمِ نبوت کے دفتر کرنا ہے۔مولانا محمد اکبر خان صاحب نے فرمایا کہ صبح نماز کے بعد آپ کے درس قرآن مجید کا بھی قاسم العلوم جامع مسجد میں ہم نے اعلان کر رکھا ہے۔تو حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا ٹھیک ہے۔اذان کے بعد دفتر ختمِ نبوت سے لے لینا۔نمازِ فجر یہاں آپ کے ہاں باجماعت ادا کریں گے۔لیجیے! تشریف آوری یقینی ہو گئی۔آپ آرام کے لیے دفتر تشریف لائے۔صاحبزادہ مولانا عبدالقدوس اور حضرت کے لیے نیچے کے مہمان خانہ میں بستر لگوا دیئے۔لیٹنے سے قبل چائے یا دودھ کا کپ نوش فرمایا۔طہارت و وضو فرمایا اور لیٹ گئے۔

دفتر میں دقت یہ ہے کہ گھنٹی بھاری آواز میں لگوائی ہے۔سردی کی راتوں میں مہمان آ جائیں تو گھنٹی سے ساتھی بیدار ہو کر دروازہ کھول دیتے ہیں۔خیال ہوا کہ گھنٹی کھلی رہی کوئی مہمان آیا اس نے گھنٹی بجا دی تو حضرت کے آرام میں خلل آئے گا۔ساتھیوں سے عرض کیا کہ آپ سو جائیں۔صبح سے کچھ دیر قبل تازہ عمدہ چائے کا نظم کرنا ہو گا اور ساتھ میں فرائی ایک ایک انڈہ اور کیک بھی منگوا کر ابھی رکھ لیں۔ساتھی سو گئے۔راقم نے گھنٹی بند کر دی اور خود دربان بن کر گیٹ پر رات گزار دی کہ کوئی آہٹ ہو تو دروازہ کھل جائے اور بغیر شور وغل کے مہمان کو ٹھہرا لیا جائے۔تاکہ حضرت رحمہ اللہ کو تکلیف نہ ہو۔رات کے آخری حصہ میں حضرت رحمہ اللہ معمول کے مطابق از خود اٹھ گئے۔گرم پانی پیش کیا۔وضو فرمایا اور معمولات میں مشغول ہو گئے آذانِ فجر سے قبل چائے نوش فرمائی۔اذان شروع ہوتے ہی حضرت محمد اکبر خان مدظلہ تشریف لائے۔انہوں نے بھی چائے نوش فرمائی اور حضرت رحمہ اللہ روانہ ہو گئے۔امید ہے کہ جس ذات کریم تعالیٰ نے ایک رات اپنے مقبول بندے کی خدمت کی توفیق دی۔اس خدمت کے صدقے خادم کی بھی نجات فرما دیں گے۔وما ذالک علی اللہ بعزیز!

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ سے ایک یادگار ملاقات جو گھنٹوں پر محیط ہے وہ گکھڑ میں ہوئی تھی ۔ملک عزیز کے نامور خطیب ، جفاکش اور مجاہدِ اسلام جناب حافظ سید عطاء المؤمن شاہ بخاری مدظلہ جانشین امیرِ شریعت رحمہ اللہ ،وروح رواں مجلس احرار الاسلام پاکستان نے اپنے مسلک کی تمام جماعتوں کو مجلس علماء اسلام کے نام پر جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو اس کی امارت کے لیے آمادہ کرلیا۔آپ نے امارت قبول فرمائی۔ یکے بعد دیگرے لاہور اور مختلف مقامات پر تمام جماعتوں کے نمائندگان کے اس نئے پلیٹ فارم پر اجلاس منعقد ہوئے۔راقم اپنی تبلیغی مصروفیات کے باعث کسی اجلاس میں شریک نہ ہو پایا تو ایک ملاقات میں حضرت المکرّم جانشین امیرِ شریعت سید عطاء المؤمن نے حکماً فرمایا کہ گکھڑ میں فلاں تاریخ کو مجلس علماء اسلام کی میٹنگ پر ضرور حاضر ہونا ہے۔اس حکمِ خاص اور پہلے کی غیر حاضریوں کی ندامت دھونے کا موقعہ مل گیا۔مقررہ تاریخ پر حضرت مولانا قاری محمد یوسف صاحب عثمانی رکن مرکزی مجلسِ شوریٰ کے ہمراہ گکھڑ حاضری دی۔حضرت رحمہ اللہ کے ایک ملنے والے کے وسیع وعریض مکان کے ہال میں بھرپور میٹنگ ہوئی۔تمام جماعتوں کی نمائندگی تھی ۔حضرت رحمہ اللہ بھی گھنٹوں اس اجلاس کی آخر تک صدارت پر متمکن رہے۔اجلاس میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ مجلسِ علماءِ اسلام میں شریک جماعتوں کے راہنما مجلس علماء کے نظم کو چلانے کے لیے عہد کریں کہ وہ کوئی اور نیا پلیٹ فارم نہیں بنائیں گے ۔نہ اس میں شریک ہوں گے۔آپ کا اشارہ مخدوم زادہ مولانا زاہد الراشدی کی طرف تھا کہ انہوں نے ان دنوں ایک نیا پلیٹ فارم بنایا۔''اسلامک ہیومن رائیٹس''یا اس سے کوئی ملتا جلتا اس کا نام تھا۔حضرت شاہ صاحب کی اس تجویز پر راقم نے بھی موقعہ غنیمت جان کر کہا کہ نہ صرف اندرون ملک نئی جماعت نہ بنائیں بلکہ بیرون ملک بھی۔مولانا زاہد الراشدی میری چوٹ کو سمجھ کر اچھلے اور قہقہہ مارا،تو اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے سر اٹھا کر ایک بار مولانا راشدی کی طرف اور دوسری بار راقم کی طرف دیکھا اور مسکرائے۔اس پر راقم نے سوچا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ پر اس تجویز کے میرے تائیدی کلمات کا منفی اثر نہ پڑا ہو۔لیجیے لیپا پوتی میں راقم نے ایک اور حماقت کر ڈالی۔کہنا یہ چاہتا تھا کہ جس جماعت کے والد گرامی شیخ الحدیث سربراہ ہیں۔مولانا زاہد الراشدی بحیثیت ایک جماعت کے نمائندہ اور شیخ الحدیث کے صاحبزادہ ہونے کے ناطے اپنا تمام وزن اسی پلڑے میں ڈالیں۔بس اس کی تشریح میں اپنی حماقت سے ایک جملہ بھی کہہ دیا کہ ''پڑھے کسی کھرلی سے اور دودھ کسی دوسری کھرلی میں''۔یہ مناسب نہیں۔اس پر مولانا محترم بشیر احمد شاد پھڑک اٹھے اور زوردار تائید فرمائی۔اس لیے کہ وہ بھی شاکی تھے کہ جمعیت علماء اسلام (س گروپ) بنانے میں بانی کا کردار مولانا راشدی دامت برکاتہم کا تھا۔اب اسے بھی چھوڑ دیا۔گویا (روندی یاراں نوں ناں لے لے

بھرانواں دے) مولانا بشیر احمد شاد نے میری تائید میں اپنا دکھڑا کہہ سنایا۔اب حضرت سید عطاء المؤمن شاہ بخاری نے جو مصرعہ اٹھایا تھا وہ راقم نے شعر بنادیا۔مولانا شاد نے اس پر غزل مکمل کر ڈالی۔مولانا راشدی نے فقیر کی طرف غضب ناک نظروں سے ہلکی مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے دیکھا۔(کہ کیا طوفانِ بدتمیزی کھڑا کر دیا) فقیر نے ہمیشہ کی طرح ان کے سامنے نیازمندی کے ساتھ آنکھیں جھکالیں۔اس پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصولاً صحیح ہے کہ جماعتیں بہت ہیں۔نت نئی جماعت ٹھیک نہیں اور مجلس علماء اسلام کو بھی کوئی نئی جماعت نہ سمجھا جائے۔یہ تو اتحاد کے لیے ایک کوشش ہے۔یہ فرما کر مزید بحث کا دروازہ بند فرمادیا۔

ایک بار مولانا اختر کاشمیری نے سیدنا مہدی علیہ الرضوان کے انکار کے لیے ابن خلدون کے مقدمہ سے اقتباس لے کر مضمون اچھال ڈالا۔راقم ان سے لاہور میں ملا اور عرض کیا کہ آپ کب سے خارجی ہوگئے؟ باتوں باتوں میں انہوں نے فرمایا کہ مضمون تو اگل ڈالا۔اب ایک شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور دوسرا مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے قلم سے ڈر لگتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ دو بار ختمِ نبوت کانفرنس چناب نگر میں بھی تشریف لائے۔ایک بار حضرت مولانا محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ ذریعہ بنے۔دوسری بار حضرت مولانا زاہد الراشدی کی عنایت کام آئی۔ایک بار ''ڈھاکہ'' میں آل بنگلہ دیش ''ختمِ نبوت کانفرنس'' میں شرکت کے لیے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بمع اپنے جانشین حضرت مولانا زاہد الراشدی کے کراچی تک کا سفر فرمایا۔کانفرنس کی منظوری نہ ملنے کے باعث سفر ملتوی کرنا پڑا۔رب کی شان ایسے آخری مرحلہ پر منظوری ملی۔کانفرنس تو ہوگئی لیکن تنگیٔ وقت کے باعث باہر سے مہمان حضرات کی شرکت نہ ہوسکی۔

11 اپریل 2009ء کو ختمِ نبوت کانفرنس بادشاہی مسجد لاہور کے لیے اپنے صاحبزادہ اور ہمارے مخدوم ومخدوم زادہ مولانا عبدالحق خان بشیر کے ذریعہ پیغام بھجوایا۔جسے انہوں نے اپنے بیان میں لاکھوں سامعین کے سامنے دہرایا۔شیخ الحدیث کے تقریباً الفاظ آپ نے یوں ارشاد فرمائے کہ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا: ''تحفظ ناموسِ رسالت اور عقیدہ ختمِ نبوت کی پاسبانی کے لیے میرے تمام شاگرد مریدین ومتعلقین عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے ساتھ ہر قسم کا بھرپور تعاون فرمائیں کہ یہ جماعت ہمارے بزرگوں کی قائم کردہ ہے۔میری سب کو یہ نصیحت اور حکم ہے۔''

عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے لیے آپ کا یہ اشارہ ایک اعزاز سے کم نہیں۔تقریباً یہی جملے مولانا عبدالحق خان بشیر نے آپ کے جسدِ اطہر کے سامنے جنازہ سے قبل بھی ارشاد فرمائے۔غالباً یہ حضرت شیخ

الحدیث کا آخری پیغام ہے جو لاہور کے جلسہ عام میں سنایا گیا۔مجلس کے خدام اسے اپنے لیے حرز جان سمجھیں۔ **فلحمد لله !**

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ امت کا مشترکہ سرمایہ تھے۔ ہر جماعت اپنی نسبت حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ساتھ قائم کرنے میں اپنی سعادت سمجھتی ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلک دیوبند کی ہر جماعت کو انہوں نے اپنی شفقتوں سے نوازا۔ جمعیت علماء اسلام کے ضلعی امیر بھی رہے۔غرض جمعیت علماء اسلام کی قیادت مولانا محمد عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ،مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ،مولانا عبیداللہ نور رحمہ اللہ،مجلس تحفظ ختمِ نبوت کی قیادت حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ،حضرت جالندھری رحمہ اللہ، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ،حضرت مناظرِ اسلام رحمہ اللہ سے آپ کا تعلق عشق ومحبت ،احترام باہمی اور دوستانہ تھا۔حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ،حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ سے دینی تعلق اتنا مثالی تھا جو بالآخر رشتہ داری کا روپ دھار گیا۔اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کے ورثاء اور نام لیواؤں کو بھی اس تعلق کو نبھانے کی توفیق رفیق فرمائیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے ردِقادیانیت پر بھی تین کتابیں تصنیف فرمائیں۔[۱] ''عقیدہ ختمِ نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں''۔[۲] ''توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام''۔[۳] ''چراغ کی روشنی'' آخری رسالہ میں معراج جسمانی کے مسئلہ کو مبرہن کیا۔جس کا مرزا قادیانی نے صراحتاً انکار کیا اور پھر اس مسئلہ میں ماضی قریب میں مودودی صاحب نے بھی تشکیک کی راہ اپنالی۔یہ ان کے رد پر مشتمل ہے۔اللہ رب العزت کو منظور ہے تو احتساب قادیانیت کی کسی قریبی جلد میں ان رسائل کو بھی یکجا شائع کرنے کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے عقیدہ ختمِ نبوت کے تحفظ کی خاطر جیل کی کوٹھریوں کو آباد کیا۔اس کی تفصیل میں خود آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''اللہ تعالیٰ نے راقم اثیم (حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ) پر جو احسانات اور انعامات کیے ہیں۔ راقم اثیم قطعاً ویقیناً اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا۔صرف اور صرف منعم حقیقی کا فضل وکرم ہے کہ حضرات علماء اور طلباء اور خواص وعوام اس ناچیز سے محبت بھی کرتے ہیں اور قدر دانی بھی کرتے ہیں ۔ڈھول اندر سے تو خالی ہوتا ہے مگر اس کی آواز دور دور تک جاتی ہے۔یہی حال میرا ہے کہ علم وعمل تقویٰ اور ورع سے اندر خالی ہے اور حقیقت اس کے سوا نہیں کہ من آنم کہ من دانم۔راقم اثیم تحریک ختمِ نبوت (1953ء) کے دور میں پہلے گوجرانوالہ جیل میں پھر نیو سنٹرل جیل ملتان میں کمرہ نمبر 14 میں

مقید رہا۔ ہماری بارک نمبر 6 دومنزلہ تھی اور اس میں چار اضلاع کے قیدی تھے اور سبھی ہی علماء طلباء تاجر اور پڑھے لکھے لوگ تھے جو دیندار تھے۔ اضلاع یہ ہیں ضلع گوجرانوالہ، ضلع سیالکوٹ، ضلع سرگودھا اور ضلع کیمل پور (فی الحال ضلع اٹک) بحمد اللہ تعالیٰ جیل میں بھی پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ جاری تھا۔ راقم اثیم قرآن کریم کا ترجمہ، موطا امام مالک، شرح نخبۃ الفکر اور حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ کتابیں پڑھاتا رہا ۔ دیگر حضرات علماء کرام بھی اپنے اپنے ذوق کے اسباق پڑھتے پڑھاتے رہے۔ آخر میں راقم اثیم کمرہ میں اکیلا رہتا تھا۔ کیونکہ باقی ساتھی رہا ہو چکے تھے اور میں قدرے بڑا مجرم تھا۔ تقریباً دس ماہ جیل میں رہا اور ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق کی تردید میں بجواب دو اسلام ''صرف ایک اسلام'' وہاں ملتان جیل ہی میں راقم اثیم نے لکھی تھی۔ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق تینوں خواب ''قلمی جہاد، تحریری خدمات'' نامی مضمون میں ملاحظہ فرمائیں۔ [خادم، حمزہ])

آپ کی تصنیف توضیح المرام ص 12 تا 15 کے پیش لفظ کا یہ اقتباس آپ نے پڑھا۔ اس میں بہت کچھ ہونے کے باوجود، یہ عاجزی وانکساری ان کے اخلاص وورع کی دلیل ہے۔ حالانکہ آپ اپنے زمانہ کے نامور محدث، امام اہل السنۃ اور متکلم اسلام تھے۔ آپ نے جامعہ نصرۃ العلوم میں نصف صدی تک قرآن وسنت کی تعلیم دی۔ اخلاص کا پیکر تھے ان کو دیکھ کر اکابر وصلحاء کے زہد وتقویٰ کا نمونہ دیکھنے کو مل جاتا تھا۔ آپ پنجاب کے معروف نقشبندی پیر طریقت مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے شاگرد وخلیفہ مجاز تھے۔

آپ نے تحریک ختم نبوت کی طرح تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی گرفتاری پیش کی ۔غرض آپ کی زندگی جہد مسلسل کی زندگی تھی۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ رحمت عالم ﷺ کے دین متین کی ترویج کے لیے وقف رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی شایانِ شان بلند درجات نصیب فرمائے۔ مولانا زاہد الراشدی، مولانا عبدالحق خان بشیر، مولانا عبدالقدوس قارن، قاری حماد الزہراوی، قاری راشد خان اور دیگر تمام متعلقین سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اظہار تعزیت ودلی ہمدردی کے ساتھ اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ **وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!**

تکملہ: یاد آیا کہ پاسپورٹ میں مذہب کے خانہ کے اضافہ کے لیے تحریک جاری تھی۔ اس موقعہ پر حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر ان کو گجرات لائے۔ مولانا قاضی حمید اللہ خان، راقم کو ملانے کے لیے مولانا راشدی ان کے پاس لے گئے تو آپ نے پوچھا کہ مجلس تحفظ ختم نبوت میں ہمارے دوست عبدالرحیم اشعر رحمہ اللہ کا کیا حال ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ وہ تو انتقال فرما گئے۔ آپ نے انا للہ پڑھا اور پھر اجتماعی دعائے مغفرت کرائی۔ آپ کا حافظہ دیکھ کر محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ **اللھم احشرنا معھم**۔ آمین!

ماہنامہ ''نصرۃ العلوم'' گوجرانوالہ

امام اہل سنت......اک جامع شخصیت

مولانا محمد شاہنواز فاروقی

؎ کیوں تیرہ وتاریک ہے نظروں میں جہاں آج
کیوں چھائے ہیں ہر سمت یہ ظلمت کے نشاں آج

اللہ نے امت محمدیہ میں بعض ایسے باکمال علماء حق پیدا فرمائے جنہوں نے تمام شعبہ ہائے دین متین کی بھرپور خدمت کی اور دین متین کی محنت کے ہر میدان میں قابل تعریف کردارا ور کارہائے نمایاں سرانجام دیے، یہاں تک کہ دینِ حق و مستقیم کے کسی شعبہ کو تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا۔ دین اسلام کے ایسے خدام کو جامع الصفات والعلوم اور ہمہ گیر شخصیات جیسے القابات سے ملقب کیا جاتا ہے۔ انہی جامع الصفات والعلوم اور ہمہ گیر شخصیات میں سے ایک روشن اور درخشندہ نام امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کا بھی ہے۔ جن کے نقوش نجومِ منورہ کی طرح دین کے ہر شعبہ میں چمکتے، دمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے اپنی 98 سالہ حیاتِ مستعار میں علومِ دینیہ کے حصول کے بعد تعلیم وتدریس، تقریر وتبلیغ، تصنیف وتالیف، اصلاحِ عقائد واعمال، تصوف وطریقت وغیرہ تمام شعبوں میں دین اسلام کی مثالی خدمات کے ذریعے گلشن اسلام کی ایسی آبیاری کی جو رہتی دنیا تک مشعل راہ اور طالبانِ حق کے لیے صراطِ مستقیم کا پتہ ہے۔ آپ کو حق جل مجدہ نے ظاہری اور باطنی تمام تر خوبیوں سے آراستہ کیا تھا۔ آپ وسعتِ مطالعہ، ذہانت وفطانت، فکر وتدبر کے اعتبار سے لاثانی، ظاہر وباطن میں یکساں اور متانت وسنجیدگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ علم آپ کا کمال، عمل آپ کا جمال، شرافت آپ کا وقار اور ضیافت آپ کا شعار تھی۔ لباس میں سادگی، طبیعت میں اپنائیت، چہرہ پر نورانیت، افکار میں بلندی، دلائل میں مضبوطی، عزم وارادہ میں پختگی، آواز میں پستی، گفتگو میں صفائی، اپنوں بے گانوں، سب ہی کا دل موہ لیا کرتی تھی۔ کلام وطعام، صورت وسیرت، نشست وبرخاست اور ہر ہر ادا سے سنت نبوی کی مکمل پاسداری اور اسلاف کی روایات جھلکتی تھیں۔ گویا آپ کی سیرت وکردار، متعلقین کے اذہان میں اسلاف گر تھے۔ زندگی فقیرانہ، طبع ومزاج عاجزانہ، انداز ناصحانہ اور کلام محققانہ ہونے کے باوجود اتنا آسان ہوتا تھا کہ ہر کسی کے دل میں اترتا چلا جاتا تھا۔ معمولات کی استقامت، حُسنِ سلوک کا دوام وکثرت اور کردار وگفتار کی شُستگی آپ کا طواف کرتی تھی۔ آپ بیک وقت شریف الطبع

اور سلیم الفطرت انسان ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط عالم دین، علم تفسیر وحدیث اورفنِ اسماءِ الرجال کے متبحر ومشتاق معلم، قافلہ علم وعمل اور کاروانِ زُہد واتقاء کے میر کارواں تھے۔آپ شریعت وطریقت کے جامع، اخلاص ووفا کے پیکر، حق کی تابندہ روایات کے امین، عصر حاضر کے مجدد وفقیہہ، عظیم مکارم اخلاق اوردل مسلم کے بادشاہ تھے۔یوں محسوس ہوتا تھا جیسے عربی کا یہ شعر آپ ہی کے لیے کہا گیا۔

؎ عبار اتنا شتیٰ وحسنک واحد
وکل اذا ذاک الجمال یشیر

ترجمہ: ہماری تعبیریں مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہی ہے۔اور یہ ساری تعبیریں اسی حسن وجمال کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

آپ نے انسانیت کو گمراہی سے بچانے کے لیے ہر باطل پر قلم اور زبان سے یکساں یلغار کی اور باطل کا اصل روپ واضح کیا تا کہ سادہ سے سادہ مسلمان بھی کسی باطل سے دھوکہ نہ کھا سکے۔یہودیت ہو یا عیسائیت، مرزائیت ہو یا سبائیت، اہل بدعت ہوں یا منکرین تقلید وفقہ، اعتزال قدیم ہو یا اعتزال جدید، منکرین حدیث ہوں یا منکرینِ تصوف، ہر ایک کی چال بازیوں سے بچانے کے لیے درجنوں کتابیں تحریر کیں اور لاتعداد وعظ فرمائے۔

؎ گمراہوں نے راہ پائی جن کی تصنیفات سے
جاہلوں نے علم سیکھا ان کی تعلیمات سے

آپ کے اس دارِ فانی کو چھوڑ کر حیاتِ جاودانی کو پا لینے سے امت مسلمہ میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ اگرچہ پُر نہ ہونے والا ہے، کیوں کہ آپ تو دین وملت کے لیے اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ تھے۔آپ کی ہمہ جہت دینی خدمات کو دیکھ کر فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ فرد کی خدمات ہیں یا جماعت کی؟ لیکن آپ نے اپنی حیات مستعار میں دیں اسلام کی مثالی خدمات کو جو فریضہ سرانجام دیا اور اپنے شاگردوں اور مریدین کی لاکھوں کی تعداد میں جو کھیپ تیار کی وہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مشن کو ان شاء اللہ العزیز اسی نہج پر جاری وساری رکھے گی۔ اور آپ کی کمی کا احساس کم سے کم کرنے کی بھرپور کوشش کرے گی اور آپ اپنی اس مثالی محنت، روحانی اولاد کی کثرت اور بلند کردار اور ہر دلعزیزی کی وجہ سے مر کر بھی زندہ ہیں اور رہیں گے۔اور اب بھی آپ آنکھوں سے اوجھل ضرور ہیں مگر دل سے دور نہیں

؎ کچھ قُمریوں کو یاد ہے کچھ بلبلوں کو حفظ　　　عالم میں ٹکڑے ٹکڑے تیری داستاں کے ہیں

اللہ سے دعا ہے کہ وہ حضرت امام اہل السنۃ کو کروٹ کروٹ جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور ان پر باران

رحمت کا نزول فرمائے اور مجھ سمیت حضرت امام اہل السنۃ کے تمام مریدین ومتعلقین وتلامذہ وفیض یافتہ لوگوں کو اس جامع العلوم والصفات، ہمہ گیر اور آئیڈیل ہستی کے مشن کو اسی نہج پر جاری وساری رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ تاکہ ان کی کمی کا احساس پیدا نہ ہو سکے

اُن کے حق میں طالبِ خستہ کی ہے بس یہ دعا　　　رات دن انوار کی بارش ہو اُن کی قبر پر

اب بن گئے ہیں اہلِ فلک کے وہ ہم نشیں　　　تاریکیوں کے دور میں وہ تھے نقیب حق

؎ سنی غفلت سے نکل اب ہوش میں آ

چل دیے تیرے ناز اٹھانے والے

دعویٔ محبت کرتے ہیں سبھی ان سے

مگر سرخ رو ہوں گے کردار اپنانے والے

❁......❁......❁......❁
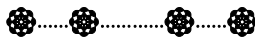
ماہنامہ "القاسم" نوشہرہ

امام اہل سنت رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال

مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ

۵ مئی ۲۰۰۹ پیر اور منگل کی درمیانی شب، رات کے تین بجے گوجرانوالہ سے بعض احباب نے موبائل فون پر اطلاع دی کہ امام اہل السنۃ حضرت مولانا سرفراز خان رحمہ اللہ انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صبح جامعہ ابو ہریرہ کے ضروری امور نمٹانے کے بعد حضرت امام اہل السنۃ کے جنازے میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ گکھڑ کے ڈی سی ہائی سکول میں آپ کا جسد خاکی لایا جا چکا تھا۔ گراؤنڈ کو اپنی وسعت کے باوجود تنگ دامنی کی شکایت تھی۔ ایک لاکھ سے زائد افراد پہنچ چکے تھے۔ باہر جی ٹی روڈ پر بھی عوام کا بے پناہ ہجوم تھا۔ وزیر آباد کے بعض بوڑھے نوجوانوں، پروفیسر حافظ منیر احمد، حاجی بلال احمد اور دیگر نے مجھے اپنے حصار میں لے کر کثیر اژدحام کے باوجود سٹیج پر پہنچا دیا۔ ہمارے کئی بزرگ علماء خطاب کر چکے تھے۔ کئی باقی تھے۔ مجھے دعوت خطاب دی گئی۔ احقر نے مائیک سنبھالا اور عرض کیا امام اہل السنۃ رحمہ اللہ چلے گئے لیکن ان کے اہداف مشن اور دعوت وتبلیغ کے حوالے سے پروگرام جاری وساری ہیں۔ ہم نے ان کے کاز کو آگے بڑھانا ہے۔ یہی ان کی وصیت ہے۔ اور یہی ساری زندگی کی مساعی کا نچوڑ ہے۔ جنازہ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ نے پڑھایا۔ جنازے سے واپسی پر اپنے رفقاء

سفر مولانا عماد الدین محمود اور حافظ حبیب اللہ سے حضرت کی حسین یادیں تازہ کرتے ہوئے۔لوحِ دماغ پر کچھ نقوش اُبھرے۔میں نے اپنے احباب سے کہا گکھڑ جامع مسجد میں دورہ تفسیر کے اختتام کے متعدد مواقع پر مخدوم زادہ حضرت مولانا حماد الزھراوی نے جلسہ ہائے عام منعقد کیے۔مجھے بارہا شرکت کی دعوت دی گئی۔ حضرت کرسئ صدارت پر تشریف فرما ہوتے توجہ اور شفقت بھری نگاہِ التفات سے سرفراز تے اور میں اس توجہ اور التفات کامل کو غنیمت سمجھ کر کھل کر بولتا رہتا۔ ہر بار میں لوگوں سے یہی کہتا رہا لوگو! آج امام اہل السنۃ ہم میں موجود ہیں۔ان نگاہوں کی قدر کرو! کل سب کچھ مل جائے گا۔لیکن یہ نگاہیں نہیں ملیں گی۔

؎ غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

یہ جامع مسجد ہوگی، جامع نصرۃ العلوم بھی ہوگا، رونقیں ہوں گی، چہل پہل ہوگی، لیکن اپنے وقت کا یہ شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث نہیں ہوگا۔ یہ محبت اور شفقت بھری نگاہیں نہیں ملیں گی۔موت ایک اٹل حقیقت ہے۔وہی ہوا جو ہوتا آیا ہے۔امام اہل السنۃ کا انتقال ایک شخصیت کی موت نہیں بلکہ علم ومعرفت، زہد وتقویٰ اور جرأت واستقامت کے ایک زریں عہد کا خاتمہ ہے۔

شیخ صفدر کو اللہ تعالیٰ نے علمی عظمتیں، تدریسی رفعتیں اور صوفیانہ شوکتیں عطا فرمائی تھیں۔جنہیں ایک امام غزالی اگر دیکھ لیتے تو سو بار اُن کے بوسے لیتے۔مرحوم تبحرِ علم اور مزاجِ فقر کا حسین سنگم تھے۔اُن کی شُستہ اور نستعلیقہ شخصیت کا نقش بھلائے بھی نہیں بھولتا۔جن کی سادگی پر شہزادگی نچھاور ہوتی تھی۔جن کے علوم ومعارف کی موجوں میں ایک دنیا بہہ جاتی تھی۔جن کی آواز کی گونج سے طوفانوں کے دل دہل جاتے تھے۔کسی تاجدار اور کج کلاہ میں وہ پھبن کہاں جو اس بے تاج بادشاہ میں بانکپن تھا۔

حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ سے میری پہلی ملاقات کراچی میں ہوئی، برادرم مولانا محمد اسلم شیخوپوری داعی تھے۔ پہلا جلسہ جامعہ احسن العلوم میں ترتیب دیا گیا۔امام اہل السنۃ کی تقریر جاری تھی مجھے مولانا مفتی محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ اور مفتی خالد محمود نے ائیر پورٹ سے لیا، سیدھا جامعہ احسن العلوم میں پہنچایا۔ میں جامعہ احسن العلوم کے دروازے سے داخل ہوا اور سٹیج پر حضرت کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ یہ پہلی ملاقات تھی۔اس کے بعد زیارت وملاقات کا یہ شرف بارہا حاصل ہوتا رہا۔پھر چار روز تک کراچی میں جلسے ہوتے رہے۔حضرت کی سرپرستی میں میری تقاریر ہوتی رہیں۔آخری روز کراچی کے بزنس روڈ سوبھراج ہسپتال کے متصل چوک پر دفاعِ عظمتِ صحابہ کے عنوان سے ایک بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا۔انتظام سپاہِ صحابہ کا تھا۔حضرت کی صدارت تھی، حضرت کی موجودگی میں احقر نے بھی خطاب کیا۔داعی سپاہِ صحابہ کے

کارکن تھے۔ظاہر ہے جلسہ میں وہی رنگ غالب تھا۔ میرا بھی آغازِ کار تھا۔ جوانی کا جوش اور ولولہ تھا۔ جذبات کا تلاطم تھا۔ میں نے تقریر شروع کی اور میری تقریر بھی سپاہِ صحابہ کے خطیبوں کے انداز میں ڈھل گئی۔ سپاہِ صحابہ کے جوشیلے نوجوانوں نے اپنے روایتی طرز پر نعرے لگائے ،بعض نوجوان ساتھی 'حق نوازِ ثانی، عبدالقیوم حقانی'' کے نعرے لگاتے رہے۔

جلسہ کے بعد امام اہل السنۃ رحمہ اللہ نے مجھے ہاتھ سے پکڑا اور فرمایا: ''حقانی صاحب! آپ کا یہ اندازِ تقریر و بیان اور طرزِ فکر مجھے پسند نہیں۔آپ نے مستقبل میں دین کا کام کرنا ہے۔اللہ نے آپ کو درس وتدریس علم اور قلم کے لیے چن لیا ہے۔ ہم تو درس وتدریس تصنیف وتالیف کے میدان میں آپ کی صلاحیتوں کے منتظر ہیں۔اس طریقہ کو اپناؤ گے تو علمی کام نہیں کر سکو گے۔ جوش میں ہوش کا دامن کھو بیٹھو گے۔امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا تیر ہدف پر لگا۔میں نے یہ نصیحت پلے باندھ لی۔رفتہ رفتہ میں نے پالیسی بدل لی۔اور درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں اپنی صلاحیتیں کھپا دیں۔ یہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی دعاؤں اور نصیحتوں کا ثمرہ ہی تو ہے کہ آج مجھ گنہگار کے قلم سے اسی (80) سے زائد کتابیں منصہ شہود پر آچکی ہیں۔ والحمدللہ علیٰ ذالک

امام اہل السنۃ بہت بڑے محقق عالم دین تھے۔عظیم مفسر قرآن تھے۔محدث کبیر تھے۔ دینی وملی رہنما تھے۔ ہزاروں لوگوں کے پیر ومرشد تھے،علماء کی ایک بڑی جماعت کے سردار تھے۔طبقہ علماء کے سرخیل ومقتداء تھے۔

امام اہل السنۃ قافلۂ علم، عشق وشوق اور کاروانِ جذب وذوق کے ہمراہی تھے۔اہل دنیا سے روٹھ کر کیا گئے،قرارِ دل لوٹ کر لے گئے۔اللہ نے انہیں بے پناہ خوبیاں دے رکھی تھیں،ایک ایک خوبی انہیں زندہ وجاوید رکھنے کے لیے کافی ہے۔وہ شیخ التفسیر تھے،امام اہل السنۃ لقب پایا،وہ شیخ الحدیث تھے، پیکر عشقِ رسول تھے،سنت رسول کے عاشقِ زار تھے،دبستانِ علم حدیث کے بلبلِ خوشنوا تھے،جن لوگوں نے اُن سے دورۂ تفسیر اور دورۂ حدیث پڑھا،اُن سے پوچھ لیجئے، وہ بول اُٹھیں گے کہ محض قرآن اور محض حدیث پڑھانا تو سب کو آتا ہے،مگر دل میں اتارنا یہ امام اہل السنۃ شیخ صفدر رحمہ اللہ کا خاصہ تھا۔

مجھے اُن کی شخصیت کے دو پہلوؤں نے بے حد متاثر کیا۔ایک تو مسلکی اعتدال جو ذہنی اور فکری توازن کی دلیل ہے اور دوسرے ان کی خوبصورت نثر نگاری، تحقیقی اندازِ تحریر اور ادبی چاشنی سے معمور۔ ایک اچھے ادیب اور کامیاب نثر نگار کی تحریر میں جو بھی اجزاء حُسن ہوتے ہیں، وہ امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے اُسلوبِ نگارش میں بدرجہ اتم موجود تھے اور قوتِ استدلال اس پر مستزاد۔

بہر حال امام اہل السنۃ چلے گئے، اُن کی یادیں باقی ہیں۔ اُن کا مشن، ہدف اور دعوتی پروگرام ہمارے لیے نقطۂ آغاز ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اُن کے مشن، ہدف اور دعوت کا علم اُٹھا کر آگے بڑھیں۔ ان شاء اللہ دینی اور دنیوی کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔

ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' لاہور

[کالم نمبر1]

''موت العالِم موتُ العالَم''

گزشتہ ماہ کی پانچ تاریخ کو امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ طویل علالت کے بعد ۹۸ برس کی عمر پا کر رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون'' حضرت رحمہ اللہ کی دینی خدمات کسی سے مخفی نہیں ہیں، عام وخاص ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات سے فائدہ پہنچایا، خاص طور پر عقائد اہل السنۃ کی تشریح اور فرقِ باطلہ کے رد میں آپ کی قیمتی تصانیف تا قیامت رہنمائی کرتی رہیں گی۔

بلاشبہ اس دور کے اولوالعزم بزرگوں میں آپ کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ اپنی طویل علالت کے آخری سالوں میں شدید معذوری کے باوجود دو بار مختلف اوقات میں ''جامعہ مدنیہ'' تشریف لا کر اپنی مقبول بارگاہ دعاؤں سے نوازتے رہے۔ جب بھی راقم الحروف (محمود میاں) نے گکھڑ حاضری دی تو شدید علالت کے باوجود ''تواضع'' کا حکم فرماتے، کچھ باتیں بھی کرتے اور نہایت شفقت کا معاملہ فرما کر دعاؤں کے ساتھ رخصت فرماتے۔

حضرت رحمہ اللہ کی وفات تمام اہل پاکستان کے لیے عظیم حادثہ ہے، اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی برکات کے سلسلہ کو قائم ودائم فرمائے اور رحلت سے پیدا ہونے والے خلا کو پر فرمائے۔ حضرت رحمہ اللہ کی جملہ خدماتِ دینیہ کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین، یارب العالمین، بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم)

[کالم نمبر2]

فرقتِ صفدر میں ہوں اندوہ گیں

مولانا پروفیسر میاں محمد افضل

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ حضرات گرامی! موت ایک ایسی حقیقت ہے، جس کا

کوئی منکر نہیں ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے منکر تو ہر زمانہ میں پائے گئے لیکن آج تک موت کے منکر سے یہ دنیا خالی ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

کلبۂ احزان میں، دولت کے کاشانے میں موت

دشت ودر میں، شہر میں، گلشن میں، ویرانے میں موت

لیکن کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی یاد مدتوں تک باقی رہتی ہے، خاص طور پر علمائے کرام اور بزرگانِ دین کی موت تو بھولے سے بھی نہیں بھلائی جاتی۔ میرے شیخِ طریقت، مرشد کامل جناب سید نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات کا صدمہ تا حال دلِ حزیں کو مضطرب رکھتا ہے۔ انہیں گئے ہوئے سوا سال ہوا تھا کہ ۵ مئی ۲۰۰۹ء کو امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف سدھار گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ مولانا اگرچہ آٹھ نو سال سے صاحبِ فراش تھے لیکن اس کے باوجود ان کا وجودِ باجود اُن کے متوسلین اور تلامذہ کے لیے باعثِ حوصلہ وہمت تھا۔ ایسے علماء کی موت کو ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''موتُ العالَم'' یعنی جہان کی موت کہا ہے۔ دعا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور آپ کے پسِ ماندگانِ روحانی اور جسمانی کو صبرِ جمیل کے ساتھ ساتھ ان کی راہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ کسے خبر تھی کہ ۱۹۱۴ء کو مانسہرہ کے پہاڑی علاقہ میں پیدا ہونے والا گمنام بچہ علماءِ حق کے لیے مشعلِ راہ بنے گا اور دورِ حاضر کے تمام فتن وشرور کا علمی رنگ میں محاسبہ کرے گا۔

حضرت شیخ کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کا عطا کردہ تخلص (صفدرؔ) اتنا بابرکت تھا کہ میرے برادرِ کبیر حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ نے جب اپنی عین جوانی میں مبتدعین اور غیر مقلدین وغیرہ سے مناظرے شروع کیے تو حضرت مولانا مرحوم کی کتابوں سے بھی استفادہ کرتے۔ بھائی صاحب رحمہ اللہ حضرت شیخ سے اتنا مؤثر ہوئے کہ ان کے تخلص کو اپنا تخلص بنا لیا۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی دعاؤں اور اس تخلص کی برکت سے کبھی مناظرے میں شکست سے دوچار نہ ہوئے اور دورِ حاضر کے تمام فتنوں کی صفوں کو چیر کر رکھ دیا۔ جب بھائی صاحب رحمہ اللہ غیر مقلدین اور مماتیوں کی ریشہ دوانیوں کو سبوتاژ کرنے کے لیے گوجرانوالہ کے علاقے میں جاتے تو حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ضرور ملاقات کرتے۔ حضرت بھی بھائی صاحب رحمہ اللہ سے انتہائی شفقت ومحبت سے پیش آتے اور اپنی ادعیہ مخصوصہ میں انہیں یاد رکھتے۔ حضرت مرحوم سے بھائی صاحب کا یہ تعلق اپنی زندگی کے آخری لمحات تک قائم رہا۔

اور آپ خود ہی ''امام اہل السنۃ'' نہیں بن گئے بلکہ قصہ یوں ہوا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری

رحمہ اللہ کے وصال کے بعد آپ کا کراچی جانا ہوا تو علماء کی ایک بڑی مجلس میں حضرت بنوری رحمہ اللہ کے داماد اور جانشین، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ اور شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ کی تحریک پر مجلسِ علماء نے آپ کو ''امامِ اہل السنۃ'' کے لقب سے ملقب کیا، لیکن آپ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ میں چونکہ جامع مسجد اہل السنۃ (گکھڑ منڈی) کا امام ہوں اس لیے لوگ مجھے امامِ اہل السنۃ کہہ دیتے ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں ''جو اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند مقام عطا کر دیتے ہیں''۔ (تفصیل ملاحظہ فرمایئے مولانا اسلم شیخوپوری مدظلہ کے مضمون ''منتشر یادیں'' [باب 5] میں۔ [خادم])

فرقِ باطلہ کے خلاف علمی جہاد: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے آپ کو صفدر کا تخلص عطا کیا تھا۔ اسی کی برکت سے آپ دیگر علمی وروحانی خدمات کے ساتھ ساتھ ہر نئے فتنے کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے اور ان کے وساوس ومکائد کا علمی رنگ میں جواب تحریر فرماتے۔ لیکن آپ کی تحریر کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں سنجیدگی اور متانت کا خیال رکھا جاتا تھا۔ آپ کی کتابیں پڑھ کر مخالف چڑتا نہیں تھا بلکہ دلائل پر غور کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے خلاف جو بھی فتنہ اٹھا آپ نے ان کے دلائل کا کافی وشافی جواب تحریر کیا جس سے اپنے لوگ اس فتنہ سے محفوظ ہو جاتے اور کچھ مخلص لوگ آپ کے دلائل پڑھ کر اپنے عقائد سے تائب ہو کر اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کو اپنا لیتے۔ اس سلسلہ میں آپ نے پچاس سے زائد کتب تحریر کیں۔

الغرض حضرت مولانا مرحوم نے اپنے استاد کے عطا کردہ تخلص کا ''پاس'' رکھا اور اس کا حق کما حقہ ادا کر دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کی تمام حسنات کو قبول فرما کر ان کے درجات کو بلند کرے اور ان کی قبر کو جنت کا ٹکڑا بنا دے اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق ارزانی کرے۔

مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا

ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت'' ملتان

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی!

سید کفیل شاہ بخاری

امام اہل سنت، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر بھی رحلت فرما گئے۔ انا للہ

وانا الیہ راجعون

مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ اُس روز لاہور میں تھے۔ اُن سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ان شاء اللہ نمازِ جنازہ میں ضرور شریک ہوں گے۔ ابھی چند روز پہلے گجرات سے واپسی پر امیر احرار، مولانا کی مزاج پرسی کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آ کر حضرت کی علالت کے حوالے سے تشویش کا اظہار فرمایا تھا۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ حقیقتاً سرمایۂ اہل السنۃ تھے۔ عالم باعمل، متبع سنت اور محبت نبوی سے روشن دل و دماغ رکھنے والے عظیم انسان تھے۔ قرآن وحدیث کو پڑھنا پڑھانا ہی اُن کی زندگی کا نصب العین تھا۔ انہوں نے اہل السنۃ والجماعۃ کی صحیح راہنمائی کی۔ دین کے خلاف اٹھنے والے تمام فتنوں کی سرکوبی کی، علمی وقلمی محاسبہ وتعاقب کیا اور مسلمانوں کو خطرات سے باخبر کیا۔ فتنۂ انکارِ حدیث، فتنۂ انکارِ سنت اور فتنۂ قادیانیت کا جس متانت، سنجیدگی اور خلوص وللہیت کے ساتھ انہوں نے مقابلہ کیا اور اپنی زبان وقلم سے جس شائستگی اور دلائل سے اُن کا رد کیا وہ اُن کی نرالی علمی شان کا غماز ہے۔ ابھی اُن کے بھائی حضرت صوفی عبدالحمید سواتی رحمۃ اللہ علیہ کا غم باقی تھا کہ مولانا کے رخصت ہونے سے یہ غم تازہ اور گہرا ہوگیا۔

امیر احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کی رفاقت میں ہی پہلی بار حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اُن کو دیکھ کر ایمان کو جلا ملی تھی اور دل روشن ہوگیا تھا۔ وہ زندہ تھے تو چہرہ منور اور متبسم تھا۔ عقبیٰ کے سفر کو روانہ ہوئے تو لبوں پر گلابی تبسم تھا۔ حضرت پیر جی مدظلہ نمازِ جنازہ کے لیے گکھڑ پہنچے تو چند منٹ پہلے نمازِ ہو چکی تھی۔ اگلے روز دوبارہ گکھڑ حاضر ہو کر حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ اور تمام لواحقین سے تعزیت مسنونہ کی۔ مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے تمام رہنما اور کارکنان اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اُن کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ تمام پسماندگان کو صبر سے نوازے، اُن کی اولاد کو ہر قسم کے شر اور حسد سے محفوظ رکھے اور اُن کی صحیح جانشینی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ماہنامہ ''الدعوۃ الی اللہ'' لاہور

امام اہل سنت، محدث اعظم، شیخ الحدیث............سانحۂ ارتحال

ناچیز کے دل میں ابتدائے طالب علمی ہی سے حضرت امام اہل السنۃ رحمۃ اللہ علیہ کے دورۂ تفسیر

میں شرکت کی شدید خواہش تھی، لیکن ''مدرسہ عربیہ'' رائے ونڈ میں یہ اس لیے ناممکن تھا کہ وہاں ہر سال شعبان اور رمضان المبارک کی تعطیلات میں حضرات اساتذۂ کرام دامت برکاتہم العالیہ کی زیرِ نگرانی تمام طلباء کرام سال پیدل جماعتوں کی نصرت یا عمومی جماعتوں میں چالیس دن کے لیے اللہ کے راستے میں چلے جاتے۔ چنانچہ دورۂ حدیث کے متصل بعد سال لگانے سے قبل اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کے شہرہ آفاق دورۂ تفسیر میں شرکت کی سعادت نصیب فرمائی، جس کی لذت وروحانیت برسہا برس گزرنے کے باوجود آج بھی محسوس ہو رہی ہے۔ جس پارے کی تفسیر کا سبق ہوتا اُس کی تفسیر سے قبل اُس کی تلاوت ہوتی جسے حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اور دورۂ تفسیر میں شریک تمام علمائے کرام سماعت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ اور سینکڑوں علماء کرام کی موجودگی میں مکمل قرآن مجید کی قرأت کی سعادت بندہ کو نصیب ہوئی۔ پھر حضرت رحمہ اللہ ہر رکوع کا بامحاورہ ترجمہ کرنے کے بعد اس کی تشریح اس انداز سے شروع فرماتے کہ مختلف تفاسیر کا حوالہ دیتے دیتے آخر میں یہ فرماتے ''جلالین تک میں آپ کو یہ بات ملے گی''۔ پھر بندہ کی جانب متوجہ ہو کر فرماتے ''قُم يا صاحِبَ الجَلالين!'' (جلالین والے بھائی! کھڑے ہو کر تفسیر جلالین شریف کی متعلقہ عبارت سناؤ!) پھر چونکہ علماء کرام کے عظیم مجمع کے سامنے ''جلالین شریف'' کی عبارت اور دیگر مشکل مقامات دوہرانا بندہ کے ذمہ ہوتا تھا اس لیے الحمد اللہ! بھرپور توجہ اور حاضر دماغی کے ساتھ پورے دورۂ تفسیر میں شرکت کا موقع ملا۔ حق تعالیٰ شانہ حضرت رحمہ اللہ کو اپنے خاص الخاص بندوں کی صف میں جگہ نصیب فرمائے اور اپنے قرب ورضا ور درجات عالیہ سے نوازے اور حضرت کی تمام الاد، تلامذہ اور متعلقین ومحبین کو حضرت رحمہ اللہ مشن آگے بڑھاتے رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین ثم آمین)۔

ماہنامہ ''الخیر'' ملتان
صفدر زماں کی رحلت

مولانا محمد ازہر

۵ مئی ۲۰۰۹ کی صبح کو برخوردار احمد ازہر سلمہ نے فون پر یہ افسوس ناک اطلاع دی کہ گزشتہ رات مفسر قرآن، محدث کبیر، امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر انتقال فرما گئے اور آج عصر کے بعد گکھڑ منڈی کی نماز جنازہ ہے۔

حضرت کے سانحہ ارتحال کی اندوہناک وغمناک خبر نے کچھ دیر کے لئے دل ودماغ کو ماؤف کر دیا، اس لیے

کہ امام اہل سنت کی رحلت کسی عام فرد یا عالم کی موت نہ تھی، بلکہ ایسی ہستی کی رحلت تھی جس کی جدائی کا صدمہ پوری ملت کا صدمہ اور نقصان ہے۔ایسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور انسانیت کے لئے خدا کا خاص انعام کہلانے کی مستحق ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جدائی سے ہر دل غمگین اور ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے۔امام اہل سنت صحیح معنوں میں دنیائے علم کا وقار تھے۔ان کے علم وفضل اور تدریس کی شہرت تعلیمی وتدریسی حلقوں میں بوئے گل کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔اس طرح کے پھول گلستان علم میں کم کھلتے ہیں اور ایسی بہاریں اس خاکدان عالم کو کبھی کبھی میسر آتی ہیں۔

حضرت امام اہل سنت رسوخ فی العلم، تصلب فی الدین، اور اخلاص وللّٰہیت میں اسلاف کا نمونہ ہونے کے ساتھ معاصر اہل علم اور مدرسین کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔جب کبھی عام مسلمانوں پر مشکل وقت آیا یا علماء کو کسی دقیق مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت پڑی تو نگاہیں بے ساختہ امام اہل سنت کی طرف اٹھیں اور شاد کام واپس آئیں۔حضرت کی رحلت کی خبر سنتے ہی حضرت کی سب سے پہلی زیارت اور سعادتِ دست بوسی کا واقعہ لوح حافظہ پر ابھر آیا، جب 20 رجب 1407ھ (1987) کو تقریباً 23 سال قبل آپ جامعہ خیر المدارس ملتان تشریف لائے۔آپ کی آمد پر دار الحدیث میں اساتذہ کرام اور طلبہ کا اجتماع ہوا، جس میں آپ نے مختصر، جامع، پر تاثیر اور دل آویز خطاب فرمایا۔آپ کے خطاب سے پہلے مولانا قاری تنویر الحق تھانوی (صاحبزادۂ مولانا احتشام الحق تھانوی) نے تلاوت کی اور نعت پڑھی، اس نعت کے دو تین اشعار ابھی تک یاد ہیں ؎

واللہ میں کہاں درِ خیر البشر کہاں لے آئی آج مجھ کو مری چشم تر کہاں

تابِ نظر بھی دیتے ہیں اذنِ نظر کے ساتھ ورنہ بشر کہاں درِ خیر البشر کہاں

جاگے نصیبِ خفتہ مدینہ میں آگئے دیکھا اے شبِ فراق ہوئی ہے سحر کہاں

یوسف انہوں نے سن لیا ورنہ حقیقتاً میری دعا میں میری زبان میں اثر کہاں

چونکہ یہ اہلِ علم اور طلبہ کا مجمع تھا اس لیے حضرت نے علم کی فضیلت پر دلنشین تقریر کی۔اس مختصر کالم میں امام اہلِ سنت کی تقریر کا پورا خلاصہ ممکن نہیں، مگر اندازِ بیان سے حضرت والا کی قوتِ استدلال اور ملکۂ تفہیم وتدریس کا اندازہ بخوبی ہو رہا تھا۔اس مجلس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آخر میں حضرت نے دعا کراتے ہوئے زیارتِ حرمین شریفین کی دعا بھی کی اور یہ بھی کہا کہ ''اے پروردگار! جن کے پاس اسباب نہیں ہیں ان کے لیے غیب سے اسباب پیدا فرما'' اس لیے دل کی گہرائیوں سے آمین کہنے والوں میں ان سطور کا راقم بھی شامل تھا۔حضرت کی یہ کھلی ہوئی کرامت ہے کہ نہ صرف بندہ کو اسی سال (ذوالحجہ 1407ھ میں) حج کی

سعادت نصیب ہوئی، بلکہ خلافِ توقع اور کسی ارادے کے بغیر اہلیہ بھی شریک سفر ہوئیں۔

حضرت کی آخری زیارت مئی 2006ء میں ہوئی، جب آپ شدید علیل تھے اور علالت کا سلسلہ کم وبیش پانچ سال سے چل رہا تھا۔ہم 20 ربیع الثانی 1427ھ بروز جمعۃ المبارک پونے دو بجے ''جامع مسجد اہل السنۃ والجماعۃ'' گکھڑ منڈی پہنچے۔احقر کے ساتھ جامعہ خیر المدارس ملتان کے خازن عبدالمنان صاحب اور محکمہ کسٹم کے ایک اعلیٰ افسر جناب عبدالمالک بھی تھے۔معلوم ہوا کہ حضرت والا شدید علالت کے باعث مسجد حاضری سے قاصر ہیں۔اس لیے نماز جمعہ کے بعد درِ دولت پر حاضری ہوئی۔ہمارے علاوہ ملک کے اطراف وجوانب سے بیسیوں علماء ومدرسین اور دیگر اہلِ علم وفضل زیارت ودعا کے لیے آئے ہوئے تھے ۔حضرت امام اہلِ سنت اپنے سادہ سے مکان کی چھوٹی سی بیٹھک میں چارپائی پر آرام فرما تھے،تمام واردین نے فرداً فرداً مصافحہ کی سعادت حاصل کی اور کچھ دیر تک حضرت کے بارونق چہرے کو دیکھتے رہے اور اس حدیث رسول ﷺ کے مضمون سے اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہے،جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''حق تعالیٰ شانہ اس آدمی کے چہرے کو تروتازہ رکھیں جس نے میری حدیث سنی اور اسے یاد رکھا پھر جیسے سنی تھی ویسے ہی (کسی کمی بیشی کے بغیر) دوسروں تک پہنچادی۔'' حقیقت یہ ہے کہ تین سال گزرنے کے باوجود وہ منظراب بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ سفید اجلے کپڑوں میں شدید علالت اور بانوے سال کی عمر کے باوجود حضرت کا چہرہ ماہتاب کی طرح روشن اور گلاب کی طرح تروتازہ تھا۔آخر قدرے بلند آواز سے آپ نے فرمایا ''آپ حضرات کی تشریف آوری کا شکریہ میں اس سے زیادہ نہیں بول سکتا۔'' حضرت کے یہ الفاظ سن کر بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے کہ پاکستان کے وہ محدثِ اعظم جو کئی کئی گھنٹے قرآن وحدیث کے علوم ومعارف اور دقائق ونکات بیان فرمایا کرتے تھے،آج چند الفاظ بولنے کی سکت بھی نہیں رکھتے ،**فان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ**۔

آپ کی تمام کتب پر مغز، دلائل وبراہین سے آراستہ اور سلاست وشائستگی کا عمدہ نمونہ ہیں۔جس دور میں ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم نے فتنہ انکارِ حدیث سے متأثر ہو کر ''دو اسلام'' لکھی،تو بہت سے حضرات نے اس کا رد کیا،حضرت شیخ الحدیث نے بھی ''صرف ایک اسلام'' کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ بعدازاں جب اللہ تعالی نے برق صاحب کو توبہ کی توفیق دی تو وہ کہا کرتے تھے کہ بہت سی کتابوں میں یہ واحد کتاب ہے جس کے اندازِ بیاں،شوکتِ استدلال اور شستگی نے مجھے متأثر اور اپنی غلطیوں پر متنبہ کیا۔

حضرت مولانا کی پوری زندگی علماء کرام اور طلباء عزیز کے لیے نمونہ ہے۔بالخصوص یتیمی اور کسمپرسی میں دین کی تعلیم حاصل کرنا،صعوبتیں برداشت کرنا،فراغت کے بعد شرک وبدعات کے قلع قمع کے لیے

ظاہری اسباب ومعاونت کے بغیر کمربستہ ہونا، 46 برس تک استقلال واستقامت کے ساتھ کتب حدیث کا پڑھانا، پوری زندگی درس وتفسیر قرآن کریم کا سلسلہ جاری رکھنا، فرقِ باطلہ کی تردید کے لیے علمی وتحقیقی مواد مہیا کرنا، خارزارِ سیاست میں اُترے اور قید وبند کے مراحل سے گزرنا، آخر وقت تک دنیوی آلائشوں اور حکمرانوں کی حاشیہ نشینی سے کنارہ کش رہنا، سادگی وغربت میں اکابر کی روش نہ چھوڑنا اور خدمت دین کے تمام شعبوں میں بساط کے مطابق شریک ہونا وہ نمایاں اوصاف وکمالات ہیں جن کی طرف اہل علم وفضل کو توجہ کرنی چاہیے۔

آخر میں ایک حسرت کا ذکر کہ منگل (5 مئی) کی صبح سانحۂ وفات کی خبر ملنے کے کچھ دیر بعد ہی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے روانگی ہوئی۔ ہمارے قافلہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد یاسین صابر، قاری عبدالرحمٰن رحیمی، مفتی محمد جمیل، مفتی حبیب اللہ، مولانا صبیح الدین وغیرہ حضرات تھے۔ بروقت روانہ ہونے کی وجہ سے بظاہر جنازہ میں شریک نہ ہوسکنے کا کوئی احتمال نہ تھا مگر جب سات گھنٹے کا طویل سفر طے کر کے ہم گکھڑ منڈی کے نواح میں داخل ہوئے تو سینکڑوں گاڑیوں اور عوام کے بے پناہ ہجوم کے باعث ٹریفک جام ہوچکا تھا۔ ہم معمولی رفتار سے آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ڈی سی ہائی اسکول کا گراؤنڈ، جس میں امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کی نمازِ جنازہ ادا ہونے والی تھی، چند فرلانگ کے فاصلے پر رہ گیا۔ آگے گاڑی کا جانا ناممکن تھا، ادھر نمازِ جنازہ کا وقت ہوگیا۔ ہم نے گاڑی کو سڑک پر چھوڑا اور گراؤنڈ کی طرف دوڑ لگادی، بھاگتے بھاگتے جب گراؤنڈ کے قریب پہنچے تو لوگ باہر کی جانب نکل رہے تھے، انہوں نے خبر دی کہ نمازِ جنازہ ہوچکی ہے۔ اس خبر سے ہمارے دلوں پر جو گزری اس کا اندازہ شاید قارئین کو نہ ہوسکے۔ کتنے لوگ نمازِ جنازہ میں شرکت نہیں کرسکے؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہم نے جس سے بھی پوچھا اس نے یہی جواب دیا کہ میں شرکت نہیں کرسکا۔

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے یہ روایت تو قائم رکھی کہ عین وقت پر نمازِ جنازہ پڑھادی مگر اس پہلو پر غور نہ فرمایا کہ حضرت امام اہل السنۃ کے جو تلامذہ، متوسلین اور عقیدت مند دس دس، بارہ بارہ گھنٹوں کا سفر اور مشقت برداشت کر کے گکھڑ منڈی پہنچے اور ٹریفک کے ہجوم میں پھنس گئے ہیں وہ بھی لائق رعایت ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر صرف نصف گھنٹہ نمازِ جنازہ مؤخر کردی جاتی تو کم وبیش پچاس ساٹھ ہزار (بلکہ اس سے بھی زائد۔ خادم) افراد نمازِ جنازہ میں شرکت کی سعادت حاصل کرسکتے تھے۔ بہر حال امام اہل السنۃ کی رحلت پر ان کی نسبی اولاد (جو بحمد اللہ تمام عالم، فاضل، حافظ، قاری، متدین متشرع ہیں۔ [ایک صاحبزادے عالم نہیں ہیں۔ خادم])، خاندان کے تمام افراد اور تلامذہ ومنتسبین کے علاوہ پوری ملت تعزیت

کی مستحق اور دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ان کی دینی، علمی، تدریسی اور تبلیغی خدمات کو قبول فرمائیں اور انہیں اعلیٰ علیین میں اپنا قربِ خاص نصیب فرمائیں، آمین۔

ماہنامہ ''فقاہت'' لاہور

کامران وسرفراز ہوئے، شیخ سرفراز!

مولانا عبدالوحید اشرفی

برصغیر پاک وہند کی عظیم علمی، تحقیقی اور روحانی شخصیت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ طویل علالت کے بعد 5 مئی 2009ء کو جہانِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ حیات مستعار کے آخری لمحات تک مختلف محاذوں پر ''دعوتِ دین'' اور ''تحفظِ دین'' کی مسلسل جدوجہد کرتے ہوئے اس شان سے آخرت کے سفر پر روانہ ہوئے کہ ''بندگانِ خدا'' اور علم وعمل کے پیکروں کا ایک جم غفیر آنسوؤں کی ''رم جھم'' میں آپ کو رخصت کرنے کے لیے موجود تھا۔

فائز تھا، کامران تھا، وہ سرفراز تھا ۔۔۔ اہلِ زمیں کو اُس کی بلندی پہ ناز تھا

رُخصت ہوا، وہ حضرت مدنی کا جانشیں ۔۔۔ جو درمیانِ باطل و حق امتیاز تھا

حاصلؔ تھیں اک صدی پر محیط ان کی خدمتیں

اس شجرِ ثمر بار کا سایہ دراز تھا

(حاصل جون پوری)

باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ کی ہمہ نوع خدمات کو شرفِ قبولیت بخشے۔

واقعہ یہ ہے کہ استاذ محترم حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیم میں مشقت، تدریس میں محنت، تبلیغ میں حکمت، مزاج میں اعتدال، تحقیق میں عُمق، تنقید میں محبت، مناظرہ میں انصاف، مکالمہ میں حُسن، مطالعہ میں وُسعت، علم میں وقار، زندگی میں سادگی، آزمائش میں استقامت، تصوف میں احسان، یُسر میں تشکر، عُسر میں توکل، جہد میں تسلسل اور عمل میں اخلاص...... جیسا انمول خزانہ ورثہ کی صورت میں اپنی تمام نسبی وروحانی اولاد کے لیے چھوڑا ہے۔ بایں ہمہ آپ رحمہ اللہ کی نسبی اولاد بھی جو علم وعمل میں آپ کا عکسِ جمیل ہے ملک وملت کے لیے ایک عظیم احسان اور منفرد صدقۂ جاریہ ہے۔

(اللھم اغفر لہ وارحمہ یارب العالمین)

تیری عنایتوں کا مجھے اعتراف ہے

مجھ کو میری حیات کا مقصد بتادیا

سہ ماہی ''قافلہ حق'' سرگودہا

ندائے قافلہ حق

مولانا محمد الیاس گھمن مدظلہ

مالک ارض وسماء کا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ ذی روح کو موت سے فرار نہیں مگر بعض اہل جنوں جام عشق یوں پیتے ہیں کہ جام وصراحی بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

عشقِ الٰہی کا بانکپن مصلحت کوش کی فطرت ضعیف سے ماوراء ہے جو ہمیشہ سرنگوں رہا ہے۔ یہ سرفرازی تو کسی شوریدہ سر سرفراز ہی کے حصہ میں آتی ہے۔ جس کی غیرت نے تادمِ زیست مداہنت کا کفن نہ پہنا ہو۔ جس کی زبان وقلم اظہار حق میں بے باک ہو، جس کا علم ایک بحرِ ناپید کنار، تقویٰ جس کا شعار اور قلم رگ باطل پر برہنہ تلوار ہو، ترجمانِ اسلام جس کی آواز ہو اور زندگی کی جاں گسل وادیوں میں بھی وہ سرفراز ہو۔ جی ہاں یہ وہ ہی سرفراز ہے جسے پارس کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ لوہا پارس کو لگ جائے تو سونا بن جاتا ہے اور اس مردِ قلندر کی بارگاہ میں طلب علم کے لیے سرنگوں آنے والے سرفراز گئے ہیں اور رہتی دنیا تک اہلِ حق کو اپنے علم سے یہ شخص سرفراز کرگیا آفرین اے قصرِ نبوت کے دربان! تو نے محافظ ہونے کا حق ادا کر دیا۔

کسی دشمن کو دین میں نقب نہ لگانے دی۔ اپنی حیات مستعار کے 95 سال جن میں سے ایام صغر سنی نکال دیے جائیں تو بقیہ تمام عمر دین حنیف کے دفاع میں گزاری۔ ختمِ نبوت کے رہزنوں کو پیچ چورا ہے علمی پھندے سے پھانسی دینا کہ مرزا قادیانی دوزخ کے درکِ اسفل میں کسک محسوس کرتا رہے۔ اور ''مسئلہ علمِ غیب'' سے ''ازالۃ الریب'' کر کے عقیدہ کو بے عیب بنانا، عقیدہ حیات انبیاء فی القبور پر پھیلائے گئے شرور کو ''تسکین الصدور'' لکھ کر ''ھباً منثور'' کر دیا۔ کہیں مسئلہ تقلید پر ''کلام مفید'' ارشاد فرمایا اور کبھی مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو ''احسن الکلام'' سے حل فرمایا۔ بدعات کی گھنگھور گھٹاؤں میں ''راہِ سنت'' کا نشان بتلانا، ''راہِ جنت'' سے بھٹکنے والوں کو ''بابِ جنت'' دکھانا اور کہیں ''تفسیر نعیم الدین'' کی ''تنقیدِ متین'' سے اصلاح کرنا، دفعِ فساد کے اظہار میں ''شوق جہادِ'' اور ذریت متعہ کے تقیہ کو ارشاد الشیعہ سے طشت از بام کرنا الغرض اے مجاہد دین امین! تو نے پاسبانی کا حق ادا کر دیا۔ یہی تو وجہ ہے آج بحر وبر میں تیرے روحانی فرزند تحفظ سنت اور تنفیذ دین

کے لیے سربکف وسینہ سپر ہیں۔

اے میرے شیخ! تیری محنت رائیگاں نہیں گئی۔ علمی میدان میں اپنے عقیدے اور مسلک پر جیسے تو نے محکم دلائل دیئے اور کسی بھی موضوع کو تشنہ تکمیل نہ رہنے دیا، آج بحمد اللہ تیرے وارث ہر میدان میں دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔ ناموسِ رسالت سے ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم تک اور ناموسِ فقہا مجتہدین سے ناموسِ محدثین تک کوئی میدان بھی باطل کے لیے کھلا ہوا نہیں ہے۔ تمام فتن جن کی سرکوبی میں آپ نے شب وروز صرف کیے آج وہ تمام فتن حالت نزع میں ہیں۔

اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے شیخ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ علیہ کے مشن کو زندہ رکھنے کی توفیق عطا فرما۔ بے شک آج شیخ ہم میں نہیں مگر ہم اس درد جدائی کو ہی اپنے زخم فرقت کی دوا بنالیں گے۔

مجھے تسلیم قرب حسن میں ہے کیف بے پایاں
مگر سوز جدائی میں بھی لذت کم نہیں ہوتی

سہ ماہی ''المفکرۃ الاسلامیہ'' کھاریاں ضلع گجرات

ویران ہے میکدہ خم وساغر اداس ہیں

آہ صد آہ! موت کے بے رحم پنجے نے ہمارے مشفق، شیخ مربی، المفکرۃ الاسلامیہ کے سرپرست اعلیٰ امام اہل السنۃ، محدث عرب عجم سرتاج الاولیاء، استاذ المحدثین، زبدۃ الموحدین، ثانی ابو حنیفہ غزالی دوراں، رازی زماں، شیخ وقت، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر کو ہم سے چھین لیا ......انا للہ وانا الیہ راجعون

ویران ہے مے کدہ خم وساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اپنے مشفق، مربی اور سرپرست اعلیٰ مولانا محمد سرفراز خان صفدر کے نام کے ساتھ ''رحمۃ اللہ علیہ'' کے الفاظ لکھتے ہوئے دل ودماغ میں ہلچل سی مچی ہوئی ہے۔ قلم پر عجیب بے ثباتی کی کیفیت طاری ہے۔ ان کے نورانی اور مسکراتے ہوئے چہرے کا عکس دل ودماغ کی اسکرینوں میں دھندلاتا ہوا سامنے آتا ہے تو یقین نہیں آتا کہ وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے ہیں۔

آج جب میں یہ اداریہ لکھنے بیٹھا ہوں تو قلم میرا ساتھ نہیں دے رہا، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں رواں ہیں۔ ہم ''المفکرۃ الاسلامیہ'' کی اشاعت کے تین درخشاں سال اس انداز میں پورے کر رہے

ہیں کہ اب اس کی پیشانی پر سرپرست کی حیثیت سے میرے شیخ، میرے مرشد کا نام نہیں جھلملا سکے گا۔ اب تو صرف ان کی یادیں ہی باقی رہ جائیں گی۔ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ ''المفکرۃ الاسلامیہ'' کے لیے، جامعہ حنفیہ اہل السنۃ الجماعۃ گلیانہ کے لیے اور دیگر علماء کرام، مساجد ومدارس اور دینی تحریکات کے لیے وہ عظیم سہارا تھا جو حالات کی اندھیریوں میں امید کی ایک ٹمٹماتی کرن بن کر چمکتا تھا۔ فکر وعمل کا ایک آفتاب تھا جو 5 مئی 2009ء بروز منگل کے ڈوبتے سورج کے ساتھ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ ہم حضرت رحمہ اللہ کے انفاس طیبات سے، ان کی شفقت ومحبت اور سرپرستی سے اور امت مسلمہ آپ رحمہ اللہ کی دعاؤں سے محروم ہو گئی۔ ایک سراپا خیر شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھ گئی:

حکمت وعرفاں کا سورج وہ دور افق پہ ڈوب گیا
نہ جانے لوگ کتنی صدیوں تک اب سحر کو ترسیں گے

ہمارا عہد ہے کہ ہم اپنے شیخ رحمہ اللہ کے مشن کو زندہ وتابندہ اور جاری وساری رکھیں گے اس کے لیے اپنی تمام توانائیاں اور وسائل صرف کر دیں گے۔

میرے شیخ حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ کا تعلق عشق بلاخیز کے قافلہ سخت جان سے تھا، علمائے حق علمائے دیوبند کے قافلہ دعوت وعزیمت کے جانباز سپاہی تھے، زندگی بھر فرق ہائے باطلہ کے تعاقب میں سرگرداں رہے، جیلیں کاٹیں، ظلم وتشدد برداشت کیا لیکن اپنے مشن، مؤقف اور اپنے نصب العین سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹے شرک وبدعت کی تنگ وتاریک وادیوں میں چراغ حق وصداقت روشن کیے۔

حضرت امام اہل السنۃ رحمہ اللہ خود بھی سرفراز تھے، اپنے متعلقین ومتوسلین کو بھی حق سے سرفراز کیا اور دنیا سے بھی سرفراز ہی گئے ہیں۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے حوالے سے ''المفکرۃ الاسلامیہ'' اپنی چوتھی جلد کا آغاز امام اہل السنۃ نمبر سے کرے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

چراغ بجھتے چلے جا رہے ہیں سلسلہ وار
زمانہ کو دیکھ رہا ہوں فسانہ ہوتے ہوئے
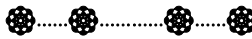
مختلف رسائل میں چھپنے والے چند مضامین کی فہرست

[1]اذان فجر لاہور (جولائی 2009)، ''خبر نامہ''......

[2]ہفت روزہ ختم نبوت، (جون 2009) ''آسمان علم کا چاند'' قاضی اسرائیل گڑنگی......

[3]سہ ماہی ندائے ختم نبوت، (جولائی، اگست، ستمبر) ''اداریہ''......

[4]ماہنامہ مطالعہ قرآن لاہور (جون)، ''ستارہ جو ٹوٹ گیا'' ابن السلف حنفی......

[5]ماہنامہ العصر پشاور (جون) ''ترجمان اہل السنۃ'' مفتی ذاکر حسین......

[6]الصیانۃ لاہور جون [۱] ''امام اہل السنۃ''، صوفی اقبال قریشی [۲] ''مولانا سرفراز خان'' اکبر شاہ بخاری......

[7]ماہنامہ تجلیات حبیب چکوال (جون)، ''اداریہ''......

[8]ماہنامہ وفاق المدارس، (جون) ''خودنوشت سوانحی خاکہ''......

[9]ماہنامہ ''زادِ راہ'' فیصل آباد، (جون) [۱]اداریہ، [۲]آہ! میرے شیخ، قاری اشرف ناصر، [۳]مولانا سرفراز خان، دین محمد آفریدی......

[10]ماہنامہ ''الجمعیۃ'' راولپنڈی، (جون) [۱]حیات وخدمات، مومن خان عثمانی، [۲]سفر آخرت، خرم شہزاد......

[11]صدائے اسلام......

[12]ترجمان حق......

[13]ہفت روزہ نوائے شریعت لاہور......خبر نامہ......زبیر جمیل

[14]ہفت روزہ خدام الدین لاہور......اداریہ

[15] روزنامہ پاکستان، خبرنامہ، ادارہ [بدھ 10 جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ۔6 مئی 2009ء]

[16] ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی، اداریہ، مولانا صدیق ارکانی

[17] ماہنامہ الغفور لاہور، اداریہ،

[18] ماہنامہ الاحرار ملتان، اداریہ

[19] سہ ماہی انوارِ بہلوی، شجاع آباد، ملتان

[20] ماہنامہ الفاروق کراچی،

[21] ماہنامہ بنات عائشہ،......وہ بہت یاد آتے ہیں......ادارہ

[22] ماہنامہ ملیہ فیصل آباد

[23] ماہنامہ تذکرہ دار العلوم کبیر والا ضلع خانیوال

[24] دوماہی تسکین الصدور بہاولپور،......ایک نابغۂ روزگار عالم......جمیل الرحمٰن عباسی [محرم ۱۴۳۱ھ]

ان کے علاوہ بھی بہت سے رسائل وجرائد نے اظہار تعزیت کیا، سب کا ذکر ممکن نہیں۔ ہم سب کے شکر گزار اور ممنون ہیں اللہ رب العزت اپنی بارگاہ میں مقبول ومنظور فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

اپنی علمی زندگی کے اندر اس بات کو ہمیشہ کے لیے اپنا علمی وتحقیقی اصول بنالو کہ ہمارے لیے حق پر قائم رہنے اور ہر قسم کی گمراہیوں اور الحادی آلودگیوں سے بچنے کا واحد حفاظتی راستہ صرف اور صرف یہی ہے کہ ہم اپنے اکابر واسلاف کے علم وفہم اور ان کی امانت ودیانت پر مکمل اعتماد رکھتے ہوئے ان کی متواتر تعلیمات وتحقیقات اور عقائد ونظریات سے پوری طرح وابستہ رہیں، کیونکہ اس راہ سے بھٹک کر ہم شرک وبدعت، کفر ونفاق اور الحاد وزندقہ کی کسی بھی تاریکی میں کھو سکتے ہیں۔ اس لیے ہمیشہ تمام عقائد ونظریات اور افکار واعمال میں اپنے اسلاف واکابر کا دامن تحقیق تھامے رکھنا، کسی جدید تحریک کے دل فریب افکار وتصورات کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا، کیونکہ اسی میں ہماری دُنیوی ہدایت پوشیدہ ہے اور اسی میں اُخروی نجات مضمر ہے۔

باب 9

منظوم خراجِ عقیدت

مختلف شعراء کرام کا منظوم خراجِ عقیدت

حضرت شیخؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ

''میں نے تقریباً پچاس سال تک مختلف فکری واعتقادی اور فقہی واجتہادی مسائل پر تحقیق کی اور تحقیق کے دوران بعض علمی وفقہی ایسے مسائل بھی میرے سامنے آئے جن کے بارہ میں ذاتی تحقیق ومطالعہ کی بنا پر میری ذہنی رائے اکابرین اہل سنت کی تحقیقی رائے سے مختلف رہی، لیکن میں نے تقریری وتحریری طور پر کبھی بھی پبلک کے سامنے اپنی ان ذہنی آرا کا اظہار نہیں کیا، اس لیے کہ خود کو اکابر واسلاف کی علمی وتحقیقی سطح کے برابر لانے کا تصور بھی دل میں پیدا نہیں ہوا۔ ہمیشہ یہی سوچا کہ میری اس ذہنی رائے کے پیچھے تحقیق میں کوئی نہ کوئی کمی موجود ہے۔ اسی سوچ وفکر کے تحت ہمیشہ اپنے اکابر واسلاف کی تحقیقی آرا کو ہی اصح سمجھا، انہی کو دل وجان سے قابل قبول جانا اور انہی کی اتباع وپیروی کو اپنے لیے باعث ہدایت ونجات سمجھا، بلکہ ان میں سے بعض مسائل ایسے بھی تھے جن کے بارے میں طویل مدت کے بعد تحقیقی طور پر بھی مجھ پر یہ منکشف ہو گیا کہ اس مسئلہ میں بھی اکابر کی تحقیق ورائے ہی مدلل ومحقق تھی۔ میں نے جن دلائل پر اپنی اپنی رائے قائم کی تھی، وہ تو ریت کا گھروندا تھے۔ اس لیے میں اپنے عزیز علماے کرام اور طلبہ سے درخواست کرتا ہوں، ان کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے اکابر واسلاف کی اجماعی واتفاقی تحقیقات وتعلیمات سے کبھی انکار وانحراف نہ کرنا اور نہ ہی کبھی جمہور اہل سنت کا دامن چھوڑنا کیونکہ ہمارے علم وفن اور دیانت وامانت کی انتہا بھی ان کے علم وحکمت کی ابجد کو نہیں چھو سکتی۔ انہی پر اعتماد میں ہماری نجات ہے اور انہی میں ہمارے لیے خیر وبرکت ہے۔''

مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ

اہل سنت کا حقیقی ترجماں جاتا رہا

ترجمانِ اہل سنت فخرِ اہلِ دیوبند قالع وقمّاعِ باطِلْ دِلستاں جاتا رہا

دوحُسینوں سے شرابِ معرفت پی کر امیں مستفیضوں کو پلا کر مہرباں جاتا رہا

جس کے علم وفیض سے روشن ہوا سارا جہاں رہنمائے اہلِ حقْ ماہِ رواں جاتا رہا

جس نے باطلْ کو کیا چیلنج ہر میدان میں وہ مبارِز مردِ حقْ شیرِ ژیاں جاتا رہا

جس کے خامہ نے کیے تھے ملحدوں کے سرقلم وہ مصنف اور محققْ کامراں جاتا رہا

اہلِ سنت کی امامت سے ہوئے وہ سرفراز صفِّ باطل چیر کر صفدرزماں جاتا رہا

لایخافون کے مصداقِ مکمل تھے وہ شیخ اہلِ سنت کا حقیقی ترجماں جاتا رہا

تیرے جانے سے ہوئے ہم دیوبندی سب یتیم چھوڑ کر تنہا ہمیں سوئے جناں جاتا رہا

ہوگئے علمی پدر کی موت سے بے سایہ ہم چھوڑ کر گریاں وہ منظوؔر جہاں جاتا رہا

1- شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

2- رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ (واں بھچراں ضلع میانوالی)

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی

رثاء امامِ اہل سنت رحمہ اللہ

یہ ہنگامہ سا دنیا میں کیا ہے — جہاں میں شورِ محشر کیوں بپا ہے

یہ کیوں ہے ہر طرف یوں گریہ زاری — ہر اک لب پر کیوں آہ و بکا ہے

اندھیرا سا مسلط ہے جہاں پر — چراغوں کی کیوں مدھم ضیا ہے

ندا آئی کہ اے سکان ہستی! — امام اہل سنت اُٹھ گیا ہے

سرافرازی تھی جس کے نام کا جز — وہ سر سوئے جناں چلتا بنا ہے

جو بحرِ علم دیں کا تھا شناور — وہ جس پہ علم دیں نازاں رہا ہے

کتاب اللہ کا تھا جو مفسر — جسے جصاص کہنا بھی بجا ہے

ہر اک فتنے کی سرکوبی تھا کرتا — ہر ایک فتّان جس سے بھاگتا ہے

تصانیف اُس کی بے حد قیمتی ہیں — سبھی موضوع پر اُس نے لکھا ہے

مناظر ایسا وہ دندان شکن تھا — وہ ہر میدان میں فاتح رہا ہے

تصوف اور طریقت کا بھی ماہر — کہ موسیٰ زئی سے فیض اُس کو ملا ہے

علی قاری کے پائے کا محدث — حدیثوں کے جو موتی رولتا ہے

دروس اُس نے جو گکھڑ میں دیے ہیں — وہ شہر اُن کی صدا سے گونجتا ہے

مقدر گجرانوالا کے تھے جاگے — تقرر اُس میں جب اُس کا ہوا ہے

زمینِ پاک کو ہے ناز اُس پر — دیوبند کو بھی فخر اس سے سوا ہے

حدیث و فقہ دونوں کا تھا جامع — حسین احمد نے رنگ اُس میں بھرا ہے

بخاری کا تو وہ گویا تھا حافظ — وہ ثانی انور شہ کا ہوا ہے

عجب تھا ملکہ تفہیم اُس کا — جبھی تو غلغلہ اُس کا مچا ہے

لو! بزم دیوبند برہم ہوئی اب — شیرازہ بند اُس کا چل بسا ہے

خدایا تو ہمیں نعم البدل دے — چراغِ حق وگرنہ بجھ چلا ہے

تلافی کردے اُس مافات کی تو — تجھے آسان ایسا معجزہ ہے

دیوبند کی مجھے نسبت ہے بخشی — خداوندا بڑی تیری عطا ہے

اُسے تو دامن رحمت میں لے لے

اس افضل کی یہی تجھ سے دعا ہے

مطیع الرحمٰن اطہر ہاشمی

خدماتِ صفدر رحمہ اللہ

جانِ دل، آرامِ جاں، رحمت کا سایہ چل بسا   جو ہمارا سرمایہ تھا، وہ سرمایہ چل بسا

وہ امام اہل سنت وہ امام انقلاب   مسلک احناف کا وہ جگمگاتا آفتاب

جانے والے تیری فرقت کر گئی ہے دل گداز   سرفرازی سے نوازے تجھ کو مولا سرفراز!

وسعت سنت تری خدمات کا محور رہا   رفض وبدعت کے مقابل تو سدا بے ڈر رہا

توحید وسنت ہی ترے جیون کا نصب العین تھا   ملک میں اغیار کی تہذیب سے بے چین تھا

مکی، مدنی، سندھی، قاسم اور محمودالحسن   آپ کے کردار میں شامل تھا اُن کا بانکپن

سچ کو سمجھا کہہ دیا، جو کہہ دیا پھر لکھ دیا   صدقے جائیں لکھنے پر جو کچھ لکھا، سب سچ لکھا

اُن کے گلشن میں کھلے جو پھول ہیں میرے خدا   ہے دعا میری تو اُن کو ''بادِ صرصر'' سے بچا

کس قدر، زرخیز ہے میرے ہزارہ کی زمیں   اور بھی زرخیز ہوگی، ہے مطیع مجھ کو یقیں

سید سلمان گیلانی

میرے سرفراز صفدر

تو امام اہلِ سنت مِرے سرفراز صفدر
تو ہے رہبرِ شریعت مِرے سرفراز صفدر

کروں کیا میں تیری مدحت مِرے سرفراز صفدر
تجھے حق نے دی ہے عظمت مِرے سرفراز صفدر

ترا قول قول حجت مِرے سرفراز صفدر
تیری بات بات حکمت مِرے سرفراز صفدر

جب اٹھا ترا جنازہ تو نہ دے سکا میں کندھا
تھی ہجوم کی وہ کثرت مِرے سرفراز صفدر

تری خاک پر ہمیشہ کھلیں پھول رحمتوں کے
سدا مہکے تری تربت مِرے سرفراز صفدر

ہے مجھے یقینِ کامل کہ جہاں کو تج کے سیدھا
تو گیا ہے سوئے جنت مِرے سرفراز صفدر

تو سواتی خانداں کا ہے سپوت جس نے آکر
کی ہزارے میں سکونت مِرے سرفراز صفدر

وہ ہوں سرفراز صفدر کہ حمید خاں سواتی
بنے نور خاں کی عزت مِرے سرفراز صفدر

تو ابو ہے زاہدوں کا تو ابو ہے عالموں کا
تجھے رب نے دی فضیلت مرے سرفراز صفدر

تو محدث و مفسر، تو مدرس و مصنف
تو سراپا علم و حکمت مرے سرفراز صفدر

تھے اساتذہ میں ترے وہ قدیر جیسے فاضل
ملی تجھ کو جن کی صحبت مرے سرفراز صفدر

ترا مرشد و مربی تھا حسین واں بچھروں
ہے بلند تری نسبت مرے سرفراز صفدر

مدنی حسین احمد نے پکارا تجھ کو صفدر
یہ لقب ہے وجہِ عزت مرے سرفراز صفدر

کسی رنگ میں بھی آیا جو عدو ترِے مقابل!
دی خدا نے تجھ کو نصرت مرے سرفراز صفدر

ترِے ناقدین تری نہیں گرد کو بھی پہنچے
تجھے حق نے دی وہ رفعت مرے سرفراز صفدر

تجھے حق کے راستے میں پڑیں سختیاں اٹھانی
سہی قید کی مشقت مرے سرفراز صفدر

گو پچانوے برس تک تو رہا جہاں میں زندہ
ابھی تھی تری ضرورت مرے سرفراز صفدر

کرے روز و شب دعائیں ترِے واسطے یہ سلمانؔ
ہو خدا کی تجھ پہ رحمت مرے سرفراز صفدر

آثؔر جون پوری

شان امتیازی ملی

دولت و جاہ سے بے نیازی ملی
دین و دنیا میں یوں سرفرازی ملی

عاشقِ راہِ سنت، فقیہِ زماں
ذوقِ جامی ملا فکرِ رازی ملی

طولِ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ
زلفِ عمرِ رواں کو درازی ملی

کرگسانِ زمانہ سے بنتی بھی کیوں
جبکہ ورثے ہی میں شاہبازی ملی

مقصدِ زندگی تھا شہادت کی موت
زندگانی جبھی رشکِ غازی ملی

فیضِ استاذِ مدنی ؒ پُرسوز سے
قلبِ سوزاں ملا قلب سازی ملی

تھے وہ ممتاز علم و عمل میں آثؔر
شان اُن کو جبھی امتیازی ملی

حاصل تمنائی

شب بدعت میں زندہ کر کے سنت

خبر آئی امامِ اہلِ سنت چل دیئے آخر
امامِ اہلِ سنت سوئے جنت چل دیئے آخر

جبالِ حق، چٹانِ عزم و ہمت چل دیئے آخر
دکھا کر استقامت کی کرامت چل دیئے آخر

دیئے دنیا کو پیغامِ شریعت چل دیئے آخر
پیئے عشاق سے جامِ طریقت چل دیئے آخر

بصد شوقِ لقائے حق تعالیٰ عالمِ بالا
بصد کیف و سرور و عیش و راحت چل دیئے آخر

کہاں تک خامہ فرسائی کہاں تک جادہ پیمائی
وہ کر کے طے صدی بھر کی مسافت چل دیئے آخر

مشن اپنا بنایا آپ نے فتنوں کی سرکوبی

سو کر کے دہر سے فتنوں کو رخصت چل دیئے آخر

امامِ اہلِ سنت راہِ سنت کے مسافر تھے

شبِ بدعت میں زندہ کر کے سنت چل دیئے آخر

نہ آنچ آنے دی جیتے جی کبھی بھی دینِ آقا ﷺ پر

لئے سینے میں وہ دینی حمیت چل دیئے آخر

چھڑک دی جان بھی ناموسِ سرکارِ دوعالم ﷺ پر

بسائے قلب میں شوقِ شہادت چل دیئے آخر

سجا کر گلشنِ علم و عمل، لی راہ جنت کی

لٹا کر گوہرِ فہم و فراست چل دیئے آخر

جنوں کی راہ تکتے رہ گئے اہلِ خرد حاصلؔ

سوئے مرقد جبالِ عزم و ہمت چل دئے آخر

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی بہاولپور

پلاتے تھے جو جام علم بھر بھر

امام اہل سنت شیخ صفدر ہم سے بچھڑے ہیں
نہاں ہے کارواں غم میں کہ رہبر ہم سے بچھڑے ہیں
بھنور کی زد میں کشتی ہے، کنارے دور ہیں خاصے
پریشاں ہم نہ ہوں کیونکر شناور ہم سے بچھڑے ہیں
فراغت دیوبند سے اور تلمّذ شیخ مدنی سے
بڑی عظمت، حُسیں نسبت کے پیکر ہم سے بچھڑے ہیں
روحانی فیض واں بھچراں کے سرہندی سے پایا ہے
وہ قندیلیں تصوف کی جلا کر ہم سے بچھڑے ہیں
عیسائیت، روافض، قادیانیت، رضاخانی
ہراک باطل سے لی ہے جس نے ٹکر ہم سے بچھڑے ہیں
مماتیت، مودودیت، حدیث وفقہ کے منکر
ضلالت کے سبھی بت وہ گرا کر ہم سے بچھڑے ہیں
مفسر بھی، محدث بھی، مصنف بھی، محقق بھی
علومِ دین کے گہرے سمندر ہم سے بچھڑے ہیں
فسردہ رند ہیں سب، میکدہ ہے سوناسونا سا
پلاتے تھے جو جامِ علم بھربھر ہم سے بچھڑے ہیں
وہ زاہد قارن وعابد بشیر وشاہد وراشد
عنایت شرف دیں کے پدرِ دلبر ہم سے بچھڑے ہیں
کتابوں سے، شاگردوں سے، دروس و وعظ وخلفاء سے
وہ صدیوں تک جہاں کو کر منور ہم سے بچھڑے ہیں

ممتاز الحسن خان احسن خدامی

فریادِ دل

جہاں عشق کی جلوہ سامانیاں تھیں ✧ وہاں آج وحشت ہے ویرانیاں ہیں

نہ ساقی نہ ساغر نہ میخوار کوئی ✧ خدایا یہ کیسی زبوں حالیاں ہیں؟

شرابِ محبت کی نہریں رواں تھیں ✧ شرابِ محبت کی نایابیاں ہیں

الٰہی الٰہی مجھے تھام لیجے! ✧ میرے دل میں کیسی یہ بیتابیاں ہیں؟

چمن کے اجڑنے کا غم ان کو کیا ہو؟ ✧ وہ ہیں اور اب اُن کی سرشاریاں ہیں

گئی چھوڑ کر جب سے بلبل چمن کو ✧ چمن کے درختوں پہ ویرانیاں ہیں

نہیں چین تیرے بنا میرے دل کو ✧ تیری یاد میں اشک میرے رواں ہیں

میں خاموش آنکھوں سے نالہ کناں ہوں ✧ میرے بہتے آنسو ہی میری زباں ہیں

ہے درد جدائی سے دل پارہ پارہ ✧ وہ اپنے مزے میں ہیں خلد آشیاں ہیں

ثناءاللہ سعدؔ شجاع آبادی

سر کا ہونا لازمی ہے سرفرازی کے لیے

یوں تو بت خانے بہت، فتنہ طرازی کے لیے
ورنہ اک مسجود کافی ہر نمازی کے لیے
سر پہ پگڑ ، اس پہ طرہ ، جا رہے ہیں شیخ جی
ایڑیاں اٹھلاتے پھرتے ہیں درازی کے لئے !
کوئی جائے ان کو بتلائے کہ اے محبوب جاں
حیلہ سازی اور کجھ خو دفرازی کے لئے
سر اٹھا نے سے کبھی ملتی نہیں قد آوری،
قوت پرواز لازم، شاہبازی کے لئے
سر بلندی کی ہوس میں یہ نہیں سمجھے حضور
سر کا ہونا لازمی ہے سرفرازی کے لئے
صفدری‘‘ ملتی ہے اس کو جس کی ہو فطرت بلند
وہ چنا جا تا ہے شان امتیازی کے لئے
وہ مزیل الریب بھی ہو،صاحب تسکین بھی
قاطع کفر، و سناں ہو فرقہ بازی کے لئے
وہ رہے زندہ تو بن کر اہل حق کی آبرو
شیخ تو زندہ ہیں افسانہ طرازی کے لئے
سر بلندو ہر زمانے کا یہی دستور ہے
سر کٹانا لازمی ہے حق نوازی کے لئے

نتیجۂ فکر: محمد ہمایوں مغل حسنؔ

خراجِ عقیدت وسپاس

م	موت پھر سے ایک درِ یاسمیں کو لے گئی	دردو غم رنج والم سب کے دلوں کو دے گئی
و	وہ امام اہل السنۃ وہ محقق العصر	جانتے تھے اہل علم وفضل ہی اس کی قدر
ل	لب پہ میرے ذکر ہے اس علم کے ایوان کا	جو بڑا ماہر تھا گویا سنت وقرآن کا
ا	احسن العلوم دیتا ہے عقیدت کا سپاس	شیخ مفتی زرولی سے تھا تعلق ان کا خاص
ن	نورِ قرآں سے منور اس کی ساری زندگی	بے خطر کہتا ہوں میں ،تھا وہ مکمل اک ولی
ا	ایسا عالم بے بدل تھا باعمل اور باکمال	رہتی دنیا تک حسنؔ دی جائے گی ان کی مثال
س	سرفراز وسربلند اس کا مقام علم تھا	آفتابِ علم تھا اور آسمان حلم تھا
ر	رتبۂ علم نبوت اس کا عا لیشان تھا	انتہائی باوفا وپرخلوص انسان تھا
ف	فرش والوں میں بھی اس کا علم تھا مانا ہوا	اہلِ حق کے درمیاں تھا خوب پہچانا ہوا
ر	رک گیا بہتا ہوا دریا یہ علم وفضل کا	کر دیا اس نے صفایا جہل کی ہر فصل کا
ا	اک محقق اک مفکر ،اک مفسر اس کا نام	اہلِ باطل کا کیا ہے کام ہی اس نے تمام
ز	زہد وتقویٰ تھا مسلم علم کا معیار تھا	شرک وبدعت کے لیے وہ حق کی ایک تلوار تھا
خ	خیر خواہی دینِ حق کی اس کا ہی شیوہ رہا	وہ کہ سب تشنہ لبوں کو علم سے بھرتا رہا
ا	اور زیادہ اس کی شانِ محترم میں کیا کہوں	دل یہ کہتا ہے دعا ہر دم اسے دیتا رہوں
ن	نام وہ دونوں حُسینوں(۱) کا ہی چمکا تا رہا	وہ علم توحید سنت کا ہی لہراتا رہا
ص	صاف گو تھا حق نما تھا اور تھا حق کا امیں	اس کی رحلت پر یہ آنکھیں نم ہوئیں اور دل حزیں
ف	فیض اس کا عام تھا پنجاب سرحد سندھ پر	ہے دعا کہ بخش دے اس کو خدائے بحر وبر
د	درس اس کا بے بدل تحریر اس کی بے مثال	بے نظیر اس کا تکلم لا جواب اس کا منال
ر	راہ سنت پر لگا کر سب کو وہ رخصت ہوا	ہے یقیں مجھ کو حسن وہ واصل جنت ہوا

(۱) شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ، امام المفسرین حضرت مولانا حسین علی نوراللہ مرقدہ

مطیع الرحمٰن اطہر ہاشمی

باطل رہا زیرِ پا دوستو

رہبر اہل سنت کی خدمات پر — کیا لکھوں کیا کہوں ہم نوا دوستو
یہ سمندر ہے وہ جس کا ساحل نہیں — کیا کرے گا سعی ناخدا دوستو
سر سے پاؤں تلک ہے مہک ہی مہک — اُس کی تحریر میں اُس کی تاثیر میں
سب نے دیکھا سراپا میرے پیر کا — کیا غلط ہے جو میں نے کہا دوستو؟
جو بھی فتنہ اُٹھا اُس سے ٹکرا گیا — وہ خدا کا ولی جوش میں آگیا
نہ ڈرا نہ جھکا نہ تھکا نہ بکا — جانتے ہیں یہ اہلِ جفا دوستو
آندھیاں اُس کے رستے میں آئیں مگر — عزم کے سامنے ہوگئیں بے اثر
راہِ حق پر وہ چلتا رہا سر بسر — اور باطل رہا زیرِ پا دوستو
تھا وہ آبا واجداد کا ترجماں — ہیں گواہ یہ زمیں اور وہ آسماں
الغرض مختصر سی ہے یہ داستاں — وہ تھا فرزند دیوبند کا دوستو
ہر طرف شرک وبدعت کی تھی ظلمتیں — راہِ حق میں وہ سہتا رہا کلفتیں
وہ جلاتا رہا دینِ حق کی شمعیں — آج دیکھو یہ منظر ہے کیا دوستو
آؤ مل کر کریں آج اقرار ہم — کارِ رہبر کے ہوں گے وفادار ہم
جاں بھی دینے سے ہوں گے نہ بیزار ہم — رکھے ثابت قدم کبریا دوستو
وہ گیا باغباں چھوڑ کر گلستاں — جان دے کر حفاظت کرو میری جاں
باغ کھلتا رہے ثمر ملتا رہے — بس یہی ہے میری التجا دوستو
جب سے اطؔہر ملی آپ کی رہبری — رنگ بھرنے لگی ہے میری شاعری
خوب سے خوب تر ہوگئی زندگی — دیکھ لو ہے یہ فضلِ خدا دوستو

ابن سراج مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

امام اہل سنت قدس سرہ

حکیم العصر، شیخِ وقت اور محبوبِ سبحانی ۔۔۔ کہ ہم عصروں میں اب تک کوئی نہیں تیرا ثانی

کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤ گے ایسا پیکر خاکی ۔۔۔ کہاں سے پاؤ گے تم یادگارِ شیخ الوانی

تجھے اُستاذ کل کہتے ہیں عالم اس زمانے کے ۔۔۔ تجھی کو مانتے ہیں جانشین شیخ الوانی

ترے دریوزہ گر ٹھہرے محدث اس زمانے کے ۔۔۔ ترے علم وعمل کے خوشہ چیں تھے سارے افغانی

ترے تقویٰ طہارت کی قسم کھائی زمانے نے ۔۔۔ ترے زہد وورع پر رشک کرتی عقلِ انسانی

ترے اس میکدہ سے پی شرابِ معرفت جس نے ۔۔۔ ہوئی حاصل شفاء کاملہ اور ذوقِ عرفانی

بفضل اللہ یہ دیکھا قلب بینا سے عجب جلوہ ۔۔۔ جبیں سجدہ سے تاعرشِ بریں ایک تارِ نورانی

ترے ہی فیض کے آثار تھے سایہ فگن ہرسو ۔۔۔ تری ہی ذات بابرکات سے عالم میں تابانی

ذہانت اور فطانت دست بستہ حاضرِ خدمت ۔۔۔ فقاہت نطق کے لیتی تھی بوسے تیرے وجدانی

کروں کیسے بیاں تری اداء ناز کا صفدر ۔۔۔ تواضع، مسکنت، عجز و وفا اور خندہ پیشانی

تری مجلس میں کھلتے تھے عجب اسرارِ پنہانی ۔۔۔ ترا سینہ تھا گنجینہ شرح آیات قرآنی

تری ہی ذات تھی دورِ فتن میں نعمتِ عظمیٰ ۔۔۔ تری ہی ذات تھی ظلمت کدہ میں شمعِ نورانی

خدائے لم یزل نے تجھ کو بخشا کیف احسانی ۔۔۔ ترا دورِ حیاتِ جاوداں صد رشکِ خاقانی

خدا آباد رکھے میکدہ تیرا سدا ساقی ۔۔۔ یونہی آتے رہیں پینے کو میکش جام عرفانی

خدایا خاندانِ قاسمی کو فضل سے اپنے ۔۔۔ عطا کر عافیت دارین، اور نعمت کی ارزانی

مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی

امام اہل سنت

اے امام اہل سنت سربلند وسرفراز
جابسا تو جنت الفردوس میں باعز وناز

طالبان مال ودنیا تیرے قدموں میں رہے
تو رہا دائم ہی اُن سے بے تعلق بے نیاز

تیرے علم وفضل کے ہیں معترف سب خاص وعام
طبقۂ علماء میں ہے تیرا مسلم امتیاز

تری تصنیفات نے کیا مجدد کا ہے کام
تیری تحریرات نے کھولا حقیقت کا ہے راز

راہِ سنت میں دکھا دی تو نے پیغمبر کی راہ
اہل سنت دیوبند کا ہے یہی موقف وکاز

راہِ حق کو تونے ہے ایسا نمایاں کردیا
اہلِ بدعت کے لیے چھوڑا نہیں کوئی جواز

ملحدوں کے سب دلائل تو باطل کردیئے
جس طرح شیشے کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتا ہے گاز

تیرا تقویٰ و طہارت ہے مثال اولیا
پاک دل اور پاک روح مثل ملائک پاک باز

تیرے درس معرفت سے علم کے عقدے کھلے
تیرے پند ووعظ نے بخشا ہے حق کا سوز وساز

تیری مجلس میں سکوں سے آشنا ہوتی تھی جاں
دور ہوجاتے تھے دل سے جذبہ ہائے حرص وآز

جبکہ غفلت میں پڑے سوتے تھے سب اہل جہاں
تیرے لب پر تھی تلاوت اور تو محو نماز

ایک افضل ہی نہیں تجھ پہ فقط نوحہ کناں
رورہے ہیں تجھ کو اہل ہند اور اہلِ حجاز

مولانا عبدالجبار سلفی

تبصرہ وتعارف

نام کتاب: امام بخاری کا عادلانہ دفاع

نام مصنف: جانشین امام اہل السنۃ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہ

صفحات: 147

ناشر: عمر اکادمی، گھنٹہ گھر گوجرانوالہ 055-4237330--0300-7463292

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: ''اس دورِ فتن میں دین کو پکڑنا ''قبض علی الجمر'' یعنی انگارہ ہاتھ میں رکھنے کے مترادف ہے۔ اس ضلالت آگیں دور میں جب کہ مادہ پرستی اور دہریت نوازی نے روحِ اسلامی کو مضمحل اور کچلنے کے قریب کر دیا ہے۔ چاروں اطراف سے عقائد اسلامی پر ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ یگانے بیگانے بن کر اور مسلمان مغربی تہذیب کے پرستار بن کر اپنا ایمانی سرمایہ لادینیت کے کھوٹے سکوں کے عوض فروخت کر رہے ہیں۔ ہمارے علماءِ حق کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ اپنے زورِ قلم سے دینِ حق کی نصرتِ مبین کر رہے ہیں۔

عقل وفہم نعماءِ وافرہ میں سے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں، لیکن یہ شریعتِ مطہرہ کے تابع نہ رہیں تو ان کی ذرا سی لغزش انسان کو ''قعرِ ضلالت'' میں دھکیل دیتی ہے۔

مولانا احمد سعید خان صاحب کا نام اور ذات کوئی محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ جب کبھی مذہبی ''سرپھروں'' کا ذکر آئیگا، موصوف صفِ اول میں شمار ہوں گے۔ ایک عرصہ تک طویل اور ''رٹے رٹائے'' خطبوں سے مجمع کو اچھالتے رہے۔ ایسی موشگافیاں اور ''ابریک مطالب'' بیان کرتے کہ سامعین کی اکثریت تو سوادِ علمی کے باعث کیا سمجھتی ہوگی، غالب گمان یہ ہے کہ خود خان صاحب کی بھی اپنے بیان کردہ مطالب کی گہرائی وگیرائی تک رسائی نہیں ہوتی۔ بودے استدلالات، رکیک تاویلات، اور غلط بیانات کے ذریعے اسٹیج اور منبر کا تقدس پامال کرتے رہے، اب کچھ عرصہ سے قلم اٹھانے کا شوق دامن گیر ہوا تو اپنے ''تعیش دماغی''

سے قلم کی حرمت خوب پامال کر رہے ہیں، چنانچہ ایک کتابچہ بنام ’قرآنِ مقدس اور بخاری محدث‘‘ شائع کیا اور امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ پر تابڑ توڑ حملے کر کے ’’غلام نبی‘‘ المعروف عبداللہ چکڑالوی سے لے کر غلام احمد پرویز تک سب کی ارواح کو ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کی۔ حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب کی کتاب ’’مذہبی داستانوں کی حقیقت‘‘ سے سرقہ کر کے خان صاحب نے عوام الناس کے قوائے فکریہ کو ایک بار پھر مغالطوں کا شکار کیا۔ خان صاحب کی کتاب اس قدر گنجلک، بے ربط، غیر منطقی اور الجھے ہوئے خیالات نیز ناقص انشاء کا ملغوبہ ہے کہ کوئی صحیح الخیال اور سلیم الفطرت انسان ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ یہ کتابچہ مولوی صاحب کی ابلہی اور علمی فرومائیگی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ تاہم ناپختہ اور غیر مستقل مزاج لوگوں کے لیے باعثِ فتنہ اور موجبِ ضلالت بن سکتا ہے چنانچہ علماء حق نے اس کا علمی تعاقب کیا اور شک وشبہ کی پرخار وادی میں بھٹکے ہوؤں کو جادۂ مستقیم پر لانے کی مخلصانہ وعالمانہ کوشش فرمائی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء.

زیر تبصرہ کتاب ’’دَفعُ اِعتِرَاضَاتِ المَخَبّث عَلیٰ بُخَارِی مُحَدِّث‘‘ 147 صفحات پر مشتمل ہے۔ جو امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے فرزندِ دلبند جناب مولانا حافظ عبدالقدوس خان قارن کا علمی وقلمی شاہکار ہے۔ زمانہ گواہ ہے کہ جناب قارن صاحب کے علمی خاندان نے ’’اربابِ مکر تزویر‘‘ کے پول کھول کھول کر بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں احمد سعید خان صاحب کے چون (54) اعتراضات کے ایسے عالمانہ وفاضلانہ جوابات دیے گئے ہیں کہ اگر مولوی احمد سعید صاحب ’’طالبِ ہدایت‘‘ بن کر مطالعہ کرلیں تو ان کے مقدر میں وہی فیصلہ ہوسکتا ہے جو امام اہل السنۃ مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب ’’صرف ایک اسلام‘‘ پڑھ کر ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے حق میں ہوا تھا۔ ہم نے از اول تا آخر اس تحقیقی کتاب کو پڑھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مولانا عبدالقدوس خان قارن کا قلم، صبا رفتار نوخیز چیتے کی مانند قلانچیں بھرتا ہوا شاہراہِ تحقیق پر اڑان کرتا چلا جاتا ہے واقعی حافظ صاحب موصوف نے محنتِ شاقہ اور ’’کاوشِ دماغی‘‘ سے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ہم اس عظیم الشان کتاب کی آمد پر دیدہ ودل فرش راہ کرتے ہیں اور پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ انشاءاللہ اب منکرینِ حدیث کو ’یارائے سخن آرائی‘‘ نہ ہوگا کتاب کا ٹائیٹل انتہائی خوبصورت ہے اور اغلاط سے بھی تقریباً مکمل حد تک احتیاط کی گئی ہے، ہر ایک سنی مسلمان جو عقائد کے حصار کو مضبوط کرنا چاہتا ہے اور حق وباطل کے حقائق سے واقفیت کا خواہاں ہے، وہ اس

معلوماتِ علمیہ کا بیش بہا خزانہ ضرور حاصل کرے۔ انتہائی افسوس ہے کہ ناقدریٔ علم کا یہ عالم کہ جب ایسی کتب نایاب ہو جاتی ہیں تو دستِ تأسف مَل مَل کر حرمانِ نصیبی کیا جاتا ہے اور جب وافر مقدار میں موجود ہوتی ہیں تو ہم قدر نہیں کرتے۔

اس مقدس کام کے انجام دینے پر ہم حضرت قارن صاحب کو سلام عقیدت پیش کرتے ہوئے مبارک باد دیتے ہیں کہ انہوں نے مولوی احمد سعید خان صاحب یا دیگر فتنہ پرور لوگوں کی جانب سے ڈالے گئے شکوک وشبہات کو عوام وخواص کے دل ودماغ سے اس قدر صاف کر دیا ہے کہ پہاڑ کی برف بھی گرد وغبار سے اتنی صاف نہیں ہوتی اور اس خسیس الفطرت طبقے پر یہ علمی کتاب قیامت کی صبح تک ''برق جہندہ'' بن کر کوندتی رہے گی، ان شاء اللہ۔ احمد سعید خان صاحب پر اس کتاب کا کس حد تک اثر ہوگا؟ محاورہ مشہور ہے کہ ''مرے ہوئے گھوڑے کو چھانٹوں سے زندہ نہیں کیا جا سکتا'' تاہم ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ''قعرِ مذلت'' میں گرے ہوؤں کو جادہ مستقیم پر لانا اس ذات کے لیے مشکل نہیں ہے۔

مولانا عبد القدوس خان قارن مدظلہ کی کتاب پر حافظ احسن خدامی کے تاثرات

ایک ملحد نے جو چاہا آسماں پر تھوکنا — اپنا تھوکا اپنے چہرے پر سجا کر رہ گیا
دست اندازی کو تاکی ایک دستارِ بلند — اپنا قد وکاٹھ دیکھا سر جھکا کر رہ گیا
ایک جاہل کی جسارت، توبہ توبہ اے خدا! — جس نے دیکھا انگلیاں منہ میں دبا کر رہ گیا
ناچتا پھرتا تھا چوہا شیر نر کی پشت پر — شیر جب جاگا تو چوہا منمنا کر رہ گیا
مردِ غازی ماحیٔ شرک وبدعت کی ضرب سے — آج پھر چتروڑ خانہ تلملا کر رہ گیا
جس کو اب تک یاد ہوگی شدت ضربِ امیں (ا) — آج پھر میداں میں یارو مات کھا کر رہ گیا
پھر دمک اٹھے خوشی سے چہرہ ہائے اہل حق — اور چتروڑی بچارہ منہ چھپا کر رہ گیا

(ا) امین ملت، مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

باب 10

آئینۂ تحاریر

حضرۃ امامِ اہل السُنّۃ نوراللہ مرقدہ

کے

ہاتھ مبارک سے لکھی چند یادگار تحریریں

علما وطلبہ کو نصیحت

۱۹۹۸ء میں مدارس دینیہ کی سالانہ تعطیلات کے دوران مختلف مدارس کے اساتذہ وطلبہ کا کثیر تعداد پر مشتمل ایک وفد حضرت شیخؒ سے ملاقات وزیارت کے لیے گکھڑ حاضر ہوا اور دوران ملاقات حضرت شیخؒ سے نصیحت کی درخواست کی جس پر حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ

''میرے عزیزو! ہم نے اپنے اسلاف واساتذہ سے جو علمی وفکری ورثہ پایا، اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود وہ علمی وفکری امانت ووراثت بغیر کسی تغیر وتبدل کے آپ تک پہنچا دی۔ ہم نے قرآن وسنت کے وہی الفاظ آپ تک پہنچائے جو ہمیں متواتر سند کے ساتھ اپنے اساتذہ سے وراثت میں ملے اور ہم نے ان متواتر ومتوارث الفاظ کی وہی تعبیر وتشریح آپ تک پہنچائی جو ہمیں متواتر سند کے ساتھ اپنے اساتذہ سے وراثت میں ملی۔ نہ ہم نے ان متواتر الفاظ میں تغیر کیا اور نہ الفاظ کے متواتر مفہوم میں کوئی تبدیلی کی۔

میں نے اپنی تمام کتابوں کے اندر اکابرین اہل سنت اور بزرگان دیوبند کے اجماعی واتفاقی مذہب ومسلک کے عین مطابق مختلف عقائد ونظریات پر مدلل وباحوالہ بحث کردی ہے۔ ان کا مطالعہ ضرور کرو۔ علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کی تحریرات کو مطالعہ میں لاؤ اور ہمارے اس دور میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی کی بڑی خدمات ہیں، ان کا وجود غنیمت سمجھو اور ان کی تحریروں کا بھی مطالعہ کرو۔ اب ہم نے متواتر علم وفکر اور متوارث عقائد ونظریات کی وہ امانت آپ کے سپرد کردی ہے۔ اس امانت کو اس کی اصلی وحقیقی صورت میں اگلی نسل تک پہنچانا آپ کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔ اگر آپ نے اس ذمہ داری کو نبھانے میں کسی قسم کی غفلت وخیانت یا حرص وبزدلی کا مظاہرہ کیا تو آپ عنداللہ اپنے بڑوں کے بھی مجرم ہوں گے اور چھوٹوں کے بھی۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۰ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۰ امابعد راقم اثیم حضرت العلام مولانا غلام مصطفیٰ
صاحب دام مجدہم کے ارشاد کے مطابق جامعہ دارالعلوم مدنیہ میں ختم بخاری شریف کے سلسلہ
میں حاضر ہوا اور آخری باب بمع آخری حدیث شریف کے طلبہ کرام کو پڑھایا اور تھوڑے وقت
سے سرسری طور پر بیان بھی ہوا اور اسکے بعد فارغ طلبہ کی دستار بندی ہوئی اور انکو
سندات تقسیم کی گئیں حضرت مولانا دام مجدہم نے جس ظاہری بے سروسامانی میں
تبلیغ وتدریس دین کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اسکو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے دعا ہے
کہ اللہ تعالیٰ دین متین کے ایسے مضبوط قلعوں کو تادیر قائم رکھے اور اراکین واساتذہ
کرام کو اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین
وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی محمد خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ
وازواجہ واتباعہ الی یوم الدین آمین
احقر ابوالزاہد محمد سرفراز صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۳ رجب ۱۴۰۶ھ
۴ اپریل ۱۹۸۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۰ امابعد راقم اثیم حضرت العلام مولانا غلام مصطفیٰ صاحب دام مجدہم کے ارشاد کے مطابق جامعہ دارالعلوم مدنیہ میں ختم بخاری شریف کے سلسلہ میں حاضر ہوا اور آخری باب بمع آخری حدیث شریف کے طلبہ کرام کو پڑھایا اور تھوڑے وقت میں سرسری طور پر بیان بھی ہوا اور اس کے بعد فارغ طلبہ کی دستار بندی ہوئی اور ان کو سندات تقسیم کی گئیں۔

حضرت مولانا دام مجدہم نے جس ظاہری بے سروسامانی میں تبلیغ وتدریس دین کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین متین کے ایسے مضبوط قلعوں کو تادیر قائم رکھے اور اراکین واساتذہ کرام کو اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی محمد خاتم الانبیاء والمرسلین

وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ الی یوم الدین آمین

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز صدر مدرس: مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۳ رجب ۱۴۰۶ھ/4 اپریل 1986ء

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

خطیب مرکزی جامع مسجد گکھڑ ○ شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

باسمہ سبحانہ

من ابی الزاہد

الی محترم المقام جناب حضرت العلام مولانا .... صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا ذرہ نوازی کا ہزار شکریہ محترم! پندرہ ۱۵ رمضان کے بعد سے طبیعت خاصی تکلیف میں رہی اب بھی تکلیف ہے رات کو بہت کم نیند آتی ہے اگر یہی حال رہا تو پھر حاضری مشکل ہے اگر سہولت رہی تو انشاء اللہ العزیز ۵ر مارچ ۱۹۹۶ء بروز منگل تقریباً سات بجے صبح مجھے یہاں سے لے جائیں شام تک وہاں پہنچ جائیں گے اور ۶ر مارچ بروز بدھ آپ کے جلسہ میں شرکت کے بعد ۷ر مارچ بروز جمعرات سویرے ہی وہاں سے روانگی ہو تاکہ شام تک میں گھر پہنچ جاؤں اگر یہ پروگرام منظور ہو تو فون نمبر ۲۶۰۶۲۰ پر اطلاع دیدیں جملہ حاضرین سے سلام مسنون عرض کریں اور مقبول دعاؤں میں نہ بھولیں یہ خاطی بھی داعی ہے والسلام

ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

۲ر شوال ۱۴۱۶ھ
۲۲ر فروری ۱۹۹۶ء

ایام علالت میں لرزتے ہاتھوں سے لکھی گئی ایک تحریر

(5)

۷۸۹

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب

امین آباد
ہفتہ 2/2/76

اسلام علیکم! بعد ادب سلام و مسنون ایک مسئلہ برائے مہربانی فرما کر بیان فرما دے عین نوازش ہوگی۔ مسئلہ کہ آپ ﷺ کی کون سی حیات ہے دنیوی یا برزخی جسمانی یا روحانی آپ ﷺ روضہ اطہر کے اندر اسی جسم کے ساتھ زندہ ہیں یا جہاں روح مبارک ہے اس کو زندگی ہے آپ ﷺ کی روح مبارک روضہ اطہر کے نزدیک یا اندر یا جنت میں ہے کہاں ہے۔ اور حضور ﷺ درود شریف اوپر یعنی نزدیک سے خود سنتے ہیں کیا ہمیں خصوصیت ہے یا عام مردو کا یہی حال ہے۔ حیات اور سماع صلوٰۃ وغیرہ کے کیسی حیات و کیسا سماع صلوٰۃ۔ متعلق کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے جواب نیچے درج فرما کر واپسی لفافہ میں جواب ڈال دے عین نوازش ہوگی۔ خاکپا علمائے دیوبند احقر فتح خان صاحب

باسمہ سبحانہ

منجانب ابی الزاہد

الی مکشر الحاج جناب مہربانم .... صاحب دام مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی؟

آپ کا محبت نامہ موصول ہوا یاد آوری اور ذرہ نوازی کا تہ دل سے شکریہ

محترم! راقم اگر اپنا اور جمہور اہل السنت والجماعت اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا اس سلسلہ میں مسلک اختصاراً تحریر کرے تو ممکن ہے کہ حقہ بیان نہ ہوسکے یا آپ کسی قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں اور اگر تفصیل سے لکھے تو اس کے لئے وقت درکار ہے اور راقم انتہائی عدیم الفرصت ہے اسلئے گذارش ہے کہ اگر آپ راقم کا اور جمہور اہل اسلام اور اکابر علماء دیوبند کا اس بارے میں قدرے تفصیل سے مسلک معلوم کرنا چاہتے ہیں تو تسکین الصدور فی مسئلہ میں راقم کی تصنیف کا مطالعہ فرمائیں ان شاء اللہ تعالیٰ مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے آپ کو مل جائیگی حاضرین مجلس سے سلام مسنون ارشاد فرمائیں اور نیک دعاؤں میں یاد فرمائیں بفضلہ تعالیٰ راقم اثیم بھی دعاگو ہے والسلام

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز از گکھڑ

۲۳ رصفر ۱۳۹۶ھ

۲۳ فروری ۱۹۷۶ء

مبسملاً ومحمدلاً ومصلیاً امابعد راقم اثیم آج مورخہ ۲۷ رجب ۱۳۹۸ھ / ۴ جولائی ۱۹۷۸ء کو مدرسہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے سالانہ امتحان پر حسب سابق حاضر ہوا اور کئی گھنٹے صرف کرکے طلبہ سے متعدد علوم و فنون کی کتابوں کا امتحان لیا بحمد اللہ تعالیٰ کمزور طالب علم بہت کم اور کامیاب اور مستعد بہت زیادہ نکلے جیسا کہ ان کے امسال کے نمبروں سے ظاہر ہے یہ ان حضرات پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ ان کو لائق اور محنتی اساتذہ کرام حاصل ہیں جو کتابیں نہایت سلیقہ اور عمدہ طریقہ سے پڑھاتے ہیں اور حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کا فیض ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت بھی جاری ہے جو بوقت نماز تمام طلبہ کے جماعت میں شریک ہونے سے اور خاموشی اور پُر وقار طریقہ سے وضو کے وقت محسوس کی جاسکتی ہے اس دور الحاد و بےدینی میں دین کے یہ صاف اور ستھرے چشمے ہی آئندہ آنے والی نسلوں کے رشد و صلاح کا ذریعہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ سے زیادہ ہمت اور ذوق و شوق سے کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور معاونین حضرات کو اللہ تعالیٰ مزید درجات حاصل کرنے کی منزلت بخشے آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ
آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وجمیع متبعیہ الیٰ یوم الدین
احقر الناس ابو الزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ
وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۲۷ رجب ۱۳۹۸ھ
۴ جولائی ۱۹۷۸ء

جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کے بارہ میں امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کے تأثرات

امام اہل سنت نمبر......اکابرین......و......علماء......کی نظر میں

استاذالمحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان دامت برکاتہم:

آپ کی کتاب بہت پسند آئی، ماشاء اللہ بہت خوب ہے، بہت خوب ہے، بہت خوب ہے۔ بالخصوص آپ کا، آپ کے والد صاحب اور آپ کے بھائی (احسن خدامی) صاحب کا مضمون بہت ہی پسند آیا، دل سے آپ کے لیے بہت دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور بہت بہت ترقی نصیب فرمائے۔ آمین

(ایک مکتوب گرامی میں حضرت الشیخ دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو عمدہ صلاحیت اور استعداد لکھنے اور حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو رد کرنے کی آپ کے اندر پیدا کی ہے وہ نظر بد سے محفوظ رہے اور اس میں مزید استحکام پیدا ہو۔ مستقبل میں آپ سے بڑی توقع دین حنیف کی خدمت کے حوالے سے وابستہ ہے۔ نجیب الطرفین ہونے کا قابل رشک یہ شرف کسی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے مقتضیات کی رعایت کے ساتھ زندگی گزارنا جو اصل مقصد ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت خاص کے بغیر ممکن نہیں، اس لیے اس فقیر بے نوا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کو مضبوط اور مستحکم کرنے پر خصوصی توجہ فرمائیں اور بالدوام فرمائیں، اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔ آپ کے دادا جان اور نانا جان کی سیرت میں یہ وصف بہت نمایاں ہے۔ (والسلام)......سلیم اللہ خان......۱۰ اشوال المکرّم ۱۴۳۱ھ

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائیں کہ آپ نے بڑی خدمت انجام دی۔ حضرت قدس سرہ پر ایسی خصوصی اشاعت کی بڑی ضرورت تھی، ماشاء اللہ آپ نے اتنی جلدی جس سلیقہ سے یہ نمبر شائع کیا ہے، اس پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد زرولی خان مدظلہ:

نمبر دیدہ زیب بھی ہے اور عناوین خاصے مربوط بھی ہیں اور اعلیٰ طباعت اور دیدہ زیب صنعت وکاریگری اس پر مستزاد۔ آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بڑھتا گیا۔

شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی مدظلہ:

اپنے عظیم دادا کو خراجِ عقیدت پیش کرنے میں محنت وکاوش کا حق ادا کیا ہے۔ موصوف کی محنت قابلِ داد ہے اور یقیناً قارئین بھی انکی کاوشوں کے ثمرات خوبصورت، ضخیم اور معیاری اشاعت کی صورت میں دیکھ کر محظوظ ہوں گے اور دعائیں دیں گے۔

استاذ العلماء مولانا قاری احسان الحق مدظلہ:

''امام اہل سنت نمبر'' دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی، دل سے آپ کے لیے بہت دعائیں نکلیں، حضرت قاضی

(مظہر حسین) صاحب رحمہ اللہ کی غیرت کا پورا پورا عکس نظر آیا۔ اللہ تعالیٰ ترقی سے نوازے۔

خطیب اسلام مولانا عبدالرؤف چشتی مدظلہ:

میں نے ماہنامہ ’’المصطفیٰ‘‘ کے ’’امام اہل سنت نمبر‘‘ کی خوبصورت جلد بندی، شاندار کمپوزنگ، اعلیٰ ترتیب اور مضامین کی حسین تقسیم دیکھ کر آپ کو خوشی سے فون کیا کہ آپ کی محنت اور کاوش پر مبارک باد پیش کروں......

شیخ الحدیث مولانا قاری جمیل الرحمٰن مدظلہ:

امام اہل سنت نمبر دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ آپ نے حضرت امام اہل سنت کے مسلک وموقف کو مثبت انداز میں پیش کیا ہے، جس پر آپ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یقیناً حضرت کی روح مبارکہ کو بھی تسکین پہنچی ہوگی۔

حضرت مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی مدظلہ:

مجلّہ ’’المصطفیٰ‘‘ کی زیرِ نظر کاوش نے اپنے مقاصد میں نہایت واضح اور شاندار کامیابی حاصل کی ہے اس پر تمام انتظامیہ قابلِ صد مبارکباد ہے۔ ؎ اللہ کرے حسنِ نظر اور زیادہ

حضرت مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہ:

عزیزم نے جس عمدگی، شستگی اور شگفتگی سے مضامین کا انتخاب کر کے موتیوں کو مالا میں پرویا ہے، وہ قابلِ صد لائق تحسین ہے۔ ہر مضمون کو اس کے معیار کے مطابق ایسی جگہ دی ہے کہ پڑھنے سے نہ دماغ تھکتا ہے، اور نہ ہی دل بھرتا ہے۔ عزیزم سرفراز حمزہ نے اپنے دادا جی کی مشکبار سیرت سے معاشرے کو چمکانے کی جو مبارک سعی کی ہے، اس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ لکھنے والوں کی تحاریر میں تاریخ کی واقعیت، ادا کا حسن اور جذبے کی حدت، منتہائے کمال پر جا کر بایں طور ہم آہنگ ہوگئی ہے کہ امام اہل سنت رحمہ اللہ کی زندگی فی الواقع ایک عہد آفریں اور ہمہ جہت نظر آتی ہے۔ اور ایک عالم ربانی کی زمانے پر پرچھائیوں کا عجیب منظر سامنے آتا ہے، جگر مراد آبادی کیا خوب کہہ گئے۔

جب عشق اپنے مرکزِ اصلی پہ آ گیا　　خود بن گیا حسین، زمانے پہ چھا گیا

حضرت مولانا محمد شفیق احمد سلیم مدظلہ:

مجلّہ ’’المصطفیٰ‘‘ بہاولپور کا ’’امام اہل سنت نمبر‘‘ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات مستعار کے حسین لمحات اور زندگی کے خوبصورت چند گوشوں کی ایک بہت ہی دلآویز دلکش اور ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ایک حسین وجمیل تصویر ہے۔

حضرت مولانا محبوب احمد مدظلہ:

ماہنامہ المصطفیٰ کے امام اہل سنت نمبر کے مطالعہ کی سعادت نصیب ہوئی، آپ نے ماشاء اللہ خوب عرق ریزی، جفاکشی اور لگن سے اس شمارہ کی ترتیب وتدوین سرانجام دی ہے، **فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء.** آپ کی محنت انتہائی قابل قدر اور قابل صد مبارک باد ہے، حق تعالیٰ اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں اور حضرت کی تعلیمات سے آگاہی کیلئے امت کی رہنمائی کا ذریعہ بنائیں۔

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہ

امام اہل سنت نمبر...... پر...... مجلّہ ''تسکین الصدور''......کا......تبصرہ

جس زمانہ میں، میں نے پہلی مرتبہ ہفت روزہ ''ضرب مومن'' کا ایک شمارہ دیکھا تو پیشانی کے نیچے تحریر ایک سطر پر میری نظر ٹک گئی اور دیر تک اس لائن کو حسرت بھری نگاہوں سے تکتا رہا، عبارت تھی ''بدعاء: شیخ الشائخ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ'' ایک آرزو مجھے ہمیشہ تڑپاتی تھی اور ایک خواہش لگاتار انگڑائیاں لیتی رہتی تھی کہ کاش! کوئی ہفت روزہ یا ماہنامہ جریدہ ایسا بھی نکلے جس کے سرورق پر ''بدعاء: امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر'' کے الفاظ تاباں ہوں، تقدیر کا کرشمہ دیکھئے کہ ۱۴۲۴ھ کو اُدھر میں جامعة الرشید کراچی سے دورۂ صحافت کر کے واپس آیا اِدھر برادر مکرم حافظ محمد یوسف صاحب اور مولانا اللہ دتہ صاحب کی کاوشوں سے دوماہی ''نورِ بصیرت'' کی اشاعت کا آغاز ہوا، حافظ صاحب مذکور کے اصرار اور کچھ معروضی حالات کے پیش نظر نورِ بصیرت کے دوسرے پرچہ کی تیاری میں شریک ہوگیا اور تیسرے شمارہ سے ادارت سنبھالی، میری زیرِ ادارت پہلا شمارہ جب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آیا تو سرورق پر پیشانی کے اوپر ایک سطر مجھے بہت بھلی لگ رہی تھی، جی ہاں میری دیرینہ تمنا کی تکمیل یعنی حضرت امام اہل سنت کا نام نامی بڑے خوبصورت انداز میں مسکرا رہا تھا۔

وارفتگی اور محبت کا یہ عالم میرے ساتھ ہی خاص نہیں، حضرت امام اہل سنت میرے جیسے بے شمار افراد کی عقیدتوں کا محور اور ان گنت شخصیات کی چاہتوں کا مرکز تھے، اس لیے آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں سے آگاہ ہونے کا ہر شخص آرزومند تھا لہٰذا کسی ایسے معروف اور وقیع رسالہ کی خصوصی اشاعت کا منظر عام پر آنا ضروری تھا جو آپ کے سوانح اور افکار کا عکس پیش کر سکے۔ توقع کے بالکل بر خلاف مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاولپور کو یہ اعزاز حاصل ہوا اور یوں 900 صفحات کا ضخیم نمبر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک فراہم کر رہا ہے۔

المصطفیٰ کی اس خصوصی اشاعت میں صاحبزادۂ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہ کا مضمون پورے رسالے کی جان ہے۔ حافظ عمار خان ناصر صاحب نے اپنے بعض مضامین میں حضرت امام اہل سنت کو بھی اپنے ہاتھ کے کرتب سے اپنا ہمنوا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے فیا للعجب، مولانا عبدالحق خان صاحب نے اس مضمون کی مدلل، پر مغز اور جاندار تردید فرمائی اور آپ کے شعلہ بار قلم نے عمار صاحب کی غامدیت پر استوار عمارت کو خاکستر کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ مولانا عبدالروف چشتی صاحب کا مضمون ''صفدر دواخانہ کی سکہ بند دوائیں'' دلچسپ بھی ہے اور حقائق کشا بھی۔ اسی طرح خانوادۂ امام اہل سنت کے ہر فرد کی تحریر معلومات افزاء اور لائق مطالعہ ہے، ان تحریروں سے حضرت کے بہت سے

قابل تقلید خانگی معمولات کا پتہ لگتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ کے مضمون میں بعض مندرجات نے چونکا دیا ہے، حیرت ہے کہ انہوں نے رضاخانی بھیڑ کے چند افراد سے ملاقات کر کے یہ نتیجہ کیسے اخذ کرلیا کہ ''دونوں مکاتب فکر (دیوبندی، بریلوی) کا اختلاف بڑی حد تک صرف تعبیر اور الفاظ کا اختلاف ہے، حقیقت میں ایسا کوئی اختلاف عقائد کے باب میں نہیں ہے، جس کی بنیاد پر ایک دوسرے کو گمراہ یا فاسق قرار دیا جائے'' کیا علم غیب، حاضر ناظر، مختار کل، نور و بشر، اور مافوق الاسباب پکار جیسے مسائل جنہیں صدیوں سے فقہاء کرام شرکیہ قرار دیتے آئے ہیں یہ سب تعبیر کے اختلافات ہیں؟ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ سے لیکر حضرت امام اہل سنت تک بڑے بڑے اکابر دیوبند نے جو رضاخانی ٹبر کو ان شرکیہ عقائد کا حامل قرار دیا، آنجناب کی ''تعبیر'' ان اکابر کی دیانت وفہم پر سوالیہ نشان نہیں ہے؟ صرف تعبیر کے اختلاف میں پڑ کر ہمارے اکابر نے کیا اپنے وقت کا خون کیا؟ ویسے تعبیر کی حدود اربعہ کی وضاحت بھی وقت کا تقاضا ہے۔اور پھر اس سلسلے میں حضرت امام اہل سنت علیہ الرحمۃ کا مؤقف روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہے جو ان کی کتب، دروس میں مذکور ہے سردست حضرت رحمہ اللہ کا ایک مکتوب گرامی ملاحظہ فرمائیں جو ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ کے شکریہ کے ساتھ قارئین کی نذر ہے، اس مکتوب گرامی سے اندازہ ہوتا ہے کہ دیوبندی بریلوی اتحاد کے بارے حضرت امام اہل سنت کا مؤقف غیر مشروط نہیں ہے اور ان شرائط کے بغیر صلح کرنے کو وہ بے غیرتی قرار دیتے ہیں اور صلح کرنے والے دیوبندی علماء کی برملا مخالفت کا اعلان کرتے ہیں۔ملاحظہ ہو!

(حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی باب نمبر 7 میں ملاحظہ فرمائیں۔[خادم، حمزہ])

خانوادۂ امام اہل سنت میں برادر عزیز مولوی سرفراز حسن خان حمزہ کا مضمون تفصیلی بھی ہے اور متنوع گوشوں پر حاوی بھی۔حمزہ بھائی کے مضمون میں کیونکہ بعض نازک زاویے اور موضوعات بھی زیر بحث آگئے ہیں اس لیے ان کا مقالہ بعض روایتی مریدین اور عقیدتمندوں کی طبع نازپر گراں گزرا ہے۔تعجب ہے کہ اس مضمون پر برہمی کا اظہار کرنے والوں میں سرفہرست اٹک کے ایک معروف صاحب علم وقلم ہیں جو حمزہ بھائی کی تحریر کے اس حصہ پر بالخصوص نالاں ہیں جسکا تعلق حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی صاحب سے ہے، حالانکہ حضرت ہزاروی صاحب سے متعلق حمزہ بھائی کے مضمون میں کوئی عبارت قابل گرفت نہیں ہے۔ ''انتظار باقی ہے'' کے عنوان کے تحت حمزہ بھائی نے جن تحفظات کا اظہار کیا وہ بجا ہیں، حضرت ہزاروی صاحب کے رجوع کے متعلق کئی اکابر بھی عدم اطمینان کا اظہار کر چکے ہیں، اور واقعتاً حضرت ہزاروی صاحب کے رجوع کی نوعیت کا تعین آج تک نہیں ہوسکا،

[۱]......رسالہ ''قضیہ کا خاتمہ'' کے مرتب لکھتے ہیں کہ حضرت ہزاروی صاحب نے مولانا عبدالحفیظ مکی کے مشورے سے رجوع کیا اور اتحاد و اتفاق کی فضا کو پیدا کرنے کے لیے رجوع کیا۔

[۲]...... جب کہ مولانا عبدالحفیظ مکی (جو اپنے غلط مؤقف پر تا ہنوز قائم ہیں) فرماتے ہیں کہ مولانا ہزاروی شریف آدمی ہیں، قاضی (مظہر حسین) صاحب رحمہ اللہ کے دباؤ میں آ گئے، اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ حضرت ہزاروی کا رجوع......

[۱]......قاضی صاحب کے دباؤ کی وجہ سے ہے...... یا

[۲]......اتحاد و اتفاق کی خاطر ہے......یا

[۳]......علوی مالکی کے ان نظریات سے اختلاف کی وجہ سے ہے جن کی نشاندہی قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، مولانا یوسف لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ وغیرہ حضرات نے کی......؟

مؤخر الذکر شق کی کہیں صراحت نہیں، جبکہ ضرورت اسی کی ہے، رجوع کے سلسلہ میں اتنا کہہ دینا کہ ''جو نظریات علماء دیوبند کے خلاف ہوں ان سے برأت کا اعلان کرتا ہوں'' کافی نہیں، جب تک یہ صراحت نہ ہو کہ علوی مالکی کے متنازع نظریات بھی واقعتاً علماء دیوبند کے نظریات سے متصادم ہیں، ہزاروی صاحب کی طرف سے اس صراحت کا انتظار باقی ہے۔ بالخصوص اس صورت میں جب حضرت ہزاروی صاحب علوی مالکی نظریات کو دیوبندی نظریات کے موافق باور کرا چکے ہوں۔

رہی یہ بات کہ اس قضیہ کو چھیڑا کیوں گیا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت حضرت امام اہل سنت کے سوانح و افکار پر مشتمل ہے، حضرت امام اہل سنت کے اس فکری گوشہ کا مخفی رہ جانا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ لاہور میں منعقد ہونے والی ''تحفظ سنت کانفرنس'' میں حضرت امام اہل سنت کی سرپرستی اور مکی صاحب کی صدارت کا ڈھنڈورا ملک بھر میں پیٹا گیا، جس سے دونوں کی فکری یکسانیت کا تأثر ملتا تھا، اس لیے اس غلط تأثر کا ازالہ بھی ضروری تھا، تاکہ سب پر واضح ہو کہ حضرت امام اہل سنت، علوی مکی نظریات کی آلودگیوں سے پاک ہیں۔ جہاں تک حمزہ بھائی کی تحریری درشتی کا تعلق ہے اس سے اگر کسی کو اختلاف ہے تو وہ اس کا حق رکھتا ہے، اور حمزہ بھائی کو اپنے طرزِ تحریر پر اصرار بھی نہیں، جہاں تک مضمون کے مندرجات کا تعلق ہے وہ بے داغ ہیں بلکہ تشنۂ تکمیل۔

الغرض مجلّہ ''المصطفیٰ'' کی خصوصی اشاعت، حُسن انتخاب، حُسن ترتیب، حُسن ظاہری اور حسن قبولیت سے بہرہ ور ہے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم مدنیہ کے اس ترجمان کو اسی طرح کے کارہائے نمایاں سرانجام دینے کی توفیق سے سرفراز فرماتے رہیں۔ آمین۔

مجلّہ صفدر......اغراض ومقاصد

☆......مجلّہ ''صفدر'' اکابرِ دیوبند، بالخصوص

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

کے افکار ونظریات کا ''بے باک'' ترجمان ہے۔

☆......دورِ حاضر میں یہ

قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

[تلمیذ وخلیفہ مجاز: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ]

اور

امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

[تلمیذِ شیخ مدنی رحمہ اللہ......خلیفہ مجاز: امام المفسرین مولانا حسین علی رحمہ اللہ]

کے مسلک اور طرزِ عمل کا پابند ہے۔

☆......اس کا اولین مقصد قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی تعلیمات کی صحیح تشریح......تحفظ ناموسِ رسالت......دفاعِ صحابہؓ واہل بیتؓ......مسلک اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کی اشاعت وحفاظت ......اور فرقِ باطلہ ضالہ کا تعاقب ہے۔

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کی اپنے

تلامذہ اور مریدین کے لیے نصیحت

عزیزان گرامی قدر!

میں کسی بھی مسئلہ میں اپنی کوئی رائے نہیں رکھتا۔ بلکہ قرآن وسنت اور فقہ و تاریخ کے تمام افکار و مسائل میں اکابرین علماء دیوبند کی اجماعی تحقیق پر اعتماد کرتا ہوں اور اُن کی تمام اجماعی تعلیمات کو حق جانتے ہوئے اُن پر عمل پیرا ہونے کو اپنے لیے ہدایت اور نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں اپنے تمام تلامذہ، مریدین اور متعلقین کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اکابر علماء دیوبند کے مسلک پر سختی کے ساتھ عمل پیرا رہیں۔ اور اُن کے دامن کو کسی صورت چھوڑنے نہ پائیں۔ جو اکابر علماء دیوبند کے اجماعی مسلک کو قرآن وسنت کے مطابق سمجھتے ہوئے اس پر پوری طرح قائم رہے وہ میرے متعلقین میں شامل ہے۔ اور جس کا اکابر کی اجماعی تحقیق پر اعتماد نہ ہو میرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

نوٹ: عقیدہ حیات النبی کے بارہ میں اکابر علماء دیوبند کے مسلک جو "المهند على المفند" کے اندر مذکور ہے، اس کی روشنی میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں ارواح مبارکہ کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور عند القبر پڑھا جانے والا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ ہمارے حضرت رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ جس کا یہ عقیدہ ہے وہی دیوبندی ہے۔ اور میرے متعلقین میں شامل ہے۔ اور جس کا یہ عقیدہ نہ ہو اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

تحفظ ناموس رسالت اور عقیدہ ختم نبوت کی پاسبانی کے لیے میرے تمام شاگرد، مریدین و متعلقین "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" کے ساتھ ہر قسم کا بھرپور تعاون فرمائیں کہ یہ جماعت ہمارے بزرگوں کی قائم کردہ ہے۔ میری سب کو یہ نصیحت اور حکم ہے۔

(امام اہل سنت، حضرت مولانا) ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر (رحمہ اللہ)